

شمشیرِ بے نیام

حصہ اول

غنائت اللہ



پیش لفظ

”شمشیر بنیام“ کی پہلی جلد پیش خدمت ہے۔ دوسری جلد میں یہ ایمان، افرورداستان مکمل ہوتی ہے۔
خالد بن الولید اسلام کی دہ شمشیر تھے جو کلمہ کے خلاف ہیشہ بے نیام رہی۔
خالد بن الولید کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی توار (سیف اللہ) کا خطاب عطا فرمایا تھا۔
خالد بن الولید پہلے سالادول میں سے تھے جنہوں نے فور اسلام کو مدینہ سے دور دیر تک پہنچا دیا تھا۔
تاریخ اسلام آج نہیں، عالمی جنگوں کی تاریخ خالد بن الولید کو چند ایک عظیم ہر نیوں میں شمار کرتی ہے۔ فنی حرب وغرب
کے ماہرین اور مسٹر کج بھی خالد کی جنگی چالوں، میدان جنگ میں ان کی قیادت اور عسکری فہم و فراست کے حوالے
جیتے ہیں۔

ہر میدان جنگ میں مسلمانوں کی تعداد کم رہی ہے۔ کفار کی تعداد کہیں دگنی تھی کہیں سہ گنا اور یروک کے میلان
میں قیصر روم کی فوج اور اس کے اتحادیوں کی تعداد ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھی۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد
چالیس ہزار کے گج جنگ تھی۔ دشمن کی فوج کا محاذ بارہ میل لمبا تھا اور اس میں کہیں بھی شکست نہیں تھا۔ بس
کے مقابلے میں مسلمانوں نے دشمن کے محاذ کے پھیلاؤ کو روک دیا اور پناہ گاہ گیارہ میل پھیلا دیا تھا اور دستوں کے
درمیان وسیع شکاف تھے۔

دشمن کے محاذ کی گہرائی بھی زیادہ تھی۔ دستوں کے پیچھے دستے کھڑے تھے جبے چٹانوں کے پیچھے چٹانیں
کھڑی ہوں۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے محاذ کی گہرائی تھی ہی نہیں۔
تاریخ حیران ہے، جنگی سبقت حیران ہیں کہ مسلمانوں نے یروک میں، رومیوں کو شکست کس طرح دی تھی۔ اور
رومیوں کی فیکٹ فیصلہ کن تھی۔ اس کے بعد بیت المقدس پہنچے ہوئے پھل کی طرح مسلمانوں کی جھولی میں
آن گرا تھا۔

یہ جنگی چالوں کا کمال تھا۔ یروک کی جنگ میں خالد بن الولید نے جو چالیں کامیابی سے آزمائی تھیں وہ آج ترقی یافتہ
ممالک کی فوجوں کی ٹریننگ میں شامل ہیں۔

خالد نے کبھی تسلیم نہیں کیا تھا کہ دشمن کی تعداد زیادہ اور اس کے ہتھیار برتر ہیں اور مسلمان بہت تھوڑے
ہیں دشمن کے سامنے آنا خطرناک ہوگا۔ ایسے موقعے بھی آئے کہ انہوں نے خلافت کے احکام کو نظر انداز کر
کے دشمن چمکے کر دیا اور فتح پائی۔ یہ ایمان اور عزم کی جنگی کار کوشہ تھا۔ یہ اسلام اور رسول اللہ کے عشق کا کمال تھا۔
خالد کے کردار کی عظمت دیکھتے، خلیفہ المسلمین عمر بن الخطاب نے انہیں پہلے سپہ سالار سے سزا دل گیا تو
خالد بدول نہ ہوئے اور سپاہیوں کی طرح لڑتے رہے۔ یروک کی جنگ کے بعد عمر بن الخطاب نے خالد کو ایک الزام

میں مذہب لایا۔ خالد سے باز پرس ہوئی۔ عرب کے اس وقت کے رواج کے مطابق طریقہ اختیار کیا گیا جو ایک
سپہ سالار کے لیے توہین آمیز تھا لیکن خالد کا بڑا بڑا ایسا تھا خلیفہ المسلمین کو گوارہ نہ گزرا انہوں نے سزا قبول کر لی۔
خالد بن الولید کو عمر بدلی پر بہت افسوس ہوا لیکن انہوں نے خلیفہ المسلمین کا تختہ الٹنے کی کوشش نہ کی اپنی
انگ سیسی پارٹی نہ بنائی نہ اپنا محاذ قائم کر لیا۔ اگر وہ ایسا اقدام کرتے تو پوری فوج ان کے ساتھ تھی۔ وہ قوم کھسے

مکہ میں عزیز و محترم تھے۔ انہوں نے اُس وقت کی دو بہت بڑی جنگی طاقتوں کو زبردہ کر کے بکیر دیا تھا۔ ایک تھے ایرانی آتش پرست اور دوسرے رومی تھے۔ خالد نے انہیں بے ہوش کئے دے کو عراق اور شام کو سلطنت اسلامیہ میں شامل کر لیا لیکن انہوں نے خلافت کے خلاف ایک لفظ نہ کہا۔ انہوں نے اپنی عظمت کو نظر انداز کر کے غلیظہ المسلمین کی حکمت کا خیال رکھا۔

خالد کا تعلق تھا اور انہوں نے اسلام کو کیا اور آج کے مسلمان کو انہوں نے کیا اور شریا، یہ آپ اس داستان — شمشیر بے نیام — کی وہ دھول ہیں پڑھیں گے۔

اسلام کی تاریخ کے ساتھ بہت زیادہ تیاں ہوئی ہیں مختلف مذہبوں اور لہجہ کے تاریخ نویسوں نے لکھیں وہ اتنا گنہگار ہو رہا ہے۔ ایک ہی واقعہ کی طرح بیان کیا گیا ہے۔ یہاں تک دھاندلی کی گئی ہے کہ بعض واقعات تعصب اور فرقہ بندی کے زیر اثر غلط رنگ میں پیش کئے گئے تعصب یہ ہے نہ سمجھئے کہ اس کا مظاہرہ غیر مسلم مفسرین نے کیا ہے۔ یہ تعصب اور دروغ مسلمان تاریخ نویسوں پر پایا جاتا ہے۔

ہر واقعہ کو صحیح انداز میں پیش کرنے کے لیے ہم نے بہت سی کتابوں سے مدد لی اور چنانچہ ان کی ہے اور تحقیق کر کے ہر واقعہ لکھا ہے۔ ایسے مقامات بھی آئے کہ ہمارے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ صحیح کیا اور غلط کیا ہے۔ ہم نے جانچ پڑتال کر کے فیصلہ کیا ہے کہ صحیح کیا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہم سے اختلاف کیا جائے گا لیکن یہ اختلاف چھوٹے چھوٹے اور غیر اہم واقعات میں ہوگا۔ جس انداز سے ہم نے یہ داستان شجاعت لکھی ہے اسے تاریخی ناول کہا جاتا ہے لیکن یہ اُن تاریخی ناولوں میں سے نہیں جن میں انسانی ہدف کی رنگ بھرا جاتا ہے۔ یہ تاریخ زیادہ اور ناول نہ ہونے کے برابر ہے۔

ہم نے خالد بن الولید اور ان کے تمام ہم عصر سرداروں کو عام انسانوں کے روپ میں پیش کیا ہے۔ انہیں کسانوں سے اترے ہوئے سبز پوش نہیں بنایا نہ ان سے ایسے جھڑے کرائے ہیں کہ انہوں نے فوج لگا یا اور دشمن دم دیا کر بھاگ گیا۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی چاہیے کہ یہ کتاب ہر گھر میں موجود ہونی چاہیے۔ یہ داستان ہماری روایت کا مجموعہ ہے۔ آج جب کہ تفریحی اور اخلاقی سوزکمانیوں نے مسلمان کی اولاد کو ٹیڑھی سے اتار دیا ہے، یہ کتاب جو ہم شمشیر بے نیام کے عنوان سے پیش کر رہے ہیں، اپنے بچوں کو پڑھائیں۔ اس میں کمائی کی تمام تر چپکلیاں موجود ہیں اور یہ ہماری تاریخ ہے۔ اور یہ ہماری روایت ہے۔ یہ اسلام کی عسکری روح کی صحیح تصویر ہے۔

عنایت اللہ

مدیر ماہنامہ ”حکایت“ لاہور

مسافر عرب کے صحرا میں اکیلا چلا جا رہا تھا۔

ہجری کے زمانے میں عرب کا وہ علاقہ جہاں مکہ اور مدینہ واقع ہیں بڑا ہی خوفناک صحرا ہوا کرتا تھا۔ جلتا اور انسانوں کو جھلساتا جو اریحڑار۔ ایک تو صحرا کی انہی صفتوں میں تھیں، دوسرا خطرہ رہنوں کا تھا۔ مسافر قافلوں کی صورت میں سفر کیا کرتے تھے لیکن یہ مسافر اکیلا جا رہا تھا۔ وہ اعلیٰ نسل کے جنگی گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس کی زبردہ گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ اُس کی کمر سے تلوار نکل رہی تھی اور اُس کے ہاتھ میں برچھی تھی۔

اُس زمانے میں مردوں کے قد دراز، سینے چوڑے اور جسم گٹھے ہوئے ہوتے تھے۔ یہ اکیلا مسافر بھی انہی مردوں میں سے تھا لیکن وہ جس انداز سے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا تھا۔ اس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ شہسوار ہے اور وہ کوئی معمولی آدمی نہیں۔ اُس کے چہرے پر خوف کا ہلکا سا بھی تاثر نہیں تھا کہ رہن اُسے ٹوٹ لیں گے، اُس سے آتی اچھی نسل کا گھوڑا چمپین لیں گے اور اُسے پیدل سفر کرنا پڑے گا لیکن اُس کے چہرے پر جتنا تر تھا وہ قدرتی نہیں تھا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ یادوں سے دل بہلا رہا تھا یا کچھ یادوں کو ذہن میں دفن کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آگے ایک گھاٹی آگئی کھجور چڑھتا چلا گیا۔ خاصی بلندی پر جا کر زمین ہموار ہوئی۔ سوار نے گھوڑا روک کر اسے گھمایا اور رکابوں پر کھڑے ہو کر تیکھے دیکھا۔ اُسے مسخہ نظر نہ آیا مسخہ اتنی کے نیچے چلا گیا تھا۔

”الوہیسیان!“ اُسے جیسے آواز سنائی دی ہو۔ ”اب پیچھے نہ دیکھو۔ مسخہ کو ذہن سے اتار دو۔ تم مرد میدان ہو۔ اپنے آپ کو دو حصوں میں نہ کٹھنے دو۔ اپنے فیصلے پر قائم رہو۔ تمہاری منزل مدینہ ہے۔“ اُس نے مسخہ کی سمت سے نکلا ہیں ہٹا لیں، گھوڑے کا رخ مدینے کی طرف کیا اور باگ کو ہلکانسا جھٹکا دیا۔ گھوڑا اپنے سوار کے اشارے سمجھتا تھا۔ چچی تلی چال چل پڑا۔ سوار کی عمر ۴۳ برس تھی لیکن وہ اپنی عمر سے جوان لگتا تھا۔ ”سیلیان اُس کے بیٹے کا نام تھا۔ اُس کے باپ کا نام الولید تھا لیکن سوار نے خالد بن الولید کی بجائے ”الوہیسیان“ کہلا کر زیادہ پسند کیا تھا۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ تاریخ اُسے

خالد بن الولید کے نام سے یاد رکھے گی اور یہ نام اسلام کی عسکری روایات اور جذبات کے دوسرا نام بن جائے گا۔ ۴۳ برس کی عمر میں جب خالد مدینے کی طرف جا رہا تھا اُس وقت وہ مسلمان نہیں تھا۔ چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کے علاوہ وہ مسلمانوں کے خلاف دو بڑی جنگیں — جنگ احد اور جنگ خندق — لڑ چکا تھا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ۶۱۰ء بروز سوموار بمبئی وحی نازل ہوئی اُس وقت خالد کی عمر ۴۴ سال تھی۔ اُس وقت تک وہ اپنے قبیلے بنو مخزوم کی عسکری قوت کا قائد بن چکا تھا۔ بنو مخزوم کا شمار قریش کے چند ایک معزز خاندانوں میں جوتا تھا۔ قریش کے عسکری امور اسی خاندان کے سپرد تھے۔ قریش

خالد کے باپ الولید کے احکام اور فیصلے مانتے تھے۔ ۲۴ برس کی عمر میں حیثیت خالد کو کچی حاصل ہو گئی تھی مگر اس حیثیت کو ٹھکرانے خالد ابوسلمان مدینے کو جا رہا تھا۔

کبھی وہ محسوس کرتا جیسے اُس کی ذات سے کوئی قوت اُسے پیچھے کو گھسیٹ رہی ہو جب وہ اس قوت کے اثر کو محسوس کرتا تو اُس کی گردن پیچھے کو مڑ جاتی لیکن اُس کی اپنی ذات سے ایک آواز اُٹھتی تھی۔ ”اگے دیکھ خالد! اولید کا بیٹا تو ہے لیکن وہ مر گیا ہے۔ اب تو سلیمان کا باپ ہے۔ وہ زندہ ہے۔“ اُس کے ذہن میں دو نام اُٹھ گئے۔ محمد رسول اللہ جو ایک نیا دین لاتے تھے اور الولید جو خالد کا باپ اور محمد اور آپ کے سنے دین کا بہت بڑا دشمن تھا۔ باپ پر دشمنی ورثے کے طور پر خالد کے حوالے کر کے دینا سے اُٹھ گیا تھا۔

خالد کے گھوڑے نے پانی کی ٹشک پر اپنے آپ ہی رُخ بدل لیا تھا۔ خالد نے اُدھر دیکھا۔ اُسے گول داترے میں کچھ درخت اور صحرا کے جھاڑی مناد رخت نظر آئے۔ گھوڑا ادھر ہی جا رہا تھا۔

نخلستان میں داخل ہو کر خالد گھوڑے سے گود گیا۔ عمامہ اتار کر وہ پانی کے کنارے دو زانو ہو گیا۔ اُس نے پانی چلو بھر کر اپنے سر پر ڈالا اور دو چار جھینٹے منہ پر پھینکے۔ اُس کا گھوڑا پانی پی رہا تھا۔ خالد نے اُس چشمتے سے پانی پیا جو صرف انسانوں کے استعمال کے لیے تھا یہ چھوٹا سا ایک جنگل تھا۔ خالد نے گھوڑے کی زین اتاری اور زین کے ساتھ بندھی ہوئی چھوٹی سی ایک درمی کھول کر جھاڑی مناد رختوں کے جھنڈ تلے بچھائی اور لیٹ گیا۔



وہ ٹھک گیا تھا۔ پتھری سی دیر کے لیے سو جانا چاہتا تھا مگر اُس کے ذہن میں یادوں کا جو خالد چل پڑا تھا وہ اُسے سوئے نہیں دے رہا تھا۔ اُسے سات سال پہلے کا ایک دن یاد آیا جب اُس کے عزیزوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس منصوبے میں خالد کا باپ الولید پیش پیش تھا۔

وہ ستمبر ۶۲۲ء کی ایک رات تھی۔ قریش نے رسول خدا کو سوتے میں قتل کرنے کے لیے ایسے آدمی چنے تھے جو انسانوں کے رُوپ میں وحشی اور درندے تھے۔ خالد قریش کے سرکردہ خاندان کا جوان تھا۔ اُس وقت اُس کی عمر ستائیس سال تھی۔ وہ اسخفرت کے قتل کی سازش میں شریک تھا لیکن وہ قتل کرنے والوں میں شامل نہیں تھا۔ اُسے سات سال پہلے کی وہ رات گزرے جو نئے کل کی طرح یاد تھی۔ وہ اس قتل پر خوش بھی تھا، ناخوش بھی خوش اس لیے کہ اُس کے اپنے قبیلے کے ہی ایک آدمی نے اُس کے مذہب کو جو بت پرستی تھی، باطل کہہ دیا اور اپنے آپ کو خدا کا پیغمبر کہہ دیا تھا۔ ایسے دشمن کے قتل پر خوش ہونا فطری بات تھی۔

اور وہ ناخوش اس لیے تھا کہ وہ اپنے دشمن کو لکا کر آسنے سامنے کی لڑائی لڑنے کا قاتل تھا۔ اُس نے سوتے جوتے دشمن کو قتل کرنے کی کبھی سوچی ہی نہیں تھی بہر حال اُس نے اس سازش کی مخالفت نہیں کی لیکن قتل کی بات جب قابلِ رسول خدا کو مقررہ وقت پر قتل کرنے کے لئے تو آپ

کا۔ کان خالی تھا۔ وہاں گھر کا سامان بھی نہیں تھا۔ نہ آپ کا گھوڑا تھا نہ اونٹنی۔ قریش اس امید پر سوتے جوتے تھے کہ صبح انہیں خوشخبری ملے گی کہ اُن کے مذہب کو جھٹلانے اور انہیں اپنے سنے مذہب کی طرف بلائے والا قتل ہو گیا ہے مگر صبح وہ ایک دوسرے کو مایوسی کے عالم میں دیکھ رہے تھے، پھر وہ سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔ ”محمد کہاں گیا؟“ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قتل کے وقت سے بہت پہلے اپنے قتل کی سازش سے آگاہ ہو کر مکہ سے یثرب (مدینہ) کو ہجرت کر گئے تھے صبح تک آپ بہت دُور نکل گئے تھے۔

آج، سات برسوں بعد، خالد بھی مدینے کی طرف جا رہا تھا اور اس کے ذہن پر محمد کا نام سوار تھا۔ اُس نے جنگ ابوحدیس اپنے دیوتا، بھل اور دلوئی عزی کے دشمن محمد کو قتل کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی مگر آپ زخمی حالت میں وہاں سے نکل گئے تھے۔ خالد کے ذہن سے یادیں بھولتی جی آ رہی تھیں۔ ذہن پیچھے ہی پیچھے ہٹتے ہٹتے سولہ برس دُور جا چکا۔ ۶۱۳ء کی ایک شام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے چند ایک سرکردہ افراد کو اپنے دل کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے کے بعد رسول کریم نے اپنے مہمانوں سے کہا:

”اے میرے عبد المطلب! میں تمہارے سامنے جو محمد پیش کرنے لگا ہوں وہ عرب کا کوئی اور شخص پیش نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے اللہ نے مجھے منتخب کیا ہے۔ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ تمہیں ایک ایسے مذہب کی طرف بلاؤں جو تمہاری دنیا کے ساتھ تمہاری عاقبت بھی آسودہ اور مسرور کرے گا۔ اس طرح رسول اکرم نے پہلی وحی کے نزول کے تین سال بعد اپنے قریبی عزیزوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ خالد اس مغل میں نہیں تھا۔ اُس کا باپ مدعو تھا۔ اُس نے خالد کو مذاق اڑانے کے انداز میں بتایا تھا کہ عبد المطلب کے پوتے محمد نے کہا ہے کہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا نبی ہے۔

”ہم جانتے ہیں عبد المطلب قریش کا ایک سرور تھا۔“ الولید نے اپنے بیٹے خالد سے کہا۔ ”بیک محمد کا خاندان اعلیٰ حیثیت رکھتا ہے لیکن نبوت کا دعویٰ اس خاندان کا کوئی فرد کیوں کر ہے؟ اللہ کی قسم! اور تم بھل اور عزی کی، میرے خاندان کا تیرے کسی سے کم نہیں کیا نبوت کا دعویٰ کر کے کوئی ہم سے اُدھیا ہو سکتا ہے؟“

”آپ نے اُسے کیا کہا ہے؟“ خالد نے پوچھا۔ ”پہلے تو ہم چپ ہو گئے پھر ہم سب منہ پڑے۔“ الولید نے کہا۔ ”لیکن محمد کے چچا زاد بھائی علی بن ابوطالب نے محمد کی نبوت کو قبول کر لیا ہے۔“ خالد اپنے باپ کی طنز پر ہنسی کو بھولا نہیں تھا۔

خالد کو ۶۲۹ء کے ایک روز مکہ اور مدینہ کے راستے میں ایک نخلستان میں لیٹے ہوئے وہ وقت یاد آ رہا تھا۔ رسول اللہ جن کی نبوت کو قریش کے سردار قبول نہیں کر رہے تھے، اس نبوت کو لوگ قبول کرتے چلے جا رہے تھے۔ ان میں اکثریت نوجوانوں کی تھی بعض مغل لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوصلے میں جان اُگھی اور آپ نے اسلام کی تبلیغ تیز کر دی۔ آپ بت پرستی کے خلاف تھے مسلمان اُن تین سو ساٹھ نبوتوں کا مذاق اڑاتے تھے

جو کعبہ کے اندر اور باہر رکھے بنوئے تھے۔
طلوع اسلام سے پہلے عرب ایک خدا کو مانتے تھے اور پوجتے ان بتوں کو تھے۔ انہیں وہ دیویاں اور دیوتا کہتے اور انہیں اللہ کے بیٹے اور شیال مانتے تھے۔ وہ ہر بات میں اللہ کی قسم کھاتے تھے۔

قریش نے دیکھا کہ محمدؐ کے جس دین کا انہوں نے مذاق اڑایا تھا وہ مقبول ہوتا جا رہا ہے تو انہوں نے آپؐ کی تبلیغی سرگرمیوں کے خلاف محاذ بنالیا اور مسلمانوں کا جینا حرام کر دیا۔ خالد کو یاد آ رہا تھا کہ اُس نے اللہ کے رسولؐ کو گولیوں اور بازاروں میں لوگوں کو اکٹھا کر کے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے اور بتاتے دیکھا تھا کہ بت انہیں نہ فائدہ دے سکتے ہیں نہ نقصان عبادت کے لائق صرف اللہ ہے جو وحدہ لا شریک ہے۔

رسول خداؐ کی مخالفت کے فائدہ قریش کے چار سردار تھے۔ ایک تو خالد کا باپ الولید تھا۔ دوسرا نبی کریمؐ کا چنانچا ابولہب تھا، تیسرا ابوسفیان اور چوتھا ابوجحکم شاہو خالد کا چچا زاد بھائی تھا۔ مسلمانوں پر سب سے زیادہ ظلم و تشدد انہی شخصوں نے کیا تھا۔ وہ جہالت کی حد تک کینہ پرورد اور مُکمل کُشت تھا۔ اسی لیے مسلمان اُسے ابوجہل کہنے لگے تھے۔ یہ نام اتنا عام ہوا کہ لوگ جیسے اُس کا اصل نام بھول ہی گئے ہوں۔ تازنخ نے بھی اس پستہ قد، بھیجے اور لوہے کی طرح مضبوط آدمی کو ابوجہل کے نام سے ہی یاد رکھا ہے۔

✽

خالد کو یہ یادیں پریشان کرنے لگیں، شاید شرمسار بھی۔ قریش کے لوگوں نے رسول خداؐ کے گھر میں کئی بار غلاطمت پھینکی تھی جہاں کوئی مسلمان اسلام کی تبلیغ نہ کر رہا ہوتا وہاں قریش کے آدمی جا پہنچتے اور پلٹ پچاتے تھے۔ بد اخلاق اور دھنکارے ہوئے آدمیوں کو رسول خداؐ کو پریشان کرتے رہنے کے کام پر لگا دیا گیا تھا۔

خالد کو یہ اطمینان ضرور تھا کہ اُس کے باپ نے محمدؐ رسول اللہؐ کے خلاف ایسی کوئی گھٹیا حرکت نہیں کی تھی۔ وہ دو مرتبہ قریش کے تین چار سرداروں کو ساتھ لے کر رسول خداؐ کے چچا ابولہب کے پاس یہ کہنے گیا تھا کہ وہ اپنے بھتیجے (رسول خداؐ) کو بتوں کی توہین اور نبوت کے دعوے سے روکے ورنہ وہ کسی کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا۔ ابولہب نے ان لوگوں کو دونوں مرتبہ ٹال دیا تھا۔

خالد کو اپنے باپ کی بہت بڑی قربانی یاد آئی۔ عمارہ خالد کا بھائی تھا۔ وہ خاص طور پر خوبصورت نوجوان تھا۔ وہ دوہن تھا اور اُس میں بانجھن تھا۔ خالد کے باپ الولید نے اپنے اتنے خوبصورت بیٹے عمارہ کو قریش کے دوسراؤں کے حوالے کیا اور انہیں کہا کہ اسے محمدؐ کے چچا ابولہب کے پاس لے جاؤ اور اُسے کہو کہ میرا بیٹا لے کر لو اور اس کے بدلے محمدؐ ہمیں دے دو۔

خالد اپنے باپ کے اس فیصلے پر کانپ اٹھا تھا اور جب اُس کا بھائی عمارہ دونوں سرداروں کے ساتھ چلا گیا تھا تو خالد تنہائی میں جا کر رونا مینا۔

”ابولہب! — سرداروں نے عمارہ کو رسول کریمؐ کے چچا کے آگے کر کے کہا۔“ اسے تم جانتے ہو۔ یہ عمارہ بن الولید ہے تم بھی جانتے ہو گئے کہ بنو ہاشم نے جس کے تم سزا ہو، ابھی ہم اس جیسا جیلا اور عقلمند جوان پیدا نہیں کیا۔ یہ ہم ہمیشہ کے لیے تمہارے حوالے کرنے آئے ہیں۔ اسے اپنا بیٹا بنا کر رکھو گے تو تمام عمر فرمانبردار رہے گا اور اگر اسے اپنا غلام بناؤ گے تو قسم ہے اللہ کی، تم پر اپنی جان بھی قربان کر دے گا۔“

”مگر تم اسے میرے حوالے کیوں کر رہے ہو؟“ ابولہب نے پوچھا۔ ”کیا بنو ہاشم کی نازل نے اپنے بیٹوں کو نیلام کرنا شروع کر دیا ہے؟.... کو، اس کی کتنی قیمت چاہتے ہو؟“
”اس کے عوض ہمیں اپنا بھتیجا محمدؐ دے دے۔“ قریش کے ایک سردار نے کہا۔ ”تھا یہ بھتیجا تمہاری رسوائی کا باعث بن گیا ہے۔ اُس نے تمہارے آباؤ اجداد کے مذہب کو رد کر کے نیا مذہب بنالیا ہے۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ اُس نے قبیلہ میں آدمی کو آدمی کا دشمن بنا دیا ہے۔“

”میرے بھتیجے کو لے جا کر کیا کر دے گا؟“
”قتل۔“ قریش کے دوسرے سردار نے جواب دیا۔ ”ہم محمدؐ کو قتل کریں گے۔ یہ بے انصافی نہیں ہوگی۔ تم دیکھ رہے ہو کہ ہم تمہارے بھتیجے کے بدلے تمہیں اپنا بیٹا دے رہے ہیں۔“
”یہ بہت بڑی بے انصافی ہوگی۔“ ابولہب نے کہا۔ ”تم میرے بھتیجے کو قتل کر دو گے اور میں تمہارے بیٹے کو بالوں کا اور اس پر خرچ کروں گا اور اسے بہت اچھی زندگی دل کا تم میرے پاس کیسا انصاف لے کر آتے ہو؟.... میں تمہیں عزت سے نصرت کرتا ہوں۔“

خالد نے جب اپنے بھائی کو اپنے سرداروں کے ساتھ واپس آتے دیکھا اور سرداروں سے سنا کہ ابولہب نے یہ سودا قبول نہیں کیا تو خالد کو دلی سرت ہوئی تھی۔

✽

”محمدؐ کا تم نے کیا کیا کیا تھا ابولہب! — خالد کی ذات سے ایک سوال اٹھا۔ اُس نے خیالوں ہی خیالوں میں سر ہلایا اور دل ہی دل میں کہا۔“ کچھ نہیں.... بیشک محمدؐ کا جسم طاقتور ہے لیکن رکانہ بن عبد مزید جیسے پہلوان کو اکٹھا کر پختے کے لیے صرف جہانی طاقت کافی نہیں۔“
رکانہ بن عبد مزید رسول اکرمؐ کا چچا تھا جس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ عرب کا مانا ہوا پہلوان تھا۔ نامی تحرائی پہلوان آئے جنہیں اُس نے ایک ہی واویں بیٹ کر پختے کے قابل نہ سمجھوڑا۔ وہ وحشی انسان تھا۔ صرف لڑنا مارنا جانتا تھا۔ خالد کو وہ وقت یاد آئے لگا جب مسلمانوں کو دُک کر کے والے تین چار آدمیوں نے ایک دن رکانہ پہلوان کو خوب کھلایا پلایا اور اُسے کہا تھا کہ تمہارا بھتیجا محمدؐ کسی کے ہاتھ نہیں آتا نہ اپنی تبلیغ سے باز آتا ہے نہ کسی سے ڈرتا ہے اور لوگ اُس کی باتوں کے جاؤ میں آتے چلے جا رہے ہیں، کیا تم اُسے سیدھا نہیں کر سکتے؟

”کیا تم میرے ہاتھوں اُس کی بڑیاں ٹوٹا چاہتے ہو؟ — رکانہ نے اپنے چہرے پر مست جھینٹے کا تڑپا کر کے بکتر کے لمحے میں کہا تھا۔“ لاؤ اُسے میرے مقابلے میں.... لیکن وہ میرا نام سن کر سچے سے بھاگ جائے گا۔ نہیں، نہیں میں اُس کے ساتھ لڑنا نہیں سکتا۔“

اس نے کھانے والے آدمیوں کی بات نہ مانی۔ وہ کسی پہلوان کو اپنے برابر سمجھتا ہی نہیں تھا۔ مسلمانوں کے دشمن خاموش ہو گئے لیکن سوچتے رہے کہ رسول خدا کو رکانہ کے ہاتھوں گرا کر آپ کا تماشہ بنایا جائے۔ سکتے کے یہودی خاص طور پر رسول اکرم کے دشمن تھے لیکن وہ کھل کر میدان میں نہیں آتے تھے۔ وہ خوش تھے کہ اہل قریش آپس میں بٹ کر ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ہیں نہیں پتہ چل گیا کہ قریش کے کچھ آدمیوں نے رکانہ پہلوان کو کھایا ہے کہ وہ رسول اللہ کو کشتی کے لیے نکالے۔ سے سین وہ نہیں مان رہا۔

ایک روز رکانہ رات کے وقت ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ اس کے قریب سے ایک بڑی حسین اور جوان لڑکی گزری۔ چاندنی رات میں لڑکی نے رکانہ کو پہچان لیا اور مسکرائی۔ رکانہ وحشی تھا۔ وہ لڑکی گھبرا کر لڑکی کا راستہ روک لیا۔

”کیا تم جانتی ہو کہ عورت مرد کی طرف دیکھ کر کوسراتی ہے تو اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟“
رکانہ پہلوان نے پوچھا۔ ”کون ہو تم؟“

”اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عورت اس مرد کو چاہتی ہے۔“ جوان لڑکی نے جواب دیا۔ ”میں سب سے بہتر ارمی ہوں۔“

”او۔۔۔۔۔ ارمی یہودی کی بیٹی؟“ رکانہ نے کہا اور لڑکی کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اور اسے اپنے قریب کر کے بولا۔ ”کیا میرا جسم تم سے اتنا اچھا لگتا ہے اور کیا میری طاقت...“
”تمہاری طاقت نے مجھے مایوس کر دیا ہے۔“ سب سے بڑے پچھتے ہوئے کہا۔
”تم اپنے بھتیجے محمد سے ڈرتے ہو؟“

”کون کہتا ہے؟“ رکانہ نے غرج کر پوچھا۔
”سب کہتے ہیں۔“ سب سے بڑے کہا۔ ”پہلے محمد کو گراؤ۔ میں اپنا جسم تمہیں انعام میں دیوں گی۔“
”اللہ کے بیٹوں اور بیٹیوں کی قسم تیری بات پوری کر کے تیرے سامنے آؤں گا۔“ رکانہ نے کہا۔ ”لیکن تو نے غلط سنا ہے کہ میں محمد سے ڈرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میں اپنے سے کمزور کے ساتھ لڑنا اپنی توہین سمجھتا ہوں لیکن تیری بات پوری کر دوں گا۔“

مشہور مورخ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ رسول کریم نے خود رکانہ پہلوان کو کشتی کے لیے لٹکا رہا تھا لیکن دوسرے مورخ ابن الاثیر نے جو شہادت پیش کی ہے وہ صحیح ہے کہ رکانہ نے رسول خدا کو کشتی کے لیے لٹکا رہا اور اس نے کہا تھا:

”میرے بھائی کے بیٹے! تم بڑے دل اور بڑی جرأت والے آدمی ہو۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم جھوٹ بولنے سے نفرت کرتے ہو لیکن مرد کی حرمت اور صداقت کا پتہ لگانا اڑے میں چلتا ہے۔ آؤ۔ میرے مقابلے میں اٹھو۔ میں اٹھو۔ اگر مجھے گراؤ تو میں تمہیں اللہ کا بھیجا ہوا بی بی مان لوں گا۔ اللہ کی قسم، تمہارا مذہب قبول کر لوں گا۔“

”لیکن یہ ایک بھتیجے اور چچا کی کشتی نہیں ہوگی۔“ رسول خدا نے رکانہ کی لٹکار کے جواب میں کہا۔ ”یہ ایک بہت پرست اور پختہ دین کے ایک پیغمبر کی لڑائی ہوگی۔ تو مار گیا تو اپنا وعدہ نہ نبھو گانا۔“

مکہ میں یہ خبر صحرا کی آندھی کی طرح پھیل گئی کہ رکانہ پہلوان اور محمد کی کشتی ہوگی اور جو مار جائے گا وہ جیتنے والے کا مذہب قبول کرے گا۔ قریش کا بچہ بچہ، مرد و زن اور یہودی ہجوم کر کے آگئے۔ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ وہ تلواروں اور برچھیوں سے مسلح ہو کر آئے کیونکہ انہیں خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ قریش کشتی کو بھانہ بنا کر رسول خدا کو قتل کر دیں گے۔

عرب کا سب سے زیادہ طاقتور اور وحشی پہلوان رکانہ بن عبدزید رسول کریم کے مقابلے میں اُترا۔ اس نے رسول اللہ پر طنز یہ نگاہ ڈالی اور آپ پر پھینکی کسی۔ آپ مکمل خاموشی اور اطمینان سے رکانہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہے کہ وہ بے خبری میں کوئی داؤ نہ کھیل جائے۔ رکانہ آپ کے ارد گرد بول بھولا جیسے شیر اپنے شکار کے ارد گرد گھوم گیا ہوا اور اب اسے کھنا جاتے گا۔ ہجوم رسول اکرم کا مذاق اڑاتا تھا۔ مسلمان خاموش تھے۔ وہ دل ہی دل میں اللہ کو یاد کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی تلواروں کے دستوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔

پھر نہ جانے کیا ہوا؟ رسول اکرم نے کیا داؤ کھیلایا؟ ابن الاثیر لکھتا ہے کہ آپ نے رکانہ کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ رکانہ زخمی شہر کی طرح اٹھا اور غر کر آپ پر حملہ آور ہوا۔ آپ نے پھر وہی داؤ کھیلایا اور اسے پٹخ دیا۔ وہ اٹھا تو آپ نے اسے تیسری بار پٹخا۔ بھاری بھر کم جسم تین بار پٹخا گیا تو کشتی جاری رکھنے کے قابل نہ رہا۔ رکانہ سر جھکا کر اٹھاڑے سے نکل گیا۔

ہجوم پرستنا طاری ہو گیا۔ اب مسلمان مٹی تلواریں اور برچھیاں ہوا میں لہر لہرا اور اُچھال اُچھال کر نعرے لگا رہے تھے۔

”بھچا رکانہ! رسول اللہ نے لٹکا کر کہا۔“ اپنا وعدہ پورا کر اور میں اعلان کر کہ آج سے تو مسلمان ہے۔“

رکانہ نے قبول اسلام سے صاف انکار کر دیا۔



یہ طاقت جہانی نہیں تھی۔“ خالد نے نخلستان میں لیٹے لیٹے اپنے آپ سے کہا۔ ”رکانہ کو یوں تین بار پٹخا تو دُر کی بات ہے، اُسے کوئی پٹخاڑ بھی نہیں سکا تھا۔“

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور خالد کے ذہن میں نکھر آیا۔ وہ آپ کو اچھی طرح جانتا تھا لیکن اب وہ محسوس کر رہا تھا جیسے وہ محمد کوئی اور شخص جنہیں وہ بچپن سے جانتا تھا۔ اس کے بعد آپ نے جو روپ اختیار کیا تھا اس میں خالد آپ کو نہیں پہچانتا تھا۔ نبوت کے دعوے کے بعد خالد کی آپ کے ساتھ بول چال بند ہو گئی تھی۔ وہ آپ کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنا چاہتا تھا لیکن وہ رکانہ کی طرح پہلوان نہیں تھا۔ وہ میدان جنگ میں لڑنے والا اور لڑنے والوں کی قیادت کرنے والا نہ تھا۔ لیکن اس وقت مسلمان فوج کی صورت میں لڑنے کے قابل نہیں تھے۔

جب مسلمان فوج کی صورت میں لڑنے کے قابل ہوئے اور قریش کے ساتھ ان کا پہلا معرکہ ہوا اس وقت خالد کے لیے ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ وہ اس معرکہ میں شامل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کا اُسے بہت افسوس تھا۔ یہ معرکہ بدر کا تھا جس میں تین سو تیرہ صحابہ بن اسلام نے

ایک ہزار قریش کو شکست دی تھی۔ خالد دانت پتیارہ گیا تھا لیکن اس روز جب وہ ایک نخلستان میں لیٹا ہوا تھا، اُسے خیال آیا کہ تین سو تیرہ نے ایک ہزار کو کس طرح شکست دے دی تھی۔ اُس نے شکست کھا کر آنے والے قریش سے پوچھا تھا کہ مسلمانوں میں وہ کون سی خوبی تھی جس نے انہیں فتح کیا تھا۔

خالد اٹھ بیٹھا اور انگلی سے ریت پر ہر کے میدان کے حدود خال بنا کر قریش اور مسلمانوں کی پوزیشن اور معرکے کے دوران دونوں کی چالوں کی بکریں بنانے لگا۔ باپ نے اُسے فن حربہ و فتنہ کا ماہر بنا دیا تھا۔ بچپن میں اُسے گھوڑ سواری سکھائی۔ لڑکپن میں اُسے اکھڑ اور سمنہ زور گھوڑوں کو قابو میں لانے کے قابل بنایا۔ نوجوانی میں وہ شہسوار بن چکا تھا۔ شستر سواری میں بھی وہ ماہر تھا۔ اُس کا باپ ہی اُس کا استاد تھا۔ اُس نے خالد کو صرف سپاہی نہیں بلکہ سالار بنایا تھا۔ خالد کو جنگ جندل اتنی اچھی لگی کہ وہ لڑنے اور لڑانے کے طریقوں پر غور کرنے لگا اور جوانی میں فوج کی قیادت کے قابل ہو گیا تھا۔

اُسے بدر کی لڑائی میں شامل نہ ہو سکے کا افسوس تھا اور وہ انتقام کے طریقے سوچتا رہتا تھا لیکن اب اُس کی سوچوں کا دھارا کسی اور طرف چل پڑا تھا۔ سمنہ سے روانگی سے کچھ دن پہلے سے وہ اس سوچ میں کھو گیا تھا کہ رسول اکرم نے رکنا نہ پہلوان کو تین بار چٹا تھا اور بدر میں آپ نے محض تین سو تیرہ مجاہدین سے ایک ہزار کو شکست دی۔ یہ کوئی اور ہی قوت تھی۔ لیکن بدر کے معرکے کے بعد اُس کے دل میں مسلمانوں کے خلاف انتقام کی آگ لگ گئی تھی۔

مسلمان معرکہ بدر میں قریش کے بہت سے آدمیوں کو قیدی بنا کر لے گئے تھے۔ قریش کے سرداروں کے لیے توبہ صمد نہ تھا ہی۔ اس کا بہت بُرا اثر خالد نے قبول کیا تھا۔ اُسے یاد تھا کہ جب بدر کا معرکہ لڑا جا رہا تھا تو سمنہ میں کوئی خبر نہیں پہنچ رہی تھی کہ معرکے کا انجام کیا ہوا۔ سمنہ کے لوگ بدر کی سمت دیکھتے رہتے تھے کہ ادھر سے کوئی سوار دوڑا آئے گا اور فتح کی خبر سنانے گا۔

آخر ایک روز ایک شتر سوار آتا نظر آیا۔ لوگ اُس کی طرف دوڑ پڑے۔ سوار نے عرب کے رواج کے مطابق اپنا کمر بٹھا دیا تھا اور وہ روتا رہا تھا۔ بُری خبر لانے والے قاصدا ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ وہ جب لوگوں کے درمیان پہنچا تو اُس نے روتے ہوئے بتایا کہ اہل قریش کو بہت بُری شکست ہوئی ہے۔ جن کے عزیز رشتہ دار لڑنے گئے تھے وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر ان کے متعلق پوچھتے تھے کہ وہ زندہ ہیں، زخمی ہیں یا مارے گئے ہیں۔ شکست خوردہ قریش پیچھے آ رہے تھے۔

مارے جانے والوں میں سترہ افراد خالد کے قبیلے بنو مخزوم کے تھے اور ان سب کے ساتھ خالد کا خون کا بڑا قریبی رشتہ تھا۔ اب جہل بھی مارا گیا تھا۔ خالد کا بھائی جس کا نام ولید تھا جنگی قیدی ہو گیا تھا۔

ابوسفیان جو قریش کے سرداروں کا سردار تھا اور اُس کی بڑی بہن بھی موجود تھی۔
”کچھ میرے باپ اور میرے چچا کے متعلق بتا اے قاصد!“ بہنہ نے پوچھا۔
”تمہارا باپ غلبہ علیؓ اور حمزہؓ کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔“ قاصد نے کہا۔ ”اور تمہارے چچا

غلبہ کو اکیلے حمزہؓ نے قتل کیا ہے اور تمہارا بیٹا خظلمہ علیؓ کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔
ابوسفیان کی بیوی ہند نے پہلے تو علیؓ اور حمزہؓ کو بلند آواز سے گالیاں دیں پھر بولی۔ ”اللہ کی قسم میں اپنے باپ، اپنے چچا اور اپنے بیٹے کے خون کا بدلہ لوں گی۔“
ابوسفیان پر خاموشی طاری تھی۔

خالد کا خون کھول رہا تھا۔
قریش کے ستر آدمی مارے گئے اور جو جنگی قیدی ہوئے ان کی تعداد بھی اتنی ہی تھی۔



خالد اٹھا۔ درمی جھانک کر بیٹھی اور گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ کر سوار ہوا اور مدینہ کی سمت چل پڑا۔ اُس نے ذہن کو یادوں سے خالی کر دینا چاہا لیکن اُس کا ذہن مدینہ پہنچ جاتا جہاں رسول اللہؐ تھے اور جو تبلیغ اسلام کا مرکز بن گیا تھا۔ آپؐ کا خیال آتے ہی اُس کا ذہن تیکھے چلا جاتا اور اُسے وہ منظر دکھاتا جن کے خالق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اُس کے ذہن میں ہند کے الفاظ یاد آتے جو اُس نے اپنے خاندان ابوسفیان سے کہے تھے۔

”میں اپنے باپ اور چچا کو بھول سکتی ہوں۔“ ہند نے کہا تھا۔ ”کیا میں اپنے نخت جگر خظلمہ کو بھی بھول جاؤں؟ ماں اپنے بیٹے کو کیسے بھول سکتی ہے؟ اللہ کی قسم، میں محمدؐ کو اپنے بیٹے کا خون معاف نہیں کروں گی۔ یہ لڑائی محمدؐ نے کرائی ہے۔ میں حمزہؓ اور علیؓ کو نہیں بخشوں گی۔ وہ میرے باپ، میرے چچا اور میرے بیٹے کے قاتل ہیں۔“

”میرے خون کو صرف میرے بیٹے کا قتل کر مارا ہے۔“ ابوسفیان نے کہا تھا۔ ”مجھ پر اپنے بیٹے کے خون کا انتقام فرض ہو گیا ہے۔ میں سب سے پہلے یہ کام کروں گا کہ محمدؐ کے خلاف زبردست فوج تیار کر کے اُسے آئندہ لڑنے کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔“

مشہور مورخ اور واقعہ نگار واقدی لکھتا ہے کہ اگلے ہی روز ابوسفیان نے تمام سرداروں کو بلایا۔ ان میں زیادہ تعداد ان سرداروں کی تھی جو کسی نہ کسی وجہ سے جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور ان میں سے ہر ایک کا کوئی نہ کوئی عزیز اس جنگ میں مارا گیا تھا۔ سب انتقام کا ارادہ لے کر اکٹھے ہوئے۔ ”کیا مجھے زیادہ باتیں کرنے کی ضرورت ہے؟“ ابوسفیان نے کہا۔ ”میرا اپنا جوان بیٹا مارا گیا ہے۔ اگر میں انتقام نہیں لیتا تو مجھے جینے کا کوئی حق نہیں۔“

سب ایک ہی بار بولنے لگے۔ وہ اس پر متفق تھے کہ مسلمانوں سے بدر کی شکست کا انتقام لیا جائے۔

”لیکن آپ میں سے اب کوئی بھی اپنے گھر میں نہ بیٹھا رہے۔“ خالد نے کہا۔ ”بدر میں ہم صرف اس لیے ذلت میں گرے کہ سردار گھروں میں بیٹھے رہے اور ان گولوں کو لڑنے کے لیے بھیج دیا جو قریش کی عظمت کو نہیں سمجھتے تھے۔“

”کیا میرے باپ کو بھی قریش کی عظمت کا خیال نہ تھا؟“ خالد کے چچا زاد بھائی عکرمہ نے جو ابوبہل کا بیٹا تھا، برہم ہوتے ہوئے کہا۔ ”کیا صفوان بن امیہ کے باپ کو بھی قریش کی عظمت کا

جی آدمیوں کو قید کیا ہے، ان کی رہائی کے لیے کوئی کوشش نہیں کی جائے گی تم جانتے ہو کہ مسلمانوں نے قیدیوں کی رہائی کے لیے ان کے درجے مقرر کردیئے ہیں اور ان کا ذریعہ ایک ہزار سے چار ہزار درہم مقرر کیا ہے۔ ہم مسلمانوں کو ایک درہم بھی نہیں دیں گے۔ یہ رقم ہمارے ہی خلاف استعمال ہوگی۔

خالد کو گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے اور مدینہ کی طرف جاتے ہوئے جب وہ لمحے یاد آ رہے تھے تو اُس کی بھیلیاں بند ہو گئیں۔ غصے کی لہر اُس کے سر سے دُجڑ میں پھرتی۔ وہ وقت بہت پیچھے رہ گیا تھا لیکن اب بھی اس کے اندر غصہ بیدار ہو گیا۔ اُسے غصہ اس بات پر آیا تھا کہ اجلاس میں طے ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کے پاس سحرتہ کا کوئی آدمی اپنے قیدی کو چھڑانے مدینہ نہیں جائے گا لیکن ایک آدمی چوری چھپے مدینہ چلا گیا اور ذریعہ ادا کر کے اپنے باپ کو رہا کر لایا۔ اس کے بعد قریش کا کوئی نہ کوئی آدمی چوری چھپے مدینہ چلا جاتا اور اپنے عزیز رشتہ دار کو رہا کر لاتا۔ ابوسفیان نے اپنا حکم واپس لے لیا۔

خالد کا اپنا ایک بھائی حسن کا نام ولید تھا مسلمانوں کے پاس جی قیدی تھا۔ اگر اُس وقت تک قریش اپنے بہت سے قیدی رہا نہ کر لاتے ہوتے تو خالد اپنے بھائی کی رہائی کے لیے کبھی نہ جاتا۔ اُسے اپنے بھائیوں نے مجبور کیا تھا کہ ولید کی رہائی کے لیے جائے۔ خالد کو یاد آ رہا تھا کہ وہ اپنے وقار کو ٹھیس پہنچانے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا لیکن اُسے ایک خیال آیا تھا خیال یہ تھا کہ رسول کریمؐ بھی اسی کے قبیلے کے تھے اور آپ کے پیروکار یعنی جو مسلمان ہو گئے تھے وہ بھی قریش اور اہل مکہ سے تھے۔ وہ آسمان سے تو نہیں اترے تھے۔ وہ اتنے جبری اور دلیر تو نہیں تھے کہ تین سو تیرہ کی تعداد میں ایک ہزار کو شکست دے سکتے۔ اب اُن میں کسی قوت انگہی ہے کہ وہ ہمیں نیچا دکھا کر ہمارے آدمیوں کی قیمتیں مقرر کر رہے ہیں؟

”انہیں ایک نظر دیکھو گا“ خالد نے سوچا تھا۔ ”محمدؐ کو غور سے دیکھو گا“

اور وہ اپنے بھائی ہشام کو ساتھ لے کر مدینہ چلا گیا تھا۔ اُس نے اپنے ساتھ چار ہزار درہم باندھ لیے تھے۔ اُسے معلوم تھا کہ بنو خزوم کے سردار الولید کے بیٹے کا ذریعہ چار ہزار درہم سے کم نہیں ہو گا۔ ایسے ہی ہوا۔ اُس نے مسلمانوں کے ہاں جا کر اپنے بھائی کا نام لیا تو ایک مسلمان نے، جو قیدیوں کی رہائی اور ذریعہ کی وصولی پر مامور تھا، کہا کہ چار ہزار درہم ادا کرو۔

”ہم ذریعہ میں کچھ رعایت چاہتے ہیں“ خالد کے بھائی ہشام نے اُس مسلمان سے کہا۔ ”تم لوگ آخر ہمیں سے ہو گئے ہو کچھ پرانے رشتوں کا خیال کرو۔“

”اب ہم تم میں سے نہیں ہیں“ مسلمان نے کہا۔ ”ہم اللہ کے رسولؐ کے حکم کے پابند ہیں۔“

”بھائی ہم تمہارے رسولؐ سے بات کر سکتے ہیں؟“ ہشام نے پوچھا۔

”ہشام! خالد نے گرج کر کہا۔ ”میں اپنے بھائی کو اپنے وقار پر قربان کر چکا تھا مگر تم مجھے ساتھ لے آئے۔ یہ جتنا مانگتے ہیں اتنا ہی دے دو میں تمہارے سامنے جا کر رحم کی جھینک نہیں مانگوں گا۔“

اُس نے درہموں سے بھری ہوئی بھیلیاں مسلمان کے آگے چھینک کر کہا، مگر لو اور رہا کر بھائی ہمارے حوالے کرو۔

خیال نہ تھا؟... تم کہاں تھے الولید کے بیٹے؟

”ہم یہاں ایک دوسرے سے لڑنے کے لیے اکٹھے نہیں ہوئے“ ابوسفیان نے کہا۔ ”خالد! تمہیں ایسی بات نہیں کہنی چاہیے تھی جس سے کوئی اپنی بے عزتی محسوس کرے۔“

”ہم میں سے کوئی بھی عزت والا نہیں رہا“ خالد نے کہا۔ ”ہم سب اُس وقت تک بے عزت رہیں گے جب تک ہم تمہارا اُس کے چیلوں کو ہمیشہ کے لیے ختم نہیں کر دیتے۔ مجھے اپنے گھوڑے کے ٹھوں کی قسم، میرے خون کی قسم نے میری آنکھیں جلادی ہیں۔ ان آنکھوں کو مسلمانوں کا خون ٹھنڈا کر سکتا ہے... میں پھر کموں گا کہ اب سردار آگے ہوں گے اور میں جانتا ہوں کہ میں میدان جنگ میں کہاں ہوں گا لیکن جنگ میں ہمارا جو سردار ہو گا میں اُس کے حکم کا پابند رہوں گا اور اگر میں سمجھوں گا کہ سردار نے مجھے ایسا حکم دیا ہے جو ہمیں نقصان دے گا تو میں ایسا حکم نہیں مانوں گا۔ سب نے متفقہ طور پر ابوسفیان کو اپنا سردار مقرر کیا۔

اس سے کچھ روز پہلے اہل مکہ کا ایک قافلہ فلسطین سے مسیحہ واپس آیا تھا۔ یہ تجارتی قافلہ تھا۔ مسیحہ کے باشندوں، خصوصاً قریش کے ہر خاندان نے اس تجارت میں حصہ ڈالا تھا۔ اس قافلے میں کم و بیش ایک ہزار اونٹ تھے اور جو مال لیا تھا اس کی مالیت پچاس ہزار دینار تھی۔ قافلے کا سردار ابوسفیان تھا جس نے پچاس ہزار پچاس ہزار دینار منافع کما لیا تھا۔

قافلے کی واپسی کا راستہ مدینہ کے قریب سے گزرتا تھا۔ مسلمانوں کو پتہ چل گیا۔ انہوں نے پورے قافلے کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا اور ایک مقام پر قافلے کو گھیرے میں لے لیا لیکن وہ زمین ایسی تھی کہ ابوسفیان نے ایک ایک آدمی اور ایک ایک اونٹ کو زمین کے اونچے نیچے خدخال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گھیرے سے نکال دیا تھا۔



خالد کا گھوڑا خراماں خراماں مدینہ کی طرف چلا جا رہا تھا مگر خالد کا ذہن پیچھے کو سفر کر رہا تھا۔ اُس وقت کا جب قریش انتقام کی سکیم بنانے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے، ایک ایک لفظ جو کسی نے کہا تھا۔ سنا دے رہا تھا۔

”اگر تم نے اپنی سرداری مجھے دی ہے تو میرے ہر فیصلے کی پابندی تم پر لازم ہے“ ابوسفیان نے کہا۔ ”میرا پہلا فیصلہ یہ ہے کہ میں نے ابھی پچاس ہزار دینار منافع سب میں تقسیم نہیں کیا وہیں تقسیم نہیں کروں گا۔ یہ مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ میں استعمال ہو گا۔“

”مجھے اور میرے خاندان کو یہ فیصلہ منظور ہے“ سب سے پہلے خالد نے کہا۔

پھر منظور ہے... ایسا ہی کرو... منظور ہے“ کی آوازیں اٹھیں۔

”میرا دوسرا حکم یہ ہے“ ابوسفیان نے کہا۔ ”کہ جنگ بدر میں ہمارے جو آدمی مارے گئے ہیں۔ ان کے لواحقین آہ و زاری کر رہے ہیں۔ میں نے مردوں کو دھڑلے مار تے اور عورتوں کو تین کرتے سنا ہے۔ اللہ کی قسم جب اسلوب جاتے ہیں تو انتقام کی آگ سرد ہو جاتی ہے۔ آج سے بدر کے مقتولین پر کوئی نہیں روئے گا... اور میرا تیسرا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں نے بدر کی لڑائی میں ہمارے

یہ وحشی بن حرب کا دوسرا نام تھا۔ وہ ٹک گیا۔ دیکھا کہ ابوسفیان کی بیوی ہند اُسے بلارہی تھی۔ وہ اُس کے قریب چلا گیا۔

”ابو سہل! ہند نے کہا ”جیران نہ ہو۔ تجھے میں نے بلایا ہے میرا سینہ انتقام کی آگ سے جل رہا ہے۔ میرا سینہ ٹھنڈا کر دے۔“

”حکم خانوں! غلام نے کہا ”اپنے سالار کی زوجہ کے حکم پر اپنی جان دے دوں گا۔“

”بدتر میں میرے باپ کو حمزہؑ نے قتل کیا تھا۔ ہند نے کہا ”تو حمزہؑ کو بھی طرح پہچانتا ہے۔ یہ دیکھ میں نے سونے کے جو زیورات پہن رکھے ہیں، اگر تو حمزہؑ کو قتل کر دے گا تو یہ سب زیورات تیرے ہوں گے۔“

وحشی بن حرب نے ہند کے زیورات پر نگاہ ڈالی تو وہ مسکرایا اور زیر لب پُر عزم لہجے میں بولا ”حمزہؑ کو میں ہی قتل کروں گا۔“

خالد کو اپنے لشکر کا کوچ یاد تھا۔ اسی راستے سے لشکر مدینہ کو گیا تھا۔ اُس نے ایک بلند جگہ کھڑے ہو کر اپنے لشکر کو دیکھا تھا۔ اُس کا سینہ فخر سے چیل گیا تھا۔ اُسے مدینہ کے مسلمانوں پر رحم آ گیا تھا لیکن اس جس دم نے بھی اُسے مسترت دی تھی۔ یہ خون کی دشمنی تھی۔ یہ اُس کے وقار کا مسئلہ تھا۔ مسلمانوں کو کچل ڈالنا اُس کا عزم تھا۔

جنگ اُحد کے بہت دن بعد اُسے ہتہ چلتا تھا کہ جب مکہ میں قریش لشکر جمع کر رہے تھے تو اس کی اطلاع رسول اکرم کو مل گئی تھی اور جب یہ لشکر مدینہ کے راستے میں تھا تو رسول خدا کو اس کی رفتار، چڑاؤ اور مدینے سے فاصلے کی اطلاع مسلسل ملتی رہی تھیں۔ آپ کو لشکر کے کدے کوچ کی اطلاع حضرت عباسؓ نے دی تھی۔

قریش کے اس لشکر نے مدینہ سے کچھ میل دور کوہ اُحد کے قریب ایک ایسی جگہ کیمپ کیا تھا جو مری بھری تھی اور وہاں پانی بھی تھا۔ خالد کو معلوم نہ تھا کہ مسلمانوں کے دو جاسوس اس لشکر کی پوری تعداد دیکھ گئے ہیں اور رسول کریم کو یہ بتا چکے ہیں۔

۳۱ مارچ ۶۲۵ء کے روز رسول کریم نے اپنی فوج کو کوچ کا حکم دیا اور شیخین نام کی ایک پہاڑی کے دامن میں جا خیمہ زن ہوئے۔ آپ کے ساتھ ایک ہزار یا دو ہزار مجاہدین تھے جن میں ایک سونے سروں بیزرہ پہن رکھی تھی۔ مجاہدین کے پاس صرف دو گھوڑے تھے جن میں سے ایک رسول کریم کے پاس تھا۔

اس موقع پر مسلمانوں کے نفاق کا پہلا خطرناک مظاہرہ ہوا جو خدا تعالیٰ کے مترادف تھا۔ مدینے کے بعض ایسے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا جو دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہیں رسول مقبولؐ نے منافقین کہا تھا کسی کے متعلق یہ معلوم کرنا کہ وہ سچا مسلمان ہے یا منافق بہت مشکل تھا۔ جب مجاہدین مدینے سے شیخین کی پہاڑی کی طرف کوچ کرنے لگے تو ایک بازا آدمی جس کا نام عبداللہ بن ابی ثناء رسول اللہ کے ساتھ اس جگہ میں آچکا تھا کہ قریش کا لشکر تین گنا ہے اس لیے مدینے سے باہر چاکر لڑنا نقصان دہ ہوگا۔

آپ نے مجاہدین کے دوسرے سرداروں سے رائے لی تو اکثریت نے کہا کہ شہر سے باہر لڑنا زیادہ بہتر ہوگا۔ آپ عبداللہ بن ابی ثناء کے ہی ہم خیال تھے لیکن آپ نے اکثریت کا فیصلہ قبول کر لیا اور کوچ کا حکم دے دیا۔ عبداللہ بن ابی ثناء نے شہر سے باہر جانے سے انکار کر دیا۔ اُس کے پیچھے بیٹے کی دیکھی کہ مجاہدین اسلام میں سے تین سو آدمی پیچھے ہٹ گئے۔ تب پتہ چلا کہ یہ سب منافقین تھے اور عبداللہ بن ابی ثناء کا سردار ہے۔

اب بین ہزار کے مقابلے میں مجاہدین کی نفی صرف سات سو رہ گئی۔ رسول اللہؐ دل برداشتہ نہ ہوئے اور سات سو کو ہی ساتھ لے کر کوہ اُحد کے دامن میں شیخین کے مقام پر مجاہدین کو جنگی ترتیب میں کر دیا۔ خالد نے ایک بند ٹیکری پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کی یہ ترتیب دیکھی تھی اور اس نے اپنے سالار ابوسفیان کو بتا کر اپنے دستے کی جگہ طے کر لی۔

رسول اکرم نے مجاہدین کو کم دیش ایک ہزار گولہ بانی میں پھیلا دیا۔ پیچھے وادی تھی۔ مجاہدین کے ایک پہلو کے ساتھ پہاڑی تھی لیکن دوسرے پہلو پر کچھ نہیں تھا۔ اس پہلو کو مضبوط رکھنے کے لیے رسول کریم نے سچا پس تیر اندازوں کو قریب کی ایک ٹیکری پر بٹھا دیا۔ ان تیر اندازوں کے کماندار عبداللہ بن جبر تھے۔

”ابنی ذہر داری کچھ لو عبداللہ!“ رسول خدا نے اُسے ہدایت دیتے ہوئے فرمایا۔ ”اپنے عقب کو دیکھو۔ دشمن ہمارے عقب میں نقل و حرکت کر سکتا ہے جو ہمارے لیے خطرہ ہے۔ دشمن کے پاس گھوڑے سوار زیادہ ہیں۔ وہ ہمارے پہلو پر گھوڑے سواروں سے حملہ کر سکتا ہے۔ اپنے تیر اندازوں کو گھوڑے سواروں پر کوز رکھو۔ پیادوں کا مجھے کوئی ڈر نہیں۔“

تقریباً تمام متقدم مورخین جن میں ابن ہشام اور واقدی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، لکھتے ہیں کہ رسول کریم نے عبداللہ بن جبر کو واضح الفاظ میں کہا تھا ”ہمارا عقب صرف تمہاری بیداری اور مستعدی سے محفوظ رہے گا۔ تمہاری ذرا سی کوتاہی بھی ہمیں بڑی ذلت آمیز شکست دے سکتی ہے۔۔۔۔۔۔ یاد رکھو عبداللہ! اگر تم دشمن کو بھاگتے ہوئے اور ہمیں فتح باب ہوتے ہوئے دیکھ لو تو بھی اس جگہ سے نہ ہٹنا۔ اگر دیکھو کہ ہم دشمن کا دباؤ بڑھ گیا ہے اور تمہیں ہماری مدد کے لیے پہنچنا چاہیے تو بھی یہ جگہ نہ چھوڑنا۔ پہاڑی کی یہ بلندی دشمن کے قبضے میں نہیں جانی چاہئے۔ یہ بلندی تمہاری ہے۔ وہاں سے تم نیچے اس تمام علاقے کے حکمران ہو گے جہاں ہمک تمہارے تیر اندازوں کے تیر پہنچیں گے۔“

خالد نے مسلمانوں کی ترتیب دیکھی اور ابوسفیان کو بتایا کہ مسلمان کچھ میلان کی لڑائی نہیں لڑیں گے۔ ابوسفیان کو اپنی کنیز نفری پر ناز تھا۔ وہ جانتا تھا کہ لڑائی کچھ میلان یعنی لا محدود محاذ پر ہوتا کہ وہ اپنے پیادوں کو گھوڑوں کی افراط سے مجاہدین اسلام کو کچل ڈالے۔ خالد کو اپنے باپ نے جنگی چالوں کی ترتیب پہنچنے سے دینی شروع کر دی تھی۔ دشمن پر بے خبری میں پہلو یا عقب سے چھپنا، دشمن کو چکر دے دے کر مارنا، اپنے دستوں کی تقسیم اور ان پر کنٹرول اس ترتیب میں شامل تھا جو اسے باپ نے دی تھی۔ اُس نے تجربہ کار سردار کی نگاہوں سے مجاہدین کی ترتیب دیکھی تو اُس نے عیسویں کیا جو مسلمان دشمن حرب کے کمالات دکھا سکتے ہیں۔

ابوسفیان اپنی فوج کو مسلمانوں کے بالمقابل لے گیا۔ اس نے گھوڑ سواروں کو مسلمانوں کے پہلوؤں پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ ایک پہلو پر خالد اور دوسرے پر عکرم تھا۔ دونوں کے ساتھ ایک سو گھوڑ سوار تھے۔ تمام گھوڑ سواروں کا نام مذکور بن العاص تھا۔ پیادوں کے آگے ابوسفیان نے ایک سو تیر انداز رکھے۔ قریش کا پرچم طلحہ بن ابولہب نے اٹھا رکھا تھا۔ اس زمانے کی جنگوں میں پرچم کو دل جیسی اہمیت حاصل تھی۔ پرچم کے گرنے سے فوج کا حوصلہ ٹوٹ جاتا اور جنگ بڑھ جاتی تھی۔



قریش نے جنگ کی ابتدا اس طرح کی کہ ان کی صفوں سے ایک شخص ابوعامر فاسق آگے ہو کر مجاہدین کے قریب چلا گیا۔ اس کے پیچھے قریش کے غلاموں کی کچھ تعداد بھی تھی۔ ابوعامر مدینہ کا رہنے والا تھا وہ قبیلہ اوس کا سردار تھا۔ جب رسول کریم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ گئے تو ابوعامر نے قسم کھائی تھی کہ وہ آپ کو اور تمام مسلمانوں کو مدینہ سے نکال کر دم لے گا۔ اس پر ایک بڑی ہی حسین بیویوں کا اور یہودیوں کے مال و دولت کا طعنے لگایا تھا۔ یہودیوں کی اسلام دشمنی کا رد انہیں زمین و آسمان سے نکال دیا تھا۔ بظاہر انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ دوستی اور فرائض کی تعمیل کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ ابوعامر انہی کے ہاتھ میں کٹھن پتلی بنا ہوا تھا لیکن ان یہودیوں نے اسے قریش کا دوست بنا رکھا تھا۔

اب مجاہدین قریش کے خلاف لڑنے کے لیے مدینہ سے نکلے تو ابوعامر قریش کے پاس چلا گیا۔ اس کے قبیلہ اوس کے بہت سے آدمی رسول کریم کے دست مبارک پر اسلام قبول کر چکے تھے اور وہ قریش کے مقابلے میں صفت آرا تھے۔ ابوعامر آگے چلا گیا اور مجاہدین سے بلند آواز میں مخاطب ہوا۔ رسول کریم نے اسے فاسق کا خطاب دیا تھا۔

”قبیلہ اوس کے غیرت مند بہادر و بااثر۔ ابوعامر فاسق نے کہا۔ تم مجھے یقیناً پہچانتے ہو۔ میں کون ہوں۔ میری بات غور سے سن لو اور...“

وہ اپنی ٹھکانہ لپوری ذکر پایا تھا کہ مجاہدین اسلام کی صف سے قبیلہ اوس کے ایک مجاہد کی آواز گرجی۔ ”اوفاسق، ہمارا ہم تیرے نام پر تھوک چکے ہیں“

خالد کو وہ وقت یاد آ رہا تھا۔ مجاہدین اسلام کی صف سے ابوعامر اور اس کے ساتھ گئے ہونے غلاموں پر پتھروں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ مورخ لکھتے ہیں کہ پتھر برسانے والے قبیلہ اوس کے مجاہدین تھے۔ ابوعامر اور غلام مجاہدین کے پتھروں کی زد میں تھے، ایک ایک دو دو پتھر کھا کر پیچھے ہٹا آئے۔

یہودی مدینہ میں بیٹھے لڑائی کی خبروں کا انتظار کر رہے تھے۔ جس یہودیوں کے طعنے میں ابوعامر گرفتار تھا، وہ اپنی کامیابی کی خبر سننے کے لیے بے تاب تھی اسے ابھی معلوم نہ تھا کہ اس کے حسن و جوانی کے طعنے کو مسلمانوں نے سنگسار کر دیا ہے۔ اس سلسلے کے آنے والی افسانہ میں یہودیوں اور قریش کی عورتوں کی تہذیب و دوڑ کا رونا ہوں کی تفصیل کی گئی ہے۔

ابوعامر فاسق کے اس واقعہ سے پہلے وہ عورتیں جو قریش کے لشکر کے ساتھ گئی تھیں لشکر کے درمیان کھڑی ہو کر سرسری آوازوں میں ایسے ہیچیت گاتی تھیں۔ جن میں ہر ایک دوسرے کے جانے والے

قریش کا ذکر ایسے الفاظ اور ایسی طرز میں کیا گیا تھا کہ سننے والوں کا خون کھولتا اور روئے ٹٹھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ان عورتوں میں سے ایک دو نے جو حبشہ کی تقریر کی صورت میں بھی قریش کے محن کو گواہ کیا تھا۔ عورتوں کو پیچھے چلے جانے کا حکم ملا تو ابوسفیان کی بیوی ہند نے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر ایک گھیت گانا شروع کر دیا۔ اس کی آواز بلند تھی اور آواز میں سوز بھی تھا۔ تاریخ نگاروں نے اس کے عجیب کے پورے اشعار قلم بند نہیں کیے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ گیت محض خدا جس میں مرد اور عورت کے درودہ تعلقات کا ذکر تھا۔ اشعار جزائری میں آئے ہیں وہ اس طرح ہیں۔

ان میں جس عبد اللہ کا نام آتا ہے، یہ بنو عبد اللہ رہے۔ بنو امیہ اسی کی ایک شاخ تھی۔ بنو عبد اللہ قریش کا بہت اوجھا خاندان تھا۔

عبد اللہ کے سپوتو!

ہمارے گھرانوں کے پابانو!

ہم رات کی بیٹیاں ہیں

ہم تمہیں کے درمیان حرکت کیا کرتے ہیں

اس حرکت میں لطف اور لذت موتی ہے

تم دشمن پر چڑھ دوڑے تو ہم تمہیں اپنے سینوں سے لگالیں گی

تم بھاگ آئے تو ہم تمہارے قریب نہیں آئیں گی

اس کے بعد ابوعامر فاسق پر مجاہدین اسلام کی طرف سے سنگباری ہوئی اور اس کے فوراً بعد قریش نے مجاہدین پر تیر بھینکنے شروع کر دیے۔ مجاہدین نے اس کے جواب میں تیر برسانے۔ خالد اپنے پہلو والے مسلمانوں کے پہلو پر حملہ کرنے کے لیے اپنے ایک سو سواروں کے ساتھ تیزی سے بڑھا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ مدینہ پر تیر انداز چھپے بیٹھے ہیں۔ اس کے سوار بے دھڑک چلے آ رہے تھے۔ راستہ ڈراما تھا۔ سواروں کو آگے پیچھے ہونا پڑا۔

خالد سوچ سمجھ کر اپنے سواروں سے اس پہلو پر لایا تھا۔ اپنے باپ کی تربیت کے مطابق اسے بڑی خود اعتمادی سے توقع تھی کہ وہ ہلہول کر مسلمانوں کو اس پوزیشن میں لے آئے گا کہ وہ ہٹا ہوا نہیں گئے اور اگرچہ کمزور لڑے تو قریش کے گھوڑوں تلے چلے جائیں گے مگر مسلمانوں کے پہلو سے اس کے سوار ابھی دور ہی تھے کہ اوپر سے تیسرا اندازوں نے اس کے اگلے سواروں کو دھکے دے جانے کے قابل چھوڑا اور وہ پیچھے ہٹنے کے قابل رہے۔ ایک ایک سوار کو کئی کئی تیسرے کھا کر گرا اور جن گھوڑوں کو تیر لگے انہوں نے خالد کے سواروں سے کے لیے قیامت بنا کر دی۔ پیچھے والے سواروں نے گھوڑے موڑے اور ہٹا ہو گئے۔

ادھر قریش کی عورتوں نے دف اور ڈھولک کی تقاب پر وہی گیت گانا شروع کر دیا جو ہند نے اکیلے گایا تھا۔ عبد اللہ کے سپوتو! ہم رات کی بیٹیاں ہیں۔ ہم تمہیں کے درمیان...

مؤرخ واقدی لکھتا ہے کہ عربی جنگجوؤں کے اُس وقت کے رواج کے مطابق ایک ایک جنگجو کے لئے کام ملا کیا۔ سب سے پہلے قریش کے پرچم بردار طلحہ بن ابولطلحہ نے آگے جا کر مجاہدین اسلام کو لگا لگا اُس کے مقابلے کے لیے کسی کو آگے بھیجو۔

”آ میرے دین کے دشمن! حضرت عائشہؓ نے متدہوا کے جھوٹے کی طرح آگے آکر کہا۔ میں آتا ہوں تیرے مقابلے کے لیے۔“

طلحہ اپنے قبیلے کا پرچم مختارے، تلوار لہراتے ہوئے، بچھا ہوا آیا مگر اُس کا وار ہوا کو چیرتا چوگر گیا۔ وہ ابھی بھل ہی رہا تھا کہ حضرت عائشہؓ کی تلوار نے اُسے ایسا گہرا زخم لگایا کہ پہلے اُس کا پرچم گر پڑا خود گجرا۔ قریش کا ایک آدمی دوڑ آیا اور پرچم اٹھا کر پیچھے چلا گیا۔ عائشہؓ نے اُسے بھی گرا سکتے تھے مگر انگریز مقابلوں میں یہ روانہ تھا۔

طلحہ کو اٹھا کر پیچھے لے آئے۔ اُس کے غلڈان کا ایک آدمی آگے بڑھا۔

”میں انتقام لینے کا پابند ہوں۔“ وہ لگا کر آگے گیا۔ ”عائشہؓ، میری تلوار کی کاٹ دیکھ۔“ حضرت عائشہؓ سے اُس کے مقابلے میں آگئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک پکڑ کاٹا پھر اُن کی تلواں اور ڈھالیں ٹکرائیں اور اس کے بعد سب نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ کی تلوار سے خون ٹپک رہا تھا اور اُن کا دم مقابل زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔

پھر قریش کے متعدد آدمی باری باری لگا رہے آگے بڑھے اور مجاہدین کے مقابلے میں مرنے لگے۔ قریش کا سالار اعلیٰ ابوسفیانؓ اپنے آدمیوں کو حرکت دیکھ کر غصے سے باؤلا ہو گیا۔ جنگی دستور کے مطابق اُسے انفرادی مقابلے کے لیے نہیں اُتارنا چاہئے تھا کیونکہ وہ سالار تھا۔ اُس کے مارے جانے سے اُس کی فوج میں اتہری چھیل سکتی تھی لیکن وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور لگاڑا ہوا آگے چلا گیا۔

اُس کی بیوی ہند نے اُسے جاتے دیکھا تو اپنے اونٹ پر سوار ہو کر آگے چلی گئی اور بڑی بلند آواز سے وہی گیت گانے لگی جس کے اشعار یہ بھی تھے کہ تم بھاگے آئے تو ہم تمہیں اپنے قریب نہیں آنے دیں گی۔

ابوسفیانؓ گھوڑے پر سوار تھا لیکن اُس کے مقابلے کے لیے جو مسلمان آگے آیا وہ پیادہ تھا۔ تاریخ اُسے حنظلہ بن ابوعامر کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ابوسفیانؓ کے ہاتھ میں لمبی برچی تھی۔ کسی کو بھی توقع نہیں تھی کہ تلوار والا پیادہ برچی والے گھوڑے سوار سے زندہ بچ جائے گا۔ ابوسفیانؓ کا گھوڑا حنظلہ پر سرپٹ دوڑتا آیا۔ ابوسفیانؓ نے برچی تول کر پھرتا کر ماری لیکن حنظلہ پھرتی سے ایک طرف ہو گیا۔

اس طرح تین مرتبہ ہوا۔ تیسری مرتبہ ابوسفیانؓ کا گھوڑا نکل گیا تو حنظلہ اُس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ گھوڑا اڑ کر پیچھے کو مڑا تو حنظلہ اُس تک پہنچ چکا تھا۔ ابوسفیانؓ اُسے دیکھ نہ سکا۔ حنظلہ نے گھوڑے کی اگلی ٹانگوں پر ایسا زور دار وار کیا کہ گھوڑا گر پڑا۔ ابوسفیانؓ دوسری طرف گرا۔ حنظلہ اس پر حملہ کر لے گا کہ اُسے بڑھا تو ابوسفیانؓ گھر سے ہوئے گھوڑے کے ارد گرد دوڑ دوڑ کر اپنے آپ

کو سہی نے لگا اور اس کے ساتھ ہی اُس نے قریش کو نود کے لیے بلایا۔

قریش کا ایک پیادہ دوڑ آیا مسلمان اس غلط فہمی میں رہے کہ یہ آدمی ابوسفیانؓ کو اپنے ساتھ لے جانے گا لیکن اُس نے بے اصولی کا مظاہرہ کیا۔ پیچھے سے حنظلہ پر وار کر کے اُسے شہید کر دیا۔ ابوسفیانؓ اپنی مفلوں میں بھاگ گیا۔

آخری مقابلے کے لیے قریش کی طرف سے عبدالرحمن بن ابوبکرؓ آیا۔ مؤرخ واقدی نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ عبدالرحمن بن ابوبکرؓ کی لگاڑ پر اُس کے والد حضرت ابوبکرؓ جو اسلام قبول کر کے رسول اللہؐ کے ساتھ تھے، تلوار نکال کر اپنے جہان بیٹے کے مقابلے کے لیے نکلے۔

”اے مسلمان باپ کے کافر فرزند!“ حضرت ابوبکرؓ نے لگاڑ کر کہا۔

رسولؐ کریمؐ نے دیکھا کہ باپ بیٹا مقابلے پر آمز آئے ہیں تو آپؐ نے دوڑ حضرت ابوبکرؓ کو روک لیا۔

”تلوار نیام میں ڈالیں ابوبکرؓ!“ رسولؐ کریمؐ نے فرمایا اور ابوبکرؓ کو پیچھے لے گئے۔



خالد کو جنگ کا شور وغل اب بھی سنائی دے رہا تھا۔ وہ منظر اُس کی آنکھوں نے اپنی ہلکوں میں محفوظ کر رکھا تھا۔ انفرادی مقابلے ختم ہونے ہی قریش نے مسلمانوں پر قبضہ کر لیا۔ رسولؐ کو اُس نے اُحد کی پہاڑی کو اپنے عقب میں رکھا جو اُن کا اس لیے مجاہدین اسلام کو عقبی حملے کا خطہ نہیں تھا۔ اُسے سامنے کا مہر کو خنزیر بتاتا۔ مسلمانوں کی نفرتی بہت تھوڑی تھی۔ اُس کی کو اسہول نے جابلے اور تیغ زنی کے کماؤ سے بڑھا کر دیا۔ اگر قریش کو نفرتی کی افراط حاصل نہ ہوتی تو وہ مسلمانوں کے آگے نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ وہ نفرتی کے زور پر لڑ رہے تھے۔

خالد کی نظر رسولؐ کریمؐ پر تھی۔ آپؐ ایک پہلو پر تھے۔ یہی پہلو تھا جس پر خالد کو حملہ کرنا تھا۔ اب کے اُس نے اپنے سواروں کو یہ حکم دیا کہ وہ گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے تنگ راستے سے آگے نکل جائیں اور مسلمانوں کے پہلو پر قبضہ کر لیں مگر عبداللہؓ بن جہر کے پیچاس تیر اندازوں نے سواروں کو اس طرح پکڑ دیا کہ وہ چند گھوڑے اور خوں سے کراہتے ہوئے کچھ سواروں کو پیچھے چھوڑ گئے۔

معرکہ عروج پر تھا۔ صرف ایک آدمی تھا جو لڑ نہیں رہا تھا۔ وہ میدان جنگ میں برچی اٹھائے یوں گھوم پھر رہا تھا جیسے کسی کو ڈھونڈ رہا ہو۔ وہ وحشی بن عرب تھا۔ وہ حمزہؓ کو ڈھونڈ رہا تھا۔ حمزہؓ کو قتل کرنے کے اُس کے لیے وہ اعلان تھے۔ ایک بہرہ اُس کا آقا اُسے آزاد کر دے گا اور دوسرا ابوسفیانؓ کی بیوی ہند کے وہ زیورات جو اُس نے پہن رکھے تھے۔

اُسے حمزہؓ نظر آگئے۔ وہ قریش کے ایک آدمی صباح بن عبدالعزیٰ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ عرب میں رواج تھا کہ غنیمتوں کی بیکاری تھیں۔ مؤرخ ابن ہشام کے مطابق اسلام سے پہلے عربوں میں غنیمت کا رواج موجود تھا۔ حمزہؓ نے جس صباح کو لگاڑا تھا اُس کی ماں غنیمت کیا کرتی تھی۔

”غنیمت کرنے وال کے بیٹے! حمزہؓ نے اُسے لگاڑا۔“ ادھر آدھر مجھے آخری بار دیکھ لے۔“

صبح بن عبدالعزیٰ حمزہؓ کی طرف بڑھا۔ غنیمت سے اُس کا چہرہ لال تھا۔ وہ تلوار اور ڈھال کی لڑائی کا ماہر تھا۔ حمزہؓ بھی کچھ کم نہ تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب آئے اور ایک دوسرے پر وار کرنے

گئے۔ دونوں کی دھالیں دارو رک رہی تھیں۔ وہ پیڑ سے بدل بدل کر دار کرتے تھے لیکن دھالیں تلواروں کے راستے میں آجاتی تھیں۔

اس وقت وحشی بن عرب جھکا ہوا، آہستہ آہستہ اُن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُسے زمین اور جھالوں نے اوٹ دے رکھی تھی۔ مسٹرڈ اپنے دشمن کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ سب کے سوا انہیں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

وحشی اُن کے قریب پہنچ گیا۔ برہمی نشانے پر پھینکنے کا وہ ماہر تھا۔ وہ اتنا قریب ہو گیا جہاں سے اُس کی برہمی خطا نہیں جاسکتی تھی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور برہمی کو ہاتھ میں تولیے اُسے پھینکنے کی پوزیشن میں لایا۔ حمزہ نے سب پر یکے بعد دیگرے تیزی سے دو تین وار کیے۔ آخری وار ایسا پڑا کہ حمزہ کی تلوار سب کے پیٹ میں اتر گئی۔ حمزہ نے تلوار اُس کے پیٹ سے اس طرح نکالی کہ اس کا پیٹ اور زیادہ چھٹ گیا اور وہ حمزہ کے قدموں میں گر پڑا۔

حمزہ ابھی سنبھلے ہی تھے کہ وحشی نے اُن پر پوری طاقت سے برہمی پھینکی۔ فاصلہ بہت کم تھا۔ برہمی حمزہ کے پیٹ میں اتنی زیادہ اتر گئی کہ اُس کی اتنی حمزہ کی پیٹھ سے آگے نکل گئی۔ حمزہ مگر سے نہیں۔ انہوں نے اوپر اوجھڑ دیکھا۔ انہیں وحشی دکھائی دیا۔ حمزہ برہمی اپنے جسم میں بے ہوش وحشی کی طرف بڑھے۔ وحشی جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہا۔ حمزہ چار یا پانچ قدم قبل بڑھ کر گر پڑے۔ وحشی اُن کے جسم کو ہلتا ہلتا دیکھتا رہا جب جسم کی حرکت بند ہو گئی تو وحشی اُن تک آیا۔ وہ شہید ہو چکے تھے۔ وحشی نے اُن کے جسم سے برہمی نکال لی اور چلا گیا۔ اب وہ ہند اور اپنے آقا پیڑ بن مطلق کو ڈھونڈنے لگا۔



خالد کو وہ معرکہ یاد آ رہا تھا اور اُس کے دل پر پوری سا پڑتا جا رہا تھا۔ اُس کا گھوڑا چلا جا رہا تھا۔ وہ نشیبی جگہ سے گزر رہا تھا اس لیے اُحد کو پہاڑی کی چوٹی اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اُسے اپنے قبیلے کی عزتیں یاد آئیں جو قریش اور اُن کے استادی قبائل کو جو شش و لا رہی تھیں۔ خالد کو یاد آیا کہ وہ معرکہ کا نظارہ کرنے کے لیے ایک بلند جگہ چڑھ گیا تھا۔ اُسے مسلمان عورتیں نظر آئیں۔ مسلمان اپنے جن زخمیوں کو پیچھے لاتے تھے انہیں عورتیں سنبھال لیتی تھیں۔ ان کی عمر بڑی کمزور اور انہیں پانی پلاتی تھیں۔ مسلمانوں کے ساتھ چودہ عورتیں تھیں جن میں حضرت فاطمہ بھی تھیں۔

پھر یوں ہوا کہ قبیل تعداد مجاہدین کثیر تعداد کو قتل پر غالب آ گئے۔ قریش کا پرچم برادر اور تو کسی اور نے پرچم اٹھایا۔ وہ بھی گرا۔ پرچم کوئی بارگاہ آخر میں ایک غلام نے پرچم اٹھا کر اویٹا لیکن وہ بھی مارا گیا پھر مسلمانوں نے قریش کو پرچم اٹھانے کی مہلت نہ دی۔ قریش کے چند بے جواب دے گئے۔

خالد نے ان کی سپاہی دیکھی اور یہ بھی دیکھا تھا کہ مسلمان اُن کا تعاقب کر رہے ہیں۔ قریش اپنے کیپ میں بھی نہ ٹھہرے۔ اپنا مال اسباب چھوڑ کر انفرادی کے عالم میں جنگ گئے۔ یہاں سے جنگ کے بعد خالد

شروع ہو گیا۔ مسلمانوں نے فتح کی خوشی میں اور انتقامی جذبے کے تحت قریش کے کیپ کو ٹوٹا پھاڑ دیا۔ وہ فتح و نصرت کے نعرے لگا رہے تھے۔ قریش اپنے بوکھا کر چاگے کہ انہیں اپنی عورتوں کا بھی خیال نہ رہا۔ وہ پہل جنگ جا رہی تھیں لیکن مسلمانوں نے اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

قریش کے گھوڑ سواروں کے ایک دستے کا کمانڈر حکمران اور دوسرے کا خالد تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے پہلوؤں پر حملہ کرتے تھے مگر جنگ کا پانسہ بری طرح پلٹ گیا تھا۔ حکمران اور خالد نے پھر بھی اپنے سواروں کو وہیں رکھا جہاں انہیں تباہی کی حالت میں کھڑا کیا گیا تھا۔ خالد کو اس کیفیت میں بھی توفیق تھی کہ وہ شکست کو فتح میں بدل دے گا لیکن جس راستے سے اُسے گزرنے پڑا وہاں مسلمان تیر انداز تیار کھڑے تھے۔

ان مسلمان تیر اندازوں نے اپنی ہند پرولیشن سے دیکھا کہ قریش بھاگ گئے ہیں اور اُن کے ساتھی ٹوٹ مار کر رہے ہیں تو وہ مال غنیمت کے لالچ میں اپنی جگہ چھوڑنے لگے۔ اُن کے کمانڈر عبداللہ بن جبر نے انہیں کہا کہ اپنے رسول کی حکم عدول دکر دو۔ آپ کا حکم ہے کہ آپ کی اجازت کے بغیر یہاں سے کوئی نہ بٹے۔ "جنگ ختم ہو گئی ہے۔ تیر انداز شور مچاتے ہوئے پہاڑی سے اترنے لگے۔ مال غنیمت، مال غنیمت.... فتح ہماری ہے۔"

عبداللہ بن جبر کے ساتھ سرف تو تیر انداز رہ گئے۔

خالد نے یہ منظر دیکھا تو اُسے ایسا لگا جیسے خواب دیکھ رہا ہو۔ وہ یہی چاہتا تھا۔ وہ تیر اندازوں کو دیکھتا رہا۔ جب وہ قریش کے کیپ میں پہنچ گئے تو اُس نے اُس پہاڑی (عینین) پر حملہ کر دیا جہاں عبداللہ بن جبر اور اُس کے تیر انداز رہ گئے تھے۔ خالد انہیں نظر انداز بھی کر سکتا تھا لیکن ان سے وہ انتقام لینا چاہتا تھا۔ اُس کے گھوڑ سوار پہاڑی پر چڑھتے جا رہے تھے۔ اوپر سے تیر انداز تیسری سے تیر بار بار رہے تھے۔

حکمران نے خالد کو عینین پر حملہ کرنے دیکھا تو وہ بھی اپنے سوار دستے کو وہیں لے گیا اور اُس کے گھوڑے ہر طرف سے اوپر چڑھنے لگے۔ سواروں کے پاس بھی تیر کمانش تھیں۔ وہ اوپر کو تیر چلا رہے تھے۔ لیکن اتنے گھوڑ سواروں کو روکنا اُن کے لیے ممکن نہ تھا۔ سوار اوپر چلے گئے۔ تیر انداز دست بردست لڑائی میں لڑے اور سب زخمی ہو کر گرے۔ خالد نے زخمیوں کو پہاڑی سے نیچے پھینک دیا۔ عبداللہ بن جبر بھی شہید ہو گئے۔

وہاں سے خالد اور حکمران نے اپنے گھوڑ سواروں کو اتارا اور اُس مقام پر آ گئے جہاں سے مسلمانوں نے لڑائی کی ابتدا کی تھی۔ خالد کے حکم پر دونوں نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمان لڑنے کی حالت میں نہیں تھے لیکن رسول کریم نے مجاہدین کی کچھ تعداد کو اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ یہ مجاہدین گھوڑ سواروں کے مقابلے میں ٹوٹ گئے۔

قریش کے ساتھ چودہ عورتیں آتی تھیں وہ بھاگ گئی تھیں لیکن عمرہ نام کی ایک عورت وہیں کہیں چھپ گئی تھی۔ اُس نے جب قریش کے گھوڑ سواروں کو مسلمانوں پر حملہ کرتے دیکھا تو اُسے قریش کا پرچم زمین پر پڑا نظر آیا۔ اس عورت نے پرچم اٹھا کر اوپر کر دیا۔

ابوسفیان نے اپنے بھانجے کو پیادوں پر قابو پایا تھا۔ اُس نے اوپر دیکھا تو اُسے اپنا پرچم اٹھانا نظر آیا۔ اُس نے پہل زندہ باد اور غرضی زندہ باد کے نعرے لگائے اور پیادوں کو واپس لاکر مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔

خالد کو وہ وقت یاد آ رہا تھا۔ وہ رسول کریم کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اور آج، چار برس بعد، وہ مدینہ جاب رہا تھا اور اُس کے ذہن پر رسول کریم کا غلبہ تھا۔

اُحد کی پہاڑی اُفتی سے اُبھرتی آرہی تھی اور خالد کا گھوڑا غلامانِ خراماں جلا جارا ہوا تھا۔ خالد کی ذہنی کیفیت کچھ ایسی ہوتی جا رہی تھی جیسے اُسے آگے جانے کی کوئی جلدی نہ ہو اور جیسا کہ وہ لگام کو ہاتھ سے پکڑا ہوا ہے۔ اُسے بہت جلدی پہنچنا ہو لیکن جس منزل کو وہ جارا ہوا تھا وہ منزل ابھی اس پر پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی کبھی اُسے یوں لگتا جیسے ایک مقناطیسی قوت ہے جو اُسے آگے ہی آگے کو کھینچ رہی ہے اور کبھی وہ محسوس کرتا جیسے اُس کے اندر سے اُٹھتی ہوئی ایک قوت اُسے پیچھے دھکیل رہی ہے۔

”خالد اُ! اُسے ایک آواز سنائی دی جو اُس کے اندر سے اُٹھتی تھی لیکن اسے جتنی سمجھ کر اُس نے گھوڑے کی بالک کھینچی اور آگے پیچھے دیکھا۔ وہاں ریت کے سوا کچھ بھی نہ تھا لیکن آواز آ رہی تھی۔“ خالد اُ کیا یہ سچ ہے جو میں نے سنا ہے۔“ خالد نے اس آواز کو پہچان لیا۔ یہ اُس کے ساتھی عکرمہ کی آواز تھی۔ ایک ہی روز پہلے عکرمہ اُسے پکڑ رہا تھا۔ ”اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ مجھ خدا کا بھیجا ہوا نبی ہے تو یہ خیال دل سے نکال دو۔ مجھ ہمارے بہت سے رشتہ داروں کا قاتل ہے۔ اپنے قبیلے کو دیکھ جو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے مجھ کو قتل کرنے کی قسم کھاتے ہوئے ہے۔“

خالد نے لگام کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور گھوڑا چل پڑا۔ اُس کا ذہن پھر چار برس پیچھے چلا گیا جب اُحد کے معرکے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ قریش کی اس قسم کو پورا کرنے کا عزم لیے ہوئے تھا کہ رسول اللہ کو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے قتل کرنا ہے اُسے یاد آ رہا تھا کہ مسلمانوں کے تیر اندازوں نے جب عینین کی پہاڑی چھوڑ دی تھی تو اُس نے اس پہاڑی پر حملہ کر کے عبداللہ بن جبیر اور اُن کے نو تیر اندازوں کو جو رسول اللہ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے وہاں رہ گئے تھے، جہنم کیا تھا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھاگے ہوئے قریش پھر واپس آ گئے تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو منظم کر لیا تھا۔

مسلمان یہ معرکہ ہار چکے تھے اور یہ اپنے رسول کی حکم عدولی کا نتیجہ تھا۔ خالد اور ابو جہل کا اُحد کے معرکہ فتنہ حرب و ضرب کے ماہر تھے۔ اُن کے لیے ایک ایک مسلمان کو قتل کر دینا اب مشکل نہیں رہا تھا۔ اب اللہ کے سوا مسلمانوں کی مدد کوئی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ خالد دیکھ رہا تھا کہ مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ بڑا حصہ الگ تھا جو اپنے کمانڈر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کٹ گیا تھا۔ چند ایک تیر انداز رسول اللہ کے ساتھ تھے۔ یہ وہ صحابہ کرام تھے جن کے دلوں میں مالِ قیمیت کا لالچ نہ تھا۔ ان کی تعداد تیس تھی۔ ان میں ابو جہانہ، سعد بن ابی وقاص، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوبکر، حضرت ابو عبیدہ، طلحہ بن عبداللہ، مصعب بن عمیر (رضوان اللہ علیہم اجمعین) بن عوف، حضرت ابوبکر، حضرت ابو عبیدہ، طلحہ بن عبداللہ، مصعب بن عمیر (رضوان اللہ علیہم اجمعین)۔

خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اُن چودہ خواتین میں سے جو زخمیوں کی دیکھ بھال کے لیے ساتھ آئی تھیں دوسروں اللہ کے ساتھ تھیں۔ ایک اُم عمارہ تھیں اور دوسری اُم ایمن نام کی ایک عشی خانوں تھیں۔ اُم ایمن آپ کے بچوں میں آپ کی دائرہ چچی تھیں۔ باقی بارہ خواتین ابھی تک زخمیوں کو اٹھانے، پیچھے لانے اور اُن کی مرہم مٹی کرنے میں مصروف تھیں۔

خالد رسول کریم کو دھوڑا ہتھ لیکن وہ میدان جنگ میں زیادہ گھوم پھرنے نہیں سکتا تھا کیونکہ اُس کی کان میں گھوڑسواروں کا ایک غیش تھا جسے اُس نے پوری طرح اپنے نظر دُش میں رکھا ہوا تھا۔ وہ اندھا دھند حملے کا قابل نہیں تھا۔ اُس کا اصول تھا کہ دشمن کی ایسی رگ پر ضرب لگاؤ کہ دوسری ضرب سے پہلے وہ گھٹنے ٹیک دے۔

✽

آج — چار برس بعد — جب کہ وہ تنہا صحرا میں جا رہا تھا اُس کے ذہن میں گھوڑے دوڑ رہے تھے۔ اُسے تیر کمانوں کے زناٹے سنائی دے رہے تھے۔ اُس کے ذہن میں مسلمانوں کے نعرے گونج رہے تھے۔ اُس کا خیال تھا کہ مسلمان یہ ظاہر کرنے کے لیے نعرے لگا رہے ہیں کہ انہیں موت کا کوئی ڈر نہیں۔ مگر اور فطرت سے اب بھی اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اُس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کرے گا، قیدی کم ہی بنائے گا۔ اُسے ابھی تیرہ تیس چل رہا تھا کہ رسول کریم کہاں ہیں۔ اُس نے دیکھا کہ انوسیان جو بھاگتے ہوئے قریش کو ساتھ لے کر واپس آگیا تھا، مسلمانوں کی فوج کے بڑے حصے پر حملہ آور ہو چکا تھا اور مسلمان بے جاگری سے لڑ رہے تھے۔ مسلمانوں نے اُسے اپنی زندگی کا آخری معرکہ سمجھ کر شجاعت اور بے خوفی کے ایسے ایسے مظاہرے کیے کہ کثیر تعداد قریش پریشان ہو گئے۔

یہ ضرورت حال دیکھ کر خالد آگ بگولا ہو گیا۔ اُس نے اپنے سواروں کو مسلمانوں پر حملہ بولنے کا حکم دیا۔ اُس نے تلوار نیام میں ڈال لی اور جچی ہاتھ میں لے لی۔ اُس نے مسلمانوں پر عتب سے حملہ کیا تھا۔ اُس نے اس بھیجی سے مسلمانوں کو چُن چُن کر مارا۔ اُس کی برجھی جب کسی مسلمان کے جسم میں داخل ہوتی تو وہ چلاؤ کرکتا — ”میں ہوں ابوسلیمان“ — ہر برجھی کے وار کے ساتھ اُس کی لٹکارنا دیتی — ”میں ہوں ابوسلیمان“۔

آج چار برس بعد جب وہ مسلمانوں کے مرکز مدینہ کی طرف جا رہا تھا تو اُسے اپنی ہی لٹکارنا سنائی دے رہی تھی۔ ”میں ہوں ابوسلیمان“ — اُسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اُس کی برجھی کتنے مسلمانوں کے جسموں میں اتری تھی۔ وہ رسول اللہ کو بھول گیا تھا۔ پتھری دیر بعد اُسے پتہ چلا تھا کہ مسلمان اپنے نبی کی کان سے بھل چکے ہیں اور مکرہ مسلمانوں کے نبی کی طرف چلا گیا ہے۔

حقیقت بھی یہی تھی کہ رسول کریم کی کان ختم ہو چکی تھی اور معرکہ کی صورت حال ایسی ہو گئی تھی کہ آپ مسلمانوں کو اس قدر منتظم نہیں کر سکتے تھے لیکن آپ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان بچانے کے لیے میدان جنگ سے ہٹا بھی نہ جاتے تھے حالانکہ وہ یہاں ایسی تھی کہ آپ کو مکمل جانا چاہیے تھا لیکن آپ کسی بہتر پوزیشن میں جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپ کو معلوم تھا کہ قریش آپ

کو دھوڑ رہے ہوں گے اور آپ کے گرد ہڑاشدید حملہ ہوگا۔ آپ ایک پہاڑی کی طرف بڑھنے لگے۔ آپ کے ساتھیوں نے آپ کو اپنے حلقے میں لے رکھا تھا۔

آپ پتھری ہی دوڑ گئے ہوں گے کہ مکرہ نے اپنے گھوڑسواروں سے آپ پر حملہ کر دیا قریش کے ایک پیادہ جیش کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ رسول کریم پر مکرہ نے حملہ کر دیا ہے تو قریش کا یہ پیادہ جیش بھی آپ کے گرد پڑوٹا پڑا۔ آپ کے اور آپ کے کسی ایک بھی ساتھی کے بچ نہ کھنے کا سوال ہی ختم ہو گیا تھا۔ آپ کے تیس ساتھیوں نے اور اُن دو خواتین نے جو آپ کے ساتھ تھیں آپ کے گرد گوشت پوست کی دیوار کھڑی کر دی تھی۔

خالد کو یاد آ رہا تھا کہ رسول اللہ جہانی طاقت کے لحاظ سے بھی مشہور تھے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ آپ نے عرب کے مانے ہوئے پہلوان رکانہ کو تین بار اٹھا اٹھا کر کھینچا تھا۔ اب میدان جنگ میں اُن کی طاقت کے ایک اور مظاہرے کا وقت آگیا۔ گوشت پوست کی وہ دیوار جو آپ کے فلائین نے آپ کے ارد گرد کھڑی کر دی تھی، اُسے آپ نے خود ڈھرا۔ آپ کے ہاتھ میں کمان تھی، ترکش میں تیرہ بھی تھے۔ اُس وقت خالد مسلمانوں کے بڑے حصے میں سمجھا ہوا تھا۔ اسے جب بعد میں بتایا گیا تھا کہ رسول اللہ اور اُن کے تیس ساتھی اور دو عورتیں قریش کے گھوڑسواروں اور پیادوں کے مقابلے میں جم گئے تھے تو خالد نے بڑی مشکل سے یقین کیا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر کہا تھا کہ یہ طاقت جہانی نہیں ہو سکتی۔ یہ کوئی اور ہی طاقت ہے۔ اُس وقت سے ایک سوال اُسے پریشان کر رہا تھا — کیا عقیدہ طاقت بن سکتا ہے؟ وہ اپنے قبیلہ میں کسی سے اس سوال کا جواب نہیں لے سکتا تھا کیونکہ فرایہ الزام عائد ہو سکتا تھا کہ اس پر بھی محمد کا جادو اثر کر گیا ہے۔

آج وہ یہی سوال اپنے ذہن میں لیے مدینہ کی طرف جا رہا تھا۔ اُحد کی پہاڑی اُتی سے اوپر اُٹھ آئی تھی۔ چار برس پرانی یادیں اُسے پھر اس پہاڑی کے دامن میں لے گئیں جہاں اُسے اپنا ہی نام سنانی دے رہا تھا۔ ”ابوسلیمان! ابوسلیمان!“

وہ اپنے تصور میں دیکھنے لگا کہ اُن تیس آدمیوں اور دو عورتوں نے اتنے سارے گھوڑسواروں اور پیادوں کا مقابلہ کس طرح کیا ہوگا۔ رسول کریم اپنے دست مبارک سے تیرہ سارے تھے۔ آپ کے ساتھی بڑھ کر آپ کو اپنے حلقے میں لے لیتے تھے۔ ایک مورخ معاذی کی تحریر کے مطابق آپ اپنے گرد حلقے کو بار بار توڑتے اور جدھر سے اُن پر دشمن بڑھتا، اُس پر تیرہ چلائے تھے۔ آپ کی جہانی طاقت عام انسان سے کہیں زیادہ تھی۔ آپ کمان کو اس قدر زور سے کھینچتے تھے کہ آپ کا چھوڑا مواتیر جس جسم میں لٹکا تھا، تیر کی نوک اُس جسم کے دوسری طرف نکل جاتی تھی۔ آپ نے اس قدر تیر چلائے کہ ایک تیر چلانے کے لیے آپ نے کمان کو کھینچا تو کمان ٹوٹ گئی۔ آپ نے اپنی ترکش میں پچے بنوئے تیر سجد بن ابی دقاص کو دے دیئے۔ سجد بن ابی دقاص کے نشانے کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ خود آپ سجد کے نشانے کو تسلیم کرتے تھے۔

اُدھر مسلمان ابوسیان اور خالد کے ہاتھوں کٹ رہے تھے اور خون کا آخری قطرہ بہ جانے تاکہ مقابلہ کر رہے تھے، ادھر آپ کے تیس فلائین اور دو خواتین کی بے جا جبری کا یہ عالم تھا جیسے اُن

کے جسم نہیں ان کی روحیں لڑ رہی ہوں مشہور متوزخ طبری لکھتا ہے کہ ایک ایک مسلمان نے بیک وقت چار چار پانچ پانچ قریش کا مقابلہ کیا۔ ان کا انداز ایسا و ہشتنگ تھا کہ قریش تیچھے ہٹ جاتے تھے یا ان پر حملہ کرنے والا اکیلا مسلمان دشمنوں سے چڑھ کر ہڑ پڑتا تھا۔

*

قریش نے جب رسول اکرم کے فدائین کی شجاعت کا یہ عالم دیکھا تو کچھ تیچھے ہٹ کر ان پر تیروں کے ساتھ ساتھ پتھر بھی برسائے لگے۔ اس کے ساتھ ہی قریش کے چند ایک گھوڑ سوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے آپ پر حملہ آور ہوئے لیکن آپ کے ساتھیوں کے تیر ان کے جسموں میں اتر کر انہیں پلے جانے پر مجبور کر دیتے تھے۔ اس صورت حال سے بچنے کے لیے قریش نے چاروں طرف سے تیروں اور پتھروں کا مینہ برسا دیا۔

خالد کو حکمران نے بتایا تھا کہ ابو دجانہ رسول اکرم کے آگے جا کھڑے ہوئے۔ ان کی پیٹھ دشمن کی طرف تھی۔ ابو دجانہ بیک وقت دو کام کر رہے تھے۔ ایک یہ کہ وہ اپنے تیر سعد بن ابی وقاص کو دیتے جا رہے تھے اور سعد بڑی تیزی سے تیر چلا رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ابو دجانہ رسول اکرم کو تیروں سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے دوبروں اور پتھروں کی بارش۔

میں کوئی نہ دیکھ سکا کہ ابو دجانہ کس حال میں ہیں۔ جب ابو دجانہ گر پڑے تو اس وقت دیکھا کہ ان کی پیٹھ میں اتنے تیر اتر گئے تھے کہ ان کی پیٹھ غار پشت کی پیٹھ لگتی تھی۔

رسول اکرم کو بچانے کے لیے آپ کے کئی ساتھیوں نے جان دے دی لیکن عکرمہ اور اس کے گھوڑ سواروں اور پیادوں پر اتنی دہشت طاری ہو چکی تھی کہ وہ پیچھے ہٹ گئے۔ قریش تھک بھی گئے تھے۔ رسول کریم نے اپنے ساتھیوں کا جائزہ لیا۔ ہر طرف خون ہی خون تھا لیکن زخمیوں کو اٹھانے اور زخم دہی کرنے کا موقع نہ تھا۔ دشمن ایک اور ہلہ بولنے کے لئے پیچھے ہٹا تھا۔ ”مجھے قریش کے ایک آدمی کا انتظار ہے“ رسول اکرم نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”کون ہے وہ یا رسول اللہ؟“ آپ کے ایک صحابی ثانی نے پوچھا۔ ”کیا وہ ہماری مدد کو آ رہا ہے؟“

”جہیں“ آپ نے فرمایا۔ ”وہ مجھے قتل کرنے آئے گا۔ اسے اب ہم آ جانا چاہیے تھا۔“

”لیکن وہ ہے کون؟“

”ابن خلف“ آپ نے فرمایا۔

ابن خلف رسول اکرم کے کئی مخالفین میں سے تھا۔ وہ مدینے کا رہنے والا تھا۔ اسے جب پتہ چلا کہ رسول اللہ نے ہجرت کا دعویٰ کیا ہے تو ایک روز وہ آپ کے پاس آیا اور اس نے آپ کا مذاق اڑایا۔ آپ نے قتل اور بربادی سے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

”کیا تم مجھے اس کا دور سہتے ہو کہ میں تمہارے اس بے بنیاد عقیدے کو قبول کر لوں گا۔“

ابن خلف نے اس کا نشانہ بچھے میں کہا تھا۔ ”میری بات غور سے سن لے مگر ابھی روز میرا گھوڑا کچھ لینا۔ اسے میں اس وقت کے لیے مولا تازہ کر رہا ہوں جب تم قریش کو کچھ کبھی جنگ کے لئے لگاؤ۔“

گئے۔ اب بدر کے خواب دیکھنے چھوڑ دو۔ میں اسی گھوڑے پر سوار ہوں گا اور تم مجھے میدان جنگ میں اپنے سامنے دیکھو گے اور میں اپنے دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں اپنے ہاتھوں قتل کر دوں گا۔“

”آئی اے“ رسول اللہ نے مسکرا کر کہا تھا۔ ”زندگی اور موت اس اللہ کے اختیار میں ہے جس نے مجھے نبوت عطا فرمائی ہے اور مجھے گمراہ لوگوں کو سیدھے راستے پر لانے کا فرض سونپا ہے۔ ایسی بات منہ سے نہ نکالو جسے میرے اللہ کے سوا کوئی بھی پورا نہ کر سکے۔ یوں بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم مجھے قتل کرنے آؤ اور تم میرے ہاتھوں قتل ہو جاؤ۔“

ابن خلف رسول اللہ کی اس بات پر طنز یہ ہنسی ہنس پڑا اور ہنستا ہوا چلا گیا۔

*

اب احد کے معرکے میں رسول اللہ کو ابی بن خلف یاد آ گیا۔ جنوں ہی آپ نے اس کا نام لیا تو دور سے ایک گھوڑا سرپٹ دوڑنا آیا۔ سب نے اُدھر دیکھا۔

”میرے عزیز ساتھیو! رسول اکرم نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”مجھے کچھ ایسے لگ رہا ہے جیسے یہ سوار جو ہماری طرف بڑھتا آ رہا ہے ابی بنی ہوگا۔ اگر وہ ابی بنی ہو تو اسے روکنا نہیں۔ اسے میرے سامنے اور میرے قریب آنے دینا۔“

مؤمنین واقفی، مغازی اور ابن ہشام نے لکھا ہے کہ وہ سوار ابی بن خلف ہی تھا۔ اس نے لگا کر کہا۔ ”سنبھل جا محمد ابی آ گیا ہے۔ یہ دیکھ میں اسی گھوڑے پر سوار ہوں جو تمہیں دھکیلا تھا۔“

”یا رسول اللہ! رسول اللہ کے ساتھیوں میں سے تین چار نے آگے ہو کر کہا۔ ”ہمیں اجازت دیں کہ اسے آپ کے قریب آنے تک ختم کر دیں۔“

”نہیں۔“ رسول اکرم نے کہا۔ ”اسے آنے دو۔ میرے قریب آنے دو۔۔۔۔۔ اسے راستہ دے دو۔“

رسول کریم کے سر پر زنجیروں والی خود تھی۔ اس کی زنجیریں آپ کے چہرے کے آگے اور انہیں بائیں لٹک رہی تھیں۔ آپ کے ہاتھ میں برچھی تھی اور تلوار نیام میں تھی۔ ابی کا گھوڑا قریب آ گیا تھا۔

”آگے آ جا ابی!“ رسول اللہ نے لگا کر کہا۔ ”میرے سوا تیرے ساتھ کوئی نہیں لڑے گا۔“

ابی بن خلف نے اپنا گھوڑا قریب آ کر روکا اور طنز یہ فقہہ لگایا۔ ”اُسے شاید پورا یقین تھا کہ وہ آپ کو قتل کر دے گا۔ اس کی تلوار ابھی نیام میں تھی۔ آپ اس کے قریب چلے گئے۔ وہ بڑے طاقتور گھوڑے پر تھا اور آپ زمین پر اس نے ابھی تلوار نکالی ہی تھی کہ آپ نے آگے بڑھ کر اور اچھل کر اس پر برچھی کا وار کیا۔ وہ وار بچانے کے لئے ایک طرف کو بھج گیا لیکن وار غالب نہ گیا۔ آپ کی برچھی کی آبی اس کے دائیں کندھے پر ہنسل کی ہڈی سے پیچھے لگی۔ وہ گھوڑے سے گر پڑا اور اس کی پسلی ٹوٹ گئی۔“

مؤرخ لکھتے ہیں کہ رسول خدا کا دار اتنا کاری نہ تھا کہ آبی جیسا قوی میکل آدمی اٹھ نہ سکتا۔ رسول خدا اُس پر دوسرا در کرنے کو دوڑے۔ وہ گھوڑے کے دوسری طرف بھاگا تھا۔ اُس پر شاید دشت طاری ہو گئی تھی یا آپ کا دار اُس کے لئے غیر متوقع تھا۔ وہ اٹھا اور اپنا گھوڑا وہیں چھوڑ کر بھاگا گیا۔ وہ چلاتا جا رہا تھا ”مخمر نے مجھے قتل کر دیا ہے۔۔۔۔۔ اسے اہل قریش، محمد نے مجھے قتل کر دیا ہے“۔

قریش کے کچھ آدمیوں نے اُس کے زخم دیکھے تو اسے تسلی دی کہ اُسے کسی نے قتل نہیں کیا۔ زخم بالکل معمولی ہیں، لیکن اُس پر نہ جانے کیسی کیفیت طاری ہو گئی تھی کہ اُس کی زبان سے یہی الفاظ نکلتے تھے۔

”میں زندہ نہیں رہوں گا، محمد نے کہا تھا کہ میں اُس کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں گا“۔

مؤرخ ابن ہشام نے یہاں بہت لکھا ہے کہ آبی نے یہ الفاظ بھی کہے تھے۔ ”اگر محمد میری طرف تھوکتا دیتا تو مجھے میں زندہ نہ رہ سکتا۔ جب اُحد کا معرکہ ختم ہو گیا تو آبی قریش کے ساتھ مکہ کو روانہ ہوا۔ راستے میں انہوں نے بڑا ڈکیرا تو آبی مر گیا۔

*

خالد کو آج چار برس بعد وہ وقت کل کی بات کی طرح یاد آ رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ مسلمانوں کو اہل قریش کیل کر رکھ دیں گے لیکن مسلمان جس طرح جانیں قربان کر رہے تھے، اُس نے خالد کو پریشان کر دیا۔ یوں لگتا تھا جیسے مسلمان پیادوں سے قریش کے گھوڑے بھی خوفزدہ ہیں۔ خالد نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس خوریزمر کے میں ابوسفیان کو تلاش کرتا اُس تک پہنچا۔

”کیا ہم مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دینے کے قابل نہیں رہے؟“ خالد نے ابوسفیان سے کہا۔

”کیا قریش کی ماؤں کے دودھ ناقص تھے کہ یہ ان ٹھکی پھر مسلمانوں سے خوفزدہ ہوئے جا رہے ہیں؟“

”دیکھو خالد! ابوسفیان نے کہا ”جب تک محمد اُن کے ساتھ ساتھ ہے اور وہ زندہ و سلامت ہے، یہ خون کا آخری قطرہ بہہ جانے تک شکست نہیں کھائیں گے۔“

”تو یہ فرض کیجئے کہ میں سوچ دیتے؟“ خالد نے کہا۔

”نہیں۔“ ابوسفیان نے کہا ”تم اپنے سواروں کے پاس جاؤ۔ تمہاری قیادت کے بغیر وہ کبھر جائیں گے۔ محمد اور اُس کے ساتھیوں پر حملہ کرنے کے لئے یہاں سے بھیج رہا ہوں۔“

آج مدینہ کی طرف جاتے ہوئے خالد کو افسوس ہوا تھا کہ ابوسفیان نے اُس کے ایک عزم کو کھیل ڈالا تھا۔ رسول خدا کے قتل کو وہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔ وہ رسول خدا کو قتل کر کے اپنے سب سے بڑے یوتھ ناؤں شیل اور غزنی کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے سالار کا حکم ماننا ضروری سمجھا اور اپنے سواروں کے ساتھ چلا گیا۔ اُسے اتنا اطمینان ضرور تھا کہ رسول اکرم کے ساتھ اب چند ایک ساتھی ہی رہ گئے ہوں گے اور آپ کو قتل کرنا اب کوئی مشکل نہیں ہوگا اور اس کے بعد مسلمان اٹھنے کے قابل نہیں رہیں گے۔ خالد کو میدان جنگ کی کیفیت بڑی اچھی طرح یاد تھی۔ اُس نے ذرا بندی سے دیکھا تھا کہ اُحد کے دامن میں دو درود تک زمین خون سے لال ہو گئی تھی۔ کہیں گھوڑے تڑپ رہے تھے اور کہیں خون میں نہانے ہوئے انسان کراہ رہے تھے۔ زخمیوں کو اٹھانے کا ابھی کسی کو ہوش نہ تھا۔

پھر اُس نے دیکھا پیادہ قریش رسول خیرم کے قریب پہنچ گئے تھے اور انہوں نے آپ کے ساتھ

کا حلقہ بھی تو لیا تھا۔ قریش کے تین آدمی۔ عقبہ بن ابی وقاص، عبداللہ بن شہاب اور ابن عمر۔ رسول اکرم پر پتھر برسانے لگے۔ عجیب صورت یہ تھی کہ عقبہ کا سگ بھائی سفین بن ابی وقاص رسول اکرم کی حفاظت میں لڑا رہا تھا۔ رسول اکرم کے ساتھیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی یا وہ لڑتے لڑتے بکھر گئے تھے۔

عقبہ نے آپ پر جو پتھر برسانے ان سے آپ کے پیچھے والے دو دانت ٹوٹ گئے اور بچلا ہونٹ زخمی ہو گیا۔ عبداللہ کے پتھر سے آپ کی پیشانی پر خاماخم ازخیم آیا۔ ابن عمر نے قریب آکر اتنی زور سے پتھر مارا کہ آپ کے خود کی زنجیر کی دو کڑیاں ٹوٹ کر خسار میں اتر گئیں۔ ان سے خسار کی بڑی بھی بڑی طرح جوجر ہوئی آپ نے بھی سے دشمنوں پر وار کرنے کی بہت کوشش کی لیکن دشمن قریب نہیں آتے تھے آپ کا خون اتنا نفل لگیا تھا کہ آپ گھر پڑے۔ اُس وقت آپ کے ایک صحابی طلحہ نے جو قریش کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ لڑا رہے تھے، دیکھ لیا اور دوڑتے ہوئے آپ تک پہنچے۔ اُن کی لٹاکر پرائے کے دوسرے ساتھی بھی آگئے۔ آپ پتھر دلوں سے گرانے والے قریش آپ پر تلواؤں سے حملہ کرنے ہی والے تھے کہ سفین بن ابی وقاص نے اپنے سگے بھائی عقبہ پر حملہ کر دیا۔ عقبہ اپنے بھائی کا بغض و غضب دیکھ کر بھاگ اٹھا۔

طلحہ نے رسول خدا کو سہارا دے کھڑا کیا۔ آپ پوری طرح ہوش میں تھے۔ اس دوران آپ کے ساتھیوں نے ان آدمیوں کو جگہ جگہ قتل کیا جنہوں نے رسول اکرم پر حملہ کیا تھا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ سفین بن ابی وقاص پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ سعد کہتے تھے۔ ”میں اپنے بھائی کو قتل کر کے اُس کے جسم کے ٹکڑے کو دونا چاہتا ہوں جس سے میری موجودگی میں میرے بیٹے پر حملہ کرے۔“ وہ اکیلے ہی قریش کی طرف دوڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ انہیں بڑی مشکل سے روکا گیا۔ اگر رسول خدا انہیں روکنے کا حکم نہ دیتے تو وہ کبھی روکے نہ۔

*

قریش غالباً بہت ہی تھک گئے تھے۔ وہ معرکہ سے مُردہ موڑ گئے۔ تب رسول اکرم کے ساتھیوں نے آپ کے زخموں کی طرف توجہ دی جو خواتین آپ کے ساتھ تھیں، انہوں نے آپ کو پانی پلایا۔ کپڑوں سے زخم صاف کیے۔ اس وقت یہ دیکھا گیا کہ خود کی زنجیروں کی ٹوٹی ہوئی کڑیاں آپ کے زخموں کی بڑی میں اترتی ہوئی ہیں۔ ایک صحابی ابو عبیدہ جو اب کے ایک مشہور تاجر کے فرزند تھے آگے بڑھے اور آپ کے زخموں سے کڑیاں لٹکے لگے لیکن ہاتھوں سے کڑیاں نہ لگیں۔ آخر ابو عبیدہ نے دانتوں کی مدد سے ایک کڑی نکال لی۔ جب دوسری کڑی نکالی تو کڑی تو نکل آئی لیکن ابو عبیدہ کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ اس کے بعد لوگوں نے ابو عبیدہ کو الازہم کہنا شروع کر دیا جس کا مطلب ہے وہ آدمی جس کے سامنے دالے دانت نہ ہوں۔ پھر وہ اسی نام سے مشہور ہو گئے۔

اُم ایمن جو رسول اکرم کے بچپن میں آپ کی دایہ رو چکی تھیں، آپ پر ٹھکی ہوئی تھیں۔ اُس وقت تک آپ کی طبیعت سنبھل چکی تھی۔ اچانک ایک تیرا تم ایمن کی پیٹھ میں اتر گیا اور اس کے ساتھ ہی دُور سے ایک قبیلہ نہاں آیا۔ سب نے اُدھر دیکھا تو قریش کا ایک آدمی جہان بن العزہ دوڑ کھڑا ہنس رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں کمان تھی۔ یہ تیرا تمی نے چلایا تھا وہ ہنستا ہوا پیچھے کو مڑا۔ رسول خدا نے ایک تیرا تم بن

و تاس کو دے کر کہا کہ یہ شخص یہاں سے تیرے کرب و دہن جائے۔ سعد نے جو تمام قبائل میں تیرا ملازمت میں خصوصی شہرت رکھتے تھے، کہاں میں تیرا ڈال کر جان پر چلایا۔ تیرا جان کی گردن میں اتر گیا۔ سعد نے تمام ساتھیوں نے بڑی زور سے تہقہہ لگایا۔ حبان نے ڈنگا تے ہوئے چند قدم اٹھائے اور وہ گر پڑا۔

آج خالد بن ولید کی طرف بڑھتا جا رہا تھا اور اُحد کی پہاڑی اُفق سے اوپری اوپر اٹھتی آ رہی تھی اُسے اپنے کچھ ساتھی یاد آنے لگے۔ عقیدوں کے اختلافات نے جہاں کو جہاں کا دشمن بنا دیا تھا لیکن خالد کو یہ خیال بھی آیا کہ بعض لوگ اپنے عقیدے کو اس لیے سچا سمجھتے ہیں کہ وہ اُس کے پیروکار ہوتے ہیں۔ حق اور باطل کے فرق کو سمجھنے کے لیے بڑی مضبوط شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک سوال اُسے پھر پریشان کرنے لگا۔ ”میں مدینہ کیوں جا رہا ہوں؟.... اپنا عقیدہ مدینہ والوں پر ٹھونسنے کے لیے یا ان کا عقیدہ اپنے اوپر مسلط کرنے کے لیے؟“ اُسے ابوسفیان کی آواز سنائی دی جو ایک ہی روز پرانی تھی۔ ”کیا یہ سچ ہے کہ تم مدینہ جا رہے ہو؟ کیا تمہاری رگوں میں ولید کا خون منہ ہو گیا ہے؟“

صحرا میں جاتے ہوئے ان آوازوں نے کچھ دُور تک اُس کا تعاقب کیا۔ بھروسہ اپنے اُن دوستوں کی یاد میں کھو گیا جن کے خلاف وہ لڑا اور جن کا خون اُس کے سامنے بہ گیا تھا۔ ان میں ایک مصعب بن عمیر بھی تھے۔

قریش جو عمر کے سے منہ موڑ گئے تھے کچھ دُور ہی پہنچے تھے کہ خالد نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ابوسفیان کو بجا پڑا۔ اُس نے ابوسفیان سے پوچھا کہ تم لوگ جنگ کو اوصول چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ مسلمانوں کا دم ختم ہو چکا ہے۔ ابوسفیان بھی یہی چاہتا تھا کہ یہ معرکہ فیصلہ کن نتیجے پر پہنچے۔ قریش کے چند سوار وہیں سے پلٹ آئے۔ خالد دیکھ چکا تھا کہ رسول اکرم کہاں ہیں۔ یہاں بھرا ابوسفیان نے خالد کو کسی اور طرف بھیج دیا اور کچھ آدمیوں کو نبی کریم پر حملے کا حکم دیا۔ اب رسول اکرم کے ساتھ کچھ اور مسلمان آکر ملے تھے۔

*

اب بھرا ان قمر اُٹھتے ہوئے مسلمانوں کا حلقہ توڑ کر رسول اکرم تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس وقت رسول اکرم کے پاس مصعب بن عمیر کھڑے تھے اور اُمّ عاتہ اپنے قریب پڑے ہوئے دو تین زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ انہوں نے جب قریش کو ایک بار پھر حملے کے لیے آنے دیکھا تو زخمیوں سے ہٹ کر اُنہوں نے ایک زخمی کی تلوار اٹھائی اور قریش کے مقابلے میں ڈٹ گئیں۔ قریش کا سب سے پہلا سوار حبان کے قریب آیا، اُس تک وہ نہیں پہنچ سکتی تھیں اس لیے انہوں نے تلوار سے اُس کے گھوڑے پر ایسا وار کیا کہ گھوڑا گر پڑا۔ سوار گھوڑے کے دوسری طرف گر پڑا۔ اُمّ عاتہ نے گھوڑے کے اوپر سے کود کر قریش کے اُس آدمی پر تلوار کیا اور اُسے زخمی کر دیا۔ وہ اُٹھا اور بھاگ گیا۔

مصعب بن عمیر کی قربت اور شکل و صورت میں رسول اکرم کے ساتھ نمایاں مشابہت تھی۔ ان قمر مصعب کو رسول خدا سمجھ کر ان پر حملہ آور ہوا۔ مصعب تیار تھے۔ انہوں نے ابن قمرہ کا مقابلہ کیا۔ کچھ دیر دونوں میں تیغ زنی ہوئی لیکن ابن قمرہ کا ایک وار مصعب پر ایسا بھروسہ پڑا کہ وہ گرے اور شہید ہو گئے۔ اُمّ عاتہ

نے مصعب کو گرتے دیکھا۔ غصہ و غضب سے ابن قمرہ پر تلوار کا وار کیا لیکن ابن قمرہ نے زہر پہن رکھی تھی اور وار کرنے والی ایک عورت تھی اس لیے ابن قمرہ کو کوئی زخم نہ آیا۔ ابن قمرہ نے اُمّ عاتہ کے کندھے پر بھروسہ دار کیا جس سے وہ شدید زخمی ہو کر گر پڑیں۔

اُس وقت رسول اکرم جو قریب ہی تھے، ابن قمرہ کی طرف بڑھے لیکن ابن قمرہ نے ہتھیار بدل کر آپ پر ایسا وار کیا جو آپ کے خود پر پڑا۔ تلوار خود سے پھیل کر آپ کے کندھے پر لگی۔ آپ کے بالکل پیچھے ایک گڑھا تھا۔ آپ زخم کھا کر پیچھے ہٹے اور گر گئے۔ ابن قمرہ نے پیچھے ہٹ کر گڑھا پھاڑ کر کہا۔ ”میں نے محمد کو قتل کر دیا ہے۔“ وہ یہی نعرے لگاتا میلان جنگ میں گھوم گیا۔ اُس کی آواز قریش نے بھی سنی اور مسلمانوں نے بھی۔

قریش کو تو خوش ہونا ہی تھا، مسلمانوں پر اس کا بڑا تباہ کن اثر ہوا۔ وہ حوصلہ ہار بیٹھے اور اُحد کی پہاڑی کی طرف بھاگنے لگے۔

”اپنے نبی کے شیدائیو!“ بھاگتے ہوئے مسلمانوں کو ایک ملکار سنائی دی۔ ”اگر تمی زہر ہے تو لعنت ہے ہم پر کہ ہم بھی زہرہیں۔ تم کیسے شیدائی ہو کہ نبی کریم کی شہادت کے ساتھ ہی تم موت سے ڈر کر بھاگ رہے ہو؟“

مسلمان ٹک گئے۔ اس ملکار نے انہیں آگ بگولہ کر دیا۔ وہ پیادہ تھے لیکن انہوں نے قریش کے گھوڑ سواروں پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ خالد اور عمر کے گھوڑ سواروں پر ہوا تھا۔

خالد کو آج یاد آ رہا تھا کہ اُس کے ہاتھوں لگنے ہی مسلمانوں کا خون بہہ گیا تھا۔ ان میں ایک رفاعة بن قریش بھی تھے۔ خالد کے دل میں درو کی ایک ٹیس سی اٹھی۔ اُسے کچھ ایسا احساس ہونے لگا جیسے وہ بے مقصد خون بہانا رہا ہے لیکن اُس وقت وہ مسلمانوں کو اپنا بدترین دشمن سمجھتا تھا۔

اب مسلمانوں کا دم ختم ہو چکا تھا۔ پیادے گھوڑ سواروں کا مقابلہ کب تک کرتے۔ وہ مجبور ہو کر

پہاڑی کی طرف پسا ہونے لگے۔ رسول اکرم بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک تنگ سی وادی کی طرف جا رہے تھے۔ جس طرح مسلمانوں نے مال غنیمت کے لالچ میں اپنا مورچہ چھوڑ دیا اور جنگ کا پانسہ اپنے خلاف پلٹ دیا تھا اُسی طرح اب قریش کے آدمی مسلمانوں کی لاشوں پر اور تر پڑتے ہوئے زخمیوں پر مال غنیمت اکٹھا کرنے کے لیے ڈوٹ پڑے۔ ان میں سے کچھ قریش رسول اکرم کے تعاقب میں چلے گئے لیکن آپ کے ساتھیوں نے ان پر ایسی بے گبری سے ہلہ بولا کہ ان میں سے زیادہ تر قریش کو جان سے مار ڈالا اور جو بچ گئے وہ بھاگ اُٹھے۔ رسول اکرم ایک بلند جگہ پہنچ گئے۔ آپ نے وہاں سے صورت حال کا جائزہ لیا۔ آپ کے تیس صحابہ اس سے سولہ شہید ہو چکے تھے جو چودہ زندہ تھے ان میں زیادہ تر زخمی تھے۔ آپ نے ہندی سے میلان جنگ کا جائزہ لیا۔ آپ کو کوئی مسلمان نظر نہیں آ رہا تھا۔ مسلمان یہ سمجھ کر کہ رسول اکرم شہید ہو چکے ہیں، سخت مایوسی کے عالم میں ادھر ادھر بکھر گئے۔ کچھ واپس مدینہ چلے گئے۔ کچھ قریش کے انتقام کے ڈر سے پہاڑی کے اندر جا چھپے۔

یہاں رسول خدا کو اپنے زخموں کی طرف توجہ دینے کی فرصت ملی۔ آپ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ جو آپ کو ہر طرف تلاش کر کے تنگ چلی تھی، آپ کے پاس پہنچی۔ قریب ہی ایک چشمہ تھا۔ حضرت علیؓ وہاں سے

کسی چیز میں پانی لائے اور آپ کو پلایا۔ حضرت فاطمہؑ آپ کے زخم دھونے لگیں۔ وہ سسک سسک کر رو رہی تھیں۔

*

خالد کو آج یاد آ رہا تھا کہ رسول کریمؐ کی شہادت کی خبر نے اُسے روحانی سا اطمینان دیا تھا لیکن ایک لکڑی نے اُسے چونکا دیا۔ وادی میں اس لکڑی کو گوج بڑی اور تنگ سناٹا دے رہی تھی۔ کوئی بڑی ہی بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”مسلمانو! خوشیاں مناؤ۔ ہمارے نبیؐ زندہ اور سلامت ہیں۔“ اس لکڑی پر خالد کو ہنسی بھی آئی تھی اور انہوں بھی ہوا تھا۔ اُس نے اپنے آپ سے کہا تھا کہ کوئی مسلمان پاگل ہو گیا ہے۔ ہوا یوں تھا کہ جس طرح مسلمان کا دکا ادھر ادھر بکھر گئے یا چھپ گئے تھے، اسی طرح کعب بن مالک نام کا ایک مسلمان ادھر ادھر گھومتا پہاڑی کے اُس مقام کی طرف چلا گیا جہاں رسول کریمؐ سنا رہے تھے۔ اُس نے نبیؐ کو دیکھا تو اُس نے جنابت کی شدت سے نعرہ لگایا۔ ہمارے نبیؐ زندہ ہیں۔ تمام مسلمان جو اکیلے اکیلے یا دو دو چار چار کی ٹولیوں میں ادھر ادھر بکھر گئے تھے، اس آواز پر دوڑتے آئے۔ حضرت عمرؓ بھی اس آواز پر رسول خداؐ تک پہنچے تھے۔

اس سے پہلے ابوسفیانؓ میدان جنگ میں پڑی ہوئی ہر ایک لاش کو دیکھتا پھر رہا تھا۔ وہ رسول کریمؐ کا جس مبارک تلاش کر رہا تھا اب اُسے قریش کا جو بھی آدمی ملتا اُس سے پوچھتا، تم نے محمدؐ کی لاش نہیں دیکھی؟ اسی تلاش میں خالد اُس کے سامنے آ گیا۔

”خالد!“ ابوسفیان نے پوچھا۔ ”تم نے محمدؐ کی لاش نہیں دیکھی؟“

”نہیں۔“ خالد نے جواب دیا اور ابوسفیان کی طرف ڈرا سا تنجک کر پوچھا۔ ”کیا تمہیں یقین ہے کہ محمدؐ قتل ہو چکا ہے؟“

”ہاں۔“ ابوسفیان نے جواب دیا۔ ”وہ ہم سے بچ کر کہاں جا سکتا تھا؟... کیا تمہیں شک ہے؟“

”ہاں ابوسفیان!“ خالد نے جواب دیا۔ ”میں اُس وقت تک شک میں رہتا ہوں جب تک کہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ محمدؐ اتنی آسانی سے قتل ہو جانے والا شخص نہیں۔“

”معلوم ہوتا ہے تم پر محمدؐ کا طسم طاری ہے۔“ ابوسفیان نے تاجر کے لہجے میں کہا۔ ”کیا محمدؐ ہم میں سے نہیں تھا کہ تم اُسے نہیں جانتے تھے۔ جو شخص اتنی قتل و غارت کا ذمہ دار ہے، ایک روز اُسے بھی قتل ہونا ہے۔ محمدؐ قتل ہو چکا ہے۔ جاؤ اور دیکھو۔ اُس کی لاش کو بچانا۔ ہم اُس کا سر کاٹ کر لے جائیں گے۔“

عین اُس وقت پہاڑی میں سے کعب بن مالک کی لکڑی گر گئی۔ ”مسلمانو! خوشیاں مناؤ۔ ہمارے نبیؐ زندہ سلامت ہیں۔“ پھر یہ آواز رعد کی کوک کی طرح گرجتی ہوئی وادی اور میدان میں گونجتی پھرتی رہی۔

”سن لیا ابوسفیان!“ خالد نے کہا۔ ”اب میں تمہیں بتا رہا ہوں محمدؐ کہاں ہے۔ میں اُس پر حملہ کرنے جا رہا ہوں لیکن میں تمہیں یقین نہیں دلا سکتا کہ میں محمدؐ کو قتل کر آؤں گا۔“

کچھ دیر پہلے خالد نے رسول کریمؐ اور اُن کے ساتھیوں کو پہاڑی کے اندر جاتے دیکھا تھا لیکن وہ بہت دُور تھا۔ خالد بار مانتے والا اور اپنے اُلوے کو دھوا چھوڑنے والا آدمی نہیں تھا۔ اُس نے اپنے چند ایک سواروں کو ساتھ لیا اور پہاڑی کے اُس مقام کی طرف بڑھنے لگا جہاں اُس نے رسول کریمؐ کو جانتے

دیکھا تھا۔

مشہور مورخ ابن ہشام کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ رسول کریمؐ نے جب خالد کو اپنے سواروں کے ساتھ اس گھاٹی پر چڑھتے دیکھا جہاں آپؐ تھے تو آپؐ کے منہ سے بے ساختہ دعا نکلی۔ ”خدا تھے ذوالجلال! انہیں اس وقت دیں کہیں روک لے۔“

خالد اپنے سواروں کے ساتھ گھاٹی چڑھتا جا رہا تھا۔ یہ ایک دُور سا تھا جو تنگ ہونا چلا جا رہا تھا۔ گھوڑوں کو ایک قطار میں ہونا پڑا۔ رسول کریمؐ زخموں سے چور پڑے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جب خالد اور اُس کے سواروں کو اپر آتے دیکھا تو وہ تلوار نکال کر کچھ نیچے آئے۔

”ولید کے بیٹے!“ حضرت عمرؓ نے لکڑی۔ ”اگر لڑائی لڑنا جانتے ہو تو اُس درے کی ٹکلی کو دیکھ لو۔ اس چڑھائی کو دیکھ لو کہ تم اپنے سواروں کے ساتھ ہمارے ہاتھ سے بچ کر نکل جاؤ گے؟“

خالد لڑنے کے فن کو خوب سمجھتا تھا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ جگہ گھوڑوں کو گھما پھرا کر لڑانے کے لیے موزوں نہیں بلکہ خطرناک ہے۔ خالد نے خاموشی سے اپنا گھوڑا گھمایا اور اپنے سواروں کے ساتھ وہاں سے نیچے اُتر آیا۔

*

جنگ اُرد ختم ہو چکی تھی قریش اس لحاظ سے برتری کا دعویٰ کر سکتے تھے کہ انہوں نے مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچایا تھا لیکن یہ جنگ بارہویت کے بغیر ختم ہو چکی تھی۔

”لیکن یہ ہماری شکست تھی۔“ خالد کو جیسے اپنی آواز سناٹا دے رہی تھی۔ ”مسلمانوں کی نفی سات سو تھی اور ہم تین ہزار تھے۔ ہمارے پاس دس سو گھوڑے تھے۔ ہماری فتح تب ہوئی جب ہم محمدؐ کو قتل کر دیے۔“ خالد نے اپنے آپ میں جھنجھٹا ہٹ سی محسوس کی۔ اُس پر ایسی کیفیت طاری ہو گئی کہ اُس کے دانت بچنے لگے اُسے جنگ کا آخری منظر یاد آنے لگا تھا۔ اُس نے اس جہانک یاد کو ذہن سے نکلنے کے لیے سر کو جھٹکا دیا لیکن کھینچوں کی طرح یہ یاد اُس کے ارد گرد بھجھکتی رہی۔ اُسے اپنے آپ میں شرم سی محسوس ہونے لگی۔ جنگجو یوں نہیں کیا کرتے۔

خالد جب حضرت عمرؓ کی لکڑی پر واپس آ رہا تھا تو اُس بلندی سے اُس کی نظر میدان جنگ پر پڑی۔ وہاں لاشیں بکھری ہوئی تھیں، شاید اُن میں بے ہوش زخمی بھی ہوں گے۔ لاشوں اور زخمیوں کو اٹھانے کے لیے نہ ابھی مسلمان آگے بڑھے تھے نہ اہل قریش۔ خالد کو ابوسفیان کی بیوی ہند نظر آئی۔ وہ ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے دوڑتی چلی آ رہی تھی۔ اُس کے اشارے پر قریش کی وہ عورتیں جو قریش کے لشکر کے ساتھ آئی تھیں، اُس کے پیچھے پیچھے دوڑتی آئیں۔ ہند ہر اک لاش کو دیکھتی تھی۔ وہ اونچے قدر کی اور فرہبی مائل جسم کی پہسلوان قسم کی عورت تھی۔ وہ ہر ایک لاش کو دیکھتی تھی۔ کوئی لاش اُن سے منہ پڑی نظر آئی تو وہ پاؤں اٹھو کر سے اُس لاش کو سیدھا کر کے دیکھتی تھی۔ اُس نے اپنے ساتھ کی عورتوں سے کہا کہ وہ حمزہؓ کی لاش تلاش کریں۔

اُسے حمزہؓ کی لاش مل گئی۔ ہند جھوکے درندے کی طرح لاش کو جھیرنے چلانے لگی۔ اُس نے لاش کے کچھ اعضاء کاٹ کر پرے پھینک دیئے۔ اُس نے دوسری عورتوں کو دیکھا جو اُس کے قریب بکھری تھیں۔ ”کھڑی دیکھ لیا رہی ہو؟“ ہند نے ان عورتوں سے بول کہا جیسے وہ پاگل ہو چکی ہو۔ ”یہ دیکھو،

میں نے اپنے باپ، اپنے چچا اور اپنے بیٹے کے قاتل کی لاش کا کیا حال کر دیا ہے۔ جاؤ، مسلمانوں کی ہر ایک لاش کا یہی حال کرو اور سب کے کان اور ناک کاٹ کر لے آؤ۔“

جب وہ عورتیں مسلمانوں کی لاشوں کو چیرنے پھاڑنے کے لیے وہاں سے ہٹ گئیں تو ہند نے خنجر سے حمزہ کا پیٹ چاک کر کے اُس کے اندر ہاتھ ڈالا۔ اُس کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں لاش کا کلیجہ تھا جو ہند نے خنجر سے کاٹ لیا۔ اُس نے اسی پر اکتفا نہ کیا۔ حمزہ کے کلیجے کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اُس نے اپنے منہ میں ڈال لیا اور دوندل کی طرح اسے چبانے لگی لیکن تھوڑی دیر بعد اُس نے کلیجے کے اس ٹکڑے کو اگل دیا۔ مٹا نظر آ رہا تھا کہ وہ اس ٹکڑے کو نکلنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن یہ ٹکڑا اُس کے حلق سے نیچے نہیں جا رہا تھا۔ خالد کو دُور اوسو سفیان نظر آیا۔ ہند کی اس وحشیانہ حرکت نے خالد کا مزہ کر کر دیا تھا۔ وہ جنگجو تھا۔ وہ صرف آگے سامنے آ کر لڑنے والا آدمی تھا۔ اپنے دشمن کی لاشوں کے ساتھ یہ سلوک نہ صرف یہ کہ اُسے پسند نہ آیا بلکہ اُس نے نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔

اوسو سفیان کو دیکھ کر خالد نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اوسو سفیان کے پاس جا گھڑا روکا۔
”اوسو سفیان!“ خالد نے غصے اور حقارت کے رے ملے لہجے میں کہا۔ ”کیا تم اپنی بیوی اور ان عورتوں کی اس وحشیانہ حرکت کو پسند کر رہے ہو؟“
اوسو سفیان نے خالد کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا جس میں بے بسی کی جھلک تھی اور صاف بتہ چلتا تھا کہ اُسے لاشوں کے ساتھ اپنی بیوی کا یہ سلوک پسند نہیں۔

”خاموش کہو! جو اوسو سفیان!“

”تم ہند کو جانتے ہو خالد!“ اوسو سفیان نے دہی سی زبان میں کہا۔ ”یہ عورت اس وقت ہاتھوں سے بدتر ہے۔ اگر میں یا تم اسے روکنے کے لیے آگے بڑھے تو یہ خنجر سے ہمارے پیٹ بھی چاک کر دے گی۔“
خالد ہند کو جانتا تھا۔ وہ اوسو سفیان کی بے بسی کو سمجھ گیا۔ اوسو سفیان نے سر جھکایا، گھوڑے کی گام کو جھٹکادیا اور منہ پھیر کر دوسری طرف چل پڑا۔ خالد بھی اس منظر کو برداشت نہ کر سکا۔

جب ہند حمزہ کی لاش کا کلیجہ چبا کر اگل چکی تو اُس نے پیچھے دیکھا۔ اُس کے پیچھے حمیر بن مطعم کا غلام حش بن حرب کھڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں افزقہ کی بنی ہوئی دبی بھٹی تھی جس سے اُس نے حمزہ کو شہید کیا تھا۔
”یہاں کیا کر رہے ہو بن حرب!“ ہند نے تنکھانہ انداز میں اُسے کہا۔ ”جاؤ اور مسلمانوں کی لاشوں کے ٹکڑے کرو۔“

دحشی بن حرب کو ناہت کہ تھا۔ اُس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ بات انشادوں میں ہی کر لی جائے۔ اُس نے ہند کا حکم ماننے کی بجائے اپنا ہاتھ ہند کے آگے پھیلا دیا اور اُس کی نظریں ہند کے گلے میں لٹکتے ہوئے سونے کے پار پر جم گئیں۔ ہند کو اپنا وعدہ یاد آ گیا۔ اُس نے دحشی سے کہا تھا کہ تم میرے باپ، چچا اور بیٹے کے قاتل کو قتل کرو تو میں نے جتنے زیورات پہن رکھے ہیں وہ تمہارے ہوں گے۔ اب دحشی اپنا انعام لینے آیا تھا۔ ہند نے اپنے تمام زیورات اُنار کو دحشی بن حرب کے پیچھے ہونے سے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ دحشی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی اور وہ وہاں سے چل پڑا۔ ہند ہر اُس وقت فتح اور انتقام کا بھڑکتا سوار تھا۔

”ہند جاؤ بن حرب!“ ہند نے جو شمالی آواز میں اس دحشی کو بلایا۔ وہ جب اُس کے پاس آیا تو ہند نے کہا۔ ”میں نے تمہیں کہا تھا کہ میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دو تو تمہیں اپنے زیورات دوں گی لیکن تم اس سے زیادہ انعام کے حقدار ہو۔“ ہند نے قریش کی عورتوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔ ”تم جانتے ہو ان عورتوں میں کتنی کون کون ہیں۔ دیکھو، وہ جوان بھی ہیں خلع و عورت بھی، تمہیں جو کینزرا چھی لگتی ہے، اُسے لے جاؤ۔“

دحشی بن حرب نے اپنی عادت کے مطابق خاموشی سے چند لمحے ہند کے چہرے پر نظریں گاڑیں لیکن اُس کی نظریں کینزوں کی طرف نہ گئیں۔ اُس نے انکار میں سر ہلایا اور وہاں سے چلا گیا۔
کچھ دیر بعد میدان جنگ کی ہولناکی میں سے ہند کی بلند اور مترنم آواز سنائی دینے لگی۔ مورخ ابن ہشام کے مطابق اُس نے ترنم سے جو غمہ گایا اس کے الفاظ کچھ اس طرح تھے:

ہم نے بدر کے معرکے کا حساب براب کر لیا ہے۔

ایک خونریز معرکے کے بدلے ہم نے ایک خونریز معرکہ لڑ لیا ہے۔

غنیہ کا غم میری برداشت سے باہر تھا۔

عتبہ میرا باپ تھا۔

مجھے چچا کا بھی غم تھا، اپنے بیٹے کا بھی غم تھا۔

اب میرا سینہ ٹھنڈا ہو گیا ہے۔

میں نے اپنی قسم پوری کر دی ہے۔

دحشی نے میرے دل کے درد کا ملو اکردیا ہے۔

میں عمر بھر دحشی کی احسان مند رہوں گی۔

اُس وقت تک جب تک میری ٹوٹیاں قبر کی مٹی میں مل کر مٹی نہیں ہوجاتیں۔

*

اوسو سفیان اس جھپٹاک منظر کو برداشت نہ کر سکا تھا۔ وہ پہلے ہی منہ پھیر کر جا چکا تھا۔ اُس نے اپنے دو ساتھیوں سے کہا کہ اُسے یقین نہیں کہ اُس کا رسول اکرم زندہ ہیں۔

”خالد نے دُور سے کسی اور کو دیکھ کر سمجھ لیا ہوگا کہ وہ حمزہ ہے۔“ کسی نے اوسو سفیان سے کہا۔

اوسو سفیان یہ کہہ کر کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آتا ہے، اُس تنگ سے درے کی طرف چلا گیا جہاں سے خالد اپنے سواروں کو واپس لایا تھا۔ وہ ایسی جگہ جا کھڑا ہوا جہاں سے اُسے مسلمان بیٹھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

”حمزہ کے پیروکارو!“ اوسو سفیان نے بلند آواز سے کہا۔ ”کیا تم میں حمزہ زندہ ہے؟“

رسول اکرم نے آواز سنی تو اپنے ارد گرد بیٹھے ہوئے مسلمانوں کو اشارہ کیا کہ وہ خاموش رہیں۔ اوسو سفیان نے اپنا سوال اور زیادہ بلند آواز سے دہرایا۔ اب بھی اُسے کوئی جواب نہ ملا۔

”کیا ابو بکرؓ تم میں زندہ موجود ہے؟“ اوسو سفیان نے بلند آواز سے پوچھا۔ اب بھی اُسے کوئی جواب نہ ملا۔ تین بار پوچھنے کے باوجود بھی مسلمان خاموش رہے۔

”کیا عمر زندہ ہے؟“ ابوسفیان نے پوچھا۔
اب کے بھی مسلمانوں نے خاموشی اختیار کئے رکھی۔
ابوسفیان نے گھوڑے کو گھمایا، اُس نے نیچے دیکھا، قریش کے بہت سے آدمی رسول اکرم کے متعلق صحیح خبر سننے کو بے تاب کھڑے تھے۔

”اے اہل قریش!“ ابوسفیان نے چلا کر اعلان کیا۔ ”محمدؐ مرجح ہے۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی زندہ نہیں۔ اب مسلمان تمہارے سامنے سے بھی گزریں گے۔ خوشیاں مناؤ۔ ناچو۔“

اہل قریش ناچنے اور بولنے لگے لیکن گرجتی ہوئی ایک آواز نے انہیں خاموش کر دیا۔
”اے خدا کے دشمن!“ دوسے کی ہلندی سے حضرت عمرؓ کی آواز گونجی۔ ”اتنا جھوٹ نہ بول۔ وہ تینوں زندہ ہیں جن کے نام لے کے تو انہیں مردہ کہہ رہا ہے۔ اپنے قبیلے کو دھوکا مت دے۔ تجھے تیرے گناہوں کی سزا دینے کے لیے ہم سب زندہ ہیں۔“

ابوسفیان نے طنز پر غصہ نہ لگایا اور بلند آواز سے بولا۔ ”ابن الخطاب! تیرا غلط ہے ہم سے محفوظ رکھے۔ کیا تو اب بھی ہمیں سزا دینے کی بات کرتا ہے؟ کیا تو یقین سے کہتا ہے کہ محمدؐ زندہ ہے؟“
”اللہ کی قسم! ہمارے نبی زندہ ہیں۔“ حضرت عمرؓ ابن الخطاب کی آواز جواب میں گونجی۔ ”ان کے رسولؐ تمہارا ایک ایک لفظ سن رہے ہیں۔“

عربوں میں یہ رواج تھا کہ ایک معرکہ ختم ہونے کے بعد دونوں فریقوں کے سردار یا سالار ایک دوسرے پر غصوں اور جھجکتیوں کے تہ پر سایا کرتے تھے۔ ابوسفیان اسی دستور کے مطابق دوڑ کھڑا حضرت عمرؓ سے پہلک تھا۔
”تم جمل اور عزیٰ کی عظمت کو نہیں جانتے۔“ ابوسفیان نے کہا۔

حضرت عمرؓ نے رسول اکرمؐ کی طرف دیکھا۔ آپؐ اوجھلے ہوئے تھے۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ وہ ابوسفیان کو کیا جواب دیں۔

”ابو بطل کے چچا جی!“ حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے کہا۔ ”اللہ کی عظمت کو سمجھنا جو سب سے بڑا اور سب سے زیادہ طاقت والا ہے۔“

”ہمارے پاس پہل جیسا دیوتا اور عزیٰ جیسی دیوی ہے۔“ ابوسفیان نے کہا۔ ”کیا تمہارے پاس کوئی ایسا دیوتا اور دیوی ہے؟“

”ہمارے پاس اللہ ہے۔“ رسول کریمؐ نے حضرت عمرؓ کی زبان سے کہلایا جو حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے کہا۔ ”تمہارا خدا کوئی نہیں۔“

”جنگ کا فیصلہ ہو چکا ہے۔“ ابوسفیان نے کہا۔ ”تم نے بدر میں فتح پائی تھی۔ ہم نے اس پیاری کے دامن میں تم سے انتقام لے لیا ہے۔ اگلے سال تم تمہیں بدر کے میدان میں ہی مقابلے کے لیے لٹکائیں گے۔“

”انشاء اللہ!“ حضرت عمرؓ نے رسول کریمؐ کے الفاظ بلند آواز سے دہرائے۔ ”اب تمہارے ساتھ ہماری ملاقات بدر کے میدان میں ہی ہوگی۔“

ابوسفیان نے گھوڑا موڑا۔ گھوڑا دو قدم ہی چلا ہوگا کہ اُس نے گھوڑے کو روک لیا۔
”اے عمرؓ! ابوبکرؓ اور محمدؓ!“ ابوسفیان نے اب کے ذرا ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔ ”تم جب میدان

سے اپنی لاشیں اٹھاؤ گے تو تمہیں کچھ ایسی لاشیں بھی ملیں گے جن کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں گے اور انہیں چیرا چھڑا لیا گیا ہوگا۔ خدا کی قسم! میں نے کسی کو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور میں نے تمہاری لاشوں کے ساتھ یہ سلوک بالکل پسند نہیں کیا۔ اگر اس کا الزام مجھ پر عائد کر دے تو میں اسے اپنی توین سمجھوں گا۔“ ابوسفیان نے گھوڑا موڑا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

✱

چلتے چلتے خالدؓ کے گھوڑے نے اپنے آپ ہی رخ بدل لیا۔ خالدؓ نے گھوڑے کو نہ روکا۔ وہ سمجھ گیا کہ گھوڑے نے پانی کی مشک پالی ہے۔ کچھ دُور جا کر گھوڑا نیچے اترنے لگا۔ خالدؓ کو یہ مقام یاد آیا۔ جنگ اُرد کے بعد واپسی پر قریش نے کچھ دُور یہاں قیام کیا تھا۔ نیچے پانی کا خاصا ذخیعہ موجود تھا۔ گھوڑا بڑی تیزی سے گھاٹی اتر گیا اور پانی پر جا رہا۔ خالدؓ گھوڑے سے گود کر نیچے اُترا اور دونوں سوکر چپٹو جھجھکر اپنے چہرے پر پانی پھینکے لگا۔ ذرا سستانے کے لیے جھجھکری سی ایک چٹان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اُسے وہ وقت یاد آیا جب اُرد کے معرکہ کے بعد اہل قریش واپس آئے تھے۔ انہوں نے مدینہ سے کچھ دُور آکر قیام کیا تھا۔ اس قیام کے دوران قریش کے سردار اس بحث میں اُلجھ گئے تھے کہ واپس مکہ پہنچا جائے یا مسلمانوں پر ایک اور حملہ کیا جائے۔

صفوان بن امیہؓ نے کہا تھا۔ ”ہم شکست کھا کر نہیں آئے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مسلمانوں کی حالت بہت بُری ہے تو اپنی حالت دیکھو۔ ہماری حالت بھی اچھی نہیں۔ اب مسلمانوں کے ساتھ اتنی جلدی کرنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے قسمت ہمارا ساتھ نہ دے۔“

جب یہ بحث جاری تھی تو قریش کے کچھ آدمی دو مسافروں کو پکڑ کر سرداروں کے سامنے لے آئے۔ انہیں بتایا گیا کہ یہ دونوں آدمی جو اپنے آپ کو مسافر کہتے ہیں، ہمارے خیموں کے ارد گرد گھوم پھر رہے تھے اور ہمارے چار پانچ آدمیوں سے انہوں نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو۔ ان دونوں نے ابوسفیان اور دوسرے سرداروں کے سامنے بھی یہی بیان دیتے کہ وہ مسافر ہیں اور کسی جگہ کا نام لے کر کہا کہ وہ ادھر جا رہے ہیں۔ ابوسفیان کے حکم سے اُن کے چھٹے پزلے پڑے جو انہوں نے پہن رکھے تھے، اُتروائے گئے تو اندر سے خنجر اور ”تواریں برنگہ بویں“ اُن سے پوچھا گیا کہ تم نے یہ ستیاری چھپا کر کیوں رکھے ہیں۔ خالدؓ کی نظر بہت تیز تھی۔ اُسے شک ہوا کہ یہ مسلمانوں کے جاسوس ہیں۔ ان دونوں کو قریش کی فوج کے سامنے کھڑا کر دیا گیا اور پوچھا گیا کہ انہیں کوئی سچا بتا ہے؟

دو فتن آوازیں اُٹھیں کہ ہم انہیں سچا بتاتے ہیں۔ یہ یزید (مدینہ) کے رہنے والے ہیں۔
”اس ایک کو میں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔“ قریش کے ایک آدمی نے اُنھ کو کہا۔ ”اسے میں نے اپنے خلاف روٹنے ہوئے دیکھا تھا۔“

”تمہاری زبان سے کہہ دو کہ تم محمدؐ کے جاسوس ہو۔“ ابوسفیان نے ان دونوں سے کہا۔ ”اور جاؤ۔“
میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔“

دونوں میں سے ایک نے اعتراض کر لیا۔
”جاؤ۔“ ابوسفیان نے کہا۔ ”ہم نے تمہیں معاف کیا۔“
دونوں جو واقعی مسلمانوں کے بھیجے ہوئے جاسوس تھے اور قریش کے عہدِ ثَم معاف کرنے آئے تھے، ہنسی

خوشی اپنے اونٹوں کی طرف چل پڑے۔ ابوسفیان کے اشارے پر کئی ایک حیرانما زول نے کمانوں میں نیزہ ڈالے اور نیچے سے ان دونوں مسلمانوں پر چلا دیئے۔ دونوں کی گتیر پائے جسموں میں لے کر گئے۔ پھر اٹھ نہ سکے۔ ”کیا تم اس کا مطلب سمجھتے ہو؟“ ابوسفیان نے اپنے قریب کھڑے سرداروں سے کہا۔ ”جاسوس بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان مارے نہیں، وہ ابھی یا کچھ ہی عرصے بعد ہم پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ فوراً کمزور کو کچل کر اور اگلی جنگ کی تیاری کرو۔“

اگلے روز رسول اکرم کو کسی نے آکر بتایا کہ اہل قریش نے جہاں پڑاؤ کیا تھا وہاں اپنے دونوں جاسوسوں کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں اور اہل قریش مکہ کو روانہ ہو گئے ہیں۔

خالد نے یہ پہلی بڑی جنگ لڑی تھی لیکن وہ سمجھتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکا۔ آج چار برس بعد وہ اس سوچ میں غرق تھا کہ مسلمانوں کی یہ طاقت عام انسانوں کی طاقت نہیں۔ کوئی راز ہے جسے وہ ابھی تک نہیں پاسکا۔ اُسے اہل قریش کی کچھ خامیاں یاد آنے لگیں۔ کچھ باتیں اور کچھ اعمال اُسے اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ اُسے یہودیوں کی وہ بڑی خوبصورت عورتیں بھی یاد آئیں جو اہل قریش کے سرداروں میں گھل چکی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ یہودی اپنے نسوانی حسن کے جادو سے اہل قریش پر بھجا جانے کی اور انہیں مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ طریقہ اُسے پسند نہ تھا لیکن ان میں سے ایک عورت ایک روز خالد سے ملی تو خالد نے محسوس کیا کہ یہ عورت جو کچھ کہہ رہی ہے، اس میں عقل و دانش ہے۔ اس عورت کے حسن و جوانی کا اپنا ایک اثر تھا لیکن غلام جو اُس کی زبان میں تھا، اُس کا اثر خالد نے بھی محسوس کیا تھا۔ کچھ دیر تک یہ عورت خالد کے خیالوں پر چھائی رہی۔ اُس کا گھوڑا ہنسنا یا تو خالد جیسے خواب بیلاری سے بیلار ہو گیا۔ وہ نیزی سے اٹھا۔ گھوڑے پر سوار ہوا اور پھر مدینے کے راستے پر ہولیا۔

ولید کا بیٹا خالد شہزادہ تھا۔ عیش و عشرت کا بھی دلدادہ تھا لیکن فن حرب و ضرب کا جنون ایسا کہ عیش و عشرت کو اس جنون پر چا دی نہیں ہونے دیتا تھا۔ مدینے کی طرف جاتے ہوئے اُسے وہ حسین و جمیل یہود یاد آئی جس کا نام یوحنا وہ تھا۔ اُس نے اس یہود کو ذہن سے نکال دیا لیکن یوحنا وہ رنگ بڑی تپتی بن کر اُس کے ذہن میں اڑتی رہی۔ خالد اُسے ذہن سے نکال نہ سکا۔ خالد کے ذہن میں اڑتی ہوئی اس تپتی کے رنگ پھینکے پڑنے لگے پھر تمام رنگ مل کر سرخ ہو گئے۔ خون جیسے سرخ۔ یہ ایک بھیاں باد بھی۔ خالد نے اُسے ذہن سے اگل دینے کی بہت کوشش کی لیکن تپتی جو زہریلی پھیر مچتی تھی اُس کے ذہن سے نہ نکلی۔

یہ معرکہ اُحد کے تین چار ماہ بعد کا ایک واقعہ تھا۔ یہ ایک سازش تھی جس میں وہ شریک نہ تھا لیکن وہ قبیلہ قریش کا بڑا ہی اہم فرد تھا۔ مسلمانوں کے خلاف کسی سازش میں شریک نہ ہونے کے باوجود وہ دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اس میں شریک نہ تھا۔

معرکہ اُحد میں زخمی ہونے والے بعض اہل قریش کے زخم ابھی ٹھیک نہیں ہوئے تھے کہ ایک روز خالد کو خبر ملی کہ مدینے سے چھ مسلمان تبلیغ اسلام کے لیے ریح کی طرف جا رہے تھے۔ کیر عوفان سے تھوڑی دور ایک غیر مسلم قبیلے نے انہیں روک لیا اور ان میں سے دو کو سمجھ لایا گیا ہے اور

انہیں قتل کیا جا رہا ہے۔

خالد دوڑتا ہوا واپس گیا۔ وہ دو مسلمان حبشیہ بن عدی اور زید بن الدثنہ تھے۔ خالد دونوں کو جانتا پہانتا تھا۔ وہ اُسی کے قبیلے کے افراد ہوا کرتے تھے انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان میں حبش رسول کا یہ عالم تھا کہ رسول خدا پر جانیں قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ رسول خدا انہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ خالد نے دیکھا کہ انہیں ایک چوتھے پرکھ کر دیا گیا تھا اور اگر وہ اہل قریش کا جہوم تھا۔ ایک غیر مسلم قبیلے کے چار افراد ان کے پاس کھڑے تھے۔ دونوں کے ہاتھ ریشموں سے بندھے ہوئے تھے۔

”یہ دونوں مسلمان ہیں۔“ ایک آدمی چوتھے پرکھ کا اعلان کر رہا تھا۔ ”یہ دونوں اُحد میں تیارے خلاف لڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں تمہارے عزیز اور خون کے رشتہ دار مارے گئے تھے۔“

جسے کوئی جو انتقام کی آگ بجھانا چاہتا ہے۔۔۔ انہیں غریب و، انہیں اپنے ہاتھوں قتل کرواد خون کے بدلے خون بہاؤ۔۔۔ یہ آدمی سب سے اونچی بولی دینے والے کو ملیں گے۔۔۔ بولو۔“

”دو گھوڑے۔“ ایک آواز آئی۔

”بولو۔۔۔ بڑھ کر بولو۔“

”دو گھوڑے ایک اونٹ۔“ ایک اور آواز آئی۔

”گھوڑوں اور اونٹوں کو چھوڑ۔ سونے میں بولی دو۔۔۔ سونا لاؤ۔۔۔ دشمن کے خون سے انتقام کی پیاس بجھاؤ۔“

وہ لوگ جن کے قریبی رشتہ دار اُحد کی لڑائی میں مارے گئے تھے، بڑھ چڑھ کر بولی دے رہے تھے۔ حبشیہ بن عدی اور زید چپ چاپ کھڑے تھے۔ ان کے چہرے پر خوف نہ تھا، گھبراہٹ نہیں تھی، ہلکی سی بے چینی بھی نہیں تھی۔ خالد جہوم کو چیرتا ہوا آگے چلا گیا۔

”او قریش کے سردار کے حضور بیٹے۔“ حبشیہ بن عدی کے خالد کو دیکھ کر بڑی بلند آواز سے کہا۔ ”تیرا قبیلہ ہم دونوں کا خون بہا کر اُس مقدس آواز کو خاموش نہیں کر سکتا جو غار حرا سے اُٹھی ہے۔ اپنے قبیلے کا کوئی نا تو ر لڑا کہ ادریس سے ہاتھ کھلا دے، پھر دیکھ کون کس کے خون سے پیاس بجھاتا ہے۔“

”میدان جنگ میں بیٹھ دیکھنے والو۔“ زید نے گرجا کر آواز میں کہا۔ ”تم نے کتنے شکستہ مسلمان ہمارے بھائیوں کی لاشوں سے لیا ہے۔ بخاری عورتوں نے اُحد کے میدان میں ہماری لاشوں کے کان اور ناکیں کاٹ کر ان کے ہار اپنے گلے میں لٹکاتے ہیں۔“

آج۔ چار برس بعد۔ مدینے کی طرف جاتے ہوئے خالد کو حبشیہ بن عدی کی لڑکی طعنے صاف سنائی دے رہے تھے۔ وہ زید کے طعنے کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ آج، چار برس پہلے اُسے یہ طعنہ یاد آیا تو بھی اُس کے جسم نے جھجھکی مچی۔ اُسے اُحد کے میدان کا وہ منظر یاد آیا تھا جب ابوسفیان کی بیوی ہند نے حمزہ کی لاش کا کیکر نکال کر اپنے منہ میں ڈال لیا اور چپکا کر اگل دیا تھا۔ اسی عورت نے اپنے ساتھی کی عورتوں سے کہا تھا کہ وہ مسلمانوں کی لاشوں کے کان اور ناکیں کاٹ لائیں۔ ان عورتوں نے اُس کے آگے کانوں اور ناکوں کا ڈھیر لگا دیا تھا۔ ہند نے ان کانوں اور ناکوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈال لیا تھا اور وہ ہانگوں کی طرح میدان میں ایک ایک گیت گاتی اور ناک چتی

پھری پھرتی۔ اس منظر کو اس کے خاندان اہل سفیان نے پسند نہیں کیا تھا۔ خالد نے تو نفرت سے منہ پھیر لیا تھا۔

تین چار ماہ بعد دو مسلمان جن کے ہاتھ رسیوں سے بندھے ہوئے تھے اُسے طعنے دے رہے تھے۔ وہ اوجھڑے لیتے سے انتقام لینے والا آدمی نہیں تھا۔ وہ وہاں سے کھسکا آیا اور اہل قریش کے جوہم میں گم ہو گیا۔ اُسے اُس قبیلے کا ایک آدمی مل گیا جو ان دو مسلمانوں کو پھڑپھڑایا تھا۔ کسی بھی تاریخ میں اس قبیلے کا نام نہیں ملتا۔ مورخوں نے ابن ہشام کے حوالے سے اسے ایک جنگجو قبیلہ لکھا ہے جو قریش کا اتحادی تھا۔

خالد نے اس جنگجو قبیلے کے اس آدمی سے پوچھا کہ ان دو مسلمانوں کو کس طرح پکڑا گیا ہے۔ ”خدا کی قسم!۔۔۔ اس آدمی نے کہا۔۔۔ کہو تو ہم ان مسلمانوں کے رسول کو پھڑپھڑایا اور نیلائی کے چبوترے پر کھڑا کر دیں۔“ تم جو کام نہیں کر سکتے اُس کی قسم نہ کھاؤ۔“ خالد نے کہا۔ ”مجھے بتاؤ کہ ان دو کو کہاں سے پکڑا گیا ہے؟“

”یہ چھ تھے۔“ اس شخص نے جواب دیا۔ ”ہم نے اُحد میں مارے جانے والوں کا انتقام لیا ہے۔ اُسکندہ بھی ایسے ہی انتقام لیتے رہیں گے۔ ہمارے قبیلے کے چھ آدمی مدینہ محمد کے پاس گئے اور کہا کہ وہ اسلام قبول کرنے آئے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ان کا پورا قبیلہ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر چکا ہے لیکن پورا قبیلہ مدینہ نہیں آ سکتا۔ ہمارے ان آدمیوں نے محمد سے کہا کہ ان کے ساتھ چند ایک مسلمانوں کو ان کے قبیلے میں بھیجا جائے جو پورے قبیلے کو مسلمان کریں اور پھر قبیلے کو مذہبی تعلیم دینے کے لیے کچھ عرصہ وہیں رہیں۔۔۔“ ہمارے یہ آدمی جب واپس آئے تو ان کے ساتھ چھ مسلمان تھے۔ ادھر ہمارے سردار شاربہ بن مغیث نے ایک سو آدمیوں کو رجیع کے مقام پر بھیج دیا۔ جب یہ چھ مسلمان رجیع پہنچے تو ہمارے ایک سو آدمیوں نے انہیں گھیر لیا۔۔۔ تم سن کر حیران ہو گے کہ یہ چھ مسلمان تلواریں نکال کر ایک سو آدمیوں کے مقابلے پر آ گئے۔ ہم نے تین کو مار ڈالا اور تین کو پھڑپھڑایا۔ ان کے ہاتھ رسیوں سے باندھ دیے۔ شاربہ بن مغیث نے حکم دیا تھا کہ مدینے سے چھ مسلمان تمہارے دھوکے میں آکر تمہارے ساتھ آ گئے تو ان میں سے دو تین کو سمجھ لے جانا اور انتقام لینے والوں کے ہاتھ فروخت کر دینا۔۔۔“

”تم تین کو ادھر لارہے تھے۔ راستے میں ان میں سے ایک نے رسیوں میں سے ہاتھ نکال لیے مگر وہ جھانکا نہیں۔ وہ اتنا پتلا تھا کہ اُس نے ہمارے ایک آدمی کی نیام سے تلوار نکال کی تو نہ کہ اُسے ہم نے نہتہ کر رکھا تھا۔ اُس نے بڑی تیزی سے ہمارے دو آدمیوں کو مار ڈالا۔ ایک آدمی اتنے سارے آدمیوں کا مقابلہ کب تک کرتا۔ وہ مارا گیا اور ہم نے اُس کے جسم کا قہیہ

کر دیا۔ یہ دورہ گئے۔ ہم نے ان کے ہاتھ اور زیادہ مضبوطی سے باندھ دیے اور یہاں لے آئے۔“ اور تم خوش ہو۔ خالد نے اُسے طنز کیا۔ ”تمہارے کئے گا؟۔۔۔ اہل قریش اور ان کے دوست قبیلے اتنے بزدل ہو گئے ہیں کہ اب دھوکے دینے اور چھ آدمیوں کو ایک سو سے مرنے پر آمتر آتے ہیں۔ کیا تم نے مجھے یہ بات سناتے شرم محسوس نہیں کی؟ کیا ان ایک سو آدمیوں نے اپنی ماؤں کو شرمسار نہیں کیا جن کا انہوں نے دودھ پیا ہے؟“

”تم نے میدان جنگ میں مسلمانوں کا کیا بگاڑ لیا تھا ولید کے بیٹے؟۔۔۔ اس آدمی نے کہا۔۔۔ کیا تم محمد کی طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہو؟ بدریں ایک ہزار قریشی تھے۔ تیرہ سے مار کھائے تھے۔ اُحد کی لڑائی میں محمد کے پیروکار کتنی تعداد میں تھے؟۔۔۔ سات سو سے کم ہوں گے زیادہ نہیں تھے۔ قریش کہتے تھے۔۔۔ ہزاروں۔۔۔ سن خالد بن ولید! محمد کے ہاتھ میں جادو ہے۔ جہاں جادو چلتا ہے وہاں تلوار نہیں چل سکتی۔“

”پھر تمہاری تلوار کس طرح چلی ہے؟۔۔۔ خالد نے پوچھا۔“ اگر محمد کے ہاتھ میں جادو ہے تو وہ تمہارے سردار شاربہ بن مغیث کے دھوکے میں کس طرح آ گیا؟ اُس کے چار آدمیوں کو کس طرح مار ڈالا؟ ان دو کو محمد کا جادو آزاد کیوں نہیں کر لیتا؟۔۔۔ تم جس چیز کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں رکھتے اُسے جادو کر دیتے ہو۔“

”ہم نے جادو کو جادو سے کاٹا ہے۔“ شاربہ بن مغیث کے قبیلے کے اس آدمی نے کہا۔ ”ہمارے پاس یہودی جادوگر آتے تھے۔ ان کے ساتھ تین جادوگر نیاں تھیں۔ ان میں سے ایک کا نام یوحنا ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ایک گھنی جھاڑی میں سے ایک چھپی ہوئی پرسرکھی باہر آئی۔ یہ چھپی جھاڑی میں واپس چلی گئی اور سانپ بن کر باہر آئی۔ یہ سانپ واپس جھاڑی میں چلا گیا۔“

مدینے کی طرف جاتے ہوئے اُسے یہ واقعہ یاد آکر اُٹھا۔ وہ اسے یاد نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن زہریلی بھڑوں کی طرح یہ یاد اُس کے اوپر بھنبھناتی رہی۔ اُسے یوحنا وہ یاد آتی۔ وہ جادوگر تھی مگر یانہیں اُس کے ضمیر میں، جسم کی ساخت، ہنسکراہٹ اور بولنے کے انداز میں جادو تھا۔ اُس نے شاربہ بن مغیث کے اس آدمی کے منہ سے یوحنا کا نام سنا تو وہ چونکا۔ معرکہ اُحد کے بعد جب اہل قریش کی فوج منکسر واپس آتی تھی تو منکسر کے یہودی ایسے انداز سے اہل سفیان، خالد اور عکرمہ کے پاس آتے تھے جیسے اُحد میں یہودیوں کو شکست ہوئی ہو۔ یہودیوں کے سرداروں نے اہل سفیان سے کہا تھا کہ مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی اور لڑائی مارجیت کے بغیر ختم ہو گئی ہے تو یہ قریش کی شکست ہے، یہ یہودیوں کی ناکامی ہے۔۔۔ یہودیوں نے اہل قریش کے ساتھ اس طرح ہمدردی کا اظہار کیا تھا جیسے وہ اہل قریش کی ناکامی پر غم سے مرے جا رہے ہوں۔

انہی دنوں خالد نے پہلی بار یوحنا کو دیکھا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کی ٹھالی کے لیے آبادی سے باہر نکل گیا تھا۔ جب وہ واپس آکر ہاتھ توڑا تو اسے میں اُسے یوحنا مل گئی۔ یوحنا کی مسکراہٹ نے

اُسے روک لیا۔

”میں تسلیم نہیں کر سکتی کہ ولید کا بیٹا جنگ سے ناکام لوٹ آیا ہے۔ یوحادہ نے کہا اور خالد کے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ پھیرنے لگی اور بولا، ”مجھے اس گھوڑے سے پیار ہے جو مسلمانوں کے خلاف لڑنے گیا تھا“

خالد لوں گھوڑے سے اتر آیا جیسے یوحادہ کے جادو نے اُسے گھوڑے سے زمین پر کھڑا کر دیا ہو۔

”اُس سے بڑی ناکامی اور کیا ہوگی کہ تم مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکے۔“ یوحادہ نے کہا۔ ”تمہاری شکست ہماری شکست ہے۔ اب ہم تمہارا ساتھ دیں گے لیکن تمہارے ساتھ ہوتے ہوئے بھی تم ہمیں اپنے ساتھ نہیں دیکھ سکو گے۔“

خالد نے بول محسوس کیا جیسے اُس کی زبان بند ہو گئی ہو تلواروں، برچھیوں اور تیروں کی بوجھ بھارا کا مقابلہ کرنے والا خالد یوحادہ کی مسکراہٹ کا مقابلہ نہ کر سکا۔

”اگر یہودی ہمارے ساتھ نہیں ہوں گے تو ہمارے کس کام آسکیں گے؟“ خالد نے پوچھا۔ ”کیا تم سمجھتے ہو کہ صرف تیر ہی انسان کے جسم سے پار ہو جاتا ہے؟“ یوحادہ نے کہا۔ ”عورت کا جسم تم جیسے ولید اور جری مردوں کے ہاتھوں سے تلوار کا سکتا ہے۔“

خالد اُس سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن کچھ نہ سکا۔ یوحادہ نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور پنجو لوں کی ہتھکڑیوں جیسے ہونٹوں پر تسمہ لگایا۔ یوحادہ اُس کے چل بڑی خالد اُس سے دیکھتا رہا۔ اُس نے اپنے وجود کے اندر لطیفیت سے جھٹکنے محسوس کیے۔ اُس کے گھوڑے نے کھڑا مارا خالد اپنے آپ میں آگیا۔ وہ بڑی تیزی سے گھوڑے پر سوار ہوا اور چل پڑا۔ کچھ دور آکر اُس نے پیچھے دیکھا۔ یوحادہ رگ کر اُس سے دیکھ رہی تھی۔ یوحادہ نے اپنا ہاتھ ذرا اوپر کر کے بلایا۔

○

اب جب کہ دو مسلمانوں کو نیلام کیا جا رہا تھا اور خالد کو ایک آدمی نے بتایا تھا کہ ان مسلمانوں کو کس طرح دھوکے میں لایا گیا ہے اور اُس آدمی نے یوحادہ کا بھی نام لیا تو اُس نے ارادہ کر لیا کہ معلوم کرے گا کہ یوحادہ نے یہ جادو کس طرح چلایا تھا۔ اسے اپنے قبیلے کا ایک سرکردہ آدمی لگایا۔ اُس سے اُسے پتہ چلا کہ یہ مسلمان اہل قریش کے ہاتھ کس طرح آئے ہیں۔ تین چار سرکردہ یہودی یوحادہ اور دو تین اور یہودیوں کو ساتھ لے کر شارجہ بن مغیث کے پاس چلے گئے۔ یہ قبیلہ تھا تو جنگجو لیکن اُس مسلمانوں کا رعب کچھ اس طرح طاری ہو گیا تھا جیسے لوگ جادو گردوں سے ڈرتے تھے۔ اس قبیلے میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ رسولِ اکرمؐ کے ہاتھ میں کوئی جادو ہے۔ یہودیوں نے اپنی زمین دوڑا کر رواتوں کے لیے اس قبیلے کو اس لیے منتخب کیا تھا کہ وہ جنگجو قبیلہ تھا۔

یہودی بڑی دانش مند قوم تھی۔ انہوں نے سوچا کہ مسلمانوں کے جادو کا دم اگر پھیل گیا تو دوسرے قبیلے بھی اُس سے متاثر ہوں گے۔ یہ یہودی اس قبیلے کے سردار شارجہ بن مغیث کے پاس گئے اور اُس کا یہ وہم دور کرنے کے لیے کہ مسلمان جادو گر ہیں، اُسے بہت کچھ کہا لیکن شارجہ

بن مغیث نے تسلیم نہ کیا۔ رات کو یہودیوں کے کہنے پر شارجہ نے ان مہمانوں کی ضیافت کا انتظام باہر کھائے آسمان تلے کیا۔ ان یہودیوں نے اپنے ہاتھوں اپنے مینہ بانوں کو شراب پلائی۔ شارجہ بن مغیث اور اس کے قبیلے کے چند ایک سرکردہ افراد کو جو شراب پلائی تھی، اس میں یہودیوں نے کوئی سمفوت سا ملا دیا، پھر یہودیوں نے اپنے جادو کے کچھ شیعہ سے دکھائے۔

یوحادہ نے اپنے حُسن کا جادو چلایا۔ اس کا ذریعہ ایک رقص بھی تھا جس میں یہ یہودی نہیں نہیں تھیں۔ ناچتے ناچتے اُن کے جسموں پر جادو حور سے لہاں تھے وہ بھی سر کر زمین پر جا پڑے تھے۔ یہودی اپنے سازندے کے ساتھ لے گئے تھے۔

اگلے روز جب شارجہ بن مغیث کی آنکھ کھلی تو اُسے محسوس ہوا جیسے وہ بڑے جی چین خواب سے جاگا ہو۔ اُس کے خیالات بدلے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ پھر اپنے قبیلے کے دوسرے سرداروں کے ساتھ یہودیوں کے پاس بیٹھا تھا۔ یہودیوں میں وہاں موجود تھیں یوحادہ کو دیکھ کر وہ بے قابو ہو گیا۔ اُس نے ایک کر یوحادہ کا بازو پکڑا اور اُسے کھینچ کر اپنے پاس بٹھالیا۔ ”ضروری نہیں کہ دشمن کو میدانِ جنگ میں لڑا کر مارا جائے۔ شکرست دی جائے۔“ ایک یہودی نے کہا۔ ”ہم مسلمانوں کو دوسرے طریقوں سے بھی ختم کر سکتے ہیں۔ اس کا ایک طریقہ ہم تمہیں بتاتے ہیں۔“

خالد کو بتایا گیا کہ ان چھ مسلمانوں کو مدینے سے دھوکے سے لانے کا یہ طریقہ یہودیوں نے بتایا تھا اور شارجہ بن مغیث نے جادو کی رسولِ اکرمؐ کے پاس بھیجے تھے ان میں ایک یہودی بھی تھا۔ خالد مسلمانوں کو اپنا بدترین دشمن سمجھتا تھا لیکن اُسے یہ غیر جتنی طریقے اچھے نہیں لگتے تھے۔ خالد اپنے گھر گیا اور اپنی ایک خادما سے کہہ دیا کہ یوحادہ یہودیوں کو بلا لائے۔ یوحادہ اتنی جلدی اُس کے پاس آئی جیسے وہ اُس کے بلاوے کے انتظار میں قریب ہی کہیں بیٹھی تھی۔

”تم نے مسلمانوں کو کامیابی سے دھوکہ دیا ہے۔“ خالد نے یوحادہ سے کہا۔ ”اور مغیث کے قبیلے کے لوگ تمہیں جادو گر بنی کہنے لگے ہیں لیکن مجھے یہ طریقہ پسند نہیں آیا۔“

”میری بات غور سے سنو خالد۔“ یوحادہ اُس کے قریب جا بیٹھی اور اُس کی ران پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ”تم اپنے قبیلے کے نامور جوہر ہیں تم میں عقل کی کمی ہے۔ دشمن کو مارنا ہے۔ تلوار سے مارو تیر سے مارو یا اُسے بھی نظروں سے ہلاک کر دو۔ تیر اور تلوار چلا تے بغیر دشمن کو کوئی مجھ جیسی عورت ہی مار سکتی ہے۔“

خالد یوحادہ کے جسم کی تپش محسوس کر رہا تھا۔ یوحادہ اُس کے اتنی قریب بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک بار یوحادہ نے چہرہ خالد کی طرف موڑا تو اُس کے روتی جیسے ملازم گال خالد کے گال سے جا ملے۔ خالد نے اپنے جسم میں بڑی پر لطف حرارت کی لہر دوڑنی محسوس کی لیکن کسی خیال سے وہ ذرا پرے سر کر گیا۔ آج چار برس قبل، وہ جب صحرائ میں تنہا جا رہا تھا، وہ اپنے گال پر یوحادہ کے زخار کا لمس محسوس کر رہا تھا۔ اُس حد تک تو وہ خوش تھا کہ یہودی اُن کے ساتھ تھے لیکن اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہودیوں کی دوستی میں جہاں مسلمانوں کی دشمنی ہے وہاں اُن کے اپنے مفادات بھی ہیں۔ البتہ اُس نے یہ تسلیم کر

یہ تھا کہ یوحنا وہ اگر جادو گر فی نہیں تو اس کے سر پا میں جادو کا کوئی اثر ضرور ہے۔

خالد کا گھوڑا مدینے کی طرف چلا جا رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں پھر حبیب بن عدی اور زید بن الدہر آگئے۔ لوگ ان کی بولیاں بڑھ چڑھ کر دے رہے تھے آفر سودا ہو گیا اور قریش کے دو آدمیوں نے انہیں بہت سے سونے کے عوض خرید لیا۔ یہ دونوں آدمی ان دونوں صحابیوں کو البوسفیان کے پاس لے گئے۔

”ہم نے اپنے عقیدے سے ہٹ کر محمد کے پاس چلے جانے والے ان دو آدمیوں کو اس لیے خریدا ہے کہ ان اہل قریش کے خون کا انتقام لیں جو اُحد کے میدان میں مارے گئے تھے۔“ انہیں خریدنے والوں نے کہا۔ ”ہم انہیں آپ کے حوالے کرتے ہیں۔ آپ قریش کے سردار اور سالار ہیں۔“

”اے اے! البوسفیان نے کہا۔“ مجھ کی زمین مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہے۔ ان دو مسلمانوں کا خون اپنی زمین کو پلا دے۔ لیکن مجھے یاد آگیا ہے کہ یہ مہینہ جو گزر رہا ہے ہمارے دیوتاؤں عزری اور ہبل کا مقدس مہینہ ہے۔ یہ مہینہ ختم ہو لینے دو۔ اگلے دن انہیں کھلے میدان میں لے جا کر لٹریں گے کھمبول کے ساتھ باندھ دینا اور مجھے بلالینا۔“

خالد نے جب البوسفیان کا یہ حکم سنا تو وہ اُس کے پاس گیا۔

”مجھے آپ کا یہ فیصلہ اچھا نہیں لگا۔“ خالد نے البوسفیان سے کہا۔ ”ہم گنی اور گنی تعداد میں ہوتے ہوئے اپنی زمین کو مسلمانوں کا خون نہیں پلا سکتے تو ہمیں حق حاصل نہیں کہ دو مسلمانوں کو دو گنے سے یہاں لاکھ ان کا خون بہایا جائے۔۔۔ البوسفیان! کیا آپ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے والی تین چار عورتیں تھیں؟ کیا آپ اپنے دشمن سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اہل قریش اب عورتوں کی آڑ میں بیٹھ گئے ہیں؟“

”خالد! البوسفیان نے باعرب لہجے میں کہا۔“ غیبی نبی اور زید کو میں بھی اتنا ہی اپنے قریب سمجھا کرتا تھا جتنا تم انہیں اپنے قریب سمجھتے تھے۔ تم اب بھی انہیں اپنے قریب سمجھ رہے ہو اور یہ کھبول رہے ہو کہ اب یہ ہمارے دشمن ہیں۔ اگر تم انہیں آزاد کرانا چاہتے ہو تو لاؤ، اُس سے دگنا سونا لے آؤ اور ان دونوں کو لے جاؤ۔“

”نہیں۔“ پردے کے پیچھے سے ایک گرجدار سنوانی آواز آئی۔ یہ البوسفیان کی بیوی ہند کی آواز تھی۔ اُس نے غصے سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”عمرہ! کلچر جہاں بھی میرے سینے میں انتقام کی لگ سر نہیں ہوتی۔ اگر ساری دنیا کا سونا میرے آگے لارکھو گے تو بھی میں ان دو مسلمانوں کو آزاد نہیں کروں گی۔“

”البوسفیان! خالد نے کہا۔“ اگر میری بیوی میری بات کے درمیان یوں بولتی تو میں اُن کی زبان کھینچ لیتا۔“

”تم اپنی بیوی کی زبان کھینچ سکتے ہو؟“ ہند کی آواز آئی۔ ”تھارا بابا نہیں مارا گیا تھا تو کوئی سیما

نہیں مارا گیا اور تھارا چچا بھی نہیں مارا گیا تھا۔ اب ایک بھائی قید ہوا تھا اور تم مسلمانوں کے پاس جا کر سناٹا کر دے کر اپنے بھائی کو چھڑا لاتے تھے۔ آگ جو سیرے سینے میں جل رہی ہے تم اس کی پیش سے ہٹنا جاؤ۔“

خالد نے البوسفیان کی طرف دیکھا۔ البوسفیان کے چہرے پر جہاں مردانہ جاہ و جلال اور ایک جنگجو سردار کا اثر تھا وہاں ایک خاوند کی بے بسی کی جھلک بھی تھی۔

”اے خالد! البوسفیان نے کہا۔“ جس کے دل پر چوٹ پڑتی ہے اُس کے خیالات تم سے بہت مختلف ہوتے ہیں کسی کو اپنا دشمن کہنا کچھ اور بات ہے لیکن اپنے دشمن کو اپنے کسی عزیز کا خون منس دینا بڑی ہی ناممکن بات ہے۔ تم کس کس کو قاتل مکرر گئے کہ وہ ان دو مسلمانوں کی جان بخشی دے؟ تم جاؤ خالد! ان دو مسلمانوں کو اپنے قبیلے کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔“

خالد خاموشی سے واپس چلا گیا۔

پھر خالد کو وہ بھیہٹک منظر یاد آیا جب باہر میدان میں لٹکری کے دو کھمبول کے ساتھ حبیب بن عدی اور زید بندھے کھڑے تھے۔ تماشا تہوں کا چیتا چلاتا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔ ادھر سے البوسفیان اور ہند گھوڑوں پر سوار ہجوم میں داخل ہوئے ہجوم کے فخرے اور اتقامی ٹھنے پہلے سے زیادہ بلند ہو گئے۔ اگر اس ہجوم میں کوئی خاموش تھا تو صرف خالد تھا۔

البوسفیان گھوڑے پر سوار دونوں قیدیوں کے قریب گیا۔ دونوں نے اُسے کہا کہ وہ زندگی کی آخری نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ البوسفیان نے انہیں اجازت دے دی۔

خالد اب مدینے کی طرف جا رہا تھا۔ اُسے جب وہ منظر یاد آیا کہ دونوں قیدیوں کے ہاتھ کھول دیتے گئے اور وہ قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ خالد پر اس وقت جو اثر ہوا تھا وہ اب چار برس بعد اس کی ذات سے ابھر آیا۔ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے خالد کا سر جھک گیا۔

حبیب بن عدی اور زید بن الدہر نے ہجوم کی چیخ و پکار سے لاتعلقی، اپنی موت سے بے پروا خدا کے حضور رکوع و سجود میں جو تھے۔ انہوں نے نہایت اطمینان سے نماز پڑھی۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے۔ کوئی نہیں تباہ کرتا، تاریخ بھی خاموش ہے کہ انہوں نے خدا سے کیا دعا مانگی۔ انہوں نے خدا سے یہ نہیں کہا ہو گا کہ دشمن انہیں آزاد کر دے۔

وہ اٹھنے اور خود ہی لٹکری کے کھمبول کے ساتھ چھٹیں لگا کر کھڑے ہو گئے۔

”ادب قسمت انسانو! البوسفیان نے بڑی بلند آواز سے حبیب اور زید سے کہا۔“ تمہاری قسمت اور تمہاری زندگی میرے ہاتھ میں ہے۔ اپنی زبانوں سے کہہ دو کہ ہم اسلام کو ترک کرتے ہیں اور اب ہم اہل قریش میں سے ہیں اور ۳۶۰ بتوں کو برحق مانتے ہیں۔۔۔ یہ اعلان کرو اور اپنی زبانیں مجھ سے واپس لو۔ اگر نہیں تو موت کو گنگے لگاؤ۔ یہ بھی سوچ لو کہ تمہاری موت سہل نہیں ہو گی۔“

”اے باطل کے تجاری البوسفیان! زید کی آواز گرجی۔“ ہم لعنت بھیجتے ہیں تجھ کے اُن بتوں پر جو اپنے اوپر بیٹھی ہوئی منکھی کبھی نہیں اٹھا سکتے ہم لعنت بھیجتے ہیں عزری اور ہبل پر جو

اسے وہ عرب کی رواجی بہادری کے منافی سمجھتا تھا اور دوسرا گروہ غیبیہ کو ترپاڑ پا کر مارنے کے نعرے لگا رہا تھا۔ خالد نے جب اہل سحر کو اور دُور دُور سے آتے ہوئے تماشا تہوں کو اس طرح ایک دوسرے کے خلاف نعرے لگاتے دیکھا تو وہ دڑتا ہوا ابو سفیان تک گیا۔

”دیکھو یا ابو سفیان؟“ خالد نے کہا۔ ”دیکھیں یہاں میرے کتنے حامی ہیں۔ ایک کو مار دیا ہے دوسرے کو چھوڑ دو دُور نہ اہل قریش آپس میں لڑنا چاہتے گئے۔“
ہند نے خالد کو ابو سفیان کے پاس ٹھہرے دیکھا تو وہ سمجھ گئی کہ خالد بھی غیبیہ کی رہائی کا حامی ہے۔ ہند نے گھوڑے کو اڑا لگائی اور ان دونوں کے پاس جا پہنچی۔

”خالد!۔ ہند نے سخت سچری ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں جانتی ہوں تم کیا چاہتے ہو۔ کیا تم ابو سفیان کو اپنا سردار بنیں مانتے؟ اگر نہیں تو یہاں سے چلے جاؤ۔ میں نے جو سوچا ہے وہ ہو کر رہے گا۔“ خالد!۔ ابو سفیان نے کہا۔ ”اگر تم سمجھتے ہو کہ میرا حکم اور میرے ارادے صحیح نہیں تو بھی مجھے ان پر عمل کرنے دو۔ اگر میں نے اپنا حکم واپس لے لیا تو یہ میری کمزوری ہوگی۔ پھر لوگ میرے ہر حکم پر یہ توقع رکھیں گے کہ میں اپنا حکم واپس لے لوں۔“

خالد کو آج مدینے کے راستے میں یاد آکر ہاتھ اور اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے ابو سفیان کا حکم مان لیا تھا۔ خالد کی خوبول میں سب سے بڑی خوبی نظم و نسق اور اپنے سردار کی اطاعت تھی۔ اُس نے اپنے سینے پر پتھر رکھ کر صرف اس لیے ابو سفیان کا حکم مان لیا تھا کہ اہل قریش میں حکم عدلی کی روایت قائم نہ ہو۔

”اے اہل سحر!۔ ابو سفیان نے دُور گروہوں میں بٹے ہوئے تماشا تہوں سے بلند آواز میں کہا۔ ”آج یہاں دو مسلمانوں کے قتل پر جو بول بٹ گئے تو ہم میدان جنگ میں بھی کسی نہ کسی مسئلے پر چھٹ جاتیں گے اور فتح ہمارے دشمن کی ہوگی۔ اگر اپنے سردار کی اطاعت سے یوں اشرف کر دو گئے تو ہمارا انجام بہت بُرا ہوگا۔“

جہوم کا شور و غوغا کم ہو گیا لیکن خالد نے دیکھا کہ اہل سحر کے کئی ایک سردار چہرہ پر نفرت کے آثار لیے واپس گھول کر جا رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر بہت سے لوگ بھی جو تماشہ دیکھتے آتے تھے واپس چلے گئے۔ خالد وہاں نہیں رکتا چاہتا تھا لیکن وہ خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ دونوں گروہ واپس میں لڑنا چاہیں گے۔ اُس کے اپنے قبیلے کے زیادہ تر لوگ تماشا تہوں میں موجود تھے۔ وہ کم از کم اپنے قبیلے کو اپنے قابو میں رکھ سکتا تھا۔

ہند نے تماشے کا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ اُس کے اشارے پر چالیس کمسن لڑکے جن کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں دڑتے اور چیخنے چلاتے ہوئے تماشا تہوں میں سے نکلے اور غیبیہ کے ارد گرد ناچنے اور چیخنے چلانے لگے۔ رد چار لڑکے برچھیاں تانے ہوئے غیبیہ تک جاتے اور برچھیاں ٹولی کر غیبیہ پر دار کرتے لیکن غیبیہ کو گزند پہنچانے بغیر ہاتھ روک لیتے غیبیہ بکتے اور نعرہ لگاتے۔ ”میرا خدا سچا ہے اور محمد خدا کے رسول ہیں۔“

تمہیں اگلے جہان دوزخ کی آگ میں پھینکیں گے ہم بھاری ہیں اُس ایک لشکر کے جو رحمان اور رحیم ہے اور ہم عاشق ہیں محمد کے جو اللہ کے رسول ہیں۔“
”میرا راستہ وہی ہے جو زندگی نے تمہیں دکھا دیا ہے۔ غیبیہ نے بلند آواز سے کہا۔ ”اے اہل مکہ! سچا وہی ہے جس کے نام پر ہم قربان ہو رہے ہیں۔ ہمیں نئی زندگی گئی گی جو اس زندگی سے بہت زیادہ حسین اور مہذب ہوگی۔“
”باندھ دو انہیں ان کھمبول کے ساتھ۔“ ابو سفیان نے حکم دیا۔ ”یہ موت کا ذائقہ چکھنے کے مستحق ہیں۔“

دونوں کے ہاتھ پیچھے کر کے کھمبول کے ساتھ جکڑ دیے گئے۔ ابو سفیان نے گھوڑا موڑا اور جہوم کی طرف آیا۔

”عزلی اور اہل قریظ!۔ ابو سفیان نے بلند آواز میں جہوم سے کہا۔ ”میں نے اپنے قبیلے میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں دیکھا جو اپنے سردار پر اس محبت اور ایثار سے جان قربان کرنے کے لیے تیار ہو جس طرح محمد کے پیروکار اُس کے نام پر خدا ہوتے ہیں۔“

ہند اپنے گھوڑے پر سوار کچھ دُور کھڑی تھی۔ اُس کے قریب اُس کے چند ایک غلام کھڑے تھے۔ ایک غلام نے اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے جوش کا یہ مظاہرہ کیا کہ برجیہ تان کر ڈنڈا قیدلوں کی طرف کسی کے حکم کے بغیر بڑی تیز دڑا اور کچھ سے بندھے زند کے سینے پر برجیہ کا اتنا زور دار مارا کہ برجیہ کی آبی زندگی بیٹھے سے باہر نکل گئی۔ ریشہ زور اُس تیز ہونے لگے۔

اس غلام نے سینہ تان کر جہوم کی طرف غزاق حسین کی توقع پر دیکھا لیکن جہوم کچھ اور ہی قسم کا شور بلند کرنے لگا تھا۔ تماشا تہی کتے تھے کہ یہ کوئی تماشہ نہیں ہوا۔ یہ مسلمان تھی سمل موت کے قابل نہیں ہیں کوئی تماشہ دکھاؤ۔

”قتل کر دو اس غلام کو جس نے ایک مسلمان پر اتنا رحم کیا ہے کہ اسے اتنی جلدی مار ڈالا ہے۔“
ہند نے دنگ آواز میں کہا۔

کئی آدمی تلواریں اور برچھیاں لہراتے اس غلام کی طرف دوڑے لیکن بہت سے آدمی دوڑ کر ان آدمیوں اور غلام کے درمیان آ گئے۔

”خبردار! پیچھے کھڑے رہو۔“ ایک آدمی نے جو گھوڑے پر سوار تھا لہکار کر کہا۔ ”عزلی خون اتنا بُردل نہیں کر دو آدمیوں کو باندھ کر مارنے کے لیے قریش کا پورا قبیلہ اکٹھا ہو گیا ہے۔ خدا کی قسم ابو سفیان کی جگہ میں ہوتا تو ان دونوں آدمیوں کو آواز کر دیتا۔ یہ ہمارا خون ہے اور یہ ہمارے جہان ہیں ہم ان سے میدان جنگ میں لڑیں گے۔“

”یہ ٹھیک کہتا ہے۔“ جہوم میں سے کئی آوازیں سنائی دیں۔ ”دشمن کو باندھ کر مارنا عرب کی روایات کے خلاف ہے۔“

تماشا تہوں کے جہوم میں سے بے شمار آوازیں ایسی سنائی دے رہی تھیں جو کہتیں تھیں کہ ہم تماشہ دیکھیں گے۔ ہم کون کون اس طرح ماریں گے کہ وہ مر م کے جیں۔

تھوڑی دیر بعد تماشا تہوں کا جہوم دو جہتوں میں بٹ گیا۔ ایک گروہ غیبیہ کے قتل کے خلاف تھا۔

چند اور لڑکے اس طرح برچھیاں تان کر ان پر قبہ بولتے جیسے خبیث کے جسم کو چھلنی کر دیں کے لیکن دارو کے وارو کے لیتے خبیث کے بدن کے پر تماشا تیل کا جو دم داد و تحسین کے نعرے اور تحفے لگاتا۔

لڑکوں کا کھیل کچھ دیر جاری رہا۔ اس کے بعد لڑکوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ برچھی کا دار بڑی زور سے کھڑے لیکن خبیث کے جسم پر اتنا سارا لٹکا کر برچھیوں کی انیاں کمال میں ڈاسی اتر کر پیچھے آجائیں۔ بہت دیر تک یہ کھیل چلتا رہا۔ تماشا کی داد و تحسین کے نعرے اور خبیث اللہ اکبر اور محمد رسول اللہ کے نعرے بلند کرتے رہے۔ خبیث کے کپڑے خون سے لال ہو چکے تھے۔

ابو جہل کا بیٹا عمر مہمہ میں برچھی لیے ان لڑکوں کے پاس جا پہنچا اور انہیں ہدایات جاری کرنے لگا۔ لڑکے اب اپنی برچھیاں خبیث کے جسم میں چبھو رہے تھے۔ وہ خون دار سے میں گھومتا اور ناچتے تھے۔ خبیث کے جسم کا کوئی بھی حصہ ایسا نہ رہا جہاں برچھی نہ چبھی ہو اور وہاں سے خون نہ ٹپک رہا ہو۔ ان کے چہرے پر بھی برچھیاں باری گئیں۔ جب بہت دیر گزرتی اور لڑکے ناچ ناچ کر اور برچھیاں چبھو چھو کر تھک گئے تو عمر نے لڑکوں کو وہاں سے ہٹا دیا۔ خبیث خون میں نہاتے ہوئے تھے اور ابھی زندہ تھے۔ ہر طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے نعروں میں کمی نہیں آئی تھی۔ عمر نے ان کے سامنے کھڑا ہو گیا اور برچھی تان کر خبیث کے سینے میں اتنی زور سے ماری کہ فاصلہ کم ہونے کی وجہ سے بھی خبیث کے جسم سے بارہو گئی۔ خبیث شدید ہونے لگا۔

”ان کی لاشیں یہیں بندھی رہنے دو۔ ہنڈی کر جدار آواز سنانی دی۔“ اب کتنی دن ان کی لاشوں کے گلے سڑنے کا تماشا دیکھتے رہو؟

یہ واقعہ جولائی ۶۲۵ء کا تھا جو خالد کو یاد آ رہا تھا۔ اُس نے اپنے دل میں درد کی ٹیس محسوس کی۔ خبیث اور زید کے قتل نے قریش کے سرداروں میں اختلاف کا بیج بو دیا تھا جس طرح ان دو مسلمانوں نے آخری وقت نماز پڑھی اور اسلام سے نکل آئے پر موت کو ترجیح دی تھی۔ اس نے قریش کے کئی سرداروں پر گھرا کر چھوڑا تھا۔ خود خالد نے اگر اسلام کی نہیں تو خبیث اور زید کی دل ہی دل میں بہت تعریف کی تھی۔ ابو سفیان اور انس کی بیوی ہند کے خلاف اُس کے دل میں ناپسندیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ ”جینگوں کا شیوہ نہیں تھا۔“ اُس نے اپنے آپ سے کہا۔ ”جینگوں کو زمینیں نہیں دیتا تھا۔“ ایک روز وہ ان سرداروں کی محفل میں بیٹھا تھا جو رسول خدا کے ان دو صحابہ کرام کے قتل کے خلاف تھے۔

”یہ تم سب جانتے ہو کہ مارے جانے والے یہی دو نہیں بلکہ چھ مسلمان تھے؟“ خالد نے پوچھا۔ ”ہاں۔“ ایک نے جواب دیا۔ ”یہ شارجہ بن خثیم کا کام تھا۔ وہ ان چھ مسلمانوں کو دھوکے سے پھنسنے میں لایا تھا۔“

”اور اس کے پیچھے مکہ کے یہودیوں کا دماغ کام کر رہا تھا۔“ خالد نے کہا۔ ”اور اس میں یوحنا یہود نے دو تین اور یہودی لڑکیاں ساتھ لے جا کر اپنے اُڑان کے کُسن کا جادو چلا رہا تھا۔“

”یوحنا جادو کرتی ہے۔“ ایک سردار نے کہا۔ ”وہ بھائی کو بھائی کے ہاتھوں ذبح کر سکتی ہے۔“ ”یہ خطرہ نہیں کہ یہودی ہیں بلکہ ایک دوسرے کا دشمن بنادیں گے؟“ کسی اور سردار نے کہا۔ ”نہیں۔“ ایک اور سردار بولا۔ ”وہ محمد کے اتنے ہی دشمن ہیں جتنے ہم ہیں۔ یہودیوں کا مٹنا اس میں ہے کہ وہ ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان دشمنی اتنی کچی اور اتنی شدید کر دیں کہ ہم مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیں۔“

”جیسے یہودیوں پر شک میں درنا چاہئے۔“ ایک سردار نے کہا۔ ”بلکہ ضرورت یہ ہے کہ ہم یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف زمین کے نیچے استعمال کریں۔“ ”لیکن ایسے نہیں جیسے شارجہ نے کیا ہے۔“ خالد نے کہا۔ ”اور ایسے بھی نہیں جیسے ابوسفیان اور انس کی بیوی نے کیا ہے۔“

”یہ تم سب جانتے ہو کہ یوحنا وہ مکہ کے چند ایک یہودیوں کے ساتھ مدینہ پہنچ گئی ہے؟“ ”ہاں۔“ سردار نے پوچھا اور خودی جواب دیا۔ ”وہ مدینہ اور ارد گرد کے یہودیوں اور دوسرے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف ابھاریں گے۔ اسلام کے فروغ سے وہ خود خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ اگر محمد کا عقیدہ پھیلا دیا جائے گا اور میدان جنگ میں محمد کے پیروکاروں کا جذبہ یہی رہا جو ہم دیکھ چکے ہیں تو خداتے یہود کا سورج غروب ہو جائے گا۔“

”لیکن یہودی لڑنے والی قوم نہیں۔“ خالد نے کہا۔ ”وہ میدان جنگ میں ہمارا ساتھ نہیں دے سکتے۔“

”مسلمانوں کے لیے وہ میدان جنگ میں زیادہ کمکتا ثابت ہوں گے۔“ ایک اور سردار نے کہا۔ ”وہ اپنی یوحنا جیسی دلکش لڑکیوں کے ذریعے مسلمان سرداروں اور سالاروں کو میدان جنگ میں اترنے کے قابل نہیں چھوڑیں گے۔“

یوحنا خالد کے دل و دماغ پر غالب آتی جا رہی تھی اور چار برس پرانی باتیں اُسے سنائی دے رہی تھیں۔ وہ مدینے کی طرف چلا جا رہا تھا اور اُحد کی پہاڑی اور اکتھی آ رہی تھی، پھر یہ پہاڑی اُس کی نظر دل سے اچھل ہونے لگی۔ اُس کا گھوڑا لگائی اُتر رہا تھا۔ یہ کوئی ایک میل لمبا اور ڈیڑھ دو فٹ لگاتار چڑا نشیب تھا جس میں کہیں کہیں مخروطی ٹیلے کھڑے تھے۔ یہ ریتیلی مٹی کے تھے۔ خالد کو دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اُس نے چونک کر اُدھر دیکھا اور اُس کا ہاتھ تلواریں کے دستے پر چلا گیا۔ وہ چار پانچ غزال تھے جو اُس کے نیچے دوڑتے جا رہے تھے۔ کچھ دور جا کر ایک غزال نے دوسرے غزال کے پیلوں میں ٹکرائی پھر دونوں غزال آسنے آسنے آ گئے اور ان کے سر ٹکرائے گئے۔ دوسرے غزال انہیں دیکھنے رک گئے۔

استنہ خیمہ صورت جانور آپس میں لڑتے اچھے نہیں لگتے۔ خالد انہیں دیکھتا رہا۔ ایک تماشا کی غزال نے خالد کے گھوڑے کو دیکھا۔ اُس نے گردن تانی اور کُسن زمین پر مارا۔ لڑنے والے غزال چلا گئے۔ وہاں ساکت و جامد ہو گئے اور پھر تمام غزال ایک طرف بھاگ اُٹھے اور خالد کی نظروں سے

اوجھل ہو گئے۔

قریش کے سردار دو گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ان کی آپس میں دشمنی پیدا نہیں ہوتی تھی لیکن پیار محبت اور اتحاد الی پہلی سی بات بھی نہیں رہی تھی۔ خالد کو آج یاد آ رہا تھا کہ سب ابوسفیان کی سرکاری اور سالاری کو تسلیم کرتے تھے لیکن کھچا و سا پیدا ہو گیا تھا جب اتحاد کی ضرورت تھی، اُس وقت اہل قریش اتفاق کے راستے پر چل پڑے تھے۔ خالد کو یہ صورت حال سخت ناگوار گذرتی تھی۔

”کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپس کا اتفاق دشمن کو تقویت دیا کرتا ہے؟“ خالد نے ایک روز ابوسفیان سے کہا تھا۔ ”کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ اس اتفاق کو اتفاق میں کس طرح بدلا جاسکتا ہے؟“ بہت سوچا ہے خالد ابوسفیان نے اُٹھتے ہوئے سے لہجے میں کہا تھا۔ ”بہت سوچا ہے سب مجھے پہلے کی طرح ملتے ہیں لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ بعض کے دل صاف نہیں کیا تم کوئی صورت پیدا کر سکتے ہو کہ دلوں سے میل جمل جائے؟“

”ہاں، میں نے ایک صورت سوچ رکھی ہے۔“ خالد نے کہا تھا۔ ”میں یہی تجویز آپ کے سامنے لا رہا تھا جن سرداروں کے دلوں میں میل پیدا ہو گئی ہے، وہ سمجھنے لگے ہیں کہ ہر نام کے جنگجو رہ گئے ہیں اور ہم نے مسلمانوں کا ڈرا اپنے دلوں میں بٹھالیا ہے۔ شاربجہ نے چھ مسلمانوں کو دھوکہ دے کر اور ان میں سے دو کو آپ کے ہاتھوں مراد کر ہمارے شکل و صورت ہی بدل ڈالی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ہم مدینہ پر حملہ کریں یا مسلمانوں کو کہیں لٹکائیں اور ثابت کر دیں کہ ہم جنگجو ہیں اور ہم مسلمانوں کو ختم کر کے دم لیں گے۔“

”ہمارے پاس جواز موجود ہے۔“ ابوسفیان نے اُچھل کر کہا تھا۔ ”میں نے اُحد کی لڑائی کے آخر میں محمد کو لٹکا کر کھتا تھا کہ تم نے بدر میں نہیں شکست دی تھی ہم نے اُحد کی پہاڑی کے دامن میں انتقام لے لیا ہے میں نے محمد سے یہ بھی کہا تھا کہ قریش کے سینوں میں انتقام کی آگ جلتی رہے گی ہم اگلے سال آپس بدر کے میدان میں لٹکائیں گے۔“

”ہاں، مجھے یاد ہے۔“ خالد نے کہا۔ ”دوسرے عمر کی آواز آتی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ ہمارے اللہ نے جاہل تو ہماری اگلی ملاقات بدر کے میدان میں ہی ہوگی۔“ ”آواز تو عمر کی تھی، الفاظ محمد کے تھے۔“ ابوسفیان نے کہا۔ ”محمد بہت زخمی تھا۔ وہ اونچی آواز میں بول نہیں سکتا تھا۔۔۔ میں محمد کو پیغام بھیجتا ہوں کہ فلاں دن بدر کے میدان میں آ جاؤ اور اپنے انجام کو پہنچو۔“

دونوں نے ایک دن مقرر کر لیا اور فیصلہ کیا کہ کسی یہودی کو مدینہ بھیجا جائے۔ دوسرے ہی دن ابوسفیان نے قریش کے تمام سرداروں کو اپنے ہاں بلایا اور بڑے جوش و خروش سے اعلان کیا کہ وہ مسلمانوں کو بدر کے میدان میں لٹکا رہا ہے۔ قریش ہی خبر سننے کے منتظر تھے۔ انہیں اپنے عزیزوں کے خون کا انتقام لینا تھا۔ ان کے دلوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی بارود کی طرح بھری ہوئی تھی جو ایک چنگاری کی منتظر تھی۔ وہ کہتے تھے کہ محمد نے باپ بیٹے کو اور بھائی بھائی کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے۔

ابوسفیان کے اس اعلان نے سب کے دل صاف کر دیے اور وہ جنگی تیاریوں کی باتیں کرنے لگے۔ ایک دانشمند یہودی کو پیغام دیا گیا کہ وہ مدینے جا کر نبی کریم کو بے جواب لے آئے۔

خالد کو یاد آ رہا تھا کہ وہ اُس روز کس قدر مطمئن اور مسرور تھا۔ قریش کے سرداروں کے دلوں میں جو یکدم پیدا ہو گیا تھا، وہ صاف ہو گیا تھا۔ خالد نے دیکھنے والا آدمی نہیں تھا لیکن اُس نے یہ نتیجہ کر لیا تھا کہ وہ رسول خدا کو اپنے ہاتھوں تل کرے گا۔

یہودی ایچی جواب لے کر گیا۔ رسول کریم نے ابوسفیان کی لٹکا کر قبول کر لیا تھا۔ لڑائی کا جو دن مقرر ہوا وہ مارچ ۶۲۶ء کا ایک دن تھا لیکن مجاہدوں کے موسم میں عقیقہ بارش ہوا کرتی تھی اُس سے بہت کم ہوتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ موسم تقریباً خشک کر گیا اور مارچ کے مہینے میں گرمی اتنی زیادہ ہو گئی تھی اس کے دو تین ماہ بعد ہوا کرتی تھی۔ ابوسفیان نے اس موسم کو لڑائی کے لیے موزوں نہ سمجھا۔

اس یاد نے خالد کو شرمسار سا کر دیا۔ وجہ یہ ہوئی تھی کہ ابوسفیان موسم کی گرمی کا بہانہ بنا رہا تھا۔ مشہور مؤرخ ابن سعد لکھتا ہے کہ ابوسفیان نے قریش کے سرداروں کو بلانے کہا کہ وہ ٹوکھ سے پہلے مسلمانوں کو خوفزدہ کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے یہودیوں کی خدمات حاصل کیں اور انہیں خاصی اُجرت دے کر تاجروں کے بھیس میں مدینہ بھیج دیا۔ انہیں ابوسفیان نے یہ کام سونپا تھا کہ مدینہ میں وہ یہ افواہ پھیلائیں کہ قریش اتنی زیادہ تعدادیں بدر کے میدان میں آ رہے ہیں جو مسلمانوں سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔

اس مؤرخ کے مطابق، مدینے میں اس افواہ کو پک مانا گیا اور مسلمانوں کے چہروں پر اس کے اثرات بھی دیکھے گئے۔ جب رسول اکرم تک یہ افواہ پہنچی اور یہ اطلاع بھی کہ بعض مسلمانوں پر خوف و ہراس کے اثرات دیکھے گئے ہیں تو رسول کریم نے باہر آ کر لوگوں کو جمع کیا اور اعلان کیا: ”کیا اللہ کے نام پر اصراف میں کھڑے ہو گئے ہیں کہ قریش کی تعداد زیادہ ہوگی؟ کیا اللہ سے ڈرنے والے آج بھول کے بھاریوں سے ڈر گئے ہیں؟ اگر تم قریش سے اس قدر ڈر گئے ہو کہ اُن کی لٹکار پر تم نہ مڑ گئے ہو تو مجھے قسم ہے خدا نے دوا لجالال کی جس نے مجھے رسالت کی ذمہ داری سونپی ہے، میں بدر کے میدان میں اکیللا جاؤں گا۔“

رسول خدا کچھ ادھبی کہنا چاہتے تھے لیکن رسالتِ مآب کے شہداء ایہوں نے نعروں سے آسمان کو ہلایا ڈالا یہ سرانجام نہ مل سکا کہ افواہ کس نے اُڑائی تھی لیکن رسول اللہ کی لٹکار پر قریش کی پھیلائی ہوئی افواہ کے اثرات رائل ہو گئے اور مسلمان جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ دن بھر ڈرے رہ گئے تھے کہ قریش کے وقت مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی۔ ان میں صرف پچاس گھوڑ سوار تھے۔

جن یہودیوں کو افواہ پھیلانے کے لیے مدینہ بھیجا گیا تھا، انہوں نے واپس آ کر بتایا کہ افواہ نے پہلے پورا کام کیا تھا لیکن ایک روز محمدؐ نے مسلمانوں کو اکٹھا ہی کے چند الفاظ ہی کہے تو تمام مسلمان بدر کو کوچ کے لیے تیار ہو گئے۔ اُن کی تعداد مدینے میں ہماری موجودگی تک ڈیڑھ ہزار تک پہنچ گئی

نقصی۔ ہمارا خیال ہے کہ تعداد اس سے کم یا زیادہ نہیں ہوگی۔
 آج مدینے کو جاتے ہوئے اس واقعہ کی یاد تازہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اُس وقت محسوس کرنے لگا تھا کہ ابوسفیان کسی نہ کسی وجہ سے مسلمانوں کے سامنے جانے سے بچکار ہا ہے۔
 خالد کو جب مسلمانوں کی تعداد کا پتہ چلا تو وہ بڑبڑکا اور کہا "ابوسفیان کے پاس گیا۔"
 "ابوسفیان اب خالد نے اُسے کہا۔" سردار کی اطاعت ہمارا فرض ہے میں اہل قریش میں سردار کی حکم عدولی کی روایت قائم نہیں کرنا چاہتا لیکن مجھے قریش کی عظمت کا بھی خیال ہے۔ آپ اپنے رویے کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قبیلہ قریش کی عظمت کا احساس مجھ میں اتنا زیادہ ہو جائے کہ میں آپ کے حکم اور رویے کی طرف توجہ ہی نہ دوں۔"
 "کیا تم نے سنا نہیں تھا کہ میں نے یہودیوں کو مدینے کیوں بھیجا تھا؟" ابوسفیان نے پوچھا۔
 "میں مسلمانوں کو ڈرانا چاہتا تھا۔۔۔"

"ابوسفیان اب خالد نے اُس کی بات پوری ہونے سے پہلے کہا۔ لڑنے والے ڈر انہیں کرتے۔ کیا آپ نے مسلمانوں کو قبیلہ تعداد میں لڑتے نہیں دیکھا؟ کیا آپ نے خبیث اور زید کو اہل قریش کی برچھیوں کے سامنے کھڑے ہو کر نعرے لگاتے نہیں سنا تھا؟ میں آپ سے صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ اپنی سرداری کا احترام کریں اور بدر کو کوچ کی تیاری کریں۔"

دوسرے ہی دن مکہ میں یہ خبر پہنچی کہ مسلمان مدینہ سے بدر کو کوچ کر گئے ہیں۔ اب ابوسفیان کے لیے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ کوچ کا حکم دے۔ قریش کی چوتھا بدر کو کوچ کے لیے تیار ہوئی، وہ دو ہزار تھی اور ایک سو گھوڑوں اور اس کے علاوہ تھے۔ قیادت ابوسفیان کی تھی اور اس کے ماتحت خالد، عمرہ اور صفوان نائب سالار تھے۔ حسب معمول ابوسفیان کی بیوی ہند اُس کی چند ایک کنیزیں اور گائے بھانے والی عورتیں بھی ساتھ تھیں۔
 مسلمان رسول اکرم کی قیادت میں ۴ اپریل ۶۲۴ء بمطابق یکم ذی القعدہ ۴ھ کے روز بدر کے میدان میں پہنچ گئے۔

قریش ابھی عسکان کے مقام تک پہنچے تھے۔ انہوں نے وہیں رات بھر کے لیے ٹراؤ کیا۔ علی الصبح اُن کی روانگی تھی لیکن صبح طلوع ہوتے ہی ابوسفیان نے اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دینے کی بجائے اکٹھا کیا اور لشکر سے یوں مخاطب ہوا:

"قریش کے بہادر و مسلمان تمہارے نام سے لڑتے ہیں۔ اب اُن کے ساتھ ہماری جنگ فیصلہ کر دی ہوگی۔ ان کبھی جس مسلمانوں کا ہم نام و نشان مٹا دیں گے۔ دیکھا اس دنیا میں رہتے گانہ نوئی اُس کا نام لینے والا لیکن ہم ایسے حالات میں لڑنے جا رہے ہیں جو ہمارے خلاف جاسکتے ہیں اور ہماری شکست کا باعث بن سکتے ہیں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ ہم اپنے ساتھ پورا اناج نہیں لاسکتے۔ مزید اناج ملنے کی امید بھی نہیں کیونکہ خشک سالی نے قحط کی صورت پیدا کر دی ہے۔ بھجراؤ گری کو دیکھو۔ میں نہیں چاہتا کہ میں اپنے بہادر و کھجور کو کھا کر اپنا سہارا دوں۔ میں فیصلہ کن جنگ کے لیے

مذہبوں حالات کا انتظار کروں گا۔ ہم آگے نہیں جائیں گے۔ مکہ کو کوچ کرو۔"
 خالد کو یاد آ رہا تھا کہ قریش کے لشکر نے دو طرح کے نعرے بلند کیے۔ ایک اُن کے نعرے تھے جو انہی حالات میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا عزم کیے ہوئے تھے۔ دوسرے نعرے ابوسفیان کے فیصلے کی تائید میں تھے لیکن حکم سب کو ماننا تھا۔ خالد، عمرہ اور صفوان نے ابوسفیان کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا لیکن ابوسفیان پر اُن کے احتجاج کا کچھ اثر نہ ہوا۔ ان تینوں نائب سالاروں نے یہ جائزہ بھی لیا کہ کتنے آدمی اُن کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ جائزہ اُن کے خلاف ثابت ہوا۔ لشکر کی اکثریت ابوسفیان کے حکم پر مکہ کی طرف کوچ کر گئی۔ خالد اور اُس کے دونوں ساتھیوں کو مجبوراً لشکر کے پیچھے پیچھے آنا پڑا۔

خالد کو وہ لمحے یاد آ رہے تھے جب وہ اہل قریش کے لشکر کے پیچھے پیچھے عمرہ اور صفوان کے ساتھ مکہ کو چلا جا رہا تھا۔ اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔ یہ تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ بھی نہیں رہے تھے جیسے ایک دوسرے سے شرمسار ہوں۔ خالد کو بار بار یہ خیال آتا تھا کہ لڑائی میں اُس کی ایک ٹانگ کٹ جاتی، بازو کاٹ جاتے، اُس کی دونوں آنکھیں ضائع ہوجاتیں تو اُسے یہ دکھ نہ ہوتا جو بغیر طے واپس جانے سے ہو رہا تھا۔ اُس وقت وہ اس طرح محسوس کر رہا تھا جیسے اُس کی ذات مر جی ہو اور گھوڑے پر اُس کی لاش مکہ کو واپس جا رہی ہو۔ نبی کریم کا قاتل اُس کا عزم اور عہد تھا جو وہ پورا کیے بغیر واپس آ رہا تھا۔ یہ عزم بچھوڑ بن کر اُسے دس رہا تھا۔

اُسے بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ یادوں کا ایک ربط تھا جو ہمیں ختم نہیں ہو رہا تھا۔ اُسے یہودیوں کے تینوں قبیلہ بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قریظہ قحاح۔ یاد آئے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ قریش مسلمانوں کے خلاف لڑنے سے مدد نہ کر گئے ہیں تو وہ مرگرم ہو گئے۔ یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف زمیں در در کار وائیاں شروع کیں۔ مکہ گئے اور قریش کو مسلمانوں کے خلاف بڑبڑکا کر قریش کا سردار ابوسفیان اُس سے سس نہ ہوا۔ خالد کو معلوم نہ ہو سکا کہ ابوسفیان کے دل میں کیا ہے اور وہ مسلمانوں سے لڑنے سے کیوں گھبراتا ہے۔

اُسی سال کے موسم سرما کے اوائل میں خیبر کے چند ایک سرکردہ یہودی مکہ گئے۔ ان کا سردار جیتی بنی خطب تھا۔ یہ شخص یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کا سردار بھی تھا۔ یہودیوں کے پاس زرو جو اہل بیت کے خزانے تھے۔ یہ چند ایک یہودی ابوسفیان اور قریش کے دیگر سرداروں کے لیے پیش قیمت سٹھنے لے کر گئے۔ ان کے ساتھ حسین و جمیل لڑکیوں کا طائفہ بھی تھا۔

مکہ میں یہ یہودی ابوسفیان سے ملے۔ اُسے سٹھنے پیش کیے اور رات کو اپنے طائفہ کا قص بھی دکھایا۔ اس کے بعد جیتی بنی خطب نے ابوسفیان سے خالد، عمرہ اور صفوان کی موجودگی میں کہا کہ انہوں نے مسلمانوں کو ختم نہ کیا اور اُن کے بڑھتے ہوئے قدم نہ روکے تو وہ ہمیشہ تک پہنچ جائیں گے۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو گئے تو قریش کے لیے وہ تجارتی راستہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا جو بحرین اور عراق کی طرف جاتا ہے۔ قریش کے لیے یہ راستہ شہرگ کی حیثیت رکھتا تھا۔

"اگر آپ ہمارا ساتھ دیں۔" جیتی بنی خطب نے کہا۔ "تو ہم مسلمانوں کے خلاف خفیہ کارروائیاں شروع کر دیں گے۔"

"ہم مسلمانوں سے وگئے تھے تو ابھی انہیں شکست نہ دے سکے۔" ابوسفیان نے کہا۔ "اُن

سے تین لاکھ آدمی ان سے لڑے تو بھی انہیں شکست دے سکے۔ اگرچہ اور قبیلے ہمارے ساتھ مل جائیں تو ہم مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر سکتے ہیں۔“

”ہم نے یہ انتظام پہلے ہی کر دیا ہے۔“ جیتی بن اخطب نے کہا۔ ”قبیلہ غطفان اور بنو اسد آپ کے ساتھ ہوں گے۔ چند اور قبیلے ہماری کوششوں سے آپ کے ساتھ آجائیں گے۔“

خالد کو کچھ یاد آ رہا تھا۔ تین چار سال پہلے کے واقعات اُسے ایک روز پہلے کی طرح یاد تھے۔ اُسے ابو سفیان کا گھبراہٹا ہوا چہرہ اچھی طرح یاد تھا۔ خالد جانتا تھا کہ یہودی اہل قریش کو مسلمانوں کے خلاف صرف اس لیے خطرہ ہے کہ یہودیوں کا پناہ مذہب اسلام کے مقابلے میں خطرے میں آگیا تھا لیکن انہوں نے ابو سفیان کو ایسی نصویر دکھائی تھی جس میں اُسے مسلمانوں کے ہاتھوں تباہی نظر آ رہی تھی۔ دوسری طرف خالد عکرمہ اور صفوان بن امیہ نے ابو سفیان کو سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

”ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں لیکن آپ یہ تسلیم کریں کہ آپ بڑول ہیں۔“
”اگر مسلمان موسم کی غرابی اور قحط میں لڑنے کے لیے گئے تھے تو ہم بھی لڑ سکتے تھے۔“
”آپ نے جھوٹ بول کر ہمیں دھوکہ دیا ہے۔“

”ابو سفیان بڑول ہے۔۔۔ ابو سفیان نے پورے قبیلے کو بڑول بنا دیا ہے۔۔۔ اب محمد کے چیلے ہمارے سر پر کو دیں گے۔“

اور ایسی بہت سی طنز اور غصے سے بھری ہوئی آوازیں مکے کی گلی کوچوں میں گشت کرتی رہتی تھیں۔ ان آوازوں کے پیچھے یہودیوں کا دماغ بھی کام کر رہا تھا لیکن اہل قریش کی غیرت اور ان کا جذبہ انتقام انہیں چین سے بیٹھے نہیں دیتا تھا۔ ابو سفیان اس حال تک پہنچ گیا کہ اُس نے باہر ننگا ہی چھوڑ دیا۔

خالد کو وہ دن یاد آیا جب اُسے ابو سفیان نے اپنے گھر بلایا تھا۔ خالد کے دل میں ابو سفیان کا وہ احترام نہیں رہ گیا تھا جو کبھی ہوا کرتا تھا۔ وہ بادل سخاوت صرف اس لیے چلا گیا کہ ابو سفیان اس کے قبیلے کا سردار ہے۔ وہ ابو سفیان کے گھر گیا تو وہاں عکرمہ اور صفوان بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

”خالد!“ ابو سفیان نے کہا۔ ”میں نے مدینے پر حملے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“

خالد کو ایسے محسوس ہوا جیسے اُس نے غلط سنا ہو۔ اُس نے عکرمہ اور صفوان کی طرف دیکھا۔ اُن دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

”ہاں خالد!“ ابو سفیان نے کہا۔ ”جس قدر جلدی ہو سکے لوگوں کو مدینے پر حملے کے لیے تیار کرو۔“

یہودیوں نے جن قبائل کو قریش کا ساتھ دینے کے لیے تیار کیا تھا، اُن سب کی طرف پیغام بھیج دیئے گئے۔ یہ فروری ۶۲۷ء کے آغاز کے دن تھے۔ مختلف قبائل کے لڑاکا دستے مکہ میں جمع ہوئے گئے۔ ان قبائل میں سب سے زیادہ فوج غطفان کی تھی۔ اس کی تعداد تین ہزار تھی۔ مہینہ اس کا سالار تھا۔ سات سو آدمی بنو سلیم نے بھیجے۔ بنو اسد نے بھی خاصی فوج بھیجی جس کا سالار حیر بن خویلد

تھا۔ اس کی تعداد تاریخ میں نہیں ملتی۔ قریش کی اپنی فوج کی تعداد ۴ ہزار پہلے، ۳ سو گھوڑ سوار اور ڈیڑھ ہزار شتر سوار تھے۔ اس پورے لشکر کی تعداد جو مدینہ پر فوج کشی کے لیے جاری تھی کل دس ہزار تھی۔ اس کی کمان ابو سفیان کے ہاتھ تھی۔ ابو سفیان نے اس متحدہ فوج کو مدینہ القبائل کہا تھا۔

ان دنوں سے کچھ قبائل مکہ میں نہیں آئے تھے۔ انہوں نے اطلاع دی تھی کہ جب لشکر مکہ سے روانہ ہوگا تو وہ اپنی اپنی بستی سے کوچ کر جائیں گے اور راستے میں لشکر سے مل جائیں گے۔ خالد کو آج وہ وقت یاد آ رہا تھا جب اُس نے مکہ سے کوچ کیا تھا۔ لشکر کا تیسرا حصہ اُس کی کمان میں تھا۔ اُس نے ایک ٹیکری پر چوڑا چڑھا کر وہاں سے اس تمام لشکر کو دیکھا تھا۔ اُسے لشکر کے دونوں سرے نظر نہیں آ رہے تھے۔ دت اور نفریاں اور شہنائیاں اور لشکر کی مترنم آواز جو ایک ہی آواز لگتی تھی خالد کے خون کو گرم کر رہی تھی۔ اُس نے گردن تان کر اپنے آپ سے کہا تھا کہ مسلمان پس کے رہ جائیں گے اور اسلام کے درختے عرب کی ریت میں مل کر ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائیں گے۔ یہ اُس کا عزم تھا۔ یہ لشکر ۲۴ فروری ۶۲۷ء بمطابق یکم شوال ہجری مدینے کے قریب پہنچ گیا۔ قریش نے اپنا پڑاؤ اُس جگہ ڈالا جہاں اُحد کی لڑائی کے لیے خیمہ زن ہوئے تھے۔ وہاں دونوں اکڑ ملتی تھیں۔ دوسرے تمام قبائل اُحد کی پہاڑی کے مشرق کی طرف خیمہ زن ہوئے۔

قریش نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ مدینہ کے لوگوں کو قریش کے لشکر کی آمد کی اطلاع ملی ہے یا نہیں، دو جاسوس ”جاہل بن صخر“ اور اس کے تمام اہم نائب سالاروں کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ مدینے والوں پر بے خبری میں حملہ کیا جائے لیکن دوسرے ہی دن قریش کا ایک جاسوس جو یہودی تھا مدینہ سے آیا۔ اس نے ابو سفیان کو بتایا کہ مسلمانوں کو حملہ آور لشکر کی آمد کی اطلاع مل چکی ہے۔

”مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا“ اس یہودی جاسوس نے بتایا۔ ”سارے شہر پر خوف طاری ہو گیا تھا لیکن محمد اور اس کے قریبی حلقے کے آدمیوں کی لہکار پر مسلمانوں کے دل مضبوط ہو گئے۔“ گلی کوچوں میں ایسے اعلان ہوئے گئے۔ جن سے تمام شہر کا جذبہ اور حوصلہ عود کر آیا اور مسلمان لڑائی کے لیے ایک جگہ اکٹھے ہونے لگے۔ میرے خیال میں اُن کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہیں ہوگی۔“

مؤرخ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ انہیں اطلاع مل چکی تھی کہ مدینہ پر حملے کے لیے جو لشکر آیا ہے۔ اُس کی تعداد دس ہزار ہے جس میں سینکڑوں گھوڑ سوار اور شتر سوار بھی ہیں۔ اُس وقت تک عرب کی سر زمین نے کسی لڑائی میں اتنا لشکر نہیں دیکھا تھا۔

خالد کو دیکھا جاتا اور فن حرب و ضرب کے پہلے سے دونوں اطراف کی فوجوں کو ناپا توڑا جاتے اور کسی اور بستی کو اپنا ٹھکانہ نہاتے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تین ہزار مسلمان دس ہزار کے لشکر کا مقابلہ فرما سکیں گے۔ یہ بھی کر سکیں گے دس ہزار لشکر نہایت آسانی سے مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بچا سکتا تھا لیکن یہ حق اور باطل کی عمر تھی۔ یہ اللہ کے آگے سوجھنے کرنے والوں اور

نہیں جو معلوم تھا وہ انہوں نے بتایا لیکن سلمان فارسی تشنگی محسوس کر رہے تھے۔ وہ اتنا تشنگی
منور ہو گئے تھے کہ انہوں نے نبی کریمؐ تک پہنچنے کا فیصلہ کر لیا۔ کچھ عرصے بعد سلمان فارسی رسول خدا
کے مقدس سائے میں جا بیٹھے۔ انہیں وہ راز مل گیا جس کی تلاش میں وہ مارے مارے عمر گزار
رہے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ کے دست مبارک پر اسلام قبول کر لیا۔ اُس وقت تک سلمان فارسی
بڑھاپے کے آخری حصے میں پہنچ چکے تھے۔

(اپنے ملک میں سلمان فارسی مفت مذہبی پیشوا ہی نہ تھے، وہ جنگی علوم کے ماہر تسلیم کیے
جاتے تھے۔ اُس دور کے مذہبی پیشوا بھی جنگ و جدل اور سپاہ گری کے ماہر ہوتے تھے۔
علم و ادب کے عالم بھی سپاہی مہرتے تھے لیکن سلمان فارسی کو خدا نے جنگ و جدل کے امور
میں غیر معمولی ذہانت دی تھی۔ اپنے ملک میں جب کوئی لڑائی ہوتی تھی یا دشمن حملہ آور ہوتا تھا
تو سلمان فارسی کو بادشاہ طلب کر کے صورت حال اُن کے آگے رکھتا اور مشورے لیتا تھا۔ نامور
سالار بھی اُن کے شاگرد تھے۔)

وہ سلمان فارسی اُس وقت مدینے میں رسول اکرمؐ کے صحابہ کرامؓ میں شامل تھے۔ رسول اکرمؐ
نے یہ صورت حال جو قریش نے آپ کے لیے پیدا کر دی تھی سلمان فارسی کے آگے رکھی۔
”خندق کھودو جو سارے شہر کو گھیرے میں لے لے“۔ سلمان فارسی نے کہا۔

رسول کریمؐ اور وہاں بیٹھے ہوئے تمام صحابہ کرامؓ اور سالار ایک دوسرے کے منہ کی طرف
دیکھنے لگے کہ سلمان فارسی نے کیا کہہ دیا ہے۔ عرب خندق سے واقف نہیں تھے۔ فارس میں جنگوں
میں خندق کا رواج تھا۔ سب کو حیران دیکھ کر سلمان فارسی نے بتایا کہ خندق کیا ہوتی ہے اور اس
سے دفاعی کام کس طرح لیا جاتا ہے۔ رسول کریمؐ نے جو خود تاریخ کے نامور سالار تھے خندق کی
منورت اور افادیت کو سمجھ لیا لیکن آپ کے دیگر سالار شش و پنج میں پڑ گئے۔ ان کے لیے اتنے بڑے
شہر کے ارد گرد اتنی چوڑی اور اتنی بڑی خندق کھودنا قابل فہم نہیں تھا لیکن انہیں رسول خداؐ
کا حکم ماننا تھا۔ خندق کی لمبائی چوڑائی اور گہرائی کا حساب کر لیا گیا۔ رسول خداؐ نے خندق کھودنے
والوں کی تعداد کا حساب کیا۔ آپ نے کھدائی کا کام اس تعداد پر تقسیم کیا تو ایک سو آدمیوں کے حصے میں
چالیس ایک کھدائی آئی۔ رسول خداؐ نے دیکھا کہ لوگ خندق کو ابھی تک نہیں سمجھے اور وہ کھدائی سے
بچکا رہے ہیں تو آپ نے کمال اٹھائی اور کھدائی شروع کر دی۔

یہ دیکھتے ہی مسلمان کورلیں اور بیلچے کے نعرے لگاتے ہوئے زمین کا سینہ چیرنے لگے۔ اُپر
سے اُس وقت کے ایک شاعر حسان بن ثابت آگئے۔ حسان مشہور نعت گو تھے جنہیں رسول اکرمؐ
اکثر اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ اس موقع پر جب سلمان خندق کھود رہے تھے، حسان نے ایسے
اشعار ترتیب سے سامنے شروع کر دیئے کہ خندق کھودنے والوں پر وجد اور جنون کی کیفیت طاری
ہو گئی۔ خندق کی لمبائی چند گز نہیں تھی اسے سیلوں دھڑ تک جانا تھا۔ شیخین کی پہاڑی سے لے کر
جل نبی عید تک یہ خندق کھودی تھی۔ زمین نرم بھی تھی اور سنگلاخ بھی تھی اور یہ نہایت تیزی سے
مکمل کرنی تھی، کیونکہ دشمن سر پہ آن بیٹھا تھا۔

بُت پرستوں کا تصادم تھا۔ خدا کو حق کا ساتھ دینا تھا۔ خدا کو اپنے اُس عظیم پیغام کی لاج رکھی
تھی جو اس کی ذات باری نے غار حرا میں عرب کے سیوت کو دیا تھا اور اُسے رسالت عطا کی تھی۔
”خدا اُن کا ساتھ دیتا ہے جن کے دلوں میں حق اور صدق ہوتا ہے۔“ یہ نبی کریمؐ کی
لکار تھی جو مدینے کے گلی کوچوں میں سنائی دے رہی تھی۔ ”لیکن اسے اللہ کی عبادت کرنے
والو! خدا تمہارا ساتھ اسی صورت میں دے گا جب تم دلوں سے خوف و ہراس لگال کر ایک دوسرے
کا ساتھ دو گے اور اپنی جائیں اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کا عزم کرو گے۔ جو ہمارے اللہ کو
نہیں ماننا اور جو ہمارے دین کو نہیں مانتا وہ ہمارا دشمن ہے اور اُس کا قتل ہم پر فرض ہے۔
یاد رکھو قتل کرنے کے لیے قتل ہونا بھی پڑتا ہے۔ ایمان سے بڑھ کر اور کوئی طاقت نہیں جو تمہیں
دشمن سے بچا سکے۔ تمہیں دفاع مدینے کا نہیں اپنے عقیدے کا کرنا ہے۔ اگر اس عزم سے
آگے بڑھو گے تو دس ہزار پر غالب آ جاؤ گے۔ خدا سونے ہوئے یا خوفزدہ انسان کو مجبور نہیں
دکھایا کرتا۔ اپنے عقیدے اور اپنی ہستی کے دفاع کا معجزہ تمہیں خود دکھانا ہے۔“

نبی کریمؐ نے مدینے والوں کا حوصلہ اس قدر مضبوط کر دیا تھا کہ وہ اس سے بڑے لشکر کے
مقابلے کے لیے بھی تیار ہو گئے لیکن رسول خداؐ اس سوچ میں ڈوب گئے تھے کہ اتنے بڑے لشکر
سے مدینے کو بچانا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ آپ کو یہ تو پورا یقین تھا کہ خدا حق پرستوں کے
ساتھ ہے لیکن حق پرستوں کو خود بھی کچھ کر کے دکھانا تھا۔ سچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔

خدا نے اپنے نام لیواؤں کی مدد کا انتظام کر رکھا تھا۔ وہ ایک انسان تھا جس نے عمر کے آخری
حقے میں اسلام قبول کیا تھا۔ اس انسان کا نام سلمان فارسی تھا۔ سلمان فارسی آتش پرستوں کے مذہبی
پیشوا تھے لیکن وہ شب و روز حق کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔ وہ آگ کو پوجتے تو تھے لیکن
آگ کی پیش اور چمک میں انہیں وہ راز نظر نہیں آتا تھا جسے وہ پالینے کے لیے بے تاب رہتے
تھے۔ عقل و دانش میں اُن کی فکر کا کوئی نہیں تھا۔ آتش پرست انہیں بھی اسی طرح پوجتے تھے
جس طرح آگ کو۔

جب سلمان فارسیؓ کی عمر چھاپے کی دہلیز پچھلانا گ کر خاصی آگے نکل گئی تو اُن کے کالوں
میں عرب کی سرزمین کی ایک انوکھی آواز بڑی۔ ”خدا ایک ہے۔ محمدؐ اس کا رسول ہے۔“ یہ
آواز سلمان فارسی کے کان میں گھر بیٹھے نہیں بڑی تھی اُن کی عمر علم کی تلاش میں سفر کرتے گذر رہی
تھی۔ وہ تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ شام میں آئے تھے جہاں قریش کے تاجروں کے
قافلے اور کچھ مسلمان تاجر بھی جایا کرتے تھے۔ قریش کے تاجروں نے سلمان فارسیؓ کو طنز و اور
مزاحیہ انداز میں بتایا کہ اُن کے قبیلے کے ایک آدمی کا دماغ چل گیا ہے اور اُس نے ثبوت کا
دعوٰی کیا ہے۔

ایک دوسلمانوں نے عقیدت مندی سے سلمان فارسیؓ کو نبی کریمؐ کا عقیدہ اور آپ کی تعلیمات
سنائیں۔ سلمان فارسیؓ یہ سب سُن کر چونک پڑے۔ انہوں نے ان مسلمانوں سے کچھ اور باتیں پوچھیں۔

قریش کا لشکر اس عجیب و غریب طریقہٴ دفاع سے بے خبر اُحد کی پہاڑی کے دوسری طرف
خیمہ زن تھا۔

”اُس نے پیچھے یہودیوں کا ہاتھ تھا۔“ چلتے چلتے خالد کو اپنی آواز سُنانی دینے لگی۔
”اہل قریش تو ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ اُن پر مسلمانوں کی وحاک بیٹھ گئی تھی۔“
گھوڑا اپنی مرضی کی چال چلا جا رہا تھا۔ مدینہ ابھی دُور تھا۔ خالد کو جینیب سی محسوس ہوئی۔ اُس
کے قبیلہٴ قریش نے اُسے شرمسار کر دیا تھا۔ اُسے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی کہ یہودیوں کے اُکسانے
پر اُس کے قبیلے کے سردار اور سالار ابوسفیان نے مدینے پر حملے کا فیصلہ کیا تھا لیکن وہ خوش
تھا کہ حملے کا فیصلہ تو ہوا۔ اثنائاً بڑا لشکر جو سرزمینِ عرب پر پہلی بار کسی جنگ میں دیکھا گیا تھا،
یہودیوں نے ہی جمع کیا تھا لیکن خالد اس پر بھی مطمئن تھا کہ کسی نے ہی یہ کام کیا ہو، لشکر تو
جمع ہو گیا تھا۔

وہ اُس روز بہت خوش تھا کہ اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر یہی مسلمان مدینہ سے بھاگ جائیں
گے۔ اگر مقابلے پر ہم بھی گئے تو گھڑی دو گھڑی میں اُن کا صف بیاہو جائے گا۔ وہ اُس وقت تو
بہت ہی خوش تھا جب اُحد کی پہاڑی کی دوسری طرف یہ سارا لشکر خیمہ زن تھا جس میں حمزہ کو نا تھا
اُس رات اُس پر ایسی ہیجانی کیفیت طاری تھی کہ وہ اچھی طرح سوچتی نہ سکا۔ اُسے ہر طرف مسلمانوں
کی لاشیں بکھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

دوسری صبح جب قریش اور دوسرے اتحادی قبائل کا لشکر جس کی تعداد دوس ہزار تھی، خیمہ گاہ سے نکل
کر مدینہ پر حملے کے لیے شہر کے قریب پہنچا تو اچانک رُک گیا۔ شہر کے سامنے بڑی بکری خندق
کھدی ہوئی تھی۔ ابوسفیان جو لشکر کے قلب میں تھا، لشکر کو رُکا ہوا دیکھ کر گھوڑا سرپٹ دوڑانا
آگے گیا۔

”قریش کے جنگجو رُک کیوں گئے ہیں؟“ ابوسفیان پتلا جا رہا تھا۔ ”طوفان کی طرح بڑھو
اور شہر کے مسلمانوں کو کچل ڈالو۔۔۔ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دو۔“
ابوسفیان کا گھوڑا جب آگے گیا تو اُس نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور اُس کا گھوڑا اُسی طرح
رُک گیا جس طرح اُس کے لشکر کے تمام سوار رُکے کھڑے تھے۔ اُس کے سامنے خندق تھی۔ اُس پر
خاموشی طاری ہو گئی۔

”فدا کی قسم! یہ ایک نئی چیز ہے جو میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔“ ابوسفیان نے ٹھٹھیلی آواز میں
کہا۔ ”عرب کے جنگجو کھلے میدان میں لڑا کرتے ہیں۔۔۔۔۔ خالد بن ولید کو بلاؤ۔۔۔۔۔ عکرمہ اور
صفوان کو بھی بلاؤ۔“

ابوسفیان خندق کے کنارے کنارے گھوڑا دوڑانا لے گیا۔ اُسے کہیں بھی ایسی جگہ نظر نہیں
آ رہی تھی۔ جہاں سے اُس کا لشکر خندق عبور کر سکتا۔ یہ خندق شیخین کی پہاڑی سے لے کر جبل

بنی عید کے اوپر سے پیچھے تک چلی گئی تھی۔ مدینہ کے مشرق میں شیخین اور لاوا کی پہاڑیاں تھیں۔ یہ مدینے کا قدرتی دفاع تھا۔

۷

ابوسفیان دُور تک چلا گیا۔ اُس نے دیکھا کہ خندق کے پار مسلمان اس انداز سے گھوم رہے ہیں جیسے پہرہ دے رہے ہوں۔ اُس نے گھوڑا پیچھے موڑا اور اپنے لشکر کی طرف چل پڑا۔ تین گھوڑے اُس کی طرف سرسپد دوڑے آ رہے تھے جو اُس کے قریب آ کر رُک گئے۔ وہ خالد، عکرمہ اور صفوان کے گھوڑے تھے۔

”کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ مسلمان کتنے بُرول ہیں؟“ ابوسفیان نے اُن تینوں سے کہا۔ ”کیا تم کبھی اپنے راستے میں رکاوٹ کھڑی کر کے یار کاوٹ کھو دو کر اپنے دشمن سے لڑے ہو؟“

خالد پر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ آج مدینہ کی طرف جاتے ہوئے اُسے یاد آ رہا تھا کہ وہ اس خیال سے چُپ نہیں ہو گیا تھا کہ ابوسفیان نے مسلمانوں کو بُرول جو کہا تھا وہ ٹھیک کہا تھا بلکہ خاموش رہ کر وہ اس سوچ میں گھو گیا تھا کہ یہ خندق بُرول کی نہیں، دانشمندی کی علامت تھی۔ جس کسی نے شہر کے دفاع کے لیے یہ طریقہ سوچا تھا وہ کوئی معمولی عقل والا انسان نہیں تھا۔ اُس سے پہلے بھی اُس نے محسوس کیا تھا کہ مسلمان لڑنے میں اپنے جہم کی طاقت پر ہی بھروسہ نہیں کرتے، وہ عقل سے بھی کام لیتے ہیں۔ خالد کا دماغ ایسی ہی جنگی چالیں سوچنا رہتا تھا۔ مسلمانوں نے بدر کے میدان میں نہایت تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے قریش کو بہت بُری شکست دی تھی۔ خالد نے اکیلے بیٹھ کر اُس لڑائی کا جائزہ لیا تھا۔ مسلمانوں کی اس فتح میں اُسے مسلمانوں کی عسکری دانشمندی نظر آئی تھی۔

اُحد کی جنگ میں مسلمانوں کی شکست یقینی تھی لیکن وہ جنگ فتح اور شکست کے فیصلے کے بغیر ختم ہو گئی تھی۔ اس میں بھی مسلمانوں کی عقل نے کام کیا تھا۔

”کوئی اور بات بھی تھی خالد! اُسے خیال آیا۔“ کوئی اور بات بھی تھی۔

”کچھ بھی تھا“ خالد نے اپنے آپ کو جواب دیا۔ ”جو کچھ بھی تھا، میں یہ نہیں مانوں گا کہ یہ مجھے جا دو کا اثر تھا یا اُس کے ہاتھ میں کوئی جادو ہے۔ ہماری عقل جس عمل اور جس نظام سے کوسج نہیں کرتی اُسے ہم جا دو کہہ دیتے ہیں۔ اہل قریش میں ایسا کوئی دانشمند نہیں جو مسلمانوں جیسے تجربے سے اہل ترقی کو مر شاکر کر دے اور ایسی جنگی چالیں سوچے جو مسلمانوں کو ایک ہی بار کچل ڈالیں۔“

”خدا کی قسم ہم اس لیے واپس نہیں چلے جائیں گے کہ مسلمانوں نے ہمارے راستے میں خندق کھد رکھی ہے۔“ ابوسفیان خالد، عکرمہ اور صفوان سے کہہ رہا تھا۔ پھر اُس نے اُن سے پوچھا۔ ”کیا خندق عبور کرنے کا کوئی طریقہ تم سوچ سکتے ہو؟“

خالد کوئی طریقہ سوچنے لگا لیکن اُسے خیال آیا کہ اگر اُن کے لشکر نے خندق عبور کر بھی لی تو مسلمانوں کی شکست دینا آسان نہ ہوگا، خواہ وہ کتنی ہی تھوڑی تعداد میں کیوں نہ ہوں۔ جن انسانوں نے تھوڑے

وقت میں زمین اور جانوں کا سبب نہ چیر ڈالا ہے اُن انسانوں کو بڑے سے بڑا لشکر بھی ذرا مشکل سے ہی شکست دے سکے گا۔

”کیا سوچ رہے ہو ولید کے بیٹے! ابوسفیان نے خالد کو گہری سوچ میں کھوئے ہوئے دیکھ کر کہا۔ ہمارے پاس سوچنے کا بھی وقت نہیں۔ مسلمان یہ نہ سمجھیں کہ ہم بولکھلا گئے ہیں۔“

”ہمیں تمام تر خندق دیکھ لینا چاہئے۔“ عکرمہ نے کہا۔

”کہیں نہ کہیں کوئی ایسی جگہ ہوگی جہاں سے ہم خندق عبور کر سکیں گے۔“ صفوان نے کہا۔

”ہمارے“ خالد نے خود اعتمادی سے کہا۔ ”مسلمان خندق کھد کر اندر بیٹھ گئے ہیں۔ ہم ہمارے کمرے باہر بیٹھے رہیں گے۔ وہ بچوگے سے تنگ آ کر ایک نہ ایک دن خود ہی خندق کے اس طرف آجائیں گے جو ہمارا ہے۔“

”ہاں۔“ ابوسفیان نے کہا۔ ”مجھے یہی ایک طریقہ نظر آتا ہے جو مسلمانوں کو باہر آ کر لڑنے پر مجبور کر دے گا۔“

ابوسفیان اپنے ان تینوں نائب سالاروں کے ساتھ خندق کے ساتھ ساتھ تمام تر خندق کو دیکھنے کے لیے جبل بنی عید کی طرف چل پڑا۔ سلع کی پہاڑی مدینہ اور جبل بنی عید کے درمیان تھی۔ مسلمان اس کے ساتھ ساتھ چر رہے تھے۔ ابوسفیان نے مسلمانوں کی تعداد دیکھی تو اُس کے ہونٹوں پر طنز پر مسکراہٹ آگئی۔ وہ ذرا آگے بڑھا تو ایک گھوڑا جو براؤنیز دوڑا آ رہا تھا، اُس کے پہلو میں اُن رُکا۔ سوار کو ابوسفیان بڑی اچھی طرح پہچانتا تھا۔ وہ ایک یہودی تھا جو تاجراہوں کے گروہ میں مدینہ کے اندر گیا تھا۔ وہ مدینہ سے شیخین کے مسلح گروہ میں سے ہوتا جو قریش کے لشکر میں پہنچا تھا۔

۸

”اندر سے کوئی ایسی خبر لائے ہو جو ہمارے کام آ سکے؟“ ابوسفیان نے پوچھا اور کہا۔ ”ہمارے ساتھ ساتھ چلو اور اتنا دو سچا بولتے چلو کہ میرے یہ تینوں نائب بھی سن سکیں۔“

”مسلمانوں نے شہر کے دفاع اور آبادی کے تحفظ کے جو انتظام کر رکھے ہیں وہ اس طرح ہیں۔“ یہودی نے کہا۔ ”یہ تو تم کو معلوم ہے کہ مدینہ چھوٹے چھوٹے قلعوں اور ایک دوسری کے ساتھ ملی ہوئی تینوں کا شہر ہے۔ مسلمانوں نے شہر کی عورتوں، بچوں اور شیعیوں کو پیچھے کی طرف والے قلعوں میں بھیج دیا ہے خندق پر نظر رکھنے کے لیے مسلمانوں نے گشتی سپر سے کا جو انتظام کیا ہے اس میں دو اڑھائی سو افراد شامل ہیں۔“

یہ افراد تلواروں کے علاوہ پھینکنے والی برچھیوں اور تیر کمانوں سے مسلح ہیں۔ انہوں نے علانیہ تقیر کر رکھے ہیں جن میں وہ سارا دن اور بُری رات گشت کرتے ہیں۔ جہاں کہیں سے بھی تم خندق عبور کرنے کی کوشش کرو گے وہاں مسلمانوں کی خامی زیادہ تعداد پہنچ جائے گی اور اس قدر زیادہ سپر اور برچھیاں برسائے گی کہ تم لوگ پیچھے کھجا آئے گے سوا کچھ نہیں کر سکو گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راتوں کو مسلمانوں کے عیش خندق سے باہر آ کر تم پر شب خون مار کر واپس چلے جائیں۔“

”عبداللہ بن اُلی کیا کر رہا ہے؟“ ابوسفیان نے پوچھا۔

”اُسے قریش کے سردار!۔“ یہودی جا سوس نے کہا۔ ”اتنی عمر گزار کر بھی تم انسانوں کو سمجھنے کے

بالغ نہیں ہو سکے۔ عبداللہ بن ابی منافق ہے۔ مسلمان اُسے جماعت منافقین کا سردار کہتے ہیں اور ہم نے یہ یہودیت کا غدار سمجھتے ہیں۔ اُس نے مسلمان ہو کر ہم سے غداری کی تھی۔ مسلمانوں میں باکر اُس نے تمہارے حق میں امنیہ دھوکے دیئے۔ اگر اُن کی جنگ میں تم جیت جاتے تو وہ تمہارے ساتھ ہوتا مگر مسلمانوں کا بیکار دیکھ کر اُس نے تم سے بھی اور یہودیوں سے بھی نظر پھیر لیا ہے۔ تمہیں ایسے آدمی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے جو کسی مذہب کا پیروکار اور وفادار نہ ہو۔

”اور جی بنی اخطاب کہاں ہے؟“ — ابو سفیان نے پوچھا۔

”وہ کچھ نہ کر رہا ہوگا۔“ یہودی جاسوس نے جواب دیا۔ ”مدینہ میں ابھی میرے ساتھی موجود ہیں۔ وہ مسلمانوں کو جس قدر نقصان پہنچا سکے، پہنچائیں گے۔“

خالد کو آج مدینہ کی طرف جاتے ہوئے اس یاد سے خفت سی محسوس ہو رہی تھی کہ مکہ سے مدینہ کو کوچ کے وقت جب اُس نے اپنے ساتھ دس ہزار کا لشکر دیکھا تھا تو اُس کی گردن اور پیچ ہو گئی اور سینہ پھیل گیا تھا لیکن مدینہ کے سامنے آکر دس ہزار کا لشکر ریت کے ٹیلوں کی طرح بے جان نظر آنے لگا تھا۔ اُسے محاصرے کا منتظر یاد آنے لگا۔ لشکر کا جو حصہ اُس کی زیرِ کمان تھا، اُسے اُس نے بڑے اچھے طریقے سے تھامے کی ترتیب میں کر دیا تھا۔

یہ محاصرہ بائیس روز تک رہا۔ پہلے دس دنوں میں ہی شہر کے اندر مسلمان خوراک کی کمی محسوس کرنے لگے لیکن اس سے قریش کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا کیونکہ وہ اپنے ساتھ خوراک اور رسد بہت کم لاائے تھے۔ اُن کے دہم دھماکے میں بھی نہیں تھا کہ انہیں مسلمان اپنے محاصرے میں بلے عرصے کے لیے بٹھالیں گے۔ خوراک کی کمی کی شہر والے محسوس کر رہے تھے، اُس سے کچھ زیادہ کمی قریش کے لشکر میں اپنا اثر دکھانے لگی تھی۔ سپاہیوں میں غلیلان طور پر بے چینی نظر آنے لگی۔

مورخ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اس کیفیت میں کہ شہر میں خوراک کا کوئی ذخیرہ نہ تھا اور لوگوں کو روزانہ نصف خوراک دی جا رہی تھی، منافقین اور یہودی تخریب کار و پردہ حرکت میں آگئے۔ کوئی بھی نہ جان سکا کہ یہ آواز کہاں سے اٹھی ہے لیکن یہ آواز سارے شہر میں پھیل گئی۔ ”محمدؐ ہمیں کیسی بُری موت مروانے کا بندوبست کر رہا ہے۔ ایک طرف وہ کہتا ہے کہ بہت جلد فیروز کسریٰ کے خزانے ہمارے قدیموں میں پڑے ہوں گے۔ دوسری طرف ہم نے اُس کی بیعت کا یہ اثر بھی نہ دیکھا کہ آسمان سے ہمارے لیے خوراک کو ترے۔“

لوگوں نے اسلام کو قبول کر لیا تھا لیکن وہ گوشت پوست کے انسان تھے۔ وہ پیٹ کی آوازوں سے متاثر ہونے لگے۔ آخر ایک آواز نے انہیں پیٹ کے بھڑکتے سے آزادی دلا دی۔ ”کیا تم خدا سے یہ کہو گے کہ ہم نے اپنے پیٹ کو خدا سے زیادہ مقدس جانا تھا۔“ یہ ایک رعد کی گڑگڑ کی طرح آواز تھی جو مدینہ کے گلی کوچوں میں سنائی دینے لگی۔ ”آج خدا کو وہ لوگ عزیز ہوں گے جو اُس کے رسولؐ کے ساتھ بھوکے اور پیاسے جائیں دے دیں گے۔۔۔ خدا کی قسم، اس سے بُری بڑوں اور بے غیرتی مدینے والوں کے لیے اور کیا ہوگی کہ ہم اہل مکہ کے قدیموں میں جا کر ہیں اور

کہیں کہ تم تمہارے غلام ہیں، ہمیں کچھ کھانے کو دو۔“

رسول اکرمؐ شہر کے دفاع میں اس قدر گرم تھے کہ آپ کے لیے دن اور رات ایک ہو گئے تھے۔ آپ اللہ کے محبوب بنی تھے۔ آپ چاہتے تو مجھ سے بھی رہنما ہو سکتے تھے لیکن آپ کو احساس تھا کہ ہر آدمی پیغمبر اور رسول نہیں، کوئی انسان آپ کے بعد نبوت اور رسالت کا درجہ حاصل کر سکے گا، اس لیے آپ ان انسانوں کے لیے یہ مثال قائم کر رہے تھے کہ انسان اپنی اُن لازوال جہانی اور فانی قوتوں کو جو خداوند تعالیٰ نے اُسے عطا کی ہیں، استقلال اور ثابت قدمی سے استعمال کرے تو وہ مجھ جیسا نہ ہو گا۔ اُنہوں نے انجام دے سکتا ہے۔ محاصرے کے دوران آپ کی سرگرمیاں اور آپ کی حالت ایک سالار کے علاوہ ایک سپاہی کی بھی تھی۔ آپ کو اس کیفیت اور اس سرگرمی میں دیکھ کر مسلمان ٹھیک اور بیاس کو بھول گئے اور ان میں ایسا جوش پیدا ہو گیا کہ اُن میں بعض خندق کے قریب چلے جاتے اور قریش کو ہڑوں کے طعنے دیتے۔

۷

وہ ۶۲۷ء کا دن تھا جب ابو سفیان نے پریشان ہو کر کہا کہ جی بنی اخطاب کو بلاؤ۔ اُس کی پریشانی کا باعث یہ تھا کہ دس دنوں میں ہی اُس کے لشکر کی خوراک کا ذخیرہ بہت کم رہ گیا تھا۔ سپاہیوں نے قرب و جوار کی بستیوں میں ٹوٹ مار کر کے کچھ خوراک حاصل کر لی تھی لیکن اُس ریکیزاد میں لوگوں کے گھروں میں بھی خوراک کا کوئی ذخیرہ نہ ہوتا تھا۔ قریش کے لشکر میں بددلی پھیلنے لگی۔ اپنے لشکر کے جذبے کو بڑھاتا دیکھ کر اُس نے یہودیوں کے ایک قبیلے کے سردار جی بنی اخطاب کو بلا کر قریش کی زمین دوز مدد کے لیے لشکر کے قریب ہی کہیں موجود تھا۔ وہ تو اس انتظار میں تھا کہ اہل قریش اُسے بلائیں اور اُس سے مدد مانگیں۔

مدینے سے کچھ ہی دور یہودیوں کے ایک قبیلہ بنو قریظہ کی بستی تھی۔ اس قبیلے کا سردار کعب بن اسد اس بستی میں رہتا تھا۔ رات جب وہ گہری نیند سو رہا تھا، دروازے کی بڑی زور کی دھمک سے اُس کی آنکھ کھلی گئی۔ اُس نے اپنے غلام کو آواز دے کر کہا۔ ”دیکھو، باہر کون ہے؟“

”جی بنی اخطاب آیا ہے۔“ غلام نے کہا۔

”رات کے اس وقت وہ اپنے ہی کسی مطلب سے آیا ہوگا۔“ کعب بنی اسد نے غصیلی آواز میں کہا۔ ”اُسے کہو کہ میں اس وقت تمہارا کوئی مطلب پورا نہیں کر سکتا۔ دن کے وقت آنا۔“

بنو قریظہ یہودیوں کا وہ قبیلہ تھا جس نے مسلمانوں کے ساتھ دوستی کا اور ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ اس معاہدے میں یہودیوں کے دوسرے دو قبیلے — بنو قنیقہ اور بنو لثیم — بھی شامل تھے لیکن ان دونوں قبیلوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی اور مسلمانوں نے انہیں وہ مزادی تھی کہ وہ لوگ شام کی طرف بھاگ گئے تھے۔ صرف بنو قریظہ تھا جس نے معاہدے کو برقرار رکھا اور اس کا احترام کیا۔ مسلمان جنگ خندق میں اس قبیلے کی طرف سے دیراسا بھی خطرہ محسوس نہیں کر رہے تھے۔ جی بنی اخطاب بھی یہودی تھا۔ وہ کعب بن اسد کو اپنا ہم مذہب بنائی کچھ کرنا کہ اس کے پاس گیا تھا۔ وہ کعب بن اسد کو مسلمانوں کے خلاف اگسٹا چاہتا تھا اس لیے وہ غلام کے کہنے پر

قریش اور بنو قریظہ کے درمیان معاہدہ ہو گیا۔

۷

سعد بن عقیق معمولی سی قسم کا ایک جوان تھا جس کی مصیبت میں کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ خنجر اور نواہر تیز کرنے کا کام کرتا تھا۔ اُس میں خوبی یہ تھی کہ خدا نے اُسے آواز پُرسوز اور مری دی تھی اور وہ شہسوار تھا۔ راتوں کو کسی محفل میں اُس کی آواز سنائی دیتی تھی تو لوگ باہر آکر اُس کا گانا سنا کرتے تھے۔ کبھی رات کو وہ شہر سے باہر چلا جاتا اور اپنی تنگ میں گایا کرتا تھا۔ اُس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

ایک رات وہ پُرسوز کے میں شہر سے دور کہیں گارہا تھا کہ ایک بڑی خوبصورت اور جوان لڑکی اُس کے سامنے یوں آن کھڑی ہوئی جیسے کوئی جن یا جیٹیل انسان کے حسین روپ میں آگئی ہو۔ وہ گھر کر خاموش ہو گیا۔ ”اس آواز سے مجھے محروم نہ کر جو مجھے گھر سے نکال لائی ہے۔“ لڑکی نے کہا۔ ”مجھے دیکھ کے تو خاموش ہو گیا ہے تو میں دُور چلی جاتی ہوں۔ اپنے نئے کا خون نہ کر۔۔۔ تیری آوازیں ایسا سوز ہے جیسے تو کسی کے فراق میں نغمہ سر ہے۔“

”کن ہے تو؟“ سعد نے کہا۔ ”اگر تو جنتاں میں سے ہے تو بتا دے۔“

لڑکی کی بل ترنگ جیسی ہنسی سنائی دی۔ حیران شفاقت چاندنی میں اُس کی آنکھیں ہیروں کی طرح چمک رہی تھیں۔

”میں بنو قریظہ کے ایک یہودی کی بیٹی ہوں۔“

”اور میں مسلمان ہوں۔“

”مذہب کو دیکھنا میں نہ لا۔“ یہود نے کہا۔ ”نعوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ میں تیرے لیے نہیں تیرے لئے اور تیری آواز کے لیے آئی ہوں۔“

سعد اس یہود کے حُسن میں کھو گیا اور یہود اُس کی آواز سے مہوش ہو گئی اور آواز کے طلسم نے انہیں اُس رشتے میں بکلا دیا جسے موت بھی توڑ سکتی۔ اس کے بعد جیسے وہ ملے۔ وہ ایک دوسرے کے قیدی ہو گئے۔ ایک روز یہود نے اُسے کہا کہ سعد قبول کرے تو وہ اُس کے پاس آجائے گی اور اسلام قبول کرے گی۔

دفتین روزی گزرے تھے کہ مدینہ محاصرے میں آگیا۔ سعد بن عقیق کا کام بڑھ گیا۔ اُس کے پاس تلواریں خنجر اور برہمچیلوں کی امتیاز تیز کرانے والوں کا ہجوم رہنے لگا۔ وہ راتوں کو بھی کام کرتا تھا۔

ایک دفعہ یہود نے اپنے باپ کی تلوار اٹھا لئے اُس کے پاس آئی۔

”تلوار تیز کرانے کے بہانے آئی ہوں۔“ یہود نے کہا۔ ”آج ہی رات یہاں سے نکلو ورنہ ہم بھی مار دیں گے۔“

”کیا ہو گیا ہے؟“

”پرسوز شام میرے باپ نے مجھے کہا کہ قبیلے کے سردار کعب بن اسد کو مری ضرورت ہے۔ یہود نے بتایا۔“ باپ نے جیسی بن اخطب کا نام بھی لیا تھا۔ میں کعب کے گھر چلی گئی۔ وہاں جیسی کے علاوہ دو اور آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اس طرح کی باتیں کر رہے تھے کہ مسلمانوں کے آخری دن آگے آئے ہیں۔“

کعب بن اسد جیسی بن اخطب اور قریش کے درمیان اس لڑکی کی موجودگی میں معاہدہ ہوا اور مسلمانوں پر عتبہ سے حملوں کا منصوبہ ختم ہوا۔ اس یہود کو رات بھر کعب کے پاس گزار دی پڑی۔ صبح وہ اپنے گھر گئی۔

بھی وہاں سے نہ ہٹا۔ کعب بن اسد نے پریشان ہو کر اُسے اندر بلا لیا۔

”میں جانتا ہوں تم اس وقت میرے پاس کیوں آئے ہو۔“ کعب بن اسد نے جیسی سے کہا۔ ”اگر تم ابوسفیان کے کہنے پر آئے ہو تو اُسے کہہ دو کہ ہم نے مسلمانوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے اس پر مسلمان پوری دیانتداری سے قائم ہیں۔ وہ ہمیں اپنا عقیق سمجھتے ہیں اور انہوں نے ہمیں پورے حقوق دے رکھے ہیں۔“

”کعب بن اسد! ہوش میں آ۔“ جیسی بن اخطب نے کہا۔ ”بنو قریظہ اور بنو نضیر کا انجام دیکھ لے۔ مسلمانوں کی شکست مجھے صاف نظر آ رہی ہے۔ خدا نے یہودہ کی قسم، دس ہزار لاکھ مسلمانوں کو کچل ڈالے گا۔ پھر یہ مسلمان تم پر ٹوٹ پڑیں گے کہ یہودیوں نے انہیں شکست دلائی ہے۔“

”تم چاہتے کیا ہو جیسی؟“ کعب بن اسد نے پوچھا۔

”قریش کے لشکر کا ایک حصہ یہودیوں کے پیچھے سے ہمارے پاس پہنچ جائے گا۔“ جیسی نے کہا۔ ”تمہاری موجودگی میں یہ سپاہی مسلمانوں پر عتبہ سے حملہ نہیں کر سکتے۔ تم اپنے قبیلے سمیت قریش سے مل جاؤ اور مسلمانوں پر اس طرح جھڑکو کہ انہیں جم کر نہ لڑنا پڑے بلکہ ضرب لگا کر پیچھے ہٹ آؤ۔ اس سے قریش کو یہ فائدہ ہو گا کہ مسلمانوں کی توجہ خندق سے ہٹ جائے گی اور قریش کا لشکر خندق کو عبور کرے گا۔“

”اگر میں تمہاری بات مان لوں اور ہمارا حملہ وہ کام نہ کر سکے تو تم چاہتے ہو تو جلتے ہو مسلمان ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟“ کعب بن اسد نے کہا۔ ”تم مسلمانوں کے غم و غصہ سے واقف ہو۔ کیا بنو قریظہ اور بنو نضیر کا کوئی ایک بھی یہودی تمہیں یہاں نظر آتا ہے؟“

”ابوسفیان نے سب کچھ سوچ کر تمہیں معاہدے کی دعوت دی ہے۔“ جیسی بن اخطب نے کہا۔ ”اگر مسلمانوں کا غم و غصہ تم پر چرے گا تو قریش کے لشکر کا ایک حصہ تمہارے قبیلے کی حفاظت کے لیے نین اور لاوا کی سپاہیوں میں موجود رہے گا۔ وہ شب خون مارنے والے تجربہ کار سپاہیوں کا لشکر ہو گا جو مسلمانوں کو تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے کی ہمت نہیں دیں گے۔“

”تم مجھے اتنے بڑے خطبے میں ڈال رہے ہو جو میرے پورے قبیلے کو تباہ کر دے گا۔ کعب بن اسد نے کہا۔ ”تمہارا قبیلہ تباہ ہو یا نہ ہو اہل قریش اتنی قیمت دیں گے جو تم نے کبھی سوچ بھی نہ ہوگی۔“ جیسی نے کہا۔

”یا اپنے تعاون کی قیمت خود بتا دو۔۔۔ جو کہو گے، جس شکل میں مانگو گے تمہیں قیمت مل جائے گی، اور تمہارے قبیلے کو پورا تحفظ ملے گا۔ مسلمان اگلے چند دنوں میں نیست و نابود ہو جائیں گے۔ تم اُس کا ساتھ دو ورنہ رہے گا اور جس کے ہاتھ میں طاقت ہوگی۔“

کعب بن اسد آخر یہودی تھا۔ اُس نے زور و جہالت کے لالچ میں آکر جیسی بن اخطب کی بات مان لی۔

”قریش کا کوئی سپاہی ہماری بستی کے قریب نہ آئے۔“ کعب بن اسد نے کہا۔ ”مسلمانوں پر میرا قبیلہ شیخون مانتا رہے گا یہ کام رات کی تاریکی میں کیا جائے گا تاکہ مسلمانوں کو پتہ ہی نہ چل سکے کہ شیخون مارنے والے بنو قریظہ کے آدمی ہیں۔۔۔ اور جیسی! کعب نے ہوشوں پر ہلکی سی سسکاہٹ لاتے ہوئے کہا۔ ”تم دیکھ رہے ہو کہ میں

یہاں آکھ پڑا ہوں۔ میری راتیں تنہائی میں گزر رہی ہیں۔“

”آج کی رات تنہا گزارو۔“ جیسی نے کہا۔ ”کل تم تنہا نہیں ہو گے۔“

”مجھے دس دنوں کی مہلت ملنی چاہئے۔“ کعب نے کہا۔ ”مجھے اپنے قبیلے کو تیار کرنا ہے۔“

یا مارنے کے لیے چل پڑیں لیکن یہ نہ دیکھا کہ ایک مسلح مرد کے مقابلے میں جاتے ہوئے ان کے ہاتھ میں کون سا ہتھیار ہے۔ وہ جلدی میں جو ہتھیار لے گئیں وہ بھی نہیں تھی، تلوار نہیں تھی، وہ ایک دھندلا ہوا چھوٹا دوڑتی بانگلی اور اس مشکوک آدمی کے پیچھے جا کر جس جو دیوار کے ساتھ ایک اور جگہ کھڑا دیکھ رہا تھا۔
”کون ہے تو؟“ صفیہ نے اُسے لٹکارا۔

مشکوک آدمی نے ہلکے کیچھے دیکھا۔ اگر وہ کسی غلط نیت سے نہ آیا ہوتا تو اس کا انداز کچھ اور ہوتا مگر اس نے بھی تان لی۔ صفیہ نے اُس کا چہرہ دیکھا تو کوئی شک نہ رہا۔ وہ یہودی تھا اور وہ بنو قریظ کا ہی ہو سکتا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ ایک عورت اور وہ بھی ایک ڈنڈے سے مسلح اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔
”تجربہ خد کی اہنت!“ صفیہ نے لٹکار کر کہا۔ ”کیا تو بنو قریظ کا مخبر نہیں ہے؟“
”ممک کی بھو بھی! یہاں سے چلی جا!“ یہودی نے کہا۔ ”کیا تو میرے ہاتھوں مرنے آئی ہے؟“
”... ہاں، میں بنو قریظ کا آدمی ہوں۔“

”پھر تو یہاں سے زور نہیں جائے گا۔“

یہودی نے تہقہہ لگایا اور بڑھ کر بھی ماری۔ جس تیزی سے بھی آئی تھی، اُس سے زیادہ تیزی سے صفیہ ایک طرف ہو گئیں۔ یہودی کا وار خالی گیا تو وہ سنبھل نہ سکا۔ وہ آگے کو جھکا اور اپنے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک نہ سکا۔ صفیہ نے پوری طاقت سے اُس کے سر پر ڈنڈہ مارا۔ ایک عورت کے بازو میں خدا کا تہرا لگایا تھا۔ یہودی رُک کر سیدھا ہوتا لیکن اُس کا سر ڈوبنے لگا۔ صفیہ نے اُسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا اور اُس کے سر پر پہلے سے زیادہ زور سے ڈنڈہ مارا۔

اب یہودی کھڑا نہ رہ سکا۔ اُس کے ہاتھ سے بھی گری، پھر اُس کے گھٹے زمین سے گئے۔ صفیہ نے اُس کے سر پر پس سے خون بہہ بہہ کر اُس کے کپڑوں کو لال کر دیا تھا، ایک اور ڈنڈہ مارا۔ وہ جب بے ہوش ہو کر رُٹھکا گیا تو صفیہ اُس کے سر پر ہی ڈنڈے سے مارتی چلی گئیں جیسے نہریلے ناگ کا سرنگھل رہی ہوں۔ صفیہ نے اُس وقت ہاتھ روکا جب یہودی کی کھوپڑی کچی گئی اور اُس کا جسم بے حس ہو گیا۔ صفیہ قلعے میں چلی گئیں۔

”حسان!“ صفیہ نے اپنے شاعر حسان سے کہا۔ ”میں وہ کام کر آئی ہوں جو تمہیں کرنا تھا۔ اب جاؤ اور اُس یہودی کے ہتھیار اٹھا لاؤ اور اُس کے کپڑوں کے اندر جو کچھ ہے وہ بھی لے آؤ۔ میں عورت ہوں کسی مرد کے کپڑوں کے اندر ہاتھ ڈالنا ایک عورت کے لیے مناسب نہیں۔۔۔۔۔ چاہو تو یہ مال غنیمت تم لے سکتے ہو۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔“

”اللہ آپ کی عفت و عفت کی حفاظت کرے۔“ حسان نے شاعروں کی مسکراہٹ سے کہا۔ ”مال غنیمت کی ضرورت مجھے بھی نہیں۔“ اور حسان وہاں سے کھسک گیا۔ وہ شاید کہتا یہ چاہتا تھا کہ اُس میں انہی ہمت نہیں کہ کبھی ہوتی کھوپڑی والی لاش کو ہاتھ لگائے۔

توفیقین لکھتے ہیں کہ یہ غیر رسول کریم تک پہنچی تو آپ کو پریشانی ہوئی۔ شہر میں خوراک کی کیفیت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ہر فرد کو اُس کی اصل ضرورت کی صرف ایک چوتھائی خوراک ملتی تھی۔ رسول کریم نے خلائے ذوالجلال سے مدد مانگی اور کوئی حکمت عملی سوچنے لگے۔

اُسے مسلمانوں کے ساتھ کوئی دبی نہ تھی۔ اُس کی دلچسپیاں سعد کے ساتھ تھیں۔ اُس کے کانوں میں یہ بات بھی پڑی تھی کہ کسب اُسے بیوی یا رشتہ کی حیثیت سے اپنے پاس رکھ لے گا۔

سعد بن عتبہ اس یہودی کی محبت کو تو بھول ہی گیا۔ اُس نے یہودیوں کو گھر بھیج دیا اور ایک بزرگ مسلمان کو بتایا کہ کعب بن اسد نے سچی کینے پر قریش کے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔ اس بزرگ نے یہ اطلاع اپنے بیچا دی اور رسول اکرم کو بتایا گیا کہ بنو قریظ نے بنو قنیقاع اور بنو نضیر کی طرح اپنا معاہدہ توڑ دیا ہے۔ آپ نے کعب بن اسد کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے پہلے یہ یقین کر لینا ضروری سمجھا کہ بنو قریظ نے واقعی قریش کے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔

اسد اپنے نام لیا ہندوں کی مدد کرتا ہے۔ اس کے فوراً بعد ایک ایسا واقعہ ہو گیا جس سے تعین ہو گئی کہ بنو قریظ اور قریش کے درمیان بڑا خطرناک معاہدہ ہوا ہے۔

واقعہ یوں ہوا۔ عورتوں اور بچوں کو شہر کے اُن مکانوں اور چھوٹے چھوٹے قلعوں میں منتقل کر دیا گیا تھا جو خندق سے دُور تھے۔ ایسے ایک قلعے میں رسول اکرم صلعم کی بھیجی صفیہ چند ایک عورتوں اور بہت سے بچوں کے ساتھ مقیم تھیں۔ ایک روز صفیہ قلعے کی فصیل پر گھوم پھر رہی تھیں۔ انہوں نے نیچے دیکھا۔ ایک آدمی دیوار کے ساتھ ساتھ مشکوک سی چال چلتا جا رہا تھا۔ وہ کہیں رکتا، دیوار کو دیکھتا اور آگے چل پڑتا۔ صفیہ اُسے چُپ کر دیکھنے لگیں۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ آدمی قلعے کے اندر آنے کا کوئی راستہ یا ذریعہ دیکھ رہا ہے۔

صفیہ کو اس وجہ سے بھی اس آدمی پر شک ہوا کہ شہر کے تمام آدمی خندق کے قریب مورچہ بند تھے باجنگ کے کسی اور کام میں مصروف تھے۔ اگر یہ کوئی اپنا آدمی ہوتا اور کسی کام سے آیا ہوتا تو دروازے پر دستک دیتا۔

قلعے میں عورتوں اور بچوں کے ساتھ صرف ایک مرد تھا۔ یہ تھے عرب کے مشہور شاعر حسان بن ثابت۔ صفیہ نے حسان سے کہا کہ نیچے ایک آدمی مشکوک انداز سے دیوار کے ساتھ ساتھ جا رہا ہے۔

”مجھے شک ہے وہ یہودی ہے۔“ صفیہ نے حسان سے کہا۔ ”تم جانئے ہو حسان! بنو قریظ نے دوستی کا معاہدہ توڑ دیا ہے۔ یہ شخص مجھے یہودیوں کا مخبر معلوم ہوتا ہے۔ بنو قریظ ہم پر عتبہ سے

حملہ کریں گے تاکہ ہمارے مردوں کی توجہ خندق سے ہٹ جائے اور وہ نیچے آجائیں۔ یہودیوں کے پاس ہمارے مردوں کو مورچوں سے نکال کر نیچے لانے کا یہ طریقہ کار آمد ہو گا کہ وہ ان قلعوں پر حملے شروع

کروں جن میں عورتیں اور بچے ہیں۔۔۔۔۔ نیچے جاؤ حسان! اللہ تمہارا نگہبان ہو۔ اس شخص کو لٹکارو۔ اگر وہ واقعی یہودی ہو تو اُسے قتل کر دو خیال رکھنا اُس کے ہاتھ میں بھی ہے اور اس کے چُپے کے اندر تو بھی ہوگی۔“

”اے عظیم خاتون!“ حسان نے کہا۔ ”کیا آپ نہیں جانتیں کہ میں شاعر ہوں صرف جوش لا سکتا ہے، جوش میں آ نہیں سکتا۔ شاعر سے توقع نہ رکھو کہ وہ اُس آدمی کے مقابلے میں جائے گا جو اتنی دہری

سے قلعے تک آ گیا ہے۔“

مورخ ابن بشام اور ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ عرب کے عظیم شاعر کا یہ جواب سُن کر رسول اکرم کی بھیجی صفیہ نے اُسے تہر کی نظروں سے دیکھا اور ایسے طیش میں آئیں کہ خود اس مشکوک آدمی کو پکڑنے

ادھر خندق کا محاذ سرگرم تھا۔ خالد کو اپنی اُس وقت کی بے چینی اور بے تابی اچھی طرح یاد تھی۔ وہ خندق کے ساتھ ساتھ گھوڑا دوڑاتا اور کہیں سے خندق عبور کرنے کے طریقے سوچتا تھا۔ وہ مرمیبدان تھا، لڑے بغیر واپس جانے کو اپنی توہین سمجھتا تھا مگر وہاں لڑائی اس نوعیت کی ہو رہی تھی کہ قریش کے تیر انداز خاصی تعداد میں خندق کے اُس مقام پر قریب آئے جہاں مسلمان مورچہ بند تھے۔ یہ سلیح کی پہاڑی تھی۔ تیر انداز مسلمانوں پر تیر برساتے۔ مسلمان جوابی تیر اندازی کرتے۔ کبھی قریش کا کوئی تیر انداز جیش کسی اور جگہ گشتی سنترلوں پر تیر چلاتا مگر مسلمانوں کا جیش فوراً پہنچ جاتا۔ رات کو مسلمان خندق پر سنترلوں کی تعداد میں اضافہ کر دیتے تھے اور قریش خندق سے دُور پیچھے خیمہ گاہ میں چلے جاتے تھے۔

رسول کریم کو جہاں مدینہ میں خوراک کی قلت کا جو قحط کی صورت اختیار کرتی جا رہی تھی، احساس تھا وہاں آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ قریش کا لشکر بھی نیم فاقہ کشی پر آگیا ہے۔ یہ وہ کیفیت ہوتی ہے جو انسانوں کو ایک دوسرے کی شرائط مانسنے پر اور معاہدوں اور عہدوں پر مجبور کر دیتی ہے۔ کسی بھی تاریخ میں اُس شخص کا نام نہیں لکھا جسے رسول کریم نے خفیہ طریقے سے قریش کے اتحادی غطفان کے سالار عیینہ کے پاس اس مقصد کے لیے بھیجا کہ اُسے قریش کی دوستی ترک کرنے پر آمادہ کرے۔ اُسے یہ نہیں کہا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل جائے۔ رسول کریم کا مقصد صرف یہ تھا کہ غطفان اور عیینہ رضامند ہو جائیں اور اپنے قبیلہ کو واپس لے جائیں تو قریش کا لشکر دہزار نفری کی فوج سے محروم ہو جائے گا یہ توقع بھی کی جاسکتی تھی کہ دوسرے قبیلہ بھی غطفان کی تقلید میں قریش کے لشکر سے نکل جائیں گے۔

”کیا محمدؐ نہیں زبانی معاہدے کی دعوت دے رہا ہے؟“ سالار عیینہ نے رسول اللہ کے لیے سے کہا۔ ”ہم نے یہاں تک آنے کا جو خرچ برداشت کیا ہے وہ کون دے گا؟“ ”ہم دیں گے۔“ رسول خدا کے اچھے نے کہا۔ ”نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ اپنے قبیلہ کو واپس لے جاؤ تو اس سال مدینہ میں بھوک کی جتنی پیداوار ہوگی اس کا تیسرا حصہ تم لے جاؤ۔ خود مدینہ آجانا۔ پوری پیداوار دیکھ لینا اور اپنا حصہ اپنے ہاتھوں الگ کر کے لے جانا۔“ سالار عیینہ میدان جنگ میں بڑے اور لڑانے والوں کی نیابت کرنے والا جنگجو تھا، لیکن غیر جنگی مسائل اور امور کو بہت سمجھتا تھا۔ مؤرخ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد رسول اللہ نے اُسے ”مستند آمن“ کا خطاب دیا تھا۔ وہ بڑے طاقتور رسم والا اور جمائی لحاظ سے چربلا اور مستند رہنے والا آدمی تھا۔ اُس نے اپنے سردار غطفان سے بات کی۔

”خدا کی قسم، محمدؐ نے ہمیں کمزور سمجھ کر یہ پیغام بھیجا ہے۔“ غطفان نے کہا۔ ”اُس کے اچھے سے پوچھو کہ مدینہ کے اندر لوگوں کو بھوک کا سامنا نہیں؟ ہم انہیں بھوک سے نڈھال کر کے ماہیں گے۔“ ”کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ہمارا اپنا لشکر بھوک سے نڈھال ہو رہا ہے؟“ سالار عیینہ نے کہا۔ ”مدینہ والے اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں۔ ہم اپنے گھر سے بہت دُور آگئے ہیں۔ کیا لشکر میں تم بے ہمتی نہیں دیکھ رہے؟ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ ہماری کمانوں سے نکلے ہوئے تیراب اپنی دُور نہیں جاتے۔“

جتنی دُور اُس وقت جاتے تھے جب تیر اندازوں کو پیٹ بھر کر کھانا ملتا تھا؛ ان کے بازوؤں میں کمانیں کھینچنے کی طاقت نہیں رہی۔“ ”کیا اس کا فیصلہ تم کرو گے کہ ہمیں محمدؐ کو کیا جواب دینا چاہیے؟“ غطفان نے پوچھا۔ ”یا میں فیصلہ کر دوں گا جو قبیلہ کا سردار ہوں؟“ ”خدا کی قسم، میدان جنگ میں جو فیصلہ میں کر سکتا ہوں وہ تم نہیں کر سکتے۔“ سالار عیینہ نے کہا۔ ”اور میدان جنگ سے باہر جو فیصلہ تم کر سکتے ہو وہ فیصلہ میری عقل نہیں کر سکتی۔ میری عقل تمہارے ساتھ چلتی ہے مگر یہاں میری فوج کی کمانیں اور برہمیاں اور ہمارے تیر مالوس ہو گئے ہیں۔ ہم خندق کے پار نہیں جاسکتے۔ ہمیں محمدؐ کی بات مان لینی چاہیے۔“ اور انہوں نے رسول کریم کی بات مان لی۔ اچھی امید افزا جواب لے کر آگیا۔ اُسے قریش کا کوئی آدمی نہیں دیکھ سکا تھا کیونکہ غطفان کی فوج محاصرے کے کسی اور مقام پر تھی۔

۷

اللہ کے رسولؐ کے خلاف کون بول سکتا تھا؟ مگر آپؐ نے اسلام کی تعلیمات کے عین مطابق اپنے سرکردہ ساتھیوں کو بلایا اور انہیں موقع دیا کہ کسی کو آپؐ کے فیصلے سے اختلاف ہے تو وہ بولے۔ آپؐ ایک شخص کا فیصلہ پوری قوم پر پھرنے کے قائل نہ تھے۔ چنانچہ آپؐ نے سب کو بتایا کہ آپؐ نے غطفان کو کیا پیش کش کی ہے۔

”نہیں۔“ آپؐ کے فیصلے کے خلاف دو تین آوازیں اٹھیں۔ ”ہماری کمانیں جن کے خون کی پیاسی ہیں، خدا کی قسم، ہم انہیں اپنی زمین کی پیداوار کا ایک دانہ بھی نہیں دیں گے۔ جنگ تو ہوئی نہیں۔ ہم بڑے بغیر کون ظاہر کریں کہ ہم دُور نہیں سکے۔“

اس کی تائید میں کچھ آوازیں اٹھیں۔ ایسی دہلیس دی گئیں جنہیں رسول اللہؐ نے اس لیے قبول فرما لیا کہ یہ اکثریت کی آواز تھی۔ آپؐ نے اپنے اچھے کو دوبارہ غطفان اور عیینہ کے پاس نہ بھیجا لیکن آپؐ نے سب پر واضح کر دیا کہ تدبیر اور حکمت عملی کے بغیر محاصرہ نہیں ٹوڑا جاسکے گا۔

خدا تعالیٰ پرستوں کے ساتھ تھا۔ رسول کریمؐ نے اپنے اللہ سے مدد مانگی جو ایک انسان کے رُوب میں آپؐ کے سامنے آگئی۔ یہ تھے نیم بن مسعود۔ ان کا تعلق غطفان کے قبیلہ کے ساتھ تھا۔ نیمؓ سرکردہ شخصیات تھے۔ خدا نے انہیں غیر معمولی دماغ عطا کیا تھا۔ تین اہم قبیلوں۔ قریش، غطفان اور بنو قریظہ۔ پر ان کا اثر و رسوخ تھا۔ ایک روز نیمؓ جو قبیلہ غطفان میں تھے مدینہ میں رسول خداؐ کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔

”خدا کی قسم، تو قبیلہ غیر کا ہے۔“ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ ”تو ہم میں سے نہیں، تو یہاں کیسے آگیا ہے؟“

”میں آپؐ میں سے ہوں۔“ نیمؓ نے کہا۔ ”مدینہ میں گواہ موجود ہیں۔ میں نے درپردہ اسلام قبول کر لیا تھا۔ اپنے قبیلہ کے ساتھ اسی مقصد کے لیے آیا تھا کہ آپؐ کے حضور حاضر ہو جاؤں گا مگر موقع نہ ملا۔ پتہ چلا کہ آپؐ نے میرے قبیلہ کے سردار اور سالار کو قریش سے دوستی ترک کر کے

”اللہ کی تجھ پر رحمت ہو۔“ رسول خدا نے پوچھا۔ ”کیا ثوابت کو آگے بڑھانے آیا ہے؟“

کے شیدائیوں کے خب کا کام آسکتی ہے جھوٹور کے قدموں میں پیش کرتا ہوں.... اپنے لشکر میں سے چھپ چھپ کر بھلا ہوں۔ خندق میں آؤ تو کیا لیکن سنترلوں کی موجودگی میں اوپر آنا خودکشی کے برابر تھا۔ اوپر چڑھنا ویسے بھی محال تھا۔ بڑی مشکل پیش آتی تھا سے آپ کے نام پر التجا کی۔ گرجہ کو ڈاکروں کا مانگی۔ اندر نے کوم کیا سنتری آگے چلے گئے۔ اندر میں خندق پر چڑھ آیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعیض کے متعلق بتایا گیا کہ کس حیثیت کی شخصیت ہے رسول کریمؐ نے ان کے ساتھ دو چار باتیں کیں تو آپ کو اندازہ ہو گیا کہ نعیض کوچی سطح اور عقل کے انسان ہیں۔ آپ نے نعیض کو بتایا کہ محاصرے نے جو حالات پیدا کر دیئے ہیں ان سے نکلنے کے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ قریش کے لشکر میں جو مختلف قبائل شامل ہیں انہیں قریش سے بٹرن کیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو تین قبائل کے ساتھ خفیہ معاہدے کر لیے جائیں۔

”یا رسول اللہ! — نعیم نے کہا۔ ”اگر میں یہ کام اپنے طریقے سے کروں تو کیا حضورؐ مجھ پر اعتماد کریں گے؟“

”تجھ پر اللہ کی رحمت ہو نعم“۔ رسول اللہ نے فرمایا: ”میں تجھے اور تیرے نیک ارادوں کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں“۔

”میں واپس اپنے قبیلے میں چلا جاؤں گا“۔ نعیمرؑ نے کہا۔ ”لیکن یہ نہیں بتاؤں گا کہ میں ہرگز نہیں آیا تھا۔ یہاں سے میں کعب بن اسد کے پاس جا رہوں... میرے اللہ کے رسول! میری کامیابی کے لیے دعا فرمائیں“۔

مدینہ میں رات کو پہرے بڑے سخت تھے۔ پیچھے کی طرف خندق نہیں تھی۔ اُدھر بہاڑیلوں نے فدیہ کی دغا بندی کر رکھا تھا۔ اُدھر پہرہ داروں اور کشتی سنستریوں کی تعداد زیادہ رکھی گئی تھی اور شہر کے کسی آدمی کا بھی اُدھر جانا بڑا مشکل تھا۔ رسول اکرمؐ نے فیکم کے ساتھ اپنا ایک آدمی بھیج دیا تھا تا کہ کوئی سنستری انہیں روک نہ لے۔ یہ آدمی نعیمؓ کو مدینہ سے باہر تک چھوڑ کر واپس آگیا۔ رات کا پہلا پہر تھا جب نعیمؓ بنو قریظہ کی بستی میں کعب بن اسد کے دروازے پر پہنچے۔ دروازہ غلام نے کھولا۔

”مگر مجھے ابھی طرح جانتے ہو ناکعب؟“ — نعیم نے پوچھا۔
 ”نعیم! مسعود کو کون نہیں جانتا؟“ — کعب نے کہا۔ ”غلامان کے قید کو تجھ جیسے سردار پر
 بہت فخر ہوگا... کو نعیم! ارات کے اس وقت میں تمھاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟... میں نے اس
 راتوں کی سہولت مانگی تھی۔ ابھی تو چھ سات دن گزرے ہیں۔ میں نے مسلمانوں پر شرب خون مارنے کے
 لیے آدمی تیار کر لیے ہیں... کیا تم یہی معلوم کر گئے آئے ہو؟“

”میں اسی مسئلے میں آیا ہوں۔“ نعیم نے کہا۔ ”تم بیوقوف ہو کر عجب باتم نے قریش کے ساتھ کس مجبور سے پر معاہدہ کر لیا ہے؟.... مجھ سے نہ پوچھنا کہ میرے دل میں تمھاری بھڑادی کیوں پھیل گئی ہے میں مسلمانوں کا بھی ہمدرد نہیں کیونکہ میں مسلمان نہیں تم اچھی طرح جانتے ہو میرے دل میں انسانیت کی ہمدردی ہے کیسے دل میں ہمدردی ہے تمھاری ان غلوں و صورت اور جوان بیٹوں، بیویوں اور بہنوں کی جو مسلمانوں کی لڑکیاں بن جائیں گی تم نے قریش سے بڑا خطرہ نہک معاہدہ کر لیا ہے لیکن اس کی ضمانت نہیں لی کہ اہل قریش تین تین مسلمانوں سے سچا لیں گے۔ ہم نے بھی قریش کے ساتھ معاہدہ کیا ہے لیکن کچھ ضمانت بھی لی ہے۔“

”کیا قریش جنگ مار جائیں گے؟“ کعب بن اسد نے پوچھا۔
 ”وہ جنگ مار چکے ہیں۔“ یزید نے کہا۔ ”کیا یہ خندق انہیں شہر پر حملہ کرنے دے گی؟۔۔۔“
 قریش کے لشکر کو بھوک نے بے حال کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ اقبالہ ٹھوک سے پریشان ہو گیا ہے۔
 میں نہیں چاہتا کہ کل تم میرے قبیلے کو بدنام کرو کرو غطفان تمہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھیڑ کر
 تھے تم مسلمانوں پر حملہ کر کے انہیں ایذا دینا لو گے اور قریش اور ہم محاصرہ اٹھا کر واپس
 جائیں گے۔ اپنے دونوں قبیلوں، بنو قینقاع اور بنو نضیر کا انجام جو مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا افتادہ نہیں
 یاد رہگا۔“

کعب بن اسد بن مسعود غازی ہو گئے۔
 "میں جانتا ہوں تم نے قریش سے کتنی احترام لی ہے۔" نعیم نے کہا۔ "لیکن یہ غارتہ جو تم
 اُن سے لے رہے ہو اور یہ نوجوانوں کو رت لڑاؤ کیلک جو تیری بن خطب نے تمہارے پاس بھیجی ہیں، یہ

سب مسلمانوں کی ملکیت ہو جائے گی اور تمہارا سر مختار رہے تن سے جدا ہو گا۔

”تو کیا میں قریش سے معاہدہ توڑ دوں؟“ کعب نے پوچھا۔

”معاہدہ نہ توڑو“ نعیمؓ نے کہا۔ ”انہیں ابھی ناراض نہ کرو لیکن اپنی حفاظت کی ان سے ضمانت لو۔ عرب کے رواج کے مطابق انہیں کہو کہ ان کے اپنے خاندانوں کے کچھ آدمی تمہیں یرغمال کے طور پر دے دیں۔ اگر انہوں نے اپنے چند ایک معزز اور سرکردہ آدمی دے دیئے تو یہ بڑی ہونگا کہ وہ معاہدے میں مخلص ہیں۔“

”ماں نعیمؓ! کعب بن اسد نے کہا۔ میں ان سے یرغمال میں آدمی مانگوں گا۔“

✽

نعیمؓ بن مسعود رات کے وقت پہاڑوں میں چلے جا رہے تھے۔ ان کی منزل قریش کی خیرہ گاؤں جو کئی میل دور تھی۔ سیدھا راستہ چھوڑا تھا لیکن راستے میں خندق تھی۔ وہ ٹہری دور کا چکر کاٹ کر جا رہے تھے۔ وہ گذشتہ رات سے مسلسل چل رہے تھے مگر چھپ چھپ کر چلنے اور عام سفر میں بہت فرق ہوتا ہے۔ نعیمؓ جب ابوسفیان کے پاس پہنچے تو ایک اور رات شروع ہو چکی تھی۔ اس وقت ان کی بڑیاں بھی دکھ رہی تھیں اور ان کی زبان سوکھ گئی تھی۔ ایک ہی بار بے شمار پانی پی کر وہ بولنے کے قابل ہوئے۔ ابوسفیان نعیمؓ کی دانشمندی اور تدبیر سے متاثر تھا۔

”تمہاری حالت بتا رہی ہے کہ تم اپنے لشکر سے نہیں آتے۔“ ابوسفیان نے نعیمؓ سے

پوچھا۔ ”کہاں سے آرہے ہو؟“

”بہت دور سے۔“ نعیمؓ بن مسعود نے جواب دیا۔ ”جائوسی کی ایک ٹیم سے آ رہا ہوں۔ ہم لوگ بنو قریظہ کے ساتھ معاہدہ کر آئے ہو۔ کیا تم بھول گئے تھے کہ یہودیوں کو ہمارے ساتھ جو کچھ ہے وہ صرف اس لیے ہے کہ وہ اسلام کو ہمارے ہاتھوں میں پختہ کر دینا چاہتے ہیں؟۔۔۔ میں بنو قریظہ کے دو دوستوں سے مل آیا ہوں اور مجھے مدینے کا بھی ایک پرانا دوست مل گیا تھا مجھے پتہ چلا ہے کہ کعب بن اسد نے محمدؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا بلکہ کعب نے مسلمانوں کو خوش کرنے کا ایک نیا طریقہ سوچا ہے۔ ہم نے اُسے کہا کہ وہ مدینہ میں مسلمانوں پر حملے کرے۔ وہ اب ہم سے قریش کے سرکردہ خاندانوں کے چند افراد یرغمال میں ضمانت کے طور پر رکھنے کے لیے مانگے گا مگر

انہیں وہ مسلمانوں کے حوالے کر دے گا اور مسلمان ان افراد کو قتل کر دیں گے، پھر یہودی مسلمانوں کے ساتھ مل جائیں گے اور دونوں ہم پر حملہ کریں گے۔۔۔ میں نہیں خبردار کرنے آیا ہوں کہ یہودیوں کو یرغمال میں اپنا ایک بھی آدمی نہ دینا۔“

”خدا کی قسم نعیمؓ!۔۔۔ ابوسفیان نے کہا۔“ اگر تمہاری یہ بات سچ نکلی تو میں بنو قریظہ کی بستیاں آباد دوں گا۔ کعب بن اسد کی لاش کو میں اپنے گھوڑے کے پیچھے باندھ کر گھسیٹا ہوا سکتے سے جاؤں گا۔ اُس نے کیا سوچ کر ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے؟“

”اُس کی سوچ پر آپ نے شراب اور حین لڑکیوں کا طعنه طاری کر دیا ہے۔“ نعیمؓ بن مسعود نے کہا۔ ”کیا شراب اور عورت کسی کے دل میں خلوص اور دیانتداری رہنے دیتی ہے؟“

”اُسے شراب اور عورت کس نے دی ہے؟۔۔۔ ابوسفیان نے کہا۔“ کیا بد بخت کعب اتنی سی بات نہیں سمجھ سکا کہ میں نے اُس کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے، اس میں اُس کی قوم اور اُس کے مذہب کا تحفظ ہے؟ اگر محمدؐ کا مذہب اسی طرح بچھلتا چلا گیا تو یہودیت ختم ہو جائے گی۔“

”ہم یہودیوں کو ابھی تک نہیں سمجھ سکے۔“ نعیمؓ نے کہا۔ ”وہ اپنے دشمن پر بھی ظاہر نہیں ہونے دیتے کہ وہ اُس کے دشمن ہیں۔۔۔ خبیث بن اخطب بھی یہودی ہے۔ اُس نے تمہاری طرف سے کعب کو شراب کا نصف ملکہ اور دو نہایت حسین لڑکیاں دی ہیں۔ میں جب کعب سے ملا، وہ شراب میں بہت تھا اور دونوں لڑکیاں نیم برہنہ حالت میں اُس کے پاس تھیں۔ اُس نے بدستی کے عالم میں مجھے کہا کہ وہ اہل قریش کو انگلیوں پر سچا رہا ہے۔“

”نعیمؓ!۔۔۔ ابوسفیان نے تلوار کے دستے پر ہاتھ مار کر کہا۔“ میں مدینہ سے محاصرہ اٹھا کر بنو قریظہ کی نسل ختم کر دوں گا۔ اُس کی یہ جرات کہ قبیلہ قریش کے سرکردہ چند افراد کو ضمانت کے طور پر یرغمال بنا کر رکھنا چاہتا ہے؟“

”میں نہیں اتنا نہیں بھڑکنا چاہتا۔“ ابوسفیان نے کہا۔ ”ٹھنڈے دل سے سوچو اور فیصلہ کرو کہ کعب کو تم ایک بھی آدمی یرغمال میں نہیں دو گے۔“

”میں فیصلہ کر چکا ہوں۔“ ابوسفیان نے کہا۔ ”کیا تم اہل مدینہ کی کوئی خبر دے سکتے ہو؟ وہ کس حال میں ہیں؟ وہ کب تک بھوکا برداشت کریں گے؟“

”نعیمؓ بن مسعود کو ابوسفیان کے پاؤں اٹھاٹنے کا موقع مل گیا۔

”میں حیران ہوں ابوسفیان!۔۔۔“ نعیمؓ نے کہا۔ ”کہ اہل مدینہ خوش اور مطمئن ہیں۔ وہاں بھوک کے کوئی آثار نہیں۔ خوراک کی کمی ضرور ہے لیکن اہل مدینہ کا جوش اور جذبہ ایسا ہے جیسے انہیں خوراک کی ضرورت ہی نہیں۔“

”اُس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے محاصرے کا اُن پر کوئی اثر نہیں ہوا۔“ ابوسفیان نے کہا۔ ”بالکل نہیں۔“ نعیمؓ بن مسعود نے کہا۔ ”اُن پر محاصرے کا یہ اثر ہے کہ وہ جوش و غروش سے چھٹے جا رہے ہیں۔“

”ہمارے یہودی جاسوس ہیں بتا رہے ہیں کہ مدینہ میں خوراک تقریباً ختم ہو چکی ہے۔“ ابوسفیان نے ذرا پریشان ہو کر کہا۔

”وہ بھڑک بولتے ہیں۔“ نعیمؓ نے اُسے اور زیادہ پریشان کرنے کے لیے کہا۔ ”میں نہیں سمجھتا ہوں کہ یہودیوں پر پھر وسوسہ نہ کرنا۔ یہ بتا کر کہ مسلمانوں کی حالت اچھی نہیں ہے تمہیں گلیاں رہے ہیں کہ تم مسلمانوں کو عمر و صحیح کر کہیں سے خندق عبور کرو اور مدینہ پر حملہ کر دو۔ وہ اہل قریش اور میرے قبیلے غطفان کو مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ کرنا چاہتے ہیں۔“

”میں اُن کی نیت معلوم کر لیتا ہوں۔“ ابوسفیان نے کہا اور اپنے غلام کو آواز دی۔ ”عمر و اور خالد کو بلا لاؤ۔“ ابوسفیان نے غلام سے کہا۔

”نعیمؓ بن مسعود یہ کہہ کر کچلے گئے۔“ میں اپنے سردار غطفان کو خبردار کرنے جا رہا ہوں۔“

✽

ششیر بے نیام حصہ اول

اتنے میں ایک نہایت حسین لڑکی شرب کی صراحی اور پیالے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ عکرمہ کو دیکھ کر مسکرائی عکرمہ نے اُسے دیکھا تو اُس کے چہرے پر سنجیدگی کا تاثر اور زیادہ گہرا ہو گیا۔

”کعب“ عکرمہ نے کہا۔ ”تم نے اپنا مذہب اور اپنی زبان ان چیزوں کے عوض بیچ ڈالی ہے جنہوں نے کبھی کسی کا ساتھ نہیں دیا۔“
کعب بن اسد نے لڑکی کو اشارہ کیا تو وہ چلی گئی۔

”میرے عزیز عکرمہ! کعب نے کہا۔ ”میں تمہارے چہرے پر رعونت کے آثار دیکھ رہا ہوں صاف پتہ چلتا ہے کہ تم مجھے اپنا غلام سمجھ کر حکم دینے آئے ہو۔ میں نے مسلمانوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا وہ بنو قریظہ کے تحفظ اور سلامتی کے لیے کیا تھا، اور میں نے جو معاہدہ تمہارے ساتھ کیا ہے، وہ تمہاری فتح اور مسلمانوں کی شکست کی خاطر کیا ہے۔ مسلمانوں کو ختم کرنا میرے مذہب کا حکم ہے تمہارے ساتھ معاہدے بنانا نامی سلسلے کی ایک کوشش ہے۔ ایسا مذہبی فریضہ ادا کرنے کے لیے میں نہیں استعمال کروں گا۔ جنتی بن اخطب سے میں نے کہہ دیا تھا کہ اہل قریش اور اہل غطفان مجھے بنو قریظہ کی سلامتی کی ضمانت دیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ تم لوگ ناکام ہو جاؤ اور مسلمان ہم سے ظالمانہ انتقام لیں۔“

نعمان بن مسعود نے چونک گاری ان لوگوں کے درمیان پھینک دی تھی وہ عکرمہ کے سینے میں لگا اٹھی نعیم نے عکرمہ کے ذہن میں ابوسفیان کی معرفت پہلی ڈال دیا تھا کہ کعب افرازی صورت میں ضمانت مانگے گا کعب کی زبان سے ضمانت کا لفظ سنتے ہی عکرمہ بھڑک اٹھا۔

”کیا تمہیں ہم پر اعتبار نہیں؟“ عکرمہ نے غصیلی آواز میں کہا۔ ”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم شاید بھول گئے ہیں کہ تمہارا دارا تمہارا مشترکہ دشمن ہے؟“

”میں یہ نہیں کہتا جو تم کہہ رہے ہو۔“ کعب بن اسد نے کہا۔ ”لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ اپنے مشترکہ دشمن کو جتنا جانتا ہوں اتنا تم نہیں جانتے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ جو عقل خدا نے محمد کو دی ہے وہ ہم میں سے کسی کو نہیں دی۔ میں اس کی ضمانت چاہتا ہوں۔“

”اھو! تمہیں کسی ضمانت چاہیے؟“ عکرمہ نے پوچھا۔

”قبیلہ قریش اور غطفان کے چند ایک سرکردہ افراد ہمارے پاس بھیج دو۔“ کعب بن اسد نے کہا۔ ”میں کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا عکرمہ! ہمارا تمہارا دستور ہے۔ اس رواج اور شرط سے تم واقف ہو۔ میں نے ضمانت کے طور پر یرغمال میں لینے والے آدمیوں کی تعداد نہیں بتائی۔ یہ تعداد تم خود مقرر کرو تم جانتے ہو کہ معاہدے کی خلاف ورزی کرو گے تو تمہارا ان سرکردہ افراد کو ہم قتل کر دیں گے۔“

”تمہیں قتل قتل نہیں کرو گے۔“ عکرمہ نے بھڑکی ہوئی آواز میں کہا۔ ”تم انہیں مسلمانوں کے حوالے کر دو گے۔“

”کیا تمہارے ہو عکرمہ؟“ کعب بن اسد نے جرات اور پریشانی کے لہجے میں پوچھا۔ ”کیا تم مجھے اتنا ذلیل سمجھتے ہو کہ میں تمہیں یہ دھوکہ دے دوں گا کہ تمہارے قبیلوں کے سرداروں کو مسلمانوں کے

خالدار اور عکرمہ آئے تو ابوسفیان نے انہیں بتایا کہ نعیم اُسے کعب بن اسد کے متعلق کیا بتا گئے ہیں۔

”غیر دل کے سہارے لے کر لڑائیاں نہیں لڑی جا سکتیں ابوسفیان!۔“ خالد نے کہا۔ ”آپ نے یہ تو سوچا ہی نہیں کہ بنو قریظہ مسلمانوں کے سامنے میں بیٹھے ہیں۔ وہ زمین کے نیچے سے مسلمانوں پر وار کر سکتے ہیں لیکن وہ ہیں تو مسلمانوں کے رحم و کرم پر۔ اگر آپ لڑنے آئے ہیں تو جنگجوؤں کی طرح لڑیں۔“

”کیا یہ صحیح نہیں ہو گا کہ تم دونوں میں سے کوئی کعب بن اسد کے پاس جائے؟“ ابوسفیان نے پوچھا۔ ”ہو سکتا ہے اُس نے نعیم سے کہا جو کہ وہ ہم سے یرغمال مانگے گا لیکن تم جاؤ تو وہ ایسی شرط پیش نہ کرے؟... کیا نہیں نظر نہیں آ رہا ہے کہ تمام کا تمام لشکر نیم فاقہ نشی کی حالت میں ہے؟ کیا یہ لشکر خندق عبور کر سکتا ہے؟... یہی ایک صورت ہے کہ کعب مدینے کے اندر مسلمانوں پر شرب خون مارنے کا انتظام کرے۔“

”میں جاؤں گا۔“ عکرمہ نے کہا۔ ”میں آپ کو یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ کعب بن اسد نے یرغمال کی شرط پیش کی تو میں آپ سے پوچھے بغیر معاہدہ منسوخ کر آؤں گا۔“

”کیا میں بھی عکرمہ کے ساتھ چلا جاؤں؟“ خالد نے ابوسفیان سے پوچھا۔ ”اس کا اکیلے جانا ٹھیک نہیں۔“

”نہیں۔“ ابوسفیان نے کہا۔ ”اگر خطرہ ہے تو میں دو سالار راتع نہیں کر سکتا۔ عکرمہ اپنی حفاظت کے لیے جتنے لشکر ساتھ لے جانا چاہتا ہے لے جائے۔“

عکرمہ اسی وقت روانہ ہو گیا۔ اُس کے ساتھ چار لشکری تھے۔ اُسے بڑی دُر کا چکر کاٹ کر بنو قریظہ تک پہنچنا تھا۔ وہ جمعہ کی رات اور تاریخ ۱۲ مارچ ۶۲۷ء تھی جب عکرمہ خندق سے دُور دُور چلا شیخین کے سلسلہ کوہ میں داخل ہوا اور کعب بن اسد کے گھر پہنچا کعب کو معلوم تھا کہ عکرمہ کیوں آیا ہے۔

”آؤ عکرمہ! کعب بن اسد نے کہا۔ ”میں جانتا ہوں تم کیوں آئے ہو۔ تمہارے آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے دس دن کی مہلت مانگی تھی۔“

کعب بن اسد نے اپنے غلام کو آواز دی۔ غلام آیا تو اُس نے غلام سے شرباب اور پیالے لانے کو کہا۔

”پہلے میری بات سن لو کعب! عکرمہ نے دو لوگ لہجے میں کہا۔ ”میں شرباب پینے نہیں آیا۔ مجھے بہت جلدی واپس جانا ہے۔ ہم محاصرے کو اور زیادہ طول نہیں دے سکتے۔ ہم کل مدینے پر حملہ کر رہے ہیں۔ تمہارے ساتھ ہمارا جو معاہدہ ہوا ہے اس کے مطابق تم مدینے میں ان جنگجوں پر جو ہم نے تمہیں بتائی ہیں، کل سے حملہ شروع کر دو۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم نے ظاہری طور پر ہمارے ساتھ معاہدہ کیا ہے لیکن در پردہ تم نے وہ معاہدہ قائم رکھا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ تم نے کیا ہے۔“

ہاتھوں قتل کرداروں کا ہمجہ پر اعتبار کرو؟

”یہودی پر اعتبار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی نے سانپ پر اعتبار کر لیا ہو۔“ عکرمہ نے غصے کے عالم میں کہا۔ ”اگر تم اپنے آپ کو اتنا ہی قابل اعتماد سمجھتے ہو تو کل مدینہ میں اُن چھوٹے قلعوں پر حملے شروع کر دو جہاں مسلمانوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو کھانا ہوا ہے۔“

”کل؟“ کعب نے کہا۔ ”کل ہفتے کا دن ہے ہفتے کا دن یہودیوں کا ایک مقدس دن ہوتا ہے جسے ہم سبت کہتے ہیں۔ اُس روز عبادت کے سوا ہم اور کوئی کام نہیں کرتے۔ کوئی یہودی بہت کم دن کوئی کام یا کاروبار کرے یا کسی پر حملہ کرے تو خدا اُسے یہودہ اُسے انسان سے ختم کر دیتا ہے۔“

عکرمہ دیکھ چکا تھا کہ کعب بن اسد کی نیت ٹھیک نہیں۔ وہ شراب پیتا چلا جا رہا تھا۔ عکرمہ نے شراب پینے سے انکار کر دیا تھا۔ اُس نے ابوسفیان سے کہا تھا کہ وہ فیصلہ کر کے ہی واپس آئے گا۔ ”تم کل حملہ کر دیا ایک دن بعد کرو، ہم تمہاری نیت کو عملی صورت میں دیکھ کر فیصلہ کریں گے کہ تمہیں یرغمال میں اپنے آدمی دیتے جاتیں یا نہ دیتے جاتیں۔“ عکرمہ نے کہا۔ ”اُس سے پہلے ہم تمہیں ایک آدمی بھی نہیں دیں گے۔“

”میں کچھ بچا ہوں کہ یرغمال کے بغیر ہم کچھ نہیں کریں گے۔“ کعب بن اسد نے کہا۔ ”خول ہی تمہارے آدمی ہمارے پاس پہنچ جائیں گے ہم تمہاری منشا کے مطابق مدینہ کے اندر کھلی بچا دیں گے۔ تم دیکھنا ہم تمہارے بچے میں کس طرح چھڑا گھونپتے ہیں۔“

عکرمہ اٹھ کھڑا ہوا اور غصے میں بولا۔ ”تم بدطینت ہو تمہاری نیت صاف ہوتی تو تم کہتے کہ مجھے کبھی ضمانت کی ضرورت نہیں، آؤں کہ مسلمانوں کو مدینہ کے اندر جیشہ کے لیے ختم کر دیں۔“ ”مجھے اگر حکم ہی ماننا ہے تو میں تمہارے حکم کیوں نہ مان لوں۔“ کعب بن اسد نے عکرمہ کا غصہ دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہم مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ ہمیں جو تحفظ ان سے مل سکتا ہے وہ تم نہیں دے سکو گے۔“

مورخ ابن ہشام اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ نعیم بن مسعود کا چھوڑا ہوا اثر نشانے پر لگا عکرمہ غصے کے عالم میں کعب بن اسد کے گھر سے نکل آیا۔ یہودیوں اور اہل قریش کا معاہدہ جو اگر برقرار رہتا تو مسلمانوں کی عمر لوٹ جاتی، کعب کے گھر کے اندر ہی لوٹ گیا۔

☆

جب عکرمہ کعب بن اسد سے ملنے جا رہا تھا، اُس وقت نعیم بن مسعود اپنے قبیلے کے سردار غطفان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس کے ساتھ بھی انہوں نے کعب بن اسد کے متعلق ہی باتیں کیں جن باتوں سے وہ ابوسفیان کو بھڑکا چکے تھے۔ ابوسفیان نے غصے میں آکر عکرمہ کو بلایا تھا۔ غطفان نے اپنے سالار عیینہ کو بلایا۔

”کیا تم نے سنا ہے کہ کعب بن اسد میں کیا دھوکہ دے رہا ہے؟“ غطفان نے عیینہ سے کہا۔ ”وہ ہم سے یرغمال میں رکھنے کے لیے سرگردہ افراد لگتا ہے۔ کیا یہ ہماری توہین نہیں؟“

”سارا غطفان! سارا عیینہ نے کہا۔“ میں پہلے تمہیں کچھ بچا ہوں کہ میرے ساتھ میدان جنگ کی بات کرو میں آسنے سامنے کی لڑائی لڑنا جانتا ہوں۔ مجھے اُس شخص سے نفرت ہوگی جو بیٹھے کے پیچھے اکر داکرتا ہے اور مجھے اُس شخص سے بھی نفرت ہوگی جس کی پیٹھ پر دار ہوتا ہے۔ اور پھر یہودیوں پر اعتبار کرتے ہو؟ اگر کعب بن اسد کہے گا کہ مجھے اپنے قبیلے کا سردار غطفان یرغمال میں دے دو تو کیا میں تمہیں اُس کے حوالے کر دوں گا؟“

”میں اُس شخص کا سردار اودل کا جالیسا مطالبہ کرے گا۔“ نعیم بن مسعود نے کہا۔ ”میں ان یہودیوں کو اپنے قبیلے کی ایک بیٹی یا بھری بھی نہ دوں گا۔... خدا کی قسم! کعب نے ہماری توہین کی ہے۔“

”ابوسفیان کیا کہتا ہے؟“ غطفان نے نعیم سے پوچھا۔ ”یہ بات تم کو ابوسفیان غصے سے کانپنے لگا تھا۔“ نعیم نے کہا۔ ”ابوسفیان کہتا ہے کہ وہ کعب بن اسد سے اس توہین کا انتقام لے گا۔“

”اور اُسے انتقام لینا چاہیے۔“ سالار عیینہ نے کہا۔ ”بنو قریظہ کی حیثیت ہی کیا ہے۔ وہ ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان اس طرح پس جاتیں گے کہ ان کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔“

☆

خالد کو آج مدینہ کی طرف جاتے ہوئے وہ وقت یاد آ رہا تھا جب عکرمہ بنو قریظہ کی لہستی سے واپس آیا تھا۔ خالد روٹنا ہوا اُس تک پہنچا تھا۔ اُدھر سے ابوسفیان گھوڑا دوڑانا گیا۔ عکرمہ کے چہرے پر غصے اور جھکن کے گہر آ رہے تھے۔

”کیا خبر لائے ہو؟“ ابوسفیان نے اُس سے پوچھا۔ ”خدا کی قسم ابوسفیان! میں نے کعب سے زیادہ بدطینت انسان پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔“ عکرمہ نے گھوڑے سے کود کر اترتے ہوئے جواب دیا۔ ”نعیم نے ٹھیک کہا تھا۔“

”کیا اُس نے ہم سے یرغمال میں رکھنے کے لیے آدمی مانگے ہیں؟“ خالد نے پوچھا تھا۔ ”ہاں خالد! عکرمہ نے کہا تھا۔“ اُس نے مجھے شراب پیش کی اور میرے ساتھ اس طرح بولا جیسے ہم اُس کے مقروض ہوں۔... اُس نے کہا کہ پہلے یرغمال میں اپنے آدمی دو پھر میں مدینہ کے اندر شرب خوں ماروں گا۔“

”کیا تم نے اُسے کہا نہیں کہ اہل قریش کے سامنے بنو قریظہ کی حیثیت اونٹ کے مقابلے میں ایک چرے کی ہے؟“ خالد نے کہا تھا۔ ”کیا تم نے اُس کا سر اُس کے کندھوں سے اتار نہیں دیا؟“

”میں نے اپنا ہاتھ بڑی مشکل سے روکا تھا۔“ عکرمہ نے کہا تھا۔ ”اُس کے ساتھ ہمارا جو معاہدہ جو اتحاد میں توڑا گیا ہوں۔“

”تم نے اچھا کیا۔“ ابوسفیان نے دبی دبی آواز میں کہا تھا۔ ”تم نے اچھا کیا۔“ اور وہ پرسے چلا گیا تھا۔

یہ کوئی بہت پرانا واقعہ نہیں تھا۔ ڈیڑھ دو سال پہلے کی ہی بات تھی۔ آج جب خالد مدینہ کی

”نہیں عروا۔“ عکرمہ نے کہا۔ ”پہلے میں جاؤں گا۔ اگر میرا گھوڑا خندق میں گر پڑا تو تم خندق پھلانگنے کی کوشش نہ کرنا۔ بھلا اسلاراجی جان کی قربانی دے گا۔“

یہ کہہ کر عکرمہ نے گھوڑے کی باک کو جھٹکا دیا۔ گھوڑے کا رخ خندق کی طرف ہوا تو عکرمہ نے اڑا لگادی۔ عربی نسل کا گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ عکرمہ نے لگام اور ڈھیلی خردی اور گھوڑے کو پھرا لگائی۔ گھوڑے کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ خندق کے کنارے پر جا کر عکرمہ گھوڑے کی پیٹھ سے اٹھا اور آگے کو جھبک گیا۔ گھوڑا ہوا میں بلند ہو گیا۔ خالد کچھ دور کھڑا دیکھ رہا تھا۔ قبیلہ قریش کے بہت سے لشکر دیکھ رہے تھے۔ زمین و آسمان دیکھ رہے تھے۔ ”تاریخ دیکھ رہی تھی!“

گھوڑے کے اگلے پاؤں خندق کے دوسرے کنارے سے کچھ آگے اتر کھیلے پاؤں عین کنارے پر پڑے۔ گھوڑا رفتار کے زور پر آگے چلا گیا۔ اُس کی اگلی ٹانگیں دوسری ہو گئیں۔ اس کا منہ زمین سے لگا۔ عکرمہ گرتے گرتے بچا گھوڑا بھی بھل گیا اور عکرمہ بھی۔ اُسے اپنے پیچھے لٹکار سنا تی دی۔

”آگے چل جاؤ عکرمہ!“

عکرمہ نے پیچھے دیکھا۔ عرب بن عبید کا گھوڑا ہوا میں اڑا اڑ رہا تھا۔ عرو کا بول پر کھڑا آگے کو بھٹکا ہوا تھا۔ کبھی کو تو قہقہے بھی کراتے۔ وزنی سوار کے پیچھے گھوڑا خندق پھلانگ جانے کا لیکن گھوڑا اُسی جگہ جا پڑا جہاں عکرمہ کا گھوڑا گر رہا تھا۔ عرو کے گھوڑے کی ٹانگیں ایسی دھڑکی ہوئیں کہ منہ کے بل گراؤ۔ ایک پہلو پر لڑھک گیا۔ عرو گھوڑے کی پیٹھ سے لڑھک کر قلابا زیاں کھاتا گیا۔ ایک لمحے میں گھوڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ اور عرو اٹھا اور پاک جھپٹے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

اُس کے پیچھے عکرمہ کے دو سوار اٹھنے چلے آ رہے تھے۔ خندق کے کنارے پر آ کر دوڑوں سواروں نے اپنے گھوڑوں کی پیٹھیں خالی کر دی تھیں اور ان کی گردنوں پر جھکے ہوئے تھے۔ دونوں گھوڑے خندق پھلانگ آئے۔

اہل قریش کے لشکر نے وا دو تھیں کے نعرے لگاتے۔ اس شور سے مسلمان پہرہ زد ہوئے آئے۔ اتنے میں عکرمہ کے دو اور گھوڑے اپنے سواروں کو اٹھا۔ تھے خندق کے کنارے سے ہوا میں اٹھے۔ اُن کے پیچھے سات میں سے باقی سواروں نے بھی اپنے گھوڑوں کو اڑا لگادی۔ تمام گھوڑے خندق پھلانگ آئے۔

”ٹھہر جاؤ“ عکرمہ نے مسلمان منتز لوں کو بلندا وار میں کہا۔ ”کوئی اور گھوڑا خندق کے اس طرف نہیں آئے گا۔ تم کو بلاؤ۔ تم میں جو سب سے زیادہ بہادر ہے اُسے لاؤ۔ وہ میرے ایک آدمی کا مقابلہ کر کے گڑے کو لے لو۔ تم سب کو قتل کر دینا.... خدا کی قسم، ہم تمہارا خون اس ریت پر چھڑک کر واپس چلے جائیں گے۔“

☆

مسلمانوں کی اجتماع کا یہ کھلبلی بیابان بھی تھی۔ ایک شہر تھا۔ ”قریش اور غطفان نے خندق عبور کر لی ہے.... مسلمانو! تمہارے امتحان کا وقت آگیا ہے.... ہوشیار.... خبردار.... دشمن آگیا ہے۔“

طرف جارہا تھا تو یہ جانا پہچانا راستہ اُسے اجنبی سا لگا رہا تھا۔ کبھی اُسے ایسے محسوس ہوتے تھے جیسے وہ خود اپنے لیے اجنبی ہو گیا ہو۔ اُسے ابوسفیان کا افسردہ چہرہ نظر آنے لگا۔ خالد نے زور کر لیا تھا کہ ابوسفیان مدینہ پر حملے سے منہ موڑ رہا ہے۔ خالد اور عکرمہ وہیں کھڑے رہ گئے تھے۔ ”کیا سوچ رہے ہو خالد؟“ عکرمہ نے پوچھا تھا۔

”کیا تم میری تائید نہیں کرو گے کہ میں اس شخص ابوسفیان کی موجودگی کو صرف اس لیے بردہ کر رہا ہوں کہ یہ میرے قبیلہ کا سردار ہے؟“ خالد نے عکرمہ کو جواب دیا تھا۔ ”اہل قریش ابوسفیان سے بڑھ کر بزدل سردار کوئی نہیں ملے گا.... تم بڑھچکے ہو میں کیا سوچ رہا ہوں.... میں اور زیادہ انتظار نہیں کر سکتا میں نے خندق کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھا ہے ایک جگہ خندق تنگ ہے اور زیادہ گہری بھی نہیں۔ ہم وہاں سے خندق کے پار جا سکتے ہیں۔ اگر تم میرا رد و توہین آج ہی، ابھی اُس جگہ سے چند سوار خندق کے پار لے جانا چاہتا ہوں۔ ابوسفیان کسی لیے اور سہارے کا انتظار کرنا چاہتا ہے تو کرتا رہے۔“

”میں تمہارا ساتھ کیوں نہ دوں گا خالد؟“ عکرمہ نے کہا تھا۔ ”کیا میں مسلمانوں کے اُن اقتدار کو برداشت کر سکوں گا جو اس وقت بلند ہوں گے جب ہم یہاں سے لڑے بغیر واپس جائیں گے۔ چلو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

☆

وہ جگہ فباب کی پہاڑی کے مغرب اور سلح کی پہاڑی کے مشرق میں تھی جہاں خندق کی چوڑائی اتنی تھی کہ گھوڑا اسے پھلانگ سکتا تھا۔ ضرورت سوار کی تھی۔ پیادے خندق میں اُتر کر اوپر چڑھ سکتے تھے۔ اسی جگہ کے قریب تقریباً سائے مسلمانوں کی خمیر گاہ تھی۔ خالد نے عکرمہ کو یہ جگہ دوسرے دکھائی۔

”پہلے میرے سوار خندق پھلانگیں گے۔“ عکرمہ نے کہا۔ ”لیکن ابھی ہم تمام کا تمام سوار نہیں گزاریں گے۔ پار جا کر مسلمانوں کو ایک ایک سوار کے مقابلے کے لیے لٹکاریں گے۔ وہ اس رواج کی خلاف ورزی نہیں کریں گے.... میرے ساتھ آؤ خالد! میں اپنے منتخب سوار آگے لڑوں گا۔ تم ابھی خندق کے پار نہ جانا۔ اگر ہم دونوں مارے گئے تو اہل قریش کو سواتے ذلت کے کچے نہیں ملے گا۔ ابوسفیان کا دل محاصرہ اٹھا چکا ہے۔ وہ لڑنے کے جذبے کو سرد کر چکا ہے۔“

وہ مقام جہاں خندق گھوڑے کی لمبی پھلانگ سے پھلانگی جا سکتی تھی ایسی اوٹ میں تھا جے گشتی سنتری قریب آکر ہی دیکھ سکتے تھے۔ عکرمہ نے سات سوار منتخب کر لیے تھے۔ ان میں ایک قوی ہیکل بلکہ دیوتا قامت شخص عرو بن عبید بھی تھا جس کی دھاک اُس کی جسامت کی بدولت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ عکرمہ ان سات سواروں کو مقررہ مقام سے کچھ دور تک اس انداز سے لے گیا جیسے گھوڑوں کو ٹھلانی کے لیے لے جا رہے ہوں۔ مسلمانوں کے سنتریوں کو ان پر شک نہ ہوا۔ ”سب سے پہلے میں خندق پھلانگوں گا۔“ عکرمہ نے چلتے چلتے اپنے سات سواروں سے کہا۔ ”کیا یہ چھیک نہیں ہوگا کہ سب سے پہلے میرا گھوڑا خندق کو پھلانگے؟“ عرو بن عبید نے کہا۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسلمانوں کو بے قابو نہ ہونے دیا۔ آپ نے دیکھ لیا تھا کہ ان کے خندق کے پار کھڑے قہقہے لگا رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کا مذاق بھی اڑا رہے تھے۔ یہ جھینپٹیاں بھی کس رہے تھے۔ رسول کریم اُس جگہ پہنچے جہاں عکرمہ اور اُس کے سوار کھڑے لٹکار رہے تھے۔ رسول کریم کے ساتھ حضرت علیؓ بھی تھے۔ آپؐ نے صورت حال کا جائزہ لیا تو سمجھ گئے کہ عکرمہ انفرادی مقابلے کے لیے آیا ہے۔ آپؐ کو اور حضرت علیؓ کو دیکھ کر عکرمہ نے عبدود نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا۔

”قسم ہے اہل اور عزلی کی! — عمرو نے لٹکار کر کہا۔ ”تم میں مجھے کوئی ایک بھی نظر نہیں آتا جو میرے مقابلے میں اتر سکے۔“

مورخ یعنی شاہدوں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی خاموشی گواہی دے رہی تھی کہ اُن پر عمرو کا خوف طاری ہو گیا ہے۔ وجہ یہ تھی کہ عمرو کی جسامت اور طاقت کے ایسے ایسے نقشے مشہور تھے جیسے وہ مافوق الفطرت طاقت کا مالک ہو۔ دیکھا شاید کسی نے بھی نہیں تھا لیکن سب کہتے تھے کہ عمرو گھوڑے کو اپنے کندھوں پر اٹھا سکتا ہے اور وہ پانچ سو گھوڑوں کے برابر طاقت دے سکتا ہے۔ اُس کے متعلق ہر کوئی تسلیم کرتا تھا کہ اُسے نہ کوئی ڈرا سکا ہے نہ کوئی کراسا ہے۔ ابوسفیان خندق کے پار کھڑا دیکھ رہا تھا۔ خالد و صفوان بھی دیکھ رہے تھے۔ غطفان، عیینہ اور اُن کا تمام لشکر دیکھ رہا تھا۔ ابوہریرہ بن مسعود بھی غیر مسلموں کے لشکریں دم بخود کھڑے تھے۔

”میں جانتا ہوں تم میں سے کوئی بھی آگے نہیں آسکے گا۔“ عمرو بن عبدود کی لٹکار ایک بابچہ گئی۔ خندق کے بائیں طرف کا منہ بند ہوا اور کبھی جھینپٹیاں سنائی دیں۔

حضرت علیؓ نے رسول خداؐ کی طرف دیکھا۔ آپؐ نے اپنا عمامہ سر سے اتارا اور حضرت علیؓ کے سر پر باندھ دیا، پھر اپنی تلوار حضرت علیؓ کو دی۔ مورخ ابن سعد نے لکھا ہے کہ رسول کریمؐ کی سرگوشی سنائی دی۔ ”علیؓ کا مددگار ٹوٹی ہے میرے اللہ!“

مورخین نے اس تلوار کے متعلق جو رسول اکرمؐ نے حضرت علیؓ کو دی لکھا ہے کہ قریش کے اہل شہو جنگجو منہ بن حجاج کی تھی۔ وہ بدر کی لڑائی میں مارا گیا تھا۔ فاتح مجاہدین نے یہ تلوار حضورؐ کو پیش کی تھی آپؐ نے اس کے بعد یہی تلوار اپنے پاس رکھی۔ اب آپؐ نے وہی تلوار حضرت علیؓ کو دے کر عرب کے ایک دیوث قحط کے مقابلے میں اتارا۔ یہ تلوار تاریخ اسلام میں ذوالفقار کے نام سے مشہور ہوئی۔

حضرت علیؓ عمرو بن عبدود کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔

”ابو طالب کے بیٹے! — عمرو گھوڑے پر سوار تھا، حضرت علیؓ سے مخاطب ہوا۔“ کیا تم مجبور لگتے ہو کہ مجھ پر ابابکرؓ کا ہاتھ اور دست تھا، کیا میرے لیے بہت برا فعل نہیں ہو گا کہ میں اپنے عزیز دوست کے بیٹے کو قتل کر دوں؟“

”اے میرے باپ کے دوست! — حضرت علیؓ نے لٹکار کر جواب دیا۔“ ہماری دوستی ختم ہو چکی ہے۔ خدا کی قسم، میں تمہیں صرف ایک بار کھوں گا کہ اللہ کو برحق اور محمدؐ کو اللہ کا رسول تسلیم کر لو اور تم میں شامل ہو جاؤ۔“

”تم نے ایک بار کہا کیا ہے۔“ عمرو نے کہا۔ ”میں دوسری بار یہ بات نہیں سنوں گا۔“

یہ بھی کہوں گا کہ میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا۔“

”میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں عمرو! — حضرت علیؓ نے کہا۔“ اتر گھوڑے سے اور آئیں گے مقابلے میں اور بچا لپٹے آپ کو اس تلوار سے جو مجھے اللہ کے رسولؐ نے عطا کی ہے۔“

☆

عمرو سے متعلق مورخ لکھتے ہیں کہ وہ وحشی تھا جب غصے میں آتا تھا تو اُس کا چہرہ غضبناک ہو کر درندوں جیسا ہو جاتا تھا۔ وہ گھوڑے سے کود کر اترتا اور تلوار سونت کر حضرت علیؓ پر پہلا وار اتنی تیزی سے کیا کہ دیکھنے والے یہ سمجھ کر اُس کی تلوار نے حضرت علیؓ کو کاٹ دیا ہے لیکن حضرت علیؓ یہ بھرپور وار بچا گئے۔ اس کے بعد عمرو نے یکے بعد دیگرے حضرت علیؓ پر متعدد وار کئے۔ حضرت علیؓ نے ہر وار غیر متوقع پوزیشن بدل کر بچایا۔ عمرو نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ جس جسامت اور طاقت پر اسے اتنا ٹھنڈا ہے وہ سر جاکر نہیں آسکتی۔ تیغ زنی کے مہم کے جس تیزی اور پھرتی کا مظاہرہ حضرت علیؓ کر رہے تھے وہ عمرو نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اُس کا جسم بھاری بھر کم تھا۔ اگر وہ گھوڑے کو اپنے کندھوں پر اٹھا بھی سکتا تھا تو بھی اُس میں گھوڑے جیسی رفتار نہیں تھی۔ اُس کی طاقت گھوڑے سے زیادہ بھی ہو سکتی تھی۔ حضرت علیؓ نے اُس پر ایک بھی وار نہ کیا جسے عمرو نے خوفزدگی سمجھا ہو گا۔ وہ وار پہ وار کرتا رہا اور حضرت علیؓ بھی اڑھائی اڑھائی ہوتے رہے۔

خندق کے پار اہل قریش کا لشکر جو قہقہے لگا رہا تھا، بھینٹ خاموش ہو گیا کیونکہ اُن کا دیوث قحط وار کرتے کرتے ٹک گیا تھا اور خاموش کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ ہانپ رہا تھا۔ وہ غالباً حیران تھا کہ یہ نوجوان جو قدبت میں اُس کے جسم کا میزبان حصہ بھی نہیں، اُس سے مرعوب کیوں نہیں ہوا۔ وار اہل عمرو تھا کہ گیا تھا۔

حضرت علیؓ نے جب اُس کی یہ حالت دیکھی کہ وہ اپنی طاقت اتنے سارے وار کرتے کرتے صرف کچھ پکے اور حیران و پریشان کھڑا ہے تو حضرت علیؓ نے یہ حیران کن مظاہرہ کیا کہ تلوار بھینٹ کر نکلی کی تیزی سے عمرو پر چھپٹا اور اچھل کر اُس کی گردن اپنے ہاتھوں میں دلوں لی۔ اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے عمرو کی ٹانگوں میں اپنی ٹانگ ایلے پھنسی کہ وہ بیٹھ کے بل گرا۔

اُس نے اپنی گردن چھڑانے کے لیے بہت زور لگایا لیکن اُس کی گردن حضرت علیؓ کی آہنی گرفت سے آزاد نہ ہو سکی۔ حضرت علیؓ نے اُس کی گردن سے ایک ہاتھ ہٹا کر دھندلے خنجر نکالا اور اُس کی ٹانگ گردن کی شہرگ پر رکھ دی۔

”اب بھی میرے اللہ کے رسولؐ پر ایمان لے آؤ میں تیری جان بخشی کر دوں گا۔“ حضرت علیؓ نے کہا۔

عمرو بن عبدود نے جب دیکھا کہ اُس کی وہ طاقت جس سے اہل عرب لرزتے تھے، بیکار ہو گئی ہے تو اُس نے یہ اوجھی حرکت کی کہ حضرت علیؓ کے منہ پر تھوک دیا۔

دیکھنے والے ایک یا پھر حیران رہ گئے کیونکہ حضرت علیؓ خنجر سے اُس کی شہرگ کاٹ دینے کی بجائے اٹھ کھڑے ہونے لگے۔ انہوں نے خنجر کمر بند میں اُڑس لیا اور ہاتھوں سے اپنا چہرہ صاف کیا عمرو اب اس طرح اٹھا جیسے اُس کے جسم کی طاقت ختم ہو چکی ہو۔ صرف اُسے ہی نہیں ہر کسی

کو تو قہقہہ کرتی کہ حضرت علیؑ اُسے زندہ نہیں اٹھنے دیں گے لیکن حضرت علیؑ بڑے آرام سے پیچھے بیٹھے۔
 ”عمروؓ“ حضرت علیؑ نے کہا۔ ”میں نے اللہ کے نام پر تیرے ساتھ زندگی اور موت کا مقابلہ کیا تھا لیکن تو نے میرے منہ پر ٹھوک کر میرے دل میں ذاتی دشمنی پیدا کر دی ہے میں تجھے ذاتی دشمنی کی بنا پر قتل نہیں کروں گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے خدا کو میرا یہ انتقام اچھا نہ لگے۔۔۔ جا یہاں سے اپنی جان لے کر واپس چلا جا۔“

عمرو بن عبدود شکست تسلیم کرنے والا آدمی نہیں تھا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ میدان میں یہ اُس کی پہلی بار تھی جسے وہ برداشت نہ کر سکا۔ اُس نے اپنی ہار کو جیت میں بدلنے کے لیے یہ اونچی حرکت کی کہ تلوار نکال کر حضرت علیؑ پر چھپٹ پڑا۔ حضرت علیؑ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھے لیکن ان کی کامیابی کے لیے رسول خداؐ نے خدا سے مدد مانگی تھی۔ عین وقت پر جب عمرو کی تلوار اور حضرت علیؑ کی گردن میں دو چار گول کاغذ صلا رہ گیا تھا، حضرت علیؑ نے اپنی ڈھال آگے کر دی عمرو کا دار اس قدر زوردار تھا کہ اُس کی تلوار نے حضرت علیؑ کی ڈھال کو کاٹ دیا۔ ڈھال حضرت علیؑ کے کان کے قریب سر پر لگی جس سے خون پھونسنے لگا۔

عمرو ڈھال میں سے تلوار کینچ ہی رہا تھا کہ حضرت علیؑ کی وہ تلوار جو انہیں رسول کریمؐ نے دی تھی اتنی تیزی سے حرکت میں آئی کہ عمرو کی گردن کٹ گئی گردن پوری نہ لگی لیکن شہرک کٹ چکی تھی عمرو کی تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اُس کا جسم ڈولنے لگا۔ حضرت علیؑ نے اُس پر دوسرا وار نہ کیا۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ یہی وار کافی ہے عمرو کی ٹانگیں دوہری ہوئیں۔ اُس کے گھٹنے زمین پر لگے اور وہ لڑکھ گیا عرب کی مٹی اُس کا خون چسنے لگی۔

خندق کے پار دشمن کے لشکر پر ایسا سکوت طاری ہو گیا جیسے پورے کابلورالشکر کھڑے کھڑے مر گیا ہو۔ اب مسلمانوں کے گھر گھر سے گرج رہے تھے۔

عربوں کی رسم کے مطابق اس مقابلے کا دوسرا مرحلہ شروع ہو گیا۔ مسلمانوں کے ایک حلیہ نے عمرو اور اُس کے باقی سواروں پر حملہ کر دیا۔ قریش کے ان سواروں کے لیے بھاگ نکلنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ خیریت سے لپٹا ہونے کے لیے لڑے۔ اس محرکے میں قریش کا ایک آدمی مارا گیا، مگر وہ نے اپنا گھوڑا خندق کی طرف موڑ کر بھاگ نکلنے کے لیے اڑا کر گادی خندق پہلا گھنے سے پہلے عمرو نے اپنی برجھی پھینک دی۔ ان میں سے ایک سوار جس کا نام خالد بن عبد اللہ تھا، خندق کو چھلانگ نہ سکا۔ اُس کا گھوڑا خندق کے اگلے کنارے سے ٹکرایا اور خندق میں جا پڑا۔ وہ اٹھ کر کنارے پر چپڑھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن مسلمانوں نے اُس پر پتھروں کی بوچھاڑ کر دی اور وہ وہیں تم ہو گیا۔

رسول کریمؐ نے حکم دیا کہ خندق کے اس مقام پر مستقل پیرے کا انتظام کر دیا جائے کیونکہ وہاں سے خندق پھلانگی جا سکتی تھی۔
 دوسرے دن خالد اپنے گھوڑے سوار دستے میں سے چند ایک جاننا سوار منتخب کر کے خندق عبور کرنے کو چل پڑا۔

”خالد! ترک جاؤ۔“ ابو سفیان نے اُسے کہا۔ ”کیا تم نے کل عمرو کے سواروں کا انجام نہیں دیکھا؟ اب مسلمانوں نے وہاں پہرے کا اور زیادہ مضبوط انتظام کر دیا ہو گا۔“
 ”کیا یہ بہتر نہیں کہ لڑنے بغیر واپس جانے کی بجائے تم میری لاش میرے گھوڑے پر رکھ کر مکہ لے جاؤ۔ خالد نے کہا۔ اگر ہم ایک دوسرے کے انجام سے ڈرنے لگے تو وہ دن بہت جلد طلوع ہو گا جب یہ مسلمانوں کے غلام ہوں گے۔“

”میں نہیں نہیں روکوں گا میرے دوست!“ عمرو نے خالد سے کہا۔ ”لیکن میری ایک بات سن لو۔ اگر تم میری شکست کا انتقام لینے جا رہے ہو تو ترک جاؤ۔“ انہیں قریش کی عظمت عزیز ہے تو ضرور جاؤ۔

آج مدینہ کی طرف جاتے ہوئے خالد کو وہ لمحے یاد آ رہے تھے۔ اُسے دُش وقت یہ خیال آیا تھا کہ آج کو وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ خندق عبور کر کے بھی مارا جائے گا، نہ عبور کر سکا تو بھی مارا جائے گا۔ کیوں خندق کی طرف چل پڑا تھا۔

۱۶ مارچ ۶۲۷ء کو دن کا تیسرا پہر تھا۔ خالد چند ایک منتخب سواروں کے ساتھ خندق کی طرف بڑھا۔ اُس نے خندق پہلا گھنے کے لیے کچھ فاصلے سے اپنے گھوڑے کو ایڑا لگائی مگر اس مقام کے پہرے پر جو مسلمان کہیں چھپے بیٹھے تھے، انہوں نے تیروں کا امینہ برسا دیا۔ خالد نے لگام کو پوری طاقت سے کھینچا اور اُس کا گھوڑا خندق کے عین کنارے پر جاڑا۔ خالد نے گھوڑے کو پیچھے موڑا اور اپنے تیر اندازوں کو بلایا۔ اُس نے سوچا تھا کہ اُس کے تیر انداز مسلمانوں پر تیر پھینکتے چلے جائیں گے جس سے مسلمان سر نہیں اٹھائیں گے اور وہ خندق پہلا گھنے کا لیکن مسلمانوں نے تیر اندازی میں اضافہ کر دیا مسلمان تیروں کی بوچھاڑ میں تیر چلا رہے تھے۔ خالد کو لپٹا ہونا پڑا۔

خالد اس انداز سے اپنے سواروں کو وہاں سے ہٹا کر دوسری طرف چل پڑا جیسے اُس نے خندق پر ایک اور حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہو۔ یوسف بن حنین جن میں ابن ہشام اور ابن سعد قابل ذکر ہیں، لکھتے ہیں کہ یہ خالد کی ایک چال تھی۔ اُس نے چلتے چلتے اپنے سوار پیش میں مزید سوار شامل کر لیے۔ اُس نے سوچا تھا کہ اُسے لپٹا ہونے کو چھ کر مسلمان پہرے دار ادھر ادھر ہو جائیں گے۔ اُس نے ادھر دیکھا۔ وہاں اُسے کو وہ بہرہ دار نظر نہ آیا۔ اُس نے اپنے دستے کو خندق کے کم چوڑائی والے مقام کی طرف موڑ کر سرسبز

دوڑا دیا۔

خالد کی یہ چال صرف اس حد تک کامیاب رہی کہ اُس کے تین چار گھوڑے سوار خندق پہلا گئے۔ ان میں خالد سب سے آگے تھا۔ مسلمان پہرہ داروں نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ قریش کے جو سوار ابھی خندق کے پار تھے، اُن پر مسلمانوں نے اتنے تیز برسائے کہ انہیں پسپا ہونا پڑا۔ خالد اور اُس کے سواروں کے لیے مسلمانوں کے گھیرے سے نکلنا بہت مشکل ہو گیا۔ یہ زندگی اور موت کا لمحہ تھا جو خالد نے گھوڑا دوڑا کر اور پیٹیر سے بدل بدل کر لڑا۔ اُس کے سوار بھی تجربہ کار اور پھر تیلے سے اُن میں سے ایک مارا گیا۔ خالد اب دفاعی محرکہ لڑ رہا تھا۔ اُس نے کئی مسلمانوں کو زخمی کیا جن میں سے ایک شہید ہو گیا۔ آخر اُسے نکلنے کا موقع مل گیا اور اُس کا گھوڑا خندق کو پھلانگ آیا۔ اُس کے جو سوار زندہ گئے تھے وہ بھی خندق پہلا گئے۔

اس کے بعد قریش میں کسی نے بھی خندق کے پار جانے کی جرأت نہ کی۔ مکرمہ اور خالد کی ناکامی کے بعد قریش اور اُن کے دیگر اتحادی قبائل کے لشکر میں مایوسی جو پہلے ہی کچھ کم نہ تھی اور بڑھ گئی۔ خوراک نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ ابوسفیان جو اپنے اور دیگر تمام قبائل کے لشکر کا سالار اور اعلیٰ قائد پہلے ہی بائد ہوا تھا۔ خالد، مکرمہ اور صفوان نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اُن کا لشکر زندہ رہا ہے، مزید کارروائی جاری رکھی کہ دفعتاً فوقاً خندق کے قریب جا کر مسلمانوں کی خیمہ گاہ پر تیرہ برسائے۔ یہ اس کے جواب میں مسلمانوں نے تیرہ اندازوں کو خندق کے قریب پھیلا دیا جو اہل قریش کے تیرہ لڑوں پر چابی پڑا دیا کرتے رہے۔ تیروں کے تیرہ کا یہ سلسلہ صرف ایک دن صبح سے شام تک چلا۔



اہل قریش اور غطفان اور دیگر قبائل جس جگہ کو شکست دینے آئے تھے، وہ محمد کی ملک کے بادشاہ نہیں تھے۔ وہ خدا کے رسول تھے۔ خدا نے انہیں ایک عظیم پیغام دے کر رسالت عطا کی تھی۔ آپ نے خدا سے مدد مانگی تھی۔ خدا اپنے رسول کو دیکھ کر مایوس نہ ہوا۔ اس کے علاوہ مدینہ کے اندر مسلمانوں کا عزم اور پختہ دل رات رات اپنی کامیابی اور نجات کی دعائیں مانگتے رہتے تھے۔ یہ دعائیں یہاں کیسے پہنچیں؟ ۱۸ مارچ ۶۲۷ء بروز منگل مدینہ کی فضا خاموش ہو گئی۔ سردی خاموش تھی۔ جوابدہ ہو گئی۔ یہ تو گویا ایک یہ یونان سے پہلے کی خاموشی تھی۔ اچانک آندھی آگئی جو اس قدر تیز رفتاری سے اُٹنے لگی جھک کر بڑے ہی سرو تھے۔ آندھی کی شدت اور اس کی چیلوں سے گھوڑے اور اونٹ بھی کھج گئے اور ریتیں تڑوانے لگی۔

مسلمانوں کی اجتماع گاہ سلج کی پہاڑی کی اوٹ میں تھی اس لیے آندھی انہیں اتنا پریشان نہیں کر رہی تھی جتنا مکہ کے لشکر کو۔ قریش کھلے میدان میں تھے۔ آندھی اُن کا سالار اُڑا رہی تھی۔ خیمے اُڑ گئے۔ پسیٹ دیتے گئے۔ تھے لشکر کے سردار اور پاسی۔ انہیں اوپر بڑے بڑے اڈاں کو بیٹھ گئے۔ خطے جہاں کے پاس تھا۔ اُن کے لیے یہ آندھی خدا کا تیرن کی تھی۔ اس کی چیلوں میں قہر اور غضب تھا۔ ابوسفیان برداشت نہ کر سکا۔ وہ اٹھا۔ اُسے اپنا گھوڑا نظر نہ آیا۔ قریب ہی ایک اونٹ مل گیا۔ ابوسفیان اونٹ پر چڑھ بیٹھا اور اسے اٹھایا۔ موترج ابن ہشام کی تحریر کے مطابق ابوسفیان بلند آواز سے چلانے لگا۔

”اے اہل قریش.... اے اہل غطفان! کعب بن اسد نے تمہیں دھوکہ دیا ہے۔ آندھی ہمارا بہت نقصان کر چکی ہے۔ اب یہاں ہمارا بہت خطرناک ہے۔ کم کو کوخ کر دو.... میں جا رہوں میں جا رہا ہوں۔ اُس نے اونٹ کو مکہ کی طرف دوڑا دیا۔

خالد کو آج وہ نظر یاد آ رہا تھا۔ تمام لشکر جسے مکہ سے مدینہ کی طرف کوچ کرتے دیکھ کر اُس کا سینہ فخر سے پھیل گیا اور سوار چاہو گیا تھا، ابوسفیان کے پیچھے پیچھے ڈری ہوئی بیٹریوں کی طرح جا رہا تھا۔ خالد اور عدون العاص نے اپنے طور پر سوچا تھا کہ جو مسلمان عقب سے حملہ کروں چٹا کچا ہوں نے اپنے سوار دستوں کو اپنے قابو میں رکھ کر لشکر کے عقب میں رکھا تھا۔ ابوسفیان نے ایسے خفاقی انتظام کی سوچی ہی نہیں تھی۔

اس لیے ہوتے لشکر میں وہ آدمی نہیں تھے جو مارے گئے تھے۔ اور اس لشکر میں نعیم بن مسعود بھی نہیں تھے۔ قریش کا لشکر چلا تو نعیم آندھی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خندق میں اتر گئے اور رسول کریم کے پاس پہنچ گئے تھے۔ آج خالد مدینہ کی طرف اُسی راستے پر جا رہا تھا جس راستے سے اُس کا لشکر ناکام واپس گیا تھا۔ اُسے شہین کی پہاڑی نظر آنے لگی تھی۔



آندھی نے تاریخ اسلام کا رخ موڑ دیا۔ آندھی نے یہ حقیقت واضح کر دی کہ خدا حق پرستوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دشمنوں کی کپڑائی تنکوں کی مانند تھی جو آندھی میں اڑے جاتے ہیں اور انہیں ایک دوسرے کی خبر نہیں ہوتی۔

خالد کو یہ پریشانی لاحق تھی کہ مسلمان تعاقب کریں گے لیکن مسلمانوں نے تعاقب کی سوچی ہی نہیں تھی۔ اس آندھی میں تعاقب اور لڑائی مسلمانوں کے خلاف بھی جاسکتی تھی جس دشمن کو خدا نے جھکا دیا تھا اُس کے پیچھے جانا دانش مندی نہیں تھی۔ البتہ رسول اللہ کے حکم سے چند ایک آدمیوں کو بلوں پر کھڑا کر دیا گیا تھا کہ وہ دشمن پر نظر رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ دشمن کہیں دُور جا کر نہ کر جائے اور منظم ہو کر واپس آجائے۔

آندھی آتی مٹی اور ریت اُڑا رہی تھی کہ تھوڑی دُور تک بھی کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ بہت دیر بعد تین چار مسلمان گھوڑوں اور اُس جگہ سے خندق پہلا گئے تھے جہاں سے عکرمہ اور خالد کے گھوڑوں نے خندق پہلا گئی تھی۔ وہ دُور تک چلے گئے۔ انہیں اڑتی ہوئی گرد اور ریت کے سوا کچھ بھی نظر نہ آیا۔ وہ دُور گئے لیکن واپس نہ آئے۔

شام سے کچھ دیر پہلے آندھی کا زور ٹوٹ گیا اور جھکا دھکم گھنے فضا صاف ہو گئی اور نظر دُور تک جانے لگی۔ اُردو فرائز زمین سے گرد کے بادل اُٹھ رہے تھے۔ وہ اہل قریش اور اُن کے اتحادی قبائل کی پسپائی کی گرد تھی جو دُور سے سورج کی آخری کرنوں میں بڑی صاف نظر آ رہی تھی۔ یہ گرد کچھ کج بازی کی تعاقب میں جانے والے مسلمان سوار اُس وقت واپس آئے جب رات بہت گہری ہو چکی تھی۔

جواب دیا تھا کہ نعمہ کبھی کا اسلام قبول کر چکا ہے۔ اُسے مدینہ میں آنے کا موقع اب ملا ہے۔
”پھر اُس نے یہیں مسلمانوں سے نہیں بلکہ مسلمانوں کو ہم سے بچایا ہے۔“ کعب بن اسد
نے کہا۔ ”اُس نے جو کچھ بھی کیا ہے، ہمارے لیے اچھا ثابت ہوا ہے۔ اگر ہم قریش کی بات
مان لیتے تو...“

”تو مسلمان ہمارے دشمن ہو جاتے۔“ ایک اور یہودی نے کہا۔ ”تم ہی کہنا چاہتے ہو کہ
کعب مسلمان پھر بھی ہمارے دشمن ہیں یہیں محمدؐ کے نئے مذہب کو یہیں پختہ کرنا ہے ورنہ
محمدؐ یہیں ختم کرا دے گا۔“

”کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ یہ مذہب جسے یہ لوگ اسلام کہتے ہیں، کتنی تیزی سے مقبول ہوتا
جا رہا ہے؟“ تیسرے یہودی نے جو معترض تھا، کہا۔ ”جیسے اس کے آگے بند باندھا ہے۔ اسے
روکنا ہے۔“

”لیکن کیسے؟“ کعب بن اسد نے پوچھا۔
”قتل!۔“ معترض یہودی نے کہا۔ ”محمدؐ کا قتل!“

”ایسی جرأت کون کرے گا؟“ کعب بن اسد نے کہا۔ ”تم کو کہے کہ وہ ایک یہودی ہو
گا۔ اگر وہ محمدؐ کے قتل میں ناکام ہو گیا تو بنو قریظہ ع اور بنو نضیر کا انجام دیکھ لو۔ مسلمانوں نے انہیں جس طرح
قتل کیا ہے اور انہیں سے زندہ بچ رہے۔“ اسے جس طرح دو دروازے مکلوں کو بھاگ گئے ہیں
وہ نہ بھولو۔“

”خدا سے یہود کی قسم!“ معترض یہودی نے کہا۔ ”میرے عقل تم سے زیادہ کام نہیں کرتی تو
تم سے کہہ بھی نہیں۔ تم نے جو آج سوچا ہے وہ میں اور لیث بن موسان بہت پہلے سوچ چکے
ہیں۔ کوئی یہودی محمدؐ کو قتل کرنے نہیں جانتے گا۔“

”پھر وہ کون ہوگا؟“

”وہ قبیلہ قریش کا ایک آدمی ہے۔“ بوڑھے یہودی نے جواب دیا۔ ”لیث بن موسان نے
اُسے تیار کر لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ یہ کام کر دیا جائے۔“

”اگر تم لوگ بھول نہیں گئے کہ میں بنو قریظہ کا سردار ہوں تو میں اُس کام کی اجازت کیسے دے
سکتا ہوں جو مجھے معلوم ہی نہ ہو کہ کیسے کیا جائے گا۔“ کعب بن اسد نے کہا۔ ”اور مجھے کون بتائے
گا کہ اُس آدمی کو اتنے خطرناک کام کے لیے کیسے تیار کیا گیا ہے؟ کیا اُسے ابو سفیان نے تیار کیا
ہے؟ خالد بن ولید نے تیار کیا ہے؟“

”سنو کعب!۔“ بوڑھے یہودی نے کہا اور یہودی حسینہ یوحادہ کی طرف دیکھا۔



”میں یہ بات لیث بن موسان کی موجودگی میں سناؤں تو کیا اچھا نہ ہوگا؟“ یوحادہ نے کہا۔
”اُس بات میں اس بزرگ کا عمل دخل زیادہ ہے۔“
”ہم اُس بوڑھے جادوگر کو کہاں سے بلا لیں؟“ کعب بن اسد نے کہا۔ ”ہم تم پر اعتبار
کرتے ہیں۔“

”خدا کی قسم!۔“ انہوں نے واپس آکر بتایا۔ ”وہ جو ہمارے عقیدے کو توڑنے اور
مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے آئے تھے، وہ مدینہ سے اتنی دہشت لے کر گئے ہیں کہ لوگ
نہیں رہے کہیں پڑاؤ نہیں کر رہے۔ کیا راتوں کو مسافر پڑاؤ نہیں کیا کرتے؟ کیا لشکر راتوں کو بھی چلتے
رہتے ہیں؟.... وہی چلتے رہتے ہیں جو منزل تک بہت جلدی پہنچنا چاہتے ہوں۔“
احادیث اور تورات کی تحریروں کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یقین ہو گیا کہ دشمن
گھبراہٹ کے عالم میں بھاگ گئے اور ایسا امکان ختم ہو چکا ہے کہ وہ نہ منظم ہو کر واپس آجائے تب آپؐ
نے کمر سے تلوار کھولی، خنجر اُٹا کر رکھ دیا اور اللہ کا شکر ادا کر کے غسل کیا۔



اس رات کی کوکھ سے جس صبح نے جنم لیا وہ مدینہ والوں کے لیے فتح و نصرت اور مسرت و
شادمانی کی صبح تھی۔ ہر طرف اللہ اکبر اور خوشیوں کے نعرے تھے۔ سب سے زیادہ خوشی عورتیں اور بچے
منارہے تھے جنہیں چھوٹے چھوٹے قلعوں میں بند کر دیا گیا تھا۔ وہ خوشی سے جھپٹے چلاتے باہر
نکلے۔ مدینہ کی گلیوں میں مسلمان بہت مسرور دھڑ رہے تھے۔

فتح کے اس جن میں بنو قریظہ کے یہودی بھی شامل تھے۔ رسول کریمؐ نے انہیں امن و امان میں
رہنے کے عوض کچھ مہمراعات دے رکھی تھیں۔ ظاہری طور پر وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا دوست
کہتے اور دوستوں کی طرح رہتے تھے۔ اہل قریش کی پسپائی پر وہ مسلمانوں کی طرح خوشیاں منا رہے
تھے لیکن ان کا سردار کعب بن اسد اپنے قلعہ نما مکان میں بیٹھا تھا۔ اُس کے پاس اپنے قبیلے
کے تین سرکردہ یہودی بیٹھے تھے اور اُس وقت کی غیر معمولی طور پر حسین یہود یوحادہ بھی وہاں موجود
تھی۔ وہ گزشتہ شام اہل قریش کی پسپائی کی خبر سن کر آئی تھی۔

”کیا یہ اچھا نہیں ہوا کہ ہم نے مسلمانوں پر حملے نہیں کیے؟“ کعب بن اسد نے کہا۔
”مجھے نعمہؐ بن مسعود نے اچھا مشورہ دیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ قریش سے معاہدے کی ضمانت کے
طور پر چڑاؤی ریمال کے لیے مانگو۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ قریش اس سے دگنا لشکر لے آئیں تو بھی
خندق عبور نہیں کر سکتے۔ میں نے نعمہؐ کا مشورہ اس لیے قبول کر لیا تھا کہ وہ اہل قریش میں سے ہے۔“
”وہ اہل قریش میں سے نہیں؟“ ایک یہودی نے کہا۔ ”وہ محمدؐ کے پیروکاروں میں سے ہے۔“
”خدا سے یہود کی قسم، تمہاری بات سچ نہیں ہو سکتی۔“ کعب بن اسد نے کہا۔ ”وہ اہل قریش
کے ساتھ آیا تھا۔“

”سگران کے ساتھ گیا نہیں۔“ اُسی یہودی نے کہا۔ ”میں نے کل شام اُسے مدینہ میں
مسلمانوں کے ساتھ دیکھا ہے۔ اُس وقت تک اہل قریش کا لشکر مدینہ سے بہت دُور جا چکا تھا۔“
”پھر تمہیں کس نے بتایا ہے کہ وہ محمدؐ کے پیروکاروں میں سے ہے؟“ کعب نے کہا۔

”میں ایسی بات کو کوئی سچے سچے مالو جو تم نے کسی سے نہ پوچھی نہیں؟“
”میں نے اپنے ایک مسلمان دوست سے پوچھا تھا۔“ یہودی نے کہا۔ ”میں نے نعمہؐ کو
دیکھ کر کہا تھا، کیا مسلمان اہل قریش کے جتنی قیدیوں کو اب گھلا رکھے ہیں؟.... میرے دوست نے

کے ساتھ کھڑے کر دو۔ کسی سے بھی کہہ کر اسے چلند ہے وہ لے جائے۔ واؤ کے تارے کی قسم وہ اسی میں گھوڑے اور بیس غلام چھوڑ دے گا اور یوحادہ کو لے جائے گا۔
اس محفل پر خاموشی طاری رہی۔

”میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میری بات نہیں سمجھتے۔“ لیث بن موسیٰ نے کہا۔ ”تمہارے داغوں میں ایسی سیٹیوں کی عصمت سمائی ہوئی ہے... میری بات غور سے سنو عصمت کا شرم دھماکے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک بھیاں ہے جو ہمیں اپنے دشمنوں کو بیکار کرنے کے لیے استعمال کرنا ہے۔ یہی کیا ہے؟ نیکی کیا ہے؟.... میں جانتا ہوں تم مجھے کیا جواب دو گے۔ یہ جواب صحیح ہو گا لیکن جب تم دنیا کے کوٹے کوٹے نہک یہودیہ کو پہنچانے کی بات کرو گے تو بدی اور نیکی کے معنی بدل جائیں گے۔ مجھ پرانی اور بدی کو ختم کر رہے ہیں برائی اور بدی پیدا کر رہی ہے مگر تم خود بڑے اور بدکار نہیں ہوں گے مگر تم روئے زمین پر پھیلی ہوئی نسل انسانی کو اپنی غلامی کے جہنم میں ڈالنا چاہتے ہو تو غور کرو۔ یوں کو جنت دکھاؤ۔ انہیں جنت کی خوشی دکھاؤ۔ انہیں مٹی کی شراب پلاؤ۔ یہ لوگ بیست حیوان ہیں۔ ان میں اور زیادہ حیوانیت پیدا کرو۔ یہ بیست سوچو کہ اچھا کیا اور بُرا کیا ہے۔ یہ دیکھو کہ یہودیہ کی حاکمیت کے لیے کیا چاہا ہے خواہ وہ بُرا ہی ہو۔ اس نے یوحادہ کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”انہیں بتاؤ یوحادہ، انہیں سمجھاؤ۔“
یوحادہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی اور اُس نے ایک کہانی سنا دی۔



یہ کہانی چند ماہ پہلے مکہ سے شروع ہوئی تھی۔ یوحادہ نے شرم و حجاب کے بغیر سب کو سنا یا کہ وہ قریش کے تین نامور سالاروں۔ خالد، حکیمہ اور صفوان۔ کو اپنے جن و جوانی کے طقس میں الگ الگ گرفتار کرنا چاہتی تھی۔ اُس نے انہیں آپس میں کمرے کی سوچی بھئی بینک ان میں کوئی بھی اُس کے ہاتھ نہ آیا۔ اُس نے یہ بھی سوچا تھا کہ وہ بیٹوں کے دلوں میں اپنے سردار ابو سفیان کی نفرت پیدا کر دے گی۔ لیکن خالد چھ تھابت ہوا۔ یوحادہ نے کہا۔ ”اُس نے مجھے دھتکارا انہیں لیکن وہ کبھی بھی ظاہر نہ کی جس کی مجھے توقع تھی۔ میرا خیال ہے حکیمہ اور صفوان پر خالد کا ہی اثر ہے۔ یہ بیٹوں جنگ و جدل کے دلدلہ ہیں۔ اس کے سوا کچھ سمجھتے ہی نہیں۔“

یوحادہ بالوس نہ ہوئی۔ اُس نے اپنی خوشی جاری رکھیں۔ خالد سے اُس نے توجہ جلدی ہٹا لی کیونکہ اُس کے دماغ میں ہی ایک سودا سما رہا تھا کہ مسلمانوں کو میدان میں شکست دینی ہے اور رسول اکرم کو میدان جنگ میں یا جنگی قیدی بنا کر قتل کرنا ہے۔

ایک روز یوحادہ مکہ سے چار میل دور ایک گاؤں میں گئی اور دن کے پچھلے پہر وہاں سے واپس آئی۔ اُس کے ساتھ دو بڑا کیاں اور تین آدمی تھے۔ وہ سب یہودی تھے اور دو گھوڑوں والی گاڑی پر سوار تھے۔ انہیں آدھا راستہ بھی طے نہیں ہوا تھا کہ وہ صحرائی آدھی آگئی جو بیت کے ٹیلوں کو اڑا لے جاتی ہے۔ ایک تو اُس کی رفتار اتنی تیز نہ ہوتی ہے کہ تنومند آدمی بھی پاؤں جھکا کر کھڑا نہیں رہ سکتا۔ آخر جسم کا کوئی عضو نگارہ جیسے تیر تیرتی اتنی زور سے نہکراتی ہے کہ کھال اُترتی محسوس ہوتی ہے۔ اونٹ گھوڑے بے قابو

”وہ یہیں ہے۔“ بوڑھے یہودی نے کہا۔ ”ہم اُسے ساتھ لاتے ہیں اور ہم اُسے بھی ساتھ لاتے ہیں جو کچھ قتل کرے گا۔ اب ہم انتظار نہیں کر سکتے۔ ہم سب کو امید تھی کہ قریش غطفان اور ان کے دوست قبائل اسلام کا نام و نشان مٹا دیں گے مگر ہر میدان میں انہوں نے شکست کھائی ہم نے انہیں مدینہ پر حملے کے لیے اکسایا تھا۔ وہ یہاں سے بھی بھاگ نکلے.... خدا نے بڑے کی قسم کعب اتم نے مسلمانوں پر عقب سے حملہ نہ کر کے بہت برا کیا ہے۔“
”میں اس کی وجہ بتا چکا ہوں۔“ کعب بن اسد نے کہا۔

”وجہ صحیح تھی یا غلط؟“ مسٹر یہودی نے کہا۔ ”وقت ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اب ہم قریش کی فتح کا انتظار نہیں کر سکتے۔“ اُس نے یوحادہ سے کہا۔ ”لیث بن موسیٰ کو بلاؤ۔ دوسرے کو ابھی باہر رکھو۔“

یوحادہ غرے سے نکل گئی۔ واپس آتی تو اُس کے ساتھ لیث بن موسیٰ تھا۔ وہ ایک بڑھا بہنوئی تھا جس کی عمر ستر اور اسی برس کے درمیان تھی۔ اُس کے سر اور داڑھی کے بال دودھ کی طرح سفید ہو چکے تھے۔ داڑھی بہت لمبی تھی۔ اُس کے چہرے کا رنگ سرخ و سفید تھا۔ اُس نے اونٹ کے رنگ کی قبا پہن رکھی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں لمبا عصا تھا جو اوپر سے سانپ کے بھین کی طرح ترشا ہوا تھا۔ لیث بن موسیٰ کو یہودیوں میں جادوگر کے نام سے شہرت حاصل تھی شعبہ بازی اور کالے علم میں وہ مہارت رکھتا تھا۔ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان کسی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اُس کے متعلق بہت سی روایات شہور تھیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ وہ مُردے کو متحور می سی دیر کے لیے زندہ کر سکتا ہے اور وہ کسی بھی مرد یا عورت کو اپنے تابع کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ یہودی اُسے اپنا پیر و مرشد سمجھتے تھے۔ وہ جہانمیدہ اور عالم فاضل تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہوا تو سب اُس کی تعظیم کو اُٹھے۔ وہ جب بیٹھ گیا تو سب بیٹھے۔

”خاندان بن موسیٰ کی عظمت سے کون واقف نہیں؟“ کعب بن اسد نے کہا۔ ”خدا نے یہودہ کی قسم، ہم میں سے کوئی بھی آپ کو یہاں بلانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ یوحادہ شاید آپ کو لے آئی ہے۔“
”میں نہیں سمجھتا کعب بن اسد!۔“ لیث بن موسیٰ نے کہا۔ ”میں یہ خوبصورت الفاظ سننے کا عادی نہیں اور تعظیم و احترام کا وقت بھی نہیں۔ کوئی نہ بلاتا تو بھی مجھے آنا تھا۔ تم لوگ اپنے فرض کی ادائیگی میں بہت وقت ضائع کر چکے ہو۔ تم سے یہ لڑکی ابھی ہے جس نے وہ کام کر دیا ہے جو تمہیں کرنا پڑتا تھا۔“
”مسٹر بن موسیٰ!۔“ کعب بن اسد نے کہا۔ ”ہم لے آئی اس انتہائی اقدام کی سوچی بھئی تھی۔ اگر ہم مجھ کے قتل جیسا خوفناک الزام کرتے بھی تو یوحادہ کو استعمال نہ کرتے۔ ہم اتنی خوبصورت اور ایسی جوان لڑکی کو استعمال نہیں کر سکتے۔“

”بھئیوں نہیں کر سکتے؟۔“ لیث بن موسیٰ نے کہا۔ ”کیا تم فراموش کر بیٹھے ہو کہ ساری دنیا پر خدا نے یہودہ کی حاکمیت ہوگی؟.... واؤ کے تارے کی قسم، نبی نوح انسان پر نبی اسرئیل کی حاکمیت قائم کرنے کے لیے ہم سب کو قربانیاں دینی پڑیں گی۔ ہمیں انسان کی فطری کمزوریوں کو اپنے ہاتھ میں لینا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ مر کر کیا چاہتا ہے؟.... اعلیٰ نسل کے بیس گھوڑے اور بیس غلام یوحادہ

تھم جانے لگی لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ کسی کے ہاتھ چڑھ گئی تو وہ اُسے اُس کے گھر نہیں اپنے گھر لے جانے گا اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کوئی اُسے خراب کر کے قتل کر جائے۔ رات آ رہی تھی۔ بچہ بچوں کا خطرہ لگ رہا تھا۔ کوئی اور خطرہ نہ ہوتا تو یہ خطرہ موجود تھا کہ وہ محلہ کے راستے سے بھٹک کر آتی ہے جو اہل راستے کی تلاش ناممکن ہوتی ہے۔ بھٹکے ہوئے مسافر کا انجام موت ہوتا ہے۔ وہ بچوں سے نہیں پیاس سے مرے۔

اُسے اونٹ کے بڑبڑانے کی آواز آئی۔ اُس کی دہشت زدگی بڑھ گئی لیکن اُسے اندھی کی آواز سمجھ کر اُس نے دل کو ٹہنی دے لی۔ اُسے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ ٹہنی کی دیوار پر ہاتھ رکھ کر گرجا رہی تھی۔ یہ دیوار بہت برا ٹیلہ تھا جو آگے جاکر گھوم گیا۔ اونٹ کی آواز ایک بار پھر سنائی دی اب یہ آواز بہت قریب سے آئی تھی۔ اتنی قریب سے کہ یوحاہوہ کرک کر تیچھے ہٹ آئی۔ اب اُسے شک نہ رہا۔ یہ اونٹ کی ہی آواز تھی۔

اونٹ اکیللا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ تین آدمیوں کا دھل ہونا ضروری تھا۔ یہ آدمی اُس کے ہمدرد تو نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ گناہ اور بدی کا دور تھا۔ یوحاہوہ نے دھل سے بھاگنے کا ارادہ کیا لیکن کس طرف؟ کہاں؟ دھل کوئی پناہ نہیں تھی۔ اندھی ٹیلوں اور خشک درختوں کے درمیان سے گزر کر پتوں پر چھین پھیل کر رہی تھی۔ یوحاہوہ کے پاؤں جیسے زمین سے جکڑ لیے تھے۔ اُسے اپنے اُن آدمیوں پر غصہ آنے لگا کہ ان کے ساتھ وہ گھوڑا گاڑی میں جا رہی تھی۔ انہیں اتنا بھی پتہ نہ چلا کہ وہ گاڑی سے گر گئی ہے۔



کوئی طاقت تھی جو اُسے دھیل کر ایک طرف لے گئی۔ دھل سے دیوار کی طرح سیدھا کھڑا ٹیلہ اندر کو چلا گیا تھا۔ یہ ٹہنی اچھی اونٹ تھی۔ وہ اندھی کے تھیلوں سے محفوظ ہو گئی۔ دھل تین چار گز دور تک وہ دیکھتی تھی۔ اُسے اونٹ نظر نہیں آ رہا تھا۔ دیوار کے ساتھ ساتھ وہ اور اندر گئی تو ایک غار کا دھندلکا دھانی دیا لیکن اُس نے اندر جانے کی جرأت نہ کی۔ وہ رک گئی۔

”اندرا جاؤ۔“ اُسے ایک آدمی کی آواز سنائی دی۔ ”باہر کیوں کھڑے ہو جاتی؟ اندر آ جاؤ۔“ یوحاہوہ کی بے اختیار چیخ نکلی گئی اور وہ تیچھے کود پڑی۔ چل ہی وہ اس اونٹ سے باہر نکلی، اندھی نے اُس پر اس طرح ریت پھینکی جیسے کسی نے پیسلے سے پھینکی ہو۔ یوحاہوہ گھبرا کر تیچھے پڑی۔ ایک آدمی جو تیچھے سے آیا تھا، اُس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

”اوہ... تم عورت ہو۔“ اُس آدمی نے پوچھا۔ ”اکیلی ہو؟ تم اکیلی نہیں ہو سکتی۔“ ”میرے ساتھ چار آدمی ہیں۔“ یوحاہوہ نے اپنا چہرہ اڑھنی میں چھپا کر کہا۔ ”ان کے پاس گھڑے ہیں۔ ان کے پاس تلواریں اور برچھیاں ہیں۔“

”کہاں ہیں وہ؟“ اُس آدمی نے کہا۔ ”تم ان سے الگ ہو کر ادھر کیوں آتی تھیں؟.....“ ”میں ادھر سے آؤں گا اچھا غار ہے۔ ہم سب آسانی سے اس میں بیٹھ سکیں گے۔“ یوحاہوہ دھل سے نہ ہلکی۔ اُس آدمی نے اُسے تین بار کہا کہ وہ اُن آدمیوں کو ساتھ لے آئے لیکن یوحاہوہ کی زبان بند ہو گئی تھی۔ اُس آدمی نے چھپٹا مار کر یوحاہوہ کی اڑھنی کھینچ لی۔

ہو کر بھاگ اٹھتے ہیں۔

ایک ریت کی ایک دیوار جو زمین سے آسمان تک پہنچی ہوئی تھی بڑی تیزی سے آئی اور اہل یہودیوں کی گھوڑا گاڑی کو اس دیوار نے نکل لیا۔ فضلال ہو گئی۔ ریت کے پتھر ٹپڑے اتنی زور سے پڑے کہ جیسے بڑی طوفان میں موجیں اٹھ اٹھ کر تھکی تھکی پڑتی اور تھکی تھکی ہیں۔ ٹیلے جڑوں سے اکھڑا لگے۔ صحرائی اندھی میں رک کر کھڑے ہو جانا بہت ہی خطرناک ہوتا ہے۔ ریت اس طرح جسم سے لٹک کر وہیں اکٹھی ہونے لگتی ہے جیسے کوئی پیلے سے ریت پھینک رہا ہو۔ کچھ دیر بعد وہاں بڑی کی اونچی ڈھیری بن جاتی ہے اور اس میں ایک انسان دفن ہوتا ہے مگر وہ زندہ رہ نہیں سکتا۔

”اندھی ہمارے پہلو کی طرف سے آئی تھی۔“ یوحاہوہ نے سنایا۔ ”گھوڑے ریت لے لے ہوئے جھکڑ برداشت نہ کر سکے اور بے لگام ہو گئے۔“ انہوں نے اپنا رخ اندھی کی رخ کے مطابق کر لیا اور سر پٹ دوڑ پڑے۔ آگے چھوٹے بڑے گھڑے آگے کھڑا ہوا بڑی زور سے اچھلتی، ڈوٹتی اور بے لگام گھوڑوں کے رحم و کرم پر اڑتی جا رہی تھی۔ گاڑی سے اندر اس قدر ریت آ رہی تھی کہ اپنا آپ بھی نظر نہیں آتا تھا....

”ایک جگہ گاڑی کے ایک طرف کے پتے گڑھے میں چلے گئے یا دوسری طرف لے پتے اونچی جگہ چڑھ گئے۔ گاڑی ایک طرف سے آئی اور اٹھ گئی کہ اس کا پہلو کے بل گرنا تھا لیکن گاڑی نہ گری۔ اسے اتنا سخت جھٹکا کہ لگا کہ اس میں جو اُس طرف تھی، لڑاکا کر باہر چلا گاڑی آگے نکل گئی۔ میں فلا بازیاں لگاتی تھی۔ سنبھل کر اچھی اور اپنے ساتھیوں کو پکارا کہ اندھی نے زناؤں اور اس کی چیخوں میں اپنی آواز مجھے بھی مشکل سے سنائی دے رہی تھی میرے ساتھ گاڑی جو بیٹھ تھی، انہوں نے شاید مجھے کرتے نہیں دیکھا تھا۔ اگر دیکھا تھا تو ان میں سے کسی نے ہمت نہ کی کہ میرے پیچھے کود آتا کہ میں نہ مانہ رہتی....

”میں اتنی خوفزدہ کبھی نہیں ہوئی تھی اور میں ایسی خوفناک اندھی میں کبھی نہیں چھنی تھی۔ اندھی کچھ نظر نہیں آتا تھا میرے نیچے کوئی راستہ نہیں تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ گھوڑے صحیح رخ سے ہٹ کر نہ جانے گاڑی کو کس طرف لے آئے تھے۔ میں چہرے پر کپڑا دالے اندھی رخ میں جا رہی تھی۔ پاؤں جیسے نہیں تھے۔“



یوحاہوہ کو اندھی دھلیکتی لے جا رہی تھی۔ ایک ناک اندھی کی چیخیں بہت ہی بلند اور راولی ہو گئیں۔ یوحاہوہ پہلے بچے گئی۔ وہ گھٹائی تھی جو وہ اندھی کے زور پر اتر گئی، پھر وہ ایک دیوار سے ٹکرائی۔ یہ ریتی مٹی کی دیوار تھی۔ یوحاہوہ اس پر ہاتھ رکھ رکھ کر اس کے جلتی گئی۔ نشیبی جگہ تھی جس میں مٹی کے اور ٹنڈے منڈے سے صحرائی درخت بھی تھے۔ یہاں اندھی کی چیخیں ایسی ہوئی تھیں جیسے بہت سی اونچی چیخ چلا رہی ہوں بعض چیخیں اندھی کی لگتی ہی نہیں تھیں۔ یہ انسانوں کی بھی نہیں لگتی تھیں۔ یہ چرلہ یا دندول کی معلوم ہوتی تھیں۔

یہ یہودی حسینہ جو اپنے آپ کو نڈر اور دیکھتی تھی، خوف سے رو پڑی۔ وہ جاتی تھی کہ

”تم اُس یہودی کی بیٹی نہیں ہو؟“ اُس آدمی نے پوچھا اور یوحادہ کے باپ کا نام لے کر بولا۔ ”تم اُسی ہو؟“

”ہاں میں اُسی ہوں“ یوحادہ نے رونے ہوئی آواز میں کہا۔ ”مجھ پر رحم کرو“ یوحادہ نے اُسے بتا دیا کہ یہاں کس طرح پہنچی ہے۔

”میرے ساتھ آؤ“ اُس آدمی نے کہا اور یوحادہ کا بازو پکڑ کر اُسے اپنے ساتھ لے چلا۔ ”ذرا رکو“ یوحادہ نے کہا۔ ”تم کتنے آدمی ہو؟“ کیا تم مجھ پر رحم نہیں کرو گے؟“ اُس نے قبیلہ قریش کے آدمی ہو شاید!

”میں اکیلا ہوں“ آدمی نے کہا۔ ”اور میرا قبیلہ قریش ہی ہے میں تم پر رحم ہی کر رہا ہوں“ ”میں نے تمہیں سب سے پہلے کفر دیکھا ہے“ یوحادہ نے کہا۔ ”تمہارے نام سے میں واقف نہیں“

”میں جرید بن مسیب ہوں.... میرے ساتھ آؤ“ ”پھر تم مجھے کھڑتک پہنچا دو گے؟“ یوحادہ نے پوچھا۔ ”میں تمہیں ناراض نہیں کروں گی“

اونٹ جس کی آوازیں یوحادہ نے سُنی تھیں وہ جرید بن مسیب کا تھا جو باہر کہیں بیٹھا تھا۔ جرید یوحادہ کو غار میں لے گیا۔ جرید دروازہ دنگھے ہوئے خیمہ اور دلکش چہرے سے ہرے والا جوان آدمی تھا۔ اُس نے غار میں لے جا کر یوحادہ کو پانی پلایا اور ایک تھیلی اُس کے آگے رکھ دی جس میں کھجوریں تھیں۔

”خاموشی سے بیٹھی رہو“ جرید نے کہا۔ ”آدمی کا زور ٹوٹ رہا ہے۔ میں تمہیں گھر پہنچا دوں گا“۔ ذرا خاموش رہ کر اُس نے یوحادہ سے پوچھا۔ ”تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ میں یہاں ناراض نہیں کروں گی؟“

”تم مجھے کھڑتک پہنچانے کا معاوضہ لو گے“ یوحادہ نے کہا۔ ”میں اور کیا معاوضہ دے سکتی ہوں؟“

”میں کوئی معاوضہ نہیں لوں گا“ جرید نے کہا۔ ”میں اُن میں سے نہیں ہوں۔ اگر میں نے تمہیں کسی سے لڑکر چھینا ہوتا تو تم میرا انعام ہوتی مگر تم نے مجھ سے رحم مانگا ہے۔ رحم کرنے کا معاوضہ کون لیتا ہے؟“

یوحادہ اُس کے منہ کی طرف دیکھتی رہی۔ جرید بن مسیب لیٹ گیا۔ یوحادہ نے اُس کے ساتھ کچھ باتیں کیں۔ سختی دیر بعد اُسے یقین ہو گیا کہ جرید کی نیت میں خرابی نہیں۔ وہ تو اُس کے ساتھ لکڑی کربات بھی نہیں کرتا تھا۔ یوحادہ پریشان ہو گئی۔

”جرید!۔ یوحادہ نے پوچھا۔ ”کیا میں خوبصورت نہیں؟ کیا تم مجھے پسند نہیں کرتے؟“ جرید نے قہقہہ لگایا مگر بولا ”مجھے بھی نہیں۔“

”تم کیوں ہنسے ہو؟“ یوحادہ نے پوچھا۔ ”میں تمہاری ہنسی سے ڈر گئی ہوں۔“

”خدا کی قسم تم بہت خوبصورت ہو“ جرید نے کہا۔ ”تم میری پسند کی لڑکی ہو لیکن جس طرح اور جس جگہ تم مجھے ملی ہو یہ مجھے پسند نہیں.... میری مردانگی کو مت لٹکارو تمہارا جسم مجھے بہت اچھا لگتا ہے لیکن میرے دل تو تم پر لعنت بھیجیں گے کہ میں نے مصیبت میں پھنسی ہوئی لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور اُس کے جسم کو اپنا انعام سمجھ لیا“

جرید پھر خاموش ہو گیا۔ یوحادہ کے دل سے خوف نکلتا چلا گیا اور جرید اُسے بڑا ہی خوبصورت نظر آنے لگا۔

”آدمی کا زور ٹوٹا تو سورج ڈوب رہا تھا۔ اُس نے مجھے کہا، آؤ چلیں۔ میں اُس کے پیچھے پیچھے غار سے نکلی کچھ دور اُس کا اونٹ لیٹے کے ساتھ لگا بیٹھا تھا۔ وہ اونٹ پر بیٹھا اور مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ اُس کے اشارے پر اونٹ اٹھا اور چل پڑا۔ گردوغبار صاف ہو گیا تھا۔ میں نے وہ جگہ دیکھی۔ وہ بڑی ہی ڈراؤنی جگہ تھی۔ میں نے اُس جگہ کے متعلق کچھ پراسرار باتیں سنی تھیں۔ آدمی میں تو میں دیکھ نہ سکتی تھی کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ آدمی کے بعد دیکھا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بعض لیٹے انسانوں کی طرح تھے۔ ان کا رنگ بھی ڈراؤنا تھا....“

”میں شرمساری جاتی ہوں۔ اونٹ کو دوڑا سکتی ہوں لیکن اُس شام جرید کے پیچھے اونٹ پر بیٹھے ہوئے میں نے اُس کے گھر میں گر پڑوں گی۔ میں نے جرید کی کمر میں بازو ڈال کر اُسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ مجھ میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ میں بڑی کمزور لڑکی ہوں اور جرید بن مسیب میرا محافظ ہے۔ آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ میں اپنے مذہب کے لیے یہ کی کر رہی ہوں لیکن آپ کو یہ معلوم نہیں ہو گا کہ اس راستے پر مجھے میرے باپ نے ڈالا ہے؟“

یوحادہ نے انہیں بتایا کہ جب اہل قریش بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھا کر آئے تو اُن کی عورتوں نے بازو لہرا لہرا کر یمن کیسے تھیں۔ یوحادہ کا باپ کلمہ یہودی تھا۔ قریش کی شکست پر اُس کے اہل گھر آئے تھے۔ اُس نے کہا تھا کہ قریش کے ایک بڑا بڑا جنگجو اگر رسول خدا کے تین سو بیویاں آدمیوں سے شکست کھا آئے ہیں تو اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ”مجھ کو کوئی جادو لے کے آیا ہے۔“ اُس نے کہا تھا۔ ”مجھ کے پیروکار اسی قبیلہ قریش کے آدمی ہیں۔ وہ آسمان سے نہیں اترے، پھر وہ جیتا کس طرح گئے؟“

اُس وقت یوحادہ کھن تھی۔ اگلے روز اُس کے باپ نے گھر والوں کو اپنا خواب سنایا جو اُس نے گذشتہ رات دیکھا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھ میں تلوار ہے جو خون سے لال ہے اور اُس کے سامنے ایک آدمی زمین پر پڑا ترپ رہا ہے۔ اُس کے کپڑے خون سے لال ہیں۔ یوحادہ کو معلوم

نہیں کہ یہ کون ہے جسے اُس نے قتل کر دیا ہے۔ اُسے ایک آواز سنائی دیتی ہے۔ ”یہ کام تمہارا ہے۔“
 ہے۔ تڑپتا ہوا زخمی مرنے لگا اور لاش اپنے آپنے میں غائب ہو جاتی ہے۔ وہاں سے اُس کے
 بڑی خوبصورت اور کمرن لڑکی ابھرتی ہے جس کے ہاتھوں پر سکراٹھ ہے۔

اُس پر اس غراب کا ایسا اثر ہوا کہ وہ لیث بن موشان کے پاس چلا گیا اور اُس سے خواب کو
 پوچھی۔ لیث بن موشان نے اُسے بتایا کہ وہ اپنی کس بیٹی یوحادہ کو اسلام کی جڑیں کاٹنے کے سبب
 وقت کر دے۔ اس بوڑھے یہودی جادوگر نے یہ پیشین گوئی بھی کی تھی کہ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے
 یعنی رسول کریم، وہ اس لڑکی کے ہاتھوں قتل ہوں گے یا یہ لڑکی اُن کی نبوت کے خاتمے کا ذریعہ بنے گی۔

اُس نے یوحادہ کے باپ سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ یوحادہ کو اُس کے پاس لے آئے۔
 یوحادہ کو لیث بن موشان کے حوالے کر دیا گیا۔



”میں نے اس لڑکی کی تربیت کی ہے۔“ لیث بن موشان نے یوحادہ کی بات کاٹ کر کہا۔
 ”خدا نے یہود نے اسے جو سن اور جو ہم دیا ہے۔ یہ ایک دلکش تیار ہے یا اسے بڑا مٹھا زہر سمجھو
 لیں۔ اس نے قریش کو مسلمانوں سے ٹھکانے میں جو کام کیا ہے وہ تم میں سے کوئی نہیں کر سکتا چرنا
 چھوٹے قبیلوں کے سرداروں کو اس لڑکی نے قریش کا اتحاد دی اور محمد کا دشمن بنایا ہے۔ اب اُس نے
 محمد کے قتل کا جو انتظام مجھ سے کرایا ہے، وہ اسی سے سنو۔“

یوحادہ نے سنا یا کہ لیث بن موشان نے اُس میں ایسی جرأت اور ایسی عقل پیدا کر دی کہ وہ بڑوں
 پر اپنے سُن کا جادو چلانے کی ماہر ہو گئی جیسے لڑکی ہونے کو اس میں مردوں جیسی جرأت آگئی تھی
 لیکن اُس کا اُستاد اُسے یہ نہ بتا سکا کہ جس نئے عقیدے کو روکنے کا وہ جس شخصیت کے قتل کا ارادہ
 لے کر نکلا ہے، وہ عقیدہ خدا نے اُتارا ہے اور اُس شخصیت کو خدا نے اس عقیدے کے
 فروغ کے لیے رسالت عطا کی ہے۔

یوحادہ کی تربیت ایسی ہی ہوئی کہ وہ اپنے مذہب کو دنیا کا واحد سچا مذہب سمجھتی رہی اور یہ نہ
 سمجھ سکی کہ حق پرستوں پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ خدا نے اُنہی میں اُسے تنہا چن لیا تھا۔ وہ لیث بن
 خدا کا یہ اشارہ نہ سمجھ سکی کہ اُس نے وہ جرأت کے معاملے میں اپنے آپ کو مردوں کے برابر سمجھتی تھی
 کہاں وہ ایک کمزور اور بے بس لڑکی بن گئی۔

وہ مرد کے جسم سے نا آشنا نہیں تھی۔ جرید بن مسیب کا جسم بھی ایک مرد کا ہی تھا لیکن اس
 جسم کو وہ مقدس اور پاک سمجھنے لگی اور مرد پر اُسے فرشتے لگے لگا۔ وہ جہتھی کہ وہ اُس کے جہن جہن
 رشیم جیسے بالوں اور دلکش جسم سے ذرا سا بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔ یوحادہ پر چرید کے اس رویے کا
 اثر ہوا کہ وہ جرید کے جسم میں کشش محسوس کرنے لگی۔

مکہ و مدینہ میں شام کے بعد جب رات گھری ہو چکی تھی، جرید نے یوحادہ کو اُس کے گھر
 دیا۔ یوحادہ کے قلعہ نما مکان کا دروازہ کھلا تو اُس کا باپ پریشان نظر آیا۔ اُسے تو یقین نہیں تھی کہ اُس
 کی بیٹی زندہ واپس آجائے گی۔ اُنہوں نے جرید کو روک لیا اور شراب سے اُس کی توجہ کی جرید جب

چلا گیا تو یوحادہ نے اپنی ذات میں خلل محسوس کیا۔

دوسرے ہی روز اُس نے جرید کو پیغام بھیجا کہ اُس سے ملے۔ جرید آگیا۔ یہ ایک جذباتی ملاقات
 تھی۔ جرید نے یہ ملاقات جذبات تک ہی رہی۔ اس کے بعد اُن کی ملاقاتیں ہوتی رہیں اور جرید کے
 دل میں بھی یوحادہ کی محبت پیدا ہو گئی۔ یہ محبت پاک رہی۔ یوحادہ حیران تھی کہ اُس کے اندر پاکیزہ اور اللہ مانہ
 محبت کے جذبات موجود ہیں۔ ایک روز جرید نے یوحادہ سے پوچھا کہ وہ اُس کے ساتھ شادی
 کیوں نہیں کر لیتی؟

”نہیں۔“ یوحادہ نے جواب دیا۔ ”میں تمہارے خیم کی پوجا کرتی ہوں۔ شادی ہو گئی تو
 جذبات مرنے لگتے۔“

”میری بیٹیاں ہیں بیٹا کوئی نہیں۔“ جرید نے اُسے کہا۔ ”میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں۔
 مجھے بیٹا چاہیے۔“

یوحادہ سوچ میں پڑ گئی۔ وہ جرید بن مسیب کی یہ خواہش پوری کرنا چاہتی تھی۔ اُسے ایک راستہ
 نظر آگیا۔

”تمہارا ایک بزرگ ہے لیث بن موشان۔“ یوحادہ نے کہا۔ ”اُس کے پاس کوئی علم ہے۔
 اُس کے ہاتھ میں کوئی طاقت ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ اپنے علم اور عمل کے زور سے تمہیں اسی پوری
 سے بیٹا دے گا تم میرے ساتھ چلو۔ وہ میرا اتالیق ہے۔“
 جرید اُس کے ساتھ لیث بن موشان کے پاس جانے کے لیے تیار ہو گیا۔



اُن کی دوستی دو آدمیوں یا دو عورتوں کی دوستی کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ وہ جب اکٹھے بیٹھتے
 تو رسول اکرم کے خلاف بھی باتیں کرتے تھے۔ اسلام کے فروغ کو روکنے کے منصوبے بھی بناتے
 تھے لیکن جرید مسلمانوں کے خلاف کسی جگہ کارروائی میں شریک نہیں ہوتا تھا۔ یوحادہ کو اُس کی یہ بات
 پسند نہیں تھی۔ اُسے وہ گستاخی اور جھڑکا تھی۔

”میرا مذہب تم ہو۔“ جرید بن مسیب نے اُسے ایک روز فیصلے کے لمحے میں کہہ دیا تھا۔
 ”میری ہی پوری نہیں بن سکتیں تو نہ سہی، میں نہیں دیکھے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔“

”میں نہیں ایک راز بتا دیتی ہوں جرید!۔“ یوحادہ نے اُسے کہا تھا۔ ”میں کسی کی بھی پوری نہیں
 بنوں گی میرے باپ نے میری زندگی یہودیت کے لیے وقف کر دی ہے۔ لیث بن موشان نے
 مجھے یہ فرض دیا ہے کہ اسلام کے زیادہ سے زیادہ دشمن پیدا کروں۔ میرے دل میں اپنے مذہب
 کے بعد تمہاری محبت ہے۔ مجھے تم اپنی ملکیت سمجھو۔“

ایک روز جرید یوحادہ کے ساتھ لیث بن موشان سے ملنے اُس کے پاس چلا گیا۔ یوحادہ
 اُسے لیث بن موشان کے سامنے لے جانے کی بجائے پہلے خود اندر گئی اور اُس نے لیث کو صاف
 الفاظ میں بتایا کہ وہ محبت کا دیوتا سمجھتی ہے۔ اس نے لیث بن موشان کو بتایا کہ جرید نے اُسے
 موت کے منہ سے نکالا تھا۔ اُس نے لیث کو بتایا کہ جرید کی بیٹیاں ہیں بیٹا ایک بھی نہیں۔

”کیا آپ کے علم میں اتنی طاقت ہے کہ جرید کی بیوی کے لبوں سے لڑکا پیدا ہو؟“
نے پوچھا۔

”کی نہیں ہو سکتا۔ لیث بن موشان نے کہا۔ ”پہلے میں اُسے دیکھوں گا پھر بتا سکوں گا“
مجھے کیا کرنا پڑے گا۔ اُسے میرے پاس بھیج دو“

یوحادہ نے اُسے اندر بھیج دیا اور غور باہر کھڑی رہی۔ بہت سا وقت گزر جانے کے بعد
لیث بن موشان نے جرید کو باہر بھیج کر یوحادہ کو اندر بلایا۔

”جو شخص تم جیسی خوبصورت اور دل کش لڑکی کے ساتھ اتنا عرصہ پاک محبت کر سکتا ہے وہ بہت
مضبوط شخصیت کا آدمی ہے۔“ لیث بن موشان نے کہا۔ ”یادہ اس قدر کمزور شخصیت
سمکتا ہے کہ تمھارے خُن کا جاوا اپنے اُپر طاری کر کے تمھارا غلام ہو جائے۔“
”جرید مضبوط شخصیت کا آدمی ہے۔“ یوحادہ نے کہا۔

”جرید کی ذات بہت کمزور ہے۔“ لیث بن موشان نے کہا۔ ”میں نے تمھارے متعلق
اس کے ساتھ کوئی بات نہیں کی میں نے اُس کی ذات میں اُن کو کمزور معلوم کر لیا ہے۔ یہ شخص تمھارا
ظلم کا امیر ہے۔“

”مقتدر تائین اُ!“ یوحادہ نے پوچھا۔ ”آپ اس کے متعلق ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں
... میں اسے ایک بیٹا دینا چاہتی ہوں۔ مجھے اس کے ساتھ اتنی محبت ہے کہ میں نے یہ بھی سنا
رکھا ہے کہ میں اس کے بیٹے کو ختم دوں گی۔“

”نہیں لڑکی اُ!“ بوڑھے لیث نے کہا۔ ”تمھاری کوکھ سے اس کا بیٹا جنم نہیں لے گا۔
شخص ذلیل بنے گا اس فرض کا جو خدا تے یہود نے مجھے اور تمہیں سونپا ہے۔“

یوحادہ خاموشی سے لیث بن موشان کے چہرے پر نظر پڑ جاتے ہوئے تھی۔
”جیسے تم اپنی محبت کا دیونا بھجھتی ہو وہ اس شخص کو قتل کرے گا جو کہتا ہے کہ اُسے خدا نے
نوبت دی ہے۔“ لیث بن موشان نے کہا۔ ”جرید سے زیادہ موزوں آدمی اور کوئی نہیں ہوگا۔
”کیا آپ پیشین گوئی کر رہے ہیں؟“ یوحادہ نے پوچھا۔ ”کیس طرح قتل کرے گا؟“
”اُسے میں تیار کروں گا۔“

”یہ تیار نہیں ہوگا۔“ یوحادہ نے کہا۔ ”یہ کہا کرتا ہے کہ اس کا کوئی مذہب نہیں۔ مجھ کو بڑا
دشمن نہیں سمجھتا۔ قتل و غارت کو پسند نہیں کرتا۔“

”یہ سب کچھ کرے گا۔“ بوڑھے لیث نے کہا۔ ”اس کے وہن پریرا قبضہ ہوگا تم میرے
ساتھ ہوگی تین روز تک یہ سورج کی روشنی نہیں دیکھ سکے گا جب تم اسے باہر نکالیں گے تو یہ ایک
بات کہے گا۔ کہناں جسے خدا کا نبی اہم میں سے ہے۔ میں اُسے زندہ نہیں رہنے دوں گا۔“
”مقتدر باپ اُ!“ یوحادہ نے زہریلائی ہوئی آواز میں التجائی۔ ”جرید مارا جائے گا۔ یہ اب
شخص ہے۔۔۔“

”خدا تے یہود سے بڑھ کر محبت کے لائق کوئی نہیں۔“ لیث بن موشان نے کہا۔ ”ہمیں۔“

قرآنی دینی ہوگی۔ جرید اب مجھ کو واپس نہیں جائے گا۔“



پھر یوحادہ بھی مجھ کو واپس نہ گئی، جرید بن سیتب بھی نہ گیا۔ بوڑھے لیث نے دونوں کو تین دن
اور تین راتیں ایک کمرے میں بند رکھا۔ جرید کو اپنے سامنے چھائیں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں پھر
اُسے کچھ پلے پلا اور کچھ زلیب بڑبڑانے لگا۔ اُس نے یوحادہ کو نیم بہنہ کر کے اس کے ساتھ بٹھا دیا لیث
یوحادہ کو کھانا دے کر گئی رہی۔

یہ ضروری نہیں کہ میں تم سب کو یہ بھی بتاؤں کہ میں نے جرید کے ذہن اور اُس کی سوچوں کو کس طرح
اپنے قبضے میں لیا۔“ لیث نے کہا۔ ”میں اُسے ساتھ لایا ہوں تم اُسے خود دیکھ لو۔“
لیث بن موشان نے یوحادہ کو اشارہ کیا۔ یوحادہ باہر چلی گئی اور جرید بن سیتب کو اپنے ساتھ لے
آئی جرید نے اندر آکر سب کو باری باری دیکھا۔

”وہ یہاں نہیں ہے۔“ جرید نے کہا۔ ”میں اُسے پہچانتا ہوں۔ وہ ہم میں سے ہے۔ وہ یہاں
نہیں ہے۔“

”ذرا صبر کرو جرید اُ!“ بوڑھے لیث نے کہا۔ ”ہم تمہیں اُس تک پہنچائیں گے۔ کل... کل جرید!
... بیٹھ جاؤ۔“

جرید یوحادہ کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا اور بازو اُس کی کمر میں ڈال کر اُسے اپنے اور قریب کر لیا۔
اگلی صبح جب مدینہ میں لوگ فتح کی خوشیاں منا رہے تھے اور کعب بن اسد کے گھر رسول اکرم اور
اسلام کے خلاف بڑی ہی خطرناک سازش تیار ہو چکی تھی، رسول اکرم کو یاد دلایا گیا کہ بنو قریظہ نے جس کا
سر دار کعب بن اسد تھا، مدینہ کے محاصرے کے دوران اہل قریش اور غطفان کے ساتھ خفیہ معاہدہ
کیا تھا جسے عمر بن سعد نے بڑی دانشمندی سے بیکار کر دیا تھا۔

یہ واقعہ بھی دو چار روز پہلے کا تھا جس میں رسول اللہ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے ایک یہودی مخبر
کو قتل کیا تھا۔ مخبر اس چھوٹے سے قلعے میں داخل ہونے کا راستہ دیکھ رہا تھا جس میں مسلمانوں کی عورتوں
اور ان کے بچوں کو رکھا گیا تھا۔ اس یہودی نے ایک عورت کو اپنے مقابلے میں دیکھ کر ٹپے رعب
اور گھٹن سے کہا تھا کہ یہودی ہے اور مخبر کی لیے آیا ہے حضرت صفیہؓ نے اس کی تلوار کا مقابلہ
ڈنڈے سے کیا اور اُسے ہلاک کر دیا تھا۔

”خدا کی قسم اُ!“ کسی صحابی نے لگا کر کہا۔ ”ان یہودیوں پر اعتبار کرنا اور ان کی بدعہدی پر انہیں بخش
دینا ایسا ہی ہے جیسے اپنا خنجر اپنے ہی دل میں اتار لیا جاتے۔“

عمران بن محمد بن اسامہ اور نافع حضرت ابن عمرؓ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ معرکہ
خندق کے خاتمے پر رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ ”تم میں ہر کوئی نماز عصر بنو قریظہ کے پاس پہنچ کر پڑھے۔“
ایک اور حدیث ہے جس کے راوی حضرت انسؓ ہیں۔ انہوں نے کہا تھا۔ ”میں اب تک
نیکو چہرہ لگا کر دو غبار بنو نضیر میں اڑتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب رسول اکرمؐ
بنو قریظہ کو بدعہدی اور دھوکہ دہی کی سزا دینے گئے تھے۔“

تمام موزنین نے لکھا ہے کہ رسول کریم کے حکم سے مسلمانوں نے چڑھائی کردی اور بنو قریظہ کی قلعہ بند لٹی کو محاصرے میں لے لیا۔ احادیث کے مطابق سعد بن معاذ کو بنو قریظہ کے سرداروں کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا گیا کہ وہ اپنی بدعہدی کی سزا خود بخود کھیں۔ سعد بن معاذ زخمی تھے۔ خندق کی لڑائی میں انہیں قبیلہ قریش کے ایک آدمی حبان بن عرقہ کی برہنہ لٹی تھی۔



لیث بن موسیان، یوحادہ اور یودیوں کے تین چار سرکردہ آدمی ابھی تک کعب بن اسد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جرید بن سبیب بھی وہیں تھا۔ انہوں نے اپنی سازش کا وقت رات کا مقرر کیا لیکن ایک یہودی دوڑتا ہوا اندر آیا۔

”مسلمان آرہے ہیں۔“ اس نے گھبراہٹ سے کائنیتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”صاف نظر آتا ہے کہ وہ دوست بن کر نہیں آرہے۔ گردن تباہی ہے کہ وہ چڑھائی کر کے آرہے ہیں۔ گردن دہیں چھیل رہی ہے۔۔۔ دیکھو۔ اٹھو اور دیکھو۔“

کعب بن اسد دوڑتا باہر نکلا اور قلعے کے برج میں چلا گیا۔ وہاں سے دوڑتا اتر آیا اور لیث بن موسیان کے پاس پہنچا۔

”مقدس موسیان! کعب بن اسد نے کائنیتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”کیا آپ کا جادو ان بھیل اور تلواروں کو توڑ سکتا ہے جو ہمیں قتل کرنے آ رہی ہیں؟“

”روک سکتا ہے۔“ بڑھے لیث بن موسیان نے کہا۔ ”اگر محمدؐ کا جادو زیادہ تیز نہ ہوتا تو میں مجبور ہوں گا۔۔۔ تم اوپر جا کر کیا دیکھ آئے ہو؟“

”خدا نے یہود کی قسم! کعب بن اسد نے کہا۔ ”یہ فخری نعم بن مسعود نے کی ہے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے۔۔۔ مسلمان محاصرے کی ترتیب میں آرہے ہیں۔ ہم ہل نہیں سکیں گے۔“

”ان کو دونوں کو نکال دو۔“ لیث بن موسیان نے کہا۔ ”یوحادہ! جریدہ کو ساتھ لے کر پچھلے دروازے سے نکل جاؤ۔ میں مختارے پیچھے پیچھے آ رہا ہوں۔“

”آپ اوپر کیوں نہیں جاتے لیث بن موسیان؟ کعب بن اسد نے کہا۔ ”آپ کا وہ علم اور وہ جادو کہاں گیا جو آپ۔۔۔“

”تم اس راز کو نہیں سمجھ سکتے۔“ بڑھے لیث نے کہا۔ ”موسیٰؑ نے فرعون کو ایک دن میں ختم نہیں کر دیا تھا۔ یہ عصا جو تم میرے ہاتھ میں دیکھ رہے ہو، وہی ہے جو موسیٰؑ نے دریا میں مارا تھا تو پانی نے انہیں راستہ دے دیا تھا۔ یہ عصا اگر شمر تھا کہ فرعون کا لشکر اور وہ خود دریا میں ڈوب کر فنا ہو گیا تھا جس طرح موسیٰؑ اپنے قبیلے کو مصر سے نکال لائے تھے اسی طرح میں تمہیں یہاں سے نکال دوں گا۔“

یوحادہ اور جرید بن سبیب پچھلے دروازے سے نکل گئے اور لیث بن موسیان بھی چل پڑا۔



مسلمان جب بنو قریظہ کی لٹی کے قریب آئے تو عورتوں اور بچوں میں بڑ بولنگ بپا ہو گئی اور بھگڑنے لگی۔ عورتیں اور بچے اپنے گھروں کو بھاگے جا رہے تھے۔ کوئی آدمی مقابلے کے لیے باہر نہ آیا جو مسلمان بچیوں کی طرف سے محاصرے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے، انہیں دو آدمی اور ایک عورت نظر آئی تھیں۔ عورت بھاگے جا رہے تھے۔ آدمی جو بڑھتا تھا اور عورت اپنے ساتھی کو کھینٹ رہے تھے۔ وہ پیچھے کو مڑ کر دیکھتا اور آگے نہیں چلتا تھا۔

وہ لیث بن موسیان، جریدہ اور یوحادہ تھے۔ لیث نے جریدہ کے ذہن پر قبضہ کر کے اسے رسول کریم کے قتل پر اکادہ کر لیا تھا لیکن اب جریدہ اس کے لیے مصیبت بن گیا تھا۔ وہ اس عمل کے زیر اثر تھا جسے آج ہینڈلر کہتا ہے۔ یوحادہ اپنی محبت کی خاطر اسے اپنے ساتھ لے جا رہی تھی اسے یہی ایک نظر نظر آتا تھا کہ جریدہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارا جائے گا اور لیث جریدہ کو اس لیے اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش میں تھا کہ اسے کسی اور موقع پر رسول اللہ کے قتل کے لیے استعمال کرے گا لیکن جریدہ لیث کے عمل کو مزید کے زیر اثر بار بار کہتا تھا۔ ”کہاں ہے وہ جو اپنے آپ کو خدا کا نبی کہتا ہے۔۔۔ وہ ہم میں سے ہے۔۔۔ وہ میرے ہاتھوں قتل ہو گا۔۔۔ مجھے چھوڑ دو۔۔۔ مجھے مدینہ جانے دو۔“

ایک مسلمان نے نیکی پر کھڑے ہو کر انہیں لٹکا کر اور رکھنے کو کہا لیث اور یوحادہ نے پیچھے دیکھا اور وہ جریدہ کو ایکل چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جریدہ نے تلوار نکال لی۔

”کہاں ہے محمدؐ! جریدہ نے تلوار لہر لہر کر کے کی طرف آتے ہوئے کہا۔ وہ ہم میں سے ہے۔ میں اسے پہچانتا ہوں۔ میں اسے قتل کروں گا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔۔۔ یوحادہ میری ہے۔“ وہ لاکھڑا ہوا تھا۔ ”یوحادہ! جہل اور عزیزی سے زیادہ مقدس ہے۔ سامنے لاؤ اپنے نبی کو۔“

کون مسلمان اپنے اللہ کے رسول کی اتنی توہین پر راضی نہ تھا جس مسلمان نے ان بیوں کو لٹکا لیا تھا اس نے کہا کہ میں تیرا والا اور دوسرے لمحے تیرے جرید بن سبیب کی دایں آنکھ میں اس زکھ پڑی کے دوا نہ پہنچ چکا تھا۔ جریدہ کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی۔ اس کا دوسرا ہاتھ دایں آنکھ پر چلا گیا اور اس نے تیرے زکھ پر لپکا لپکا کر دیا۔ اس کا ہم ڈال، پھر اس کے گھٹنے زمین سے جا گئے۔ اس کا وہ ہاتھ جس میں تلوار تھی، اس طرح زمین سے لٹکا لٹکا کر لوک اور کھٹی جریدہ بڑی زور سے آگے کو گرا۔ تلوار کی لوک اس کی شہرگ میں آ گئی۔ وہ فلاں تڑپا اور ہمیشہ کے لیے جسے جس وعہ کھت ہو گیا۔



سعد بن معاذ جو زخمی تھے، کعب بن اسد کے دروازے پر جاڑ کے اور دنگ دی کعب نے غلام کو بھیجے کی بجائے خود دروازہ کھولا۔

بنو قریظہ کے سردار! سعد بن معاذ نے کہا۔ ”تیرے قبیلے کے بچے پیچھے نہ دیکھ لیا ہے کہ تیری لٹی ہمارے گھیرے میں ہے۔ کیا تو کہہ سکتا ہے کہ تو نے وہ گناہ نہیں کیا جس کی سزا آج تیرے پورے قبیلے کے لیے ہے؟ کیا تو نے سوچا انہیں تھا کہ بدعہدی کی سزا کیا ہے؟“

”مجھے انکار نہیں۔“ کعب بن اسد نے مارے ہوئے لیے میں کہا۔ ”لیکن میں نے وہ گناہ کیا نہیں جو اہل زمینان مجھ سے کرنا چاہتا تھا۔“

زیادہ تر مورخوں نے لکھا ہے کہ بنو قریظہ نے مقابلہ نہیں کیا اور اپنے کئے کی سزا پانے کے لیے قلعے سے نکل آئے۔

مدینہ میں یہودیوں کے قتل عام کے ساتھ یہ ذکر بھی سے خالی نہ ہو گا کہ اس سے پہلے مسلمانوں نے یہودیوں کے قیدیوں، بنو نضیر اور بنو قنیقاع کو ایسی ہی بدعہدی اور فتنہ پردازی پر پراپیسی ہی سزا دی تھی۔ ان قبیلوں کے بچے کچھ یہودی شام کو بھاگ گئے تھے۔ شام میں ایرانیوں کی حکومت تھی ایک یسائی بادشاہ ہرتل نے حملہ کر کے شام پر قبضہ کر لیا یہودیوں نے اس کے ساتھ بھی بدعہدی کی۔ ادھر مدینہ میں مسلمان بنو قریظہ کو قتل کر رہے تھے، ادھر ہرتل بنو نضیر اور بنو قنیقاع کا قتل عام کر رہا تھا۔

ایک حدیث ہے جو حضرت عائشہؓ کے حوالے سے شام بن عروہ نے بیان کی ہے کہ سعد بن معاذؓ اسے فیصلہ رسول کریمؐ نے قبول فرمایا اور بنو قریظہ کے یہودیوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ شام بن عروہ نے یہ بھی کہا ہے کہ ان کے والد بزرگوار نے انہیں یہ واقعہ سنا یا تھا کہ سعد بن معاذؓ کو سینے میں برہمی لگی تھی جب بنو قریظہ کو سزا دی جا چکی تو رسول اللہؐ کے حکم سے سعد بن معاذؓ کے لیے مسجد کے قریب ایک خیمہ لگا کر اس میں انہیں گھسیٹا تاکہ ان کے زخم کی دیکھ بھال آسانی سے ہوتی رہے۔

سعد بن معاذؓ اس خیمے میں لیٹ گئے لیکن اٹھ بیٹھے اور انہوں نے خدا سے دعا مانگی، کہ ان کی ایک ہی خواہش ہے کہ ہر اس قوم کے خلاف لڑیں جو اللہ کے رسولؐ کو سچائی نہیں سمجھتی مگر لڑائی ختم ہو چکی ہے۔ انہوں نے خدا سے التجائی مسلمانوں کو کوئی اور لڑائی لڑنی ہے تو مجھے اس میں شریک ہونے کے لیے زندگی عطا فرما۔ اگر یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے تو میرے زخم کو کھول دے کہ میں تیری راہ میں جان دے دوں۔ سعد بن معاذؓ یہ دعا مانیں چار آدمیوں نے سنی تھی لیکن انہوں نے اسے اہمیت نہیں دی تھی۔ صبح کی نے دیکھا کہ سعد بن معاذؓ کے خیمے سے خون بہہ رہا ہے کہ باہر آ رہا تھا۔ خیمے میں جا کر دیکھا سعد بن معاذؓ شہید ہو چکے تھے۔ انہوں نے خدا سے شہادت مانگی تھی۔ خدا نے ان کی دعا قبول کر لی۔ ان کے بیٹے کا زخم کھل گیا تھا۔



بنو قریظہ کی تنہا ہی کی خبر کہ پہنچی تو سب سے زیادہ خوشی ابو سفیانؓ کو ہوئی۔
”خدا کی قسم، بنو قریظہ کو اس بدعہدی کی سزا ملی ہے جو اس کے سردار کو سعد بن معاذؓ کے ہمارے ساتھ کی تھی۔“ ابو سفیانؓ نے کہا۔ اگر اس کا قبیلہ مدینے پر شیخوں کا مارتا رہتا تو فتح ہماری ہوتی اور ہم بنو قریظہ حکومت کی بجائے مال غنیمت دیتے۔... کیوں خالدؓ! کیا بنو قریظہ کا انجام بہت برا نہیں ہوا؟
خالدؓ نے ابو سفیانؓ کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا جیسے اُسے اُس کی بات اچھی نہ لگی ہو۔
”کیا تم بنو قریظہ کے اس انجام سے خوش نہیں ہو خالدؓ؟“ ابو سفیانؓ نے پوچھا۔

”مدینہ سے پہلے پانی کا کونڈہ اتنا زیادہ ہے کہ بڑی سے بڑی خوشی بھی میرا یہ کونڈہ کا نہیں کر سکتی۔“ خالدؓ نے کہا۔ بدعہدی کی دوسری دشمنی سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ یہودیوں نے کس کے ساتھ دغا کیا ہے؟ اپنی بیٹیوں کو یہودیت کے تحفظ اور فروغ کے لیے دوسری قوموں کے آدمیوں کی عیاشی کا ذریعہ بنانے والی قوم پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔“

”اس لیے نہیں کیا کہ تو اس سے یہ خیال میں اپنے خاندانوں کے آدمی مانگتا تھا۔“ سعد بن معاذؓ نے کہا۔ اس سے پہلے تو نے اُسے کہہ دیا تھا کہ تیرا قبیلہ مدینہ کے ان کالوں پر شیخوں مارے گا جن میں ہر ایک عورتیں اور ہمارے بچے تھے۔ تو نے ایک تجربہ کی بھیجا تھا۔ بد بخت انسان! تو نے شیخوں کا کالہ مسلمان کی صرف ایک عورت پیدا ہوئی تو وہ یہودیوں کی شیطانیت کو صرف ایک ڈنڈے سے پہلے دے گی۔“
”میں جانتا ہوں کہ میں تم سے مسعود نے خبر دی ہے کہ میں نے تم سے بدعہدی کی ہے۔“ سعد بن معاذؓ نے شکست خوردہ آواز میں کہا۔ ”تم یہ جان لو کہ یہ خیر غلط نہیں۔ میں نے جو کچھ کیا وہ اپنے قبیلے کی سلائی کے لیے کیا تھا۔“

”اب اپنے قبیلے کے لیے سزا خود ہی مقرر کر دے۔“ سعد بن معاذؓ نے کہا۔ ”تو جانتا ہے کہ معاذؓ توڑنے والے قبیلے کو کیا نادران دینا پڑتا ہے۔ اگر تو خود اپنی سزا کا فیصلہ نہیں کرتا تو کبھی تجھے معلوم ہے کہ تیرے قبیلے کا انجام کیا ہو گا۔ کیا تو بنو قنیقاع اور بنو نضیر کا انجام بھول گیا ہے۔ مجھے اس زخم کی قسم ہے کہ میں نے خندق کی لڑائی میں کھیا ہے، تیرے قبیلے کا انجام ان سے زیادہ برا ہو گا۔“

”ماں سعد!“ سعد بن معاذؓ نے کہا۔ ”میں جانتا ہوں میرے قبیلے کا انجام کیا ہو گا۔ ہمارے بچے اور ہماری عورتیں بھی تم پر جا تیں گی۔ میرا فیصلہ یہ ہے کہ معاہدے کے مطابق میرے قبیلے کے تمام لوگ کو قتل کر دو اور ہماری عورتوں اور ہمارے بچوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ وہ زندہ تو رہیں گے۔“
”صرف زندہ نہیں رہیں گے۔“ سعد بن معاذؓ نے کہا۔ ”وہ خدا کے پسے ہوئی کے پیر و کار بن کر بااثر زندگی بسر کریں گے۔... اپنے تمام آدمیوں کو باہر نکالو۔“



سعد بن معاذؓ واپس آ گئے۔
”یا رسول اللہ!“ انہوں نے رسول کریمؐ سے کہا۔ ”بنو قریظہ نے اپنی سزا خود مقرر کی ہے۔ ان میں جو آدمی لڑنے کے قابل ہیں، انہیں قتل کر دیا جائے اور عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو اپنی تحویل میں لیا جائے۔“

سب نے دیکھا کہ بنو قریظہ کے لوگ قلعے سے باہر آ رہے تھے۔ محاصرے میں سے کمی کو بھاگ نکلنے کا موقع ملا۔ تو مورخوں نے لکھا ہے کہ یہودیوں کی ہارت فتنہ و فساد اور بدعہدی سے بھری بڑی سختی سے خدا کی دھمکاری ہوئی تو تم کہا گیا تھا۔ ان کے ساتھ جس نے بھی نرمی برتی، اُسے یہودیوں نے نقصان پہنچا۔ چنانچہ بنو قریظہ کو خش و دینا بڑی خطرناک حماقت تھی مسلمانوں نے اس قبیلے کے لیے تمام آدمیوں کو قتل کر دیا جو لڑنے کے قابل تھے اور بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

دو دشمنین نے لکھا ہے کہ رسول کریمؐ نے بنو قریظہ پر فوج کشی کی تو یہودیوں نے برا سخت مقابلہ کیا۔ مسلمانوں نے کچیس روز بنو قریظہ کو محاصرے میں لے رکھا۔ آخر یہودیوں نے رسولؐ کو یہ دیکھا کہ سعد بن معاذؓ کو ان کے پاس صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے بھیجا جاتے۔ چنانچہ سعد بن معاذؓ گئے اور یہ فیصلہ کر آئے کہ بنو قریظہ کے آدمیوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو مال غنیمت میں لے لیا جائے جن یہودیوں کو قتل کیا گیا ان کی اہل و چار سوتیلی۔

”ہمیں مسلمانوں نے نہیں طوفانی آمدی نے محاصرہ اٹھانے پر مجبور کیا تھا۔“ ابو سفیان نے کہا۔
”ہمارے پاس خوراک نہیں رہی تھی۔“
”تم نہ انہیں چاہتے تھے۔“ خالد نے کہا اور اٹھ کر چلا گیا۔

خالد اب خاموش رہنے لگا تھا۔ اُسے کوئی زبردستی ملا تو وہ جھجھلا اٹھتا۔ اُس کے قبیلے کا سردار ابو سفیان اُس سے گھبرانے لگا تھا۔ خالد اُسے بزدل کہتا تھا۔ خالد نے اپنے آپ سے عہد کر رکھا تھا کہ وہ مسلمانوں کو شکست دے گا لیکن اُسے جب میدان جنگ میں مسلمانوں کی جنگی چالیں اور اُن کا جذبہ یاد آتا تھا تو وہ دل ہی دل میں رسول اکرم کو خراج تحسین پیش کرتا تھا۔ ایسا عسکری جذبہ اور ایسی عسکری فہم و فراست قریش میں ناپید تھی۔ یہ فہم و فراست خالد میں تھی لیکن اپنے قبیلے سے اسے تعاون نہیں ملتا تھا۔
آج جب وہ مدینہ کی طرف اکیلا جا رہا تھا تو اُسے معرکہ خندق سے پیانی یاد آ رہی تھی۔ اُسے غم بھی آ رہا تھا اور وہ شمسار بھی ہو رہا تھا۔ اُسے یاد آ رہا تھا کہ اُس نے ایک سال کس طرح گزارا تھا۔ وہ مدینہ پر لڑکے اور حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن اہل قریش مدینہ کا ماہر کدو بک جاتے تھے۔

آخر اُسے اطلاع ملی کہ مسلمان کدو پر حملہ کر کے آ رہے ہیں۔ اُسے یہ خبر ابو سفیان نے سنائی تھی۔
”مسلمان کدو پر حملہ کرنے صرف اس لیے آ رہے ہیں کہ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ قبیلہ قریش گدھے ڈرتا ہے۔“ خالد نے ابو سفیان سے کہا۔ ”کیا تم نے اپنے قبیلے کو کبھی بتایا ہے کہ مسلمان کدو پر حملہ کر سکتے ہیں؟ کیا قبیلہ حملہ کر سکنے کے لیے تیار ہے؟“

”اب اس بحث کا وقت نہیں کہ ہم نے کیا کیا اور کیا نہیں کیا۔“ ابو سفیان نے کہا۔ ”مجھے اطلاع دینے والے نے بتایا ہے مسلمانوں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ ہزار ہے۔۔۔ تم کچھ سوچ سکتے ہو؟“
”میں سوچ چکا ہوں۔“ خالد نے کہا۔ ”تجھے تین سو سوار دے دو میں مسلمانوں کو راستے میں روک لوں گا۔ میں کربا انیم کی پہاڑیوں میں گھات لگا دوں گا۔ وہ اسی درے سے گذر کر آئیں گے میں انہیں ان پہاڑیوں میں کبیر کر ماروں گا۔“

”تم جتنے سوار چاہو لے لو۔“ ابو سفیان نے کہا۔ ”اور فوراً روانہ ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ درے سے گذر آئیں۔“

خالد کو آج یاد آ رہا تھا کہ اس خبر نے اُس کے جسم میں نئی روح پھونک دی تھی۔ اُس نے اُسی روز تین سو سوار تیار کر لئے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔ ان میں زیادہ تر فزری پیادہ تھی۔ خالد خوش تھا کہ اپنے سواروں کی قیادت اُس کے ہاتھ میں ہے۔ اب ابو سفیان اُس کے سر پر سوار نہیں تھا۔ سب فیصلے اُسے خود کرنے تھے۔ وہ مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دینے کے لیے روانہ ہو گیا۔

خالد کچھ دیر آرام کر کے اور گھوڑے کو پانی پلا کر چل پڑا تھا۔ اُس نے گھوڑے کو تھکنے نہیں دیا تھا۔ سترے سے گھوڑا آرام آرام سے چلتا آیا تھا۔ خالد بڑی مضبوط شخصیت کا آدمی تھا۔ اُس کے ذہن میں خواہش کم اور ارادے زیادہ ہوا کرتے تھے۔ وہ ذہن کو اپنے قبضے میں رکھتا تھا، مگر مدینہ کو جانے ہوتے ذہن اُس پر قابض ہو جاتا تھا۔ یادوں کے پتھر اُسے تھے جو اُسے طوفانی سمندر میں بہتی ہوئی کشتی کی طرح بچ رہے تھے۔ کبھی اُس کی ذہنی کیفیت ایسی ہوجاتی جیسے وہ مدینہ بہت جلدی پہنچنا چاہتا ہو اور کبھی یوں جیسے اُسے کہیں بھی پہنچنے کی جلدی نہ ہو۔ اُس کی آنکھوں کے آگے منزل سراب بن جاتی اور دوری دور ہوتی نظر آتی تھی۔

گھوڑا اپنے مالک کے ذہنی خلفشار سے بے خبر چلا جا رہا تھا۔
سوار نے اپنے سر کو جھٹک کر گرد و پیش کو دیکھا۔ وہ ذرا بلند جگہ پر جا رہا تھا۔ افق سے اُرد کا سلسلہ کدو اور اوپر اٹھ آیا تھا۔ خالد کو معلوم تھا کہ کچھ دیر بعد ان پہاڑیوں کے قریب مدینے کے مکان ابھر رہے ہوں گے۔

اُسے ایک باہر خندق اور پانی یاد آئی اور اُسے مسلمانوں کے ہاتھوں چار سو ہودو لوں کا قتل بھی یاد آیا۔ بنو نضیر کی اس تباہی کی خبر پر قریش کا سردار ابو سفیان تو بہت خوش ہوا تھا مگر خالد کو نہ خوشی ہوئی نہ افسوس ہوا تھا۔

”قریش یہودیوں کی فریب کاریوں کا سہارا لے کر محمد کے پیروکاروں کو شکست دینا چاہتے ہیں۔“ خالد کو خیال آیا۔ اُس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیرا جیسے اس خیال کو ذہن سے صاف کر دینا چاہتا ہو۔ اُس کا ذہن پیچھے ہی پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔ گھنٹیوں کی ترنم آوازیں اُسے فانی سے نکال لاتی تھیں۔ اُس نے دانتیں باتیں دیکھی۔ باتیں طعنے و مبالغہ نشیب تھا۔ خالد اوپر اوپر جا رہا تھا۔ نیچے چار اونٹ چلے آ رہے تھے۔ اونٹ ایک دوسرے کے پیچھے تھے۔ ان کے پہلو میں ایک گھوڑا تھا۔ اونٹوں پر دو عورتیں، چند بچے اور وہ آدمی سوار تھے۔ اونٹوں پر سامان بھی لدا ہوا تھا۔ گھوڑا سوار بڑھتا آدمی تھا۔ اُس کی رفتار تیز تھی۔ خالد نے اپنے گھوڑے کی رفتار کم کر دی۔

اونٹوں کا پتھر سا قافلہ اُس کے قریب آ گیا۔ بوڑھے گھوڑا سوار نے اُسے پہچان لیا۔

”تھرا ستر آسان ہو ولید کے بیٹے!۔“ بوڑھے نے بازو بلند کر کے لہرایا اور بولا۔ ”نیچے آ جاؤ۔ کچھ دیر کھٹے چلیں گے۔“

خالد نے گھوڑے کی نگاہ کو ایک طرف جھٹک دیا اور ایک سی ٹیڑ لگائی۔ گھوڑا اپنے اُتر گیا۔
”ہا!۔“ خالد نے اپنا گھوڑا بوڑھے کے گھوڑے کے پہلو میں لے جا کر خوشی کا اظہار کیا اور کہا۔ ”اب عزت!۔۔۔۔۔ اور یہ سب تمہارا خاندان ہے۔“

ہے جو کہ تین کسی نے نہیں بتایا تھا کہ مدینہ پر حملے کے لیے غطفان اہل قریش سے کیوں جا ملا تھا اور دوسرے قبیلوں کے سرداروں نے کیوں ابوسفیان کو اپنا سردار تسلیم کر لیا تھا؟.... یہ یوحنا وہاں اس جیسی چار بیرونوں کا جادو چلا تھا؟

☆

گھوڑے اور اونٹ چلے جا رہے تھے۔ اونٹوں کی گردنوں سے لٹکتی ہوئی گھنٹیاں بوڑھے ابو جریج کے بولنے کے انداز میں جل ترنگ کا ترنم پیدا کر رہی تھیں۔ خالد انھماک سے سن رہا تھا۔
 ”جرید بن سہیب یوحنا کے عشق کا اسیر ہو گیا تھا۔“ ابو جریج کہہ رہا تھا۔ ”تم نہیں جانتے ابنا لید! یوحنا کے دل میں اپنے مذہب کے سوا کسی آدمی کی محبت نہیں تھی۔ وہ جرید کو اپنے طلسم میں گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ میں لیث بن موسان کو جانتا ہوں جو ان میں ہماری دوستی تھی جادوگری اور شعبہ بازی اس کے باپ کا فن تھا۔ باپ نے یزن اسے ورثے میں دیا تھا۔... تم میری بات سن رہے ہو لید کے بیٹے یا انکا رہے ہو؟.... اب میں باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتا۔“
 خالد ہنس پڑا اور بولا۔ ”سن رہا ہوں ابو جریج! غور سے سن رہا ہوں۔“

”یہ تو تمہیں معلوم ہو گا کہ جب ہمارے لشکر کو مسلمانوں کی خندق اور آندھی نے مدینے کا محاصرہ اٹھا کر پسپائی پر مجبور کر دیا تو محمدؐ نے بنو قریظہ کی لہجی کو گھیر لیا تھا۔“ ابو جریج نے کہا۔ ”لیث بن موسان اور یوحنا جرید بن سہیب کو دیں چھوڑ کر نکل بھاگے۔“

”ہاں! ابو جریج!“ خالد نے کہا۔ ”مجھے معلوم ہے کہ مسلمانوں نے بنو قریظہ کے تمام مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔“

”میں جانتا ہوں تم میری باتوں سے انکا گتے ہو۔“ ابو جریج نے ہنستے ہوئے کہا۔

”تم میری پوری بات نہیں سن رہے۔“

”مجھے یہ بات دہاں سے سناؤ۔“ خالد نے کہا۔ ”جہاں سے میں نے پہلے نہیں سنی۔ میں وہاں تک جانا ہوں کہ جرید بن سہیب اسی باگل پن کی حالت میں مارا گیا تھا جو اس بوڑھے یہودی شعبہ باز نے اس پر طاری کیا تھا اور وہ خود یوحنا کو ساتھ لے کر وہاں سے نکل بھاگا تھا۔“

”بھڑکیوں بڑا۔“ ابو جریج نے کہا۔ ”انہی کہ پھاڑیوں کے اندر جو بستیاں آباد ہیں وہاں کے رہنے والوں نے ایک رات کسی عورت کی چھین سنیں۔ تین چار دلیہ شرم کے آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر تلواریں اور بڑھیاں اٹھا کر سر پہلے دوڑے گئے لیکن انہیں وہاں کوئی عورت نظر نہ آئی اور چھین بھی خاموش ہو گئیں۔ وہ ادھر ادھر گھوم پھر کر واپس آ گئے۔“

”چھین محرومی لوڑیوں یا کسی بھی شے کی بھی ہو سکتی تھیں۔“ خالد نے کہا۔

”بھڑکیے اور عورت کی چھین میں بہت فرق ہے۔“ ابو جریج نے کہا۔ ”لوگ اسے کسی مظلوم عورت کی چھین سمجھتے تھے۔ وہ یہ سمجھ کر چپ ہو گئے کہ کسی عورت کو ڈاکو لے جا رہے ہوں گے یا وہ کسی ظالم خاندان کی بیوی ہو گی اور وہ سفر میں ہوں گے لیکن اگلی رات ہی چھین ایک اور لہجی کے قریب سنائی دیں۔ وہاں کے چند آدمی بھی ان چھین کے تعاقب میں گئے لیکن انہیں کچھ نظر نہ آیا۔ اس کے بعد دوسری سیر رات کچھ دیر کے لیے یہ سنوائی چھین سنائی دیتی تھیں اور رات کی خاموشی میں تحلیل ہو جاتی۔“

”ہاں! بوڑھے ابو جریج نے کہا۔“ ”یہ میرا خاندان ہے.... اور تم خالد بن ولید! کہہ کر ان کی کیا ہے؟ مجھے یقین ہے تم مدینہ کو نہیں جا رہے.... مدینہ میں تمہارا کیا کام؟“
 یہ قبیلہ غطفان کا ایک خاندان تھا جو قحط مکا کی کر کے کہیں جا رہا تھا۔ ابو جریج نے خود ہی کچھ دیا تھا کہ خالد مدینہ کو نہیں جا رہا تو خالد نے اسے بتانا مناسب بھی نہ سمجھا۔

”اہل قریش کیا سوچ رہے ہیں؟“ ابو جریج نے کہا۔ ”کیا یہ صحیح نہیں کہ محمدؐ کو لوگ ہی مانتے ہی چلے جا رہے ہیں؟ کیا ایسا نہیں ہو گا کہ ایک روز مدینہ والے مکر پر چڑھ دوڑیں گے اور ابوسفیان ان کے آگے ہتھیار ڈال دے گا؟“

”جو سردار اپنی شکست کا انتقام لینا ضروری نہیں سمجھا وہ ہتھیار ڈالنے کو بھی برا نہیں سمجھے گا۔“ خالد نے کہا۔ ”کیا تمہیں یاد نہیں کہ ہم سب مل کر مدینہ پر حملہ کرنے گئے تھے تو مدینے والوں نے اپنے ارد گرد خندق کھودی تھی؟“ خالد نے کہا۔ ”ہم خندق بھلا لگ سکتے تھے۔ میں خندق بھلا لگ گیا تھا مگر سبھی خندق کے پار چلا گیا تھا مگر ہمارا لشکر جس میں تمہارا بھائی بھی تھے، دور کھڑا تھا اور ہتھیار ڈال دیا۔ مدینہ سے پسپا ہونے والا سب سے پہلا آدمی ہمارا سردار ابوسفیان تھا۔“

”میرے بازوؤں میں طاقت نہیں رہی اب ولید! ابو جریج نے اپنا ایک ہاتھ جو ضعیفی سے کانپ رہا تھا، خالد کے آگے کر کے کہا۔ ”میرا جرم ذرا سبھی ساتھ دیتا تو میں بھی اس محلہ کے بن پنے قبیلے کے ساتھ ہوتا.... اس روز میرے آنسو نکل آئے تھے جس روز میرا قبیلہ مدینہ سے پسپا ہو کر لوٹا تھا۔“ اگر کعب بن اسد دھوکہ نہ دیتا اور مدینہ پر تین چار شب خون مار دیتا تو فتح یقیناً تمہاری ہوتی۔“
 خالد گھبرا اٹھا۔ اس نے ابو جریج کو قہر کی نظروں سے دیکھا اور چپ رہا۔

”کیا تم نے سنا تھا کہ یوحنا وہاں بیرون نے تمہارے قبیلے کے ایک آدمی جرید بن سہیب کو محمدؐ کے قتل کے لیے تیار کر لیا تھا؟“ ابو جریج نے پوچھا۔

”ہاں! خالد نے کہا۔“ ”سنا تھا.... اور مجھے یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ جرید بن سہیب میرے قبیلے کا آدمی تھا.... کہاں ہے وہ؟ ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے، اس کا پتہ نہیں چلا۔ میں نے سنا تھا کہ یوحنا وہاں بیرون اسے اپنے ساتھ یہودی جادوگر لیث بن موسان کے پاس لے گئی تھی اور اس نے جرید کو محمدؐ کے قتل کے لیے تیار کیا تھا مگر مسلمانوں کی تلواروں کے سامنے لیث بن موسان کا جادو جواب دے گیا جرید بن سہیب مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ بنو قریظہ میں سے زندہ بھاگ جانے والے صرف دو تھے۔ لیث بن موسان اور یوحنا۔“

”اب صرف ایک زندہ ہے۔“ ابو جریج نے کہا۔ ”لیث بن موسان.... صرف لیث بن موسان زندہ ہے۔“

”اور جرید اور یوحنا؟“

”وہ مدینہ میں گئے تھے۔“ ابو جریج نے کہا۔ ”میں نہیں ان کی کہانی سنا سکتا ہوں۔ تم نے یوحنا کو دیکھا تھا۔ وہ مسکرتی ہی رہنے والی تھی۔ اگر تم کو گے کہ اسے دیکھ کر تمہارے دل میں پھل نہیں ہوتی تھی اور تم اپنے اندر صراحت کی محسوس نہیں کرتے تھے تو خالد! میں کہوں گا کہ تم جھوٹ بول

شیر بے نیام حصہ اول

نے بتایا کہ وہ دو چٹانوں کے درمیان سے گزر رہا تھا کہ ایک چٹان کے اوپر سے ایک عورت چلتی چلائی اتنی تیزی سے اتنی جتنی تیزی سے کوئی عورت نہیں اتر سکتی....
"یہ آدمی اس طرح ٹک گیا جیسے ہشت زندگی نے اس کے جسم کی قوت سلب کر لی ہو وہ عورت اتنی تیزی سے آ رہی تھی کہ ٹک نہ سکی۔ وہ اس آدمی کے ساتھ ٹکرائی اور پیچ نکال کر آگے بڑھی۔ تم آہ گئے جہیز میں جاتی تھی تم زندہ ہو۔ او چلیں...."

"اس شخص نے اُسے بتایا کہ وہ جہیز نہیں لیکن وہ عورت اُسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتی رہی اور کہتی رہی۔ تم جہیز ہو۔ تم جہیز ہو۔ اس شخص نے اُس سے آزاد ہونے کی کوشش میں اُسے دھکا دیا۔ وہ گر پڑی اور اُنھ کھڑی ہوئی۔ یہ آدمی اُسے کو پیگل عورت سمجھ کر وہیں کھڑا رہا۔ وہ اس طرح اُس کی طرف آئی کہ اُس کے دانت بھڑکیوں کی طرح باہر نکلے ہوئے تھے اور اُس نے ہاتھ اس طرح آگے کر کے تھے کہ اُس کی انگلیاں درندوں کے پنجوں کی طرح ٹیڑھی ہو گئی تھیں۔ یہ آدمی ڈر کر اُلٹے قدم پیچھے ہٹا اور ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کھینچے کے بل کھڑا یہ عورت اس طرح اُس پر گری اور پیچھے اُس کے پھرے پر گرا ڈیئے جیسے بیڑ باپ نے شکار کو بچوں میں دبوچ لیتا ہے۔ اُس نے اس آدمی کا چہرہ نوچ ڈالا...."

"اُس نے اس عورت کو دھکا دے کر پرے کیا اور اس کے نیچے سے نکل آیا لیکن اُس عورت نے اپنے ناخن اس شخص کے پہلوؤں میں انار دیتے اور اس کے کپڑے بھی بھاڑ ڈالے اور کھال بھی بڑی طرح غمی کر دی۔ اس زخمی نے بتایا کہ اس عورت کی آنکھوں اور منہ سے شعلے سے نکلنے ہوئے نموس ہوتے تھے۔ وہ اسے انسانوں کے زوہ میں آیا جہاں کوئی درندہ سمجھا۔ اس آدمی کے پاس خنجر تھا لیکن اس کے ہوش ایسے گم ہوئے کہ وہ خنجر نکالنا بھول گیا۔ اتفاق سے اس آدمی کے ہاتھ میں اس عورت کے بال آ گئے۔ اس نے بالوں کو ٹھکی میں لے کر زور سے جھٹکا دیا۔ وہ عورت چٹان پر گری۔ یہ آدمی بھاگ اٹھا۔ اسے اپنے پیچھے اس عورت کی چھینٹیں سنائی دیتی رہیں۔ اُسے بالکل یاد نہیں تھا کہ وہ اس لبتی تک کس طرح پہنچا ہے۔ وہ ان غراشوں کی وجہ سے بہوش نہیں ہوا تھا۔ اُس پر ہشت سوار تھی...."

"پھر دو مسافروں نے بتایا کہ انہوں نے راستے میں ایک آدمی کی لاش پڑی دیکھی ہے جسے کسی دندے نے چیر چھا ڈکھلا کر ہلاک کیا ہو گا۔ انہوں نے بتایا کہ اُس کے کپڑے پیٹھے ہوئے تھے اور تمام جسم پر خراشیں تھیں۔ اُس جگہ کے قریب جس جگہ اس عورت کی موجودگی بتائی جاسکتی تھی، جھوٹی سی ایک لبتی تھی۔ وہاں کے لوگوں نے نقل مکانی کا ارادہ کر لیا لیکن یہودی جادوگر لیسٹ بن موشان پہنچ گیا۔ اسے کسی طرح پہنچل گیا تھا کہ ایک عورت اس علاقے میں جہیز پر بیکاری اور جیتی چلائی رہتی ہے اور جو آدمی اُس کے ہاتھ آجائے اسے چیر پھاڑ دیتی ہے۔"

ابو جریج نے خالہ کو باقی بھائی یوں سنائی۔ اُسے بدروحوں کے علم کے ساتھ گہری دل چسپی تھی اور لیسٹ بن موشان کو بھی جانتا تھا۔ جب اُسے پتہ چلا کہ یہ یہودی جادوگر وہاں پہنچ گیا ہے تو وہ کبھی

"پھر ان پہاڑوں کے اندر رہنے والے لوگوں نے بتایا کہ اب چیخوں کے ساتھ عورت کی پانچویں سنائی دیتی ہے۔ جہیز جہیز کہاں ہو؟ آجاء، آجاء۔ وہاں کے لوگ جہیز نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتے تھے۔ اُن کے بزرگوں نے کہا کہ یہ کسی مرے ہوئے آدمی کی بدروح ہے جو عورت کے روپ میں چیخ چلا رہی ہے۔"

ابو جریج کے بولنے کے انداز میں ایسا اثر تھا جو ہر کسی کو متاثر کر دیا کرتا تھا لیکن خالہ کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا جس سے پتہ چلا کہ وہ قبیلہ غطفان کے اس بوڑھے کی باتوں سے متاثر ہو رہا ہے۔
"لوگوں نے اُس راستے سے گزرنا چھوڑ دیا جہاں یہ آوازیں عموماً سنائی دیا کرتی تھیں۔"
ابو جریج نے کہا۔ "ایک روز یوں ہوا کہ دو گھوڑ سوار جوڑے لمبے سفر پر تھے۔ ایک لبتی میں گھوڑے سرسپٹ دوڑاتے پیچھے گھوڑوں کا پسینہ بول پھوٹ رہا تھا جیسے وہ پانی میں سے گزر رہے ہوں۔ ہانپتے کانپتے سواروں پر خوف طاری تھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ایک وادی میں سے گزر رہے تھے کہ انہیں کسی عورت کی پکار سنائی دی۔ جہیز! کھٹک جاؤ۔ جہیز! کھٹک جاؤ۔ اس آہی ہوں۔ ان گھوڑ سواروں نے اُدھر دیکھا جہر سے آواز آرہی تھی۔ ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک عورت کھڑی ان گھوڑ سواروں کو پکار رہی تھی۔ وہ بھتی تو دور لیکن حوال لگتی تھی۔ وہ پہاڑی سے اترنے لگی تو دونوں گھوڑ سواروں نے ڈر کر اڑ لگا دی...."

"اسا سننے والی چٹان گھومتی تھی۔ گھوڑ سوار اس کے مطابق وادی کے اندر گھوم گئے۔ انہیں تین چار مزید موڑ ٹرنے پڑے۔ بگھڑا ہٹ میں وہ راستے سے بھٹک گئے تھے۔ وہ ایک اور موڑ مڑے تو اُن کے سامنے تیس چالیس قدم دور ایک جوان عورت کھڑی تھی جس کے بال بچھر سے ہوتے تھے اور وہ نیم برہنہ تھی۔ اُس کا چہرہ لاش کی مانند سفید تھا۔ گھوڑ سواروں نے گھوڑے روک لیے عورت نے دونوں بازو اُن کی طرف پھیلا کر آگے کو دوڑتے ہوئے کہا۔ میں تم دونوں کے انتظار میں بہت دنوں سے کھڑی ہوں۔ دونوں گھوڑ سواروں نے وہیں سے گھوڑے موڑے اور اڑ لگا دی۔ بوڑھا ابو جریج بولتے بولتے خاموش ہو گیا۔ اُس نے اپنا ہاتھ خالہ کی ان پر رکھا اور بولا۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارا بے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں کیا ہے۔ اچھا نہیں ہو گا کہ تم کچھ دیر کے لیے ٹک جائیں۔ پھر نہ جانے تم کب ملو۔ تمہارا باپ ولید برا زبردست آدمی تھا تم میرے ہاتھوں میں پیدا ہوئے تھے میں تمہاری خاطر وضع کرنا چاہتا ہوں۔ روکو گھوڑے کو اور اتر آؤ۔" یہ قافلہ وہیں ٹک گیا۔

توہ کسی مرے ہوئے آدمی یا عورت کی بدروح ہی ہو سکتی تھی۔ ابو جریج نے نہ بھنا ہوا گھوشت خالہ کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔ "کھانا، ولید کے بیٹے.... پھر ایک خوفناک اقدہ ہو گیا۔ ایک لبتی میں ایک خنجر اس حالت میں آن گرا کہ اُس کے چہرے پر لمبی لمبی خراشیں چھیں جس سے خون بہ رہا تھا۔ اُس کے کپڑے پیٹھے ہوئے تھے اور جسم پر بھی خراشیں تھیں۔ وہ گرتے ہی ہوش ہو گیا۔ لوگوں نے اُس کے زخم دھوئے اور اُس کے منہ میں پانی ڈالا۔ وہ جب ہوش میں آیا تو اس

لکھوڑے پر سوار ہوا اور وہاں جا پہنچا۔ دو تین بستیوں میں پوچھتا وہ اُس بستی میں جا پہنچا جہاں لیسٹ بن موشان آکر ٹھہرا تھا۔

”ابو جرج آ۔۔۔ بوڑھے لیسٹ بن موشان نے اٹھ کر بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔“ تم یہاں کیسے آ گئے؟

”میں یہ سن کر آیا ہوں کہ تم اس بد مزاج پر قابو پانے کے لیے آئے ہو۔“ ابو جرج نے لڑ

سے بغلیں ہوتے ہوئے کہا۔ ”کیا میں نے ٹھیک سنا ہے کہ اس بد مزاج نے یا وہ جو کچھ بھی ہے، وہ تین آدمیوں کو چیر پھاڑ ڈالا ہے؟

”وہ بد مزاج نہیں میرے بھائی آ۔۔۔ لیسٹ بن موشان نے ایسی آوازیں کہا جو لال اور پشانی سے دہنی ہوئی تھی۔“ وہ خدا سے یہود کے سچے نام لیا ایک جوان عورت ہے۔ اُس نے اپنی جوانی

اپنا سن اور اپنی زندگی یہودیت کے نام پر قربان کر رکھی تھی۔ اُس کا نام یوحنا ہے۔“

”میں نے اُسے منکر میں دو چار مرتبہ دیکھا تھا۔“ ابو جرج نے کہا۔ ”اُس کے کچھ چھوٹے بچے قصبے بھی سنے تھے۔ یہ بھی سنا تھا کہ اُس نے قریش کے ایک آدمی جرید بن سیدب کو تھارے پاس

کر محمد کے قتل کے لیے تیار کیا تھا۔ پھر میں نے یہ بھی سنا تھا کہ اُس نے یوحنا کے مسلمانوں کے محاصرے سے نکل گئے تھے اور جرید پیچھے رہ گیا تھا۔۔۔ اگر یوحنا زندہ ہے اور وہ بد مزاج نہیں تو وہ اس حالت

تک کس طرح پہنچی ہے؟

”اُس نے اپنا سب کچھ خدا سے یہود کے نام پر قربان کر رکھا تھا۔“ لیسٹ بن موشان نے کہا۔

”لیکن وہ آخر انسان تھی۔ جوان تھی، وہ جذبات کی قربانی نہ دے سکی۔ اُس نے جرید کی محبت کو اپنی

روح میں اتار لیا تھا۔ جرید پر جتنا اثر میرے خاص عمل کا تھا اتنا ہی یوحنا کی موت نے پائل کر دیا ہے۔“

”میں سمجھ گیا۔“ ابو جرج نے کہا۔ ”اُسے جرید بن سیدب کی موت نے پائل کر دیا ہے۔“

کیا تھا راعمل اور تھا راجادو اس عورت پر نہیں چل سکتا تھا؟

لیسٹ بن موشان نے لمبی آہ بھری اور بے نور آنکھوں سے ابو جرج کو ٹھٹھکی باندھ کر دیکھا اور

کچھ دیر چپ رہنے کے بعد کہا۔ ”میرا عمل اُس پر کیا اثر کرتا وہ مجھے بھی چرنے پھاڑنے کو کچھ ٹوٹ پڑی تھی میرا عمل اس صورت میں کام کرتا کہ میں اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکنا اور میرا لانا

تھوڑی سی دیر کے لیے اُس کے ماتھے پر رہتا۔“

”جہاں تک میں اس علم کو سمجھتا ہوں۔“ ابو جرج نے کہا۔ ”وہ پہلے ہی پائل ہو چکی تھی اور

میں اپنا دشمن سمجھنے لگی تھی۔“

”اور اُسے میرے خلاف دشمنی یہ تھی کہ میں جرید بن سیدب کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ آیا تھا۔“

لیسٹ بن موشان نے کہا۔ ”میں اُسے اپنے ساتھ لے سکتا تھا لیکن وہ اس حد تک میرے اطمینان علی

کے زیر اثر آچکا تھا کہ اُسے زبردستی لاتے تو شاید مجھے یوحنا کو قتل کر دیتا۔ میں نے اُس کے ہاتھ

میں درندگی کا ایسا اثر پیدا کر دیا تھا کہ وہ قتل و غارت کے سوا کچھ سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر میں ایک

درخت کی لٹکرا شاخہ کو کھینک کر یہ ہے محمد تو وہ تلوار اُس درخت کے تنے میں اتار دیتا۔“

مجھے یہ توقع تھی کہ یہ پیچھے رہ گیا تو جو سکتا ہے محمد تک پہنچ جائے اور اُسے قتل کر دے۔

لیکن وہ خود قتل ہو گیا۔“

”کیا تم اب یوحنا پر قابو پا سکو گے؟“ ابو جرج نے پوچھا۔

”مجھے امید ہے کہ میں اُسے اپنے اثر میں لے آؤں گا۔“ لیسٹ بن موشان نے جواب دیا۔

”کیا تم مجھے اس کام میں شریک کر سکو گے؟“ ابو جرج نے پوچھا اور کہا۔ ”میں کچھ جانتا

جانتا ہوں۔ کچھ کچھ جانتا ہوں۔“

”اگر راجا ہاتھیں چلنے دے تو چلے چلو۔“ لیسٹ بن موشان نے کہا۔ ”میں تھوڑی دیر تک

روانہ ہونے والا ہوں۔ یہاں کے کچھ آدمی میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے ہیں۔“

”اور پھر خالد بن ولید۔“ بوڑھے ابو جرج نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے خالد کے کندھے

پر ہاتھ رکھ کر جذباتی آوازیں کہا۔ ”ہم دونوں بوڑھے آدمیوں پر سوار اُس پہاڑی علاقے میں پہنچے

جہاں کے متعلق بتایا گیا تھا کہ ایک عورت کو دیکھا گیا ہے۔ ہم تنگ سی ایک وادی میں داخل ہو گئے۔

ہمارے پیچھے دس بارہ گھڑ سوار اور تین چار سوار تھے۔ وادی میں داخل ہوتے تو ان سب نے

کانوں میں تیر ڈال دیے۔ وادی آگے جا کر کھل گئی۔ ہم وادیں کو گھومنے تو ہمیں کئی گتہ نظر آئے جو کبھی

مردار کو لگا رہے تھے۔ ایک صحرائی لومڑی کھول میں سے دوڑتی ہوئی نکلی۔ میں نے دیکھا کہ اُس کے

منہ میں ایک انسانی بازو تھا۔ ہم آگے گئے۔ دو اور لومڑیاں بھاگیں اور گتہ اڑ گئے۔ وہاں انسانی ہڈیاں

کچری ہوئی تھیں۔ سر لاک پڑا تھا۔ اُس کے لمبے بال ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ کچھ کھوپڑی کے

ساتھ تھے۔ آوے پھرے پر ابھی کھال موجود تھی۔۔۔ وہ یوحنا تھی۔ لیسٹ بن موشان کچھ دیر اُس

کی کچری ہوئی ہڈیوں کو اور ادھر ادھر گھماتے پھرے کو دیکھتا رہا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر اُس کی

دودھ سی سفید دھڑی میں جذب ہو گئے۔ ہم وہاں سے آ گئے۔“

”لیسٹ بن موشان اور یوحنا نے جرید بن سیدب کو محمد کے قتل کے لیے تیار کیا تھا۔“ خالد

نے اپنے لہجے میں کہا جس میں لڑکی لہجی جھلک بھی تھی۔ ”جرید بن سیدب مسلمانوں کے ہاتھوں قتل

نہوا اور یوحنا کا انجام تم نے اپنی آنکھوں دیکھا ہے۔۔۔ کیا تم سمجھتے نہیں جو ابو جرج؟“

”ہاں ہاں۔۔۔ بوڑھے ابو جرج نے جواب دیا۔ لیسٹ بن موشان کے جادو سے

محمد کا جادو زیادہ تیز اور طاقتور ہے۔ لوگ ٹھیک کہتے ہیں کہ محمد کے ہاتھ میں جادو ہے۔ اس جادو

کا کبھی شکر ہے کہ اُس کے مذہب کو لوگ مانتے ہی چلے جا رہے ہیں۔۔۔ جرید کو قتل ہونا ہی تھا۔

”میرے بزرگ دوست آ۔۔۔ خالد نے کہا۔“ اس بد مزاج کے فتنے مہینے میں بھی پہنچے

ہوں گے لیکن وہاں کوئی نہیں ڈرا ہو گا محمد کے پیروکاروں نے تسلیم ہی نہیں کیا ہو گا کہ جہنم جھوٹ

یاد دہ روح ہے۔“

”محمد کے پیروکاروں کو ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔“ ابو جرج نے کہا۔ ”محمد کے جادو

نے ہمہ گیر کے گرد حصار کھینچا ہوا ہے۔ محمد کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اُحد کی لڑائی میں زخمی ہوا اور زندہ

”اے یہود!۔ رسول خدا نے فرمایا۔ ”کیا میں غلط کہہ رہا ہوں کہ تو نے اس گوشت میں زہر ملا دیا ہے؟“

یہود انکار نہیں کر سکتی تھی۔ اُس کے جرم کا ثبوت سامنے لگایا تھا۔ بشر بن البار اہلق پر ہونے لگا۔ اور دیگر کچھ گھڑے۔ زہر اتنا تیز تھا کہ اس نے بشر کو پھیرا دیا۔ وہ زہر کی ہتھی سے تڑپنے اور فوت ہو گئے۔

”اے محمدؐ!۔ یہود نے بڑی دلیری سے اعتراف کیا۔ ”خدا نے یہود کی قسم، یہ میرا فرض تھا جو میں نے ادا کیا۔“

رسول اللہؐ نے اس یہود اور اس کے خاوند کے قتل کا حکم فرمایا اور خیر کے یہودیوں کے ساتھ آپؐ نے جو شفا نہ روئے اختیار کیا تھا وہ ان کی ذہنیت کے مطابق بدل ڈالا۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں۔ ”مردان بن عثمان نے مجھے بتایا تھا کہ رسول خداؐ آخری مرض میں مبتلا تھے۔ آپؐ نے وفات سے دو تین روز پہلے اُمّ بشر بن البار کو جب وہ آپؐ کے پاس پہنچیں فرمایا تھا۔ ”اُمّ بشر! میں آج بھی اپنے جسم میں اُس زہر کا اثر محسوس کر رہا ہوں جو اُس یہود نے گشت میں ملا تھا۔ میں نے گوشت چھایا نہیں، اگل دیا تھا مگر زہر کا اثر آج تک موجود ہے۔“ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ رسول اللہؐ کی آخری بیماری کا باعث یہی زہر تھا۔“

✽

”محمدؐ کو قتل نہیں کر سکتا۔“ خالد نے کہا۔

”مذکورہ ایک!۔“ ابو جریج نے کہا۔ ”اُس کا جادو کب تک چلے گا؟ اُسے ایک نہ ایک دن قتل ہونا ہے۔“ خالد!۔ ابو جریج نے خالد کے قریب ہوتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا تم نے محمدؐ کے قتل کی کبھی کوئی ترکیب سوچی ہے؟“

”کئی بار!۔“ خالد نے جواب دیا۔ ”جس روز میرے قبیلے نے بدر کے میدان میں شکست کھائی تھی، اُس روز سے محمدؐ کو اپنے ہاتھوں قتل کرنے کی ترکیبیں سوچ رہا ہوں لیکن میری ترکیب کارگر نہیں ہوئی۔“

”کیا وہ ترکیب مجھے بتاؤ گے؟“

”کیوں نہیں!۔“ خالد نے جواب دیا۔ ”بڑی آسان ترکیب ہے۔ یہ ہے کھلے میدان میں آکر سامنے کی لڑائی لیکن میں ایک لشکر کے مقابلے میں اکیلا نہیں لڑ سکتا۔ ہم تین لڑائیں لڑ چکے ہیں۔“

”نہ کی قسم!۔“ ابو جریج نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ولید کا بیٹا یہ وقت ہو سکتا ہے۔۔۔ میں یہودیوں جیسی ترکیب کی بات کر رہا ہوں۔ میں دھوکے اور فریب کی بات کر رہا ہوں۔ محمدؐ کو تم آسنے سامنے کی لڑائی میں نہیں مار سکتے۔“

”اور تم اُسے فریب کاری سے بھی نہیں مار سکتے۔“ خالد نے کہا۔ ”غریب کبھی مریب نہیں ہوا۔“

رہا تمھارا اور ہمارا اتنا زیادہ لشکر مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجائے گیا تو ایسی اندھنالی ہمارا لشکر تتر بتر ہو کر بھاگا۔ میدان جنگ میں محمدؐ کے سامنے جو بھی گیا اُس کا دماغ جواب دے گیا۔۔۔ کیا تم جانتے ہو محمدؐ کے قتل کی ایک اور کوشش ناکام ہو چکی ہے؟

”سننا تھا۔“ خالد نے کہا۔ ”پوری بات کا علم نہیں۔“

”یہ خبر کا واقعہ ہے۔“ ابو جریج نے کہا۔ ”مسلمانوں نے خیر کے یہودیوں پر چڑھائی تو یہودی ایک دن بھی مقابلے میں جم نہ سکے۔“

”غریب کا رقوم میدان میں نہیں لڑ سکتی۔“ خالد نے کہا۔ ”یہودی بیڑ پر وار کیا کرتے ہیں اور وہ انہوں نے خیر میں کیا۔“ ابو جریج نے کہا۔ ”یہودیوں نے مقابلہ تو کیا تھا۔“

اُن پر محمدؐ کا خوف پہلے ہی طاری ہو گیا تھا۔ میں نے سنا تھا کہ جب مسلمان خیر کے مقام پر پہنچے یہودی مقابلے کے لیے نکل آئے۔ ان میں سے بعض محمدؐ کو پھانسی دیتے تھے۔ کسی نے کہا۔

”محمدؐ بھی آیا ہے۔“ پھر بھی اور نے چلا کر کہا۔ ”محمدؐ بھی آیا ہے۔“ یہودی تو کسی لیکن اُن پر محمدؐ کا خوف ایسا سوار ہوا کہ انہوں نے اختیار ڈال دیتے۔“

ابو جریج نے خالد کو خیر کے معرکے کی روئیداد سنا کر ایک یہود کا قصہ سنایا۔ فتح کے بعد رسول اللہؐ نے وہاں چند دن قیام کیا اور بنی عدی کے بنائی انصاری کو خیر کا میر تقی میر موقع پر جب فتح خیر کے بعد مال غنیمت تقسیم ہو رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

”اگر مجھے اپنی آزدائی اُترنے کی غنسی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہر وہ ملک جو فتح ہوتا، فاتح مجاہدین میں تقسیم کر دیتا لیکن میں ہر مفتوحہ ملک کو اُنے والی اُمت کے لیے ورثے میں چھوڑ چاؤں گا۔“

یہودیوں نے شکست کھائی تو انہوں نے رسول کریمؐ سے وفاداری کا اظہار شروع کر دیا۔

ایسے مطالبہ سے کیجے جن سے پتہ چلتا تھا کہ مسلمانوں کی ہجرت سے یہودیوں کے دل ہلے ہیں۔ انہی دنوں جب رسول کریمؐ خیر میں ہی تھے، ایک یہود نے آپؐ کو اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا۔ اُس نے عقیدت مندی کا اظہار ایسے جذباتی طریقے سے کیا کہ رسول خداؐ نے اُسے

مایوس کرنا مناسب نہ سمجھا۔ آپؐ اُس کے گھر چلے گئے۔ آپؐ کے ساتھ بشر بن البار تھے۔

یہود زینب بنت الحارث نے جو سلمہ بن جحکم کی بیوی تھی، رسول خداؐ کے راستے پر آئیں پکچی میں اور آپؐ کو کھانا پیش کیا۔ اُس نے سالم ذہبہ بھجوا دیا۔ اُس نے رسول اللہؐ سے بچا

کہ آپؐ کو دہنے کا کون سا حصہ پسند ہے۔ آپؐ نے دستِ پسند فرمائی۔ یہود و نصیب کی ہستی کاٹ لائی اور رسول خداؐ اور بشر بن البار کے آگے رکھ دی۔

بشر بن البار نے ایک بوٹی کاٹ کر منہ میں ڈال لی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوٹی منہ میں ڈالی مگر نگل دی۔

”میت کھانا بشر!۔“ آپؐ نے فرمایا۔ ”اُس گوشت میں زہر ملا ہوا ہے۔“

بشر بن البار ابویٰ چبار سے تھے۔ انہوں نے اگل تو دی لیکن زہر لعاب دہن کے ساتھ حق سے اتر چکا تھا۔

مسلمان پہلے وہاں پہنچ جاتے تو خالد کے لیے جنگی حالات دشوار ہو جاتے۔
 اُس نے راستے میں صرف دو جنگ دے کر دو کا اور گھوڑوں کو ستانے کا موقع دیا۔ اُس
 نے دو جنگوں پر اپنے گھوڑوں کو اپنے سامنے کھڑا کر کے کہا۔ ”یہ ہمارے لیے کڑی
 آزمائش ہے۔ اپنے قبیلہ کی عظمت کے محافظ صرف ہم ہیں۔ آج ہمیں عزتی اور بیل کی لالچ
 کشی ہے۔ ہمیں اپنی شہرت کا انتقام لینا ہے۔ اگر ہم مسلمانوں کو کراغ نعیم کے اندر ہی روک کر انہیں تباہ
 کر کے تو محمدؐ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگا۔ ہماری بنیں اور بیٹیاں ان کی لوندیاں ہوں گی اور ہمارے بچے
 ان کے غلام ہوں گے۔ عزتی اور بیل کے نام پر حلف اٹھاؤ کہ ہم قریش اور مکہ کی آن اور فخر
 پر جانیں قربان کر دیں گے۔“
 تین سو گھوڑ سواروں نے نعرے لگائے۔ ”ہم عزتی اور بیل کے نام پر مٹیں گے۔۔۔۔۔

ایک بھی مسلمان زندہ نہیں جائے گا۔۔۔۔۔ کراغ نعیم کی وادی میں مسلمانوں کا خون بہے گا۔۔۔۔۔ محمدؐ کو زندہ
 میٹھ لے جائیں گے۔۔۔۔۔ مسلمانوں کی کھوپڑیاں میٹھ لے جائیں گے۔۔۔۔۔ کاٹ دیں گے۔۔۔۔۔ تباہ کر
 کے رکھ دیں گے۔“

خالد کا سینہ پھیل گیا اور سر اونچا ہو گیا تھا۔ اُس نے گھات کے لیے بڑی اچھی جگہ کا انتخاب
 کیا تھا۔ اُس نے نہایت کا کرچی چالیں سوچی لی تھیں۔ وہ اپنے ساتھ صرف سوار دستہ اس لیے
 لایا تھا کہ وہ مسلمانوں کو بھجور کر اور گھوڑے دوڑا دوڑا کر لڑنا چاہتا تھا۔ مسلمانوں کی زیادہ تعداد پناہ دیتی
 خالد کو یقین تھا کہ وہ تین سو سواروں سے ایک ہزار چار سو مسلمانوں کو گھوڑوں کے روند ڈالے گا۔ اُسے
 اپنی جنگی فہم و فراست پر اس قدر بھروسہ تھا کہ اُس نے تیر اندازوں کے ساتھ لالے کی ضرورت
 ہی نہیں سمجھی تھی۔ حالانکہ پہاڑی علاقے میں تیر اندازوں کو بندنیوں پر بٹھا دیا جاتا تو وہ نیچے گزرتے ہوئے
 مسلمانوں کو چن چن کر مار تے۔

☆

آگے جا کر خالد نے دستے کو ذرا سی دیر کے لیے روک کر ایک باز پھر اپنے سواروں کے
 جذبے کو بھڑکایا۔ اسے ان سواروں کی شجاعت پر اعتماد تھا۔

مسلمان ابھی دور تھے۔ خالد نے شہزادوں کے بہرہ پر ہیں اپنے تین چار آدمی آگے بھیج
 دیتے تھے جو مسلمانوں کی رفتار کی اور دیگر کوائف کی اطلاعیں دے رہے تھے۔ وہ باری باری
 پیچھے آتے اور بتاتے تھے کہ مسلمان کراغ نعیم سے کتنی دور رہ گئے ہیں۔ خالد ان اطلاعوں
 کے مطابق اپنے دستے کی رفتار بڑھا تا جا رہا تھا۔ مسلمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت
 میں معمولی رفتار سے اُس پھندے کی طرف چلے آ رہے تھے جو ان کے لیے خالد کراغ نعیم
 میں بچانے جا رہا تھا۔

خالد اس اطلاع کو نہیں سمجھ سکا تھا کہ مسلمان اپنے ساتھ بہت سے ڈبے اور بکرے
 لارہے ہیں۔ اسے اس سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا کہ وہ محمدؐ پر حملہ کرنے آ رہے ہیں تو ڈبے
 اور بکرے کون سے راستے سے جا رہے ہیں؟

لوڑھا ابو جریج خالد کی طرف جھپکا اور اُس کے سینے پر انگلی رکھ کر بولا۔ ”کسی اور کا فخر
 ناکام ہو سکتا ہے، یہودیوں کا فریب ناکام نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فریب کا یہودیوں
 کے مذہب میں شامل ہے۔ میں ایرٹ بن موشان کا دوست ہوں۔ کبھی اُس کی باتیں سن کر
 دانشمند ہے۔ اُس کی زبان میں جادو ہے۔ وہ ہمیں زبان سے مسح کر دے گا۔ وہ کہتا ہے
 سال تک جائیں، صدیاں گزر جائیں، آخر فتح یہودیوں کی ہوگی۔ دنیا میں کامیاب ہو گا تو صرف
 کامیاب ہو گا۔ مسلمان ابھی تعداد میں تھوڑے ہیں اس لیے ان میں اتفاق اور اتحاد ہے۔
 ان کی تعداد بڑھ گئی تو یہودی ایسے طریقوں سے ان میں تفرقہ ڈال دیں گے کہ مسلمان آپس میں لڑ
 رہیں گے اور سمجھ نہ سکیں گے کہ یہ یہودیوں کی کارستانی ہے۔ محمدؐ انہیں یکجان رکھنے کے لیے
 کتب تک زندہ رہے گا۔“

خالد اُلٹھ کھڑا ہوا۔ ابو جریج بھی اٹھا۔ خالد نے دونوں ہاتھ آگے کیے۔ ابو جریج نے اُس
 کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے یہ بصرہ کر کے خالد اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔
 ”تم نے یہ تو بتایا نہیں کہ جا کمال رہے ہو۔“ ابو جریج نے پوچھا۔

”مدینے!“

”مدینے؟“ ابو جریج نے حیرت سے پوچھا۔ ”وہاں کیا کرنے جا رہے ہو اب؟
 دشمن کے پاس۔۔۔۔۔“
 ”میں محمدؐ کا جادو دیکھنے جا رہا ہوں۔“ خالد نے کہا اور گھوڑے کو اڑا کر لگا دی۔

☆

اُس نے کچھ دور جا کر پیچھے دیکھا۔ اُسے ابو جریج کا قافلہ نظر آیا۔ خالد شبی جگہ سے اُٹھ کر
 چلا گیا تھا۔ اُس نے گھوڑے کی رفتار کم کر دی۔ اُسے ایسے لگا جیسے آوازیں اُس کا تعاقب کر
 ہوں۔ ”محمدؐ۔۔۔۔۔ جادوگر۔۔۔۔۔ محمدؐ کے جادو میں طاقت ہے۔“

”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں۔“ اُس نے سر جھٹک کر اپنے آپ سے کہا۔ ”وگھل جیڑ کو کچھ
 کہتے اُسے جادو کہہ دیتے ہیں اور جس آدمی کا سامنا نہیں کر سکتے اُسے جادوگر سمجھتے ہیں۔“
 پھر بھی۔۔۔۔۔ کچھ نہ سمجھ رہا ضرور ہے۔۔۔۔۔ محمدؐ میں کوئی بات ضرور ہے۔“

ذہن اُسے چند دن پیچھے لے گیا۔ ابوسفیان نے اُسے، عکرمہ اور صنوان کو بلا کر بتایا
 کہ مسلمان محمدؐ پر حملہ کرنے آ رہے ہیں۔ ابوسفیان کو یہ اطلاع دو شہر سواروں نے دی تھی جنہوں
 نے مسلمانوں کے لشکر کو مکہ کی طرف آتے دیکھا تھا۔

خالد تین سو انبی پسند کے چنے ہوئے گھوڑ سواروں کو ساتھ لے کر مسلمانوں کو راستے
 گھات لگا کر روکنے کے لیے چل پڑا تھا۔ وہ اپنے اس جانباز دستے کو سر پٹ روکاتے
 جا رہا تھا۔ اُس کے سامنے تیس میل کی مسافت تھی۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ مسلمان کراغ نعیم
 ابھی دور ہیں۔ خالد اس کو شک میں تھا کہ مسلمانوں سے پہلے کراغ نعیم پہنچ جائے۔
 مکہ سے تیس میل دور کراغ نعیم ایک پہاڑی سلسلہ تھا جو گھات کے لیے جوڑا ہوا تھا۔

”انہیں ڈر ہو گا کہ محاصرہ طویل ہو گیا تو خوراک کم ہو جائے گی۔“ خالد کے ایک ساتھی نے خیال ظاہر کیا۔ ”اس صورت میں وہ ان جانوروں کا گوشت کھائیں گے.... اس کے سوا ان پہاڑوں کا اور کیا استعمال ہو سکتا ہے؟“

”بے چاروں کو معلوم نہیں کہ مکہ تک وہ پہنچ ہی نہیں سکیں گے۔“ خالد نے کہا۔ ان کے ذہن نے اور بھرے ہم کھائیں گے۔“

☆

مسلمان ابھی کراخ الغنیم سے پندرہ میل دور عسکان کے مقام پر تھے کہ خالد اس سلسلہ کو دہن داخل ہو گیا۔ اُس نے اپنے دستانے کو پہاڑیوں کے دامن میں ایک دوسرے سے ڈوڑھ کر رکھ کر کہا اور خود گھات کی موزوں جگہ دیکھنے کے لیے آگے چلا گیا۔ وہ دترے تک گیا یہی راستہ تھا جس سے قافلے اور دستے گزرا کرتے تھے۔ وہ یہاں سے پہلے بھی گزرا تھا لیکن اُس نے اس دترے کو اس نگاہ سے کبھی نہیں دیکھا تھا جس نگاہ سے آج دیکھ رہا تھا۔

اُس نے اس دترے کو دائیں بائیں والی بلندیوں پر جا کر دیکھا۔ نیچے آیا۔ چٹانوں کے پیچھے گیا اور گھوڑوں کو چھپانے کی ایسی جگہوں کو دیکھا جہاں سے وہ اشارہ ملتے ہی فوراً نکل آتیں اور مسلمانوں پر بے خبری میں ٹوٹ پڑیں۔

وہ مارچ ۶۲۸ء کے آخری دن تھے۔ موسم ابھی سرد تھا مگر خالد کا اور اُس کے گھوڑے کا پسینہ بہہ رہا تھا۔ اُس نے گھات کا علاقہ منتخب کر لیا اور اپنے دستانے کو کچھ حصوں میں تقسیم کر کے گھوڑوں کو دترے کے علاقے میں چھپا دیا۔ اب اُس نے اپنے ان آدمیوں کو جو مسلمانوں کے پیش قدمی کی اطلاعیں لاتے تھے، اپنے پاس روک لیا کیونکہ خدشہ تھا کہ مسلمان اُن کی اہلیت معلوم کر لیں گے۔ مسلمان قریب آگئے تھے۔ رات کو انہوں نے پڑاؤ کیا تھا۔

☆

اگلی صبح جب نماز فجر کے بعد مسلمان کوچ کی تیاری کر رہے تھے، ایک آدمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔

”تجاری حالت بتا رہی ہے کہ تم دوڑتے ہوئے آئے ہو۔“ رسول اکرم نے کہا۔

”اور تم کوئی اچھی خبر بھی نہیں لاتے؟“

”یا رسول اللہ!۔“ مدینہ کے اس مسلمان نے کہا۔ ”عجرا بھی نہیں اور اتنی بُری بھی نہیں.... مکہ والوں کی نیت ٹھیک نہیں۔ میں کل سے کراخ الغنیم کی پہاڑیوں کے اندر گھوم پھیر رہا ہوں۔ خدا کی قسم، وہ مجھے نہیں دیکھ سکے جنہیں میں دیکھ آیا ہوں۔ میں نے اُن کی تمام نقل و حرکت دیکھی ہے۔“

”کون ہیں وہ؟“

”اہل قریش کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔“ اُس نے جواب دیا۔ ”وہ سب گھوڑوں پر اور دترے کے ارد گرد کی چٹانوں میں چھپ گئے ہیں۔“

”تعداد؟“

”تین اور چار سو کے درمیان ہے۔“ رسول اکرم کے اس جانوس نے کہا۔ ”میں نے اکریم پھانسا ہے تو وہ خالدارن ولید سے جس کی جھگ دوڑ کو میں سارا دن چھپ چھپ کر دیکھتا رہا ہوں۔ میں اتنی قریب چلا گیا تھا کہ وہ مجھے دیکھتے تو قتل کر دیتے۔ خالد نے اپنے سواروں کو دترے کے ارد گرد پھیل کر چھپا دیا ہے۔ کیا یہ غلط ہو گا کہ وہ گھات میں بیٹھ گئے ہیں؟“

”مکہ والوں کو ہمارے آنے کی اطلاع ملی تو وہ سمجھے ہوں گے کہ ہم مکہ کا محاصرہ کرنے آئے ہیں۔“ صحابہ کرام میں سے کسی نے کہا۔

”قمر خدا کی جس کے ہاتھ میں ہم سب کی جان ہے۔“ رسول اکرم نے فرمایا۔ ”اہل قریش مجھے لڑائی کے لیے لکھائیں گے تو بھی میں نہیں لڑوں گا۔ ہم جس ارادے سے آئے ہیں اُس ارادے کو بدلیں گے نہیں۔ ہماری نیت مکہ میں جا کر عہد کرنے کی ہے اور ہم یہ دُنبے اور بکرے قربانی کے لیے ساتھ لاتے ہیں۔ میں اپنی نیت میں تبدیلی کر کے خدا سے ذوالکلال کو ناراض نہیں کروں گا۔ ہم خون خرابہ نہیں عمرہ کرنے آئے ہیں؟“

”یا رسول اللہ!۔“ ایک صحابی نے پوچھا۔ ”وہ دترے میں ہیں روکیں گے تو کیا ہم پر اپنے دشمن کا خون خرابہ جائز نہیں ہو گا؟“

صحابہ کرام رسول خدا کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ اس صورت حال سے بچ کر نکلنے کے طریقوں اور راستوں پر بحث مباحثہ ہوا۔ رسول اکرم اچھے مشورے کو دھیان سے سنتے اور اس کے مطابق حکم صادر فرماتے تھے۔

آخر رسول خدا نے حکم صادر فرمایا۔ آپ نے بیس گھوڑوں کو منتخب کئے اور انہیں ان ہدایت کے ساتھ آپ کے پیچھے دیا کہ وہ کراخ الغنیم تک چلے جائیں لیکن دترے میں داخل نہ ہوں۔ وہ خالد کے دستانے کا جائزہ لیتے رہیں اور یہ دستہ ان پر حملہ کرے تو لوہ لڑیں کہ پیچھے کو ہٹتے آئیں اور بکھر کر رہیں۔ تاخیر یہ دین کہ یہ مدینہ والوں کا ہراول جیش ہے۔

ان بیس سواروں کو دو عاؤں کے ساتھ روانہ کر کے باقی اہل مدینہ کا راستہ اپنے بدل دیا۔ آپ نے جو راستہ اختیار کیا وہ بہت ہی دشوار گزار تھا اور لہجہ بھی تھا لیکن آپ لڑائی سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک مشکل یہ بھی تھی کہ اہل مدینہ کوئی ایک بھی آدمی نہ تھا جو اس راستے سے واقف ہوتا۔

یہ ایک اور دترہ تھا جو ثنیہ المارکہ کہلاتا تھا۔ اسے ذات الحنظل بھی کہتے تھے۔ رسول اکرم اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس دترے میں داخل ہو گئے اور سلسلہ کوہ کے ایسے راستے سے گزرے جہاں سے کوئی نہیں گزرا کرتا تھا۔ وہ راستہ کسی کے گزرنے کے قابل تھا ہی نہیں۔

☆

خالد کی نظر میں مسلمانوں کے ہراول دترے پر جی بونی تھیں لیکن ہراول کے یہ بیس سوار رک گئے تھے۔ کبھی ان کے دو تین سوار دترے تک آئے اور ادھر ادھر دیکھ کر واپس چلے جاتے

وہ مسلمانوں کا لشکر ہو؟
خالد نے گھوڑے کو اڑکائی اور کتہ کی سمت پہاڑی علاقے سے نکل گیا۔ اُسے زمین سے
گرد کے بادل اٹھتے دکھائی دیتے۔

”خدا کی قسم! —“ خالد نے کہا۔ ”قبیلہ قریش میں کوئی ایسا نہیں جو محمد حبیباً دانشمند ہو۔ وہ میری
گھات سے نکل گیا ہے۔“

مسلمان رسول اللہ کی قیادت میں کراع انجم کی دوسری طرف سے کتہ کی طرف نکل گئے تھے۔
رات کو ان کے میں سوار بھی دور کے راستے سے ان کے پیچھے گئے اور ان سے جا ملے تھے خالد
نے گھوڑا موڑا اور اڑکائی۔ وہ کراع انجم کے اندر چلا تا اور گھوڑے کو سر پٹ دوڑانا پھر رہا تھا۔

”باہر آ جاؤ.... مدینہ والے مکہ کو چلے گئے ہیں.... تمام سوار سامنے آؤ۔“
تھوڑی سی دیر میں اُس کے تین سو گھوڑے سوار اُس کے پاس آ گئے۔

”وہ ہیں دھوکہ دے گئے ہیں۔“ خالد نے اپنے سواروں سے کہا۔ ”تم نہیں مانو گے وہ
گزر گئے ہیں گزر نے کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے.... میں اب زندگی اور موت کی دوڑ لگائی پڑے
گی کسرت ہو جاؤ گے تو وہ مکہ کا محاصرہ کر لیں گے۔ وہ بازی حسیٹ جائیں گے۔“

آج مدینہ کے راستے پر جب مدینہ قریب رہ گیا تھا، خالد کو یاد آ رہا تھا کہ اسے مکہ پر مسلمانوں
کے قبضے کا ڈر تو تھا لیکن وہ رسول کریم کی اس چال پر عرش عرش کو اٹھا تھا۔ وہ خود فتنہ عرب و ضرب
اور عسکری جانوں کا ہمارا اور دلدلہ تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ رسول اللہ نے اپنے ہراول کے میں سوار دھوکہ دینے
کے لیے بھیجے تھے سواروں نے اُسے کامیابی سے دھوکہ دیا۔ اس کی توجہ کو گرفتار کیے رکھا اور مسلمان
دوسری طرف سے نکل گئے۔

”یاد دہنیں۔“ خالد نے اپنے آپ سے کہا۔ ”اگر اپنے قبیلہ کی سڑاری مجھے بل جاتے تو
جادو کے یہ کرتب میں بھی دکھا سکتا ہوں۔“

یہ بھیج تھا کہ اُس کے باپ نے اُسے ایسی عسکری تعلیم و تربیت دی تھی کہ وہ میدان جنگ کا جادوگر
کہلا سکتا تھا مگر اُس کے اوپر ایک سڑار تھا، ابوسفیان۔ وہ قبیلہ کا سالار اعلیٰ بھی تھا۔ اُس کے ماتحت خالد
اپنی کوئی چال نہیں چل سکتا تھا۔ اپنی اس مہموری نے اُس کے دل میں ابوسفیان کی نفرت پیدا کر دی تھی۔

اُسے چند دن پہلے کا یہ واقعہ یاد آ رہا تھا۔ ایک ہزار چار سو مسلمان اُس کی گھات کو دھوکہ دے کر
ملوکی طرف نکل گئے تھے۔ اُس نے یہ سوچا کہ یہ نہیں سو سواروں سے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرے۔
اُسے احساس تھا کہ جو مسلمان قبیل تعلقہ وین شہر تعلقہ کے دشمن کو شکست دے سکتے ہیں انہیں تین سو سواروں
سے شکست نہیں دی جاسکتی کیونکہ وہ کثیر تعداد میں ہیں۔

اُسے کتہ ہاتھ سے جانا نظر آنے لگا تھا اور اُسے یہ خوف تھا کہ یہ بھی محسوس ہونے لگی تھی کہ اُس کی گھات
کی ناکامی پر ابوسفیان اُسے طعنہ دے گا اور وہی الزلے کا پھر اُسے قریش کی شکست اور کتہ کے سقوط
کا جرم کہہ جائے گا۔

اُس نے اپنے سواروں کو ایک راستہ بھیجا کہ وہ مسلمانوں سے پہلے مکہ پہنچا۔ یہ دور کا راستہ تھا

اگر وہ میں کے میں سوار درے میں آجھی جاتے تو خالد انہیں گزر جانے دیتا کیونکہ اس کا ہر
شکار تو پیچھے آ رہا تھا۔ ان میں سواروں پر حملہ کر کے وہ اپنی گھات کو بے نقاب نہیں کرنا چاہتا تھا۔
یہ کوئی پرانا واقعہ نہیں تھا۔ چند دن پہلے کی بات تھی۔ خالد پریشان ہو رہا تھا کہ مسلمانوں کا لشکر
ابھی تک نظر نہیں آیا۔ کیا اس نے کوچ ملتوی کر دیا ہے یا اُسے گھات کی خبر ہو گئی ہے۔
اُس نے اپنے ایک شہسوار سے کہا کہ وہ اپنے ہر وہاں میں جائے اور دیکھے کہ مسلمان کہاں
ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔

اس دوران میں مسلمان سواروں نے اپنی نقل و حرکت جاری رکھی۔ ایک دو مرتبہ وہ درے
تک آئے اور ذرا اڑک کر واپس چلے گئے۔ ایک دو مرتبہ وہ پہاڑوں میں کسی اور طرف سے داخل
ہوئے۔ خالد چھپ چھپ کر اُدھر آ گیا۔ وہ سواروں سے بھی واپس چلے گئے۔ اس طرح انہوں
نے خالد کی توجہ اپنے اوپر لگائے رکھی۔ خالد کے سوار اشارے کے انتظار میں گھات
میں چھپے رہے۔

سورج غروب ہو چکا تھا جب خالد کا لشکر سوار جاسوس واپس آیا۔

”وہ وہاں نہیں ہیں۔“ جاسوس نے خالد کو بتایا۔

”کیا تمہاری آنکھیں اب انسانوں کو نہیں دیکھ سکتیں؟“ خالد نے طنز پر لبھے میں پوچھا۔

”صرف ان انسانوں کو دیکھ سکتی ہیں جو موجود ہوں۔“ شہسوار نے کہا۔ ”جو نہیں ہیں وہ نہیں

ہیں۔ وہ کوچ کر گئے ہیں۔ مکہ صحرے گئے ہیں؟ میں نہیں بتا سکتا۔“

خالد اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ صحرا کی شام گہری ہو گئی تو اُس نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کے ہراول
کے سوار بھی وہاں نہیں ہیں۔ اُسے ان کے کسی گھوڑے کے ہنہانے کی آواز نہیں ملتی
وہ رہی تھی۔

✱

صبح طلوع ہوئی تو خالد نے درے سے نکل کر دیکھا۔ میں سوار غائب تھے۔ اُسے اپنی
ناکامی کا احساس ہونے لگا۔ اُس کے ارادے اور اس کے جنگی منصوبے خاک میں ملے نظر آئے
اُس نے سوچا کہ خود عفان تک چلا جائے لیکن بچانے جانے کے ڈر سے رکھا۔ اُس نے دو تین
آگئی اونچی پہاڑیوں پر پہنچ دیکھے کہ وہ ہر طرف نظر نہیں۔

دن آدھا گزر گیا تھا۔ اُسے کوئی اطلاع نہ ملی۔ مسلمانوں کے ہراول کے میں سوار بھی نظر نہ آئے
اُسے توقع تھی کہ وہ آئیں گے۔ دوپہر کے لگ بھگ اُس کا ایک سوار گھوڑا سر پٹ دوڑا تا اُس
کے پاس آڑکا۔

”میرے ساتھ چلو۔“ سوار نے تیز بولتے ہوئے کہا۔ ”جو میں نے دیکھا ہے۔“

تم بھی دیکھو۔

کیا دیکھا ہے تم نے؟

سوار نے کہا۔ ”میں نے تم سے وہ خبر سنی ہے جو سکتی۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا؟

جہڑ کر رہیں نہیں، بلکہ محاصرے میں کہیں شکاف ڈال کر چھجک جائیں۔
شہر میں افغان فوجی اور لڑنے والوں کی بھاگ دوڑ اور لڑاکا میں چند ایک عورتوں کی سترم آوازیں
سنائی دینے لگیں۔ ان کی آوازیں ایک آواز بن گئی تھیں۔ وہ زمرہ گیت گارہی تھیں جس میں رسول اللہ ﷺ کے قتل
کا ذکر تھا، بڑا جوشیلا اور بھڑکا دینے والا گیت تھا۔ یہ عورتیں گیلیوں میں یہ گیت گاتی پھر رہی تھیں۔
چند ایک مسلح شترسواروں کو مدینہ کی طرف سے آنے والے راستے پر اور دو تین اور بہتوں کو
دوڑا دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبریں پہنچاتے رہیں۔ عورتیں اُوپے مکانوں کی چیتوں پر چڑھ کر
مدینہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ سورج افقی میں اُترتا جا رہا تھا۔ صبح کی شفق بڑی دلغز بہ ہو کر تھی۔ بے سُر اسق
شام کی دالوں کو شفق میں بہو کے رنگ دکھائی دے رہے تھے۔
کہیں سے، کبھی بھی طرف گرد و آفتاب نظر نہیں آ رہی تھی۔

”ابنیں اب تک آجانا چاہتے تھے۔“ خالد نے عکرمہ اور صفوان سے کہا۔ ”ہم اتنی جلدی
خندق نہیں کھود سکتے۔“

”ہم خندق کا سہارا لے کر نہیں لڑیں گے۔“ عکرمہ نے کہا۔

”ہم ان کے محاصرے پر حملہ کریں گے۔“ صفوان نے کہا۔ ”اُن کے پاؤں جھٹے نہیں
دیں گے۔“

سورج غروب ہو گیا۔ رات گہری ہونے لگی۔ کچھ بھی نہ ہوا۔

مکہ میں زندگی بیدار اور سرگرم رہی جیسے وہاں رات آئی ہی نہ ہو۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں
کو قلعوں جیسے مکانوں میں منتقل کر دیا گیا تھا اور جو لڑنے کے قابل تھے وہ اپنے سالاروں کی ہدایات
پر شہر کے ارد گرد اپنے مورچے مضبوط کر رہے تھے۔
رات آدھی گزر گئی۔ مدینہ والوں کی آمد کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔
پھر رات گزر گئی۔

☆

”خالد! — ابوسفیان نے پوچھا۔ ”کہاں ہیں وہ؟“
”اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ نہیں آئیں گے تو یہ بہت خطرناک فریب ہے جو تم اپنے آپ کو دے
رہے ہو۔“ خالد نے کہا۔ ”خندق کی عقل تک تم نہیں پہنچ سکتے جو وہ سوچ سکتا ہے۔ وہ تم نہیں دھوکہ
دے سکتے۔ وہ آئیں گے۔“

اُس وقت تک مسلمان چند ایک معرکے دوسرے قبیلوں کے خلاف لڑ کر اپنی دھاک بٹھا رہے
تھے۔ اُن میں غزوہ خیبر ایک بڑا معرکہ تھا۔ انہیں جنگ کا بڑا تجربہ ہو چکا تھا۔

”ابوسفیان! — خالد نے کہا۔ ”میں نہیں خبردار کرتا ہوں کہ مسلمان اب وہ نہیں رہیں جو تم نے
اندیشہ دیکھے تھے۔ اب وہ لڑنے کے ماہر بن چکے ہیں۔ اُن کا ابھی تک سامنے نہ آنا بھی ایک
چال ہے۔“

”ابوسفیان! — خالد نے کہا۔ ”میں نہیں خبردار کرتا ہوں کہ مسلمان اب وہ نہیں رہیں جو تم نے
اندیشہ دیکھے تھے۔ اب وہ لڑنے کے ماہر بن چکے ہیں۔ اُن کا ابھی تک سامنے نہ آنا بھی ایک
چال ہے۔“

لیکن وہ مسلمانوں کی نظروں سے پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کے تین سو سواروں نے گھوڑوں کو اڑیں
لگا دیں۔ راستہ لمبا ہونے کی وجہ سے تین میل کا فاصلہ ڈیڑھ گنا ہو گیا تھا۔ جسے خالد رفتار سے کم کرنے
کے بہت کر رہا تھا۔

عربی نسل کے اعلیٰ گھوڑے شام سے بہت پہلے کہ پہنچ گئے۔ وہاں مسلمانوں کی ابھی ہوا بھی نہیں
پہنچی تھی۔ مکہ کے لوگ گھوڑوں کے شور و غل پر گھبرائے ہوئے تھے۔ ابوسفیان بھی باہر آ گیا۔

”کیا مہنہ کی گھات کامیاب رہی؟“ ابوسفیان نے پوچھا۔

”وہ گھات میں آئے ہی نہیں۔“ خالد نے گھوڑے سے کود کر اُترتے ہوئے کہا۔ ”کیا تم مکہ
کے ارد گرد ایسی خندق کھدوا سکتے ہو جیسی محمدؐ نے مدینہ کے ارد گرد کھدوائی تھی؟“

”وہ کہاں ہیں؟“ ابوسفیان نے گھبراہٹ میں پوچھا۔ ”کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ مجھے اُن
کی کچھ خبر ہو؟“

”جتنی دیر میں تم خبر سننے اور سوچتے ہو، اتنی دیر میں وہ مکہ کو محاصرے میں لے لیں گے۔“ خالد
نے کہا۔ ”مہل اور عسائی کی عظمت کی قسم، وہ پہاڑوں اور چٹانوں کو روندتے آ رہے ہیں۔ اگر وہ کرباعہ لغیم
میں سے کسی اور راستے سے گزرے ہیں تو وہ انسان نہیں۔ کوئی پیادہ وہاں سے اتنی تیزی سے نہیں گزر
سکتا جتنی تیزی سے وہ گزر آئے ہیں۔“

”خالد! — ابوسفیان نے کہا۔“ ذرا کھینڈے ہو کر سوچو۔ خدائی قسم، گھبراہٹ سے مہنہ کی
آواز کانپ رہی ہے۔“

”ابوسفیان! — خالد نے جل کر کہا۔ ”تم میں صرف یہ خوبی بنے کہ تم میرے قبیلے کے سردار
ہو۔ میں نہیں یہ بتا رہا ہوں کہ اُن کے لیے مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا کوئی مشکل نہیں۔“ خالد
نے دیکھا کہ اُس کے دوسرا سستی سالار، عکرمہ اور صفوان، قریب کھڑے تھے۔ خالد نے اُن سے کہا۔
”آج بھول جاؤ کہ مہنہ اسرار کوں ہے۔ صرف یہ یاد رکھو کہ مکہ پر طوفان آ رہا ہے۔ اپنی آن کو بچاؤ۔ یہاں
کھڑے ایک دوسرے کا منہ نہ دیکھو۔ اپنے شہر کو بچاؤ، اپنے دیوتاؤں کو بچاؤ۔“

☆

سارے شہر میں بھگدڑ مچا رہی تھی۔ لڑنے والے لوگ ہرجییاں، تلواریں اور تیرکمان اٹھاتے مکہ کے
دفاع کو نکل آتے۔ عورتوں اور بچوں کو ایسے بڑے مکانوں میں منتقل کیا جانے لگا جو قلعوں جیسے تھے۔
جوان عورتیں بھی لڑنے کے لیے تیار ہو گئیں۔ یہ اُن کے شہر کا اور جان و مال کا ہی نہیں، اُن کے مذہب
کا بھی مسئلہ تھا۔ یہ دونوں لڑائی کی ٹکر تھی لیکن خالد اسے اپنے ذاتی وقار کا اور اپنے خاندانی وقار کا مسئلہ سمجھتا تھا۔
اُس کا خاندان جنگ و جدل کے لیے مشہور تھا۔ اُس کے باپ کو لوگ عسکری قائد کہا کرتے تھے۔ خالد اپنے
خاندان کے نام اور خاندانی روایات کو ذمہ رکھنے کی سرکوشش کر رہا تھا۔

اُس نے ابوسفیان کو نظر انداز کر دیا۔ عکرمہ اور صفوان کو ساتھ لیا اور ایسی چالیں سوچ لیں جن سے وہ
مسلمانوں کو شہر سے دُور رکھ سکتا تھا۔ اُس نے سواروں کی کچھ تعداد اس کام کے لیے منتخب کر لی کہ یہ سوار
شہر سے دُور چلے جائیں اور مسلمان اگر محاصرہ کریں تو یہ گھوڑ سوار عقب سے محاصرے پر حملہ کریں مگر وہاں

ابوسفیان اور خالد کے قریب آکر اُس نے اونٹ روکا اور گود کر بیٹھے آیا۔

”میرے آنکھوں نے جو دیکھا ہے وہ تم نہیں مانو گے۔“ شتر سوار نے کہا۔ ”میں نے اہل کو حید میں بیٹھ کر دیکھا ہے۔“

”وہ مجھ اور اُس کا لشکر نہیں ہو سکتا۔“ ابوسفیان نے کہا۔

”خدا کی قسم، میں محمد کو اس طرح پہچانتا ہوں جس طرح تم دونوں مجھے پہچانتے ہو۔“ شتر سوار نے کہا۔ ”اور میں نے ایسے اور آدمیوں کو بھی پہچانا ہے جو ہم میں سے تھے لیکن اُن کے ساتھ جا رہے تھے۔“

حدیبیہ مکہ سے تیرہ میل دور مغرب میں ایک مقام تھا۔ رسول کریم خونریزی سے بچنا چاہتے تھے اس لیے آپ مکہ سے دور حدیبیہ میں جا خیمہ زن ہوتے تھے۔

”ہم اُن پر بخون ماریں گے۔“ خالد نے کہا۔ ”انہیں سنا نے نہیں دیں گے۔ وہ جرات سے حدیبیہ پہنچے ہیں، اُس راستے نے انہیں تھکا دیا ہو گا۔ اُن کی ہڈیاں ٹوٹ رہی ہوں گی۔ وہ

تازہ دم ہو کر پھر حملہ کریں گے۔ ہم انہیں آرام نہیں کرنے دیں گے۔“

”ہم انہیں دہاں سے بھگا سکتے ہیں۔“ ابوسفیان نے کہا۔ ”پچاپہ مار جیٹ تیار کرو۔“

☆

رسول اکرم نے اپنی خیمہ گاہ کی حفاظت کا انتظام کر رکھا تھا۔ گھوڑ سوار حبش رات کو خیمہ گاہ کے ارد گرد گشتی پھرہ دیتے تھے۔ دن کو بھی پھرے کا انتظام تھا۔

ایک اور گھوڑ سوار حبش نے اپنے جیسا ایک گھوڑ سوار حبش دیکھا جو خیمہ گاہ سے دور آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔ مسلمان سواروں کی طرف چلے گئے۔ وہ قریش کے سوار تھے جو دہاں نہڑے اور دور چلے گئے۔ کچھ دیر بعد وہ ایک اور طرف سے آتے نظر آئے اور مسلمانوں کی خیمہ گاہ سے ٹھوڑی دور ٹوک کر چلے گئے۔

دوسرے روز وہ سوار خیمہ گاہ کے قریب آ گئے۔ اب کے مسلمان سواروں کا ایک حبش جو خیمہ گاہ سے دور نکل گیا تھا، واپس آ گیا۔ اس حبش نے ان سواروں کو گھیر لیا۔ انہوں نے گھیرے سے نہ بچنے کے لیے جھنجھار نکال لیے۔ ان میں جھڑپ ہوئی لیکن مسلمان سواروں کے کماندار نے اپنے سواروں کو روک دیا۔

”انہیں نکل جانے دو۔“ حبش کے کماندار نے کہا۔ ”ہم لوٹے آتے ہو تو ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ جانے دیتے۔“

وہ مکہ کے لڑاکا سوار تھے۔ انہوں نے واپس جا کر ابوسفیان کو بتایا۔

”چند اور سواروں کو بھیج۔“ ابوسفیان نے کہا۔ ”ایک بخون مارو۔“

”میرے قبیلے کے سردار۔“ ایک سوار نے کہا۔ ”ہم نے بخون مارنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن اُن کی خیمہ گاہ کے ارد گرد دن رات گھوڑ سوار گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ قریش کے چند اور سواروں کو بھیجا گیا۔ انہوں نے شام کے ذوالعباس بخون مارنے کی کوشش کی

لیکن مسلمان سواروں نے ان کے کچھ سواروں کو زخمی کر کے دہاں سے بھگا دیا۔

مکہ والوں پر تذبذب کی کیفیت طاری رہی۔ وہ قتل کو سوتے بھی نہیں تھے۔ محاصرے کے دور سے ہر وقت بیدار اور چوک رہتے تھے اور دن گزرتے جا رہے تھے۔ آخر ایک روز مکہ میں ایک مسلمان سوار داخل ہوا۔ اُس نے ابوسفیان کے متعلق پوچھا لوگوں کا ایک ہجوم اُس کے پیچھے چل پڑا۔ ابوسفیان نے دور سے دیکھا اور دوڑا آیا۔ خالد بھی آ گیا۔

”میں محمد الرسول اللہ کا پیغام لے کر آیا ہوں۔“ مسلمان سوار نے کہا۔ ”ہم لوٹے نہیں آتے۔ ہم عہدہ کرنے آتے ہیں عہدہ کر کے چلے جائیں گے۔“

”اگر ہم اجازت نہ دیں تو؟“ ابوسفیان نے پوچھا۔

”ہم مکہ والوں کا نہیں خدا کا حکم ماننے والے ہیں۔“ مسلمان سوار نے کہا۔ ”ہم اپنے اور اپنی عبادت گاہ کے درمیان کسی کو حائل نہیں ہونے دیا کرتے۔ اگر مکہ کے مکان ہمارے لئے نکادے ہیں گے تو خدا کی قسم کہ طے اور کھنڈروں کی بنی بن جائے گی۔ اگر یہاں کے لوگ ہمیں روکیں گے تو مکہ کی گلیوں میں خون بہے گا۔۔۔۔۔ ابوسفیان ہم اس کا پیغام لے کر آتے ہیں اور یہاں کے لوگوں سے اس کا تحفہ لے کر چائیں گے۔“

خالد کو دلچسپی دیتے جب یہ مسلمان سوار پُر وقار بیٹھے میں دھکی دے رہا تھا۔ خالد کا خون کھول کھٹا چاہیے تھا لیکن اُسے یہ آدمی بڑا اچھا لگا تھا۔ اُسے ابوسفیان کا جواب بھی جو اُس نے رسول کریم کو بھیجا تھا، اچھا لگا تھا۔ ابوسفیان نے کہا تھا کہ دونوں طرف کے ذمہ دار آدمی صلح سمجھوتے کی شرائط طے کریں۔

☆

پھر ایک صلح نامہ تحریر ہوا تھا جسے صلح حدیبیہ کا نام دیا گیا۔ مسلمانوں کی طرف سے اس پر رسول اکرم نے اور قریش کی طرف سے سید بن عمرو نے دستخط کئے تھے۔ اس صلح نامے میں طے پایا تھا کہ مسلمان احوال قریش دس سال تک نہیں لڑیں گے اور مسلمان آئندہ سال عسبہ کرنے آئیں گے اور مکہ میں تین دن ٹھہر سکیں گے۔

رسول کریم قریش میں سے تھے۔ خالد آپ کو بہت اچھی طرح جانتا تھا لیکن اب اُس نے آپ کو دیکھا اُس نے محسوس کیا کہ یہ کوئی اور محمد ہے۔ وہ ایسا متاثر ہوا کہ اُس کے ذہن سے اتر گیا کہ یہ وہی شخص ہے جسے وہ اپنے ماتحتوں قتل کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔

خالد ہی کریم کو ایک سالہ کی حیثیت سے زیادہ دیکھ رہا تھا۔ وہ آپ کی عسکری اہلیت کا قائل ہو گیا تھا۔ صلح حدیبیہ کے مسلمان رسول اکرم کی قیادت میں چھوٹے بڑے اٹھائیس معرکے لڑ چکے اور فتح و نصرت کی دھماکا جھٹکا چکے تھے۔

مسلمان عہدہ کر کے چلے گئے۔ دو مہینے گزر گئے۔ ان دنوں میں خالد پر خاموشی طاری رہی لیکن اس خاموشی میں ایک طوفان اور ایک انقلاب پرورش پا رہا تھا۔ خالد نے مذہب میں کبھی کبھی نہیں لی تھی اسے کبھی ایسے بتوں کا خیال آیا تھا نہ کبھی اُس نے رسول کریم کی رسالت کو سمجھنے کی کوشش

اُسے گھوڑوں کے ٹاپ سنائی دیتے تب اُس نے دیکھا۔ اُسے دو گھوڑے اپنی طرف آتے دیکھائی دیتے۔ وہ رک گیا۔ گھوڑے اُس کے قریب آکر رک گئے۔ ایک سوار اُس کے قبیلے کا مشہور جنگجو بن العاص تھے اور دوسرے عثمان بن طلحہ۔ ان دونوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

”کیا تم دونوں مجھے واپس مکہ لے جانے کے لیے آتے ہو؟“ خالد نے اُن سے پوچھا۔
”تم کہاں رہتے ہو؟“ عمرو بن العاص نے پوچھا۔
”اور تم دونوں کہاں جا رہے ہو؟“ خالد نے پوچھا۔
”خدا کی قسم، ہم تمہیں بتائیں گے تو تم خوش نہیں ہو گے۔“ عثمان بن طلحہ نے کہا۔ ”ہم مدینہ جا رہے ہیں۔“

”بات پوری کرو عثمان!“ عمرو بن العاص نے کہا۔ ”خالد! ہم محمدؐ کا مذہب قبول کرنے جا رہے ہیں۔ ہم نے محمدؐ کو خدا کا سچا نبی مان لیا ہے۔“

”پھر تم ایک ہی منزل کے مسافر ہیں۔“ خالد نے کہا۔ ”آؤ، اکٹھے چلیں۔“
وہ ۳۱ مئی ۶۲۸ء کا دن تھا جب تاریخ اسلام کے دو عظیم جرنیل، خالد بن ولید اور عمرو بن العاص مدینہ میں داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ عثمان بن طلحہ تھے۔ تینوں رسول کریمؐ کے حضور پہنچے۔ سب سے پہلے خالد بن ولید اندر گئے۔ ان کے پیچھے عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ گئے۔ تینوں نے قبول اسلام کی خواہش ظاہر کی۔

رسول اللہؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور تینوں کو باری باری لگے لگایا۔

کی جتنی مگر اب از خود اُس کا دھیان مذہب کی طرف چلا گیا اور وہ اس سوتھ میں کھو گیا کہ مذہب کو سچا ہے اور انسان کی زندگی میں مذہب کی اہمیت اور ضرورت کیا ہے۔

”عکرمہ!“ ایک روز خالد نے اپنے ساتھی سالار عکرمہ سے جو اُس کا بھتیجا بھی تھا کہا۔
”میں نے فیصلہ کر لیا ہے میں سجدہ کیا ہوں۔“

”کیا سجدہ ہو خالد!“ عکرمہ نے پوچھا۔
”محمدؐ جاؤ گے نہیں۔“ خالد نے کہا۔ ”اور محمدؐ شاعر بھی نہیں۔ میں نے محمدؐ کو اپنا دشمن سمجھا ہے۔“

”یہاں سے اور میں نے محمدؐ کو خدا کا رسول تسلیم کر لیا ہے۔“
”بیل اور غوی کی قسم، تم مذاق کر رہے ہو۔“ عکرمہ نے کہا۔ ”کوئی نہیں مانے گا کہ ولید کا بیٹا اپنا مذہب چھوڑ کر ملے۔“

”ولید کا بیٹا اپنا مذہب چھوڑ چکا ہے۔“ خالد نے کہا۔
”کیا تم بھول گئے ہو کہ محمدؐ ہمارے کتنے ہم مہیوں کو قتل کر چکا ہے؟“ عکرمہ نے کہا۔
”تم اُن کے مذہب کو قبول کر رہے ہو جن کے خون کے ہم پیلا سے ہیں!“
”میں نے فیصلہ کر لیا ہے عکرمہ!“ خالد نے دو ٹوک جواب میں کہا۔ ”میں نے سوتھ بھرا فیصلہ کیا ہے۔“

”اُسی شام ابوسفیان نے خالد کو اپنے ماں بلایا۔ عکرمہ بھی وہاں موجود تھا۔
”کیا تم بھی محمدؐ کی باتوں میں آگئے ہو؟“ ابوسفیان نے اُس سے پوچھا۔
”تم نے ٹھیک سنا ہے ابوسفیان!“ خالد نے کہا۔ ”محمدؐ کی باتیں ہی کچھ ایسی ہیں۔“
مشہور مورخ واقدی نے لکھا ہے کہ ابوسفیان قبیلے کا سردار تھا۔ اُس نے خالد کا فیصلہ سننے کے لیے اُسے قتل کی دھمکی دی۔ خالد اس دھمکی پر کھرا دیا مگر عکرمہ برداشت نہ کر سکا حالانکہ وہ خود خالد کے فیصلے کے خلاف تھا۔

”ابوسفیان!“ عکرمہ نے اُسے کہا۔ ”میں تمہیں اپنے قبیلے کا سردار مانتا ہوں لیکن خالد کو جو تم نے دھمکی دی ہے، وہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ تم خالد کو اپنا مذہب بدلنے سے نہیں روک سکتے۔ اگر تم خالد کے خلاف کوئی کارروائی کرو گے تو جو سکتا ہے کہ میں بھی خالد کے ساتھ دینے چلا جاؤں۔“

☆

لگے ہی روز مکہ میں ہر کسی کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ ”خالد بن ولیدؓ محمدؐ کے پاس چلا گیا۔ خالد بادوں کے ریلے میں بہتا دیکھ کر سنا۔ اُسے اپنا ماضی اس طرح یاد آیا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار مدینہ کو نہیں بلکہ پیادہ اپنے ماضی میں چلا جا رہا ہے۔ اُسے مدینہ کے اونے مکانوں کی منڈیریں نظر آنے لگی تھیں۔
”خالد!“ اُسے کسی نے پکارا لیکن اسے گزرے ہوئے وقت کی آواز سمجھ کر اُس نے نظر انداز کر دیا۔

مدینہ میں آکر خالد بن ولید نے اسلام قبول کیا تو ان کی ذات میں عظیم انقلاب آگیا۔ تین مہینے گزر گئے تھے۔ خالد زیادہ تر وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بیٹھے فیض حاصل کرتے رہتے مگر انہیں ابھی عسکری جوہر دکھانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ فتنہ حرب و ضرب کے ماہر جنگجو تھے۔ ان کا حب و نسب بھی عام عربوں سے اوجھل تھا لیکن انہوں نے ایسا دعویٰ نہ کیا کہ انہیں سالار کا رتبہ ملنا چاہئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو باہی سمجھا اور اسی حیثیت میں محوش رہے۔



آج کے شام اور اردن کے علاقے میں اس زمانے میں قبیلہ غسان آباد تھا جو اس علاقے میں دور تک پہنچا ہوا تھا۔ یہ قبیلہ طاقت کے لحاظ سے نزدیک و دور کا ایک جنگجو ہونے کے علاوہ اس کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس قبیلہ میں عیسائی بھی شامل تھے۔

اس وقت روم کا شہنشاہ ہرقل تھا جس کی جنگ پسندی اور جنگی دہشت دوردوز تک پہنچی ہوئی تھی۔ اسلام تیزی سے پھیل چکا تھا۔ قبیلہ قریش کے ہزار لوگ اسلام قبول کر چکے تھے۔ ان کے ماننے والے ہوئے سردار اور سالار بھی مدینہ جا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کر چکے تھے اور مسلمان ایک جنگی طاقت بننے لگے تھے۔ کئی ایک چھوٹے چھوٹے قبائل علاقہ پر محوش اسلام ہو گئے تھے۔

مدینہ اطالیہ میں پہنچ رہی تھیں کہ قبیلہ غسان مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اسلام کی مقبولیت کو دیکھنے کے لیے مسلمانوں کو لہکارنا چاہتا ہے اور جنگی تیاریوں میں مصروف ہے۔ یہ بھی مانا گیا کہ غسان کا سردار اعلیٰ روم کا بادشاہ ہرقل کے ساتھ دوستی کر کے اس کی جنگی طاقت بھی مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ رسول کریم نے اپنا ایک ایلیجی رجس کا نام تاریخ میں محفوظ نہیں غسان کے سردار اعلیٰ کے ہاں اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ واحد لا شریک ہے اور اسلام ایک مذہب اور ایک دین ہے، باقی تمام عقیدے جو مختلف مذاہب کی صورت اختیار کر گئے ہیں تو جانتے ہیں اور یہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ رسول اکرم نے غسان کے سردار اعلیٰ کو قبول اسلام کی دعوت دی۔

یہی کویم نے یہ پیغام اس خیال سے بھیجا تھا کہ بیشتر اس کے کہ قبیلہ غسان روم کا شہنشاہ ہرقل کی جنگی طاقت سے محروم ہو کر عیسائیت کی آنسو شش میں چلا جائے، یہ قبیلہ اسلام قبول کرے اور اسے اپنا عقائد بنا کر ہرقل سے بچا جائے۔

”صدائے قرآن“ اس سے بہتر فیصلہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ خالد نے ایک مغل میں کہا۔ ہرقل نے فوج کشی کی تو یوں سمجھو کہ باطل کا طوفان آگیا جو سب کو اڑا لے جائے گا۔ غسان کی خیریت اسی میں ہے کہ رسول اللہ کی دعوت قبول کر لے۔ کسی اور نے کہا۔ نہیں کرے گا تو بہشت کے لیے ہرقل کا قلام ہو جائے گا۔ ایک اور نے کہا۔

اس وقت ہرقل قبیلہ غسان کے علاقے میں داخل ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ جو فوج تھی، اس کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ غسان کے سردار اعلیٰ کو اطلاع مل چکی تھی مگر وہ پریشان نہیں تھا۔ وہ ہرقل کے

شہیدوں کو دل سے اُتار دیں۔ ذہن سے ان کا نام و نشان مٹا دیں۔ ان کی یادوں کو شراب میں ڈبو دیں۔ اس زمین پر جو خدا نے ہمیں شہیدوں کے صدقے عطا کی ہے، بادشاہ بن کر گردن اکڑا لیں اور کہیں کہ میں ہوں اس زمین کا شہنشاہ۔ شہیدوں کے نام پر شٹی ڈال دیں۔ کسی شہید کی کہیں قبر نظر آئے تو اسے زمین سے ملا دیں مگر زندگی کے ہر موڑ اور ہر دور اسے پر آپ کو شہید کھڑے نظر آئیں گے۔ آپ کے ذہن کے کسی گوشے سے شہید اُٹھیں گے اور شراب اور شہنشاہیت کا نشہ اُتار دیں گے کہ جس نے سخت و تاج کے نشے میں شہیدوں سے بے وفائی کی وہ شاہ سے گدا اور ذلیل و خوار ہوا کہ اُس نے فرماں کی حکم عدول کی کہ شہید زندہ ہیں، انہیں مردہ مت کہو۔ عرب کے ملک اردن میں گنام سا ایک مقام ہے جس کا نام مومتہ ہے۔ اس کے قریب سے گزر جانے والوں کو بھی شاید پتہ نہ چلتا ہو گا کہ وہاں ایک بستی ہے۔ اس کی حیثیت چھوٹے سے ایک گاؤں سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں لیکن شہیدوں نے اردن کے بادشاہ کو اپنی موجودگی کا اور اپنی زندگی کا جو انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے احساس دلایا ہے۔ وہ جس معرکے میں شہید ہوئے تھے وہ سارے تیرہ صدیاں پہلے اس مقام پر لڑا گیا تھا پھر یہ مقام گزرتے زمانے کی آفتی رہتی رہا۔ کچھ عرصے سے مومتہ کے رہنے والے ایک عجیب صورت حال سے دوچار ہونے لگے۔ آج بھی وہاں چلے جائیں اور وہاں کے رہنے والوں سے پوچھیں تو وہ بتائیں گے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی آٹھ رات کو خواب میں دیکھتا ہے کہ سارے تیرہ صدیاں پہلے کے مجاہدین اسلام چل پھر رہے ہیں کھانا کھا کر لشکر آتا ہے اور مجاہدین اس کے مقابلے میں جم جاتے ہیں۔ ان کی تعداد تھوڑی ہے اور لشکر کفار مانند سیلاب ہے۔ معرکہ بڑا خونریز ہے۔

یہ خواب ایک دو آدمیوں نے نہیں، وہاں کے بہت سے آدمیوں نے دیکھا ہے اور کسی نہ کسی کو یہ خواب ابھی تک نظر آتا ہے۔ یہ لوگ بڑھے دیکھے نہیں۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ سارے تیرہ صدیاں پہلے یہاں حق و باطل کا معرکہ لڑا گیا تھا مگر ان کے خوابوں میں شہید آئے گے۔ یہی اردن کے ایوانوں تک پہنچی۔ تب یاد آیا کہ یہ وہ مومتہ ہے جہاں مسلمانوں اور عیسائیوں کی ایک لڑائی ہوئی تھی۔ یہ عیسائی عرب کے باشندے تھے۔

شہیدوں نے اپنے زندہ ہونے کا ایسا احساس دلایا کہ اردن کی حکومت نے جنگ مومتہ اور اس جنگ کے شہیدوں کی یادگار کے طور پر ایک نہایت خوبصورت مسجد تعمیر کرنے کے احکام جاری کر دیئے۔ مسجد کی تعمیر ۱۹۶۹ء میں شروع ہوئی تھی۔ اس جنگ میں تین سو سالہ رشتہ داری، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ کی بعد ویرجے شہید ہو گئے تھے۔ ان فیول کی قبر مومتہ سے تقریباً دو میل دور ہیں جو ابھی تک محفوظ ہیں۔

ماتحت دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

نبی کریم کا ایلی بصرہ کو جارہا تھا۔ غسان کا دار الحکومت بصرہ تھا۔ ایلی کے ساتھ ایک اونٹ پر لدے ہوئے زادراہ کے علاوہ تین محافظ بھی تھے۔

بڑی لمبی مسافت کے بعد ایلی مومنہ پہنچا اور اس نے ذرا سنانے کے لئے اپنا مختصر سا قافلہ رک لیا۔ قریب ہی قبیلہ غسان کی ایک بستی تھی۔ اس کے سردار کو اطلاع ملی کہ چار اجنبی بستی کے قریب پڑاؤ کئے ہوئے ہیں۔ سردار نے جس کا نام شرجیل بن عمرو تھا، مدینہ کے ایلی کو اپنے ہاں بلایا اور پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہا ہے۔

”میں مدینہ کا ایلی ہوں اور بصرہ جا رہا ہوں۔“ ایلی نے جواب دیا۔ ”میں اللہ کے رسول کا پیغام تمہارے سردار اعلیٰ کے لئے لے جا رہا ہوں۔“

”کیا تم قبیلہ خزیمہ کے محمد کی بات کر رہے ہو؟“ شرجیل بن عمرو نے طنز پر لیجے میں پوچھا۔

”پیغام کیا ہے؟“

”پیغام یہ ہے کہ اسلام قبول کر لو۔“ ایلی نے کہا۔ ”اور باطل کے عقیدے ترک کر دو۔“

”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اپنے سردار اعلیٰ کی اور اپنے مذہب کی توہین برداشت کر لوں گا؟“

شرجیل بن عمرو نے کہا۔ ”اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو ہمیں بسے واپس مدینہ چلے جاؤ۔“

”میں بصرہ کے راستے سے ہٹ نہیں سکتا۔“ ایلی نے کہا۔ ”یہ رسول اللہ کا حکم ہے جس کی تعمیل میں میں نہیں غمخیز ہوں۔“

”اور میں بڑے غمخیز سے تمہاری جان لوں گا۔“ شرجیل بن عمرو نے کہا اور اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔

ایلی کے تینوں محافظ باہر بیٹھے تھے۔ اندر سے تین آدمی نکلے۔ وہ کسی کی خون آلود لاش گھسیٹے ہوئے باہر لا رہے تھے۔ محافظوں نے دیکھا کہ لاش کی گردن کٹی ہوئی تھی۔ انہوں نے پہچان لیا۔

”یہ ان کے ایلی کی لاش تھی۔“ شرجیل بن عمرو باہر آیا۔

”تم اس کے ساتھی تھے۔“ شرجیل نے محافظوں سے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ اس کے بغیر بصرہ نہیں جاؤ گے۔“

”نہیں۔“ ایک محافظ نے جواب دیا۔ ”پیغام اس کے پاس تھا۔“

”جاؤ۔ یہ کوٹ جاؤ۔“ شرجیل نے کہا۔ ”اور محمد سے کہنا کہ ہم اپنے قبیلے اور اپنے عقیدے کی توہین برداشت نہیں کیا کرتے۔ اگر یہ شخص بصرہ پہنچا تو وہاں قتل ہو جائے۔“

”خدا کی قسم۔“ ایک محافظ نے کہا۔ ”ہم اپنے مہمان کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا کرتے۔“

”میں تمہیں مہمان سمجھ کر تمہاری جان بخشی کر رہا ہوں۔“ شرجیل نے کہا۔ ”اور مجھے یہ دیکھنا کہ میں تمہیں اس کی لاش دے دوں۔“

سب ایلی کی واپسی کے منتظر تھے لیکن تینوں محافظ ایلی کے بغیر واپس آئے۔ ان کے چہروں پر مرثیہ کی تہہ اور غم کے آثار ہی نہیں تھے، غم غصے کے تاثرات بھی تھے۔ وہ مدینہ داخل ہوئے تو لگ بھگ کے آگئے۔

”خدا کی قسم، ہم انتقام لیں گے۔“ محافظ بازولہرا لہرا کر کہتے جا رہے تھے۔ ”مومنہ کے شرجیل بن عمرو کا قتل ہم پر فرض ہو گیا ہے۔“

جب یہ خبر رسول اکرم کو ملی تو باہرینہ کی آبادی اٹھی ہو گئی تھی۔ عربوں کے رواج کے مطابق قتل کی سزا قتل تھی۔ باہر لوگ ”انتقام انتقام“ کے نعرے لگا رہے تھے۔ اس دور میں بھی، آج کل کی طرح ایک دوسرے کے ایلیوں کو جن کی حیثیت سیفیوں جیسی ہوتی تھی، دشمن بھی محفوظ دیکھنا تھا۔ کسی کے ایلی کو قتل کر دینے کا مطلب اعلان جنگ سمجھا جاتا تھا۔

”اہل مدینہ!“ رسول کریم نے باہر کو مدینہ والوں کے پھیرے ہوئے ہجوم سے فرمایا۔ ”میں نے تمہیں لڑائی کے لیے نہیں لگا رکھا تھا۔ میں نے تمہیں سچا دین قبول کرنے کو کہا تھا۔ اگر وہ لڑنا چاہتے ہیں تو ہم لڑیں گے۔“

”ہم لڑیں گے۔“ رسول کریم نے باہر کو مدینہ والوں کے پھیرے ہوئے ہجوم سے فرمایا۔ ”میں نے تمہیں لڑائی کے لیے نہیں لگا رکھا تھا۔ میں نے تمہیں سچا دین قبول کرنے کو کہا تھا۔ اگر وہ لڑنا چاہتے ہیں تو ہم لڑیں گے۔“

”ہم لڑیں گے۔“ رسول کریم نے باہر کو مدینہ والوں کے پھیرے ہوئے ہجوم سے فرمایا۔ ”میں نے تمہیں لڑائی کے لیے نہیں لگا رکھا تھا۔ میں نے تمہیں سچا دین قبول کرنے کو کہا تھا۔ اگر وہ لڑنا چاہتے ہیں تو ہم لڑیں گے۔“

”ہم لڑیں گے۔“ رسول کریم نے باہر کو مدینہ والوں کے پھیرے ہوئے ہجوم سے فرمایا۔ ”میں نے تمہیں لڑائی کے لیے نہیں لگا رکھا تھا۔ میں نے تمہیں سچا دین قبول کرنے کو کہا تھا۔ اگر وہ لڑنا چاہتے ہیں تو ہم لڑیں گے۔“

”ہم لڑیں گے۔“ رسول کریم نے باہر کو مدینہ والوں کے پھیرے ہوئے ہجوم سے فرمایا۔ ”میں نے تمہیں لڑائی کے لیے نہیں لگا رکھا تھا۔ میں نے تمہیں سچا دین قبول کرنے کو کہا تھا۔ اگر وہ لڑنا چاہتے ہیں تو ہم لڑیں گے۔“

”ہم لڑیں گے۔“ رسول کریم نے باہر کو مدینہ والوں کے پھیرے ہوئے ہجوم سے فرمایا۔ ”میں نے تمہیں لڑائی کے لیے نہیں لگا رکھا تھا۔ میں نے تمہیں سچا دین قبول کرنے کو کہا تھا۔ اگر وہ لڑنا چاہتے ہیں تو ہم لڑیں گے۔“

”ہم لڑیں گے۔“ رسول کریم نے باہر کو مدینہ والوں کے پھیرے ہوئے ہجوم سے فرمایا۔ ”میں نے تمہیں لڑائی کے لیے نہیں لگا رکھا تھا۔ میں نے تمہیں سچا دین قبول کرنے کو کہا تھا۔ اگر وہ لڑنا چاہتے ہیں تو ہم لڑیں گے۔“

”ہم لڑیں گے۔“ رسول کریم نے باہر کو مدینہ والوں کے پھیرے ہوئے ہجوم سے فرمایا۔ ”میں نے تمہیں لڑائی کے لیے نہیں لگا رکھا تھا۔ میں نے تمہیں سچا دین قبول کرنے کو کہا تھا۔ اگر وہ لڑنا چاہتے ہیں تو ہم لڑیں گے۔“

”ہم لڑیں گے۔“ رسول کریم نے باہر کو مدینہ والوں کے پھیرے ہوئے ہجوم سے فرمایا۔ ”میں نے تمہیں لڑائی کے لیے نہیں لگا رکھا تھا۔ میں نے تمہیں سچا دین قبول کرنے کو کہا تھا۔ اگر وہ لڑنا چاہتے ہیں تو ہم لڑیں گے۔“

”ہم لڑیں گے۔“ رسول کریم نے باہر کو مدینہ والوں کے پھیرے ہوئے ہجوم سے فرمایا۔ ”میں نے تمہیں لڑائی کے لیے نہیں لگا رکھا تھا۔ میں نے تمہیں سچا دین قبول کرنے کو کہا تھا۔ اگر وہ لڑنا چاہتے ہیں تو ہم لڑیں گے۔“

”ہم لڑیں گے۔“ رسول کریم نے باہر کو مدینہ والوں کے پھیرے ہوئے ہجوم سے فرمایا۔ ”میں نے تمہیں لڑائی کے لیے نہیں لگا رکھا تھا۔ میں نے تمہیں سچا دین قبول کرنے کو کہا تھا۔ اگر وہ لڑنا چاہتے ہیں تو ہم لڑیں گے۔“

”ہم لڑیں گے۔“ رسول کریم نے باہر کو مدینہ والوں کے پھیرے ہوئے ہجوم سے فرمایا۔ ”میں نے تمہیں لڑائی کے لیے نہیں لگا رکھا تھا۔ میں نے تمہیں سچا دین قبول کرنے کو کہا تھا۔ اگر وہ لڑنا چاہتے ہیں تو ہم لڑیں گے۔“

”ہم لڑیں گے۔“ رسول کریم نے باہر کو مدینہ والوں کے پھیرے ہوئے ہجوم سے فرمایا۔ ”میں نے تمہیں لڑائی کے لیے نہیں لگا رکھا تھا۔ میں نے تمہیں سچا دین قبول کرنے کو کہا تھا۔ اگر وہ لڑنا چاہتے ہیں تو ہم لڑیں گے۔“

ہرقل کی فوج کئی کی اطلاع ملی تھی تو وہ پیش قیمت سمٹا لے اور اپنے قبیلہ کی بڑی حسین دس بارہ لڑکیاں اپنے ساتھ لے کر ہرقل کے استقبال کو چلا گیا تھا۔ اب ان لڑکیوں میں سے دو تین ہرقل کے پہلوؤں میں بیٹھی تھیں۔

..... اور تم نے بتایا ہے کہ مدینہ سے مجھ کو نے تمہیں پیغام بھیجا تھا کہ تمہارا قبیلہ اُس کا مذہب قبول کرے۔ ہرقل نے کہا۔

”میں نے یہ بھی بتایا ہے کہ میرے ایک سردار شرجیل بن عمرو نے مدینہ کے ایلی کو چھوڑ کر نہیں پہنچنے دیا۔“ غسان کے سردار اعلیٰ نے کہا۔ ”اُسے موتہ میں قتل کر دیا تھا۔“

”کیا مدینہ والوں میں اتنی طاقت اور جرأت ہے کہ وہ اپنے ایلی کے قتل کا انتقام لینے آئیں؟“ ہرقل نے پوچھا۔

”اُن کی طاقت کم ہے اور جرأت زیادہ ہے۔“ سردار اعلیٰ نے کہا۔ ”اُن لوگوں پر مجھ کا ہا دمردار ہے۔ پہلے پہل مجھے اُن کے متعلق اطلاع ملیں تو میں نے انہیں کوئی اہمیت نہ دی مگر انہوں نے ہر میدان میں فتح پائی ہے اور ہر میدان میں اُن کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ میں نے سنا ہے کہ اُن اور اُس کے سالاروں کی جنگ چالوں کے سامنے کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔ اُس نے مجھے اپنے مذہب کا جو پیغام بھیجا تھا، اُس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بہت طاقتور سمجھنے لگا ہے۔“

”تم کیا جانتے ہو؟“ ہرقل نے ایک نیم ہر ہر لڑکی کے ہاتھ سے شراب کا پیالہ لینے پوچھا۔

”بات صاف کہہ دوں تو میرے لیے بھی اچھا ہے، آپ کے لیے بھی۔“ سردار اعلیٰ نے کہا۔ ”میں نے آپ کی فوج دیکھ لی ہے۔ میرا قبیلہ کوئی چھوٹا قبیلہ نہیں۔ اگر زیادہ نہیں تو آپ جتنی فوج میرے پاس بھی ہے۔ آپ اپنے ملک سے دور ہیں۔ اگر ہم لڑیں گے تو میں اپنی زمین پر لڑوں گا جہاں کا بچہ بچہ آپ کا دشمن ہو گا۔“

”کیا تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟“ ہرقل نے مسکرا کر پوچھا۔

”اگر یہ دھمکی ہے تو میں اپنے آپ کو بھی دے رہا ہوں۔“ غسان کے سردار اعلیٰ نے کہا۔ ”ہیں آپ کو آپس کی لڑائی کے نتائج بتا رہا ہوں جو ہم دونوں کے لیے اچھے نہیں ہوں گے۔ اس کا فائدہ مدینہ والوں کو پہنچے گا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم دونوں مل کر مسلمانوں کو ختم کریں؟ میں فتح کی صورت میں آپ سے کچھ نہیں مانگوں گا۔ مفتوحہ علاقہ آپ کا ہو گا۔ میں اپنے علاقے میں واپس آ جاؤں گا۔۔۔ ہم آپس میں لڑ کر اپنی طاقت ضائع کر دیں۔ پہلے ایک ایسی طاقت کو ختم کریں جو مدینہ میں ہم دونوں کے خلاف تیار ہو رہی ہے۔“

”میں تمہاری تجویز کو قبول کرتا ہوں۔“ شہنشاہ ہرقل نے کہا۔

”پھر اپنی فوج کو حکم دے دیں کہ غسان کی سستیوں میں ٹوٹ مار بند کر دیں۔“

”وہ دس دن گا۔“ ہرقل نے کہا۔ ”ہمیں مدینہ والوں کے انتظار میں نہیں رہنا چاہئے ہم مدینہ کی طرف بڑھیں گے۔“



انہیں زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ مدینہ کے تین ہزار مجاہدین مدینہ سے بہت دُور نکل گئے تھے۔ موتہ سے کچھ فاصلے پر معان نام کا ایک مقام تھا، وہاں انہوں نے پڑاؤ کیا۔ اس علاقے اور اس سے آگے کے علاقے میں مجاہدین اجنبی تھے۔ انہیں کچھ خبر نہیں تھی کہ آگے کیا ہے۔ معلوم یہ کرنا تھا کہ آگے دشمن کی فوج موجود ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کتنی ہے اور کیسی ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے تین چار مجاہدین کو غریب سے شتر سواروں کے بھیج دیے گئے تھے۔ وہ جو خبر لائے ان آدمیوں نے رات آگے لکھیں جا کر گورامی اور اگلی سٹم کو واپس آئے۔ وہ جو خبر لائے وہ اچھی نہیں تھی۔ وہ دُور آگے چلے گئے تھے۔ پہلے انہیں غسان کے دو گئے نظر آئے جو نقل مکانی کر کے کہیں جا رہے تھے۔ دونوں گھوڑوں میں نوجوان لڑکیاں اور جوان عورتیں زیادہ تھیں۔ وہ لوگ امیر کے معلوم ہوتے تھے۔ اُن کا سامان کئی آدمیوں پر لدا ہوا تھا۔ یہ قافلہ ایک جگہ آرام کے لیے رکا ہوا تھا۔ مجاہدین بھی وہیں رُک گئے اور انہوں نے قافلے والوں کے ساتھ راہ ورسم پیدا کر لی اور یہ ظاہر نہ ہوئے دیا کہ وہ مسلمان ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ لہرہ جا رہے ہیں اور وہاں سے تجارت کا سامان لائیں گے۔

”ہمیں سے واپس چلے جاؤ۔“ قافلے کے آدمیوں نے انہیں بتایا۔ ”رُوما کے بادشاہ ہرقل کا لشکر ٹوٹ مار اور قتل و غارت کرتا چلا آ رہا ہے۔ تم سے اونٹ اور مال و دولت چھین لیں گے اور ہر کتابتہ تمہیں قتل بھی کر دیں۔“

پھر ہرقل کی فوج کئی کی باتیں ہوتی رہیں۔ پتہ چلا کہ انہوں نے ہرقل کی فوج دیکھی نہیں صرف سنا ہے کہ یہ فوج اُردن میں داخل ہو کر ٹوٹ مار کر رہی ہے۔ ان گھوڑوں میں چوکرہ عورتیں زیادہ تھیں اس لیے انہیں بچانے کے لیے یہ لوگ بھاگ نکلے۔

مجاہدین کے لیے یہ فردی ہو گی کہ وہ ہرقل کے متعلق صحیح صورت حال معلوم کریں۔ یہ بہت بڑا خطہ تھا۔ مجاہدین اور آگے چلے گئے۔ انہیں غسان کی ایک بستی نظر آ گئی۔ وہ بستی میں چلے گئے اور بتایا کہ وہ لہرہ جا رہے تھے مگر راستے میں رہزموں نے انہیں ٹوٹ لیا ہے۔ بستی والوں نے انہیں کھانا کھایا اور خاموشی اور جھگڑت کی۔ وہاں سے انہیں صحیح اطلاع مل گئی۔

صحیح صورت حال یہ تھی کہ ہرقل اور قبیلہ غسان کے درمیان معاہدہ طے پا گیا تھا۔ قبیلہ غسان نے اپنی فوج ہرقل کی فوج میں شامل کر دی تھی اور دونوں فوجوں کا ٹوٹ مدینہ کی طرف تھا۔ مؤرخوں نے ہرقل کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ اور ایک لاکھ غسان کی فوج کی تعداد لکھی ہے لیکن بعض مؤرخ اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ وہ دونوں فوجوں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ بتاتے ہیں بہر حال مدینہ کی اسلامی فوج کی تعداد سب نے تین ہزار لکھی ہے۔

اس صورت حال نے مجاہدین کے سالاروں کو پریشان کر دیا۔ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ دشمن کی اس اہمیت ناک جنگی قوت اور اپنی قلیل تعداد کو دیکھتے ہوئے واپس آ جاتے لیکن انہوں نے واپس کی نہ سوچی، البتہ معان سے آگے پیش قدمی روک دی۔

”اگر ہم واپس چلے گئے تو یہ ہرقل اور غسان کے لیے دعوت ہو گی کہ بے دھمک مدینہ تک

چہ آؤ۔“ عبداللہ بن رواحہ نے کہا۔ ”ہم دشمن کو یہیں روکیں گے۔“

”کیا ہم اتنی تھوڑی تعداد میں اتنے بڑے لشکر کو روک سکیں گے؟“ — زمین حارثہ نے پوچھا۔

”کون سے میدان میں ہم تھوڑی تعداد میں نہیں تھے؟“ جعفر بن ابی طالب نے کہا۔ ”اگر ہم مل کر کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکتے تو ہم میں سے کوئی مدیہ چلا جاتا اور رسول اللہ سے احکام لے لیتے۔“ ہم اتنا وقت ضائع نہیں کر سکتے۔“ عبداللہ نے کہا۔ ”اگر ہمیں اتنی ہمت نہیں دے گا تو کئی قسم میں دشمن کو تباہ نہیں کر سکتے۔“

”اور میں مدینہ میں یہ کہنے کے لیے داخل نہیں ہوں گا کہ ہم پہنچا ہوا آتے ہیں۔“ — زندہ نہ کہا۔
 ”ہم جاہلیں قربان کر کے زندہ رہنے والوں کے لیے مثال قائم کرنا چاہیں گے۔ یرست مجھ کو کہ عثمان کی
 فوج میں عیسائیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ عیسائی اپنے مذہب کی خاطر لڑیں گے۔“

عبداللہ بن رواحہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے مجاہدین کو اکٹھا کر کے اتنے جوشیلے ہوئے
میں خطاب کیا کہ تین ہزار مجاہدین کے نعرے زمین و آسمان کو ہلانے لگے۔ سپہ سالار زبیر بن عاص نے
آگے کو کونج کا حکم دے دیا۔

مؤمنین لکھے ہیں کہ صحابی دین اسلام نے اپنے آپ کو بڑے ہی خطرناک امتحان میں ڈال دیا۔ بقل اور عثمان کے سردار اعلیٰ کو معلوم ہو گیا کہ مدینہ سے چند ہزار نفر کی فوج اپنے اہلجی کے قتل کا انتقام لینے آرہی ہے۔ صحابی دین کو محلِ ڈانے کے لئے بقل اور عثمان کے لشکر آ کر پہنچے۔

مجاہدین بڑھتے چلے گئے اور بغاوت پھیلنے لگی۔ انہیں اور آگے جانا تھا لیکن عثمان کی فوج کے ہودے جن کی تعداد مجاہدین کی نسبت تین گنا تھی، راستے میں حاصل ہو گئے۔ زمینیں حارثہ نے مجاہدین کو دے دی تھیں۔ روک لیا اور ایک بلند جگہ کھڑے ہو کر علاقے کا جائزہ لیا۔ انہیں یہ زمین لڑائی کے لیے موزوں نہ لگی۔ یہ سال اردو سے مشہور ہو کر کے زمین حارثہ نے مجاہدین کو بھیج دی تھی۔ آئے عثمان کی فوج نے اسے پہاڑی سمجھ کر مجاہدین کا تعاقب کیا۔

زینبؓ کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ دایاں اور بائیں پہلو اور قلب۔ وائیں پہلو کی کمان قطب بن قاعدہ کے پاس اور بائیں پہلو کی عبا بن مالک کے ماتھے تھی۔ زینبؓ خود قلب میں رہے۔

”اللہ کے سچے بھتی کے عاشقو!۔ زمین پر خارشہ نے بڑی بلند آواز سے مجاہدین کو لکھا۔
 آج ہمیں ثابت کرنا ہے کہ ہم حق کے پرستار ہیں۔ آج باطل کے نیچے سے زمین کھینچ لو۔ اپنے سامنے
 باطل کا لشکر دیکھو اور اس سے موت درود... یہ لڑائی طاقت کی نہیں، یہ عجراتِ عذبے اور دماغِ کھٹکا
 ہے۔ میں تمہارا سپہ سالار بھی ہوں اور علمِ بزرگوار بھی۔ دشمن کا لشکر اتنا زیادہ ہے کہ تم اس میں گم ہو جاؤ گے
 لیکن اپنے ہوشِ فہم نہ ہونے دینا۔ ہم کھٹکے لڑیں گے اور اکٹھے مریں گے۔“ زمین نے غرور اٹھالیا۔

دشمن کی طرف سے تیرول کی پہلی بوجھ لڑائی۔ زید کے حکم سے مجاہدین کے داییں اور بائیں پہنچ گئے اور آگے بڑھے۔ ہر آمنے سامنے کا فائدہ اٹھا۔ مجاہدین داییں اور بائیں بھٹکتے اور آگے

بڑھتے چلے گئے اور بیچ نے قلب کو آگے بڑھا دیا۔ وہ خود آگے تھے۔ یہ معرکہ الیسا تھا کہ مجاہدین

کا حوصلہ اور جذبہ برقرار رکھنے کے لیے پھر سارا کانٹا اٹھاتا رہا۔ وہ سب سے پہلے
 چنانچہ علم بھی سپہ سالار زمین پر حادشہ کے پاس تھا اس لیے دشمن انہی پر تہہ بربسا تا اور جیسے بول ہوا تھا
 زہر کی پتھر لگ چکے تھے جسم سے خون بہ رہا تھا لیکن انہوں نے علم نیچے نہ ہوندا اور ان کی لڑائی خاصا موٹ
 نہ ہوتی۔ علم اٹھائے ہوئے وہ تلوار بھی چلا رہے تھے۔ پھر ان کے جسم میں برچھیاں لگیں۔ آخر وہ گھوڑے
 سے گر پڑے اور شہید ہو گئے۔ علم گر تے ہی مجاہدین کچھ بد دل ہوئے لیکن جعفر بن ابی طالب نے
 بڑھ کر علم اٹھالیا۔

”رسول اللہ کے شیدائیو!۔۔۔ جعفر نے علم اور کچر کے بڑی ہی بلند آواز سے کہا۔۔۔ ”خدا کی قسم، اسلام کا نعرہ نہیں سکتا۔۔۔“ اور انہوں نے زمین حارثہ شہید کی جگہ سنبھال لی۔

بجانبین لشکر کفار میں گم ہو گئے تھے لیکن اُن کا جذبہ قائم تھا۔ اُن کی لٹکار اور اُن کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔ سالار سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ ان کا علم بلند تھا۔

تختوی ہی دریا جل کر مے لگ کر گم تھا، اٹھتا تھا۔ عبداللہ بن رواحہ نے دیکھ لیا اور سبکھ گئے کہ علم بردار
 زنجی ہے اور وہ علم کو سنبھال نہیں سکتا۔ علم بردار سپہ سالار خود تھا۔ وہ جعفر بن ابی طالب تھے۔ عبداللہ
 ان کا طوف دوڑے۔ ان تک پہنچنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔

عبداللہ جعفر تک پہنچے ہی تھے کہ جعفر خرخر پڑے۔ ان کا جسم خون میں نہا گیا تھا جسم پر شاہد ہی کوئی ایسی جگہ ہو جان نہ ہو، اور یا رنجی کا غم نہیں تھا جعفر کرتے ہی شہید ہو گئے، عبداللہ نے پرچم اٹھا کر بلند کیا اور لغوہ لگا کر مجاہدین کو بتایا کہ انہوں نے علم اور سپہ سالاری سنبھال لی ہے۔

یہ دشمن کی فوج کا ایک جھنڈہ تھا جس کی تعداد اوس سے پندرہ ہزار تک تھی۔ یہ تمام تر فطری غنائی عیسائیوں کی تھی جو اس معرکہ کو مذہبی جنگ سمجھ کر لڑ رہے تھے۔ اتنی زیادہ تعداد کے خلاف تین ہزار مجاہدین کی فکر کی جاتی تھی لیکن ان کی قیادت اتنی دانشمند اور عسکری لحاظ سے اتنی قابل تھی کہ اس کے سخت مجاہدین جنگی طریقے اور سلیقے سے لڑ رہے تھے۔ ان کا انداز لڑنے بازوں والا نہیں تھا بلکہ دشمن

کی تعداد قریباً زیادہ تھی کہ مجاہدین کچھ نہیں لگے۔ یہاں تک کہ بعض اس انتشار اور شگن کے باوجود زور سے گھبرا کر مکر کے سے نکل گئے لیکن وہ جہاک کر کہیں گئے نہیں، قریب ہی کہیں موجود رہے۔ باقی مجاہدین انتشار کھٹکار ہونے سے ٹول پیچے کہ وہ جار جا رہا یاچا یاچا کٹھے جو کھڑے رہے۔

جنگی مہترین نے لکھا ہے کہ عثمانی مسلمانوں کی اس افراق ترقی کی کیفیت سے کچھ بھی فائدہ نہ اٹھا سکے جس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان اتنی بے جگری سے اور ایسی ہمت سے لڑ رہے تھے کہ غزابل پڑان کا رعب طاری ہو گیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا بکھر جانا بھی ان کی چال ہے۔ تو بخیر لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے سالاروں اور کمانداروں نے اس صورت حال کو یوں سنبھالا کہ اپنے آدمیوں کو معرکے سے نکالنے لگے تاکہ انہیں منظم کیا جاسکے۔

اک دورانِ علم ایک بار پھر کھڑا۔ تیسرے سپہ سالار عبداللہ بن رواحہ بھی شہید ہو گئے۔ اب کے مجاہدین میں بدولی نظر آئے گی، علم کا تیسری بار گرنا، چھ شمشکون نہیں تھا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی

تین سالہ مقرر کئے تھے۔ اب مجاہدین کو سپہ سالار خود مقرر کرنا تھا۔

علم کرا ہوا تھا جو شکست کی نشانی تھی۔ ایک سرکردہ مجاہد ثابت بن ارقم نے علم اٹھا کر ملکہ کیا اور نعرہ لگانے کے انداز سے کہا۔ "اپنا سپہ سالار کسی کو نہالو علم کو جس بلند رکھوں گا۔ میں ثابت بن ارقم ہوں۔" مورخ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ثابت اپنے آپ کو سپہ سالاری کے قابل نہیں سمجھتے تھے اور وہ مجاہدین کی رائے کے بغیر سپہ سالار بننا بھی نہیں چاہتے تھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ تین سالہ اگر شہید ہو جائیں تو چھ سپہ سالار کا انتخاب مجاہدین خود کریں۔ ثابت کی نظر خالد بن ولید پر پڑی جو قریب ہی تھے مگر خالد بن ولید کو مسلمان ہونے ابھی تھی ہی مینے جو تھے اس لیے انہیں اسلامی معاشرت میں ابھی کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ ثابت بن ارقم خالد کے عسکری جہر اور جذبے سے واقف تھے۔ ان دنوں خالد کی طرف بڑھایا۔

"بیشک اس رُتبے کے قابل تم ہو خالد!"

"نہیں" خالد نے جواب دیا۔ "میں ابھی اس کا مستحق نہیں۔" خالد نے علم لینے سے انکار کیا اور لڑائی کا زور کچھ ٹوٹ گیا تھا۔ ثابت نے لکھا کہ مجاہدین سے کہا کہ خالد سے کہو کہ علم کراؤ اور پہلا لے لے لے بیشتر مجاہدین خالد کی عسکری قابلیت سے واقف تھے اور قبیلہ قریش میں ان کی حیثیت سے بھی بے خبر نہیں تھے۔

"خالد... خالد... خالد" ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ "خالد ہمارا سپہ سالار ہے۔" خالد نے یک دم علم ثابت سے لے لیا۔

ثابت نے تو یہ کام کیا لیکن غسانی مجاہدین کی اس غیر معمولی دلیری سے مرعوب ہو گئے اور پیچھے ہٹ گئے۔ ان میں انتشار پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مجاہدین کے دائیں پہلو کے سالار قطیب بن قتادہ نے غسانیوں کے قلب میں شش کر ان کے سپہ سالار مالک کو قتل کر دیا۔ اس سے غسانیوں کے حوصلے جواب دے گئے اور وہ تعداد کی افراط کے باوجود ہمت پیچھے چلے گئے اور منظم نہ رہ سکے۔

خالد نے اسی لیے یہ دلیل نہ کرایا تھا کہ مجاہدین کو تنہا ہی سے بچایا جاسکے۔ وہ انہوں نے کر لیا اور مجاہدین کو اپنی کاسحہ دے دیا۔ اس طرح یہ جنگ ہرجیت کے بغیر ختم ہو گئی۔

جب مجاہدین خالد بن ولید کی قیادت میں مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینہ میں پہلے ہی خبر پہنچ چکی تھی کہ مجاہدین پہاڑ پر گئے ہیں۔ مدینہ کے لوگوں نے مجاہدین کو طعنے دینے شروع کر دیے کہ وہ بھاگ کر آئے ہیں۔ خالد نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور معرکے کی تمام تر روایت پیش کی۔ لوگوں کے طعنے بلند ہوتے جا رہے تھے۔

"خوش ہو جاؤ" رسول کریم نے بلند آواز سے فرمایا۔ "یہ میدان جنگ کے بھگوڑے نہیں۔ یہ لڑکھائے ہیں اور آئندہ بھی لڑیں گے۔" خالد اللہ کی تلواریں تھامے۔

ابن ہشام، واقعہ اور مغازی لکھتے ہیں کہ رسول کریم کے یہ الفاظ خالد بن ولید کا خطاب بن گئے۔ "سینا اللہ" اللہ کی شمشیر اس کے بعد شمشیر اللہ کی راہ میں ہمیشہ بے نیام رہی۔

غسانی لوگوں نے سب سے پہلے لیکن ذرا پیچھے ہٹ گئے تھے خالد کو پہلی بار آزادی سے قیادت کے جہر دکھانے کا موقع ملا۔ انہوں نے چند ایک مجاہدین کو اپنے ساتھ رکھ لیا اور ان سے قاصدوں کا کام لے لگے۔ خود بھی بھاگ دوڑ کر نہ لگے۔ لڑتے بھی رہے۔ اس طرح انہوں نے ان مجاہدین کو جڑ لگانے کے قابل رہ گئے تھے۔ کچھ کچھ کے منظر کو لیا اور انہیں پیچھے بٹالیا۔ غسانی بھی پیچھے ہٹ گئے اور دونوں طرف سے تیروں کی بوچھاڑیں برائے لگیں۔ فضا میں ہر طرف تیراؤ رہے تھے۔

خالد نے صورت حال کا جائزہ لیا، اپنی نفری اور اس کی کیفیت دیکھی تو ان کے سامنے ہی ایک صورت رو گئی تھی کہ معرکہ ختم کر دیں۔ دشمن کو ٹھک بھی مل رہی تھی لیکن خالد پر سپاہیں ہونا چاہتے تھے۔ پسپائی بجا تھی لیکن خطرہ یہ تھا کہ دشمن تعاقب میں آئے گا جس کا نتیجہ مجاہدین کی تنہائی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ خالد نے سوت سوت کو ایک دلیل فیصلہ کیا۔ وہ مجاہدین کے آگے ہو گئے اور غسانیوں کو بل دیا۔ مجاہدین نے جب اپنے سپہ سالار اور اپنے علم کو آگے دیکھا تو ان کے حوصلے تروتازہ ہو گئے۔ یہ بلہ آنا دلیل نہ اور اتنا نیز تھا کہ کثیر تعداد غسانی جیسا انہوں کے قدم اکھڑ گئے۔ مجاہدین کے بلے اور ان کی ضربوں میں قہر تھا۔ مورخ لکھتے ہیں (اور حدیث بھی ہے) کہ اس وقت تک خالد کے ہاتھ میں تو تلواریں ٹوٹ چکی تھیں۔

خالد دراصل غسانیوں کو کچھیر کر مجاہدین کو پیچھے بٹانا چاہتے تھے۔ اس میں وہ کامیاب رہے۔ انہوں نے اپنے اور مجاہدین کے جذبے اور اسلام کے عشق کے بل بوتے پر یہ دلیل نہ حمد کیا تھا۔ حملے اور بلے کی

لا کر کہا۔ ”مسلمان لاشیں نہیں.... اور وہ کچھ بھی ہیں، خدا کی قسم میں معاہدہ نہیں توڑوں گا۔“
 ”معاہدہ تو میں بھی نہیں توڑوں گی۔“ ہند نے کہا۔ ”لیکن مسلمانوں سے انتقام ضرور ملے گی اور یہ انتقام بھیاک ہو گا۔ قبیلہ قریش میں غیرت والے جنگجو موجود ہیں۔“
 ”آخر تم کرائی کیا جانتی ہو؟“ ابوسفیان نے پوچھا۔
 ”میں جلدی پتھر پیل جائے گی۔“ ہند نے کہا۔



مکہ کے گرد و نواح میں فراعہ اور بنو نجرہ قبیلے آباد تھے۔ ان کی آپس میں بڑی پرانی عداوت تھی۔ حدیبیہ میں جب مسلمانوں اور قریش میں صلح ہو گئی اور دس سال تک عدم جارحیت کا معاہدہ ہو گیا تو یہ دونوں قبیلے اس طرح اس معاہدہ سے کفر فریق بن گئے کہ قبیلہ فراعہ سے مسلمانوں کا اور قبیلہ بنو نجرہ نے قریش کا اتحادی بننے کا اعلان کر دیا تھا۔ معاہدہ جو تاریخ میں صلح حدیبیہ کے نام سے شہرہ پزیر ہے اور بنو نجرہ کے لیے بول فائدہ مندرجات ہو گا کہ دونوں قبیلوں کی آنے والی لڑائیاں بند ہو گئیں۔
 اچانک یوں ہوا کہ بنو نجرہ نے ایک رات فراعہ کی ایک لہتی جملہ کر دیا۔ یہ کوئی بھی نہ جان سکا کہ بنو نجرہ نے معاہدہ کیوں توڑ دیا ہے۔ ایک روایت ہے کہ اس کے پیچھے ہند کا ہاتھ تھا۔ فراعہ جو مکہ مسلمانوں کے اتحادی تھے اس لیے ہند نے اس توقع پر فراعہ پر بنو نجرہ سے حملہ کر دیا تھا کہ فراعہ مسلمانوں سے مدد مانگیں گے اور مسلمان ان کی مدد کو ضرور آئیں گے اور وہ جب بنو نجرہ پر حملہ کریں گے تو قریش مسلمانوں پر حملہ کر دیں گے۔

ایک روایت یہ ہے کہ یہ عثماني عیسائیوں اور یہودیوں کی سازش تھی۔ انہوں نے سوچا تھا کہ قریش اور مسلمانوں کے اتحادیوں کو آپس میں لڑا دیا جائے تو قریش اور مسلمانوں کے درمیان لڑائی ہو جائے گی بنو نجرہ فراعہ کے مقابلے میں طاقتور قبیلہ تھا۔ عثمانيوں اور یہودیوں نے بنو نجرہ کی ایک لڑائی کا فائدہ اٹھا کر قبیلہ فراعہ کی ایک لہتی میں پانچا دی اور بنو نجرہ کے سرداروں سے کہنا کہ فراعہ نے ان کی لڑائی کو اغوا کیا ہے بنو نجرہ نے جاسوسی کی اور پتہ چلا کہ ان کی لڑائی واقعی فراعہ کی ایک لہتی میں ہے۔

ہند نے اپنے خاوند ابوسفیان کو بتائے بغیر قریش کے کچھ آدمی بنو نجرہ کو دے دیئے۔ ان میں قریش کے مشہور سالار عکرمرہ اور صفوان بھی تھے جو کچھ جملہ رات کو کیا گیا تھا، اس لیے فراعہ کے میں آدمی مارے گئے۔ یہ راز رکھی جو معلوم ہو گیا کہ بنو نجرہ کے حملے میں قریش کے آدمی مدد کے لیے گئے تھے۔ فراعہ کا سردار اپنے ساتھ دو تین آدمی لے کر مدینہ چلا گیا فراعہ غیر مسلم قبیلہ تھا فراعہ کے یہ آدمی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچے اور آپ کو بتایا کہ بنو نجرہ نے قریش کی پشت پناہی سے حملہ کر کے قریش کے کچھ آدمی بھی اس حملے میں شریک تھے۔ فراعہ کے اچھی سے رسول اکرم کو بتایا کہ عکرمرہ نے اپنی جہتی حملے میں شامل تھے۔ رسول اکرم غصے میں آ گئے۔ یہ معاہدہ سے کی خلاف ورزی تھی آپ نے مجاہدین کو تیار کیا کہ حکم دے دیا۔

مذکورہ نکتے ہیں کہ رسول اللہ کا رد عمل بڑا ہی شدید تھا۔ اگر معاملہ صرف بنو نجرہ اور فراعہ کی آپس کی لڑائی کا ہوتا تو حضور شاید کچھ اور فیصلہ کرتے لیکن بنو نجرہ کے حملے میں قریش کے نامی کڑی سالار عکرمرہ اور صفوان بھی شامل تھے اس لیے آپ نے فرمایا کہ معاہدہ سے کی خلاف ورزی کی ذمہ داری اہل

قبیلہ قریش کا سردار اعلیٰ ابوسفیان جو کسی وقت لاکھ کربات کیا کرتا اور مسلمانوں کو ہلکا کر کے کہہ کر انہیں پلے ہی نہیں باندھتا تھا، اب مجھ کے رہ گیا تھا۔ خالد بن ولید کے قبول اسلام کے بعد تو ابوسفیان صرف سردار رہ گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے جنگ و جدل کے ساتھ اس کا کبھی تعلق رہا ہی نہیں تھا۔ عثمان بن طلحہ اور عمرو بن العاص جیسے ماہر جنگجو بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ اس کے پاس ابھی عکرمرہ اور صفوان جیسے سالار موجود تھے لیکن ابوسفیان صاف طور پر محسوس کرنے لگا تھا کہ اس کی یعنی قریش کی جنگی طاقت بہت کمزور ہو گئی ہے۔

”تم بزدل ہو گئے ہو ابوسفیان!“ اس کی بیوی ہند نے ایک روز اسے کہا۔ ”تم مدینہ والوں کو ہمدردی کا موقع دے رہے ہو کہ وہ لشکر اکٹھا کرتے چلے جاتیں اور ایک روز ان کو مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔“

”میرے ساتھ رہی کون کیا ہے ہند؟“ ابوسفیان نے مایوسی کے عالم میں کہا۔
 ”مجھے اس شخص کی بیوی کہلاتے شرم آتی ہے جو اپنے خاندان اور اپنے قبیلے کے دشمنوں کے خون کا انتقام لینے سے ڈرتا ہے۔“ ہند نے کہا۔

”میں قتل کر سکتا ہوں۔“ ابوسفیان نے کہا۔ ”میں قتل ہو سکتا ہوں۔ میں بزدل نہیں ہوں۔ اگر پرک بھی نہیں لیکن میں اپنے وعدے سے نہیں پھر سکتا.... کیا تم بھول گئی ہو کہ حدیبیہ میں محمد کے ساتھ میرا کیا معاہدہ ہوا تھا؟.... اہل قریش اور مسلمان دس سال تک آپس میں نہیں لڑیں گے۔ اگر میں معاہدہ توڑوں اور میدان جنگ میں مسلمان ہر غائب آجائیں تو....“

”تم مت لڑو۔“ ہند نے کہا۔ ”قریش نہیں لڑیں گے۔ ہم کسی اور قبیلے کو مسلمانوں کے خلاف لڑا سکتے ہیں۔ ہمارا مقصد مسلمانوں کی تباہی ہے۔ ہم مسلمانوں کے خلاف لڑنے والوں کو دہرہ دہرے سے کہتے ہیں۔“

”قریش کے سوا کون ہے جو مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی جرأت کرے گا؟“ ابوسفیان نے کہا۔ ”فوتہ میں ہر قتل اور عثمان کے ایک لاکھ کے لشکر نے مسلمانوں کا کیا بگاڑ دیا تھا؟ کیا تم نے انہیں تنہا کہ ایک لاکھ کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی؟.... میں اپنے قبیلے کے کسی آدمی کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے کسی قبیلے کی مدد کے لیے جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔“
 ”سرت بھول ابوسفیان!“ ہند نے غصہ بنگا لہجہ میں کہا۔ ”میں دودھ عورت ہوں جن نے اللہ کی لڑائی میں غرہ کا پیٹ چاک کر کے اس کا کلیجہ نکالا اور اسے چھایا تھا۔ تم میرے خون کو کس طرح ٹھنڈا کر سکتے ہو؟“
 ”تم نے مجھ کو بتایا کہ اس کی لاش کا پیٹ چاک کیا تھا۔“ ابوسفیان نے ہونٹوں پر طنز بکھیرا۔

قریش پر عامہ ہوتی ہے۔

”ابوسفیان نے صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کی ہے۔“ مدینہ کی گلیوں اور گھروں میں آواز اٹھانے لگی۔
 ”رسول اللہ کے حکم پر ہم مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔“ اب قریش کو ہم اپنے قدموں میں بٹھا کر دم لیں گے۔“
 رسول اللہ نے مکہ پر حملے کی تیاری کا حکم دے دیا۔



ابوسفیان کو اتنا ہی پتہ چلا تھا کہ بنو بکر نے غزا پر شب خون کی طرز کا حملہ کیا ہے اور خمرہ کے کچھ آدمی مارے گئے ہیں۔ اُسے یاد آیا کہ عکرمہ اور صفوان صبح سویرے گھوڑوں پر سوار کہیں سے آرہے تھے۔ اُس نے ان سے پوچھا تھا کہ وہ کہاں سے آرہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ گھوڑ دوڑ کے لیے گئے تھے۔ دوپہر کے وقت جب اُسے پتہ چلا کہ بنو بکر نے غزا پر حملہ کیا ہے تو اُس نے عکرمہ اور صفوان کو بلایا۔

”تم دونوں مجھے کسی طرح یقین دلا سکتے ہو کہ غزا کی بستی پر بنو بکر کے حملے میں تم شریک نہیں تھے؟“ ابوسفیان نے اُن سے پوچھا۔

”کیا تم بھول گئے ہو کہ بنو بکر ہمارے دوست ہیں؟“ صفوان نے کہا۔ ”اگر دوست ہوں گے تو کیا تم دوستوں کو پیٹ دھکا دے گے؟“
 ”میں کچھ بھی نہیں بھولا۔“ ابوسفیان نے کہا۔ ”خدا کی قسم تم بھول گئے ہو کہ قبیلہ قریش کا سردار

کون ہے۔ میں ہوں تھا اس سردار۔۔۔ میری اجازت کے بغیر تم کسی اور کا ساتھ نہیں دے سکتے۔“
 ”ابوسفیان! عکرمہ نے کہا۔ ”میں نہیں اپنے قبیلے کا سردار مانتا ہوں۔ تمہاری کمان میں لایا ہوا ہوں۔ تمہارا ہر حکم مانا ہے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم قبیلے کے دقار کو مجروح کرتے چلے جا رہے ہو۔ تم نے اپنے دل پر مدینے والوں کا خوف طاری کر لیا ہے۔“

”اگر میں قبیلے کا سردار ہوں تو میں کسی کو ایسا جرم بخشوں گا نہیں جو تم نے کیا ہے۔“ ابوسفیان نے کہا۔
 ”ابوسفیان! عکرمہ نے کہا۔ ”وہ وقت نہیں یاد ہو گا جب خالد مدینہ کو رخصت ہوا تھا تم نے اُسے بھی دھمکی دی تھی اور میں نے تمہیں یہ بھی کہا تھا کہ تم نے اپنا رویہ نہ بدلاتو میں بھی تمہارا ساتھ چھوڑنے اور محمد کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔“

”یہ تم نہیں سمجھتے کہ وہ قاتلوں کا اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں کیا کرتے؟“ ابوسفیان نے کہا۔
 ”تم نے بنو بکر کا ساتھ دے کر اور مسلمانوں کے اتحادی قبیلہ پر حملہ کر کے اپنے قبیلے کا وقار تباہ کر دیا ہے۔ اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ محمدؐ نے مکہ پر حملہ کر دیا تو تم حملہ پسندو گے تو تم خوش نہیں ہو سکتا ہو۔ کوئی میلان میں تم نے مسلمانوں کو شکست دی ہے؟ کتنا لشکر لے کر تم نے مدینہ کو محاصرے میں لیا تھا؟“

”وہاں سے اُسپانی کا حکم تم نے دیا تھا۔“ صفوان نے کہا۔ ”تم نے ہار مان لی تھی۔“

”میں تم جیسے خدی اور کوتاہ بین آدمیوں کے پیچھے پورے قبیلے کو ذلیل و خوار نہیں کرواؤں گا۔“
 ابوسفیان نے کہا۔ ”میں مسلمانوں کے ساتھ ابھی چھیڑ خانہ نہیں کر سکتا۔ میں محمدؐ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے ایک دوست قبیلے نے مسلمانوں کے ایک دوست قبیلے پر حملہ کیا ہے اور اس میں قریش کے چند ایک آدمی شامل ہو گئے تھے تو اس سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ میں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ میں محمدؐ کو بتاؤں گا کہ قبیلہ قریش حدیبیہ کے معاہدے پر قائم ہے۔“
 وہ عکرمہ اور صفوان کو وہیں کھڑا چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔



ابوسفیان اُسی روز مدینہ کو روانہ ہو گیا۔ اہل مکہ پیران تھے کہ ابوسفیان اپنے دشمن کے پاس چلا گیا ہے۔ اُس کے خلاف آوازیں اُٹھنے لگیں۔ اُس کی بیوی ہند جبرے موٹے جسم اور اونچے قد کی عورت تھی، چُنکا کرتی پھر رہی تھی۔

مدینہ پہنچ کر ابوسفیان نے جس دروازے پر دستک دی وہ اُس کی اپنی بیٹی اُم حبیبہ کا گھر تھا۔ دروازہ کھلا۔ بیٹی نے اپنے باپ کو دیکھا تو بیٹی کے چہرے پر مسرت کی بجائے بے لُحی کا ناٹھ اُٹھ گیا۔ بیٹی اسلام قبول کر چکی تھی اور باپ اسلام کا دشمن تھا۔

”کیا باپ اپنی بیٹی کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتا؟“ ابوسفیان نے اُم حبیبہ سے پوچھا۔
 ”اگر باپ وہ سچا مذہب قبول کر لے جو اس کی بیٹی نے قبول کیا ہے تو بیٹی باپ کی راہ لے لیں۔“
 ”جائے گی۔“ اُم حبیبہ نے کہا۔

”بیٹی! ابوسفیان نے کہا۔ ”میں پریشانی کے عالم میں آیا ہوں میں دوستی کا پیغام لے کر آیا ہوں۔“

”بیٹی کیا کر سکتی ہے؟“ اُم حبیبہ نے کہا۔ ”آپ رسول خدا کے پاس جائیں۔“
 بیٹی کی اس بے لُحی برائی پر ابوسفیان سنبھلا اٹھا۔ وہ رسول کریم کے گھر کی طرف چل پڑا۔ راستے میں اُس نے وہ شناسا چہرے دیکھے جو کبھی اہل قریش کہلاتے اور اُسے اپنا سردار مانتے تھے۔ اب اُس سے بچنے لگے ہو گئے تھے۔ وہ اُسے چُپ چاپ دیکھ رہے تھے۔ وہ اُن کا دشمن تھا۔ اُس نے ان کے خلاف لڑائیاں لڑی تھیں۔ اُن کی جنگ میں ابوسفیان کی بیوی ہند نے مسلمانوں کی لاشوں کے سپٹ چاک کیے اور اُن کے کان اور ناکیں کاٹ کر ان کا ہار بنایا اور اپنے گیسے میں ڈال رکھا۔

ابوسفیان اہل مدینہ کی گھورتی ہوئی نظروں سے محروم رسول کریم کے ہاں جا پہنچا۔ اُس نے ہاتھ جھکایا۔ رسول کریم نے مصافحہ کیا لیکن اُس کی بے لُحی برائی نے رسول کریم کو اطلاع دل چکی تھی کہ بنو بکر نے اہل قریش کی مدد سے غزا پر حملہ کیا ہے۔ آپ اہل قریش کو فریب کا سمجھ رہے تھے۔ ایسے دشمن کا آپ کے پاس ایسا ہی علاج تھا کہ فوج کشی کر دینا کہ وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ ہم کو ہر ہر۔

”اے محمد! ابوسفیان نے کہا۔ ”میں یہ غلط فہمی رفع کرنے آیا ہوں کہ میں نے حدیبیہ کے صلح نامے کی خلاف ورزی نہیں کی۔ اگر بنو بکر کی مدد کو قبیلہ قریش کے چند آدمی میری اجازت کے بغیر چلے گئے تو میرا قصور نہیں۔ میں نے معاہدہ نہیں توڑا۔ اگر تم چاہتے ہو تو میں معاہدے کی تجدید کے لیے تیار ہوں۔“

استادی قابل کو مدد کے لیے بلا سکیں۔



میدانی مسلمانوں نے راتوں کو بھی سونا چھڑو دیا۔ جدھر دیکھو تیر تیار ہو رہے تھے۔ پتھروں سے بھری ہوئی ترکشوں کے انبار لگتے جا رہے تھے۔ برجیاں بن رہی تھیں۔ گھوڑے اور اونٹ تیار ہو رہے تھے۔ تلواریں نیزہ اور ہی تھیں، نئی بن رہی تھیں۔ عورتیں اور بچے بھی جنگی تیاریوں میں مصروف تھے۔ رسول اکرم اور صحابہ کرام گھٹائے دوڑتے نظر آتے تھے۔

میدانی میں ایک گھر تھا جس کے اندر کچھ اور سرگرمی تھی۔ وہ غیر مسلم گھر لڑ تھا۔ وہاں ایک اجنبی آیا بیٹھا تھا۔ گھر میں ایک بوڑھا تھا، ایک ادھیڑ عمر آدمی، ایک جوان لڑکی، ایک ادھیڑ عمر عورت اور دو تین بچے تھے۔

”یہ مسلمانوں کے ارادے دیکھ آیا ہوں۔“ اجنبی نے کہا۔ ”ان کا ارادہ ہے کہ مکہ والوں کو بے خبری میں جا لیں۔ بلاشبہ و شبہ محمد جنگی چالوں کا ماہر ہے۔ اس نے جو کہا ہے وہ کر کے دکھا دے گا۔“

”ہم کیا کر سکتے ہیں؟“ بوڑھے نے پوچھا۔

”میرے بزرگ!۔“ اجنبی نے کہا۔ ”ہم اور کچھ نہیں کر سکتے لیکن ہم مکہ والوں کو خبردار کر سکتے ہیں کہ تیار رہو اور ادھر ادھر کے قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا دو اور مکہ کے راستے میں کہیں گات لگا کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑو۔ مگر پہنچنے تک ان پر شیون مارتے رہو۔ مسلمان جب تک پہنچیں گے تو ان کا دم غم ٹوٹ چکا ہوگا۔“

”قسم! اس کی جیسے میں پوچھا ہوں۔“ بوڑھے نے خوشامدنی کہا۔ ”تم عقل والے ہو تم غلامیہ یودہ کے بچے پتھاری ہو۔ خدا نے یودہ نے تمہیں عقل و دانش عطا کی ہے۔ کیا تم مکہ نہیں جا سکتے؟“

”نہیں۔“ اجنبی نے کہا۔ ”مسلمان ہر غیر مسلم کو شک کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یودہ یہودی ہیں۔ وہ جو پریشک کریں گے۔۔۔ میں اپنی جان پر کھیل جاؤں گا۔ مجھے ان یہودیوں کے خون کا انتقام لینا ہے جنہیں مسلمانوں نے قتل کیا تھا۔ میری رگوں میں بنو قریظہ کا خون دوڑ رہا ہے۔ میرا فرض ہے کہ میں مسلمانوں کو فتنہ لگانا رہوں۔ اگر میں اپنا یہ فرض ادا نہ کروں تو خدا نے یودہ مجھے اس لئے کی موت مارے جس کے جسم پر خارش اور بھوڑے ہوتے ہیں اور وہ تڑپ تڑپ کر تڑپے لیکن میں نہیں چاہتا کہ میں کچڑا جاؤں۔ میں مسلمانوں کو دھم مارنے کے لیے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔“

”میں بوڑھا ہوں۔“ بوڑھے نے کہا۔ ”مکہ دور ہے۔ گھوڑے یا اونٹ پر انا تیر سفر نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں سے پہلے مکہ پہنچ جاؤں۔ یہ کام بچوں اور عورتوں کا بھی نہیں میرا بیٹا ہے مگر تیار رہے۔“

”اس العالم کو دیکھو جو تمہیں دے رہے ہیں۔“ اجنبی یہودی نے کہا۔ ”یہ کام خود انعام کے علاوہ تمہیں اپنے مذہب میں شامل کر کے اپنی حفاظت میں لے لیں گے۔“

”کیا یہ کام میں کر سکتی ہوں؟“ ادھیڑ عمر عورت نے کہا۔ ”تم نے میری اوٹنی نہیں دیکھی؟ تم

مؤمنین ابن ہشام اور غازی کی تحریروں سے پتہ ملتا ہے کہ رسول اکرم نے نہ اس کی طرف دیکھا نہ اس کے ساتھ کوئی بات کی۔

رسول اکرم کی خاموشی نے ابوسفیان پر خوف طاری کر دیا۔ وہ وہاں سے اٹھ آیا اور حضرت ابوبکر سے جا ملا۔

”محمد میری کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں۔“ ابوسفیان نے کہہ دیا۔ ”تم ہم میں سے ہوا ابوبکر خدا کی قسم! ہم گھر گھر گئے جہاں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا کرتے۔ اس کی بات بھی نہ سنیں۔ میں دوستی کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ میں جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرنے آیا ہوں۔“

”اگر محمد نے جو اللہ کے رسول ہیں، تمہاری بات نہیں سنی تو ہم تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے۔“ ابوبکر نے کہا۔ ”ہم اس جہاں کی بات سننا نہیں پس جو ہماری بات سننا ہے ابوسفیان کیا تم نے محمد کی بات سنی ہے کہ وہ اللہ کا پیجا بھائی رسول ہے؟ کیا تم نے اللہ کے رسول کی یہ بات نہیں سنی تھی کہ اللہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔۔۔۔۔ سنی تھی تو ہم رسول کے دشمن کیوں ہو گئے تھے؟“

”کیا تم میری کوئی مدد نہیں کرو گے ابوبکر؟“ ابوسفیان نے التجائی۔

”نہیں۔“ ابوبکر نے کہا۔ ”ہم اپنے رسول کے حکم کے پابند ہیں۔“

ابوسفیان مایوسی کے عالم میں سر جھکا گئے ہوئے چلا گیا اور کسی سے حضرت عمر کا گھر گھر پوچھ کر ان کے سامنے جا بیٹھا۔

”اسلام کے سب سے بڑے دشمن کو مدینہ میں دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی ہے۔“ عمر نے کہا۔

خدا کی قسم، تم اسلام قبول کرنے والوں میں سے نہیں۔“

ابوسفیان نے عمر کو مدینہ میں آنے کا مقصد بتایا اور بھیج کر رسول اکرم نے اس کے ساتھ بات

یہم نہیں کی اور ابوبکر نے بھی اس کی مدد نہیں کی۔

”میرے پاس اگرچہ بیویوں جیسی کمزور فوج ہو تو بھی تمہارے خلاف لڑوں گا۔“ عمر نے کہا۔

”تم میرے نہیں، میرے رسول اور میرے مذہب کے دشمن ہو۔ میرا رویہ وہی ہوگا جو اللہ

کے رسول کا ہے۔“

ابوسفیان کی طرف سے ملا، حضرت علیؑ سے ملا لیکن کسی نے بھی اس کی بات نہ سنی۔ وہ مایوس

اور ناامید مدینہ سے نکلا۔ اس کے گھوڑے کی چال اب وہ نہیں تھی جو مدینہ کی طرف آتے وقت کی

گھوڑے کا بھی جیسے سر جھکا ہوا تھا۔ وہ مکہ کو جا رہا تھا۔

رسول خدا نے اس کے جانے کے بعد ان الفاظ میں حکم دیا کہ مکہ پر حملے کے لیے زیادہ سے

زیادہ تعداد میں فوج تیار کی جائے۔ آپ کے حکم میں خاص طور پر شامل تھا کہ جنگی تیاری اتنے بڑے

پیمانے کی ہو کہ مکہ والوں کو فیصلہ کن شکست دے کر قریش کو ہمدردی کے لیے تہ تیغ کر دیا جائے۔

کے علاوہ حضور اکرم نے فرمایا کہ کوئی بہت تیز ہو گا اور اسے ایسا خفیہ رکھا جائے گا کہ مکہ والوں کو بے خبری

میں دلوچ لیا جائے یا مکہ کے قریب اتنی تیزی سے پہنچا جائے کہ قریش کو مملکت نہ مل سکے کہ وہ اپنے

نے مجھے اونٹنی کی بیٹھ پر کبھی نہیں دیکھا، اتنی تیز اونٹنی مدینہ میں کسی کے پاس نہیں۔
 "ہاں! بات بیہودہ ہے کہہ رہی ہے۔" تم یہ کام کرو کہ سستی ہو۔ اونٹنوں اور کربیلوں کو باہر لے جاؤ۔ تمہاری طرف کوئی
 دھیمان نہیں دے گا۔ تم انہیں چرانے کے لیے ہر روز لے جاتی ہو۔ آج بھی لے جاؤ اور مدینہ کے کھڑے ہو۔
 جا کر اپنی اونٹنی پر سوار ہو جاؤ۔ اُس نے ایک گناغدا اس عورت کو دیتے ہوئے کہا: اسے اپنے گناغدا
 کے بالوں میں چھپا لو۔ اونٹنی کو دوڑاتی لے جاؤ اور مکہ میں ابوسفیان کے گھر جاؤ اور بالوں میں سے یہ گناغدا
 نکال کر اُسے دے دو۔"

”لاؤ۔“ عورت نے کاغذ لے کر کہا۔ ”پورا انعام میرے دوسرے ہاتھ پر رکھ دو اور اس بلیٹن کے ساتھ میرے گھر سے جاؤ کہ مسلمان مکہ سے واپس آئیں گے تو ان کی تعداد دسھی بھی نہیں ہوگی اور ان کے سر جھیکے ہوئے ہوں گے اور شکست ان کے چہروں پر لکھی ہوئی ہوگی۔“

یہودی نے سونے کے تین ٹکڑے عورت کو دینے اور بولا۔ ”یہ اس انعام کا نصف ہے جو تم نہیں اُس وقت دیں گے جب تم یہ پیغام ابوسفیان کے ہاتھ میں دے کر واپس آ جاؤ گے۔“

”اگرچہ میں نے کام کر دیا اور زندہ واپس نہ آسکی تو؟“
 ”باقی انعام تمہارے ہیما ر خاوند کو ملے گا۔“ بیہودی نے کہا۔

یہ عورت (کسی بھی تاریخ میں نام نہیں دیا گیا) اپنے اونٹ اور بکریاں چرانے کے لیے لے گئی۔ انہیں وہ بانٹتی لے جا رہی تھی کسی نے بھی نہ دیکھا کہ اونٹوں کی پیٹھیں تنگی تھیں لیکن ایک اونٹنی سواری کے لیے تیار کر گئی تھی۔ اس کے ساتھ پانی کا مشیزہ اور ایک تھیلہ بھی بندھا ہوا تھا۔ عورت اس راہ کو نہر سے دُور لے گئی۔

بہت دیر گزرتی تو یہودی نے اس جوان لڑکی کو جو کھڑکی سے نکل کر باہر چلی ہوگی۔ تم ہاؤ اور اونٹوں اور کمریوں کو شہر کے وقت واپس لے آنا۔ وہ لڑکی ہاتھ میں گندریوں والی لٹھی سے کمر باندھ کر نکل گئی لیکن وہ شہر سے باہر جانے کے بجائے شہر کے اندر چلی گئی۔ وہ اس طرح ابھر اُدھر دیکھتی جا رہی تھی جیسے کسی کوٹھنڈر رہ رہی ہو۔ وہ گلیوں میں سے گزرتی اور ایک میدان میں جا کر۔ وہاں بہت سے مسلمان ڈھائیں اور تلواریں لیے تیغ زنی کی مشق کر رہے تھے۔ ایک طرف نشتر دوڑ رہی تھی۔ تو شاہزیاد کا بھی یہ دم تھا۔

لڑکی اس بیجوم کے ارد گرد صوف سے لگی۔ وہ کسی کو نہ ہونڈ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر پریشانی سے
آثار تھے جو بڑھتے جا رہے تھے۔ اس کے قدم تیزی سے اٹھنے لگے۔ ایک جواں سال آدمی نے اسے
دیکھ لیا اور بڑی تیز جلتا اس کے پیچھے گیا۔ غریب پہنچ کر اس نے دھجی سی آواز میں کہا: ”ذاریا
لڑکی نے جو بگم کر پیچھے دیکھا اور اس کے چہرے سے پریشانی کو نشانہ لگایا۔

”وہیں آجاؤ۔“ نازیبہ نے کہا اور وہ دوسری طرف چلی گئی۔
نازیبہ کو وہاں پہنچنے کا خاص وقت لگ گیا جہاں وہ عورت اور بچوں کو لے جانا کرتی تھیں۔

sem Paksitani point

Содержание

سے اوجھل ہو گیا۔

بائی آپ انہیں اچھی طرح جانتے تھے۔
 یحییٰ عباسیؑ! رسول اکرمؐ نے کہا: "کیا تو اس لیے مکہ سے بھاگ نکلا ہے کہ مکہ پر قیامت

ڑنے وال ہے؟
 خدا کی قسم، مکہ والوں کو خبر ہی نہیں کہ محمدؐ کا لشکر ان کے سر پر آ گیا ہے۔" عباسیؑ نے کہا: "اور میں تیری

اہانت قبول کرنے میں تیار ہوں گا۔" رسولؐ نے فرمایا: "اللہ کی قبول کر جو واحد لا شریک ہے
 میری نہیں عباسیؑ!۔" رسولؐ نے فرمایا: "اللہ کی قبول کر جو واحد لا شریک ہے
 اور ہی عبادت کے لائق ہے۔ میں اُس کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔"

حضرت عباسؑ نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اکرمؐ نے انہیں گلے لگالیا۔ آپؐ کو مسرت اس سے
 ہوئی کہ اہل قریش میں بے فکر اور بے غم بیٹھتے تھے۔

حضرت عباسؑ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے رسول اللہؐ سے کہا کہ اہل قریش
 ہجرہ کا بارخانہ ہے۔ دس ہزار کے اس لشکر کے قدموں میں قریش کے بچے اور عورتیں بھی کھلی جا رہی
 گی۔ عباسؑ نے رسول اللہؐ کو یہ بھی بتایا کہ قریش میں اسلام کی قبولیت کی ایک لہر پیدا ہو گئی ہے۔ کیا
 یہ مناسب نہ ہو گا کہ انہیں صلح کا ایک موقع دے دیا جائے؟

رسول اکرمؐ نے عباسؑ سے کہا کہ وہی مکہ جاتیں اور ابوسفیانؑ سے کہیں کہ مسلمان مکہ پر قبضہ
 کرنے آ رہے ہیں۔ اگر اہل مکہ نے مقابلہ کیا تو کسی کو زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ مکہ شہر مسلمانوں کے
 حوالے کر دیا جائے۔

رسول اکرمؐ نے عباسؑ کو نہ صرف مکہ جانے کی اجازت دی بلکہ انہیں اپنا چہرہ بھی دیا جو آپؐ
 گھوڑے کے علاوہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

ابوسفیانؑ مدینہ سے جو تاڑے کر گیا تھا وہ اُس کے لیے بڑا ہی ڈرانا اور خطرناک تھا۔ وہ چہرہ کا
 آدمی تھا اور وہ مسلمانوں کی شجاعت اور عزم کی پہچان سے بھی واقف تھا۔ اُسے ہر لمحہ دھڑکا لگا رہتا تھا
 کہ مسلمان کچھ نہ کریں گے اُس کی بیوی ہند، اُس کے سالار عکرمہ اور مدہ صفوان اُس کا حوصلہ بڑھاتے
 رہتے تھے لیکن اُسے اپنے ذاتی وقار کی اور اپنے قبیلے کی تباہی نظر آ رہی تھی۔ وہ ہر وقت بے چین
 رہنے لگا تھا۔

ایک روز وہ اس قدر بے چین ہوا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر مکہ سے باہر چلا گیا۔ اُس کی کوئی
 خبر اسے نہ تھی کہ کچھ ہونے والا ہے۔ اُس کے دل پر گھبراہٹ طاری ہوئی چلی گئی۔ اُس نے
 اپنے آپ سے کہا کہ ہو گا یہی کہ مسلمان مکہ پر حملہ کرنے آجائیں گے۔ یہ سوچ کر وہ یہ دیکھنے کے لیے
 اپنے آپ سے کہتا ہے کہ مدینہ کی فوج آہی تو نہیں رہی؟ اُسے ایسے محسوس ہوا جیسا کہ ہوا جیسا کہ ہوا
 جیسا کہ ہوا جیسا کہ ہوا۔

وہ ان سوچوں میں گم مکہ سے چند میل دور نکل گیا۔ اُسے عباسؑ ایک بچہ پر سوار اپنی طرف آتے
 دیکھ کر دنگ رہ گیا۔
 عباسؑ! اُس نے پوچھا: "کیا تم اپنے پورے خاندان کے ساتھ نہیں گئے تھے؟"



رسول اکرمؐ کو پوری تفصیل سے بتایا گیا کہ ایک عورت بڑی تیز رفتار اونٹنی پر ابوسفیانؑ کے ہاتھ
 اپنے بالوں میں چسپا کر کے گئی ہے۔ اُسے ابھی راستے میں ہونا چاہیے تھا۔ رسول اکرمؐ نے اُسی وقت
 حضرت علیؑ اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر اس عورت اور اُس کی اونٹنی کی نشانیاں بتائیں اور انہیں اس
 عورت کو راستے میں پکڑنے کو بھیج دیا۔

حضرت علیؑ اور حضرت زبیرؓ کے گھوڑے عربی نسل کے تھے۔ انہوں نے اُسی وقت گھوڑے تیار کر
 اور اڑیں لگا دیں۔ اُس وقت سورج غروب ہو رہا تھا۔ دونوں شاہسوار مدینہ سے دوڑ نکل گئے تو سورج
 غروب ہو گیا۔

اگلے دن کا سورج طلوع ہوا تو حضرت علیؑ اور حضرت زبیرؓ کے گھوڑے مدینہ میں داخل ہوئے۔ اُن
 درمیان ایک اونٹنی تھی جس پر ایک عورت سوار تھی۔ مدینہ کے کئی لوگوں نے اس عورت کو پھانسی لیا۔
 رسول اکرمؐ نے پاس لے گئے۔ اُس کے بالوں سے جو پیغام نکلا گیا تھا وہ حضورؐ کے حوالے کیا گیا۔ اُس
 پیغام پڑھا تو چہرہ لال ہو گیا۔ یہ بڑا ہی خطرناک پیغام تھا۔ اس عورت نے اقبال جرم کر لیا اور پیغام دینے
 والے یہودی کا نام بھی بتا دیا۔ رسول اکرمؐ نے اس عورت کو سزا دے دی لیکن یہودی اُس کے
 گھر سے غائب ہو گیا تھا۔ اگر یہ پیغام مکہ پہنچ جاتا تو مسلمانوں کا انجام بہت بُرا ہوتا۔ مکہ پر فوج کشی کا پتہ
 رسول اللہؐ فرما رہے تھے۔

رسول اللہؐ نے تیاریوں کا جائزہ لیا اور کوچ کا حکم دے دیا۔

اس اسلامی لشکر کی تعداد دس ہزار سپاہیہ اور سوار تھی۔ اس لشکر میں مدینہ کے ارد گرد کے وہ قبیلے بھی شامل
 تھے جو اسلام قبل کر چکے تھے۔ متوہدین نے لکھا ہے کہ یہ لشکر مکہ کا رخ کرتا تھا اور راستے میں دو تین قبیلے اس لشکر
 شامل ہو گئے۔ تقریباً تمام مسلم اور غیر مسلم متوہدین نے لکھا ہے کہ رسولؐ خدا کی قیادت میں اس لشکر کی پیش قدمی
 غیر معمولی طور پر تیز تھی اور یہ مسلمانوں کا پہلا لشکر تھا جس کی نفی دس ہزار تک پہنچی تھی۔
 یہ لشکر مکہ کے شمال مغرب میں ایک واوی مزارعہ میں پہنچ گیا جو مکہ سے تقریباً دس میل دور ہے۔
 واوی کا ایک حصہ واوی فاطمہ کا ناما ہے۔ رسول اکرمؐ اس مقصد میں کامیاب ہو چکے تھے کہ اہل مکہ کو اسلام
 لشکر کی آمد کی خبر نہ ہو۔ اب خبر ہو چکی جاتی تو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اب قریش دوسرے قبیلوں کو مدد کے لیے
 بلائے نہیں جاسکتے تھے۔ رسول اکرمؐ نے کسی نہ کسی بہروپ میں اپنے آدمی مکہ کے قریب گرد و نواح میں
 دیئے تھے۔



تھوڑی دیر آرام کر کے اسلامی لشکر مکہ کی طرف چل پڑا۔ جگہ ایک مقام ہے جہاں لشکر کا پہلا رکن
 پہنچا تو مکہ کی طرف سے چھوٹا سا ایک خانہ آباد دکھائی دیا۔ اسے قریب آنے دیا گیا۔ دیکھا کہ قریش کا ایک
 سرکردہ آدمی عباسؑ تھا جو اپنے پورے خاندان کو ساتھ لیے مدینہ کو جا رہا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے حضرت
 عباسؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے تاریخ اسلام میں شہرت حاصل کی۔ انہیں رسول اکرمؐ کے حوالے

والہیں کیوں آگئے ہو؟

”میرے خاندان کی سمت پوچھو ابوسفیان! — عباس نے کہا — ”مسلمانوں کے دس ہزار باران گھوڑ سواروں اور تیر سواروں کا لشکر مکہ کے آس پاس پہنچ چکا ہے جہاں سے چھوڑے ہوئے تیر مکہ کے دروازوں میں ٹپک سکتے ہیں۔ کیا تو مکہ کو اس لشکر سے بچا سکتا ہے؟ کسی کو مدد کے لیے بلا سکتا ہے تو؟ صلح کا معاہدہ تیر سے سالاروں نے توڑا ہے۔ مجھ جیسے میں اللہ کا رسول مان چکا ہوں۔ سب سے پہلے تجھے قتل کرے گا۔ اگر تو میرے ساتھ رسول اللہ کے پاس چلا چلے تو میں تیری جان بچا سکتا ہوں۔“

”خدا کی قسم میں جانتا تھا مجھ پر یہ وقت بھی آئے گا۔“ ابوسفیان نے کہا۔ ”چل میں تیر سے ساتھ چلتا ہوں۔“



شام کے بعد عباسؓ ابوسفیان کو ساتھ لے کر مسلمانوں کے پڑاؤ میں داخل ہوئے حضرت عوز کیمپ کے پہرے داروں کو دیکھتے پھر رہے تھے۔ انہوں نے ابوسفیان کو دیکھا تو آگ بجولا ہو گئے۔ کہنے لگے کہ اللہ کے دین کا پرہیزگار ہمارے پڑاؤ میں رسول اللہ کی اجازت کے بغیر کیا ہے عوزؓ ان کے خیمے کی طرف دوڑ پڑے۔ وہ ابوسفیان کے قتل کی اجازت لینے کئے تھے لیکن عباسؓ بھی پہنچ گئے۔ رسول اکرمؐ نے انہیں صبح آنے کو کہا۔ عباسؓ نے ابوسفیان کو رات اپنے پاس رکھا۔ ”ابوسفیان! — صبح رسول کریمؐ نے ابوسفیان سے پوچھا — ”کیا تو جانتا ہے کہ اللہ وحدا کریم ہے اور وہی معبود ہے اور وہی ہم سب کا مددگار ہے؟“

”میں نے یہ ضرور مان لیا ہے کہ جن بتوں کی عبادت میں کرتار ہوں وہ بتوں کے سوا کچھ نہیں۔“ ابوسفیان نے کہا۔ ”وہ میری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔“

”پھر کیوں نہیں مان لیتا کہ میں اس اللہ کا رسول ہوں جو معبود ہے؟“ رسول کریمؐ نے پوچھا۔ ”میں شاید یہ مانوں کہ تم اللہ کے رسول ہو۔“ ابوسفیان ہاری ہوئی سی آواز میں بولا۔

”ابوسفیان! — عباسؓ نے تیر مجھ پر آواز سے کہا — ”کیا تو میری تلوار سے اپنا سر تن سے جدا کرنا چاہتا ہے؟“ عباسؓ نے رسول کریمؐ سے کہا۔ ”یا رسول اللہ! ابوسفیان ایک قبیلے کا سردار ہے۔ باوقار اور خود راہی ہے۔ یہ تجھی ہو کے آیا ہے۔“

ابوسفیان پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ اس نے بے اختیار کہا — ”محمد اللہ کے رسول ہیں۔ میں نے تسلیم کر لیا۔ میں نے مان لیا۔“

”ہاؤ۔“ رسول کریمؐ نے کہا۔ ”مکہ میں اعلان کر دو کہ مکہ کے وہ لوگ مسلمانوں کی تلواروں سے محفوظ رہیں گے جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائیں گے اور وہ لوگ محفوظ رہیں گے جو مسجد میں داخل ہو جائیں گے اور وہ لوگ محفوظ رہیں گے جو اپنے دروازے بند کر کے اپنے گھروں میں رہیں گے۔ ابوسفیان اسی وقت مکہ کو روانہ ہو گیا اور رسول اکرمؐ نے صحابہ کرام کے ساتھ اس سے بڑا ہتھیار شریعت کر دیا کہ مکہ میں عکرمہ اور صفوان جیسے مہر اور دلیر سالار موجود ہیں۔ وہ مقابلہ کے لیے تیار ہیں جو ہونے دیں گے۔“

اونٹ بہت تیز دوڑا کرتا تھا۔ جب وہ مکہ کے قریب پہنچا تو اس کے سوار نے چلا نا شروع کر دیا۔ ”عزتی اور بیل کی قسم۔ مدینہ والوں کا لشکر مراظر میں پڑاؤ کیجئے ہوئے ہے اور میں نے اپنے سردار ابوسفیان کو وہاں دیکھا ہے۔۔۔ اہل قریش! ہوشیار ہو جاؤ۔ محمد کا لشکر آ رہا ہے۔ اس نے اونٹ کو روکا اور اسے بٹھا کر اترنے کی بجائے اس کی پیٹھ سے کود کر اترنا۔“

اس کی بیکار جس نے سنی وہ دوڑا آگیا۔ وہ گھبراہٹ کے عالم میں یہی کہنے جا رہا تھا کہ مدینہ کا لشکر مراظر تک آن پہنچا ہے اور ابوسفیان کو اس لشکر کے پڑاؤ کی طرف جاتے دیکھا ہے۔ بھگت کے لوگ اس کے ارد گرد اکٹھے ہوتے چلے گئے۔

”ابوحسن! — ایک عمر آدمی نے اسے کہا — ”تیرا دماغ صحیح نہیں یا تو جھوٹ بول رہا ہے۔“ ”میری بات کو جھوٹ سمجھو گے تو اپنے انجام کو بہت جلدی پہنچ جاؤ گے۔“ شہر سوار ابوحسن نے کہا۔ ”کسی سے پوچھو ہمارا سردار اصر کر لیا گیا ہے؟“ اس نے پھر چلا نا شروع کر دیا۔ ”اے قبیلہ قریش! مسلمان اچھی نیت سے نہیں آتے۔“

ابوحسن کا دایلا مکہ کی گلیوں سے ہوتا ہوا ابوسفیان کی بیوی ہند کے کانوں تک پہنچا وہ گل گلہ ہو کے باہر آئی اور اس جھوم کو چہرے لگی جس نے ابوحسن کو گھیر رکھا تھا۔

”ابوحسن! — اس نے ابوحسن کا گریبان پکڑ کر کہا۔ ”میری تلوار محمدؐ کے خون کی پیاسی ہے تو میری تلوار سے اپنی گردن کٹوانے کیوں آگیا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ جس پر تو جھوٹا الزام تھوپ رہا ہے وہ میرا شوہر اور قبیلے کا سردار ہے؟“

”اپنی تلوار گھر سے لے آتا توں! — ابوحسن نے کہا۔ ”لیکن تیرا شوہر آجاتے تو اس سے پوچھنا وہ کہاں سے آیا ہے؟“

”اور تو کہتا ہے محمدؐ لشکر لے کر آیا ہے؟“ ہند نے پوچھا۔

”خدا کی قسم! — ابوحسن نے کہا۔ ”میں دو کہتا ہوں جو میں نے دیکھا ہے۔“

”اگر تو سچ کہتا ہے تو مسلمانوں کو موت اور حرے آتی ہے۔“ ہند نے کہا۔

ابوسفیان والہیں آ رہا تھا۔

○

ال مکہ ایک میدان میں جمع ہو چکے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی اب راز میں روشنی تھی لیکن اب کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اہل قریش اب کسی کو مدد کے لیے نہیں بلا سکتے تھے۔ ابوسفیان آ رہا تھا کہ لوگوں پر پناہ بخشی جارہی ہوگی۔ ابوسفیان کی بیوی ہند لوگوں کو دایاں بائیں دیکھتی آگے چلی گئی۔ اس کے چہرے پر غم اور غضب تھا اور اس کی آنکھوں سے جیسے شعلے نکل رہے تھے۔ ابوسفیان نے لوگوں کے سامنے آکر گھبراہٹ کر دیا۔ اس نے اپنی بیوی کی طرف توجہ نہ دی۔

"اہل قریش! — ابو سفیان نے بلند آواز سے کہا۔" پہلے میری بات ٹھنڈے دل سے سُن لینا، پھر کوئی اور بات کہنا۔ میں تمہارا سردار ہوں۔ مجھے تمہارا دُعا عزیز ہے۔... محمدؐ اتنا زیادہ لادشکر لے کر آیا ہے جس کے مقابلے میں تم قتل ہونے کے سوا کچھ نہیں کر سکو گے۔ اپنی عزت کو بچاؤ، اپنے بچوں کو بچاؤ۔ قبول کرو اس حقیقت کو جو تمہارے سر پر آگئی ہے تمہارے لیے بھگ جانے کا بھی کوئی راستہ نہیں رہا۔"

"ہم یہ بتا ہمارے سردار، ہم کیا کریں؟ — لوگوں میں سے کسی کی آواز آئی۔
"محمدؐ کی اطاعت قبول کر لینے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔" ابو سفیان نے کہا۔
"خدا کی قسم، مسلمان ہمیں پھر بھی نہیں بخشیں گے۔" ایک اور آواز اُٹھی۔ "وہ اپنے مقبول کا بدلہ لیں گے۔ وہ سب سے پہلے تمہیں قتل کریں گے۔ اُن میں تمہاری بیوی نے اُن کی لاشوں کو چیرا پھاڑا تھا۔"
ہند الگ کھڑی چُٹکار رہی تھی۔

"میں تم سب کی سلامتی کی ضمانت لے آیا ہوں۔" ابو سفیان نے کہا۔ "میں محمدؐ سے مل کر آ رہا ہوں۔ اُس نے کہا ہے کہ تم میں سے جو میرے گھر میں آ جاؤ گے وہ مسلمانوں کے جبر و تشدد سے محفوظ رہیں گے۔"

"کیا محکمہ کے سب لوگ تمہارے گھر میں سما سکتے ہیں؟ — کسی نے پوچھا۔
"نہیں۔" ابو سفیان نے کہا۔ "محمدؐ نے کہا ہے کہ جو لوگ اپنے گھر دل سے باہر نہیں نکلیں گے اور اُن کے دروازے بند رہیں گے، اُن پر بھی مسلمان ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔... اور جو لوگ خُدا کے اندر چلے جائیں گے، اُن کو بھی مسلمان اپنا دوست سمجھیں گے۔ وہ دشمن صرف اُسے جانیں گے جو اختیار لے کر باہر آئے گا۔" ابو سفیان گھوڑے سے اُتر آیا اور بولا۔ "تمہاری سلامتی اسی میں ہے، تمہاری عزت اسی میں ہے کہ تم دوستوں اور بھائیوں کی طرح اُن کا استقبال کرو۔"
"ابو سفیان! — قریش کے مشہور سالار عکرمہ نے لگا کر کہا۔ "ہم اپنے قبیلے کے قاتلوں کا استقبال تلواروں اور پتھروں سے کریں گے۔"

"ہمارے تیراں کا استقبال محکمہ سے دُر کریں گے۔" قریش کے دوسرے ولیہ اور بزرگ سالار صفوان نے کہا۔ "ہمیں اپنے دیوتاؤں کی قسم، ہم دروازے بند کر کے اپنے گھروں میں بند نہیں رہیں گے۔"

"حالات کو دیکھو عکرمہ! — ابو سفیان نے کہا۔ "ہوش کی بات کرو صفوان! وہ ہم میں سے ہیں۔ آج خالدؓ محمدؐ کے ساتھ جا رہا ہے۔ تو مت بھول کہ اُس کی بہن فاختہ تمہاری بیوی ہے۔ کیا تو اپنی بھینس کے بھائی کو قتل کرے گا؟... کیا تجھے یاد نہیں رہا کہ میری بیٹی ام حبیبہؓ محمدؐ کی بیوی ہے؟ کیا تو یقین نہیں کرے گا کہ میں اپنے قبیلے کی عزت اور ناموس کی خاطر مدینہ کی تو سیری اپنی بیٹی نے میری بات سننے سے انکار کر دیا تھا؟ میں محمدؐ کے گھر میں چار پانی پر بیٹھنے لگا تو ام حبیبہؓ نے میرے نیچے سے چار پانی کی پگچی بھری جو چادر کھینچ لی تھی؟... باپ بچہ، بیٹی کا دشمن نہیں ہو سکتا صفوان! محکمہ کے لوگوں میں عکرمہ اور صفوان اور دین اور آدمیوں کے سوا اور کسی کی آواز نہیں سنا

دے رہی تھی۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ قبیلہ قریش کی خاموشی ظاہر کرتی تھی کہ اُن لوگوں نے ابو سفیان کا مشورہ قبول کر لیا ہے۔ ابو سفیان کے چہرے پر اطمینان کا تاثر آ گیا سگر اُس کی بیوی ہند جو الگ کھڑی پچسکار رہی تھی، تیزی سے ابو سفیان کی طرف بڑھی اور اُس کی مونچھیں جو خاصی بڑی تھیں، اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیں۔

"میں سب سے پہلے تجھے قتل کروں گی۔" ہند نے ابو سفیان کی مونچھیں زور زور سے کھینچتے ہوئے کہا۔ "بزدل بوڑھے! تو نے قبیلے کی عزت خاک میں ملا دی ہے۔" اُس نے ابو سفیان کی مونچھیں چھو کر اُس کے منہ پر بڑی زور سے تھپ مارا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر بولی۔ "نم لوگ اس بوڑھے کو قتل کیوں نہیں کر دیتے جو تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار کرنے کی باتیں کر رہا ہے؟ تو رخ مغازی اور امان مسعد لکھتے ہیں کہ ہند نے اپنے خاندان کے ساتھ اتنا تو بہن امیر سلوک کیا تو لوگوں پر سناٹا عاری ہو گیا۔ ابو سفیان جیسے رت بن گیا ہو عکرمہ اور صفوان ان کے درمیان آگئے۔ "ہم لوگ گے ہند! — صفوان نے کہا۔ "اسے جانے دے۔ اس پر محمدؐ کا جادو چل گیا ہے۔" ابو سفیان خاموش رہا۔

شام تک اہل قریش دو جھڑپوں میں بٹ چکے تھے۔ زیادہ تر لوگ لڑنے کے حق میں نہیں تھے بانی سب عکرمہ، صفوان اور ہند کا ساتھ دے رہے تھے۔

شام کے بعد صفوان اپنے گھر گیا۔ اُس کی بیوی جس کا نام فاختہ تھا، خالدؓ کی ولید کی بہن تھی۔ وہ بھی ابو سفیان کی باتیں سن چکی تھی۔
"کیا میں نے ٹھیک سنا ہے کہ تم اپنے قبیلے کے سردار کی نافرمانی کر رہے ہو؟ — فاختہ نے صفوان سے پوچھا۔

"اگر نافرمانی کرتا ہوں تو پورے قبیلے کا وقار تباہ ہوتا ہے۔" صفوان نے کہا۔ "قبیلہ کا سردار بزدل ہو جائے تو قبیلے والوں کو بزدل نہیں ہونا چاہیے۔ سردار اپنے قبیلے کے دشمن کو دوست بنائے تو وہ قبیلے کا دوست نہیں ہو سکتا۔"
"کیا تم مسلمانوں کا مقابلہ کرو گے؟ — فاختہ نے پوچھا۔

"تو کیا تم یہ پسند کرو گی کہ تمہارا شوہر اپنے گھر کے دروازے بند کر کے اپنی بیوی کے پاس بیٹھ جائے اور دشمن اُس کے دروازے کے سامنے دندناتا پھرے؟ کیا میرے بازو ٹوٹ گئے ہیں؟ کیا میری تلوار ٹوٹ گئی ہے؟ کیا تم اس لاش کو پسند نہیں کرو گی جو تمہارے گھر میں لائی جاتے یا ام اس را قبیلہ کے کا کہ میرے ساتھ اسے خاندان کی لاش جو بڑی بہادری سے لڑتا ہوا آ گیا ہے؟ اُس شوہر کو پسند کرو گی جو تمہارے پاس بیٹھا رہے گا اور لوگ تمہیں کہیں گے کہ یہ ہے ایک بزدل اور بے وقار آدمی کی بیوی جس نے اپنی بستی اور عبادت گاہ اپنے دشمن کے حوالے کر دی ہے۔" اُس نے کہا۔ "کیا تم یہ پسند کرو گی؟"

"میں تم پر عیشہ فرما رہا ہوں صفوان! — فاختہ نے کہا۔ "عورتیں مجھے کہتی ہیں کہ تمہارا خاندان قبیلہ کی آنکھ کا تار ہے۔ لیکن اب حالات کچھ اور ہیں۔ تمہارا ساتھ دینے والے بہت کم ہیں۔"

جس پہ بھی تھا کہ مسلمان مکہ کو محاصرے میں لیں تو بنو نجر اور دوسرے قبیلے تختے ان پر حملہ کر دیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ مکہ میں لڑائی کی تیاریاں کس پیمانے پر ہو رہی ہیں۔ انہوں نے بنایا کہ ابو سفیان لڑائی نہیں چاہتا اور مکہ والوں کی اکثریت اُس کے ساتھ ہے۔ صرف عکرمہ اور صفوان لڑیں گے لیکن ان کے ساتھ بہت قہقڑے آوی ہیں۔ ان دونوں آدمیوں کو ابو سفیان نے نہیں بکریا اور صفوان نے بھیجا تھا۔

رسول کریم نے اپنے سالاروں وغیرہ سے کہا کہ مکہ میں یہ فرض کر کے داخل ہوا جائے گا کہ قریش شہر کے دفاع میں لڑیں گے۔ آپ نے اپنی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ اُس زمانے میں مکہ کی طرف چار راستے جاتے تھے جو مکہ کے ارد گرد کھڑی پہاڑیوں میں سے گزرتے تھے فوج کے ہر حصے کو ایک ایک راستہ دے دیا گیا۔ انہیں اپنے اپنے راستے سے مکہ شہر کی طرف پیش قدمی کرنی تھی۔

فوج کے ان حصوں میں ایک کی نفری سب سے زیادہ رکھی گئی۔ اس کی کمان ابو عبیدہؓ کو دی گئی حضرت رسول کریم کو اس دستے کے ساتھ رہنا تھا۔ ایک حصے کی کمان علیؓ کے پاس تھی۔ ایک کے کماندار زبیرؓ تھے اور چوتھے حصے کی کمان خالدؓ کے پاس تھی۔
تورخوں نے لکھا ہے کہ اس سکیم میں غیر معمولی دانش کار فرما تھی۔ چار سمتوں سے پیش قدمی کا مقصد یہ تھا کہ مکہ کے دفاعی و متولی کو چار حصوں میں بکیر دیا جائے۔ اگر وہ مسلمانوں کی پیش قدمی کو کسی ایک یا دو سمتوں پر روک بھی لیں تو دوسرے دستے آگے بڑھ کر شہر میں داخل ہو سکیں۔ اس کے علاوہ فوج کی اس تقسیم کا مقصد یہ بھی تھا کہ قریش اگر دفاع میں نہ لڑیں تو وہ کسی راستے سے بھاگ بھی نہ سکیں۔
رسول اکرم نے اس سکیم کے علاوہ جو احکام دیئے، وہ یہ تھے کہ قریش دفاع میں نہ لڑیں تو ان پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ اس کا جواب پراسن طریقے سے دیا جائے۔ اگر کہیں جھڑپ ہو جائے تو زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے بلکہ ان کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال کی جائے۔ لڑنے والوں میں جو بچا جائے اس پر نہ تشدد کیا جائے نہ اسے قتل کیا جائے اور اسے جنگی قیدی بھی نہ سمجھا جائے اور انہیں سے کوئی بھاگ بھگنے تو اسے بھاگ جانے دیا جائے۔
اسلامی لشکر کے چاروں حصوں کو پیش قدمی کا حکم دے دیا گیا۔

۱۸ رمضان المبارک ۸ ہجری (۱۱ جنوری ۶۳۰ عیسوی) کا دن تھا۔ اسلامی لشکر کے تین حصے اپنے استول سے گزر کر مکہ میں داخل ہو گئے کسی طرف سے ان پر ایک تیر بھی نہ آیا۔ شہر کا کوئی دفاع نہ تھا۔ قریش کی کوئی بلوا نہ تھا۔ نہ بھکی لوگ گھر میں بند رہے۔ کسی کسی مکان کی چھت پر کوئی عورت یا بچے کمرے نظر آتے تھے۔ مسلمان جو کتنے تھے۔ شہر کا سکوت ششکوں اور ڈاؤنا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اس سکوت سے طوفان اٹھنے والا ہو۔

شہر سے کوئی طوفان نہ اٹھا۔ طوفان اٹھانے والے دو آدمی تھے۔ ایک عکرمہ دوسرا صفوان۔ دونوں شہر میں نہیں تھے۔ کبھی اور آدمی شہر میں نہیں تھے۔ وہ قریب ہی کہیں چھپے ہوئے تھے۔

یہ سنا ہے مدینہ والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اب میرا بھائی خالدؓ بھی ان کے ساتھ ہے تم جانتے ہو وہ لڑنے مرنے والا آدمی ہے۔

”کیا تم مجھے اپنے بھائی سے ڈرا رہی ہو یا ختم؟“
”نہیں۔“ فاختہ نے کہا۔ ”مجھے خالدؓ مل جاتا تو میں اُسے بھی یہی کہتی جو میں تمہیں کہہ رہی ہوں۔۔۔ وہ میرا بھائی ہے۔ وہ تمہارے ہاتھ سے مارا جاسکتا ہے مگر اُس کے ہاتھ سے مارے جاسکتے ہو۔ تم ایک دوسرے کے مقابلے میں نہ آؤ۔ میں اس کی بہن اور تمہاری بیوی ہوں۔ لاش تمہاری ہونی یا خالدؓ کی، میرا علم ایک جیسا ہو گا۔“

”یہ کوئی عجیب بات نہیں فاختہ!۔“ صفوان نے کہا۔ ”دشمنی ایسی پیدا ہو گئی ہے کہ باپ بیٹے کا اور بھائی بھائی کا دشمن ہو گیا ہے۔ اگر میں تمہارے رشتے کا خیال رکھوں تو۔۔۔“

”تم میرے رشتے کا خیال نہ رکھو۔“ فاختہ نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”قبیلے کا سربراہ نہیں کہہ سکتے کہ لڑائی نہیں ہوگی۔ محمدؐ کی اطاعت قبول کر لیں گے۔ پھر تم لڑائی کا ارادہ ترک کیوں نہیں کر دیتے؟ تمہارے ساتھ بہت قہقڑے آوی ہوں گے۔“

”میں اطاعت قبول کرنے والوں میں سے نہیں۔“ صفوان نے کہا۔
”چھر مری ایک بات مان لو۔“ فاختہ نے کہا۔ ”خالدؓ کے آمنے سامنے نہ آنا۔ اُسے میرا مان نے جنم دیا ہے۔ ہم دونوں نے ایک مال کا دودھ پیا ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی ہے بہن کی سنا چاہتی ہے کہ اُس کا بھائی زندہ ہے۔۔۔ میں یہ بھی نہیں ہونا چاہتی صفوان!۔“
”چھر اپنے بھائی سے جا کے کہو کہ مکہ کے قریب نہ آئے۔“ صفوان نے کہا۔ ”وہ میرے سامنے آئے گا تو تمہارے رشتے ختم ہو جائیں گے۔“
فاختہ کے اس وصفوان کے ارادوں کو ذرا سا بھی متزلزل نہ کر سکے۔

رسول اکرمؐ نے ایک اور انتظام کیا۔ انہوں نے چند ایک آدمی مختلف پہلوؤں میں مکہ کے ارد گرد چھوڑ رکھے تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ مکہ سے کوئی آدمی باہر نکل کر نہیں جاتا نظر آئے تو اسے پکڑ لیں جاسکتا کا یہ اہتمام اس لیے کیا گیا تھا کہ قریش اپنے دوست قبیلوں کو مدد کے لیے نہ بلا سکیں۔
دوسرے ہی دن اور شہر سواروں کو پکڑا گیا جو عام سے مسافر معلوم ہوتے تھے۔ انہیں مسلمانوں کے پڑاؤ میں لے جایا گیا۔ ایک دو دھکیوں سے ڈر کر انہوں نے اپنی حلیات ظاہر کر دی۔ ان میں سے ایک یہودی تھا اور دوسرا قریش قبیلے کا۔ وہ مکہ سے چند میل دور رہنے والے قبیلہ بنو نجر کے ہاں یہ اطلاع لے کے جا رہے تھے کہ مسلمان مر الفلہم پڑاؤ کیے ہوئے ہیں بنو نجر کو یہ سمجھا جاتا رہا تھا کہ وہ مسلمانوں پر شب خون ماریں اور دو آدمیوں کو بھی اپنے ساتھ لائیں۔

نے قریش کے بارہ آدمی مار ڈالے ہیں۔ رسول اکرم نے سنا تو آپ بہت برہم ہوئے۔ آپ نے اچھی طرح جانتے تھے کہ خالد بن ولید کا دلدادہ ہے، اُس نے بغیر اشتعال کے لڑائی شروع کر لی ہوگی۔

خالد کے منہ میں آنے کی اطلاع ملی تو رسول اللہ نے انہیں بلا کر پوچھا کہ اس حکم کے باوجود کھڑائی سے غریب کیا جائے انہوں نے قریش کے بارہ آدمیوں کو کیوں مار ڈالا؟

خالد نے حضور اکرم کو بتایا کہ عکرمہ اور صفوان کے ساتھ قریش کے متعدد آدمی تھے جنہوں نے ان پر تیرہ سائے۔ خالد نے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے عکرمہ اور صفوان کو ایک موقع دیا تھا کہ انہوں نے تیروں کی ایک اور بوجھا کر پھینک دی۔

رسول خدا نے اوسنیان سے پوچھا کہ عکرمہ اور صفوان کہاں ہیں۔ اوسنیان نے بتایا کہ وہ مکہ کے دفاع میں لڑنے کے لئے چلے گئے تھے۔ رسول خدا کو لطفیں ہو گئی کہ لڑائی خالد نے شروع نہیں کی تھی۔

مکہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ رسول اکرم مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ہمراہ اسامہ بن زید، بلال اور عثمان بن طلحہ تھے۔ رسول اکرم کو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو گئے سات سال گزر چکے تھے۔ آپ نے مکہ کے دروازہ کو دیکھا۔ وہاں کے لوگوں کو دیکھا۔ دروازوں میں اور پھرتوں پر کھڑی عورتوں کو دیکھا بہت سے چہرے شام تھے۔ آپ گزرتے چلے گئے اور کعبہ میں داخل ہوئے سات منبر بیت اللہ کا طواف کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ اب کہ کسی کو اتنی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ آپ کو جادوگر کہے یا آپ پر پھبتی کئے۔ اہل قریش چہرے پر خوف و ہراس کے تاثرات لے لے اپنے انجام کے منتظر کھڑے تھے۔ عربوں کے ہاں اپنی بے عزتی اور قتل کے انتقام کا رواج بڑا بھیانک تھا۔ رسول اللہ نے حکم دے دیا تھا کہ جو امن قائم رکھیں گے اُن کے ساتھ پُرسن سلوک کیا جائے گا، اس کے باوجود قریش ڈرے رہے موتے تھے۔

اہل قریش! — حضور اکرم نے لوگوں کے سامنے زک کر پوچھا — خود بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک ہو۔

لوگوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ وہ خیر اور بخشش کے طلبگار تھے۔

اپنے گھروں کو جادو — حضور اکرم نے کہا — ہم نے تمہیں بخش دیا۔

رسول اللہ کی حیاتِ مقدسہ کی عظیم گھڑی تو وہ تھی جب آپ نے کعبہ میں رکھے ہوئے بتوں کی طرف توجہ دی بتوں کی تعداد تین سو ساٹھ تھی۔ ان میں ایک بت حضرت ابراہیم کا بھی تھا۔ اس کے ہاتھوں میں تیر تھے۔ ان تیروں سے بت خانے کے پیشوا مال نکالا کرتے تھے۔

حضور اکرم کے ہاتھ میں ایک موٹی اور مضبوط لکڑی تھی۔ آپ نے اس لکڑی سے بت توڑنے شروع کر دی تھے۔ آپ اپنے چچا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو زندہ کر رہے تھے — آپ بت توڑتے جاتے اور بلند آواز سے کہتے جاتے — حق آیا، باطل چلا گیا۔۔۔ بیشک باطل

وہ رات کو باہر نکل گئے تھے۔ اُن کے ساتھ تیرا ند بھی تھے۔ یہ ایک حبش تھا جو اس پہاڑی راستے کے قریب جا پہنچا تھا جو خالد کے دستے کی پیش قدمی کا راستہ تھا۔ عکرمہ اور صفوان کو معلوم نہیں تھا کہ اس اسلامی دستے کے قائد خالد ہیں۔ عکرمہ اور صفوان کا ایک آدمی مکین بلندی پر تھا۔ اُس نے خالد کو پہچان لیا اور اوپر سے دوڑتا نیچے گیا۔

اے صفوان! — اس آدمی نے صفوان سے کہا — کیا تو ہمیں اجازت دے گا کہ تیری بھائی کے جو ہم قتل کر دیں؟۔۔۔ میری آنکھیں دھوکہ نہیں کھا سکتیں میں نے خالد کو دیکھا ہے۔

اپنے قبیلے کی عزت اور غیرت سے بڑھ کر مجھے کوئی اور عزت نہیں۔ صفوان نے کہا۔

آخر خالد میری بہن کا خاوند ہوتا تو آج میں اپنی بہن کو یہود کر دیتا۔

ممت دیکھو کون کس کا بھائی کس کا باپ اور کس کا خاوند ہے۔ عکرمہ نے کہا۔ خالد نے کچھ لکھا ہے لیکن آج وہ میرا دشمن ہے۔

خالد کا دستہ اور آگے آیا تو اُس پر تیروں کی پہلی بوجھا ڈالی۔ خالد نے اپنے دستے کو روک لیا۔ اے اہل قریش! — خالد نے بڑی بلند آواز سے کہا — ہمیں راستہ دے دو گے تو خود نہ رو گے۔ چارے رسول کا حکم ہے کہ اُس پر ہاتھ نہ اٹھانا جو تم پر ہاتھ نہیں اٹھاتا۔۔۔ کیا تمہیں اپنی جانیں عزیز نہیں؟ میں تمہیں صرف ایک موقع دوں گا۔

تیروں کی ایک اور بوجھا ڈالی۔

ہم تیرے رسول کے حکم کے پابند نہیں خالد! — عکرمہ نے لاکار کر کہا۔ بہت بڑا وار لگے۔ آہم میں بھرتارے پرانے دوست۔۔۔ صفوان اور عکرمہ۔۔۔ تو تمہیں زندہ داخل نہیں ہو سکے گا۔

خالد نے تیروں کی دوسری بوجھا ڈالے سے معلوم کر لیا تھا کہ دشمن کہاں ہے۔ خالد نے اپنے دستے کو روک کر پیچھے ہٹا لیا اور اپنے کچھ آدمیوں کو پہاڑیوں کے اوپر سے آگے بڑھنے اور تیرا ندازوں پر حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ عکرمہ اور صفوان خالد کے ان آدمیوں کو نہ دیکھ سکے۔

تھوڑی سی دیر میں یہ آدمی دشمن کے سر پر جا پہنچے۔ واوی سے خالد نے بلہ بول دیا جو اس قدر تیز اور شدید تھا کہ قریش کے پاؤں اکھڑ گئے۔ خالد نے اوپر سے بھی حملہ کر لیا تھا اور نیچے سے بھی۔

کہاں ہو عکرمہ! — خالد لکڑا رہے تھے — کہاں ہو صفوان! وہ دونوں کہیں بھی نہیں تھے۔ وہ خالد کے تلے کی تاب نہ لا سکے اور خالد کو نظر آنے لگے کہیں بھاگ گئے۔ اُن کا حبش بھی لاپتہ ہو گیا۔ پیچھے قریش کی بارہ لاشیں رہ گئیں۔ مختصر سی اس جھڑپ میں دو مسلمان — حبش بن اشقر اور کوز بن جابر فری — شہید ہوئے۔

اسلامی فوج کے تین حصے مکہ میں داخل ہو چکے تھے۔ خالد کا دستہ ابھی نہیں پہنچا تھا۔ سب حیران تھے کہ اہل مکہ نے مزاحمت نہیں کی پھر خالد کے نہ آنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ ایک قاصد کو دوڑایا گیا۔ وہ خبر لایا کہ خالد دو مسلمانوں کی لاشیں لے کر مارا ہے اور اس کے دستے

نہیں جانتا۔ عورت مخ لکھتے ہیں کہ ایسے لگتا تھا جیسے یہ مندر میں حضور اکرم کی لائچی کی ہر ضرب سے کمرے کی دیواروں سے اٹھ رہی ہوں۔ کمرے سے جتوں کے ٹکڑے اٹھا کر باہر پھینک دیئے گئے اور کمرے عالم اسلام کی عبادت گاہ بن گیا۔

اس کے بعد آپ نے مکہ کے انتظامی امور کی طرف توجہ دی۔ قریش اور دیگر قبائل کے لوگ قبول اسلام کے لیے آتے رہے۔

بُت صرف کعبہ میں ہی نہیں تھے بلکہ کے گرد و نواح کی بستیوں میں مندر تھے، وہاں بھی بُت رکھے تھے۔ سب سے اہم بُت عزیٰ کا تھا جو چند میل دور مکہ کے مندر میں رکھا گیا تھا۔ رسول اکرم نے عزیٰ کا بُت توڑنے کا کام خالدؓ کے سپرد کیا۔ خالدؓ نے اپنے ساتھ تیس سوار لے کر اس مقام پر پہنچا۔ دوسرے مندروں کے بُت توڑنے کے لیے مختلف عیش روانہ کئے گئے تھے۔

عزیٰ کا بُت اکیلا نہیں تھا چونکہ یہ دیوی تھی اس لیے اس کے ساتھ چھوٹی دیویوں کے بُت بھی تھے۔ خالدؓ وہاں پہنچے تو مندر کا پروہت اُن کے سامنے آگیا۔ اُس نے التجا کی اُن کے بُت نہ توڑے جائیں۔

”مجھے عزیٰ کا بُت دکھاؤ“ خالدؓ نے نیام سے تلوار نکال کر پروہت سے پوچھا۔

پروہت موت کے خوف سے مندر کے ایک بلی دروازے میں داخل ہو گیا۔ خالدؓ اُس کے پیچھے گئے۔ ایک کمرے سے گذر کر اگلے کمرے میں گئے تو وہاں ایک دیوی کا بڑا ہی خوبصورت بُت چوتھرے پر رکھا تھا۔ پروہت نے بُت کی طرف اشارہ کیا اور بُت کے آگے فرش پر لیٹ گیا۔ خالدؓ دایاں بھی آگئیں۔ خالدؓ نے تلوار سے اس حین دیوی کا بُت توڑ ڈالا اور اپنے سواروں سے کہا کہ بُت کے ٹکڑے باہر پھیر دیں۔

پروہت دھڑائیں مار مار کر رو رہا تھا اور دایاں مین کر رہی تھیں۔

خالدؓ نے دیویوں کے بُت بھی توڑ ڈالے اور گرج کر پروہت سے کہا ”کیا اب بھی تم اسے دیوی مانتے ہو جو اپنے آپ کو ایک انسان سے نہیں بچا سکی؟“

پروہت دھڑائیں مارتا رہا۔ خالدؓ فاتحانہ انداز سے اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے سواروں کو واپسی کا حکم دیا۔ جب خالدؓ اپنے تیس سواروں کے ساتھ مندر سے دور چلے گئے تو پروہت نے جو دھڑائیں مار رہا تھا، بڑی زور سے بجھنے لگا۔ بچا نہیں جو بہن کر رہی تھیں، وہ بھی منبے نہیں۔

”عزیٰ کی توہین کوئی نہیں کر سکتا“ پروہت نے کہا۔ ”خالدؓ جو خود عزیٰ کی پجاری بنوا کرتا تھا، بہت خوش ہو کر گیا ہے کہ اُس نے عزیٰ کا بُت توڑ ڈالا ہے۔۔۔ عزیٰ زندہ بنے زندہ رہے۔“

”یا رسول اللہ! خالدؓ نے حضور اکرم کو اطلاع دی۔“ میں عزیٰ کا بُت توڑ آیا ہوں۔“

”کہاں تھا یہ بُت؟“ حضور اکرم نے پوچھا۔

خالدؓ نے وہ مندر اور اس کا وہ کمرہ بتایا جہاں انہوں نے بُت دیکھا اور توڑا تھا۔

”تم نے عزیٰ کا بُت نہیں توڑا خالدؓ؟“ رسول اکرم نے کہا۔ ”واپس جاؤ اور اُسی بُت توڑ

کر آؤ۔“

مورخ لکھتے ہیں کہ عزیٰ کے دو بُت تھے۔ ایک اُسی جس کی پوجا ہوتی تھی، دوسرا لائچی تھا۔ یہ نابہ مسلانوں کو دھوکہ دینے کے لیے بنایا گیا تھا۔

خالدؓ کا خون کھولنے لگا۔ انہوں نے اپنے سواروں کو ساتھ لیا اور مکہ کو روانہ ہو گئے۔ مندر کے پروہت نے دُور سے گھوڑ سواروں کو آتے دیکھا تو اُس نے مندر کے محافظوں کو بلایا۔

”وہ پھر آرہے ہیں۔“ پروہت نے کہا۔ ”انہیں کسی نے بتا دیا ہو گا کہ اُسی بُت ابھی مندر میں موجود ہے۔ کیا تم عزیٰ کی عزت کی حفاظت کرو گے؟ اگر کرو گے تو عزیٰ دیوی تمہیں مالالہ کر دے گی۔“

”کچھ شوق کرباں کر مقدس پٹیوا!“ ایک محافظ نے کہا۔ ”کیا ہم دو تین آدمی اتنے زیادہ گھوڑ سواروں کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟“

”اگر عزیٰ دیوی ہے تو یہ اپنے آپ کو ضرور بچالے گی۔“ ایک اور محافظ نے کہا اُس کے لہجے میں طنز تھی۔ ”کہنے لگا۔“ دیوی دیتو انسانوں کی حفاظت کیا کرتے ہیں، انسان دیوتاؤں کی حفاظت نہیں کیا کرتے۔“

”پھر عزیٰ اپنی حفاظت خود کرے گی۔“ پروہت نے کہا۔

خالدؓ کے گھوڑے قریب آگئے تھے۔ محافظ مندر کی پجاریوں کو ساتھ لے کر بھاگ گئے۔ پروہت کو یقین تھا کہ اُس کی دیوی اپنے آپ کو مسلمانوں سے بچالے گی۔ اُس نے ایک تلوار لی اور اُسے عزیٰ کے گلے میں لٹکادیا۔ پروہت مندر کے پچھلے دروازے سے نکلا اور بھاگ گیا۔

خالدؓ مندر میں آن پہنچے اور تمام مردوں میں عزیٰ کا بُت دھونڈنے لگے۔ انہیں ایک بڑا ہی خوشنما کمرہ نظر آیا۔ اس کے دروازے میں کھڑے ہو کر دیکھا۔ عزیٰ کا بُت سامنے چوتھرے پر رکھا تھا۔ اُس کے گلے سے تلوار لٹک رہی تھی۔ یہ بُت ویسا ہی تھا جیسا خالدؓ پہلے توڑ گئے تھے۔ اس بُت کے قدموں میں لوہان چل رہا تھا۔ کمرے کی سجاوٹ اور خوشبو سے یہ چلتا تھا کہ یہ عبادت کا کمرہ ہے۔

خالدؓ نے دُور سے آگے قدم رکھا تو سالنے رنگ کی ایک جوان عورت جو بالکل برہنہ تھی خالدؓ کے سامنے آگئی۔ وہ رو رہی تھی اور فریادیں کرتی تھی کہ بُت کو نہ توڑا جائے مورخ لکھتے ہیں کہ یہ عورت خالدؓ کے ارادے کو متزلزل کرنے کے لیے برہنہ ہو کے آئی تھی اور اُس کے رونے کا مقصد خالدؓ کے جذبات پر اثر ڈالنے کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ خالدؓ آگے بڑھے تو اُس عورت نے بازو پھیلا کر خالدؓ کا راستہ روک لیا۔ خالدؓ نے نیام سے تلوار نکالی اور اُس عورت پر ایسا زوردار وار کیا کہ اُس کا ہنگام جسم دو حصوں میں کٹ گیا۔ خالدؓ غصے سے سمیٹے ہوئے بُت تک گئے اور اس کے کئی ٹکڑے کر دیئے۔ طاقت اور خوشحالی کی دیوی اپنے آپ کو ایک انسان سے نہ بچا سکی۔

خالدؓ مندر سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور ایڑ لگائی۔ اُن کے سوار اُن کے پیچھے جا رہے تھے۔ مکہ پہنچ کر خالدؓ رسول اکرم کے حضور پہنچے۔

”یا رسول اللہ! خالدؓ نے کہا۔“ میں عزیٰ کا بُت توڑ آیا ہوں۔“

دور در بعد عکرمہ کی بیوی بنو بکر کی بیٹی میں گئی اور اُس آدمی سے ملی جس نے اُسے عکرمہ کا بیٹا

دیکھا۔ ”یہ تو عکرمہ کے پاس جانے کو آتی ہے؟“ عکرمہ کے دوست نے پوچھا۔

”ہاں اُسے واپس لانے کے لیے جا رہی ہوں“ عکرمہ کی بیوی نے کہا۔

”کیا تو نہیں جانتی کہ وہ آیا تو اُسے قتل کر دیا جائے گا؟“

”اُسے قتل نہیں کیا جاتے گا“ عکرمہ کی بیوی نے کہا۔ ”میں نے اسلام قبول کر لیا ہے

اور رسول اللہؐ نے میری فریاد پر میرے شوہر کو معاف کر دیا ہے۔“

”یہ تو نے محمدؐ کو اللہ کا رسول مان لیا ہے؟“

”ہاں لیا ہے۔“

”محمدؐ نے تمہارے ساتھ سودا کیا ہوگا“ عکرمہ کے دوست نے کہا۔ ”اُس نے

تمہارے آگے یہ شرط رکھی ہوگی کہ تم اور عکرمہ اسلام قبول کر لو تو۔۔۔“

”نہیں“ عکرمہ کی بیوی نے کہا۔ ”محمدؐ نے جو اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں، میرے

ساتھ ایسا کوئی سودا نہیں کیا۔۔۔ اور محمدؐ ان میں سے نہیں جو سودا کر کے اپنی بات منوایا کرتے ہیں۔

میں وہاں اپنے شوہر کی جان بخشی کی فریاد لے کر گئی تھی۔ یہ وہی محمدؐ ہیں جنہیں میں بڑی اچھی طرح

جانتی تھی لیکن اب میں نے آپؐ کو دیکھا تو میں نے دل سے کہا کہ یہ وہ محمدؐ نہیں جو مجھے ہم میں سے

تھے۔ یہ محمدؐ جن کے پاس میں اب فریاد لے کر گئی، آپؐ کی آنکھوں میں مجھے کوئی ایسی چیز نظر

آئی جو کسی اور انسان میں نہیں ہوتی۔ مجھے ڈر تھا کہ محمدؐ جو اللہ کے رسول ہیں، کہیں گے کہ یہ عکرمہ

کی بیوی ہے، اسے یہ غفال بنا کر رکھو تاکہ عکرمہ آجائے اور اُسے قتل کر دیا جائے لیکن آپؐ نے

مجھے ایک مجبور عورت جان کر عزت سے بٹھایا میں نے فریاد کی کہ فوج آپؐ کی ہے، میرے بچوں

کو تم نہ کر۔ میرے شوہر کی بے عمدگی کی سزا مجھے اور میرے بچوں کو نہیں۔ آپؐ نے کہا، میں

نے عکرمہ کو معاف کیا۔۔۔ میں نے محمدؐ اور رسول اللہؐ کا ہاتھ جو ملایا اور معلوم نہیں وہ کون سی طاقت تھی

جس نے مجھے سے کہہ دیا۔ میں نے تسلیم کیا کہ محمدؐ اللہ کا رسول ہے۔ اب میں اُس خدا کو مانتی ہوں

جس نے محمدؐ کو رسالت دی ہے۔“

”اور تو مسلمان ہو گئی“ عکرمہ کے دوست نے کہا۔

”ہاں“ عکرمہ کی بیوی نے کہا۔ ”میں مسلمان ہو گئی۔۔۔ مجھے اُس کے پاس لے چل

میرے شوہر کے دوست اب میں اُسے واپس لاؤں گی۔“

”میں تو کسی کا حق ادا کروں گا“ عکرمہ کے دوست نے کہا۔ ”چل، میں تیرے ساتھ

میں جاتا ہوں۔“

کافی دنوں بعد عکرمہ اپنی بیوی کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا۔ اپنے گھر جانے کی بجائے حضور اکرمؐ

کے پاس گیا اور اُس نے اپنے کئے کی معافی مانگ کر اسلام قبول کر لیا۔

”ہاں خالدؓ!۔۔۔ رسول اللہؐ نے کہا۔“ اب تم نے عربی کا اصلی بُت توڑا ہے۔ اب اس

خلفے میں بُت پرستی نہیں ہوگی۔“

قریش کا مشہور اور جو شیلا سالار عکرمہ مکہ کے راستے میں خالدؓ کے خلاف آخری معرکہ لڑ کر ہلاک ہو گیا تھا۔ اُس نے اور صفوان نے اپنے قبیلے کے سردار کی حکم عدولی کی تھی۔ اُسے اپنا انجام بہت برا نظر آ رہا تھا۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ رسول کریمؐ بھی اُس کی یہ خطا نہیں بخشیں گے کہ اُس نے اسلامی فوج کے ایک دستے پر حملہ کیا اور اس دستے کے دو آدمی شہید کر دیئے تھے۔ عکرمہ کی بیوی مکہ میں تھی۔

”تاخیروں میں واضح اشارہ ملتا ہے کہ رسول کریمؐ نے فوج مکہ کے بعد قریش کی چار عورتوں اور چھ آدمیوں کے قتل کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو بہت زیادہ تکلیفیں پہنچائی تھیں اور مسلمانوں

عکرمہ کی بیوی مکہ میں تھی۔ فوج مکہ کے دو تین روز بعد ایک آدمی عکرمہ کے گھر آیا۔

”میں تمہارے لیے آج ہی ہوں بہن!“ اس شخص نے عکرمہ کی بیوی سے کہا۔ ”عکرمہ پر

دوست ہے۔ میں قبیلہ بنو بکر کا آدمی ہوں۔۔۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ عکرمہ اور صفوان نے مسلمانوں کا راستہ

نے خلاف سازشیں تیار کی تھیں۔ انہیں مزہ نہ لگایا تھا۔ ان میں ہند اور عکرمہ کے نام خاص ملے۔

قابل ذکر ہیں۔ اب رسیفان کی بیوی ہند ہر اس انسان کے خون کی پیاسی ہو جاتی تھی جو اسلام قبول

کر لیتا تھا۔

روکنے کی کوشش کی تھی لیکن اُس کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی تھے۔ اُس کا مقابلہ خالدؓ سے تھا

جو تجربہ کار و جنگجو ہے اور اُس کے ساتھ آدمی بھی زیادہ تھے۔“

”میں جانتی ہوں“ عکرمہ کی بیوی نے کہا۔ ”میں پہلے سُن چکی ہوں۔۔۔ میرے بچے

مجھے بتاؤ وہ کہاں ہے؟ وہ زندہ تو ہے؟“

”وہ مجھے بتایا تھا کہ کین جا رہا ہے۔“ اجنبی نے کہا۔ ”وہ کہہ گیا ہے کہ تجھے وہاں

بلا لے گا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے وہ کس کے پاس گیا ہے میں تجھے یہی بتانے آیا تھا۔ وہ

واپس نہیں آئے گا۔“

”اُسے یہاں آنا بھی نہیں چاہیے۔“ عکرمہ کی بیوی نے کہا۔ ”وہ آگیا تو اُسے قتل کر دیا

جائے گا۔“

”تم تیار رہنا۔“ اجنبی نے کہا۔ ”اُس کا بیٹا آئے گا تو میں نہیں اُس کے پاس پہنچاؤں گا۔“

تم اُس کے پاس پہنچ جاؤ گی تو وہ تمہیں ساتھ لے کر حبشہ کو چلا جائے گا۔“

اجنبی اُسے اپنی بیٹی کا اور اپنا نام بتا کر چلا گیا۔

اُنی روز صفوان بھی واپس آگیا۔ وہ جہاں کرجہہ چلا گیا تھا ایک دوست اُس کے پیچھے چلا اور
کہا کہ وہ سالاری رُستے کا چچو ہے اور اُس کی قدر رسول کریم ہی جان سکتے ہیں۔ اُس نے بھی
کو قبیلہ قریش ختم ہو چکا ہے۔۔۔۔۔ صفوان تلوار کا ڈھنی اور نامور سالار تھا۔ وہ اپنے دوست کے
مکہ گیا اور اُس نے رسول کریم کے حضور پیش ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

ابوسفیان کی بیوی ہند لایسی عورت تھی جس کے متعلق سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ اسلام
کمر لے گی۔ رسول کریم نے اُس کے قتل کا حکم دے رکھا تھا اور وہ روپوش تھی۔ ابوسفیان اس
قبول کر چکا تھا۔ ہند کو جب پتہ چلا کہ عکرمہ اور صفوان نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ سارے
یہ جانتے ہوئے کہ اُسے قتل کر دیا جائے گا، وہ رسول اکرم کے حضور جا پہنچی۔ آپ نے اُسے
کروا۔ اور وہ مسلمان ہو گئی۔

مکہ کے اگر گرد، دُور اور نزدیک، کچھ قبائل تھے۔ ان میں بعض بُت پرست تھے اور
توہمات کو عقیدہ بناتے ہوئے تھے۔ رسول کریم نے ان کی طرف پیغام بھیجے کہ وہ اللہ کا پناہ
کر لیں پیغام لے جانے والے فوجی تھے لیکن آپ نے حکم دیا تھا کہ کسی پر تشدد نہ کیا جائے اور
کارروائی سے گریز کیا جائے۔

مکہ کے جنوب میں تہام کا علاقہ ہے جہاں جُحَہ قبائل بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے متعلق
تھا کہ لڑنے پر اُنہیں گئے اس لیے اس علاقے میں فوج کا ایک دستہ بھیجا گیا اور اس کی کان
کودی گئی۔ تمام کا تمام دستہ گھوڑ سوار تھا۔ اس میں بنو سلیم کے آدمی بھی تھے اور مدینہ کے
کو مکہ سے تقریباً پچاس میل دور ملیم کے مقام تک جانا تھا۔

خالدؓ نے سوار دستے کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ ان کی منزل پچاس میل دور تھی لیکن پہلے
دُور گئے ہوں گے کہ ایک مشہور قبیلہ بنو جذیمہ کے اُمیہوں نے خالدؓ کے دستے کا راستہ روک لیا۔
خالدؓ نے اپنے دستے کو لڑائی کی ترتیب میں کر لیا۔ بنو جذیمہ باقاعدہ لڑائی کے لیے نکل آئے۔
”ہم لڑنے نہیں آتے“ خالدؓ نے اعلان کیا۔ ”ہم دعوت دیتے آتے ہیں کہ اسلام
قبول کر لو۔“

”ہم اسلام قبول کر چکے ہیں“ بنو جذیمہ کی طرف سے جواب آیا۔ ”ہم نمازیں پڑھتے ہیں
”ہم دھوکا کھانے نہیں آتے“ خالدؓ نے بلند آواز سے کہا۔ ”اگر تم مسلمان ہو جاؤ
ہو تو تلواریں اور برتھیاں پھینک دو۔“

”خبر دار بنو جذیمہ!“ بنو جذیمہ کی طرف سے کسی نے لہکار کر کہا۔ اُسے یہی پتا تھا
یہ مکہ کے اولیاد کا بیٹا خالدؓ ہے۔ اس پر اعتبار نہ کرنا۔ ہتھیار ڈال دو گے تو یہ ہم سب کو قتل کر دے
گا۔۔۔ ہتھیار نہ ڈال۔“

”خدا کی قسم، مجھے رسول اللہ کا حکم نہ ملا ہونا کہ جنگ نہ کرنا تو میں دیکھتا کہ تم ہتھیار ڈالنے
خالدؓ نے کہا۔ ”ہم دوست بن کر آتے ہیں ہم تم پر اللہ کا دین زبردستی ٹھونے نہیں
ہمیں دوست سمجھو اور ہمارے ساتھ آ جاؤ۔“

”اہل قریش کی کیا خبر ہے؟“ بنو جذیمہ کی طرف سے آواز آئی۔
”مکہ چل کر دیکھو“ خالدؓ نے کہا۔ ”ابوسفیان، عکرمہ اور صفوان اسلام قبول کر چکے ہیں۔“
بنو جذیمہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ خالدؓ گھوڑے سے اتر کر آگے بڑھے اور بنو جذیمہ
کے سردار سے گلے ملے۔ پورے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا۔
مسلمانوں کو مکہ ایک مرکز کی حیثیت سے مل گیا۔ یہ سورج کی مانند تھا جس کی کرنیں دُور دُور
ہر پہلے لگیں لیکن اسلام کی دشمن قوتیں یکجا ہو رہی تھیں۔

چلا گیا تھا؟
”جانتے ہیں۔“ دو تین آوازیں اٹھیں۔ ”اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو خدا کا

نبی کہتا ہے۔“
”ہم اسے نبی نہیں مانتے۔“ ایک اور آواز اٹھی۔ ”کوئی نبی ہوتا تو ہم میں سے ہوتا جو اہل تقیفت ہیں۔ ہوازن کے قبیلے سے ہوتا۔“

”وہ نبی ہے یا نہیں۔“ مالک بن عوف نے کہا۔ ”میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس منہ سے محمدؐ بھاگا تھا، اُس منہ کا اب وہ حاکم ہے۔ مجھ میں اُس کا حکم چلتا ہے اور اُس کی جی طافت راجتی جا رہی ہے۔ قبیلہ قریش اُس کے آگے ہتھیار ڈال چکا ہے اور اُس کے مذہب کو قبول کرنا چلا جا رہا ہے۔ ابو سفیان، عکرمہ اور صفوان جیسے جابر جنگجو محمدؐ کا مذہب قبول کر چکے ہیں۔ خالد بن ولید نے پہلے ہی یہ نیا مذہب قبول کر لیا تھا۔... مسلمانوں نے منہ میں تمام بُست توڑ ڈالے ہیں۔“

”اہل قریش کو اپنی غیرت اور اپنے مذہب کا پاس ہوتا تو وہ اپنی تلواریں اپنے پیٹوں میں گھنپ لیتے۔ کسی اور نے کہا۔“

”اب ستاروں سے بھرا ہوا آسمان یہ دیکھنے کا کہ ہوازن اہل تقیفت کو اپنی غیرت کا کتنا پاس ہے۔“ مالک بن عوف نے کہا۔

”کیا تو جانتا ہے کہ ہم میں سے کوئی محمدؐ کو قتل کر دے؟“ قبیلہ ہوازن کے ایک سردار نے کہا۔ ”مگر کوئی کہنا چاہتا ہے تو یہ کام میرے سپرد کر۔“

”اب محمدؐ کو قتل کر دینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔“ مالک بن عوف نے کہا۔ ”اُسے قتل کر دے گا تو اُس کے پیروکار اُسے اپنے دلوں میں زندہ رکھیں گے۔ اُن کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ اب ایک آدمی کے قتل سے وہ اُس راستے سے نہیں ٹھیں گے جس پر انہیں ڈال دیا گیا ہے۔“

”گتے ہیں محمدؐ کے ہاتھ میں کوئی جادو کیا ہے۔“ ہوازن کے ایک سردار نے کہا۔ ”وہ جس پر نگاہ ڈالتا ہے وہ اُس کا مطیع ہو جاتا ہے۔“

”جہاں تلوار چلتی ہے وہاں کوئی جادو نہیں چل سکتا۔“ ہوازن قبیلے کے ایک اور سردار نے اپنا تلوار کے دنتے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”مالک! آگے بول تو کیا کہتا ہے۔ ہم تیرے ساتھ ہیں۔“

”یہ کہنا یہ جانتا ہوں کہ ہم نے محمدؐ کے اسلام کو نہ رد کیا اور یہ سیلاب کی طرح بڑھتا ہوا ہم سے گویا ہے۔“

”مالک بن عوف نے کہا۔“ نہ ہوازن رہیں گے نہ تقیفت کا وجود ہوگا۔“

”قبیلہ قریش کو محکوم بنانے والوں کو ہم مسیحہ کے اندر ہی ختم کریں گے۔... کیا تم محکوم بن جانے کا مطلب سمجھتے ہو؟“ مالک بن عوف نے سب کی فٹ دیکھا اور بولا۔ ”اگر نہیں سمجھتے تو میں تمہیں بتاؤں۔“ اُس نے اپنے پیچھے دیکھا۔

”مالک بن عوف کے پیچھے مہمانوں میں ایک معمر سفید ریش بیٹھا تھا۔ اُس کا رنگ دوسروں

طائف ایک مقام ہے جو منہ معظمہ سے چند میل دور ہے۔ جنوری ۶۳۰ء (سواں مہینہ) کی ایک رات وہاں جن کا سماں تھا۔ فضا شراب کی بو سے بوجھل اور رات ٹھوکر تھی۔ قرض کے لیے طائف کے اردگرد کے علاقے کی چنی چنی ٹپے والیاں آئی ہوئی تھیں۔ اُن کے قرض اور خزن نے مہمانوں کو مدہوش کر دیا تھا۔

مہمان مسیحہ کے شمال مشرقی علاقے کے مشہور جنگجو قبیلے ہوازن کے سرکردہ افراد تھے۔ ان کے میزبان طائف اور گرد و نواح میں پھیلے ہوئے قبیلے تقیفت کے سردار تھے جنہوں نے اپنے مہمانوں پر اپنی امارت اور فیاضی اور کشادہ ظرفی کا رعب بجانے کے لیے اتنی شاندار فریفت اور اتنے شاندار جشن کا اہتمام کیا تھا۔

دو لڑکیاں قرض کے کمال دکھا رہی تھیں کہ میزبان قبیلے کا سردار مالک بن عوف اُن کے کمر بٹھا اور اُس نے مالی بچائی۔ ساز خاموش ہو گئے۔ ناچنے والیاں بُست بن گئیں اور ان کی نظریں مالک بن عوف پر جم گئیں۔ مہمانوں پر سناٹا طاری ہو گیا۔ ایسے لگتا تھا جیسے رات کے گزرتے لمحوں کا قافلو رک گیا ہو۔ ہر کوئی مالک بن عوف کی طرف دیکھ رہا تھا۔

مالک بن عوف کی عمر تیس سال تھی۔ قرض اور نئے نوشی کی مٹھلوں میں وہ عیاش شہزادہ تھا لیکن میدان جنگ میں وہ آگ کا بگولہ تھا۔ وہ صرف تیغ زنی، نیزاندازی اور گھوڑسواری میں ہی مہارت نہیں رکھتا تھا بلکہ وہ فن حرب و ضرب کا بھی ماہر تھا۔ انہی اوصاف کی بدولت وہ قبیلے کا سالار تھا۔ جنگ کے معاملے میں وہ انتہا پرست تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ٹھنڈے دل سے سوچا اُسے آگاہی نہیں۔ اُس کی جنگی چالیں اُس کے دشمن کے لیے بڑی خطرناک ہوتی تھیں قبیلہ قریش میں جو جنیت کسی وقت خالد بن ولید کو حاصل تھی ویسا ہی وہ بہ مالک بن عوف کا اپنے قبیلے پر تھا۔

”ہم نے بہت کھا لیا ہے۔“ مالک بن عوف نے قرض کرکے میراٹوں اور مہمانوں سے خطاب کیا۔ ”ہم شراب کے شیشے خالی کر چکے ہیں۔ ہم تھک رہے ہیں۔ ہوائیوں سے لطفت اندوز ہو چکے ہیں۔ کیا ہمارے مہمانوں نے یہ نہیں سوچا کہ اس ضیافت اور اس جن کی تقریب کیا ہے؟... میں نے تمہیں کوئی خوشی منانے کے لیے اکٹھا نہیں کیا۔ اسے اہل ہوازن! میں نے تمہاری غیرت کو بچانے کے لیے اکٹھا نہیں کیا۔“

”ہوازن کی غیرت سوئی کب تھی مالک بن عوف؟“ قبیلہ ہوازن کے ایک سردار نے کہا۔

”ہوازن کی غیرت کو کس نے لکا رہا ہے؟“

”مسلمانوں نے؟“ مالک بن عوف نے کہا۔ ”محمدؐ نے... کیا تم مجھ کو نہیں جانتے؟ کیا تم بھول گئے ہو اُس محمدؐ کو جو اپنے چند ایک ساتھیوں کے ساتھ مسیحہ سے بھاگ کر یثرب (مدینہ)

کی نسبت صاف اور سپیدی مال تھا۔ وضعیف اتنا تھا کہ اس کا سر ہلتا تھا اور گردن میں ہلکا سا خم تھا۔ اس کے ماتھے میں اپنے قد بتانا لبا عصا تھا۔ کندھوں سے ٹخنوں تک چنچہ بتاتا تھا کہ وہ کوئی عالم یا مدعی ہی پیشوا ہے۔ مالک بن عوف کے اشارے پر وہ اٹھا اور مالک کے پاس آگیا۔

”تم پر اس کی رحمت ہو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔“ بڑھ سے بڑھ کر کہا۔ اور وہ دیکھتا تھا کہ بچوں کے محافظوں جن کی تم کو بچا کر تے ہو۔ تم مجھ کی اور غلامی کا مطلب نہیں سمجھتے تو مجھ سے بچو۔ میری چار جوان بیٹیاں مسلمانوں کی لونڈیاں ہیں اور میرے دو جوان بیٹے مسلمانوں کے غلام ہیں۔ وہ تیغ زن اور شہسوار تھے لیکن اب انہیں تلوار ہاتھ میں لینے کی اور گھوڑے پر سوار ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ یہیں گھروں سے نکال دیا گیا ہے۔۔۔۔

”کیا تمہیں یاد نہیں کہ قریش نے مدینے کا محاصرہ کیا تھا تو مسلمانوں نے شہر کے ارد گرد خندق کھودی تھی؟ قریش اس خندق کو پھلانگ نہیں سکے تھے، پھر اس قدر تندہ و تیز طوفان آیا کہ قریش جو پہلے ہی بدل ہو چکے تھے، پھر گئے اور سچے کو داپس چلے گئے تھے جب مسلمانوں کے سر سے خطرہ مل گیا تو انہوں نے ان یہودیوں پر تلہ بول ڈیا جو ان کے ساتھ مدینہ میں امن سے رہتے تھے ان یہودیوں کو انہوں نے قتل کر دیا اور ان کی عورتوں کو اور ان کے بچوں کو آپس میں بانٹ کر انہیں لایا اور غلام بنالیا۔

”اے بزرگ! قبیلہ ثقیف کے ایک سرکردہ آدمی نے بلند آواز سے کہا۔“ اگر کوئی یہودی ہے تو کیا ہم نے غلام سنا تھا کہ تیرے قبیلے نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا تھا؟

”تم نے جو سنا درست سنا تھا۔“ بڑھ سے بڑھ کر کہا۔ ”ہمارا دھوکہ کامیاب نہیں ہوا تھا۔ یہ مسلمانوں کی بیٹی میں خبر تارنا چاہتے تھے لیکن قریش بیٹھ دیکھا گئے۔ مسلمانوں کو دھوکہ دے کر کمر در کمر مارنا قریش تھا لیکن مسلمانوں کی تلواروں نے ہمیں کمزور کر دیا۔“

”تو جی امیر اسراہیل سے ہے، کیا ہیں اکسا نے کیا ہے کہ ہم مسلمانوں سے تیرے قبیلے کے خون کا انتقام لیں؟“ ثقیف کے قبیلے کے ایک سردار نے کہا۔

ایک اور وضعیف العمران کھڑا ہوا۔ اس کا نام درید بن العتیمہ تھا۔ اس کا نام تاریخ میں تو لپتا ہے لیکن یہ پڑ نہیں ملتا کہ وہ قبیلہ ہوازن سے تھا یا قبیلہ ثقیف سے۔

”خاموش رہو۔“ درید بن العتیمہ نے گرج کر کہا۔ ”ہم بنی اسراہیل کے خون کا انتقام نہیں لیں گے، کیا تم ابھی تک شک میں ہو؟ کیا تم ابھی تک نہیں سمجھتے کہ ہم نے مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کو اپنی تلواروں کو نہ پلایا اور ان کے زخمیوں کو گھوڑوں تلے نہ روندنا تو وہ ہیں بھی قتل کر کے ہتھاری بیٹیوں کو ہتھاری بہنوں کو اور ہتھاری بیویوں کو اپنی لونڈیاں اور ہمارے بچوں کو اپنا غلام بنالیں گے؟“ اس سے پہلے کہ ان کے گھوڑے طاقت کی گلیوں میں بندھنا میں، کیا یہ اچھا نہیں ہو گا کہ بچا گھوڑے ان کی لاشوں کو مسمک کی گلیوں میں کچلتے پھریں؟۔ مالک بن عوف نے جوش سے لڑتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”بنی اسراہیل کا یہ بزرگ ہمارے ہمارے آبا ہے۔ اس نے اپنے قبیلے کا جو اچھا بنایا ہے میں تمہیں اس انجام سے بچانا چاہتا ہوں۔۔۔۔ انھوں اور لالت کے نام پر جنت اٹھاؤ۔

مجھ اور اس سے تم ایسے دو کاروں کو جنہوں نے مسمک کے تمام ثبوت توڑ ڈالے ہیں ختم کر کے اپنی عورتوں کو اپنے منہ دکھاتیں گے۔“

۷

اس زمانے میں جب اسلام کی کرنیں سمکھ سے پھیل رہی تھیں، عرب میں ثبوت پرستی عام تھی۔ وہ خدا کو بھی مانتے تھے لیکن خدا تک رسائی حاصل کرنے کے لیے وہ بتوں کے آگے ہتھیلا تے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ بتوں کو راضی کیے بغیر خدا کو راضی نہیں کیا جاسکتا۔ بتوں کی خوشنودی کے لیے وہ کچھ رسمیں ادا کرتے تھے۔ طاقت کے علاقے میں جس ثبوت کو پوجا جاتا تھا، اس کا نام لات تھا جو انسانی یا حیوانی شکل کا نہیں تھا۔ وہ بہت بڑا پتھر تھا جسے چٹان کہا جاسکتا ہے۔ یہ چٹان باقاعدہ مربع شکل کی تھی بعض متورخوں نے لکھا ہے کہ مربع شکل کا قدرتی طور پر بنا ہوا چوڑا ٹکڑا جس پر شاید کسی زمانے میں کوئی بت رکھا گیا ہو لیکن طلوع اسلام کے دور میں یہ صرف چوڑا ٹکڑا اور ارد گرد کے قبائل اسی کو پوجتے تھے۔

جنوری ۶۳۰ء کی اس رات جب قبیلہ ہوازن کے سردار قبیلہ ثقیف کی دعوت پر طاقت آئے اور مالک بن عوف اور درید بن العتیمہ انہیں سمکھ پر حملے کے لیے اکٹھا رہے تھے ہوازن کے ایک سردار نے مشورہ دیا کہ کاہن کو بلا کر فال نکلائی جاتے کہ ہمارا حملہ کامیاب ہو گا یا نہیں۔ یہ فال تیروں کے ذریعے نکالی جاتی تھی جسے ازلام کہتے تھے۔ بہت سے تیر لکھے رکھے ہوتے تھے کسی پر ہال لکھا ہوتا تھا۔ کسی پر نہیں۔ ثبوت کا کوئی مجاز یا کاہن (مدعی پیشوا) اس ترکش سے ایک تیر نکالتا اور دیکھتا تھا کہ اس پر ہال لکھا ہے یا نہیں۔ یہ فال کا جوا سہ ہوتا تھا۔ مجاز کی ثبوت کاہن کو بہتر سمجھا جاتا تھا۔ کاہن دانشمند ہوتے تھے۔ ان کے پاس پڑاؤ اور دل میں آئے جانے والے الفاظ کا ذخیرہ ہوتا تھا اور ان کے بولنے کا انداز تو ہر کسی کو متاثر کر لیتا تھا۔ کاہن فال نکالے بغیر غیب کی خبریں دیا کرتے اور لوگ انہیں سچ مانا کرتے تھے۔

ان صبح ہوازن اور ثقیف کے سردار ایک کاہن کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی نے ابھی بات بھی نہیں کی تھی کہ کاہن بول پڑا۔

”اگر میں غیب کی خبر دے سکتا ہوں اور آئے والے وقت میں بھی جہاں تک کر بتا سکتا ہوں تو لکھا ہو گا اور کیا ہو گا تو کیا میں یہ نہیں بتا سکتا کہ تمہارا سے دلوں میں کیا ہے؟۔ اس نے کہا۔ ”تم اپنی زبانوں کو سامن رکھو اور میری زبان سے سنو کہ تم کیا کہنے آئے ہو۔۔۔۔ تم جس دشمن پر حملہ کرنے جا رہے ہو وہ بچو سمجھو کہ سوچنا ہوا ہے۔ اس نے مسمک پر قبضہ کیا ہے اور وہاں کے اختیارات سنبھالے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی بادشاہی کی بنیادیں پکڑ رہا ہے۔ مسمک میں اس کے دشمن بھی موجود ہیں۔ ہر کسی نے محکم کا مذہب قبول نہیں کیا۔“

”مسمک کاہن!۔“ درید بن العتیمہ نے کہا۔ ”ہمیں یہ بتا کہ تم مجھ کو خبر ہونے سے پہلے اس کو دلوں سے کتنے ہیں؟ کیا ہمارا چاکت حملہ مسمک کے مسلمانوں کو گھٹنوں میں کھینکے گا؟“

کاہن نے آسمان کی طرف دیکھا کچھ بڑبڑایا اور بولا۔ ”آئے والے وقت کے پڑوں کو کچھ

بڑا حسد اور دیرین اصرار تھا کہ مسلمان مکتہ میں ابھی جمع کے نہیں بیٹھ سکے۔ ان کے سامنے اور بہت سے مسئلے ہیں۔ ان پر حملے کے لیے ہی وقت موزوں ہے۔ ہوازن اور ثقیف کے سردار اپنے ارادے کی تصدیق کے لیے میرے پاس آتے تھے۔ اچھا ہوا کہ ان سے پہلے قرچری چچھے میرے پاس آ گئے تھے۔
”میرا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو ختم کیا جائے۔“ بڑھے یہودی نے کہا۔

متواریں لکھتے ہیں کہ ہوازن اور ثقیف دو طاقتور قبیلے تھے۔ مسلمانوں نے مکتہ فتح کر لیا تو ان دونوں قبیلوں کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ دونوں کے لوگ الگ الگ لبتیوں میں رہتے ہیں اور لبتیوں کی تعداد زیادہ ہے اور یہ ایک دوسری سے دُور دُور بھی ہیں۔ مسلمان ہر لبتی پر قابض ہو کر دونوں قبیلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ انہوں نے سوچا کہ قبیلوں کو متحد کر کے مسلمانوں پر حملہ بول دیا جائے۔

دونوں قبیلے لڑنے والے آدمیوں کو ساتھ لے کر حنین کے قریب اوٹاس کے مقام پر ملے گئے۔ ان کے سرداروں نے چھوٹے چھوٹے کئی اور قبائل کو اس قسم کے پیغام بھیج کر کہ مسلمان اُن کی لبتیوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے آرہے ہیں، اپنے اتحادی بنالیا تھا۔ اس متحدہ لشکر کی تعداد بارہ ہزار بھی تھی۔ اس کا سپہ سالار مالک بن عوف تھا۔ اُس نے لشکر کے ہر آدمی کو اجازت دے دی تھی کہ وہ اپنے بیوی بچوں اور موشیوں کو ساتھ لے آئے۔ اُس نے اس اجازت کا جواز پیش کیا تھا کہ مکتہ کا محاصرہ بہت لمبا بھی ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو لشکریوں کو اپنے بیوی بچوں اور موشیوں کا کھانا ہوگا کہ معلوم نہیں کیسے ہوں۔ اس اجازت سے تقریباً سب نے فائدہ اٹھایا تھا۔ اس طرح جتنا لشکر لڑنے والوں کا تھا، اس سے کہیں زیادہ تعداد عورتوں اور بچوں کی تھی۔ اونٹ بٹیاں بٹھارتے۔

دیرین اصرار بہت بڑھا تھا۔ وہ میدان جنگ میں جانے کے قابل نہیں تھا لیکن لڑنے اور لڑانے کا جو تجربہ اُسے تھا وہ اور کسی کو نہیں تھا۔ سپہ سالار مالک بن عوف کو بنایا گیا تھا لیکن اس میں خوبی صرف یہ تھی کہ وہ بہت جوشیلا تھا۔ دیرینہ کوشش کے تجربے کی وجہ سے بلایا گیا تھا۔

دیرین اصرار اُس وقت اس لشکر میں شامل ہوا جب لشکر اوٹاس کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ وہ شام کے وقت پہنچا۔ اُسے بچوں کے رونے کی آوازیں سنائی دیں۔ اُس نے بچوں اور گدھوں کی آوازیں بھی سنیں۔ اُس نے کسی سے پوچھا کہ لشکر کے ساتھ بچے، بچیاں اور گدھے کون لایا ہے؟ اُسے بتایا گیا کہ سپہ سالار نے بال بچے اور موشی ساتھ لے جانے کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ انہیں ساتھ لانے کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

”مالک! — دیرین اصرار نے مالک بن عوف کے خیمے میں جا کر پوچھا۔“ ”یہ تو نے کیا کیا ہے؟ میں نے ایسا لشکر پہلی بار دیکھا ہے جو لڑنے والے لشکر کی بجائے نقل مکانی کرنے والوں کا قافلہ معلوم ہوتا ہے۔“

”مجھے تمہاری جگہ فہم و فراست پر ذرا سنبھلی نظر نہیں میرے بزرگ! — مالک بن عوف

کر کے دیکھا ہے۔۔۔۔۔ تمہارا حملہ اچانک ہوگا۔ مسلمانوں کو اُس وقت پتہ چلے گا جب تمہاری تلواریں انہیں کاٹ رہی ہوں گی۔ کون ہے جو برستی تلواروں میں سنبھل کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر سکتا ہے؟۔۔۔۔۔ یہی وقت ہے۔ یہی موقع ہے مسلمان اگر سنبھل گئے تو تمہارا پتہ ارادوں میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پھر مسلمان تمہارے گھروں تک تمہارا پیچھا کریں گے اور تمہارے غراؤں کو اور تمہاری عورتوں کو تمہاری لاشوں کے اوپر سے گزار کر اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اِسلام کی ضرورت نہیں۔ لالت نے اشارہ دے دیا ہے اور پوچھا ہے کہ مجھے پوچھنے والوں کی تلواریں ابھی تک نیا سول میں کیوں ہیں؟

”کوئی قربانی؟ — ایک سردار نے پوچھا۔“
”حام۔“ کاہن نے کہا۔ ”ایک حام۔ اگر ہے تو دے دو۔ نہیں ہے تو اپنے قبیلے سے کہو کہ بیٹے نہ دکھائیں۔ اپنے خون کی اور اپنی جانوں کی قربانی دیں۔۔۔۔۔ حام کی تلاش میں وقت ضائع نہ کریں۔۔۔۔۔ جاؤ۔ میں نے تمہیں خبر دے دی ہے۔ مکتہ میں مسلمان دوسرے کاموں میں مصروف ہیں۔ وہ لڑنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ وقت پھر نہیں آئے گا۔“

حام اُس اونٹ کو کہتے تھے جس کی جوتھی نکل پیدا ہو جاتی تھی۔ اسے یہ لوگ اپنے بٹ کے نام پر کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ اس اونٹ کو متبرک سمجھ کر اس پر نہ کوئی سواری کر سکتا تھا نہ اس سے کوئی اور کام لیا جاتا تھا۔ اس پر خاص نشان لگا دیا جاتا تھا۔ اسے جو کوئی دیکھتا تھا، اس کا احترام کرتا اور اسے اپنے کھانے کی چیزیں کھلا دیتا تھا۔

جب ہوازن اور ثقیف کے سردار کاہن کی اشیر باد لے کر چلے گئے تو کاہن اندرونی کمرے میں چلا گیا۔ وہاں وہ بڑھا یہودی بیٹھا تھا جسے گذشتہ رات ضیافت کے دوران مالک بن عوف نے اشارے سے کہا تھا کہ وہ سب کو تھانے کے محکومی اور غلامی کیا ہوتی ہے۔
”میں نے تمہارا کام کر دیا ہے۔“ کاہن نے اُسے کہا۔ ”اب یہ لوگ مکتہ کی طرف کوچ میں تاخیر نہیں کریں گے۔“

”کیا انہیں کامیابی حاصل ہوگی؟ — بڑھے یہودی نے پوچھا۔“
”کامیابی کا انحصار ان کے لڑنے کے جذبے اور عقل پر ہے۔“ کاہن نے کہا۔ ”اگر انہوں نے صرف جوش اور جذبے سے کام لیا اور عقل کو استعمال نہ کیا تو محمد کی عسکری قابلیت انہیں بہت بُری شکست دے گی۔۔۔۔۔ میرا انعام؟“

”تمہارا انعام ساتھ لایا ہوں۔“ بڑھے نے کہا اور آواز دی۔

دوسرے کمرے سے ایک جبین لڑکی آئی۔ بڑھے یہودی نے اپنے چُنے کے اندر

ہاتھ ڈال کر سونے کے دو ٹکڑے نکالے اور کاہن کو دیے دیئے۔

”میں کل صبح اس لڑکی کو لے جاؤں گا۔“ بڑھے نے کہا۔

”میں تمہیں ابک بات بتا دینا چاہتا ہوں۔“ کاہن نے کہا۔ ”میں نے تمہارے کہنے پر ان

لوگوں کو کہا ہے کہ فوراً حملہ کریں لیکن ان سرداروں میں سمجھ بوجھ ہے۔ حالات کو سمجھ لیتے ہیں۔ ان کا

دھرت ہوازن قبیلہ تھا جس نے اپنی عورتوں بچوں اور بکریوں وغیرہ کو اپنے ساتھ رکھا تھا۔

۷

یہ دوسرا موقع تھا کہ اتنے زیادہ قبیلوں کی متحدہ فوج مسلمانوں کو تس تس کر کے آ رہی تھی۔ اس سے پہلے جنگ خندق میں اتنے زیادہ قبیلے مسلمانوں کے خلاف متحد ہوئے تھے۔ اب اباب بن عوف اس امیر پر متحدہ فوج کو لے جا رہا تھا کہ وہ بکتر پر اچانک ٹوٹ پڑے گا۔ اس لشکر کو اب اباس سے مکہ کو کوچ کرنا تھا اور اس کوچ کی رفتار بہت تیز رکھنی تھی۔ اداس میں لشکر کا قیام اس لیے زیادہ ہو گیا تھا کہ دوسرے قبیلوں کو وہاں اکٹھے ہونا تھا۔ اگر اس لشکر میں صرف لڑنے والے ہوتے تو لشکر فوراً مکہ کی طرف پیش قدمی کر جاتا۔ اس میں عربوں اور بچے بھی تھے اور ان کا سامان بھی تھا۔ اس لیے وہاں سے کوچ میں خاصی تاخیر ہو گئی۔ اس دوران مکہ کی گلیوں میں ایک لٹکانی دی۔

”مسلمانو ہوشیار.... تیار ہو جاؤ۔“ وہ ایک شتر سوار تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی طرف جاتے ہوئے اعلان کرتا جا رہا تھا۔ ”خدا کی قسم، جو میں دیکھ آیا ہوں وہ تم میں سے کسی نے نہیں دیکھا۔“

”کیا شتر مچاتے جا رہے ہو؟۔ کسی نے اسے کہا۔“ ”کو کو اور تباہ کیا کچھ آئے ہو؟“ ”رسول اللہ کو تباہوں کا۔“ وہ کہتا جا رہا تھا۔ ”تیار ہو جاؤ.... ہوازن اور ثقیف کا لشکر....“ رسول کریم کو اطلاع مل گئی کہ ہوازن اور ثقیف کے ساتھ دوسرے قبیلوں کے بزاروں لوگ اداس کے قریب خمیر زن میں اور ان کا ارادہ مکہ پر حملے کا ہے۔ اور وہ کوچ کرنے والے ہیں۔ تاریخوں میں اس شخص کا نام نہیں ملتا جس نے اداس میں اس متحدہ لشکر کو دیکھا اور یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ لشکر کا ارادہ کیا ہے۔ مورخوں نے اتنا ہی لکھا ہے کہ رسول کریم کو قبل از وقت غیر مسلم قبیلوں کے اجتماع کی خبر مل گئی۔

ان مورخوں کے مطابق (اور بعد کے مبصروں کی تحریروں کے مطابق) رسول اکرم کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ جنگ و جدل سے گریز کیا جاسے اور ان غیر مسلموں کو جو آپ کو اور مسلمانوں کو دشمن سمجھتے اور آپ کے خلاف سازشیں تیار کرتے رہتے تھے، انہیں خیر سگالی اور بچائی چارے کے پیغام ایسے جائیں۔

اس خواہش اور کوشش کے علاوہ جنوری ۶۳۰ء میں حضور اکرم لڑنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ لیونڈہ آپ نے مکہ کو چند ہی دن پہلے اپنی تحویل میں لیا تھا اور شہر کے انتظامات میں مصروف تھے۔ حضور کو مشورے دیئے گئے کہ شہری انتظامات کو ملتوی کر کے دفاعی انتظامات کی طرف فوری توجہ دی جائے اور دشمن کے حملے یا محاصرے کا انتظار کیا جائے۔

رسول اللہ نے مشورہ دینے والوں سے یہ کہہ کر ان کا مشورہ مسترد کر دیا کہ تم یہاں دفاعی پوزیشن پر نہ رہو۔ بلکہ جہاں اور جب دشمن کو خبر ملے کہ تم یہاں رہو اور قلعہ بند ہو گئے جسے تو دشمن تم سے بڑھ کر خیرہ زان ہو کر اس انتظار میں تیار بیٹھ جائے کہ تم دفاع میں ذرا سی بھی کوتاہی کر لو اور وہ

لے کہا۔ لیکن میں نے جو سوچا ہے وہ تم ساری عمر نہیں سوچ سکے۔ میں نے لشکریوں سے کہا تو یہ ہے کہ محاصرہ لیا ہو جانے کی صورت میں انہیں اہل و عیال اور مال مریشی کے متعلق پریشانی پیدا ہو جانے کی ممکن میں نے سوچا کچھ اور ہے۔ میں مکہ کو محاصرے میں نہیں لوں گا بلکہ یغرا کوں گا۔ مسلمانوں کو ہم بے خبری میں جالیں گے۔ ہمیں معلوم ہے کہ لڑنے میں مسلمان کتنے زیادہ عقل مند ہیں۔ وہ پیڑ سے بدل بدل کر لڑیں گے۔ ہو سکتا ہے ہمارے آدمی ان کی بے خبری کے آگے ٹھہر نہ سکیں۔ وہ جب دیکھیں گے کہ ان کی عورتیں اور جوان بیٹیاں اور بچے اور دودھ دینے والے مریشی بھی ساتھ ہیں تو وہ انہیں بچانے کے لیے جان کی بازی لگا کر لڑیں گے اور زیادہ بہادری سے لڑیں گے۔ بھاگیں گے نہیں۔“

”تجربہ عمر سے چل جاتا ہے مالک!۔“ ”دیر نہ کہا۔“ ”تیرے پاس جذبہ ہے، غیرت ہے، جرات ہے لیکن عقل تیری ابھی خام ہے۔ لڑائی میں ان لوگوں کا دھیان آگے نہیں پیچھے ہوگا۔ یہ یہی دیکھتے رہیں گے کہ دشمن پہلو یا عقب سے ان کے بال بچوں تک تو نہیں آگیا۔ دشمن جب ان پر جالی حملہ کرے گا تو یہ تیری سے اپنے بیوی بچوں تک پیچیں گے کہ یہ دشمن سے محفوظ رہیں.... تو بہت بڑی کمزوری اپنے ساتھ لے آیا ہے۔ مجھ کی جنگی قیادت کو تو نہیں جانتا میں جانتا ہوں، اس کے پاس ایک سے ایک بڑھ کر قابل سالار ہے۔ وہ تیری اسی کمزور دگر پر وارد کریں گے۔ وہ کوشش کرے گا کہ تیرے لشکر کی عورتوں اور بچوں کو پر اعمال میں لے لیں۔ انہیں دور پیچھے رہنے دو اور مکہ کو کوچ کرو۔“

”احترام کے قابل بزرگ!۔“ مالک بن عوف نے کہا۔ ”تم بہت پرانی باتیں کر رہے ہو تم نے محسوس نہیں کیا کہ اتنی لمبی عمر نے تمہیں تجربوں سے تو مالا مال کر دیا ہے لیکن عمر نے تمہاری عقل کمزور کر دی ہے۔ اگر میں سپہ سالار ہوں تو میرا حکم چلے گا میں جہاں ضرورت سمجھوں گا تم سے مشورہ لے لوں گا۔“

مورخوں نے لکھا ہے کہ ڈیر بن الصمہ یہ سوچ کر چپ ہو گیا کہ یہ موقع آپس میں اسے کچھ کا نہیں تھا۔ ”تم لشکر سے کچھ اور کہنا چاہتے ہو تو کہہ دو۔“ مالک بن عوف نے کہا۔ ”جو کام مجھے کرنا ہے وہ میں تمہیں بتاؤں بغیر کروں گا۔“ ”دیر نہ کہا۔“ ”مجھ میں لڑنے کی طاقت نہیں رہی۔ لڑا سکتا ہوں۔“

اس نے اپنے خیمے میں جا کر قبیلوں کے سرداروں کو بلایا اور اتنا ہی کہا۔ ”جب حملہ کر دے گا تو تمہارا اتحاد نہ ٹوٹے۔ تمام لشکر سے کہہ دو کہ حملے سے پہلے تلواروں کی نیا میں توڑ کر پھینک دیں۔“ عربوں میں یہ رسم تھی کہ لڑائی میں جب کوئی اپنی نیام توڑ دیتا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ یہ شخص لڑنا تو جہاں دے دے گا، پیچھے نہیں ہٹے گا اور شکست نہیں کھائے گا۔ نیام توڑنے کو وہ فتح یا موت کا اعلان سمجھتے تھے۔

کسی بھی تاریخ میں ایسا اشارہ نہیں ملتا کہ ڈیر بن الصمہ نے قبیلوں کے سرداروں سے کہا کہ وہ اپنے اہل و عیال کو ان سب میں رہنے دیں لیکن دو مورخوں نے لکھا ہے کہ لڑائی کے وقت

شہر کو محاصرے میں لے لے یا سیاحی یلغار کر دے تو یہ دشمن کو دعوت دینے والی بات ہوگی کہ مسلسل خطرہ بن کر ہمارے سروں پر بیٹھا رہے۔

اُس دور کی مختلف سختیوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ رسول کریمؐ نے یہ اصول وضع کیا اور مسلمانوں کو ذہنی نشین کر دیا تھا کہ دشمن اگر اپنے گھر بیچ کر بھی لڑے تو اس کی لڑاکا جواب ٹھوس طریقے یعنی عملی طریقے سے دو۔ دوسرے یہ کہ دشمن کی نیت اور اس کے عزائم کا علم ہو جائے تاہی سرحدوں کے اندر بیچ کر اُس کا انتظار نہ کرتے رہو۔ اُس پر حملہ کر دو اور حضورؐ نے اپنی امت کو تیسرا اصول یہ دیا کہ ہر وقت تیاری کی حالت میں رہو اور دشمن کو احساس دلا دو کہ وہ ہمیں لڑنے کا یا مختار سے لیے خطرہ بننے کی کوشش کرے گا تو ہم بھی اُس طرح اُس پر کوندو گے۔

۷

”نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔“ مالک بن عوف اپنے خیمے میں غصے سے بار بار زمین پر پاؤں مارتا اور کہتا تھا۔ ”وہ آئی جلدی کس طرح یہاں تک پہنچ سکتے ہیں؟ کیا ہم اپنے ساتھ عداوت کو بھی لاتے تھے جنہوں نے محمدؐ کو بہت دن پہلے خبردار کر دیا تھا کہ ہم آ رہے ہیں؟“ خود جا کر دیکھ لے مالک!۔ بوڑھے ذرید بن الصتمہ نے کہا۔ ”اپنی آنکھوں سے دیکھ لے! اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو اپنے دیوتا لاد کو دھوکہ دے رہا ہوں۔“ اُس آدمی نے کہا جو دیکھ آیا تھا کہ مسلمانوں کا ایک لشکر جس کی تعداد کم و بیش دس ہزار تھی جنہیں کے قریب اگر پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ اُس نے کہا۔ ”انہوں نے خیمے نہیں گاڑے۔ وہ تیاری کی حالت میں ہیں.... اور یہ بھی جھوٹ نہیں کہ اس لشکر کا سپہ سالار محمدؐ خود ہے۔“

مالک بن عوف غصے سے باؤ لگا ہوا جا رہا تھا۔ وہ مسلمانوں پر اچانک ٹوٹ پڑنے چلا تھا۔ اُس نے ادھاس سے ستر کی طرف پیش قدمی کا حکم دے دیا تھا مگر اُسے اطلاع ملی کہ مسلمان اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں اُس کی جمیعت سے تھوڑی ہی دور جنہیں کے گرد و نواح میں آگئے ہیں اور مقابلے کے لیے تیار ہیں۔

”غصہ تیرے عقل کو کمزور کر رہا ہے مالک!۔“ ذرید نے اُسے کہا۔ ”اب محاصرے اور یلغار کو دماغ سے نکال اور اُس زمین سے فائدہ اٹھا جس پر مسلمانوں سے تیرا مقابلہ ہو گا تو ابھی چالیں سوچ سکتا ہے۔ تو دشمن کو دھوکہ دے سکتا ہے سچے میں جو ات ہے، پھر نوکیوں پریشان ہو رہا ہے؟ میں تیرے ساتھ ہوں.... میں تجھے ایک بار پھر کہتا ہوں کہ ہوازن کے لوگوں نے اپنی عورتوں اور اپنے بچوں اور اپنے مویشیوں کو ساتھ لاکے اچھا نہیں کیا.... امیر سے سنا تھا، جنہیں کی وادی کو دیکھیں۔“

وہ دونوں اُس علاقے کو دیکھنے چل پڑے جہاں لڑائی متوقع تھی۔

۷

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجاہدین کی جو فوج تھی اس کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ نفری میں ستر کے دو ہزار افراد ایسے تھے جنہیں اسلام قبول کیے ابھی چند دن ہی ہوئے تھے بعض صحابہ کرام ان نو مسلموں پر بھروسہ کرنے پر آمادہ نہیں تھے لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کو اپنے اللہ پر بھروسہ تھا۔ ابوسفیان، عکرمہ اور صفوان بھی نو مسلم تھے۔ یہ تینوں سرداری اور سالاری کے زنبوں کے افراد تھے جن کا نو مسلم قریش پر اثر و رسوخ بھی تھا لیکن دیکھا گیا کہ یہ سب اپنی مرضی سے اس لشکر میں شامل ہوئے تھے۔ ایک مورخ نے لکھا ہے کہ ان تینوں نے مجاہدین کے لیے کم و بیش ایک سو زہرہ بکتر دیئے تھے۔

یہ لشکر ۲ جنوری ۶۳۰ء (۶ شوال ۸ھ) کی صبح ستر سے روانہ ہوا اور ۳ جنوری کی شام خنہ کے گرد و نواح میں پہنچ گیا تھا۔ کوچ برقی رفتار تھا۔ رسول کریمؐ کو معلوم تھا کہ قبیلہ ہوازن اور قبیلہ ثقیف لڑنے والے قبیلے ہیں اور ان کے قائد ذرید اور مالک جنگی فہم و فطرت اور چالوں سے بخوبی واقف ہیں، اس لیے آپؐ نے ہراول جن سات سو مجاہدین کو رکھا وہ بنو سلیم کے تھے اور ان کے کمانڈر خالد بن ولید تھے۔

(حنین ایک وادی ہے جو ستر سے گیارہ میل دور ہے۔ بعض جگہوں پر یہ وادی سات میل چوڑی ہے، انہیں اس کی چوڑائی اس سے بھی کم ہے اور جنہیں کے قریب جا کر وادی کی چوڑائی کم ہوتے ہوئے مشکل و فرائط رہ جاتی ہے۔ یہاں سے وادی کی سطح اوپر کواٹھتی ہے یعنی یہ چڑھتی ہے۔ آگے ایک درہ نما راستہ ہے جو دائیں بائیں مڑتا ایک اور وادی میں داخل ہوتا ہے۔ اس وادی کا نام نکتہ الیمانہ ہے۔ راستہ خاصا تنگ ہے۔

مسلمانوں نے اپنے جاسوسوں کی آنکھوں سے دیکھا کہ قبیلوں کی متحدہ فوج ابھی ادھاس کے قریب غیمہ زن ہے مگر جاسوس رات کی تاریکی میں نہ جھانک سکتے یا انہوں نے ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ رات کو بھی دیکھ لیتے کہ دشمن کوئی نقل و حرکت تو نہیں کر رہا۔ دن کے دوران متحدہ قبیلوں کے کیمپس کو بچاؤ یا پیش قدمی کی تیاری کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ کیمپ پر مرنی سی چھائی ہوئی تھی۔ کوئی سرگرمی نہیں تھی۔

۶ جنوری ۶۳۰ء (۱۱ شوال ۸ھ) کی صبح مجاہدین نے ادھاس کی طرف پیش قدمی کی۔ سیکم یہ بھی کہ دشمن کے کیمپ پر یلغار کی جائے گی۔ امید یہ بھی تھی کہ دشمن کو بے خبری میں چالیں گے پیش قدمی مکمل طور پر ختم ہو جائے گی۔ ہراول بنو سلیم کے مجاہدین تھے جن کے قائد خالد بن ولید تھے۔ اس حیثیت میں خالد سب سے آگے تھے۔

اسلامی فوج کی نفری تو بارہ ہزار تھی لیکن اس باقاعدہ فوج کے ساتھ ایک بے قاعدہ فوج بھی تھی جس کی نفری بیس ہزار تھی۔ یہ مکہ اور گرد و نواح کے لوگ تھے جو فوج کی مدد کے لیے ساتھ آئے تھے۔

ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ اتنا زیادہ لشکر دیکھ کر بعض صحابہ کرام نے بڑے فزع سے کہا۔ ”کوئی نہیں شکست دے سکتا ہے۔“ دو مورخوں نے لکھا ہے کہ اس فزع میں تنجیر کی جھلک بھی تھی۔ خالدؓ اسلامی لشکر کے آگے تھے۔ وہ جب وادی حنین کے تنگ راستے میں داخل ہوئے تو متاع طوع و تبرہ تھی۔ خالدؓ نے اپنے گھوڑے کو اڑا کر اور رفتار تیز کر دی۔ خالدؓ خلیج جھگڑتے اور بار بار قیادت میں لڑتے رکھتے تھے۔ وہ جب مسلمان نہیں ہوئے تھے تو قبیلہ قریش کے سردار ابوسفیان

سے انہیں سب سے بڑی شکایت یہ تھی کہ وہ انہیں کھل کر لڑنے نہیں دیتے تھے۔ اُن کے قبول اسلام کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے رسول کریم کی عسکری قیادت میں وہ جذبہ دیکھا تھا جو انہیں پسند تھا۔ خالد نے قبول اسلام سے پہلے عکرمہ سے کہا بھی تھا کہ میرے عسکری جذبے اور میدان جنگ میں جارحانہ انداز کی قدر صرف سلمان کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ نے خالد کی عسکری اہلیت اور قابلیت کی جو قدر کی تھی اس کا ثبوت یہ تھا کہ اتنے بڑے لشکر کے ہراول کے کمانڈر تھے۔

۷

صبح طلوع ہو رہی تھی جب خالد بن ولید کا ہراول دستہ گھائی والے تنگ راستے میں داخل ہوا۔ اچانک زمین و آسمان جیسے پھٹ پڑے ہوں۔ ہوازن، لقیف اور دیگر قبیلوں کی متحدہ فوج کے گورے گھٹاؤں کی گرج اور ٹیکوں کی کڑک کی طرح بلند ہوئے اور موسلا دھار بارش کی طرح تیردوں کی پوچھائیں آنے لگیں۔ یہ تیردائیں بائیں کی پٹانوں اور ٹیکروں سے آ رہے تھے۔

یہ دشمن کی گھات تھی۔ مالک بن عوف اور ویدہ بن النعمان نے دن کے وقت اپنے کیمپ میں کوئی سرگرمی ظاہر نہیں ہونے دی تھی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے یہ جنگی کیمپ نہیں کسی خانے کا پڑاوی ہے۔ شام کے بعد مالک بن عوف اپنی فوج کو نہیں کے تنگ راستے پر لے گیا اور تیر اندازوں کو دونوں طرف چھپا کر بٹھا دیا تھا۔

تیردوں کی پوچھائیں اچانک بھی تھیں اور بہت زیادہ بھی۔ مجاہدین کے گھوڑے تیر کھانے لگے ہو کر بھاگے۔ جو سوار تیردوں سے محفوظ رہے، وہ بھی پیچھے کو بھاگ اُٹھے۔ تیردوں کی پوچھائیں اور تیز و تند ہو گئیں گھوڑے بھی بے قابو اور سوار بھی بے قابو ہو گئے۔ بھگدڑ مچ گئی۔

۷

”مت بھاگو“ خالد بن ولید تیردوں کی پوچھائیں میں کھڑے چلا رہے تھے۔ ”پیچھے نہ دیکھا۔ نہ مٹا۔ کرو۔ ہم دشمن کو....“ گھوڑوں اور سواروں کی بھگدڑ دیکھی تھی کہ خالد بن ولید کی پکار کسی کے کانوں تک پہنچی ہی نہیں تھی۔ کوئی یہ دیکھنے کے لیے بھی نہیں گھبراہٹا خالد کے جسم میں کتنے تیز اثر گئے ہیں اور وہ پیچھے ہٹنے کی بجائے وہیں کھڑے اپنے دستے کو مقابلے کے لیے لٹکار رہے ہیں۔ وہ آخر بھگدڑ کے ریلے کی زد میں آ گئے اور اُن کے دھمکوں سے یوں دور پیچھے آ گئے جیسے سیلاب میں بہ گئے۔ جب بھگدڑ کا ریلہ گزر گیا تو خالد اتنے زخمی ہو چکے تھے کہ گھوڑے سے گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔

ہراول کے پیچھے اسلامی فوج آ رہی تھی۔ اس کے رضا کاروں کا بے قاعدہ لشکر بھی تھا ہراول کا دستہ بھاگتا دوڑتا پیچھے کو آیا تو فوج میں بھی بھگدڑ مچ گئی۔ ہراول کے بہت سے آدمیوں کے چوڑے میں تیر پیوست تھے اور اُن کے کپڑے خون سے لال تھے۔ گھوڑوں کو بھی تیر لگے ہوئے تھے۔ مالک بن عوف کی فوج کے گورے جو پہلے سے زیادہ بلند ہو گئے تھے، سناٹی دے رہے تھے۔ حال دیکھ کر اسلامی فوج بکھر کر پیچھے کو بھاگی۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ قریش جو بے دلی سے سلمان ہوئے تھے اور اسلامی فوج کے

ساتھ آ گئے تھے، انہوں نے اس بھگدڑ کو یوں بڑھایا جیسے علی پرتیل والا جاتا ہے۔ وہ نہ صرف بھاگے بلکہ انہوں نے خوف و ہراس بھیلایا۔ انہیں ایک خوشی تو یہ تھی کہ لڑائی سے بچے اور دوسری خوشی یہ کہ سلمان بھاگ نکلے ہیں اور انہیں شکست ہوئی ہے۔

مسلمانوں کی کچھ نفری وہیں جا پہنچی جہاں سے علی تھی۔ اُس بھگدڑ کو فوجی اڈہ (بیس) بنایا گیا تھا زیادہ تعداد مسلمانوں کی کچھ جنہوں نے پیچھے ہٹ کر اسی جگہوں میں پناہ لے لی جہاں چھپا جاسکتا تھا لیکن وہ چھپنے کے لیے بلکہ چھپ کر یہ دیکھنے کے لیے وہاں رُکے تھے کہ ہوا کیا ہے اور وہ دشمن کہاں ہے جس سے دُکرو پر مئی فوج بھاگ آئی ہے۔ وہاں تو حالت یہ ہوئی تھی کہ بھاگتے ہوئے اونٹ اور گھوڑے ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے اور پیادے ان کے درمیان آ کر کچلے جانے سے بچنے کے لیے ہر طرف بھاگ رہے تھے۔

۷

رسول کریم نے اپنی فوج کی یہ حالت دیکھی تو آپ اُن ہو کے رہ گئے۔ آپ بھاگنے والوں کے راستے میں کھڑے ہو گئے۔ آپ کے ساتھ نوحہ برکرام تھے۔ ان میں چار قابل ذکر ہیں حضرت عمر حضرت عباسؓ حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکرؓ۔

”مسلمانو!۔ رسول کریمؐ نے بلند آواز سے لٹکارنا شروع کر دیا۔ کہاں جا رہے ہو۔ میں ادھر کھڑا ہوں.... میں جو اللہ کا رسول ہوں.... مجھے دیکھو۔ میں محمدؐ ابن عبد اللہؐ یہاں کھڑا ہوں۔“

مسلمان جنوڑ کے قریب سے بھاگتے ہوئے گزرتے جا رہے تھے۔ آپ کی کوئی نہیں سن رہا تھا۔ خالد بن ولید کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ آگے کہیں بے ہوش پڑے تھے۔ اتنے میں قبیلہ ہوازن کے کسی آدمی اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار بھاگتے ہوئے مسلمانوں کے تعاقب میں آئے۔

ان کے آگے ایک شتر سوار تھا جس نے جھنڈا اٹھا رکھا تھا۔ حضرت علیؓ نے ایک مسلمان کو ساتھ لیا اور اس شتر سوار علم دار کے پیچھے دوڑ پڑے۔ قریب جا کر حضرت علیؓ نے اُس کے اونٹ کی پکڑ لی۔ مالک پر تلوار کا وار کر کے مالک کاٹ دی۔ اونٹ گرا تو سوار بھی گر پڑا۔ حضرت علیؓ نے اُس کے اٹھتے اٹھتے اُس کی گردن صاف کاٹ دی۔

حضرت علیؓ اللہ علیہ وسلم ایک ٹیکری پر جا کھڑے ہوئے۔ دشمن کے کسی آدمی کی لٹکار سناٹی دی۔ ”وہ رہا محمدؐ... قاتل کرو۔“ تاریخ میں ان آدمیوں کو قبیلہ لقیف کے لکھا گیا ہے جو اپنے آدمی کی لٹکار پر اُس ٹیکری پر چڑھنے لگے جس پر رسول اللہ کھڑے تھے صبار کلام ہو آپ کے ساتھ تھے، ان آدمیوں پر ٹوٹ پڑے۔ مختصر سے معرکے سے وہ سب بھاگ نکلے۔ ان میں سے کوئی بھی رسول اکرمؐ تک نہ پہنچ سکا۔

”میں مالک بن عوف سے شکست نہیں کھاؤں گا۔“ رسول اللہؐ نے کہا۔ ”وہ اتنی آسانی سے کیسے فتح حاصل کر سکتا ہے!“

حضرت علیؓ اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کو بکھرتے اور بھاگتے تو دیکھ ہی لیا تھا۔ آپ دشمن کو بھی دیکھ رہے تھے، بلکہ دشمن کو زیادہ دیکھ رہے تھے۔ آپ کی عسکری جس نے محسوس کر لیا کہ مالک بن عوف

خاندان بنیام لاپتہ تھے۔ کسی کو ہوش نہیں تھا کہ دیکھتا کہ کون لاپتہ ہے اور کون کہاں ہے۔ وہ تنگ گھاٹی جہاں مجاہدین پر تھر لڑا تھا، اب متحدہ قبائل کے لیے موت کی گھاٹی بن گئی۔ قبیلہ ہوازن چونکہ سب سے زیادہ لڑاکا قبیلہ تھا اس لیے اسی کے آدمیوں کو آگے رکھا گیا تھا۔ یہ لوگ بلا شک و شبہ ماہر لڑاکے تھے لیکن مسلمانوں نے جس قدر سے حملہ کیا تھا، اس کے آگے ہوازن ٹھہر نہ سکے مسلمان اس سخت کوشش کو بھی مٹانا چاہتے تھے جو انہیں غلطی سے اٹھانی پڑی تھی۔ یہ دست بدست لڑائی تھی۔ مجاہدین نے تیغ زنی کے وہ جوہر دکھائے کہ ہوازن گرج رہے تھے باہر کے سے لکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ رسول اکرم معرکے کے قریب ایک بلند جگہ کھڑے تھے۔ آپ نے ہلکارا ہلکار کر کہا:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

”یہ جھوٹ نہیں کہ میں نبی ہوں۔ میں ابن عبدالمطلب ہوں۔“

ہوازن پیچھے ہٹتے چلے جا رہے تھے۔ وہ اب وار کرتے نرم اور وار روکتے زیادہ تھے۔ ان کا دم ٹوٹ رہا تھا۔ ان کے پیچھے قبیلہ ثقیف کے دستے تیار کھڑے تھے۔ مالک بن عوف نے چار چار ہوازن کو پیچھے مٹالیا۔ ثقیف کے تازہ دم لڑاکوں نے ہوازن کی جگہ لے لی مسلمان ہتھک چکے تھے تو ثقیف تازہ دم تھے لیکن مسلمانوں کو اپنے قریب اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور ہلکارنا حوصلہ دے رہی تھی۔

مسلمانوں کی تلواروں اور چھویں کی مڑلوں میں جو تیر اور غضب تھا اور ان کے نعروں اور ہلکاروں جو گرج اور کڑک تھی، اس نے ثقیف پر دہشت طاری کر دی ثقیف کے لڑاکے جو عرب میں خاصے مشہور تھے، تیزی سے پیچھے ہٹنے لگے پھر ان کے اونٹوں اور گھوڑوں نے بھجڑ بھاگ دی۔ اس سے دشمن ہنس دی کیونکہ پیدا ہوئی جو گھاٹی میں صبح کے وقت مسلمانوں میں پیدا ہو گئی تھی۔ ہوازن بڑی بڑی حالت میں پیچھے کھینچے جہاں گئے تھے، اب ثقیف بھی پسپا ہوئے تو ان کے اتحادی قبائل کے حوصلے لڑے بغیر ہی ٹوٹ پھوٹ گئے۔ وہ افراتفری میں بھاگ اٹھے۔

۷

مالک بن عوف تنگ راستے سے دور پیچھے ہوازن کے بھاگے ہوئے دستوں کو کیچ کر رہا تھا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ جارحانہ کارروائی سے سہمہ موڑ چکا ہے اور اپنے دستوں کو دفاعی دیوار کے طور پر ترتیب دے رہا ہے۔

رسول اللہ نے یہ ترتیب دیکھی تو آپ اپنے لشکر کی طرف پلٹے۔ آپ نے دیکھا کہ جو مجاہدین صبح کے وقت بھاگ گئے تھے وہ سب واپس آگئے ہیں۔ حضور نے حکم دیا کہ گھوڑسواروں کو آگے لاؤ۔ ذرا ٹھہر کر سوار پیادوں سے الگ ہو گئے۔ آپ نے سواروں کو ایک خاص ترتیب میں کر کے حکم دیا کہ ہوازن کو سمجھنے اور منظم ہونے کا موقع نہ دو اور برقی رفتار حملہ کرو۔

ان سواروں میں نبی کریم کے وہ سوار بھی شامل تھے جن پر سب سے پہلے تیردلی کی بو جھانپ آتی تھیں اور مسلمانوں کی جمعیت پارہ پارہ ہو گئی تھی لیکن نبی کریم کا مائڈ ان کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ تھے خالد بن ولید۔

اپنے پہلے بھرپور اور کامیاب وار پر اس قدر خوش ہو گیا ہے کہ اسے اگلی چال کا خیال ہی نہیں رہا۔ اسلامی فوج کی جھجکڑ اور افراتفری کی بے پانی سے فائدہ نہیں اٹھا رہا تھا۔ حضور کو توقع تھی کہ مالک بن عوف کی متحدہ فوج مسلمانوں کے تعاقب میں آئے گی لیکن تعاقب میں دشمن کے جو آدمی آئے تھے وہ تلوار میں حضور سے اور غیر منظم تھے۔

اس کے علاوہ حضور اکرم نے اپنے ہراول دستے کو پیچھے آتے بھی دیکھا تھا اور آپ نے معلوم بھی کیا تھا کہ ہراول کے کتنے آدمی شہید اور زخمی ہوئے ہیں۔ آپ کو بتایا گیا کہ کئی ایک مجاہدین، گھوڑے اور اونٹ زخمی ہوئے ہیں، شہید یا کبھی نہیں ہوا۔ اس سے رسول کریم نے یہ رائے قائم کی کہ یہ دشمن تیر اندازی میں اناڑی ہے اور جلد باز بھی ہے۔ اتنی زیادہ تیر اندازی کئی کو زندہ نہ رہنے دیتی۔

حضور اکرم نے اپنے پاس کھڑے صحابہ کرام پر نظر ڈالی۔ آپ کی نظر میں حضرت عباسؓ برہم گئیں۔ حضرت عباسؓ کی آواز غیر معمولی طور پر بلند تھی جو بہت دور تک سنائی دیتی تھی۔ ہم کے کھانا سے بھی حضرت عباسؓ قوی ہو چکے تھے۔

”عباسؓ“ حضور اکرم نے کہا ”تم اللہ کی رحمت ہو مسلمانوں کو پرکارو۔ انہیں یہاں آنے کے لیے کہو۔“

”اے انصار!“ حضرت عباسؓ نے انتہائی بلند آواز میں بکارنا شروع کیا۔ ”اے اہل مدینہ.... اے اہل مکہ.... آؤ.... اپنے رسول کے پاس آؤ“ حضرت عباسؓ قبیلوں کے آدمیوں کے نام لے لے کر پکارتے رہے اور کہتے رہے کہ اپنے رسول کے پاس، اپنے اللہ کے رسول کے پاس آؤ۔

سب سے پہلے انصار آئے۔ ان کی تعداد معمولی تھی لیکن ایک کو دیکھ کر دوسرا آنا چلا گیا۔ کچھ دیر میں قبیلوں کے لوگ بھی آگئے۔ ان کی تعداد ایک سو ہو گئی۔ رسول کریم نے دیکھا کہ قبیلہ ہوازن کے بہت سے آدمی پسپا ہوئے مسلمانوں کی طرف دڑے آ رہے تھے۔ آپ نے ان ایک سو مجاہدین کو دشمن کے ان آدمیوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔

مجاہدین ان کے عقب سے ان پر ٹوٹ پڑے۔ ہوازن کے آدمی بوکھلا گئے اور مقابلے کے لیے سنبھلے لیکن مجاہدین نے انہیں سنبھلنے کی ہمت نہ دی۔ ان میں سے بہت سے بھاگ نکلے۔ ان کے زخمی اور ہلاک ہونے والے پیچھے رہ گئے۔

۷

وہ تو اچانک ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ مجاہدین میں بھجڑ مچ گئی تھی، ورنہ وہ ہمیشہ اپنے سے کئی گنا زیادہ دشمن سے لڑے اور فاتح اور کامران رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ عباسؓ کی بکار پر مسلمان رسول اکرم کے حضور اکٹھے ہو رہے ہیں اور دشمن مسلمانوں کے چھوٹے سے گروہ کے جانی حملے کو بھی برداشت نہیں کر سکا اور انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ ہوازن اور ثقیف ان کے تعاقب میں نہیں آ رہے تو کئی ہزار مجاہدین واپس آگئے۔ رسول اکرم نے انہیں فوراً منظم کیا اور دشمن پر حملے کا حکم دے دیا۔

اپنے اہل وعیال اور مویشیوں کو بچانے کے لیے لڑ رہے تھے یہ بھی دست بدست مکرکہ تھاجس میں جنگی چالوں کے نہیں، ذاتی شجاعت کے مظاہرے ہو رہے تھے۔ سوار اور پیادے لڑتے ہوئے

وادی میں پھیلنے جارہے تھے۔
 ابو عامر نے دشمن کے نو سواروں کو ہلاک کر دیا مگر دوسریں ہموان کو لٹکا کر ان کے ہاتھوں خود ابو عامر نے دشمن کے پہلے ہی ان کا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ وہ نئے ان کے چار زاد بھائی شہید ہو گئے۔ رسول اکرم سے پہلے ہی ان کا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ وہ نئے ان کے چار زاد بھائی ابو موسیٰ انہوں نے فوراً کمان سنبھال لی اور اپنے سواروں کو لٹکانے لگے۔

ہموان زخمی ہو ہو کر گر رہے تھے۔ صاف نظر آرہا تھا کہ ان کے پاؤں اکٹھے رہے ہیں۔ رسول اکرم نے زہیر بن العوام کو جنہیں آپ نے دے دیں روک لیا تھا، مگر دیا کہ اپنے دستے کو ابو موسیٰ کی مدد کے لیے لے جائیں۔ حضور نے یہ اس لیے ضروری سمجھا تھا کہ دونوں دستے مل کر ہموان کا کام جلدی تمام کر سکیں گے۔

زہیر نے اپنے سواروں کو حملے کا حکم دیا۔ جب گھوڑے دوڑے اُس وقت خالد بن ولید کا گھوڑا دستے کے آگے تھا۔

ہموان پہلے ہی ہمت ہار چکے تھے مسلمانوں کے دوسرے سوار دستے کے تلے کی وہ تاب نہ لاسکے۔ ان کے زخمیوں کی تعداد معمولی نہیں تھی۔ وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر جنگ لڑنے کے لیے گئے۔

جہوٹے قبیلوں کے لڑاکوں نے جب ہموان اور ثقیف جیسے طاقتور قبیلوں کو ہار گئے، گھبراہٹ وہاں سے بالکل غائب ہو گئے اور اپنی اپنی بستیوں میں جانچے۔ مالک بن عوف میدان جنگ میں کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ نظر ابھی نہیں سکتا تھا۔ اُسے اپنے شہر طائف کی فکر پیدا ہو گئی تھی۔ اُس نے اپنے قبیلے کے سرداروں سے کہا کہ مسلمان جس رفتار اور جس جذبے سے آ رہے ہیں، اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ طائف تک پہنچیں گے اور اس بستی کی اینٹ سے اینٹ بھاویں گے۔ اس خطرے کے پیش نظر اس نے قبیلہ ثقیف کے تمام دستور کو لڑائی سے نکالا اور طائف کا دم لیا۔

پچھلے جنین کی وادی میں کیفیت یہ تھی کہ ہموان کی عورتیں اور بچے چن وچکا کر رہے تھے نام دینے والیں وادی مجاہدین اسلام کی تحریک میں تھی۔ مکہ کے جو غیر فوجی مجاہدین کے ساتھ آئے تھے وہ بھی مجاہدین کو اٹھا کر رہے تھے۔ دشمن کے زخمی کراہ رہے تھے، مر رہے تھے۔ مے والوں میں لڑاکا اور مجاہدین اکتھ بھی تھا۔ وہ لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔

مسلمانوں کو دشمن کے زخمیوں اور قیدیوں سے جو ہتھیار اور گھوڑے ملے، ان کے علاوہ ہزار ہا عورتیں اور بچے، جو بیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور بے شمار چاندی ہاتھ لگی۔

مسلمانوں نے جنگ جیت لی تھی لیکن رسول اللہ نے فیصلہ کیا کہ مالک بن عوف کو مدینت نہیں دینا تاکہ اس کی کوہ ہٹنا سکے اور اپنی فوج کو منظم کر سکے۔ آپ نے واصل سانپ کا سر کاٹنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ آپ کے حکم سے مال غنیمت میں آئی ہوئی عورتوں، بچوں، مویشیوں اور دیگر مال کو

باجی تک کیس بے ہوش پڑے تھے۔

رسول اکرم نے اس سوار دستے کی قیادت زہیر بن العوام کے سپرد کی اور انہیں حکم دیا کہ اگر جو درہ ہے، اس پر مالک بن عوف قبضہ کیے بیٹھا ہے، اُسے دڑے سے بے نیل کر دو۔

رسول کریم نے جنگ کی کمان اپنے دست مبارک میں لے لی تھی۔ آپ کے اشارے پر زہیر بن العوام نے ایسا برق رفتار اور چالاکانہ لڑاکا ہوازن جو ابھی تک بوکھلائے ہوئے تھے غارت میں جھمکتے اور دڑے سے نکل گئے۔ درہ خاصا لمبا تھا۔ رسول اکرم نے زہیر کے دستے کو دڑے میں ہی رہنے دیا اور حکم دیا کہ اب درہ جنگی اڑھ ہوگا۔

آپ نے دوسرا سوار دستہ آگے کیا جس کے کمانڈر ابو عامر تھے حضور اکرم نے ابو عامر کے سپرد یہ کام کیا کہ ادھاس کے قریب متحدہ قبائل کا جو کیمپ ہے اس پر حملہ کر دو۔
 ”خالد بن ولید! خالد بن ولید! کسی نے بڑی دور سے لٹکا کر کہا۔“ یہ پڑا ہے۔“

رسول اکرم دوڑے گئے اور خالد تک پہنچے۔ خالد ابھی تک بے ہوش پڑے تھے۔ آپ خالد کے پاس پہنچے گئے اور ان کے سر سے پاؤں تک بھونک ماری۔ خالد نے آنکھیں کھول دیں۔ رسول اللہ نے خالد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ خالد اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں جویرے تھے وہ گہرے نہیں اترے تھے۔ تیر نکال لیے گئے اور بڑی تیزی سے مرہم پی کر دی گئی۔
 ”یا رسول اللہ! خالد نے کہا۔“ میں لڑوں گا۔ میں لڑنے کے قابل ہوں۔“

رسول خدا نے خالد بن ولید کے جسم میں اور ان کی روح میں سحر بھونک دیا تھا۔ آپ نے خالد سے کہا کہ زہیر کے سوار دستے میں شامل ہو جاؤ۔ تم ابھی کمان نہیں لے سکو گے۔
 خالد اب تک گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ ان کے کپڑے خون سے لال تھے۔ انہوں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور زہیر کے سوار دستے میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے زہیر سے پوچھا کہ حکم ہے۔ زہیر نے انہیں بتایا کہ ہوازن کی خیمہ گاہ پر حملہ کرنا ہے جو ادھاس کے قریب ہے لیکن یہ حملہ ابو عامر کریں گے۔

ادھاس وہاں سے کچھ دور تھا۔ مالک بن عوف نے ہوازن دستے کو وہاں تک بٹھالادیا اپنی خیمہ گاہ کے ارد گرد بھیلادیا تھا۔ یہ دفاعی حصہ تھا جس کی ہوازن کے کیمپ کے گرد ورسورت اس لیے تھی کہ وہاں وہ ہزاروں عورتیں، بچے اور مویشی تھے جنہیں قبیلہ ہوازن کے سپاہی اپنے ساتھ لائے تھے۔ مالک بن عوف نے تو یہ سوچا تھا کہ ہوازن اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ بک کر زیادہ غیرت مندی اور بے جگرگی سے لڑیں گے، مگر اب یہ صورت پیدا ہو گئی تھی کہ زہیر بن العوام مالک بن عوف کو بڑا بھلا کہہ رہا تھا کہ اُس کے منع کرنے کے باوجود مالک عورتوں کو ساتھ لے آیا تھا۔ ان کے لیے اب اپنے اہل وعیال اور مویشیوں کو مسلمانوں سے بچانا محال لگانی دے لگاتا تھا۔

۷

ابو عامر کا سوار دستہ ادھاس کی طرف بڑھا۔ قریب گئے تو ہوازن نے جرم کو مقابلہ کیا۔ اب جنگ جیتنے کے لیے یا مسلمانوں کو تھس کر کے مکہ پہنچنے کے لیے نہیں بلکہ مسلمانوں سے

ایک دستے کے ساتھ جہاز پہنچ دیا گیا اگلے حکم تک انہیں جہاز میں ہی رہنا تھا۔ دوسرے دن رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اسلامی فوج طائف کی طرف پیش قدمی کر گئی جہاں بڑی خونریز جنگ کی توقع تھی۔ مگر کچھ عینین کا ذکر قرآن حکیم میں سورہ توبہ میں آیا ہے۔ بعض صحابہ کرام نے معرکہ شروع ہونا سے پہلے کہا تھا کہ ہمیں کون شکست دے سکتا ہے، اتنی بڑی طاقت کا ستائہ کون کر سکتا ہے سورہ توبہ میں آیا ہے:

”اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کی اور حنین کے دن بھی حسب تم کو اپنی کثرت پر نازل تھا، حالانکہ وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود اپنی وسعت کے تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیچھے پھر کر بھاگے، پھر اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر تسلی نازل کی اور وہ فوجیں اناریں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور کافروں کا دلیری پہنچا“

(طاقت بڑی خوبصورت بستی ہوا کرتی تھی۔ یہ باغوں کی بستی تھی۔ پھول اور پھولوں کی دھبے سے جڑا ہوا پھر جڑی تھیں۔ طاقت میں جا کر دھبی دل کھل اٹھتے تھے۔ چنگو سر دروں کی بستی تھی۔ یقیناً جیسے طاقتور قبیلے کا مرکز تھا۔ اس بستی کے قریب اس قبیلے کی عبادت گاہ تھی جس میں نقیص، ہوازن اور جند اور قبائل کے دیوتا لائے کا نبت رکھا تھا جو بت نہیں ایک چوترا تھا۔ یہ قبائل اس چوترا سے گود پڑنا کہتے اور اس کی پوجا کرتے تھے۔

اس عبادت گاہ میں ان کا کاہن رہتا تھا جسے خدا کا اور دیوتا لائے کا ابھی سمجھا جاتا تھا۔ کاہن غالباً کمال کو لوگوں کو اس نئے والے خطروں سے آگاہ کر دیا کرتا تھا۔ کاہن کسی خوش نصیب کو ہی نظر آیا کرتا تھا۔ عام لوگوں کو کاہن بنیں عبادت گاہ کے صرف مجاور ملا کرتے تھے۔ کاہن کو جو دیکھ لیتا وہ ایسے خوش ہوتا تھا جیسے اُس نے خدا کو دیکھ لیا ہو۔ طاقت چوترا ان کے دیوتا کا مسکن تھا اس لیے قبائل کا مقدس مقام تھا۔

ایک ہی مہینہ پہلے طاقت میں جشن کا سماں تھا۔ یہاں کے سردار اعلیٰ مالک بن عوف نے اپنے قبیلے جیسے ایک طاقتور قبیلے ہوازن اور کچھ اور قبیلوں کے سرداروں کو بہت بڑی ضیافت میں مدعو کیا تھا۔ علاقے کی چٹنی ہوئی خوبصورت ناپچنے اور گانے والیاں بلائی گئی تھیں۔ ان کے نفس نے تماشائیوں پر وجہ طاری کر دیا تھا۔ اُس رات شراب کے مٹھے خالی ہو رہے تھے۔

اُس رات اہل نقیص اور اہل ہوازن نے عہد کیا تھا کہ وہ سب پر اپنا تک حملہ کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب کے تمام مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔ ان قبائل کے ایک نقیص العمر سردار دُرید بن العتمہ نے کہا تھا کہ اٹھو اور لائے کے نام پر حلف اٹھاؤ کہ ہم محمد اور اُس کے تمام پیروکاروں کو جنہوں نے سب کے تمام مُبت توڑ دالے ہیں، ختم کر کے اپنی عورتوں کو منہ لگائیں گے۔

مالک بن عوف جس کی عمر ابھی تیس سال تھی جوش سے پھٹا جا رہا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ قبائل متحدہ لشکرِ مکہ میں مسلمانوں کو بے خبری میں جا دلوں گے۔

اُس رات مالک بن عوف، دُرید بن العتمہ اور دوسرے قبیلوں کے سردار کاہن کے پاس گئے تھے۔ کاہن سے انہوں نے پوچھا تھا کہ وہ سب کے مسلمانوں کو بے خبری میں دلوں گے کیا؟ اور کیا ان کا چانک اور غیر متوقع حملہ مسلمانوں کو گھٹنوں نیچا سکے گا؟

کاہن نے انہیں یقین دلایا تھا کہ دیوتا لائے نے انہیں اشیر باد دے دی ہے۔ کاہن نے بڑے ذہن سے کہا تھا کہ مسلمانوں کو اس وقت پہنچا جا جب تمہاری گواہی ہو گی۔

اب ایک ہی ماہ بعد طائف کا حق ادا اس تھا۔ سستی کے ماحول پر خوف دہراس طاری تھا۔ اپنے دیوتاؤں کی اشیر باد سے اور کاہن کی تلقین دہانی سے ثقیف، ہوازن اور دیگر قبیلوں کا جو لشکر کھڑا حملہ کرنے گیا تھا، وہ سکتے سے دوزخیں کے مقام پر مسلمانوں کے ہاتھوں ہٹ کر اور تہتر ہو کر واپس آکر رہا۔ بھاگ کے آنے والوں میں پیش پیش اس متحدہ لشکر کا سالار اعلیٰ جوال سال اور جیشا سالار مالک بن عوف تھا۔ وہ سب سے پہلے اس لیے طائف پہنچا تھا کہ شہر کے دفاع کو مضبوط بنانے کے لیے رسول اکرم کی قیادت میں طائف کی طرف بڑے آرہے تھے۔

”طائف کے لوگو!۔ طائف کی لگیوں میں گھبراہٹ گھرائی سی آوازیں اٹھ رہی تھیں۔ مسلمان آرہے ہیں.... شہر کا محاصرہ ہوگا.... تیار ہو جاؤ.... اناج اور گھوڑیں اکٹھی کر لو۔ پانی جمع کرو۔“ سب سے زیادہ گھبراہٹ مالک بن عوف پر طاری تھی۔ اُسے طائف ہاتھ سے جانا نظر آ رہا تھا۔ اُسے شکست اور لیبائی کی چوٹ تو پڑی ہی تھی، سب سے بڑی چوٹ اُس پر یہ پڑی کہ وہ جب شہر میں داخل ہوا تو عورتوں نے اُس کی بہادری اور فتح کے گیت گانے کی بجائے اُسے نفرت کی نگاہوں سے دیکھا تھا اور اُس کے لشکریوں کو بعض عورتوں نے طعنے بھی دیتے تھے۔

”بیویاں اور بیٹیاں کہاں ہیں جنہیں تم ساتھ لے گئے تھے؟“ عورتیں لشکریوں سے طنزیہ لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

”بچے بھی مسلمانوں کو دے آئے ہو؟“ یہ بھی ایک طعنہ تھا جو عورتیں انہیں دے چکی تھیں۔ مالک بن عوف نے اپنے سامنے اپنے نواب سالاروں اور کمانداروں کو بٹھارکھا تھا اور انہیں بڑی تیز تیر بولتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ دوسرے قبیلوں کو بھی شہر میں لے آؤ، مسلمان آرہے ہیں.... مالک بن عوف نے ذرا ساجھی آرام نہ کیا۔ آتے ہی طائف کا دفاع مضبوط کرنے میں لگ گیا۔ اُس کے نائب، کماندار اور قاصد سپاہی ہو کر آئے والوں کو اکٹھا کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

آدھی رات تک وہ تھک کر چور ہو چکا تھا۔ اُس نے اپنی سب سے زیادہ حسین اور حدیثی بیوی کو اپنے پاس بلایا۔ وہ آگئی۔

”کیا آپ نے حلفت نہیں اٹھایا تھا کہ محمد اور اُس کے تمام پیروکاروں کو جنہوں نے سکتے نہ ت تو ڈٹا لے ہیں، جہنم کر کے اپنی عورتوں کو منہ دکھائیں گے؟“ بیوی نے اُسے کہا۔ ”آپ فتح کی بجائے ماتھے پر شکست کا داغ لے کر آتے ہیں۔ آپ کے حلفت اور عہد کے مطابق میرا وجود آپ پر حرام ہے۔“

”تم میری بیوی ہو۔“ مالک بن عوف نے غصے سے کہا۔ ”میری حکم عدولی کی جرأت نہ کرو۔ میں بہت تھکا ہوا ہوں اور میں بہت پریشان ہوں۔ مجھے اس وقت تمہاری ضرورت ہے۔ تم میری سب سے پیاری بیوی ہو۔“

”آپ کو میری ضرورت ہے؟“ بیوی نے کہا۔ ”لیکن مجھے ایک غیرت مند مرد کی ضرورت ہے مجھے اُس مالک بن عوف کی ضرورت ہے جو یہاں سے عہد کر کے نکلا تھا کہ مسلمانوں کو سکتے کے اندر ہی ختم کر کے واپس آئے گا.... کہاں ہے وہ مالک بن عوف؟.... وہ میرے لیے مر گیا ہے اس

بک بن عوف کو میں نہیں جانتی جو اپنے قبیلے اور اپنے دوست قبیلوں کی ہزاروں عورتیں اور ہزاروں بچے اپنے دشمن کے حوالے کر کے اپنی خواب گاہ میں آ بیٹھا ہے اور ایک عورت سے کچرا رہے کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔“ اس حسین عورت کی آواز بلند ہو کر جذبات کی شدت سے کانپنے لگی۔ وہ مالک بن عوف کے چنگ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔ ”آج رات تمہاری کوئی بیوی تمہارے پاس نہیں آئے گی۔ آج رات تمہاری کسی بیوی کو ان عورتوں کی آہیں اور فریادیں نہیں سونے نہیں دیں گی جو مسلمانوں کے قبضے میں ہیں.... ذرا سوچ.... تصور میں لاؤ ان عورتوں کو، اُن کو زندہ لوگوں کو جنہیں تو مسلمانوں کے حوالے کر آیا ہے۔ وہ اب مسلمانوں کے بچے پیدا کریں گی۔ بچے جان کے قبضے میں ہیں وہ مسلمان ہو جائیں گے۔“

مالک بن عوف تو غلطوں میں کود جانے والا خود سر آدمی تھا۔ اُس نے اپنے بزرگ اور بزرگ بگ کے منہ بھونے اُسٹاؤں اور یریدین العتصمہ کی اس پند و نصیحت کو ٹھکرا دیا تھا کہ وہ عقل و ہوش سے کام لے اور جہائی کے جوش و خروش پر قابو پاتے۔ اب وہی مالک بن عوف اپنی بیوی کے سامنے یوں سر جھکاتے بیٹھا تھا جیسے دیکھتے ہوئے انکار دل پر کسی نے پانی چھڑک دیا ہو۔ اُس کی مردانگی ختم ہو چکی تھی۔

”تم مسلمانوں کو ختم کرنے گئے تھے مالک!۔“ بیوی اب اس طرح بولنے لگی جیسے اُس کی نگاہوں میں اتنے جری اور بہادر شوہر کا احترام ختم ہو چکا ہو۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ”مسلمانوں کو ختم کرتے کرتے تم مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کر آئے ہو۔“

”کاہن نے کہا تھا کہ....“

”کون کاہن؟“ بیوی نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”وہ جو مندر میں بیٹھا فالیں کاٹا رہتا ہے، تم جیسے آدمی اپنی قسمت اپنے ہاتھ میں رکھا کرتے ہیں اور اپنی قسمت اپنے ہاتھوں میں لے کر بگاڑا کرتے ہیں.... تم نے کاہن سے پوچھا نہیں کہ اُس کی فال نے جھوٹ کیوں بولا ہے؟“

مالک بن عوف اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کی سانسیں تیزی سے چلنے لگیں۔ اُس کی آنکھوں میں خون آنے لگا۔ اُس نے دیوار کے ساتھ لٹکتی ہوئی تلوار اُتاری اور بیوی سے کچھ کے بغیر ہار نکال گیا۔

طائف میں رات تو آتی تھی لیکن وہاں کی سرگرمیاں اور بھاگ دوڑ دیکھ کر دل کا گھماں ہوتا تھا۔ باہر سے خبریں آرہی تھیں کہ مسلمان طائف کی طرف بڑی تیزی سے بڑھے چلے آرہے ہیں لوگ افغانی تیار لوہوں میں مصروف تھے۔ سب سے بڑا مسئلہ خوراک اور پانی کا تھا۔ بہت سے لوگ پانی جمع کرنے کے لیے حوض بنارہے تھے۔

مالک بن عوف ان سرگرمیوں کے شور و غل میں سے گزرتا چلا جا رہا تھا۔ لوگ اتنے مصروف تھے کہ کوئی کوچہ ہی نہ چلا کر اُن کے درمیان سے اُن کا سالار اعلیٰ گزر گیا ہے۔

☆

عبادت گاہ میں وہ کاہن جن نے کہا تھا کہ ثقیف اور ہوازن مسلمانوں کو سکتے میں بے خبری میں جا کر گئے، ہماری نیند سو رہا ہوا تھا۔ اُسے جگانے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ عبادت گاہ کے کسی

اندرونی جیسے میں سوا ہوا تھا۔ عبادت گاہ کے مجاور کسی بیڑی کمرے میں سوتے ہوئے تھے۔ انہیں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ یہ اُن کے فرائض میں شامل تھا کہ کاہن کے کمرے تک کسی کو نہ پہنچے۔ دو تین مجاور کمرے کا باہر آگئے۔ ایک کے ہاتھ میں شعل تھی۔

"مالک بن عوف! ایک مجاور نے مالک کے راستے میں آکر کہا۔" کیا قبیلہ کا سردار نہیں جانتا کہ اُس سے آگے کوئی نہیں جاسکتا؟.... ہم سے بات کر مالک بن عوف؟

"اور کیا تم نہیں جانتے کہ ایک سردار کا راستہ روکنے کا نتیجہ کیا ہو سکتا ہے؟۔ مالک بن عوف نے تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ میں کاہن کے پاس جا رہا ہوں۔"

"کاہن کے قہر کو سمجھ مالک! ایک اور مجاور نے کہا۔" کاہن جو اس وقت تہیں سوا ہوا نظر آئے گا، وہ حالات کے حضور کیا جوا ہے۔ اس حالت میں اُس کے پاس جانے کے تو..."

مالک بن عوف ایسی ذہنی کیفیت میں تھا جس نے اُس کے دل سے کاہن کا نقشہ اڑھن نکال دیا تھا۔ ایک تو وہ بہت بُری شخصت تھا مگر کیا تھا، دوسرے اُس کی اُس بیوی نے اُسے شکا دیا تھا جسے وہ دل و جان سے چاہتا تھا۔ اُس نے مجاور کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے شعل کے ڈنڈے پر ہاتھ مارا اور اُس کے ہاتھ سے شعل چھین کر کاہن کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ مجاور اُس کے پیچھے دوڑے لیکن وہ کاہن کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

کاہن مجاوروں کے شور سے جاگ اٹھا تھا۔ اپنے کمرے میں شعل کی روشنی دیکھ کر وہ اڑھن مالک بن عوف نے شعل دیوار میں اُس جگہ لگا دی جو اسی مقصد کے لیے دیوار میں بنائی گئی تھی۔

"مقدس کاہن! مالک بن عوف نے کہا۔" میں پوچھنے آیا ہوں کہ..."

"کہ مختاری شکست کا سبب کیا ہوا؟" کاہن نے اُس کی بات پوری کرتے ہوئے کہا۔

نے کہا نہیں تھا کہ ایک حاکم کی قربانی دو؟

"اور مقدس کاہن! مالک بن عوف نے کہا۔" تم نے یہ جی کہا تھا کہ حاکم نہ ملے تو اپنے قبیلے سے کوئی اپنے خوں کی اور اپنی جانوں کی قربانی دیں۔ تم نے کہا تھا کہ حاکم کی تلاش میں وقت ضائع نہ کرنا... تم نے کہا تھا کہ مسلمان لڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔"

"کیا تو اپنے دوتا سے باز پرس کرنے آیا ہے کہ دشمن نے تمہیں شکست کیوں دی ہے؟ کاہن نے پوچھا۔" میں نے کہا تھا کہ پیچھے نہ دکھانا... کیا تیرے لشکر میں شکست کے لیے تیار نہیں دکھائی؟ تیرے لشکر میں تو اتنی سی بھی غیرت نہیں تھی کہ اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کی حفاظت کرتا؟

"میں پوچھتا ہوں تم نے کیا کیا؟" مالک بن عوف نے پوچھا۔ "اگر سب کچھ یہی ہو کر تھا تو تم نے کیا کمال دکھایا؟ تم نے کیوں کہا تھا کہ مسلمانوں کو اُس وقت پتہ چلے گا جب مختاری تلواریں کات رہی ہوں گی؟ کیا تم نے یہ دھوکہ نہیں دیا؟ کیا یہ درست نہیں کہ مجھ سچا جس نے مختاری فال کو جھٹلایا ہے؟ اگر تم کاہن نہ ہوتے تو میں قتل کر دیتا... اب طاقت پر بہت برا خطروا رہا ہے۔ کیا تم اپنے دیوتا کی بستی کو بچا سکتے ہو؟ کیا تم مسلمانوں پر قہر نازل کر سکتے ہو؟

"پہلی بات یہ سن لے عوف کے بیٹے! کاہن نے کہا۔" کاہن کو دنیا کی کوئی طاقت قتل

نہیں کر سکتی۔ کاہن کی جب عمر ختم ہوتی ہے تو وہ دیوتا لات کے وجود میں تحلیل ہو جاتا ہے تم مجھ پر زور لگا کر دیکھ لو.... اور دوسری بات یہ ہے کہ مسلمان طاقت تک پہنچ سکتے ہیں، یہاں سے زندہ واپس نہیں جاسکتے۔"

☆

جس وقت مالک بن عوف کاہن کے کمرے میں داخل ہوا تھا اُس وقت کسی انسان کی شکل کا ایک سایہ عبادت گاہ کی عقی دیوار پر رنگ رہا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، وہ اپنی جان کا خطرہ مول لے رہا تھا۔ یہ مالک بن عوف ہی تھا جو سرداری کے رعب میں رات کے وقت کاہن کے کمرے تک پہنچ گیا تھا۔ یہ عبادت گاہ صدیوں پرانی تھی عقی دیوار میں جھوٹا سا شکاف تھا وہ انسان جن کا سایہ دیوار پر رنگ رہا تھا، اس شکاف میں داخل ہو گیا۔ آگے اونچی گھاس اور جھاڑیاں تھیں۔ وہ انسان گھاس اور جھاڑیوں میں سے یوں گزرنے لگا کہ اُس کے قدموں کی آہٹ یا کسی بھی سرسراہٹ بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔

وہ گھاس اور جھاڑیوں میں سے گزر کر اُس چوترے پر چاڑھا جس پر عبادت گاہ کی عمارت کھڑی تھی۔ اُس طرف کے دروازے کے کواڑ دیکھ خور دے تھے۔ وہ انسان کھاتے ہوئے ان کواڑوں میں سے گزر کر عبادت گاہ میں داخل ہو گیا۔ آگے تاریک غلام گردش تھی۔ اُس انسان نے خوب تے اُتار دیئے اور بے پادوں آگے بڑھنا گیا۔

اس گپ اندھیرے میں وہ یوں چلا رہا تھا جیسے پہلے بھی یہاں کبھی آیا ہو۔ وہ غلام گردش کی بھول جاتیوں میں سے گزرتا کہ کاہن کے کمرے کے قریب پہنچ گیا۔ اُسے کاہن کی اور کسی اور کی بات سنائی دی۔ وہ مالک بن عوف تھا جو کاہن کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ یہ انسان رنگ گیا۔ اسے کاہن کے کمرے سے آتی ہوئی مشعل کی روشنی نظر آ رہی تھی۔

مالک بن عوف کاہن سے انسا مرغوب ہوا کہ وہ سر جھکاتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔ یہ انسان جو قریب ہی کہیں چھپ گیا تھا، آگے بڑھا۔ کاہن دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں حیرت سے کھلی گئیں کیونکہ اُس کے سامنے ایک جوان لڑکی کھڑی تھی۔ اس لڑکی کو وہ پہچانتا تھا۔ یہ وہی لڑکی تھی جسے ایک ضعیف العمر یہودی کاہن کے پاس تحفے کے طور پر لایا تھا اور اس لڑکی کے ساتھ اُس نے سوتے کے دو کمرے کاہن کی نذر کیے تھے۔ یہ کاہن کا انعام یا معاوضہ تھا۔ کاہن نے اُسے لطفین دلایا تھا کہ ثقیف اور ہوازن کے قبیلہ مسلمانوں کو مکہ میں ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔ اُس نے اس بوڑھے یہودی سے کہا تھا کہ دیوتا لات کا اشارہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔

بوڑھا یہودی اس یہودی لڑکی کو کاہن کے پاس ایک رات کے لیے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ طاقت میں وہ اس خوشخبری کا مظاہرہ بھیجنا تھا کہ ثقیف، ہوازن اور اُن کے دوست قبیلوں نے اسلام کو مسلمانوں کے خوں میں ڈلوایا ہے لیکن جو یہ کہ مالک بن عوف سر جھکاتے ہوئے طاقت میں داخل ہوا پھر اُس کے لشکر کی قدم کھینچتے ہوئے دو دو چار چار کی ٹولہوں میں طاقت میں آنے لگے۔ بوڑھے یہودی کو گھر سے پہلے ہی دوسری کمر کھی تھی۔ مالک بن عوف کو شکست خوردگی کی حالت میں واپس آنے

دیکھ کر اُس کی کمر خیسے ٹوٹ ہی گئی ہو۔ اُس کی کمر پر آفریں تنکا اس یہودی لڑکی نے رکھ دیا جسے وہ العالم کے طور پر کاہن کے حوالے کر آیا تھا۔

”میں حیران ہوں کہ تم جیسے جامذیدہ بزرگ نے دھوکا کھلایا۔“ لڑکی نے اُسے کہا تھا۔ ”مجھ سے منکر وہ کاہن کے کسی ایک لفظ پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں نے تمہارے حکم سے اپنی عصمت قربان کر دی۔“ ”میرے حکم سے نہیں۔“ بڑھے یہودی نے کہا تھا۔ ”خدا کے یہودہ کے حکم سے تمہاری عصمت کی قربانی رائیگاں نہیں جاسکتی گی؟“

یہودیوں میں یہ رواج عام تھا جو اجماعی ہک چلا آ رہا ہے کہ میدان جنگ میں آنے سے گرج کر ہوتے تھے۔ وہ ایسی چال چلتے تھے کہ اپنے دشمنوں کو آپس میں لڑا دیا کرتے تھے۔ اس کے لیے وہ دولت کے ساتھ ساتھ اپنی بیٹیوں کی عصمت بھی ایک کامیاب حربے کے طور پر استعمال کرتے تھے یہودیوں کے معاشرے اور مذہب میں عصمت اور بزدلی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی لیکن یہ لڑکی اپنی قوم سے بہت ہی مختلف ثابت ہوئی۔ وہ بڑھے یہودی پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتی تھی اور کہتی تھی کہ مسلمانوں کا قلع قمع ہو جاتا تو وہ فخر سے کہتی کہ اُس نے اس مقصد کے لیے اپنی عصمت کی قربانی دی ہے اور وہ یہ بھی کہتی تھی کہ کاہن نے انہیں دھوکا دیا ہے۔

رات کو جب بڑھا یہودی گہری نیند سویا ہوا تھا، یہ لڑکی اٹھی۔ اُس نے خنجر اپنے پیچھے کے پیچھے رکھا ہوا تھا۔ اُس نے خنجر نکالا اور اپنے کپڑوں کے اندر چھپایا۔ وہ دبے پاؤں باہر نکل گئی۔ اُس رات اُسے روک کر یہ پوچھنے والا کوئی نہیں تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہی ہے اُس رات طاقت میں ہر کوئی جاگ رہا تھا، عورتیں اپنے شہسخت خوردہ مردوں کو کوس رہی تھیں اور جن کے مرد واپس نہیں آتے تھے وہ بین کر رہی تھیں بگیدیوں میں لوگ آ جا رہے تھے۔ لڑکی ان کے درمیان سے گزرتی لالت کی عبادت گاہ تک پہنچ گئی۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا۔ وہ اُس دور کی عورتوں میں سے ایک تھی جن میں مردانہ شجاعت کوٹ کوٹ کھر بھری ہوئی تھی۔ وہ عبادت گاہ کے کچھوٹے کی دیوار سے اندر چلی گئی۔

”ہم جانتے تھے کہ ہمارا جاو نہیں ایک بار پھر ہمارے پاس لے آئے گا۔“ کاہن اُس لڑکی سے کہہ رہا تھا۔ ”آؤ، دروازے میں کھڑی کیا کر رہی ہو؟“ لڑکی آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور کاہن کے قریب جا کر۔ ”ہا دو تئیں، انتقام کہو۔“ لڑکی نے اپنی دھیمی آواز میں کہا جس میں قہر اور غضب چھپا ہوا تھا۔ ”مجھے انتقام کا جاو وہیں تک لے آیا ہے۔“

”کیا کہہ رہی ہو لڑکی؟“ کاہن نے حیرت زدہ مسکراہٹ سے کہا۔ ”کیا تم مالک بن عوف سے انتقام لینا چاہتی ہو؟.... وہ جا چکا ہے۔ وہ مجھے قتل کرنے آیا تھا۔ کیا کوئی انسان اتنی جرأت کر سکتا ہے کہ لالت کے کاہن کو قتل کر دے؟“

”ہاں۔“ لڑکی نے کہا۔ ”ایک انسان ہے جو لالت کے کاہن کو قتل کر سکتا ہے۔ وہ لالت کا پجاری نہیں۔ وہ میں ہوں، خدا نے یہودہ کی پجارن!“

لڑکی نے پک چھپکتے کپڑوں کے اندر سے خنجر نکالا اور کاہن کے دل میں اُناڑ دیا۔ اس کے ساتھ ہی لڑکی نے کاہن کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا کہ اُس کی ادبھی آواز نہ نکل سکے۔ لڑکی نے خنجر نکالا اور کاہن کی شہزاد کاٹ دی۔ وہ بڑے اطمینان سے کاہن کے کمرے سے نکل آئی اور اُس رستے جس رستے وہ آئی تھی، عبادت گاہ کے احاطے سے نکل گئی۔

مالک بن عوف اپنی خواب گاہ میں سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اُس کی چہیتی بیوی اُس کے پاس بیٹھی تھی۔ غلام نے اطلاع دی کہ ایک اجنبی جوان عورت آئی ہے جس کے کپڑے خون سے لال ہیں اور اُس کے ہاتھ میں خون آلود خنجر ہے۔ مالک بن عوف جو نیم خردہ نظر آ رہا تھا، اُچھل پڑا اور بولا کہ اُسے اندر لے آؤ۔ اُس کی اور اُس کی بیوی کی نظریں دروازے پر جم گئیں۔

وہ جوان عورت دروازے میں آن کھڑی ہوئی اور بولی۔ ”جو کام تم نہیں کر سکتے تھے وہ میں کر آئی ہوں۔ میں نے کاہن کو قتل کر دیا ہے۔“

مالک بن عوف پر ستا ناٹھاری ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں نظر آنے لگیں۔ اُس نے پک کر تلوار اٹھائی اور دینام پرے پھینک کر لڑکی کی طرف بڑھا۔ اس کی بیوی راتے میں آگئی۔

”اس لڑکی نے جو کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔“ بیوی نے اُسے کہا۔ ”تمہیں جھوٹے سہارے اور جھوٹے اشارے دینے والا مر گیا ہے۔ اچھا ہوا ہے۔“

”تم نہیں جانتیں ہم یہ کیا قہر نازل ہونے والا ہے۔“ مالک بن عوف نے کہا۔ ”قہر کوئی قہر نازل نہیں ہوگا۔“ یہودی لڑکی نے کہا۔ ”کیا کاہن نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ کاہن لو کوئی قتل نہیں کر سکتا اور کاہن کی جب عمر پوری ہو جاتی ہے تو وہ دیوتا لالت کے وجود میں تبدیل ہو جاتا ہے۔... اگر تم میں جرأت ہے تو لالت کے مجاوروں سے کہو کہ اپنے کاہن کی لاش لالت کے وجود میں تبدیل کر دیں۔ اُس کی لاش کو باہر رکھ دو۔ پھر دیکھو کہ اُسے گدھ اور کتے کس طرح کھاتے ہیں۔“ مالک بن عوف کی بیوی نے مالک کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور پیٹنگ پر پھینک دی۔

”موش میں آعوت کی بیٹی۔“ بیوی نے اُسے کہا۔ ”اپنی قسمت اُس شخص کے ہاتھ میں نہ دے جو ایک لڑکی کے خنجر سے قتل ہو گیا ہے۔“ اُس نے غلام کو بلا یا اور اُسے کہا۔ ”یہ لڑکی ہماری مہمان ہے۔ اس کے غسل اور آرام کا انتظام کرو۔“

مالک بن عوف کے چہرے سے خوف کا تاثر دھلنے لگا۔ بیوی نے اُس کے خیالوں میں انقلاب برپا کر دیا۔

صبح طلوع ہو رہی تھی جب شکست اور غم کے مارے ہوئے مالک بن عوف کو دو اطلاعیں ملیں۔ ایک یہ کہ رات کو کاہن قتل ہو گیا ہے اور مجاور یہ کہہ رہے ہیں کہ رات مالک بن عوف کے سوا کاہن کے کمرے میں اور کوئی نہیں گیا تھا اور نہ رات کے وقت کسی کو وہاں تک جانے کی جرأت ہو سکتی ہے۔ مجاوروں نے میسنور کر دیا تھا کہ کاہن کو مالک بن عوف نے خود قتل کیا ہے۔

مالک بن عوف کو دوسری خبر یہ ملی کہ مسلمان جو طائف کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے، معلوم نہیں کدھر چلے گئے ہیں۔ یہ خبر ایسی تھی جس نے مالک بن عوف کے حوصلے میں کچھ جان پیدا کر دی۔ اس نے تیز رفتار گھوڑوں پر دو تین قاصد اس راستے کی طرف دوڑا دیے جو حنین سے طائف کی طرف آتا تھا۔ اس کے بعد وہ عبادت گاہ میں چلا گیا۔ اس نے لوگوں کو بڑی مشکل سے یقین دلایا کہ یہ مقدس کاہن کو قتل کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ لوگ بچتے تھے کہ پھر قاتل کون ہے۔ مالک بن عوف نے کہا کہ وہ قاتل کا سراغ جلد ہی لگالے گا۔ وہ یہودی لڑکی کو سامنے نہیں لانا چاہتا تھا۔ اس نے لوگوں کی توجہ راہ دھرے ہٹا کر مسلمانوں کی طرف کر دی جو طائف کو محاصرے میں لینے کے لیے بڑھے آ رہے تھے۔ وہ عبادت گاہ کے اندر چلا گیا۔ اس نے مجاہدوں کے ساتھ کسی طرح معاملے کر لیا۔ "لات کے پکارو!" ایک بوڑھے مجاہد نے ہمارے آکر لوگوں کے ہراساں جوڑے کہا۔ ہمارے مقدس کاہن کو کسی نے قتل نہیں کیا۔ وہ دیوتالک کے وجود میں گھل گیا ہے۔ دیوتالک کے حکم سے اب میں کاہن ہوں۔ جاؤ، اپنی لبتی کو اس دشمن سے بچاؤ جو بڑھا چلا آ رہا ہے۔" مالک بن عوف جب اپنے گھر پہنچا تو کچھ دیر بعد اس کے بھیجے ہوئے قاصد واپس آ گئے۔ انہوں نے اسے بتایا کہ اس راستے پر جو طائف کی طرف آتا ہے مسلمانوں کا نام دشنام بھی نہیں۔

مالک بن عوف نے اپنے آپ کو دھوکے میں نہ رکھا۔ اس نے اپنے قبیلے کے سرداروں سے کہا کہ خدا دشمن کو نہ شیشے والا نہیں۔ وہ کسی نہ کسی طرف سے جوابی وار ضرور کرے گا۔ اس نے اعلان کیا کہ شہر کے دفاعی انتظامات میں کوئی کمی نہ رہنے دی جائے۔

قاصدوں نے مالک بن عوف کو بالکل صحیح اطلاع دی تھی کہ طائف کے راستے پر مسلمانوں کا نام دشنام نظر نہیں آتا لیکن سیلاب کی طرح طائف کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے رسول اکرم کے حکم سے راستہ بدل لیا تھا۔ بدلا جو راستہ بہت لمبا تھا لیکن رسول اکرم نے اتنا لمبا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ اس لیے کیا تھا کہ چھوٹا راستہ پہاڑوں اور پٹانوں میں سے گزرتا تھا۔ کھڈا نالے بھی تھے۔ رسول اکرم نے اپنے سالاروں سے کہا تھا کہ حنین کے پہلے تجربے کو نہ بھولو۔ مالک بن عوف بڑا کایاں جھنجکے۔ آپ نے فرمایا کہ طائف تک کا تمام علاقہ گھات کے لیے موزوں ہے۔ مالک بن عوف ویسی ہی گھات لگا سکتا ہے جیسی گھات میں اس نے خالد بن ولید کو پیروں سے چھلنی کر دیا تھا۔

رسول اکرم نے جو راستہ طائف تک پہنچنے کے لیے اختیار کیا تھا وہ وادی المیص میں سے گزرتا تھا اور وادی القرن میں داخل ہو جاتا تھا۔ آپ اپنے لشکر کو وادی القرن میں سے گزرنے کی بجائے طائف کے شمال مغرب میں سات میل دور نکل گئے اور غیب اور رضا ویرانے کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ یہ علاقہ تشیب و فزاک تھا اور اس میں پہاڑیاں اور چٹانیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ مجاہدین کا لشکر ۵۴ فروری ۶۳۰ء (۱۵ شوال ۶۱۰ھ) کے روز طائف کے گرد دو لواح میں اس سمت سے پہنچا جو طائف والوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ مجاہدین اسلام کا گڑھ بڑا ہی تیز تھا۔ ہراول میں بنو مسلم تھے جن کے کمانڈر خالد بن ولید تھے۔ توقعات کے عین مطابق طائف تک دشمن کہیں بھی نظر نہ

آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جیسا کہ مؤرخین نے لکھا ہے، کہ مالک بن عوف اب کھلے میدان میں لڑنے کا خطرہ منہ نہیں لے سکتا تھا۔

حنین کے محاصرے میں زیادہ تر نقصان بنو ہوازن کا ہوا تھا۔ قبیلہ ثقیف لڑا تھا لیکن جو کمرہ بنو ہوازن نے لی تھی وہ بنو ثقیف کو لینے کا موقع نہیں ملا تھا۔ پھر بھی ثقیف پسپا ہوا کرتے تھے۔ رسول اکرم اس خطرے سے بے خبر نہیں تھے کہ اہل ثقیف تازہ دم ہیں اور وہ اپنے شہر کے دفاع میں ایسے عرصے تک لڑیں گے۔

معلوم نہیں یہ کس کی غلطی تھی کہ مسلمان شہر کی دیوار کے خطرناک حد تک قریب ہار گئے۔ وہاں وہ بڑا کڑوا کرنا چاہتے تھے۔ اچانک اہل ثقیف دیواروں پر نمودار ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں پر پتروں کا دھیرہ سادیا۔ بہت سے مسلمان زخمی اور کچھ شہید ہو گئے۔ مسلمان پیچھے ہٹ آئے۔ رسول اکرم نے حضرت ابوبکر صدیق کو محاصرے کا کمانڈر مقرر کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے بڑی تیزی سے محاصرہ کا محاصرہ مکمل کر لیا۔ انہوں نے ان راستوں پر زیادہ نفری کے دستے رکھے جن راستوں سے دشمن کا درمکن تھا۔

شہر کا دفاع بڑا مضبوط تھا۔ قبیلہ ثقیف پوری طرح تیار تھا۔ مسلمان تیر اندازی کے سوا اور کوئی کارروائی نہیں کر سکتے تھے۔ مجاہدین نے یہاں تک بے خوفی کے مظاہرے کیے کہ شہر کی دیوار کے قریب جا کر اہل ثقیف کے ان تیر اندازوں پر تیر پھینکے جو دیواروں پر تھے۔ چونکہ وہ دیوار کے اوپر تھے اور انہیں اوٹ بھی ملتی تھی، اس لئے ان کے تیر مسلمانوں کا زیادہ نقصان کرتے تھے۔ مسلمان تیر اندازوں کے عیش آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹ آتے۔ مسلمانوں کے زخمیوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔ محاصرے کے کمانڈر حضرت ابوبکر کے اپنے بیٹے عبداللہ بنو ثقیف کے پیروں سے شہید ہو گئے۔

پانچ چھ دن اس طرح گزر گئے۔ تاریخ اسلام کی مشہور و معروف شخصیت سلمان فارسی لشکر کے ساتھ تھے۔ جنگ خندق میں مدینہ کے دفاع کے لیے جو خندق کھودی گئی تھی، وہ سلمان فارسی کی جنگی دانش کا کمال تھا۔ اس سے پہلے عرب خندق کے طریقے دفاع سے ناواقف تھے۔ اب سلمان فارسی نے دیکھا کہ محاصرہ کامیاب نہیں ہو رہا تو انہوں نے شہر پر پتھر پھینکے۔ اس لیے ایک منہنیق تیار کر دانی لیکن یہ کامیاب نہ ہو سکی۔

سلمان فارسی نے ایک دبا بہ تیار کر دانی۔ یہ کٹڑی یا چڑے کی کہت بڑی ڈھال ہوتی تھی جسے ہزاروں کچھڑا لگے آگے آگے چلتے تھے۔ خود اس کی اوٹ میں رہتے تھے اور اس کی اوٹ میں بہت سے آدمی قلعے کے دروازے تک پہنچتے تھے۔ سلمان فارسی نے جو دبا بہ تیار کر دانی، وہ گائے کی کھال کی بنی ہوئی تھی۔ ایک عجیب اس دبا بہ کی اوٹ میں شہر کے بڑے دروازے تک پہنچا۔ اوپر سے آنے والے پتروں کی تمام تیر پھینکیں دبا بہ سے ملتی رہیں لیکن دبا بہ جب اپنی اوٹ میں عجیب کو لے کر دروازے کے قریب پہنچا تو دشمن نے اوپر سے دھتے ہوئے انگارے اور لوہے کے لال سرخ ٹکڑے ابلے پر اسے پھینک کر کھال کی دبا بہ پر تیر روکنے کے قابل نہ رہی کیونکہ یہ کئی جگہوں سے جل گئی تھی۔ دبا بہ

چونکہ عربوں کے لیے ایک نئی چیز تھی جو پہلے ہی استعمال میں بیکار ہو گئی اس لیے وہ اسے وہیں پھینک کر پیچھے کو دوڑے۔ اہل تقیف نے ان پر نیزہ برسائے جن سے کئی ایک مجاہدین زخمی ہو گئے۔ دس دن اور گزر گئے۔ محاصرے اور دفاع کی صورت یہی رہی کہ مسلمان نہر پر سائے ہوئے آگے بڑھتے تھے اور تیر کھا کر پیچھے ہٹ آتے تھے۔ بنو تقیف پر اس کا برا اثر ہوا کہ ان پر سائوں کی بے جگری اور بے خوفی کی دہشت طاری ہو گئی۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے کسی طرف سے باہر آ کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کی کوشش نہ کی۔ آخر ایک روز رسول اکرمؐ نے اپنے سالاروں کو اکٹھا کیا اور انہیں بتایا کہ محاصرے کی کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ آپؐ نے سالاروں سے مشورہ طلب کیا کہ کیا کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ محاصرہ اٹھالیا جائے اور مکہ کو رخ کا حکم دیا جائے۔ خود رسول اکرمؐ محاصرہ اٹھانے کے حق میں تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ مکہ کے اشراف آپؐ کی توجہ کے محتاج تھے۔ مکہ چند ہی دن پہلے فتح کیا گیا تھا۔ خطرہ تھا کہ طائف کا محاصرہ طول پکڑ گیا تو یہ کم دشمن کو سر اٹھانے کا موقع مل جائے گا۔

۲۳ فروری ۶۳۰ء (۴ ذیقعدہ ۲ھ) کے روز محاصرہ اٹھالیا گیا۔ محاصرہ اٹھانے کا اثر اہل تقیف پر اور ہونا چاہیے تھا لیکن ان پر اس قسم کا خوف طاری ہو گیا کہ مسلمان جواب جارہے ہیں معلوم نہیں کس وقت لوٹ آئیں اور شہر پر یلغار کر کے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ خود مالک بن عوفؓ کی سربراہی میں انقلاب آچکا تھا۔ کاہن کی بیوی پیش گوئی اور سرکردہ حدیث میں مسلمانوں کی ضرب کاری نے اسے اپنے عقیدوں پر نظر ثانی کے لیے مجبور کر دیا تھا۔

مسلمان ۲۴ فروری کے روز جحرانہ کے مقام پر پہنچے جہاں رسول کریمؐ نے مال غنیمت اکٹھا کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس مال غنیمت میں چھ ہزار عورتیں اور بچے تھے اور ہزار ہا اونٹ اور بکریاں بھی تھیں۔ فوجی ساز و مان کا انبار تھا۔ رسول کریمؐ نے دشمن کی عورتوں، بچوں اور جاؤروں کو اپنے لشکر میں تقسیم کر دیا۔ مجاہدین کا لشکر جحرانہ سے ابھی جلاؤ تھا کہ قبیلہ ہوازن کے چند ایک سردار رسول کریمؐ کے حضور پہنچے اور یہ اعلان کیا کہ ہوازن کے تمام تر قبیلے نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان سرداروں نے رسول اکرمؐ سے درخواست کی کہ ان کا مال غنیمت انہیں واپس دے دیا جائے۔ رسول کریمؐ نے پوچھا کہ انہیں مال غنیمت میں سے کون سی چیز زیادہ عزیز ہے اہل و عیال یا اموال؟ سرداروں نے کہا کہ ان کی عورتیں اور بچے انہیں واپس دے دیئے جائیں اور باقی مال غنیمت مسلمان اپنے پاس رکھ لیں۔ رسول کریمؐ نے مجاہدین کے لشکر سے کہا کہ بنو ہوازن کو ان کی عورتیں اور بچے واپس کر دیئے جائیں۔ تمام لشکر نے عورتیں اور بچے واپس کر دیئے۔

بنو ہوازن کو توقع نہیں تھی کہ رسول کریمؐ اس قدر فیاضی کا مظاہرہ کریں گے یا مجاہدین کا لشکر اپنے حصے میں آجائے۔ مال غنیمت واپس کر دینے کا مسلمانوں کی اس فیاضی کا اثر یہ ہوا کہ قبیلہ ہوازن نے اسلام کو دل و جان سے قبول کر لیا۔ ہوازن کے سردار اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر چلے گئے۔ مسلمانوں کی فیاضی کے اثرات طائف کے اندر تک پہنچ گئے۔ مسلمان ابھی جحرانہ میں ہی تھے کہ ایک روز مالک بن عوفؓ مسلمانوں کی خیمہ گاہ میں آیا اور رسول کریمؐ کے حضور پہنچ کر اسلام قبول کر لیا۔ دیوث لات کی خدائی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔

اسلام اب اُس دور میں داخل ہو چکا تھا جب عرب کے ارد گرد کے ممالک اور ان سے بھی دور کے ممالک میں اسلام کے دشمن پیدا ہو گئے تھے۔ اسلام جس تیزی سے پھیل رہا تھا اس سے عالم کفر پر رزہ طاری ہو گیا تھا۔ مسلمان ایک عظیم جنگی طاقت بن گئے تھے لیکن اسلام کا فروغ اس جنگی طاقت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اسلام میں ایسی کشش تھی کہ جو کوئی بھی اللہ کا یہ پیغام سُننا تھا وہ اسلام قبول کر لیتا تھا۔

مسلمانوں نے اپنے جاسوس دور دور تک پھیلار کھے تھے۔ ۶۳۰ء میں جاسوسوں نے مدینہ آ کر رسول اکرمؐ کو اطلاع دی کہ رومی شام میں فوج کا بہت بڑا اجتماع کر رہے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے ٹکر لینا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ اطلاع ملی کہ رومیوں نے اپنی فوج کے کچھ دستے اردن بھیج دیے ہیں۔

اکتوبر ۶۳۰ء کو رومیوں نے مدینہ آ کر جلسہ دینے والی ٹوہمہ وقت چلتی تھی اور دن کے وقت دھوپ میں دھڑکیاں بجائی جا رہی تھیں۔ اس موسم میں رسول کریمؐ نے حکم دیا کہ پیشہ اس کے کہ رومی ہم پر یلغار کریں ہم ان کے کوچ سے پہلے ہی ان کا راستہ روک لیں۔

رسول کریمؐ کے اس حکم پر مدینے کے اسلام دشمن عناصر حرکت میں آ گئے۔ ان میں وہ مسلمان بھی شامل تھے جنہوں نے اسلام قبول تو کر لیا تھا لیکن اندر سے وہ کافر تھے۔ ان منافقین نے دہروہ اُن مسلمانوں کو جو جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے، اور غلامان اور ڈرانا شروع کر دیا کہ اس موسم میں انہوں نے کوچ کیا تو گرمی کی شدت اور بانی کی طاقت سے وہ راستے میں ہی مر جائیں گے۔ ان منافقانہ سرگرمیوں میں یہودی پیشہ پیش تھے۔ اس کے باوجود مسلمانوں کی اکثریت نے رسول اکرمؐ کے حکم پر لبیک کہی۔ رسول خداؐ نے تیاریوں میں زیادہ وقت ضائع نہ کیا۔ اکتوبر کے آخر میں جو فوج رسول خداؐ کی قیادت میں کوچ کے لیے تیار ہوئی اس کی تعداد تیس ہزار تھی جس میں دس ہزار شامل تھے۔ مجاہدین کے اس لشکر میں مدینہ کے علاوہ مکہ کے اور ان قبائل کے افراد بھی شامل تھے جنہوں نے سچے دل سے اسلام قبول کیا تھا۔ مجاہدین کا مقابلہ اس زمانے کے مشہور جنگجو بارہ لفظی شہنشاہ ہرقل کے ساتھ تھا۔

مجاہدین اسلام کا یہ عظیم شکر اکتوبر ۶۳۰ء کے آخری ہفتے میں رسول کریمؐ کی قیادت میں حرکت کو رخ کر گیا۔ نہایت آفتاب کا یہ عالم ہے زمین شعلہ اگل رہی تھی۔ ریت اتنی گرم کہ گھوڑوں اور اونٹوں کے پاؤں جلتے تھے۔ اُس سال خط کی کیفیت بھی پیدا ہو گئی تھی اس لیے مجاہدین کے پاس خوراک کی کمی تھی۔ مجاہدین اس جلسہ دینے والی گرمی میں بانی نہیں بیٹھتے تھے کہ معلوم نہیں آگے کئی دور جا کر پانی ملے۔ تھوڑی ہی دور جا کر مجاہدین کے ہونٹ خشک ہو گئے اور ان کے حلق میں کانٹے سے جھپٹنے لگے لیکن اُن کی زبان پر اللہ کا نام تھا اور وہ ایسے عزم سے سرشار تھے جس کا اجر خدا کے

نہ کر انہیں ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ دومتہ الجندل کا حکمران اکید بن مالک تھا۔ چونکہ اس کی بادشاہی انتہائی دشوار گزار علاقے میں تھی اس لیے وہ اپنے علاقے کو ناقابل تسخیر سمجھتا تھا۔ رسول کریم نے جو دنا اکید بن مالک کے پاس بھیجا تھا وہ یہ جواب لے کر آیا کہ اکید بن مالک نے دوستی قبول کی ہے نہ وہ چیز دینے پر آمادہ ہوا ہے بلکہ اس نے اعلان کیا ہے کہ مسلمانوں کو وہ اپنا دشمن سمجھتا ہے اور وہ اسلام کی بیعت میں کوئی کسر اٹھ نہیں رکھے گا۔ رسول کریم نے خالد بن ولید کو بلایا اور انہیں کہا کہ وہ چار سو سوار اپنے ساتھ لیں اور اکید بن مالک کو زندہ پکڑ لائیں۔

اکید بن مالک اپنے دربار میں اپنی مندر پر بیٹھا تھا۔ اس کے پیچھے دو ہزار سپاہی کھڑے ہو چکے تھے۔ اکید بن مالک نے اس کی بات سن کر کہہ دیا کہ اس کے پیچھے دو ہزار سپاہی کھڑے ہو چکے تھے۔ اکید بن مالک نے اس کی بات سن کر کہہ دیا کہ اس کے پیچھے دو ہزار سپاہی کھڑے ہو چکے تھے۔ اکید بن مالک نے اس کی بات سن کر کہہ دیا کہ اس کے پیچھے دو ہزار سپاہی کھڑے ہو چکے تھے۔ اکید بن مالک نے اس کی بات سن کر کہہ دیا کہ اس کے پیچھے دو ہزار سپاہی کھڑے ہو چکے تھے۔

اکید بن مالک نے کہا: "ہم ایسا کوئی مشورہ قبول نہیں کریں گے۔" "نہیں ابن مالک!" بوڑھے وزیر نے کہا۔ "میری عمر نے جو مجھ دکھایا ہے وہ تو نے

ابھی نہیں دیکھا۔ میں ماننا ہوں کہ تو مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تو اپنے دشمن کو اتنا حقیر سمجھ رہا ہے کہ تو یہ بھی نہیں سوچ رہا کہ مسلمانوں نے حاکم دیا تو ہم تمہاری بادشاہی کو کس طرح بچائیں گے۔"

عسلیب مقرر کی قسم! اکید بن مالک نے کہا: "ہمارے ارد گرد جو علاقہ ہے وہ ہماری بادشاہی کو بچائے گا۔ میرے اس خوفناک صحرا کی ریت مسلمانوں کا خون چوس لے گی۔ ریت اور مٹی کے جوٹے دومتہ الجندل کے ارد گرد کھڑے ہیں یہ خدا نے میرے سفر کی کھڑے کر رکھے ہیں ہر کوئی فتح نہیں پاسکتا۔"

اس وقت خالد بن ولید اپنے چار سو سواروں کے ساتھ آدھا راستہ طے کر چکے تھے۔ اگلے روز وہ اس صحرا میں داخل ہو گئے جسے مؤرخوں نے بھی ناقابل تسخیر لکھا ہے۔ مجاہدین کے چہرے ریت کی مانند خشک ہو گئے تھے۔ گھوڑوں کی چال بتا رہی تھی کہ یہ مسافت اور پیاس ان کی برداشت سے ڈیر ہوئی جا رہی ہے لیکن خالد بن ولید کی قیادت مجاہدین کے دلوں میں نئی روح پھونک دی تھی۔ دومتہ الجندل اچھا خاصا شہر تھا۔ اس کے ارد گرد دیوار تھی۔ خالد بن ولید اس کے قریب پہنچ گئے اور اپنے سواروں کو ایک وسیع لشکر میں بٹھا دیا۔ مجاہدین کی جسمانی کیفیت ایسی تھی کہ انہیں اگر کم ایک دن اور ایک رات آرام کرنے کی ضرورت تھی لیکن خالد نے اپنے سواروں کو تیاری کی حالت میں رکھا۔

سوا اور کوئی نہیں دے سکتا۔ ایک لگن تھی، ایک جذبہ تھا کہ مجاہدین زمین و آسمان کے اٹکے ہوئے مشعلوں کا منہ چڑھاتے پلے جا رہے تھے۔

تقریباً چودہ روز بعد یہ لشکر شام کی سرحد کے ساتھ تبوک کے مقام پر پہنچ گیا۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ اچھے اور خوشگوار موسم میں مدینہ سے تبوک کا سفر چودہ دنوں کا تھا جسے ایس وقت کے مسافروں کی زبان میں چودہ منزل کہا جاتا تھا۔ بعض مؤرخین نے چودہ منزل کو چودہ دن کہا ہے تبوک پر ایک جاسوس نے اطلاع دی کہ رومیوں کے جو دستے اردن میں آئے تھے وہ اس وقت دمشق میں ہیں۔

رسول کریم نے لشکر کو تبوک میں خیمہ زن ہونے کا حکم دیا اور تمام سالاروں کو صلح مشورے کے لیے طلب کیا۔ سب کو یہی توقع تھی کہ تبوک سے کوچ کا حکم ملے گا اور دمشق میں بادشاہی سے کچھ اور رومیوں کے ساتھ فیصلہ کن معرکہ ہو گا۔ رسول کریم نے اپنے اصول کے مطابق سب سے مشورے طلب کیے۔ ہر سالار نے یہ ذہن میں رکھ کر کہ رومیوں سے جنگ ہوگی، مشورے دیے لیکن رسول کریم نے یہ کہہ کر سب کو حیرت میں ڈال دیا کہ تبوک سے آگے کوچ نہیں ہوگا۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ رسول خدا اس فیصلے میں آگے نہیں بڑھا جانے کا بہت بڑی جنگی دانش تھی۔ آپ نے مدینہ میں ہی کہہ دیا تھا کہ رومیوں کا راستہ روکا جائے گا۔ آپ مستقرے اتنی دور اور اتنی شدید گرمی میں نہیں لڑنا چاہتے تھے۔ اس کی بجائے آپ ہر محل کو اشتغال دلا رہے تھے کہ وہ اپنے مستقر سے دور تبوک میں آکر لڑے۔ مجاہدین لڑنے کے لیے گئے تھے ان کے دلوں میں کوئی دھم اور کوئی خوف نہیں تھا لیکن جنگ میں ایک خاص قسم کی عقل و دانش کی ضرورت ہوتی ہے۔ رسول کریم نے عقل و دانش کو اشتغال کیا اور مدینہ کی طرف رومیوں کا راستہ روک دیا۔ یہ انتہام کیا کہ اس علاقے میں جو قبائل رومیوں کے زیر اثر تھے انہیں اپنے اثر میں لانے کی کھات تیار کیں۔ ان میں چار مقامات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں جہاں ان تمات کو بھیجا جاتا تھا۔ ان میں ایک تو عقبہ تھا جو اس دور میں اہل کھلتا تھا۔ دوسرا مقام مہقنہ، تیسرا اذرج اور چوتھا جربہ تھا۔ رسول کریم نے ان تمام قبائل کے ساتھ جنگ کرنے کی بجائے دوستی کے معاہدے کی شرائط بھیجیں جن میں ایک یہ تھی کہ ان قبائل کے جو لوگ اسلام قبول نہیں کریں گے انہیں ان کی مرضی کے خلاف جنگ میں نہیں لے جایا جائے گا۔ دوسری شرط یہ تھی کہ ان پر کوئی بھی حملہ کرے گا تو مسلمان ان کے دفاع کو اپنی ذمہ داری سمجھیں گے۔ اس کے بدلے میں اسلامی حکومت ان سے جزیہ وصول کرے گی۔

سب سے پہلے اہل کے فرمانروا یوحنا نے خود آکر رسول کریم کی دوستی کی پیشکش قبول کی اور جزیہ کی پانچ سو ادائیگی کی شرط بھی قبول کر لی۔ اس کے فوراً بعد دو اور طاقتور قبیلوں نے بھی مسلمانوں کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر لیا اور جزیہ کی شرط بھی مان لی۔

الحوت ایک مقام ہے جو اس دور میں دومتہ الجندل کہلاتا تھا۔ یہ بڑے ہی خوفناک صحرا ہے واقع تھا اس زمانے کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس مقام کے ارد گرد ایسے ریتنے پلے آتشیں

اپنے ساتھ ہی لے گئے۔

اُمید بن مالک کے شکاری ساتھیوں اور محافظوں نے دیکھا کہ اُن کا فرمانڈا بکڑا گیا اور اُس کا اُمید بن مالک سے تو اُنہوں نے خالد بن ولید کے سواروں کا مقابلہ کرنے کی بجائے بھاگ نکلنے کا راستہ چاہا۔ وہ نہایت ہی تھی کہ چھپ کر نکل جانے کے لیے نشیب، کھڈ اور ٹیلے بہت تھے۔ اُن میں کچھ دشمنی پرے لیکن نکل گئے۔

خالد بن ولید نے اُمید کو پکڑے رکھا اور کچھ دور جا کر گھوڑا روکا۔ اُمید سے کہا کہ اُس کے بھاگ نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔ اُنہوں نے اُسے گھوڑے سے اتارا، خود بھی اُترے۔

یہاں پر اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے؟ خالد بن ولید نے پوچھا۔

ہاں، میں اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر سمجھتا تھا۔ اُمید بن مالک نے کہا۔ لیکن تو نے مجھے اپنا نام نہیں بتایا۔

خالد بن ولید نے جواب دیا۔ خالد بن ولید!

ہاں! اُمید نے کہا۔ میں نے یہ نام سنا ہے۔ یہاں تک خالد ہی پہنچ سکتا تھا۔ انہیں اُمید! خالد نے کہا۔ یہاں تک ہر وہ انسان پہنچ سکتا ہے جس کے دل میں اللہ کا نام ہے اور وہ محمد کو اللہ کا رسول ماننا ہے۔

میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ اُمید نے پوچھا۔

میرے ساتھ وہ سلوک میں ہوگا جو تو نے ہمارے رسول کے اٹھی کے ساتھ کیا تھا۔ خالد نے کہا۔ ہمارے اچھے سلوک کی توقع رکھ! ابن مالک! اگر ہم رومی ہوتے اور ہرقل کے جیسے ہوتے تو ہم تجھے کہ اپنا خزانہ اور اپنے شہر کی بہت سی خوبصورت اڑکیاں اور شہر کے ملکہ ہمارے دل کو دے۔ پہلے ہم عیش و عشرت کرنے پھر ہرقل کے حکم کی تعمیل کرتے۔

ہاں! اُمید نے کہا۔ رومی ہوتے تو ایسے ہی کرتے، اور وہ ایسا کر رہے ہیں۔ وہ کوہِ سا تھوے جو میں ہرقل کو نہیں بھیجتا۔ ولید کے بیٹے! مجھ پر لازم ہے کہ رومیوں کو خوش رکھوں۔

کہاں ہیں رومی؟ خالد نے کہا۔ کیا تو انہیں مدد کے لیے بلا سکتا ہے؟ ہم تیری مدد کو آئے۔ میں تجھے تہذیبی بن کر نہیں، مگر زہانہ بن کر اللہ کے رسول کے پاس لے جا رہا ہوں۔ تجھ پر کوئی غلام نہیں ہوگا، جہنم میں ہوگا، جہنم دشمنی کا نہیں، دشمنی کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ ہمارے رسول کے ساتھ جاکر تجھے تاسف ہوگا کہ جس کا تو دشمن رہا ہے تو وہ دوستی کے قابل ہے۔

اُمید بن مالک کی جیسے زبان انگشت بولتی ہو۔ اُس نے کچھ بھی نہ کہا۔ اُس کا گھوڑا وہیں کہیں اُڑا رہا تھا۔ خالد بن ولید نے اپنے سواروں سے کہا کہ اُمید کے گھوڑے کو پکڑ لائیں۔ سوار گھوڑے کو پکڑ لائے۔ خالد بن ولید نے اُمید کو گھوڑے پر سوار کیا اور توبہ کو داپس کا حکم دے دیا۔

توبہ کو پکڑ کر خالد بن ولید نے اُمید بن مالک کو رسول خدا کے حضور پیش کیا۔ آپ نے اُس کے آگے ہاتھ نہیں رکھیں لیکن ایسی شرط کا اشارہ کیا کہ وہ اسلام قبول کرے۔ اُس کے ساتھ

سورج عروبہ ہو گیا۔ پھر رات گہری ہونے لگی۔ چاند پوری آب و تاب سے چمکنے لگا۔ مہرا کی پانڈی بڑی شگفتا ہو گئی۔ خالد بن ولید اپنے ایک آدمی کو ساتھ لے کر شہر کی دیوار کی طرف چل پڑے۔ وہ چاند کو دیکھتا تھا کہ شہر کا محاصرہ کیا جائے جس کے لیے چار سو سوار کافی نہیں تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ شہر کی ناکہ بندی کر دی جائے۔ دوسری صورت لیفٹا کی تھی۔

خالد بن ولید کے دروازے سے خاصا پیچھے ایک ادب میں بیٹھ گئے۔ چاندنی اتنی صاف تھی کہ دیوار کے اوپر سے خالد بن ولید نظر آ سکتے تھے۔

شہر کا بڑا دروازہ کھلا۔ خالد سمجھے کہ اُمید فرج لے کر باہر آ رہا ہے اور وہ اُن پر حملہ کرے گا لیکن اُمید کے پیچھے پیچھے چند سوار باہر نکلے اور دروازہ بند ہو گیا۔ خالد کو یاد آیا کہ تیرک سے روانگی کے وقت رسول کریم نے انہیں کہا تھا۔ اُمید تو ہمیں شاید شکار کھیلنا چاہتا ہوگا۔

اُمید بن مالک کے متعلق مشہور تھا کہ وہ جیسے شکار کھیلنے کے لیے ہی پیدا ہوا تھا۔ حرام شکار رات کو ملتا تھا کیونکہ دن کے وقت جانور دیکھ جیسے رہتے تھے۔ پورے چاند کی رات بڑے شکار کے لیے موزوں سمجھی جاتی تھی۔ یہ رسول کریم کی اعلیٰ جنس کا کمال تھا کہ آپ نے دشمن کی عادت اور خصلتوں کا بھی پتہ چلا لیا تھا اور آپ نے خالد کو اُمید کے متعلق پوری معلومات دے دی تھیں۔

خالد نے جب دیکھا کہ اُمید ابن مالک چند ایک سواروں کے ساتھ باہر آیا ہے تو اُنہوں نے اُس کے انداز کا پوری طرح جائزہ لیا۔ خالد سمجھ گئے کہ اُمید کو معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ بازو سواہن سوار اُس کے شہر کے قریب پہنچ گئے ہیں اور وہ شکار کھیلنے جا رہا ہے۔ خالد اپنے آدمی کے ساتھ ریگتے سر کتے پیچھے آئے جب اُمید اپنے سواروں کے ساتھ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو خالد دوڑ کر اپنے سواروں تک پہنچ گئے۔ اُنہوں نے کچھ سوار منتخب کیے۔ اپنے تمام سواروں کو اُنہوں نے تیاری کی حالت میں رکھا ہوا تھا۔ وہ سواروں کے ایک جیش کو اپنی قیادت میں اُس طرف لے گئے جہاں اُمید رہتا تھا۔ خالد نے یہ خیال رکھا کہ اُمید شہر سے اتنا آگے چلا جائے کہ جب اُس پر حملہ ہو تو شہر تک اُس کی آواز بھی نہ پہنچ سکے۔

رات کے ساٹھ میں اتنے زیادہ گھوڑوں کی آواز کو دیا نہیں جاسکتا تھا۔ اُمید اور اُس کے ساتھیوں کو پتہ چل گیا تھا کہ اُن کے پیچھے گھوڑے سوار آ رہے ہیں۔ اُمید کا بھائی حسان بھی اُس کے ساتھ تھا۔ اُس نے کہا کہ وہ جا کے دیکھتا ہے کہ یہ کیوں ہیں۔ اُس نے اپنا گھوڑا پیچھے کو موڑا ہی تھا کہ خالد بن ولید نے اپنے سواروں کو بلے بولنے کا حکم دے دیا۔ اُمید کو خالد اور اُن کے سواروں کی لشکر سے پتہ چلا کہ یہ مسلمان ہیں۔ حسان نے ہرجی سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن مارا گیا۔

اُمید اپنے سواروں سے ذرا الگ تھا۔ خالد بن ولید نے اپنے گھوڑے کو اڑا لگائی اور رخ اُٹھ کر کی طرف مڑ گیا۔ اُمید ایسا ہوا کھلا یا کہ خالد پر وار کرنے کی بجائے اُس نے راستے سے بھٹنے کی کوشش کی۔ خالد بن ولید نے اُس پر کسی ہتھیار سے وار نہ کیا۔ گھوڑے کی رفتار کم کی۔ اُنہوں نے گھوڑا اُمید کے گھوڑے کے قریب سے گذارا اور بازو اُمید کی کمر میں ڈال کر اُسے اُس کے گھوڑے سے

مہانوں جیسا سلوک کیا گیا۔ اُس پر کوئی خوف طاری نہ کیا گیا۔ اُسے یہی ایک شرط بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اُن کی حفاظت کریں گے۔ اُس نے جزیرہ دینے کی شرط مان لی اور دوسری کا معاہدہ کر لیا۔

”بے شک صرف مسلمان ہیں جو میری مدد کو پہنچ سکتے ہیں۔“ معاہدہ کر کے اُس نے کہا۔ جب اُکید بن مالک نے بھی دوستی کا معاہدہ کر کے مسلمانوں کو جزیرہ دینا قبول کر لیا تو اُن کے چھوٹے چھوٹے قبیلوں کے سردار تبوک میں رسول کریم کے پاس آ گئے اور اطاعت قبول کر لی۔ اسی طرح دھڑ دھڑ تک کے علاقے مسلمانوں کے زیر اثر آ گئے اور تمام قبائلی مسلمانوں کے اتحادی بن گئے۔ ان میں متعدد قبائل نے اسلام قبول کر لیا۔

اب رہیوں سے جنگ کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اُن کی پیش قدمی کا راستہ رک گیا تھا، بلکہ اُن کے لیے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ مسلمانوں سے ٹکرائیں گے اور آگے بڑھنا سستے کے تمام قبائل اُسے اپنے علاقے میں ہی ختم کر دیں گے۔ رسول اکرم نے محاذ پر دینے کے لشکر کو مدینہ کو واپسی کا حکم دے دیا۔ یہ لشکر دسمبر ۶۳۰ء میں مدینہ پہنچ گیا۔

اسلام عقیدے کے لحاظ سے اور عسکریت کے لحاظ سے بھی ایک ایسی طاقت بن چکا تھا کہ رسول کریم کے پیچھے ہونے والے بھی کہیں بھی چلے جاتے، انہیں شاہی ہمان سبھا جانا اور ان کو بیاد احترام سے مٹا جاتا تھا۔ رسول کریم نے دور دراز کے قبیلوں اور چھوٹی بڑی حکومتوں کو قبول اسلام کے دعوت نامے بھیجنے شروع کر دیئے۔ ان میں بعض سردار سرکش، خود سر اور کم فہم تھے۔ ان کی طرف رسول کریم کا پیغام اس قسم کا ہوتا تھا کہ قبول اسلام کی بجائے اگر وہ اپنی جنگی طاقت اُڑا دیتے ہیں تو آدھا ملک اور پورے ملک کی شکست کی صورت میں انہیں مسلمانوں کا مکمل طور پر مطیع ہونا پڑے گا اور اُن کی کوئی شرط قبول نہیں کی جائے گی۔

رسول کریم نے ایسی ایک مہم خاندان بنولید کی زیر نگرانی من کے شمال میں سحران بھیجی۔ وہاں قبیلہ بنو حارثہ بن کعب آباد تھا۔ ان لوگوں نے رسول کریم کے پیغام کا مذاق اڑایا تھا۔ خالد بن ولید کے ایک سو اور ستر ہستے کو جس کی تعداد چار سو تھی، ساتھ لے کر جولائی ۶۳۱ء میں مدینہ کو روانہ ہوئے۔ مشہور مؤرخ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ رسول اللہ نے خالد سے کہا کہ انہیں چلے کے لیے نہیں بھیجا جا رہا بلکہ وہ پیغام لے کر جا رہے ہیں۔ چونکہ بنو حارثہ سرکش و فہمیت کی وجہ سے کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں اس لیے خالد انہیں تین بائیس کر دے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ اگر وہ سرکش سے باز نہ آئیں اور خرمزری کو پس کر دیں تو انہیں خرمزری کے لیے لٹکا دیا جائے۔

خالد نے جس جارجاء انداز سے وہاں پہنچے اور جس انداز سے انہوں نے بنو حارثہ سے اسلام کو قبول اسلام کی دعوت دی، اس نے مطلبہ اثر دکھایا۔ اس قبیلے نے بلا جھیل و حجت اسلام قبول کر لیا۔ خالد واپس آنے کی بجائے وہیں ٹکے رہے اور انہیں اسلام کے اصول اور ارکان سمجھاتے رہے۔ خالد جنہیں تاریخ نے فخر حرب و ضرب کا ماہر اور صفت اول کا

تسلیم کیا ہے، سحران میں چھ مہینے مسلط اور معکم بنے رہے۔ انہوں نے حبیب دیکھا کہ اسلام ان لوگوں کے دلوں میں اتر گیا ہے تو غارتگری ۶۳۲ء میں واپس آ گئے۔ اُن کے ساتھ بنو حارثہ کے چند ایک سرکردہ افراد تھے جنہوں نے رسول کریم کے دست مبارک پر بیعت کی۔ رسول خدا نے ان میں سے ایک کو امیر مقرر کیا۔

اسلام کے دشمنوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو میدان جنگ میں شکست دینا ممکن نہیں رہا اور یہ بھی دیکھا کہ اسلام لوگوں کے دلوں میں اتر گیا ہے تو انہوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کا ایک اور طریقہ اختیار کیا۔ یہ تھا رسالت اور نبوت کا دعویٰ۔ متعدد افراد نے نبوت کا دعویٰ کیا جن میں بنی اسد کا حلیم، بنی حنیفہ کا مسلمہ اور مین کا اسود غسی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اُس کا نام عقیدہ بن کعب تھا۔ چونکہ اُس کا رنگ کالا تھا اس لیے وہ اسود کے نام سے مشہور ہوا۔ اسود عربی میں کانے کو کہتے ہیں۔ وہ مین کے مغربی علاقے کے ایک قبیلے غسی کا سردار تھا اس لیے اُسے اسود لغنی کہتے تھے۔ تاریخ میں اس کا یہی نام آیا ہے۔ وہ عبادت گاہ کا کاہن بھی رہ چکا تھا۔ باطل سیاح و سنگت کے باوجود اُس میں ایسی کشش تھی کہ لوگ اُس کے ہلکے سے اشارے کا بھی اثر قبول کر لیتے تھے۔ اُس میں مقناطیس جیسی قوت تھی کہ عورتیں اُس کے کالے چہرے کو ناپسند کرنے لگ جاتیں اُس کے قریب ہونے کی کوشش کرتی تھیں۔ اُس نے یہ پراسرار تہ عبادت گاہ میں مل کی تھی۔ کاہن کو لوگ دیوتاؤں کا منظور نظر اور اچھی سمجھتے تھے۔

اس علاقے کے زیادہ تر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اسود کے اپنے قبیلے میں اسلام داخل ہو چکا تھا مین اسود نے ان کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں کی تھی جیسے ان لوگوں کے ساتھ اُس کا کوئی اتفاق نہ ہو۔ بعض روایات نے لکھا ہے کہ وہ خود بھی مسلمان ہو چکا تھا۔

اُس وقت مین کا حکمران بازان نام کا ایک ایرانی تھا۔ ایران کا شہنشاہ خسرو پرویز (کسریٰ) تھا۔ رسول کریم نے دور کے ملکوں کے جن بادشاہوں کو قبول اسلام کے خطوط لکھے تھے، ان میں شہنشاہ ایران بھی تھا۔ اُسے خط دینے کے لیے رسول اللہ نے عبداللہ بن حذافہ کو بھیجا تھا۔ عبداللہ نے خسرو پرویز کے دربار میں اُسے خط دیا۔ اُس نے خط کسی اور کو دے کر کہا کہ اُسے اس کا ترجمہ سنایا جائے۔

اُسے جب خط اُس کی زبان میں سنایا گیا تو وہ گل بگولا ہو گیا۔ اُس نے غصے سے باؤلا ہو کر خود ہی طرح چھڑا کر اس کے پرزے چھینک دیئے اور عبداللہ بن حذافہ کو دربار سے نکال دیا۔ عبداللہ کو دور کی مسافت سے آئے اور رسول اللہ کے حضور بتایا کہ شہنشاہ ایران نے خط پڑھا اور خسرو پرویز کا غصہ خط پھاڑنے سے ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ مین پر ایران کی حکمرانی تھی اور بازان اُن کا وزیر تھا۔ شہنشاہ ایران نے اپنے گورنر بازان کو خط بھیجا کہ حجاز میں محمد نام کا کوئی آدمی ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ اُس نے لکھا کہ رسول کریم کو زندہ پکڑ کر یا آپ کا سر کاٹ کر اُس کے دیوار (ایران) میں پھینک دیا جائے۔

بازان نے یہ خط اپنے دو آدمیوں کو دے کر مدینہ بھیج دیا۔ مینوں میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض

کہتے ہیں کہ بازان نے ان آدمیوں کو رسول اللہ کو بچھڑانے یا قتل کر کے آپ کا سر لانے کے لئے بھیجا تھا، اور کچھ مورخوں نے لکھا ہے کہ بازان نے اسلام کو قبول نہیں کیا تھا لیکن وہ جہنم کو مار کر اتنا متاثر تھا کہ آپ کو اپنے شہنشاہ کے ارادے سے خبردار کرنا چاہتا تھا۔ بہر حال ہر حال میں یہ واقعہ پر تفتیش ہے کہ بازان کے بچھے ہوئے دو آدمی رسول خدا کے ہاں گئے تھے اور خود پر دیر نہ بھڑکا بازان کو لکھا تھا وہ آپ کے حضور پیش کیا تھا۔

رسول خدا نے خدا دیکھا اور آپ نے مسکرا کر کہا کہ شہنشاہ ایران گذشتہ رات اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو گیا ہے اور آج صبح سے ایران کا شہنشاہ شیر ویر ہے۔

”گذشتہ رات کے قتل کی خبر مدینہ میں اتنی جلد ہی کیسے پہنچ گئی؟ — بازان کے ایک اہل نے پوچھا اور کہنے لگا۔ ”کیا یہ ہمارے شہنشاہ کی توہین نہیں کہ یہ غلط خبر پھیلا دی جائے کہ اُسے اُس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے؟“

”مجھے میرے اندر نے بتایا ہے۔“ رسول کریم نے کہا۔ ”جاؤ، بازان کو بتا دو کہ اُس کا شہنشاہ اب خسرو نہیں شیر ویر ہے۔“ رسول خدا کو یہ خبر بذریعہ الہام ملی تھی۔

بازان کے آدمی واپس گئے اور اُسے بتایا کہ رسول اللہ نے کیا کہا ہے۔ تین چار دنوں بعد بازان کو اپنے سنے شہنشاہ شیر ویر کا خط ملا جس میں تحریر تھا کہ خسرو پر دیر کو فلاں رات ختم کر دیا گیا ہے یہ وہی رات تھی جو حضور نے بتائی تھی۔ کچھ دنوں بعد بازان کو رسول کریم کا خط ملا کہ وہ اسلام قبول کرے بازان پہلے ہی آپ سے متاثر تھا، الہام نے اُسے اور زیادہ متاثر کیا۔ رسول اللہ نے اُسے بھی لکھا تھا کہ اسلام قبول کر لینے کی صورت میں وہ بدستور مین کا حاکم رہے گا اور اُس کی عمرانی کا تحفظ ملے گا کی ذمہ داری ہوگی۔

بازان نے اسلام قبول کر لیا اور وہ حاکم مین رہا۔ پھر دس ہی عرصے بعد فوت ہو گیا، رسول اللہ نے مین کو بھی جتنوں میں تقسیم کر دیا اور ہر حصے کا ایک حاکم مقرر کیا۔ بازان کا بیٹا جس کا نام شہر تھا اُن کے اُسے صنعتا اور اُس کے گرد و فواح کے علاقے کا حاکم بنایا۔

یہ خبر آئی تھی کہ اسود غسی مین کے علاقہ مذحج میں چلا گیا ہے اور ایک غار میں رہتا ہے جس کا خیابان ہے۔ اچانک یہ خبر ہو کر طرح سارے مین میں پھیل گئی کہ اسود غار سے نکل آیا ہے۔ اہل خدا نے نبوت عطا کی ہے اور اب وہ اسود غسی نہیں ”رحمن امین“ ہے خبر سنانے والے کسی شکر کا اظہار نہیں کرتے تھے بلکہ وہ مصدقہ خبر سنانے تھے کہ اسود کو نبوت مل گئی ہے۔ انہوں نے نبی تسلیم کر لیا تھا۔

”جاؤ رکھو“ خبر سنانے والے کہتے پھرتے تھے۔ ”مذحج جاؤ رکھو۔“ جنس امین مردوں کو کرتا ہے۔ آگ کے شعلوں کو کھپول بنا دیتا ہے۔۔۔ چلو لوگو، چلو۔ اپنی روح کی نجات کے لیے چلو۔ جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، وہ بھی مذحج کو اٹھ دوڑے۔ اسود چونکہ کابینہ کی پکڑ میں لیے لوگ پہلے ہی تسلیم کرتے تھے کہ دیوتاؤں نے اُسے کوئی پراسرار طاقت دے رکھی ہے۔ اب

نے نبوت کا دعویٰ کیا تو لوگوں نے فوراً اُسے دعوے کو تسلیم کر لیا۔

غار خیابان کے سامنے لمبے لمبے لوگوں کا جھوم رہے تھے۔ وہ اسود کی ایک جھلک دیکھنے کو بتایا ہے تھے۔ وہ دن کو تھوڑے سے وقت کے لیے باہر نکلتا تھا اور غار کے قریب ایک اونچے جگہ کھڑے ہو کر لوگوں کو قرآن کی آیات کی طرز کے، جملے سناتا اور کہتا تھا کہ اُس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے جو اسے ہر روز خدا کی طرف سے ایک آیت اور راز کی ایک دو باتیں بتاتا جاتا ہے۔

وہ لوگوں کو اپنے معجزے بھی دکھا باکڑا تھا، مثلاً جلتی ہوئی مشعل اپنے منہ میں ڈال لیا کرتا اور جب مشعل اُس کے منہ سے نکلتی تو وہ جل رہی ہوتی تھی۔ اُس نے ایک لڑکی کو ہوا میں معلق کر کے بھی دکھایا۔ ایسے ہی چند اور شعبہ سے تھے جو وہ لوگوں کو دکھاتا تھا اور لوگ انہیں معجزے کہتے تھے ایک تودہ چرب زبان تھا، دوسرے وہ خوش الحان تھا۔ اُس کے بولنے کا انداز کپش کش تھا۔

اُس نے مین والوں کو یہ نعرہ دے کر کہ مین والوں کا ہے، اُن کے دل موہ لیے تھے۔ مینی بڑی لمبی مدت سے ایرانیوں کے زیر نگین چلے آ رہے تھے۔ ایرانی تسلط بازان کے قبول اسلام کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تو حجاز کے مسلمان آ گئے۔ اُس کے علاوہ وہاں یہودی، نصرانی اور مجوسی بھی موجود تھے یہ سب اسلام کی فتح میں چاہتے تھے۔ انہوں نے اسود غسی کی نبوت کے قدم ہانے میں درپردہ بہت کام کیا۔ اسود اپنی نبوت کی صداقت ایک گدھے کے ذریعے ثابت کیا کرتا تھا۔ اُس کے سامنے ایک

گدھا لایا جاتا۔ وہ گدھے کو کہتا۔ ”بیٹھ جا۔“ گدھا بیٹھ جاتا۔ پھر کہتا۔ ”میرے آگے سر جھکا۔“ گدھا سجدے کے انداز سے سر جھکا دیتا۔ گدھے کے لیے اُس کا تیسرا حکم ہوتا۔ ”میرے آگے گھٹنے ٹیک دے۔“ گدھا اُس کے آگے گھٹنے ٹیک دیتا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اسود غسی کو مین کے لوگوں نے نبی مان لیا۔ اسود نے ان لوگوں کو ایک فوج کی صورت میں منظم کر لیا۔ اُس نے سب سے پہلے نجران کا رخ کیا۔ وہاں رسول کریم کے مقرر کیے ہوئے دو مسلمان حاکم تھے۔ خالد بن سعید اور عرب بن حزم۔ اسود کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا جو نجران میں داخل ہوا تو وہاں کے باشندے بھی اُس کے ساتھ مل گئے۔ دونوں مسلمان حاکموں کے لیے بھاگ نکلنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔

اسود غسی اس پہلی فوج سے سرشار ہو گیا اور اُس کے لشکر کی تعداد بھی زیادہ ہو گئی۔ اُس نے نجران میں اپنی حکومت قائم کر کے صنعتا کی طرف پیش قدمی کی۔ وہاں بازان کا بیٹا شہر حکمران تھا۔ اُس کے پاس فوج تھوڑی تھی پھر بھی وہ مقابلے میں ڈٹ گیا۔ اُس کی لگاکار نے اپنی فوج کے قدم اکھڑنے نہ دیئے لیکن شہر بن بازان جو کہ اپنی فوج کا حوصلہ قائم رکھنے کے لیے سپاہیوں کی طرح لڑتا تھا اس لیے شہید ہو گیا۔ اس سے اُس کی فوج کا حوصلہ ٹوٹ گیا۔

اسود کے خلاف لڑنے والے وہ مینی بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن بہت کم کی صورت میں خان کا خطہ مسلمانوں کو تھا۔ انہیں اسود کے لشکر کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ اسود کسی مسلمان کو نہیں بچاتا تھا۔ چنانچہ مسلمان جانیں بچا کر نکل گئے اور مدینہ جا پہنچے۔

اسود غسی جواب جنس امین کو لکھتا تھا، حضرت موت۔ جبرین۔ احبار اور علماؤں کے تمام علاقوں

پہنچی قبضہ کر کے تمام یمن کا بادشاہ بن گیا۔

اسلام کے لیے یہ بہت بڑا چیلنج تھا۔ شمال کی طرف سے رومیوں کے حملے کا خطرہ بڑھتا ہوا تھا۔ اس خطرے کو ختم کرنے کے لیے رسول خدا نے ایک لشکر رومیوں پر حملے کے لیے تیار کیا تھا جس کے سالار اعلیٰ تائیس سال عمر کے ایک نوجوان اسمائہ تھے جو رسول کریم کے آزاد کیے ہوئے غلام زید بن حارثہ کے بیٹے تھے۔ زید بھی سالار تھے اور وہ موتہ کے معرکہ میں شہید ہو گئے تھے۔

یمن کو ایک خود ساختہ نبی سے نجات دلانے کے لیے بہت بڑے لشکر کی ضرورت تھی لیکن لشکر رومیوں کے خلاف لڑنے کے لیے جارہا تھا۔ اگر رومیوں پر حملہ طوی کر کے اس لشکر کو یمن بھیج دیا جاتا تو رومی یہ فائدہ اٹھا سکتے تھے کہ مدینہ پر حملہ کر دیتے۔ یہ خطرہ ٹول نہیں لیا جاسکتا۔ رسول اکرم نے دوسری صورت یہ سوچی کہ یمن میں جو مسلمان مجبوری کے تحت رہ گئے ہیں اور جنہوں نے اسود غسی کی اطاعت قبول کر لی ہے، انہیں اسود کا تختہ الٹنے کے لیے استعمال کیا جائے اس طریقہ کار کو حضور کے تمام سالاروں نے پسند کیا۔ اس مقصد کے لیے چند ذہین کم کے افراد کو یمن بھیجا جاتا تھا۔

رسول اکرم کی نظر انتخاب قیس بن ہبیرہ پر پڑی۔ آپ نے انہیں بلا کر یمن جانے کا مقصد بھیجا اور پوری طرح ذہن نشین کر لیا کہ انہیں اپنے آپ کو چھپا کر وہاں کے مسلمانوں سے ملنا ملنا ہے اور ایک زمیں دوز جاعت تیار کرنی ہے جو اس جھوٹے نبی اور عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے خود ساختہ بادشاہ کا تختہ اُٹالے۔ آپ نے قیس بن ہبیرہ سے یہ بھی کہا کہ وہ مدینہ سے اپنی روانگی کو بھی غصہ نہیں اور یمن تک اس طرح پہنچیں کہ انہیں کوئی دیکھ نہ سکے۔

اس خطرہ کو اور زیادہ مستحکم کرنے کے لیے رسول کریم نے دبر بن یحییٰ کو ایک خطا دے کر کہا کہ یمن میں کچھ مسلمان سردار موجود ہیں جنہوں نے مجبوری کے تحت اسود کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ یہ خطا انہیں پڑھوا کر ضائع کر دینا ہے اور باقی کام قیس بن ہبیرہ کریں گے۔

اسود غسی نے جب صنعاء پر حملہ کیا تھا تو وہاں کے حاکم شہر بن بازان نے مقابلہ کیا لیکن وہ شہید ہو گیا تھا۔ اُس کی حوال سال ہوئی جس کا نام آزار تھا، اسود کے ہاتھ چڑھ گئی۔ آزاد غیر معمولی طور پر حسین ایرانی عودت تھی۔ اُس نے اسود کو قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن اسود نے اُسے جبراً اپنی بیوی بنا لیا تھا۔ آزاد اب اس شخص کی اسیر تھی جس سے وہ اتنا دہرے کی نفرت کرتی تھی۔ اکیلی عورت گریہ کیا سکتی تھی۔ اُس کی خوش نصیبی صرف اتنی تھی کہ اسود عورتوں کا دلدادہ تھا۔ اُس نے اپنے حرم میں بیوی عورتیں رکھی ہوئی تھیں۔ اُسے سختے میں بھی نوجوان لڑکیاں ملا کرتی تھیں۔ وہ ہر وقت عورت اور لڑکے کے نشے میں بہت رہتا تھا۔

رسول اکرم کے پیچھے ہوئے قیس بن ہبیرہ چوری چھپے سفر کر کے اور یحییٰ بدل کر صنعاء پہنچے اسود نے صنعاء کو اپنا دار الحکومت بنالیا تھا اور دبر بن یحییٰ ایک مسلمان سردار کے ہاں خط لے کر پہنچ گئے۔

اس مسلمان سردار نے یہ یقین تو دلایا کہ وہ ایسے چند ایک مسلمان سرداروں کو اکٹھا کر لے گا جنہوں نے دل سے اسود کی اطاعت قبول نہیں کی لیکن اسود کا تختہ الٹنا محض نظر نہیں آتا کیونکہ وہ صرف بادشاہ ہی نہیں یمن کے باشندے اُسے اپنا ہی مانتے ہیں۔

قیس بن ہبیرہ ایک ایسے ٹھکانے پر پہنچ گئے جہاں رسول کریم کے شہرانی مسلمان موجود تھے۔ ان مسلمانوں نے بھی وہی بات کہی جو مسلمان سردار نے کہی تھی لیکن ان مسلمانوں نے ایسی کوئی بات نہ کہی کہ وہ اس زمیں دوز سرکاری میں شامل نہیں ہوں گے۔ انہوں نے پُر عزم لہجے میں کہا کہ وہ غصہ طریقے سے دفا دار مسلمانوں کو اکٹھا کر لیں گے۔

اہم اس جھوٹے نبی کو ختم کرنے کے لیے زیادہ انتہا نہیں کر سکتے۔ ایک مسلمان نے کہا: "جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے اس کی قبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ کیا تم لوگ یہ نہیں سوتح سے کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائے؟"

"قتل کر دے گا؟" ایک اور مسلمان نے پوچھا۔ "اور اسے کہاں قتل کیا جائے گا؟ وہ محل سے باہر نکلتا ہی نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ محل کے ارد گرد محافظوں کا بڑا سخت پہرہ ہوتا ہے۔" دیکھا کہ یمن کوئی ایسا آدمی نہیں جو اسلام کے نام پر اپنی جان قربان کر دے؟ قتل کا مشورہ دینے والے مسلمان نے پوچھا۔

"اس طرح جان دینے سے کیا حاصل کہ جسے قتل کرنا ہے اُس تک پہنچ ہی نہ سکیں؟" اُس زمانے کے کہا: "ابہر حال ہمیں غصہ طریقے سے یہ سحر میک چلانی ہے کہ کم از کم مسلمان بغاوت کے لیے تیار ہو جائیں۔"

اسود غسی نے یمن پر قبضہ کر کے پہلا کام یہ کیا تھا کہ ایران کے شاہی اور دیگر اعلیٰ خاندانوں کے ایرانی اُس کے ہاتھ چڑھ گئے تھے انہیں اُس نے مختلف طریقوں سے ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا تھا۔ ان کی حالت درضر و غلاموں سے بدتر کر دی گئی تھی لیکن اسود کی حکومت میں سب بڑی کمزوری یہ تھی کہ اُس کے پاس نہ کوئی تجربہ کار سالار تھا نہ کوئی کاروبار حکومت چلانے والا قابل آدمی تھا۔ یہ خطرہ تو وہ ہر لمحہ محسوس کرتا تھا کہ مسلمان اُس پر حملہ کریں گے۔ وہ خود عسکری ذہن نہیں لکھتا تھا اس کی کوپورا کرانے کے لیے اسے ایرانیوں کا ہی تعاون چاہنا پڑا۔

اُس کے سامنے تین نام آئے۔ ان میں ایک ایرانی کا نام قیس بن عبدلیوث تھا جو بازان کے قتل کا ناماٹھو سالار تھا۔ دوسرے دو حکومت چلانے میں مہارت رکھتے تھے۔ ایک تھافہ روز اور اسرار داؤد۔ فیروز نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ صحیح معنوں میں اور سچے دل سے مسلمان تھا۔ اسونے قیس بن عبدلیوث کو سالار اعلیٰ بنا دیا اور فیروز اور داؤد کو وزیر مقرر کیا۔ قیس بن عبدلیوث نے اسود کی دفا دار کی حالت اٹھایا اور اسے یقین دلایا کہ وہ ہر حالت میں اُس کے دفا دار رہیں گے۔

ایک روز فیروز باہر نکلیں گھوم پھر رہا تھا کہ ایک گداگر نے اُس کا راستہ روک لیا اور ہاتھ پھیلا دیا۔ "تو مجھے معذرت نظر نہیں آتا" فیروز نے اُسے کہا۔ "اگر تو معذرت دے تو یہی حذر دی ہی ہے۔"

کچھ میں غیرت اور خودداری نہیں؟

”تو نے ٹھیک پہچانا ہے۔“ گداگر نے اپنا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہا۔ ”میرے معذرتی ہے کہ میری غیرت مجھ سے چھن گئی ہے۔۔۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تیری بھی کئی معذرتی ہے۔ میں نے جھیک کے لیے ہاتھ نہیں پھیلا یا میں اپنی غیرت واپس مانگ رہا ہوں۔“

”اگر تو پاگل نہیں ہو گیا تو مجھے بتا کہ تیرے دل میں کیا ہے۔“ فیروز نے گداگر سے پوچھا۔ ”میرے دل میں اللہ کے اس رسول کا نام ہے جس کا نوشیدنی ہے۔“ گداگر نے فیروز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر اسود عیسیٰ کی شراب تیری روگ میں ملی نہیں گئی تو میں جھوٹ نہیں بولتا۔ تو نے دل پر تھکر رکھ کر اسود کی ذمہ داری قبول کی ہے۔“

فیروز نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ مدینہ کا مسلمان ہے لیکن اُسے یہ خطرہ بھی محسوس ہوا کہ اسود کا کوئی خیر بھی ہو سکتا ہے۔

”مت گھبراؤ فیروز!۔“ گداگر نے کہا۔ ”میں تجھ پر اعتبار کرتا ہوں تو مجھ پر اعتبار کریں تجھے اپنا نام بتا دیتا ہوں۔۔۔۔۔ قیس بن ہبیرہ۔۔۔۔۔ مجھے رسول اللہ نے بھیجا ہے۔“

”کیا تو سچ کہتا ہے کہ رسول اللہ نے تجھے میرے پاس بھیجا ہے؟“ فیروز نے اشیانی سے پوچھا۔ ”نہیں۔“ قیس نے کہا۔ ”رسول اللہ نے یہ کہا تھا کہ وہاں چلے جاؤ۔ اللہ کے سچے بندے مل جائیں گے۔“

”تجھے کس نے بتایا ہے کہ میں سچا مسلمان ہوں؟“ فیروز نے پوچھا۔ ”اپنے رسول کا نام سن کر رسالت کے شیدائیوں کی آنکھوں میں جو چمک پیدا ہو جاتی ہے وہیں نے تیری آنکھوں میں دیکھی ہے۔“ قیس نے کہا۔ ”تیری آنکھوں میں چمک کچھ زیادہ ہی آگئی ہے۔“ فیروز نے قیس سے کہا کہ وہ چلا جاتے۔ اُس نے قیس کو ایک اور جگہ بتایا کہ کجا کل سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے وہ وہاں بیٹھا گداگر کی صدا لگاتا رہے۔

اگلی شام فیروز اس جگہ سے گزرا جو اُس نے قیس بن ہبیرہ کو بتائی تھی۔ فیروز کے اشارے پر قیس گداگروں کے انداز سے اٹھ کر فیروز کے پیچھے پیچھے ہاتھ پھیلا کر چل پڑا۔ ”رسول خدا تم کو پیغام پہنچا دینا کہ آپ کے نام پر جان قربان کرنے والا ایک آدمی اسود عیسیٰ کے سامنے میں بیٹھا ہے۔“ فیروز نے چلتے چلتے ادھر ادھر دیکھ کر بغیر وحشی سی آواز میں کہا۔ ”اور میں حیران ہوں کہ اتنی لمبی طاقت کے باوجود رسول اللہ نے میں پر حملہ کیوں نہیں کیا۔“ ”ہر کل کا لشکر آروں میں ہمارے سر پر کھڑا ہے۔“ قیس نے کہا۔ ”ہمارا لشکر روٹیوں پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔ کیا ہم دو آدمی پورے لشکر کا کام نہیں کر سکیں گے؟“

”کیا تو نے یہ سوچا ہے کہ دو آدمی کیا کر سکتے ہیں؟“ فیروز نے پوچھا۔ ”قتل۔“ قیس نے جواب دیا اور کہنے لگا۔ ”مجھ سے یہ پوچھنا کہ اسود کو کس طرح قتل کیا جاتا ہے۔ کیا تو نے اپنے ہونٹوں کی جگہ تیرے دل سے یہ بات دیا ہے؟“

فیروز چلتے چلتے کہہ رہا تھا کہ اسود کو کس طرح قتل کیا جائے۔

”تو نے مجھے روشنی دکھا دی ہے۔“ اُس نے کہا۔ ”قتل کے سوا کوئی اور راستہ نہیں میری چپاڑو بہن کا نام لے کر تو نے میرا کام آسان کر دیا ہے۔ یہ کام میں کروں گا۔ تو اپنا کام کٹا رہ۔۔۔۔۔ جا قیس! زندہ رہے تو میں گے۔“

مورخوں نے لکھا ہے کہ فیروز کے دل میں اسود کی جو نفرت دبی ہوئی تھی وہ ابھر کر سامنے آگئی۔ اُس نے اسود عیسیٰ کے ایرانی سالار قیس بن عبد اللہ کو اور داؤد کو اپنا ہمراز بنایا۔ اسود کا قتل ایک وزیر کے لئے بھی آسان نہیں تھا جو اُس کے ساتھ رہتا تھا۔ اسود کے محافظ اُسے ہر وقت اپنے نرے میں رکھتے تھے۔ سوچ سوچ کر ان تینوں ایرانیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ آزاد کو اس کام میں شریک کیا جائے لیکن قتل آزاد کے ہاتھوں نہ کیا جاسکے۔

آزاد کو رسائی آسان نہیں تھی۔ اسود کو شک ہو گیا تھا کہ تینوں ایرانی اُسے دل سے پسند نہیں کرتے۔ اُس نے ان پر بھروسہ کم کر دیا تھا۔ آزاد اور فیروز کی دیلے بھی کبھی ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ آزاد کو پیغام پہنچانے کے لئے عورت کی ہی ضرورت تھی۔ ایک وزیر کے لئے ایسی عورت کا حصول مشکل تھا۔ فیروز نے عمل کی ایک ادھر عمر عورت کو اپنے پاس بلایا۔ وہ بھی مسلمان تھی۔ فیروز نے اُسے کہا کہ وہ اُسے اپنے گھر میں رکھنا چاہتا ہے۔ اگر وہ پسند کرے تو وہ اُسے اپنے ہاں لاسکتا ہے۔ فیروز نے اُسے کچھ لالچ دیا۔ ایک یہ تھا کہ اُس سے اتنا زیادہ کام نہیں لیا جائے گا جتنا اب لیا جاتا ہے۔ وہ عورت مان گئی۔ فیروز نے اُسی روز اُسے اپنے ہاں بلایا۔

ایک روز آزاد اکیلی بیٹھی تھی۔ وہ ہر وقت جلتی اور کڑھتی رہتی تھی۔ اُسے کوئی راہ فرار نظر نہیں آتی تھی۔ اس کیفیت میں فیروز کی وجہ خادمہ اُس کے پاس آتی۔

”میں کسی کام کے بہانے آتی ہوں۔“ خادمہ نے کہا۔ ”لیکن میں آتی دراصل تیرے پاس ہوں۔۔۔۔۔ کیا تو اپنے چچا زاد بھائی سے کبھی ملی ہے جو رحمن الامین کا وزیر ہے؟“

”کیا تو جاسوسی کرتی آتی ہے؟“ آزاد نے غصیلی آواز میں کہا۔ ”نہیں۔“ خادمہ نے کہا۔ ”مجھ پر یہ شک نہ کر کہ میں اس جھوٹے نبی کی خبر ہوں میرے دل میں بھی اسود کی اتنی ہی نفرت ہے جتنی تیرے دل میں ہے۔“

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ تو میرے پاس کیوں آتی ہے۔“ آزاد نے کہا۔ ”فیروز وزیر نے بھیجا ہے۔“ خادمہ نے کہا۔

”میں فیروز کا نام بھی نہیں سنا جاتا ہے۔“ آزاد نے کہا۔ ”اگر اُس میں غیرت ہوتی تو وہ اُس شخص کا وزیر نہ بنتا جس نے اُس کی چپاڑو بہن کو بوجہ کیا اور اُسے جبراً اپنی بیوی بنالیا ہے۔“ آزاد شاہی خانہ کی عورت تھی۔ وہ ان لوٹروں اور بلندوں کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اُس نے اندازہ کر لیا کہ عورت تجھ کی کرتے نہیں آتی۔ اُس نے خادمہ سے پوچھا کہ فیروز نے اُس کے لئے کیا پیغام بھیجا ہے۔ خادمہ نے بتایا کہ وہ اُس سے صرف ملنا چاہتا ہے۔ آزاد نے اُسے ایک جگہ بتا کر کہا کہ فیروز کے سامنے کو بیٹھا ہے۔

”لیکن ہمارے درمیان ایک دیوار حائل ہوگی۔ آزادانہ کہا۔ اس میں ایک جگہ ایک دروازہ ہے جس میں سلاخیں لگی ہوتی ہیں۔ فیروز سلاخوں کے دوسری طرف کھڑا ہو کر بات کر سکتا ہے۔“

خادم نے آزاد کا بیہوش فیروز کو دے دیا۔

اُسی رات فیروز محل کے ارد گرد کھڑی دیوار کے اُس مقام تک پہنچ گیا جہاں سلاخوں والا دروازہ تھا۔

سادر پہنچا۔ آزاد اُس کے انتظار میں کھڑی تھی۔

”تیری خادم پر مجھے اعتبار آگیا ہے۔ آزاد نے کہا۔ تجھ پر میں کیسے اعتبار کروں؟ میں نہیں مانوں گی کہ تو مجھے اس وحشی سے آزاد کرانے کی سوچ رہا ہے۔“

”کیا تو اس وحشی کے ساتھ خوش ہے؟“ فیروز نے پوچھا۔

”اس سے زیادہ قابل نفرت آدمی میں نے کوئی اور نہیں دیکھا۔ آزاد نے کہا۔ تیرا یہاں زیادہ دیر کھڑے رہنا ٹھیک نہیں۔ فوراً ہٹا دیجئے اتنے عرصے بعد میرا کیوں خیال آیا ہے؟“

”کیا اس وقت اسود کے ادھر آٹھ کا خطرہ ہے؟“ فیروز نے پوچھا۔ ”یا ابھی وہ نہیں۔۔۔۔“

”نہیں۔“ آزاد نے کہا۔ ”پہرہ داروں کا خطرہ ہے۔ اسود اس وقت شراب کے نئے میں بے ہوش پڑا ہے۔ اُس کے پاس خور تلوں کی کمی نہیں۔“

”میں صرف تجھے نہیں، پورے یمن کو آزاد کرواؤں گا۔“ فیروز نے کہا۔ ”لیکن تیری مدد کے بغیر میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔“

”مجھے بتا فیروز!۔ آزاد نے پوچھا۔ میں کیا کر سکتی ہوں؟“

”اُسی رات مجھے اسود تک پہنچا دے۔“ فیروز نے کہا۔ ”اگلے روز وہاں سے اُس کی لاش اٹھائی جائے گی۔۔۔ کیا تیرے کام کر سکتی ہے؟“

”کل رات اس وقت کے کچھ بعد اس دیوار کے باہر اُس جگہ آجانا جو میں تمہیں بتاؤں گی۔“

آزاد نے کہا۔ ”میرا کہہ اس دیوار کے بالکل ساتھ ہے۔ تم دیوار کی اور طریقے سے چھلانگ نہیں سو گے۔ کمند بھیجی پڑے گی۔ رستہ لیتے آنا۔ اسے دیوار کے اوپر سے اندر کو جھینکنا۔ میں اسے کہیں باندھ دوں گی۔ تم رستے سے اوپر آجانا۔“

اُسی رات فیروز اس طرح چھپتا چھپتا دیوار کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا کہ اُسے پہرہ دار کے گذر جانے تک چھپنا پڑا تھا۔ وہ اُس جگہ پہنچ گیا جو اُسے آزادانہ بتاتی تھی۔ اُس نے دیوار پر چھپنا کس کا اگلا سرا دوسری طرف نیچے تک چلا گیا۔ آزاد موجود تھی۔ اُس نے رستہ پکڑ لیا اور کہیں باندھ دیا۔ فیروز رستے کو پکڑا اور پاؤں دیوار کے ساتھ جانا دیوار پر چڑھ گیا۔ اُس نے رستہ دیوار پر باندھ دیا اور اس کی مدد سے نیچے اُتر گیا۔

آزاد اُسے اپنے کمرے میں لے گئی اور اُسی رات کے بعد تک اُسے کمرے میں ہی رکھا کیونکہ اسود کے بیدار ہونے کا خطرہ تھا۔

”اُسی رات کے بعد وہ بے ہوش اور بے سندھ ہو جاتا ہے۔“ آزاد نے کہا۔ ”یہ شخص انسانوں کے رویہ میں دلیہ ہے۔ ایسا دیو جو شراب پیتا اور عورتوں کو کھانا کھے۔۔۔ تم نے اس کی جہالت دیکھی ہے۔ اتنا لمبا اور چڑا جسم کو اس کے ایک دو وار تو شراب کی طرح پی جاتے گا۔ اسے ہلاک کرنا آسان نہیں ہوگا۔“

”اسے ہلاک کرنا ہے خواہ میں خود ہلاک ہو جاؤں۔“ فیروز نے کہا۔

آزاد نے کمرے کا دروازہ درسا کھولا اور باہر دیکھا۔ اس غلام گردش کے اگلے سرے پر ایک پہرہ دار کھڑا رہتا تھا۔ وہ سانسے کی طرح کھڑا نظر آ رہا تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ اس طرف اُس کی بیٹھ ہے۔

آزاد اپنے کمرے سے نکل گیا اور دہلے پاؤں اسود کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ علی روشنی والا ایک خانوں جل رہا تھا۔ اسود بیٹھ کے بلی بستر پر پڑا خراٹے لے رہا تھا۔

مؤرخ بلاذری نے اُس دور کی تحریروں کے دو حوالے دے کر لکھا ہے کہ آزاد جب اسود کو دیکھ کر دایں آئی تو اُس کا انداز ایسا تھا جیسے ایک شعلہ آیا ہو۔ یہ انتقام اور نفرت کا شعلہ تھا۔

”آؤ فیروز!۔ اُس نے کانپتی ہوتی آواز میں کہا۔ وہ بے ہوش پڑا ہے۔“

فیروز آزاد کے ساتھ کمرے سے نکل گیا اور دہلے پاؤں آزاد کے پیچھے اسود کے کمرے میں داخل ہوا۔ اسود جنگلی سانپ جیسا انسان تھا۔ کمرے میں شراب اور گناہوں کا نقش تھا۔ جانے ایسے کیوں ہوا، اسود بیدار ہو گیا۔ اپنے وزیر اور اپنی حسین اہلی بیوی کو دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ آزاد کو وہ قابل اعتماد سمجھتا تھا۔ فیروز کو دیکھ کر اُسے کچھ شک ہوا ہو گا۔

”اس وقت کیا مصیبت آگئی ہے؟“ اسود نے نشے سے لڑکھڑاتی ہوتی آواز میں پوچھا۔

فیروز نے ایک لمحہ ضائع نہ کیا۔ تلوار کھینچی اور پوری طاقت سے اسود کی گردن پر وار کیا۔ اسود نے گردن پھانسی اور تلوار اُس کے ننگے سر پر پڑی۔ اسود کے منہ سے چیخ اُٹھائی اور بستر سے لڑکھاکر دوسری طرف گرا۔

غلام گردش میں دوڑتے قدموں کی دھمک سنائی دی۔ آزاد تیزی سے باہر نکلی اور دروازہ بند کر دیا۔ پہرہ دار دروازہ آ رہا تھا۔ آزاد نے تیزی سے آگے بڑھ کر پہرہ دار کو روک لیا۔ کمرے سے اسود کی ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں۔

”واپس اپنی جگہ چلے جاؤ۔“ آزاد نے پہرہ دار کو حکمانہ لہجے میں کہا۔ ”جمن الیمین کے پاس فرشتہ آیا ہوا ہے۔ وحی نازل ہو رہی ہے۔۔۔ جاؤ، رادھ نہ آنا۔“

مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ پہرہ دار نے احترام سے سر جھکا لیا اور چلا گیا۔

آزاد اندر آئی تو دیکھا کہ اسود فرش سے اٹھ کر بستر پر گر رہا ہے اور فیروز دوسرے وار کے لئے آگے بڑھ رہا ہے۔ اسود بستر پر گر پڑا۔ اُس کا سر پلنگ کے بازو پر تھا اور سانڈوں کی طرح تلوار کا ہاتھ تھا۔

”تم اسے مار نہیں سکو گے فیروز!۔“ آزاد نے آگے بڑھ کر کہا اور اسود کے بال جو لیے تھے، دھڑکاتے ہوئے اسود کے پیچھے کھینچے اور وہ خود فرش پر بیٹھ گئی۔ ”اب فیروز۔۔۔ گردن کاٹ دو۔“

فیروز نے ایک ہی وار سے اسود کی گردن صاف کاٹ کر سر جسم سے الگ کر دیا۔ فیروز کے ہاتھوں میں سر بیٹھ گیا اور وہ خود فرشتہ کی طرح کھڑا ہو گیا۔ آزاد نے اسود کا سر اٹھایا اور ان دونوں کے ہاں چاہینچا۔ حافطوں اور پہرہ داروں کو ”جمن الیمین“ کے قتل کی خبر ملی تو انہوں نے محل کو گھیر کر نکلے لیا۔ آزاد فیروز کے ساتھ رہی۔ محل میں جگہ طرح گئی۔ جرم کی عورتوں کا جو سر چھپتا چھپتا باہر ہو گیا۔

اُسر رسول اللہ کے جیسے ہوئے قیس بن ہبیرہ اور دیرین قیس سر کردہ مسلمانوں کو بغاوت پر آمادہ کر

پچکے تھے اور دن رات زمیں دوڑ کر گریبوں سے مسلمانوں کے حوصلے کھال کر چکے تھے۔

ابھی صبح صادق میں کچھ وقت باقی تھا۔ محل کی چھت سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ لوگ حیران ہوئے کہ محل میں اذان؟ لوگ محل کی طرف دوڑے۔ اسود کی فوج حکم کی منتظر تھی لیکن حکم دینے والا قیس عبدالغوث تھا۔ وہی سپہ سالار تھا۔ اُس نے فوج کو باہر نہ آنے دیا۔

اسود کا سر محل کے باہر لٹکا دیا گیا۔ محل کی چھتوں سے دھماکا بلند ہو رہی تھی۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور اسود غسی کذاب ہے۔

اسود کے پیروکاروں پر خوف طاری ہو گیا اور مسلمان مسلح ہو کر نکل آئے اور انہوں نے مینیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

مصر کے مشہور صحافی اور سابق وزیر معارف محمد حسین بسکلی نے اپنی کتاب "ابو بکرؓ۔ صدیق اکبرؓ میں فیروز کی زبانی ایک روایت پیش کی ہے۔ فیروز نے کہا تھا:

"اسود کو قتل کر کے ہم نے وہاں کا انتظام پہلے کی طرح رہنے دیا، یعنی جس طرح اسود کے تسلط سے پہلے تھا۔ ہم نے قتل کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ معاذ بن جبل کو بلایا کہ وہ ہمیں باجماعت نماز پڑھائیں۔۔۔ ہم بے انتہا خوش تھے کہ ہم نے اسلام کے اتنے بڑے دشمن کو ختم کر دیا ہے، لیکن اچانک اطلاع ملی کہ رسول خدا وصال فرما گئے ہیں۔ اس خبر سے میں میں ابتری سی پھیل گئی۔"

فیروز کو مسلمانوں نے صفاء کا حاکم مقرر کر دیا۔

یہ واقعہ مئی ۶۳۲ء کا ہے۔ قیس بن ہبیرہ اور دربن بجنس جون ۶۳۲ء کے دوسرے ہفتے میں یمن و نجد پر چلے گئے کہ جہلمانی اپنے انہماک کو پہنچ گیا ہے اور یمن پر اسلامی پرچم اُڑا دیا ہے۔ لیکن مدینہ سے گوارا تھا۔ ۵ جون ۶۳۲ء (۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ) رسول خدا وصال فرما گئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر جوں جوں پھیلی گئی یہ جنگ کی آگ بجی ثابت ہوئی۔ جہاں پہنچی وہاں شعلے اٹھنے لگے۔ یہ شعلے بغاوت کے تھے۔ ایک تو اسلام کے دشمن تھے جنہوں نے اپنی خرابی سرگرمیاں تیز کر دیں، دوسرے وہ قبیلے تھے جنہوں نے صرف اس لیے اسلام قبول کیا تھا کہ ان کے سردار مسلمان ہو گئے تھے۔ ایسے قبیلے اتنے زیادہ نہیں تھے جنہوں نے سچے دل سے اسلام قبول کیا تھا۔ باقی تمام قبیلے اسلام سے نہ صرف منحرف ہو گئے بلکہ انہوں نے مدینہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور مدینہ پر حملے کی باتیں کرنے لگے۔

خلیفہ اہل حضرت ابو بکر صدیقؓ نے باغی قبیلوں کو پیغام بھیجے کہ وہ اسلام کو نہ چھوڑیں، قصاصد جہاں بھی گئے وہاں سے انہیں جواب دلا کہ ہمارا قبول اسلام صرف ایک شخص (رسول کریمؐ) کے ساتھ معاہدہ تھا۔ وہ شخص نہیں رہا تو معاہدہ بھی نہیں رہا۔ اب ہم آزاد ہیں اور ہم اپنا راستہ اختیار کریں گے۔

تمیز اور سب زیادہ خطرناک فتنہ مرتدین کا تھا۔ رسول کریمؐ کی زندگی میں ہی نبوت کے جھوٹے دعویدار پیدا ہو گئے تھے۔ ان کی پشت پناہی زوی، ایرانی اور یہودی کر رہے تھے۔ ان جھوٹے نبیوں میں ایک خوبی شترک تھی۔ وہ شعبہ باز اور جادوگر تھے شعبہ بازی اور جادوگری میں یہودی ماہر تھے اور عیسائی کا ذکر ہو چکا ہے۔ وہ بھی شعبہ باز تھا۔

نبوت کے دوسرے دعویدار طلحہ اور سلمہ تھے۔ سلمہ خاص طور پر شعبہ بازی میں مہارت رکھتا تھا۔ ایسے شعبہ سے پہلے کوئی نہ دیکھا سکتا تھا مثلاً وہ پرندے کے پر اس کے جسم سے الگ کر کے دکھاتا پھر پرندے اور پرندوں کو اکٹھے ہاتھوں میں لے کر اوپر پھینکتا تو پر پرندے کے ساتھ جوتے اور پرندہ اڑ جاتا تھا۔

سلمہ بصورت انسان تھا۔ اس کے چہرے پر ایسا تاثر تھا جیسے یہ انسان کا نہیں حیوان کا چہرہ۔ خود اہل بھی حیران ہو جیتے تھے۔ اس کا قد چھوٹا تھا چہرے کا رنگ زرد تھا لیکن اس کے جسم میں غیر معمولی طاقت تھی۔ اس کی آنکھیں غیر قدرتی طور پر چھوٹی اور ناک چوٹی تھی۔ یہ ایک جت سے آدمی کی تصویر تھی۔ کوئی بصورت انسان بھی پسند نہیں کر سکتا مگر جو عورت خواہ وہ کتنی ہی حسین اور سرکش کیوں نہ ہوئی اس کے قریب جاتی تو اس کی گردیدہ ہو جاتی اور اس کے اشاروں پر ناسچہ لگتی تھی۔ سلمہ نے رسول کریمؐ کی زندگی میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور دو قاصدوں کے ہاتھ ایک فغان الفاظ میں لکھا تھا:

"سلمہ رسول اللہ کی جانب سے محمد رسول اللہ کے نام۔ آپ پر سلامتی ہو بعد ازاں جو کہ میں رسالت میں آپ کا شریک بنایا گیا ہوں۔ اللہ نصف زمین میری ہے

اور نصرت قریش کی سحر قریش انصاف نہیں کر رہے۔

رسول اکرم نے خط پڑھا اور قاصدوں سے پوچھا کہ سیدہ کے اس عجیب غریب پیغام کے متعلق ان کی کیا رائے ہے۔

”ہم وہی کہتے ہیں جو خط میں لکھا ہے۔“ ایک قاصد نے جواب دیا۔

”خدا کی قسم! رسول اللہ نے کہا۔“ اگر قاصدوں کے قتل کو میں روا سمجھتا تو تم دونوں کے سر تن سے جدا کر دیتا۔“

آپ نے سیدہ کو اس کے خط کے جواب میں لکھوایا:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد رسول اللہ کی جانب سے، سیدہ کذاب کے نام، زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے متقی بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔“

اس کے بعد سیدہ کو سب کذاب کہنے لگے اور اسلام کی تاریخ نے بھی اسے سیدہ کذاب ہی کہا ہے۔

رسول خدا ان دنوں بستر علالت پر تھے۔ آپ نے ضروری سمجھا کہ جس شخص نے یہ جہارت کی ہے کہ رسول کریم سے زمین کا مطالبہ کر دیا ہے، اس کی سرگرمیوں اور لوگوں پر اس کے اثرات کو فوراً ختم کیا جائے۔ آپ کی نگاہ ایک شخص نہارا الرجال پر پڑی۔ اس شخص نے اسلام قبول کر کے دین کی تعلیم حاصل کی تھی۔ قرآن کی آیات پر اسے عبور حاصل تھا اور وہ عالم و فاضل کہلانے کے قابل تھا۔

رسول مقبول نے اس شخص کو بلا کر ہدایات دیں کہ وہ میاں مہر جائے اور لوگوں کو اسلامی تعلیم دے۔ آپ نے الرجال کو اچھی طرح سمجھایا کہ سیدہ کے اثرات زائل کرنے میں تاکہ خون خرابیہ بغیر ہی شخص گنہگار اور اس کا دعویٰ بے اثر ہو جائے۔ رسول اللہ کے حکم کی تعمیل میں الرجال کو اپنے

سیدہ بن حبیب جو سیدہ کذاب کے نام سے مشہور ہوا تھا، رات کو اپنے دربار میں بیٹھا تھا اور کا دو پرل رہا تھا۔ دربار میں اس کے قبیلے کے سرکردہ افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سب اسے کارسول مانتے تھے۔ اس نے اپنے مذہب کو اسلام ہی کہا تھا لیکن کچھ پابندیاں بٹھادی تھیں اس نے اپنی ایک آیت گھر کو اپنے پیو کا دل کو سنانی اور کہا کہ اس پر وہی نازل ہوئی جتنی حلال ہے۔ دیگر عیش و عشرت کو بھی اس نے حلال قرار دے دیا تھا۔

اس کا دربار جنت کا منظر پیش کر رہا تھا۔ نہایت حسین اور جوان لڑکیاں اس کے دائیں بائیں بیٹھی تھیں اور وہ اس کے پیچھے کھڑی تھیں۔ سیدہ کی لڑکی کے بالوں پر ہاتھ پیر کر اور کسی گالوں کو تھپک کر اور کسی کے زانو پر ہاتھ رکھ کر بات کرتا تھا۔

ایک آدمی دربار میں آیا۔ وہ بیٹھا نہیں کھڑا رہا۔ سب نے اس کی طرف دیکھی۔ سیدہ نے اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہی نہ سمجھی ہو۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کسی کے لئے بیٹھا تھا۔

کا مگر وہ کھڑا رہا۔

ایک تو مگر پرہیزگار دینے آیا ہے؟ سیدہ نے اسے کہا۔ ”یا نوالہ اللہ کے رسول کے حکم کے بغیر نہ جانا۔“

”اللہ کے رسول! اس آدمی نے کہا۔“ ایک خبر لایا ہوں۔۔۔۔ مہینہ سے ایک آدمی آیا ہے۔ وہ بہت دنوں سے یہاں ہے اور وہ ان لوگوں کو جنہوں نے کبھی اسلام قبول کیا تھا، بتاتا پھر رہا ہے کہ سچا رسول محمد ہے اور باقی سب کذاب ہیں۔ میں نے خود اس کی باتیں سنی ہیں۔ اس کا ہنار الرجال ہے۔“

”ہنار الرجال؟“ دربار میں بیٹھے ہونے دو آدمی بیک وقت بولے پھر ایک نے کہا۔

”ہمسائوں کے رسول کا منظور نظر ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ اس کے پاس علم ہے۔“

”ایسے شخص کو زندہ نہ چھوڑیں۔“ دربار میں بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے گرج کر کہا۔

”اے خدا کے رسول! ایک اور آدمی نے اٹھ کر کہا۔“ کیا تو مجھے اجازت نہیں دے گا کہ میں اس شخص کا سر کاٹ کر تیرے قدموں میں رکھ دوں؟“

”نہیں۔“ سیدہ کذاب نے کہا۔ ”اگر وہ عالم ہے اور اس نے محمد کے قرآن کی تعلیم حاصل کی ہے تو میں اسے کون کا کہ میرے دربار میں آئے اور مجھے جھوٹا ثابت کرے۔ میں اسے قتل نہیں ہونے دوں گا۔۔۔۔ اسے کل رات میرے پاس لے آنا۔ اسے یقین دلانا کہ اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔“

الرجال کو سیدہ کے ایک آدمی نے کہا کہ اسے ”اللہ کے رسول“ سیدہ بن حبیب نے اپنے ہاں مدعو کیا ہے۔

”کیا وہ میرے قتل کا انتقام نہیں کریں گے؟“ الرجال نے کہا۔ ”میں اسے اللہ کا رسول نہیں مانتا۔ کچھ پرہیزگار نہیں کہ میں اس کا حکم مانوں۔“

”وہ جہاں چاہے شخص قتل کر سکتا ہے۔“ سیدہ کے اہلچلنی نے کہا۔ ”اس میں یہ طاقت بھی ہے کہ کچھ لوگ مار دے تو تیرا جسم مڑو ہو جائے لیکن وہ تجھے زندہ دیکھنا اور نصرت کرنا چاہتا ہے۔ مسلمانوں نے الرجال سے کہا کہ وہ اس کذاب کے ہاں نہ جائے۔“

”میری زندگی اور موت کا سوال نہیں۔“ الرجال نے کہا۔ ”یہ صداقت اور کذب کا سوال ہے۔ اگر ایک کذاب کو صدق سے بہرہ ور کرنے میں میری جان ملی جاتی ہے تو یہ سودا اہم گناہ نہیں۔“

”میں آؤں گا۔“ الرجال نے کہا۔ ”آج ہی رات آؤں گا۔ سیدہ سے کہنا کہ تو اگر سچا نبی ہے تو اپنے وعدے سے پھر نہ جانا۔“

انچھی نے سیدہ کذاب کو الرجال کا جواب بتایا۔ الرجال میاں مہر کے قلعے میں رہتا تھا مشہور توخ بنی نے اسے لکھا ہے کہ سیدہ اپنے خاص دھانوں کے لیے بڑا خوشنما خیمہ نصب کر آیا کرتا تھا جس کی تخت چھین کر بیٹھتی تھی۔ خیمہ اندر سے بڑے دلفریب طریقوں اور کپڑوں سے سجایا جاتا تھا۔ صحرا کی آواز نہ ہوتی تھیں اس لیے سیدہ خیمے میں بڑا خوبصورت آئینہ دان رکھوایا کرتا تھا۔ اس آئینہ دان

میں وہ کوئی چیز باایسی جڑی بوٹی رکھ دیا کرتا تھا جس کی خوشبو عطر کی طرح ہوتی تھی لیکن یہ خوشبو نہ
پرایسا اثر کرتی تھی جیسے اس خیمہ میں سونے والے کو پہننا تاڑ کر لیا گیا ہو۔ میلہ کا ٹکڑا یہ سونے والا
نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ میلہ کے اشاروں پر ناپنے لگتا تھا خود میلہ پر اس کا یہ اثر نہیں ہوتا تھا۔
میلہ کذاب کو جب اطلاع ملی کہ الرجال آ رہے تو اس نے اپنا مخصوص خیر نصیب کر لیا
اور اس میں وہ تمام انتظامات کو رد دیتے جو وہ کرایا کرتا تھا۔ اُس نے رات کے لیے آتش دال
بھی رکھوا دیا۔

الرجال آیا تو میلہ نے باہر کمر اُس کا استقبال کیا۔

”تم ایک رسول کے بھیجے ہو تے آدمی ہو“۔ میلہ نے کہا۔ ”اور میں بھی رسول ہوں اس
لیے تمہارا احترام میرا فرض ہے۔“

”میں صرف اُسے رسول ماننا ہوں جس نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔“ الرجال نے کہا۔
”اور میں تمہیں یہ کہتے ہوئے نہیں ڈروں گا کہ تم کذاب ہو۔“
میلہ مسکرایا اور الرجال کو خیمے میں بے گیا۔

تاریخ میں اس سوال کا جواب نہیں ملتا کہ خیمے میں میلہ اور الرجال کے درمیان کیا باتیں ہوئی
کیسی سودا بازی یا یہ کیسا شیعہ باجاوہ تھا کہ الرجال جب اگلی صبح خیمے سے نکلا تو اُس کے منہ سے
پہلی بات یہ نکلی کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میلہ اللہ کا سچا رسول ہے اور اس پر وحی نازل ہوتی ہے،
اُس نے یہ بھی کہا۔ ”میں نے مجھ کو بھی یہ کہتے سنا ہے کہ میلہ سچا ہی ہے۔“

الرجال کی حیثیت صحابی کی تھی اسی لیے مسلمانوں نے اُس پر اعتبار کیا۔ الرجال بنو حنیفہ سے
تعلق رکھتا تھا۔ الرجال کا اعلان سن کر بنو حنیفہ کے لوگ جو درجہ جو میلہ کو اللہ کا رسول مان کر
اُس کی بیعت کو آ گئے۔

تورج لکھتے ہیں کہ میلہ نے یہ سوچ کر الرجال کو قتل نہیں کرایا تھا کہ وہ عالم ہے اور صحابی کا درجہ
رکھتا ہے۔ اگر اسے ہاتھ میں لے لیا جائے تو بیعت کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے
گا۔ چنانچہ اس شخص کو ہاتھ میں لینے کے لیے آتش دان کا اور اپنی زبان کا جاوہ چلایا اور الرجال کو
اپنا دست راست بنا لیا۔

الرجال نے میلہ کی چھوٹی نبوت میں روح چھونک دی۔ اکثر ماہر باپ اپنے نوزائیدہ بچہ کو
رسول کو حرم کے پاس لایا کرتے تھے اور آپ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ الرجال نے
میلہ کذاب کو مشورہ دیا کہ وہ بھی نوزائیدہ بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا کرے۔ میلہ کو یہ بات اچھی
لگی۔ اُس نے کئی نوزائیدہ بچوں اور بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ تو رخنوں نے لکھا ہے کہ یہ بچے
جب سن بوجھت میں داخل ہوئے تو ان کے سر پر کے بال اس طرح جھڑ گئے کہ کسی مرد یا عورت
کے سر پر ایک بھی بال نہ رہا۔ اُس وقت تک میلہ کو مرے ہوئے زمانہ گزر گیا تھا۔



اس دوران ایک عورت نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس کا نام سجاح تھا۔ وہ احبارت کی بیٹی تھی
اُسے اُس سادہ بھی کہا جاتا تھا۔ اُس کی ماں عراق کے ایک قبیلے سے تھی اور باپ بنو ربیعہ سے تعلق رکھتا

تھا۔ احبارت اپنے قبیلے کا سردار تھا۔ سجاح بچپن سے خود سارا لڑکا و خیال تھی۔ وہ چونکہ سرداروں کے
خاندان میں جنمی پتی تھی اس لئے دوسروں پر حکم چلانا اُس کی سرشت میں شامل تھا۔ وہ غیر معمولی طور پر ذہین اور
عقل مند لڑکی۔ ایک دو صورتوں نے لکھا ہے کہ وہ عیب دان بھی تھی اور وہ آنے والے حالات کو قبل از وقت
جان لیتی تھی۔ اس کے متعلق اختلاف رائے بھی پایا جاتا ہے لیکن یہ بات سب نے متفقہ طور پر یہی ہے کہ
سجاح قدرتی طور پر شاعری تھی۔ سب بات منظوم کرتی تھی۔ اُس کی زبان میں چاشنی تھی۔ اُس کی ماں کا قبیلہ عیسائی
تھا اس لیے سجاح نے بھی عیسائیت کو ہی پسند کیا۔

سجاح کے کالوں میں یہ خبریں پڑیں کہ طلیحہ اور سلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور لوگ اُن کی
بیعت کر رہے ہیں تو اُس نے بھی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ وہ جوان ہو چکی تھی۔ خدا نے اُسے دیگڑا و صاف کے علاوہ
خوش بھی دیا تھا۔ اُس کے سراپا میں اور چہرے پر ایسا تاثر تھا کہ لوگ مسحور ہو کر اُسے بنی مان لیتے تھے بہت
سے لوگ اُس کی شاعری سے متاثر ہوتے۔

وہ صرف نبی بن کے کہیں بیٹھنا نہیں چاہتی تھی۔ اُس نے اپنے پیروکاروں کی ایک فوج تیار کر
لی اور بنی تمیم کے ماں جانچنی۔ ان قبائل کے جو سردار تھے، وہ رسول اکرم کے مقرر رکھے ہوئے تھے۔ یہ
تھے زربقان بن بدر، قیس بن عاصم، وکیع بن مالک اور مالک بن نویرہ۔ سجاح نے مالک بن نویرہ کو اپنے
پاس بلا لیا اور اُسے کہا کہ وہ مدینہ کو تہ تیغ کرنے آئی ہے اور بنی تمیم اُس کا ساتھ دیں۔

مالک بن نویرہ نے اُسے بتا کر کہ قبیلے اُسے پسند نہیں کرتے۔ پہلے انہیں زیر کرنا ضروری ہے۔
سجاح زیر کرنے کا مطلب کچھ اور سمجھتی تھی۔ اُس کے پاس اچھا خاصا لشکر تھا۔ مالک نے اس میں اپنی فوج
شامل کر دی اور قبیلوں کی لہٹیوں پر حملہ آور ہوئے۔ قبیلے ان کے آگے ہتھیار ڈالتے چلے گئے لیکن سجاح نے
انہیں یہ کہنے کی بجائے کہ اُسے بنی مائیں، اُن کے گھر لوٹ لے اور اُن کے مویشی چھین لے۔ اس مال غنیمت
سے اُس کا لشکر بہت خوش ہوا۔

اُس کی ٹوٹ مار کی شہرت دور و دور تک پھیل گئی۔ سجاح ایک تمام نیا بنی جنی اور اس علاقے کی
بہنوں میں ٹوٹ مار شروع کر دی لیکن یہ قبیلے متحد ہو گئے اور سجاح کو شکست ہوئی۔ وہ ایک اور بڑا لشکر پانچویں
تھی لیکن اُسے ایک مجبوری کا سامنا تھا۔ اُس کے لشکر کے کئی سرداروں کو نیا بنی کے قبیلوں نے پکڑ کر قید
میں ڈال دیا تھا۔ سجاح نے اپنا اچھی ان قیدیوں کی رہائی کے لیے بھیجا۔

”پہلے اس علاقے سے کوچ کرو“ قبیلوں کے سرداروں نے لہجی سے کہا ”تمہیں ہمارے قیدی
لی باتیں گئے۔“

سجاح نے یہ شرط قبول کر لی اور اپنے سرداروں کو آزاد کر کے اُس علاقے سے نکل گئی۔ اُس
کے سرداروں نے اُس سے پوچھا کہ اب کدھر کا ارادہ ہے۔

”یہاں“۔ سجاح نے کہا۔ ”وہاں میلہ بن حبیب کوئی شخص ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا
ہے۔ اُسے تھوڑی دیر میں لوگ پر رکھنا ضروری ہے۔“

”لیکن یہاں کے لوگ جنگ و جدل میں بہت سخت ہیں۔“ ایک سردار نے اُسے کہا۔ ”اور
میلہ بڑا طاقتور ہے۔“

سجاح نے کچھ اشعار پڑھے جن میں اُس نے اپنے لشکر سے کہا تھا کہ ہماری منزل یہاں ہے

مسلمہ کذاب نے اپنے جاسوسوں کو دور دور تک پھیلایا ہوا تھا۔ اُسے اطلاع دی گئی کہ ایک لشکر میمانہ کی طرف بڑھا آ رہا ہے۔ مسلمہ نے معلوم کر لیا کہ یہ سحاح کا لشکر ہے۔ اُس نے الرجال کو بلایا۔

”کیا تم نے سنا ہے کہ سحاح کا لشکر آ رہا ہے الرجال؟“ مسلمہ نے کہا۔ ”کیوں نہیں اس سے لڑنا نہیں چاہتا۔ تم جانتے ہو کہ اس علاقے میں مسلمانوں کی فوج موجود ہے جس کا سپہ سالار عمر ہے۔ کیا ہمارے لئے یہ بہتر نہیں ہو گا کہ سحاح اور عمر کی ٹکڑ ہو جائے اور جب دونوں لشکر آپس میں لڑتے ہوں، اُس وقت ہم اُس پر حملہ کر دیں؟“

”اگر اُن کی ٹکڑ نہ ہوتی تو تم کیا کر دو گے؟“ الرجال نے کہا۔

”پھر میں سحاح کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر دوں گا“ مسلمہ نے کہا۔

صورت وہی پیدا ہو گئی۔ سحاح اور عمر کی دہلیزیں ایک دوسرے سے بے خبر ہیں اور سحاح کے بائیں قریب آگئی۔ مسلمہ نے اپنا ایک اچھی سحاح کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ سحاح اُسے ملنے اُس کے پاس آئے تاکہ دوستی کا معاہدہ کیا جاسکے۔ سحاح نے جواب بھیجا کہ وہ آ رہی ہے لیکن پہلو قبل از وقت اطلاع ل گئی کہ سحاح اپنے لشکر کو ساتھ لے کر آ رہی ہے۔ اُس نے سحاح کو پیغام بھیجا کہ سحاح کو ساتھ لانے سے میں یہ سمجھوں گا کہ تم دوستی کی نیت سے نہیں آ رہی ہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہتی ہو اپنے چند ایک محافظوں کو ساتھ لے آؤ۔

”یار رسول!“ مسلمہ کے ایک درباری نے اُسے کہا۔ ”سنا ہے سحاح کا لشکر اتنا بڑا ہے کہ ہمارہ کی وہ اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔“

”اور یہ بھی سنا ہے۔“ ایک اور نے کہا۔ ”کہ وہ قتل و غارت اور لوٹ مار کر کے آگے چلی جاتی ہے۔ اُس سے وہی محفوظ ہے جو اُس کی نبوت کو تسلیم کر لیتا ہے۔“

”کیا تم مجھے ڈرا رہے ہو؟“ مسلمہ نے پوچھا۔ ”کیا تم مشورہ دینا چاہتے ہو کہ اپنی نبوت سے دستبردار ہو کر اُس کی نبوت کو تسلیم کر لو؟“

”میں اللہ کے رسول!“ اُسے جواب ملا۔ ”ہمارا مطلب احتیاط سے ہے۔ وہ کوئی پناہ دینا نہ دکھا جاتے۔“

مسلمہ نے ہنسنے لگا اور بولا۔ ”تم شاید میری صورت دیکھ کر یہ مشورہ دے رہے ہو کہ تم مجھے کوئی ایسی عورت دکھا سکتے ہو جو میرے پاس آتی ہو اور میری گرویدہ نہ ہو گئی ہو؟... سحاح کو اُنے دو۔ وہ آئے گی، جاتے گی نہیں اور وہ زندہ بھی رہے گی۔“



وہ گئی اور وہ لشکر کے بغیر آئی۔ ہمارے لوگوں نے اُسے دیکھا اور آوازیں سنائی دیں۔ ”اتنی خوبصورت اور اتنی طرحدار عورت پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی.... اگر نبوت سُن رہتی ہے تو اس عورت کو نبوت مل سکتی ہے۔“

اُس کے ساتھ چالیس محافظ تھے جو اعلیٰ نسل کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ایک سے ایک خوبصورت

جوان تھا۔ کمر سے تلواریں لٹک رہی تھیں اور اُن کے ہاتھوں میں برنجیاں تھیں۔ سحاح جب قلعے کے دروازے پہنچی تو دروازہ بند تھا۔ اُسے دیکھ کر بھی کسی نے دروازہ نہ

کھولا۔

”یہ ایسا آدمی خدا کا رسول ہو سکتا ہے جو مہمان کو بلا کر دروازہ بند رکھتا ہے؟“ سحاح نے بلند آواز سے کہا۔ ”کیا وہ نہیں جانتا کہ وہ اُس عورت کی توہین کر رہا ہے جسے خدا نے نبوت عطا کی ہے؟ معزز مہمان!“ قلعے کے اوپر سے آواز آئی۔ ”تم پر سلامتی ہو۔ ہمارے رسول نے کہا ہے کہ محافظ باہر ہیں اور مہمان اندر آ جاتے۔“

”دروازہ کھول دو۔“ سحاح نے دیری سے کہا اور اپنے محافظوں سے کہا۔ ”تم سب قلعے سے دور چلے جاؤ۔“

”لیکن ہم ایک اجنبی پر کیسے اعتبار کر سکتے ہیں؟“ محافظ دہلے کے سردار نے کہا۔ ”اگر سورج غروب ہونے تک میں واپس نہ آئی تو اس قلعے کو جلے کا ڈھیر بنا دینا۔“ سحاح نے کہا۔ ”اور اس شہر کے ایک بچے کو بھی زندہ نہ چھوڑنا۔ میری لاش کو مسلمہ اور اس کے خاندان کے خون سے نہ ملکر مریں دفن کر دینا.... لیکن مجھے یقین ہے کہ میں قلعے سے کچھ لے کر نکلوں گی۔“

محافظ چلے گئے اور دروازہ کھل گیا مگر اُس کے استقبال کے لیے مسلمہ موجود نہیں تھا۔ اُس کے حکم کے مطابق دروازے پر کھڑے دو گھوڑ سوار اُسے قلعے کے صحن میں لے گئے جہاں ایک چکرور خیمہ نصب تھا۔ اس کے ارد گرد درخت اور پودے تھے اور نیچے گھاس تھی۔ سحاح کو خیمے میں داخل کر دیا گیا۔ اندر کی سجاد نے اُسے مسحور کر دیا مگر مسلمہ وہاں نہیں تھا۔ وہ بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد مسلمہ خیمے میں داخل ہوا۔ سحاح نے اُسے دیکھا تو اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اس مسکراہٹ میں مسخ تھا۔ سحاح نے اتنا بد صورت آدمی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اتنے پھوٹے قد کا آدمی شاد و نادر ہی کبھی نظر آتا تھا۔

”کیا تم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟“ سحاح نے اُس سے طنز پر لہجے میں پوچھا۔ ”خوبی کرنا کچھ اور بات ہے!“ مسلمہ نے سحاح کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ”یہ تمہارے کہیں خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ میں محمد کو رسول نہیں مانتا لیکن اُس نے اپنی رسالت منوال ہے۔ لوگ اس لیے مان گئے ہیں کہ قبائل قدیش کی تعداد اور طاقت بہت زیادہ ہے۔ انہوں نے اب دوسروں کے علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا ہے۔“

طبری نے چند ایک حوالوں سے لکھا ہے کہ مسلمہ نے سحاح کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اُس کے ہونٹوں پر دلغری مسکراہٹ تھی۔ بہت عرصہ بعد سحاح نے کسی موقع پر کہا تھا کہ اُس نے اُن چھوٹی آنکھیں میری آنکھوں میں ڈالیں تو مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے ٹھنکنا سایہ بد صورت آدمی پر اور اس ایک اثر میں کہ آنکھوں کے راستے میرے وجود میں اُتر رہا ہے۔ مجھے اطمینان سا ہونے لگا کہ یہ شخص مجھے قتل نہیں کرے گا۔ کوئی وقت اور گزرا تو اس احساس نے مجھے بے بس کر دیا کہ

ہیں اس کے وجود میں سما جاؤں گی اور میرا وجود ختم ہو جائے گا۔

”اگر تم نبی ہو تو کوئی الہامی بات کہو۔“ سجاد نے اُسے کہا۔

”تم نے کبھی سوچا ہے تم کس طرح پیدا ہوئی تھیں؟“ مسیلمہ نے ایسے انداز سے کہا جیسے شعر پڑھ رہا ہو۔ ”تم نے شاید یہ بھی نہیں سوچا کہ جس طرح تم پیدا ہوئی تھیں اسی طرح تم بھی انسان کو پیدا کرو گی مگر تمہا نہیں.... مجھے خدا نے بتایا ہے۔“ اُس نے قرآن کی آیات کی طرز سے الفاظ بولے۔ ”وہ ایک زندہ وجود سے زندہ وجود پیدا کرتا ہے۔ پیٹ سے، استرغزل سے۔ خدا نے مجھے بتایا ہے کہ عورت مانند ظرف کے ہے جس میں کچھ ڈال کر نکالا جاتا ہے ورنہ ظرف بیکار ہے۔“

سجاد مسحور ہوتی چلی گئی۔ مسیلمہ شاعروں کے لب و لہجے میں باتیں کرتا رہا۔ سجاد نے محسوس ہی نہ کیا کہ سیدہ اس کے جذبات کو مشتعل کر رہا ہے اور وہ یہ بھی محسوس نہ کر سکی کہ سورج غروب ہو چکا ہے۔

”مجھے یقین ہے کہ تم آج رات یہیں رہنا چاہو گی۔“ مسیلمہ نے کہا۔ ”اگر چہ سے دیکھنے میں تو تم دن ہو اور میں رات ہوں مگر تم نے اس پر بھی غور نہیں کیا ہو گا کہ دن پر رات کیوں غالب آجاتی ہے اور دن اپنا سورج رات کی تاریک گود میں کیوں ڈال دیتا ہے۔ یہ روز ہوتا ہے۔ اس کا وقت مقرر ہے۔ رات سورج کی چمک دمک کو کھ نہیں جاتی۔ بڑے سے پیار سے اُسے جگا کر دوسرے افق پر رکھ دیتی ہے۔“

”ہاں مسیلمہ!۔“ سجاد نے کہا۔ ”میرا جی چاہتا ہے کہ میں ماں لوں کہ تم سچے نبی ہو۔ اتنا بد صورت آدمی اتنی خوبصورت باتیں نہیں کر سکتا۔ کوئی غیبی طاقت ہے جو تم سے اتنی اچھی باتیں کر رہی ہے۔“ وہ چونک پڑی اور بولی۔ ”سورج غروب ہو گیا ہے۔ اگر میں نہ نکلے گا دیوار پر کھڑے ہو کر اپنے جی فقلوں کو یہ بتایا کہ میں زندہ ہوں تو تنہا ہی بستی کی گلیوں میں خون بہنے لگے گا۔“

مسیلمہ نے اُسے اپنے دو منظر فقلوں کے ساتھ قلعے کی دیوار پر بھیج دیا اور خیمے میں رکھا ہوا آتش دان جلانے کا حکم دیا۔ فانوس بھی روشن ہو گئے۔ مسیلمہ نے آتش دان میں چھوٹی سی کوئی چیز دکھائی کرے میں خوش ہو چھینے لگی۔

سجاد واپس خیمے میں آئی تو اُس پر غدار سا طاری ہو گیا۔ وہ عام سی عورتوں کی طرح رومان انگیز باتیں کرنے لگی۔

”کیا یہ اچھا نہیں ہو گا کہ ہم میاں بیوی بن جائیں؟“ مسیلمہ نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

”اس سے اچھی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔“ سجاد نے مخمور سی آواز میں جواب دیا۔ صبح ملاوٹ ہوئی تو سجاد اس انداز سے ہانہ نکلی جیسے وہاں اپنی پسند کے دولہا کے ساتھ ازدواجی زندگی کی پہلی رات گذار کے نکلی ہو۔ قلعے میں شادیاں بنے بچنے لگے۔ سجاد کے لشکر تک بیخبر

نبی کہ سجاد نے مسیلمہ کے ساتھ شادی کر لی ہے۔

نبی شادی اسلام کے لیے بہت بڑا خطرہ بن گئی۔ ارتداد کے دو لشکر متحد ہو گئے۔ لیکن یہ اتحاد جلد ہی ٹکری کی طرح مسیلمہ نے سجاد کو دھوکہ دیا اور وہ دل برداشتہ ہو کر عراق اپنے قبیلے میں چلی گئی۔ مسیلمہ نے اپنے لیے ایک بہت بڑے خطرے کو ختم کر دیا تھا۔ سجاد کو اتنا صدمہ ہوا کہ وہ بہت کے دعوے سے دستبردار ہو گئی۔ بعد میں وہ مسلمان ہو گئی اور کوڑ چلی گئی تھی۔ اُس نے بڑی لمبی عمر باقی اور متقی اور پارسا مسلمان کی حیثیت سے مشہور رہی۔



رسول اکرم کے وصال کے ساتھ ہی ہر طرف بغاوت اور عہد شکنی کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک طوفان مہاجرین کے اپنے ہاں اٹھا۔ یہ خلیفہ اول کے انتخاب کا مسئلہ تھا۔ خلافت کے امیدواروں نے اپنا اپنا حق بتایا اور کچھ نواسی بھی پیدا ہو گیا۔ ابو بکرؓ نے آخری فیصلہ حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہؓ پر چھوڑا اور کہا کہ یہ دونوں جسے پسند کریں اُسے سب خلیفہ مان لیں۔

”آپ مہاجرین میں سب سے افضل ہیں۔“ عمرؓ اور ابو عبیدہؓ نے آپس میں بات کر کے فیصلہ ابو بکرؓ کے حق میں دیا اور اُن سے کہا۔ ”غار میں آپ رسول اللہؐ کے رفیق اور نماز پڑھانے میں ان کے قائم مقام رہے ہیں۔ دین کے احکام میں نماز سب سے افضل ہے۔ ہمیں ایسا کوئی شخص نظر نہیں آتا جو آپ سے بڑتر ہو۔ بلاشبہ آپ خلافت کے حقدار ہیں۔“ سب سے پہلے عثمانؓ نے آگے بڑھ کر ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد ابو عبیدہؓ اور ان کے بعد شہزاد بن سعد نے بیعت کی۔ جب اعلان عام ہوا کہ خلیفہ اول ابو بکرؓ ہوں گے تو لوگ بیعت کے لیے دوڑے آئے۔

سیدہ خدیجہؓ میں بیعت عام ہوئی۔ ابو بکرؓ نے پہلا خطبہ خلافت دیا۔ ”لوگو! خدا کی قسم میں نے خلافت کی خواہش کبھی نہیں کی تھی، نہ کبھی دل میں نہ کبھی ظاہری طور پر اس کے لیے اللہ سے دعا کی تھی، لیکن اس دُور سے یہ بوجھ اپنے ناکوں کندھوں پر اٹھایا کہ اختلاف جھگڑے کی صورت اختیار نہ کر جائے، ورنہ خلافت اور امارت میں مجھے کوئی راحت نظر نہیں آتی۔ ایک بوجھ مجھ پر ڈال دیا گیا ہے جسے اٹھانے کی طاقت مجھ میں کم ہے۔ اللہ کی مدد کے بغیر میں اس بوجھ کو اٹھا نہیں سکتوں گا۔ مجھے تم نے اپنا امیر بنایا ہے۔ میں تم سے بہتر اور بڑتر تو نہ تھا۔ اگر میں کوئی اچھا کام کروں تو میری مدد کرو۔ کوئی غلطی اگر کروں تو مجھے روک دو۔ تم میں سے جو کمزور ہے، میں اسے طاقتور سمجھتا ہوں۔ میں اُسے اُس کا حق دلاؤں گا۔ تم میں سے جو طاقتور ہے، اُسے میں کمزور سمجھوں گا اور اُسے اس حق سے محروم کر دوں گا جس کا وہ حقدار نہیں۔ میں جب تک اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو۔ اگر میں انحراف کروں تو میرا ساتھ چھوڑ دینا۔“



خلیفہ اول ابوبکرؓ نے سب سے پہلا یہ حکم دے کر کہ اسامہؓ کا لشکر رومیوں کے خلاف بلائے گا۔ سب کو چڑکا دیا۔ یہ موقع کسی اور جنگی مہم کے لیے موزوں نہ تھا۔ رومیوں پر حملہ ہمت بڑی جنگ تھی جس میں مسلمانوں کی پوری جنگی طاقت کی ضرورت تھی لیکن دوسری طرف یہ صورت پیدا ہو گئی کہ بیشتر قبیلوں نے دھرتی بغاوت کر دی تھی بلکہ بعض نے مدینہ پر حملے کے لیے متحد ہونا شروع کر دیا تھا۔ یہودی اور نصرانی خاص طور پر مدینہ کے خلاف سرگرم ہو گئے۔ اس کے علاوہ جموں کے پیغمبروں نے اہل مہذبانیہ لیے تھے۔ طلیحہ اور خصوصاً مسیلہ توجہ کی طاقت بن گئے تھے۔ اسلام ہمت بڑے خطرے میں آ گیا تھا۔

ابوبکرؓ کے حکم کا پس منظر یہ تھا کہ تنوک اور موتہ کے معرکوں کے بعد رسول اکرمؐ نے یہ فروری سمجھا تھا کہ رومیوں پر حملہ کر کے ان کا دم ختم توڑا جائے۔ تنوک اور موتہ کے معرکوں میں تو یہ کامیابی حاصل کی گئی تھی کہ ان قبیلوں کو مطیع کر لیا گیا تھا جن کا خطرہ تھا کہ وہ رومیوں کے ساتھ اتحاد کر لیں گے اب رومیوں کو ختم کرنا فروری تھا۔ یہ فیصلہ ملک گیری کی خاطر نہیں بلکہ نظر باقی دفاع کے لیے کیا گیا تھا۔ یہودی اور نصرانی اسلام کے خلاف رومیوں کے تحریک میں چلے گئے تھے۔

رسول اللہؐ نے رومیوں پر حملے کے لیے ایک لشکر تیار کیا تھا جس میں مجاہدین اور انصار کے بزرگ افراد بھی شامل تھے۔ اس لشکر کے سپہ سالار زید بن حارثہ کے بیٹے اسامہؓ تھے۔ ان کی عمر مشکل میں ساتھی بزرگوں نے لکھا ہے کہ اسامہؓ کو رسول اکرمؐ نے اس لیے سپہ سالار مقرر کیا تھا کہ نوجوانوں میں قیادت کا شوق پیدا ہو اور اپنے آپ میں اسامہؓ جیسی صلاحیتیں پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

اسامہؓ کو رسول اکرمؐ ویسے بھی بہت چاہتے تھے۔ اسامہؓ کے والد زید بن حارثہ جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تھے۔ اسامہؓ میں لوگوں میں بی عسکری صلاحیتیں اور شجاعت پیدا ہوئی تھی۔ جنگ احد کے وقت اسامہؓ اپنے تھے اس لیے اس جنگ میں شریک نہ ہو سکے لیکن ان کی اسکو مدینہ سے روانہ ہوا تو اسامہؓ راستے میں کہیں چھپ کر بیٹھ گئے۔ جب لشکر ان کے قریب سے گذرا تو وہ لشکر میں شامل ہو گئے۔ ان کی مراد بھی پوری نہ ہوئی۔ انہیں میدان جنگ میں دیکھ لیا گیا اور واپس بھیج دیا گیا۔ البتہ جنین کی جنگ میں انہوں نے سب کو دکھا دیا کہ شجاعت کیا ہوتی ہے۔

جب رسول مقبولؐ نے اسامہؓ کو رومیوں پر حملہ کرنے والے لشکر کی سپہ سالاری سونپی تھی تو بعض لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ جس لشکر میں ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسے اعلیٰ حیثیت اور تجربہ کے بزرگ شامل ہیں، اس لشکر کی سپہ سالاری کل کے بچے کو دینا مناسب نہیں۔

یہ اعتراض رسول اللہؐ تک اُس وقت پہنچا جب آپؐ زندگی کے آخری سچا منہ مبتلا تھے۔ آپؐ میں بولنے کی بھی سکت نہیں تھی۔ آپؐ نے بخدا سے دعا کی کہ اسے اپنی ازواج سے کہا کہ آپؐ کو شغل لائیں۔ آپؐ پر پانی کے سات مشابیر نہ ڈالے گئے۔ اس سے بخدا خاسا کم ہو گیا۔ نہ طاقت زیادہ تھی، پھر بھی آپؐ میں چلے گئے جہاں ہمت سے لوگ موجود تھے جن میں اعتراض کرنے والے سرکردہ افراد بھی تھے۔

”اے لوگو! رسول اللہؐ نے فرمایا۔“ اسامہؓ کے لشکر کو کوچ کرنے دو۔ تم نے اُس کی سپہ سالاری برا متراض کیا ہے۔ تم نے اس کے باپ کی سپہ سالاری پر بھی اعتراض کیا تھا میں اسامہؓ کو اس منصب کے قابل

سمجھتے ہوں۔ اس کے باپ کو بھی میں نے اس منصب کے قابل سمجھا تھا، اور تم نے دیکھا کہ میں نے سپہ سالاری اُسے سونپ کر قطعی نہیں کی تھی۔“

اعتراض ختم ہو گیا اور رومیوں کے خلاف لشکر کوچ کر گیا لیکن جوف کے مقام پر پہنچا تو اطلاع ملی کہ رسول اکرمؐ کی ہماری تشویش کا موت اعتبار کر گئی ہے۔ اسامہؓ میں نوجوانوں میں ہی بزرگوں جیسی دور اندیشی پیدا ہو گئی تھی۔ انہوں نے لشکر کو جوف کے مقام پر روک لیا اور خود رسول اللہؐ کو دیکھنے مدینہ آئے۔ ایک تحریر میں اسامہؓ کا بیان ان الفاظ میں ملتا ہے:

”اطلاع ملی کہ رسول اللہؐ کی حالت بگڑ گئی ہے تو میں اپنے چند ایک ساتھیوں کے ساتھ مدینہ آیا۔ ہم سیدھے رسول اللہؐ کے حضور گئے۔ آپؐ پر نقابت طاری تھی، اتنی پرکول بھی نہ سکتے تھے۔ آپؐ نے دو زین بار ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف کئے اور ہر بار ہاتھ میرے اوپر رکھ دیئے میں سمجھ گیا کہ حضورؐ میرے لیے دعا کر رہے ہیں۔“

دوسرے درجہ اسامہؓ پھر آپؐ کے حضور گئے اور کہا۔ ”یا رسول اللہؐ! لشکر جوف میں میرا منظر ہے۔ اجازت فرمائیے۔“

رسول اللہؐ نے ہاتھ اوپر اٹھائے مگر ہاتھ زیادہ نہ اٹھ سکے۔ ضعف بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔ اسامہؓ دل پر ہم کا بوجھ سمجھوں میں آنسو لے کر روانہ ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد رسول اکرمؐ وصال فرما گئے۔ قاصد اسامہؓ کے نیچے دوڑا اور راستے میں جا لیا۔ اسامہؓ نے حضورؐ کے وصال کی خبر سنی کھڑا سر پٹ دوڑا۔ اپنے لشکر تک پہنچے حضورؐ کے وصال کی خبر نے لشکر میں کھرام بپا کر دیا۔ اسامہؓ لشکر کو مدینہ لے آئے۔



خلیفہ اول کی بیعت ہو چکی تھی۔ انہوں نے اسامہؓ کو بلا کر کوچ کر رسول اللہؐ نے انہیں کیا حکم دیا تھا۔ ”یہ حکم تو آپؐ کو بھی معلوم ہے۔“ اسامہؓ نے جواب دیا۔ ”مجھ سے ہی سنا ہے تو سن لیں۔ رسول اللہؐ نے حکم دیا تھا کہ میں فلسطین میں بقاء اور دوام کی سرحد سے آگے جا کر رومیوں پر حملہ کروں لیکن وہاں تک لشکر اس طرح پہنچے کہ دشمن کو حملہ تک لشکر کی آمد کی خبر تک نہ ہو سکے۔“

”جاؤ اسامہؓ!۔“ ابوبکرؓ نے کہا۔ ”اپنا لشکرے جاؤ اور رسول اللہؐ کے حکم کی تعمیل کرو۔“

لشکر کو جب یہ حکم ملا تو ابوبکرؓ پر اعتراض نہ ہونے لگے۔ سب کہتے تھے کہ جب ہر طرف سے خطروں کے طوفان نے گھیر لیا ہے، اتنی بڑی جنگ، اور وہ بھی اتنی دور شروع نہیں کرنی چاہیے۔ اس لشکر کی ان فتنوں کی سرکوبی کے لیے ضرورت ہے جو بڑی تیزی سے اٹھ رہے ہیں۔

”قسم ہے اُس لشکر میں کہ ہاتھ میں بری جان ہے۔“ ابوبکرؓ نے کہا۔ ”اگر مجھے جنگ کے ذمہ سے ہجر نہ پھاڑنے کے لئے آجائیں تو بھی میں اسامہؓ کے لشکر کو نہیں روکوں گا۔ میں اُس حکم کی خلاف ورزی کسی طرح کر سکتا ہوں جو رسول اللہؐ نے اپنی زندگی میں دیا تھا۔ میں اگر مدینہ میں بلا کر آؤں تو بھی میں اس لشکر کو نہیں روکوں گا۔“

”تم پر سلامتی ہو ابوبکرؓ!“ عرض نے کہا۔ ”اعتراض نہ کرنے والے بھی کہتے ہیں کہ لشکر کو بھیجنا ہی۔“

سپہ سالاری اسامہؓ کی سچائی کسی تجزیہ کار آدمی کو دیں۔

”اے ابن خطاب!“ ابوبکرؓ نے جواب دیا۔ ”کیا تم بھول گئے ہو کہ اسامہؓ کو رسول اللہؐ نے سپہ سالار مقرر کیا تھا؟ کیا تم جرأت کرو گے کہ رسول اللہؐ کے حکم کو منسوخ کر دو؟“

”جی ایسی جرأت نہیں کروں گا۔“ عرض نے کہا۔ ”مجھ میں اتنی جرأت نہیں۔“

یہ کہانی چونکہ "شعشیر بے نیام" کی ہے اس لیے ہم وہ واقعات بیان کریں گے جن کا تعلق خالد بن ولید سے ہے۔ رسول اللہ نے خالد کو "اللہ کی تلوار" کہا تھا۔

رسول اللہ کے لشکر کے متعلق اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ انہوں نے صرف چالیس دنوں میں رومیوں کے خلاف وہ کامیابی حاصل کر لی جو رسول اکرم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اسامہ سپہ سالاری کے ہر پہلو پر پورے آئے اور جب وہ نئیاب ہو کر مدینہ میں آئے تو ان سب نے انہیں گئے لگایا جنہوں نے ان کی سپہ سالاری پر اعزاز میں کئے تھے۔ دوسری بڑی جنگ مرتدین کے خلاف تھی۔ ابو بکر نے اپنی فوج کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصے کے سالار مقرر کئے اور ان کے لیے حملاً مقرر کر دیئے یعنی ہر سالار کو ایک ایک علاقہ بتا دیا گیا جہاں انہیں حملہ کرنا تھا۔ اس تقسیم میں ابو بکر نے خاص طور پر خیال رکھا تھا کہ ہر دشمن کی طاقت اور لڑنے والی فوج دیکھ کر اس کے مطابق سالار مقرر کئے جائیں۔ سب سے زیادہ طاقتور اور مکار دشمن تھے۔ ایک ملیح اور دوسرا سیدہ۔ ان دونوں نے نبوت کا دعویٰ کر کے ہزار ہائیروکار پیدا کر لیے تھے۔ خالد بن ولید کو ابو بکر نے حکم دیا کہ وہ طلیحہ کی مستبدوں پر حملہ کریں اور اس سے نارس ہو کر بطاح کا رخ کریں جہاں بنی تمیم کے سردار مالک بن نویرہ نے بغاوت کر دی تھی۔

تمام سالار اپنے اپنے محاذوں اور محلوں کو روانہ ہو گئے۔ خالد اپنی ہم کے علاقہ میں حسبِ اہمیت اتنی تیزی سے اپنے گوشن کو خیر باد نہ ہوئی۔ انہوں نے کچھ مستبدوں کو گھیرے میں لیا تو خالد کے پاس کچھ آدمی آئے اور انہیں بتایا کہ بعض قبیلہ طلیحہ کے فریب کا شکار ہیں۔ ان کی خونریزی مناسب نہیں ہوگی۔ اگر خالد ذرا انتظار کریں تو قبیلہ لُحی کے کم و بیش پانچ سو آدمی خالد کے دست میں شامل ہو جائیں گے۔

خالد نے انتظار کیا اور یہ آدمی قبیلہ لُحی کے پانچ سو آدمی لے آئے جو بلججہ کے قبیلہ اور اس کے زیرِ اثر قبیلوں کے خلاف لڑنے پر آمادہ تھے۔ وہ سب ہو کر آئے تھے۔ اسی طرح قبیلہ جابلہ بھی خالد کے ساتھ لگ گیا۔ طلیحہ کو پتہ چلا تو بہت گھبرا لیا لیکن ایک شخص عیینہ اس کے ساتھ وہ بنی فرائہ کا سردار تھا۔ اس کے دل میں مدینہ والوں کے خلاف اتنا عناد تھا کہ اس نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ مدینہ والوں کی حکومت کو کسی قیمت پر تسلیم نہیں کر سکتا۔ غزوہ بدر اسبابِ ایمان جن میں لشکروں نے مدینہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، ان میں سے ایک لشکر کا سالاری شخص عیینہ بن حصن تھا۔ رسول اکرم نے اپنے اس اصول کے مطابق گوشن کو تیاری کی حالت میں بلکڑو، مدینہ سے نکل کر ان تینوں لشکروں پر حملہ کر دیا تھا۔ سب سے زیادہ نقصان عیینہ کے لشکر کو اٹھانا پڑا تھا۔ اس نے مجبور ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا لیکن اسلام کے خلاف مکرگرم رہا۔

خالد کو پتہ چلا کہ طلیحہ کے ساتھ عیینہ سے تو انہوں نے عہد کیا کہ ان دونوں کو نہیں بخشیں گے۔

خالد نے پیش قدمی سے پہلے اپنے دو آدمیوں — عکاشہ بن معن اور ثابت بن اقرم انصاری — کو لشکر سے الگ بھیج دیا کہ وہ دشمن کی نقل و حرکت یا کوئی اور بات دیکھیں جو لشکر کی پیش قدمی کے کام آئے تو بھیجے اطلاع دیں۔ دونوں چلے گئے اور خالد انہیں ہتھکڑیوں کے ساتھ بڑھتے گئے۔ بہت دور جا کر ان دونوں میں سے کوئی بھی واپس آنا نہ دیکھا گیا۔

کچھ اور آگے گئے تو تین لاشیں بڑی ملیں جو خون میں نہانی ہوئی تھیں۔ دو لاشیں انہی دو آدمیوں — عکاشہ و ثابت — کی تھیں جنہیں خالد نے آگے بھیجا تھا۔ تیسری لاش کسی انجی کی تھی۔ بعد میں جو انکشاف ہوا (طبری اور قاضی)

"میری سن ابن خطاب! — ابو بکر نے کہا —" اپنی قوم کو دیکھ۔ پوری قوم غم سے منہمال ہے۔ غم کے ساتھ ساتھ ایک خوف ہے جو ہر کسی کے دل میں اترتا جا رہا ہے۔ یہ خوف ان بغاوتوں کا ہے جو ہمارے ارد گرد اٹھ رہی ہیں۔ ہر طرف ایک خیر کرتی ہے کہ آج فلاں قبیلہ باقی ہو گیا ہے۔ لیکن قبیلہ اسلام سے خوف نہ گئے ہیں۔ اسلام بھی خطرے میں آگیا ہے مدینہ بھی۔ یہودیوں اور نصاریوں نے بڑی خوفناک افواہیں پھیلائی شروع کر دی ہیں۔ ان سے اور زیادہ خوف پھیل رہا ہے۔ اگر ہم نے رومیوں پر حملہ روک لیا تو وہ نقصان ہوں گے۔ ایک یہ کہ قوم کچھ گی کہ ہم کمزور ہو گئے ہیں۔ دوسرا نقصان یہ کہ رومی اور مجوسی ہیں کمزور سمجھ کر ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔ میں قوم کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم کمزور نہیں ہو گئے۔ رسول اللہ کی روح مقدس ہمارے ساتھ ہے۔ ہمارا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ میں قوم کے حوصلے اور جذبے پہلے کی طرح مضبوط رکھنا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ کے نقش قدم پر چلنا میرا فرض ہے۔ عمر کو اس استدلال نے مطمئن کر دیا۔ ابو بکر نے کوچ کا حکم دے دیا۔

اسامہ کا لشکر روانہ ہوا تو ابو بکر کچھ دوڑ تک پیدل ہی ساتھ چل پڑے۔ اسامہ گھوڑے پر سوار تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک سپہ سالار اور وہ بھی نوجوان، گھوڑے پر سوار تھا اور طلیحہ اس کے ساتھ ساتھ پیدل جا رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ ہر کسی کو کھانا چاہتے تھے کہ سپہ سالار اسامہ تنظیم و تکریم کے قابل ہے۔

"اے خلیفہ رسول! — اسامہ نے کہا —" آپ گھوڑے پر سوار ہو جائیں یا میں آپ کے ساتھ پیدل چلوں گا۔" "میں رومیوں کا غم نہ پیدل چلوں گے۔" ابو بکر نے کہا۔ "میں روحانی تسکین محسوس کر رہا ہوں کہ اللہ کی راہ کی گز میرے پاؤں پر بھی پڑ رہی ہے۔"

عمر بھی لشکر میں شامل تھے۔ ابو بکر کو محسوس ہوا کہ انہیں مدینہ میں عمر کی ضرورت ہوگی۔ "اسامہ! — خلیفہ نے سپہ سالار سے کہا —" اگر تم اجازت دو تو میں عمر کو مدینہ میں رکھ لوں۔ مجھے اس کی ضرورت ہوگی۔"

اسامہ نے عمر کو لشکر سے نکال کر واپس جانے کی اجازت دے دی۔ ابو بکر بہت بڑھے تھے۔ ایک بگڑ

جنگ گئے۔ اسامہ نے لشکر کو روک لیا۔ ابو بکر نے ذرا بلند ہو کر کھڑے ہو کر لشکر سے خطاب کیا: "اسلام کے مجاہد! میں تمہیں دس نصیحتیں کرتا ہوں۔ انہیں یاد رکھنا۔ خیانت کرنا، بھڑی نہ کرنا، چوری نہ کرنا، دشمن کی لاشوں کے اعشاء نہ کرنا، پتھریں اور عمدتوں کو قتل نہ کرنا، بگھروں اور عیہوں کے درخت نہ کاٹنا، کھانے کی غرض کے سوا کسی جانور کو ذبح نہ کرنا، تمہیں دوسرے مذاہب کی عبادت گاہیں نظر آئیں گی جن میں تارک الدنیا لوگ بیٹھے ہوں گے انہیں پریشان نہ کرنا کسی ہستی کے لوگ زبردستی میں تمہارے لیے کھانا لائیں گے۔ یہ کھانا اللہ کا نام لے کر کھانا نہیں ایسے لوگ بھی ملیں گے جنہوں نے اپنے رسول میں شیطان کے گھونٹے بندھے ہیں۔ ان کے رسول کے درمیان کا حقد — جہاں ہوا ہوگا اور باقی بال بہت لمبے لمبے ہوں گے۔ انہیں قتل کر دینا اپنی حقیقت اللہ کے نام سے کرنا۔ نہ لافظ مجاہد! اللہ تمہیں شکست اور دبا سے محفوظ رکھے۔" لشکر کی مدینہ سے روانگی کی تاریخ ۲۴ جون ۶۲۲ء (یکم ربیع الثانی ۱۱ ہجری) تھی۔

اس کی بیوی اونٹ پر چڑھ بیٹھی۔

”یو!۔“ طلیحہ نے اپنے قبیلے سے کہا۔ ”میری طرح جس کے پاس بھانسنے کا انتظام ہے وہ اپنے بیوی بچوں کو لے کر بھاگ جائے۔“

اس طرح اس کذاب کا فتنہ ختم ہو گیا۔ عرب کے دورِ خلافت میں طلیحہ نے ان کے ہاتھ پر سمیت کی اور مسلمان ہو گیا تھا۔



خاندانہ نے اور کئی قبیلوں کو مطیع کیا اور انہیں ارتداد کی کڑی سزا دی۔ ان پر اپنی شرطیں عائد کیں۔ اسلام سے جو منحرف ہو گئے تھے، انہیں دوبارہ حلفِ گوبش اسلام کیا۔ طلیحہ کی نبوت کو بھی خاندانہ نے ختم کر دیا اور عینہ جو یہودیوں سے بڑھ کر مسلمانوں کا دشمن تھا، ایسا بھاگا کہ اُس نے عراقِ باد میں ایامِ اُسس کا زہر ا بھی پی پیچھ رہ گیا تھا۔ یہ زہر ایک عورت کی شکل میں تھا جو سلمے کہلاتی تھی۔ اس کا پورا نام اُتم زہل سلمیٰ بنت مالک تھا۔

سلمیٰ بنو فزارہ کے سرداروں کے خاندان کی ایک مشہور عورت اُتم قرظہ کی بیٹی تھی۔ رسولِ کریم کی زندگی کا واقعہ ہے کہ زید بن حارثہ (اسامہ کے والد) بنی فزارہ کے علاقے میں سے جانکے۔ یہ قیدی مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ وادی القریٰ میں زید کا سامنا بنی فزارہ کے چند آدمیوں سے ہو گیا۔ زید کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی تھے۔ بنی فزارہ کے ان آدمیوں نے ان سب کو قتل کر دیا اور زید کو ٹکڑے کر کے آئے۔ وہ ٹکڑے پڑتے مریض پہنچ گئے۔ جب ان کے زخم ٹھیک ہو گئے تو رسولِ اکرم نے انہیں باقاعدہ فوجی دستے دے کر بنی فزارہ پر حملے کے لیے بھیجا تھا۔

مسلمانوں نے بنی فزارہ کے بہت سے آدمیوں کو ہلاک اور کچھ کو قید کر لیا۔ جب بڑی خوزیر تھی ان قیدیوں میں اُتم قرظہ خاندانہ بنت بدر بھی تھی۔ اس عورت کی شہرت یہ تھی کہ اپنے قبیلے کے علاوہ دوسرے قبیلوں کو بھی مسلمانوں کے خلاف خطرہ کافی رہتی تھی۔ اسے مدینہ لا کر سزا موت دے

دی گئی۔ اس کے ساتھ اس کی کسین بیٹی اُتم زہل سلمیٰ بھی تھی۔ رسولِ کریم نے یروش کی اُتم المؤمنین خاندانہ صدیقہ کے حوالے کر دی۔ اسے پیار سے رکھا گیا مگر وہ ہر وقت اُداس رہتی تھی۔ عائشہ صدیقہ نے اس پر رحم کرتے ہوئے اسے آزاد کر دیا۔

بھائے اس کے کہ سلمیٰ مسلمانوں کی شکر گزار ہوئی کہ اُسے کو ملتی نہ رہنے دیا گیا اور آزاد کر کے اُسے اس کی اونچی حیثیت میں واپس بھیج دیا گیا ہے اس نے اپنے دل میں اپنی ماں کے حق کا انتقام رکھ لیا اور جنگی تربیت حاصل کرنے لگی۔ وہ سرداروں کے خاندان کی لڑکی تھی۔ اُسے شہادت کے جہم بھی پیدا ہو گئے۔ اس نے مسلمانوں کے خلاف ایک لشکر تیار کر لیا اور مدینہ کے قریب بے پرواؤں سے لگی، مگر مسلمان ایک جنگی قوت بن چکے تھے اس لیے سلمیٰ مدینہ کے قریب آئے نہ تھیں۔

اب طلیحہ اور عینہ کو شکست ہوئی تو سلمیٰ میدان میں آ گئی۔ اُس کی ماں عینہ کی جیسا زہر بھی تھی۔ انہیں نے خاندانہ سے مل کر ملی تھی، انہیں یہ لڑائی بڑی مہنگی پڑی تھی جو بیچ گئے تھے وہ ادھر ادھر

کے مطابق کر یہ دونوں آگے جا رہے تھے۔ راستے میں انہیں ایک شخص حبال مل گیا۔ ایک مورخ کا بل اینڈرکس ہے کہ حبال طلیحہ کا جانی تھا لیکن بھری اور قاتل اسے طلیحہ کا جیتھیا لکھتے ہیں۔ عکاشہ اور ثابت نے اسے لٹا کر کو قتل کر دیا۔

اس کی اطلاع طلیحہ کو مل گئی۔ وہ اپنے بھائی سلمہ کو ساتھ لے کر گیا۔ عکاشہ اور ثابت ابھی اور آگے جا رہے تھے طلیحہ اور سلمہ نے گھات لگائی اور دونوں کو مقابلے کی مہلت دینے بغیر قتل کر دیا۔

خاندانہ آگ بگولہ ہو گئے اور طلیحہ کی مٹی پر جاوے۔ عینہ طلیحہ کی فوج کی کمان کر رہا تھا اور طلیحہ ایک غیبی نبی بنا بیٹھا تھا۔ عینہ نے مسلمانوں کا تہر اور غضب دیکھا تو اپنے لشکر کو لڑا چھوڑ کر طلیحہ کے پاس گیا۔ وہ طلیحہ کو سچا نبی مانتا تھا۔

”یا نبی!“ عینہ نے طلیحہ سے پوچھا۔ ”مشکل کا وقت آن پڑا ہے۔ جبریل کوئی وحی لائے ہیں؟“

”ابھی نہیں۔“ طلیحہ نے کہا۔ ”تم لڑائی جاری رکھو۔“

عینہ دھڑکتا گیا اور لڑائی میں شامل ہو گیا۔ مسلمانوں کا تہر اور ٹھک گیا تھا۔ خاندانہ کی چالیں جھوٹے نبی کے لشکر کے پاؤں اکھاڑ رہی تھیں۔ عینہ ایک باہر طلیحہ کے پاس گیا۔

”یا نبی!“ اُس نے طلیحہ سے پوچھا۔ ”کوئی وحی نازل ہوئی؟“

”ابھی نہیں۔“ طلیحہ نے کہا۔ ”تم لڑائی جاری رکھو۔“

”وحی کب نازل ہوگی؟“ عینہ نے بھنجھلا کر پوچھا۔ ”تم کہا کرتے ہو کہ مشکل کے وقت وحی نازل ہوتی ہے۔“

”خاندانہ میری دعا پہنچ گئی ہے۔“ طلیحہ نے کہا۔ ”وحی کا انتظار ہے۔“

عینہ اپنے لشکر میں چلا گیا مگر اب اُس کا لشکر خاندانہ کے گہرے میں آ گیا تھا۔ عینہ گھبراہٹ کے عالم میں ایک باہر طلیحہ کے پاس گیا اور اسے اپنے لشکر کی کیفیت بتا کر پوچھا کہ وحی نازل ہوئی ہے یا نہیں۔

”ہاں۔“ طلیحہ نے جواب دیا۔ ”وحی نازل ہو چکی ہے۔“

”کیا؟“

”بیکر۔“ طلیحہ نے جواب دیا۔ ”مسلمان بھی جنگ لڑ رہے ہیں، تم بھی جنگ لڑ رہے ہو۔ تم اس وقت کو بھی نہ بھول سکو گے۔“

عینہ کو کچھ اور توقع تھی لیکن طلیحہ نے اُسے مایوس کر دیا۔ اُسے یہ بھی پتہ چل گیا کہ طلیحہ جھوٹ بول رہا ہے۔

”لاذیب ایسے ہی ہوگا۔“ عینہ نے غصے سے کہا۔ ”وہ وقت جلدی آ رہا ہے جسے تم ساری عمر میں بھول سکو گے۔“

عینہ دھڑک بابر گیا اور چلتا چلتا اپنے قبیلے سے کہنے لگا۔ ”اے بنو فزارہ! طلیحہ کذاب ہے۔ جھوٹے نبی

کے پیچھے جاؤ۔ مت گناؤ۔ جھاکو۔ اپنی جانیں بچاؤ۔“

بنو فزارہ تو بھاگ اُٹھے، طلیحہ کے اپنے قبیلے کے لوٹنے والے لوگ طلیحہ کے خیمے کے ارد گرد جمع ہو گئے۔

خاندانہ شہر دیکھنے لگے۔ طلیحہ کے خیمے کے ساتھ ایک گھوڑا اور ایک اونٹ تیار کھڑے تھے۔ قبیلہ طلیحہ

پر چھوڑا تھا کذاب کیا حکم۔ طلیحہ کی بیوی جس کا نام لوار تھا، اس کے ساتھ تھی طلیحہ گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

بھاگ گئے تھے۔ ان میں غطفان، طہی، بنو سلیم اور ہوازن کے بعض سرکردہ لوگ سلمیٰ کے ہاں پناہ
اور عہد کیا کہ سلمیٰ اگر ان کا ساتھ دے تو وہ مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے غائب زبان کر
دیں گے۔ سلمیٰ تو موقع کی تلاش میں تھی۔ وہ تیار ہو گئی اور چند دنوں میں اپنا لشکر تیار کر کے روانہ
ہو گئی۔



اُس وقت خالد بن ابیہ میں تھے جہاں انہوں نے طہیہ کو شکست دی تھی۔ انہیں اطلاع ملی
کہ بنو فزہ کا لشکر آ رہا ہے۔ خالد نے اپنے دستوں کو تیار کر لیا۔

جس طرح سلمیٰ کی ماں اپنے جنگی اونٹ پر سوار ہو کر لشکر کے آگے آگے چلا کرتی تھی، اسی
طرح سلمیٰ بھی اپنے لشکر کے آگے آگے تھی۔ اُس کے ارد گرد ایک سو شتر سواروں کا گھیرا ہوا
تتواروں اور برچیوں سے مسلح تھے۔ یہ لشکر جوش و خروش بلکہ فہم اور غضب کے لہرے لگاتا تھا۔
خالد نے انتظار دیکر دشمن اور قریب آئے۔ اُن کے ساتھ نفری تھوڑی تھی۔ وہ دشمن کو اتنی
مہلت نہیں دینا چاہتے تھے کہ وہ حملے کی ترتیب یا قبیلہ تعداد مسلمانوں کو نفری کی افراط کے بل بوتے
پر گھیرے میں لینے کی پوزیشن میں آئے۔ خالد نے تہہ لہنے کے انداز سے حملہ کر دیا۔ انہیں معلوم
تھا کہ دشمن کا لشکر سفر کا تھکا ہوا ہے۔ خالد نے دشمن کی اس جسمانی کیفیت سے بھی فائدہ اٹھایا۔
سلمیٰ جو ایک سو جاندار شتر سواروں کے حفاظتی زرخ میں تھی، اشتغالِ انگیر الفاظ سے اپنے
لشکر کے جوش و خروش میں جان ڈال رہی تھی۔ مورخ لکھتے ہیں کہ بنو فزہ نے خالد کو بڑا ہی
سخت مقابلہ دیا۔ نفری تھوڑی ہونے کی وجہ سے خالد مجبور سے ہوتے جا رہے تھے اور دشمن
کے حوصلے بڑھتے جا رہے تھے۔ سلمیٰ کی مددکار اور الفاظِ جلتی پرنیل کا کام کر رہے تھے۔

خالد نے سوچا کہ صرف یہ عورت ماری جائے تو بنو فزہ کے قدم کھڑ جائیں گے۔ انہوں
نے اپنے چند ایک منتخب جانباڑوں سے کہا کہ وہ سلمیٰ کا حفاظتی حصار توڑ کر اُسے اونٹ سے گراویں
سلمیٰ کے محافظ بھی جانباڑ ہی تھے۔ وہ خالد کے جانباڑوں کو قریب نہیں آنے دیتے تھے
ان جانباڑوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک ایک محافظ شتر سوار کو دوسروں سے الگ کر کے
مارنا شروع کر دیا۔ اس طرح جانباڑوں نے گھیراؤ دیا لیکن کوئی جانباڑ سلمیٰ تک نہیں پہنچ سکا
تھا۔ زخمی ہو کر پیچھے آ جانا تھا۔

آخر پرے ایک سو محافظ مارے گئے لیکن خالد کو اس کی بہت قیمت دینی پڑی۔ جانباڑ
نے تتواروں سے سلمیٰ کے کپڑے کی رسیاں کاٹ دیں۔ کچھ سلمیٰ سمیت پیچھے آ جانا
نے خالد کی طرف دیکھا کہ کیا حکم ہے۔ قیدی بنانا ہے یا ختم کرنا ہے۔ خالد نے ہاتھ سے اشارہ
کیا۔ ایک جانباڑ نے تتوار کے ایک ہی وار سے سلمیٰ کا سترن سے جدا کر دیا۔
بنو فزہ نے یہ منظر دیکھا تو ان میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ اپنی لاشوں اور زخمیوں کو بچھڑا کر

مدینہ سے تقریباً دو سو کچھ میل شمال مشرق میں بطاح نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس میں
بڑوں کے چند ایک گھنے آباد ہیں۔ اس گاؤں کو کوئی اہمیت، کوئی حیثیت حاصل نہیں۔ اگر وہاں
ادھر ادھر غور سے دیکھیں تو ایسے آثار ملتے ہیں جیسے یہاں کبھی شہر آباد رہا ہے۔

چودہ صدیاں گزریں، یہاں ایک شہر آباد تھا۔ اس کا نام بطاح تھا جو آج تک زندہ ہے مگر
شہر کو دسمتھ کر چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے۔ اس شہر میں خوبصورت لوگ آباد تھے۔ وہ بہادر تھے
مڈر تھے اور باتیں ایسے انداز سے کرتے تھے جیسے کوئی نظم نثار ہے ہوں جو تیس حسین
تھیں اور مرد و جہیہ تھے۔ یہ ایک طاقتور قبیلہ تھا جسے بنو تمیم کہتے تھے۔

بنو ربیع بھی ایک قبیلہ تھا لیکن الگ تھا کہ بنو تمیم کا سب سے بڑا حصہ تھا۔ اس کا
سر دار مالک بن نویرہ تھا۔ بنو تمیم کا مذہب مشرک نہیں تھا۔ ان میں آتش پرست بھی تھے۔ قبر پرست
بھی لیکن اکثریت بُت پرست تھی۔ بعض عیسائی ہو گئے تھے۔ یہ لوگ سخاوت، مہمان نوازی اور
شجاعت میں مشہور تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برطرف قبولِ اسلام کے پیغامِ حقِ قبول
کو بھیجے تھے، اُن میں بنو تمیم خاص طور پر شامل تھے۔ اسلام کے فروغ اور انتظام کے لیے
بنو تمیم جیسے طاقتور اور با اثر قبیلے کو ساتھ ملانا ضروری تھا۔

یہ ایک الگ کہانی ہے کہ اس قبیلے نے اسلام کس طرح قبول کیا تھا مختصر یہ کہ بنو تمیم کی
غالب اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔ مالک بن نویرہ مسافر و شخصیت اور حیثیت کا حامل تھا۔ وہ آسانی
سے اپنے عقیدے بدلنے والا آدمی نہیں تھا لیکن اُس نے دیکھا کہ بنو تمیم کے بیشتر قبائل مسلمان
ہو گئے ہیں تو اُس نے اپنی مقبولیت اور اپنی سرداری کو قائم رکھنے کے لیے اسلام قبول کر لیا۔

چونکہ یہ شخص زیادہ با رعب اور اثر و رسوخ والا تھا اس لیے رسول کریم نے اسے بطاح کا امیر
مقرر کر دیا۔ نکوۃ عشر و کچھ حصول اور واجبات وصول کر کے مدینہ بھیجوا اُن کی فہماری تھی۔

مشہور مورخ جہاڑی اور محمد بن یحییٰ لکھتے ہیں کہ مالک بن نویرہ بڑا وجہیہ اور خوبصورت
آدمی تھا۔ اُس کے قد کاٹھ میں عجیب سی کشش تھی۔ اُس کے سر کے بال لمبے اور خوبصورت
تھے۔ شہسوار اسیا کہ کوئی اُس کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ اچھا خاصا شاعر تھا۔ آواز میں ٹھاک

اور نرم تھا اور اُس میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ہنس مکھ تھا۔ غم کے مارے ہو تو کو ہنسنا دیتا
تھا۔ اُس میں خرابی یہ تھی کہ اُس میں غرور اور تکبر بہت تھا۔ اس کی ایک وجہ تو اُس کی وہ حیثیت
تھی جو اسے بنو تمیم میں اور خصوصاً اپنے قبیلے میں حاصل تھی۔ دوسری وجہ اُس کا مردانہ جن اور
دیگر مردانہ اوصاف تھے جو ایک طلسم کی طرح دوسروں پر طاری ہو جاتے تھے۔

اُس کا تعلق متعدد عورتوں کے ساتھ تھا۔ قبیلے کی جوان لڑکیاں اُس کا قریب حاصل کرنے
کی خواہش اور کوشاں رہتی تھیں لیکن وہ وقتی تعلق رکھتا اور کسی کو بیوی نہیں بناتا تھا۔ کتنا تھا کہ اس

طرح ایک عورت اُس کے ہم پلہ ہو جائے گی، حالانکہ اُس وقت بیویوں کو یہ مقام حاصل نہیں تھا وہ قبیلے کے عورتوں کے دلوں میں بست تھا۔

اس سال بنو تمیم کا معمولی سا ایک آدمی تھا جسے لوگ صرف نام سے جانتے پہچانتے تھے اسے کوئی رتبہ اور کوئی اونچا مقام حاصل نہیں تھا۔ اُس کی بیٹی ایلی جوان ہوئی تو لوگ اس کا نام اس طرح لینے لگے جیسے اُسے اُنچا رتبہ مل گیا ہو۔ جوانی کی دہلیز پر اُس کی بیٹی ایلی کا حُسن نکھر آیا تو قبیلے کے جوان آدمی اُسے رُک رُک کر دیکھنے لگے اور اسے قریب دیکھنے کے لیے اُس کے راستے میں کھڑے دکھائی دینے لگے۔

اصطفائی نے مختلف موزوں اور اُس دور کی دیگر تحریروں کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایلی کو خدا نے بڑی فیاضی سے حُسن دیا تھا لیکن اُس کی آنکھیں اتنی دلفریب تھیں کہ وہ جس کی طرف دیکھتی تھی وہ مسحور ہو جاتا تھا۔ وہ لباس ایسا پہنتی تھی کہ گھٹنوں تک اُس کی ٹانگیں نمایاں رہتی تھیں موزن کہتے ہیں کہ اُس کی ٹانگوں کی ساخت میں غیر معمولی طور پر جاذبیت تھی۔ ایسے ہی اُس کے بازو تھے۔ گول اور لمبے۔ وہ اپنے بالوں کو کھلا رکھتی تھی۔ بالوں کا رنگ اور ان کی چمک ایسی کہ ان میں طلسماتی تاثر تھا۔

اُسے اگر کوئی توجہ سے نہیں دیکھتا تھا تو وہ مالک بن نویرہ مٹا۔ کبھی بار ایسے ہوا کہ وہ مالک کے قریب سے گزری۔ نہ مالک نے اُس کی طرف نہ ایلی نے مالک کی طرف دیکھا۔



ایک روز ایلی اپنی اونٹنی کو پانی پلا کر لارہی تھی۔ راستے میں اُسے ایک عورت مل گئی۔ ایلی اُسے جانتی تھی۔ وہ مالک بن نویرہ کی خاص ملازمہ تھی۔ اُس نے ایلی کو روک لیا۔ "ایلی! — ملازمہ نے اُسے کہا۔" تو اُس سے زیادہ غور کر سکتی ہے۔ قبیلے میں کون ہے جو تیرے پاؤں کے ناخنوں کو جو منے کے لیے تیار نہ ہو؟

کیا تیرے آقا نے تجھے کوئی شعر یاد کرا کے نہیں بھیجا؟ — ایلی نے مسکرا کر کہا۔ "مالک بن نویرہ شاعر ہے نا کیا میں جھوٹ بکارتی ہوں کہ تجھے تیرے آقا نے میرے لیے کوئی پیغام دے کر بھیجا ہے؟ میں مردوں کی آنکھوں میں اُن کے دلوں کے پیغام پڑھ لیا کرتی ہوں۔ خدا کی قسم! — ادھیڑ عمر ملازمہ نے کہا۔" تو اُسی عمر میں دانائی کی باتیں کرنے لگی ہے۔ اگر تو نے میری آنکھوں میں میرے آقا کا پیغام پڑھ لیا ہے تو تیرا کیا جواب ہوگا؟ وہ تو تیرے لیے بے قرار ہے۔"

"اس سب میں مجھے کوئی ایسا آدمی دکھا سکتی ہو جو میرے لیے بے قرار نہیں؟ — ایلی نے باوقار لہجے میں کہا۔

"لیکن میرے آقا کی بات کچھ اور ہے۔" ملازمہ نے کہا۔

"صرف اتنی سی بات اور ہے کہ وہ دوسرے آدمیوں کی طرح میری طرف دیکھتا نہیں۔" ایلی نے کہا۔ "اور میں جانتی ہوں کہ وہ میری طرف کیوں نہیں دیکھتا۔ وہ چاہتا ہے کہ میں اُس کی طرف دیکھوں۔ وہ سردار ہے نا! اپنے آپ کو بہت خوبصورت سمجھتا ہے۔ اُسے کہنا

شعبہ بی نام حصہ اول

اپنی بھاری طرف کبھی نہیں دیکھے گی۔"

دیکھا وہ اس جواب سے مایوس نہیں ہوگا؟ — ملازمہ نے کہا۔ "اور کیا تو خوش نصیب نہیں کہ مالک بن نویرہ جیسا روٹھے چاہتا ہے؟ وہ تیرے قدموں میں سونے کے ٹکڑے رکھ دے گا۔" اُسے کچھ میرے قدموں میں سر رکھے۔ ایلی نے کہا۔ "کیا تو جانتی نہیں کہ اُس نے اتنی دہلیز سے مجھے یہ پیغام کیوں بھیجا ہے؟... کیونکہ وہ سردار ہے۔ میرا باپ اُس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اُس نے میری توہین کی ہے۔"

"تو کی تو کسی اور کو چاہتی ہے؟ — ملازمہ نے پوچھا۔

ایلی نے قہقہہ لگایا اور جواب میں کچھ بھی نہ کہا۔

"پھر میں اُسے کیا کہوں؟ — ملازمہ نے پوچھا۔

"میں نے جو کہنا تھا کہ دیا ہے۔" ایلی نے کہا۔ "اور اُسے کہنا کہ میں صرف ایک لڑکی ہوں۔" ایلی نے کہا۔ "میں اُس کے پاس جاؤں گی جو مجھے عمر بھر کی روشنی سمجھے گا۔"

جب مالک بن نویرہ کو یہ جواب ملا تو اُس کے کھجور اور غور کا بٹ ٹوٹ گیا۔

"آقا! — ملازمہ نے کہا۔" ایلی کیا ہے؟... قبیلے کی ایک لڑکی ہے۔ شہزادی نہیں اُس کی شادی کا فیصلہ اُس کا باپ کرے گا۔ اُس کے باپ کو کہیں...

"مجھے خبر نہیں ایلی کا دل چاہیے۔" مالک بن نویرہ نے کہا۔

اور ایک روز مالک ایلی سے محبت کی جھجک مانگ رہا تھا۔

"میں نے تمہیں دھتکارا نہیں تھا۔" ایلی نے اُسے کہا۔ "میں نے یہ بتایا تھا کہ میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھتے تھے۔"

ایلی نے مالک بن نویرہ کا کھجور اور غور اپنے پاؤں کے نیچے ڈالا اور اُن کی شادی ہو گئی بنو تمیم نے ایلی کو اُن تمیم کا خطاب دے دیا۔



رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر ملتے ہی مالک بن نویرہ نے مدینے والوں سے نظروں پھیر لیں اور ظاہر کر دیا کہ اُس نے اسلام قبول کیا تھا ایمان نہیں۔ اُس نے زکوٰۃ اور محسولات قبول کر کے اپنے گھر میں رکھے ہوئے تھے۔ چند دنوں تک اُس نے یہ مال مدینہ کو بھیجا تھا۔ اُس نے قبیلے کے لوگوں کو اکٹھا کر کے انہیں زکوٰۃ اور محسولات واپس کر دیئے۔

"اب تم آزاد ہو۔" مالک نے کہا۔ "میں نے مدینہ کی بربخیز توڑ ڈالی ہے۔ اب جو کچھ تم تھا تو گئے وہ سب تمہارا ہوگا۔"

لوگوں نے داد تحسین کے نعے بلند کیے۔

مالک بہت خوش تھا کہ مدینہ سے تعلق توڑ کر وہ اپنے قبیلے کا پھر خود مختار سردار بن گیا بنو تمیم کی خوشی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ دو تین قبلوں کے سرکردہ آدمیوں نے مالک کے نام اُس نے مدینہ سے تعلق توڑ کر اچھا نہیں کیا۔

مالک نے انہیں مدینہ کے خلاف کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اُس کی زبان کا جادو

نہ چل سکا۔

زکوٰۃ اور مصحولات کی ادائیگی کے مسئلہ پر بنو تمیم تین حصوں میں بٹ گئے۔ ایک وہ تھے جو زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے وہ جو مدینہ والوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے تھے اور تیسرے وہ تھے جن کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ کیا کریں۔ ان سب کے اختلافات اتنے بڑھ گئے کہ قبیلوں کی آپس میں خونریز لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ اتنے میں سب سب اپنا لشکر لے کر آگئی۔ سب کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اُس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ احمارث کی بیٹی سب سب اپنے لشکر کے ساتھ مالک بن نویرہ کے قبیلے بنو ربیع کے علاقے میں جا خیمہ زن ہوئی۔ اُس نے مالک بن نویرہ کو بلا کر کہا کہ وہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتی ہے۔ ”اگر تم اپنے قبیلے کو میرے لشکر میں شامل کرو تو ہم مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔“ سب سب نے کہا ”تمہیں معلوم ہو گا کہ میں بنو ربیع میں سے ہوں۔“

”خدا کی قسم!۔ مالک بن نویرہ نے کہا۔ میں تمہارا دست راست بن جاؤں گا لیکن ایک شرط ہے جو دراصل ہماری ضرورت ہے۔۔۔ تم دیکھ رہی ہو کہ بنو تمیم کے قبیلوں میں دشمنی پیدا ہوئی ہے۔ ان سب کو مصاحبت کی دعوت دے کر انہیں مدینہ پر حملے کے لیے تیار کریں گے اور یہ مصاحبت پر آمادہ نہ ہوئے تو انہیں ہم تنہا ویرا کر دیں گے۔ اگر تم نے انہیں ختم نہ کیا تو یہ سب بل کو تمہارے خلاف ہو جائیں گے۔ ان میں مدینہ کے دفاع دار بھی ہیں۔ انہوں نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا ہے۔“

مالک بن نویرہ کی خواہش یہ تھی کہ سب سب کے لشکر کو ساتھ ملا کر بنو تمیم کے مسلمانوں کو اور اپنے دیگر مخالفین کو ختم کیا جائے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ سب سب مالک بن نویرہ کے مراد میں اور جلال سے متاثر ہو گئی تھی۔ اُس نے مالک کی بات فوراً مان لی۔ دونوں نے تمام قبیلوں کے سرداروں کو مصاحبت کے پیغام بھیجے۔ پیغام میں یہ بھی شامل تھا کہ مدینہ پر حملہ کیا جائے گا۔ صرف ایک قبیلے کا سردار وکیع بن مالک تھا جس نے ان سے مصاحبت قبول نہ کی۔ باقی تمام قبیلوں نے انکار کر دیا۔ اس کے نتیجے میں سب سب مالک اور وکیع کے متحدہ لشکر نے دوسرے قبیلوں پر حملہ کر دیا۔ طبری خونریز لڑائیاں لڑی جانے لگیں۔ بنو تمیم جو سنا دت، ہمان نوازی اور زبان کی چاشنی کے لیے مشہور تھے۔ ایک دوسرے کے لیے دشمنی اور درندہ بن گئے۔ سب سب اُجڑ گئیں۔ بخون پر گیا، لاشیں بکھر گئیں۔



یہی کواپنے دروازے پر عورتوں کی آہ و بکا سنا دی رکچہ عورتیں بین کر رہی تھیں۔ ”کیا میں بیوہ ہو گئی ہوں؟“ یہی لکھنے پاؤں باہر کو دوڑی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ”مالک بن نویرہ کی لاش لائے ہیں؟“ اُس نے دروازہ کھولا تو باہر دس بارہ عورتیں کھڑی بین کر رہی تھیں۔ یہی کو دیکھ کر ان کی آہیں اور زیادہ بلند ہو گئیں۔ تین عورتوں نے اپنے بازوؤں پر نچے نچے بچوں کی لاشیں اٹھا رکھی تھیں۔

بچے تھے وہ خون سے لال تھے۔

یہی! کیا تو عورت ہے؟۔ ایک عورت اپنے بچے کی خون آلود لاش لیٹی کے آگے کرتے ہوئے چلتی تھی۔ تو عورت ہوتی تو اپنے خاوند کا ہاتھ روکتی کہ بچوں کا خون نہ کرے۔ ”دیکھ۔ ایک اور عورت نے اپنے بچے کی لاش لیٹی کے آگے کرتے ہوئے کہا۔“ ”بچی دیکھ۔ ایک اور بچے کی لاش لیٹی کے آگے آگئی۔“ ”یہ دیکھ میرے بچے!۔ ایک عورت نے اپنے دو بچے لیٹی کے سامنے کھڑے کر کے کہا۔“ ”یہ تمہیں ہو گئے ہیں۔“

یہی کو چپا آنے لگا۔ عورتوں نے اُسے گھیر لیا اور چیخنے چلانے لگیں۔ ”تو ڈاٹ ہے۔“

”تیرا خاوند جلد ہے۔“

”سب سب کو نبوت کس نے دی ہے؟“

”سب سب تیرے خاوند کی داشتہ ہے۔“

”سب سب تیری سوکن ہے۔“

”تیرے گھر میں ہمارے گھروں کا لوٹا ہوا مال آ رہا ہے۔“

”مالک بن نویرہ تجھے ہمارے بچوں کا خون پلا رہا ہے۔“

”ہمارے تمام بچوں کو کاٹ کر پھینک دے، ہم سب سب کی نبوت نہیں مانیں گی۔“

”ہمارے نبی محمد ہیں۔ محمد اللہ کے رسول ہیں۔“

بستی کے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ان میں عورتیں زیادہ تھیں۔ یہی نے اپنا حسین چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپا لیا۔ اُس کا جسم ڈولنے لگا۔ دو عورتوں نے اُسے سنبھال لیا۔ اُس نے اپنے سر کو زور زور سے جھٹکا اور وہ سنبھل گئی۔ اُس نے عورتوں کی طرف دیکھا۔

”میں تمہارے بچوں کے خون کی قیمت نہیں دے سکتی۔“ یہی نے کہا۔ ”میرا بچہ لے جاؤ اور اسے کاٹ ڈکھڑے کر دو۔“

”ہم تمہیں نہیں۔“ ایک شورا مچا۔ ”ہم ڈاٹیں نہیں۔ لڑائی بند کرنا۔ لوٹ مار اور قتل غارت بند کرنا۔ تمہارا خاوند وکیع بن مالک اور سب سب کے ساتھ مل کر لوٹ مار کر رہا ہے۔“

”لڑائی بند ہو جائے گی۔“ یہی نے کہا۔ ”بچوں کی لاشیں اندر لے آؤ۔“

ماتیں اپنے بچوں کی لاشیں اندر لے گئیں۔ یہی نے تینوں لاشیں اس پلنگ پر رکھ دیں جس پر وہ اور مالک بن نویرہ سو یا کرتے تھے۔



مالک بن نویرہ یہی کا بچا رہی تھا۔ اُس پر یہی کا جس جادو کی طرح سوار تھا۔ اُس زمانے میں سردار لڑائیوں میں اپنی بیویوں کو ساتھ رکھتے تھے لیکن یہ لڑائی اس قسم کی تھی کہ مالک یہی کو اپنے ساتھ نہیں لے سکتا تھا۔ یہی سے وہ زیادہ دیر تک دو رہی نہیں رہ سکتا تھا۔ اگر کہیں قریب ہوتا تو رات کو لیٹی

کے پاس آجایا کرتا تھا۔ وہ اُس رات آگیا۔ لیلیٰ کو دیکھ کر اُس پر بڑی تیز شراب جیسا نشہ طاری ہو گیا۔
”کیا اس پلنگ پر کوئی سویا ہوا ہے؟“ مالک بن نویرہ نے پوچھا۔

”نہیں۔“ لیلیٰ نے کہا۔ ”تمہارے لیے ایک تھفہ ڈھانپ کے رکھا ہوا ہے۔“

تین پھول ہیں لیکن مڑھیا گئے ہیں۔
مالک نے یک کر چادر ہٹائی اور یوں پیچھے ہٹ آیا جیسے پلنگ پر سانپ کھڑا مارے بیٹھا ہو۔ اُس نے لیلیٰ کی طرف دیکھا۔

”خون پینے والے دردمے کے لیے اس سے اچھا تھفہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“ لیلیٰ نے کہا اور اُسے سنایا کہ ان کی مائیں کس طرح آنی تھیں اور کیا کچھ کہہ سکتی ہیں۔ اُس نے اپنا دودھ پیتا پھر مالک کے آگے کر کے کہا۔ ”جا، لے جا اسے اور اس کا بھی خون پی لے۔“ لیلیٰ نے کہا۔ ”کیا تو وہ مالک بن نویرہ ہے جسے لوگ ہنس مکھ کہتے ہیں؟ کیا یہ ہے تیری سخاوت اور شجاعت کہ تو ایک عورت کے جال میں آکر لوٹ مار کرتا پھر رہا ہے؟ اگر تو بہادر رہے تو دینہ پڑھائی کر۔ یہاں بہتے مسلمانوں کو قتل کرتا پھر رہا ہے۔“

مالک بن نویرہ معمولی آدمی نہیں تھا۔ اُس کی شخصیت میں انفرادیت تھی جو دوسروں پر اثر پڑا کرتی تھی۔ اس نے طے نہ کیا کبھی نہیں سنے تھے۔ اُس کا سر بھی کچھ کا نہیں تھا۔
”کیا یہ ہے تیرا غرور؟“ لیلیٰ نے اُسے خاموش کھڑا دیکھ کر کہا۔ ”کیا تو ان معصوم بچوں کی لاشوں پر کبکھڑے گا؟... ایک عورت کی خاطر... ایک عورت نے تیرا غرور اور کبر توڑ کر کچے قاتل اور ڈاکو بنا دیا ہے۔ میں اپنے بچے کو تیرے پاس چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ پیچھے سے ایک تیرہ مار پیٹھ میں بھی اتار دینا۔“

”لیلیٰ!“ مالک بن نویرہ گرج کر بولا مگر کچھ کے رہ گیا اور جرم ہی آواز میں کہنے لگا۔
”میں کسی عورت کے جال میں نہیں آیا۔“

”جھوٹ نہ بول مالک!“ لیلیٰ نے کہا۔ ”میں جا رہی ہوں سچا کو لے آہاں... یہ یاد رکھ لے۔ تیری سرداری، تیری خوبصورتی، تیری شاعری اور تیری خوشخواری تجھے ان کے ہونے بچوں کی ماؤں کی آہوں اور فریادوں سے بچا نہیں سکیں گی... یہ تو صرف تین لاشیں ہیں۔ ہستیوں کو لوٹے معلوم نہیں کتنے بچے تیرے گھوڑوں کے قدموں تلے چلے گئے ہوں گے۔ تو رات بچ نہیں سکے گا۔ تیرا بھی خون بہے گا اور میں کسی اور کی بیوی ہوں گی۔“

مالک بن نویرہ نے یوں جو تک کر لیلیٰ کی طرف دیکھا جیسے اُس نے اُس کی میٹھ میں خنجر گھونپ دیا ہو۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا باہر نکل گیا۔

☆

مالک رات بھر واپس نہ آیا۔ صبح طلوع ہوئی۔ بطاح جو بارون بیٹھی تھی، ایک ایسے مریض کی طرح دکھائی دے رہی تھی جو بوجھ خور ہو جان ہوگا مگر اتنا تھا اب اُس کا چہرہ بے نور اور آنکھوں میں موت، خوف رہا ہوا تھا۔ بطاح کی عورتوں کے چہروں پر مڑوئی چھائی ہوئی تھی۔ یہ اُس مار دھاڑ کا نتیجہ تھا

جو بنیم میں ہو رہی تھی سورج کی پہلی کرنیں آئیں تو بطاح کی گلیوں میں ڈری ڈری سی داخل ہوئیں۔ اُس وقت سورج کچھ اور اوپر اُٹھ آیا تھا جب بطاح میں ہر لونگ مچ گئی۔ بعض عورتیں بچوں کو اٹھا کر گھروں کو دوڑی گئیں اور اندر سے دروازے بند کر لیں۔ کچھ عورتیں اپنی جوان بیویوں کو ساتھ لیے بستی سے نکل گئیں۔ وہ کہیں چھپ جانے کو جا رہی تھیں۔ بوڑھے آدمی کمائیں اور ترش اٹھائے پھیتوں پر چڑھ گئے۔ بوڑھوں کے علاوہ جو آدمی بستی میں تھے، انہوں نے بھجیاں اور تلواریں نکال لیں۔ کسی نے بڑی بلند آواز سے کہہ دیا تھا کہ دشمن کا لشکر آ رہا ہے۔

دور زمین سے جو گرو اُٹھ رہی تھی، وہ کسی لشکر کی ہی ہو سکتی تھی۔ بطاح میں جوان آدمی کم ہی رہتے تھے سب مالک بن نویرہ کے ساتھ دوسرے قبیلوں سے لڑائی میں چلے گئے تھے۔ بطاح میں جو رہ گئے تھے، اُن پر خوف دہراں طاری ہو گیا تھا۔

لیلیٰ کے گھر میں پلنگ پر تین بچوں کی لاشیں پڑی تھیں اور وہ اپنے بچے کو سینے سے لگاتے اپنے قلعہ نما مکان کی چھت پر کھڑی تھی۔ وہ بار بار اپنے بچے کو دیکھتی اور اُسے جوتی تھی۔ وہ غایب سورج ہی جی بچوں کے خون کا انتقام اُس کے بچے سے لیا جائے گا۔

زین سے اٹھتی ہوئی گرد و بہت قریب آگئی تھی اور اس میں گھوڑے اور اونٹ ڈاڈرا دکھائی دینے لگے تھے۔

”ہوشیار بنو بلورع، خبردار!“ بطاح میں کسی کی آواز سنائی دی۔ ”جائیں لڑاؤ۔ ڈرنا نہیں۔“ لشکر گرو سے نکل آیا اور قریب آگیا بستی کے کئی ایک آدمی گھوڑوں پر سوار، ہاتھوں میں بھجیاں اور تلواریں لیے آگے چلے گئے۔ اُن کا انجام ظاہر تھا لیکن انہیں اپنی طرف آنے دیکھ کر لشکر کی ترتیب میں کوئی فرق نہ آیا۔ آگے جا کر وہ لشکر کا حصہ بن گئے۔

”اپنے ہیں۔“ انہوں نے نعرے لگاتے۔ ”اپنے ہیں۔ مالک بن نویرہ ہے... لڑائی ختم ہوئی ہے۔“

بطاح میں سے بھی نعرے گرجنے لگے۔ لوگوں نے آگے بڑھ کر اپنے لشکر کا استقبال کیا۔ مالک بن نویرہ کہیں بھی نہ رکا۔ وہ سیدھا اپنے گھنے کے دروازے پر آیا اور گھوڑے سے کود کر اندر چلا گیا۔ اُسے بیٹھی تھیں کھڑی ملی۔ اُس کے دلکش چہرے پر اداسی تھی اور اُس کی وہ آنکھیں بھی بھٹی گئیں جن پر قبیلے کے جوان جائیں قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔

”میں نے تیرا حکم مانا ہے لیلیٰ!“ مالک نے دوڑ کر لپکا اور اپنے بازوؤں میں سیٹھنے ہوئے کہا۔ لڑائی ختم کر دی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے قیدی واپس کر دیں گے۔ میں نے سچا سے نعتن لیا ہے۔ اس بچوں سے چہرے سے اداسی دھو ڈالو۔

لیلیٰ کا جسم بے جان سا تھا۔ اُس میں وہ پیش پیدائہ ہوئی جو مالک کو دیکھ کر پیدا ہوا کرتی تھی۔ مالک نے اسے ہلانے کی بہت کوشش کی لیکن لیلیٰ کا چہرہ ابھی اسی رہا۔

نیر سے دل پر ایک خوف بیٹھ گیا ہے۔ لیلیٰ نے کہا۔
”کیسا خوف؟“ مالک نے پوچھا۔ جس کا خوف؟

”سزا کا۔“ یسائی نے کہا۔ ”انتقام کا“



سبحان الہی رہ گئی۔ وکیع بن مالک نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ مالک بن نویرہ نے وکیع سے کہا تھا کہ وہ ایک عورت کے جانے میں اکرا اپنے ہی قبیل پر لوٹ پڑے تھے۔ سبحان اپنے لشکر کو ساتھ لیے نہج کی طرف چلی گئی۔ پہلے سنایا جا چکا ہے کہ وہ میاں پر حملہ کرنے کی تھی لیکن میلہ کے جال میں آگئی اور میلہ نے اسے اپنی بیوی بنا لیا۔

مالک بن نویرہ کے گناہوں کی سزا شروع ہو چکی تھی۔ وکیع بن مالک جو اس کا دست راست تھا اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور مسلمانوں سے جلا۔ مالک بن نویرہ نے اسے روکا تھا۔

”اگر ہم دونوں الگ ہو گئے تو مسلمان بہن بھائی کے رکھ دیں گے۔“ مالک نے وکیع سے کہا تھا۔ ”ہم دونوں مل کر ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔“

”میں زندہ رہنا ہے مالک!۔“ وکیع نے کہا تھا۔ ”مدینہ کی فوج کا مقابلہ کس نے کیا ہے؟ غطفان ہار گئے، طئی ہار گئے، بنو سلیم، بنو سائد، ہوازن، کوئی بھی مسلمانوں کے آگے ٹھہر نہ سکا پھر سب اکٹھے ہوئے اور امّ زحل سلمیٰ کو بھی ساتھ لایا کیا تم نہیں جانتے مالک، الولید کے بیٹے خالد نے انہیں کس طرح بھگایا ہے؟ طئی قتل کر دی گئی ہے مسلمان عین مٹانوں کا خون معاف نہیں کریں گے تمام گیلان کو شکست دینے والا خالد واپس مدینہ نہیں چلا گیا۔ وہ بڑا نہیں ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کا مانا ہوا سپہ سالار اسامہؓ ہے۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی کبھی دفت اور صحر کارن کر سکتا ہے ان سے خون معاف کرانے کا طریقہ ایک ہی ہے کہ میں ان کی اطاعت قبول کر کے انہیں اپنے قبیلے کی نواہ اور محصول ادا کرتا رہوں۔“

مالک بن نویرہ کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔

خالد بن ولیدؓ تک اطلاع پہنچ چکی تھی کہ مالک بن نویرہ کو رسول اللہؐ نے امیر مقرر کیا تھا مگر اس نے زکوٰۃ وغیرہ وصول کر کے مدینہ نہ بھیجی اور لوگوں کو واپس کر دی ہے۔ جاسوسوں نے خالد کو مالک بن نویرہ کا ایک شعر بھی سنایا۔ اس میں اس نے رسولؐ کو کم کے وصال کے بعد اپنے قبیل سے کہا تھا کہ اپنے مال کو اپنے پاس رکھو اور مدت ڈرو کہ نہ جانے کیا ہونا ہے۔ اگر اسلامی حکومت کی طرف سے ہم پر کوئی نصیبت آئے گی تو ہم کو نہیں گے کہ ہم نے محمدؐ کے دین کو قبول کیا تھا، ابو بکرؓ کے دین کو نہیں۔

مالک بن نویرہ نے سبحان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا قتل عام کیا تھا، اس کی بھی اطلاع خالد کو مل گئی تھی۔ خالد نے اپنے دستوں کو بطاح کی طرف تیز کھینچ کر دیا۔ ان کے دستانوں میں انصاریہ بھی تھیں۔ انہوں نے بطاح کی طرف پیش قدمی کی مخالفت کی۔

”خدا کی قسم!۔“ خالد نے کہا۔ ”میں اپنی سپاہ میں پہلے آدمی دیکھ رہا ہوں جو اپنے امیر اور سالار کی حکم عدوی کر رہے ہیں۔“

”اے حکم عدوی! تم کبھی باجوہ بھی نہیں۔“ انصاریہ کی مانند گئی کرنے والے نے کہا۔

نبی اللہؐ کا حکم یہ تھا کہ طلحہ کو مطیع کر کے اس علاقے میں رسول اللہؐ کی قائم کی ہوئی عملداری کو بحال کریں اور جو جنگ کریں اس کے ساتھ جنگ کریں اور بڑا خیم میں اگلے حکم کا انتظار کریں۔

جہاں جاتے ہیں کہ مدینہ سے ایسا کوئی حکم نہیں آیا کہ ہم بطاح پر حملے کے لیے جائیں۔“

”کیا تم میں کوئی ہے جسے یہ معلوم نہ ہو کہ میں تمہارا امیر اور سپہ سالار ہوں؟“ خالد بن ولید نے بوجھ اور سب کی طرف دیکھنے لگے۔ انہیں کوئی جواب نہ ملا تو انہوں نے کہا۔ ”میں نہیں جانتا کہ غلیفہ المسلمین کے ساتھ تم کیا معاہدہ کر کے آئے ہو۔ میں یہ جانتا ہوں کہ غلیفہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ جہاں بھی اسلام سے انحراف کی خبر ملے اور جہاں بھی مدینہ کے ساتھ کئے ہوئے معاہدوں کی خلاف ورزی نظر آئے، وہاں تک جاؤ اور اسلام کا تحفظ کرو میں سپہ سالار ہوں۔ اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے اگر مجھے کوئی ایسی کارروائی کرنی پڑے گی جو غلیفہ کے احکام میں شامل نہیں ہوگی تو میں وہ کارروائی ضرور کروں گا۔۔۔۔۔ خلافت کے احکام میرے پاس آتے ہیں، تمہارے پاس نہیں۔“

”ہم نے کوئی قاصد آنا نہیں دیکھا۔“ انصاریہ سے کسی نے کہا۔

”میں اس کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا۔“ خالد نے بھٹکا کر کہا۔ ”اور میں کسی ایسے آدمی کو اپنی سپاہ میں نہیں دیکھنا چاہتا جس کے دل میں ذرا سا بھی شک اور شبہ ہو۔ مجھے اللہ کی خوشنودی چاہیے۔ مجھے اللہ کے رسولؐ کی مقدس روح کی خوشنودی چاہیے۔ اگر تمہیں اپنی ذات کی خوشنودی چاہیے تو جاؤ۔ اپنے آپ کو خوش کرو۔ میرے لیے بہا جبرن کافی ہیں اور میرے ساتھ جو لوگ ہیں، میں انہیں بھی کافی سمجھتا ہوں۔“

مشہور مورخ طبری نے لکھا ہے کہ ابوبکرؓ نے اپنے احکام میں یہ شامل کیا تھا کہ بنی اسد کے سردار طلحہ کی سرکوبی کے بعد خالدؓ کے دستے بطاح تک جاتیں گے جہاں کے امیر مالک بن نویرہ نے زکوٰۃ اور محصولات کی ادائیگی نہیں کی اور وہ اسلام سے منحرف ہو کر اسلام کا دشمن بن گیا ہے۔ طبری اور دیگر مورخوں نے بھی لکھا ہے کہ انصاریہ بڑا خیم میں رہ گئے اور خالدؓ اپنے مجاہدین کو ان کے بغیر بطاح لے گئے۔ جب یہ لشکر بڑا خیم سے چلا تو انصاریہ نے باہم صلاح مشورہ کیا۔ وہ جوسوس کرپنے لگے تھے کہ اتنی دور سے اکٹھے آتے تھے۔ اکٹھے لڑائیاں لڑیں اور اب ہم میں چھوٹ پڑے گی ہے۔ ہمیں پیچھے نہیں رہنا چاہیے تھا۔

”اور اس لیے بھی ہمیں پیچھے نہیں رہنا چاہیے تھا۔“ انصاریہ سے ایک نے کہا۔ ”کہ ماہزین اور نو مسلموں نے فتح حاصل کر لی تو اس میں ہمارا نام نہیں ہوگا۔ ہمیں مدینہ جاکر شہر ساری ہونی چاہیے۔“

”اور اس لیے بھی۔“ ایک اور نے کہا۔ ”کہ خالد بن ولید کو کہیں شکست ہوئی تو مدینہ میں لوگ ہم پر لعنت بھیجیں گے کہ ہم نے مدینہ سے اتنی دور محاذ پر جا کر خالدؓ کو اور اپنے ساتھیوں کو دھوکہ دیا۔ ہم لوگوں کو کھلا دیں گے۔“

خالدؓ کے دستے بڑا خیم سے دور نکل گئے۔ ایک تیز رفتار گھوڑا سوار پیچھے سے آئے ملا اور۔

خالد بن ولید کے پاس جاگھوڑا روکا۔

”کیا تم انصار میں سے نہیں ہو جو پیچھے رہ گئے ہیں؟“ خالد نے پوچھا۔

”ہاں امیر لشکر!“ سوار نے کہا۔ ”میں انہی میں سے ہوں۔ انہوں نے پیچھے رہ کر میرے آپ سے کموں کر ان کا انتظار کریں۔ وہ آ رہے ہیں۔“

خالد بن ولید نے اپنے دستوں کو روک لیا۔ کچھ دیر بعد تمام انصار آگئے اور دستے بطاح کی ٹان روانہ ہو گئے۔



”یہی!“ بطاح میں مالک بن نویرہ اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا۔ ”تو نے مجھے محبت دی ہے۔ تیرے سن نے اور تیری نشانی انکھوں نے میرے شعروں میں نئی روح ڈالی ہے۔ اب مجھے جملہ دویلی امیر سے دل میں خوف نے آشنا نہ بنالیا ہے۔“

”میں نے تجھے پہلے دن کہا تھا غور اور بھر چھوڑ دے مالک!“ یہی نے کہا۔ ”لیکن تم اتنی دیر نکل گئے کہ انسانوں کو چیلنیاں سمجھ کر کسٹل ڈالا۔“

”مت یاد دلا مجھے میرے گناہ یہی!“ مالک بن نویرہ نے کہا۔ ”گناہوں نے میری بہادری کو دس لیا ہے۔“

”آج کیا بات ہو گئی ہے کہ تم پر اتنا خوف طاری ہو گیا ہے؟“

”بات پوچھتی ہو یہی؟“ مالک بن نویرہ نے کہا۔ ”یہ موت کی بات ہے۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ میرا شیر اساتھ ختم ہو رہا ہے۔ میں نے اپنے جاسوس بڑی دیر دور تک پہنچ رکھے ہیں۔ آج ایک جاسوس آیا ہے۔ اُس نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کا لشکر بڑی تیزی سے ادھر آ رہا ہے۔ اگر لشکر کی رفتار یہی رہی تو پورے شام تک یہاں پہنچ جائے گا۔“

”پھر تیاری کرو؟“ یہی نے کہا۔ ”قبیلوں کو اکٹھا کرو۔“

”کوئی میرا ساتھ نہیں دے گا۔“ مالک نے ڈر سے ہوتے لہجے میں کہا۔ ”میں نے کبھی اور حجاج کے ساتھ مل کر اپنے قبیلوں کا جو خون بہایا ہے وہ کوئی نہیں بخشے گا۔ ان سے صلوات تو کبھی کبھی لیکن دل پھٹے ہوئے ہیں۔ میرے قبیلے کی مدد کو کوئی نہیں آئے گا۔“

”پھر آگے بڑھو اور مسلمانوں کے سپہ سالار سے کہو کہ تم نے اسلام ترک نہیں کیا۔“ یہی نے کہا۔ ”شاید وہ تمہیں بخش دیں۔“

”نہیں بخشیں گے۔“ مالک نے کہا۔ ”نہیں بخشیں گے۔ انہوں نے کسی کو نہیں بخشا۔“

مالک بن نویرہ پر خوف طاری ہوتا چلا گیا۔ اُسے خبریں مل رہی تھیں کہ خالد کا لشکر قریب آیا ہے۔ اُس نے اپنے قبیلے کو اکٹھا کیا۔

”اے بنو خیر بڑا!“ اُس نے قبیلے سے کہا۔ ”ہم سے غلطی ہوئی کہ ہم نے مدینہ کی حکمرانی کو تسلیم کیا اور اُن سے منہ رخ ہوئے۔ انہوں نے ہمیں اپنا مذہب دیا جو ہم نے قبول کیا پھر نافرمان ہو گئے۔ وہ آ رہے ہیں۔ سب اپنے گھروں کو پہلے جاؤ اور دروازے بند کر لو۔ یہ نشانی

ہے کہ تم اُن کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھاؤ گے۔ اُن کے بلانے پر اُن کے سامنے ہنستے جاؤ۔ کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ مقابلے میں جاؤ، اپنے گھروں کو پہلے جاؤ۔“ لوگ سر جھکاتے ہوئے اپنے گھروں کو پہلے گئے۔



نمبر ۶۶۳۲ (شعبان ۱۱۱۱ھ) کے پہلے ہفتے میں خالد بطاح پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنے لشکر کو محاصرے کی ترتیب میں کیا مگر ایسے لگتا تھا جیسے بطاح اُچر گیا ہو۔ شہر کا دفاع کرنے والے تو نظر ہی نہیں آتے تھے، کوئی دوسرا بھی دکھائی نہ دیا۔ کسی مکان کی چھت پر ایک بھی سر نظر نہیں آتا تھا۔

”کیا مالک بن نویرہ اپنے آپ کو اتنا چالاک سمجھتا ہے کہ مجھے گھیرے میں لے لے گا؟“ خالد نے اپنے نائب سالاروں سے کہا۔ ”محاصرے کی ترتیب بدل دو اور اپنے عقب کا خیال

رکھو۔ میں اس بستی کو آگ لگا دوں گا۔ وہ یہاں سے نکل گئے ہیں۔ عقب سے حملہ کریں گے۔“

خالد بن ولید زندہ دل، بے خوف اور ہم جو تھے۔ ان کے احکام بڑے سخت ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے دستوں کو اس ترتیب میں کر دیا کہ عقب سے حملہ ہو تو روکیں اور اگر اس کے ساتھ ہی شہر سے بھی حملہ ہو جائے تو دو طرفہ لڑا جائے۔ مسلمانوں کو اس دشواری کا سامنا تھا کہ اُن کی لفری ٹھوڑی تھی اور وہ اپنے مستقر (مدینہ) سے بہت دُور تھے۔ انہوں نے جن قبیلوں کو بلجایا تھا، اُن کی کستیوں کو اڑے بنالیا تھا لیکن ابھی وہاں کے لوگوں پر پوری طرح بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ خالد کی پرجوش اور ماہر اُن قیادت تھی جو مجاہدین کی قبیل تعدادیں کیلیوں جیسا تھر پیدا کئے رکھتی تھی۔

خالد نے بستی میں ایک دستہ داخل کیا تو اُس پر ایک بھی تیر نہ آیا۔ ہر مکان کا دروازہ بند تھا۔ خالد نے یہ خاموشی دیکھی تو وہ خود بستی میں داخل ہوئے۔

”مالک بن نویرہ!“ خالد نے سختی بار مالک کو پکارا اور کہا۔ ”باہر آ جاؤ۔ نہیں آؤ گے تو ہم بستی کو آگ لگا دیں گے۔“

”تجھ پر خدا کی سلامتی ہو۔“ ایک چھت سے ایک آدمی کی آواز آئی۔ ”مت جلا ہمارے گھروں کو۔ وہ جسے تو بلارہا ہے، یہاں نہیں ہے۔ یہاں کوئی نہیں لڑے گا۔“

”الولید کے بیٹے!“ ایک اور چھت سے آواز آئی۔ ”کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ ہم اپنے مکانوں کے بند دروازوں کے پیچھے بیٹھے ہیں؟ کیا مدینہ میں یہ رواج نہیں کہ بند دروازہ ایک اشارہ ہے کہ آ جاؤ، ہم تمہارے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائیں گے؟“

”یہ شک میں یہ اشارہ سمجھتا ہوں۔“ خالد نے کہا۔ ”مکانوں کے دروازے کھول دو اور باہر آ جاؤ۔ عورتوں اور بچوں پر جبر نہیں۔ اُن کی مرضی ہے، باہر آئیں یا نہ آئیں۔“

لوگوں کو تمہارے دروازے معلوم تھا۔ وہ ہتھیاروں کے بغیر باہر آ گئے۔ عورتیں اور بچے بھی نکل آئے۔ خالد نے اپنے دستوں کو کچھ دیا کہ ہر گھر کے اندر جا کر دیکھیں۔ کوئی آدمی اندر نہ رہے۔ خالد نے

نے کہا۔ "خالد نے کہا۔" میں تجھے زندہ رہنے کا حق نہیں دے سکتا۔"

خالد نے وہ اجڑی ہوئی بستیاں دیکھی تھیں جو مالک بن نویرہ اور سبحان نے اجڑی تھیں۔
خالد نے مالک بن نویرہ کی بستی بطرح پر بلا وجہ چڑھائی نہیں کی تھی۔ انہیں تمام رپوڑیں ملتی رہی تھیں
کہ اس شخص نے اس علاقے میں مسلمانوں کو کس طرح تباہ و برباد کیا تھا۔
نے جاؤ اسے اور اس کے ساتھیوں کو جو اس کے ساتھ روپوش تھے اور انہیں قتل کر

دے۔ خالد بن ولید نے حکم دیا۔
انہیں جب لے گئے تو خالد کو اطلاع دی گئی کہ ایک بڑی ہی حین عورت جس کا نام لیلیٰ ہے
اور مالک بن نویرہ کی بیوی ہے، اپنے خاندان کی زندگی کی التجا لے کے آئی ہے۔ خالد نے کہا کہ
اُسے آئے دو۔

خالد ایک سردار کے فرزند تھے۔ انہوں نے اہل زنگہرانے میں پرورش پائی تھی اس لیے
ان کے دل دماغ میں وسعت تھی۔ وہ خوش ذوق، خوش طبع اور زندہ مزاج تھے۔ لیلیٰ جب ان
کے سامنے آئی تو خالد کچھ دیر اُسے دیکھتے ہی رہے۔ وہ ابھی جوان تھی۔
"کیا تو اپنے خاندان کو حکومت سے بچانے آئی ہے؟" خالد نے پوچھا۔
"اس کے سوا میرا اور مقصد ہو ہی کیا سکتا ہے؟" لیلیٰ نے کہا۔

"اگر تو اس وقت اُسے ان جرائم سے روک دیتی جب وہ سمجھتا تھا کہ ہر بستی پر اُس کی حکمرانی
ہے تو آج تو یہ نہ ہوتی۔" خالد نے کہا۔ "کیا اس نے تجھے بتایا نہیں تھا کہ اُس کی توار نے
کنفی عورتوں کو یہ دیکھا ہے؟ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کی زندگی میں ایک دن انصاف کا بھی آئے گا۔"
"میں اُس کا ماتھ نہیں روک سکتی۔" لیلیٰ نے کہا۔

"اور تو میرا ہاتھ بھی نہیں روک سکتی۔" خالد نے کہا۔ "یہ میرا نہیں میرے اللہ کا حکم ہے۔"
خالد نے لیلیٰ کی التجا قبول نہ کی۔ لیلیٰ ابھی خالد کے پاس ہی تھی کہ اطلاع آئی کہ مالک بن نویرہ
اور اُس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔



پھر ایک ایسا واقعہ ہو گیا جس نے خالد کے متوں میں اور مدینہ میں پھل مچادی۔ ہوا یوں
کہ بطرح میں ہی خالد نے لیلیٰ کے ساتھ شادی کر لی۔

انصار مدینہ اس شادی پر بہت برہم ہوئے۔ ابو قحافہ انصاری نے قسم کھائی کہ وہ وہاں خالد
کی قیادت میں کبھی کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوں گے۔ اعتراض کرنے والے کہتے تھے کہ خالد نے
لیلیٰ کی خوب صورتی سے متاثر ہو کر اُس کے خاندان مالک بن نویرہ کو اس لیے قتل کیا ہے کہ لیلیٰ کے ساتھ
خود شادی کر لیں۔

اس سلسلے میں جو روایات مشہور ہوئیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ لیلیٰ اپنے خاندان کی جان بخشی
کے لیے خالد کے پاس آئی اور اُس نے لیلیٰ کو خالد کے پاؤں پھر لے لیے۔ لیلیٰ سر سے لگی رہتی اور

خاص طور پر حکم دیا کہ کسی گھر میں کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے نہ کسی پر ہلکا سا بھی تشدد کیا جائے۔
مالک بن نویرہ کے قلعہ نما مکان میں خالد خود گئے۔ وہاں سامان پڑا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے
یہاں کے رہنے والے کچھ ہی دیر پہلے یہاں سے نکلے ہوں۔ بستی سے خالد کو اتنا ہی پتہ چلا کہ
مالک بن نویرہ اپنے قبیلہ کو یہ کہہ کر کہ وہ مہمانوں کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں، لیلیٰ کو ساتھ لے کر
بستی سے نکل گیا تھا۔ جنہوں نے اُسے جاتے دیکھا تھا، انہوں نے سمت بتائی مگر وہ گھبرا گیا
تھا۔ مالک گھوڑے پر اور لیلیٰ اونٹ پر سوار تھی۔

خالد نے ارد گرد کی بستیوں کو اپنے آدمی بھیج دیئے اور کچھ آدمی اُس سمت روانہ کئے مگر
بتایا گیا تھا کہ مالک گیا ہے۔ وہ صحران تھا۔ اونٹ اور گھوڑے کے قدموں کے نشان بڑے صاف
تھے یہ خالد کے آدمیوں کو ایک بستی میں لے گئے۔ یہ بنو تمیم کی ایک بستی تھی۔
"اے بنو تمیم!" خالد کے آدمیوں میں سے ایک نے بلند آواز سے کہا۔ "مالک بن نویرہ کو
اور بطاح کا کوئی اور آدمی جو یہاں چھپا ہوا ہو، اُسے ہمارے حوالے کر دیں۔ اگر وہ ہماری تلاش پر
پہلے تو اس بستی کو آگ لگا دی جاتے گی۔"

ذرا ہی دیر بعد مالک بن نویرہ لیلیٰ کے ساتھ باہر آیا اور اپنے آپ کو خالد کے آدمیوں کے حوالے
کر دیا۔ بنو تمیم کے چند اور سرکردہ آدمی بھی جو یہاں آکر چھپ گئے تھے، باہر آ گئے۔ ان سب
کو مالک بن نویرہ کے ساتھ بطاح لے آئے۔ لیلیٰ بھی ساتھ تھی۔



"مالک بن نویرہ!" خالد نے مالک کو اپنے سامنے بلا کر پوچھا۔ "کیا یہ غلط ہے کہ
نے زکوٰۃ اور محصول مدینہ کو بھیجنے کی بجائے لوگوں کو واپس کر دیتے تھے؟"
"میں اپنے قبیلہ کو یہ کہہ کر نکلا تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ نہ کرنا۔" مالک بن نویرہ نے جواب
دیا۔ "میں نے انہیں یہ بھی کہا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ اور زکوٰۃ ادا کرو۔"

"اور تم خود اس لیے روپوش ہو گئے تھے کہ تم اسلام سے خوف ہو گئے تھے۔" خالد نے
کہا۔ "اور تم خوف ہی رہنا چاہتے ہو۔۔۔ تم نے اپنے شعروں میں لوگوں سے کہا تھا کہ وہ زکوٰۃ
اور محصول ادا نہ کریں اور تم نے انہیں کہا تھا کہ اسلامی حکومت کے احکام کی تم خلاف ورزی کر
گے جو تم نے کی۔"

"ہاں ولید کے بیٹے! مالک نے کہا۔" میں نے خلاف ورزی کی لیکن میں اپنے قبیلہ
سے کھڑا ہوں کہ اب وہ خلاف ورزی نہ کریں۔"

"اور تم نے سبحان کی جھوٹی بیعت کو تسلیم کیا۔" خالد نے کہا۔ "اور اُس کے ساتھ مل کر
لوگوں کو قتل کیا اور انہیں لوٹا اور تم نے ان لوگوں کا قتل عام کیا جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔"
مالک نے سر ہلا کر اس جرم کا اقرار کیا۔

"کیا تو مجھے بتا سکتا ہے کہ میں انہیں قتل کیوں نہ کروں؟" خالد نے کہا۔
"میں جانتا ہوں کہ تمہارے خلیفہ جیسے تھیں میرے قتل کا حکم نہیں دیا۔" مالک بن نویرہ

بال کھلے رکھتی تھی۔ خالدؓ کے پاؤں پر وہ چھکی تو اس کے بال اُس کے کندھوں پر بکھر گئے۔ خالدؓ کو بال اتنے اچھے لگے کہ انہوں نے کہا۔ ”اب تو میں تیرے خاوند کو ضرور قتل کر دوں گا۔“ یہ کہا جاسکتا ہے کہ خالدؓ جو خوش ذوق اور زندہ مزاج تھے، ایسی کے حُسن سے متاثر ہوئے ہوں گے لیکن خالدؓ وہ شخصیت تھی جس نے بسترِ مرگ پر کہا تھا کہ میرے جسم پر کوئی بگڑا ہوا لباس جس پر جہاد کا زخم نہ آیا ہو؟ ان کا کردار اتنا کمزور نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ ایک عورت کی خاطر اپنے زینے کا ناجائز فائدہ اٹھاتے۔

خالدؓ کے حق میں بات کرنے والوں نے کہا ہے کہ خالدؓ نے مالک بن نویرہ اور اُس کے ساتھیوں کو قیدیوں ڈال دیا تھا اور انہیں مدینہ بھیجا تھا۔ رات بہت سرد تھی خالدؓ کو خیال آیا کہ قیدی سردی سے ٹھہر رہے ہوں گے۔ انہوں نے حکم دیا۔ ”دافعو اسرا کہ۔“ اس کا ترجمہ ہے۔ ”قیدیوں کو گرمی پہنچاؤ۔“ کئی نہ کی زبان میں مدافعا کا لفظ قتل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بد قسمتی سے یہ قیدی جن آدمیوں کے پہرے میں تھے وہ کمانہ کے رہنے والے تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ مالک بن نویرہ اور اُس کے ساتھیوں کے جہازم کتنے سنگین ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ”گرمی پہنچاؤ“ کو قتل کے معنوں میں لیا اور مالک اور اُس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ خالدؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے کہا۔ ”اللہ جو کام کرنا چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔“

ان دو کے علاوہ ابھی روایات مختلف تاریخوں میں آئی ہیں جو ایک دوسری کی تردید کرتی ہیں۔ ان میں بعض خالدؓ کے حق میں جاتی ہیں بعض خلاف۔ مخالفانہ روایات کے مصنفوں کے مذہبی فرقوں کو دیکھو تو صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کے ایک ایک لفظ میں تعصب بھرا ہوا ہے اور وہ خالدؓ بن ولید کو رسوا کر رہے ہیں۔

تاریخ میں متضاد کہانیاں ملتی ہیں لیکن کبھی بھی متروخ نے یہ نہیں لکھا کہ اس شادی پر لیل کا رد عمل کیا تھا۔ کیا لیل نے خالدؓ کو مجبور ہو کر قبول کیا تھا یا وہ خوش تھی کہ ایک عظیم سپہ سالار کی بیوی بن گئی ہے جس کی فتوحات کے چرچے سرزمینِ عرب کے گوشے گوشے تک پہنچ گئے ہیں۔

اُس وقت کے جنگی رواج کے مطابق لیل مالِ غنیمت تھی۔ خالدؓ اُسے لوٹتی بنا کر اپنے پاس رکھ سکتے تھے۔ تاریخ میں ایک اشارہ ایسا ملتا ہے جو خالدؓ کے حق میں جاتا ہے۔ وہ بڑے بے کھالہ نے اُسے کسی کی یا اپنی لوٹ میں بیٹنے سے بچا لیا تھا۔ وہ اتنی حسین تھی کہ شہزادی لکھتی تھی خالدؓ جانتے تھے کہ لوٹوں کی زندگی کیا ہوتی ہے خالدؓ نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ لیل جتنی خوبصورت ہے اتنی ہی ذہین اور دانا ہے۔ انہوں نے اس عورت کی صلاحیتوں کو تباہی سے بچا لیا تھا۔



یہ خبر بد نیز بھی پہنچ گئی کہ خالدؓ نے مالک بن نویرہ کو قتل کر کے اُس کی بیوی کے ساتھ شادی کر لی ہے۔ خبر پہنچی بھی صحیح خلیفہؓ المسلمین ابو بکرؓ کے پاس اور خبر پہنچانے والے الوقادہ انصاری تھے جو اس شادی پر ناراض ہو کر مدینہ چلے گئے تھے۔ ابو بکرؓ نے اس خبر کو زیادہ اہمیت نہ دی۔ انہوں نے کہا کہ خالدؓ کو رسولِ کریمؐ سے سیفِ اللہ کا خطاب دیا تھا۔ ان کے خلاف وہ کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ خالدؓ نے کسی زندہ آدمی کی بیوی کو شہر لاکر اپنی بیوی نہیں بنایا۔

ابوقادہ انصاری خلیفہ ابو بکرؓ کے جواب سے مطمئن نہ ہوئے۔ وہ عمرؓ کے پاس چلے گئے اور انہیں ایسے انداز سے لیل کی خالدؓ کے ساتھ شادی کی خبر سنائی جیسے خالدؓ عیاش انسان ہوں اور ان کی عیاشی پرستی ان کے فرائض پر اثر انداز ہو رہی ہو۔ عمرؓ غصے میں آ گئے اور ابوقادہ کو ساتھ لے کر ابو بکرؓ کے پاس گئے۔

”خلیفہؓ المسلمین!“ عمرؓ نے ابو بکرؓ سے کہا۔ ”خالدؓ کا جرم معمولی نہیں۔ وہ کیسے ثابت کر سکتا ہے کہ بنو ربیع کے سردار مالک بن نویرہ کا قتل جائز تھا؟“

”مگر تم چاہتے کیا ہو عمرؓ؟“ ابو بکرؓ نے پوچھا۔

”خالدؓ کی معزولی!“ عمرؓ نے کہا۔ ”صرف معزولی نہیں۔ خالدؓ کو گرفتار کر کے یہاں لایا جائے اور اُسے سزا دی جائے۔“

”عمرؓ!“ ابو بکرؓ نے کہا۔ ”میں اتنا مان لیتا ہوں کہ خالدؓ سے غلطی ہوتی ہے لیکن یہ غلطی اتنی سنگین نہیں کہ اُسے معزول بھی کیا جائے اور سزا بھی دی جائے۔“

عمرؓ ابو بکرؓ کے پیچھے پڑے رہے۔ دراصل عمرؓ اتنا درجے کے انصاف پسند اور مسلمان کی پابندی میں بہت سخت تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ سالاروں میں کوئی غلط حرکت رائج پا جائے۔

”نہیں عمرؓ!“ ابو بکرؓ نے کہا۔ ”میں اُس شمشیر کو نیام میں نہیں ڈال سکتا جسے اللہ نے کافروں پر مسلط کیا ہو۔“

عمرؓ مطمئن نہ ہوئے۔ ابو بکرؓ عمرؓ کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے خالدؓ کو مدینہ بلوایا۔

خالدؓ بڑی مسافت طے کر کے بہت دنوں بعد مدینہ پہنچے اور سب سے پہلے مسجد نبویؐ میں گئے۔ انہوں نے اپنے عمامے میں ایک تیراز رس رکھا تھا۔ عمرؓ مسجد میں موجود تھے۔ خالدؓ کو دیکھ کر عمرؓ طیش میں آ گئے۔ وہ اٹھے۔ خالدؓ کے عمامے سے تیر کھینچ کر نکالا اور اسے توڑ کر پھینک دیا۔

”تم نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے۔“ عمرؓ نے غصے سے کہا۔ ”اور اُس کی بیوہ کو اپنی بیوی بنا لیا ہے۔ تم سنسار کر دینے کے قابل ہو۔“

خالدؓ مسلمان کے پابند تھے۔ وہ چپ رہے۔ انہوں نے عمرؓ کے غصے کو قبول کر لیا۔ وہ غامضی سے مسجد سے نکل آئے اور خلیفہؓ المسلمین ابو بکرؓ کے ہاں چلے گئے۔ انہیں ابو بکرؓ نے ہی جواب طلبی کے لیے بلایا تھا۔ ابو بکرؓ کے کہنے پر خالدؓ نے مالک بن نویرہ کے تمام جہازم سناٹے اور ثابت کیا کہ وہ مسلمان ہیں بلکہ مسلمانوں کا دشمن تھا۔

ابو بکرؓ خالدؓ نے بہت خفا ہوئے اور انہیں تنبیہ کی کہ آئندہ وہ ایسی کوئی حرکت نہ کریں۔ دوسرے سالاروں میں غلط رواج کا باعث بنے۔ ابو بکرؓ نے (طبری اور بیہقی کے مطابق) فیضیہ سلاطین کو فتوح قبیلہ کی کسی عورت کے ساتھ شادی کر لینا اور عدت کا عرصہ پورا نہ کرنا عربوں کے رواج کے عین مطابق ہے۔ اس عورت کو آخر لوٹتی بنا لیا تھا۔ یہ اُس کے آفاقی مرضی ہے کہ اُسے لوٹتی بنائے رکھے یا اُسے نکاح میں لے لے۔

ابو بکرؓ نے اپنے قبیلے میں کہا کہ اس وقت مسلمان ہر طرف سے خطروں میں گھبر رہے ہیں۔ میں قبیلے باغی ہونے جارہے ہیں۔ اپنے پاس نفری بہت تھوڑی ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی سالار دشمن کے کسی سردار کو غلطی سے قتل کر دیتا ہے تو یہ سنگین جرم نہیں۔

عمرؓ کو خلیفہ المسلمین ابو بکرؓ نے یہ کہہ کر ٹھنڈا کیا کہ اسلام کا ایک بڑا دشمن مسلمان بننے سے نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے، جنگی طاقت بن گیا ہے۔ اُس کے پاس کم و بیش پچاس ہزار نفری کا لشکر ہے اور عکرمہ بن ابوجہل اُس سے شکست کھا چکے ہیں۔ اب سب کی نظریں خالدؓ کی طرف اُٹھ رہی ہیں۔ اگر مسلمہ کو شکست نہ دی گئی تو اسلام مدینہ میں ہی رہ جائے گا۔ اس کامیابی کے لیے صرف خالدؓ موزوں ہیں۔

عمرؓ خاموش رہے۔ انہیں بھی ان خطروں کا احساس تھا۔ ابو بکرؓ نے خالدؓ کو حکم دیا کہ فوراً بطاح جاتیں اور وہاں سے میامہ پر چڑھائی کر کے اس فتنے کو ختم کریں۔
خالدؓ ایک بڑی ہی خطرناک جنگ لڑنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

دسمبر ۶۳۲ء (شوال ۱۱ھ) کے تیسرے جفتے میں خالدؓ بن ولید نے تیرہ ہزار مجاہدین سے مدینہ کے چالیس ہزار سے زیادہ لشکر کے خلاف میامہ کے مقام پر وہ جنگ لڑی جسے اسلام کی پہلی خونریز جنگ کہا جاتا ہے۔ اس جنگ کا آخری محرکہ ایک وسیع باغ حلیفہ الرحمنؓ میں اڑا گیا تھا وہاں دونوں طرف اس قدر جانی نقصان ہوا تھا کہ حلیفہ الرحمنؓ کو لوگ حلیفہ الموت (موت کا باغ) کہنے لگے۔ آج ہم اسے حلیفہ الموت کہا جاتا ہے۔

اُس وقت خالدؓ مدینہ میں تھے۔ انہیں خلیفہ المسلمین ابو بکرؓ نے عمرؓ کی اس شکایت پر جواب طلبی کے لیے مدینہ بلا یا تھا کہ انہوں نے مالک بن نویرا کو قتل کر دیا کہ اُس کی بیوی یحییٰ کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ ابو بکرؓ نے اُن حالات کو دیکھتے ہوئے جن میں اسلام گھیر گیا تھا، خالدؓ کے حق میں فیصلہ دیا اور خالدؓ کو واپس بطاح جانے اور میامہ کے سیکڑے کذاب کے فتنے کو ختم کرنے کا حکم دیا تھا۔
مسلمہ کذاب کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ اُس نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ اُس کے پیروکاروں کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ اُس کا لشکر مسلمانوں کے لیے خطرہ بن گیا تھا۔ اُس وقت تک مسلمان ایک طاقت بن چکے تھے لیکن مسلمہ کی طاقت بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ مدینہ کے لیے بھی خطرہ تھا اور اسلام کے لیے بھی۔ مدینہ سلطنت اسلامیہ کا مرکز تھا۔

خالدؓ کا لشکر بطاح میں تھا۔ وہیں انہوں نے مالک بن نویرا کو سترہ سے موت دی اور اُنس کی انتہائی حسین بیوی یحییٰ کے ساتھ شادی کی تھی۔ یحییٰ وہیں تھی۔ خالدؓ بطاح کو روانہ ہو گئے۔ انہیں معلوم تھا کہ اُن کے برائے ساتھی سالار عکرمہؓ اُسی علاقے میں اپنے لشکر کے ساتھ موجود ہیں اور مسلمہ کے خلاف مدد کو پہنچیں گے۔

عکرمہؓ بن ابوجہل اُن گیارہ سالاروں میں سے تھے جنہیں خلیفہ المسلمین نے مختلف علاقوں میں مقرر اور باغی قبائل کی سرکوبی کے لیے بھیجا تھا۔ دوسرے قبیلے اتنے طاقتور نہیں تھے جتنا مسلمہ کا قبیلہ بنو عقیفہ تھا، اس لیے اس علاقے میں عکرمہؓ کو بھیجا گیا تھا۔ ان کے پیچھے پیچھے ایک اور سالار شرجیل بن حسنہ کو بھیج دیا گیا۔ خلیفہ ابو بکرؓ نے سالار شرجیلؓ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ عکرمہؓ کو ماریں گے۔
عکرمہؓ میامہ کی طرف جارہے تھے۔ یہ دواڑھانی مینے پہنے کی بات ہے۔ اُس وقت خالدؓ تلخیر سے نوازا رہے تھے۔ انہوں نے طلحہ کو بہت بڑی شکست دی تھی۔ یہ خبر عکرمہؓ تک پہنچی تو وہ وحشت میں آ گئے۔ انہوں نے ابھی کسی قبیلے کے خلاف جنگی کارروائی نہیں کی تھی۔ کچھ دنوں بعد عکرمہؓ کو خبر ملی کہ خالدؓ نے مسلمہ کے طاقتور لشکر کو شکست دی ہے۔

مورخ لکھتے ہیں کہ عکرمہؓ پر انسانی فطرت کی ایک کمزوری غالب آ گئی۔ انہوں نے اپنے ساتھی سالاروں سے کہا کہ خالدؓ فتح یہ فتح حاصل کرتے جارہے ہیں اور انہیں ابھی لڑنے کا بھی موقع نہیں۔

شیر بے نیام حصہ اول

خلیفۃ المسلمین ابو بکرؓ نے شرجیل کو بیٹھایا کہ وہ جہاں میں وہیں رہیں اور جب خالدؓ آئیں تو اپنا لشکر ان کے ساتھ کر کے خود ان کے ماتحت ہو جائیں۔
خالدؓ کو بتایا گیا تھا کہ شرجیل کا لشکر بھی انہیں بل رہا ہے۔ وہ خوش ہوئے کہ اب وہ مسلمانوں کا تامل بہتر طریقے سے کر سکیں گے۔ انہیں توقع تھی کہ شرجیل کا لشکر تازہ دم ہو گا مگر یہ لشکر خالدؓ کو بلا تودہ تازہ دم نہیں تھا۔ اس میں کئی مجاہدین رنجی تھے۔
”کیا جو شرجیل؟“ خالدؓ نے پوچھا۔

”ہم ان کے سوا میرے پاس کوئی جواب نہیں“ شرجیل نے کہا۔ ”میں نے خلیفۃ المسلمین کی حکم دہلی کی ہے۔ میرے لیے حکم تھا کہ عکرمہ کو مدد دے اور دودل مگر میرے پہنچنے سے پہلے عکرمہ کے لشکر سے ٹکرائے اور سپاہ بھجوا کر تھا۔ یہ ایک غلطی تھی جس نے مجھ پر بھی غلبہ پایا کہ...“
”کہ ایک فتح مختار سے حساب میں لکھی جاتی ہے۔“ بار بک بن اور ذوالنہیش خالدؓ نے طنز پر لہجے میں شرجیل کا جواب پورا کرتے ہوئے کہا۔ ”اکیلے پتھر کی کوئی طاقت نہیں ہوتی شرجیل! پتھر بل کر چٹان بنا کرتے ہیں، پھر اس چٹان سے جو کڑا تپ ہے وہ دوسری بات کھانے کے لیے زندہ نہیں رہتا۔ خود غرضی اور ذاتی مناد کا انجام دیکھ لیا تم نے؟ عکرمہ جیسا تجربہ کار سالاریٹ کر دیا۔ ہر پہلو سے ہم پر کھڑا ہوا۔ ہوں کہ خلیفہ کو مختاری حاکم کی خبر نہیں ہونے والی گا۔“
شرجیل بن حسنہ نے عکرمہ جیسا غلط حرکت کی تھی۔ اُس نے بھی خالدؓ سے بازی لے جانے کے لیے راستے میں سید کے لشکر سے ٹکرائے لی اور سپاہ بھجوا کر تھا۔

سید کے کذاب دربار لگاتے بیٹھا تھا۔ ٹھٹھکے قد والا یہ بد صورت انسان مکمل ہی بن چکا تھا۔ اُس کا قبیلہ بنو حنیفہ تو اُسے نبی مان ہی چکا تھا، دوسرے قبیلوں کے لوگ جو حق و حقوق اُس کی بیعت کے لئے آئے اور اُس کی ایک جھلک دیکھنے کو بلے تاب رہتے تھے۔ لوگوں نے اُس کی قوت اور کمزوری دیکھ لی تھیں۔ اب اُس کے پیروکاروں نے وہ تجربے اور دیکھ لئے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے دو نامور سالاروں کو ذرا فراسی دیر میں میدان سے بھگا دیا تھا۔
مذہبی اور نظریاتی لحاظ سے تو مسلمان رشیم کی طرح نرم تھے لیکن میدان جنگ میں وہ فلاوسے زیادہ سخت اور ٹیکوں کی طرح تھمر بن جاتے تھے جیسا کہ لحاظ سے مسلمان دہشت بن گئے تھے۔ عکرمہ اور شرجیل نے اپنی غلطی اور جہمی سے شکست کھائی تھی لیکن بنو حنیفہ نے انہیں اپنے کذاب نبی کے جنرلوں اور کمزوری کے کھاتے میں لکھ دیا۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کو سید کے ہوا کو ان شکست سے بچانا ہے۔

”نمار الرحال! سید نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے اپنے دستِ راستِ نمار الرحال سے کہا۔ اب ہمیں سید کی طرف کوچ کی تیاری کرنی چاہیے۔ پہلوانوں میں اب وہ دم خم نہیں رہا۔“
پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نمار الرحال بن غنودہ وہ شخص تھا جس نے رسول کریم کے ساتھ میں نہ کر کر ان پر اُٹھا اور مذہب پر عبور حاصل کیا تھا اور اُسے پہلے بنا کر سید کے علاقے میں بھیجا گیا تھا

خالدؓ اور عکرمہؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے کے ساتھی اور ایک جیسے جنگجو اور میدان جنگ کے ایک جیسے قائد تھے۔

”کیوں نہ ہم ایک ایسی فتح حاصل کریں جس کے سامنے خالدؓ کی تمام فتوحات کی اہمیت ختم ہو جائے۔“ عکرمہؓ نے اپنے ماتحت سالاروں سے کہا۔ ”مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ شرجیل بن حسنہ ہماری مدد کو آ رہا ہے۔ معلوم نہیں وہ کب پہنچے۔ میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ میں سید پر حملہ کروں گا۔“

سید کے معمولی عقل و ذہانت کا آدمی نہیں تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ مسلمان اُس کی نبوت کو برکت نہیں کر رہے اور کسی بھی روز اسلامی لشکر اُس پر حملہ کر دے گا۔ اُس نے اپنے علاقے کے دفاع کا بندوبست کر رکھا تھا جس میں دیکھ بھال اور جاسوسی کا انتظام بھی شامل تھا۔ عکرمہؓ سوچے سمجھے لوٹنے گئے اور یہاں کے قریب پہنچ گئے۔ وہ چونکہ جذبات سے مغلوب ہو کر جا رہے تھے اس لیے اندیشہ نہ کر سکے کہ دشمن دیکھ رہا ہو گا۔ انہیں دشمن کے جاسوسوں نے دیکھ لیا اور سید کو اطلاع دی۔

ایک علاقے میں جہاں اوپنے ٹیلے اور بیکریاں تھیں، عکرمہؓ کو سید کے کچھ آدمی دکھائی دیے۔ عکرمہؓ نے اُن پر حملہ کر دیا مگر سید کا چچا یا بھو ا جا ل تھا۔ سید نے وہاں خاصا لشکر بھجوا رکھا تھا جس نے دائیں بائیں سے عکرمہؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ عکرمہؓ اس غیر متوقع صورتحال میں سنبھل نہ سکے۔ سید کے لشکر نے انہیں سنبھلنے دیا ہی نہیں۔ عکرمہؓ کے ساتھ نامی گرامی اور تجربہ کار سالار اور کمانڈر تھے لیکن میدان دشمن کے ہاتھ تھا۔ اُس نے مسلمانوں کی کوئی چال کا میاب نہ ہونے دی۔ عکرمہؓ کو نقصان اُٹھا کر سپاہ بھجوا کر تھا۔

عکرمہؓ اپنی اشد شکست کو چھپا نہیں سکتے تھے۔ چھپا لیتے تو لشکر میں سے کوئی مدینہ اطلاع بھیج دیتا۔ چنانچہ عکرمہؓ نے خلیفۃ المسلمین کو لکھ بھیجا کہ اُن پر کیا گزری ہے۔ خلیفہ ابو بکرؓ کو سخت غصہ آیا۔ اُنہوں نے عکرمہؓ کو واضح حکم دیا تھا کہ شرجیل کا انتظار کریں اور اکیلے سید کے سامنے نہ جاتیں مگر عکرمہؓ نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔ ابو بکرؓ نے عکرمہؓ کو جو تحریری بیٹھا بھیجا، اس میں غصے کا اظہار اس طرح کیا کہ عکرمہؓ کو ان اوجھل لکھنے کی بجائے ابنِ ام عکرمہؓ (عکرمہؓ کی ماں کے بیٹے) لکھا، یہ عربوں میں دلچ تھا کہ کسی کی توہین مقصود ہوتی تو اُس کے باپ کے نام کے بجائے اُسے اُس کی ماں سے منسوب کرتے تھے۔ اس سے یہ ظاہر کیا جاتا تھا کہ مختاری ولدیت مشکوک ہے یا یہ کہ تم اپنے باپ کے بیٹے نہیں ہو۔ خلیفۃ المسلمین نے لکھا:

”اے ابنِ ام عکرمہ! میں مختاری صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ مدینہ آؤ۔ تم آتے تو یہاں کے لوگوں میں مایوسی پھیلاؤ گے۔ مدینہ سے دور رہو۔ تم اب یہاں کا علاقہ چھو دو اور خلیفہ کے ساتھ جاؤ اور اہل عمان سے لڑو۔ وہاں سے فارغ ہو کر عفریہ کی مدد کے لیے ہر چلے جاؤ۔ اس کے بعد میں جاؤ کہ ہمارے بنی امیہ سے جا ملنا جب تک تم سالاری کے معیار پر نہیں اترتے مجھے اپنی صورت نہ دکھانا۔ میں تم سے بات تک نہیں کروں گا۔“

مگر اُس مسیلہ کا جادو چل گیا۔ اُس نے مسیلہ کی نبوت کا پرچار شروع کر دیا۔ آیات قرآنی کو مٹوڑ کر اُس نے ان لوگوں کو بھی مسیلہ کا پیروکار بنادیا جو اسلام قبول کر چکے تھے مسیلہ نے اُسے اپنا عقیدہ خاص بنالیا تھا۔ یہ شراب اور نسوانِ حُسن کا جادو تھا۔ خود مسیلہ جس کی شکل و صورت مکروہ کی تھی اور وہ بھی خیر حد تک خشک تھا، عورتوں میں زیادہ مقبول تھا۔ مورتِ خُصّہ کہتے ہیں کہ عورتوں کے لیے اُس میں ایک مخصوص کشش تھی۔ سبّا جی جی عورت جو قلوبِ پھرہ کی طرح جنگی قوت لے کر مسیلہ کو منہ تیغ کرنے لگی تھی صرف ایک ملاقات میں اُس کی بیوی بن گئی تھی۔

مسیلہ کی جسمانی طاقت اور عقلی حدت تھی۔ اب تو وہ بہت بڑی جنگی طاقت بن گیا تھا۔ مگر نہ اور شہر چل کر پسا کر کے اُس کے اپنے اور اُس کے لشکر کے حوصلہ بڑھ گئے تھے۔ وہ اب مدینہ پر چڑھائی کی باتیں کر رہا تھا۔ وہ دربار میں بیٹھا نہار الرجال سے کہہ رہا تھا کہ مدینہ کی طرف فوج کی تیاری کرنی چاہیے۔ نہار الرجال کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ مسیلہ کو اطلاع دی گئی کہ ایک جاسوس آیا ہے مسیلہ نے لے خور بلالیا۔

”مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے۔“ جاسوس نے کہا۔ ”تقد و دوس اور پندرہ ہزار کے درمیان ہے۔“ تم نے جب دیکھا، یہ لشکر کہاں تھا؟“ مسیلہ نے پوچھا۔

”وادیِ حنیفہ سے کچھ دور تھا۔“ جاسوس نے جواب دیا۔ ”اب اور آگے آچکا ہوگا۔“

”ان بد بختوں کو موت وادیِ حنیفہ میں لے آتی ہے۔“ مسیلہ نے رعوت سے کہا۔ ”انہیں معلوم نہیں کہ ان کا دس پندرہ ہزار کا لشکر میرے چالیس ہزار شہروں کے ہاتھوں جیرا چڑا جائے گا۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ تمام درباری حیرتِ آرام کے لیے اُٹھے۔ وہ نہار الرجال کو ساتھ لے کر دہرست نکل گیا۔ اُس نے اپنا گھوڑا تیار کرایا، نہار الرجال کو ساتھ لیا اور دونوں کے گھوڑے انہیں یمامہ سے دور لے گئے۔ وہ وادیِ حنیفہ کی طرف جا رہے تھے۔

”اس وادی سے وہ زندہ نہیں نکل سکیں گے۔“ راستے میں مسیلہ نے نہار الرجال سے کہا۔ ”میرے اس پھندے سے وہ واقف نہیں۔“

نہار الرجال نے ہنسنے لگا اور بولا۔ ”آج محمدؐ کا اسلام وادیِ حنیفہ میں وضع ہو جائے گا۔“ وہ اُدھارستہ طے کر چکے تھے کہ آگے سے ایک گھوڑا سوار گھوڑا سرپٹ دوڑانا آ رہا تھا۔ مسیلہ کو دیکھ کر وہ رک گیا۔

”یابنی!“ گھوڑا سوار نے بابتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”مجھے بن مرہہ کو مسلمانوں نے قید کر لیا ہے۔“ ”مجھ کو؟“ مسیلہ نے حیرت سے کہا۔

”مجھ کو مسلمانوں نے...“ نہار الرجال نے ڈری ہوئی آواز میں کہا۔ ”مجھ کی لٹکر کا جمارے پاس اور کوئی سالار نہیں۔“ مسیلہ نے کہا۔ ”مجھ کا قید ہو جانا مجھ سے لیے اچھا شگون نہیں۔“



مجھے بن مرہہ مسیلہ کا بڑا ہی قابل اور دلیر سالار تھا۔ وہ خالدؓ سے ملنا چاہتا تھا۔ مگر عورتوں نے لکھا

ہے کہ خالدؓ کے مقابلے میں لڑنے اور جنگی چالیں چلنے کی اہلیت صرف مجاہد میں تھی۔ مجاہد مسلمانوں کے ہاتھ اس طرح چلے گیا تھا کہ اُس کے کئی قریبی رشتہ دار کو بنی عامر اور بنی تمیم کے کچھ لوگوں نے قتل کر دیا تھا۔ مجاہد نے میلہ سے اجازت لی تھی کہ وہ لشکر کے چالیس سوار ساتھ لے جا کر اپنے رشتہ دار کے قتل کا انتقام لے لے مسیلہ اپنے اتنے قابل سالار کو پاؤس نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے اُسے اجازت دے دی۔

مجاہد اپنے دشمنوں کی قسم میں گیا اور انتقام لے کر واپس آ رہا تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ جس علاقے کو وہ محفوظ سمجھتا تھا، وہ اب محفوظ نہیں۔ اُس نے اپنے سواروں کو ایک جگہ آرام کے لیے روک لیا۔ وہ سب اپنا دھن کا میا بنی سے بورا کر آتے تھے۔ گھوڑوں کی زینیں اتار کر وہ لیٹ گئے اور گہری نیند سو گئے۔ خالدؓ کا لشکر اسی طرف آ رہا تھا۔ علی الصبح اس لشکر کا ہر اول دستہ وہاں پہنچا جہاں مجاہد اپنے چالیس سواروں کے ساتھ گہری نیند سو رہا تھا۔ ان سب کو مجاہد نے جگایا۔ ان سے سختیار اور گھوڑے لے لئے اور انہیں حراست میں لے کر پیچھے خالدؓ کے پاس لے گئے۔ خالدؓ کو معلوم نہیں تھا کہ مجاہد میلہ کا بڑا قیمتی سالار ہے۔ خالدؓ اُسے بھی محض سوار یا سپاہی سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے دراصل بڑا مولنا لشکر بکرا لیا تھا۔

انہوں نے یہ تو بتا دیا کہ وہ مسیلہ کی فوج کے آدمی ہیں لیکن مجاہد کا رتبہ ظاہر نہ ہونے دیا۔ ”کیا تم ہمارے مقابلے کے لیے آتے تھے؟“ خالدؓ نے ان سے پوچھا۔

”نہیں۔“ ایک نے جواب دیا۔ ”ہمیں تو معلوم ہی نہ تھا کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے۔ ہم بنی عامر اور بنی تمیم سے اپنے ایک خون کا بدلہ لینے گئے تھے۔“

”میں نے مان لیا۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”میں تمہاری بنی عامر کو سکتا ہوں۔ اب میرے اس سوال کا جواب دو کہ تم کے اللہ کا سپہا رسول مانتے ہو اور کس پر ایمان رکھتے ہو؟“

”لے شک مسیلہ اللہ کا سپہا رسول ہے۔“ ایک سوار نے جواب دیا۔ ”خدا کی قسم!“ خالدؓ نے کہا۔ ”تم میری توہین کر دیتے تو میں نہیں بخش دیتا، اپنے رسول کی توہین کو میں کس طرح برداشت کر سکتا ہوں۔“

”تم اپنے رسول کو مانو، ہم اپنے نبی کو مانتے ہیں۔“ مجاہد نے کہا۔ ”اصل بات بھی یہی ہے کہ مسلمانوں میں محمدؐ کا برابر کا حصہ دار ہے۔“

”ہم سب کا عقیدہ یہی ہے۔“ سواروں نے کہا۔ ”ایک نبی تم میں سے ہے ایک ہم میں سے ہے۔“

خالدؓ نے تلوار کھینچی اور ایک ہی دھڑ سے ایک سوار کا سر اُڑا دیا اور حکم دیا کہ سب کو قتل کر ڈالو۔ خالدؓ کے آدمی آگے بڑھے اور مجاہد کو پکڑ کر اُس کا سر کاٹنے کے لیے جھکا دیا۔ اُسے قتل کرنے والے تلوار ہاتھ میں بندھ بیٹھے۔

”ہاتھ روکو!“ قیدی سواروں میں سے ایک جس کا نام ساریہ بن عامر تھا، چلا یا۔ ”اس آدمی کو زندہ رہنے دو۔ یہ تمہارے کام ہو سکتا ہے۔“

تب انکشاف ہوا کہ مجاہد بنو حنیفہ کے سرداروں میں سے ہے لیکن یہ پھر بھی نہ بتایا گیا کہ یہ

آج بڑے تدار سے جائیں گے۔

میدان نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اُس نے دائیں حصے کی قیادت ہند الرجاں وادی میں حصے کا سالار محمد بن طفیل تھا اور درمیان میں یعنی قلب میں خود رہا۔ اُس نے اپنے بڑے جیس فہم شرجیل تھا کہ وہ لشکر سے خطاب کرے۔ ایک شرجیل بن حسنہ خالد کے لشکر کا سالار تھا۔ میدان نے اپنے کانام بھی شرجیل تھا۔ شرجیل گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے لشکر کے تینوں حصوں کے سامنے باری باری مار کہا:

”اے بنو حنیفہ! آج اپنی آن اور اپنی آبرو پر مڑنے کا وقت آ گیا ہے۔ خدا نے تمہارے قبیلے کو نبوت دی ہے۔ آج اپنی آبرو اور نبوت کی خاطر اس طرح لڑو کہ مسلمانوں کو بچ کر بھی تمہارے سامنے آنے کی جرأت نہ ہو۔ اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو دشمن تمہاری بیویوں، تمہاری بہنوں اور تمہاری بیٹیوں کو لوٹ لیں گے اور اس زمین پر ہی جو تمہاری زمین ہے، اُن کی آبرو لوٹے گا۔ کیا تم یہ منظر برداشت کرو گے؟“

میدان کے لشکر کو جیسے آگ لگ گئی ہو۔ وہ میدان کے نام کے نعرے لگانے لگے۔ گھوڑے کھڑے ہو کر پہنچنے لگے۔ خالد اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے کہ میدان کے لشکر اُن پر فوراً ہلے گا۔ فہم کی افراط کے زور پر میدان کو حملہ کر دینا چاہئے تھا لیکن مورخ لکھتے ہیں کہ وہ جنگ کے فرائض مبارزت رکھتا تھا۔ اُس نے حملے میں پہل نہ کی۔ اُس کا خیال تھا کہ پہلے خالد حملہ کرے اور دفاع میں لڑا جائے اور جب مسلمان تھک جائیں تو دائیں بائیں سے حملے کر کے انہیں ختم کر دیا جائے۔ اُس دور کی تحریریں بتاتی ہیں کہ خالد میدان کی چال نہ سمجھ سکے۔ انہوں نے اپنے سالاروں سے کہا کہ ہم زمین سے اُسے سامنے کی جنگ اس طرح لڑی جائے کہ اُسے اپنے دستوں کو اوڑھ کر مارنے کی ہمت نہ ملے اور وہ دفاعی لڑائی لڑنا رہے۔ خالد کو توقع تھی کہ مزہ ہلڑا سے چالیس ہزار کو شکست اسی طریقے سے دی جا سکتی ہے کہ اُسے کوئی جان چلنے کا موقع نہ دیا جائے۔

اُس وقت کے رواج کے مطابق خالد کو بھی ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنے لشکر کا حوصلہ بڑھائیں۔ غزوہ السملین نے خالد کی مدد کے لیے جو دستے بھیجے تھے، ان میں قرآن کے حافظ اور خوش الحان قاری شامل تھے۔ اُس دور کے حافظ قرآن اور قاری ماہر تیغ زن اور لڑنے والے بھی ہوتے تھے۔ وہ میدان میں بیٹھے رہنے والے لوگ نہیں تھے۔

اس کے علاوہ خالد کے ساتھ وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے ہرمیدان میں اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمن کو شکست دی تھیں۔ خالد کے لشکر میں عمر کے بچے اور بچوں کا خطاب اور ان کے بیٹے عبداللہ بھی تھے۔ اس کے علاوہ ابوہریرہ بھی تھے جو جنگ آمد میں اُن تیسروں کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے۔ ہرمیدان کے لیے یہ آ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے جسر کو اُن کی دھال بنا دیا تھا۔ خلیفۃ السملین کے بیٹے عبداللہ بھی تھے اور ایک قانون اہل علم عبداللہ اپنے بیٹے کے ساتھ گئی تھیں۔ اہل علم عبداللہ ایک اہل علم لڑی تھیں۔

ان کے علاوہ وحشی نام کا حبشی بھی خالد کے ساتھ تھا جس کی پچھلی موتی برہمی نشانے سے بال

سالار بھی ہے۔ خالد دور اندیش تھے۔ کسی قبیلے کا سردار بڑا قیمتی برغمال ہوتا تھا۔ اُسے کسی کسی موقع پر استعمال کیا جاسکتا تھا۔ خالد مجاہد کے پاؤں میں بیسٹیاں ڈلو کر اُسے اپنے نو میں لے گئے اور اپنی بیوی لیلیٰ کے حوالے کر دیا۔ باقی سب کو قتل کر دیا۔

☆

میدان کے لیے مجاہد کی گرفتاری معمولی نقصان نہیں تھا لیکن وادی حنیفہ وہ پھندا تھا جہاں نقصان کو پورا کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ میدان کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار تھی اور مسلمانوں کی تیرہ ہزار تھی۔ میدان کے پاس گھوڑے سوار اور شتر سوار دسے زیادہ تھے۔ بعض مؤرخوں نے ہزار کے لشکر کی تعداد شتر سوار لکھی ہے۔ بہر حال تعداد چالیس ہزار سے زیادہ تھی، کم نہ تھی۔ خالد کی ایک کمزوری تو یہ تھی کہ لشکر کی تعداد خطرناک حد تک کم تھی، دوسری کمزوری یہ کہ وہ اپنے مستقر سے دور تھے جہاں کمک اور رسد کا پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ انہیں صرف ایک سہولت حاصل تھی۔ اُن علاقے میں پانی اور جانوروں کے لیے ہرے چارے کی کمی نہیں تھی۔ وہ درخیز کھیتوں اور باغ کا علاقہ تھا۔

میدان کو ہرے بھرے کھیتوں اور باغوں کا غمگین رہا تھا۔ اُس نے ہند الرجاں سے کہا کہ وہ ایسے انداز سے لڑنا چاہتا ہے کہ مدینہ کا لشکر بستیوں کو، کھیتوں اور باغوں کو نہ ہلا سکے۔ تاہم لڑائی کا میدان کسی قسم کے تذبذب، اضطراب یا پریشانی میں مبتلا نہ تھا۔ وہ اُس طرح بات کرتا جیسے اپنی فتح کا یقین ہو۔ وہ بڑی موزوں بنیادوں پر کھڑا بات کر رہا تھا۔ اُس کا چالیس ہزار کا لشکر بڑا بھی تھا اور یہ سب میدان کے نام پر جائیں قربان کرنے والے لوگ تھے۔ میدان کی نبوت کا تحفظ اُن کے لیے جنوں بن چکا تھا۔

خالد کچھ دے میں آنے والے سالار نہیں تھے۔ موت میں وہ چندے میں آچکے تھے۔ یہاں کے علاقوں سے وہ واقف نہیں تھے۔ انہوں نے دیکھ بھال اور آگے کی زمین کا جائزہ لینے۔ لیے ایک پارٹی بھیج دی تھی۔ رات کو اس پارٹی نے جو رپورٹ دی، اس کے مطابق خالد اپنا راستہ بدل دیا کہ حنیفہ کی وادی کے اندر سے نہ گزرنا پڑے۔ وہ دور دور کا چکر کاٹ آگے نکل گئے۔

میدان نے بھی دیکھ بھال کا انتظام کر رکھا تھا۔ اُسے اطلاع ملی کہ مدینہ والے آگے نکلے ہیں تو اس نے اپنا لشکر تیزی تیزی سے عفرہ کے میدان میں منتقل کر دیا۔ خالد کی نظر اسی پر تھی لیکن دشمن پہلے پہنچ گیا تھا۔ خالد نے ایک جاگ دیکھ لی جو میدان سے ملتی تھی۔ انہوں نے وہاں اپنا لشکر روک لیا۔ وہاں سے وہ میدان کے پہاڑ کو اچھی طرح دیکھ سکتے تھے۔

میدان نے اسی میدان کو بہتر اور موزوں سمجھا تھا۔ ایک تو اس نے اپنے لشکر کا تمام سرمایہ دار مال و اسباب اپنی خیمہ گاہ سے پیچھے رکھا تھا، دوسرے یہ کہ کھیتوں اور باغات بھی لشکر کے پیچھے تھے۔ ان سب کی وہ بڑی اچھی طرح حفاظت کر سکتا تھا۔ اُس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ خالد میدان سے آگے نہ بڑھتا ہے تو وہ اُن پر عقب سے تھک دے گا۔ خالد بھی اس صورت کو بھانپ چکے تھے کہ وہ میدان سے

برابر اور دوسرے نہیں ہوتی تھی۔ قبول اسلام سے پہلے جنگ ابھری تھی اسی وحشیانہ اور بے رحمی کے ساتھ کہ شہید کیا تھا۔

مجاہدین کا لشکر تعداد میں تو کم تھا لیکن جوش و جذبہ کے لحاظ سے کم نہ تھا۔ خاندانہ نے خود بھی اپنے لشکر کا حوصلہ بڑھایا اور قرآن کے حافظوں اور قاریوں سے کہا کہ وہ مجاہدین کو یہ آیات قرآنی سن کر بتائیں کہ وہ گھروں سے اتنی دُور کس مقصد کے لیے لڑنے آئے ہیں۔ قاری اپنی پڑاؤ آوازوں میں لشکر کو وہ آیات سناتے گئے جن میں مسلمانوں کے لیے جہاد فرض قرار دیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ رات بھر چلتا رہا۔ اللہ کے سوا اور کون تھا جو ان قلیل تعداد مجاہدین اسلام کی مدد کرتا۔ مؤمنین کے مطابق مجاہدین کے اس لشکر نے تمام رات عبادت اور دعاؤں میں گزار دی۔

دسمبر ۶۳۲ء کے تیسرے ہفتے کی ایک صبح طلوع ہوئی تو خالد بن ولید کے لشکر پر حملہ ہوا۔ خالد نے بھی اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ قلب کی قیادت انہوں نے اپنے پاس رکھی تھی۔ ایک طرف ابوذر غفاری اور دوسری طرف زید بن خطاب تھے۔ مسلمان جس قدر غضب سے حملہ آور ہوئے اور جس بے جگری سے لڑے وہ دیکھ کر خالد کو امید نہ گئی کہ وہ مرتدین کے لشکر کا کھڑکیاں چلیں گے۔ خود خالد سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے لیکن غصا وقت گزر جانے کے بعد بھی میلہ کا لشکر جہاں تھا وہیں رہا۔ بہت سے مجاہدین پہلے پہلے میں ہی شہید ہو گئے۔

دن گزرنا جا رہا تھا۔ میدان جنگ کا فہرہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ایک شور مچا، چیخ و پکار تھی مگر ناک آہ دیکھتی جزمین و آسمان کو ہلار ہی تھی۔ میلہ کا لشکر گھوم پھر لڑ رہا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں کو گھیرے میں لے لے اور مسلمانوں کا عزم یہ تھا کہ مرتدین کے اس لشکر کے قدم اکھاڑنے میں اور کیا پریشان کرنا ہے۔ دونوں لشکر اپنی اپنی کوششوں میں ناکام ہو رہے تھے۔ اگر کامیاب تھا تو وہ میلہ کا لشکر تھا۔

میلہ بہت چالاک اور ہوشیار جنگی فائدہ تھا۔ وہ یہ جائزہ لیتا رہا کہ مسلمان کس وقت تک کچھ ہوتے ہیں۔ آدھا دن گزر گیا۔ زمین خون سے لال ہوتی جا رہی تھی۔ زخمی انسان جاتے دھڑتے گھوڑوں تلے کچے جا رہے تھے۔ مسلمان اس قدر بے جگری سے لڑنے کی وجہ سے کچھ جلدی تک گئے۔ میلہ نے جھانپ لیا۔ اُس نے اپنے لشکر کے ایک تان دم جیسے کوسمانوں پر حملہ کا حکم دے دیا۔ اس کے لشکر کا یہ حصہ طوفانی توجہ کی طرح آیا۔ میلہ نے سب کو یقین دلایا کہ خدا کا جوت کی موت کی خاطر اپنا ہوا سے گاہ میرا حاجت میں جانے گا۔

خالد نے غصہ بڑھایا۔ یہی دیر بعد محسوس کر لیا کہ اس کے لشکر پر دباؤ بہت تیز ہو گیا ہے۔ خالد کوئی چال سوچ ہی رہے تھے کہ مسلمانوں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ آگے والے دستے تیزی سے پیچھے ہٹے۔ پیچھے والے ان سے زیادہ تیزی سے پسپا ہوئے۔ سالاروں نے بہت شور مچایا۔ لشکر کو پکارا کہ لڑو۔ لیکن تیز رفتاری کا دباؤ ایسے قدر کی صورت اختیار کر گیا تھا جسے مسلمان برداشت نہ کر سکے اور ان میں بدتمیزی پھیل گئی۔ دیکھا دیکھی مسلمان ایسی بڑی طرح بھاگے کہ اپنی خیمہ گاہ میں بھی دھکے اور دھڑکیاں چلے گئے۔

میلہ کے لشکر نے ان کا تعاقب کیا۔ اُحد کے میدان میں بھی مسلمانوں نے اپنے لئے ایسی ہی صورت حال پیدا کر لی تھی اور ہزیمت اٹھائی تھی۔ یہ ان کی دوسری پسپائی تھی جو جنگ بڑی صورت اختیار کر گئی تھی۔



میلہ کا لشکر جب مسلمانوں کی خیمہ گاہ تک پہنچا تو اُس نے وہاں ٹوٹ مار شروع کر دی۔ وہاں انہیں روکنے والا کوئی نہ تھا۔ خالد اور اُن کے تمام سالار دوڑ دوڑ کر اپنے لشکر کو روکنے کے لیے چیخ مچا رہے تھے لیکن مسلمان اپنی خیمہ گاہ سے خاصی دُور جاؤ گئے۔ میلہ کے لشکر کے کچھ آدمیوں کو خالد کا خیمہ مل گیا۔ وہ اُس میں جا گئے۔ وہاں انہیں زیادہ مال و دولت ملنے کی توقع تھی لیکن اس خیمے میں انہیں دو اتنے قیمتی انسان مل گئے جن کی انہیں توقع نہیں تھی۔ ایک تو اُن کا پناہ دار اور سالار مجاہد تھا جو بیابانوں میں بکرا بٹھاتا تھا اور اُس کے ساتھ خالد کی بیوی لیلیٰ ام سلمہ تھیں جس کے حسن کے چرچے انہوں نے سن رکھے تھے لیکن اُسے دیکھا کبھی نہیں تھا۔ مجاہد کو تو انہوں نے پہچان لیا۔ لیلیٰ کے متعلق انہیں ہمارے بتایا کہ یہ کون ہے۔ بیک وقت دو تین آدمی لیلیٰ کی طرف پکے۔ وہ اُسے قتل کرنا یا اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔

وہاں جاؤ۔ اُن کے قیدی سردار مجاہد نے حکم دیا۔ دشمن کے آدمیوں کے پیچھے جاؤ۔ ابھی عورتوں کے پیچھے لڑنے کا وقت نہیں۔ میں اب اس کا نہیں بلکہ میری قیدی ہی ہے۔ اُن کے سردار کا حکم اتنا سخت تھا کہ وہ بڑی تیزی سے خیمے سے نکل گئے۔ انہیں اتنا بھی ہوش نہ رہا کہ اپنے سردار کی بیڑیاں ہی توڑ جاتے۔

”تم نے مجھے ان آدمیوں سے کیوں پسپا کیا ہے؟“ لیلیٰ نے مجاہد سے پوچھا۔ ”کیا تم مجھے اپنا مال غنیمت سمجھتے ہو؟ اگر تہذیبیت ہی ہے تو کیا تمہیں یہ احساس نہیں کہ میں نہیں قتل کر سکتی ہوں؟“ ”تم نے میرے ساتھ جو اچھا سلوک قید کے دوران کیا ہے میں اس کے صلے میں اپنی جان دے سکتا ہوں۔“ مجاہد نے کہا۔ ”خدا کی قسم! میری بیڑیاں ٹوٹ کر تمہارے پاؤں میں پڑ جائیں تو مجھ میں نہیں مال غنیمت یا اپنی بونڈی نہیں سمجھوں گا۔ تم نے مجھے قیدی نہیں جہان بنا کر رکھا ہے۔“

”میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔“ لیلیٰ نے کہا۔ ”یہ مسلمانوں کی روایت ہے کہ دشمن اُن کے گھر چلا جائے تو اسے وہ معزز جہان سمجھتے ہیں۔ اگر تم میرے گھر میں ہوتے تو میں تمہیں اور زیادہ آرام پہنچا سکتی تھی۔“

”لیلیٰ! مجاہد نے کہا۔ ”کیا تم مجھے ابھی احساس نہیں ہو کہ تمہارا خاندان شکست کھا کر بھاگ گیا ہے اور تم میرے قیدی کے قبضے میں ہو؟“

”فوج اور شکست کا فیصلہ خدا کرے گا۔“ لیلیٰ نے جواب دیا۔ ”میرا خاندان اس سے زیادہ سخت چوڑیں برداشت کر سکتا ہے۔“

”مگر تم غارتوں! مجاہد نے ناسمجہ مسکراہٹ سے کہا۔ ”کیا تم مجھے ابھی تک احساس نہیں ہو کہ خدا میلہ کے ساتھ ہے جو اُس کا سچا نبی ہے؟ محمد کی رسالت سچی ہوتی۔۔۔“ ”مجاہد! لیلیٰ نے گرج کر اُس کی بات دہرائی۔ ”ختم کر دی اور بولی۔ اگر تُو نے محمد

کی رسالت کے خلاف کوئی بات کی تو مجھ پر تیسرا قتل فرض ہو جاتے گا۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ ہمارا لشکر مجھے اس خیمہ گاہ میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ گیا ہے جہاں میرے دین کے دشمن لوٹ مار کر رہے ہیں لیکن میرے دل پر ذرا سا بھی خوف نہیں۔ خوف اس لئے نہیں کہ مجھے مجھ کی روح مقدس پر پورا بھروسہ ہے۔

مجامع خاموش رہا اور وہ کچھ دیر نظر بن لیلیٰ کے چہرے پر گھاڑے رہا۔ باہر فوج لشکر کا فائزہ نعل بنیاد تھا۔ وہ مسلمانوں کے خیموں کو بھاڑ بھاڑ کر ان کے ٹکڑے بکھر رہے تھے۔ مجامع اور لیلیٰ کو توقع تھی کہ ابھی مسیلمہ کے آدمی آئیں گے اور دونوں کو ساتھ لے جائیں گے لیکن اچانک باہر کا کل عیناڑہ ختم ہو گیا اور لوٹ مار کرنے والے تمام لوگ بھاگنے دوڑنے خیمہ گاہ سے نکل گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسیلمہ کی طرف سے حکم آیا تھا کہ فوراً واپس میدان جنگ میں پہنچ کر دیکھو مسیلمہ نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمان بڑی تیزی سے آگے ہو کر منتظم ہو رہے تھے۔ مسیلمہ کوئی خطرہ محول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ مسلمانوں کی شجاعت اور ان کے جذبے سے مرعوب تھا۔

مجامع اور لیلیٰ خیمے میں اکیلے رہ گئے۔ مجامع کے چہرے پر جو رونق آئی تھی وہ بھر پور تھی۔

✽

خالدؓ اتنی جلدی بارمانے والے نہیں تھے۔ ضائع کرنے کے لئے ان کے پاس ایک ٹوکھی بھی نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے سالاروں اور کمانداروں کو اکٹھا کیا اور انہیں اس پسپائی پر شرم و لاتی، اسے میں ایک گھوڑا سر پیٹ و ڈھٹا کیا اور سالاروں وغیرہ کے اس اجتماع میں آڑ کا۔ وہ عمرؓ کے بھائی زیدؓ بن خطاب تھے۔

”خدا کی قسم ابن ولیدؓ! زیدؓ بن خطاب نے گھوڑے سے کود کر اترتے ہوئے جیٹی آواز میں کہا۔ ”میں نے مسیلمہ کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا ہے۔۔۔ میں نے نہار الزبال کو اپنے ہاتھوں قتل کیا ہے۔ یہ اللہ کا اشارہ ہے کہ فتح ہماری ہوگی۔“

نہار الزبال کا ہلاک ہو جانا مسیلمہ کے لئے معمولی نقصان نہیں تھا۔ بتایا جا چکا ہے کہ وہ مسیلمہ کا منہ خالص، واحد شیر اور صبح معنوں میں دست راست تھا۔ خالدؓ اور ان کے سالاروں نے یہ خبر سنی تو ان کے چہروں پر تازہ خوشنودی کی مٹھی آگئی۔

”کیا تم جانتے ہو تمہیں کس جڑ کی سڑا ملی ہے؟“ خالدؓ نے غصیلی آواز میں کہا۔ ”جئے بتایا گیا ہے کہ ہمارے لشکر میں دل چھٹ گئے تھے۔ لڑائی سے پہلے ہی ہمارے لشکر کے مہاجر کھنٹے گئے تھے کہ ہمدادی میں انصار اور بدو ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ انصار کہتے تھے کہ مسلمانوں میں ان جیسا بہادر کوئی نہیں اور بدو تو ان سے کہا کہ مکہ اور مدینہ کے لوگ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ جنگ ہوتی کیا ہے۔۔۔ تم جانتے ہو کہ ہم میں کدے بھاری ہیں۔ مدینہ کے انصار بھی ہیں اور ارد گرد کے علاقوں سے آئے ہوئے۔ تھے بدو بھی ہمارے ساتھ ہیں ان لوگوں نے ایک دوسرے پر طعنہ شروع کر دی تھی۔“

”ہاں کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔“ ایک سالار نے کہا۔ ”میرے پاس اس کا علاج ہے۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”ہم نے لشکر میں ان سب کو اکٹھا رکھا ہوا ہے۔ مزید وقت ضائع کئے بغیر تم سب جاؤ اور مہاجرین کو الگ، انصار کو الگ اور بدو کو الگ کر لو۔“

ایک جفتہ مہاجرین کا، دوسرا انصار کا اور تیسرا بدو کا بچھا۔ خالدؓ گھوڑے پر سوار ان کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔

”اللہ کے سپاہیو!“ خالدؓ نے بڑی ہی بلند آواز میں کہا۔ ”ہم نے میدان میں پیٹھ دکھ کر دشمن کے لئے ہنسی اور طعنہ زنی کا موقع پیدا کر دیا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ تم میں سے کون ہمدادی سے لڑا اور کون سب سے پہلے بھاگ اٹھا۔۔۔ مہاجرین! انصار! بدو! اب میں نے تمہیں اس لئے الگ الگ کر دیا ہے کہ دشمن پر فوراً جوابی حملہ کرنا ہے۔ اب دیکھیں گے کہ تم میں سے کون کتنا بہادر ہے۔ ہمدادی اور بدو کی کا فیصلہ طعنہ زنی سے نہیں کیا جاسکتا۔ میدان میں کچھ کر کے دکھاؤ لیکن اتحاد کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ رسول اللہؐ نے تمہیں باہمی پیار کا سبق دیا تھا وہ بھول نہ جانا۔ تم میں سے کوئی گروہ دشمن کے دباؤ کو برداشت نہ کرے تو تہمتیں پڑھتے ہوئے دوسرے گروہ اس کی مدد کو پہنچیں۔ تمہیں دشمن پر ثابت کرنا ہے کہ مسیلمہ جھوٹا نبی ہے۔ اگر ہم شکست کھا گئے تو یہ جھوٹی نبوت ہم پر مسلط ہو جائے گی اور ہم مسیلمہ کے غلام اور ہماری عورتیں مرتدین کی لونڈیاں بن جائیں گی۔“

خالدؓ نے یہ الفاظ ان تیروں کی طرح کارگر ثابت ہوئے جو اپنے نشانے سے اُدھر اُدھر نہیں جایا کرتے۔ لشکر میں نیا جوش اور نیا ولولہ پیدا ہو گیا۔ ادھر مرتدین مہاجرین کی خیمہ گاہ لوٹ کر اور تباہ کر کے جا چکے تھے۔ ادھر سے مسلمان اشارہ ملتے ہی مسیلمہ کے لشکر کی طرف چل پڑے۔

✽

مسیلمہ نے اپنے لشکر کو پھر حمد روکنے کی ترتیب میں کر لیا تھا۔ جب مہاجرین اسلام کا لشکر مقابلے میں پہنچا تو انصار کے ایک سردار ثابت بن قیس گھوڑے کو ایڑہ لگا کر لشکر کے سامنے آگئے۔

”اے ابی مدینہ!“ انہوں نے بلند آواز سے کہا۔ ”تم ایک شرمناک مظاہرہ کر چکے ہو۔ ثابت بن قیس نے دشمن کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”اے میرے اللہ! جس کی کئی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں میں اُس پر لعنت بھیجتا ہوں۔“ انہوں نے مہاجرین کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”اے اللہ! جو جڑی مثال میرے اس لشکر نے قائم کی ہے میں اس پر بھی لعنت بھیجتا ہوں۔“

انکار کر ثابت بن قیس نے نیام سے تلوار کھینچی اور گھوڑے کا رخ دشمن کی طرف کر

کے ایڑ لگا دی۔ ان کے آخری الفاظ یہ تھے۔ ”دیکھو، میری تلوار دشمن کو مرزہ بچھائے گی اور تمہیں جہنم اور استقلال کا نمونہ دکھائے گی۔“

ثابت بن قیس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور خالدؓ نے حملے کا حکم دے دیا۔ موزوں کوئیں میں کربلاؓ بن قیس کی تلوار ایسی شدت اور ایسی مہارت سے چل رہی تھی کہ حواری کے سامنے آیا وہ پھر اپنے پاؤں پر کھڑا نظر آیا۔ ان کے جسم کا شاید ہی کوئی حصہ رہ گیا ہو گا جہاں دشمن کی کوئی برہمی یا تلوار نہ لگی ہو۔ دشمن کی صفوں کے دور اندر جا کر ثابت بن قیس گرے اور شہید ہو گئے۔ اپنے لشکر کے لئے وہ واقعی جہنم و استقلال کا بے مثال نمونہ پیش کر گئے۔

محمد حسین ہیکل نے بعض مورتیوں کے حوالے دے کر لکھا ہے کہ خالدؓ کے لشکر نے قسب لکھا کی تھیں کہ اب ان کی لاشیں ہی اٹھائی جاتی تھیں گی، وہ زندہ نہیں نکلیں گے۔ ایک مورخ نے لکھا ہے کہ انہوں نے قسم کھائی کہ ہاتھ میں ہتھیار نہ رہا، ترکش میں پھر نہ رہا تو انہوں نے لڑیں گے۔

خالدؓ نے یہ مثال تمام کی کہ چند ایک جانباز جن کو اپنے ساتھ اس عزم سے کر لئے کہ جہاں لڑائی زیادہ خطرناک ہوگی وہاں وہ ان جانبازوں کے ساتھ جا کوڑیں گے۔ انہوں نے اپنے جانبازوں سے کہا۔ ”تم سب میرے پیچھے رہنا“ آگے وہ خود رہنا چاہتے تھے۔

دوبارہ لڑائی شروع ہوئی تو ایک نئی مصیبت آن پڑی۔ آندھی آگئی جس کا رخ مجاہدین اسلام کی طرف تھا۔ کچھ متوجہ نہ تھے کہ یہ صحرائی آندھی نہیں تھی بلکہ تیز ہوا تھی۔ میدان جنگ میں گھوڑوں اور پیادوں کی لڑائی ہوتی گرد زمین سے اُٹھتے بادلوں کی مانند تھی۔ تیز و تند ہوا کا رخ مجاہدین کی طرف تھا اس لئے مٹی اور ریت مسلمانوں کی آنکھوں میں پڑتی تھی۔ بدر میں کفار کے ساتھ ایسے ہی ہوا تھا۔ ہوا تیز ہوتی جا رہی تھی۔

کچھ مجاہدین نے زین بن خطاب سے پوچھا کہ ایسی آندھی میں وہ کیا کریں۔ ”خدا کی قسم! زین بن خطاب نے گرجدار آواز میں کہا۔ ”میں اپنے اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے دشمن کو شکست دینے تک زندہ رکھے۔۔۔۔۔ اسے اہل مکہ و مدینہ! آندھی سے مت ڈرو۔ سرد کو ذرا جھکا کے رکھو۔ اس طرح ریت اور مٹی تمہاری آنکھوں میں نہیں پڑے گی۔ پیچھے نہ ہٹ جانا۔ جہنم سے کام لو۔ استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ آندھی اور طوفان تمہارا کچھ نہیں لگاڑ سکتے۔“

زین بن خطاب سالار تھے۔ انہوں نے مجاہدین کے لئے یہ مثال تمام کی کہ تلوار لہراتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے دستے ان کے پیچھے گئے۔ زین بن خطاب تلوار چلاتے دوڑتے نکل گئے اور شہید ہو گئے۔

ایک اور سالار ابو حذیفہؓ نے بھی یہی مثال تمام کی۔ وہ یہ نعرہ لگا کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ ”اے اہل قرآن! اپنے اعمال سے قرآن حکیم کی ناموس کو بچاؤ۔“ وہ بھی مقابلے میں آئے والے بہ شہرہ کو کاٹتے گئے، زخم کھاتے گئے اور شہید ہو گئے۔

ان سالاروں نے جہاں دے کر مجاہدین کے عزم میں جان ڈال دی اور وہ آسمانی جہلیوں کی طرح دشمن پر ٹوٹ ٹوٹ پڑے گئے۔ اس کے باوجود مسلمانوں کا لشکر قائم و دائم تھا۔

خالدؓ نے میدان جنگ کا جائزہ لیا۔ یہ ایسی جنگ تھی جس میں چالیس چلنے کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں تھی۔ یہ آٹنے سے آٹنے کی جگہ تھی۔ اس میں صرف ذاتی شجاعت ہی کام آسکتی تھی۔

خالدؓ نے میدان جنگ کا جائزہ دیتے ہوئے دیکھا کہ مسلمانوں کے محافظ اس کی حفاظت کے لئے جہاں قربان کر رہے ہیں۔ خالدؓ کو فتح کا یہی ایک طریقہ نظر آیا کہ مسلمانوں کو مار دیا جائے۔ یہ کام اتنا سہل نہیں تھا جتنی آسانی سے دماغ میں آیا تھا، لیکن خالدؓ ناممکن کو ممکن کر دکھانے کے لئے اس طرح مسلمانوں کی طرف بڑھے کہ ان کے جانبازوں نے ان کے گرد گھیر ڈال رکھا تھا جب قریب گئے تو مسلمانوں کے محافظوں نے ان پر ہتھ بول دیا۔ خالدؓ کے قریب جا کر آیا وہ زندہ نہ رہا مگر مسلمانوں کو ہتھیار نہیں مل سکتا تھا۔

خالدؓ کے جانبازوں نے اپنی ترتیب بکھر نے نہ دی۔ ایک موزوں موقع دیکھ کر خالدؓ نے اپنے جانبازوں کو بل کر بلے لے کر حکم دے دیا۔ خالدؓ خود بھی پہلے میں شریک ہو گئے کچھ محافظ پہلے ہی مر چکے تھے یا زخمی ہو کر زمین پر تڑپ رہے تھے۔ خالدؓ کے جانبازوں کا ہتھ اتنا شدید تھا کہ مسلمانوں کے محافظ بڑھ گئے۔ میدان جنگ کی صورت حال یہ ہو گئی تھی کہ مجاہدین جو فتح یا موت کی قسمیں کھا چکے تھے وہ شہر میں پر ایک خوف بن کر چھا رہے تھے۔ مسلمانوں کو اپنی حفاظت کے لئے کوئی اور محافظ نہیں مل سکتا تھا۔

مسلمانوں کے نعروں کے ساتھ آندھی کی جتنی میدان جنگ کی ہولناکی میں اضافہ کر رہی تھیں۔ مسلمانوں کے بچے کچھ محافظ گھبرا لے گئے۔ خالدؓ کے جانبازوں نے ان کا حلقہ توڑ دیا۔ ”یانیہ!“ کسی محافظ نے کہا۔ ”اپنا معجزہ دکھا۔“

”اپنا وعدہ پورا کر جا رہے ہو!“ ایک اور محافظ نے کہا۔ ”تیرا وعدہ فتح کا تھا۔“ مسلمانوں نے موت کو اپنی طرف تیزی سے بڑھتے دیکھا تو اس لئے بلند آواز سے اپنے محافظوں سے کہا۔ ”اپنے حسب و نسب اور اپنی ناموس کی خاطر لڑو۔“ اور وہ جھگڑا اٹھا۔

دشمن کا قلب ٹوٹ گیا۔ پرچم غائب ہو گیا تو شہر میں شور اٹھا۔ ”شہی میدان چھوڑ گیا ہے۔۔۔۔۔ رسول جھاگ گیا ہے۔“ اس پکار نے شہر میں کے حوصلے توڑ ڈالے اور وہ میدان سے نکلنے لگے۔

مختصر سی دیر میں شہر میں میدان چھوڑ گئے، لیکن میدان جنگ کی کیفیت یہ تھی کہ خون نری کی طرح ایک طرف کو بہنے لگا جہاں یہ معرکہ لڑا گیا وہ تنگ سی گھاٹی تھی۔ اس کا کوئی نام نہ تھا۔ اس معرکے نے اسے ایک نام دے دیا۔ یہ تھا شہید الدام جس کے معنی ہیں غمناک گھاٹی۔ دونوں لشکروں کا جانی نقصان اتنا زیادہ ہوا کہ میدان میں لاشوں کے اوپر لاشیں بڑھ چکیں۔ زخمی تو ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ مسلمانوں کے لشکر کا جانی نقصان اس کی تعداد کی

زیادتی کی وجہ سے زیادہ تھا۔ مسلمانوں کا جانی نقصان بھی کچھ کم نہ تھا۔ کئی زخمی گھوڑے بے لایم ہو کر لاشوں اور زخمیوں کو روند رہے تھے۔ انہوں نے کئی اچھے بھلے آدمیوں کو کھل ڈالا۔ مسیلمہ کا لشکر جب بدول ہو کر بھاگا تو مجاہدین اُن کے تعاقب میں گئے۔ مسیلمہ کا ایک سالار محکم بن طفیل اپنے لشکر کو پکار رہا تھا۔ ”بنو حنیفہ! باغ کے اندر چلے جاؤ۔“

انہیں اب باغ میں ہی پناہ مل سکتی تھی۔ اس باغ کا نام حدیقۃ الرحمن تھا جو وسیع و عریض تھا۔ اس کے ارد گرد دیوار تھی۔ مسیلمہ اس باغ میں چلا گیا تھا۔ باغ میدان جنگ کے بالکل قریب تھا۔ مسیلمہ کے لشکر کے بچے کچھے آدمی بھی باغ میں داخل ہو گئے۔ جب مجاہدین باغ کے قریب پہنچے تو باغ کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ مؤرخین کے مطابق باغ میں پناہ لینے والے مُرتدین کی تعداد سات ہزار تھی۔

خالۃ گھوڑا دوڑاتے باغ کے ارد گرد گھوم گئے۔ انہیں اندر جانے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ اندر جانا ضروری تھا۔ مسیلمہ کو قتل کرنا تھا تاکہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتے۔ اللہ کے ایک مجاہد برادر بن مالک آگے بڑھے اور بولے۔ ”مجھے اُٹھا کر دیوار کے اندر پھینک دو۔ خدا کی قسم، دروازہ کھول دوں گا۔“

برادر صحابہ کرام میں خصوصی درجہ رکھتے تھے۔ کسی نے بھی گوارا نہ کیا کہ انہیں باغ کے اندر پھینک دیا جاتے لیکن انہوں نے اتنا زیادہ اصرار کیا کہ دو عین مجاہدین نے انہیں اپنے کندھوں پر کھڑا کر دیا اور وہ دیوار پر جا کر باغ میں گھس گئے۔ باغ میں دشمن کے سات ہزار آدمی تھے اور برادر ایسے۔

سات ہزار کفار میں ایک مسلمان کا گود جانا ایسے ہی تھا جیسے کوئی آتش فشاں پہاڑ کے ڈھلنے کے اندر گود گیا ہو۔ براہ بن مالک سرِ اعشمت تھے جو آتش مژدہ میں گود گئے تھے۔ انہوں نے باغ کا دروازہ اندر سے کھولنے کا بے حذر ناک کام کسی کے حکم کے بغیر اپنے ذمے لے لیا تھا۔ انہوں نے دروازے کے قریب دیوار بچاندی تھی۔ سات ہزار بنو حنیفہ جو باغ کے اندر چلے گئے اور جنہوں نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ ابھی افراتفری کے عالم میں تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ مسلمان اُن کے تعاقب میں آ گئے ہیں اور انہوں نے باغ کو محاصرے میں لے لیا ہے لیکن وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی مسلمان اکیلا دیوار بچاندی کو اندر آنے کی جرأت کر سکتا ہے۔

”وہ کون ہے؟“ کسی نے بڑی بلند آواز میں کہا۔ ”وہ دروازہ کھول رہا ہے۔“

براہ بن مالک کو کسی نے دیکھ لیا اور ایک نے چپان کر لہو لگایا۔ ”مسلمان ہے۔“

”کاٹ دو اسے۔“ کوئی مہم لگا رہا۔

”مگر مار دو۔“ ایک اور لگا رہا۔

”پکڑو.... مار ڈالو۔“ ایک شور اُٹھا۔

بے شمار مہم تلواریں اور برچھیاں تانے براہ بن مالک کی طرف دوڑے۔ براہ ابھی دروازہ کھول نہیں سکے تھے۔ انہوں نے تلوار نکالی اور بنو حنیفہ کا جو آدمی سب سے پہلے اُن تک پہنچا تھا، اُسے براہ کی تلوار کے بھر پور وار نے وہیں روک دیا۔ وہ لڑکھٹاتا ہوا تینچے ہٹا رہا تھا۔ براہ نے ایک بار پھر دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ وہ بدوقت تینچے کو کھسکے۔ بیک وقت دو آدمیوں نے اُن پر برچھیاں کے وار کئے تھے۔ براہ پھرتی سے ایک طرف ہو گئے۔ دونوں برچھیاں کی انہیں جبراع کے جسم میں اترنے کے لیے آئی تھیں، دروازے میں اتر گئیں۔ براہ نے بڑی تیزی سے تلوار چلائی اور ان دونوں آدمیوں کو اُس وقت گھال کر دیا جب وہ دروازے میں سے برچھیاں نکال رہے تھے۔ کئی مہم براہ بن مالک پر مل کر حملہ کرتے تھے اور براہ دروازے کے ساتھ پیٹھ لگا کر بڑی تیزی سے تلوار چلا رہے تھے۔ اُن کی زبان سے وہی نعرے مگر جیتے تھے۔ ”اللہ اکبر....“

تائیں نہیں لکھا ہے کہ براہ بن مالک نے بنو حنیفہ کے بہت سے آدمیوں کو ہلاک اور زخمی کر دیا۔ زخمیوں یا بعض مہم رخنوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ براہ بن مالک کے پیچھے چند اور مسلمان دیوار پر چڑھ کر اندر چلے گئے تھے جنہوں نے تیروں سے مُرتدین کو ڈور کر لیا اور براہ بن مالک کے دروازہ کھول دیا۔ اس پر تمام مؤرخ متفق ہیں کہ سب سے پہلے براہ بن مالک دیوار بچاندی کو اندر گئے تھے۔

دروازے کھلتے ہی مسلمان اس طرح دروازے میں سے اندر جانے لگے جیسے نہر کا پانی اکبرین

سید چٹیکہ برہمچریہ کے پیٹ میں اتر گئی۔ اُس کے ہاتھوں نے برہمچریہ کو پھڑپھڑایا لیکن برہمچریہ اپنا کام کر رہی تھی۔ سید کے ہاتھوں میں برہمچریہ کو پیٹ سے بچانے کی سکت نہیں رہی تھی۔ سید نے کہا۔ اُسے مرنا ہی تھا لیکن اُبو جابر نے اُسے تڑپ تڑپ کر مرنے کی اذیت سے اس طرح بچالیا کہ اُس کا سر گدار کے ایک زور دار وار سے اُس کے دھڑ سے الگ کر دیا۔ اُبو جابر سید کی سرکشی لاش ابھی دیکھ ہی رہے تھے کہ سید کے ایک محافظ نے پیچھے سے اُنا سخت ار کیا کہ اُبو جابر گھر سے پھر اٹھ نہ سکے اور شہید ہو گئے۔

”بنو حنیفہ! ایک سر ہند گلا چھاؤ کر چلا یا۔“ ہمارے نبی کو ایک سیاہ فام حبشی نے مار ڈالا ہے۔ مشرور تاریخ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ باغ کے اندر مرنے کی خوریزی میں یہ آواز۔ سانی اپنے لگس۔ ”نبی مارا گیا۔۔۔ سید قتل ہو گیا ہے۔“

☆

سید کذاب کے قتل کا سہرا بلا شک و شبہ وحشی بن رب کے سر ہے۔ وحشی کی زندگی عجیب گزری ہے۔ بتایا جا چکا ہے کہ اُس نے بالکل اسی طرح جس طرح اُس نے سید کے برہمچریہ کو قتل کیا تھا، مجرہ کو جبکہ اُحد میں شہید کیا تھا۔ جب مسلمانوں نے مکہ فتح کر لیا تو رسول اللہ نے مکہ کے بدلوؤں کو جنگی مجرم قرار دیا تھا۔ ان میں وحشی کا نام بھی تھا۔ اُسے کسی طرح پتہ چل گیا تھا کہ اُسے مسلمان زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ وہ مکہ سے نکل گیا اور طائف میں قبیلہ ثقیف کے ہاں جا چنانہ لی۔ ثقیف قبیلہ ثقیف کو مسلمانوں نے جس طرح شکست دی تھی، وہ بیان ہو چکا ہے۔ اس قبیلے نے اسلام قبول کیا تو وحشی نے بھی اسلام قبول کر لیا اور بیعت کے لئے اور اپنی جان بخشی کے لئے رسول کریم کے حضور گیا۔ آپ نے اُسے کئی برس پہلے دیکھا تھا۔ شاید حضور اُسے اچھی طرح پہچان نہ سکے۔

”کیا تم وہ وحشی ہو؟“ رسول اکرم نے اُس سے پوچھا۔

”ہاں وحشی ہوں۔“ وحشی نے جواب دیا۔ ”اداب آپ کو اللہ کا رسول ماننا ہوں۔“

”او وحشی! حضور نے پوچھا۔“ بتاؤ نے مجرہ کو کس طرح قتل کیا تھا؟

مشرک لکھتے ہیں کہ وحشی نے ایسے لب و لہجے میں سارا واقعہ سنایا جیسے وہ سنسنے والوں اپنی بہادری اور مگر مارت کا دعب کا گٹھ رہا ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جان بخشی کر دی لیکن (ابن ہشام کے مطابق) اُس نے اُسے کہا کہ وہ آپ کے سامنے نہ آیا کرے مجرہ رسول اللہ کے صرف چاہی نہیں تھے بلکہ اُمت محمدیہ میں اُن کا مقام بہت بلند تھا اور اُس وقت کے اسلامی محاشرے میں انہیں خصوصی حیثیت حاصل تھی۔ یہ رسول کریم کی عظمت تھی کہ آپ نے مجرہ کی شخصیت کا قتل ایک یاد فام غلام کو کر دیا تھا لیکن آپ کے دل میں خلق موجود رہا۔

اس شخص نے وحشی بن رب کے لیے جس ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا ویسی ہی ناپسندیدگی کا اظہار انہوں نے مکہ کے لیے بھی کیا تھا جس کے اہل پر وحشی نے حضرت مجرہ کو شہید کیا تھا۔ اس کے بعد سید الشہداء فاطمہؑ کی جس طرح بے حرمتی کی گئی اُس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ آنحضرت نے ان دونوں سے اس بے نظار ناپسندیدگی کو نہیں کیا کہ انہوں نے آپ کے چچا کو شہید کیا تھا بلکہ اس لیے کہ انہوں نے ایک

سے ٹوٹ گیا ہو بہت سے مسلمان خالد کے کہنے پر دیوار پر چڑھ گئے۔ یہ سب تیر انداز تھے۔ انہوں نے بنو حنیفہ پر تیروں کا منہ بوسا دیا۔ مسلمان جو اندر چلے گئے تھے، وہ بنو حنیفہ پر فہر کی مانند ٹوٹے۔ مہرین کا قتل ہونے لگا۔ اُن کے بچاں نکلنے کے راستے مسدود ہو چکے تھے۔ وہ اب زندہ رہنے کے لیے زور رہے تھے۔ اُن کا نبی، خواہ جھوٹا ہی تھا، اُن کے ساتھ تھا۔ اُس کی لٹکار سانی دے رہی تھی اور وہ بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔

مہرین کی تعداد بہت زیادہ تھی جو بڑی تیزی سے کم ہوتی جا رہی تھی۔ باغ خون سے سیراب ہو رہا تھا۔ خالد کے ذہن میں یہی ایک ارادہ تھا کہ سید کو قتل کیا جائے، ورنہ لڑائی ختم نہیں ہوگی لیکن یہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

سید کذاب خالد کو تو نظر نہیں آ رہا تھا، ایک اور انسان تھا جس کی حقیقی نگاہوں نے سید کو دیکھ لیا تھا۔ وہ حبشی غلام وحشی بن رب تھے۔ برہمچریہ نشانے پر پھینکنے میں وحشی کا مقصد ملے کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اُس نے ایک بار اپنی برہمچریہ کا کمال سب کو دکھایا تھا۔ ایک رقاصہ کے سر پر ایک ڈالا جو کچ کے اوسط سائز کا تھا، اُس کے بالوں کے ساتھ اس طرح باندھ دیا گیا تھا کہ کڑا اُس کے سر پر کھڑا تھا۔ وہ ناپسنے لگی اور وحشی برہمچریہ لے کر چند قدم دور کھڑا ہو گیا۔

اُس نے برہمچریہ ہاتھ پر اٹھ کر تولی۔ رقاصہ رقص کر رہی تھی جو ابھی رقاصہ موزوں زاویے پر آئی وحشی نے تاک کر برہمچریہ پھینکی۔ برہمچریہ رقاصہ کے سر پر کھڑے کڑے میں سے گزرتی۔

جنگ اُحد میں وحشی بن رب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا مجرہ بن عبد المطلب کو اسی طرح برہمچریہ پھینک کر شہید کیا اور ابو سفیان کی بیوی ہند سے انعام وصول کیا تھا۔ اُس وقت وحشی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ فتح مکہ کے بعد اُس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

اب سید کذاب کے خلاف جنگ میں وحشی مسلمانوں کے لشکر میں تھا۔ باغ کے خوریزم کے میں اُس نے سید کو دیکھ لیا۔ اُس نے خالد کی زبان سے سُن لیا تھا کہ سید کو ختم کیے بغیر لڑائی ختم نہیں ہوگی۔ وحشی سید کی تلاش میں دشمن کی تلواروں اور برہمچریوں سے اور اپنے ساتھیوں کے تیروں سے سخت لاشوں اور زلزلے سے ہونے والی زخمیوں سے ٹھوکریں کھا ماساے باغ میں گھوم گیا اور اُسے سید نظر آ گیا۔ اپنے محافظوں کے زخمیوں میں تھا جو اس قدر جان بازی کا مظاہرہ کر رہے تھے کہ کسی مسلمان کو قریب نہیں آنے دیتے تھے۔

وحشی کو قریب جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ مسلمان سید کے محافظوں کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ ان کے اگر دگر وحشی گھوم رہا تھا کہ سید برہمچریہ پھینکے گا موزوں موقع اور صحیح زاویہ مل جائے۔ اُسے ایک موقع مل گیا لیکن اُس کے راستے میں ایک خانوؤں کا تھامہ آگیا۔ وہ جبھی سید تک پہنچنے کی سعی کر رہی تھیں۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ تھیں۔ وہ سید کے محافظوں کا حصار توڑنے کے لیے آگے بڑھیں تو ایک مہر تہ کی تلوار نے انہیں روک لیا۔ اُتم تھامہ نے اپنی تلوار سے اُسے گرانے کی بہت کوشش کی لیکن مہر تہ کے ایک دار نے اُتم تھامہ کا ایک ہاتھ صاف کاٹ دیا۔ اُن کے بیٹے نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس مہر تہ کو مار گرایا اور یہ مجاہد اپنی مال کو ساتھ لے گیا۔

وحشی کو موقع اور زاویہ مل گیا۔ اُس نے برہمچریہ کو ہاتھ میں تولی اور تاک کر پوری طاقت سے برہمچریہ

جلیل القدر مسلمان کی لاش کی بے حرمتی کی تھی ورنہ ذاتی دشمنی کو دل میں رکھنا آپ کی شان سے شایان نہیں تھا۔ آپ نے ہندہ اور وحشی سے کہا تھا کہ جب تم میری نظروں کے سامنے آتے ہو تو مجھے حرہ کی لاش یاد آ جاتی ہے۔ بہر حال آپ نے وحشی اور ہندہ کو معاف فرما دیا تھا۔

وحشی بن حرب رسول کریم کا گرویدہ ہو چکا تھا مگر حضور اکرم نے اسے اچھا نہیں سمجھا تھا جس کا وحشی کو بہت دکھ تھا۔ وہ مکہ سے چلا گیا اور اس نے دو سال طائف کے علاقے میں کبھی یہاں کبھی وہاں گزارے۔ اس پر خاموش طاری رفتی اور وہ سوچوں میں گم رہتا تھا۔ اس نے اسلام کو دل سے قبول کر لیا تھا۔ وہ چاہتا مسلمان رہا۔

دو سال بعد اپنے بے چین ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے وہ اسلامی لشکر میں شامل ہو گیا اور اس نے خالد کے دستوں میں رہنا پسند کیا۔ یمامہ کی جنگ میں اسے پتہ چل گیا تھا کہ خالد مسلمان ہو کر اپنے دشمن کی کوشش میں ہیں۔ یہ فرض اس نے اپنے ذمے لے لیا اور فرض پورا کر دیا۔

اس کے بعد وحشی خالد کے دستوں میں رہا اور کئی لڑائیوں میں اس نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ شام کی فتح کے بعد وہ اسلامی لشکر سے الگ ہو کر حصص میں گوشہ نشین ہو گیا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے حرہ کا قتل بہت بڑا گنہگار اس کے ضمیر پر سوار ہو گیا ہو۔ اس نے شراب نوشی شروع کر دی جو عیاشی نہیں تھی بلکہ وہ اپنے آپ کو فراموش کر کے الگ پڑا رہتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں اسے شراب نوشی کے جرم میں اسی کوڑوں کی سزا دی تھی جس کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ شراب پیتا رہا۔

زندگی کے آخری دنوں میں اسے ایسی شہرت ملی کہ لوگ اسے عقیدت سے ملتے تھے مگر وہ ہوش میں گم ہی ہوتا تھا۔ جب کبھی ہوش میں ہوتا تو لوگوں کو تیز اور مسلمانہ کے قتل کے واقعات سناتا تھا۔ لوگ اس سے یہی واقعات سننے کے لیے جاتے تھے۔ اس نے کئی بار پانی پر چھی باتیں میں لے کر کہا۔ ”میں جب مسلمان نہیں تھا تو اس پر چھی سے میں نے ایک بڑے ہی اچھے آدمی کو قتل کیا تھا اور میں مسلمان ہوا تو اس پر چھی سے ایک بہت ہی بڑے آدمی کو قتل کیا۔“

☆

امم عمارہ ایک عظیم خاتون تھیں۔ جنگ احد میں وہ ان مسلمان عورتوں کے ساتھ تھیں جو رضیوں کی مرہم بنی اور یہ بحال کے لیے اپنے لشکر کے ساتھ گئیں۔ اس لڑائی میں ایسی صورت پیدا ہوئی کہ میدان پر قریش چھا گئے۔ انہوں نے رسول کریمؐ پر بلے بولنے شروع کر دیے۔ صحابہ کرام نے رسول اللہؐ کے گرد گھیراؤ ڈال رکھا تھا مگر دشمن کے بلے اتنے شدید تھے کہ آپ کے محافظوں کا گھیراؤ ٹوٹ گیا۔ قریش کا ایک آدمی ابن قمرہ رسول کریم تک پہنچ گیا۔

رسول کریم کے دائیں مصعب بن عمیر تھے اور اس وقت امم عمارہ بھی قریب ہی تھیں۔ انہوں نے جب رسول کریم کو خطرے میں دیکھا تو رضیوں کو پانی پلانے اور انہیں اٹھانے کا کام چھوڑ کر رسول کریم کی طرف دوڑیں۔ انہوں نے ایک ایش یا شہید رضی کی تلوار لے لی۔

ابن قمرہ حضور اکرمؐ پر حملہ کرنے کی بجائے آپ کے محافظ مصعب کی طرف گیا۔ مصعب نے اس کے ساتھ مقابلہ کیا۔ امم عمارہ نے ابن قمرہ پر تلوار کا وار کیا جو اس کے کندھے پر پڑا مگر ابن قمرہ نے زردہ بکتر

جن کی تھی اس لیے تلوار اس کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ ابن قمرہ نے گھوم کر امم عمارہ پر جوابی وار کیا جو اس کے کندھے پر پڑا اور اتنا گہرا زخم کیا کہ وہ گر پڑیں۔ ابن قمرہ نے دوسرا وار کیا کیونکہ وہ رسول اکرمؐ پر تلوار پانا چاہتا تھا۔

اب جبکہ یمامہ میں امم عمارہ اپنے بیٹے کے ساتھ آئی تھیں۔ یہاں ان کی دلیری کا یہ عالم کہ سیدہ فاطمہؓ نے اسے خطرہ محول لے لیا مگر ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا۔

☆

دو دسمبر ۶۳۲ء کے آخری دنوں میں سے ایک دن تھا۔ حدیقۃ الرحمن سرسبز اور مہربان باغ ہوا رہا تھا جو گوگل کو پھیل دیا کرتا تھا۔ وہاں تھکے ماندے مسافر آکر سستیا کرتے تھے۔ وہاں بچوں کی لڑائی تھی مگر اب حدیقۃ الموت بن چکا تھا۔ اس کا خون میں ڈوب گیا تھا۔ اس کی رعنائیاں لاشوں کے نیچے دب گئی تھیں۔ جہاں پر بندے چھپاتے تھے وہاں زخمیوں کی چیخ و پکار تھی۔ زخمی گھوڑے بے کام جھگ دوڑ رہے تھے۔ ان کے ناپ یوں سنائی دے رہے تھے جیسے موت بے ہنگم فتنے کا رہی ہو۔

جب شور مچا کہ سیدہ مارا گیا ہے تو مردین نکل بھاگنے کا راستہ دیکھنے لگے۔ وہ تو پہلے ہی بھاگے ہوئے اس باغ میں آئے تھے۔ ان پر پہلے ہی سلمان دہشت بن کر طاری ہو چکے تھے۔ باغ میں ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے تھے۔ وہ ایسی جنگ لڑ رہے تھے جو پہلے ہی ہار چکے تھے۔ اب ان کے کانوں میں یہ صدائیں پڑیں کہ ان کا بی مارا گیا ہے تو ان کی رسی سہی سخت بھی ختم ہو گئی۔ ان میں جو ایک لڑ رہے تھے وہ باغ سے نکل بھاگنے کی کوشش بھی شکست ان کے ذہنوں پر مسلط ہو چکی تھی۔

وہاں سے کچھ دور مسلمانوں کی لٹی ہوئی اور تباہ حال خیمہ گاہ میں صرف ایک خیمہ صحیح سلامت کھڑا تھا۔ یہ خالد کا خیمہ تھا۔ بنو حنیفہ باقی تمام خیمے پھاڑ کر پرزے پرزے کر گئے تھے۔ وہ خالد کے خیمے میں لٹی گئے تھے لیکن وہاں ان کا اپنا سردار مجاہد بن مراد زنجیوں میں جکڑا بیٹھا تھا۔ وہ لٹی کو قتل کرنا یا اپنے ماتھے سے جانا چاہتے تھے لیکن مجاہد نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا تھا کہ پہلے مردوں کی طرف جاؤ، ابھی انہوں کو پکڑو گے کا وقت نہیں۔ وہ سب اپنے سردار کے حکم سے چلے گئے تھے۔ اس طرح خالد کا خیمہ ٹھوڑا رہا تھا۔

خالد کی بیوی ملی خیمے سے باہر ایک اونٹ پڑھی تھی۔ اسے کہیں جانا نہیں تھا۔ وہ اونٹنی ہو کر بیلان جنگ کو دیکھ رہی تھی۔ میدان خالی ہو چکا تھا۔ اسے باغ کی دیوار اور زخموں کے بالائی حصے نظر آ رہے تھے لیکن یہ نظر نہیں آ رہا تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔ وہ اونٹ سے کود آئی اور خیمے میں چلی گئی۔

ابن مرادہ اُ— ملی نے مجاہد سے کہا ”مجہار بنی میدان خالی کر گیا ہے۔ خدا کی قسم، بنو حنیفہ ہمارے گئے ہیں۔“

میں نے کبھی نہیں سنا کہ تیرہ ہزار نے چالیس ہزار کو شکست دی ہے۔ مجاہد نے کہا —

میں نے کبھی نہیں سنا کہ تیرہ ہزار نے چالیس ہزار کو شکست دی ہے۔ مجاہد نے کہا —

”سب باغ کے اندر ہیں“۔ لیٹی نے کہا۔

”اگر سب باغ میں ہیں تو وہاں سے زندہ صرف بنو حنیفہ نکلیں گے“۔ مجاہد بن مرہ نے کہا۔
”اگر مسلمان باغ میں میرے قبیلے کے پیچھے چلے گئے ہیں تو سمجھ لو کہ انہیں موت باغ میں لگے گی۔
بنو حنیفہ ناقابل تسخیر ہیں“۔

”آج فیصلہ ہو جائے گا“۔ لیٹی نے کہا۔ ”مٹھو... مجھے گھوڑے کے ناپ نانی سے لے لیں
ہیں میرے خاوند کا قاصد ہوگا۔“ وہ خیمے سے نکل کر کھڑی ہو گئی اور بولی۔ ”وہ فتح کی خبر لایا ہوگا...
وہ آ رہا ہے۔“

☆

گھوڑا جو سرپٹ دوڑنا آ رہا تھا لیٹی کے قریب آؤ گا اور گھوڑے سے کود گیا۔ وہ خالد بن لیٹی
انہیں اکیلے دیکھ کر گھبرائی رسالہ کے اکیلے آنے کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ اس کی سپاہ تشریف نہ لے گئی ہے۔
”میدان جنگ کی کیا خبر ہے؟“۔ لیٹی نے پوچھا۔ ”آپ اکیلے کیوں آئے ہیں؟“
”خدا کی قسم میں نے بنو حنیفہ کو کاٹ دیا ہے۔“ خالد نے خوشی آواز میں کہا۔ ”میلہ کذاب مارا
گیا ہے... اور وہ قیدی کہاں ہے؟“
لیٹی نے دونوں ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور سکھوں کی آواز بھر کر بولی۔ ”مجاہد کتا ہے کہ بنو حنیفہ
نا قابل تسخیر ہیں۔“

”میں پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے؟“ خالد نے ہانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ”کیا وہ اُسے چڑھا
کھڑے گئے ہیں؟“

”میں یہیں ہوں ولید کے بیٹے۔“ خیمے کے اندر سے مجاہد کی آواز آئی۔ ”میں تیری اس بات
کو سچ نہیں مانوں گا کہ میلہ مارا گیا ہے۔“

”میرے ساتھ چل مجاہد۔“ خالد نے خیمے کے اندر جا کر کہا۔ ”ہر سکتا ہے تیری بات سچ ہو
میں میلہ کو نہیں پہچانتا۔ تیرا قبیلہ یہ شور مچاتا تھا کہ کیا ہے کہ میلہ مارا گیا ہے میرے ساتھ آؤ لاشوں میں
اُس کی لاش دیکھ کر تپا کہ یہ ہے اُس کی لاش۔“

”پھر کیا ہوگا؟“ مجاہد نے پوچھا۔ ”مجھے آزاد کر دو گئے؟“
”خدا کی قسم!“۔ خالد نے کہا۔ ”میں اس قبیلے کے ایک سردار کو آؤ انہیں کر دل کا جویرے
دین کا دشمن ہے۔ رسالت میں شرکت کا دعویٰ کرنے والے اور اس دعوے کو ماننے والوں کو بن
کیتے بخش دوں؟ اللہ کے سوا تجھے کوئی نہیں بخش سکتا۔“

”ادولید کے بیٹے!“۔ مجاہد بن مرہ نے کہا۔ ”میں نے اُسے کب نبی مانا تھا وہ چرب نابی
اور شیعہ بازوؤں سے نبی بن گیا تھا اور تو نے دیکھ لیا ہے کہ کتنا بڑا لشکر اُس کا رہا ہو گیا تھا۔ اگر میں نے
نبی نہ مانا تو وہ میرے سارے خاندان کو زندہ جلادیتا اور یہ وجہ بھی تھی کہ میں اپنے قبیلے سے اپنے
آپ کو کاٹ نہیں سکتا تھا۔ اگر تو میرے قتل کا حکم دے گا تو یہ ایک بچنا ہوا نکل ہوگا۔“
”اس نے مجھے اپنے اُن لوگوں سے سچایا ہے جو ہماری خیمہ گاہ کو ٹوٹنے اور تباہ و برباد کرنے
آئے تھے۔“ لیٹی نے خالد سے کہا۔ ”اس نے انہیں کہا تھا کہ عورتوں کے پیچھے مت پڑو، پتے

”اوپر کے پیچھے جاؤ... وہ چلے گئے۔ اس نے انہیں یہ بھی نہ کہا کہ وہ اس کی بیڑیاں کھول دیں۔“
”تو نے اس عورت پر رحم کیوں کیا ہے مجاہد؟“ خالد نے پوچھا۔

”کیونکہ اس نے مجھے قیدی نہیں بھی دی عزت دی ہے جو مجھے اپنے قبیلے میں ملا کرتی ہے۔“
مجاہد نے کہا۔ ”میں نے اسے اس سلوک کا صلہ دیا ہے جو اس نے میرے ساتھ کیا... کیا میں
اپنی نہیں کر سکتا تھا کہ اپنے آدمیوں سے کتنا کہ میری بیڑیاں کاٹ دیں، پھر میں تیری آبی جبین بیوی
کو اپنی لونڈی بنا لیتا؟“

”بے شک تو عزت کے لائق ہے مجاہد۔“ خالد نے کہا۔ ”میں تیری بیڑیاں اپنے ہاتھوں
کھاتا ہوں، پھر میرے ساتھ چلنا اور بتانا کہ میلہ کی لاش کون سی ہے۔“

☆

مجاہد بن مرہ خالد کے ساتھ خیمے سے نکلا تو اس کے پاؤں میں بیڑیاں نہیں تھیں۔ باہر خالد نے
کے دو محافظ کھڑے تھے خالد اکیلے ادھر آئے تھے۔ ان کے محافظ دستے کو بتہہ جلا کہ سپہ سالار
کسی اور طرف نکل گئے ہیں تو دو محافظ ان کی تلاش میں ادھر ادھر گھوم پھر کر ان کے خیمے تک جا پہنچے۔
وہ انہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

مجاہد نے اپنی آنکھوں میں ان جنگ کی حالت دیکھی۔ اسے اپنے قبیلے کی لاشوں کے سوا کچھ نظر
نہیں آتا تھا۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا۔“ مجاہد نے کہا۔ ”دیکھ کر بھی یقین نہیں آ رہا... کیا اتنے تھوڑے مسلمان
اتنے بڑے لشکر کو شکست دے سکتے ہیں؟“

”یہ فتح انسانوں نے نہیں پائی۔“ خالد نے کہا۔ ”یہ سچے عقیدے اور اللہ کے سچے رسول
کی فتح ہے۔ بنو حنیفہ باطل عقیدے کے لیے میدان میں اترے تھے۔ ہماری تلواروں نے اس عقیدے
کو کاٹ دیا اور اتنا بڑا لشکر میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔“

وہ لاشوں اور تڑپتے زخمیوں میں سے گزرتے باغ تک چلے گئے اندر گئے تو وہاں لاشوں پر
لاشیں پڑی تھیں مسلمان لاشوں کے ہتھیار اکٹھے کر رہے تھے بنو حنیفہ میں سے جو زندہ تھے،
”ادھر ادھر بھاگ گئے تھے۔“

خالد نے وحشی بن عرب کو بلایا اور اُس سے پوچھا کہ اُس شخص کی لاش کہاں ہے جسے اُس
نے میلہ سمجھ کر ہلاک کیا ہے۔ وحشی خالد کو وہاں لے گیا جہاں میلہ کی لاش پڑی تھی۔ اُس نے لاش
کی طرف اشارہ کیا۔

”انہیں۔“ خالد نے کہا۔ ”یہ ٹھکانا اور بد صورت آدمی میلہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے چہرے
پر کراہیت ہے۔“

”یہی ہے۔“ مجاہد نے کہا۔ ”میلہ کی لاش ہے۔“
”یہ اُس شخص کی لاش ہے جس نے ہزاروں لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا۔“ خالد نے کہا۔ ”یہ
شخص ایک فتنہ تھا۔“

”ابن ولید!“۔ مجاہد نے خالد سے کہا۔ ”فتح پر خوش نہ ہو۔ تیرے لیے اصل مفت بلہ تو

ابھی باقی ہے۔
”کس کے ساتھ؟“

”بنو حنیفہ کے ساتھ۔“ مجاہد نے جواب دیا۔ ”یہ تو وہ لشکر تھا جو میدان میں لڑا تھا۔ یہ تو مجاہدوں کا ایک جھنڈہ تھا۔ اس سے بھی بڑا لشکر میاں میں قلعے کے اندر تیار کھڑا ہے۔ اپنے جانی نقصان کو دیکھ کر سوچ کر تیری یہ سپاہ جو بہت کم ہو گئی ہے، اتنے بڑے تازہ دم لشکر کا مقابلہ کر سکے گی؟ تیرے سپاہی تھک کر پڑ رہے ہیں۔“

خالد نے لاشوں سے اٹے ہوئے باغ میں نگاہ دوڑائی۔ ان کا لشکر واقعی لڑنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ جانی نقصان برداشت کے قابل نہیں تھا۔ زخمیوں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ باقی لشکر جہاں کیفیت یہ ہو چکی تھی کہ اللہ کے سپاہی اتنے تھک گئے تھے کہ جہاں جگہ دیکھتے وہاں لیٹ جاتے اور سو جاتے تھے۔ وہ اپنے سے تین گنا زیادہ لشکر سے لڑے تھے۔ انہیں آرام کی ضرورت تھی۔ ”اگر تو میری ایک تجویز مان لے تو میں قلعے میں جا کر صلح کی بات کرتا ہوں۔“ مجاہد نے کہا۔ ”میرا قبیلہ میری بات مان لے گا۔“

خالد بڑے قابل سپہ سالار تھے۔ جنگی قیادت میں اپنی مثال آپ تھے۔ رسول اللہ کے بیٹے عاشق تھے لیکن خود سر تھے اور زندہ دل بھی۔ وہ دشمن کو صرف شکست دے کر اسے فتح نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنی فتح کو اس وقت مکمل سمجھتے تھے جب بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب کر کے اس کی بہتوں کو اپنے قبضے میں لے لیتے تھے۔ ان کا اصول تھا کہ دشمن کو سانسپ سمجھو اور اس کا سر کل کر بھی دیکھو کہ اس میں ذرا سی بھی حرکت باقی نہ رہ جائے۔

خود سری کو خالد بخوبی سمجھتے تھے۔ ان میں دوسرا یہاں سخت تھا۔ اس کے باوجود جہاں ضرورت حال پیچیدہ ہو جاتی، خالد اپنے نائب سالاروں سے مشورے اور تجاویز لیتے تھے۔ اب مجاہدین مراد نے صلح کی بات کی تو خالد نے یہ جانتے ہوئے کہ دشمن سپاہیوں کا ہے، اس حقیقت کو بھی سامنے رکھا کہ ان کے مجاہدین لڑنے کے قابل نہیں رہے۔ خالد نے اپنے نائب سالاروں کو بلایا اور انہیں بتایا کہ بنو حنیفہ کا ایک سردار مجاہدین مراد صلح کی پیشکش کر رہا ہے۔

”اسل فتنہ تو ختم ہو چکا ہے۔“ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا۔ ”سیلہ کذاب کے مر جانے سے بنو حنیفہ کا دم خم ٹوٹ چکا ہے۔ میں تو یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ میاں کا محاصرہ فوراً کر لیا جائے اور دشمن کو ستانے کی ہمت نہ دی جائے۔“

”صرف میاں نہیں۔“ عبدالرحمنؓ نے ابی بکرؓ نے کہا۔ ”بنو حنیفہ میدان جنگ سے بھاگ کر ایسی جگہوں میں چھپ گئے ہیں جو چھوٹے چھوٹے قلعے ہیں۔ پہلے انہیں پھانسا ضروری ہے۔ اس کے بعد صلح کی بات ہو سکتی ہے۔“

”صلح کی شرائط ہماری ہوں گی۔“ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا۔

”کیا تمہاری نظر اپنے لشکر کی جہانی حالت پر پڑی ہے؟“ خالد نے کہا۔ ”ابھی شہیدوں اور زخمیوں کی گنتی ہو رہی ہے۔ خدا کی قسم کسی جنگ سے ہمارا اتنا خون نہیں پیا جتنا یہ جنگ پی گئی ہے اور شاید ہمیں اور

بھی خون دینا پڑے گا۔۔۔ کیا تم بہتر سمجھو گے کہ دشمن کے جو آدمی ادھر ادھر چھپ گئے ہیں انہیں پکڑا جائے تاکہ یہ میاں کے قلعے میں جا کر ہمارے مقابلے میں نہ آسکیں؟“

”ہم یقیناً اسی کو بہتر سمجھتے ہیں۔“ عبدالرحمنؓ نے کہا۔ ”اگر ہم انہیں پکڑ لیں تو صلح کی کیا ضرورت رہ جائے گی؟“

”مجاہد نے بتایا ہے کہ ان کے جس لشکر سے ہم لڑ چکے ہیں اس سے کچھ زیادہ لشکر میاں کے اندر موجود ہے۔“ خالد نے کہا۔ ”تم میری اس رائے کو صحیح مانو گے کہ ہماری سپاہ لڑنے کے قابل نہیں رہی۔ تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارے مجاہدین ممکن سے بے حال ہو کر جہاں بیٹھتے ہیں وہاں سو جاتے ہیں۔ ہمارے لیے کمک بھی نہیں رہی۔ اگر کمک منگوائی بھی جائے تو بہت دن لگ جاتیں گے۔ اتنے دنوں میں دشمن منظم ہو جائے گا اور اس پر ہماری جوشہشت غالب آتی ہوتی ہے وہ اڑ جاتے گی۔“

”ابن ولید!۔“ عبداللہ نے کہا۔ ”تم نے خود بھی تو کچھ سوچا ہو گا۔“

”ہاں ابن عمر!۔“ خالد نے جواب دیا۔ ”میں نے سوچا ہے کہ ادھر ادھر بکھرے ہوئے دشمن کو پکڑا جائے، پھر میاں کا محاصرہ کر لیا جائے اور اس دوران مجاہد میاں میں جا کر اپنے سزاواروں کے ساتھ صلح کی بات کرے۔ صلح کے لیے ہم یہ شرط ضرور رکھیں گے کہ بنو حنیفہ شکست تسلیم کر کے اختیار ڈال دیں۔“

”یہی بہتر ہے۔“ عبدالرحمنؓ نے کہا۔

”میں بھی اسی کو بہتر سمجھتا ہوں۔“ عبداللہ نے کہا۔

”پھر یہ کام ابھی شروع کر دو۔“ خالد نے کہا۔ ”دستوں کو مختلف سمتوں کو روانہ کر دو اور انہیں کوہ بنو حنیفہ کا کوئی آدمی، عورت یا بچہ کہیں نظر آجائے اُسے پکڑ کر لے آؤ۔“

☆

دستوں کو روانہ کر دیا گیا اور خالد نے مجاہد کو اپنے پاس بٹھالیا۔

”ابن مراد!۔“ خالد نے مجاہد سے کہا۔ ”مجھے تجھ پر اعتماد ہے اور میں تجھے اس اعتماد کے قابل سمجھتا ہوں۔ جا اور اپنے سرداروں سے کہہ کہ ہم صلح کے لیے تیار ہیں لیکن شرط یہ ہوگی کہ تمہارے ہتھیار ہمارے سامنے زمین پر پڑے ہوئے ہوں گے۔“

”میں اسی شرط پر صلح کرانے کی کوشش کر دوں گا۔“ مجاہد نے کہا۔ ”لیکن ابن ولید! اپنی فوج کی حالت دیکھ لے۔“

”میں مزید خون خرابے سے ہاتھ روکنا چاہتا ہوں۔“ خالد نے کہا۔ ”کیا تو نہیں چاہے گا کہ تمہارے اور ہمارے جو آدمی زندہ ہیں وہ زندہ ہی رہیں؟ اپنے قبیلے میں جا کر دیکھ۔ آج کتنے ہزار عورتیں بیوہ اور کتنے ہزار بچے یتیم ہو چکے ہیں، اور یہ بھی سوچ کہ بنو حنیفہ کی گنتی ہی عورتیں ہماری لونڈیاں بن جائیں گی۔“

”اُس وقت کی سڑکیوں سے پتہ چلتا ہے کہ خالد کی یہ بات سن کر مجاہد کے ہونٹوں پر لہجہ سحرنا، اٹھی جس میں تسخر باطن کی جھجک تھی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”میں جاتا ہوں۔“ مجاہد نے کہا۔ ”ابن ولید! تیری خواہش پوری کرنے کی میں پوری کوشش کر دوں گا۔“

خالدؑ نے ہری سوچ میں کھو گئے۔ مجاہد نے انہیں کوئی نئی بات نہیں بتائی تھی۔ یہ تو خالدؑ دیکھی چکے تھے کہ ان کے پاس جو سپاہ رکھتی ہے وہ لڑنے کے قابل نہیں رہی۔ اس سپاہ کو آرام کی ضرورت تھی۔ رات بھر دشمن کے چھپے ہوئے آدمیوں کو تلاش اور گرفتار کرتی رہی تھی۔ اب تو ان مجاہدین نے سر ڈل رہے تھے۔

”ابن مرادؑ! خالدؑ نے ہری سوچ سے منسلک کر کہا۔ ”مجھے شاید معلوم نہ ہو، اپنے ان سرداروں نے پوچھ لیا جو اس جنگ میں شریک تھے کہ ہمارے پاس بنو حنیفہ کا کتنا مال اور ساز و سامان ہے اور کتنے عمارتیں قیدی ہمارے قبضے میں ہیں۔ واپس جاؤ اور اپنے سرداروں سے کہہ کہ مسلمان آدمی مال غنیمت ہے باغ اور آدمی قیدی واپس کر دیں گے۔ انہیں سمجھا کہ میاں اور اس کی آبادی کو تباہی میں نہ ڈالیں!“ ابن مرادؑ چلا گیا۔ اس دوران مزید قیدی لاتے گئے۔

مجاہد شام سے کچھ پہلے واپس آیا اور اس نے بتایا کہ بنو حنیفہ کا کوئی سردار اس شرط کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ مجاہد نے یہ بھی کہا کہ بنو حنیفہ اپنی شکست اور اپنے ہزاروں مقتولین کے خون کا انتقام لیا گئے۔

”ہری بات کان کھول کر سن ابن مرادؑ! خالدؑ نے جھنجھلا کر کہا۔ ”اگر بنو حنیفہ یہ سمجھتے ہیں کہ قتل تعداد ہونے کی وجہ سے ڈر جائیں گے تو انہیں جاکر کہہ دے کہ مسلمان کٹ مریں گے تمہیں غلام کی حالت میں دیں گے۔“

”مجھے سنہ اولیہ کے بیٹے! مجاہد نے مسکرا کر کہا۔ ”ہمارا جو مال غنیمت، باغ اور قیدی ہتھیار انہیں ان کا چوتھا حصہ اپنے پاس رکھ لے باقی ہمیں دے دے اور اس صلح کر لیں۔ صلح نامہ نہ ہو تو گوارا۔“ خالدؑ ایک بار پھر سوچ میں کھو گئے۔

”میں تجھے ایک بار پھر خبردار کرتا ہوں ولیہ کے بیٹے! مجاہد نے کہا۔ ”یہ میرا کمال ہے کہ میں نے بنو حنیفہ کو صلح پر راضی کر لیا ہے۔ میں نے ان کی نصیحت برداشت کی ہے۔ انہوں نے مجھے مذاق بھی کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تم مسلمانوں سے انعام لے کر ہمیں ان کا غلام بنانا چاہتے ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری تعداد اگر کم بھی ہوتی تو بھی ہم صلح نہ کرتے۔ ہمارے پاس نہ ساز و سامان کی کمی ہے نہ مال کی۔ ان چیزوں کی کمی ہے تو مسلمانوں کو ہوگی۔ وہ کہتے ہیں کہ اتنی سخت سڑی میں مسلمان کتبہ کا حصہ میں بیٹھے رہیں گے۔ راتوں کی سڑی کو وہ کھلے آسمان تلے برداشت نہیں کر سکیں گے۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ تیری اس چھوٹی سی فوج کے پاس خیمے بھی نہیں رہے۔ سوچ لے ابن ولیہ! اپنی طرح سوچ لے۔ اگر تجھے شک ہے تو ذرا آگے جا کر میاں کی دیواروں پر ایک نظر ڈال اور دیکھ کہ ایک دیوار تو قطع کی ہے اور اس کے اوپر ایک دیوار انسانی جسموں کی ہے۔“

خالدؑ نے شک اپنی کمزوریوں سے آگاہ تھے لیکن وہ دشمن کی ہر شرط ماننے کو تیار نہیں ہونے لگے۔ وہ اپنے خیمے سے باہر نکل گئے۔ ان کے نائب سالار باہر کھڑے تھے۔ سالاروں نے بے تابی سے خالدؑ سے پوچھا کہ صلح کی بات کہاں تک پہنچی ہے۔

”میرے ساتھ آؤ۔“ خالدؑ نے ان سے کہا۔

خالدؑ اپنے خیمے کی طرف چل پڑے۔ وہ لاشوں اور جسموں کو دیکھتے چلے جا رہے تھے۔ لیٹی نے خالدؑ کو دُور سے دیکھا اور دوڑی آئی۔

”کیا تم نے اُسے چھوڑ دیا ہے؟“ لیٹی نے خالدؑ سے پوچھا۔

خالدؑ نے اُسے بتایا کہ انہوں نے مجاہد کو کس مقصد کے لیے چھوڑا ہے۔

”ابن ولیہ! لیٹی نے کہا۔ ”اتنے انسانوں کا خون کس کی گردن پر ہو گا؟ میں نے اتنی زیادہ لاشیں کبھی نہیں دیکھی تھیں۔“

”جب تک انسانوں میں انسانوں کو اپنی خواہشات کا غلام بنانے کی ذہنیت موجود رہے گی انسانوں کا خون ہوتا رہے گا۔“ خالدؑ نے کہا۔ ”میں نے بھی اتنی لاشیں کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ اُنے والا نہ اس سے زیادہ لاشیں دیکھے گا حتیٰ اور باطل آپس میں مٹاتے رہیں گے۔ میں اسی لیے صلح کی کوشش کر رہا ہوں کہ اگر خون نہ بہے۔۔۔ اس سے آگے نہ جانا۔ تم جو دیکھو گی اسے تم برداشت نہیں کر سکو گی۔“

آسمان سے کچھ اُترنے لگے تھے اور انہوں نے لاشوں کو نوچنا شروع کر دیا تھا۔ کچھ مسلمان لاشوں کے درمیان اپنے زخمی ساتھیوں کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ انہیں اٹھا اٹھا کر خیمہ گاہ کی طرف لاتے تھے۔ باقی سپاہ بنو حنیفہ کے چھپے ہوئے آدمیوں کو پھرنے کے لیے چلی گئی تھی۔

۲۶

رات کو خالدؑ کو اطلاع ملنے لگی کہ بنو حنیفہ کے آدمیوں کو لار ہے ہیں۔ بعض کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے۔ خالدؑ نے حکم دیا کہ عورتوں اور بچوں کو سڑی اور جھوک سے پکایا جائے لیکن خیمہ گاہ نہ چلی جی۔ خوراک کی قلت تھی۔ خالدؑ نے کہا کہ خود جھوک کے رہو، قیدی عورتوں اور بچوں کے سرٹ بھر دو۔

اس کا حل یہ نکالا گیا کہ مسلمان مجاہدین لاشوں سے کھجوروں وغیرہ کی تھیلیاں کھول کر لے آئے۔ ہر سپاہی اپنے ساتھ کھائے پینے کا کچھ سامان رکھتا تھا۔ یہ عورتوں اور بچوں کو دیا گیا۔

علی الصبح مجاہد میاں سے واپس آیا اور خالدؑ کے خیمے میں گیا۔

”کیا خبر لائے ہو ابن مرادؑ؟ خالدؑ نے پوچھا۔

”خبر فیری نہیں۔ مجاہد نے جواب دیا۔ ”لیکن تم اسے اچھا نہیں سمجھو گے۔ بنو حنیفہ ہتھیاری شرط پر صلح کرنے کو تیار نہیں۔ وہ ہتھیاری غلامی قبول نہیں کریں گے۔“

”صلحی قسم، میں انہیں اپنا غلام نہیں بنانا چاہتا۔“ خالدؑ نے کہا۔ ”ہم سب اللہ کے رسول کے غلام ہیں میں انہیں اس سچے رسول کے عقیدے کا غلام بناؤں گا۔“

”وہ اس شرط کو بھی نہیں مانیں گے۔“ مجاہد نے کہا۔ ”اور یہ بھی دیکھ کہ تیرے پاس رہ گیا ہے۔“

ابن ولیہ! میں نے میاں کے اندر جا کر دیکھا ہے۔ ایک لشکر ہے جو رہے ہوئے تیری اس چھوٹی سی فوج کو لو لمان کر دینے کے لیے تیار ہے۔ کبھی یہ طاقت نہ کر بیٹھنا کہ میاں کو آگے محاصرے میں لے لے تو کچلا جائے گا۔ ابن ولیہ! جو ش کو چھوڑا اور ہوش کی بات کر۔ اپنی شرط کو نرم کر میں بنو حنیفہ کو شک نہ کر لیا ہے۔ اس لشکر کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا ہے۔“

بڑے آدمی اور کس لڑکے ہیں۔ میں نے تجھے موقع دیا کہ دیوار پر ایک نظر ڈال لے تاکہ تو اس جھانے میں آجاتے کہ میاں میں بہت بڑا لشکر موجود ہے۔۔۔۔ اور تو میرے جھانے میں آگیا۔
خالہ خٹکس ہوتے۔ وہ مجھ کو اس دھوکے کی سزا دے سکتے تھے لیکن اس عہد نامے کی خلاف ورزی انہیں گوارا نہیں تھی جس پر وہ دستخط کر چکے تھے۔

”خدا کی قسم!۔ خالہ نے مجھ سے کہا۔“ تو نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔“
”میں تجھے دھوکہ دے سکتا ہوں۔“ مجھ سے کہا۔ ”اپنے قبیلے کی عورتوں اور بچوں سے غماری نہیں کر سکتا۔ میں انہیں تیری تلواروں سے بچانا چاہتا تھا۔ میں نے انہیں بچا لیا ہے۔“
”تو خوش قسمت ہے کہ میں مسلمان ہوں۔“ خالہ نے کہا۔ ”اسلام معاہدہ توڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ میں صلح نامے پر دستخط کر چکا ہوں، ورنہ میں تمہاری ان تمام عورتوں کو لوندیاں بنا لیتا۔“
”مجھے معلوم تھا تو ایسے نہیں کرے گا۔“ مجھ سے کہا۔

”لیکن ایک بات سن لے ابن مراد!۔ خالہ نے کہا۔“ میں نے معاہدہ صرف میاں شہر کے لیے کیا ہے۔ اس میں ارد گرد کے علاقے شامل نہیں ہیں۔ پابند ہوں کہ میاں کے اندر کسی جنگی مجرم کو قتل نہ کر دوں۔ میاں کے باہر میں جسے سمجھوں گا کہ اسے قتل ہونا چاہیے، اس کے قتل سے میں گریز نہیں کروں گا۔“

☆

ارتداد کا سب سے بڑا مرکز میاں تھا جو خالہ نے اکھاڑ چھینا اور جھوٹے نبی کو بلا کر کر کے اس کی لاش کی مناسبت کی گئی۔ اس کے پیر کو داروں سے کہا گیا کہ سیر کے پاس معجزوں کی طاقت ہوتی تو تمہارے چالیس ہزار سے زیادہ لشکر کا یہ حشر تیرا ہزار آدمیوں کے ہاتھوں نہ ہوتا۔
”جو حریف!۔ مسلمان میاں کی گلیوں میں اعلان کرتے پھرتے تھے۔“ عورتیں مسرت ٹریں۔
کسی کو لوندی نہیں بنایا جائے گا۔ شہر کے اندر کسی مرد، بچے یا عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔ سیر فریبگار تھا۔ اس نے تم سب کو دھوکہ دے کر تمہارے گھر اجاڑ دیے ہیں۔

میاں پر خوف و ہراس اور موت کی دیرانی طاری تھی۔ عورتیں شہر سے باہر نکلنے سے ڈرتی تھیں۔ انہیں مسلمانوں سے کوئی ڈر اور اندیشہ نہیں رہا تھا۔ وہ اپنے آدمیوں کی لاشیں دیکھنے سے ڈرتی تھیں۔ وہ شہر کی دیوار پر جا کر باہر کا منظر دیکھتی تھیں۔ انہیں گدھوں، بگدڑوں اور بھیلوں کی خوفناک آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ یہ سب لاشیں بکھار رہے تھے۔

میاں اور ارد گرد و نواح کے لوگوں نے اتنی قتل و غارت کبھی دیکھی نہ سنی تھی۔ یہ تو قہر نازل ہوا تھا۔ گھر گھر ماتم ہو رہا تھا۔ اس بھیاں کہ ضرورت حال میں لوگ اس غیبی قوت کے آگے سجدے کو نہ چاہتے تھے جس نے ان پر قہر نازل کیا تھا۔ مسلمانوں کی فوج میں قہر ان کے حافظہ اور تفریحی بھی تھے۔ انہوں نے لوگوں کو ایات قرآنی سن کر بتانا شروع کر دیا کہ انہیں تباہ کرنے والی نبی طاقت کیا ہے۔

موتن لکھتے ہیں کہ جو حریف کے جو آدمی بھاگ گئے تھے، ان کی تعداد کم و بیش بیس ہزار تھی۔ وہ دیوار لاپتہ ہوئے کہ ادھر ادھر چھپ گئے تھے۔ مسلمان انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لا رہے تھے۔ وہ بھی خوفزدہ تھے۔

نائب سالار خالہ کے ساتھ چل پڑے۔ خالہ انہیں بتاتے گئے کہ مجھ صلح نامے کی کیا شرط لائی ہے وہ چلتے گئے اور ایسی جگہ حار کے جہاں سے میاں شہر کی دیوار نظر آتی تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ دیوار پر آدمی ای آدمی تھے مجھ سے ٹھیک کہا تھا کہ شہر کی دیوار کے اوپر انسانی جسموں کی دیوار کھڑی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ شہر میں بہت بڑا لشکر موجود ہے۔

”میرا خیال ہے کہ تم نے مجھ کو کیا تو ہم نقصان اٹھائیں گے۔“ خالہ نے اپنے نائب سالار سے کہا۔ ”دیوار پر جو خنوق کھڑی ہے اس کے تیر ہیں دیوار کے قریب نہیں جانے دیں گے۔ ہمارے پاس مردانے کے لیے اتنے زیادہ آدمی نہیں۔“

”میں تو صلح کی رائے دوں گا۔ ایک نائب سالار نے کہا۔
”جس قبیلے کو ہم ختم کرنا چاہتے تھے وہ ختم ہو چکا ہے۔ ایک اور نائب سالار نے کہا۔ اب ہم صلح کر لیں تو ہم پر کون انکلی اٹھا سکتا ہے؟“

خالہ واپس اپنے خیمے میں آئے اور مجھ کو بتایا کہ وہ صلح کے لیے تیار ہیں۔ اسی وقت صلح نامہ تحریر ہوا جس پر خالہ نے خلافت کی طرف سے اور مجھ سے مل کر صلح نامہ نے جو حریف کی طرف سے اس میں ایک شرط یہ تھی کہ مسلمان میاں کے کسی آدمی کو جنگی مجرم قرار دے کر قتل نہیں کریں گے۔
مجاہد واپس چلا گیا۔ اسی روز اس نے میاں کے دروازے کھول دیے اور خالہ کو شہر میں بھوکھا۔

☆

خالہ اپنے سالاروں اور کمانداروں کے ساتھ میاں شہر کے دروازے تک پہنچے۔ انہوں نے اوپر دیکھا۔ دیواروں پر اب ایک بھی آدمی نہیں کھڑا تھا۔ برج بھی خالی تھے۔ خالہ کو تو قہر بھی کہ قلعے کے اندر انہیں جو حریف کا وہ لشکر نظر آئے گا جس کے متعلق مجھ نے انہیں بتایا تھا کہ مسلمانوں کو کچل ڈالے گا مگر وہ کسی لشکر کا نام و نشان نہ تھا۔ وہاں عورتیں تھیں، بچے اور بوڑھے تھے۔ جو ان آدمی ایک بھی نظر نہیں آتا تھا۔ عورتیں اپنے گھروں کے سامنے کھڑی تھیں بعض منڈیروں پر بیٹھی تھیں۔ ان میں زیادہ تر عورتیں رو رہی تھیں۔ ان کے خاوند، باپ، بھائی یا بیٹے جنگ میں مارے گئے تھے۔

”ابن مراد!۔ خالہ نے مجھ سے پوچھا۔“ وہ لشکر کہاں ہے؟
”دیکھ نہیں رہے ہو ابن ولید!۔ مجھ نے دروازوں کے سامنے اور چیتوں پر کھڑی عورتوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔“ یہ ہے وہ لشکر جو شہر کی دیوار پر تیر و کمان اور برجیاں اٹھائے کھڑا تھا۔“
”یہ عورتیں؟۔“ خالہ نے حیران ساہو کے پوچھا۔

”ابن ولید!۔“ مجھ نے کہا۔ ”شہر میں کوئی لشکر نہیں۔ یہاں صرف بوڑھے آدمی ہیں جو لڑنے کے قابل نہیں۔ عورتیں ہیں اور بچے ہیں۔“

”کیا ہمارے حملے کو روک سکتے تھے؟۔“ خالہ نے پوچھا۔ ”کیا عورتیں مقابلے میں آتی تھیں؟“
”میں ابن ولید!۔“ مجھ سے کہا۔ ”یہ میری ایک چال تھی۔ شہر سے تمام آدمی لڑنے کے لیے چلے گئے ہیں۔ شہر میں کوئی جوان آدمی نہیں رہا تھا۔ میں اپنے قبیلے کو تباہی سے بچانا چاہتا تھا۔ میں نے تمام عورتوں، بوڑھوں اور کمسن لوگوں کو زہ اور سروں پر خودی پہنائیں اور ان کے ہاتھوں میں تیر و کمان اور برجیاں دے کر دیوار پر کھڑا کر دیا۔ میں نے خود باہر جا کر دیکھا۔ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ عورتیں

ذہن بورت لڑکی ہے۔ میا مہر کا ہیرا ہے۔ وہ بہتیں چاہتی بھی ہے کہیستی ہے کہ خالدؑ عظیم انسان ہے جس نے ہم پر فتح پا کر بھی اعلان کیا ہے کہ کسی عورت کو لونڈی نہیں بنایا جائے گا، حالانکہ اُسے میا مہر کی عورتوں نے دھوکہ دیا تھا۔

اُس دور میں عربوں کے ہاں سوکن کا تصور نہیں تھا۔ خالدؑ نے مجاہدین مراد سے کہا کہ وہ اُس کی بیٹی کے ساتھ شادی کرنا چاہتے ہیں۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ مجاہد اسحاق بن ابی جیسے اُس نے غلط سنا ہو۔

”کیا کہا تو نے ولید کے بیٹے؟“ مجاہد نے پوچھا۔
 ”میں تمہاری بیٹی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ خالدؑ نے اپنی بات دہرائی۔
 ”کیا خلیفہ ابوبکرؓ ہم دونوں سے مخفانہ ہوں گے؟“ مجاہد نے کہا۔ (مجاہد کے صحیح الفاظ یہ تھے) ”کیا خلیفہ ہم دونوں کی کمر نہ توڑ ڈالیں گے؟“

خالدؑ اسی پر اصرار کرتے رہے کہ وہ مجاہد کی بیٹی کے ساتھ شادی کریں گے۔ آخر انہوں نے اس حسین اور جوان لڑکی کو اپنے عقد میں لے لیا۔ یہ خبر مدینہ منیچہؓ تو خلیفہ المسلمین ابوبکرؓ نے غلط نہ خط لکھا: ”اولید کے بیٹے! تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ شادیاں کرتے پھرتے ہو۔ تمہارے خیمے کے باہر بارہ سو مسلمانوں کا خون بہہ گیا ہے۔ تم نے شہیدوں کا خون بھی خشک نہیں ہونے دیا۔“

”یہ عمر بن خطاب کی کارستانی ہے۔“ خالدؑ نے خط پڑھ کر زیر لب کہا۔
 یہ معاملہ سرزنش کے خط پر ہی ختم ہو گیا۔ خلیفہ ابوبکرؓ نے خالدؑ کو یہ پیام بھیج دیا تھا کہ وہ میا مہر کے علاقے میں رہیں اور اگلے حکم کا انتظار کریں۔ خالدؑ مجاہد کی بیٹی اور بیٹی کو ساتھ لے کر میا مہر کے قریب واپس واپس جا خیمہ زن ہو گئے۔ دو ماہ بعد انہیں اگلا حکم ملا۔

وہ نادم بھی تھے کہ انہوں نے ایک جھوٹے نبی کے ہاتھ پر بیعت کی جس نے انہیں کہا تھا کہ اُسے خدا نے ایسی طاقت دی ہے کہ فتح و خلیفہ کی ہی ہوگی اور مسلمان تباہ ہو جائیں گے۔ انہیں تبلیغ کی اور اسلام کے تفصیلی تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ ان میں بیشتر نے از خود اسلام قبول کر لیا۔

مجاہد بن مراد بنو خنیفہ کی سرداری میں یکے نہاب کا جانشین تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کا قبیلہ دھڑا دھڑا اسلام قبول کرنا جا رہا ہے تو اس سے اُسے یہ اطمینان ہوا کہ خالدؑ کے دل میں اُس کے خلاف جو جنگی تھی وہ کل گئی ہے۔

بنو خنیفہ کے لوگ جوق در جوق خالدؑ کے پاس بیعت کے لیے آ رہے تھے۔ خالدؑ نے ان میں سے چند ایک سرکردہ افراد کا ایک وفد تیار کیا اور انہیں خلیفہ المسلمین کے ہاتھ پر بیعت کے لیے مدینہ منیچہ دیا۔

☆

خالدؑ کو یہ جنگ بہت منگنی پڑی تھی۔ قدیم تحریروں اور دیگر ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ خالدؑ کو اتنے بڑے لشکر پر فتح حاصل کرنے کی توقع کم ہی تھی۔ انہوں نے برا اللہ کے بھروسے اور اپنی جنگی قابلیت کے بل بوتے پر لڑی تھی۔ اُن کے اعصاب تھک کر چور ہو چکے تھے۔

اس جنگ کی خونریزی کا اندازہ یہ ہے کہ بنو خنیفہ کے انیس ہزار آدمی مارے گئے۔ رخصیوں کی تعداد اگاس ہے۔ اس کے مقابلے میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار دو سو تھی۔ ان میں تین ہزار شہید قرآن کے حافظ تھے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب خلیفہ ابوبکرؓ کو اطلاع ملی کہ شہیدوں میں تین سو حافظ قرآن تھے تو انہوں نے یہ سوچ کر کہ جنگوں میں قرآن کے تمام حافظ شہید ہو سکتے ہیں، حکم دیا کہ قرآن ایک جگہ تحریر میں جمع کر لیا جائے۔ چنانچہ پہلی بار قرآن کو اس شکل میں مرتب کیا گیا جو آج ہمارے سامنے ہے۔

جنگ میا مہر کے بعد خالدؑ کی کیفیت یہ تھی کہ جہانی اور فتنی لحاظ سے شل ہو چکے تھے۔ لیکن ان کے تھکے ماندے اعصاب سہلائی تھی۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ کسی بھی جنگ میں مسلمانوں کا اتنا جانی نقصان نہیں ہوا تھا۔ اب ایک ہی بار ایک ہزار دو سو مجاہدین شہید ہو گئے تو باقی مجاہدین پر جیسے غم کے پہاڑ اُڑے ہوں۔ خالدؑ دکھ اور غم کو قبول کرنے والے نہیں تھے۔ اگر وہ مرنے والوں کا ماتم کرنے بیٹھ جاتے یا دل پر غم طاری کر لیتے تو سپہ سالاری نہ کر سکتے۔ انہیں آگے چل عراق اور شام فتح کرنا تھا۔

انہیں ارتداد کو کچل کر اسلام کو دھڑ دھڑ تک پھیلانا تھا، اس لیے وہ اپنے آپ کو رنج دالم سے آزاد رکھتے تھے۔

”ولید کے بیٹے!۔“ لیلیٰ نے خالدؑ سے کہا۔ ”میں تمہیں اس عظیم فتح پر ایک تحفہ دینا چاہتی ہوں۔“

”کیا اللہ کی خوشنودی کا کافی نہیں؟“ خالدؑ نے کہا۔

”وہ تو تمہیں مل چکی ہے۔“ لیلیٰ نے کہا۔ ”تم اللہ کی تلوار ہو۔ میں اس دنیا کی بات کر رہی ہوں۔ تم بہت تھک گئے ہو۔“

تحفہ کیا ہے؟۔ خالدؑ نے پوچھا۔

”مجاہد بن مراد کی بیٹی۔“ لیلیٰ نے کہا۔ ”تم نے اُسے نہیں دیکھا میں اُس کے گھر گئی تھی بہت

جاتا تھا۔ اس طرح مسلمان عسکری اور نظریاتی لحاظ سے چھپاتے چلے جا رہے تھے لیکن ابھی دھاکش پست
ایران کے خلاف ٹکڑے لینے کے قابل نہیں ہوئے تھے۔ ایران اس وقت کی بڑی طاقتور بادشاہی
تھی جس کے طول و عرض کا حساب نہ تھا۔ اس بادشاہ کی فوج تعداد اور ہتھیاروں کے لحاظ سے بہت
طاقتور تھی۔ صرف رومی تھے جنہوں نے ان سے جنگیں لڑیں اور انہیں کچھ زور کر دیا تھا۔

اس کے باوجود خلیفہ ابو بکرؓ ایران کی بادشاہی میں رسول اللہؐ کا پیغام پہنچانے کا نتیجہ کئے
ہوئے تھے۔ ایرانی نہ صرف یہ کہ اسلام کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے بلکہ وہ اسلام کا مذاق اڑاتے تھے۔
اگر مسلمانوں کا کوئی ایچی اُن کے کسی علاقے کے امیر کے دربار میں چلا جاتا تو وہ اس کی بے عزتی کرتے
اور بعض کو قید میں بھی ڈال دیا کرتے تھے۔

حکومتوں اور حکمرانوں کے انداز اور خیالات اپنے ہی ہوتے ہیں۔ اُن کے سوچنے کے انداز بھی
مصلحت اور حالات کے تابع ہوتے ہیں لیکن عوام کی سوچیں ان کے جذبول کے زیر اثر ہوتی ہیں اور
ملک و ملت کی خاطر عوام اُن اگلتے پہاڑوں کے خلاف بھی سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔

۷

اُس دور میں عراق ایران کی بادشاہی کا ایک صوبہ تھا۔ اُس کا امیر باحاکم ہر مہر تھا جو اُس دور
میں مانا ہوا جنگجو اور اندر جنگی قائد تھا۔ ظالم اور بد طبیعت انسان اُس کے علاقے کے لوگ کسی کے خلاف
بات کرتے تو کہتے تھے۔ وہ تو ہر مہر سے بڑھ کر کینہ اور بد فطرت ہے۔

اُس کے ظلم و ستم کا زیادہ تر شکار مسلمان تھے جو وجہ اور ذرات کے سنگم کے علاقے میں رہتے
تھے۔ ان کے خلاف ہرگز کوئی ایک دشمنی تھی کہ وہ اسلام کے پیروکار ہیں۔ کسی ایرانی کے انتہوں کسی
مسلمان کا قتل ہو جانا اور کسی مسلمان عورت کا اغوا کوئی جرم نہیں تھا۔ ہندوؤں کی طرح ایرانی مسلمانوں کو تکلیف
پہنچا کر کسی بہانے اُن کے گھر کو لوٹ کر اور جلائے خوشی محسوس کرتے تھے۔ مسلمان خوف و ہراس میں
زندگی گزار رہے تھے۔

مسلمان جس علاقے میں آباد تھے، اُس کی زمین سونا اگھتی تھی۔ اناج اور پھلوں کی پیداوار کے لئے
یہ علاقہ بڑا ہی زرخیز تھا۔ یہ علاقہ جو کرم و شیش تین سو مل لبا تھا، زرخیزی اور شادابی کے علاوہ قدرتی منظر
کی وجہ سے حسین خطہ تھا۔ حاکم عیش و عشرت کے لئے اسی علاقے میں آئے اور کچھ دن گزار جاتے
تھے۔ اس زرخیز اور شاداب علاقے میں مسلمانوں کو آباد کرنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ کھیتی باڑی کریں اور
غورخال رہیں، بلکہ انہیں یہاں مزارعوں کی حیثیت سے رکھا گیا تھا۔ وہ زمین کا سیدہ چیر کر شاد و زرخیز
اور مشقت سے اناج اور پھل لگاتے مگر اس میں سے انہیں اتنا ہی حصہ ملتا جو انہیں بخش زندہ رکھنے
کے لئے کافی ہوتا تھا۔ زمین کی اگلی ہوئی تمام دولت حاکموں کے گھر وں میں اور ایرانی فوج کے پاس چلی
جاتی تھی۔ مسلمان مزارعوں کے لئے عزت اور ایرانیوں کی نفرت رہ جاتی تھی۔

مسلمان اپنی جوان بیٹیوں کو گھروں میں چھپا کر رکھتے تھے۔ کسی ایرانی فوجی کو کوئی مسلمان لڑکی اچھی
لگتی تو وہ کسی دیکھی بہانے یا اُس کے گھر والوں پر کوئی الزام عائد کر کے اُسے اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔
ایرانی فوجی کسی بہانے کے بغیر بھی مسلمان لڑکیوں کو اپنے ساتھ زبردستی لے جاسکتے تھے لیکن غلامی اور

فدوری ۴۳۳ء کے پہلے ہفتے (ذیقعد ۱۱ ہجری کے آخری ہفتے) کے ایک دن خلیفہ ابو بکرؓ
سے ملنے ایک شخص آیا جس نے اپنا نام مثنیٰ بن عمارؓ شیبانی بتایا۔ خلیفہ کے لئے اور اہل مدینہ
کے لئے وہ ایک غیر اہم بلکہ گناہ آدمی تھا۔ اگر ایسا شخص کسی بادشاہ کے دربار میں جاتا تو اُسے وہاں
سے نکال دیا جاتا لیکن ابو بکرؓ کسی اقلیم کے بادشاہ نہیں بلکہ شہنشاہ و وجہاں کے خلیفہ تھے جن کے
دروازے ہر کسی کے لئے کھلے رہتے تھے۔

یہ شخص جب خلیفہ ابو بکرؓ کے پاس آیا، اُس وقت اُس کے چہرے پر تنہا اور شب بیداری کی گھری
پرچائیاں تھیں۔ بچوں پر گرجتی اور وہ قدرتی روانی سے بول بھی نہیں سکتا تھا۔

”کیا مجھے کوئی بتا سکتا ہے یہ اجنبی کہاں کون ہے؟“ امیر المومنین ابو بکرؓ نے پوچھا۔
”یہ شخص جس نے اپنا نام مثنیٰ بن عمارؓ بتایا ہے، یہ معمولی آدمی نہیں۔“ قیس بن عاصم النخعی
نے جواب دیا۔ ”امیر المومنین! اس کے یہاں آنے میں کوئی فریب نہیں۔ شہرت اور عزت جو اس نے
پائی ہے وہ اللہ ہر کی کوٹھا کرے۔ ہر جو عراق میں فارس کا سالار ہے اور جس کی فوج کی دھاک بیٹھی ہوئی
ہے، مثنیٰ بن عمارؓ کا نام سن کر سوچ میں پڑ جاتا ہے۔“

”امیر المومنین! کسی اور نے کہا۔ آپ کا اجنبی جہاں بحسبین کے قبیلہ کبر بن وائل کا معزز فرد ہے۔
یہ اسلام قبل کرنے والے اُن لوگوں میں سے ہے جنہوں نے کفر اور ارتداد کی آندھیوں میں اسلام کی
شمع روشن رکھی ہے اور اس نے ہمارے سالار علاء بن حضرمی کے ساتھ مل کر عراق کی سرحد کے علاقوں
میں مرتدین کے خلاف لڑائیاں لڑی ہیں۔“

امیر المومنین ابو بکرؓ کا چہرہ چمک اٹھا۔ اب انہوں نے مثنیٰ بن عمارؓ کو بدلی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔
اُن کے ذہن میں عربی مسلمانوں کے وہ قبائل آگئے جو ایرانیوں کے محکوم تھے۔ یہ عراق کے علاقے ہیں آباد
تھے۔ یہ تھے بنو لخم، تغلب، اباد، منبہ اور بنو شیبان۔ ایک روایت کے مطابق یہ وہ عربی باشندے تھے
جنہیں پہلی جنگوں میں ایرانی جنگی قیدی بنا کر لے گئے اور انہیں وجہ اور فزات کے ڈیشا کے دلدلی
علاقے میں آباد کر دیا تھا۔

ان قبائل نے ایرانیوں کا غلام ہوتے ہوئے بھی اپنے عقیدوں کو اپنے وطن کے ساتھ وابستہ
رکھا۔ عرب میں اسلام کو فروغ ملا تو انہوں نے بھی اسلام کو قبول کر لیا۔ عراق سے سباج جیسے
چند افراد نے نبوت کے دعوے کیے تو ان محکوم عربوں نے اس ارتداد کے خلاف محاذ بنالیا۔
اور حضرت مسلمان ایک ایسی جنگی طاقت بن چکے تھے جن کے سامنے مرتدین اور کفار کے متحدہ
 لشکر بھی رجم سکے۔ میدان جنگ سے ہرٹ کر مسلمان جو عقیدہ پیش کرتے تھے وہ وہاں میں اُن

خدا پر اللہ پرست قوم پہلی قوموں کی طرح یہی سمجھتی رہی کہ اسے تو زوال آ ہی نہیں سکتا۔ وہ محکوموں کے خدا بنے ہوئے تھے۔

۷

”بنیت سعود!“ ایک نوجوان مسلمان لڑکا اپنی سہیلی سے پوچھ رہی تھی۔ ”خدا نہیں آیا؟“
 ”زہرہ بنیت سعود کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اُس نے آہ بھر کر منہ پھیر لیا۔
 ”تم کہتی تھیں وہ تمہیں دھوکہ نہیں دے گا۔“ سہیلی نے زہرہ سے کہا۔ ”خدا نہ کرے“ وہ اُس بد بخت ایرانی کے ہاتھ چڑھ گیا ہو۔“

”خدا نہ کرے۔“ زہرہ بنیت سعود نے کہا۔ ”وہ آئے گا۔۔۔ چار دن گزر گئے ہیں۔۔۔ میں اس ایرانی کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ موت قبول کر لوں گی۔ اُسے قبول نہیں کر دوں گی۔ خدام مجھے دھوکہ نہیں دے گا۔“

”زہرہ!“ سہیلی نے اُسے کہا۔ ”کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم اُس ایرانی کا مذاکرہ قبول کر لو؟ تمہارے خاندان کے لئے بھی یہی بہتر ہوگا۔ یہی ہے تاکہ تمہیں اپنا عقیدہ بدلنا پڑے گا۔ ماری عمر عیش و نغمہ کی نا!“
 ”میں نے جس خدا کو دیکھ لیا ہے اُسی کی عبادت کروں گی۔“ زہرہ نے کہا۔ ”اگ خدا نے پیدا کیا ہے، اگ خدا نہیں ہو سکتی۔ میں خدا کی موجودگی میں کسی اور کی پرستش قبول کر دوں؟“

”سوچو زہرہ!“ سہیلی نے کہا۔ ”تم اُسے قبول نہیں کرو گی تو وہ تمہیں زبردستی اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔ اُسے کون روک سکتا ہے؟ وہ شاہی فوج کا کمانڈر ہے۔ وہ تمہارے گھر کے پتے پہنچے کو قید خانے میں بند کر سکتا ہے۔ ہوں تو میں بھی مسلمان کی بیٹی۔ میں اللہ کی عبادت کرتی اور اللہ کی ہی قسم کھاتی ہوں لیکن اللہ نے ہماری کیا مدد کی ہے؟ کیا تمہیں یقین ہے کہ اللہ تمہاری مدد کرے گا؟“
 ”اگر اللہ نے میری مدد کی تو اپنی جان لے لوں گی۔“ زہرہ نے کہا۔ ”اور اللہ سے کہوں گی کہ یہ لے، اگھر میرے وجود میں جان نوٹنے والی تھی تو واپس لے لے۔“ اور اُس کے آنسو بہنے لگے۔

زہرہ اپنے جیسے ایک خوب صورت جوان قدامت بن آسکد کو چاہتی تھی اور قدام اُس پر جان بھار کر تھا۔ اُن کی شادی ہو سکتی تھی لیکن شہر ایرانی فوج کا ایک کمانڈر تھا جس کی نظر زہرہ بنیت سعود پر پڑ گئی تھی۔ اُس نے اس لڑکی کے باپ سے کہا تھا کہ وہ اُس کی بیٹی کو بڑی آسانی سے گھر سے لے جا سکتا ہے لیکن ایسا نہیں کرے گا۔
 ”میں تمہاری بیٹی کو مال غنیمت سمجھ کر نہیں لے جاؤں گا۔“ شہر نے کہا تھا۔ ”اُسے دو گھنٹوں والی اُس گلی پر لے جاؤں گا جس پر وہ پہلے اپنی ڈالہنوں کو لے جایا کرتے ہیں۔ تم لوگوں کو فخر سے بتایا کرو گے کہ تمہاری بیٹی ایک ایرانی کمانڈر کی بیوی ہے۔“

”لیکن ایرانی کمانڈر!“ زہرہ کے باپ نے کہا تھا۔ ”تمہارا احترام ہم پر لازم ہے۔ اگھر لڑکی تمہاری دہس بننا چاہے گی تو تم اُسے نہیں روکیں گے۔“

”تم غلط عربی!“ ایرانی کمانڈر نے اُس نفرت سے جس سے وہ ہر مسلمان سے بات کیا کرتا تھا، کہا۔ ”تو بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینے والی قوم میں سے ہے اور کہتا ہے کہ اپنی شادی کا فیصلہ تیری بیٹی خود کرے گی۔ زرتشت کی قسم، اگھر تیری بیٹی نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں نہ دیا تو تجھے اور تیری بیٹی کو اُن کوٹھڑوں

مظلومیت کے باوجود مسلمانوں میں بغیر کا جذبہ موجود تھا۔ پہلے پہل زبردستی انکو اکیلا اور ذاتی طور پر مسلمانوں نے دو تین فوجیوں کو قتل کر دیا تھا۔ مسلمانوں کو اس کی سزا تو بڑی ظالمانہ ملی تھی اور انہیں اپنی لڑکیوں کو سجانے کی قیمت بھی بہت دینی پڑی تھی لیکن زبردستی انکو اکا سلسلہ رک گیا تھا۔

آتش پرست ایرانی اپنے فوجیوں کو ساندلوں کی طرح پالتے تھے۔ ہر سپاہی اس قسم کی ذمہ دہنیا تھا کہ سر پر اپنی زنجیروں کی خود اور بازوؤں پر دھات کے عمل اس طرح چڑے ہوئے تھے کہ بازوؤں کی حرکت میں رکاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ ان کی ٹانگوں کو بھی بڑے سخت چڑے یا کسی دھات سے محفوظ کیا ہوا تھا۔ اسلحہ اتنا کہ ہر سپاہی کے پاس ایک تلوار، ایک برچھی یا دو ایک گرز ہوتا تھا کہ گرز پر ایرانی سپاہی خاص طور پر فخر کیا کرتے تھے۔ ان ہتھیاروں کے علاوہ ہر سپاہی کے پاس ایک کمان اور ترکش میں تیس ترتر ہوتے تھے۔ انہیں عیش و عشرت، کھانے پینے اور لوٹ مد کی کھلی اجازت تھی۔ وہ جرات اور عسکری ہمارت میں قابلِ تملیت تھے۔ اُن کی کمزوری صرف یہ تھی کہ وہ صرف آسنے سامنے کی لڑائی لڑ سکتے تھے اور لڑتے بھی بے جگری سے تھے لیکن اتنا اسلحہ اٹھا کر وہ ٹھہرتی سے نقل و حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ کسی دستانے یا عیش کو فوراً ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا پڑتا تو وہ مطلوبہ وقت میں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اتنے زیادہ ہتھیاروں کا بوجھ انہیں جلدی تھا کہ دینا تھا۔ البتہ اُن کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ان کی کُست رفتاری کی کمزوری کو چھپا لیتی تھی۔

۷

وہ اور ذرات کے سنگم کے علاقے کے جنوب میں اُبہ ایک مقام تھا جو عراق اور عرب کی سرحد پر تھا۔ اُس زمانے میں اُبہ ایک شہر تھا۔ اس کے ارد گرد علاقہ شاداب اور سرسبز تھا۔ وہاں بڑے خوب صورت جنگل اور ہری بھری پہاڑیاں تھیں۔ یہ تاریخی اہمیت کا علاقہ تھا۔ آج بھی وہاں کشتیوں کے بھرے ہوئے ہیں جو زبان خاموشی تاریخی کمانیاں سناتے ہیں۔ ہر کمانی عبرت ناک ہے۔

اس خطے میں اُن قوموں کی تباہی اور بربادی کے آثار بھی موجود ہیں جنہوں نے عیش و عشرت کو زندگی کا مقصد بنا لیا تھا اور رعایا کو وہ انسانیت کا درجہ نہیں دیتے تھے۔ خدا نے انہیں راہ مستقیم دکھانے کے لئے پیغمبر بھیجے تو ان لوگوں نے پیغمبروں کا مذاق اُڑا اور کہا کہ تم تو ہم میں سے ہو اور دنیا میں تمہاری حیثیت اور تمہارا رتبہ بھی کوئی نہیں، پھر تم خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر کس طرح ہو سکتے ہو؟

آخر خدا نے انہیں ایسا تباہ و برباد کیا کہ اُن کے محلات اور اُن کی مستیوں کو کھنڈر بنادیا۔ خدا نے اُن کا تفصیلی ذکر قرآن میں کیا اور فرمایا ہے۔ ”کیا تم نے زمین پر گھوم پھر کر نہیں دیکھا کہ جو اپنی بادشاہی پر اترتے اور خدا کی کشتی کرتے تھے اور جو اپنے پہاڑوں پر اپنی یادگار بناتے تھے کہ اُن کے نام ہمیشہ زندہ رہیں، وہ اب کہاں ہیں؟ اب زمین کے نیچے سے اُن کے محلات اور اُن کی یادگاروں کے کھنڈرات نکل رہے ہیں۔“

ان کے بعد بھی پُر شکوہ شہنشاہ آئے اور ایک کے بعد ایک اپنے کھنڈرات چھوڑ گیا۔ بابل کے کھنڈر بھی آج تک موجود ہیں۔ اس خطے میں آشوری آئے، ماسانی آئے اور اب جب مدینہ میں ابوبکر صدیق امیر المومنین تھے، وہاں اور ذرات کے اس حسین اور عبرت انگیز خطے میں ایرانیوں کا طوطی بل ہا

”خدا کی قسم، قدام! زہرہ نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”اگر تم نے مجھے دھوکہ دیا تو میری بدروح تمہیں جین سے جینے نہیں دے گی میں ایک دن کے لئے بھی اُس کا ذرہ بیوی بن کے نہیں رہ سکوں گی۔ اُنس کی بیوی جینے کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے تم ہی نہیں میرا مذہب بھی چھین جائے گا۔“

”اگر تم مذہب کی اتنی ہی ہر نو خدا ہماری مدد کو آئے گا۔“ قدام نے کہا۔
”قدام! زہرہ نے مایوسی کے لہجے میں کہا۔ ”میں مذہب کی تو پکی ہوں لیکن خدا پر میرا عقیدہ متزلزل ہوتا جا رہا ہے۔“

۷

قدام کچھ اور کہنے ہی لگا تھا کہ باغ میں کام کرنے سے ہونے والوں میں بڑ بونگ سی مرغ گئی تین چار آدمیوں نے قدام کو لپیٹا اور زہرہ اٹھی اور وہیں سے پودوں میں غائب ہو گئی۔ قدام نے اُٹھ کر دیکھا۔ کچھ دور پر ایرانی کا تدارا شتر اپنے گھوڑے پر سوار آ رہا تھا۔ اُس نے دور سے ہی کہا تھا کہ قدام کو اُس کے پاس بھیجا جائے۔ قدام آہستہ آہستہ چلتا شتر کی طرف گیا۔
”تیز چلا“ شتر نے گھوڑا روک کر دُور سے کہا۔

قدام نے اپنی چال نہ بدلی۔ شتر نے ایک بار پھر گرج کر اُسے تیز چلنے کو کہا۔ قدام اپنی ہی رفتار چلتا رہا شتر گھوڑے سے گُڑ گُڑا آواز اور گولوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ باغ میں کام کرتے ہوئے مسلمان دم بخود دیکھتے رہے۔ اُنہیں معلوم تھا کہ شتر قدام کی بڑی پسلی ایک کھردے گالیاں قدام جب اس کے سامنے باز کا تو شتر نے ہاتھ بھی نہ اٹھایا۔

”جو کچھ کہنے انسان! شتر نے قدام سے عقادت کے لہجے میں کہا۔ ”میں تمہارے باپ پر اور تمہاری جڑوں پر رحم کرتا ہوں۔ آج کے بعد میں نہیں اس لڑکی کے ساتھ نہ دیکھوں۔“
”اگر تم نے مجھے اس لڑکی کے ساتھ دیکھ لیا تو کیا ہو گا؟“ قدام نے پوچھا۔
”پھر میں تمہارے منہ پر ایک ذوق پھیر نہیں ماروں گا۔“ شتر نے پوچھا۔ ”تہیں درخت کے ساتھ اُٹا لگا دوں گا۔ جاؤ میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔“

شتر گھوڑے پر سوار ہوا اور چلا گیا۔ قدام وہیں کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔
”قدام!“ اُسے کسی نے بلایا اور کہا۔ ”ادھر آ جاؤ۔“ پھر اُسے تین چار آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ ”آ جاؤ قدام، آ جاؤ۔“

وہ پچھلے گڑا اور گولوں کے پاس جاؤ گا۔ سب اُس سے پوچھنے لگے کہ شتر نے کیا کیا تھا۔ قدام نے اُنہیں بتایا۔ سب جانتے تھے کہ قدام کا جرم کیا ہے۔ اگر میساں آزاد ہونے، اُن کی اپنی حکومت ہوتی اور یہ معاشرہ اُن کا اپنا ہوتا تو وہ قدام کو بڑا بھلا کہتے کہ وہ کسی کو نوجوان بیٹی کو اپنے پاس بٹھائے ہوئے تھا لیکن وہاں صورت مختلف تھی۔ اُنہیں یہ بھی معلوم تھا کہ قدام بڑے چال چلن کا نوجوان نہیں۔ اس مظلومیت میں بھی مسلمان متفقہ تھے، لیکن باغ میں کام کرنے والوں میں سے ایک نے کھب کہ یہ آتش پرست ادھر کیا لینے آیا تھا۔

میں بند کروں گا جن میں کوڑھی بند ہیں۔ بہت تھوڑی ٹہنت دول کا بٹور ہے!“
اُنس کے ساتھ اُس کے تین گھوڑا سوار سپاہی تھے۔ اُنہوں نے بڑی زور سے ہتھیار لگایا تھا۔
”مدیر بہت دُور ہے بد بخت بٹور ہے!“ ایک سپاہی نے اُسے دھکے دے کر کہا تھا۔ ”تیرا برا بھلا نہیں تیری مدد کو نہیں آئے گا۔“

زہرہ کے باپ کو اور اُس کے بھائیوں کو معلوم تھا کہ وہ ایران کے ایک سپاہی کا بھی حکم عدولی نہیں کر سکتے، یہ تو خدا نادر تھا۔ اُنہیں یہ بھی معلوم تھا کہ شتر اُن کی بیٹی کو اٹھوا بھی سکتا ہے اور وہ کچھ نہیں کر سکتے لیکن اس خطے کے مسلمانوں کے دلوں میں آگ کے پجاریوں کی جولنرت تھی، وہ اُنہیں مجبور کر رہی تھی کہ وہ ان کے غلام ہوتے ہوئے بھی ان کی غلامی قبول نہ کریں اور اس کا انجام کتنا ہی بھلا بھی کیوں نہ ہو، اسے برداشت کریں۔ اُنہیں اپنے اللہ پر بھروسہ تھا۔

زہرہ اور قدام کو سینے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ وہ پھیلوں کے باغات میں کام کرتے تھے۔ جس روز شتر زہرہ کے گھر آیا تھا اُنس سے اگلے روز زہرہ، قدام سے ملی اور خوفزدہ لہجے میں اُس نے قدام کو بتا کر ایرانی کا تدارا شتر دھمکی دے گیا ہے۔

”ہم یہاں سے بھاگ نہ چلیں؟“ زہرہ نے پوچھا۔
”نہیں۔“ قدام نے جواب دیا۔ ”اگر ہم بھاگ گئے تو یہ بد بخت تمہارے اور میرے خاندان کے پیچھے پیچھے کو قتل کر دیں گے۔“

”پھر کیا ہو گا؟“ زہرہ نے پوچھا۔
”جو خدا کو منظور ہو گا۔“ قدام نے کہا۔

”خدا، خدا، خدا!“ زہرہ نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”جو خدا ہماری مدد نہیں کر سکتا۔۔۔“
”زہرہ!“ قدام نے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا۔ ”خدا اپنے بندوں کو امتحان میں ڈال کر رہتا ہے۔“

پدر سے خدا کا امتحان نہیں لے سکتے۔ قدام گہری سوچ میں کھو گیا۔
”یہ تو ہو نہیں سکتا اگر تم اس آتش پرست شتر کا مقابلہ کرو گے۔“ زہرہ نے کہا۔

قدام گہری سوچ میں کھو جا رہا۔
”سوچتے کیا ہو؟“ زہرہ نے کہا۔ ”تم اس شخص کو قتل تو نہیں کر سکتے۔ ہمارے سامنے ایک ہی راستہ ہے۔“

”خدا نجات کا راستہ بھی دکھا دے گا۔“ قدام نے کہا۔
”تمہیں ایک اور راستہ میں دکھا سکتی ہوں۔“ زہرہ نے کہا۔ ”مجھے اپنی توار سے قتل کر دو اور تم زندہ رہو۔“

”تھوڑی سی قربانی دو۔“ قدام نے کہا۔ ”میں اُس نفرت کا اندازہ کر سکتا ہوں جو شتر کے خلاف تمہارے دل میں بھری ہوئی ہے لیکن اُنس پر یہ خیال ہو کر تو تم اُسے پسند کرتی ہو۔ اُسے دھوکے میں رکھو۔ میں کچھ دنوں کے لیے غائب ہو جاؤں گا۔“

”کہاں جاؤ گے؟“ زہرہ نے پوچھا۔ ”کیا کرنے جاؤ گے؟“
”مجھ سے ہر بات نہ پوچھو زہرہ!“ قدام نے کہا۔ ”میں غلطی مدد مل کرنے جا رہا ہوں۔“

”اُسے ادھر لایا گیا تھا۔“ ایک نے کہا۔ ”اور لائے والا کوئی ہم نہیں سے ہی تھا۔“
 ”معلوم کرو وہ کون ہو سکتا ہے۔“ ایک بوڑھے نے کہا۔ ”یہاں سوال ایک لڑکی اور لڑکے کا نہیں۔ یہ غلام اور غلاموں کا معاملہ ہے۔ یہ ہماری آزادی اور خودداری کا معاملہ ہے۔ آج اگر اس شخص نے اس ذرا سی بات پر غصہ کر کے تیرے توکل و دست برداری کر سکتا ہے۔“
 سب پر خاموشی طاری ہو گئی۔ ایک ادیب طبع عورت نے جو ان آدمیوں کے پیچھے کھڑی تھی بول پڑی۔
 ”میں بتاتی ہوں وہ کون ہے۔“ اُس عورت نے کہا اور ان آدمیوں میں بیٹھے ہوئے ایک آدمی کی طرف دیکھنے لگی۔ عورت نے ہاتھ لہا کر کے انگلی سے اُس کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا۔ ”ابو نصر! تم وہاں اُس بیکری کے پیچھے کھڑے کیا کر رہے تھے؟“

ابو نصر کے ہونٹ ہلے لیکن وہ کچھ کہہ نہ سکا۔ اسی سے سب سمجھ گئے کہ یہ شخص آتش پرستوں کا مجرب ہے۔ اُس نے آخر اس الزام کو تسلیم نہ کیا۔
 ”میں تمہیں دیکھ رہی تھی۔“ اس عورت نے کہا۔ ”تم بیکری کے پیچھے غائب ہو گئے اور ہاں سے شکر نکالا۔“
 ”دیکھ ابو نصر! ایک بوڑھے نے کہا۔ ”ہمیں کوئی ڈر نہیں کہ اب تم شکر کو بھی جا کر تباہ کر دے گے کہ ہم نے تمہیں مجرب اور غدار کہا ہے۔ یہ سوچ لو کہ آتش پرست تمہیں گلے نہیں لگا رہے گے۔ وہ کہتے ہوں گے تم ان کے غلام ہو اور اپنی قوم کے خلاف مجبزی اور غداری تمہارا فرض ہے۔“
 ابو نصر نے سر ہٹا لیا۔ اُس پر غصوں اور کالیوں کے تیر بڑھنے لگے جس کے منہ میں جو آگ اُس نے کہا۔ آخر ابو نصر نے سر اٹھا لیا۔ اُس کا چہرہ آنسوؤں سے دھلا ہوا تھا اور آنسو بہہ چلے جا رہے تھے۔ ندامت کے یہ آنسو دیکھ کر سب خاموش ہو گئے۔

”تمہیں آخر کتنا انعام ملتا ہوگا؟“ ان کے ایک بزرگ نے پوچھا۔
 ”کچھ بھی نہیں۔“ ابو نصر نے سسکی لینے کے انداز میں کہا۔ ”میں نے یہ پہلی مجبزی کی ہے۔ اگر تم لوگ مجھے موت کی سزا دینا چاہو تو مجھے قبول ہے۔“
 ”ہم پوچھتے ہیں کیوں؟“ ایک نے کہا۔ ”آخر تم نے یہ حرکت کیوں کی؟“
 ”میری بیوی۔“ ابو نصر نے جواب دیا۔ ”پرسوں کی بات ہے۔ اس کماندار نے مجھے راستے میں روک کر کہا تھا کہ میں زہرہ کے گھر پر نظر رکھوں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں دیکھتا رہوں کہ زہرہ گھر سے جاکر نہ جائے اور اُسے کسی جوان آدمی کے ساتھ الگ تنہا کھڑا دیکھوں تو اُسے اطلاع دوں۔ میں نے اُسے کہا کہ میں اس لڑکی پر نظر رکھوں گا، لیکن میری دو بیٹیوں پر کون نظر رکھے گا۔ میں نے کہا کہ شاہی فوج کے کماندار اور سپاہی جاری بیٹیوں کو بری نظر سے دیکھتے رہتے ہیں۔۔۔۔“

”شکر میری بات سمجھ گیا۔ اس نے کہا کہ تمہاری بیٹیوں کو کوئی شاہی فوجی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ اس نے میرے ساتھ بچا وعدہ کیا کہ وہ میری بیٹیوں کی عزت کی حفاظت کا اپنا انتظام کرے گا۔۔۔۔ یہ میرے لیے بہت بڑا انعام تھا۔“
 ”خدا کی قسم! بڑے بڑے نے کہا۔ ”تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں مسلمان کہا جائے تم نے

میں اسے معاف کرنا ہوں۔“ زہرہ کے باپ سعد نے کہا۔
 ”اور میں بھی اسے معاف کرتا ہوں۔“ خدا نام بولا۔ ”خدا کی قسم! میں شکر سے انتقام لوں گا۔“
 چرخش میں مست آکر گئے۔ بزرگ عرب نے کہا۔ ”کچھ کرنا ہے تو کر کے دکھا، اور یہ بھی یاد رکھ۔ جوش میں آکر مت بول۔ دماغ کو ٹھنڈا کر کے سوچ۔“

”دوسری صبح جب یہ مسلمان کچھ توں اور باغوں میں کام کرنے کے لیے گئے تو ان میں خدام نہیں تھا۔ ہر کسی نے خدام کے باپے پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ باپ پریشان تھا۔ اسے صبح پتہ چلا تھا کہ خدام غائب ہے۔ ”رشتہ گئے یہ جاری میرے بیٹے کو لکھا گئے ہیں۔“ خدام کے باپ نے روتے ہوئے کہا۔ ”اُسے انوں نے کسی طرح دھوکے سے بلایا۔ ہوگا اور قتل کر کے لاش دریا میں بہا دی ہوگی۔“
 سب کا یہ خیال تھا صرف زہرہ تھی جسے امید تھی کہ خدام خود کہیں چلا گیا ہوگا۔ اُس نے زہرہ کو بتایا تھا کہ کچھ دنوں کے لیے غائب ہو جائے گا۔ زہرہ نے یہ بات کسی کو نہ بتائی بلکہ اُس نے بھی یہی کہا کہ خدام کو ایرانیوں نے غائب کر دیا ہے۔ زہرہ نے اپنی سیلیوں سے کہا کہ دو دین روزہی خدام کا انتظار کرے گی۔ وہ نہ آیا تو وہ دریا میں ڈوب مرے گی۔

تین چار روز بعد رات کو شرفوج کی ایک جگہ میں بیٹھا دو نو عمر لڑکوں کا قصہ دیکھ رہا تھا۔ ایران کے نہایت دیباہوں میں ایسے لڑکوں کا قصہ مقبول تھا جن کے جسم لڑکیوں کی طرح دلکش ہو، مگر آزاد اور بچہ اڑھتے تھے۔ انہیں ایسا لباس پہنا جاتا تھا جس میں سے وہ نیم غریب رہتے تھے۔

شرفوج شاہی خاندان کا فرد تھا۔ اُس رات یہ دو لڑکے اُس نے اپنے سپاہیوں کے لیے بولائے تھے شرباب کا زور چل رہا تھا۔ سپاہی چیخ چیخ کر داد دے رہے تھے۔ شرباب میں بدست ہو کر وہ تین سپاہیوں نے بھی لڑکوں کے ساتھ ناچنا شروع کر دیا۔ شرفوج کے حکم پر ان سپاہیوں کو وہ دوسرے سپاہی اٹھا کر جگہ سے باہر بھیج دیا۔

یہ جگہ چھوٹا سا ایک کھنڈ تھا لیکن اس کے دروازے رات کو بھی کھلے رہتے تھے۔ ایرانیوں کی عادت تھی کہ صبح کو خلوہ نہیں تھا۔ وہ اپنے آپ کو ناقابل تسبیہ سمجھتے تھے۔ رقص جب عروج کو پہنچا اور شرباب کا شہر آشوب اُس کے سپاہیوں کے دماغوں کو مات دینے لگا تو سنسناتا ہوا ایک تیرا یا شجر کی گون گونانے لگا۔ ایک طرف سے لگا اور اُس کی نوک دوسری طرف سے باہر نکل گئی۔ شہر و دلوں کا تختہ اپنی گردن پر رکھ کر اٹھا۔ پانیوں میں بڑ بولنگ مچ گئی۔ وہ سب شکر کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے تین چار درتیر آتے تین چار تین سنانی۔ پھر ان ایرانیوں پر جیسے قیامت ٹوٹ پڑی۔ انہیں سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا اور وہ کھٹے لگے۔ ان میں سے

جو بھاگ کر دروازوں کی طرف گئے وہ دروازوں میں کھٹ گئے۔
چوکی والوں کو کہیں سے بھی مدد نہیں مل سکتی تھی کسی بھی دروازے سے کوئی باہر نہیں نکل سکتا تھا۔
انہیں ہتھیار اٹھانے کی تو ممانعت ہی نہیں ملتی تھی۔ اس حملے میں جو بچ گئے وہ زمین پر لیٹ گئے۔
یہ ایک طوفان تھا یا بگولہ جو غیر متوقع طور پر آیا اور جب گزر گیا تو اپنے ساتھ وہ تمام مال اور دولتیں
جو اس چوکی میں تھیں، لے گیا۔ پیچھے لاشیں رہ گئیں یا زلزلے جیسے ہونے لگی یا وہ اچھے بھلے ایرانی سپاہی جو
جان بچانے کے لیے لاشوں اور زخمیوں میں لیٹ گئے تھے۔

۷

صبح ہوئی مسلمان کیمپوں اور باغوں میں کام کرنے کے لیے گھروں سے نکل رہے تھے کہ گھوڑا
ایرانی فوج نے ان کی پستی کو گھیرے میں لے لیا۔ دوسری چوکی کو اس وقت اس چوکی پر حملے کی اطلاع ملتی تھی
جب حملہ آور اپنا کام کر کے بہت دور نکل گئے تھے۔ مسلمانوں کو کام پر جانے سے روک لیا گیا۔ ایرانی فوج
نے مردوں کو الگ اکٹھا کر کے کھڑا کر دیا اور ان کے گھروں سے عورتوں کو باہر نکال کر مردوں سے الگ
کھڑا کر دیا۔ فوجی ان کے گھروں میں گھس گئے اور اس طرح تلاشی لی جیسے ان کے مکانوں کا
فرش بھی کھود کر دیکھتے ہوں۔

انہیں کسی گھر سے کوئی ایسی چیز نہ ملی جو شک پیدا کرتی۔ البتہ سپاہیوں کو اپنے کام کی جو چیزیں ملتی
اتیں وہ انہوں نے اٹھالیں۔ پھر انہوں نے عورتوں اور مردوں کو اکٹھا کھڑا کر کے انہیں دھمکیاں دیں
مسلمانوں کے ساتھ یہ سلوک ان کے لیے نیا نہیں تھا۔ کسی نہ کسی بہانے ان کے گھروں کے تلاشی ہوا
ہی رہتی تھی۔ اس کے بعد انہیں اسی طرح دھمکیاں ملتی تھیں لیکن اب ایرانیوں کو معقول بہانہ ملتا تھا۔
"رات ابلہ کی ایک شخافانی فوجی چوکی پر بہت سے آدمیوں نے شب خون مارا ہے۔ ایک
ایرانی کا مندار نے مسلمانوں سے کہا۔ "ہمارا ایک کا مندار اور ساٹھ سپاہی مارے گئے اور بہت سے
زخمی ہوئے ہیں۔ اگر تم میں کوئی مرد یا عورت اس گروہ کے کسی ایک آدمی کو بھی پکڑوائے گا اسے لٹا
دے گا۔ لہذا انعام کے علاوہ اسے اس فصل کا آدھا حصہ ملے گا۔" اس نے سب پر نگاہ دوڑائی اور پوچھا
"ایک دوسرے کو دیکھ کر کہتا تو تم میں کون غیر حاضر ہے؟"

سب نے اوجھڑا دھڑکیا لیکن وہ یہ نہیں دیکھ رہے تھے کہ کون غیر حاضر ہے۔ ان کی نگاہیں خدام
ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ تین چار دنوں سے پستی سے غائب تھا۔ سب نے دیکھا خدام وہاں موجود تھا۔ سب نے
سکون کی سانس لی۔ پھر بہت سی آوازیں اٹھیں کہ کوئی بھی غیر حاضر نہیں۔

ایرانی فوجیوں کے جانے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ خدام تین چار روز غائب رہا ہے۔ وہ باری باری
اس سے پوچھنے لگے کہ وہ کہاں چلا گیا تھا۔

"میں شہر کے ڈر سے بھاگ گیا تھا۔" خدام نے کہہ کر کسی کو بھی ایک جواب دیا۔

اس کے باپ نے سب کو بتایا کہ خدام کشتہ رات کے پچھلے پہر آیا تھا۔
اس روز باغ میں کام کرتے ہوئے زہرہ اور خدام کام سے ٹھک گئے اور اس جگہ جا بیٹھے جہاں
انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ زہرہ خوشی سے یاگل ہوئی جاری تھی اور وہ رو رہے کہ خدام کی باتیں سن رہی تھی۔

"یہ کیسے ہوا خدام!۔ اس نے خوشی سے لڑکھائی ہوئی زبان سے پوچھا۔ "یہ ہوا کیسے؟"
"اسے اللہ کی مدد کہتے ہیں زہرہ!۔ خدام نے کہا۔ "اب نہ کہنا کہ خدام نہیں کرتا"

- خدام!۔ زہرہ بخیرہ ہو گئی جیسے اس کے ہونٹوں پر کبھی ٹھکرا ہٹ آتی ہی نہ ہو۔ خدام کے چہرے
بالوں کا لٹک کر قدرے پریشان سے لہجے میں بولی۔ "مجھ کو خدام! شہر کے قاتل تم ہی تو نہیں؟.... کہتے
ہیں رات صحرائی ڈاکوؤں کے بہت بڑے گروہ نے شہر کی چوکی پر اس وقت شب خون مارا تھا جب وہ شہر
اور اس میں پرست تھے۔ ایسا تو نہیں کہ تم ان ڈاکوؤں سے جا..."

خدام کے اچانک قہقہے نے بہت مسود کی بات پوری نہ ہوئی دی۔ وہ ہنستا ہی رہا اور اس نے
بابا زہرہ کی کمر میں ڈال کر اسے اپنے ساتھ لگایا۔ زہرہ پر جذبات کا ایسا آسیب طاری ہوا کہ وہ بھول ہی
گئی کہ وہ خدام سے کیا کر رہی تھی۔

۸

خدام نے قہقہے میں ایک راز چھپایا تھا اور زہرہ پر جذبات کا آسیب طاری کر کے یہ راز اس کی
انکھوں کے آگے سے بٹھالیا تھا۔ زہرہ کو یہ خطرہ نظر آیا تھا کہ خدام غیر معمولی طور پر دلیر غیر متاثر جسمانی لحاظ
سے طاقتور اور پھر تیار ہے، کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ وہ شہر کو قتل کرانے کے لیے ڈاکوؤں کے گروہ سے جا
پڑے۔ اس زمانے میں صحرائی ڈاکوؤں کے گروہ فوجی دستوں کی طرح اپنی کارروائیاں کرتے تھے۔ دوسرا فوجی
کے قاتلوں کو ٹھٹھتے اور اگر فوج کے مقابلے میں آجاتے تو قہر کو متاثر کرتے اور لڑتے لڑتے یوں غائب
ہو جاتے تھے جیسے انہیں صحرائی ریت اور ریتیلے ٹیلوں نے نگل لیا ہو۔

زہرہ نے کئی بار دیکھا تھا کہ دو تین اجنبی مسافر آتے اور یہ بتا کر وہ بہت دور جا رہے ہیں، کسی مسلمان
کے گھر بٹھ کر اسے صبح بوتے ہی چلے گئے۔ وہ جب بھی آتے تھے، خدام اور اس جیسے تین چار نوجوان
باد وقت ان کے ساتھ گزارتے اور ان کے جانے کے بعد یہ نوجوان پاسر سراسر کی سرگرمیوں میں مصروف
ہو جاتے تھے۔

زہرہ نے یہ بھی دیکھا تھا کہ اجنبی مسافروں کے جانے کے بعد مسلمان قبیلوں کے بزرگ سر جوڑ کے بیٹھ
جاتے اور سرگرمیوں میں باتیں کرتے تھے۔ پھر جب مسلمان جھگڑتی باڑی، باغبانی اور دیگر کاموں میں مصروف
ہوتے تو یہ بزرگ ان کے درمیان کھوستے پھرتے اور ان کے ساتھ ایسی باتیں کرتے تھے جیسے
ان کا گھر ہے ہوں۔

"اپنے مذہب کو بچھڑانا۔" بزرگ اس قسم کی باتیں کرتے تھے۔ "جس خدا کے بھیجے ہوئے
ہوں کو مانتے ہو۔ اس خدا کی مدد آ رہی ہے.... آتش پرست طاقتور ہیں، بہت طاقتور ہیں لیکن وہ اللہ سے
ناپاک طاقتور نہیں.... ثابت قدم رہو.... ظالم کا ہاتھ کھٹنے والا ہے.... اللہ مظلومین کے ساتھ ہے۔"

مذہب؟.... آخر کب؟.... ایک روز ایک آدمی نے جھنجھلا کر ان بزرگوں سے پوچھا۔ "خدا کی قسم تم
مذہب سے ہو کہ ظلم و ستم سہستے چلے جاؤ اور چپ رہیں اور محتار سے عہد سنتے رہیں۔ اگر آج ہم کچھ دیں کہ
ہم انہیں اور اسلام کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں تو غلامی کی زنجیریں ٹوٹ جائیں.... خدا کی مدد آ رہی
ہے۔" مذہب آ رہی ہے؟

”اسے بتاؤ۔“ ایک بزرگ نے اس آدمی کے ساتھ کام کرنے والے آدمی سے کہا۔ اسے
اسی طرح سمجھاؤ۔۔۔ اسے بتاؤ کہ اس علاقے میں یہ صدیوں پرانے جھنڈے کھڑے ہیں۔ خدا کا نام یاد رکھو۔
اُنکے کا اذکار کا ہاتھ کٹ جائے گا۔

ان بزرگوں کے سینے میں بھی وہی راز تھا جو خدام نے زمرہ ہشت سود سے چھپا لیا تھا۔

ایرانی کا مذاکرہ شمر کی چوکی پر جوتا تھا۔ زبردست شب خون مارا گیا تھا۔ وہ پہلا شب خون نہیں تھا۔ پہلے کے طریقے
میں یہ پہلا تھا۔ یہ چوکی چونکہ آبادی کے قریب تھی اس لیے ان مسلمانوں کو پیہر چل گیا تھا۔ ان کے گھروں کی دیواریں
نہ لینی ہوئی تو شاہراہیں نہ سی پتھرتا۔ عراق کے سرحدی علاقے میں دوسری دوسری رات ایرانیوں کی کسی
نہ کسی چوکی پر ایسا ہی شب خون پڑا اور شب خون مارنے والے چوکی میں قتل و غارت کر کے وہاں سے جو
مال اور سامان ہاتھ لگتا لے کر غائب ہو جاتے۔

دوبار ایرانی فوج نے یہ جوابی کارروائی کی کہ کثیر تعداد کو سوار دستہ شب خون مارنے والوں کی تلاش میں
کیا۔ اس سربزور و شاداب علاقے سے نکلنے ہی صحران شروع ہو جاتا تھا جو ہزار ہا سال پہلے تھا۔ وہاں ریت لگائی
گول اور اونچی اونچی نیکیاں تھیں۔ آگے وسیع نشیب تھے جن میں عجیب و غریب شکلوں کے پتے کھڑے تھے۔
ریت کی پہاڑیاں تھیں جن سے شعلے سے نکلنے محسوس ہوتے تھے۔ اس خوفناک علاقے میں جو میل پہلے پہل
جوتا تھا، صحرا کے سیدی ہی جاسکتے تھے۔ کسی انہی کا وہاں جانا ہی محال تھا اور وہاں جاکر نہ بچاؤ نہ کھانا نہ پانی
وہاں پر ایرانی فوج کے گھوڑے سوار دستے کا یہ انجام ہوا کہ اسے گھوڑوں اور انسانوں کے نعوش پا
ٹتے رہے جو صاف بتاتے تھے کہ یہ ایک گروہ ہے اور شب خون مارنے والا یہی گروہ ہو سکتا ہے۔ عجیب
نفوش انہیں سیدھے موت کے منہ میں لے گئے۔ ایرانیوں ہی پہلے نشیب میں داخل ہوئے اور پورا شب
میں اتر گیا تو ان پر تیروں کی بوچھاڑیں اُڑنے لگیں۔ پہلی بوچھاڑ میں کئی سوار اور گھوڑے گھٹاں ہو گئے۔ دوسری
گھوڑے بے لگام ہو کر اوجھڑا اوجھڑا گئے۔ سارے دستے میں جھگڑا مچ گئی۔ ان پر تیر بڑے رہے۔
بکھر جانے کی وجہ سے تیر خٹا ہونے لگے۔

بھول بھولیوں جیسے اس نشیب میں سے چند ایک گھوڑے سوار نکلے۔ ان کے ہاتھوں میں چیمائیں
ان کے کھڑے بڑے لمبے اور سروں پر سیاہ کپڑے اس طرح پہنے ہوئے تھے کہ ان کے چہرے اور کونڈیں
بھی ڈھکی ہوئی تھیں۔ ان کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ ان گھوڑوں کے قدموں میں اور ان کے سواروں
کے بازوؤں میں ایسی چھری تھیں کہ ایرانی سوار جو پہلے ہی ہراساں تھے، رعبھیں سے زخمی ہو کر گرے گئے۔
ان میں سے کئی جھگڑا نکلے۔ وہ ٹیلوں اور گھٹائیوں والے نشیب سے تو نکل گئے لیکن ریت کی گول گول پہاڑیوں
میں داخل ہوئے تو وہ گھومتے گئے۔ ان سیکڑوں پر گول میں جو ایک دوسری کے ساتھ ساتھ کھڑی تھیں پہلے
میل کی وسعت میں پھیلی ہوئی تھیں یہی خطرہ ہوتا ہے کہ کوئی انہی ان کے اندر چلا جاتے تو وہ اندر ہی اندر
چلنا رہتا ہے۔ لنگ نہیں سمجھتا۔ آخر تک پہنچ جاتا ہے۔ پیاس سے حلق میں کانٹے چھبے گئے ہیں اور دیکھنا
کے یہ گول گول بھوت اسے بڑی اذیت ناک موت مارتے ہیں۔

دوسری بار ایرانیوں کے سوار دستے پر کسی اور جگہ ایسا ہی جوتا تھا اور سوار بکھر کر پھیل رہے تھے تو
انہیں ایک ملک کارستانی دیکھنے لگی۔ زرتشت کے پیارے اہل ثانی بن حارثہ ہوں۔۔۔ زرتشت کو ساتھ لے

... ثانی بن حارثہ۔۔۔ ہرگز کو یہ نام بتا دینا۔۔۔ ثانی بن حارثہ۔۔۔ اس ایرانی دستے کے جو سوار زندہ واپس گئے
وہ مڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے گناہوں کو بتایا کہ انہیں صحرائیں پہلا کارستانی دی تھی۔

اس کے بعد ایرانیوں کی سرحدی چوکیوں پر چھاپے پڑتے رہے لیکن انہوں نے چھاپے ماروں کے
تغایب کی اور ان کو تلاش کرنے کی حرات نہ کی بعض چھاپوں کے بعد بھی پہلا کارستانی دیتی۔ ثانی بن حارثہ
... اسٹش پرستو اہل ثانی بن حارثہ ہوں۔

پھر ثانی بن حارثہ دہشت کا کسی جن کا، بھوت کا کسی بدروح کا ایک نام بن گیا۔ ایرانی فوجی اس
نام سے ڈرنے لگے۔ انہوں نے ثانی بن حارثہ یا اس کے گروہ کے کسی ایک آدمی کو پکڑنے کے بہت اہتمام
کیے لیکن جب کہیں شب خون پڑتا تھا تو ایرانی فوجی جن کی حرات اور بے جگری مشہور تھی، دہشت سے بک جاتے تھے۔

یہ تھا وہ ثانی بن حارثہ جو فروری ۶۳۳ء کے ایک روز مدینہ میں خلیفۃ المسلمین ابو بکرؓ کے سامنے
ایک گنہگار بنی کی حیثیت سے بیٹھا تھا۔ وہ جنوبی عراق کا رہنے والا اور اپنے قبیلہ بنو بکر کا سردار تھا۔ تاریخ میں
ابن اشراح کہیں بھی نہیں ملتا کہ اس نے کب اور کس طرح اسلام قبول کیا تھا۔ یہ اسی کا پیش کا نتیجہ تھا کہ
صرف اس کے اپنے قبیلے نے بلکہ ان علاقوں میں رہنے والے کئی قبیلوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔
جب جنگ یمامہ ختم ہوئی اور ارتداد کے فتنے کا سرکھل دیا گیا تو ثانی بن حارثہ نے عراق کے جنوبی
علاقے میں ایرانیوں کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ انہوں نے ان مسلمانوں میں سے جو ایرانی بادشاہی کی رعایا
تھے، ایک گروہ بنالیا اور ایرانی فوج کی سرحدی چوکیوں پر خون مارنے شروع کر دیے۔ ان کے بھائیوں اس
قدر اچانک اور تیز ہوئے تھے کہ چوکی والوں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا اور ثانی کا گروہ غلایا کر کے
غائب ہو جاتا تھا۔

انہوں نے بڑے ہی دشوار گزار صحرائیں اپنا اڈہ بنالیا تھا جسے انہوں نے مال غنیمت سے بھر دیا
تھا۔ پھر انہوں نے ان مسیہوں پر بھی خون مارنے شروع کر دیے جہاں صرف ایرانی رہتے تھے۔ ثانی نے
سرحد پر ایرانی فوج کو بے بس اور مجبور کر دیا۔ ایرانی فوج کے کئی سینئر کمانڈر ثانی کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔
ثانی بن حارثہ نے دوسرا کام یہ کیا کہ عراق کے جنوبی علاقے میں جو مسلمان ظلم و ستم میں زندگی گزار رہے
تھے، انہیں اس نے اپنے زمین دوز اثر میں لے کر متحد کر رکھا تھا۔ ان کا ایک گروہ تو بھون مارنے کا کرنا تھا
اور ایک گروہ مسیہوں میں رہ کر مسلمانوں کو اتحاد کی لڑائی میں پروتے رکھتا اور انہیں تیار کرتا تھا کہ باہر کیا جوتا ہے۔
مسلمان اپنے چھاپے ماروں کی کامیابیاں دیکھ رہے تھے اور وہ مطمئن تھے۔ یہ بھی تو خلائی مدد جس کے انتظار
میں وہ ایرانیوں کا ظلم و ستم بھہر رہے تھے اور اپنا مذہب نہیں چھوڑ رہے تھے، ورنہ مظالم سے بچنے کا
ان کے سامنے بڑا سہل طریقہ تھا کہ اسلام سے منحرف ہو کر آتش پرست ہو جاتے۔

خدام نے زمرہ سے کہا تھا کہ وہ تین بار دونوں کے لیے غائب ہو جائے گا۔ وہ غائب ہو کر چھاپے ماروں
کے اڈے پر چلا گیا تھا اور انہیں ایرانی کمانڈر شمر کے متعلق بتایا تھا۔ اس کی چوکی کب چھاپے ماروں کی رہائی اسی
نے کی تھی چوکی پر چلے پوری طرح کامیاب رہا۔ اس کے فوراً بعد خدام اپنے گھر گئے۔

ذاتی مفاد نہیں۔ میں نے اس لیے متنبہ بلایا ہے کہ تم سے مشورہ کروں کہ دشمنی ہم سے جو مدد مانگتا ہے؛ اُسے دی جائے یا اس وقت کا انتظار کیا جائے جب ہم فارسیوں کی اتنی بڑی قوت کے خلاف لڑنے کے قابل ہو جائیں گے۔

”وہ کس قسم کی جنگ لڑ رہا ہے؟“ — خالدؓ نے پوچھا۔

امیر المومنین ابو بکرؓ نے خالدؓ کو پوری تفصیل سے بتایا کہ دشمنی بخون کی نوعیت کی جنگ لڑ رہا ہے اور اس وقت تک دو دشمنی کامیابی حاصل کر چکا ہے۔

”اس کی سبب بڑی کامیابی تو یہ ہے خالدؓ؟“ — خلیفہؓ نے کہا۔ ”کہ اُس نے زرتشتوں کے محکوم مسلمانوں کو متحرک رکھا ہوا ہے اور اُن میں ایسا جذبہ پیدا کیا ہے کہ انہوں نے زرتشتوں کے ظلم و ستم میں اپنے سینوں میں اسلام کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ ابلہ اور عراق کے دوسرے علاقوں میں جہاں مسلمان آباد ہیں، وہ فارسیوں کے غیر انسانی تشدد کا نشانہ بننے چوتے ہیں۔ ان حالات میں اپنے عقیدوں کو سینے سے لگائے رکھنا بے معنی سامن جاتا ہے۔ وہ مسلمان صرف اتنا کہہ دیں کہ اسلام اور مدینہ کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں تو ان کے سارے مصائب ختم ہو جائیں گے۔ یہ دشمنی اور اُس کے چند ایک ساتھیوں کا کام ہے کہ انہوں نے ان حالات میں بھی وہاں کے مسلمانوں کو اسلام سے منحرف نہیں ہونے دیا۔ اس کے علاوہ انہیں اپنے عقیدے کا اتنا پکا بنا رکھا ہے کہ وہ زرتشتوں کے خلاف زمین و آسمان کی قسمیں کھاتے ہیں۔“

”امیر المومنین!“ — خالدؓ نے کہا۔ ”دشمنی نے کچھ کیا ہے یا نہیں کیا؟ مسلمان کی حیثیت سے ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ جو مسلمان غیر مسلموں کے جوہر کو نشانہ بننے چوتے ہوں اُن کی مدد کو نہیں؟“

”کیا تم یہ مشورہ دیتے ہو کہ ہمیں ایرانیوں سے ٹکر لے لینی چاہیے؟“ — خلیفہؓ نے پوچھا۔

”ہاں امیر المومنین!“ — خالدؓ نے کہا۔ ”بزرگوں نے فرمایا ہے؟“ یہاں تو صورت حال کچھ اور ہے جیسا کہ آپ نے بتایا ہے کہ دشمنی نے وہاں کچھ کامیابیاں حاصل کر لی ہیں اور اُس نے ہمارے حملے کے لیے راہ ہموار کر دی ہے۔ بخون اور جھاپے مارنے والے اتنا ہی کر سکتے ہیں جتنا دشمنی نے کیا ہے۔ وہ کسی علاقے پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ قبضہ کرنا نظم و ضبط کا کام ہے۔ یہ کام ہمیں ہر قیمت پر کرنا چاہیے۔ اگر ہم نے دشمنی کی کامیابی کو آگے نہ بڑھایا تو اُس کے دو نقصان ہوں گے ایک یہ کہ یہ کامیابی باطنی ضائع ہو جائیگی اور دوسرا یہ کہ زرتشتی اور تمام مسلمانوں سے بہت برا انتقام لیں گے۔ اس کے علاوہ فارسی دلیہ ہو جائیں گے۔“

”جیسا کہ دشمنی نے آپ کو بتایا ہے کہ اُس نے ایرانیوں کو اس قدر نقصان پہنچایا ہے کہ اُن کے حملے مجروح ہو گئے ہیں۔ اگر انہیں دم لینے کا موقع دے دیا گیا تو وہ اپنے مجروح مسلمانوں کو قتل کریں گے اور اس خطرے کو ختم کر کے وہ اس سرحدی علاقے کو پہلے سے زیادہ مضبوط کر لیں گے۔ اپنے علاقوں کو محفوظ رکھنے کے لیے وہ اپنی سرحد کے باہر کے علاقوں پر بھی قبضہ کر سکتے ہیں۔ اس خطرے سے محفوظ رہنے کی یہی ایک صورت ہے کہ ہم دشمنی کی مدد کو نہیں دیں اور بیشتر اُس کے کہ زرتشت ہماری طرف سے ہتھیار نہیں اُٹھائیں اُن کے اپنے علاقے سے بھی پیچھے ہٹنے پر مجبور کریں۔“

خلیفہؓ ابو بکرؓ نے خالدؓ کو یہ ہدایت دے کر کہ وہ اپنے لشکر کو ساتھ لے کر عراق کی طرف پیش قدمی کریں۔

”خالدؓ! خلیفہؓ ابو بکرؓ نے کہا۔“ تمہارے لشکر میں زیادہ تعداد اُن لوگوں کی ہے جو طرے لمبے عرصے سے گھروں سے دور لڑ رہے ہیں۔ انہیں فارسیوں جیسے طاقتور دشمن کے خلاف لڑنا کچھ اچھا نہیں لگتا۔ فارسیوں کے خلاف وہی لوگ حم کر لیں گے جنہیں احساس ہوگا کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑ رہے ہیں۔ میں کسی کو مجبور نہیں کروں گا۔ بہتر صورت یہ ہوگی کہ تم رضا کاروں کی ایک فوج بناؤ۔ اس میں ایسے آدمی ہوں گے جو مدینہ کے خلاف لڑ چکے ہیں تمہارے ساتھ کچھ ایسے آدمی بھی ہوں گے جو مدینہ کے ساتھ تھے۔ شکست کی کڑواہٹ انہوں نے اپنی خیریت اس میں سمجھی کہ وہ اسلامی لشکر میں شامل ہو جائیں۔ ایسے کسی آدمی کو اپنے لشکر میں نہ رکھنا۔ ہم بڑے طاقتور دشمن کو لکھنا رہے ہیں اس لیے میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔“

”امیر المومنین!“ — خالدؓ نے پوچھا۔ ”کیا آپ مجھے یہ اجازت دے رہے ہیں کہ ان لوگوں کو اپنے لشکر سے نکال دوں؟“

”نکال دینا اور بات ہے ولید کے بیٹے!“ — خلیفہؓ ابو بکرؓ نے کہا۔ ”تم اپنے لشکر سے یہ کہنا کہ جو آدمی اپنے گھر کو جانا چاہتا ہے اُسے جانے کی اجازت ہے۔ پھر دیکھنا تمہارے ساتھ کون رہتا ہے۔ اگر تمہارا لشکر بہت کم رہ گیا تو خلافت اس کمی کو کسی نہ کسی طرح پورا کرے گی۔ جاؤ ولید کے بیٹے، اللہ تمہارے ساتھ ہے۔“

خلیفہؓ ابو بکرؓ غم اور ایمان کے پچھتے تھے۔ انہوں نے عراق پر حملہ کا جو فیصلہ کر لیا تھا اس پر وہ ہر حال میں اور ہر قیمت پر پورا عمل کرنا چاہتے تھے۔ خالدؓ تو چاہتے ہی یہی تھے کہ انہیں لڑنے کا موقع ملتا رہے انہوں نے خلیفہؓ کے ارادے کو اور زیادہ پختہ کر دیا۔

☆

عراق کے اُس علاقے میں جہاں وحلہ اور فزات ملتے ہیں مسلمانوں کی بستیاں تھیں۔ یہ مسلمان غلٹوت اور مجبوری کی زندگی گزار رہے تھے۔ اب وہاں کی صورت حال یہ ہو گئی کہ وہ پہلے کی طرح مظلوم اور مظلوم رہے جیسے وہ تھے۔ چرتی لاشیں ہوں لیکن اُن کے گھروں میں ایسی سرگرمی شروع ہو گئی کہ وہ جھپ جھپ کر بچھیاں اور تیرہوکان بنانے لگے۔ انہیں دشمنی بن حارث کی طرف سے جو حکم ملتا تھا وہ سرگوشیوں میں گھر گھر پہنچ جاتا تھا۔ دشمنی کے چچا ہماروں نے عراق کی سرحد سے دور ایک دشوار گزار علاقے میں اپنا اڈہ بنا رکھا تھا۔ یہ بچھیاں اور تیرہوکان جو گھروں میں چوری چھپے تیار ہوتے تھے، وہ رات کی تاریکی میں اُس اڈے تک پہنچ جاتے تھے۔ بستیوں سے جوان آدمی بھی غائب ہونے لگے۔ ایرانیوں کی سرحدی چوکیوں پر اُن کے فوجی قایم ہوں گے۔ مسلمانوں کے شب خون پہلے سے زیادہ ہو گئے۔ یہ مسلمان درپردہ ایک فوج کی صورت میں منظم ہو رہے تھے اور اس فوج کی لفری بڑھتی جا رہی تھی۔

یہاں میں خالدؓ کی فوج میں صورت حال اس کے اُلٹ ہو گئی۔ خالدؓ نے جب اپنی فوج میں جا کر یہ اعلان کیا کہ جو کوئی اپنے گھر کو واپس جانا چاہتا ہے وہ جاسکتا ہے، تو اُس کے دس ہزار لفری کے لشکر میں صرف دو ہزار آدمی رہ گئے۔ آٹھ ہزار آدمی مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ خالدؓ نے خلیفہؓ کے نام پیغام لکھا جس میں انہوں نے لکھا کہ اُن کے پاس صرف دو ہزار لفری رہ گئی ہے۔ خالدؓ نے زور دے کر لکھا کہ انہیں فوجی طور پر کمک کی ضرورت ہے۔

امیر المؤمنین ابو جعفرؑ مجلس میں بیٹھے تھے۔ خالدؑ کے قاصد نے انہیں خالدؑ کا تحریری پیغام دیا۔ پیغام نے خط بلند آواز میں پڑھنا شروع کر دیا۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ مجلس میں ان کے جو شیروں اور دیگر افراد بیٹھے ہیں وہ سن لیں تاکہ کوئی مشورہ دے سکیں۔

”امیر المؤمنینؑ! — ایک شیر نے کہا۔ ”خالدؑ کے لیے ملک بہت جلد چلی جانی چاہیے۔ دو ہزار نفری سے زرخیزوں کے خلاف لڑائی کی سوچی بھی نہیں جاسکتی۔“

”تقاع بن عمرو کو بلاؤ۔“ امیر المؤمنین نے حکم دیا۔
”تقوٰی دیر بعد کھٹے ہوئے جسم کا ایک قدر اور نوجوان غلیفہ کے سامنے آن کھڑا ہوا۔“

”تقاعؑ! — امیر المؤمنین نے اس نوجوان سے کہا۔ ”خالدؑ کو کمک کی ضرورت ہے۔ تیار کریں اور فوراً میرے پاس آجیے۔“
”امیر المؤمنینؑ! — ایک شیر نے حیران ہو کر کہا۔ ”خدا کی قسم! آپ مذاق نہیں کر رہے ہیں اس سالار کو جس کی تلوار فوج اس کا ساتھ چھوڑ گئی ہو، صرف ایک آدمی کی کمک دینا مذاق لگتا ہے۔“

امیر المؤمنین ابو جعفرؑ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ تھے۔ انہوں نے تقاع بن عمرو کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور کون کی آہ سے کہہ بولے۔ ”مجاہدین کے جس لشکر میں تقاع جیسا جوان ہو گا وہ لشکر شکست نہیں کھائے گا۔“

تقاع اسی وقت گھوڑے پر سوار ہوا اور مدینہ سے نکل گیا۔ مشہور مورخ طبری، ابن اسحاق، وائلی اور سیف بن عمر نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے پہلے بھی ایسا واقعہ ہو چکا تھا۔ ایک سالار عیاض بن غنم نے محاذ سے مدینہ میں قاصد بھیجا تھا کہ کمک کی ضرورت ہے۔ خلیفہ ابو جعفرؑ نے صرف ایک آدمی عبد بن عوف الحمیری کو کمک کے طور پر بھیجا تھا۔ اُس وقت بھی اہل مجلس نے حیرت کا اظہار کیا اور امیر المؤمنین نے یہی جواب دیا تھا جو تقاع کو خالدؑ کے پاس بھیجنے پر دیا۔

حقیقت یہ تھی کہ خلیفہ ابو جعفرؑ خالدؑ کو پاؤں نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن مدینہ میں کمک نہیں تھی صرف یہی ایک محاذ نہیں تھا، اُس وقت تمام کے تمام مشہور سالار مختلف محاذوں پر لڑ رہے تھے اور یہ ساری جنگ ارتداد کے خلاف لڑی جا رہی تھی۔ اسلام کے دشمن دیکھ چکے تھے کہ مسلمانوں کو میدان جنگ میں شکست دینا بڑا مشکل سودا ہے، چنانچہ اسلام کو کمزور کرنے کے تمام کاموں نے طریقہ اختیار کیا کہ کئی افراد نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اپنے اپنے طریقوں سے پیروکار بنائے۔ متعدد ایسے قبیلے جو اسلام قبول کر چکے تھے، اسلام سے منحرف ہو گئے اور انحراف کا یہ سلسلہ تیز ہوتا جا رہا تھا۔ ارتداد کے فتنے کے پیچھے یہودیوں کا ہاتھ تھا۔

خلیفہ ابو جعفرؑ کی خلافت اسی فتنے کے خلاف برسرِ پیکار رہی۔ اس فتنے کو دغلوں اور بیخیزوں سے نہیں دیا جاسکتا تھا۔ اس کے لیے مسلح جہاد کی ضرورت تھی۔ یہ جنگ پیالے کی نم تھی جسے سر کرنے کے لیے مدینہ فوج سے خالی ہو گیا تھا۔ کمزور محاذوں کو کمک دینے کے لیے دوسرے محاذوں سے فوج بھیجی جاتی تھی۔

امیر المؤمنین نے خالدؑ کو صرف ایک آدمی دینے پر اکتفا نہ کیا، انہوں نے دوطا قور قبیلوں — مندر

اور رجبہ — کے سرداروں کو پیغام بھیجے کہ خالدؑ کو زیادہ سے زیادہ آدمی دیں۔

☆

”صرف ایک آدمی؟ — تقاع بن عمرو جب خالدؑ کے پاس پہنچا تو خالدؑ نے اپنے پیچھے میں غصے سے ٹپکتے ہوئے کہا۔ ”صرف ایک آدمی؟... کہا میں نے امیر المؤمنین کو بتایا نہیں کہ میرے پاس صرف دو ہزار لوگ دالے رہ گئے ہیں؟ اور خلافت مجھ سے توقع کھتی ہے کہ میں فارس کی اُس فوج سے لشکر لوں جو زہرہ میں ڈوبی ہوئی ہے۔“

”میرے سالار! — تقاع نے کہا۔ ”میں آٹھ ہزار آدمی پوری نہیں کر سکتا۔ خدا کی قسم، کوئی کمی نہیں بھی نہیں دوں گا۔ وقت آنے دیں جس رسول کا کلمہ پڑھتا ہوں، اُس کی رُوح مقدس کے آگے تین سرسار نہیں ہونے دوں گا۔“

”آخر بن عرب کے بیٹے! — حسین جلیل اُمّ تیم نے تقاع کے کندھے پر بڑی زور سے تھپکی دے کر کہا۔ ”جس دین کے تم پرستار ہو، اُسے تم جیسے نوجوان قیامت تک زندہ رکھیں گے۔“

”خدا کی قسم! — خالدؑ دوسری ہیوی نسبت مجاہد نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ ”یہ نوجوان آٹھ ہزار کی کمی پوری کر سکتا ہے۔“

”میں یمامہ میں بیٹھا نہیں ہوں گا۔“ خالدؑ نے ایسے کہا جیسے اپنے آپ سے بات کر رہے ہوں۔ ”مٹی میرا انتہا کر رہا ہو گا۔ میں اُسے اکیلا نہیں چھوڑوں گا، لیکن... خالدؑ خاموش ہو گئے۔ انہوں نے اُن پر دیکھا اور سرگوشی میں کہا۔ ”خدا سے عزوجل! میں نے تیرے نام کی قسم کھائی ہے، اپنے نام کی خاطر میری مدد کر، مجھے ہمت اور استقلال عطا فرما کہ میں اس آگ میں کود کر اسے ٹھنڈا کر دوں جس کی زلزلت عبادت کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں اور محمدؐ تیرے رسول ہیں۔“

”کیا تو ہمت دار رہا ہے ولید کے بیٹے؟ — لیلیٰ نے کہا۔ ”کیا تو نے نہیں کہا تھا کہ اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کی مدد اللہ کرتا ہے؟“

”میں ہمت نہیں ہاروں گا۔“ خالدؑ نے کہا۔ ”لیکن میں شکست کا عادی نہیں... اللہ مدد کرے گا۔“

خدا کی قسم، میں جاہ و جلال کا طلبگار نہیں۔ مجھے فارس کے بادشاہ کا تخت نہیں چاہیے۔ مجھے وہ زمین چاہیے جو اللہ کی ہے اور اس پر بسنے والے اللہ اور اُس کے رسولؐ کے نام لیا ہوں گے۔

اس کا اجر میں نہیں اللہ دے گا۔ ہم بہت ہی طاقتور دشمن پر حملہ کرنے جا رہے ہیں۔ مست دیکھو جاری تعداد کتنی ہے۔ بدر کے میدان میں تم کھٹے اور قریش کھٹے تھے! اہل حدیث بھی مسلمان تھوڑے تھے۔ میں اُس وقت مسلمانوں کے دشمن قبیلہ کافر تھا۔ تم میں بھی ایسے موجود ہیں جو قبول اسلام سے پہلے بدر کے میدان میں مسلمانوں کے خلاف اڑے تھے؟ کیا تم نے کہا نہیں تھا کہ ان تھوڑے سے مسلمانوں کو ہم گھوڑوں سے کچل ڈالیں گے؟ کیا تمہیں یاد نہیں کہ ہر تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ ان کے ہاتھوں پسپا ہوئے تھے جو تعداد میں بہت تھوڑے تھے؟... کیوں؟... ایسا کیوں ہوا تھا؟... اس لیے کہ مسلمان حق پر تھے اور اللہ حق پرستوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ آج تم حق پرست ہو!

خالدؓ کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جو انہوں نے کھول کر اپنے سامنے کیا۔

”اسیر المؤمنین نے ہمارے نام ایک پیغام بھیجا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے۔ میں خالدؓ بن ولید کو فاریس کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے بھیج رہا ہوں۔ تم سب خالدؓ کی قیادت میں اُس وقت تک جنگ جاری رکھو گے جب تک تمہیں خلافت کی طرف سے حکم نہیں ملتا۔ خالدؓ کا ساتھ نہ چھوڑنا اور دشمن کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، بڑی نہ دیکھنا۔ تم ان میں سے ہر جنہوں نے اس اجازت کے باوجود کہ جو کہوں گے کہ جانا چاہتے ہیں جانا سکتے ہیں۔ اللہ کی توفیق کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ تم نے اپنے لیے وہ راستہ منتخب کیا ہے جو اللہ کی راہ کو ملتا ہے۔ تصور میں لاؤ اس ثوابِ عظیم کو جو اللہ کی راہ پر چلنے والوں کو ملتا ہے۔ اللہ تمہارا حامی اور ناصر ہو۔ تمہاری کئی دہی پوری کرے گا۔ اسی کی رضا اور خوشنودی کے طلبگار رہو۔“

ایک متوجہ ازادی نے اس خط کا پورا متن اپنی تاریخ میں دیا ہے۔ معلوم نہیں ابن خالدؓ اور ابن اثیر نے جن کی تحریروں میں مستند مانی جاتی ہیں، اس خط کا ذکر کیوں نہیں کیا۔

ان دونوں مجاہدین کو کسی وعظ کی یا اشتعال انگیزی کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ تو رضا کا نام نہ پڑنا۔ خالدؓ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ ان میں بیشتر ایسے تھے جنہوں نے رسول کریمؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اسلام قبول کیا اور آپؐ کی قیادت میں لڑا تھا۔ لڑی تھیں جسٹور اکرمؓ کے وصال کے بعد وہ یوں محسوس کرتے جیسے آپؐ کی روح مقدس ان کی قیادت کر رہی ہو۔

رسول اللہؐ کے ان شیدائیوں نے خالدؓ کی اجازت سے ایک کام پہنچی کیا کہ گھوڑوں پر سوار ہو کر میرا کے گرد و نواح میں نکل گئے اور بستی بستی جا کر لوگوں کو گھوڑوں کی مختلف حرکت دکھانے لگے۔ مثلاً دوڑنے، گھوڑوں سے اترنا اور سوار ہونا، سر پیٹ، دوڑتے گھوڑوں سے نشانے پرتیر چلانا، نیزہ بازی اور گھوڑوں کو دوڑا کر جوئے بیخ زنی کے کمالات۔ وہ جوانوں کو فوج میں بھرتی ہو جانے پر اکساتے اور انہیں بتاتے تھے کہ جنگ میں جا کر انہیں کیا کیا فائدے حاصل ہوں گے۔

اس کے علاوہ وہ ان لوگوں کو یہ بھی بتاتے تھے کہ وہ فوج میں بھرتی نہ ہوتے تو ایرانی کیسے انہیں اپنا

غلام بنا لیں گے جو ان سے بیکار لیں گے۔ انہیں دیں گے کچھ بھی نہیں اور ان کی جوان بہنوں، بیویوں اور بیٹیوں کو بھی اپنے قبضے میں لے لیا کریں گے۔ اس خط نے ایرانیوں کا دودھ کوست دیکھا تھا، پھر انہوں نے چھوٹے پیچروں کی شعبہ بازیوں کی بھی تھیں اور اب وہ مسلمانوں کی حکومت دیکھ رہے تھے۔ مسلمانوں نے انہیں غلام بنانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان کے اعزاز، طور طریقے اور ریزن سہن بادشاہوں جیسے پانچھروں جیسے نہیں تھے۔ وہ عام لوگوں کی طرح رہتے، عام لوگوں کے ساتھ باتیں کرتے اور ان کی سنتے تھے۔ ان کے

دروازوں کی عزت محفوظ تھی۔

ان لوگوں میں وہ بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن سیکہ جیسے شعبہ باز نے انہیں گمراہ کیا اور اسلام کے راستے سے ہٹا لیا تھا۔ انہوں نے سیکہ کی نبوت کو مسلمانوں کے ہاتھوں بے نقاب ہوتے دیکھا اور سیکہ کی جنگی قوت کو مسلمانوں کی ذلیل نفی کی بے جگری کے آگے ریزہ ریزہ ہوتے دیکھا تھا اور وہ محسوس کر رہے تھے کہ پچا عقیدہ اور نظریہ اسلام ہی ہے جو جھوٹ کی طاقتوں کو کھیل دیتا ہے اور دنیوی طاقت جو سچے کو جھوٹے پر حق کو باطل پر فتح دیتی ہے وہ اسلام میں مضمر ہے چنانچہ یہ لوگ خالدؓ کی فوج میں شامل ہونے لگے۔ یہ خالدؓ کے مجاہدین کی کوششوں کا جمل تھا۔

✱

یہاں میں شور اٹھا۔ کچھ لوگ دوڑتے ہوئے بستی سے باہر چلے گئے۔ عورتیں چیتوں پر جا چڑھیں۔ اُن سے گرد کی گھٹائیں اُٹھ رہی تھیں اور یہاں تک کی طرف بڑھی آ رہی تھیں۔

”آمدھی آ رہی ہے“

”الشکر ہے... کسی کا لشکر آ رہا ہے“

”ہوشیار... خبردار... تیار ہو جاؤ“

خالدؓ ایک قلعہ نما مکان پر جا چڑھے۔ یہ آمدھی نہیں، کسی کی فوج تھی۔ مرتدین کے سوا اور کس کی فوج ہو سکتی تھی خالدؓ کو افسوس ہوئے لگا کہ کس بُرے وقت انہوں نے اپنی فوج سے کہا تھا کہ جو کہوں گے وہ جانا چاہتے ہیں چلے جائیں۔ گرد کے جھول اُٹھتے آ رہے تھے یہ بہت بڑے لشکر کی گرد تھی۔ خالدؓ کے پاس صرف دو ہزار نفر ہی تھے۔ یہ آمدھی تھی جو ابھی ابھی فوج میں شامل ہوئی تھی۔ اس پر ابھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن اور کچھ کیا جاسکتا تھا۔ یہاں تک آبادی تھی۔ اس میں لڑنے والے آدمی موجود تھے لیکن یہ خطرہ بھی تھا کہ یہ لوگ دشمن سے مل جائیں گے، اور یہ خطرہ بھی کہ یہ پلٹی پڑا کریں گے۔

”مجاہدین اسلام!۔ خالدؓ نے قلعہ نما مکان کی چھت سے لٹکا کر کہا۔ بہت بڑے امتحان کا وقت آیا ہے۔ اللہ کے سوا تمہارا مددگار کوئی نہیں“۔ خالدؓ چپ ہو گئے کیونکہ انہیں دُلوں اور ڈھولوں کے اٹھانے کی دینے لگی تھی۔

حملہ آور دف بجا تے نہیں آیا کرتے۔ دھمک بلند ہوتی جا رہی تھیں خالدؓ نے اُدھر دیکھا۔ گرد بہت قریب آگئی تھی اور اس میں چھپے ہوئے اونٹ اور گھوڑے نظر آنے لگے تھے۔ گرد کے دبیز پردے میں آنے والا لشکر نعرے لگانے لگا۔

”اسلام کے پاس بانو!۔ خالدؓ نے اوپر سے چلا کر کہا۔“ اللہ کی مدد آ رہی ہے... آگے بڑھو۔ استقبال کرو۔ دیکھو یہ کون ہیں؟“

خالدؓ دوڑتے ہی پیچھے اُترے۔ اپنے گھوڑے پر کود کر سوار ہوئے اور گھوڑے کو اڑا لٹکا کر بستی سے نکل گئے۔ آنے والا لشکر بستی سے کچھ دُور رک گیا اور دو گھوڑوں پر اُتر آئے۔ وہ حضورؐ پر بیعتیوں کے سردار تھے۔

”مدینہ سے اطلاع آئی تھی کہ تمہیں مدد کی ضرورت ہے“۔ ایک سردار نے کہا۔ ”میں چار ہزار آدمی ساتھ لایا ہوں۔ ان میں شتر سوار ہیں، گھوڑوں پر بھی ہیں اور پیادے بھی“

لکھ کا سالار اعلیٰ ہوگا۔

ابنہ اور دیگر ایسے علاقوں میں جہاں عربی مسلمان ایرانیوں کے محکوم تھے، صورت حال کچھ اور ہی ہو چکی تھی۔ پہلے شئی بن حارثہ نے ان ممالک کے چند ایک جوشیلے جوانوں کو ایرانیوں کی فوجی چوکیوں اور فوجی قافلوں پر چڑھ مارنے کے لیے اپنے ساتھ رکھا، مگر اب اس محکوم آبادی میں سے ایک فوج تیار کرنی تھی۔ کچھ فوج تو اس نے اپنے قبیلہ بجر بن وائل سے تیار کر لی تھی جو مدینہ کے ایک سالار غلام بن حصری کے دوش بدش عراق کی سرحد کے علاقوں میں سرزمین کے خلاف لڑتی تھی مگر اب اس نے ایرانیوں کے محکوم مسلمانوں کو اطلاع دی تھی کہ جس قدر جوان آدمی وہاں سے نکل کر باہر آسکیں، آجائیں۔

مسلمانوں کا وہاں سے نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا کیونکہ زرتشتوں کی فوج مسلمانوں کی لہجوں پر کڑی نظر رکھتی تھی، انہیں معلوم تھا کہ ان پرچون مارنے والے یہی مسلمان ہیں۔ اب ایران کی فوج کو سننے کے احکام ملے تھے۔ یہ حکام جاری کرنے والا عراقی صوبے کا حاکم ہرمز تھا۔ چند ہی دن پہلے کا واقعہ تھا کہ خالد کا اپنی ہرمز کے دربار میں پہنچا۔ یہ ہنشاہوں کا دربار تھا۔ ہرمز کو جب اطلاع دی گئی کہ مدینہ کے سالار خالد کا اپنی سیاہتے تو ہرمز نے ہرے برافروخت اور رعونت کے آثار پیدا کرتے تھے۔

”یہیں ہی مسلمان کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا۔“ اس نے کہا تھا۔ ”لیکن میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیوں آیا ہے۔“

”زرتشت کی قسم!“ ایک درباری نے اٹھ کر ہرمز سے کہا۔ ”خالد کا اپنی کوئی پیغام لایا ہوگا جو اُن کی اپنی موت کا پیغام ثابت ہوگا۔“

”اے آؤ اسے اندر۔“ ہرمز نے کہا۔

خالد کا اپنی جو محافظوں کے ساتھ بڑے تیز قدم اٹھتا ہرمز کے دربار میں داخل ہوا اور یہاں ہرمز کی (نہ گیا۔ وہ میرچی برادر نے سامنے آکر اسے روکا، لیکن وہ دونوں کے درمیان سے گزر کر ہرمز کے سامنے حاضر ہوا۔

”السلام علیکم۔“ اپنی نے کہا۔ ”ہرمز آتش پرست کو خالد بن ولید سالار مدینہ کا سلام پہنچنے کا ایک اہلکار ہوں۔“

”ہم اس سالار کا سلام قبول نہیں کریں گے جس کے اہلچلنی اتنی بھی تیز نہیں کہ ہمارے جاہ و جلال کو بھانسنے۔“ ہرمز نے فحارت سے کہا۔ ”کیا مدینہ میں جنگی اور گنوار آباد ہیں؟ کیا انہیں بتایا نہیں گیا کہ تم ایک نئی دربار میں جا رہے ہو؟ انہیں دربار کے آداب بھی نہیں سکھائے گئے۔“

”مسلمان صرف اللہ کے دربار کے آداب سے آگاہ ہوتا ہے۔“ اپنی نے جرات سے سر کھپا اور اونچا کہا۔ ”اُس انسان کو اسلام کوئی حیثیت نہیں دیتا جو اللہ کے بندوں پر اپنے دربار کا تحجب گناہنا ہے۔“

”اتنا درباری نہیں، اُس سالار کا اپنی ہوں جسے اللہ کے رسولؐ نے اللہ کی تلوار کہا ہے۔“

”ہرمز کے سامنے وہ تلوار نکھڑ جاتی گی۔“ ہرمز نے فرخوں کے سے بچے میں کہا اور ماتھے پر جھاکر نماز لکھنے لگا۔

اور چار ہزار کی تعداد میرے قبیلے کی ہے۔“ دوسرے سردار نے کہا۔

خالد نے فطرت سے دونوں کو اپنے بازوؤں میں لے لیا اور خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں بولے۔ ”اللہ کی قسم، اللہ نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا۔“

☆

خالد کے پاس اب دس ہزار نفری کا لشکر جمع ہو گیا تھا۔ انہوں نے ضرر اور ربیعہ کے سرداروں کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ انہیں کہاں جانا ہے اور دشمن کتنا طاقتور ہے۔

”ہم ہتھاری مدد کو آتے ہیں ولید کے بیٹے!“ ایک سردار نے کہا۔ ”ہماری منزل وہی ہے جو ہتھاری ہے۔“

”مدینہ سے میں اطلاع ملی ہے کہ میرا لشکر تم ہو۔“ دوسرے سردار نے کہا۔ ”جہاں کو گئے چلیں گے، دشمن جیسا بھی ہوگا لڑیں گے۔“

خالد نے ایرانی سلطنت کے ایک حاکم ہرمز کے ہم پٹیا کھویا۔ اُس وقت عراق ایران کی ہنشاہی کا ایک صوبہ تھا۔ اُس کا حاکم با امیر ہرمز تھا جس کی حیثیت آج کل کے گورنر جی جی تھی۔ اُس کا ذکر یہیچے آچکا ہے۔ وہ بڑا ہی بدظنیت، جھوٹا اور فریب کار تھا۔ کیونکہ میں اُس کا نام ضرب النمل کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ خالد نے اُس کے نام خط میں لکھوایا؛

”تم اسلام قبول کر لو گے تو ہمارے لئے امن ہوگا۔ اگر نہیں تو اپنا علاقہ سلطنت تسلیم کر لیں شامل کرو۔ اس کے حاکم تم ہی رہو گے اور مدینہ کی خلافت کو جزیرہ ادا کر دے جو گے۔ اس کے عوض ہتھاری اور ہتھارے لوگوں کی سلامتی اور دفاع کے ذمہ دار ہم ہوں گے۔“

اگر یہ بھی منظور نہیں تو اپنی سلامتی کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ ہتھارا انجام کیا ہوگا۔ فتح و شکست اللہ کے اختیار میں ہے لیکن یہ نہیں خبردار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ہم وہ قوم ہیں جو موت کی اتنی ہی عاشق ہے جتنی کہ ہمیں زندگی عزیز ہے۔ میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے۔“

خالد نے یہ خط ایک اپنی کو دے کر کہا کہ وہ دوماظ اپنے ساتھ لے جائے اور جس قدر چاہتا ہے، یہ پیغام ہرمز تک پہنچاتے اور جواب لاتے۔

”ہتھاری والی ہک میں ہمارے میں نہیں ہوں گا۔“ خالد نے اپنی سے کہا۔ ”مجھے عراق کی سرحد پہنچیں ڈھونڈ لینا۔ اہلہ کو یاد رکھنا۔ وہاں سے ہمیں پتہ چل جائے گا کہ میں کہاں ہوں۔“

☆

خالد کو معلوم نہیں تھا کہ اللہ کی ابھی اور مدد اُس کی منتظر ہے۔ امیر المؤمنین ابو بکرؓ نے شمال مشرقی عرب کے علاقوں میں آبادین قبیلوں کے سرداروں — مذہب بن عدی، ہرملہ اور شکہ — کو پیغام بھیجے تھے کہ اپنے قبیلے کے زیادہ سے زیادہ ایسے آدمی ثمنی بن حارثہ کے پاس لے جائیں جنہیں جنگ کا تجربہ ہو اور جو پیٹھ دکھانے والے نہ ہوں۔ انہیں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ خالد اپنی فوج لے کر آ رہے ہیں اور وہ ان کا ادراپنے

جسے وہ پھینک دے گا۔

”کیا کیڑے مکوڑے یہ خواب دیکھ سبے ہیں کہ وہ ایک چٹان سے ٹکڑے کیسے گئے؟“ ہرمز نے کہا۔ ”کیا مدینہ والوں کو کسی نے بتایا نہیں کہ ہر قتل بھی اس چٹان سے ٹکڑا کر اپنا سر چھوڑ چکا ہے؟ کیا انہیں اپنی فوج کی ایک جھلک دکھاتیں تاکہ تم اپنے سالار کو اور اپنے بوڑھے خلیفہ کو بتا سکو کہ عراق کی سرحدوں کی طرف دیکھنے کی بھی جرات نہ کریں؟“

”مجھے سالار اعلیٰ نے صرف یہ حکم دیا تھا کہ یہ پیغام ہرمز تک پہنچا کر اس کا جواب لادوں۔“ اپنی زباں میں ہمدردی کی بات کا جواب نہیں دے سکتا کیونکہ مجھے ایسا کوئی حکم نہیں ملا۔“

”تم جیسے اعلیٰ کے ساتھ ہم یہ سلوک کیا کرتے ہیں کہ اُسے قید خانے میں پھینک دیتے ہیں۔“ ہرمز نے کہا۔ ”اگر ہم رحم کریں تو اسے قید خانے کی اذیت سے بچانے کے لیے حلاوت کے حوالے کر دیتے ہیں۔“

”میری جان میرے اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“ اپنی نے پہلے سے زیادہ جرات سے کہا۔ ”اگر تم مسلمان ہوتے تو کہیں علم ہی کہ عہد کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے، لیکن اللہ کے منکر اور آگ کے پجاری سے اس سے بہتر سلوک کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔“ مجھے حلاوت کے حوالے کر دو، لیکن یہ سوچ لو کہ مسلمان میرے اور میرے محافظوں کے خون کے ایک ایک قطرے کا انتقام لیں گے۔“

ہرمز بلک کر ہاتھ جوڑا۔ ”مجھے سے اُس کی آنکھیں لال سرخ ہو گئیں۔ ویسی ہی سرخی اُس کے چہرے پر آگئی جیسے وہ خالد کے اس اعلیٰ کو کچا چا جائے گا۔“

”نکال دو اسے ہمارے دربار سے۔“ ہرمز نے گرج کر کہا۔

چار پانچ درباری جن کے ہاتھوں میں بچھیاں تھیں، تیزی سے آگے بڑھے۔ اپنی کے دونوں محافظوں نے تلواریں نکال لیں۔ پہلے وہ دونوں اپنی کے پیچھے کھڑے تھے، اب وہ اپنی کے پہلوؤں میں اس طرح کھڑے ہو گئے کہ ان کی پیشیں اپنی کی طرف تھیں۔

”ہرمز!۔“ اپنی نے بارعجب آواز میں کہا۔ ”جو میدان جنگ میں لڑا کرتے ہیں۔ اپنی طاقت کا گھنڈا اپنے دربار میں نہ دکھا۔“ مجھے اپنے سالار کے پیغام کا جواب مل گیا ہے۔ تجھے ہماری کوئی شرط قبول نہیں۔“

کیا یہی ہے تیرا جواب؟

”نکل جاؤ اس دربار سے۔“ ہرمز نے غصے سے کانپتی ہوتی بلند آواز میں کہا۔ ”اپنے سالار سے کہنا کہ میری طاقت کو میدان جنگ میں آزمائے۔“

ہرمز کے برعکس برادر درباری اُس کے اشارے پر رگ گتے تھے۔ اپنی کے محافظوں نے تلواریں نیابا میں ڈال لیں۔ اپنی پیچھے کوٹرا اور تیز قدم دربار سے نکل گیا۔ دونوں محافظ اُس کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔

ہرمز نے کھلی کھلی جس میں خالد کا پیغام چڑھ کر کیا ہوا تھا۔ چونکہ یہ پیغام ایک کھال پر لکھا ہوا تھا اس لیے مسخ کھولنے سے پیدا ہو گیا۔ ہرمز نے یہ پیغام فاس کے شہنشاہ اردشہر کی طرف اس اطلاع کے ساتھ بھیج دیا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے فوری طور پر سرحد کی طرف کوچ کر رہا ہے اور وہ مسلمانوں کو سرحد سے دُور نہ لے گا۔

”ہرمز کا اقبال بلند ہو۔“ اُس کے ایک درباری نے کہا۔ ”جس دشمن کو آپ سرحد سے دُور نہ لے سکتے ہیں وہ پہلے ہی سرحد کے اندر موجود ہے۔“

ہرمز نے سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

”یہ وہ عربی مسلمان ہیں۔“ اُس درباری نے کہا۔ ”جو حبلہ اور ذرات کے اُس علاقے میں آباد ہیں جہاں یہ دونوں دریا ملتے ہیں۔ یہ علاقہ اہل تسک چلا جاتا ہے۔ انہوں نے کبھی کی سلطنت ایران کے خلاف جنگ شروع کر رکھی ہے۔ مدینہ والوں نے ہم پر حملہ کیا تو یہ مسلمان اُن سے مل جاتے ہیں۔“

”میں ایک عرض کرنے کی جرات کرتا ہوں۔“ ایک فوجی شیر نے کہا۔ ”کئی دنوں سے اطلاعات مل رہی ہیں کہ مسلمان جوڑنے کے قابل ہیں یعنی جوان ہیں وہ اپنی بیٹیوں سے غائب ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ یقیناً مثنیٰ بن حارثہ تک پہنچ رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ فوج کی صورت میں منظم ہو رہے ہیں۔“

”کیا تم نے فرار کا یہ سلسلہ روکنے کے لئے کوئی کارروائی کی ہے؟“ ہرمز نے پوچھا۔

”فوجی دستے باقاعدہ نگرانی کر رہے ہیں۔“ فوجی شیر نے جواب دیا۔

”اس کے باوجود مسلمان غائب ہو رہے ہیں۔“ ہرمز نے غصے اور طنز سے کہا۔ ”سرحد کی چوکیوں کو ابھی تک چونکہ مسلمانوں کی کیتھوں پر چھاپے مار رہے ہیں۔ لہذا یہ تمام آبادی کو باہر نکال کر دیکھیں کہ کتنے آدمی غائب ہیں اور وہ کب سے غائب ہیں۔ جس گھر کا آدمی غائب ہو اُس گھر کو آگ لگا دو۔ کوئی مسلمان سرحد کی طرف جانا نظر آئے تو اسے پکڑ کر قتل کر دو یا دُور سے اُس پر تیر چلا دو۔“

✱

اُس علاقے میں مسلمانوں کی ایک بستی تھی جو سرحد کے بائیں قریب تھی۔ ایرانی فوج کی پھوڑی یہی نظری نے اس بستی میں جا کر اعلان کیا کہ بستی سے بوڑھے تک باہر نکل آئیں۔ سپاہیوں نے گھروں میں گھس گھس کر لوگوں کو باہر نکالنا شروع کر دیا جو لوگوں کو الگ الگ کھڑا کر لیا گیا۔ سپاہیوں کا انداز ڈرای ظالمانہ تھا۔ وہ گالیوں کی زبان میں بات کرتے اور ہر کسی کو دھکے دے دے کر ادھر سے ادھر کرتے تھے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ اُن آدمیوں کے نام بتاتے جاتیں اور اُن کے گھر دکھاتے جاتیں جو بستی میں نہیں ہیں۔

تمام آبادی خاموش رہی۔

”جواب دو۔“ ایرانی کمانڈر نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔

اُسے کوئی جواب نہ ملا۔ کمانڈر نے آگے بڑھ کر ایک بوڑھے آدمی کو گریبان سے پکڑ کر بائیں طرف گھسیٹا اور اُس سے پوچھا کہ اس جرم میں کون کون نہیں ہے۔

”مجھے معلوم نہیں۔“ بوڑھے نے جواب دیا۔

کمانڈر نے نیام سے تلوار نکال کر بوڑھے کے پیٹ میں گھونپ دی اور تلوار زور سے باہر کو کھینچی۔

بوڑھا دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھ کر گر پڑا۔ کمانڈر ایک بار پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اچانک ایک طرف سے آٹھ دس گھوڑے سر پیٹ دوڑتے آئے۔ اُن کے سواروں کے ہاتھوں میں بچھیاں تھیں۔ ایرانی فوجی دیکھنے بھی نہ پاتے تھے کہ یہ کون ہیں۔ اُن میں سے کئی ایک کے ہاتھوں میں بچھیاں اُتر چکی تھیں اور گھوڑے جس طرح آگے تھے، اُن ہی طرح سر پیٹ دوڑتے بستی سے نکل گئے۔ ایرانی فوجیوں کی تعداد چالیس پچاس تھی۔ اُن میں جھگڑا مچ گئی۔ اُن میں سے آٹھ دس زمین پر پڑے تڑپ رہے تھے۔

گھوڑوں کے قدموں کی دھمک ساتی دس ہادی تھی جو دوڑتی گئی اور اب پھر قریب آنے لگی تھی۔

خالد نے اپنی پیش قدمی کا راستہ اس طرح بدل دیا کہ کالمہ کے دُور سے گزر کر حنفیہ تک پہنچ سکیں۔ لیکن ہرز کے جاسوس بھی حصار میں موجود تھے۔ انہوں نے خالد کے لشکر کو دُور کے راستے سے جانتے دیکھ لیا۔ آگے وہ راستہ تھا جو حنفیہ سے نواح کی طرف جاتا تھا۔ ہرز نے اپنی فوج کو خیمے لگھا کر اپنے اوپر بہت تھوڑے وقت میں حنفیہ کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا۔ حنفیہ کے ارد گرد پانی کے کنوئیں موجود تھے۔ ہرز نے وہاں خالدؓ سے پہلے پہنچ کر خیمے گاڑ دیئے۔ اس طرح پانی ایریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔

خالد انھی حفر سے کچھ دُور تھے کہ ایک بار بچہ دونوں شترسوار اُن کے سامنے میں آگئے اور خالد کو اُٹھا دیا کہ شترمن حفر کے مقام پر پانی کے کنوئیں پر قابض ہو چکا ہے۔ خالد نے کچھ اور آگے جا کر ایسی جگہ پڑو کا حکم دے دیا جہاں دُور دُور تک پانی کی ایک بُوند نہیں مل سکتی تھی۔ فوج نے وہاں پڑاؤ تو ڈال دیا لیکن خالد کو بتایا کہ فوج میں بے اطمینانی پائی جاتی ہے کہ پڑو ایسی جگہ کیا گیا ہے جہاں دُور دُور تک پانی کا نام و نشان نہیں۔

”میں نے کچھ سوچ کر یہاں پڑاؤ کیا ہے۔“ خالد نے کہا۔ تمام لشکر سے کہو کہ دشمن اگر باہر چلیں گے تو پریشان نہ ہوں۔ ہماری پہلی لڑائی پانی کے لیے ہوگی۔ پانی کسی کو ملے گا جو یہاں کی باری لنگا کر لڑے گا۔ دشمن کو پانی سے محروم کر دیا تو سمجھو کہ تم نے جنگ جیت لی۔“

سالار اعلیٰ کا یہ پیغام سارے لشکر کو متا دیا گیا اور سب ایک غور و خوض کے لئے تیار ہو گئے۔

اب لشکر کی نفری اٹھارہ ہزار ہو گئی تھی۔ قنشی لین حارثہ، مذکور بن عدی، ہرملہ اور عسکر دو دو ہزار آدمی ساتھ لئے خالد بن مسعلے تھے۔ خالد بن مسعلے جو ایلچی ہر مز کے پاس بھیجا تھا، وہ بھی اسی پڑاؤ میں خالد بن مسعلے کے پاس آیا اور بتایا کہ ہر مز نے اس کے ساتھ کیسا توہین آمیز سلوک کیا ہے۔

’اُس کی ایک لاکھ درہم کی ٹوپی نے اُس کا دماغ خراب کر رکھا ہے۔‘ یحییٰ بن عمار نے جواب دیا۔

’یہ سچا ہوا تھا،‘ کہا۔ ’خدا یہ نہیں دیکھتا کہ کسی انسان کے سر پر کیا رکھا ہے، خدا تو دیکھتا ہے کہ اُس کے سر کے اندر کیا ہے۔ اُس کے عزائم کیا اور اُس کی نیت کیا ہے اور وہ سوچتا کیا ہے۔‘

’ایک لاکھ درہم کی ٹوپی؟‘ خالد نے حیران ہو کر پوچھا۔ ’کیا ہر زمانہ قسمی ٹوپی پہنتا ہے؟‘

فارسی کی شہنشاہی کا ایک دستور ہے۔ ”مثلیٰ ابن حارثہ سے جواب دینا“ ان کے ہاں حسبِ نسب اور حیثیت کو دیکھ کر اس کے مطابق ٹوپی پہنائی جاتی ہے جو ان کے شہنشاہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ زیادہ قیمتی ٹوپی صرف وہ افراد پہنتے ہیں جو اعلیٰ حسب و نسب کے ہوں اور جنہوں نے رعایا میں بھی اور شاہی دربار میں بھی توقیر حاصل کر رکھی ہو۔ اس وقت ہر مرنسب سے زیادہ قیمتی ٹوپی پہنتا ہے۔ کوئی اور ایک لاکھ درہم کی ٹوپی نہیں پہن سکتا۔ اس ٹوپی میں بیش قیمت ہیرے لگے ہوئے ہیں اور اس کی کلاں بھی بہت قیمتی ہے۔“

”فرعونوں نے اپنے سروں پر خدائی ٹوپیاں سجائی تھیں“۔ خالد نے کہا۔ ”کہاں ہیں وہ؟ کہاں ہیں ان کی ٹوپیاں!۔۔۔“ سمجھے کسی کی بیش قیمت ٹوپي مرعوب نہیں کر سکتی کسی کی ٹوپي نواز کے وار کو روک سکتی ہے۔ ٹپے بناؤ کہ آتش پرستوں کا فوج لڑنے میں کیسی ہے اور میراں جناب میں کتنی تیزی سے نقل و حرکت

اب فوجیوں نے بھی برجھیاں اڑا دیں۔ ان میں اور اُس طرف دیکھنے لگے۔ جدھر سے گھوڑوں کی آواز آ رہی تھی۔ پیچھے سے لڑکی کی آبادی اُن پر ٹوٹ پڑی۔ ان پائپوں میں سے وہی زندہ رہے جو کسی طرف بھاگ گئے تھے۔ جب سوائی میں پہنچے تو انہیں گھوڑے روکنے پڑے کیونکہ ان کے راستے میں لڑکی کے لوگ شامل تھے جو ایرانی فوجیوں کا کشت و خون کر رہے تھے۔

اس سے پہلے مسلمانوں نے بول کھلے بندوں ایرانی فوج پر حملے کرنے کی جرأت کبھی نہیں کی تھی۔ ایک ایرانی سپاہی براہِ تھا اٹھانے کی سزا بھی کہ ہاتھ اٹھانے والے کے پورے خاندان کو ختم کر دیا جاتا تھا۔ اب یہاں کے مسلمان اس لئے دیر ہو گئے تھے کہ انہیں اطلاع مل چکی تھی کہ مدینہ کی فوج آگئی ہے۔ جن سواروں نے ایرانی فوجیوں پر حملہ کیا تھا وہ کچھ اس بستی کے رہنے والے جوان تھے کچھ دوسری بستیوں کے تھے۔ یہ بعض اتفاق تھا کہ وہ قتی بن عارضہ کی طرف جاتے ہوئے اس بستی کے قریب سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے اس بستی کی آبادی کو باہر کھڑے دیکھا اور ایرانی فوجیوں کو بھی دیکھا۔ وہ چپکرا گئے نکل سکتے تھے لیکن ایرانی فوج نے بولڑے کے پیٹ میں تلوار گھسی تو سب نے آپس میں صلاح مشورہ کئے بغیر گھوڑوں کے رخ اس طرف کھلے۔ ایرانی فوجیوں نے تو انہیں جانتے ہوئے دیکھا ہی نہیں تھا۔ یہ اللہ کی مدد تھی جو اس مظلوم بستی کو بروقت مل گئی۔

یہ بستی تو خوش قسمت تھی کہ اسے مدوئل گئی اور ابراہیموں کی جیٹیا تک سزا سے بچ گئی مسلمانوں کی دوزخا بستیاں ہرگز جیسے قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ ہر بستی کے ہر گھر کی تلاشی ہو رہی تھی۔ یہ دیکھا جا رہا تھا کہ کتنے آدمی غائب ہو چکے تھے۔ ہر بستی میں ایرانی کئی آدمیوں کو قتل کر رہے تھے۔ بعض مکانوں کو انہوں نے نذر آتش بھی کر دیا۔

تین چار روز یہ سلسلہ چلا۔ اس کے بعد ایرانی فوج کو سستیوں کی طرف توجہ دینے کی مہلت ملی۔ ہرز اپنی فوج لے کر آگیا۔ سرحدی فوج کو بھی اُس نے اپنے ساتھ لے لیا اور سرحد سے نکل گیا۔ اُس کا ارادہ یہ تھا کہ خالاکوہ و سرحد سے دور روک لے گا۔ ہرمز کی پیش قدمی بہت نیرنگی۔

بار پچ ۴۳۳۰ کا تیسرا سہفتہ نقاب خالد نے یہ پیام سے دس ہزار فوج کے کر کوچ کیا تھا۔ یہ محرم ۱۱۲۰ کا مہینہ تھا۔ ان کی پیش قدمی بھی بہت تیز تھی۔

ہمز اپنی فوج کے ساتھ اپنی سرحد سے بہت دور کاظمہ کے مقام پہنچ گیا اور فوج کو دوہیں خیمہ زن کر دیا۔ یہ مقام سیامہ اور ابلہ کے راستے میں پڑتا تھا۔ ہمز کو معلوم نہیں تھا کہ اُس کی پیش قدمی کو کبھی دالے موجود ہیں۔ خالد بھی کاظمہ سے دور تھے کہ انہیں عراق کی سمت سے آتے ہوئے دو فتر سوار ملے۔ انہوں نے خالد کو بتایا کہ زرتشتوں کی فوج کاظمہ میں خیمہ زن ہے۔ خالد نے وہیں سے راستہ بدل دیا۔ یہ فتر سوار تھیں کہ جیسے ہوئے تھے۔ انہوں نے خالد کو یہ بھی بتایا کہ وہ حیر کے مقام تک اس طرح پہنچ جائے کہ زرتشتوں کی فوج کے ساتھ اُس کی مکتزہ ہو فتر سواروں نے خالد کو ایک خوشخبری یہ سنائی کہ اُن کے لیے آٹھ ہزار نفری کی فوج تیار ہے۔ یہ فوج اس طرح تیار ہوئی تھی کہ ثنی بن حارث، مذکور بن عدی، ہرملہ اور سلمہ نے دو دو ہزار لڑنے والے جوان اکٹھے کر لئے تھے۔ اس طرح خالد کی فوج کی تعداد اٹھارہ ہزار ہو گئی۔

کرتی ہے۔

”فارس کے سپاہی کی زدہ اور ہتھیار دیکھ کر خوف سا آتا ہے۔“ ثنی بن حارثہ نے خالد کو بتایا۔
”مگر ہر لوہے کی زنجیریں کی خود، بازوؤں پر کسی اور دھات کے فول اور ناگیں آگے کی طرف سے
موسٹے چڑے یا دھات سے محفوظ کی ہوئیں ہتھیار اسنے کہ ہر سپاہی کے پاس ایک برہمی، ایک
”تلوار، ایک وزنی گرز، ایک گمان اور ایک ترکش ہوتی ہے جس میں ہر سپاہی ہمیں تیر رکھتا ہے۔“
”اور لڑنے میں کیسے ہیں؟“

”جرات اور عقل سے لڑتے ہیں۔“ ثنی بن حارثہ نے جواب دیا۔ ”ان کی دلیوری مشور ہے۔“
”ثنیٰ!۔“ خالد نے کہا۔ ”کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ آتش پرستوں کے سپاہی کتنے کمزور ہیں
اور ان کی جرات کی حد کیا ہے؟۔۔۔ ان کی جرات کی مدد اپنی خود اور بازوؤں اور ناگوں پر چلے ہوئے
خولوں تک ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ جذبہ لوہے کو کاٹ دیا کرتا ہے۔ لوہے کی تلوار اور برہمی کی آتی ہڈیے
کو نہیں کاٹ سکتی۔ زدہ اور دھات یا چڑے کے فول حفاظت کے جھوٹے ذریعے ہیں۔ ایک فول کاٹ
گیا تو باقی ہی اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگتا ہے۔ پھر اس میں اپنی سی جرات رہ جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو
پہلے کی اور بچا گئے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ کے سپاہی کی زدہ اس کا عقیدہ اور ایمان ہے۔۔۔ میں
تمیں فارسیوں کی ایک اور کمزوری دکھاؤں؟۔“ خالد نے قاصد سے کہا۔ ”سالاروں اور کمانداروں
کو فوراً بلادو۔“

☆

”فوری طور پر کاظم کی طرف کوچ کرو۔“ خالد نے حکم دیا۔ ”اور کوچ بہت تیز ہو۔“
ہرمز جبرہ کے علاقے میں پڑاؤ کیسے ہوئے تھے۔ وہ کاظم سے اپنی فوج کو یہاں لایا تھا کیونکہ خالد
کا لشکر حفرہ کی طرف آگیا تھا۔ اب یہ لشکر بھی کاظم کی طرف جا رہا تھا۔ دونوں فوجوں کے چند ایک گھوڑ سوار
ایک دوسرے کی خبر گاہ کو دیکھتے رہتے تھے۔ ہرمز کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کا لشکر کاظم کی طرف کوچ کر گیا
ہے تو ہرمز نے اپنی فوج کو کاظم کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔

ہرمز کو اہل کاہنت فکر تھا۔ یہ ایرانیوں کی بادشاہی کا بہت اہم شہر تھا۔ یہ تہذیبی مرکز تھا۔ ہندوستان کو
تاجروں کے قافلے میں سے جایا کرتے تھے اور ہندوستان خصوصاً سندھ کا مال اسی مقام پر آیا کرتا تھا۔ یہ
ایرانیوں کا فوجی مرکز بھی تھا۔ اس علاقے میں رہنے والے مسلمانوں کو دہائے رکھنے کے لئے اہل میں فوج
رکھی گئی تھی۔ ہرمز کی کوششیں یہ تھی کہ خالد کا لشکر اہلہ تک نہ پہنچ سکے۔ ہرمز کو اہلہ پہلے سے زیادہ خطرے
میں نظر آئے لہذا وہ کاظم کے جنوب میں کاظم کی طرف جا رہے تھے۔

مسلمانوں کے لیے کوچ اتنا مشکل نہ تھا جتنا ایرانیوں کے لئے دشوار تھا۔ مسلمانوں کے پاس
اونٹ اور گھوڑے غاصے زیادہ تھے۔ سپاہی ہلکے تھکے تھے۔ وہ آسانی سے تیز چل سکتے تھے۔ ان کے
مقابلے میں ایرانی سپاہی زدہ اور ہتھیاروں سے کمزور ہوتے تھے اس لئے وہ تیز نہیں چل سکتے
تھے۔ ایک دو دن ہی پہلے وہ کاظم سے حفرہ آئے تھے۔ اس کوچ کی حکمن ابھی اتنی ہی تھی کہ انہیں
ایک بار بھی کوچ کرنا پڑا اور وہ بھی بہت تیز نہ کہ مسلمانوں سے پہلے کاظم کے علاقے میں پہنچ جائیں۔

اس کوچ نے راستے میں ہی انہیں تنگ کر دیا۔

ہرمز کی فوج جب ناگیں مسلمانوں کے بالقابل پہنچی تو نہ حال ہو سکی تھی مسلمان سپاہی حواری لڑائیوں
اور مزاح میں نقل و حرکت کے عادی تھے۔ خالد نے ہرمز کو یہ تاثر دینے کے لئے کہ وہ اپنے لشکر کو آرام
نہیں کرنے دے گا، لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ خود قلب میں رہے۔ دائیں اور بائیں پہلوؤں کی
کمان ماحم بن عمرو اور عدی بن حاتم کے پاس تھی۔ ماحم بن عمرو قنقاع بن عمرو کے بھائی تھے اور
عدی بن ماحم قبیلہ طے کے سردار تھے جو دراز قدر مضبوط جسم والے بڑے بہادر جنگجو تھے۔

خالد کو اپنی فوج کو لڑائی کی ترتیب میں کھرتے دیکھ کر ہرمز نے بھی اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم
کر دیا۔ قلب میں وہ خود رہا اور دونوں پہلوؤں کی کمان شاہی خاندان کے دو افراد، قباذ اور اوشخان،
کو دی۔ ہرمز کو بھر ہاتھار اس کی فوج پسینے میں نہا رہی ہے اور سپاہیوں کی سانسیں چھوٹی ہوئی ہیں۔ انہیں آرام
کی مدت تھی لیکن مسلمان جنگی ترتیب میں آچکے تھے۔ ہرمز نے اپنی فوج کی ترتیب ایسی کی کہ کاظم شہر
اس کی فوج کے پیچھے آگیا۔ ان کے سامنے ریگستانی میدان تھا اور ایک طرف بے آب و گیاہ ٹیلہ تھا۔
سپاہیوں کا سلسلہ تھا۔

خالد نے اپنی فوج کو اس طرح آگے بڑھایا کہ یہ پہاڑی سلسلہ ان کی پشت کی طرف ہو گیا۔

✱

اپریل ۶۳۲ء کے پہلے ہفتے کا ایک دن تھا جب مسلمان پہلی بار آتش پرست ایرانیوں
کے مقابل آئے۔

”اگر خالد بن ولید مارا جائے تو یہ معرکہ بغیر لڑے ختم ہو سکتا ہے۔“ ہرمز کے ایک سالار
نے اسے کہا۔ ”مسلمان جو اتنی دُور سے آئے ہیں، اپنے سالار کی موت کے بعد ہمارے مقابلے
میں ٹھہر نہیں سکیں گے۔“

”فوج سے کچھ زخمی باندھ لیں۔“ ہرمز نے سالار سے کہا۔ ”میں ان کے سالار کا بندوبست
کرنا ہوں۔ سب سے پہلے یہی مرے گا۔“ اس نے سالار کو بھیج کر اپنے محافظوں کو بلایا اور
انہیں کچھ بتایا۔

زنجیریں باندھ لینے کا مطلب یہ تھا کہ ایرانی فوج کے سپاہی اپنے آپ کو اس طرح زنجیروں سے
باندھ لیتے تھے کہ پانچ سے دس سپاہی ایک لمبی زنجیر میں بندھ جاتے تھے۔ ان کے درمیان اتنا
فاصلہ ہوتا تھا کہ وہ آسانی سے لڑ سکتے تھے۔ زنجیریں باندھ کر لڑنے سے ایک فائدہ یہ ہوتا تھا کہ
کوئی سپاہی بھاگ نہیں سکتا تھا۔ دوسرا فائدہ یہ کہ ان کے دشمن کے گھوڑ سوار جب ان پر حملہ بولتے
تھے تو سپاہی زنجیریں سیدھی کر دیتے۔ زنجیریں گھوڑوں کی ناگوں کے آگے آ جاتیں اور گھوڑے بگڑ
پڑتے تھے، لیکن زنجیروں کا بہت بڑا نقصان یہ تھا کہ ایک زنجیر میں بندھے ہوئے سپاہیوں میں سے
ایک دوسری یا ہلاک ہو جاتے تو باقی بے بس ہو جاتے اور دشمن کا آسان شکار بنتے تھے۔

اس جنگ کو جو ہرمز اور خالد کے درمیان لڑی گئی، جنگ سلاسل یعنی زنجیروں کی
جنگ کہتے ہیں۔

بٹ گئی۔ ہرمز نے چھرتی سے خالدؓ کے دونوں بازو اس طرح جکڑ لئے کہ اس کے بازو نائلی کی بندوق میں تھے محافظ اور قریب آ گئے۔

ہرمز نے اپنی زبان میں محافظوں سے کچھ کہا۔ خالدؓ اس کی زبان تو نہ سمجھ سکے، اشارہ سمجھ گئے، انہوں نے خطہ کے کوچان یا اہرم کی تمام نزاعات صرف کر کے اتنی زور سے گھوڑے کہ ہرمز کو بھی اپنے ساتھ گھمایا، پھر خالدؓ ایک جگہ کھڑے گھومتے رہے۔ ہرمز کے پاؤں زمین سے اٹھ گئے۔ خالدؓ نے ہرمز کے بازو اپنی بندوق میں جکڑ لئے تھے اور اپنے ہاتھ ہرمز کی بندوق میں لے جا کر اسے گھاتے رہے۔ اس طرح محافظوں کا مارہ کھٹا گیا اور ان میں سے کسی کو آگے بڑھ کر خالدؓ پر وار کرنے کا موقع نہ ملا، لیکن خالدؓ کا یہ داؤ زیادہ دیر تک نہیں چل سکتا تھا۔ وہ تھک چکے تھے۔

ابہام ایک طرف سے ایک گھوڑا سرپٹ دوڑاتا آیا جسے ہرمز کے محافظ نہ دیکھ سکے گھوڑا محافظوں کے دائرے کو کاٹتا کر گیا اور تین محافظ زمین پر پڑ پڑے گئے۔ ان میں سے ایک کو گھوڑے نے پکڑ لیا تھا اور دو کو گھوڑا سوار کی تلوار نے کاٹ دیا تھا گھوڑا آگے جا کر پڑا اور ہرمز کے محافظوں کی طرف آیا۔ محافظوں نے اب اس سے بچنے کی کوشش کی پھر بھی تین محافظ گرے اور پڑ پڑے گئے۔ باقی بھاگ گئے اور سوار اپنی فوج سے جا ملا۔

یہ سوار نرجان ققتاغ بن عمرو تھا جسے خلیفہ ابوبکرؓ نے ملک کے طور پر خالدؓ کی طرف بھیجا اور کہا تھا۔ جس لشکر میں ققتاغ جیسا جوان ہو گا وہ لشکر شکست نہیں کھائے گا۔

اس سوار سے نظریں پٹا کر سب نے ہرمز اور خالدؓ کو دیکھا۔ ہرمز پیٹھے کے بل زمین پر پڑا تھا اور خالدؓ اس کے پیٹ پر بیٹھے اس کے سینے سے اپنا خنجر نکال رہے تھے۔ خنجر سے ہرمز کا خون ٹپک رہا تھا۔ ققتاغ نے ہرمز کے محافظوں کی نیت بھانپ لی تھی اور کسی کے حکم کے بغیر گھوڑے کو ایڑ لگا کر محافظوں پر جا بھڑکا اور خالدؓ کو سچایا تھا۔

☆

خالدؓ ہرمز کی لاش سے اٹھے۔ ہرمز کی ایک لاکھ درم کی ٹوپی خالدؓ کے ہاتھ میں تھی ٹوپی اور اس کے خون میں تھڑا ہوا خنجر بلند کر کے خالدؓ نے اپنی فوج کو کھلے کھلے کا حکم دے دیا۔ ان کے پیٹے سے دیے ہوئے احکام کے مطابق مسلمان لشکر کے دونوں سپہ کھل گئے اور اس نے دایں اور بائیں سے ایرانیوں پر حملہ کیا۔ ایرانی اپنے ہرمز جیسے سالار کی موت سے بد دل ہو گئے تھے لیکن اپنی روایتی شجاعت سے وہ بہتر نہ ہوئے۔ ان کی تعداد مسلمانوں کی نسبت خاصی زیادہ تھی۔ ہتھیاروں اور گھوڑوں کے لحاظ سے بھی انہیں برتری حاصل تھی۔ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں جم گئے۔ نظریں آ رہا تھا کہ ایرانیوں کو شکست نہیں دی جاسکے گی یا یہ کہ انہیں شکست دینے کے لیے بے شمار جاں قربان کرنی پڑی گی۔

ایرانی سپاہی پانچ پانچ، سات سات، دس دس ایک ایک زنجیر سے بندھے ہوئے تھے اور ہر طرف سے آتے والے حملے روک رہے تھے۔ خالدؓ نے انہیں تھکائے کے لئے گھوڑا سواروں کو استعمال کیا۔ گھوڑا سواروں نے پیادوں پر اس طرح حملے شروع کر دیے کہ پیادوں کو دایں بائیں دوڑنا پڑا۔ اپنے پیادوں کو بھی خالدؓ نے اسی طرح استعمال کیا۔ ایرانی پیادوں کو جگان دوڑنا پڑا۔ ان کے مقابلے میں

مسلمانوں نے جب دیکھا کہ ایرانی اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھ رہے ہیں تو وہ حیران ہونے لگے۔ کسی نے بلند آواز سے کہا۔ ”وہ دیکھو فارسی اپنے آپ کو ہمارے لئے باندھ رہے ہیں۔“ فتح بھری ہے۔“ خالدؓ نے بلند آواز سے کہا۔ ”اللہ نے ان کے دماغوں پر ہمہ لگادی ہے۔“ خالدؓ نے جو کچھ سوچ کر کالمہ سے حیر اور جیسر سے کالمہ کو کوچ کیا تھا، وہ خالدؓ انہیں نظر آ گیا تھا۔ ہرمز کی فوج جوڑہ اور ہتھیاروں سے لدی ہوئی تھی، لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی تھک گئی تھی۔ خالدؓ نے ایرانیوں کو آرام کی مہکت نہیں دی تھی۔ اب ایرانیوں نے اپنے آپ کو زنجیروں میں باندھ لیا تھا۔ خالدؓ نے سوچ لیا کہ وہ کیا چال چلیں گے اور ایرانیوں کو کس طرح لڑائیں گے۔

ہرمز نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دونوں فوجوں کے درمیان ایسی جگہ آ کر کھڑا گیا جہاں زمین کٹی چھٹی اور کہیں کہیں ٹیلے تھے۔ اس کے محاذ اس سے کچھ دور آ کر ٹوک گئے۔

☆

”کہاں ہے خالدؓ؟“ ہرمز نے لٹکا کر کہا۔ ”آپ پہلے میرا مقابلہ ہو جائے۔“

یہ اس زمانے کا دستور تھا کہ جنگ شروع کرنے سے پہلے دونوں فوجوں کے سالار ذاتی مقابلوں کے لیے ایک دوسرے کو لٹکارتے تھے۔ دونوں فوجوں کے آدمی انفرادی طور پر آگے جا کر تلواروں سے بھی لڑتے تھے اور کشتی بھی کرتے تھے نتیجہ دونوں میں سے ایک کی موت ہوتی تھا۔ جنگ سالاس میں ہرمز نے خود آگے آ کر خالدؓ کو انفرادی مقابلے کے لئے لٹکا دیا۔ ہرمز مانا ہوا جنگجو اور بہادر آدمی تھا۔ تیغ زنی کی مہارت کے علاوہ اس کے جسم میں بہت طاقت تھی۔

خالدؓ کی عمر اڑتالیس سال ہو چکی تھی۔ وہ جنگی چالوں کے ماہر تھے۔ ان کے جسم میں اچھی خاصی طاقت تھی لیکن ہرمز زیادہ طاقتور تھا۔ اس کی تلکار پر خالدؓ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہرمز کے سامنے جاڑے۔ ہرمز گھوڑے سے اترا اور خالدؓ کو گھوڑے سے اترنے کا اشارہ کیا۔ دونوں نے تلواریں نکال لیں۔

دونوں نے ایک دوسرے پر بڑھ بڑھ کر وار کئے، پینترے بدے، گھوم گھوم کر ایک دوسرے پر آنے لگے تلواریں آپس میں ہی ٹکراتی رہیں۔ پھر خالدؓ کے ہاتھوں اور پیروں میں چھرتی آئی۔ دونوں فوجیں شروع ہو کر رہی تھیں ہرمز محسوس کرنے لگا کہ وہ خالدؓ کی تلوار سے پریشان نہیں ہو گا۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹ گیا اور اس نے تلوار پھینک دی۔

”تلواریں فیصلہ نہیں کر سکیں گی۔“ ہرمز نے کہا۔ ”آ خالدؓ اب ہتھیار کے بغیر آ کر کشتی لڑو۔“

خالدؓ تلوار پھینک کر کشتی کے لئے آگے بڑھے اور دونوں گھٹن گھٹا ہو گئے۔ کشتی میں ہرمز کا ہاتھ بھاری نظر آتا تھا مختصر مورخ کہتے ہیں کہ ہرمز کی چال کچھ اور تھی۔ اس نے اپنے محافظوں کو پہلے سے بتا کر تھا کہ وہ جب خالدؓ کو اتنی مضبوطی سے پکڑ لے کہ خالدؓ ہٹنے کے قابل نہ رہیں تو محاذ دونوں کو اس طرح گھیرے کہ اس کے لیے ان کی نیت اور ادا رہے پر شک نہ ہو یعنی وہ تمام ناشائی بنے رہیں اور ان میں سے ایک محافظ خنجر نکال کر خالدؓ کا پیٹ چاک کر دے۔ جنگجو اس طرح دھوکہ نہیں دیا کرتے تھے لیکن ہرمز کی جنگی کج دھ سے مشہور تھا۔

ہرمز کے محافظ آگے بڑھ آئے اور اپنی فوج کی طرح نعرے لگاتے نعرے کی ترتیب میں ہونے لگے۔ وہ گھوڑوں پر سوار نہیں تھے۔ وہ گھیرا تنگ کرتے گئے، حتیٰ کہ دونوں کے قریب چلے گئے۔ خالدؓ کی توجہ

مسلمان تیزی سے حرکت کر سکتے تھے۔

آخر ایرانیوں میں سستی اور تنگن کے آثار نظر آنے لگے۔ انہوں نے اپنی روایت کے مطابق جزیرہ پر بندھ رکھی تھیں، وہ ان کے پاؤں کی پیریاں بن گئیں۔ ہتھیاروں کی برزری و بال جان بن گئی۔ ایرانیوں کی تنظیم اور ترتیب بکھرنے لگی۔ ان کے قلب کی کمان تو ہرگز کم نہ تھی، مگر ہتھیاروں کی کمی ان کے پہلوؤں کے سالاروں، قباذ اور انوشجان، نے شکست یقینی دیکھی تو پسا پائی کا حکم دے دیا۔ پسپا دہی ہو سکے جزیروں میں بندھے ہوئے نہیں تھے۔ ان میں زیادہ گھوڑ سوار تھے۔ قباذ اور انوشجان پہلوؤں سے اپنی فوج کی بہت سی نفری بھی کر لے گئے لیکن قلب کے ہزاروں سپاہی مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ گئے۔ یہ تو آتشیں ہتھیاروں کا قتل عام تھا جو سورج غروب ہونے کے بعد تک جاری رہا۔ شام تاریک ہو گئی تو یہ غوثی سلسلہ رکا۔

مسلمانوں نے ایک برس سے ہی طاقتور دشمن کو بہت بڑی شکست دے کر ثابت کر دیا کہ نفری کی افراط اور ہتھیاروں کی برزری سے فتح حاصل نہیں کی جاسکتی، جذبہ لڑاکرنا ہے۔ اگلے روز مال غنیمت اکٹھا کیا گیا۔ خالد نے اسے پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ چار حصے اپنے لشکر میں تقسیم کر دیئے اور ایک حصہ مدینہ خلیفہ ابوبکرؓ کو بھیج دیا۔ ہرمز کی ایک لاکھ درہم کی ٹوپی بھی خالد نے خلیفہ کو بھیج دی۔ خلیفہ نے یہ ٹوپی خالدؓ کو واپس بھیج دی کیونکہ ذاتی مفاد میں مارے جانے والے کا مال غنیمت جیتنے والے کا حق ہوتا ہے۔ یہ ٹوپی خالدؓ کی ملکیت تھی۔

”یہ دیکھو.... باہر آؤ.... دیکھو یہ کیا ہے!“
مدینہ کی گلیوں میں کئی آوازیں بلند ہوئیں۔ لوگ دوڑتے گھروں سے باہر آنے لگے۔

”جانور ہے“

”نہیں.... خدا کی قسم، ہم نے ایسا جانور کبھی نہیں دیکھا“

”یہ جانور نہیں.... خدا کی عجیب مخلوق ہے“

عورتیں اور بچے بھی باہر نکل آئے۔ سب کے چہروں پر حیرت تھی۔ بچے ڈر کر پیچھے ہٹ گئے۔ جنہوں نے خدا کی اس عجیب مخلوق کو پہچان رکھا تھا، وہ ہنس رہے تھے اور وہ آدمی بھی ہنس رہا تھا جو اس عجیب مخلوق کی گردن پر بیٹھا تھا۔

”یہ کیا ہے؟“ لوگ پوچھ رہے تھے۔ ”اسے کیا کہتے ہیں؟“

”اسے ہاتھی کہتے ہیں“۔ ہاتھی کے ساتھ ساتھ چلنے والے ایک آدمی نے بلند آواز سے

کہا۔ ”یہ جی جانور ہے۔ یہ ہم نے فارس والوں سے چھینا ہے۔“

جنگ لاسل میں جب ایرانی زرتشت بھاگے تھے تو یہ ہاتھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا تقریباً تمام متوہن نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ خالدؓ نے مال غنیمت کا جو پانچواں حصہ خلیفہ المسلمین ابوبکرؓ کو بھیجا تھا، اس میں ایک ہاتھی بھی تھا۔ مدینہ والوں نے ہاتھی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس ہاتھی کو مدینہ شہر میں گھمایا پھر ایسا کیا تو لوگ حیران ہو گئے اور بعض ڈر بھی گئے۔ وہ اسے جانور نہیں، خدا کی عجیب مخلوق کہتے تھے۔ ہاتھی کے ساتھ اس کا ایرانی مہاوت بھی تھا۔

اس ہاتھی کو چند دن مدینہ میں رکھا گیا۔ کھانے کے سوا اس کا اور کوئی کام نہ تھا۔ مدینہ والے اس سے کام لینا جانتے بھی نہیں تھے۔ اس کے علاوہ صرف ایک ہاتھی سے وہ کرتے بھی کیا! امیر المومنین نے اس کے مہاوت کو ہاتھی سمیت آزاد کر دیا کسی بھی تاریخ میں یہ نہیں لکھا کہ یہ ہاتھی مدینہ سے کہاں چلا گیا تھا۔



دعبلہ اور فرات آج بھی بہہ رہے ہیں۔ ایک ہزار تین سو باون سال پہلے بھی یہ وہی تھے مگر جس روانی میں اور آج کی روانی میں بہت فرق ہے۔ رسالہ سے تیرہ صدیاں پہلے دعبلہ اور فرات کی لہریں اسلام کے اولین مجاہدین کے جوشیلے اور پر عزم نعروں کا دلولہ تھا۔ ان دریاؤں کے پانیوں میں شہیدوں کا خون شامل تھا۔ شمع رسالت کے شیدائی اسلام کو دعبلہ اور فرات کے کنارے کنارے دور آگے لے جا رہے تھے۔ زرتشت کی آگ کے شعلے لپک لپک کر مسلمانوں کا راستہ روکتے تھے مسلمان جڑتے ہی چلے جا رہے تھے۔

اُن کا بچنا سہل نہیں تھا۔ وہ فارسوں کی شہنشاہی میں داخل ہو چکے تھے۔ اُن کی نفری اور حسد کی تازگی کم ہوتی جا رہی تھی، اور دشمن کی جنگی قوت بہت ناک تھی۔ کبھی یوں لگتا تھا جیسے آتش پرست فارسوں کی جنگی طاقت مسلمانوں کے فیصلہ شکن کو اپنے سپیشل میں کھینچ رہی ہو۔

اپریل ۶۳۳ عیسوی کا تیسرا اور صفر ۱۲ ہجری کا پہلا ہفتہ تھا۔ خالد کا نظریہ کے مقام پر آتش پرست ایرانیوں کو شکست دے کر آگے ایک مقام پر پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے دوسری ہفتے پہلے ایرانیوں کو شکست دی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں نے اتنی بڑی شہنشاہی سے ٹکرائی تھی جس کی جنگی قوت سے زمین کا نہایت تھی۔ امیر المؤمنین ابو بکرؓ نے کہا تھا کہ ابھی ہم اتنی بڑی طاقت سے ٹکرا لینے کے قابل نہیں لیکن انہوں نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ ٹکرا لینا ناممکن ہو گیا ہے، ورنہ زرتشت مدینہ پر چڑھ دوڑیں گے۔ اُن کے عزائم ایسے ہی تھے۔ وہ مسلمانوں سے نفرت کرنے والے لوگ تھے اور اپنی بادشاہی میں مسلمانوں پر بہت ظلم کرتے تھے۔ امیر المؤمنین نے خالدؓ کو یہاں سے بلا کر زرتشتوں کے خلاف بھیجا تھا۔

خالدؓ کو رسول کریمؐ نے سیف اللہ کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ اب خلیفہ اول ابو بکرؓ نے بھی کہا تھا۔ "اللہ کی تلوار کے بغیر ہم فارس کی بادشاہی سے ٹکرا نہیں لے سکتے۔" خالدؓ نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اللہ کی تلوار ہیں۔

فارس کی شہنشاہی کی گدی میں تھی۔ فارس کا شہنشاہ اردشیرؓ مدائن میں شہنشاہوں کی طرح تخت پر بیٹھا تھا۔ اُس کی گردن اُن شہنشاہوں کی طرح اکڑی ہوئی تھی جو اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے۔ اُس کے تخت کے دائیں بائیں ایران کا شش پل رہا تھا۔ وہ تخت سے اٹھنے ہی لگتا کہ اُسے اطلاع دی گئی کہ اُبلہ کے محاذ سے قاصد آیا ہے۔

"فرما بلاؤ۔" اردشیرؓ نے شاہانہ رعوت سے کہا۔ "اُس کے سوا وہ اور کیا خبر لایا ہو گا کہ ہرگز نہ مسلمانوں کو کچل ڈالا ہے۔" کیا حیرت ہے عرب کے ان بدوؤں کی جنہوں نے کھجور اور جو کے سوا کھانے کی کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی؟

قاصد، دربار میں داخل ہوا تو اُس کا چہرہ اور اُس کی چال بتا رہی تھی کہ وہ اچھی خبر نہیں لایا۔ اُس نے ایک بازو سیخا اور پکچا اور پکچا کیا۔

"سیدھے جو جاؤ۔" اردشیرؓ نے فحاشانہ لہجے میں کہا۔ "ہم اچھی خبر سننے کے لیے اتنا انتظار نہیں کر سکتے۔" کیا مسلمانوں کی عورتوں کو بھی پکچا لگایا ہے؟.... ہولو.... ہم خاموش کیوں ہو؟

"زرتشت کی ہزار رحمت شہنشاہ فارس پر۔" قاصد نے دربار کے آداب کے عین مطابق کہا۔ "شہنشاہ اردشیرؓ کی شہنشاہی...."

"خبر کیا لاتے ہو؟" اردشیرؓ نے گرج کر پوچھا۔

"عالی مقام ہرمز نے ٹھک مانگی ہے۔" قاصد نے کہا۔

"ہرمز نے؟" اردشیرؓ چونک کر آگے کو کھٹکا اور اُس نے حیران ہو کر پوچھا۔ "ٹھک مانگی ہے؟"

.... کیا وہ مسلمانوں کے خلاف لڑ رہا ہے؟ کیا وہ پس پا ہورہا ہے؟.... ہم نے سننا تھا کہ مسلمان لیڈروں کے ایک گروہ کی مانند ہیں کیا ہو گیا ہے ہرمز کو؟ کیا اُس نے سپاہ کو زنجیروں سے نہیں باندھا تھا؟

.... ہولو....

دربار پر تڑپا طاری ہو گیا جیسے وہاں کوئی بھی نہ ہو اور دو دیوار چپ چاپ ہوں۔

"شہنشاہ فارس کی شہنشاہی افی ٹیک پہنچے۔" قاصد نے کہا۔ "زنجیروں باندھی تھیں مگر مسلمانوں نے ایسی چالیں چلیں کہ یہی زنجیریں ہماری سپاہ کے پاؤں کی پٹریاں بن گئیں۔" مدینہ والوں کی تعداد کتنی ہے؟

"بہت تھوڑی شہنشاہ فارس!۔" قاصد نے جواب دیا۔ "ہمارے مقابلے میں اُن کی تعداد کچھ بھی نہیں تھی لیکن...."

"دور ہو جا ہماری نظروں سے۔" شہنشاہ اردشیرؓ گرجا اور ذرا سوچ کر ہولانہ "قارن کو بلاؤ۔" قارن بن قریانس ایرانی فوج کا بڑا ہی قابل اور دلیر سپہ سالار تھا۔ وہ بھی ہرمز کی طرح لاکھ درہم کا آدمی تھا اور ہرمز کی ٹوپی کی طرح ٹوپی پہنتا تھا۔ اطلاع ملنے ہی دوڑا آیا۔

"قارن!۔" اردشیرؓ نے کہا۔ "کیا تم اس خبر کو سچ مان سکتے ہو کہ ہرمز نے مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہوئے ٹھک مانگی ہے؟" اردشیرؓ نے درباریوں پر نگاہ دوڑائی تو تمام درباری اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سب تعظیم کو جھکے اور ہاتھ بٹک گئے۔ اردشیرؓ قارن کے ساتھ تنہائی میں بات کرنا چاہتا تھا۔

"کیا یہ قاصد مسلمانوں کا آدمی تو نہیں جو ہمیں دھوکہ دینے آیا ہو؟" "مسلمان اتنی جرات نہیں کر سکتے۔" قارن نے کہا۔ "میدان جنگ میں ذرا سی غلطی پالسنہ پلٹ دیا کرتی ہے۔ اگر ہرمز نے ٹھک مانگی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُسے ٹھک کی ضرورت ہے اور اُس سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔"

"کیا مسلمانوں میں اتنی ہمت ہے کہ وہ ہماری فوج کو پس پا کر لگیں؟" اردشیرؓ نے پوچھا۔ "ان میں ہمت ہی نہیں بے پناہ جرات بھی ہے۔" قارن نے کہا۔ "وہ اپنے عقیدے کی جنگ لڑتے ہیں۔ اُبلہ کے علاقے میں ہم نے مسلمانوں کو اس قدر ذلیل کر کے لکھا ہوا ہے کہ وہ کپڑوں بکھڑوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں لیکن انہوں نے زمین دوز حملے کر کے اور شہنشاہ مار مار کر اُس علاقے کی کئی چوکیاں صاف کر دی ہیں.... آج تک انہوں نے جتنی جگہیں لڑی ہیں اُن میں انہوں نے کسی ایک میں بھی شکست نہیں کھائی۔ ہر جنگ میں اُن کی سپاہ کی تعداد خاصی تھوڑی رہی ہے۔ ان کے پاس گھوڑوں کی بھی کمی تھی۔"

"وہ لڑنے والے ہی ایسے تھے۔" شہنشاہ اردشیرؓ نے کہا۔ "ان میں کوئی بھی ہماری فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

"لیکن مسلمانوں نے مقابلہ کر لیا ہے۔" قارن نے کہا۔ "اور ہمارا اتنا زبردست سالار ہرمز ٹھک مانگنے پر مجبور ہو گیا ہے.... شہنشاہ فارس اُس کو اتنا حقیر نہیں جانتا چاہتے ہیں اپنے گویان میں دیانت داری سے جھانکنا ہو گا۔ فارس کی شہنشاہی کا طولی بوت تھا لیکن ہمیں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ رومی ہم پر غالب آئے تھے اور وہیں حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ہرمز کی کاسا نما کمر لے سے بچھا جاتے ہیں۔ اس نئی صورت حال کا جائزہ دیانت داری سے لیں شہنشاہ فارس ہرمز نے اگر ٹھک مانگی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اُس کے لشکر پر غالب آگئے ہیں۔"

"یہ پوچھو کہ ہم میں کیا خامی ہے جو ان میں نہیں۔" انوشجان نے کہا۔ "ہم اپنے دس دس بارہ سپاہیوں کو ایک ایک زنجیر سے باندھ دیتے ہیں کہ وہ جہم کر لڑیں اور بجائیں نہیں۔ اسی لیے ہم آہستہ آہستہ کی جنگ لڑتے ہیں۔ مسلمانوں نے جب ہماری سپاہ کو باندھ سلاسل دیکھا تو انہوں نے دافین پناہ کی چالیں چلی شروع کر دیں۔ ہماری سپاہ گھوم پھر کر لڑنے سے قاصر تھی۔ یہ تھی وجہ کہ ہمارا اتنا طاقت ور لشکر شکست کھا گیا۔"

"ہمارے پاس باتوں کا وقت نہیں۔" قباذ نے کہا۔ "مسلمان ہمارے تعاقب میں آ رہے ہیں۔"



ان کے تعاقب میں ثقی بن حارثہ دو ہزار نفری کی فوج کے ساتھ آ رہا تھا۔ ثقی بن حارثہ اسلام کا وہ شیعہ لڑائی تھا جس نے ایرانیوں کے خلاف زمین و آسمان شروع کر رکھی تھیں۔ اسی کی ترغیب پر امیر المؤمنین ابو بکر نے خالد کو بلا کر ایرانیوں کے خلاف بھیجا تھا۔ ایرانیوں کے تعاقب میں جاننا غیر معمولی طور پر دلیرانہ اقدام تھا۔ تعاقب کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان اپنے منقر سے دور ہلتے بھٹتے ایرانیوں کے قلب میں جا رہے تھے جہاں ان کا گھیرے میں آ جانا یقینی تھا لیکن یہ خالد کا حکم تھا کہ ایرانیوں کا تعاقب کیا جائے۔ اس حکم کے پیچھے ایرانیوں کے خلاف وہ نفرت تھی جو ثقی بن حارثہ کے دل میں بھری ہوئی تھی۔

جنگ سلاسل ختم ہو گئی اور ایرانی بھاگ اُٹھے تو خالد نے دیکھا کہ ان کا لشکر تھک گیا ہے۔ انہوں نے ثقی بن حارثہ کو بلایا۔

"ابن حارثہ!۔" خالد نے کہا۔ "اگر یہ بجائے نہوے فارسی زندہ چلے جائیں تو کیا تم اپنی فوج کو مکمل سمجھو گے؟"

"خدا کی قسم ولید کے بیٹے!۔" ثقی بن حارثہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "مجھے صرف حکم کی ضرورت ہے۔ یہ میرا لشکار ہے۔"

"تو جاؤ۔" خالد نے کہا۔ "دو ہزار سوار اپنے ساتھ لو اور زیادہ سے زیادہ ایرانیوں کو پھڑکاؤ اور جو مقابلہ کرے اسے قتل کر دو۔۔۔۔۔ میں جانتا ہوں میرے جانناڑ تک گئے نہیں لیکن میں شہنشاہ فارس کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہم زمین کے دوسرے سرے تک ان کا تعاقب کریں گے۔"

ثقی بن حارثہ نے دو ہزار سوار لیے اور بجائے ہوئے ایرانیوں کے پیچھے چلا گیا۔ ایرانیوں نے دُور سے دیکھ لیا کہ ان کا تعاقب ہو رہا ہے تو وہ بکھر گئے۔ انہوں نے اپنا کوچہ بکھرنے کے لیے گھڑ اور تھپتھپا چدیاں دیتے تھے۔ ثقی کے لیے تعاقب کا اور ایرانیوں کو پھڑکانے کا کام دشوار ہو گیا تھا کیونکہ ایرانی ٹولی ٹولی ہو کر پھرتے پھرتے اکیلے اکیلے ہو کر بکھرنے لگے۔ اس کے مطابق ثقی کے سوار بھی بکھر گئے۔

ثقی بن حارثہ کو آگے جا کر اپنے سواروں کو اکٹھا کرنا پڑا کیونکہ آگے ایک قلعہ آگیا تھا۔ یہ قلعہ حصن المرأة کے نام سے مشہور تھا۔ یہ ایک عورت کا قلعہ تھا اسی لیے اس کا نام حصن المرأة مشہور ہو گیا تھا یعنی عورت کا قلعہ۔ ثقی نے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا کیونکہ خیال یہ تھا کہ ایرانی اس قلعے میں چلے گئے ہوں گے۔ قلعے سے مزاحمت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ دو دن محاصرے میں گزر گئے تو ثقی

"میں نے تمہیں اسی لیے بلایا ہے کہ تم ہی ہرمز کی مدد کو پہنچو۔" اُرد شیر نے کہا۔ "اگر ہرمز کھرا گیا ہے تو اس کی مدد کے لیے اگر اس سے بہتر سالار نہ جاسے تو اسی جیسے سالار کو جانا چاہیے۔ تم ایسا لشکر تیار کرو جسے دیکھتے ہی مسلمان سوچ میں پڑ جائیں کہ لڑیں یا مدینہ کو بھاگ جائیں۔۔۔۔۔ فوراً فاران۔"

فاران نے اُسے سلام کیا اور لمبے لمبے دگل جھتاہل پڑا۔



ایرانیوں کا سالار فاران بن قریبائس تازہ دم لشکر لے کر اُلمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ پوری امید لے کر جا رہا تھا کہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کر کے لوٹے گا۔ وہ اپنے لشکر کو جملہ کسے بائیں کنارے کے ساتھ ساتھ لے جا رہا تھا۔ اُس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ اُس نے مدار کے مقام پر لشکر کو دیر یا سہ جملہ پار کر لیا اور جنوب میں دریائے مہفل تک پہنچ گیا۔ جب وہ دریائے مہفل کے پار گیا تو اُسے ہرمز کے لشکر کی ٹولیاں آتی دکھائی دیں۔ سپاہی بڑی بڑی حالت میں تھے۔

"تم اپنی رشتہ کی لعنت بھو۔" فاران نے پہلی ٹولی کو روک کر اور ان کی حالت دیکھ کر کہا۔ "کیا تم مسلمانوں کے دُور سے بھاگے آ رہے ہو؟"

"سپہ سالار ہرمز مارا گیا ہے۔" ٹولی میں سے ایک سپاہی نے کہا۔ "دونوں پہلوؤں کے سالار قباذ اور انوشجان بھی بھاگ آئے ہیں۔ وہ شاید پیچھے آ رہے ہوں۔"

فاران بن قریبائس ہرمز کی موت کی خبر سن کر سن ہو کر رہ گیا۔ اُس نے یہ پوچھنے کی بھی جرأت نہ کی کہ ہرمز کس طرح مارا گیا ہے۔ فاران کا سر جھک گیا تھا۔ اُس نے جب سر اٹھا یا تو دیکھا کہ فارس کے فوجیوں کی قطاریں چلی آ رہی تھیں۔ اپنے تازہ دم لشکر کو دیکھ کر بھاگے ہوئے یہ فوجی دیں رکنے لگے۔ اتنے میں ہرمز کی فوج کے دوسرے سالار قباذ اور انوشجان بھی آ گئے۔ انہیں دور سے آنا دیکھ کر فاران نے اپنے گھوڑے کی لٹاک کو جھٹکا دیا۔ گھوڑا چل پڑا۔ فاران نے اپنے دونوں شکست خوردہ سالاروں کے سامنے جھک کر رکھا۔

"میں سن چکا ہوں ہرمز مارا گیا ہے۔" فاران نے کہا۔ "لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ تم دونوں بھاگ آتے ہو۔ کیا تم گنوار اور اُلمہ عربوں سے شکست کھا کر آئے ہو؟ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہتا چاہتا کہ تم بزدل ہو اور تم اس رستے اور مدد سے کسے اہل نہیں ہو۔۔۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیا جائے؟"

"کیوں نہیں چاہتے؟" قباذ نے کہا۔ "ہم کہیں چھپنے کے لیے پیچھے نہیں ہٹتے۔ ہمیں ہرمز کی شیخوں نے مروایا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اسلامی فوج کے پاس بڑے ہی قابل اور جرأت والے سالار ہیں لیکن وہ اتنے قابل بھی نہیں کہ ہماری فوج کو یوں بھٹکا دیتے۔"

"فاران!۔" انوشجان نے کہا۔ "ہماری فوجی قیادت میں ہی سب سے بڑی عزائی ہے جس کا مظاہرہ تم نے بھی کیا ہے۔ تم نے عرب کے ان مسلمانوں کو گنوار اور اُلمہ کہا ہے۔ ہرمز بھی ایسے ہی کہتا تھا، لیکن ہم نے میدان جنگ میں اس کے اُلٹ دیکھا ہے۔"

"تم نے ان میں کیا خوبی دیکھی ہے جو ہم میں نہیں؟" فاران نے پوچھا۔

ہیں بکریاں تھانہ میں فارسیوں کے تعاقب میں نہیں آیا میں فارس کے اس لشکر کی تلاش میں آیا ہوں جو ہر
کی شکست خوردہ فوج کی مدد کے لیے آرہا ہوگا۔ مجھے پوری امید ہے کہ ان کی کمک آ رہی ہوگی میں اسے
راستے میں روکوں گا۔

”چھوڑی باتیں نہ کرو شعی! — معنی نے کہا۔“ مجھے کچھ سوار دے دو اور تم آگے نکل جاؤ۔ یہ خیال
رکھنا کہ فارسی اگر آگے تو ان کی تعداد اور طاقت زیادہ ہوگی۔ آگے سامنے کی فکر نہ لینا۔ جا میرے بھائی میں
جھے اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔“



کئی بھی تو رخ نے سواروں کی صحیح تعداد نہیں لکھی تھی اپنے بھائی معنی خود سے کھجلا گیا تھا۔ بعض
توڑوں کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ سواروں کی تعداد تین سو سے کم اور چار سو سے زیادہ نہیں تھی۔ معنی نے
اتنے سواروں سے ہی قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور قلعے کے دروازے کے اتنا قریب چلا گیا جہاں وہ تیروں
کی بڑی آسان زدیں تھیں۔ دروازے کے اوپر جو برج تھا اس میں ایک خوبصورت عورت نمودار ہوئی۔

”تم کون ہو اور یہاں کیا لینے آتے ہو؟“ عورت نے بلند آواز میں معنی سے پوچھا۔
”ہم مسلمان ہیں“ معنی نے اس سے زیادہ بلند آواز میں جواب دیا۔ ”ہم میلان جنگ سے بھاگے ہوئے
فارسیوں کے تعاقب میں آتے ہیں۔ اگر تم نے قلعے میں نہیں پناہ دی ہے تو انہیں ہمارے حوالے کر دو ہم طے
باتیں گے۔“

”میرا قلعہ ہے“ عورت نے کہا۔ ”بھاگے ہوئے فارسیوں کی پناہ گاہ نہیں یہاں کئی ناکس پائی نہیں۔“
”خاتون! معنی نے کہا۔ ”ہم پر تیرا احترام لازم ہے۔ ہم مسلمان ہیں۔ عورت پر ہاتھ اٹھانا ہم پر حرام ہے
خواہ وہ قلعہ دار ہی ہو۔ اگر تم فارس کی جنگی طاقت کے دور سے اس کے پاسی ہمارے حوالے نہیں کرنا چاہتیں
تو تو ان کو کم وہ ہیں جنہوں نے فارس کی اس ہیبت ناک جنگی طاقت کو شکست دی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر ہمارے
اعمال زیادتی ہو جائے ہم اسلام کے اس لشکر کا ہر دل ہیں جو پیچھے آ رہا ہے۔“
”ہیں نے مسلمانوں کا کیا بگاڑا ہے؟“ عورت نے کہا۔ ”میرا قلعہ منہارے شکر کے راستے کی رکاوٹ
نہیں بن سکتا۔“

”تمنا محفوظ نظر رہے گا“ معنی نے کہا۔ ”شرط یہ ہے کہ قلعہ کا دروازہ کھول دو۔ ہم اندر آ کر دیکھیں
گے۔ ہمارے کسی آدمی اور کسی چیز کو میرے سوار ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ ہم اپنی سلی کر کے طے جائیں گے۔ اگر یہ
شرط پوری نہیں کرو گی تو ہمارے آدمی اور ہمارے فوج کی لاشیں اس قلعے کے بلے کے نیچے گل سڑ جائیں گی۔“

”قلعہ کا دروازہ کھول دو۔“ عورت کی تمنا زیادہ آواز سنانی دی۔
اس آواز کے ساتھ ہی قلعہ کا دروازہ کھل گیا۔ معنی نے اپنے سواروں کو اشارہ کیا تین چار سو گھوڑے
برہنہ دوڑے آتے۔ معنی نے انہیں صرف اتنا کہا کہ قلعے کی صرف تلاشی ہوگی، کسی چیز اور کسی انسان کو ہاتھ
مک نہیں لگایا جائے گا۔ معنی کا گھوڑا قلعے میں داخل ہو گیا۔ اس کے تمام سوار اس کے پیچھے پیچھے قلعے میں
گئے۔ معنی نے ایک جگہ پر قلعے کی دیواروں پر نظر دوڑائی۔ ہر طرف پتھر لٹکھڑے تھے۔ تپتے آگے کہیں
نہ کوئی ہائی نظر نہ آیا۔ معنی کے سوار قلعے میں پھیل گئے تھے۔

کو احساس ہوا کہ وہ جس کام کے لیے آیا تھا وہ تو رہ گیا ہے۔ شعی کا ایک بھائی معنی اس کے
ساتھ تھا۔

”معنی! شعی بن حارثہ نے اسے کہا۔ ”کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ میں ایرانیوں کے تعاقب
میں آیا تھا اور مجھے اس قلعے نے روک لیا ہے؟“

”معنی بھائی! — معنی نے کہا۔ ”میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں اور میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں مجھ
پر بھروسہ نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو تم مجھے کہتے کہ اس قلعے کو تم محاصرے میں رکھو اور میں ایرانیوں کے
پیچھے جاتا ہوں۔“

”ہاں معنی! — شعی نے کہا۔ ”مجھے تم پر بھروسہ نہیں۔ قلعہ ایک جوان عورت کا ہے اور تم
جوان آدمی ہو۔ خدا کی قسم میں نے قلعے سر کر کے والوں کو ایک عورت کی بھی نظروں اور آوازوں سے
سر ہونے دیکھا ہے۔“

”میرے باپ بیٹے! — معنی نے کہا۔ ”مجھ پر بھروسہ کر اور آگے نکل جا۔ مجھے گھوڑے
سے سوار دے جا چہرہ دیکھ کون سر ہوتا ہے۔ قلعہ یا میں!.... اگر تو ہمیں ہند حارثہ تو بھاگتے ہوئے
فارسی بہت دور نکل جائیں گے۔“

”اگر یہ اداغ ٹھیک کام کرتا ہے تو میں کچھ اور سوچ کر ادھر آیا ہوں۔ شعی بن حارثہ نے کہا۔
”میں اس اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں جس کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں اور مجھ جس کے نبی ہیں کہ اس نے جس خالد
بن ولید جیسا سپہ سالار دیا ہے۔ مدینہ کی خلافت سے اسے جو حکم ملا تھا وہ اس نے پورا کر دیا ہے
لیکن وہ اس پر مطمئن نہیں۔ وہ فارس کی شہنشاہی کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے پر تیار ہوا ہے۔ وہ ملتان کی اینٹ
سے اینٹ بجانے کا عزم کیے ہوئے ہے۔“

”عزم اور چیز ہے میرے بھائی! — معنی نے کہا۔ ”عزم کو پورا کرنا بالکل مختلف چیز ہے۔ کیا
تم نے دیکھا نہیں کہ ولید کا بیٹا تیر کی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے؟.... میرے باپ کے بیٹے تیر
خفا بھی ہو سکتا ہے۔ ذرا سی رکاوٹ اسے روک بھی سکتی ہے۔“

”کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ خالد کو وہیں رک جانا چاہیے جہاں اس نے فارسیوں کو شکست دی
ہے؟“ شعی نے کہا۔ ”خدا کی قسم! تم ایک بات بھول رہے ہو۔ شہنشاہ فارس کو اپنی شہنشاہی کا غم
ہے اور ہمیں اپنے اللہ کی نافرمانی کا ڈر ہے۔ ارد شیر اپنے تخت و تاج کو بچانا چاہتا ہے لیکن ہم شاہ
دو جہاں کی ان کی خاطر لڑ رہے ہیں۔... سمجھنے کی کوشش کرو میرے بھائی! یہ بادشاہوں کی نہیں عقیدوں
کی جنگ ہے۔ ہمارے لیے یہ اللہ کا حکم ہے کہ ہم اس کے رسول کا پیغام دنیا کے آخری کو نے
تک پہنچائیں۔ ہمارا بچھونا یہ ریت ہے اور یہ تیر ہیں ہم تخت کے طلبکار نہیں۔“

”میں سمجھ گیا ہوں۔“ معنی نے کہا۔

”نہیں! — شعی بولا۔ ”تم ابھی پوری بات نہیں سمجھے۔ تم بھول رہے ہو کہ ہمیں ان مسلمانوں کے

خون کے ایک ایک قطرے کا انتقام لینا ہے جو فارسیوں کے زنجیں تھے اور جن پر فارسیوں نے
ظلم و تشدد کیا تھا۔ خدا کے رسول کا یہ کٹنا بھی نہیں بخشے گا۔ وہ مظلوم مسلمان مدینہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔...

سمجھتا ہوں کہ میرے کسی سوار نے تمہارے کسی آدمی یا عورت کو یا میں نے تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں دی؟
 ”نہیں۔“ عورت نے کہا اور دوسرا سوچ کر بولی۔ ”لیکن تم چلے جاؤ گے تو مجھے بہت تکلیف ہوگی۔“
 ”کیا تم ایرانیوں کا خطہ محسوس کر رہی ہو؟“ معنی نے پوچھا۔ ”ہمارے دل میں سناٹوں کا ڈر ہے؟“
 ”دونوں میں سے کسی کا بھی نہیں۔“ عورت نے جواب دیا۔ ”مجھے نہائی کا ڈر ہے۔ تم چلے جاؤ گے
 تو مجھے نہائی کا احساس ہوگا جو تمہارے آنے سے پہلے نہیں تھا۔“
 معنی نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

”تم اپنے فرض میں اتنے اکتھے ہوئے ہو کہ تمہیں یہ بھی احساس نہیں رہا کہ تم ایک جوان آدمی کی بیوی ہو۔“
 عورت نے کہا۔ ”فناح سب سے پہلے مجھ جیسی عورت کو اپنا کھونہ بناتے ہیں میں نے تم کیسا آدمی سمجھا نہیں
 دیکھا۔ اب دیکھا ہے تو دل چاہتا ہے کہ کچھ جی جی رہوں۔۔۔ کیا میں نہیں اچھی نہیں لگی؟“
 معنی نے اسے غور سے دیکھا۔ سر سے پاؤں تک پھر پاؤں سے سر تک دیکھا۔ اسے ایک آواز سنائی
 دی۔ ”خدا کی قسم، میں نے قلعے میں کرنے والوں کو ایک عورت کی بھی نظروں اور آوازوں سے نہ جھوٹ دیکھا ہے۔“
 ”کیا تم جوش میں نہیں ہو؟“ عورت نے پوچھا۔

”میں شاید ضرورت سے زیادہ جوش میں ہوں۔“ معنی نے کہا۔ ”تم مجھے اچھی لگی ہو یا نہیں، یہ
 بعد کی بات ہے۔ اس وقت مجھے تمہارا قلعہ اچھا لگا رہا ہے۔“
 ”کیا میرا یہ قلعہ قبول کرو گے؟“ عورت نے کہا۔ ”طاقت سے قلعہ سر کرنے کی بجائے تجھ سے یہ
 قلعہ محبت کے سنبھالنے کے طور پر لے لو تو کیا یہ اچھا نہیں رہے گا؟“
 ”محبت!“ معنی نے زیر لب کہا پھر سر جھٹک کر تجھے بیدار ہو گیا ہو۔ کہنے لگا۔ ”محبت کا وقت نہیں۔“
 میں تمہارے سامنے شادی کو سمجھتا ہوں۔ اگر تم رضامند ہو تو پہلے اپنے سارے کے سارے قبیلہ سمیت اسلام
 قبول کرو۔“

”میں قبول کرتی ہوں۔“ عورت نے کہا۔ ”میں اس مذہب پر جان بھی دے دوں گی جس کے پیچھے لگاؤ۔“
 دو تیر خوں طبری اور ابن دسرت نے اس خاتون کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا ہے لیکن دونوں کی تحریروں میں
 اس خاتون کا نام نہیں ملتا۔

شہنشاہ بنی سارڈینز ایک بولڈ و اجاڑا تھا۔ اسے ہر روز پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا جس نے حکم دیا تھا کہ ملک
 بچھینے کے بعد اسے اچھی کوئی اطلاع نہیں ملے گی کہ میدان جنگ کی صورت حال کیا ہے۔ وہ دربار
 میں بیٹھا تھا جو عتاب بن ہونا تھا۔ اس کے کہیں بھی نہ تھا تو اس کے کہیں بھی نہ تھا۔ اس کے کہیں بھی نہ تھا۔ اس کے کہیں بھی نہ تھا۔
 ہونا۔ یہ قلعہ سنبھالنے کے لیے اس نے اپنے سارے قبیلہ کو بلایا تھا۔ اس نے اپنے سارے قبیلہ کو بلایا تھا۔ اس نے اپنے سارے قبیلہ کو بلایا تھا۔
 اسے اطلاع ملی کہ فارس کا قاصد آیا ہے۔ جب اسے اس کے کہ وہ قاصد کو بلاتا ہے تو قاصد کی طرف بڑی تیزی
 سے چل پڑا۔

”کیا قاصد نے ان حواری کبیروں کو کچل دیا ہے؟“ اردو شیر نے پوچھا۔

”شہنشاہ فارس نے قاصد سے کہا۔ ”جان بخشی مجھے شہنشاہ کا غلام اچھی خبر نہیں لایا۔“
 ”کیا قاصد نے بھی حکم مانگی ہے؟“ اردو شیر نے پوچھا۔

”تم نے خلیفہ کہا تھا۔“ عورت نے معنی سے کہا۔ ”میں فارسوں سے ڈرتی ہوں۔ اس قلعے میں
 کوئی بھی طاقتور لشکر آئے گا تو میں اس کے رحم و کرم پر ہوں گی۔۔۔ مسلمانوں کو میں پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔“
 ”اور تم انہیں ساری عمر یاد رکھو گی۔“ معنی نے کہا۔ ”خدا کی قسم، تم ہانی عمران کے انتظار میں گزار دو گی۔
 ۔۔۔۔۔ مسلمانوں کے لیے حکم ہے کہ قلعوں کو نہیں ہول کو نہ کر دو لیکن قلعوں والوں کے دل قلعے کی دیواروں جیسے
 سخت ہو جائیں تو پھر ہمارے لیے کچھ اور حکم ہے۔ ہم جب اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں تو فارس کی طاقت بھی ہمارے
 آگے نہیں بڑھ سکتی۔ کیا تم نے انہیں بھاگے دیکھا نہیں؟ کیا وہ ادھر سے نہیں گزرے؟“

”گزرے تھے۔“ قلعہ دار عورت نے جواب دیا۔ ”ذرا سی دیر کے لیے یہاں رکتے بھی تھے۔ انہوں
 نے بتایا تھا کہ وہ مسلمانوں سے بھاگ کر آ رہے ہیں۔ وہ دس بار آدمی تھے۔ میں جیسا کہ تمہیں بتا رہی تھی کہ اسنے بڑے کچے پانی
 خوف سے سرے چارے ہیں۔ میں اس پر بھی جیسا کہ وہ دونوں جن جنوں نے فارس کے لشکر کو اس قدر
 دہشت زدہ کر کے بھاگ دیا ہے۔ تم نے جب کہا کہ تم وہ وہ لوگ جنہوں نے فارسوں کو شکست دی ہے تو میری
 بہت جواب دے گئی۔ میں نے قلعے کا دروازہ خوف کے عالم میں کھولا تھا۔ میں تم سے اور تمہارے سواروں
 سے اچھے سلوک کی توقع رکھتی نہیں کرتی تھی۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا کہ تم اپنے متعلق جو کہہ رہے ہو وہ سچ
 کہہ رہے ہو۔“

یہ خاتون معنی کو اس مارت میں لے گئی جہاں وہ رہتی تھی۔ وہ خوشحال تھا۔ اس کے اشارے
 پر دو غلاموں نے شراب اور پھینکا ہوا گوشت معنی کے سامنے لا رکھا۔ معنی نے ان چیزوں کو پرے کر دیا۔
 ”ہم شراب نہیں پیتے۔“ معنی نے کہا۔ ”اور میں یہ کھانا اس لیے نہیں کھاؤں گا کہ تم نے مجھے ایک
 طاقتور فوج کا آدمی سمجھ کر خوف سے مجھے کھانا پیش کیا ہے۔ میں اسے بھی حرام سمجھتا ہوں۔“
 ”کیا تم مجھے بھی حرام سمجھتے ہو؟“ اس خوب صورت اور جوان عورت نے اس کی کڑواہٹ سے کہا
 جس میں دعوت کا تاثر تھا۔

”ہاں۔“ معنی نے جواب دیا۔ ”مفتوحہ عورت کو ہم شراب کی طرح حرام سمجھتے ہیں۔ وہ اس وقت تک
 ہم پر حرام رہتی ہے جب تک کہ وہ اپنی مرضی سے ہمارے عقد میں نہ آجائے۔“

معنی کو اطلاع دی گئی کہ اس کے سوار قلعے کی تلاشی لے کر آگئے ہیں معنی تیزی سے اٹھا اور اس
 تیزی سے باہر نکل گیا۔

سواروں کے کمانداروں نے معنی کو تفصیل سے بتایا کہ انہوں نے تلاشی کس طرح کی ہے اور کیا کچھ
 دیکھا ہے۔ کہیں بھی انہیں کوئی ایرانی سپاہی نظر نہیں آیا تھا۔ عورت کا اپنا قبیلہ تھا جس کے آدمی یہاں قلعوں
 اور برجیوں وغیرہ سے مسلح تھے۔ ان میں معنی کے سواروں کے خلاف لڑنے کی ہمت نہیں تھی۔ قلعے کی انہوں نے
 انہیں لڑنے کی اجازت بھی نہیں دی تھی۔ اس قلعے کو اپنی اطاعت میں لینے ضروری تھا کیونکہ یہ کسی بھی موقع پر
 ایرانیوں کے کام آسکتا تھا۔ معنی نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ عورت اسے نظر نہ آئی۔ معنی اندر چلا گیا۔

”کچھ ملا میرے قلعے سے؟“ عورت نے پوچھا۔
 ”نہیں۔“ معنی نے جواب دیا۔ ”میرے لیے شک رہ گیا۔ ضروری تھا اور اب یہ پوچھنا ضرور ہے۔“

”نہیں شہنشاہ فارس!۔“ قاصد نے کہا۔ ”سالار ہر مہر مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔“
 ”مارا گیا ہے؟“ اردشیر نے حیرت سے کہا۔ ”کیا ہر مہر کو بھی مارا جا سکتا ہے!۔۔۔ نہیں نہیں۔ یہ غلط ہے۔ یہ جھوٹ ہے۔“ اس نے غصہ کرنا قاصد سے پوچھا۔ ”تمہیں یہ پیغام کس نے دیا ہے؟“
 ”سالار فاران بن قریانس نے۔“ قاصد نے کہا۔ ”ہمارے دو سالار قباؤ اور انوشیوان پسپا ہو کر آ رہے تھے۔ باقی سپاہ بھی جوندہ تھی، ایک ایک دودھ کو اُن کے پیچھے آ رہی تھی۔ دریا نے مقتل کے کنارے دوہیں آتے ہوئے ملے۔ انہوں نے بتایا کہ سالار ہر مہر نے مسلمانوں کو انفرادی مقابلے کے لیے لکھا تو اُن کا سالار خالد بن ولید ہمارے سالار کے مقابلے میں آیا۔ سالار ہر مہر نے اپنے محافظوں کو ایک طرف چھپا دیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے سالار کو گھیرے میں لے کر قتل کرنا تھا۔ انہوں نے اُسے گھیرے میں لے بھی لیا تھا لیکن کسی طرف سے ایک مسلمان سوار سر پٹ گھوڑا دوڑا آیا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں برہمی اور دوسرے میں تلوار تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے سالار ہر مہر کے چھ سات محافظوں کو ختم کر دیا۔ عین اُس وقت مسلمانوں کے سالار نے سالار ہر مہر کو گرا لیا اور خنجر سے انہیں ختم کر دیا۔“
 اردشیر کا سر جھک گیا اور وہ آہستہ آہستہ محل کی طرف چل پڑا۔ جب وہ محل میں پہنچا تو اُس نے یوں دیوار

کا سہارا لے لیا جیسے اُسے شوکر لگی ہو اور گرنے سے بچنے کے لیے اُس نے دیوار کا سہارا لے لیا ہو۔ وہ اپنے کمرے تک دیوار کے سہارے پہنچا۔ کچھ دیر بعد محل میں ہل بولنگ سی مچ گئی۔ طیب دوسرے آئے۔ اردشیر کسی مرض کا، جانب جلد ہو گیا تھا۔ یہ صدر نے کا اثر تھا۔ فارس کی شہنشاہی شکست سے ناآرامی تھی۔ اسے پہلے غم روہیوں کے ہاتھوں پڑی تھی اور فارس کی شہنشاہی کچھ حصے سے محروم ہو گئی تھی۔ اب اس شہنشاہی کو اس قوم کے ہاتھوں چوٹ پڑی تھی جسے اردشیر قوم سمجھتا ہی نہیں تھا۔ اردشیر کے لئے یہ صدر معمولی نہیں تھا۔



فاران بن قریانس ابھی دریا نے مقتل کے کنارے پر خیز زن تھا۔ اُس نے وہاں اتنے دن اس لیے قیام کیا تھا کہ ہر مہر کی فوج کے بھاگے ہوئے کماندار اور سپاہی ابھی تک پلے آ رہے تھے۔ فاران انہیں اپنے لشکر میں شامل کرتا جا رہا تھا۔ ہر مہر کے دونوں سالار، قباؤ اور انوشیوان اُس کے ساتھ ہی تھے۔ وہ اپنی شکست کا انتقام لینے کا عہد کئے ہوئے تھے۔ اُن کے کہنے پر فاران پیش قدمی میں محتاط ہو گیا تھا۔

قیام کے دوران اُس کے جاسوس اُسے اطلاعیں دیتے رہے تھے کہ مسلمانوں کی سرگرمیاں اور عزائم کیا ہیں۔ ان اطلاعوں سے اُسے یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان واپس نہیں جائیں گے بلکہ آگے آ رہے ہیں۔

خالد نے جنگ سلاسل جیتنے کے بعد کاظمہ، اُمہ اور جھوٹی آبادیوں کے انتظامی امور اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے۔ جب وہ ان آبادیوں میں گیا تو وہاں کے مسلمانوں نے چلا چلا کر ”خالد زندہ باد۔۔۔۔۔ اسلام زندہ باد۔۔۔۔۔ خلافت مدینہ زندہ باد“ کے نعرے لگائے۔ وہ نرسبز اور شاداب علاقہ عورتوں نے خالد اور ان کے محافظوں کے راستے میں پھول پھینکے۔

اس علاقے کے مسلمانوں کو بڑی لمبی مدت بعد ایرانی جو رواستمداد سے نجات ملی تھی۔
 ”خالد! کیا تو ہماری مصمتوں کا انتقام لے گا؟“ خالد کو کئی عورتوں کی آوازیں سنائی دیں۔
 ”ہمارے جوان بیٹوں کے خون کا انتقام۔۔۔ انتقام۔۔۔ خالد انتقام۔“ یہ ایک شور مچا رہا تھا۔
 نئی اور خالد اس شور سے گزرتے جا رہے تھے۔
 ”ہم واپس جانے کے لئے نہیں آئے۔“ خالد نے وہاں کے مسلمانوں سے کہا۔ ”ہم انتقام لینے آئے ہیں۔“

مسلمانوں کے ایک وفد نے خالد کو بتایا کہ اس علاقے کے غیر مسلموں پر وہ عہد و سر نہ کرے۔
 ”یہ سب فارسیوں کے مددگار ہیں۔“ وفد نے خالد کو بتایا۔ ”مجوسیوں نے ہمیشہ ہمارے خلاف فحش کی ہے۔ ہمارے بیٹے جب فارسی فوج کی کسی چوکی پر شب خون مار تے تھے تو مجوسی فحش کر کے ہمارے بیٹوں کو گرفتار کر دیتے تھے۔“
 ”تمام عیسائیوں اور یہودیوں کو گرفتار کر لو۔“ خالد نے حکم دیا۔ ”اور مسلمانوں میں سے جو اسلامی لشکر میں آنا چاہتے ہیں آئیں۔“

”وہ پہلے ہی شنی بن حارث کے ساتھ چلے گئے ہیں۔“ خالد کو جواب ملا۔
 فوراً ہی مجوسیوں اور دیگر غیر مسلموں کی بڑی و عکس شروع ہو گئی۔ ان میں سے صرف انہیں جنگی قیدی بنایا گیا۔ ان کے متعلق مسند شہادت مل گئی کہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کا روایت کیا کی تھیں یا فحش کی تھیں۔
 نظم و نسق کے لیے اپنے کچھ آدمی کاظمہ میں چھوڑ کر خالد آگے بڑھ گئے۔ اب اُن کی پیش قدمی کی رفتار تیز نہیں تھی کیونکہ کسی بھی مقام پر ایرانیوں سے لڑائی کا امکان تھا۔ خالد نے اپنے جاسوس جو اس علاقے کے مسلمان تھے، آگے اور واپس بھیج دیئے تھے۔



ثنائی ابن حارث آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ دریا نے مقتل عبور کرنا چاہتا تھا لیکن دُور سے اُسے ایرانیوں کی فوج کا نظر آئی۔ وہ ہمت ہٹا کر الٹا ہٹا۔ ثنائی کے پاس دو بیڑے ہزار سے کچھ زیادہ سوار تھے۔ اتنی تھوڑی تعداد سے ثنائی ایران لشکر سے ٹکر نہیں لے سکتا تھا۔
 ”میں یہیں سے پیچھے ہٹ آنا چاہتے۔“ ثنائی کے ایک ساتھی نے کہا۔ ”یہ لشکر ہمیں گھیرے میں لے کر ختم کر سکتا ہے۔“

”سمجھنے کی کوشش کرو۔“ ثنائی نے کہا۔ ”اگر ہم پیچھے ہٹے تو فارسیوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ ہمارے سپہ سالار خالد نے کہا تھا کہ پیشتر اس کے کہ فارسیوں کے دلوں سے ہماری دہشت ختم ہو جائے ہم اُن پر حملے کرتے ہیں گے۔ ہم اپنی دہشت برقرار رکھتی ہے۔ میں آگ کے ان بجاویں کی فوج کو تیار کروں گا کہ ہم اپنے لشکر کا ہر اہل دستہ ہیں۔ ہم لڑنے کے لیے بھی تیار رہیں گے۔ اگر لڑنا پڑا تو ہم ان سے وہی جنگ لڑیں گے جو ایک مدت سے لڑ رہے ہیں۔۔۔۔۔ غم لگنا اور بھاگو۔۔۔۔۔ کیا تم ایسی جنگ نہیں لڑ سکتے؟“ ثنائی نے ایک سوار کو بلایا اور اُسے کہا۔ ”گھوڑے کو اڑاؤ گاؤ۔ سپہ سالار

نالد بن ولید کا نام یا بلد میں ہوں گے۔ انہیں بتاؤ کہ مختل کے کن سے فارس کا ایک لشکر پڑاؤ والے ہوئے ہے۔ انہیں کہنا کہ اس لشکر کو آگے نہیں بڑھنے دوں گا اور آپ کا جلدی پہنچنا ضروری ہے۔ خالد پہلے ہی کاظم سے چل پڑے تھے۔ انہیں گھوڑوں اور بار بردار اونٹوں کے لئے چارے اور لشکر کے لیے کھانے پیش کے سامان کی کمی نہیں تھی۔ اُس علاقے کے مسلمانوں نے ہر چیز کا بندوبست کر دیا تھا۔ خالد کا راستہ کوئی اور تھا۔ وہ اہل سے کچھ دور گھٹنوں کے قریب سے گزر رہے تھے۔ سامنے ایک گھوڑ سوار بڑی تیز رفتاری سے آ رہا تھا۔ خالد نے اپنے دو محافظوں سے کہا کہ وہ آگے جا کر دیکھیں یہ کون ہے۔

محافظوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر اُسے والے سو کر راستے میں چاہا۔ اُس سوار نے گھوڑا روکا نہیں۔ دونوں محافظوں نے اپنے گھوڑے اُس کے پہلوؤں پر کمر لے کر اُس کے ساتھ آئے۔

”مثنیٰ بن عمار کا پیغام لیا ہے۔“ دُور سے ایک محافظ نے کہا۔

”فارس کا ایک تازہ دستہ دشمن کے کنارے پڑاؤ کیے ہوئے ہے۔“ مثنیٰ کے ہاتھوں خالد کے قریب آکر رکتے ہوئے کہا۔ ”خالد کا اندازہ نہیں۔ آپ کے اور مثنیٰ کے لشکر کی تعداد سے اُس لشکر کی تعداد اتنی ہے۔ فارس کے جہاں گئے ہوئے سپاہی بھی اُس لشکر میں شامل ہو گئے ہیں۔“

”مثنیٰ کہاں ہے؟“ خالد نے پوچھا۔

”فارسوں کے سامنے اُسے“ خالد نے کہا۔ ”مثنیٰ نے حکم دیا ہے کہ کوئی عسکری پیچھے نہیں ہٹے گا اور ہم فارسوں کو تباہ کر دیں گے کہ ہم اپنے لشکر کا ہر اہل ہیں۔۔۔۔۔“ مثنیٰ نے پیغام دیا ہے کہ جلدی پہنچیں۔

خالد نے اپنی فوج کی رفتار تیز کر دی اور رخ اُدھر کر لیا جہاں مثنیٰ بن عمار تھا۔

خالد کی فوج مثنیٰ کے سواروں سے جا ملی۔ خالد نے سب سے پہلے دشمن کا جائزہ لیا۔ وہ مثنیٰ کے ساتھ ایک اونچی جگہ کھڑے تھے۔ دشمن جنگ کی تیاری مکمل کر چکا تھا۔

”فارس ہیں اُن سے سامنے کی لڑائی لڑانا چاہتے ہیں۔“ خالد نے مثنیٰ سے کہا۔ ”کچھ ہے ہوا میں عارثہ۔۔۔“

انہوں نے دریا کو اپنے پیچھے رکھا ہے۔

”یہ فادی عرفت آئے سامنے کی لڑائی لڑ سکتے ہیں۔“ مثنیٰ نے کہا۔ ”مجھے ان کے ایک قبیلے سے پتہ چلا ہے کہ ان کے دو سالہ رجن کے خلاف ہم لڑے ہیں۔ زندہ پیچھے آگئے ہیں۔ ایک کا نام قباوہ ہے اور دوسرے کا انوشجان۔ انہوں نے اپنے سپہ سالار کو بتایا ہو گا کہ ہمارے لڑنے کے انداز کیسے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے اپنے عقب کو ہم سے اس طرح محفوظ کر لیا ہے کہ اپنے پیچھے دریا کو رکھا ہے۔۔۔۔۔ زیادہ تر سوچ ولید کے بیٹے ہیں ان کے خلاف زمین کے پیچھے سے لڑنا رہا ہوں۔“

”اللہ تجھے اپنی رحمت میں رکھے ابن عمار!۔“ ولید نے کہا۔ ”اللہ تمہارے ساتھ ہے۔۔۔ میں نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ ہم دریا پار نہیں کر سکتے۔“

”اللہ کا نام ہے ابن ولید!۔“ مثنیٰ نے کہا۔ ”مجھے امید ہے ہم ان کی منہیں اس طرح درہم برہم کر دیں گے کہ ہمیں ان کے پہلوؤں سے آگے نکلنے اور پیچھے سے ان پر آگے کا موقع مل جائے گا میرے سوار ایک کمر لڑنے والے نہیں۔ یہ گھوم پھر کر لڑنے والے ہیں۔ انہیں آگے دھکیل کر غارت نہیں۔“

خالد اپنی فوج سے کچھ دُور ہی تھے کہ خالد کے عقب سے ایک گھوڑا تیزی سے آیا اور خالد کے قریب سے گزر گیا۔

”پیچھے رہو ابن ولید!۔“ یہ گھوڑ سوار لہکارا۔ ”آتش پرستوں کا یہ سالار میرا لشکر ہے۔“

خالد نے دیکھا۔ وہ ایک مسلمان سوار مختل بن العاصی تھا۔ وہ پہلوان اور تیز رفتاری میں عارثہ اور شہ

”کون ہے ہمارے مقابلے میں آنے والا؟“ ان دونوں سے ایک گھوڑسوار لٹکارا۔ ”ہم اپنے سپہ سالار کے خون کا انتقام لیں گے۔“

”ہیں اکیلا دونوں کے لیے کافی ہوں۔“ خالد نے دشمن کی لٹکار کا جواب دیا اور اڑ لگا۔

انہیں ہٹانے والے دونوں ایرانی سالار قباذ اور انوشجان تھے۔

اماٹک خالد کے عقب سے دو گھوڑے آئے جو اس کے دائیں بائیں سے آگے نکل گئے۔ خالد کو ایک کی لٹکار شانی دی۔ ”مجھے یہ ولید کے بیٹے ان دونوں سالاروں نے ہمارے ہاتھ دیکھ کر ہونے میں۔“

”اب ہم انہیں بھاگ نکلنے کی سہولت نہیں دیں گے۔“ خالد کے لشکر کے دوسرے سوار نے کہا۔

خالد نے دیکھا۔ یہ دونوں سوار جو اس کے قریب سے گزر کر دشمن کے مقابلے میں چلے گئے تھے، اس کے لشکر کے دائیں اور بائیں کے پہلوؤں کے سالار عامر بن عواد مدعی بن حاتم تھے۔ ان دونوں نے پہلوں کا لباس زیب تن کر رکھا تھا اور وہ بن کے مقابلے میں گئے تھے۔ وہ سر سے پاؤں تک کوسہ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

مسلمان سالاروں کو اپنے اللہ پر بھروسہ تھا اور آتش پرست اس زرہ پر تین رکھتے تھے جو انہوں نے پہن رکھی تھی۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ تلوار کے وار کو آہن نہیں عقیدہ رد کا کرتا ہے۔

دونوں طرف سے سالار تھے جو تیغ زنی کی مہارت رکھتے تھے۔ ان کی تلواریں ٹکرانے لگیں۔ مسلمانوں کی تلواریں آتش پرستوں کی زرہ کو کاٹنے سے قاصر تھیں اس لیے وہ محتاط ہو کر وار کرتے تھے تاکہ تلواروں کی دھار کو نقصان نہ پہنچے۔ عامر اور مدعی اس ناک میں تھے کہ دشمن کا کوئی ٹھوک اور غیر محفوظ جسم کا حصہ سامنے آئے تو وہ مقتل کی طرح وار کریں۔ آغا بن دونوں نے باری باری مقتل کی ہی طرح اپنے اپنے دشمن کے قریب جا کر انہیں مرقع دیا کہ وہ اوپر سے تلوار وار کریں۔ آتش پرستوں کے دونوں سالاروں نے وہی غلطی کی جو قاتل نے کی تھی۔ انہوں نے بازو اور پیچھے کی تلواریں ان کی بغلوں میں داخل ہو گئیں اور دونوں کی تلواریں گر پڑیں۔

خالد نے جب دیکھا کہ دشمنوں کا سپہ سالار مارا گیا اور اس کے بعد اس کے وہ دونوں سالار بھی نہیں اپنے لشکر کو منظم طریقے سے اڑاتا تھا، اس لیے گئے ہیں تو خالد نے اپنے لشکر کو حملے کا حکم دے دیا۔

ایرانوں کے لشکر میں وہ بیباکی بھی شامل تھی جو اپنے ہاتھوں پر مسلمانوں کی دہشت سے ہونے جنگ سالار نے بھاگے تھے۔ اب انہوں نے اپنے تین سالاروں کو مرنے دیکھا تو ان کی دہشت میں اضافہ ہو گیا۔ انہوں نے یہ دہشت اپنے سارے لشکر پر پھاری کر دی۔ لشکر کا حوصلہ تو پہلے ہی مجروح ہو چکا تھا۔ یہ لشکر مقابلے کے لیے بہر حال تیار ہو گیا۔ ایرانیوں کو یہ فائدہ حاصل تھا کہ ان کے پیچھے وہ ریختا جس نے ان کے عقب کو محفوظ رکھا ہوا تھا۔ اس دریا کا دوسرا فائدہ انہیں یہ نظر آ رہا تھا کہ اس میں بڑی کشتیاں بندھی ہوئی تھیں جو لشکر کے ساتھ آئی تھیں۔ سپاہ ہونے کے لئے ان کشتیوں نے ان کے کام آتا تھا۔ انہیں یہ بھی دیکھا کہ مسلمان تعاقب میں آسکیں گے۔



خالد کے حملے کا انداز بدلے والا یا اندھا دھند ٹوٹ پڑنے والا نہیں تھا۔ انہوں نے ایک ہی بار اپنے تمام دستے جنگ میں راجد کر دیئے۔ انہوں نے قلب کے دشمنوں کو باری باری آگے بھیجا اور انہیں ہاریت یہ دی کہ وہ دشمن کی صفوں کے اندر نہ جاویں بلکہ دشمن کو اپنے ساتھ آگے لانے کی کوشش کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ خالد پہلوؤں کو اس طرح پھیلانے چلے گئے کہ وہ دشمن پر پہلوؤں سے حملہ کر

کھینچا۔ یہ ڈسپلن کے خلاف تھا کہ کوئی سپاہی یا سوار اپنے سالار پر برتری حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے لیکن وہ وقت ایسا تھا کہ ہندوہ صاحب اور محتاج وغنی ایک ہو گئے تھے۔ سپاہی اور سوار جنگ کا مقصد سمجھتے تھے۔ جو ہندو سپاہیوں میں تھا۔ وہی سالاروں میں تھا۔ مصلحت بن لاشعری یہ برداشت نہ کر سکا کہ اس کا سالار ایک آتش پرست کے ہاتھوں کھال ہو۔

خالد اپنی سپاہ کے ہڈے کو سمجھتے تھے۔ وہ دیکھ گئے۔ انہوں نے اپنے اس سوار کے ہڈے کو مارنے کی کوشش نہ کی۔

مقتل کے گھوڑے کی رفتار تیزی تھی۔ گھوڑا ایرانیوں کے سالار قاتل بن قریانس سے آگے نکل گیا۔ مقتل نے آگے جا کر گھوڑے کو ٹوڑا اور قاتل کو لٹکارا۔ قاتل نے پہلے ہی تلوار اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی اس کے سر پر زنجیروں والا دوٹھا اور اس کا اوپر کا دھڑلہ وہیں تھا۔ اس کی ٹانگوں پر سوتے چپڑے کے خول چڑھے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر انتقام کے تاثرات کی بجائے تکبر تھا جیسے کوسہ اور سوتے چپڑے کا یہ لباس اسے مسلمان کی تلوار سے پہلے گا۔

قاتل نے اپنے گھوڑے کی ہاگ کو جھٹکا دیا۔ دونوں کے گھوڑے ایک دوسرے کے ارد گرد ایک دو پکر لگا کر آئے سامنے آ گئے۔

”اسے آگ کے پوجنے والے!“ مصلحت نے بڑی بلند آواز سے کہا۔ ”ہیں سپاہی ہوں، سالار نہیں ہوں۔“

قاتل بن قریانس کے چہرے پر دعوت کے آثار اور زیادہ نمایاں ہو گئے۔ دونوں گھوڑے ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ ان کے سواروں کی تلواریں بلند ہوئیں۔ پہلے وار میں تلواریں ایک دوسری سے ٹکرانیں اور دونوں سوار پیچھے ہٹ گئے۔ گھوڑے ایک بار پھر ایک دوسرے کی طرف آئے۔ تلواریں ایک بار پھر ہوا میں ٹکرانیں۔ اس کے بعد گھوڑے پیچھے ہٹ گئے اور گھوڑے گھوم کر ایک دوسرے کی طرف آئے۔ دونوں سوار ایک دوسرے پر وار کرتے رہے۔ آخری بار قاتل نے تلوار بلند کی۔ مقتل نے وہ وار روکنے کا بجائے اس کی بغل کو ٹٹکا دیکھا تو تلوار بھی کی طرح اس کی بغل میں اتنی فور سے ماری کہ تلوار قاتل کے جسم میں ڈور تک اتر گئی۔ قاتل کے اسی ہاتھ میں تلوار تھی جو اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ قاتل گھوڑے پر ایک طرف ٹٹکا مصلحت نے اب اس کی گردن دیکھی جس سے قاتل کے آہنی خود کی زنجیریں سر ہٹ کر پینچنے کو لٹک آئی تھیں۔

مصلحت نے پوری طاقت سے گردن پر لیا وار کیا کہ تلوار اور دعوت سے اکڑی ہوئی گردن صاف کٹ گئی۔ مسلمانوں کے لشکر سے داد و تحسین اور اللہ اکبر کے نعرے رعد کی طرح کولنے لگے۔

قاتل بن قریانس کا سر زمین پر پڑا تھا۔ اس کے زنجیروں والے خود کے پینچے اس کی حیثیت کے مطابق ایک لاکھ درہم کے بیرون والی ٹوٹی تھی۔ ایسی ہی ٹوٹی تھی۔ قاتل کا باقی دھڑلہ گھوڑے سے لٹک گیا لیکن اس کا ایک پاؤں رکاب میں چپس گیا۔ مقتل نے قاتل کے گھوڑے کو ٹٹکا مارا۔ گھوڑا قاتل کے جسم کو گھسیٹا تو دونوں فوجوں کے درمیان بے لگام دوڑنے لگا۔ ایرانیوں کے لشکر پر موت کا نشانہ طاری تھا۔



آتش پرستوں کی صفوں سے دو گھوڑے آگے آئے۔

سکیں۔ دشمن کے سپہ سالار دو سالاروں کی لڑائیں گھوڑوں کے نموں تلے کچی مٹی لگی تھیں۔ یہ فارس کی شہنشاہی کا غور تھا جو مسلمانوں کے گھوڑوں تلے پگھلا جا رہا تھا۔ اس صورت حال میں آتش پرستوں کے حوصلے مر سکتے تھے، بہادر نہیں ہو سکتے تھے۔ مسلمانوں کے نعرے اور ان کی لٹاکر ان کے پاؤں اٹھا رہی تھی۔

”زرتشت کے پیارے! اللہ کو مانو“

”ہم ہیں محمد کے شہیاد“

اور اللہ اکبر کے نعروں سے فضا کانپ رہی تھی۔

چوٹ و خروش تو شہنشاہ بن حارث کے سواروں کا تھا۔ ان کی لٹاکر الگ تھلک تھی۔

”اپنے غلاموں کی ضرب دیکھو“

”آج غلاموں سے خون کا حساب لیں گے“

”بلاؤ اُردو شیر کو“

”زرتشت کو آواز دو“

ایرانی سپاہ کے حوصلے جواب دینے لگے۔ ان کی دھڑکی کھڑی نہ ان کے جسم توڑ دیئے یہ کمزوری ان کے ہتھیاروں کا اور زہر کا بوجھ تھا۔ وہ تھکن محسوس کرنے لگے۔ خالد نے جو اپنی سپاہ کے ساتھ پاہوں کی طرح لڑ رہے تھے، بھانپ لیا کہ آتش پرست ڈھیل پڑتے جا رہے ہیں۔ انہوں نے جس شدت سے مقابلہ اور جوابی حملوں کا آغاز کیا تھا، اس شدت میں نمایاں کمی نظر آنے لگی۔ خالد نے اپنے قائد پہلوؤں کے سالاروں عام اور عدی کی طرف اس حکم کے ساتھ دوڑا دیئے کہ اپنے اپنے پہلوؤں کو اور باہر لے جا کر بیک وقت دشمن کے پہلوؤں پر حملہ کریں۔

اس کے ساتھ ہی خالد نے قلب کے پیچھے رکھے ہوئے محفوظ کئے دستے کو دشمن کے قلب پر حملہ کا حکم دے دیا۔ ان دستوں کو جو پہلے موج دوم کے انداز سے حملہ کر رہے تھے، خالد نے پیچھے ہٹا لیا تاکہ وہ جوش و خروش میں ایسی تھکن محسوس نہ کرنے لگیں جو ان کی برداشت سے باہر ہو جائے۔

ایرانی لشکر مسلمانوں کے نئے حملوں کی تاب نہ لا سکا۔ ان کا جانی نقصان بہت ہو چکا تھا۔ اب وہ بکھرے لگے۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ پیچھے جو ایرانی سپاہی تھے وہ دریا کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ اس وقت مسلمانوں کو وہ کشتیاں دکھائی دیں جو سینکڑوں کی تعداد میں دریا کے کنارے بندھی تھیں۔

”کشتیاں توڑ دو“ ایک مسلمان کی لٹاکر سنا دی۔

”دشمن بھاگنے کے لیے کشتیاں ساتھ لیا ہے۔“ ایک اور لٹاکر سنا دی۔

جب یہ لٹاکر خالد تک پہنچی تو انہوں نے وائیں وائیں قائد اس حکم کے ساتھ دوڑا دیئے کہ دشمن کے عقب میں جانے کی کوشش کرو اور اس کی کشتیاں توڑ دو یا ان پر قبضہ کر لو۔ قبضہ کر لینے کی صورت میں یہ کشتیاں خالد کے لشکر کے کام آ سکتی تھیں انہیں بھی دریا پار کرنا تھا۔

جب یہ حکم سالاروں تک اور سالاروں سے سپاہیوں تک پہنچا تو یہی ایک لٹاکر بلند ہونے لگی۔

”کشتیاں تک پہنچو... کشتیاں بیکار کر دو... کشتیاں پکڑ لو“

اس لٹاکر نے آتش پرستوں کا رہا سہا دم خم بھی توڑ دیا۔ زندہ بھاگ نکلنے کا ذریعہ یہی کشتیاں تھیں جو مسلمانوں نے دیکھی تھیں۔ ایرانیوں نے لڑائی سے منموڑ کر کشتیوں کا رخ کیا۔ وہ ایک دوسرے سے پہلے کشتیوں میں سوار ہونے کے لیے دھکم پیل کرنے لگے۔ ان کی حالت ڈری ہوئی بھیڑوں کی مانند ہو گئی جو ایک دوسری کی آڑ میں چھپنے کی کوشش کیا کرتی ہیں۔ ایرانی سپاہیوں نے کشتیوں پر سوار ہونے کے لیے گھوڑے چبوترے دیئے، حالانکہ کشتیاں اتنی بڑی تھیں کہ ان پر گھوڑے بھی نہ جاسکتے تھے۔ یہ بخارہ موقع جب مجاہدین اسلام کے ہاتھوں آتش پرستوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ وہ کشتیوں میں سوار ہونے کی کوشش میں کٹ رہے تھے۔ ان میں سے جو کشتیوں میں سوار ہو گئے اور رستے کھل کر کشتیاں کنارے سے چٹاے گئے، ان میں زیادہ تر مسلمانوں کے بیڑوں کا نشانہ بن گئے۔ پھر بھی کچھ خوش نصیب تھے جو بچ کر نکل گئے۔

تقریباً تمام موتوں نے لکھا ہے کہ اس معرکے میں تیس ہزار ایرانی فوجی مارے گئے۔ زخمیوں کی تعداد کسی نے نہیں کہی۔ تصور کیا جا سکتا ہے کہ جہاں اتنی اموات ہوئیں وہاں زخمیوں کی تعداد اموات کے ہی گگ بھگ ہوگی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شہنشاہ فارس کی اس جنگی قوت کا بٹ ٹوٹ گیا تھا جسے ناقابل ترمیم سمجھا جاتا تھا۔

اللہ کی عنایت سے کسریٰ کی طاقت اور غرور پر ضرب کاری لگائی تھی جس نے مدائن میں کسریٰ کے ابوہنن کو بلا ڈالا تھا۔

دربارے مقتل کے کنارے خون میں ڈوب گئے تھے۔ میدان جنگ کا منظر بڑا ہی بھیاناک تھا۔ دُور دُور تک لاشیں اور ترپنے زخمی کچھرے نظر آتے تھے۔ زخمی گھوڑے دوڑتے پھرتے اور زخمیوں کو روکنے پھرتے پھر رہے تھے۔ مجاہدین اسلام اپنے زخمی ساتھیوں کو اور شہیدوں کی لاشوں کو اٹھا رہے تھے۔ میدان خون سے لال ہو گیا تھا۔

خالد ایک بلند جگہ پر کھڑے میدان جنگ کو دیکھ رہے تھے۔ ایک طرف سے ایک گھوڑا گھوڑے کو سرٹ دوڑانا آیا۔ اُس نے خالد کے قریب آکر گھوڑا روکا۔ وہ شہنشاہ بن حارث تھا۔ گھوڑا خالد کے گھوڑے کے پہلو کے ساتھ کر کے مٹنی گھوڑے پر ہی خالد سے گفتگو کیا۔

”ابن ولید!“ شہنشاہ نے جذبات سے لڑتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں نے آج مظلوم مسلمانوں کے خون کا انتقام لے لیا ہے۔“

”ابھی نہیں ابن حارث!“ خالد نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ”ابھی تو ابتدا ہے۔ ہمارے لیے اہل فخر اب شروع ہوا ہے۔ کیا تم نے ان کشتیوں کی تعداد نہیں دیکھی؟ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یہ کشتیاں کتنی بڑی اور کتنی مضبوط تھیں؟ اور تم نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ فارسیوں کے پاس ساز و سامان کس قدر زیادہ ہے۔ ان کے وسائل بڑے وسیع ہیں۔ ہم اپنے دشمن سے بہت دُور آگئے ہیں۔ ہمیں اب انہی سے ہتھیار اور سبھی چیزیں کر اپنی ضرورت پوری کرنی ہے۔ یہ کام آسان نہیں ابن حارث! اور میرے لیے یہ بھی آسان نہیں کہ میں ان دشمنیوں اور محرومیوں سے گھبرا کر ہمیں سے واپس پلٹاؤں۔“

”ہم واپس نہیں جائیں گے ابن ولید!“ شہنشاہ نے پُر عزم لہجے میں کہا۔ ”میں کسریٰ کے ابوہنن کی

ایٹھ سے ایٹھ بجائی ہے۔ یہیں ان آتش پرستوں پر یہ ثابت کر لہے کہ جھوٹے 'خدا' کسی کی دیکھی نہیں کر سکتے۔



خالد نے اپنے سالاروں کو بلایا۔ اس سے پہلے وہ مال غنیمت اکٹھا کرنے کا حکم دے چکے تھے۔
 "ہماری مشکلات اب شروع ہوئی ہیں۔" خالد نے اپنے سالاروں سے کہا۔ "ہم اس وقت دشمن کی سرزمین پر کھڑے ہیں۔ یہاں کے درخت اور یہاں کے پتھر اور اس مٹی کا ذرہ ذرہ ہمارا دشمن ہے۔ یہاں کے لوگ ہمارے لیے اجنبی ہیں۔ ان لوگوں پر فارس کی شہنشاہی کی دہشت طاری ہے۔ یہ لوگ اردو شیر کو فرعون سمجھتے ہیں۔ یہ بڑی مشکل سے مابین گے کہ کوئی ایسی طاقت بھی ہے جس نے فارس کی شہنشاہی کا جُت توڑ ڈالا ہے۔۔۔"

"میرے رفیقو! یہاں کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملائے بغیر ہم یہاں ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔ ہم کسی سے تعاون کی جھبک نہیں مانگیں گے۔ ہم محبت سے ان کے دل موہ لینے کی کوشش کریں گے اور جس پر یہ ذرا سبھی شک ہو گا کہ وہ ہمیں ظاہری طور پر یا درپردہ نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے اُسے ہم نذر رہنے کے حق سے محروم کر دیں گے۔ ہم ان لوگوں کو غلام بنانے نہیں آئے۔ ہم انہیں غلامی سے اور باطل کے عقیدوں سے نہایت دلانے آئے ہیں۔ جو علاقے ہم نے لے لیے ہیں ان کے انتظامی امور کی طرف فوری توجہ دینی ہے۔ یہاں مسلمان بھی آباد ہیں۔ وہ یقیناً ہمارا ساتھ دیں گے، لیکن میرے دوستو! کسی پر صرف اس لیے اعتماد نہ کر لیا کہ وہ مسلمان ہے۔ غلامی اتنی بُری چیز ہے کہ انسانوں کی فطرت بل ڈالتی ہے۔۔۔"

"یہاں کے مسلمانوں کو اعتماد میں لے کر ان سے مدد کرنا ہے کہ شہنشاہ فارس کے حامی کون کون ہیں۔ ان کی چھان بین کر کے ان کے درجے مقرر کرنے ہیں جس پر ذرا سبھی شک ہو اُسے گرفتار کر لو اور جو غیر مسلم سچے دل سے ہمارے ساتھ تعاون کو ناپا جانتا ہے اُسے اسلام کی دعوت دو۔۔۔ میں مختلف شعبے قائم کر رہا ہوں۔ خالد نے مفتوحہ علاقوں کے باشندوں پر سب سے زیادہ توجہ دی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ جو غیر مسلم باشندے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لیں گے اُن سے جزیہ وصول کیا جائے گا اور مسلمان انہیں اپنی پناہ دی سمجھیں گے۔ اُن کی ضروریات اور ان کے جان و مال کا تحفظ مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی۔

اس اعلان کے ساتھ ہی بیشتر باشندے مسلمانوں کی پناہ میں آ گئے۔ خالد نے اس علاقے سے جزیہ اور محصولات وغیرہ جمع کرنے کے لیے ایک شعبہ قائم کر دیا جس کا نگران سوید بن مقرب کو مقرر کیا گیا۔ دوسرا شعبہ جس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی وہ جاسوسی کا شعبہ تھا۔ اب باقاعدہ اور ماہرانہ جاسوسی کی ضرورت تھی۔ خالد نے اُسی وقت اپنے جاسوس جو اُسی علاقے کے رہنے والے مسلمان تھے، دریائے فرات کے پار بھیج دیئے۔

جب مال غنیمت جمع ہو گیا تو دیکھا کہ یہ جنگ سلاسل کی نسبت خاصا زیادہ مختار۔ خالد نے اس کے پانچ حصے کئے۔ چار اپنی سپاہ میں تقسیم کر کے پانچوں حصہ مدینہ بھیج دیا۔
 مورخ لکھتے ہیں کہ اس سے پہلے خالد کو اتنا سنجیدہ اور اتنا تفکر کبھی نہیں کیا گیا تھا جتنا وہ اب تھے۔

مئی ۶۳۳ء کے پہلے مہینے میں جو ماہ صفر ۱۲ ہجری کا تیسرا ہفتہ تھا، زرتشت کے پیجاویوں کے لئے دریا سے فرات کا سرسبز و شاداب خطہ جہنم بن گیا تھا۔

کس قدر ناز تھا انہیں اپنی جنگی طاقت پر، اپنی شان و شوکت پر، اپنے گھوڑوں اور ہاتھیوں پر۔ وہ تو فرعونوں کے ہم قدم ہوئے کا دعویٰ کرنے لگے تھے اور کسریٰ دہشت کی علامت بننا چاہتا تھا۔ دجلہ اور فرات کے سنگم کے وسیع علاقے میں خالد نے جنہیں رسول اکرم نے اللہ کی تلوار کا خطاب دیا تھا، فارس کے زرتشتوں کو بہت بُری شکستیں دی تھیں اور اُن کے ہر مزہ، قارن بن قربانس، انوشجان اور قباذ جیسے سالاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا لیکن کسریٰ اردو شیر نے اچھی شکست تسلیم نہیں کی تھی اُس کے پاس ابھی بے پناہ فوج موجود تھی اور مدینہ کے مجاہدین کو وہ اب بھی بداد و صحرائی ٹیسرے کہتا تھا۔ اُس نے شکست تسلیم تو نہیں کی تھی لیکن شکست اور اپنے نامور سالاروں کی مسلمانوں کے ہاتھوں موت کا جو اُسے صدمہ ہوا تھا، اسے وہ چھپانے کا ہر ذریعہ کی موت کی اطلاع پر وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دہرا رہا تھا۔ اُس نے سنبھلنے کی بہت کوشش کی تھی لیکن ایسے مرض کا آغاز ہو چکا تھا جس نے اُسے بستر پر گرا دیا تھا۔ مرنے والوں نے اُس مرض کو صدمہ کا اثر لکھا ہے۔

"کیا میرے لیے شکست اور پانی کے سوا اب کوئی خبر نہیں رہ گئی؟" اُس نے بستر پر اٹھ کر غصے سے گرج کر کہا۔ کیا مدینہ کے مسلمان چمات ہیں؟ کیا وہ کسی کو نظر نہیں آتے اور وار کر جاتے ہیں؟

طیب، اردو شیر کی منظور نظر دو جوان سال بیویاں اور اُس کا وزیر حیران اور پریشان کھڑے اُس کا صدمہ کو گھور رہے تھے جو ایرانیوں کی فوج کی ایک اور شکست اور پانی کی خبر لایا تھا۔ اُس کے آنے کی جب اطلاع اندر آئی تو طیب نے باہر جا کر قاصد سے پوچھا تھا کہ وہ کیا خبر لایا ہے۔ قاصد نے خبر سنائی تو طیب نے اُسے کہا تھا کہ وہ کسریٰ کو ابھی ایسی بُری خبر سنائے کہ نہ تو اُس کی طبیعت اس کی تحمل نہیں ہو سکے گی لیکن یہ قاصد کوئی معمولی سا ہی نہیں تھا کہ وہ طیب کا کاماں جاتا۔ وہ پرانا کاماں تھا۔ اس کا خود سالاری سے دوہی درجے کم تھا۔ اُسے کسی سالار نے نہیں بھیجا تھا۔ اُسے بھیجنے کے لیے کوئی رازگار نذر نہیں رہا تھا۔

طیب کے روکنے سے وہ نہ رکا۔ اُس نے کہا کہ اُسے کسریٰ کی صحت کا نہیں فارس کی شہنشاہی اور زرتشت کی عظمت کا غم ہے۔ اگر شہنشاہ اردو شیر کو اُس نے دجلہ اور فرات کی جنگی کیفیت کی بُری اطلاع نہ دی تو مسلمان مہمان کے دروازے پر آدھمکیں گے۔ اُس نے طیب کی اور کوئی بات نہ سنی اور چلا گیا اور اردو شیر کو بتایا کہ مسلمانوں نے فارس کی فوج کو بہت بُری شکست دی ہے۔ اردو شیر لیٹا ہوا تھا اٹھ بٹھا۔ غصے سے اُس کے ہونٹ اور اُس کے ہاتھ کا نپ رہے تھے۔

شے شکست کا صرف انتقام نہیں لینا، ان کی لاشیں فرات میں بہا دینی ہیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ فوج لے کر جاؤ۔ تم اس علاقے سے واقف ہو تو تم بہتر سمجھتے ہو کہ مسلمانوں کو کہاں قید کر لانا چاہیے۔

”وہ ریگستان کے رہنے والے ہیں۔“ اندرزغر نے کہا۔ ”اور وہ ریگستان میں ہی لڑ سکتے ہیں۔ میں انہیں سرسبز اور دلدلی علاقے میں آنے دوں گا اور ان پر حملہ کروں گا۔ میری نظر میں دیکھو موزوں علاقہ ہے۔“ اس نے کماندار سے پوچھا۔ ”اُن کے گھوڑے سوار کیسے ہیں؟“

”اُن کے سوار دستے ہی اُن کی اصل طاقت ہیں۔“ کماندار نے کہا۔ ”اُن کے سوار بہت تیز اور ہوشیار ہیں۔ دوڑتے گھوڑوں سے اُن کے چلا تے ہوئے تیر خفا نہیں جاتے۔ اُن کے سواروں کا حملہ بہت تیزی سے ہوتا ہے۔ وہ حملہ کر نہیں لڑتے۔ ایک کلمہ بول کر ادھر ادھر بد جانتے ہیں۔“

”یہی وہ راز ہے جو ہمارے سالار نہیں سمجھ سکے۔“ اندرزغر نے اپنی ران پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”مسلمان آئے سنا سننے کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ہم اُن سے کبھی کتنا زیادہ فوج لے جائیں گے۔ میں انہیں اپنی فوج کے نیم دائرے میں لے کر مجبور کر دوں گا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے آئیں۔ سامنے کی لڑائی لڑیں۔“

”اندرزغر!۔“ ارد شیر نے کہا۔ ”یہاں ٹیڑھے کر منصوبہ بنا لینا آسان ہے لیکن دشمن کے سامنے جا کر اس منصوبے پر اس کے مطابق عمل کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کماندار نے ایک بات بتائی ہے۔ اس پر غور کرو۔ یہ کہتا ہے کہ مسلمان اپنے مذہب اور اپنے عقیدے کے وفادار ہیں اور وہ اپنے خدا اور اپنے رسول کا نام لے کر لڑتے ہیں۔ کیا ہماری فوج میں اپنے مذہب کی وفاداری ہے؟

... اتنی نہیں جتنی مسلمانوں میں ہے۔ اور اس پر بھی غور کرو اندرزغر! مسلمان اپنے علاقے سے بہت دُور آگئے ہیں۔ یہ ان کی کمزوری ہے۔ یہاں کے لوگ اُن کے خلاف ہوں گے۔“

”میں شہنشاہ!۔“ کماندار نے کہا۔ ”فارس کے جن علاقوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا ہے، وہاں کے لوگ اُن کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ اُن کا سلوک ایسا ہے کہ لوگ انہیں پسند کرنے لگتے ہیں۔ وہ قتل صرف انہیں کرتے ہیں جن پر انہیں کچھ شک ہوتا ہے۔“

”یہاں کے وہ عربی لوگ اُن کے ساتھ نہیں ہو سکتے جو عیسائی ہیں۔“ اندرزغر نے کہا۔ ”میرے دل میں ان لوگوں کی جو محبت ہے اسے وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ میں انہیں اپنی فوج میں شامل کروں گا۔ ہم یہاں کے مسلمانوں پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ یہ ہمیشہ باغی رہے ہیں۔ ان پر ہمیں کڑی نظر رکھنی پڑے گی۔ ان کی وفاداریاں مدینہ والوں کے ساتھ ہیں۔“

”ان مسلمانوں کے ساتھ پہلے سے زیادہ ہراساں کر دو۔“ ارد شیر نے کہا۔ ”انہیں اُسٹنے کے قابل نہ چھوڑو۔“

”ہم نے انہیں یروشلم کا درجہ دے رکھا ہے۔“ اندرزغر نے کہا۔ ”انہیں بھوکا رکھا ہے۔ ان کی کھیتوں سے جو فصل اٹھا کر لے آتے ہیں اور انہیں صرف اتنا دیتے ہیں جس پر وہ صرف زندہ رہ سکتے ہیں لیکن وہ اسلام کا نام لینے سے باز نہیں آتے۔ رنجو کے مر جانا پسند کرتے ہیں۔“

”شہنشاہ فارس!۔“ کماندار نے کہا۔ ”مدینہ والے جنات نہیں۔ وہ سب کو نظر آتے ہیں۔“

”کیا قارن مر گیا تھا؟۔“ ارد شیر نے غصے سے پوچھا۔

”ہاں شہنشاہ!۔“ کماندار نے جواب دیا۔ ”وہ ذاتی مقابلے میں مارا گیا تھا۔ اُس نے دونوں فوجوں کی لڑائی تو دیکھی ہی نہیں۔“

”مجھے اطلاع دی گئی تھی کہ قبا ز اور انوشجان بھی اُس کے ساتھ تھے۔“

”وہ بھی قارن کے انجام کو پہنچ گئے تھے۔“ کماندار نے کہا۔ ”وہ قارن کے قتل کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ دونوں نے اکٹھے آگے بڑھ کر مدینہ کے سالاروں کو لکڑا اور دونوں مارے گئے۔“

... شہنشاہ فارس! کیا فارس کی اس عظیم شہنشاہی کو اس انجام تک پہنچنا ہے؟... نہیں... نہیں... گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔ اگر کسی نے صدے سے اپنے آپ کو یوں روک لگایا تو کیا ہم زرتشت کی عظمت کو مدینہ کے بدوؤں سے بچا سکیں گے؟

”تم کون ہو؟۔“ ارد شیر نے پوچھا۔

”میں کماندار ہوں۔“ کماندار نے جواب دیا۔ ”میں کسی کا بھیجا ہوا قاصد نہیں۔ میں زرتشت کا جاں نثار ہوں۔“

”دربان کو بلاؤ۔“ ارد شیر نے حکم دیا۔ ”تم نے مجھے نیا حوصلہ دیا ہے۔... مجھے یہ بتاؤ کہ کیا مسلمانوں کی نفرت زیادہ ہے؟ کیا اُن کے پاس گھوڑے زیادہ ہیں؟ کیا ہے اُن کے پاس؟

دربان اندر آیا اور حکم کے انتظار میں جھک کر دوبارہ ہو گیا۔

”سالار اندرزغر کو فوراً بلاؤ۔“ ارد شیر نے دربان سے کہا اور کماندار سے پوچھا۔ ”کیا ہے اُن کے پاس؟... بیٹے جاؤ اور مجھے بتاؤ۔“

”ہمارے مقابلے میں اُن کے پاس کچھ بھی نہیں۔“ کماندار نے جواب دیا۔ ”اُن میں لڑنے کا جذبہ ہے۔ میں نے اُن کے نعرے سنے ہیں۔ وہ نعروں میں اپنے خدا اور رسول کو پکارتے ہیں۔ میں نے اُن میں اپنے مذہب کا جھنڈا دیکھا ہے۔ وہ اپنے عقیدے کے بہت پختے ہیں اور یہی اُن کی طاقت ہے۔ ہر میدان میں اُن کی تعداد بڑھتی ہے۔“

”مٹھ جاؤ۔“ ارد شیر نے کہا۔ ”اندرزغر آ رہا ہے۔ مجھے اپنے اس سالار پر بھروسہ ہے۔ اسے بتاؤ کہ ہماری فوج میں کیا کمزوری ہے کہ اتنی زیادہ تعداد میں ہوئے ہوئے بھاگ آتی ہے۔“

☆

”اندرزغر!۔“ ارد شیر بستر پر نیم دراز تھا۔ اپنے ایک اوزار کو سالار سے کہنے لگا۔ ”کیا تم نے سنا نہیں کہ قارن بنی قریاں بھی مارا گیا ہے؟ قبا ز بھی مارا گیا اور انوشجان بھی مارا گیا ہے؟“

اندرزغر کی آنکھیں ٹھٹھکیں جیسے حیرت نے اُس پر کھٹکے طاری کر دی ہو۔

”اسے بتاؤ کماندار!۔“ ارد شیر نے کماندار سے کہا۔ ”کیا میں ان حالات میں زندہ رہ سکوں گا؟“

کماندار نے سالار اندرزغر کو تفصیل سے بتایا کہ مسلمانوں نے انہیں دریا سے متصل کے کنارے کس طرح شکست دی ہے اور یہ بھی تفصیل سے بتایا کہ مدائن کی فوج کس طرح بھاگی ہے۔

”اندرزغر!۔“ ارد شیر نے کہا۔ ”ہم اب ایک اور شکست کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ مسلمانوں

لیکن اپنا مذہب نہیں چھوڑتے۔

”یہی ان کی قوت ہے۔“ کماندار نے کہا۔ ”ورنہ ایک آدمی دس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کچھ بڑوں میں طبع آدمی زہرہ پوش کو قتل نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں نے یہ کر کے دکھا دیا ہے۔“

”میں اس قوت کو بچل ڈالوں گا۔“ اُردشیر نے بلند آواز سے کہا۔ ”اندزغر! ابھی ان مسلمانوں کو نہ چھوڑنا جو ہماری رعایا ہیں۔ انہیں دھوکہ دو کہ ہم انہیں چاہتے ہیں۔ پہلے ان کا صفایا کرو جنہوں نے ہماری شہنشاہی میں قدم رکھنے کی جرأت کی ہے۔ اس کے بعد ہم ان کا صفایا کریں گے جو ہمارے سامنے ہیں مسلمانوں کی طرح بل رہے ہیں۔“

✱

اسی روز اُردشیر نے اپنے وزیر، اندزغر اور اس کے ماتحت سالاروں کو بلایا اور انہیں کہا کہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ ہم مذہب پر حملہ کرتے اور اسلام کا وہیں خاتمہ کر دیتے لیکن حکم انہوں نے کر دیا ہے اور ہماری فوج ان کے آگے بھاگی بھاگی پھر رہی ہے۔

”صرف دو سو عسکروں میں ہمارے چار سالار مارے گئے ہیں۔“ اُردشیر نے کہا۔ ”ان چاروں کو میں اپنی جنگی طاقت کے متوازن سمجھتا تھا، لیکن ان کے مرجانے سے کسری کی طاقت نہیں مگر یہ سب کان کھول کر جو سالار یا نائب سالار شکست کھا کر واپس آئے گا، اُسے میں جلاؤ کے حوالے کر دوں گا۔ اُس کے لیے یہی بہتر ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو خود ہی ختم کر لے یا کسی اور طرف نکل جائے، فارس کی سرحدیں قدم نہ رکھیں۔“

”اندزغر! تم مداخلت اور اردگرد سے جس قدر فوج ساتھ لے جانا چاہو لے جاؤ۔ سالار ہمیں کہیں نے پیغام بھیج دیا ہے کہ وہ اپنی تمام تر فوج کے ساتھ فلزات کے کنارے ولجہ کے سمت پر پہنچ جائے۔ ہم اُس سے جلد ہی دیکھ بیٹھ جاؤ گے۔ وہاں مجید زن ہو کر ہمیں کا انتظار کرنا جو اب وہ آجائے دونوں مل کر مسلمانوں کو گھیرے میں لینے کی کوشش کرنا۔ ان کا کوئی آدمی اور کوئی ایک جانور بھی زندہ نہ رہے۔ ان کی تعداد ہمارے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ میں کوئی مسلمان قیدی نہیں دیکھنا چاہتا میں ان کی لاشیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں دیکھنے آؤں گا کہ ان کے گھوڑوں اور اڈوں کے مدار ان کی لاشوں کے درمیان پڑے ہیں نہیں زلزلت کے نام چلٹ اٹھنا ہوگا کہ فوج حاصل کرو گے یا موت۔“

”اندزغر! دونوں فوجوں کا سپہ سالار ہوگا۔“ اندزغر ہاتھ اٹھا کر دہن میں کوئی شک اور سوچ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بھی سوجھ بوجھ نہ کہ مسلمان اور آگے بڑھ آتے اور ہمیں ایک اور شکست ہوئی تو رومی بھی ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔“

”شہنشاہ فارس اب شکست کی آواز نہیں سنیں گے۔“ سالار اندزغر نے کہا۔ ”مجھے اجازت دیں کہ میں عیسائیوں کو اپنے ساتھ لے لوں۔ اس سے میری فوج میں ہتھیار اضافہ ہو سکتا ہے۔“

”تم جو بہتر سمجھتے ہو وہ کرو۔“ اُردشیر نے کہا۔ ”لیکن میں وقت ضائع کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ اگر عیسائی ہمارے ساتھ دفا کرتے ہیں تو انہیں ساتھ لے لو۔“

✱

یہ عراق کا علاقہ تھا جہاں عیسائیوں کا ایک بہت بڑا قبیلہ بکریں و اٹل آباد تھا۔ یہ لوگ عرب کے رہنے والے تھے۔ اسلام پھیلنا چلا گیا اور یہ عیسائی جو اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے، عراق کے اس علاقے میں اکٹھے ہوتے رہے اور یہیں آباد ہو گئے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو کسی وقت ایرانیوں کے خلاف لڑے اور جنگی قیدی ہو گئے تھے۔ ایرانیوں نے انہیں اس علاقے میں آباد ہونے کے لیے آزاد کر دیا تھا۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہیں شہنی بن جانشینا فائدہ مل گیا تھا جس نے انہیں بچا مسلمان بنادیا تھا۔ مسلمانوں پر تو ایرانی نے پناہ ظلم و تشدد کرتے تھے لیکن عیسائیوں کے ساتھ ان کا رویہ کچھ بہتر تھا۔ موزوں نے لکھا ہے زرتشتی سالار اندزغر ہرنز کی طرح ظالم نہیں تھا۔ مسلمانوں پر اگر وہ ظلم نہیں کرتا تھا تو انہیں اچھا بھی نہیں سمجھتا تھا، عیسائیوں کے ساتھ اس کا سلوک بہت اچھا تھا۔ اُسے اب عیسائیوں کی مدد کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اُس نے ان کے قبیلہ بکریں و اٹل کے بڑوں کو بلایا۔ وہ اطلاع ملتے ہی دوڑے آئے۔

”اگر تم میں سے کسی کو میرے خلاف شکایت ہے تو مجھے بتاؤ۔“ اندزغر نے کہا۔ ”میں اس کا انزال کر دوں گا۔“

”کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ سالار ہمیں فوراً بتا دے کہ ہمیں کیوں بلایا گیا ہے؟“ ایک بوڑھے نے کہا۔ ”ہم آپ کی رعایا ہیں ہمیں شکایت ہوئی بھی تو نہیں کریں گے۔“

”ہمیں کوئی شکایت نہیں۔“ ایک اور نے کہا۔ ”ہم نے جو کہنا ہے وہ کہیں؟“

”مسلمان بڑھے چلے آ رہے ہیں۔“ اندزغر نے کہا۔ ”شہنشاہ فارس کی فوج انہیں فرات میں ڈوب دے گی لیکن ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔ ہمیں تمہارے جوان بیٹوں کی ضرورت ہے۔“

”اگر شہنشاہ فارس کی فوج اسلامی فوج کو فرات میں ڈوب دے گی تو آپ کو ہمارے بیٹوں کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے؟“ وفد کے بڑوں میں سے ایک نے پوچھا۔ ”ہم سن چکے ہیں کہ فارس کی فوج کے چار سالار مارے گئے ہیں۔ آپ ہم سے پوچھتے کیوں ہیں؟ ہم آپ کی رعایا ہیں ہمیں حکم دیں۔ ہم کس شہنی کی جرأت نہیں کر سکتے۔“

”میں کسی کو اپنے حکم کا پابند کر کے میدان جنگ میں نہیں لے جانا چاہتا۔“ اندزغر نے کہا۔ ”میں تمہیں تمہارے مذہب کے نام پر فوج میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ یہیں زمین کے کسی خطے کے لیے نہیں اپنے مذہب اور اپنے عقیدوں کے تحفظ کے لیے لڑنا ہے۔ مسلمان صرف اس لیے فوج پر فوج نازل کرتے چلے آ رہے ہیں کہ وہ اپنے مذہب کی خاطر لڑ رہے ہیں۔ وہ جس علاقے کو فتح کر تے ہیں وہاں کے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کو کہتے ہیں جو لوگ اسلام قبول نہیں کرتے ان سے مسلمان جزیرہ وصول کرتے ہیں۔“

”کیا یہ غلط ہے کہ تم میں وہ بھی ہیں جو اس لیے اپنے گھر وں سے بھاگے تھے کہ وہ اسلام قبول نہیں کرنا چاہتے تھے؟ کیا تم پسند کرو گے کہ مسلمان انہیں عبادت گاہوں کے دروازے بند کر دیں؟ کیا تم برداشت کرو گے کہ مسلمان تمہاری بیٹیوں کو لونڈیاں بنا کر اپنے ساتھ لے جائیں؟“

”اندزغر! تو سمجھو گے کہ ہمیں تمہاری نہیں بلکہ تمہیں ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ ہم تمہیں ایک فوج دے رہے ہیں۔ اسے اور زیادہ طاقتور بناؤ اور اپنے مذہب کو ایک بے بنیاد مذہب بن جاؤ۔“

اندرونی نے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف ایسا مشتعل کیا کہ وہ انہی وقت واپس گئے اور (مورخوں کی تحریروں کے مطابق) اپنے قبیلے کی ہر بستی میں جا کر اعلان کرنے لگے کہ مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر قتل و غارت اور لوٹ مار کرتا چلا آ رہا ہے۔ وہ صرف اُسے سختی میں جو ان کا مذہب قبول کر لیتا ہے۔ وہ جو ان اور کرسن لوگوں کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔

”اپنی لڑکیوں کو چھپاؤ۔“

”مال دولت زمین میں دبا دو۔“

”عورتیں بچوں کو لے کر جنگوں میں چلی جائیں۔“

”جو ان آدمی ہتھیار، گھوڑے اور اداؤں لے کر ہمارے ساتھ آجائیں۔“

”شہنشاہ فارس کی فوج ہمارے ساتھ ہے۔“

”یسوع مسیح کی قسم، ہم اپنی عزت پر کھڑے مریں گے۔“

”اپنا مذہب نہیں چھوڑیں گے۔“

ایک شور تھا، لاکھ بھٹی جو آمدنی کی طرح دشت جبل کو، جن وائس کو لپیٹ میں لیتی آ رہی تھی۔ کوئی بھی کسی سے نہیں پوچھتا تھا کہ یہ سب کیا ہے؟ کس نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے؟ کہ ہر سے آ رہا ہے؟ جو شورش و خروش تھا۔ عیسائی ماہیں اپنے جوان بیٹوں کو نصیحت کر رہی تھیں بھولے خاندانوں کو، ہمیں بھائیوں کو الوداع کہہ رہی تھیں۔ ایک فوج تیار ہوتی جا رہی تھی جس کی نفی تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی کسبوری کی فوج کے کماندار وغیرہ آگے تھے۔ وہ ان لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کرتے جا رہے تھے کسبوری کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے آ رہے تھے۔ ایک بستی میں لڑنے والے عیسائی جمع ہو رہے تھے۔ سورج کبھی کا غروب ہو چکا تھا۔ بستی میں مشعلیں گھم پھر رہی تھیں اور شور تھا۔ بستی دن کی طرح بیدار اور سرگرم تھی۔ دو آدمی جو اس بستی والوں کے لیے آج بھی تھے، بستی میں داخل ہوئے اور لوگوں میں شامل ہو گئے۔

”ہم ایک لاکھ رس کو آ رہے ہیں۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔ ”ہم روزگار کی تلاش میں بڑی دور سے آ رہے ہیں اور شاید مدائن تک چلے جائیں۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟“

”تم ہو کون؟“ کسی نے اُن سے پوچھا۔ ”مذہب کیا ہے تمہارا؟“

دونوں نے اپنی اپنی شہادت کی انگلیاں باری باری اپنے دونوں کندھوں سے لگاتیں پھر اپنے اپنے سینے پر انگلیاں اوپر نیچے کر کے صلیب کا نشان بنایا اور دونوں نے سبک زبان کہا کہ وہ عیسائی ہیں ”پھر تم مدائن جا کر کیا کرو گے؟“ انہیں ایک بوڑھے نے کہا۔ ”تم تو مذہب ہمارے جیسے ہیں میں طاقت ہے۔ کیا تم اپنے آپ کو کھوار میمر کی آبرو پر قربان ہونے کے قابل نہیں سمجھتے؟ کیا تمہارے لیے تمہارا پریش مقدر ہے؟“

”نہیں۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔ ”ہمیں کچھ تباہ اور تم میں جس سے زیادہ سیانا ہے ہمیں اُس سے ملاؤ، ہم کچھ تباہ چاہتے ہیں۔“

دہان فارس کی فوج کا ایک پرانا کماندار موجود تھا۔ ان دونوں کو اُس کے پاس لے گئے۔

”سنا ہے تم کچھ تباہ چاہتے ہو۔“ کماندار نے کہا۔

”ہاں۔“ ایک نے کہا۔ ”ہم اپنا راستہ چھوڑ کر ادھر آ رہے ہیں۔ سنا تھا کہ مسلمانوں کے خلاف ایک فوج تیار ہو رہی ہے۔“

”ہاں، ہو رہی ہے۔“ کماندار نے کہا۔ ”کیا تم اس فوج میں شامل ہونے آ رہے ہو؟“

”عیسائی ہو کر ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس فوج میں شامل نہیں ہوں گے۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔ ”ہم کاظمہ سے تھوڑی دور کی ایک بستی کے رہنے والے عرب ہیں۔ ہم مسلمانوں کے در سے بھاگ کر ادھر آ رہے ہیں۔ اب آگے نہیں جائیں گے، ہمارے ساتھ رہیں گے۔ ہم تباہ یا یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن سامنے وہ بہت تھوڑی تعداد کھلائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمہاری فوج اُن سے شکست کھا جاتی ہے۔“

”اُسے زمین پر کیسے ڈال کر کھجواؤ۔“ اُس کے دوسرے ساتھی نے اُسے کہا پھر اِٹنی کماندار سے کہا۔ ”ہمیں معمولی دماغ کے آدمی نہ سمجھنا۔ ہم آپسی طرح سمجھا دیں گے کہ مسلمانوں کے لڑنے کا طریقہ کیا ہے اور وہ اس وقت کہاں ہیں اور تم لوگ نہیں کہاں لاکر لڑاؤ تو انہیں شکست دے سکتے ہو۔ ہم جو کچھ بتائیں یہ اسے سالار کو بتا دینا۔“

ایک شعل لاکر اس کا ٹوڈہ زمین میں گاڑ دیا گیا۔ یہ دونوں آدمی زمین پر بیٹھ کر انگلیوں سے کیسے لڑنے لگے۔ انہوں نے کبھی اصطلاح میں ایسا نقشہ پیش کیا کہ کماندار بہت متاثر ہوا۔

”اگرچہ یہ تھوڑی دیر چل جائے کہ مدائن کی فوج کس طرف سے آ رہی ہے تو ہم نہیں بہتر مشورہ دے سکتے ہیں۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔ ”اور کچھ خطوں سے بھی خبردار کر سکتے ہیں۔“

”دونوں مسلمانوں کو کھینچنے کے لیے آ رہی ہیں۔“ کماندار نے کہا۔ ”مسلمان ان کے آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔“

”بشرطیکہ دونوں فوجیں مختلف سمتوں سے آئیں۔“ ایک انہی عیسائی نے کہا۔

”وہ مختلف سمتوں سے آ رہی ہیں۔“ کماندار نے کہا۔ ”ایک فوج مدائن سے ہمارے بڑے ہی دلیر اور قابل سالار اندر زنگی زیر کمان آ رہی ہے اور دوسری فوج ایسے ہی ایک اور نامور سالار ہن جاذویہ لار رہا ہے۔ دونوں دیکھ کے مقام پر اکٹھی ہوں گی۔ اس کے ساتھ بکربین لال کا پورا قبیلہ ہو گا چند چھوٹے چھوٹے قبیلوں نے بھی اپنے آدمی دیتے ہیں۔“

”تو پھر تمہارے سالاروں کو کبھی چاہیں چلے کی ضرورت نہیں۔“ دوسرے نے کہا۔ ”تمہاری فوج تو سیلاب کی مانند ہے۔ مسلمان کھول کی طرح بہہ جائیں گے۔ کیا تم ہم دونوں کو اپنے ساتھ رکھ سکتے ہو؟“

”ہم نے تم میں خاص قسم کی ذہانت دیکھی ہے۔ تم سالار نہیں تو نائب سالاری کے عہدے کے قابل ضرورت۔“

”تم میرے ساتھ رہ سکتے ہو۔“ کماندار نے کہا۔

”ہم اپنے گھوڑے لے آئیں۔“ دونوں میں سے ایک نے کہا۔ ”ہم متنب صبح پہنچیں گے۔“

”صبح سویر ہو رہا ہے۔“ کماندار نے کہا۔ ”ان تمام لوگوں کو جو لڑنے کے لیے جا رہے ہیں

ان دونوں کی رپورٹ ابھی مکمل ہوئی ہی تھی کہ ایک فوجی سوار خیمے کے باہر آکا اور اونٹ سے اتر کر بغیر اطلاع خیمے میں آگیا۔ اُس نے خالدؓ کو بتایا کہ فلاں سمت سے ایرانیوں کی ایک فوج بہن جاذوہ کی قیادت میں آ رہی ہے۔ یہ بھی ایک جاسوس تھا جو کسی خیمے میں اُس طرف نکل گیا تھا جاذوہ سے بہن کی فوج آ رہی تھی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اندر زغر اور بہن جاذوہ کو اس طرح کوچ کرنا تھا کہ دونوں کی فوجیں بیک وقت یا تھوڑے سے وقفے سے وچ پونچتیں مگر ہوا یوں کہ اندر زغر پہلے روانہ ہو گیا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ کسریٰ اُرد شیر کے قریب تھا اس لیے اُرد شیر اُس کے سر پر سوار تھا۔ بہن دُور تھا۔ اُسے کوچ کا حکم قاصد کی زبانی پہنچا تھا۔ وہ دو دن بعد روانہ ہوا۔

کسی بھی مورخ نے اُس فوج کی تعداد نہیں لکھی جو اندر زغر کے ساتھ تھی۔ بہن کی فوج کی تعداد بھی تاریخ میں نہیں ملتی۔ صرف یہ ایک بڑا واضح اشارہ ملتا ہے کہ آتش پرستوں کی فوج جو مسلمانوں کے خلاف آ رہی تھی وہ واقعی سیلاب کی مانند تھی۔ اُرد شیر نے کہا تھا کہ وہ ایک اور شکست کا خطہ مول نہیں لے گا، چنانچہ اُس نے اتنی زیادہ فوج بھیجی تھی جتنی اچھی ہو سکتی تھی۔

اندر زغر کی فوج کا تو شمار سو بھی نہیں سکتا تھا۔ اپنی باقاعدہ فوج کے علاوہ اُس نے بکر بن وائل کے معلوم نہیں کتنے ہزار عیسائی اپنی فوج میں شامل کر لیے تھے۔ ان میں پیادہ تھے اور سوار بھی۔ اس فوج میں مزید اضافہ کوچ کے دوران اس طرح ہوا کہ جنگ دیا میں آتش پرستوں کے جو فوجی مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگے تھے، وہ ابھی تک قدم گھسیٹتے ملائیں کو جا رہے تھے۔ وہ صرف ٹھکانے کے مارے ہوئے نہیں تھے، اُن پر مسلمانوں کی پشت بھی طاری تھی۔ پیادوں کے وقت مسلمانوں کے ہاتھوں اُن کی فوج کا قتل عام ہوا تھا۔ انہوں نے کشتیوں میں سوار ہو کر بھاگنے کی کوشش کی تھی اس لیے وہ خالدؓ کے مجاہدین کے لیے بڑا آسان شکار ہوئے تھے۔

اس سبکدوش میں جو کشتیوں میں سوار ہو گئے تھے، اُن پر مجاہدین نے تیروں کا مینہ برسایا تھا۔ ایسی کشتیوں میں جو سپاہی زندہ رہے تھے اُن کی ذہنی حالت بہت بُری تھی۔ اُن کی کشتیوں میں اُن کے ساتھی جسموں میں تیر لیے تڑپ تڑپ کر مر رہے تھے۔ اس طرح زندہ سپاہیوں نے لاشوں اور تڑپ تڑپ کر مرتے ساتھیوں کے ساتھ سفر کیا تھا۔ کشتیاں خون سے بھر گئی تھیں۔ زندہ سپاہیوں کو کشتیاں کھینے کی بھی ہوش نہیں تھی۔ کشتیاں دیا کے بہاؤ کے ساتھ خود ہی بہتی کہیں سے کہیں جا پہنچی تھیں اور دُور درگاہ سے لگی تھیں اور زرتشت کے یہ پوجاری بہت بُری جانی اور ذہنی حالت میں ملائیں کی طرف چل پڑے تھے۔ وہ دو دو چار چل رہے تھے اس سے بھی زیادہ کی ٹولیوں میں جا رہے تھے۔ پُرائی تھیں سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں کئی ایک نے جب اندر زغر کی فوج کو آتے دیکھا تو بھاگ اٹھے۔ وہ نیز و دُور نہیں سکتے تھے۔ انہیں بکریا لیا اور فوج میں شامل کر لیا گیا۔ کچھ تعداد ایسے سپاہیوں کی ملی جو دماغی توازن کھو بیٹھے تھے۔ ان میں کچھ ایسے تھے جو بولنے ہی نہیں تھے۔ ان سے بات کرتے تھے۔ خیال خالی کیا کہ انہیں اندر زغر نے تھوڑے سے ہر کسی کو دے دیتے تھے۔ بعض بولنے کی بجائے چیخیں مارتے اور دُور پڑتے تھے۔

”پیشتر اس کے کہ یہ ساری فوج کے لیے خوف و ہراس کا سبب بن جائیں انہیں فوج سے دُور لے جا کر غم کر دو۔“ اُن کے سالار اندر زغر نے حکم دیا۔

ایک جگہ جمع کیا جا رہا ہے۔ ہم ان کے ساتھ آ جانا، میں تمہیں مل جاؤں گا۔“

دونوں بستی سے نکل گئے۔ انہوں نے اپنے گھوڑے بستی سے کچھ دُور ایک درخت کے ساتھ باندھ دیے اور بستی میں پیدل گئے تھے۔ بستی سے نکلنے ہی وہ دُور پڑے اور اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ ”کیا ہم صبح تک پہنچ سکیں گے بن آصف؟“ ایک نے دوسرے سے پوچھا۔ ”خدا کی قسم، ہمیں پہنچنا پڑے گا، خواہ اُرد زغر کہیں۔“ بن آصف نے کہا۔ ”یہ خبریں وائیکسبک رقت نہ پہنچی تو ہماری شکست لازمی ہے گھوڑے تھکے ہوئے نہیں۔ اللہ کا نام لو اور لڑو گا۔“

دونوں نے ایڑ لگائی اور گھوڑے دُور پڑے۔ ”اشعرا!“ بن آصف نے بلند آواز سے اپنے ساتھی سے کہا۔ ”یہ تو طوفان ہے۔ اب بزنش پرنزل کو شکست دینا آسان نہیں ہو گا۔ صرف بکر بن وائل کی تعداد دیکھ لو کتنی بڑا رہو گی۔“ ”میں نے اپنے سالار بن وائیکس کو پریشانی کی حالت میں دیکھا تھا۔“ اشعر نے کہا۔ ”کیا تم اُس کی پریشانی کو نہیں سمجھتے اشعرا؟“ بن آصف نے کہا۔ ”ہم اتنے طاقتور شوخ کے پیٹ میں آ گئے ہیں۔“

”اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“ اشعر نے کہا۔ ”آتش پرست اس زمین کے لیے لڑ رہے ہیں جو وہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی ہے اور ہم اللہ کی راہ میں لڑ رہے ہیں جس کی یہ زمین ہے۔“ یہ دونوں گھوڑوں پر سوار خالدؓ کے اُس جاسوسی نظام کے بڑے ذہین آدمی تھے جو خالدؓ نے فارس کی سرحد کے اندر کو قیام کیا تھا۔ انہیں احساس تھا کہ وہ مدینہ سے بہت دُور آ رہی زمین پر آ گئے ہیں جہاں اللہ کے سوا اُن کی مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ خالدؓ نے دشمن کی لقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے ہر طرف اپنے جاسوس بھیج دیئے تھے۔

☆

خالدؓ فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی تھے کہ اُن کے خیمے کے قریب دو گھوڑے آئے۔ سوار کو دُور اُترے۔ خالدؓ نماز باجماعت پڑھ کر آ رہے تھے۔ ان سواروں کو دیکھ کر اُن کے قریب جا کر گھوڑوں کا پسینہ اس طرح پھوٹ رہا تھا جیسے دریا میں سے گزر کر آتے ہوں۔ اُن کی سائیں دھوکنی کی طرح چل رہی تھیں۔ سواروں کی حالت گھوڑوں سے بھی بُری تھی۔

”اشعرا!“ خالدؓ نے کہا۔ ”بن آصف!... کیا خبر لائے ہو؟... اندر چلو۔ درام لے لو۔“ ”میں لینے کا وقت نہیں سالارا۔“ بن آصف نے خالدؓ کے پیچھے اُن کے خیمے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ ”آتش پرستوں کا سیلاب آ رہا ہے۔ ہم نے یہ خبر عیسائیوں کی ایک بستی سے لی ہے بکر بن وائل کی الگ فوج تیار ہو گئی ہے۔ یہ ملائیں کی فوج کے ساتھ اندر زغر نام کے ایک سالار کی زیر کمان آ رہی ہے۔ دوسری فوج بہن جاذوہ کی زیر کمان دوسری طرف سے آ رہی ہے۔“

”کیا یہ فوجیں ہم پر مختلف سمتوں سے حملہ کر سکیں؟“ خالدؓ نے پوچھا۔ ”نہیں۔“ اشعر نے جواب دیا۔ ”دونوں فوجیں وچ میں اکٹھی ہوں گی۔“ ”اور تم کہتے ہو کہ سیلاب کی طرح آ گے بھیں گی۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”منا دار نے یہی بتایا ہے۔“ بن آصف بولا۔

اس حکم کی تعمیل کی گئی۔

ملائن کی یہ فوج تازہ دم تھی۔ اُس نے ابھی مسلمانوں کے ہاتھ نہیں دیکھے تھے لیکن دریا کے معرکے سے بچے ہوئے سپاہی جب راستے میں اس تازہ دم فوج میں شامل ہوئے تو ہلکے سے خوف کی ایک لہر ساری فوج میں پھیل گئی۔ شکست خوردہ سپاہیوں نے اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ بے جگر سے لڑے ہیں، مسلمانوں کے متعلق اپنی فوج کو ایسی باتیں سناتیں جیسے مسلمانوں میں کوئی مافوق الفطرت طاقت مہوار وہ چن بھرت ہوں۔

خالدؓ کی جنگی قیادت کی یہ خوبی تھی کہ وہ دشمن کو جسمانی شکست ایسی دیتے تھے کہ دشمن پر نفسیاتی اثر بھی پڑتا تھا جو ایک عرصے تک دشمن کے سپاہیوں پر باقی رہتا اور اسی دشمن کے ساتھ جب ایک اور معرکہ لڑا جاتا تو یہ نفسیاتی اثر خالدؓ کو بہت فائدہ دیتا تھا۔ یہ اثر پیدا کرنے کے لیے خالدؓ دشمن کو پسا کرنے پر ہی مطمئن نہیں ہو جاتے تھے بلکہ دشمن کا تعاقب کرتے اور اُسے زیادہ سے زیادہ جانی نقصان پہنچاتے تھے۔

☆

خالدؓ کے جاسوسوں نے یہ اطلاع بھی انہیں دی کہ پچھلے معرکے کے بھاگے ہوئے سپاہی بھی ملائین سے آنے والی فوج میں شامل ہو رہے ہیں۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں نئی صورت حال سے آگاہ کیا۔ ”میرے عزیز ساتھیو!۔“ خالدؓ نے انہیں کہا۔ ”ہم یہاں صرف اللہ کے بھروسے پر لڑنے کے لیے آئے ہیں۔ جنگی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو ہم فارس کی فوج سے ٹکرائے کے قابل نہیں۔ اپنے وطن سے ہم بہت دُور نکل آئے ہیں۔ ہمیں لگ نہیں مل سکتی۔ ہم واپس بھی نہیں جائیں گے۔ ہم فارسیوں کو اور کسریٰ کو نہیں، آگ کے مغللوں کو شکست دینے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔“

”میں تم سب کے چہرہ پر تھکن کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ تمہاری آنکھیں بھی تھکی تھکی سی ہیں اور تھکری باتوں میں بھی تھکن ہے لیکن رتبہ کبھی کی قسم، ہماری روحیں تھکی ہوئی نہیں۔ ہمیں اب رُوح کی طاقت سے لڑنا ہے!“

”ایسی باتیں زبان پر نہ لانا ابن ولید!“ ایک سالار عام بن عمرو نے کہا۔ ”ہمارے چہرہ پر تھکن کے آثار ہیں، مایوسی کے نہیں۔“

”ہمارے ارادوں میں کوئی تھکن نہیں ابن ولید!“ دوسرے سالار عدی بن حاتم نے کہا۔ ”ہم نے آرام کر لیا ہے۔ سپاہ نے بھی آرام کر لیا ہے۔“

”میں اسی لیے یہاں خیمہ زن ہو گیا تھا کہ اللہ کے سپاہی آرام کر لیں۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”تمہارے ارادے تھکے ہوئے نہیں تو مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں دوسری باتیں کرنا چاہتا ہوں جو زیادہ ضروری ہیں۔“

تم نے دیکھا ہے کہ ہم نے فارسیوں کو پہلے معرکے میں شکست دی تو وہ پھر ہمارے سامنے آ گئے۔ ان کے ساتھ اُن کے وہ سپاہی بھی آ گئے جو پہلے معرکے سے بھاگے تھے۔ اب مجھے پھر اطلاع ملی ہے کہ دوسرے معرکے سے بھاگے ہوئے سپاہی ملائین سے آنے والی فوج کے ساتھ راستے میں ملتے آ رہے ہیں۔ اب تمہیں یہ کوشش کرنی ہے کہ اگلے معرکے میں آتش پرستوں کا کوئی سپاہی زندہ نہ جا سکے۔ ہلا کر دیا یا کھڑے نو۔ میں کسریٰ کی فوج کا نام و نشان مٹا دینا چاہتا ہوں۔“

”سہلا اندیلو ہی کرے گا۔“ تین چار آوازیں سنائی دیں۔

”سب اللہ کے اختیار میں ہے۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”ہم اُسی کی خوشنودی کے لیے گھروں سے اتنی دُور آ گئے ہیں۔ اب جو صورت ہمارے سامنے ہے، اس پر سنجیدگی سے غور کرو۔ یہ فیصلے جذبات سے نہیں کیے جاسکتے ہیں۔ اس حقیقت کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے کہ فارسیوں کی جنگی طاقت اور تعداد جواب آ رہی ہے، ہم اس کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں لیکن ایرانیوں کو دل سے نکال دو۔ تازہ اطلاعوں کے مطابق ملائین کی فوج دہلیجہ و کر آئی ہے۔ آج رات فزات کو بھی بھڑکے گی پھر وہ دہلیجہ و کر چلے جائے گی۔ ان کی دوسری فوج بھی آ رہی ہے۔ ہمارے جاسوس اُس کا پُرج دیکھ رہے ہیں اور مجھے اطلاعیں دے رہے ہیں۔“

”خدا نے ذوالجلال ہماری مدد کر رہا ہے۔ یہ اُسی کی ذات باری کا کرم ہے کہ فارس کی یہ دوسری فوج جو ایک سالار ہمن غازیہ کی زیرِ کمان آ رہی ہے، اُس کی رفتار تیز نہیں۔ وہ پڑاؤ زیادہ کر رہی ہے۔ ہم اپنی تیل لڑی سے ان دونوں فوجوں سے ٹکرے سکتے ہیں۔ میری عقل اگر صحیح کام کر رہی ہے تو میں یہی ایک طریقہ بہتر سمجھتا ہوں کہ ملائین کی فوج جو سالار اندرزغر کے ساتھ آ رہی ہے وہ دلچر تک جلدی پہنچ جائے گی۔ بیشتر اس کے کہن کی فوج بھی اس سے آئے، ہم اندرزغر پر حملہ کریں گے۔ کیا میں نے بہتر سوچا ہے؟“

”اس سے بہتر اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔“ سالار عام نے کہا۔ ”مجھے ملائین کی اس فوج میں ایک کمزوری نظر آ رہی ہے۔ اس فوج میں عیسائیوں کے قبیلوں کے لوگ بھی ہیں جو لڑنا تو جانتے ہیں لیکن انہیں جنگ اور باقاعدہ معرکے کا تجربہ نہیں۔ میں انہیں ایک مسلح ہجوم کہوں گا۔ دشمن کی دوسری کمزوری وہ سپاہی ہیں جو پچھلے معرکے سے بھاگے ہوئے ملائین کی فوج کو راستے میں ملے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ڈرے ہوئے ہوں گے۔ انہوں نے اپنے ہزاروں ساتھیوں کو تلواروں، تبروں اور برنجیوں کا شکار ہوتے دیکھا ہے۔

ہجائی کی صورت میں وہ سب سے پہلے بھاگیں گے۔“

”خدا کی قسم بن عمرو!“ خالدؓ نے پرجوش آواز میں کہا۔ ”مجھ میں وہ عقل ہے جو ہر بات سمجھ لیتی ہے۔“ خالدؓ نے ان سب پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ ”تم میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو اس بات کو نہ سمجھ سکے کہ سپاہیوں کے اس پہلو کو نہ بھولنا کہ اُس کے پاس سازو سامان رسد اور کمک کی نہیں۔ صرف اندرزغر کی فوج ہماری تعداد سے کچھ زیادہ ہے۔ میں نے جو طریقہ سوچا ہے یہ موزوں اور موثر ضرور ہوگا لیکن آسان نہیں۔ لڑنا سپاہ نے ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں، پھر بھی انہیں اچھی طرح سمجھا دو کہ ہم واپس جانے کے لیے نہیں آئے اور ہم ملائین میں ہوں گے یا خدا سے بزرگ دہرے کے حضور پہنچ جائیں گے۔“

☆

دو مویشیوں، طبری اور یا قوت نے کھلے کہ یہ فہم و فراست کی جنگ تھی۔ اگر تعداد اور سازو سامان اور دیگر جنگی اسلحہ و اذکار کو دیکھا جاتا تو آتش پرستوں اور مسلمانوں کا کوئی تقابلی نہ تھا۔ خالدؓ کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ اُن کی راتیں گہری سوچ میں گذر رہی تھیں۔ خیمہ گاہ میں وہ چلتے چلتے رک جاتے اور گہری سوچ میں کھو جاتے۔ انہیں زمین پر میچر کھینچی سے مٹی پر لکھ کر ڈالتے ہوئے بھی دیکھا گیا۔ خالدؓ کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ آتش پرستوں سے فیصلہ کن معرکہ لڑے بغیر واپس نہ آنے کا عہد کر چکے تھے۔

انہوں نے اپنی فوج کو حسب معمول تین حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے کی طرح واپس اور بائیں پہلو کو سالار

دونوں کنواریں لنگراتی رہیں اور دونوں پتیر سے بدلتے رہے۔ آتش پرست پہلوان مست بھیڑسا لگتا تھا۔ اُس میں اتنی طاقت تھی کہ اُس کا ایک وار انسان کو دو حصوں میں کاٹ دیتا۔ خالد نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وار کرنے اور اُسے وار کرنے کا موقع دیتے رہتے کہ وہ ٹھک جائے۔ اُس پر انہوں نے یہ ظاہر کیا جیسے وہ خود ٹھک کر چور ہو گئے ہوں۔

ایرانی پہلوان خالد کو کوزر اور ٹھکا ہوا آدمی سمجھ کر اُن کے ساتھ کھیلنے لگا۔ کبھی تلوار اٹھا کر کبھی اوپر سے پینچہ کو مار کر اتار اور کبھی وار کرتا اور ہاتھ روک لیتا۔ وہ طنز یہ کلامی بھی کر رہا تھا۔ وہ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں لا پرواہ سا ہو گیا۔ ایک بار اُس نے تلوار یوں گھمائی جیسے خالد کی گردن کاٹ دے گا۔ خالد یہ وار اپنی تلوار پر روکنے کی بجائے تیزی سے پیچھے ہٹ گئے۔ پہلوان کا وار خالی گیا تو وہ گھوم گیا۔ اس کا پہلو خالد کے آگے ہو گیا۔ خالد اسی کے انتظار میں تھے۔ انہوں نے نوک کی طرف سے پہلوان کے پہلو میں تلوار اس طرح دھرا کہ برہنہ کی طرح تلوار اُس کے پہلو میں اتار دی۔ وہ گرنے لگا تو خالد نے اُس کے پہلو سے تلوار کھینچ کر لایا ہی ایک اور وار کیا اور تلوار اُس کے پہلو میں ٹھونڈا کر لے گئے۔

طبری اور ابویوسف نے لکھا ہے کہ پہلوان گلا اور مر گیا۔ خالد اُس کے سینے پر بیٹھ گئے اور حکم دیا کہ انہیں کھانا دیا جائے۔ انہیں کھانا دیا گیا جو انہوں نے بڑا مزہ روٹی لاش پر بیٹھ کر کھایا۔ اس انفرادی معرکہ نے مسلمانوں کے حوصلے میں جان ڈال دی۔

✱

آتش پرست سالار اندرز نے بجا بیا تھا کہ مسلمان ٹھک گئے ہیں۔ چنانچہ اُس نے حملے کا حکم دے دیا۔ اسے بجا طور پر اپنی فتح کی پوری امید تھی۔ آتش پرست مندر کی سوجن کی طرح آئے۔ مسلمانوں کو اب بچنے جانا تھا۔ انہوں نے اپنی جانیں بچانے کے لیے بے جا مگر سے منقاد کیا۔ ایک ایک مسلمان کا مقابلا دس دس بارہ بارہ آتش پرستوں سے تھا اب ہر مسلمان ذاتی جنگ لڑ رہا تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے ٹوہپن کا دامن نہ چھوڑا اور بھگدڑ نہ مچنے دی۔

اس موقع پر بھی سپاہیوں کو خیال آیا کہ خالد اپنے پہلوں کو اُس طریقے سے کیوں استعمال نہیں کرتے جو ان کا مخصوص طریقہ تھا۔ خالد خود سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے اور ان کے پہلوں پر خون تھا جو ان کے کسی زخم سے نکل رہا تھا۔

چونکہ ایرانیوں کی نفی زیادہ تھی اس لیے جانی نقصان انہی کا زیادہ ہو رہا تھا۔ اندرز نے اپنے دستوں کو پیچھے ہٹا لیا اور تازہ دم دستوں سے دوسرا حملہ کیا۔ یہ حملہ زیادہ نفی کا تھا۔ مسلمان ان میں نظر ہی نہیں آتے تھے۔ اندرز کا یہ عہد پورا ہو رہا تھا کہ ایک بھی مسلمان کو زندہ نہیں جانے دیں گے۔ اندرز نے مسلمانوں کا کام جلدی تمام کرنے کے لیے مزید دستوں کو بڑھانے کا حکم دے دیا۔ اب تو مسلمانوں کے لیے بھاگ نکلنا بھی ممکن نہ رہا۔ وہ اب زخمی شہروں کی طرح لڑ رہے تھے۔

خالد اس معرکہ سے نکل گئے تھے۔ اُن کا حکم ہر داران کے ساتھ تھا۔ انہوں نے حکم اپنے ہاتھ لے کر اوپر کیا اور ایک بار دائیں اور ایک بار بائیں کیا پھر حکم ہر دار کو دے دیا۔ یہ ایک اشارہ اُس کے ساتھ ہی میلان جنگ کے پہلوؤں میں جو ٹیکر پان تھیں، ان میں سے دوسرا گھوڑا سوار

نکلے۔ اُن کے ہاتھوں میں ہر چھال تھیں جو انہوں نے آگے کر لیں۔ گھوڑے سر پٹ دوڑے آ رہے تھے۔ وہ ایک ترتیب میں ہو کر آتش پرستوں کے عقب میں آ گئے۔ جنگ کے شور و غل میں آتش پرستوں کو اُس وقت پتہ چلا کہ اُن پر عقب سے حملہ ہو گیا ہے جب مسلمانوں کے گھوڑا سوار اُن کے سر پر آ گئے تھے۔

یہ تھے مسلمانوں کے وہ سوار دستے جنہیں اندرز غر و ڈھونڈ رہا تھا۔ خود خالد کی سپاہ پوچھ رہی تھی کہ اپنے سوار دستے کہاں ہیں۔ خالد نے اپنی نفی کی نفی اور دشمن کی نفی کی افراط و تفریط اختیار کیا تھا کہ رات کو تمام گھوڑا سواروں کو ٹیکری کے عقب میں اس ہدایت کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ اپنی فوج کو بھی پتہ نہ چل سکے۔ اُن کے لیے حکم کے دائیں بائیں ہٹنے کا اشارہ مقرر کیا تھا۔ گھوڑوں کو ایسی جگہ چھپا لیا تھا جو دشمن سے ڈیڑھ میل کے لگ بھگ دودھنی۔ وہاں سے گھوڑوں کے منہ نہانے کی آواز دشمن تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ رات کو گھوڑوں کے منہ باندھ دیے گئے تھے۔ ان دوسرا گھوڑا سواروں کے کماندار بصر بن ابی رہم اور سعید بن مرہ تھے۔ جب صبح لڑائی شروع ہوئی تھی تو ان دونوں کمانداروں نے گھوڑا سواروں کو پارکاب کر دیا اور خود ایک ٹیکری پر کھڑے ہو کر اشارے کا انتظار کرتے رہے تھے۔

آتش پرستوں پر عقب سے قیامت ٹوٹی تو خالد نے اگلی چال چلی جو پہلے سے طے کی ہوئی تھی۔ پہلوؤں کے سالاروں عاصم بن عمرو اور عدی بن حاتم نے لڑتے ہوئے بھی اپنے آپ کو بچا کر رکھا ہوا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ کیا کرنا ہے۔ جب گھوڑا سواروں نے عقب سے دشمن پر تلے تو لڑائی بدل کر ان دونوں سالاروں نے اپنے اپنے پہلو پھیل کر آتش پرستوں کو گھیرے میں لے لیا۔ دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے خالد نے اپنا غصہ بھی معرکہ میں پہلے ہی بھونک دیا تھا۔

آتش پرستوں کے فتح کے نعرے آہ و بکا میں تبدیل ہو گئے۔ مسلمان گھوڑا سواروں کی ہر چھپال انہیں کاٹتی اور گراتی جا رہی تھیں۔ دشمن میں بھگدڑ تو اُن ہزاروں عیسائیوں نے بجا ہی جنس جنگ کا تجربہ نہیں تھا، اور اس بھگدڑ میں امضاء دشمن کے اُن سپاہیوں نے کیا جو پہلے معرکوں سے بھاگے ہوئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمان کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

اب مسلمانوں کے نعرے گونج رہے تھے۔ جنگ کا پانسہ ایسا بایا کہ زراشت کی آگ سرد ہو گئی۔ بعض موزوں نے دلچسپ معرکہ کو کو لیکر جہنم لکھا ہے۔ آتش پرستوں کے لیے یہ معرکہ جہنم سے کم نہ تھا۔ انتہا بڑا شکر ڈری ہوئی بھیل بکریوں کی صورت اختیار کر گیا۔ وہ بھاگ رہے تھے کٹ رہے تھے۔ گھوڑوں تلے روندے جا رہے تھے۔

موزوں نے لکھا ہے کہ اندرز زندہ بھاگ گیا لیکن دامن کی طرف جانے کی بجائے اُس نے صراحتاً رخ کر لیا۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ واپس گیا تو اُدھر سے جلاد کے حوالے کر دے گا۔ وہ حراس جھنگتا رہا۔ وہ جھنگ جھنگتا کر رہا۔

دوسرے آتش پرست سالار بھمن جاو دیہ کی فوج ابھی تک دلی نہیں پہنچی تھی۔ مسلمانوں کو اب بھی ایک اور معرکہ لڑنا تھا۔

”میں کس طرح یقین کر لوں کہ اتنے بڑے لشکر کو اتنے چھوٹے لشکر نے شکست دی ہے؟“ — جاذویہ نے کہا۔
 اتنے میں اسے اطلاع دی گئی کہ چند اور سپاہی آتے ہیں۔ ”انہیں بھی اس کے سامنے کھڑا
 کر دیا گیا۔ یہ تیرہ چودہ سپاہی تھے۔ ان کی حالت اتنی بُری تھی کہ تین چار گرج پڑنے کے انداز سے
 بیٹھ گئے۔“

”تم بھٹان میں سب زیادہ پرانے سپاہی نظر آتے ہو۔“ — جاذویہ نے ایک ادھیڑ عمر سپاہی سے
 جس کا جسم توانا تھا، کہا۔ ”کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ میں نے جو سنا ہے یہ کہاں تک سچ ہے؟.....
 تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ بزدلی کی، میدان جنگ سے بھاگ آنے کی اور جھوٹ بولنے کی ہزار کیا ہے؟
 ”اگر آپ نے یہ سنا ہے کہ سالار اندر زغر کی فوج مدینہ کی فوج کے ہاتھوں کٹ گئی ہے تو ایسے
 ہی سچ ہے جیسے آپ سالار میں ادھیں سپاہی ہوں۔“ اس پرانے سپاہی نے کہا۔ ”اور یہ ایسے ہی
 سچ ہے جیسے وہ آسمان پر سورج ہے اور ہم سب زمین پر کھڑے ہیں..... میں نے مسلمانوں کے خلاف
 یہ تیسری لڑائی لڑی ہے۔ ان کی نظری تیوں لڑائیوں میں کتنی.... بہت کم تھی.... زرتشت کی قسم میں جھوٹ بولوں تو
 یہ آگ مجھے جلادے جس کی میں پوجا کرتا ہوں۔ ان کے پاس کوئی ایسی طاقت ہے جو نظر نہیں آتی، ان
 کی یہ طاقت اس وقت ہم پر چل کر پڑتی ہے جب انہیں شکست ہونے لگتی ہے۔“

”مجھے اس لڑائی کا بتاؤ۔“ — سالار بھمن جاذویہ نے کہا۔ ”متمحارے لشکر کو شکست کس طرح ہوئی؟“
 اس سپاہی نے پوری تفصیل سے سنایا کہ کس طرح مسلمان اچانک سامنے آ گئے اور انہوں نے
 حملہ کر دیا اور اس کے بعد یہ معرکہ کس طرح لڑا گیا۔

”ان کی وہ جو طاقت ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔“ — سپاہی نے کہا۔ ”وہ گھوڑا سوار دستے
 کی صورت میں سامنے آتی۔ اس دستے میں ہزاروں گھوڑے تھے۔ ان کے حملے سے پہلے یہ گھوڑے
 کہیں نظر نہیں آتے تھے۔ اتنے ہزار گھوڑوں کو کہیں چھپا یا نہیں جاسکتا۔ ہمارے پیچھے دریا تھا گھوڑے
 دریا کی طرف سے آتے اور وہیں اس وقت پتہ چلا جب مسلمان سواروں نے یہیں کاٹنا اور گھوڑوں تلے
 روندنا شروع کر دیا تھا..... عالی مقام! یہ ہے وہ طاقت جس کی میں بات کر رہا ہوں۔“



”تم میں ایمان کی طاقت ہے۔“ — خالد اپنے لشکر سے خطاب کر رہے تھے۔ ”یہ خدا کے وعدہ
 لا شریک کا فرماں ہے کہ تم میں ایمان والے جو تھے تو وہ دوسو گھوڑا پر غالب آئیں گے۔“
 آتش پرستوں کا لشکر اور ان کے ساتھی جیسا ہی جنگ کر دوز کل گئے تھے۔ میدان جنگ میں لاشیں
 بکھری ہوئی تھیں اور ایک طرف مال غنیمت کا انبار لگا ہوا تھا۔ خالد اس انبار کے قریب اپنے
 گھوڑے پر سوار اپنی فوج سے خطاب کر رہے تھے۔

”خدا کی قسم! خالد بخیر رہے تھے۔“ قرآن کا فرمان تم سب نے عملی صورت میں دیکھ لیا ہے کیا
 تم آتش پرستوں کے لشکر کو دیکھ کر کھبر نہیں گتے تھے؟ آئے والی سلیں کہیں گی کہ یہ کمال خالد بن ولید
 کا تھا کہ اس نے اپنے سواروں کو چھپا کر رکھا ہوا تھا اور انہیں اس وقت استعمال کیا جب دشمن نے
 مسلمانوں کو کاٹنے اور بچانے کے لیے آگے بڑھ آیا تھا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ دشمن ایمان کی قوت کا

آتش پرستوں کے دوسرے سالار بھمن جاذویہ کو بھی دیکھ رہا تھا اور کسریٰ ارد شیر کے حکم کے
 مطابق اس کے لشکر کو اپنے ساتھی سالار اندر زغر کے لشکر کے ساتھ مل کر خالد کے لشکر پر حملہ
 کرنا تھا مگر وہ دیکھ سے کئی میل دور تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ اور اندر زغر مسلمانوں کو تو کچل ہی
 دیں گے، جلدی کیا ہے۔ اس کا لشکر آخری پڑاؤ سے چلنے لگا تو چار پانچ سپاہی پڑاؤ میں داخل
 ہوئے۔ ان میں دو زخمی تھے اور جو زخمی نہیں تھے، ان کی سانسیں بھولی ہوئی تھیں۔ لیکن آتی کڑوہ
 قدم کھینٹ رہے تھے۔ چہرں پر خوف اور شب بیداری کے تاثرات تھے اور ان تاثرات پر
 دھول کی تہ بڑھ رہی ہوئی تھی۔

”کون ہو تم؟“ — ان سے پوچھا گیا۔ ”کہاں سے آ رہے ہو؟“
 ”ہم سالار اندر زغر کے لشکر کے سپاہی ہیں۔“ — ان میں سے ایک نے تھکن اور خوف سے
 کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔
 ”سب مارے گئے ہیں۔“ — دوسرے نے کہا۔

”وہ انسان نہیں ہیں۔“ — ایک اور کڑا ہتے ہوئے بولا۔ ”تم نہیں مانو گے..... تم یقین نہیں
 کرو گے دوستو!“

”یہ جھوٹ بولتے ہیں۔“ — جاذویہ کے لشکر کے ایک کماندار نے کہا۔ ”یہ بھگورے ہیں اور
 سب کو ڈرا کر بے قصور بن رہے ہیں۔ انہیں سالار کے پاس لے چلو۔ ہم ان کے سر قلم کر دیں
 گے۔ یہ بڑوں ہیں۔“
 انہیں سالار بھمن جاذویہ کے سامنے لے گئے۔

”تم کون سی لڑائی لڑ کر آ رہے ہو؟“ — جاذویہ نے کہا۔ ”لڑائی تو ابھی شروع ہی نہیں ہوئی۔
 میرا لشکر تو ابھی.....“

”متمحار سالار! — ایک نے کہا۔ ”جس لڑائی میں آپ نے شامل ہونا تھا وہ ختم ہو چکی ہے
 سالار اندر زغر لاپتہ ہیں۔ ہمارا بیخ زن ہوان ہزاروں مسلمانوں کے سالار کے ہاتھوں مارا گیا ہے.....
 ہم جیت رہے تھے مسلمانوں کے پاس گھوڑا سوار دستے تھے ہی نہیں ہمیں حکم ملا کہ عرب کے

ان بدوؤں کو کاٹ دو۔ ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی ہم ان کے جھول کی بوٹیاں بکھیرنے کے لیے
 نعرے لگاتے اور خوشی کی جھینجیں بلند کرتے آگے بڑھے۔ جب ہم ان سے اچھے گئے تو ہمارے
 پیچھے سے نہ جانے کتنے ہزار گھوڑا سوار ہم پر پڑے، پھر ہم میں سے کسی کو اپنی ہوش نہ رہی۔
 ”سالار خانی ستا! — رومی سپاہی نے مانیتے ہوئے کہا۔“ سب نے مارا جیتا۔
 کوئی بچہ دینے والا نہ رہا۔ یہ طاقت نفسا نفسی اور بھگورہ تھی۔“ — مجھے انہوں کی صرف لاشیں نظر آتی تھیں۔

”میں بھی اسی کو بہتر سمجھوں گا“۔ جابان نے کہا۔ ”آپ کوچ کو روک دیں اور مدائن چلے جائیں“
 ”کوچ روک دو“۔ جاذویر نے حکم کے لیے جیے میں کہا۔ ”لشکر کو یہیں خیمہ زن کر دو میری داپکی
 تک تم لشکر کے سالار ہو گے“

”اگر آپ کی غیر حاضری میں مسلمان یہاں تک پہنچ گئے یا ان سے آمناسنا ہو گیا تو میرے لیے
 آپ کا کیا حکم ہے؟“۔ جابان نے پوچھا۔ ”کیا میں ان سے لڑوں یا آپ کے آنے تک جنگ
 شروع نہ کروں؟“

”تمھاری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ میری داپکی تک تصادم نہ ہو“۔ جاذویر نے کہا۔
 ”آتش پرستوں کے لشکر کا کوچ روک کر اسے وہیں خیمہ زن کر دیا گیا اور بہن جاذویر اپنے محافظ
 دستے کے چند ایک گھوڑسواروں کو ساتھ لے کر مدائن کو روانہ ہو گیا۔

بکریں و ایل کی لہٹیوں میں ایک طرف گرہی و زاری تھی اور دوسری طرف جوش و غروش اور
 جذبہ انتقام کی لہکار۔ اس عیسائی قبیلے کے وہ ہزاروں آدمی جو لہکار تے اور نعرے لگاتے ہوئے
 آتش پرست لشکر کے ساتھ مسلمانوں کو فاس کی سرحد سے نکالنے گئے تھے، وہ میدان جنگ سے

جھاگ کر اپنی لہٹیوں کو چلے گئے تھے۔ یہ وہ تھے جو زندہ بچ گئے تھے۔ ان کے کسی ساتھی مارے
 گئے تھے۔ ان میں بعض زخمی تھے جو اپنے آپ کو گھسیٹتے آرہے تھے مگر راستے میں مر گئے تھے۔
 یہ عیسائی جب سر جھکاتے ہوئے اپنی لہٹیوں میں پہنچنے لگے تو گھگھر سے عورتیں، بچے اور
 بوڑھے نکل آئے۔ ان شکست خوردہ لوگوں میں عورتیں اپنے بیٹوں اور خاندانوں کو ڈھونڈنے
 لگیں۔ بچے اپنے باپوں کو دیکھتے پھر رہے تھے۔ انہیں پہلا صدمہ تو یہ ہوا کہ وہ پٹ کر لٹے تھے
 پھر صدمہ انہیں ہوا جن کے عزیز واپس نہیں آئے تھے۔ لہٹیوں میں عورتوں کی آہ و فغاں سنائی
 دینے لگی۔ وہ اونچی آواز میں روتی تھیں۔

”پھر تم زندہ کیوں آ گئے ہو؟“۔ ایک عورت نے شکست کھا کر آنے والوں سے چلا چلا کر
 کر کہا۔ ”تم ان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے وہیں کیوں نہیں رہے؟“
 یہ آواز کئی عورتوں کی آواز بن گئی۔ پھر عورتوں کی ہی لہکار سنائی دینے لگی۔ ”تم نے بکریں و ایل
 کا نام لہو دیا ہے۔ تم نے ان مسلمانوں سے شکست کھائی ہے جو اسی قبیلے کے ہیں.... جاذویر شکست
 کا انتقام لو...“۔ عورتیں حارثہ کا سر کاٹ کر لاؤ جن نے ایک ہی قبیلے کو دو دھڑوں میں کاٹ دیا ہے۔
 عتی بن حارثہ اسی قبیلے کا ایک سردار تھا۔ اس نے کچھ عرصہ پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور اس
 کے زیر اثر اس قبیلے کے ہزاروں لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان مسلمانوں میں سے کئی خالد بنی فوج
 میں شامل ہو گئے تھے۔ اس طرح ایک ہی قبیلے کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف صف آرا
 ہو گئے تھے۔

طبری اور ابن قلیبہ نے لکھا ہے کہ شکست خوردہ عیسائی اپنی عورتوں کے طعنوں اور ان کی لہکار
 سے متاثر ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ بیشتر مؤرخین نے لکھا ہے کہ عیسائی

مخاندان کے ساتھ ہوتا ہے جو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ایمان لاتے ہیں میرے
 دوستو! میں اور اگے جانا ہے۔ یہ آتش پرستوں کی نہیں، اللہ کی سرزمین ہے اور ہمیں زمین کے آخری
 سرے تک اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔

میدان جنگ فتح و نصرت کے نعروں سے گونج رہا تھا۔
 اس کے بعد خالد نے اپنی سپاہ میں مال غنیمت تقسیم کیا۔ معلوم ہوا کہ اب کے مال غنیمت پہلی دہائی
 جنگوں کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ خالد نے حسب معمول مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال کے
 لیے مدینہ بھجوا دیا۔

اس وقت تک آتش پرستوں کے سالار بہن جاذویر کو پوری طرح یقین آ گیا تھا کہ اندر زغر کا لشکر
 مسلمانوں کے ماتحت رکھ گیا ہے اور اندر زغر ایسا جگا ہے کہ لاہر ہو گیا ہے۔ بہن جاذویر نے اپنے
 ایک سالار جابان کو بلایا۔

”تم اندر زغر کا انجام سن چکے ہو“۔ جاذویر نے کہا۔ ”ہمارے لیے کسری کا حکم یہ تھا کہ تم و بکر
 میں اندر زغر کے لشکر سے جا ملیں۔ اب وہ صورت ختم ہو گئی ہے۔ کیا تم نے سوچا ہے کہ اب ہمیں کیا
 کرنا چاہیے؟“

”تم اور کچھ بھی کریں“۔ جابان نے کہا۔ ”ہمیں کیا نہیں چاہیے؟“
 ”لیکن جابان!۔“ جاذویر نے کہا۔ ”ہمیں اب کوئی کارروائی اندھا دھند بھی نہیں کرنی چاہیے۔ مسلمان
 ہمیں تیسری بار شکست دے چکے ہیں۔ کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ وہ وقت گزر گیا ہے جب ہم مدینہ کے
 لشکر کو صحرائی لٹیروں سے اور تروکھا کرتے تھے؟ اب ہمیں سوچ سمجھ کر آگے بڑھنا ہوگا۔“
 ”ہماری ان تینوں شکستوں کی وجہ صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارا جو بھی سالار مدینہ والوں سے ٹکر لینے

گیا، وہ اس انماز سے گیا جیسے وہ چند ایک صحرائی قزاقوں کی سرکوبی کے لیے جا رہا ہو۔“ جابان نے کہا۔
 ”جو بھی گیا وہ دشمن کو تیر اور بکر و جان کر گیا۔ ہماری آنکھیں پہلی شکست میں ہی کھل جاتی تھیں لیکن ایسا
 نہ ہوا.... آپ نے بھی تو کچھ سوچا ہوگا۔“

”سب سے پہلی سوچ تو مجھے یہ پریشان کر رہی ہے“۔ جاذویر نے کہا۔ ”کہ کسری اور شیر پیار پڑا
 ہے۔ میں جانتا ہوں اسے پہلی دو شکستوں کے صدمے نے بہتر تر پڑا دیا ہے۔ ایک اور شکست
 کی خبر اسے سے ڈوبے گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس شکست کی خبر پہنچانے والے کو وہ قتل ہی کر اڑے۔“
 ”لیکن جاذویر!۔“ جابان نے کہا۔ ”ہم کسری کی خوشنودی کے لیے نہیں لڑ رہے ہیں زرتشت
 کی عظمت اور ان کی خاطر لڑنا ہے۔“

”میں تم سے ایک مشورہ لینا چاہتا ہوں جابان!۔“ جاذویر نے کہا۔ ”تم دیکھ رہے ہو کہ کسری
 نے ہمیں جو حکم دیا تھا وہ بے مقصد ہو چکا ہے۔ میں مدائن چلا جاتا ہوں کسری سے نیا حکم لوں گا۔ میں
 اس کے ساتھ کچھ اور باتیں بھی کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے بھی یہ کہنے کی عادت ہو گئی ہے کہ جاذویر مسلمانوں
 کو کھیل ڈالو۔ اسے ابھی تک کسی نے بتایا نہیں کہ جنگی طاقت ہمارے پاس نہیں۔ میں نے ان کو بتایا
 ہے کہ لڑنے کی جتنی اہلیت اور جتنا جذبہ مسلمانوں میں ہے وہ ہمارے ڈال ناپید ہے.... جابان! طاقت
 کے گم ہونے سے کسی کو شکست نہیں دی جاسکتی۔“

عراقی عیسائیوں کے عزائم جنگی تیاریاں اور التیس کے مقام پر ان کا ایک فوج کی صورت میں اجتماع خالدؓ سے پوشیدہ نہیں تھا۔ خالدؓ کی فوج دہاں سے دور تھی لیکن انہیں دشمن کی ہر نقل و حرکت کی اطلاع مل رہی تھی۔ ان کے جاسوس بڑے پھیلے ہوئے تھے۔ عیسائیوں کے علاقے میں عرب کے مسلمان بھی رہتے تھے۔ ان کی ہمدردیاں مدینہ کے مسلمانوں کے ساتھ تھیں۔ مسلمانوں کی فتوحات کو دیکھ کر انہیں آتش پرستوں سے آزادی اور ہشت گردی سے نجات بڑی صاف نظر آنے لگی تھی۔ وہ دل و جان سے مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ وہ کسی کے حکم کے بغیر خالدؓ کے لیے جاسوسی کر رہے تھے۔ خالدؓ کے لشکر کے حوصلے بلند تھے۔ اتنی بڑی جنگی طاقت پرسل تین فتوحات لے اور بیشمار مال غنیمت لے اور اسلامی جذبے نے ان کے حوصلوں کو تروتازہ رکھا ہوا تھا لیکن خالدؓ جانتے تھے کہ ان کے مجاہدین کی جسمانی حالت ٹھیک نہیں۔ مجاہدین کے لشکر کو آرام ملا ہی نہیں تھا۔ وہ کوچ اور پیش قدمی کی حالت میں رہنے یا میدان جنگ میں لڑتے رہے تھے۔

”انہیں مکمل آرام کرنے دو۔“ خالدؓ اپنے سالاروں سے کہہ رہے تھے۔ ”ان کی ہڈیاں بھی کھ رہی ہوں گی۔ جتنے بھی دن ممکن ہو سکائیں انہیں آرام کی حالت میں رکھوں گا۔۔۔ اور ان دستوں کو بھی یہیں بلاؤ جنہیں ہم دجلہ کے کنارے دشمن پر نظر رکھنے کے لیے چھوڑ آئے تھے۔۔۔ تم میں مجھے قنٹی بن حارثہ نظر نہیں آ رہا۔“

”وہ گزشتہ رات سے نظر نہیں آیا۔“ ایک سالار نے جواب دیا۔
ایک گھوڑے کے ٹاپے مانی دیتے جو قریب آ رہے تھے۔ گھوڑا خالدؓ کے خیمے کے قریب آ کر رکھا۔

”قنٹی بن حارثہ آیا ہے۔“ کسی نے خالدؓ کو بتایا۔
قنٹی گھوڑے سے کوڑھ کر اُترا اور دوڑتا ہوا خالدؓ کے خیمے میں داخل ہوا۔
”تجربہ برائے رحمت ہو ولید کے بیٹے! قنٹی نے پر جوش آواز میں کہا اور بیٹھنے کی بجائے خیمے میں بیٹھنے لگا۔“

”خدا کی قسم اب حارثہ! خالدؓ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تیری چال ڈھال اور تیرا جوش بتا رہا ہے کہ تجھے نہیں سے خزانہ مل گیا ہے۔“

”خزانے سے زیادہ قیمتی خبر لایا ہوں ابن ولید! قنٹی بن حارثہ نے کہا۔ ”میرے قبیلے کے عیسائیوں کا ایک لشکر تیار ہو کر التیس کے مقام پر جمع ہونے کے لیے چلا گیا ہے۔ ان کے سرداروں نے دروازے بند کر کے بارے خلاف جو منصوبہ بنایا ہے وہ مجھ تک پہنچ گیا۔“

”کیا خبر لائے کے لیے تو رات سے کسی کو نظر نہیں آیا؟ خالدؓ نے پوچھا۔
”ہاں۔“ قنٹی نے جواب دیا۔ ”وہ میرے قبیلہ ہے جس جانتا تھا کہ میرے قبیلے کے لوگ انتقام لیے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے میں اپنا غلیبہ بدل کر ان کے پیچھے چلا گیا تھا جس مکان میں بیٹھ کر انہوں نے ہمارے خلاف لڑنے کا منصوبہ بنایا ہے، میں اُس کے ساتھ والے مکان میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں دہاں سے پوری خبر لے کر نکلا ہوں۔۔۔ دوسری اطلاع یہ ہے کہ ان کے سردار اس مقصد کے لیے ملان پہلے

کو اس لیے بھی ملیش آیا تھا کہ ان کے اپنے قبیلے کے کئی ایسے افراد نے اسلام قبول کر لیا تھا جن کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی لیکن وہی افراد اسلامی فوج میں جا کر ایسی طاقت بن گئے تھے کہ فارس عیسی طاقتور شہنشاہی کو نہ صرف لٹکا رہے تھے بلکہ اُسے تیسری شکست دے چکے تھے۔

”اب ان لوگوں کو اپنے مذہب میں واپس لانا بہت مشکل ہے۔“ بکر بن وائل کے ایک سردار عبدالاسود عجمی نے کہا۔ ”ان کا ایک ہی علاج ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔“
عبدالاسود بنو عجمان کا سردار تھا۔ یہ بھی بکر بن وائل کی شاخ تھی اس لیے وہ عجمی کہلاتا تھا۔ مانا ہوا جنگجو عیسائی تھا۔

”یہ تمام مسلمانوں کے قتل کو آسان سمجھتے ہو؟ ایک بوڑھے عیسائی نے کہا۔ ”میدان جنگ میں تم انہیں پیٹھ دکھا آئے ہو۔“

”میں ایک مشورہ دیتا ہوں۔“ اس قبیلے کے ایک اور بڑے نے کہا۔ ”ہمارے ساتھ جو مسلمان رہتے ہیں، انہیں قتل کر دیا جائے۔ پہلے انہیں کہا جائے کہ عیسائیت میں واپس آجائیں اگر انکار کریں تو انہیں خفیہ طریقوں سے قتل کیا جائے۔“

”نہیں۔“ عبدالاسود نے کہا۔ ”کیا تم بھول گئے ہو کہ ہمارے قبیلے کے ان مسلمانوں نے خفیہ کارروائیوں سے فارس کی شہنشاہی کی کسی تباہی پہنچی تھی۔ انہوں نے کتنی دہری سے فارس کی فوجی چوکیوں پر حملے کیے تھے۔ انہوں نے کسریٰ کی رعایا کو کسریٰ کی فوج کے کئی کامداروں کو قتل کر دیا تھا۔ اگر تم نے یہاں کسی ایک مسلمان کو خفیہ طریقے سے قتل کیا تو شہنشاہی بن حارثہ کا گروہ خفیہ طریقوں سے تمہارے پیچھے پیچھے کو قتل کر جائے گا اور تمہارے گھروں کو آگ لگا دے گا۔ ان میں سے کوئی بھی تمہارے ہاتھ نہیں لگے گا۔“

”پھر ہم انتقام کس طرح لیں گے؟ ایک نے پوچھا۔ تمہارے لیے تو انتقام بہت ہی ضروری ہے کیونکہ تمہارے دو جوان بیٹے دیکھ کر لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔“
”شہنشاہ فارس اور مسلمانوں کی اپنی جنگ ہے۔“ عبدالاسود نے کہا۔ ”ہم اپنی جنگ لڑیں گے لیکن فارس کی فوج کی مدد کے بغیر شاید ہم مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکیں گے۔ اگر تم لوگ مجھے اجازت دو تو میں داتان جاکر شہنشاہ فارس سے ملوں گا۔ مجھے پوری امید ہے کہ وہ ہمیں مدد دے گا۔ اگر اُن سے مدد نہ دی تو ہم اپنی فوج بنا کر لڑیں گے۔ تم ٹھیک کہتے ہو، مجھے مسلمانوں سے اپنے دو بیٹوں کے خون کا حساب چکانا ہے۔“

عیسائیوں کے سرداروں نے اُسی وقت فیصلہ کر لیا کہ جس قدر لوگ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو سکیں وہ دربانے فرات کے کنارے التیس کے مقام پر اکٹھے ہو جائیں اور ان کا سردار اعلیٰ عبدالاسود عجمی ہو گا۔ قبیلہ بکر بن وائل اور اس کے ذیلی قبیلوں کے حضرات بھر کے جوڑے تھے۔ ان کے زخم تازہ تھے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے والوں کے گھر لوں میں ماتم ہو رہا تھا۔ ان حالات اور اس حضرات کی کیفیت میں فوج بھی اور وہ بوڑھے بھی جو اپنے آپ کو لڑنے کے قابل سمجھتے تھے، لڑنے کے لیے نکل آئے۔ یہ لوگ اس قدر بھر کے ہوئے تھے کہ جو ان لڑکیاں بھی مردوں کے دوش بدوش لڑنے کے لیے تیار ہو گئیں۔

گئے ہیں کہ وہ اردشیر سے فوجی مدد کے کرم پر حملہ کریں گے۔
 "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں اپنے لشکر کو آرام کی مہلت نہیں دے سکوں گا۔" خالد نے کہا
 "کیا تم پسند نہیں کرو گے کہ جس طرح ہم نے وید میں آتش پرستوں کو تباہی کی مہلت نہیں دی تھی اسی
 طرح ہم عیسائیوں اور آتش پرستوں کے اجتماع سے پہلے ہی ان پر حملہ کر دیں؟
 "خدا تیری عمر دلا کر دے ابن ولید!۔" فثنیٰ نے کہا۔ "طریقہ یہی بہتر ہے کہ دشمن کا سر اٹھنے
 سے پہلے ہی پک دیا جائے۔"

خالد نے اپنے دوسرے سالاروں کی طرف دیکھا جیسے وہ ان سے مشورہ مانگ رہا ہو۔
 "ہونا تو ایسا ہی چاہیے۔" سالار عام بن عمرو نے کہا۔ "لیکن لشکر کی جانی حالت دیکھ لیں۔ کیا
 ہمارے لیے یہ فائدہ مند نہ ہوگا کہ کم از کم دو دن لشکر کو آرام کرنے دیں؟
 "ابن ولید!۔" دوسرے سالار عدی بن حاتم نے کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ پہلی تین فتوحات
 کے نئے میں ہمیں شکست کا منہ دیکھنا پڑے۔"

"ابن حاتم!۔" خالد نے کہا۔ "میں تیرے اتنے اچھے مشورے کی تعریف کرتا ہوں، لیکن یہ
 بھی سوچ کر کم نہ دو دن عیسائیوں کو دے دیے تو کیا ایسا نہیں ہوگا کہ فارس کا لشکر ان سے آئے؟
 "ایسا ہو سکتا ہے۔" عدی بن حاتم نے کہا۔ "لیکن بہتر یہ ہوگا کہ آتش پرستوں کے لشکر کو آنے
 دیں۔ یوں بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم بحرین والی کے عیسائیوں سے اٹکھے جو نے ہوں اور آتش پرست
 عقب سے ہم پر آئیں جس کو ہمارے خلاف لڑنا ہے اسے اس میدان میں آنے دیں جہاں
 وہ لڑنا چاہتے ہیں۔"

"ابن ولید!۔" فثنیٰ بن حارثہ نے کہا۔ "کیا تو مجھے اجازت نہیں دے گا کہ عیسائیوں پر حملے
 کی پہل میں کروں؟"

"تو نے ایسا کیوں سوچا ہے؟" خالد نے پوچھا۔
 "اس لیے کہ جتنا انہیں میں جانتا ہوں اور کوئی نہیں جانتا۔" فثنیٰ بن حارثہ نے جواب دیا۔
 "اور میں اس لیے بھی سب آگے ہو کر ان پر حملہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان کے منصوبے میں بھی شامل
 ہے کہ ان کے قبیلے کے جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے انہیں قتل کر دیا جائے۔ میں انہیں گول
 گاہ و گچھو گول کسے قتل کر رہا ہے۔"

"اس وقت ہماری نفری مٹنی ہے؟" خالد نے پوچھا۔
 "اٹھارہ ہزار سے کچھ زیادہ ہی ہوگی۔" ایک سالار نے جواب دیا۔
 "جب ہم فارس کی سرحد میں داخل ہوئے تھے تو ہماری نفری اٹھارہ ہزار ہی تھی۔" خالد نے کہا
 "اس علاقے کے مسلمانوں نے میری نفری کم نہیں ہونے دی۔"

موجودوں نے لکھا ہے کہ ان تین جنگوں میں بہت سے مسلمان شہید اور شدید زخمی ہوئے تھے۔
 بعض نے لکھا ہے کہ نفری تقریباً اسی رہ گئی تھی، لیکن فثنیٰ بن حارثہ کے قبیلے نے نفری کی کمی پوری
 کر دی تھی۔

آتش پرستوں کا سالار بہمن جاذویہ اردشیر سے نیا حکم لینے کے لیے مائن پنچ چکا تھا لیکن شاہی
 طبیب نے اسے روک لیا۔

"اگر کوئی اچھی خبر لائے ہو تو اندر چلے جاؤ۔" طبیب نے کہا۔ "اگر خبر اچھی نہیں تو میں تمہیں اندر
 جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"خبر اچھی نہیں۔" جاذویہ نے کہا۔ "ہماری فوج تیسری بار شکست کھا چکی ہے۔ اندر زغریا لیا جگا
 ہے کہ لا پتہ ہو گیا ہے۔"

"جاذویہ!۔" طبیب نے کہا۔ "اردشیر کے لیے اس سے زیادہ بُری خبر اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اندر زغریہ
 کو تو کسریٰ اردشیر اپنی جنگی طاقت کا سب سے زیادہ مضبوط ستون سمجھتا تھا۔ جب سے یہ سلا لیا گیا ہے
 شمشادہ دن میں کئی بار پوچھتا رہا کہ اندر زغریہ مسلمانوں کو فارس کی سرحد سے نکال کر واپس آیا ہے نہیں
 تھوڑی دیر پہلے بھی اس نے پوچھا تھا۔"

"محترم طبیب!۔" جاذویہ نے کہا۔ "کیا ہم ایک حقیقت کو چھپا کر غلطی نہیں کر رہے؟ کسریٰ کو
 کسی نہ کسی دل تو پتہ چل جاتا ہے گا۔"

"جاذویہ!۔" طبیب نے کہا۔ "میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ تم نے یہ خبر شمشادہ کو سنا تو اس کا غل
 متھاری گردن پر ہوگا۔"

جاذویہ وہیں سے لوٹ گیا لیکن اپنے لشکر کے پاس جانے کی بجائے اس خیال سے مائن
 میں رکارہ کر اردشیر کی صحت ذرا بہتر ہوگی تو وہ اسے خود شکست کی خبر سنائے گا اور اس کے ساتھ
 وعدہ کرے گا کہ وہ مسلمانوں سے فیوض سکستوں کا انتقام لے گا۔

اس روز یا ایک دو روز بعد عیسائیوں کا ایک وفد اردشیر کے پاس پہنچ گیا۔ اس کا طبیب اور شاہی
 خاندان کا کوئی بھی فرد قبل از وقت نہ جان سکا کہ یہ وفد کس مقصد کے لیے آیا ہے۔ اردشیر کو چونکہ معلوم
 تھا کہ عیسائیوں نے اس کے لشکروں میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی ہے اس لیے اس
 نے بڑی خوشی سے ان عیسائیوں کو ملاقات کی اجازت دے دی۔ اس وفد نے اردشیر کو پہلی خبر یہ
 سنا کہ سالار اندر زغریہ شکست کھا گیا ہے۔

"اندر زغریہ شکست نہیں کھا سکتا۔" اردشیر نے ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "کیا ہم
 لوگ مجھے یہ جھوٹی خبر سنائے آتے ہو؟... کہاں ہے اندر زغریہ؟ اگر اس کی شکست کی خبر صحیح ہے تو یہ بھی
 صحیح ہے کہ جس روز وہ مائن میں قدم رکھے گا، وہ اس کی زندگی کا آخری روز ہوگا۔"

"ہم جھوٹی خبر سنائے نہیں آتے۔" وفد کے سربراہ نے کہا۔ "ہم آپ کی اس تیسری شکست
 کو فتح میں بدلنے کا عہد لے کر آئے ہیں لیکن آپ کی مدد کے بغیر ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

اردشیر کچھ دیر چپ چاپ خلا میں گھومتا رہا۔ اس کی بیماری بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ بہت کمزور ہو چکا
 تھا۔ دواؤں کا اس پر اثر ابھی ہو رہا تھا۔ اب تیسری شکست کی خبر نے وہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔
 اس کا طبیب اس کے پاس کھڑا تھا۔

"کسریٰ کو اس وقت آرام کی ضرورت ہے۔" طبیب نے کہا۔ "محترم زمان اس وقت چلے
 جاتیں تو کسریٰ کے لیے بہتر ہوگا۔"

ساتھ ہے.... خدا کی قسم ابھی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف ہمیشہ فحشہری کی اور آتش پرستوں کے ہاتھوں ہمارے گھروں کو نذر آتش کر دیا ہے۔

سواروں کا یہ دستہ پرجوش نعرے لگانے لگا لیکن غشی نے روک دیا اور کہا کہ خاموشی پر قرار رکھنی ہے، دشمن کو اس وقت تیرہ چلے کہ ہم آگئے ہیں جب جاری تلواریں انہیں کاٹ رہی ہوں۔



عیسائیوں کا لشکر الیس کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے مدائن سے اپنے وفد کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔

”ہو شیار! دشمن آ رہا ہے۔“ عیسائی لشکر کے سنتر لوں نے دوا دیا بپا کر دیا۔ ”خبردار! ہر شیار! تیار ہو جاؤ۔“

ہڑ لوگ مچ گئی۔ ان کے سرداروں نے درختوں پر چڑھ کر دیکھا۔ ایک لشکر چلا رہا تھا۔ سرداروں نے درختوں کے اوپر سے ہی حکم دیا کہ تیر انداز اگلی صف میں آجائیں۔ یہ لوگ چونکہ باقاعدہ فوجی نہیں تھے اس لیے ان میں نظم و ضبط اور صبر و تحمل کی کمی تھی۔ وہ لوگ جہم کی صورت میں لڑنا جانتے تھے، پھر بھی انہوں نے صف بندی نہ کر لی۔

آئے والے لشکر قریب آ رہا تھا۔ جب یہ لشکر اور قریب آیا تو سرداروں کو کوئی شک نہ ہونے لگا تب ایک سالار نے کہا کہ یہ لشکر مسلمانوں کا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ اس طرف سے آ رہا ہے جہاں جازویہ کا لشکر ہونا چاہیے تھا۔ سالار نے دھڑکے سواروں کو یہ خبر دے کر دوا دیا کہ جانو کچھ، یہ اس کا لشکر ہے۔

”یہ دوست ہیں۔“ ایک سوار نے پیچھے مڑ کر بلند آواز میں کہا۔ ”یہ فارس کی فوج ہے۔“

”یہ سیرج کے سپاہیوں!۔“ دھشت سے سالار اعلیٰ نے چلا کر کہا۔ ”تمہاری مدد کے لیے مدائن سے فوج آگئی ہے۔“

عیسائی نعرے لگانے لگے اور تھوڑی دیر بعد جہان کا لشکر عیسائیوں کے پڑاؤ میں آگیا۔ جہان نے اس تمام لشکر کی کمان لے لی اور عیسائی سرداروں سے کہا کہ اب وہ اس کے حکم اور ہدایت کے پابند ہوں گے۔ جہان نے عیسائیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے پرجوش تقریر کی جس میں اس نے انہیں بتایا کہ اب انہیں پہلی تینوں حکمتوں کا انتقام لینا ہے۔

”.... اور تم اپنی جوان عورتوں کو بھی ساتھ لے ہو۔“ جہان نے کہا۔ ”اگر تم ہار گئے تو یہ عورتیں مسلمانوں کا مال غنیمت ہوں گی۔ انہیں وہ لوہڈیاں بنا کر لے جائیں گے۔ انہی کی خاطر اپنی جانیں لڑاؤ۔“ عیسائیوں کی صفوں میں جوش و خروش بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ تو پہلے ہی انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ اب اپنے ساتھ فارس کا ایک منظم لشکر دیکھ کر وہ اور زیادہ دلیر ہو گئے۔

مدینہ کی فوج کی پیش قدمی خاصی تیز تھی۔ غشی اپنے دستے کے ساتھ داتیل طفت کہیں آگے نکل گیا تھا۔ وہ سربز اور شاداب علاقہ تھا۔ درختوں کی بہتات تھی۔ بہری جھاڑیاں اور اونچی گیس بھی تھی۔ تھوڑی دور جا کر آدمی نظروں سے اوجھل ہو جاتا تھا۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں فارس کے بڑے بڑے افسر سیر و قزاق اور شکار وغیرہ کے لیے آیا کرتے تھے۔ الیس سے آگے حیرانہ ایک شہر تھا جس کی اہمیت تجارتی اور فوجی لحاظ سے خاصی زیادہ تھی۔ آبادی کے لحاظ سے یہ عیسائیوں کا شہر تھا جو ہر لحاظ سے

عیسائیوں کا دفنا گھڑا تھا۔

”ظہر و اب!۔“ ارد شیر نے تحیف آواز میں کہا۔ ”تم لوگوں نے شکست کو فتح میں بدلنے کی بات کی تھی۔ تم کیا چاہتے ہو؟“

”اپنے گھجے دستے جن میں سوار زیادہ ہوں، ہمیں دے دیں۔“ وفد کے سردار نے کہا۔ ”ہمارا پورا قبیلہ الیس پہنچ گیا ہوگا۔“

”جو مانگو گے دوں گا۔“ ارد شیر نے کہا۔ ”بہن جازویہ کے پاس چلے جاؤ اور اس کا لشکر اپنے ساتھ لے لو۔ جازویہ دیکھ کے قریب کہیں ہوگا۔“

”بہن جازویہ مدائن میں ہے۔“ کسی نے ارد شیر کو بتایا۔ ”وہ شہنشاہ کے پاس آیا تھا لیکن طبیعت سے آپ تک نہیں آئے دیا۔“

”اُسے بلاؤ۔“ ارد شیر نے حکم دیا۔ ”مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔“



جب جازویہ ارد شیر کو بتا رہا تھا کہ اُسے میدان جنگ تک پہنچنے کا موقع ہی نہیں ملا، اُس وقت الیس میں ضرورت حال کچھ اور پہنچی تھی۔ جازویہ اپنے دوسرے سالار جہان کو لشکر دے آیا تھا اور اُس نے جہان سے کہا تھا کہ وہ اس کی واپسی تک مسلمانوں سے لڑائی سے گریز کرے۔

جہان الیس کے کہیں قریب تھا۔ اُسے ایک اطلاع یہ ملی کہ عیسائیوں کا ایک لشکر الیس کے گرد و نواح میں جمع ہے اور دوسری اطلاع یہ ملی کہ مسلمانوں کا لشکر الیس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جہان کے لیے حکم تو کچھ اور تھا لیکن اس اطلاع پر کہ مسلمان پیش قدمی کر رہے ہیں، وہ خاموش نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ اُس نے اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیا اور الیس کا رخ کر لیا۔

ابھی جازویہ واپس نہیں آیا تھا۔ جہان تک ارد شیر کا بھی کوئی حکم نہیں پہنچا تھا۔ چونکہ وہ وہاں موجود تھا اس لیے یہ اُس کی ذمہ داری تھی کہ مسلمانوں کو روکے۔ تاہم رخ میں پھر بن وائل کے اُن عیسائیوں کی تعداد کو کوئی اشارہ نہیں ملا۔ جہان الیس میں لڑنے کے لیے پہنچے تھے۔ اُن کا سردار اور سالار علی بن جلالہ عجمی تھا۔ وہ مدائن سے اپنے وفد کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔

خالہ انتظار کرنے والے سالار نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی فوج کو تھوڑا سا آرام دینا ضروری سمجھا تھا، پھر انہوں نے الیس کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ رفتار معمول سے کہیں زیادہ تیز رکھی۔ غشی بن حارثہ اپنے جانا بڑوں کا دستہ لیے باقی لشکر سے الگ ٹھکانا رہا تھا۔

”اللہ کے سپاہیوں!۔“ غشی نے راستے میں اپنے دستے سے کہا۔ ”یہ لڑائی تم اس طرح لڑو گے جس طرح ہم کسری کی سرحد پر چوکیاں تباہ کرنے کے لیے لڑتے رہے ہیں.... چھاپا بھار مار لیا۔“

شب بخون.... تم ان لوگوں سے لڑتے جا رہے ہو جو تمہاری طرح لڑنا نہیں جانتے۔ انہیں تم جانتے ہو۔ وہ تمہارے ہی قبیلے کے لوگ ہیں۔ ہم انہیں جھکا جھکا کر لڑائیں گے، اسی لیے میں نے انہیں لشکر سے الگ کر لیا ہے لیکن یہ خیال رکھنا کہ ہم اسی لشکر کے سالار کے ماتحت ہیں اور یہ بھی خیال رکھنا کہ یہ مذاہب کی جنگ ہے۔ دو باطل عقیدے تمہارے مقابلے میں ہیں۔ تمہیں ثابت کرنا ہے کہ خدا تمہارا

خوبصورت شہر تھا۔

”اور یہ بھی وہاں میں رکھو۔“ جہاں لشکر کے سالاروں سے پوچھا تھا۔ ”کہ آگے حیرہ ہے۔ تم جانتے ہو کہ حیرہ ہماری بادشاہی کا ایک میرہ ہے۔ اگر مسلمان اس شہر تک پہنچ گئے تو نہ صرف یہ کہ کسری کا دل ٹوٹ جائے گا بلکہ فارس کے پورے لشکر کے حوصلے ٹوٹ جائیں گے حیرہ ماہان سے زیادہ قیمتی ہے۔“



سبزہ زار میں ایک گھوڑ سوار جیسے تیرا چلا آ رہا ہو۔ خالدؓ اپنے لشکر کے وسط میں تھے کسی اور کو اس سوار کی طرف بھیجنے کی بجائے انہوں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس سوار کو راستے میں جالیا۔ وہ قسطنطینی حارثہ کے دستے کا ایک سوار تھا۔

”ابن حارثہ کا پیغام لایا ہوں۔“ سوار نے خالدؓ سے کہا۔ ”اے اے میدان میں آؤ، میں آپ پرستوں کی فوج بھی آگئی ہے۔ ابن حارثہ نے کہا ہے کہ سنبھل کر آگے آئیں۔“

”فورا واپس جاؤ۔“ خالدؓ نے سوار سے کہا۔ ”اور قسطنطینی سے کہو کہ آؤ کچھ تک پہنچے۔“ قسطنطینی کا فاصلہ یوں غائب ہو گیا جیسے اُسے زمین نے نگل لیا ہو۔ اس کے گھوڑے کے ٹاپ کچھ دیر تک سنائی دیتے رہے جو درختوں میں سے گزرتی ہوئی شاں شاں میں تحلیل ہو گئے۔ خالدؓ واپس اپنے لشکر میں آئے اور اپنے سالاروں کو بلا کر انہیں بتایا کہ آگے صرف بکریں وائل کے لوگ ہی نہیں بلکہ مدائن کا لشکر بھی ان کے ساتھ آگیا ہے۔ انہوں نے اپنے سالاروں کو یہ بھی بتایا کہ قسطنطینی حارثہ آ رہا ہے۔ انہوں نے پہلے کی طرح سالار حکیم بن عمرو اور سالار عذری بن حکیم کو دائیں اور بائیں پہلو میں رکھا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ قسطنطینیوں ان پہنچا جیسے وہ واقعی آؤ کر آیا ہو۔

”ابن حارثہ! خالدؓ نے کہا۔ ”کیا تم نے اپنی آنکھوں سے فارس کے لشکر کو عیسائیوں کے ساتھ دیکھا ہے؟“

قسطنطینی حارثہ نے صرف دیکھا ہی نہیں تھا بلکہ اُس نے جان بازی کا مظاہرہ کر کے بہت کچھ معلوم کر لیا تھا۔ اُس نے اپنے جاسوس آگے بھیج رکھے تھے۔ انہوں نے اسے اطلاع دی تھی کہ مدائن کی فوج عیسائیوں سے آگئی ہے۔ قسطنطینی نے پوری معلومات حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ رات کو اُس نے اپنے ساتھ تین سوار لیے اور دشمن کے پڑاؤ کے قریب جا کر گھوڑوں سے اترے اور انہیں ایک دھنست کے ساتھ باندھ دیا۔ وہاں سے وہ چھپ چھپ کر اور جہاں ضرورت پڑی وہاں پیٹ کے بل ریگ کر پڑاؤ کے قریب چلے گئے۔ آؤ پرستوں کے سنتری پڑاؤ کے ارد گرد گھوم پھر رہے تھے۔ یہ صفر ۱۲ ہجری کے وسط کی راتیں تھیں۔ آوے جانک چاندنی تھی جو فائدہ بھی دے سکتی تھی نقصان بھی۔ دو سنتری ان کے سامنے سے گزر گئے۔ انہیں پیچھے سے جا کر پکڑا جاسکتا تھا لیکن ان کے پیچھے پیچھے ایک گھوڑ سوار آ رہا تھا۔ اُس نے اپنے سنتریوں کو آواز دے کر روک لیا اور ان کے پاس آ کر انہیں بیدار اور ہوشیار بننے کو کہنے لگا۔ وہ کوئی کماندار معلوم ہوتا تھا۔

”مسلمان رات کو تو حملہ نہیں کر سکتے۔“ ایک سنتری نے کہا۔ ”پھر بھی ہم بیدار اور ہوشیار ہیں۔“

”تم سہمی ہو۔“ گھوڑ سوار نے حکیم کے لہجہ میں کہا۔ ”جو تم کماندار جانتے ہیں وہ تم نہیں جانتے مسلمانوں کا کچھ پتہ نہیں وہ کس وقت کیا کر گزریں۔ انہیں ہر قسم کا دشمن نہ سمجھو۔ کیا تم نے قسطنطینی حارثہ کا نام نہیں سنا؟ کیا تم نہیں جانتے کہ کسری نے قسطنطینی کے سر کی قیمتی مقرر کر رکھی ہے؟ تم اگر اسے زندہ یا مردہ پکڑ لو یا اس کا صرف سر پیش کر دو تو تم مالا مال ہو جاؤ گے لیکن تم اُسے پکڑ نہیں سکو گے۔ وہ جتن ہے کسی کو نظر نہیں آتا۔۔۔۔۔ جاؤ آگے چلو۔ اپنے علاقے کی شہت کرو۔“

سنتری آگے نکل گئے اور گھوڑ سوار وہیں کھڑا رہا۔ قسطنطینی حارثہ اپنے تین جانباڑوں کے ساتھ ایک گھنی جھاڑی کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ گھوڑ سوار اُس طرف جانے کی بجائے جس طرف سنتری چلے گئے تھے دوسری طرف چلا گیا۔ گھوڑے پر اسے کڑا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ قسطنطینی نے اپنے ایک جانباڑ کے کان میں کچھ کہا اور گھوڑ سوار کا منہ کھلا کر دیکھا ہوا آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔

قسطنطینی قریب کے ایک دھنست پر چڑھ گیا۔ اُس کے جانباڑ نے ذرا اونچی آواز میں کچھ کہا۔ کماندار نے گھوڑا روک لیا۔ جانباڑ نے اُسے واپس آنے کو کہا۔ وہ اس آواز پر واپس آ رہا تھا۔ اچانک دھنست سے قسطنطینی کودا اور گھوڑ سوار کے اوپر گرا اور اُسے گھوڑے سے گرا دیا۔ قسطنطینی کے ایک آدمی نے دوڑ کر گھوڑے کی کلام پکڑ لی اور دوڑنے کا منہ کر دیا اور اُس کا منہ باندھ دیا۔ اُسے اور اُس کے گھوڑے کو وہاں سے دور لے گئے۔ انہوں نے اپنے گھوڑے کو لے اور وہاں سے اتنی دور نکل گئے جہاں وہ چھپ چلا تھا تو بھی اُس کی آواز اُس کے پڑاؤ تک نہ پہنچی۔

”زندہ رہنا چاہتے ہو تو بتاؤ کہ تمہاری فوج کہاں سے آئی ہے۔“ قسطنطینی نے تلوار کی نوک اُس کی شہر رک پر رکھ کر پوچھا۔

وہ بہن جاؤ وہ یہ کے لشکر کا کماندار تھا۔ اُس نے جان بچانے کی خاطر سب کچھ بتا دیا۔ یہ بھی کہ جاؤ وہ یہ مدائن چلا گیا ہے اور اُس کی جگہ جہاں سالار ہے اور بکریں وائل کا لشکر انہیں اتفاق سے مل گیا ہے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ اس قبیلے کے کچھ سردار مدائن سے فوج اپنے ساتھ لائیں گے۔

”کیا انہیں معلوم ہے کہ مدینہ کی فوج کہاں ہے؟“ قسطنطینی نے اُس سے پوچھا۔

”وہ بہت دور ہے۔“ کماندار نے جواب دیا۔ ”ہم اُس پر حملہ کرنے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔“

شاید دو روز بعد۔

جب اُس سے ہر ایک بات معلوم ہو گئی تو اُسے ہلاک کر کے لاش وہیں دفن کر دی گئی۔



مورج طلوع ہو چکا تھا جب قسطنطینی حارثہ خالدؓ کو یہ رویداد سن رہا تھا۔

”تعداد کا اندازہ کیا ہے؟“ خالدؓ نے پوچھا۔

”صحیح اندازہ شکل ہے ابن ولید!۔“ قسطنطینی نے کہا۔ ”ہماری اور ان کی تعداد کا تناسب وہی

ہے جو پہلے تھا۔ وہ ہم سے چار گنا نہیں تو تین گنا ہے۔“

خالدؓ نے اپنی فوج کو روکا کہ انہیں تاکہ وقت ضائع نہ ہو اور دشمن کو بے خبری میں جالیں۔ انہوں نے چلتے چلتے اپنے سالاروں سے مشورے لیے خود سوچا اور احکام دیتے۔ ان عربوں کے متعلق

آتش پرستوں کے سب سے زیادہ جبری اور تجربہ کار سالار ہرنے کہا تھا کہ یہ لوگ صحرا کے رہنے والے ہیں اور صحرا میں ہی لڑ سکتے ہیں۔ ہرن نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ انہیں جہلہ اور فرات کے اس علاقے میں لڑائے گا جس میں دخت، جھاڑیاں، گھاس اور کہیں کہیں دلدل ہے لیکن ہرن کے خواب اسی شرمسبز اور دلدلی علاقے میں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر گئے تھے۔

"خدا کی قسم، تم اب دریاؤں اور جنگوں میں بھی لڑ سکتے ہو۔" خالد نے اپنے سالاروں سے کہا۔ "اس زمین پر تم نے اتنے طاقتور دشمن کو تین ہفتے میں دی ہیں۔ تم نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ ہمارے دشمن کے لڑنے کا طریقہ کیا ہے۔ فنی نے بتایا ہے کہ دشمن اگر کسی میدان میں جہاں وہ لڑاؤ کئے ہوئے ہے تو یہ زمین میں رکھ لو کہ یہ میدان دو دریاؤں (دریا تے فرات اور دریا تے خضیف) کے درمیان ہے میدان ہموار ہے لیکن درختوں اور بڑے کی بہتات ہے۔ دوڑتے گھوڑوں پر تین درختوں کا اور ان کے جھکے ہوئے ٹھنوں کا خیال رکھنا پڑے گا ورنہ ان ٹھنوں سے ٹکرا کر مارے جاؤ گے۔"

"میدان محدود بھی ہے جس دشمن کو کسی قسم کا دھوکہ دینے کا اور چالیں چلنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔ ہمیں آگے سامنے کا معرکہ لڑنا پڑے گا۔ ان عمرو اور ابن حاتم پہلوؤں کے سالار ہوں گے۔ نہیں جب بھی اور جیسا بھی موقع ملے، یہ اس کے مطابق نقل و حرکت کریں گے۔ اپنے کمانداروں کو یہ بتانا فنی ہے کہ آگے سامنے کی لڑائی میں جذبے کی شدت اور جہانی پھرتی اور مضبوط حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"ابن حارثہ! تم ہمارے پابند ہو کر نہیں لڑو گے تمہارے ساتھ پہلے طے ہو چکا ہے کہ تم اپنے انداز کا معرکہ لڑو گے لیکن تم یہ اختیار کرو گے کہ تمہارے سوار ہمارے راستے میں نہ آئیں تم نے اپنے سواروں کو یہی تربیت دے رکھی ہے، انہیں اسی طرح استعمال کرو لیکن اندھا دھن نہ بنیں۔ نظم و ضبط بہت ضروری ہے۔"

"ابن دلیر!۔" فنی بن حارثہ نے کہا۔ "تجربہ اللہ کی رحمت ہو، تو نے جیسا کہا ہے تجھے دیا ہی نظر آئے گا۔ کیا تو مجھے اجازت دیتا ہے کہ میں اپنے دستے میں چلا جاؤں؟" "میں تجھے اللہ کے سپرد کرتا ہوں حارثہ کے بیٹے۔" خالد نے کہا۔ "جا۔۔۔ میدان جنگ میں ملیں گے یا میدانِ حشر میں؟"

فنی نے گھوڑے کو اڑا لیا اور پاک جھپکے نظروں سے اوجھل ہو گیا، اس کے ساتھ اس آتش پرست کماندار کا گھوڑا بھی تھکا جسے اس نے قتل کر دیا تھا۔ وہ یہ گھوڑا خالد کے لشکر کو دے گیا تھا۔

اتنی مختصری تعداد میں اور اتنے محدود وسائل کے بھروسے مدینہ کے مجاہدین اس لشکر پر حملہ کرنے جا رہے تھے جس کی تعداد ان سے تین گنا سے بھی زیادہ تھی اور جس کے ہتھیار بھی بہتر تھے اور جن کے سر لوہے کے خودوں سے اور چہرے لوہے کی زنجیروں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ ان کی ٹانگوں پر جانوروں کی موٹی اور خشک کھانوں کے خول چڑھے ہوئے تھے۔

مجاہدین کے دلوں میں کوئی خوف نہ تھا، ذہنوں میں کوئی دہم اور دوسوہ نہ تھا۔ ان کے سامنے ایک پاک اور عظیم مقصد تھا۔ ان کی لگائوں میں اپنے اللہ، رسول اور مذہب کی عظمت تھی، اپنی جانوں کی کوئی اہمیت نہ تھی سوائے اس کے کہ یہ جان اللہ کی دی ہوئی ہے اور اسے اللہ کی راہ میں ہی قربان کرنا ہے۔ اپنی زندگی دے کر وہ اسلام کو زندہ رکھے گا عہد کئے ہوئے تھے۔ وہ گھروں سے، اپنی بیویوں سے، اپنی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں سے دُور ہی دور ہٹتے جا رہے تھے۔ ان کے شب و روز خل و خوں میں گزر رہے تھے۔ زمین ان کا بھونا تھی اور اوپر آسمان تھا۔ باطل کی چٹانوں سے ٹکرائے، کھڑے تلامح کو چیرنا اور دشمنانِ دیں کے عزائم کو کچلنا ان کی عبادت تھی۔ ان کی زبانوں پر اللہ کا نام تھا۔ وہ تلوار کا دادر کرتے تھے تو اللہ کا نام لیتے تھے اور تلواروں سے کٹ کر گر گئے تھے تو اللہ کا نام لیتے تھے۔ زخمی ہوتے تو اللہ کو پکارتے تھے۔ لاریب ایمان کی بچی اور جذبے کی دیوانگی ان کے ہتھیار تھے اور یہی ان کی دھال تھی۔

وہ اُس وقت دشمن کے سامنے پہنچے جب دشمن کا وہ پہر کا کھانا تیار ہو چکا تھا۔ ان کے سالار جابان کے حکم سے لشکر کے لیے خاص کھانا تیار کیا گیا تھا۔ مورخ طبری، ابن ہشام اور محمد بن یسکب لکھتے ہیں کہ فارس کی فوج کو سائڈوں کی طرح ہلا جاتا تھا۔ سپاہیوں کو مرغن کھانے کھلائے جاتے تھے۔ فارس کے شہنشاہوں کا اصول بلکہ عقیدہ تھا کہ مضبوط اور مستحکم فوج ہی سلطنت اور تخت و تاج کی سلامتی کی ضامن ہوتی ہے۔

فارس سالار جابان نے اُس سے زیادہ مرغن اور پرکھٹ کھانا تیار کر لیا تھا جو فوج کو عام طور پر ملا کرتا تھا۔ اُس کھانے کا ذکر تاریخوں میں بھی آیا ہے۔ بے شمار جانور ذبح کر دیئے گئے تھے جو شہت کے علاوہ کئی چیزیں پکانی گئی تھیں جو خوں نے لکھا ہے کہ جابان اپنے لشکر کی خاطر تواضع کر رہا تھا کہ اپنی خلوص دل سے لڑیں گے اور اچھے سے اچھا کھانا کھانے کے لیے زندہ رہیں گے۔

کھانا تو نہ خاص تھا اس لیے اس کی تیاری میں معمول سے زیادہ وقت لگ گیا۔ دن کا کچھ لاچر شروع ہو چکا تھا جب کھانا تیار ہوا۔ لشکر بھوک سے بے تاب ہو رہا تھا۔ جب لشکر کو اطلاع دی گئی کہ کھانا تیار ہو گیا ہے اور لشکر کھانے کے لیے بیٹھ جاتے، میں اُس وقت گھنٹی سننے لگوں نے اطلاع دی کہ سالاروں کی فوج سر پر آگئی ہے۔

خالد نے اپنے اس عقیدے کا کامیاب تھے کہ دشمن کو ان کی آمد کی خبر قبل از وقت نہ ہو۔ انہوں نے دشمن کو بے خبری میں جابا تھا۔ آتش پرستوں اور عیسائیوں میں ٹر لوہے کی سپاہ تھی۔ سالار اور کماندار چلا چلا کر دونوں لشکروں کو جنگ کی تیاری اور صف بندی کا حکم دے رہے تھے۔ لشکر کے سامنے جو رنگارنگ کھانے رکھے جا رہے تھے، انہیں لشکر چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا۔ طبری کی تحریر شاہد ہے کہ لشکر سے بڑی بلند آواز اٹھی کہ سالاروں کے پیچھے نہک وہ کھانا کھائیں گے بیشیہ سپاہی کھانے میں مصروف ہو گئے۔

خالد کی فوج جی ترتیب میں بالکل سا جھپک گئی۔ یہ فوج حملے کے لیے بالکل تیار تھی۔ آتش پرستوں

اور عیسائیوں میں وہ بھی تھے جو مسلمانوں سے شکست کھا چکے تھے۔ انہوں نے اپنی فوج کو مسلمانوں کی تلاواریں اور برچھیوں سے کٹنے دیکھا تھا۔ وہ مسلمانوں کو دیکھ کر ہی ڈر گئے۔

”کھانا چھوڑ دو“۔ ان میں سے کتنی ایک نے واہیلہ بپا کر دیا۔ ”اِن سالنوں کو موقع نہ دو۔۔۔ کھاٹ دیں گے۔ مار دیں گے۔۔۔ تیار ہو جاؤ“

وہ کھانا چھوڑ کر اٹنے کی تیاری کرنے لگے۔ باقی لشکر اپنے سالاروں اور کمانداروں کا ہتھیار چمکائیں۔ ان رہا تدار سب پنجوک سے مرے جا رہے تھے۔ کچھ جنہوں نے مسلمانوں کے ہاتھ دیکھے ہوتے تھے، ان کی خوفزدہ ہڈیاں پگ پگ دیکھ کر سارا لشکر کھانا چھوڑ کر کھٹکھٹا ہوا۔

مدینہ کے مجاہدین اور آگے چلے گئے۔ خالدؓ انہیں احکام دے رہے تھے۔

دشمن نے ابھی گھوڑوں پر نہیں کھینچیں اور سارے لشکر نے زبرہ پہنچتی تھی۔ جابان نے ہمت حاصل کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اُس دور کے رواج کے مطابق عیسائیوں کے سردار عبدالاسود علی کو ذاتی مقابلے کے لیے آ کر کھڑا کیا۔

”کس میں ہمت ہے جو میرے مقابلے کے لیے آئے گا۔“ عبدالاسود نے اپنے لشکر سے آگے
 آکر مسلمانوں کو بلاکارا۔ ”جیسے میری تلوار سے کس کو مرنے کا شوق ہے وہ آگے آجائے۔“

”میں ہوں کاہنہ بانا“۔ خاندانہ نے بنیام سے تلوار نکال کر ہینڈ کی اور گھوڑے کو اڑھائی لگائی۔ ”میں یہاں جس کی تلوار تجھے دیوں گے خون کی پیاسی بستی ہے۔۔۔ گھوڑے کی پیٹھ پر اور اپنا نام لپکا رہا۔“

”میں ہوں جلیلہ اور عجیبی۔ اُس نے ہینڈ آواز سے کہا۔ ”نام علوان کا ہینڈ ہو گا۔“

خالد کا گھوڑا اُس کے قریب سے گزر گیا، اُس کے جاکوڑ مڑا اور خالد نے تلوار تان لی عبداللہ نے بھی تلوار نکال لی تھی۔ خالد نے دوڑنے لگے تو اُس سے اُس پر وار کیا لیکن یہ وار خطا گیا۔ عبداللہ نے بھی خالد کی طرح گھوڑا دوڑا دیا اور ایک بار پھر دونوں سوار آمنے سامنے آئے۔ اب کے عبداللہ نے وار کیا۔ خالد نے وار اس طرح روکا کہ اُن کی تلوار عبداللہ کی تلوار کے دستے پر لگی جہاں اس عیسائی سوار کا ہاتھ تھا۔ اُس کے اس ہاتھ کی دو انگلیوں کے اوپر کے حصے صاف کٹ گئے۔ تلوار اُس کے ہاتھ سے گر پڑی۔

عبدالاسود نے بھاگ نکلنے کی بجائے بلند آواز میں کہہ کر اُسے برجمی دی جاتے۔ اُس کے لشکر میں سے ایک آدمی نکلا جس کے ہاتھ میں برجمی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا اپنے سردار کی طرف آیا۔ خالدؓ نے اُس کا راستہ روکنے کے لیے گھوڑے کا رخ اُس کی طرف کر دیا۔ وہ آدمی پیادہ تھا۔ اُس نے خالدؓ سے بچنے کے لیے برجمی اپنے سردار کی طرف پھینکی۔ خالدؓ پہنچ گئے تھے۔ برجمی آہی بھتی جسے خالدؓ کے سر گئے اور پسے گئے۔ خالدؓ نے عبدالاسود نے برجمی پکڑنے کے لیے دونوں ہاتھ بلند کر رکھے تھے۔ خالدؓ نے برجمی کو تلوار رومی۔ برجمی کٹ تو نہ سکی، لیکن اُن کا مقصد پورا ہو گیا۔ برجمی راستے میں رُک گئی اور گر پڑی۔

خالدؑ نے گھوڑے کا رخ عبدالاسود کی طرف کر دیا۔ اب شخص دار سے صرف بچ سکتا تھا۔ دار کھڑکھٹاؤس کے پس کی بات نہیں تھی۔ خالدؑ نے بغیر تماشا سے اِدھر اُدھر جھنگایا۔

”اُبن ولیدؑ“ خالدؑ کے ایک سالار نے بلند آواز میں کہا۔ ”اُسے ختم کرو۔ دشمن تیار ہو رہا ہے۔“

خالد نے گھوڑے کی رفتار تیز کر کے اور اسود کے قریب سے گزرتے تلوار برہمن کی طرح مادی۔ عبدالاسود نے گھوڑے کے ایک پہلو پر چھک کر پہننے کی خوشی کی، لیکن خالد نے تلوار اُس کے دوسرے پہلو میں اتر گئی۔ عبدالاسود فیل گیا، لیکن وہ جھکا نہیں۔ خالد نے اب پیچھے سے اُس پر اپرا دار کیا کہ اُس کی گردن اس طرح کٹی کہ سر ٹھک کر ایک کنبہ پر چلا گیا۔ گردن پوری نہیں کٹی تھی۔

ادھر عیاسیوں کا سردار عبداللہ اسود گھوڑے سے گرا اُدھر دریائے فرات کی طرف سے پشتدار گھوڑوں کے دوڑنے کا شور مچا دیا۔ گھوڑے سر بیٹ دوڑتے آ رہے تھے۔ اُس پہلو پر عیاسیوں کا لشکر تھا۔ گھوڑسواروں کے ہاتھوں میں برہمچاریاں تھیں۔ گھوڑے عیاسیوں کے لشکر میں جا گھسے اور سواروں کی برہمچلیوں نے انہیں چھلنی کرنا شروع کر دیا۔ عیاسیوں کی توجہ سامنے مسلمانوں کی طرف منتقل ہوئی۔ وہ مقابلے کے لیے تیار نہ ہو سکے۔

”میں ہوں حارثہ کابلیاٹنی“۔ اس شور و غوغا میں سے ایک لاکار سنا تی دے رہی تھی۔

کاما ہر تھا اور اس جنگ میں لڑائی کا یہ طریقہ بے حد ضروری تھا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ میدان جنگ مشکل و وسیل وسیع تھا۔ اس کے وائیں اور بائیں دریا تھے۔ خالدؓ نے پہلے یہی کہہ دیا تھا اس میدان میں وہ اپنی مخصوص جنگی چالیں نہیں چل سکیں گے۔ اپنے سالاروں سے انہوں نے کہا تھا کہ آئسے سامنے کی لڑائی میں وہ صرف اس صورت میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ دشمن پر بہت تیز اور شدید حملہ کیا جائے تاکہ حملہ موج و موج پہلوی ایک دوسرے دشمن سے ٹکرائے کہ پیچھے ہٹے اور دوسرا دستہ حملہ کرے۔ خالدؓ نے اپنی فوج کو اسی فہم کے حملوں کا تربیت دے کر بھیج دیا اور انہیں اس کی مشق کراتے رہتے تھے۔

خالق نے حملہ کا حکم دے دیا۔ اُنہوں نے پہلوؤں کے کوتلوں کو بھی اس حملے میں جھونک دیا۔ حملے کی پہلی فوج کی قیادت خالق نے خود کی پہلوؤں کے سالاروں عاصم اور عدی نے بھی اپنے اپنے دستے کے ساتھ خود حاکم حملہ کیا۔ آتش پرستوں نے جم کو مقابلہ کیا۔ وہ تازہ دم تھے۔ مجاہدین شکستے ہوئے تھے۔ لیکن مسلمانوں کو یہ فائدہ مل گیا کہ آتش پرست ابھی پوری طرح اڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اپنی نورخوں نے صاف لکھا ہے کہ فارس کی فوج ذہنی طور پر بھی اڑنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ یہ فوج جھوکی تھی اور اُسے وہ کھانا چھوڑنا پڑا تھا جو اُس کے لیے خاص طور پر بچوایا گیا تھا۔ اس کھانے کے لیے تو اُنہوں نے مسلمانوں کی بھی پروا نہیں کی تھی۔

سرپرست و درانی جنگوں کی طرح کبھی پہلو سے کبھی عقب سے آتے اور کھار کے کئی آدمیوں کو برقیوں سے کاٹی گزر جاتیں۔ اس طرح دشمن کی توجہ اپنے عقب پر بھی ٹپکتی، لیکن ٹپکی کے سوار رک کو نہیں لڑتے تھے۔ ان سواروں نے دشمن کی ترتیب درہم برہم کرتے رکھی۔ ٹپکی کی اس کارروائی سے خالد نے پورا فائدہ اٹھایا۔

”بنو بکر“ میدان جنگ میں ایک اعلان سنائی دینے لگا۔ اور زلزلت کے پجاریو اجم کر اورو۔ ملاں سے بہن جاؤ یہ کاشکر آ رہا ہے۔“

یہ اعلان بار بار سنائی دیتا تھا۔ خالد کو یہ اعلان کچھ پریشان کر رہا تھا۔ انہوں نے پہلوؤں کے سالاروں کو پیغام بھیجے کہ ہر طرف دھیان رکھیں۔ خالد نے اپنے محفوظ کسے دستوں کو بھی خبردار کر دیا کہ عقب سے حملہ کا خطہ ہے۔

تقریباً تمام مورخین نے لکھا ہے کہ بہن جاؤ یہ ملاں سے کوئی لشکر نہیں لار رہا تھا۔ کسی نے بھی یہ نہیں لکھا کہ وہ جا بان کی مدد کے لیے کیوں نہیں پہنچ سکا تھا۔ ایک مورخ یا قوت نے لکھا ہے کہ بہن جاؤ یہ اپنے لشکر میں شامل ہونے کے لیے واپس آ رہا تھا۔ راستے میں اُسے اس لڑائی سے بھاگے ہوئے کچھ سپاہی مل گئے جنہوں نے اُسے ایش کی جنگ کا حال سنایا۔ جاؤ یہ آگے آنے کی بجائے واپس رک گیا۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ شکر اُس کے کھاتے میں نہ بھی جاتے۔ بہر حال اس اعلان نے کہ ملاں سے جاؤ یہ فوج لار رہا ہے ملاں میں نئی روح پھونک ڈالی۔ خالد نے اعلان کی بجائے ملاں کے لشکر کے پہنچنے سے پہلے پہلے اس لشکر کا صفایا کر دو لیکن آتش پرست اور عیسائی چٹانوں کی طرح ڈٹے رہتے تھے۔

خالد کو عالمو کرتے ہی تھے لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ خالد گھوڑے سے اترے، زمین پر گھٹنے ٹیکے اور ہاتھ بند کر کے دعا کی۔ ”خدا تے دوا کلال اہمت عطا فرما کہ ہم اس لشکر کو نیچا دکھائیں۔ میں عبد کوٹا ہوں کہیں تیرے دین کے دشمنوں کے خون کا دریا بہا دوں گا۔“

اب کے خالد نے نئے جوش و غروش سے حملہ کروا تے پہلوؤں کے دولوں سالاروں نے دشمن کو نیم وائرے میں لے لیا۔ عقب سے ٹپکی بن حارث کے سواروں نے اپنی چھاپہ مار کارروائیاں جاری رکھیں۔ دو تین گھنٹے بعد صاف نظر آنے لگا کہ دشمن کے قدم اکٹھے رہے ہیں چونکہ دشمن کی تعداد زیادہ تھی اس لیے اُس کے مرنے اور زخمی ہونے والوں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ یہ حالت دیکھ کر آتش پرستوں اور عیسائیوں کے وہ لوگ جو پہلی تین جنگوں سے زندہ بھاگ نکلے تھے، حوصلہ ہار بیٹھے اور جانیں بچانے کے لیے میدان جنگ سے کھینکے لگے۔ پھر لشکر کے دوسرے لوگ بھی پیچھے ہٹنے لگے۔ یہ صورت دیکھ کر مسلمانوں نے اپنے حملوں میں مزید شدت پیدا کر دی۔ پھر اچانک یوں جوا کہ کھار نے بھاگنا شروع کر دیا۔

”تغاب کو“ خالد نے اپنے تمام لشکر میں قاصد اس پیغام کے ساتھ دوڑا دیتے اور بلند آواز میں اعلان بھی کرایا۔ ”انہیں بھاگنے مت دو۔“ اُن کی بھی ڈکو۔ زندہ پکڑ لو۔“ اس اعلان کا کھار پر ایک اثر تو یہ ہوا کہ انہوں نے نہ بھاگے کی بجائے تھکڑا لے کر شروع کر

دیئے۔ بعض نے خوفزدہ ہو کر بھاگ اٹھنا بہتر سمجھا مٹی کے سواروں نے انہیں گھیر گھیر کر پیچھے لانا شروع کر دیا۔ جنگ ختم ہو چکی تھی۔ میدان جنگ لاشوں اور تڑپتے اور بے ہوش زخمیوں سے انا پڑا تھا۔ ایک طرف وہ کھانا محفوظ پڑا تھا جو دشمن کے لشکر کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ خالد کے حکم سے مجاہدین کھانے پر بیٹھ گئے جو سوار بھاگے والوں کو پکڑ پکڑ کر لار رہے تھے، وہ بھی باری باری کھانا کھانے لگے۔

خالد نے مجاہدین سے کہا۔ ”اللہ نے یہ کھانا تمہارے لیے تیار کر لیا تھا۔ اطمینان سے کھاؤ۔“ مسلمان مختلف کھانے دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ انہوں نے ایسے کھانے پہلے بھی دیکھے ہی نہیں تھے۔ وہ جو کی روٹی، اونٹنی کا دودھ اور کھجوریں کھانے والے لوگ تھے۔

مورخوں نے لکھا ہے کہ دشمن کے جن آدمیوں کو زندہ پکڑ کر لایا جا رہا تھا، انہیں خالد کے حکم نے خیمت کے کنارے لے جاتے اور اُن کے سر اس طرح کاٹ دیتے جاتے کہ سر دریا میں گرتے تھے۔ ان کے دھڑاس طرح کنارے پر پھینکے جاتے کہ ان کا خون دریا میں جاتا تھا۔ اس طرح قتل ہونے والوں کی تعداد ہزاروں کے حساب سے تھی۔

غیر مسلم مورخوں اور مبصروں نے خالد کے اس حکم کو خالص فعل کہا ہے لیکن خالد کہتے تھے کہ انہوں نے خدا سے عہد کیا تھا وہ کھار کے خون کا دریا بہا دیں گے۔ دریا کے اوپر بند باندھا ہوا تھا جس نے دریا کا پانی روکا ہوا تھا اس لیے خون دریا میں جتا جا رہا تھا۔ کسی نے خالد کو مشورہ دیا کہ خون کا دریا صرف اس صورت میں بسے گا کہ بند کھول دیا جاتے۔ چنانچہ بند کھول دیا گیا۔ جب اتنا زیادہ خون پانی میں ملا تو پانی سُرخ ہو گیا اور خون کا دریا بہنے لگا۔ اسی لیے تاریخ میں اس دریا کو دریا بے خون لکھا گیا ہے۔

بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ خالد نے فوج نکلنے والوں اور ہتھیار ڈالنے والوں کا قتل عام اس لیے کرایا تھا کہ یہ سپاہی ایک جنگ سے بھاگ کر اگلی جنگ میں پھر سامنے آ جاتے تھے۔ اس کا علاج خالد نے یہ سوچا کہ دشمن کے کسی ایک بھی سپاہی کو زندہ نہ رہنے دیا جاتے۔ کہتے ہیں تین دن بعد آتش پرستوں اور عیسائیوں کو قتل کیا جا رہا تھا۔ اس طرح قتل ہونے والوں کی تعداد ملا کر دریا بے خون کی جنگ میں آتش پرست اور عیسائی مارے گئے، ان کی تعداد ستر ہزار تھی۔

آپ کسریٰ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نہیں لا سکتے؟ کون کہتا ہے آپ موت کا منہ موڑ دیا کرتے ہیں؟

”زراشت کی رحمتیں ہوں تجھ پر ملکہ فارس! — بڑھے طبیب نے کہا — ”نہ کسی کی موت میرے ہاتھ میں ہے نہ کسی کی زندگی میرے ہاتھ میں ہے۔ میں زندگی اور موت کے درمیان کمزور سی ایک دیوار ہوں۔ موت کے ہاتھ اتنے مضبوط اور توانا ہیں کہ اس دیوار کو دروازے کے کواڑ کی طرح کھول لیتے ہیں اور مرعش کو اٹھا لے جاتے ہیں اور میرا علم اور میرا تجربہ منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔“

”الفاظ، محض الفاظ۔“ ملکہ نے فرش پر بڑی زور سے پاؤں مار کر کہا۔ ”کھو کھلے الفاظ.... کیا الفاظ کسی دکھ یا رے کا دکھ مٹا سکتے ہیں؟ کسی روگی کو روگ سے نجات دلا سکتے ہیں؟ کیا آپ کے الفاظ میں اتنی طاقت ہے کہ کسریٰ کے روگ کو چوس لیں؟“

”نہیں ملکہ فارس! — طبیب نے بڑے تحمل سے کہا اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے ملکہ کے بازو کو پکڑا اور اسے بٹھا کر کہا۔“ الفاظ کسی کے دکھ اور کسی کے روگ کو مٹا نہیں سکتے، البتہ دکھ اور روگ کی اذیت کو ذرا کم کر دیا کرتے ہیں حقیقت کے سامنے الفاظ کوئی معنی نہیں رکھتے اور حقیقت اگر تلخ ہو تو عالم کے منہ سے نکلنے والے الفاظ یوں لگتے ہیں جیسے خراں میں شجر کے زرد پتے گر رہے ہوں۔ سو کھتے ہوئے ان پتوں کو پھر ہوائیں اٹاتی پھرتی ہیں۔“

”ہم کسریٰ کو حقیقت سے بے خبر رکھ رہے ہیں۔“ ملکہ نے کہا۔ ”میں انہیں قص و نغمہ سے بہلانے کی...“

”کب تک؟“ بڑھے طبیب نے کہا۔ ”ملکہ کسریٰ، اتم کسریٰ سے اس حقیقت کو کب تک چھپاتے رکھو گی؟ یہ قص اور یہ نغمے اور یہ نکل جیسے نرم دلائل اور فوجیہ کسریٰ اور شیر کا دل نہیں بہلا سکتے۔ اگر کسریٰ صرف شہنشاہ ہوتے تو وہ اپنے آپ کو بڑے حین خرم دے سکتے تھے۔ خزاں کے بڑے دلکش راستے اختیار کر سکتے تھے لیکن وہ جنگجو بھی ہیں۔ ان کے گھوڑے کے سنبھلنے والے زمین کے تختے کو ہلاڑا لیتا تھا۔ فارس کی اتنی وسیع شہنشاہی کسریٰ کے زور بازو کا حاصل ہے۔“

اس شہنشاہی کو انہوں نے رومیوں کی طاقتور فوج سے بچایا ہے۔ کسریٰ نے لڑائیاں لڑی ہیں، بڑے غریزہ سحر کے لڑے ہیں۔ اب وہ جنگجو اور شیر سیدار ہو گیا ہے۔ اب قص و نغمہ اور یہ طلسماتی جوانیاں ان پر الٹا اثر کر رہی ہیں۔ اب وہ کسی رقاصہ اور کسی مغنیہ کو نہیں، ہرگز کو بلا تے ہیں بلکہ زور کی پوچھتے ہیں، بہن جاؤ یہ اور انوشیروان کو بیکار تے ہیں.... کہاں ہیں ان کے یہ سالار؟ تم انہیں کیا دھوکہ دو گی؟

”کچھ نہیں۔“ ملکہ نے آنکھ کر کہا۔ ”کچھ بھی نہیں.... آپ ٹھیک کہتے ہیں.... لیکن کچھ تو بتایا میں کچھ نہیں سمجھ سکتی۔ کیا آپ ان مسلمانوں کو جانتے ہیں؟ یہاں چند عیسائی آتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں کوئی پڑا سلاطنت ہے جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا.... اور میں نے دیکھا ہے کہ وجہ اور فرات کے درمیانی علاقے میں ہم نے جن مسلمانوں کو آباد کر کے انہیں اپنا غلام بنانا دیا

شہنشاہ فارس اور شیر جو نوشیروان عادل کا پوتا تھا، ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا تھا جو شاہی طبیبوں کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ اتنا تو وہ جانتے تھے کہ یہ پلے پلے تین شکستوں کا صدمہ ہے لیکن صدمہ آخر جسمانی مرض کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ اس کا علاج دو ایہوں سے ہونا چاہیے تھا لیکن یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ دو ایہاں نہیں بلکہ دو ایہاں اُسے کھا رہی ہوں۔

اور شیر پر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ وہ جو اپنے وقت کا فرعون تھا، سحر کے دینے کی طرح ٹٹھا رہا تھا۔ طبیب اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ اور شیر تک جنگ کی کوئی بُری خبر نہ پہنچے لیکن یہ ممکن نہ تھا۔ وہ جب بولتا تھا تو یہی کہتا تھا کہ آگے کی کیا خبر ہے؟

”خبر اچھی آرہی ہیں۔“ طبیب جو ہر وقت حاضر رہتا تھا، اُسے جواب دیتا اور اُسے صدمے سے بچانے کے لیے کبھی کہتا۔ ”مسلمان پختیار ہے ہیں کہ وہ کس کو چھیڑ بیٹھے ہیں۔“ کبھی کہتا۔ ”فارس کی شہنشاہی ایک چٹان ہے۔ اس سے جو بھی ٹکرا یا اس نے اپنا سر بھڑلایا۔“ اور کبھی اُس کی چپٹی ملکہ یہ کہہ کر اُس کا دل مضبوط کرتی۔ ”عرب کے بد کسریٰ کے جاہ و جلال کی تاب نہیں لا سکتے۔“

ان تسلیوں اور ان حوصلہ افزاں الفاظ کا کسریٰ اور شیر پر دو ایہوں کی طرح الٹا ہی اثر ہو رہا تھا۔ اُس کی خاموشی نے ٹوٹ سکی اور اُس کے چہرے پر ادا سیدوں کی پرچائیاں کم ہونے کی بجائے گہری ہوتی گئیں۔

اُس کی من پسند رقاصہ نے اُس کے سامنے حین ناگن کی طرح اپنے جسم کو بہت بل دیتے اُس نے اپنا جسم نیم عریاں کیا، اور شیر کے علی چہرے پر اپنے عطر بنہ رشیم جیسے ملائم بادل کا سایہ کیا، پھر عریاں ہو کر رقص کی اداؤں سے کسریٰ کے روگی وجود کو سہلانے کے حین کیے مگر ایسے لگتا تھا جیسے مورئی جنگل میں ناچ رہی ہو اور ناچ کا طعمر جنگل کی ہواؤں میں اُڑتا جا رہا ہو۔

اُس کی پسندیدہ مغنیہ جو اور شیر کو مسحور کر لیا کرتی تھی، اُس کا سحر بھی رانیگاں گیا۔ یہ رقاصہ اور یہ مغنیہ فارس کے حُسن کے شاہکار تھیں۔ فارس کا حُسن تو کسریٰ کے حرم میں پتھروں کی طرح کھلا ہوا تھا۔ اُن پتھروں میں اُدھ کھلی کیاں بھی تھیں۔ اور شیر ان کے عملیں جسموں کی نوباس سے بدبونا رہا کرتا تھا مگر اب ایک ایک کو اُس کی تنہائی کا ساتھ بنا گیا تو اور شیر نے کسی کو بھی قبول نہ کیا۔

اُس کے سر و جسم میں فوجیہ جوانی کی تپش ذرا سی حرارت بھی پیدا نہ کر سکی۔

”بیکار ہے، سب بیکار ہے۔“ ملکہ نے باہر آکر اُس بڑھے شاہی طبیب سے کہا جس کے متعلق فارس کے کونے کونے تک مشہور تھا کہ اُسے دیکھ کر موت منہ موڑ جاتی ہے۔ ملکہ نے رند سی ہوتی آواز میں اُسے کہا۔ ”کیا آپ کا علم اور تجربہ بھی بیکار ہے؟ کیا یہ محض ڈھونگ ہے؟ کیا

تھا اور جنہیں ہم کیڑوں بکھڑوں سے بڑھ کر کچھ نہیں سمجھتے تھے، وہی مدینہ والوں کا بازو بن گئے ہیں اور ہمارا لشکر ان کے آگے بھاگا بھاگا پھر رہا ہے۔

"یہ عقیدے کی طاقت ہے ملکہ فارس! — طیب نے کہا۔
"تو کیا ان کا عقیدہ سچا ہے؟"

"نہیں ملکہ فارس! — بوڑھے طیب نے کہا۔ "ایک بات کہوں گا جو شاید تمہیں اچھی نہ لگے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بادشاہی صرف اللہ کی ہے اور بندے اس کے حکم کے پابند ہیں۔۔۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔۔۔ کیا تم اس راز کو سمجھی ہو ملکہ کسری؟"

"نہیں بزرگ طیب! — ملکہ نے جواب دیا۔ "میں نہیں سمجھ سکی۔ بادشاہی تو ایک خاندان اور اس کے ایک فرد کی ہوتی ہے۔"

"اس کا انجاء تم دیکھ رہی ہو ملکہ کسری! — طیب نے کہا۔ "آج وہ ایک انسان جو اپنے آپ کو انسانوں کا شہنشاہ سمجھتا ہے، بے بس اور مجبور اندر پڑا ہے اور اپنی بادشاہی کو بچا نہیں سکتا۔ اس کا لشکر سپاہیوں کو کیا پڑی ہے کہ وہ ایک خاندان اور ایک انسان کی شہنشاہی کی خاطر اپنی جانیں دیں؟ وہ جو ہزاروں کی تعداد میں مر رہے ہیں وہ بھاگتے ہوئے سر رہے ہیں۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ مال غنیمت تو ہے ہی نہیں پھر لڑیں کیوں؟ وہ تمہارے غرانے سے ماہانہ وصول کرنے کے لیے زندہ رہنا چاہتے ہیں۔"

"اور مسلمان؟"

"مسلمان! — طیب نے کہا۔ "مسلمان کسی ایک انسان کے آگے جواہد نہیں۔ وہ اللہ کی خوشنودی کے لیے لڑتے ہیں اور اپنے امیر کا حکم مانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اتنی کم تعداد میں بھی طوفان کی طرح بڑھے آ رہے ہیں۔۔۔ ملکہ فارس! عقیدہ اپنا اپنا اور مذہب اپنا اپنا ہوتا ہے۔ میں علم اور تجربے کی بات کرتا ہوں جب ایک خاندان اور ایک انسان اپنے آپ کو شہنشاہ بنا لیتا اور انسانوں کو انسان سمجھنا چھوڑ دیتا ہے تو ایک دن آتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ اپنی فوج کو بھی اور اپنی رعایا کو بھی تباہی کے گڑھے میں پھینک دیتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی۔" ملکہ نے کہا۔ "میں سمجھنا نہیں چاہتی۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ کسری صحت یاب ہو جائیں کچھ کرو بزرگ طیب! کچھ کرو۔"

"کچھ نہیں ہو سکتا ملکہ فارس! — طیب نے کہا۔ "کچھ نہیں ہو سکتا۔ صرف یہ خبر لے آؤ کہ مسلمانوں کو فارس کی سرحد سے نکال دیا گیا ہے، یا خالہ بن ولید کو زنجیروں میں باندھ کر کسری کے دربار میں لے آؤ تو کسری اٹھ کھڑے ہوں گے۔"

"ایسی خبر کہاں سے لاؤں! — ملکہ نے رنجیدہ اور شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "مدینہ کے اس سالار کو کیسے زنجیروں میں باندھ کر لے آؤں۔۔۔ اگر میرے سالار شکست کھا کر زندہ آجاتے تو میں ان کی ٹانگیں زمین میں گاڑ کر ان پر کتے چھوڑ دیتی۔ وہ سر جھکا تے ہوئے چل پڑی۔

ایک گھوڑا سرسٹ دڑتا آیا اور محل کے باہر نکلا۔ ملکہ دوڑتی باہر گئی۔ بوڑھا طیب بھی اس کے پیچھے گیا۔ وہ ایک کماندار تھا۔ گھوڑے سے ڈوکر وہ ملکہ کے سامنے دوڑا تو ہو گیا۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ آنکھیں سفید ہو گئی تھیں۔ چہرے پر صرف تھکن ہی نہیں گھبراہٹ بھی تھی۔

"کوئی اچھی خبر لا تے ہو؟" ملکہ نے پوچھا اور شاہانہ جلال سے بولی۔ "اٹھو اور فوراً بتاؤ۔"

"کوئی اچھی خبر نہیں۔" کماندار نے ہانپتی ہوئی آواز سے کہا۔ "مسلمانوں نے پورا لشکر کاٹ دیا ہے۔ انہوں نے ہمارے ہزاروں آدمیوں کو پکڑ کر دریا کے رخیف کے کنارے اس طرح قتل کر دیا ہے کہ دریا میں خون جل پڑا۔ دریا خشک تھا۔ مسلمانوں کے سالار نے اوپر سے دریا کا بند کھلوا دیا تو باقی خون کا دریا بن گیا۔"

"تم کیوں زندہ واپس آ گئے ہو؟" ملکہ نے غضب ناک آواز میں پوچھا۔ "کیا تم میرے ہاتھوں کٹنے کے لیے آتے ہو؟"

"میں اگلی جنگ لڑنے کے لیے زندہ آ گیا ہوں۔" کماندار نے جواب دیا۔ "میں چھپ کر اپنے لشکر کے قیدیوں کے سر جھروں سے الگ ہوتے دیکھتا رہا ہوں۔"

"خبردار! — ملکہ نے حکم دیا۔ "خبر نہیں سے واپس لے جاؤ۔ شہنشاہ فارس کو۔۔۔"

"شہنشاہ فارس ہی خبر سننے کے لیے زندہ ہے۔" ارد شیر کی آواز سنا دی۔

ملکہ نے اور طیب نے دیکھا۔ ارد شیر ایک ستون کے سہارے کھڑا تھا۔ دوڑتی حسین اور نوجوان لڑکیوں نے اس کے ہاتھ اپنے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔

"میں آؤ۔" اس نے کماندار کو حکم دیا۔ "میں نے محسوس کر لیا تھا کوئی آیا ہے۔۔۔ کھو گیا خبر لا تے ہو؟"

کماندار نے ملکہ اور طیب کی طرف دیکھا۔

"اور دیکھو۔" ارد شیر نے گرج کر کہا۔ "بولو۔"

کماندار نے وہی خبر سنائی جو وہ ملکہ کو سنا چکا تھا۔ کسری ارد شیر کے گھجک گیا۔ دونوں لڑکیوں نے اسے سہارا دیا۔ ملکہ نے ایک کمر اس کا سر اوپر اٹھایا۔ بوڑھے طیب نے اس کی نبض پر انگلیاں رکھیں۔ ملکہ نے طیب کی طرف دیکھا۔ طیب نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"فارس کسری ارد شیر سے محروم ہو گیا ہے۔" طیب نے کہا۔

محل میں ہلوانگ مچ گئی۔ ارد شیر کی لاش اٹھا کر اس کے اس کمرے میں لے گئے جہاں اس نے کئی بار کھانا کرب عرب کے ان لٹیرے بدوؤں کو فارس کی سرحد میں قدم رکھنے کی خبر کیے ہوئے ہے۔ اس نے اسی کمرے میں ولید کے بیٹے خالد اور حارثہ کے بیٹے شعی کو زندہ یا مردہ لانے کا حکم دیا تھا۔ اپنے حکم کی تعمیل سے پہلے ہی اس کمرے میں اس کی لاش پڑی تھی۔ وہ شکستوں کے عدد سے ہی مر گیا تھا۔

ملکہ نے حکم دیا کہ لڑنے والے لشکر تک کسری کی موت کی خبر نہ پہنچنے دی جائے۔

مسلمانوں کے پڑاؤ میں ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا داخل ہوا۔ اُس کا سوار چلا رہا تھا۔

”کہاں ہے ولید کا بیٹا؟“ گھوڑا سوار بازو بلند کر کے لہرا تا رہا تھا۔ ”باہر آؤ ولید“

خالد بڑی تیزی سے سامنے آئے۔

”ابن ولید! سوار کتنا آ رہا تھا۔“ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ تیری دہشت نے ارد شیر کے جان لے لیے ہیں۔“

”کیا تو پاگل ہو گیا ہے ابن حارثہ! خالد نے آگے بڑھ کر کہا۔

سوار شنی بن حارثہ تھا۔ وہ گھوڑے سے کودا اور اتنے فوجوں طریقے سے خالد سے بلغیر ہوا کہ خالد گھرتے گھرتے بچے۔

”مدائن کے محل رو رہے ہیں۔“ شنی نے خوشی سے بے قابو آواز میں کہا۔ ”ارد شیر کو بے

آج چار دن ہو گئے ہیں۔ میرے دو آدمی مدائن کے محل میں موجود تھے۔ وہاں حکم دیا گیا ہے کہ ارد شیر کی موت کی خبر اُس کے لشکر کو نہ دی جائے۔“

خالد نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا دیے۔

”میرے اللہ! انہوں نے کہا۔“ میں تیرا لشکر کس طرح ادا کروں؟ مجھے فوج کتنے بچتر

اور غرور سے بھانا خدا نے ذوالجلال! سب تعریفیں تیرے لیے اور صرف تیرے لیے ہیں۔“

خالد نے ہاتھ نیچے کر کے ادھر ادھر دیکھا اور بلند آواز سے کہا۔ ”اپنے تمام لشکر کو یہ شہرہ

سنا دو کہ فارس کی وسیع و عریض شنشایی کا ستون گر پڑا ہے اور یہ اللہ کی دین ہے۔ سب کچھ وہ کہہ کر سب کو بھاری دہشت نے مارا ہے۔“

خالد شنی بن حارثہ کو اپنے خیمے میں لے گئے اور اُس سے پوچھا کہ آگے کیا ہے۔

”تھوڑی ہی دور فارس کا ایک بڑا شہر امینشیا ہے۔“ شنی نے بتایا۔ ”یہ شہر اس لیے بڑا

ہے کہ وہاں فارس کی فوج رکتی ہے۔ اسے فوج کا بہت بڑا ڈھ سمجھ لو۔ یہ شہر تجارتی مرکز ہے۔

اس کے ارد گرد زمین بہت زرخیز ہے۔ تجارت، اناج اور باغوں کے پھولوں کی وجہ سے امینشیا

امیروں کا شہر کہلاتا ہے۔ شہر پناہ بہت مضبوط ہے۔ شہر کے دروازے مضبوط ہیں قریب

جاؤ گے تو دیوار کے اوپر سے تیروں کا پینہ برسے گا۔۔۔ ولید کے بیٹے اس شہر کے لیے جاؤں

کی قربانی دینی پڑے گی۔ اگر تو نے یہ شہر لے لیا تو سمجھ لے کہ تو نے دشمن کی ایک موٹی رگ اپنے

ہاتھ میں لے لی۔“

”کیا اب بھی وہاں فوج ہے؟“ خالد نے پوچھا۔ ”اگر ہے تو کتنی ہوگی؟“

”اتنی نہیں ہوگی جتنی پہلے تھی۔“ شنی نے جواب دیا۔ ”جہاں تک مجھے بتایا گیا ہے ایتسی

کی لڑائی میں کچھ فوج وہاں سے بھی آئی تھی۔“

دریائے فرات میں ایک چھوٹا دریا آکر گرتا تھا۔ اسے دریائے باقلی کہتے تھے جہاں یہ

دریا ملتے تھے وہاں شہر امینشیا آباد تھا۔ خالد بڑی شدت سے محسوس کر رہے تھے کہ ان کا ہر

اکل قدم پچھلے قدم سے زیادہ دشوار ہوتا جا رہا ہے۔ تاہم انہوں نے حکم دیا کہ فوراً امینشیا کی طرف

کو چل گیا جاتے۔ فوراً کو توج سے ان کا مقصد یہ تھا کہ آتش پرستوں کو سنبھالنے کا موقع نہ دیا جائے۔

☆

دہ مئی ۶۱۳ء (ربیع الاول ۱۲ھ) کے تیسرے ہفتے کا ایک ابتدائی دن تھا جب خالد

نے ایتسی سے کوچ کیا۔ مدینہ کے مجاہدین فوج و نصرت سے سرشار تھے۔ وہ علاقہ سرسبز اور زرخیز

تھا۔ گھوڑوں اور انسانوں کے لیے خوراک کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن امینشیا کا دفاع خالد کو پریشان کر رہا تھا۔

جب شہر کی دیوار اور برج نظر آنے لگے تو خالد نے اپنے لشکر کو روک لیا۔ شنی بن حارثہ ان

سے الگ ہو گیا تھا۔ وہ چھاپہ مار جنگ لڑنے کا ماہر تھا۔ وہ اپنے جانا باز دستے کو ساتھ لے گیا تھا۔

خالد نے یہ کام اُسے سونپا تھا کہ اپنے دو چار آدمیوں کو کسی جہیں میں امینشیا تک بھیج کر معلوم کرے

کہ وہاں آتش پرستوں کا کتنا لشکر ہے۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ شنی آگیا۔

”ابن ولید! اُس نے خالد سے کہا۔“ یہ دھوکہ معلوم ہوتا ہے۔ خدا کی قسم آتش پرست

آمنے سامنے کی لڑائی سے منہ موڑ گئے ہیں اور اب وہ دھوکے اور فریب کی لڑائی لڑنا چاہتے ہیں۔“

”کیا تو یہ نہیں بتا تے گا کہ تو نے کیا دیکھا ہے؟“ خالد نے پوچھا۔ ”اور وہ کیسا دھوکہ ہے

جو آتش پرست ہمیں دے رہے ہیں؟“

”شہر خالی ہے۔“ شنی بن حارثہ نے کہا۔ ”دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ برجوں میں اور

دیواروں پر کوئی بھی نظر نہیں آتا۔“

”کیا تیرے آدمی شہر کے اندر گئے تھے؟“

”نہیں ابن ولید! شنی نے جواب دیا۔“ وہ دروازوں تک گئے تھے۔ وہ تو قبرستان لگتا

ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دروازوں میں سے انہیں نہ کوئی انسان نظر آیا نہ جانور۔۔۔ کیا تو اسے دھوکہ

یا جال نہیں سمجھتا ابن ولید؟“

”ہاں ابن حارثہ! خالد نے کہا۔“ میں تیرے آدمیوں پر شک نہیں کروں گا کہ وہ جھوٹ

بول رہے ہیں۔ اگر انہوں نے خواب نہیں دیکھا تو ہمیں احتیاط سے آگے جانا ہوگا۔“

”خدا کی قسم وہ جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں۔“ شنی نے کہا۔ ”ان کا ایمان اتنا

کمزور ہوتا تو وہ فارسوں کے جو دستہ سے بچنے کے لیے کبھی کے اپنا مذہب چھوڑ چکے

ہوتے۔۔۔ اور شنی ولید کے بیٹے اس سے پہلے میرے آدمی شہر میں داخل ہوں گے۔ اگر یہ

دھوکہ ہے، پھندہ ہے، جال ہے، پہلے اس میں میرے آدمی جائیں گے تاکہ تیرا لشکر محفوظ رہے۔“

خالد نے اپنے سالاروں کو بلا یا اور انہیں بتایا کہ امینشیا خالی پڑا ہے اور یہ دھوکہ ہوگا۔

”دھوکہ یہی ہوگا کہ ہم اپنے لشکر کو شہر میں لے جائیں گے۔“ خالد نے کہا۔ ”وہاں

کوئی نہیں ہوگا۔ چنانچہ دروازے بند ہو جائیں گے اور ہم محاصرے میں یا پھندے میں آجائیں

گے۔۔۔ ہم فوراً شہر پر قبضہ کر لیں گے۔۔۔ ابن حارثہ! خالد شنی سے مخاطب ہوئے

۔ ”تیرا دستہ لشکر سے دور رہے گا اور تیری نظر لشکر پر ہوگی۔ اگر دشمن کہیں سے نکل آیا تو اُس پر

تیرا دستہ اپنے انداز سے حملہ کرے گا اور چھاپہ مار قسم کے حملے کرتا رہے گا۔ تجھے اور کچھ

بتانے کی ضرورت نہیں۔

باقی فوج کو انہوں نے تین جہتوں میں تقسیم کیا۔ پہلے کی طرح دائیں اور بائیں سالار عہم بن عمرو اور سالار عدی بن حاتم کو رکھا لیکن اب ان کے کام مختلف تھے۔ دروازے کھلے ہوئے کی صورت میں خالدؓ کو شہر کے اندر جانا تھا۔ عہم بن عمرو کو ان کے پیچھے رہنا تھا تاکہ بوقت ضرورت خالدؓ کی مدد کو پہنچ سکے۔ عدی بن حاتم کو اپنے دستے قلعے کے ارد گرد پھیلادینے تھے۔ تمام تر ہدایات اور احکام دے کر خالدؓ نے پیش قدمی کا حکم دے دیا۔

۴۶

لشکر کے تینوں حصے شہر کے قریب جا کر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ آگے ٹنٹی بن حارثہ کے جانباز سوار شہر کے باہر کے علاقے میں گھوم بھر رہے تھے۔ قریب ایک جنگل تھا۔ کچھ علاقہ چٹائی تھا۔ ٹنٹی نے اپنے چچا پارد سے کوٹلیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ان کوٹلیوں نے بروہ علاقہ دیکھ لیا تھا جہاں دشمن کے چھپنے کا امکان تھا لیکن دشمن کا کہیں نام و نشان نہیں ملا تھا، پھر یہ ٹولیاں ڈور و درنگ گشت کر رہی تھیں۔

لشکر کے تینوں حصے شہر کی دیوار کے قریب پہنچ گئے تو سالار عدی بن حاتم نے اپنے دستوں کو شہر کے ارد گرد پھیلادیا۔ خالدؓ نے بڑے دروازے میں جا کر بلند آواز سے اعلان کراٹے کہ شہر کے لوگ گھروں سے باہر آجائیں۔

”اگر لوگ باہر نہ آئے تو شہر کا کوئی مکان کھڑا نہیں رہنے دیا جائے گا۔“

”آتش پرستو! زندہ رہنا ہے تو باہر آجاؤ۔“

”اپنے سالاروں سے کہو بزدل نہ بنیں۔“

اس طرح کے اعلان ہوتے رہے مگر دروازے کے اندر سکوت طاری رہا۔ خالدؓ نے نیم سے تلوار نکالی۔ بلند آواز سے کہا۔ ”میرے پیچھے آؤ۔“ اور انہوں نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ فوج کے جو دستے ان کے ساتھ تھے، وہ ان کے پیچھے شہر کے دروازے میں یوں داخل ہوئے جیسے کسی نہایت یاد رکھنا پڑا کا بند ٹوٹ جاتا ہے۔ سب آگے سوار دستے تھے۔

اندر جا کر گھوڑے پھیل گئے۔ خالدؓ نے حکم دیا کہ گھر کی تلاشی لی جائے۔ خالدؓ خود ایک اونچی جگہ کھڑے ہو گئے اور احکام دینے لگے۔ انہوں نے قاصد سے کہا کہ سالار عہم بن عمرو کے پاس جاتے اور اسے کہنے کہ اپنے دستے اندر لے آؤ اور پیادہ تیر اندازوں کو شہر نپاہ کی دیواروں پر پھیلادو۔

دیکھتے ہی دیکھتے عہم بن عمرو کے تیر انداز تمام دیوار پر پھیل گئے۔ وہ اندر بھی دیکھ رہے تھے باہر بھی خالدؓ دیوار کے اوپر گئے اور سارے شہر کے گرد گھوم آتے رہے انہیں اپنے دستوں کے سوا اور کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ باہر عدی بن حاتم کے دستے تھے۔ خالدؓ کی نظر جہاں تک کام کرتی تھی، انہیں دشمن کے لشکر کا کوئی کھڑا کوج نہیں مل رہا تھا۔ انہیں گھوڑ سواروں کی دہن ٹولیاں دکھائی دیں۔ وہ ٹنٹی بن حارثہ کے سوار تھے۔ خالدؓ نیچے آ گئے۔ انہیں بتایا گیا کہ

ایک ضعیف العمر آدمی ایک مکان میں چار پائی پرٹا اور کچھ رہا ہے۔ خالدؓ اس مکان میں گئے۔ ایک بوڑھا جس کی آنکھیں اُدھ کھلی تھیں اور منہ بھی کھلا ہوا تھا، چار پائی پرٹا لاش لگ رہا تھا۔ اس کی آواز سرگوشی سے بلند نہیں تھی۔ وہ کچھ کہہ رہا تھا۔ خالدؓ نے اپنے ایک محافظ سے کہا کہ اس کے منہ کے ساتھ کان لگا کر مٹے۔

”کیا تم وہی لوگ ہو جن کے در سے شہر خالی ہو گیا ہے؟“ بوڑھے نے پوچھا۔

”ہم مسلمان ہیں۔“ محافظ نے کہا۔

”مدینہ کے مسلمان؟“ بوڑھے نے پوچھا اور جواب کا انتظار کرتے بغیر کہنے لگا۔ ”ہیں

یہاں کا عیسائی ہوں۔ وہ مجھے مرنے کے لیے چھوڑ گئے ہیں۔ سب چلے گئے ہیں۔“

”کہاں چلے گئے ہیں؟“

”بھاگ گئے ہیں۔“ بوڑھے نے کہا۔ ”سالار بھاگ جاتیں، فوج بھاگ جائے تو لوگ

کیوں نہیں بھاگیں گے؟ کیا خالدؓ بن ولیدؓ اتنا سالار ہے؟... یہاں سب اُسے جن اور دیو کہتے ہیں۔... ہاں، ہاں... جس نے کسریٰ کی اتنی طاقتور فوج کو بھگا دیا ہے وہ انسان نہیں ہوگا۔“

خالدؓ نے اُسے نہ بتایا کہ وہ جن اور دیو اُس کے سامنے کھڑا ہے۔ انہوں نے حکم دیا کہ بوڑھے کے منہ میں دودھ ڈالا جائے۔

”فوج گئی کہاں ہے؟“ بوڑھے نے پوچھا۔

”آگے شہر چرہ ہے۔“ بوڑھے نے جواب دیا۔ ”ازادہ دہاں کا حاکم ہے۔ شاید اُس

نے حکم دیا تھا کہ سب لوگ حیرہ آجاؤ۔... ہمارے اس شہر کے جوان آدمی مدینہ والوں کے خلاف لڑنے گئے تھے بہت سارے مارے گئے ہیں۔ وہ جو بچ کر آ گئے تھے، وہ ہر چلے گئے

تھے پیچھے بوڑھے، عورتیں اور بچے رہ گئے تھے۔ یہاں کے سب لوگ خالدؓ بن ولیدؓ سے ڈرتے ہیں۔ ہمارے بھاگ کر آنے والے جوانوں نے لوگوں کو اور زیادہ ڈرا دیا۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمان

خون کا دریا بہا دیتے ہیں، اور وہ ادھر آ رہے ہیں۔... سب بھاگ گئے ہیں۔ میں نہیں بھاگ سکا میں تو اٹھ بھی نہیں سکتا۔ وہ مجھے مرنے کے لیے چھوڑ گئے ہیں۔“

اس بوڑھے کو ادنیٰ کا دودھ پلا کر اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔

تقریباً تمام تمبوہوں نے لکھا ہے کہ امینیا شہر اس حالت میں خالی تھا کہ لوگوں کے گھروں

میں سامان اور قیمتی اشیاء ایسے پڑی تھیں جیسے ان مکانوں کے مہین ابھی کچھ دیر کے لیے باہر

نکل گئے ہوں۔ لوگ اتنی عجلت میں بھاگے تھے کہ رقبہ اور سونا وغیرہ بھی پیچھے چھوڑ گئے۔

خالدؓ کے حکم سے تمام فوج کو شہر میں بلا لیا گیا اور انہیں مال غنیمت اکٹھا کرنے کی ٹیٹھی دے

دی گئی۔ یہ امیروں کا شہر تھا۔ گھروں میں قیمتی اشیاء اور کپڑوں کی افراط تھی۔ مسلمان بعض چیزوں کو

دیکھ کر حیران ہو تے تھے۔ یہ چیزیں وہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔

جب سامان ایک جگہ اکٹھا کیا گیا تو خالدؓ نے دیکھا۔

”اگل لگا دو اس سامان کو۔“ خالدؓ نے حکم دیا۔ ”یہ عیش و عشرت کا وہ سامان ہے جس

نے اس قوم کو بزدل بنادیا ہے۔ ان لوگوں کا انجام دیکھو۔ ان کے محل اور مکان دیکھو۔ خدا کی قسم خدا جسے تباہ کرنا چاہتا ہے اسے عیش و عشرت میں ڈال دیتا ہے۔ ہمیں آگے جانا ہے۔۔۔ جلاوا سے اور سونا، ہیرے جواہرات اور عین الگ جمع کر دو۔

طبری نے خاص طور پر لکھا ہے کہ خالدؓ نے اس خیال سے قیمتی خردت، لیشی کپڑے اور اسیر گھروں کا سامان جلا دینے کا حکم دیا تھا کہ مجاہدین جہاد سے منہ موڑ جائیں گے۔ طبری کے علاوہ دوسرے مورخوں نے بھی لکھا ہے کہ جو مال غنیمت اس شہر سے ملا اتنا کہیں سے بھی نہیں ملا تھا۔ خالدؓ نے دستور کے مطابق اس کے چار حصے فوج میں تقسیم کر دیئے اور پانچواں حصہ مدینہ میں خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ کو بھیج دیا۔

محمد حنین سیکل نے مختلف مورخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ جو مدینہ کو بھیجا گیا اس کا سیرکار وال بنی محل کا ایک شخص جندل تھا۔ فارسیوں کے خلاف پہلی تیوں جنگوں کے جنگی قیدیوں کو اسی قافلے کے ساتھ مدینہ کو بھیجا گیا۔ خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے ان قیدیوں میں سے ایک خوبصورت نوذی جندل کو بطور العالم دی۔

طبری نے لکھا ہے کہ خلیفۃ المسلمین نے مدینہ کے مسلمانوں کو مسجد میں بلایا اور انہیں خالدؓ کی فتوحات کی تفصیلات سنائیں، انہوں نے کہا۔ ”اے قریش! تمہارا شیر ایک اور شیر پر جھپٹ پڑا اور اُسے مار گرایا ہے۔ اب عورتیں خالدؓ جیسا بیٹا پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔“

☆

”ولید کے بیٹے!۔“ ثقی بن حارثہ نے خالدؓ سے کہا۔ ”آگے فارس کی شہنشاہی کا ایک اور بڑا شہر حیرہ ہے۔ اسے تو فارس کا ہیرا سمجھ لیکن اسے لینا آسان نہیں ہوگا۔“

”ہاں حارثہ کے بیٹے!۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”اسینشا کی تمام فوج اور تمام عیسائی جوان خیرہ پہنچ گئے ہیں۔ وہ سب ہمارے مقابلے میں آئیں گے۔ انہیں مقابلے میں آنا چاہیئے۔۔۔ مدائن کی کیا خبر ہے؟“

”آج ہی میرا ایک جاسوس واپس آیا ہے۔“ ثقی نے کہا۔ ”وہ بتاتا ہے کہ مدائن میں مایوسی پھیلی ہوئی ہے۔ کسریٰ کے محل میں ماتم ہو رہا ہے۔۔۔ اچھی خبر یہ ہے کہ وہاں سے اب فوج کا کوئی دستہ نہیں آئے گا۔“

”کیا یہ لوگ اب بھی نہیں سمجھتے کہ تخت و تاج اور خزانے طاقت نہیں ہوتے کہ دشمن سے بچائیں؟“ خالدؓ نے کہا۔ ”کیا یہ ہمارا فرض نہیں کہ ان لوگوں کو اللہ کے سچے رسول کا پیغام دیں کہ طاقت اور ثروت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اللہ ہی عبادت کے لائق ہے جس کا کوئی شریک نہیں؟“

”ہاں ابن ولید!۔“ ثقی نے کہا۔ ”یہ ہمارا فرض ہے کہ ان تک اللہ کا پیغام پہنچائیں۔“

”اس کے ساتھ ہی مجھے ہر اس خطرے کو چھٹا دے جو اسلام کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”کھڑکھڑا کر سنا ہے۔“

تاریخ اسلام کا یہ ابتدائی دور بڑا ہی نازک تھا۔ اسی دور میں اسلام کی عسکری روایات کی بنیاد رکھی تھی۔ اُمت رسولؐ کے لیے جذبے کی شدت اور اہمیت کا یقین کرنا تھا۔ اس روایت کی بنیاد اس اصول پر رکھنی تھی کہ لفری اور طاقت کی کمی شکست کا باعث نہیں بن سکتی۔ جذبہ اور اسلام کی حجت اس کمی کو پورا کر دیا کرتی ہے۔

خالدؓ کو احساس تھا کہ وہ اس خیال سے پیچھے ہٹ آئے کہ لشکر مسلسل لڑا لڑ کر تھک گیا ہے اور لفری بھی کم ہوتی جا رہی ہے اور اپنے مستقر یعنی مدینہ سے بھی دور ہوتے جا رہے ہیں تو آنے والی فوجوں کے لیے یہی روایت بن جائے گی جہاں رکاوٹ یا کوئی دشواری پیش آگئی، سالار اپنی فوج کو واپس لائیں گے خالدؓ ایسی روایت قائم نہیں کرنا چاہتے تھے۔

خالدؓ کو خلیفۃ المسلمین کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اُس وقت کی خلافت کی پالیسی میں کھار کے ساتھ دوستی یا مذاکرات کا ذرا سا بھی غل نہیں تھا۔ دشمن کو دشمن ہی سمجھا جاتا تھا۔ یہ نہیں دیکھا جاتا تھا کہ دشمن کتنی دور ہے اور کتنا طاقتور ہے۔ اصول یہ تھا کہ دشمن کے سر پر سوار ہو اور اُس کے لیے شکست بن جاوے۔

فارس کی شہنشاہی کوئی معمولی طاقت نہیں تھی۔ خالدؓ نے اتنی بڑی طاقت کے کمریٹ میں جا کر بھی پیچھے ہٹنے کی نہ سوچی۔ انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ لشکر کو کچھ آرام دیتے اور اس کی نظم میں آکر کچھ خاریا رہ گئی تھیں تو وہ دور کر لینے ثقی بن حارثہ نے انہیں بتایا کہ حیرہ میں مقابلہ بڑا سخت ہو گا تو بھی خالدؓ نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی نہ سوچی۔ انہوں نے اُسی وقت اپنے سالاروں کو بلایا۔

”خدا کی قسم!۔“ خالدؓ نے سالاروں سے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ تم یہ نہیں سوتے رہے کہ تم خنبا آگے بڑھتے جا رہے ہیں ہمارے لیے خطرے بڑھتے جا رہے ہیں۔“

”میں ابن ولید!۔“ ایک سالار نے کہا۔ ”ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں سوتے رہا۔“

”اور ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں سوچے گا۔“ دوسرے سالار نے کہا۔

”اور مجھے یہ بھی یقین ہے۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”کہ تم میں سے کوئی بھی نہیں سوچے گا کہ دشمن کتنا طاقتور ہے۔“

”میں ابن ولید!۔“ سالار حاتم بن عمرو نے کہا۔ ”جس میں یہ بتا کہ تو آج یہ بات کیوں پوچھ رہا ہے؟“

”تم پر اللہ کی رحمت ہو!۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”ہماری اگلی منزل بہت دشوار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ہم میں سے کون رہتا ہے اور کون دنیا سے اٹھ جاتا ہے۔ اپنے نسلوں پیش کر لو کہ اپنے فرض سے مُنہ موڑ کر اللہ کے سامنے جاؤ گے تو تمہارا ٹھکانہ بہت بُرا ہوگا اور تم جانتے ہو وہ ٹھکانہ کیا ہے۔ روایت جو تم آج قائم کرو گے وہ ایک درندہ ہوگا جو تم آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑ جاؤ گے اور یہ روایت اسلام کی بقا کا یقین کا باعث بنے گی جس میں اسلام کی بقا اور سر بلندی کے لیے لڑنا ہے۔ قرآن کا حکم یاد کرو کہ لڑو اُس وقت تک جب تک کہ خداوند موجود ہے اور دشمن کو ممانعت اُس وقت کرو جب وہ تمہارا دال کو تمہارے آگے جھک جاتے، پھر اُس سے وہ شرطیں منواد کہ اُس کا دُک مارا جاتے اور اُس کا دل رسول اللہ کے پیروں کے خوف

و اے سوار کی طرف گیا۔ دونوں گھوڑے پہلو بہ پہلو ٹک گئے۔

”کوئی خبر؟“ — ازاد بہ نے پوچھا۔

”وہ آ رہے ہیں“ — سوار نے ہاپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”سارا لشکر کشتیوں میں آ رہا ہے۔“

وہ خالدؓ کے لشکر کی پیشقدمی کی خبر دے رہا تھا۔

”کشتیوں میں؟“ — ازاد بہ نے پوچھا۔ ”بند سے کتنی دُور ہیں؟“

”بہت دُور“ — سوار نے جواب دیا۔ ”ابھی بہت دُور ہیں۔“

ازاد بہ کا بیٹا سالارؓ تھا۔ ازاد بہ نے اپنے بیٹے کو بلایا۔ ”کسی بھی تاریخ میں اُس کے بیٹے

کا نام نہیں ملتا۔“ — ”ازاد بہ کا بیٹا“ ہی لکھا گیا ہے۔

”آج تیری آزمائش کا وقت ہے میرے بیٹا!“ — ازاد بہ نے کہا۔ ”ایک سوار دستہ ساتھ

لے اور طوفان سے زیادہ تیز رفتاری سے بند کشتیوں کی طرف اس طرح پی لے کہ فرات کو کھنکھاتے

مسلمانوں کا لشکر کشتیوں میں آ رہا ہے۔ دیکھ، تو پہلے پہنچتا ہے یا مسلمان!“

اُس کا بیٹا ایک سوار دستہ لے کر بہت تیز رفتار سے شہر سے نکل گیا۔

☆

خالدؓ کا لشکر بُری اچھی رفتار پر آ رہا تھا۔ چونکہ وہ بادش کا موسم نہیں تھا اس لیے دریا میں

پانی کم تھا لیکن کشتیوں کے لیے کافی تھا۔ اچانک پانی کم ہونے لگا، پھر پانی ختم ہو گیا اور تمام کشتیاں

کچھ میں کچھ کے رہ گئیں۔ مدینہ کے مجاہدین پر خوف طاری ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دریا کا خشک

ہو جانا خوف والی بات تھی۔ خود خالدؓ پریشان ہو گئے۔

”مت گھبراؤ لید کے بیٹے!“ — کنارے سے ثنی بن حارثہ کی لاکر سناٹی دی۔ ”اور مت

دُور اہل مدینہ آ گئے دریا پر ایک بند ہے۔ ہمارے دشمن نے بند پر پانی روک لیا ہے۔“

بُری تیزی سے سوار اپنے گھوڑے کشتیوں سے نکال لاتے اور یہ دستہ سرچٹ دوڑتا بند

تک پہنچا۔ ازاد بہ کا بیٹا ابھی اپنے سواروں کے ساتھ وہیں تھا۔ مسلمان سواروں نے اُن پر لمبا بول بیا اور

ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ مسلمانوں نے بند کھول دیا کشتیوں تک پانی پہنچا کشتیاں اُٹنے

لگیں۔ دُلوں نے چوتھا تمام لیے اور کشتیاں تیرنے لگیں۔

ازاد بہ اچھی خبر کے انتظار میں دیوار پر کھڑا بے تاب ہو رہا تھا۔ اُس کا ایک سالار اُس کے

پاس آ کر کھڑا ہوا۔

”بہت بُری خبر آتی ہے“ — سالار نے کہا۔

”کہاں سے؟“ — ازاد بہ نے گھبرا کر پوچھا۔ ”کیا میرا بیٹا....“

”مدائن سے!“ — سالار نے کہا۔ ”شہنشاہ اُردشیر مر گئے ہیں لیکن یہ خبر خفیہ رکھنی ہے۔“

اتنے میں ایک سوار اُن کے پاس آیا اور گھوڑے سے اُتر کر آداب بجالایا۔

”اگر یہ میرا فرض نہ ہوتا تو میں ایسی خبر زبان پر نہ لاتا“ — سوار نے کہا۔

”میں سن چکا ہوں“ — ازاد بہ نے کہا۔ ”کسریٰ اُردشیر....“

سے کانپتا رہے۔

اپنے سالاروں کے جذبے میں نئی روح چھونک کر خالدؓ نے انہیں بتایا کہ آگے آتش بہنوں

کا بلا مضبوط فوجی اڈہ جہرہ ہے جہاں کے حاکم ازاد بہ نے بہت بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے۔ آتش بہت

پہلی لڑائیوں میں بے شمار کشتیاں لاتے تھے۔ وہ اب مسلمانوں کے قبضے میں تھیں۔ خالدؓ نے اپنے

لشکر کو کشتیوں میں جہرہ تک لے جانے کا فیصلہ کیا۔ دریائی راستہ آسان تھا اور چھوٹا بھی۔ یہ پہلا موقع

تھا کہ یگڑاؤں میں لڑنے والے دریاقول کے سینے پر سوار ہوتے۔

کشتیوں میں سوار لشکر کی حفاظت کے لیے خالدؓ نے یہ انتظام کیا کہ دریا کے دونوں کناروں

پر سو ڈیڑھ سو گھوڑے سواروں کو رکھا جنہیں کشتیوں کے ساتھ ساتھ جانا تھا۔ فتح و نصرت سے سرشار لشکر

جذبے اور اسلام کی محبت کے جوش سے دریائے فرات کے سینے پر جلا جارہا تھا جنگی ترانے کی

ایک گونج تھی جو فرات کے پانی پر وجد طاری کر رہی تھی۔ پھر جنگی ترانہ مزید طبع میں بدل گیا ہتھارہ

ہزار مسلمانوں کی آواز ایک، عزم ایک، جذبہ ایک تھا۔ اُن کے دلوں میں ایک اللہ اور ایک رسول کا

عشق تھا۔

☆

دشمن سویا ہوا نہیں تھا۔ جہرہ کا حاکم ازاد بہ راتوں کو بھی نہیں سوتا تھا۔ جہرہ میں یہ خبر نہیں پہنچنے

دی گئی تھی کہ شہنشاہ فارس اُردشیر مر چکا ہے۔ وہ ابھی تک ہر بات اور ہر حکم میں اُردشیر کا نام

لیتا تھا۔

اُس روز وہ جہرہ کی شہر بناد کا معائنہ کر رہا تھا۔ اُس نے شہر میں بے پناہ لشکر جمع کر لیا تھا۔ جس

دستے کے سامنے جاتا دہاں چلا چلا کر کہتا۔ ”زرتشت کی رحمت ہو تم پر! وہ بُرڈل تھے جو کاظمہ،

مذار اور ایس میں صحرائے بدقوں کے ہاتھوں پٹ گئے تھے۔ اُن کے مُردہ جموں کو زرتشت کے

شعلے چاٹ رہے ہیں.... اے یسوع مسیح کے نام لیواؤ! تم ہمارے ساتھ کمنڈھے سے کمنڈھا ملا کر

مسلمانوں کے خلاف لڑنے آتے ہو۔ یاد کرو اپنی اُن بیٹیوں کو جو لوہدیاں بن کر مدینہ پہنچ گئی ہیں۔ یاد

کرو اُن جوان بیٹیوں کو جن کے مُردہ جموں کا گوشت جھیلے، گیدڑ اور گوشت خور برندے کھا گئے

ہیں اور انہیں بھی جو قیدی ہو کر مدینہ والوں کی غلامی میں جا پڑے ہیں.... مسلمان فتح کے نشے میں

بے خطر ٹہرے آ رہے ہیں۔ اُن کے لیے ایسا خطرہ بن جاؤ کہ زندہ والیں نہ جائیں شہنشاہ فارس

اُردشیر نہیں خود مبارک دینے آتے ہیں گے تمہیں انعام و اکرام سے مالا مال کر دیں گے۔“

شہر پناہ اور ہرجول کے سامنے کے دوران اُس نے دیکھا، دُور ایک گھوڑے سوار گھوڑے کو

انتہائی رفتار پر دوڑتا آ رہا تھا۔

”دروازہ کھول دو“ — ازاد بہ چلا یا۔ ”یہ سوار امینشا کی طرف سے آ رہا ہے۔“

”کئی آوازیں سنائی دیں“ — دروازہ کھول دو۔ سوار کو آنے دو۔“

ازاد بہ بُری تیزی سے دیوار سے اُتر گیا۔ سوار کے پہنچنے تک دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ سوار

رفتار کر کے بغیر اندر آ گیا۔ ازاد بہ گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آئے

”نہیں“ — سوار نے کہا — ”آپ کا بیٹا بند پر مارا گیا ہے۔ اُس کے تمام سواروں کو مسلمانوں نے کاٹ ڈالا ہے۔“

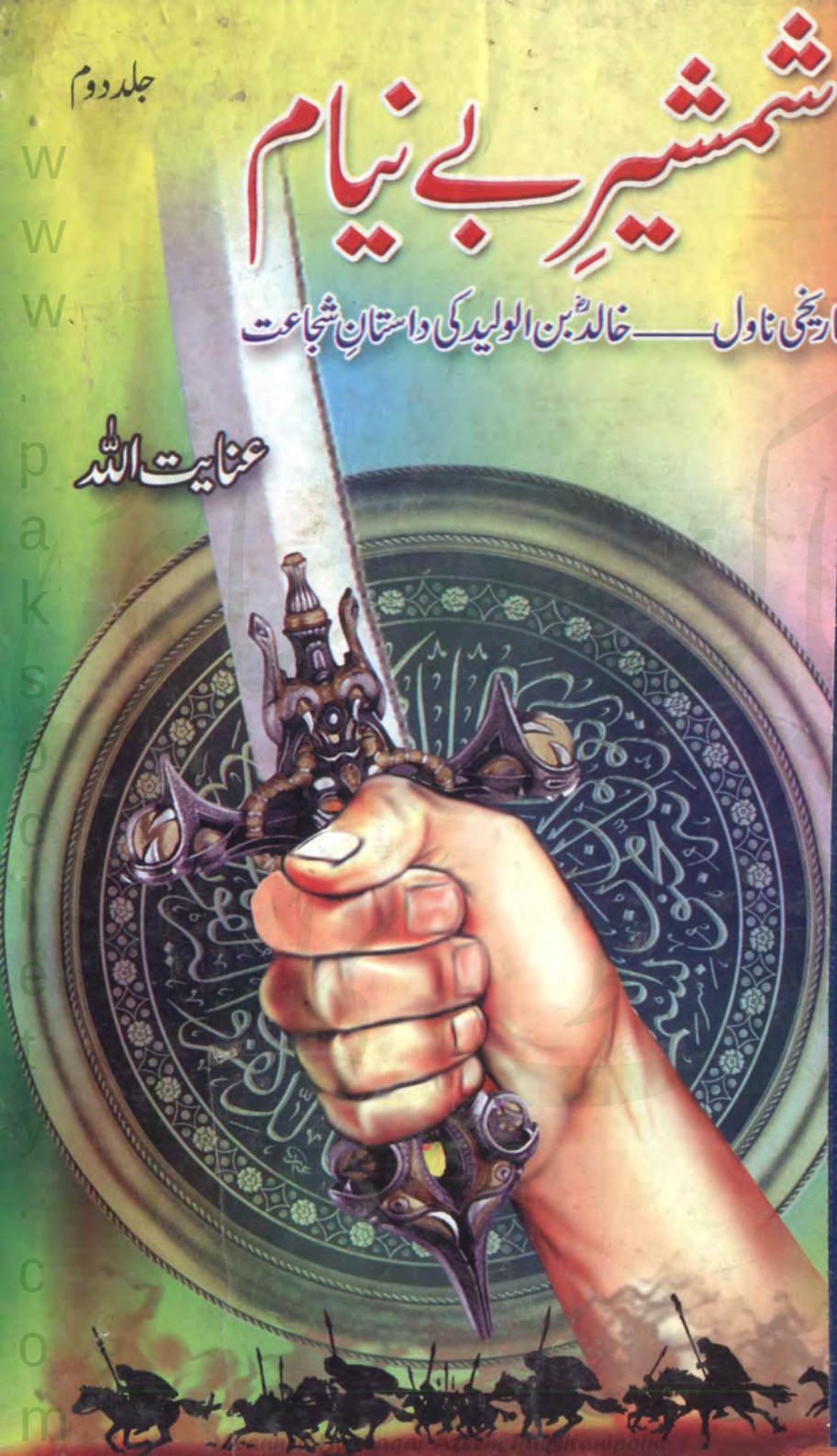
”میرا بیٹا!“ — ازاد بہر کے مُنہ سے نکلا اور اُس کا رنگ لاش کی طرح سفید ہو گیا۔

جلد دوم

شمشیر بے نیام

تاریخی ناول — خالد بن الولید کی داستانِ شجاعت

عنایت اللہ



پیش لفظ

”شمشیر بے نیام“ کا دوسرا اور آخری حصہ پیش خدمت ہے۔ اس حصے میں خالد بن الولید کی داستان شجاعت ختم ہو جاتی ہے۔ ہمیں اسلام اور جنگوں کی تاریخ کے اس عظیم جرنیل کی داستان جیتا کے تعارف کے طور پر جو کچھ کہنا تھا وہ ”شمشیر بے نیام“ کے پہلے حصے میں کہہ دیا ہے۔ صرف یہ بات دہرانے کی ضرورت ہے کہ جس انداز سے ہم نے یہ دلولہ انگیز داستان لکھی ہے اسے تاریخی ناول کہا جاتا ہے لیکن یہ ان تاریخی ناولوں میں سے نہیں جن میں افسانوی بلکہ علمی رنگ بھردیا جاتا ہے۔ یہ تاریخ زیادہ اور ناول نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہم یہ بھی ایک بار پھر کہنا چاہیں گے کہ یہ داستان ہماری روایات کا مجموعہ ہے۔ آج جب کہ تقریبی اور اخلاق سوز کہانیوں نے مسلمانوں کی اولاد کو ٹیٹری سے اتار دیا ہے، یہ کتاب اپنے بچوں کو ٹپھائیں۔ اس میں کہانی کی تمام تردیدیں مٹا دی ہیں اور یہ ہماری تاریخ ہے اور یہ اسلام کی عسکری روح کی صحیح تصویر ہے۔

عنایت اللہ

— مدیر — ماہنامہ ”حکایت“ — لاہور —

ازادہ پر مایوسی، غم اور رنج و ملال کے ساتھ دہشت بھی طاری ہو گئی تھی جیسے آسمان پھٹ گیا ہو اور اُس کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہو۔ وہ جھپکا جھپکا سادو اور چل پڑا۔ اُس کے قدم ڈمگمار رہے تھے۔ اُس کے دو محافظ اُس کے ساتھ ہو گئے۔ اُس نے یاس اور نو میدی کے عالم میں داییں اور بائیں دیکھا اور رک گیا۔ دو محافظوں کو اپنے پہلوؤں میں دیکھ کر اُس کا چہرہ خشک ہو گیا۔

”میں تمہارے سہارے کے بغیر چل سکتا ہوں“ — اُس نے محافظوں سے کہا۔
 ”سیرے برابر آنے کی جرات نہ کرو۔“

محافظ کئی قدم پیچھے ہٹ گئے۔ ازادہ نے اپنے جھکے ہوئے سر کو اُپر اٹھایا اور میدھا ہو کر چلنے لگا لیکن اُس کے کندھے اپنے آپ ہی سکوٹ گئے اور آگے کو جھک گئے جیسے اُس پر الیا بوجھ آ پڑا ہو جو اُس کی برداشت سے باہر ہو۔ بوجھ تو اُس پر آ ہی پڑا تھا۔ یہ ذمہ داریوں کا بوجھ تھا۔ حیرہ اُس کی ذمہ داری میں تھا جہاں اُس کا بیٹا اُس کا دست راست تھا۔ وہ بھی نہ رہا۔

وہ خود اُردو شیر کا دست راست بنا ہوا تھا لیکن اُردو شیر کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں تھا اُردو شیر نے اُسے بہت بڑی حیثیت دے رکھی تھی۔ وہ حیرہ جیسے شہر اور اس کے مضافات سے علاقے کا حاکم تھا اور بہت حد تک خود مختار حاکم تھا مگر وہ کبھی اُردو شیر مر گیا تھا جس نے اُسے اتنی زیادہ خود مختاری دے رکھی تھی۔ فارس کی شہنشاہی کے تخت پر بیٹھنے والے نئے شہنشاہ سے ازادہ اتنی مروت اور رستہ کی توقع نہیں رکھ سکتا تھا۔ مدینہ کے مجاہدین نے صحیح معنوں میں اُس کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی تھی۔

”مگر کیوں؟“ اُس کے ایک سالار نے اُسے اُس وقت کہا جب وہ اپنے شیش محل کے خاص کمرے میں پہنچ چکا تھا سالار نے اُسے کہا ”معلوم ہوتا ہے آپ نے لڑنے سے پہلے ہی شکست قبول کر لی ہے“

”کیا آپ بیٹے کا خون مدینہ کے بدوؤں کو بخش دیں گے؟“ اُس کے مرنے والے بیٹے کی ماں نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

”مجھے سوچنے دو“ — ازادہ مگر جا مگر اُس کی گرج کانپ رہی تھی۔ اُس نے کہا ”کیا تم لوگ یہ سمجھ رہے ہو کہ میں مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال رہا ہوں؟ کیا تم نے سنا نہیں؟“ — اُس کی آواز دب گئی۔ بوجھل آواز میں بولا ”شہنشاہ اُردو شیر مر گیا ہے“

”اس وقت آپ شہنشاہ اردشیر اور اپنے بیٹے کی موت پر اتنے زیادہ غمگین ہیں کہ آپ اچھی طرح سوچ بھی نہیں سکتے۔“

”اس غم کے باوجود ہمیں سوچنا پڑے گا۔“ ازاد بہ کی بیوی نے کہا۔ ”اور بڑی تیزی سے سوچنا پڑے گا۔ ہمارے پاس فوج کی کمی نہیں کسی چیز کی کمی نہیں۔ عیسائی عرب ہمارے ساتھ ہیں۔ ہم نے خود انہیں یہاں اکٹھا کیا ہے کہ مسلمانوں کو حیرت سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے اور انہیں نہیں ختم کر دیا جائے۔“

”ہاں، ہمارے پاس فوج کی کمی نہیں۔“ ازاد بہ نے کہا۔ ”لیکن کوئی بھی ضرور ہے جس سے ہم ہرمیدان میں شکست کھا رہے ہیں۔ میں اپنے پیچھے اپنے نام کے ساتھ شکست کی تمہت چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ میں فتح حاصل کرنے کا کوئی اور طریقہ سوچوں گا۔ میں مدائن جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ وہاں کے حالات کیا ہیں۔ یہ بھی دیکھنا ہے کہ شہنشاہ اردشیر کے مرنے کے بعد ہمیں کوئی مدد دینے والا بھی ہے یا نہیں۔“

”نہیں سالار اعلیٰ!۔ اس کے سالار نے کہا۔ ”ابھی مدائن نہ جاتیں۔ دشمن سر پر آگیا ہے۔“

”کیا تم مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہو؟“ ازاد بہ نے غصیلی آواز میں کہا۔ ”کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں بھاگ رہا ہوں؟ جو میں سوچ رہا ہوں وہ تم نہیں سوچ سکتے۔ مجھے یہ دیکھنا ہے کہ ہماری فوج میں وہ کون سی کمزوری ہے جو ہرمیدان میں ہماری شکست کا باعث بنتی ہے۔ کیا تم اس پر غور نہیں کر رہے کہ ہمز جیسا جنگجو مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے.... اوشاجان اور قباذ معمولی قسم کے سالار نہیں تھے۔ اندر زغر کو کیا ہو گیا تھا؟ جا بان کدھر گیا؟.... مجھ سے فیصلہ کن جنگ اور فتح کی کیوں توقع رکھی جا رہی ہے؟.... میں لڑوں گا لیکن سوچ سمجھ کر....“

تمام سالاروں اور نائب سالاروں کو بلاؤ۔“

✱

خالد کا لشکر دریائے فرات کے سینے پر سوار آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ گھوڑ سوار دریائے دونوں جانب پھیلے ہوئے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ ہر لمحہ توقع تھی کہ حیرت کی فوج کسی مقام پر حملہ کرے گی، لیکن اس فوج کا دُور دُور تک کوئی نشان نظر نہیں آتا تھا۔ فتنی بن حارثہ کے گھوڑ سوار کناروں سے ہٹ کر دُور تک چلے جانے اور دشمن کا گھڑا کھوج ڈھونڈنے کی کوشش کرتے تھے۔

خالد کو معلوم تھا کہ حیرت کی جنگ بڑی خنزیر ہوگی۔ فتنی بن حارثہ نے معلوم کر لیا تھا کہ ازاد بہ نے حیرت میں بہت بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے۔ خالد کا حذب اور حرم ختا کہ وہ دشمن کے ایک بڑے ہی مضبوط فوجی اڈے کی طرف بڑھے جا رہے تھے، ورنہ مسلمانوں اور آتش پرستوں کی جگہ طاقت کا تناسب ایسا تھا کہ خالد کو ایک قدم اور آگے بڑھانے کی بجائے واپس آجانا چاہیے تھا مگر خالد ملک گیر کی ہوس سے یہ خطر سے مول نہیں لے رہے تھے بلکہ وہ اللہ کے

کمرے میں سناٹا طاری ہو گیا۔

”شہنشاہ مرگیا ہے؟“ ازاد بہ کی بیوی نے یوں کہا جیسے وہ سکیاں لے رہی ہو۔ ”اردشیر مر گیا ہے.... میرا بیٹا مر گیا ہے۔“ اس نے ازاد بہ کی طرف دیکھا اور بلند آواز سے بولی۔ ”زرلشت ہمیں اپنی توہین کی سزا دے رہا ہے۔ یہیں اب اس آگ میں جلتا ہے جس کی ہم پوجا کرتے ہیں۔ آپ زرلشت کی قربان گاہ پر اپنے لوگوں، اپنی جان کا نذرانہ پیش کر سکتے ہیں۔ کسی مسلمان کو یہاں سے زندہ نہ جانے دیں۔“

ایک محافظ اندر آیا۔ ایک گھٹنہ فرش پر ٹیک کر اس نے ازاد بہ کو سلام کیا اور بتایا کہ قاصد آیا ہے۔

”بیچ دو۔“ ازاد بہ کو خاموش دیکھ کر اس کی بیوی نے محافظ سے کہا۔

محافظ کے جاتے ہی ایک سپاہی اندر آیا اور اس نے بھی ایک گھٹنہ فرش پر ٹیک کر سلام کیا۔ ازاد بہ نے اُداس نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”مدینہ والوں کی کشتیاں بند سے بہت آگے نکل آئی ہیں۔“ قاصد نے کہا۔ ”اُن کی رفتار تیز ہے۔“

”لشکر کی تعداد کتنی ہوگی؟“ ازاد بہ نے پوچھا۔

”ہم سے آدھی بھی نہیں سالار عالی مقام!۔“ قاصد نے جواب دیا۔ ”میرے اندازے کے مطابق بیس ہزار پوری نہیں۔“

”ہم انہیں اپنے گھوڑوں کے سہلوں سے کچل ڈالیں گے۔“ سالار نے کہا۔ ”سالار اعلیٰ! حکم دیں۔ ہم فرات میں اُن پر تیروں کا مینہ برسا دیں گے۔ اُن کی کشتیاں اُن کی لاشوں کو واپس لے جائیں گی۔“

”تیروں کا مینہ برسانے سے پہلے دریا کے کنارے تک پہنچنے کے لیے ایک لڑائی لڑنی پڑے گی۔“ قاصد نے کہا۔ ”اُن کے بہت سے گھوڑ سوار دریا کے دونوں کناروں پر کشتیوں کے ساتھ ساتھ آ رہے ہیں۔ میں نے یہ بھی معلوم کر لیا ہے کہ ان سواروں کا کماندار فتنی بن حارثہ ہے اور زیادہ تر سوار فارس کی شہنشاہی کے مسلمان باشندے ہیں، اور جن کشتیوں میں وہ آ رہے ہیں وہ ہماری فوج کی کشتیاں ہیں۔“

”یہ اُن مزدوروں کی کشتیاں ہیں جو مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگے تھے۔“ ازاد بہ نے کہا۔ ”انہوں نے ایسے دشمن کے لیے راستہ صاف کر دیا جو بہت کمزور تھا۔ مدینہ کے ان عربوں کو ہم نے کبھی پلے نہیں باندھا تھا۔“

”ہم آج بھی انہیں کمزور سمجھتے ہیں۔“ سالار نے کہا۔ ”سالار اعلیٰ! میں حکم کا منتظر ہوں۔ مجھے بتائیں مسلمانوں کو کہاں روکنا ہے یا آپ قلعے میں بند ہو کر لڑنا چاہتے ہیں؟“

”اگر میں کہوں کہ میں لڑنا ہی نہیں چاہتا۔“ ازاد بہ نے کہا۔ ”تو تم لوگ....“

”ہم لوگ تسلیم ہی نہیں کریں گے کہ آپ نے ایسی بات کہی ہے۔“ سالار نے کہا۔

حکم کی تعمیل کر رہے تھے۔ اسلام کے پڑوس میں اتنے بڑے اور بہت ہی طاقتور باطل کی موجودگی اسلام کے لیے ایسا خطرہ تھی کہ اسلام آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹنا جاتا پھر غائب ہو جاتا۔

”ابن ولید! خالد کو دریا کے کنارے سے نشئی بن حارثہ کی پکار سنائی دی۔“ منزل قریب آگئی ہے۔“

خالد نے اپنے کشتی رانوں سے کہا کہ کشتی کنارے کے ساتھ لے جائیں اور انہیں اتار کر کشتی آگے لے جائیں۔ نشئی اس علاقے سے واقف تھا پھر بھی اُس نے اس علاقے کے دو آدمیوں کو پکڑ کر کچھ انعام دیا اور راہنمائی کے لیے انہیں اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔ خالد جب کنارے پر اترے تو نشئی نے اپنے ایک سوار سے کہا کہ وہ گھوڑا خالد کو دے دے۔ خالد اس گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ نشئی اور خالد کے گھوڑے پہلو بہ پہلو جا رہے تھے اور نشئی کی نظر خالد کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ خالد ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ اُن کی نظر جب نشئی بن حارثہ پر آئیں تو بھی نشئی کی نظر اُن کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ ”کیوں، ابن حارثہ! خالد نے سُکراتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا تو مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے؟“

”ہاں، ولید کے بیٹے! نشئی نے سنجیدہ اور غصے سے منہ لے لیا۔ ”میں تجھے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تو مجھے انسان نہیں لگتا۔ تیرے چہرے پر کچھ گہرا ہرٹ اور کچھ پریشانی ہوئی چاہیے تھی۔“

”میں اندر ہی اندر پریشان ہوں۔“ خالد نے کہا۔ ”اور میرے دل پر گہرا ہرٹ بھی ہے۔ یہ اس لیے کہ میں انسان ہوں لیکن میں پریشانی اور گہرا ہرٹ کو چہرے پر نہیں آنے دوں گا۔“ ”یہ چہرہ ایک لشکر کا چہرہ ہے۔“ نشئی نے کہا۔ ”یہ اسلام کا چہرہ ہے۔... میں سمجھتا ہوں ابن ولید! سالار اعلیٰ کا چہرہ گہرا جاتے تو پورے لشکر کا اور ساری قوم کا چہرہ گہرا جاتا ہے۔“

”مجھے یہ بتا ابن حارثہ! خالد نے پوچھا۔“ ”تو نے یہ باتیں کیوں کی ہیں؟ کیا تو مجھے پریشانی اور گہرا ہرٹ میں دیکھنا چاہتا ہے؟“

”ہاں ابن ولید! نشئی نے کہا۔“ ”مجھے شاید احساس نہیں کہ تو کتنے بڑے اور کتنے طاقتور دشمن کے سامنے جا رہا ہے۔“

”میں اپنے لیے جا رہا ہوں تو مجھے اپنا غم ہونا کہ بادشاہ بننے سے پہلے ہی نہ مالا جاؤں۔“ خالد نے کہا۔ ”میں اللہ کے حکم پر جا رہا ہوں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ مجھے اور تجھے گہرا لانے کی اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔... مجھے یہ بتاؤ کہ آگے کیا ہے؟“ نشئی نے اُن دو آدمیوں کو بلایا جو اس علاقے کے رہنے والے تھے اور انہیں کہا کہ وہ بتائیں کہ آگے کیا ہے۔ ان دونوں نے بتایا کہ آگے حیرہ ہے اور وہاں نابک زمین ہے

کیسی ہے۔ خالد نے ان آدمیوں کو وہاں سے ہٹا دیا اور نشئی کے ساتھ حیرہ پر حملے کی سکیم بنانے لگے۔

✱

حیرہ فرات کے کنارے پر واقع تھا۔ خالد نے اپنے سالاروں عاصم بن عسمر اور عدی بن حاتم کو کشتیوں سے کنارے پر بلایا۔

”میں مان نہیں سکتا کہ آتش پرست ہمیں حیرہ کے راستے میں نہیں روکیں گے۔“ خالد نے کہا۔ ”اُن کے پاس اتنی زیادہ فوج ہے جسے وہ اس سارے علاقے میں پھیل سکتے ہیں۔ تمام عیسائی بھی اُن کے ساتھ ہیں۔ اگر ہم حیرہ کے سامنے جا کر کشتیوں سے اترے تو دشمن وہیں ہم پر حملہ کر دے گا۔ ہم حیرہ سے دور کشتیاں چھوڑ دیں گے۔“

خالد بیٹھ گئے اور اپنی توار نکال کر اس کی نوک سے حیرہ کا محل وقوع اور اپنی پیش قدمی کا نقشہ بنانے لگے۔ انہوں نے اُس مقام سے جہاں وہ کھڑے تھے، حیرہ تک پہنچنے کے راستے کی لکیر بنائی جو سیدھی نہیں تھی بلکہ نیم دائرہ تھا۔ انہوں نے یہ لکیر ایک مقام پر ختم کی جو ایک قصبہ تھا۔ یہ حیرہ سے تقریباً تین میل دور تھا۔

”اس قصبے کا نام خوزنق ہے۔“ خالد نے کہا۔ ”ہم اس کے قریب گزریں گے اور حیرہ کی طرف تیزی سے بڑھیں گے۔ فوج یہی ہے کہ آتش پرست شہر سے کچھ دور ہی ہمارے راستے میں آجائیں گے۔ میرے بھائیو! یہ لڑائی خوفناک ہوگی۔ زرتشت کے پجاری اب شکست کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ آگے مارتے ہیں۔ میں متیں بڑے ہی سخت امتحان میں ڈال رہا ہوں لیکن اس امتحان میں پورا اُترنا ہے۔ دشمن کی تعداد ہم سے کئی گنا زیادہ ہے۔... اگر ہمیں حیرہ کو محاصرے میں لینے کا موقع مل گیا تو محاصرہ بہت لمبا ہوگا۔ ہم اتنا انتظار نہیں کر سکتے۔ اپنے دونوں میں اللہ سے عہد کر دو کہ حیرہ کو فتح کرنا ہے۔... اب کشتیاں چھوڑ دو اور تمام لشکر کو کنارے پر لے آؤ۔“

مسلمانوں کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی۔ یہ لشکر کشتیوں سے اتر کر کنارے پر آگیا اور بڑی تیزی سے پیش قدمی کے لیے منظم ہو گیا۔ خالد نے سالار عاصم بن عمر کو آگے اور عدی بن حاتم کو پیچھے رکھا اور خود درمیان میں رہے۔ نشئی بن حارثہ کا سوار دستہ ہراول کے طور پر لشکر سے کم و بیش ایک میل آگے نکل گیا تھا۔

خالد کے حکم سے مجاہدین کا لشکر خاموشی سے جا رہا تھا۔ فعدوں اور جنگی ترانوں کی مراعت کر دی گئی تھی تاکہ پتہ نہ چلے کہ کوئی لشکر آ رہا ہے۔ خالد نے راستہ ایسا اختیار کیا تھا جو جنگل اور ویران علاقے سے گزرتا تھا اور ادھر مسافروں کی گزر گاہ نہیں تھی۔ نشئی بن حارثہ کے سوار پھیل کر جا رہے تھے تاکہ گھات کا کس بھی شک ہو تو لشکر کو بینیم بھیج کر پیچھے ہی روک لیا جائے۔

خالد کا لشکر خورنق تک پہنچ گیا۔ دشمن کی فوج کا کہیں بھی نام و نشان نہ ملا۔ خالد نے لشکر کو روک لیا اور اپنے ایک جاسوس سے کہا کہ وہ قصبہ کے اندر جاتے اور دیکھے کہ دشمن کی فوج وہاں تو نہیں!

خالد کا جاسوسی کا نظام ذہین اور جرأت مند آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اس میں ان مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی جو فارس والوں کے غلام تھے۔ وہ دجلہ اور فرات کے سنگم کے علاقے میں رہتے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی جیسے بدل کر خورنق چلا گیا اور خبر لایا کہ اس قصبہ میں کوئی فوج نہیں اور قصبہ میں امن و امان ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس قصبہ میں متحمل لوگ رہتے تھے۔ آج وہاں خورنق کا نشان بھی نہیں ملتا۔

انسان مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے، مقام مٹ جاتا ہے، بلند و بالا مکان اور عالیشان محل مٹ جاتے ہیں۔ زندہ صرف تاریخ رہتی ہے۔ اچھی یا بُری۔ انسانوں کے نام زندہ رہتے ہیں۔ ان کی قائم کی ہوئی روایات زندہ رہتی ہیں۔ آج وہ قصبہ موجود نہیں جہاں تاجر اور دیگر دولت مند لوگ رہتے تھے۔ خالد نے آتش فروزوں کو دے کر سے پہلے اس قصبہ کے قریب قیام کیا تھا۔ قصبہ نہیں رہا، خالد زندہ ہے۔ ان کی روایات زندہ ہیں۔ تثنیٰ بن حارثہ کو عجم اور عدی کو اوران اٹھارہ ہزار مجاہدین کو تاریخ نے زندہ رکھا ہے۔ ان کے گھوڑوں کے ٹموں کی گرد کو سورج کی کرنوں نے چما ہے۔

کما مقصد تھا ان اولین مجاہدین کا جو اس دشمن سے ٹکر لینے جا رہے تھے جو اٹھارہ ہزار نفوس کو نکل لینے کی طاقت رکھتا تھا، خالد اور ان کے سالاروں کے دلوں میں تخت تاج کی ہوس نہیں تھی۔ زور و جرات کا لالچ نہیں تھا۔ ایک عزم تھا جو ان کے لیے جنوں بن گیا تھا۔ وہ اس کفر کو اپنے پڑوس میں زندہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے جو اسلام کی بقا اور فروع کے لیے خطرہ تھا۔ ان کے ذہنوں میں کوئی شک نہ تھا، کوئی دہم اور کوئی دوسوہ نہ تھا۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والی روایت اپنے خون سے لکھنے جا رہے تھے۔

موت و زنج نے اس وقت کے وقائع نگاروں کے حوالوں سے لکھا ہے کہ خالد پر خاموشی طاری تھی۔ کوئی سپاہی ان کی طرف دیکھتا تھا تو وہ مسکراتے تھے۔ خالد جب خورنق سے آگے نکلے تو ان کے منہ سے کوئی جھمکنا تھا یا کوئی ہدایت۔ اس کے سوا وہ کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ تثنیٰ بن حارثہ شب خون اور دن کی چھاپہ مار جنگ کا اور جھگ دوڑ کرنے والی لڑائی کا ماہر تھا۔ وہ جب خالد کو بتاتا تھا کہ وہ یوں کرے گا اور یوں کرے گا تو خالد کے منہ سے ہر بار یہی الفاظ نکلتے تھے۔ "اللہ تجھے اجر دے گا بن حارثہ!"

☆

خالد اپنے لشکر کو خورنق سے پرے پرے آگے لے گئے۔ انہیں ایسی توقع نہیں تھی کہ وہ دشمن کو بے خبری میں جا لیں گے۔ انہیں معلوم تھا کہ دشمن ضرورت سے زیادہ بیاد ہو گا خالد نے حکم دیا کہ اس قصبہ پر نظر رکھنے کے لیے چند ایک مجاہدین کو بھیجے رہنے دیا جاتے

تاکہ اس میں سے نکل کر کوئی آدمی حیرہ یہ اطلاع نہ دینے چلا جائے کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے۔

یہ چھندہ تھا جس میں مدینہ کا لشکر جا رہا تھا۔ وہ علاقہ گھات کے لیے موزوں تھا لیکن گھات کے بھی آثار نظر نہیں آتے تھے۔ یہی ہو سکتا تھا کہ دشمن کا لشکر اچانک ہر طرف سے آئے گا اور اٹھارہ ہزار کے اس لشکر کو گھیرے میں لے کر سالاروں سے سپاہیوں تک کاٹ دے گا۔

کچھ اور آگے گئے تو ایک ٹیکری آگئی۔ خالد نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ٹیکری پر چڑھ گئے۔ ان کے حکم سے لشکر ٹک گیا۔

"اللہ کے سپاہیو! خالد نے بلند آواز سے کہا۔" تم پر اللہ کی رحمت ہو۔ آج خدا نے تمہارے لئے تمہیں بڑے سخت امتحان میں ڈال دیا ہے۔ آج اللہ کے رسول کی روح مقدس تمہیں دیکھ رہی ہے۔ آج تم ایک پہاڑ سے ٹکرانے اور اسے ریزہ ریزہ کرنے جا رہے ہو۔ اب جس لشکر کے ساتھ تمہارا مقابلہ ہو گا وہ پہاڑ سے کم نہیں۔ مجاہدین اسلام! اگر آج تم نے پیٹھ دکھائی تو تمہیں نہ خدا بخشے گا نہ دشمن۔ آج اس عہد سے آگے بڑھو، فتح یا موت۔ ہماری جانیں اللہ کی امانت ہیں۔ یہ امانت اللہ کو ٹوٹانی ہے لیکن باوقار طریقے سے۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ تعداد اور ہتھیاروں کی کمی اور افراط شکست اور فتح کا باعث نہیں بن سکتی۔ فتح جذبے اور عزم سے حاصل ہوتی ہے۔ اس یقین کے ساتھ آگے بڑھو کہ رسول اللہ کی روح مقدس تمہارے ساتھ ہے۔"

خالد نے اپنے لشکر کے جذبے کو اور زیادہ گرمادیا اور لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

☆

وہ حیرہ کے عقب کو جا رہے تھے۔ اس طرح انہیں خاصا بڑا بچہ کا ملنا پڑا جب شہر کے قریب گئے تو بھی دشمن کا کوئی سپاہی نظر نہ آیا۔ دیوار کے اوپر اور برجوں میں بھی کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ انیشیا میں بھی ایسے ہی جوا تھا اور خالد نے اسے دھوکہ سمجھا تھا لیکن یہ دھوکہ نہیں تھا۔ دشمن شہر خالی کر کے چلا گیا تھا۔ حیرہ میں بھی آتش پرستوں کی فوج کہیں نظر نہیں آتی تھی شہر نہا کے دروازے کھلے تھے۔

تثنیٰ بن حارثہ اپنے چند ایک سواروں کے ساتھ شہر کے ارد گرد بچہ لگا لگا۔ "ابن ولید! تثنیٰ نے خالد سے کہا۔" سامنے والا دروازہ بھی کھلا ہے اور لوگ گھومتے پھرتے دکھائی دے رہے ہیں۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" خالد نے کہا۔ "انیشیا خالی تھا۔ تو کہتا ہے شہر میں لوگ موجود ہیں یہ چھندہ ہے بن حارثہ! یہ جال ہے۔ عجم اور عدی کو بلاؤ۔"

دونوں سالار آئے تو خالد نے انہیں بتایا کہ شہر کی کیفیت کیا ہے۔ کچھ دیر تبادلہ خیالات اور بحث مباحثہ ہوا اور طے پایا کہ تمام دروازوں سے لشکر کے دستے طوفان کی طرح اندر

جائیں اور شہر میں پھیل جائیں۔

اگر خطرہ تھا تو یہ کوئی معمولی خطرہ نہیں تھا۔ خالدؓ نے اپنے لشکر کو جس طرح شہر میں داخل ہونے کو کہا تھا اس طرح اکیلے اکیلے مجاہد کے کھٹ جانے یا مکانوں میں چھپے ہوئے تیر اندازوں کے تیروں کا نشانہ بننے کا خطرہ تھا لیکن خالدؓ نے یہ خطرہ ٹول لے لیا اور لشکر کو شہر میں داخل کر دیا۔ مجاہدین دوڑتے ہوئے اور گھوڑے دوڑاتے ہوئے اندر گئے۔

شہر کے لوگ چھپنے یا بھاگنے کی بجائے باہر آ گئے۔ عورتیں بچپن پر چڑھ گئیں۔ بعض لوگ گھروں میں چھپ گئے تھے اور انہوں نے دروازے بند کر لیے تھے لیکن قتل و غارت اور لوٹ مار نہ ہوتی تو چھپے ہوئے لوگ بھی باہر آ گئے۔

خالدؓ نے سارے شہر میں اعلان کر دیا کہ جس گھر میں آتش پرستوں کے لشکر کا کوئی آدمی ہو، اُسے گھر سے نکال دو، کسی مکان سے ایک بھی تیر کیا اُس مکان کو آگ لگا دی جائے گی۔

شہر کے معززین اور سرکردہ افراد کا ایک وفد خالدؓ کے پاس آیا اور بتایا کہ شہر کے کسی بھی گھر میں فوج کا کوئی آدمی نہیں۔

”فوج کہاں گئی؟“ خالدؓ نے پوچھا۔

”مدائن چلی گئی ہے۔“ وفد کے سردار نے کہا۔

”حاکم ازاد یہ کہاں ہے؟“

”وہ بھی چلا گیا ہے۔“ خالدؓ کو جواب ملا۔

”مجھے کوئی یقین دلا سکتا ہے کہ ہمارے ساتھ دھوکہ نہیں ہوگا؟“ خالدؓ نے پوچھا۔

”کون مان سکتا ہے کہ حاکم بھی چلا جائے، فوج بھی چلی جائے اور رعایا اپنے دشمن کی فوج کو اپنے شہر میں کچھ کر بھی اسن دامان سے رہے اور اُسے اپنے دشمن کا کوئی خوف نہ ہو۔“

”ہم سالار مدینہ کو یہی یقین دلانے آئے ہیں کہ حیرہ کی رعایا اسن دامان سے رہے گی اور اسن دامان کی درخواست مکرئی ہے۔“ وفد کے سردار نے کہا۔ ”دھوکہ آپ کے ساتھ نہیں ہوگا، دھوکہ ہمارے ساتھ ہوا ہے جس رعایا کو اُس کا حاکم اور فوج دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ جائے وہ رعایا دشمن کو دوست بنانے کی کوشش کرے گی، دشمن کو دھوکہ دینے کا خطرہ مول نہیں لے گی۔ ہم اس فوج کا ساتھ نہیں دے سکتے جس نے کافلہ میں شکست کھائی، ایسے سے بھاگی، امنیثا جیسا شہر خالی کر کے بھاگ آئی اور یہ اتنا بڑا شہر اور اپنی رعایا کو چھوڑ کر بھاگ گئی ہے۔“

”تم کیا چاہتے ہو؟“ خالدؓ نے پوچھا۔

”اسن!۔“ وفد کے سردار نے جواب دیا۔ ”شہر کے باشندے اسن کی اور اپنے جان و مال اور عزت کے تحفظ کی قیمت دیں گے۔“

”ہم قیمت نہیں لیا کرتے۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”خدا کی قسم، اسن کے جواب میں اسن دیں گے۔ کیا میرے لشکر کے کسی ایک بھی آدمی نے کسی کے گھر سے کوئی چیز اٹھائی ہے؟“

کسی کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے؟“

”نہیں۔“ وفد کے سردار نے کہا۔

”ہم صرف اُس شہر کے اموال کو مالِ قیمت سمجھتے ہیں جس کے باشندے بھاگ گئے ہوں۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”تم اپنے گھروں میں موجود تھے اور تم ہمارے مقابلے میں بھی نہیں آئے اس لیے یہ میرا فرض ہے کہ میں اس شہر کے باشندوں کو اپنی پناہ میں لے لوں۔۔۔۔۔ اور میں اس کی کوئی قیمت نہیں لوں گا۔۔۔۔۔ جاؤ، اسن سے آئے ہو تو اسن سے جاؤ۔“

”بے شک یہ ہے وہ طاقت جو آپ کو ہر میدان میں فتح دیتی ہے۔“ وفد کے سردار نے کہا۔

☆

تاریخ میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ خالدؓ نے حیرہ کے باشندوں کو قبولِ اسلام کی دعو دی تھی یا نہیں، البتہ یہ شہادت بڑی صاف ملتی ہے کہ حیرہ کے باشندوں کو یہ توقع تھی کہ کمانوں کی فوج اُن کے گھر لوٹ لے گی اور اُن کی خوبصورت عورتوں کو اپنے قبضے میں لے لے گی لیکن مسلمان اُن کے گھروں میں گئے بھی تو صرف یہ دیکھنے کہ وہاں فارس کے سپاہی نہ چھپے ہوتے ہوں حیرہ والوں نے جب مسلمانوں کا یہ کردار دیکھا اور خالدؓ نے انہیں یقین دلا دیا کہ اُس شہر کے باشندے مسلمانوں کی پناہ میں ہیں تو وہ اتنے متاثر ہوئے کہ بعض نے اسلام قبول کر لیا۔ خالدؓ کو حیرہ کے لوگوں سے ایک فائدہ یہ بھی ملا کہ مسلمانوں نے اور ایک دوسرے کو وہ افراد نے بھی خالدؓ کو بڑی قیمتی معلومات دیں۔

”حیرہ آپ کا ہے۔“ حیرہ کے ایک سردار نے خالدؓ سے کہا۔ ”لیکن آپ اس شہر پر قبضہ کر کے اسن سے نہیں رہ سکیں گے۔ آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ حیرہ کے ارد گرد چار قلعے ہیں جن کے قلعہ دار مختلف قبیلوں کے سردار ہیں اور ہر ایک قلعے میں عیسائی عسکروں کی فوج موجود ہے۔“

”اگر ہم نے فارس کے نامور سالاروں کو شکست دے دی ہے تو ان قلعہ داروں کو شکست دینا شاید مشکل نہ ہوگا۔“ خالدؓ نے کہا اور پوچھا۔ ”قلعوں کی فوجیں اُسے نہیں کہیں ہیں؟“

”ہر ایک سپاہی جان لڑا دے گا۔“ مجوسی سردار نے کہا۔ ”ہم ان فوجوں کو فارس کی فوجوں کی نسبت زیادہ طاقتور اور جری سمجھتے ہیں۔“

خالدؓ کو ان چار قلعوں کی جو تفصیلات بتائی گئیں وہ یوں تھیں :

ہر قلعے کا اپنا ایک نام تھا۔ ایک قلعے کا نام قصرِ حبش تھا۔ اس کا قلعہ دار ایاس بن قبیصہ تھا۔ دوسرے قلعے کا نام قصرِ العین تھا۔ عدی بن عدی اس کا قلعہ دار تھا۔ تیسرے قلعے کا نام قصرِ بنو مازن اور قلعہ دار کا نام ابن اکال تھا۔ چوتھے قلعے کا نام قلعہ دار کے نام پر تھا۔ قلعے کا نام قصرِ ابن بقیلہ تھا جب کہ اس کا قلعہ دار عبدالرحمن بن عمرو بن بقیلہ تھا۔

خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں بتایا کہ ان قلعوں کو فتح کرنا لازمی ہے ورنہ حیرہ

ہو رہے تھے۔

سالار ضار نے جب اپنے ان تیر اندازوں کی بے خوفی دیکھی تو وہ قلعے کے ارد گرد گھوم گیا اور اُس نے تیر اندازوں سے کہا کہ وہ اور قریب سے تیر چلائیں۔

باقی تین قلعوں کی کیفیت بالکل اسی جیسی تھی۔ عیسائی بے جگری سے مقابلہ کر رہے تھے۔ مسلمان گھوڑ سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے دیوار کے قریب جاتے اور دوڑتے گھوڑوں سے تیر چلا کر آگے نکل جاتے۔ اس طرح مسلمان سواروں کو یہ فائدہ حاصل ہوتا تھا کہ وہ تیروں کا نشانہ بننے سے بچ جاتے تھے۔ اس کے باوجود سوار تیروں سے زخمی ہوتے۔ بعض مجاہدین نے یہاں تک بے جگری کا مظاہرہ کیا کہ دروازوں تک پہلے گئے اور انہوں نے دروازے توڑنے کی کوشش کی لیکن قلعوں کے دفاع میں لڑنے والوں نے اس سے زیادہ بے جگری کے مظاہرے کئے۔ دیواروں سے تیر برسانے والے جتنے تیر انداز مسلمانوں کے تیروں سے گرتے تھے، اتنے ہی تازہ دم تیر انداز ان کی جگہ لے لیتے تھے۔

☆

خالد بن قلعے کے ارد گرد گھوڑا دوڑاتے، صورت حال کا جائزہ لیتے اور مجاہدین کو یہی ایک بات کہتے کہ چاروں قلعے شام سے پہلے پہلے سر کرنے ہیں، ہم انتظار نہیں کر سکتے۔ خالد نے پیچھے رہ کر حکم نہیں دیتے بلکہ آگے دیواروں کے قریب دھاوا بک جاتے رہے جہاں اوپر سے تیروں کی بوچھاڑیں آ رہی تھیں۔ وہ دو قلعوں کے دروازوں تک بھی پہنچے اور تیر ان کے ارد گرد اڑتے رہے۔

خالد اس لیے انتظار نہیں کر سکتے تھے کہ انہیں خطرہ نظر آ رہا تھا کہ انادہ اچانک کسی طرف سے فوج کے ساتھ نمودار ہو گا اور عقب سے حملہ کر دے گا۔ وہ ملک آتش پرستوں کا تھا، زمین ان کی، فوج ان کی اور دہاں کے باشندے ان کے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہاں ان کے پہلے کوئی پناہ نہیں تھی۔ یہ خالد کی غیر معمولی جنگی فہم و فراست اور ان کی اور ان کے سالاروں کی بے مثال جرات تھی کہ وہ خطروں میں گرتے چلے جا رہے تھے اور پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ فارس کی فوج کے لیے وہ دہشت بن گئے تھے۔

خالد اس خوش فہمی میں مبتلا ہونے والے سالار نہیں تھے کہ دشمن جو شکست کھاتا اور پاپوتا چلا جا رہا ہے وہ جوانی و انہیں کو بے گما۔ وہ ان چار قلعوں کو ہی پھندہ یا جال میں دانہ سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے دیکھ بھال کے لیے دور دور آدمی بھیج رکھے تھے جو بلند جگہوں یا درختوں پر چڑھ کر ہر طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے لیے حکم تھا کہ دُور سے انہیں فوج آتی نظر آئے تو خالد کو فوراً اطلاع دیں۔

”وہ آہیں گے... وہ ضرور آئیں گے“۔ خالد کا یہ پیغام ہر ایک سالار اور ہر ایک سپاہی تک پہنچ گیا تھا، اور یہ بھی ”اللہ کے شہید! ہمت کرو۔ قلعے لے لو۔ دشمن آئے تو اُس پر تباہی پیر قلعوں کی دیواروں سے برسے۔“

مسئلہ لڑائیوں، کوثر اور پیش قدمی کے تھے ہوتے مجاہدین اپنے جموں کو جیسے بھول ہی

پر ہمارا قبضہ نہیں رہ سکے گا۔ اسلام کی عسکری روح یہی ہے کہ جہاں سے خطرے کی بڑا آتے وہاں حملہ کر دو۔ دشمن کے چیلنج کو قبول کرنا اور تیاری کی حالت میں اُس پر جا پڑنا اسلامی فن حرب و جہاد کی بنیاد ہے۔ اسی اصول کے تحت خالد نے اپنے سالاروں کو بتایا کہ کون کس قلعے پر حملہ کرے گا۔ قصرا بعض پر حملہ کرنے کے لیے ضرار ابن الازور کو حکم دیا گیا۔ ان کے ہم نام ضرار ابن خطاب کو قصرا العسین پر حملہ کرنے کا حکم ملا۔ قصرا بن بقیلہ ثعلبی کے حصے میں آیا۔ خالد نے حکم دیا کہ ان قلعوں کو فوراً محاصرے میں لے لیا جاتے۔ خالد نے سب سے پہلے چاروں قلعہ داروں کو پیغام بھیجے کہ وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں۔ اگر دونوں صورتیں انہیں منظور نہیں تو مسلمانوں کی تلواروں سے ٹپنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

چاروں قلعوں سے کورا جواب آیا۔ تمام قلعہ داروں نے بڑی دلیری سے جواب دیا کہ وہ نہ اپنے قلعوں سے دستبردار ہوں گے نہ اپنے مذہب سے۔

چاروں قلعوں پر مسلمانوں نے ایک وقت حملہ کیا اور قلعوں کو محاصرے میں لے لیا۔ فوراً ہی مجاہدین نے قلعوں میں داخل ہونے کی بڑی ہی دلیرانہ کوششیں شروع کر دیں، لیکن ہر قلعے کی فوج مجاہدین کی ہر کوشش کو ناکام کر رہی تھی۔ قصرا بعض کے دفاع نے سالار ضرار کو بہت پریشان کیا۔ قلعے کی دیواروں سے عیسائیوں نے تیروں کا مینہ برسایا مسلمان دیوار کے قریب جانے سے بے بس ہو گئے۔ قلعے کی دیوار پر ایک تختین تھی جس سے مٹی کے بڑے بڑے گولے مسلمانوں پر پھینکے جا رہے تھے۔

سالار ضرار نے قلعے کے چاروں طرف گھوڑا دوڑا کر دیکھا کسی بھی طرف سے قلعے کو سر کرنے کا امکان نظر نہیں آتا تھا۔ تختین مٹی کے چٹک گولے بڑی تیزی سے پھینک رہی تھی۔ سالار ضرار نے ایسے تیر اندازوں کو الگ کیا جو جہانی محافظ سے توانا تھے۔ ان سب کو ضرار نے حکم دیا کہ تختین کے جس قدر قریب جاسکتے ہیں چلے جائیں اور بیک وقت تختین چلانے والوں پر تیروں کی بارش ماریں۔

تیر انداز جوش و خروش سے آگے بڑھے۔ اوپر سے ان پر تیروں کی بوچھاڑیں آئیں اور اس کے ساتھ ہی تختین کے پھینکے ہوئے مٹی کے گولے بھی آنے لگے۔ کئی مجاہدین تیروں سے شدید زخمی ہو گئے لیکن اتنے زیادہ تیر ہی ان کا حوصلہ نہ توڑ سکے۔ ضرار کے بعض تیر انداز اس حالت میں آگے بڑھتے گئے کہ ان کے جموں میں دو دو تین تین تیر آ رہے ہوتے تھے۔ ان سب نے مختصراً چلانے والوں پر تیر چلائے تختین بالکل سامنے تھیں۔ اس سے مٹی کے گولے پھینکے والے تقریباً تمام کے تمام تیر کھار گئے اور تختین کے گولے بند ہو گئے۔

مسلمان تیر اندازوں نے اُس حکم کی عمل کر دی تھی جو انہیں ملا تھا۔ انہوں نے تختین کو بیکار کر دیا تھا، پھر جی وہ واپس نہ آتے۔ انہوں نے قلعے کے تیر اندازوں پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ فضا میں اڑتے تیروں کے سوا کچھ اور نظر نہ آتا تھا۔ ان مجاہدین کی سر فزائی کو دیکھتے ہوئے کئی اور تیر انداز آگے بڑھ گئے۔ یہ تیروں کی جنگ تھی جس میں دونوں طرف کے آدمی تیروں کا نشانہ

گتے تھے۔ وہ اب روحانی قوتوں سے لڑ رہے تھے۔ ایک دوسرے کو پکارتے، ایک دوسرے کا حوصلہ بڑھاتے اور دشمن کو لاکارتے تھے۔ ان کے تیرپنچے سے اوپر جا رہے تھے۔

☆

قلعوں کے اندر یہ عالم تھا کہ دیواروں سے نرمی پیر اندازوں کو اتار رہے تھے۔ زیادہ کو تیر چروں، آنکھوں اور گردنوں میں لگے تھے۔ ان کی چیخ دیکھ کر سے ان کے ساتھیوں کے حوصلے ٹوٹنے شروع ہو گئے۔ مسلمانوں کی لاکار اور ان کے نعرے قلعوں کے اندر بھی سنائی دے رہے تھے۔ ان سے قلعہ بند لوگوں پر خوف طاری ہو رہا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ قلعوں کو بہت بڑے لشکر نے محاصرے میں لے رکھا ہے۔

موتروں کے حوالوں سے محمد حسین بیکل نے لکھا ہے کہ چاروں قلعوں میں پادری اور دیگر مذہبی پیشوا تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ دیواروں سے اتنے زیادہ زخمی اتارے جا رہے ہیں تو وہ قلعہ داروں کے پاس گئے۔ تاریخ میں صرف ایک قلعے کی اندرونی کیفیت ذرا تفصیل سے ملتی ہے۔ یہ قلعہ قصر ابن بقلید تھا جس کا قلعہ دار عبدالمسیح بن عمرو بن بقلید تھا۔

عبدالمسیح کے متعلق یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ کوئی معمولی سا قلعہ دار نہ تھا۔ اُسے عراق کا شہزادہ بھی کہا گیا ہے۔ عراق پر آتش پرست قابض ہو گئے مگر عبدالمسیح کے باپ دادا نے یہ قلعہ اپنے پاس رکھا تھا۔ شہنشاہ فارس کی طرف سے اُسے کوئی اختیار حاصل نہ تھا لیکن وہ خود مختار بنا ہوا تھا۔ اُس نے باقی قلعہ داروں کو بھی اپنے زیر اثر رکھا ہوا تھا۔ وہ غیر معمولی طور پر دانشمند تھا اور جرأت میں بھی بے مثال تھا۔ اُس کی سب سے بڑی خوبی حاضر دماغی اور حاضر جوابی تھی۔ وہ ضعیف العمر ہو چکا تھا لیکن جذبے اور حوصلے کے لحاظ سے وہ جوان تھا۔

اُس نے نوشیرواں عادل کا زمانہ بھی دیکھا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی عمر خاصی زیادہ تھی۔ خوش گفتاری اور ظرفیت کی وجہ سے نوشیرواں (کبیری) اُردشیر کا دادا) عبدالمسیح کو بہت پسند کرتا تھا۔

”نوشیرواں اُ“ — اُس نے نوشیرواں عادل سے کہا — ”میں اور میرے کچھ سردار تمہاری اطاعت قبول نہیں کریں گے۔ ہم اپنے قلعوں میں رہیں گے۔ اس سے شاید تمہیں بھی کچھ فائدہ ہو۔“

”میں تمہیں اور تمہاری پسند کے سرداروں کو چار قلعے دے دیتا ہوں۔“ نوشیرواں عادل نے کہا تھا۔ ”لیکن میرے مرنے کے بعد تمہارے ساتھ فارس میں کیا سلوک ہوگا، میں بتا نہیں سکتا۔“

”تمہارے مرنے کے بعد فارس کی شہنشاہی کا زوال شروع ہوگا۔“ عبدالمسیح نے کہا تھا۔ ”اتنی ابھی باتیں کرنے والی زبان سے میں ایسی بات سن نہیں سکتا ابن بقلید اُ“ — نوشیرواں نے کہا تھا۔ ”کیا تو مجھے بددعا دے رہا ہے یا فارس کے زوال کا باعث

تو خود بنے گا؟“

”دونوں باتیں نہیں۔“ عبدالمسیح نے کہا تھا۔ ”تو عادل ہے۔ تیرے بعد عدل بھی مر جائے اور پیچھے شہنشاہی رہ جائے۔ گی۔ تیسری یا چوتھی نسل یہ انہام ڈلو دے گی، پھر فارس کی سرحدیں سکڑنے لگیں گی اور یہاں کوئی اور قوم آکر حکمران بنے گی۔“

”ماننے کو کبھی نہیں چاہتا۔“ نوشیرواں عادل نے کہا تھا۔ فارس ایک طاقت کا نام ہے۔“

”غور سے سن عادل بادشاہ اُ“ عبدالمسیح نے کہا تھا۔ ”جس دماغ میں شہنشاہی گھر کو لیتی ہے اُس دماغ سے عدل و انصاف نکل جاتا ہے۔ تخت پر بیٹھ کر رعایا کی محبت دل سے نکل جاتی ہے۔ تیرے بعد آنے والے اگر فوج پر بھروسہ کر کے رعایا کا خیال نہیں کریں گے تو وہ اپنے زوال کو تیر کریں گے۔ اُن سے تنگ آئی ہوئی رعایا اُن کا ساتھ دے گی جو باہر کے حملہ آور ہوں گے۔ میری عمر ابھی اتنی زیادہ نہیں کہ تجربے کی بنا پر بات کروں لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ آنے والا وقت فارس کے لئے اپنے ساتھ کیا لا رہا ہے۔“

اب عبدالمسیح کی عمر اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ کمر جھک گئی تھی۔ کچھ دے سکتا تھا۔ رعشہ ایسا کہ اُس کا سر ہلٹا اور ہاتھ کانپتے تھے۔ نوشیرواں عادل کی دوسری نسل کا شہنشاہ شکست کے صدمے سے مر چکا تھا اور فارس کا زوال شروع ہو چکا تھا۔

☆

خاندن کے لشکر نے آج عبدالمسیح اور اُس کے سرداروں کے قلعوں کو محاصرے میں لے رکھا تھا اور اُس کی قلعہ بند فوج کا حوصلہ کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ اُس میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ دیوار پر جا کر دیکھتا کہ محاصرے کی اور مسلمانوں کی کیفیت کیا ہے اور مسلمانوں کی نفی کنہی ہے۔ اُسے شاید مسلمانوں کی نفی کا اندازہ نہیں تھا۔ مسلمان صرف اٹھارہ ہزار تھے اور انہوں نے چار قلعوں کو محاصرے میں لے رکھا تھا بلکہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ عبدالمسیح اپنے محل میں کیا تو دیا پادری اُس کے انتظار میں کھڑے تھے۔

”کیا اگر جے میں اپنی فوج اور دشمن کی تباہی کی دعائیں ہو رہی ہیں؟“ — عبدالمسیح نے پادریوں سے پوچھا۔

”ہو رہی ہیں۔“ بڑے پادری نے جواب دیا۔

”اور تم یہاں کیوں آ گئے ہو؟“ عبدالمسیح نے کہا۔ ”جاؤ اور گرجے کے گھنٹوں کو خاموش نہ ہونے دو۔“

”ہم اپنی فوج اور لوگوں کو قتل عام سے اور ان کے گھر وں کو ٹٹ جانے سے بچانے آئے ہیں۔“ بڑے پادری نے کہا۔ ”کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہمارے کتنے سپاہی زخمی اور ہلاک ہو چکے ہیں؟ کیا آپ دشمن کی لاکار اور اُس کے نعرے نہیں سن رہے ہیں؟“

”کیا تم مجھے یہ کہنے آئے ہو کہ میں بھید ڈال دوں؟“

”آپ کی جگہ کوئی اور قلعہ دار ہوتا تو ہم ایسا مشورہ کبھی نہ دیتے“ دوسرے پادری نے کہا۔ لیکن آپ دانشمند اور تجربہ کار ہیں۔ جو آپ سمجھ سکتے ہیں وہ کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ حقیقت کو دیکھیں۔ اس سے پہلے کہ مسلمان قلعہ سر کر لیں اور قلعے میں داخل ہو کر نقل عام اور ٹوٹ مار کریں اور ہماری عورتوں کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ آپ قلعہ کچھ شرائط پر پیش کر کے ان کے حوالے کر دیں۔ یہ بہت بڑی نیکی ہوگی۔“

”مجھے سوچنے دیں“ عبدالمسیح نے کہا۔

”سوچنے کا وقت کہاں ہے؟“ پادری نے کہا۔ ”اوپر دیکھیں۔ مسلمانوں کے تیر دیوار کے اوپر سے اندر آ رہے ہیں۔۔۔ اور وہ دیکھیں۔ زخمیوں کو کندھوں پر اٹھا کر اوپر سے نیچے لا رہے ہیں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ دیوار پر اور بڑبڑوں میں ہمارے تیر اندازوں کی تعداد کس تیزی سے کم ہوتی جا رہی ہے؟ ہاتھی خون نہ ہونے دیں۔“

قلعے کے باہر مسلمانوں کے تلے اور تیروں کی بوچھاڑیں تیز ہو گئی تھیں، حالانکہ ان کے زخمیوں اور شہیدوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ عبدالمسیح نے پادریوں کی موجودگی میں فائدہ کو بھیجا کہ وہ قلعے کے دفاع کی صورت حال معلوم کر کے فوراً آئے۔

”فائدہ نے واپس آ کر جو صورت حال بتائی وہ امید افزا نہیں تھی۔ دوسرے قلعوں کی کیفیت بھی ایسی ہی تھی جو عیسائیوں کے حق میں نہیں جاتی تھی۔“

قلعے کا دروازہ کھل گیا۔ ایک ضعیف العمر آدمی گھوڑے پر سوار باہر نکلا۔ اس کے ساتھ دو تین سردار تھے۔ ان میں سے ایک سردار نے بلند آواز سے کہا کہ وہ دوستی کا پیغام لے کر باہر نکلے ہیں۔ ان کے پیچھے قلعے کا دروازہ بند ہو گیا۔

”ہم تمہارے سالار سے ملنا چاہتے ہیں“ عبدالمسیح کے اس سردار نے بلند آواز سے کہا۔

دیوار سے نیر آنے بند ہو گئے تھے مسلمانوں نے بھی تیر اندازی روک لی۔ خالد کو کسی نے تباہ کیا دشمن باہر آ گیا ہے۔

”کون ہیں وہ؟“ خالد نے پوچھا۔

”قلعہ دار عبدالمسیح خود آیا ہے۔“ خالد کو جواب ملا۔

”اے کہو مجھے اس سے ملنے کی کوئی خواہش نہیں۔“ خالد نے کہا۔ ”میں جانتا ہوں وہ ان سب کا سردار ہے۔ اے کہو کہو کہ نام نہانک باقی تینوں قلعہ داروں نے بھی ہتھیار ڈال دئے تو ہم انہیں اُس حال تک سپنا دیں گے جس میں وہ ہماری ہر شرط قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔“

جب عبدالمسیح کو خالد کا یہ پیغام ملا تو وہ جان گیا کہ فتح آخر مسلمانوں کی ہی ہوگی۔ اُس نے اُسی وقت اپنے سرداروں کو دوسرے قلعوں کی طرف دوڑا دیا۔ دوسرے قلعوں کے اندر بھی یہی کیفیت تھی جو عبدالمسیح کے قلعے کے اندر تھی۔ فوجوں کا حوصلہ کم ہو گیا تھا اور لوگوں پر خوف و ہراس طاری تھا۔ ان قلعوں کے سردار ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار تھے لیکن کوئی قلعہ دار یہ نہیں چاہتا تھا کہ ہتھیار ڈالنے میں وہ پہل کرے اور یہ تہمت اُس پر لگے کہ ہتھیار سب سے پہلے اس نے ڈالے تھے درہم کوئی بھی ہتھیار ڈالنا عبدالمسیح

کا پیغام ملتے ہی انہوں نے تیر اندازی بند کر دی اور تینوں قلعہ دار باہر آ گئے۔ انہیں خالد کے سامنے لے گئے اُس وقت خالد ایک گھنے درخت کے نیچے کھڑے تھے۔

”کیا تم نے ہمیں کمزور سمجھ کر ہمارا مقابلہ کیا تھا؟“ خالد نے ان قلعہ داروں سے کہا۔ ”کیا تم جنوں گئے تھے کہ تم عربی ہو؟ کیا تمہیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ ہم بھی عربی ہیں؟ اگر تم عربی ہوتے تو بھی تمہیں یہ امید نہیں رکھنی چاہیے تھی کہ تم اُس قوم کو شکست دے سکو گے جو عدل و انصاف میں یکتا ہے اور جس کی تلوار کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔“

”خوجہ کچھ بھی کہنا چاہتا ہے کہہ سکتا ہے۔“ ضعیف العمر عبدالمسیح نے کہا۔ ”تو فاتح ہے۔ ہمیں کچھ کہنے کا حق حاصل نہیں کیونکہ ہم نے تیرے آگے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔“

مشہور مورخ ابویوسف نے خالد اور عبدالمسیح کے ملائے لکھتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ عبدالمسیح اس قدر فوجدار ہو چکا تھا کہ اُس کی جھنڈوں دودھ کی مانند سفید ہو چکی تھیں اور اتنی نیچے آگئی تھیں کہ ان سے اُس کی آنکھیں ڈھاک گئی تھیں۔ اسی مورخ کے مطابق خالد عبدالمسیح سے متاثر ہوئے۔

”تمہاری عمر کتنی ہے؟“ خالد نے عبدالمسیح سے پوچھا۔

”دو سو سال۔“ عبدالمسیح نے جواب دیا۔

خالد یہ جواب سن کر بہت حیران ہوئے۔ انہوں نے اُس بڑے قلعہ دار کو اور زیادہ غور سے دیکھا جیسے انہیں یقین نہ آ رہا ہو کہ شخص دو سو سال سے زندہ ہے۔ کسی بھی مورخ نے عبدالمسیح کی صحیح عمر نہیں لکھی۔ واقعتاً سے پتہ چلتا ہے کہ اُس کی عمر ایک سو سال سے کچھ اوپر تھی۔

”تو نے بڑی لمبی عمر پائی ہے۔“ خالد نے کہا۔ ”یہ بتا کہ اتنی لمبی زندگی میں تم نے سب سے زیادہ عجیب چیز کیا دیکھی ہے۔“

”نو شیرواں کا عدل و انصاف۔“ عبدالمسیح نے جواب دیا۔ ”اس دور میں حکومت اُس کی ہوتی ہے جس کے بارہا میں طاقت اور ماتھے میں تلوار ہوتی ہے، لیکن نو شیرواں نے عدل و انصاف کے دریغ لوگوں کے دلوں پر فتح پائی۔ تم کہتے ہو کہ مسلمان عدل و انصاف میں یکتا ہیں۔۔۔ نہیں۔ میں نو شیرواں کو عدل ماننا ہوں۔“

”تم کہاں سے آئے ہو؟“ خالد نے عبدالمسیح سے پوچھا۔ ”کہاں کے رہنے والے ہو؟“

”ایک گاؤں ہے۔“ عبدالمسیح نے جواب دیا۔ ”جہاں تک کوئی عورت بھی سفر کرے تو اُس کے لیے روٹی کا ایک ٹکڑہ بھی کافی ہوتا ہے۔“

”کیا تم انہیں نہیں ہو؟“ خالد نے کہا۔ ”میں پوچھ کر آیا ہوں اور تم جواب کیا دے رہے ہو؟۔۔۔ میں نے پوچھا تھا کہاں سے آئے ہو۔“

”اپنے باپ کی ریڑھ کی ہڈی سے۔“ عبدالمسیح نے جواب دیا۔

”تم قلعہ دار بننے کے قابل ہو گئے تھے؟“ خالد نے پوچھا۔ ”میں نے پوچھا ہے تم کہاں سے آئے ہو؟“

”اپنی ماں کے رحم سے۔“ عبدالمسیح نے جواب دیا۔

خالدؓ نے جب دیکھا کہ اس بڑے کا بولنے کا سوتلے کا اور جلاب دینے کا انداز مضحکہ خیز سا ہے تو انہوں نے تفریح طبع کے لیے اس سے ویسے ہی سوال کرنے شروع کر دیے۔ یہ سوال وجواب تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھے ہیں۔

”تم کہاں جاؤ گے؟“ خالدؓ نے پوچھا۔

”آگے کو۔“ عبدالمسیح نے جواب دیا۔

”تمہارے آگے کیا ہے؟“

”آخرت“۔ عبدالمسیح نے جواب دیا۔

”تم جانتے ہو کہاں کھڑے ہو؟“ خالدؓ نے پوچھا۔

”زمین پر“۔ عبدالمسیح نے جواب دیا۔

خالدؓ اُس کی بے رخی اور لاپرواہی دیکھ کر اُسے یہ احساس دلانا چاہتے تھے کہ وہ فاتح سالارِ اعلیٰ کے سامنے کھڑا ہے۔ خالدؓ نے معلوم نہیں کیا سوچ کر اُس سے پوچھا: ”تم کس چیز کے اندر ہو؟“

”اپنے کپڑوں کے اندر“۔ عبدالمسیح نے جواب دیا۔

اب خالدؓ کو غصہ آنے لگا۔ انہوں نے طنز پر لہجے میں کہا: ”دنیا کم عقلوں کو تباہ کرتی ہے لیکن دانا لوگ دنیا کو تباہ کرتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں تم کم عقل ہو یا دانا۔“ مجھے صحیح جواب تمہارے لوگ ہی دے سکتے ہیں۔

”اے فاتح سالار!“ عبدالمسیح نے کہا۔ ”چونٹی بہتر جانتی ہے کہ اُس کے پل کے اندر کیا کچھ رکھا ہے۔ اونٹ نہیں بتا سکتا۔“

خالدؓ نے چونک کر عبدالمسیح کی طرف دیکھا۔ ان کا غصہ ختم ہو گیا۔ انہوں نے محسوس کر لیا کہ شخصِ احمق یا کم عقل نہیں۔ خالدؓ نے اُسے اپنی بلبری میں بٹھال دیا۔ اب خالدؓ کے اندر میں احترامِ نقد

”اے بزرگ!“ خالدؓ نے کہا۔ ”کوئی ایسی بات بتا جو تو ہمیشہ یاد رکھنا چاہتا ہے۔“ مؤرخ لکھتے ہیں کہ عبدالمسیح گہری سوچ میں کھو گیا۔ اُس کے چہرے پر اُرداسی آگئی۔ اُس نے قلعے کی طرف دیکھا۔

”میں اس وقت کو یاد کیا کرتا ہوں“۔ عبدالمسیح نے کہا۔ جب ان قلعوں کے عقب میں پہنچے ہوئے فرات میں چین کے بحری جہاز بادبان پھیلائے اُٹھ کر تے تھے، پھر مجھے جو قدرتِ باری وہ نوشیروان کا عہد حکومت ہے۔ رعایا خوشحال اور مطمئن تھی۔ کوئی جھڑپوں میں رہتا تھا یا محل میں، نوشیروان کا انصاف سب کے لیے ایک قضیہ تھا۔“

”مخزن بزرگ!“ خالدؓ نے کہا۔ ”خدا کی قسم، تو مسلمانوں کے عدل و انصاف کو بھی یاد رکھے گا۔۔۔۔۔ اگر تو اپنے لوگوں کے ساتھ اسلام قبول کرے تو تیری اور میرے لوگوں کی مخالفت ہمارے فوے ہوگی۔ تم سب کو وہی حقوق ملیں گے جو دوسرے مسلمانوں کو ملتے ہیں۔ اگر اسلام کو قبول کرنے کے لیے تو اپنے آپ کو کامادہ نہیں کر سکتا تو مجھے اور ان تمام قلعہ داروں کو وہ جزیرہ ادا کرنا ہوگا جو میں منظرِ کردل گا۔ اگر تجھے یہ بھی قبول نہیں

تو غیر تم نے دیکھا ہی لیا ہے کہ مسلمان قلعوں کو کس طرح سر کرتے ہیں اور ان کی تلوار کی کاٹ کیسی ہے۔“ ”ہم سے کچھ اور مانگا ہم دیں گے۔“ عبدالمسیح نے کہا۔ ”اپنا مذہب نہیں چھوڑیں گے۔“

بتا جائیہ کتنا ہوگا۔“

”مجھے جیسے دانا سے مجھے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”کفر نے مجھے شکست پہنچایا ہے۔ اُس عربی کو میں کم عقل سمجھتا ہوں جو عربی راستے سے ہٹ کر مجھے راستہ اختیار کرے۔“

خالدؓ کے ان الفاظ نے عبدالمسیح کو متاثر کیا۔ دوسرے کسی قلعہ دار یا سردار کو۔ وہ اپنے انکار پر قائم رہے۔ جب خالدؓ نے انہیں جو بیسے رقم بتائی تو انہوں نے اسے فوراً قبول کر لیا۔ یہ رقم ایک لاکھ نوے ہزار درہم تھی۔ جو عہد نامہ تحریر کیا گیا اس کے الفاظ یہ تھے،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ عہد نامہ خالدؓ بن ولید کے حیرہ کے سرداروں عدی بن عدی، عمرو بن عدی، عمرو بن عبدالمسیح، ایاس بن قصبہ الطائی اور جیری بن اکال سے کیا ہے۔ اس عہد نامے کو حیرہ کے لوگوں نے قبول کر لیا ہے اور اپنے سرداروں کو اس کی تکمیل کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ اس عہد نامے کے مطابق اہل حیرہ خلافتِ مدینہ کو ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ ادا کیا کریں گے۔ یہ حیرہ حیرہ کے پادریوں اور دیگر راہبوں سے بھی وصول کیا جائے گا۔ صرف پادریوں، نادار افراد اور نازک الدنیا راہبوں کو یہ حیرہ معاف ہوگا۔۔۔۔۔

”اگر یہ جسیرہ باقاعدگی سے ادا کیا جائے گا تو اہل حیرہ کے تحفظ کے ذمہ دار مسلمان ہوں گے۔ اگر مسلمانوں نے اس ذمہ داری میں کوتاہی کی تو نہ یہ نہیں لیا جائے گا اور اگر اہل حیرہ نے اس عہد نامے کی خلاف ورزی کی تو مسلمان اپنی ذمہ داری سے بری سمجھے جائیں گے۔ یہ معاہدہ ربیع الاول ۱۲ ہجری میں تحریر ہوا۔“

✽

حیرہ پر مسلمانوں کے قبضے کی تکمیل ہو گئی۔ معاہدے کے بعد تمام قلعہ داروں سرداروں اور اہل قلعے کی اطاعت قبول کر لی۔ یہ دراصل امیر المومنین ابو بکرؓ کی اطاعت تھی۔ خالدؓ شہید کی کر رہے تھے۔ اس کے بعد خالدؓ نے اپنی تمام تر فوج کے ساتھ آٹھ رکعت نفل شکرانے کے پڑھے۔ فارغ ہونے کے بعد خالدؓ نے اپنی فوج سے مختصر خطاب کیا۔

”موت کی لڑائی میں میرے ہاتھ میں تو تلواریں ٹوٹی تھیں لیکن آتش پرستوں نے جس جوانمردی سے مقابلہ کیا ہے اسے میں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ انہوں نے الیس میں ہم سے جو لڑائی لڑی ہے ایسی لڑائی میں سے پہلے نہیں دیکھی۔۔۔۔۔ اسلام کے پاس باوجود فتح و شکست اللہ کے اختیار میں ہے۔ اُس کے نام کو، اُس کی نعمتوں کو اور اُس کے رسول کو ہر وقت دل میں رکھو۔ حیرہ بہت بڑی نعمت ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے۔ یہ بھی دل میں رکھو کہ ہمارا جہاد ابھی ختم نہیں ہوا۔ جب تک کفر کا قتلہ باقی ہے جہاد ختم نہیں ہوگا۔“

خالدؓ نے شہیدوں کے لیے دعائے مغفرت کی پھر زمینوں کی عبادت کو کٹے۔ شہیدوں کی شانِ جنازہ بڑا ہی وقتِ امیرِ منظرِ قضا۔ وطن سے اتنی دور ہوا کہ شہید ہونے والوں کے لیے ہر اکھ میں آنسو۔ شہیدوں

خلافت دوزی کی جرأت نہیں کر سکتا لیکن گواہ دہونے تو میں تیری بات کو پس نہیں مان سکتا۔
شویل کو دو گواہ مل گئے۔ وہ حیرہ کی فاتح فوج میں موجود تھے۔ انہوں نے تصدیق کی کہ رسول اللہ نے
اُن کی موجودگی میں شویل سے یہ وعدہ فرمایا تھا۔
”رسول اللہ کا وعدہ میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔“ خالد نے عبدالمسح سے کہا۔ ”مجھے اپنی
بیٹی اس شخص کے حوالے کرنی ہوگی۔“

”یہ بھی شرطیں لکھ لو۔“ عبدالمسح نے کہا۔ ”کہ میری بیٹی کو کرام اس سپاہی کو دے دی جائے۔
یہ حکم عبدالمسح کے گھر پہنچا کہ کرام مسلمانوں کے سالار اعلیٰ کے پاس آجائے۔ کرام نے پوچھا کہ اُسے
کیوں بلایا جا رہا ہے۔ اُسے بتایا گیا کہ ایک مسلمان سپاہی نے اُس کی خواہش کی ہے اور اُسے اس
سپاہی کے حوالے کیا جائے گا۔

”ایسا نہ ہونے دو۔“ گھر میں جو ایک محل کی مانند تھا، دوسری عورتوں کا شور اٹھا۔ ایسا نہ ہونے
دو۔ شاہی خاندان کی ایک عورت کو ایک سپاہی کے حوالے دہونے دو جو عرب کا وحشی بڑا ہے۔“
”مجھے کس کے پاس لے چلو۔“ کرام نے کہا۔ ”اس مسلمان سپاہی نے میری جوانی کے حصّے
کی باتیں سنی ہوں گی۔ وہ کوئی باطل اور احمق گستا ہے۔ اُس نے کسی سے یہ نہیں پوچھا ہوگا کہ یہ کب کی بات
ہے کہ جب میں جوان ہوا کرتی تھی۔“

بلادری کی تشریح کے مطابق کرام کو خالد کے سامنے لے جایا گیا۔ شویل موجود تھا۔ اُس نے ایک
ایسی بڑھیا دیکھی جس کے چہرے پر جھڑپاں تھیں اور بال سفید ہو چکے تھے۔ مؤرخ طبری نے کرام کی
عمر اسی سال لکھی ہے۔ اُس کے باپ عبدالمسح نے خالد کو اپنی عمر دو سو سال بتائی تھی۔ بعض مؤرخ ان
عمر کو تسلیم نہیں کرتے۔ عبدالمسح کی عمر ایک سو سال سے ذرا ہی زیادہ تھی اور کرام کی عمر ساٹھ سو سال
کے درمیان تھی۔ بہر حال کرام ضعیف العمر تھی۔

شویل نے اُسے دیکھا تو اُس کے چہرے پر خوشی کے جواثرات تھے وہ اڑ گئے اور وہ مایوس ہو گیا۔
اچانک اسے ایک خیال آگیا۔
”امیر لشکر!“ شویل نے کہا۔ ”یہ شرط لکھ لی گئی ہے کہ کرام بنت عبدالمسح میری لونڈی ہے۔ اگر
یہ مجھ سے آزادی چاہتی ہے تو مجھے رقم ادا کرے۔“
”کتنی رقم؟“ کرام نے پوچھا۔

”ایک ہزار درہم!“ شویل نے کہا۔ ”میں اپنی مال کا بیٹا نہیں ہوں گا کہ ایک درہم بھی بخش دوں۔“
کرام کے بڑے ہوٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اس نے اُس خادمہ کو جو اُس کے ساتھ آئی تھی، اشارہ کیا۔
خادمہ درڑی گئی اور ایک ہزار درہم لے آئی۔ کرام نے یہ درہم شویل کے حوالے کر دینے اور آزاد ہو گئی۔
شویل کا یہ عالم تھا کہ ایک ہزار درہم دیکھ کر حیران ہو رہا تھا جیسے اُس کے ہوش گم ہو گئے ہوں۔ اُس
نے اپنے ساتھیوں کو جا کر فاتحانہ لہجے میں بتایا کہ اُس کے ساتھ دھوکا ہو گا تھا کہ اُس نے ایک ضعیف العمر
عورت کو ہران کھ لیا تھا لیکن اُس نے اُس سے ایک ہزار درہم کمایا۔

”موت ایک ہزار درہم ہے۔“ اُس کے ساتھی نے اُسے کہا۔ ”تو ساری عمر احمق ہی رہا۔ کرام
شاہی خاندان کی عورت ہے۔ اُس سے تو کئی ہزار درہم لے سکتا تھا۔“

کو قتل میں اتار گیا تو یہ قبریں تاریخ کے سنگ ہائے میل بن گئیں۔

خالد حبیرہ کا نظم و نسق سنبھالنے کے لیے اُس محل عامکان میں گئے جہاں زادہ کار ہاشمی مکان تھا تو
بے شمار رسوا اور امراء تھے۔ یہ کھڑے تھے جو انہوں نے خالد کو پیش کیے۔ ان میں بیش قیمت اشیاء
تھیں، ہیرے اور جواہرات بھی تھے۔ مدینہ کے مجاہدین حیران ہو رہے تھے کہ کوئی قوم انہی دولت مند بھی
ہو سکتی ہے۔

خالد نے یہ تحفے قبول تو کر لیے لیکن ہریانشینوں کی قوم کے اس سالار اعلیٰ نے اپنے لیے ایک
بھی تحفہ نہ رکھا۔ تمام تحفے مال غنیمت کے ساتھ امیر المومنین کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے مدینہ بھیج دیئے۔
مالی غنیمت زیادہ نہیں تھا کیونکہ حیرہ والوں نے جزیرہ تسلیم کر لیا اور اطاعت بھی قبول کر لی تھی۔

✱

ایک دلچسپ اور عجیب واقعہ ہو گیا۔

کچھ برس پہلے کی بات ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام میں بیٹھے تھے اور ادھر ادھر کی
باتیں ہو رہی تھیں۔ بانوں کا رخ نکالنے کے علاوہ کی طرف مڑ گیا اور ذکر فارس کی شہنشاہی کا چل نکلا۔ حیرہ
اس شہنشاہی کا بڑا اہم مقام تھا کسی صحابی نے کہا کہ حیرہ ہاتھ آجائے تو اسے فوجی اڈا بنا کر سری پرکاری قبریں
لگائی جاسکتی ہیں۔

دو مؤرخوں بلاذری اور طبری نے لکھا ہے کہ رسول کریم نے فرمایا کہ تھوڑے ہی عرصے بعد حیرہ ہمارے
قبضے میں ہوگا۔ یہ دونوں مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس محفل میں حیرہ کی اہمیت اور اس علاقے کی خوبصورتی کی باتیں ہوئے
لیکن عبدالمسح شہزادہ تھے۔ اُس کی ایک بیٹی تھی جس کا نام کرام تھا۔ اُس کے حسن کے چرچے تاجروں وغیرہ
کی زبانی دور دور تک پہنچے ہوئے تھے۔ اُس کے اپنے ملک میں اُس کا حسن و جمال ضرب المثل بن گیا تھا۔
بلاذری اور طبری نے لکھا ہے کہ رسول کریم کی اس محفل میں سیدہ حاسدہ اور عام سا ایک آدمی
شویل بھی موجود تھا۔

”یا رسول اللہ!“ شویل نے عرض کی۔ ”اگر حیرہ فتح ہو گیا تو عبدالمسح کی بیٹی کرام مجھے
دے دی جائے۔“

رسول کریم مسکرائے اور ازراہ مذاق کہا۔ ”حیرہ فتح ہو گیا تو کرام بنت عبدالمسح تیری ہوگی۔“
ان گفتگوں نے یہ نہیں لکھا کہ حیرہ کی فتح سے کتنا عرصہ پہلے یہ بات ہوئی تھی۔ اب حیرہ فتح ہو گیا۔
خالد کی فوج کا ایک اہل علم سپاہی اُس وقت اُن کے سامنے جا کھڑا ہوا جب کچھ شرط عبدالمسح اور خالد
کے درمیان طے ہو رہی تھی۔

”کیا نام ہے تیرا؟“ خالد نے اپنے اس سپاہی سے پوچھا۔ ”اور میرے پاس کیوں
آئے ہو؟“

”سالار اعلیٰ!“ سپاہی نے کہا۔ ”میرا نام شویل ہے۔ خدا کی قسم رسول اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا
تھا کہ عبدالمسح کی بیٹی کرام مجھے دے دی جائے گی۔ آج حیرہ فتح ہو گیا ہے شہزادی کرام مجھے دی جائے گی۔“
”کیا کوئی گواہ پیش کر سکتا ہے؟“ خالد نے کہا۔ ”خدا کی قسم، میں رسول اللہ کے وعدے کی“

”اچھا؟“ شویل نے بابوس ہو کر کہا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ ایک ہزار درہم سے زیادہ رقم ہوتی ہی نہیں۔ اُس کے ساتھیوں کے ایک زوردار قہقہے نے اُسے اور زیادہ بابوس کر دیا۔
خالدؓ نے مالی غنیمت کے ساتھ تمام تحفے مدینہ بھیج دیئے تھے۔ مدینہ سے خالدؓ کے لیے اہل بیتین نے پیغام بھیجا کہ یہ تحفے اگر مالی غنیمت میں شامل ہیں یا جزیئے میں تو قابل قبول ہو سکتے ہیں۔ اگر نہیں تو جنہوں نے یہ تحفے دیئے ہیں اُن سے ان کی غنیمت معلوم کر کے جزیئے میں شامل کر لو۔ اگر تم جزیئہ وصول کر چکے ہو تو تحفوں کی رقم اُن لوگوں کو واپس کر دو۔
خالدؓ نے اُن سب کو بلا کر انہیں تحفوں کی قیمت ادا کر دی۔

حیرہ کی فتح کئے بعد چند دنوں میں خالدؓ نے وہاں کا نظم و نسق روال کر دیا اور حیرہ کے اُمراء کو ہی انتظامیہ کا ذمہ دار بنادیا۔

”میرے بھائیو! خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا۔ ”میرے پاس وقت نہیں کہ میں یہاں بیٹھا رہوں لیکن نظم و نسق کی سبالی بہت ضروری ہے۔ اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ نظم و نسق کو اس بنیاد پر روال کیا جائے کہ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ وہ سکون اور اطمینان محسوس کریں کہ اُن کے جان و مال اور اُن کی عزت و آبرو کو تحفظ حاصل ہے۔ خدا کی قسم، میں ان لوگوں پر، ان عیسائیوں اور ان آتش پرستوں پر ثابت کر دوں گا کہ اسلام وہ مذہب ہے جو ظلم کو بہت بڑا گناہ سمجھتا ہے۔ رعایا کو اپنی اولاد سمجھو۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ میں نے نظم و نسق انہی لوگوں کے سپرد کر دیا ہے جو رب کعبہ کی قسم، میں ان پر اپنا حکم نہیں چھوڑوں گا۔“

اپنا حکم نہ ٹھونسنے کے نتائج چند دنوں میں سامنے آ گئے۔ اسلام کا بنیادی اصول یہی تھا کہ لوگوں کے دل جیتو مگر دل جیت کر انہیں دھوکہ نہ دو۔ انہیں ان کے حقوق کو خالدؓ اسلام کے پہلے سالار تحفے جنہوں نے مدینہ سے نکل کر کسی دوسری قوم کے علاقے فتح کیے اور انہیں اسلام کے اس بنیادی اصول پر عمل کرنے کا موقع ملا۔ مصر کے محمد بن ہشک نے بہت سے متوخیوں کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ خالدؓ نے دشمنوں کے سر اڑانے شروع کیے تو فرات کو لال کر دیا اور ایسے کسی آدمی کو زندہ نہ چھوڑا جس کی طرف سے دین اسلام کو ذرا سا بھی خطرہ تھا۔ خالدؓ ذاتی و شخصی کے قابل نہیں تھے متعصب تاریخ دانوں نے خالدؓ کو ظالم سالار کہا ہے لیکن خالدؓ نے جو بھی علاقہ فتح کیا وہاں کا انتظام مضبوط اور امن و امان کے سپرد کر دیا۔ البتہ ان کے نگران یعنی بالائی حکام مسلمان مقرر کیے جاتے تھے۔

حیرہ کو فتح کر کے خالدؓ نے سارے فارس کو فتح نہیں کر لیا تھا بلکہ خالدؓ نے خطرہ میں گھر گئے تھے۔ آتش پرست اُن پر چاروں طرف سے حملہ کر سکتے تھے۔ اگر بڑے پیمانے پر حملہ نہ کرتے تو شب خون مار مار کر مسلمانوں کی فوج کو نقصان پہنچا سکتے تھے لیکن آتش پرستوں نے ایسی کوئی کارروائی نہ کی۔ اس کی کئی اور وجوہات تھیں جن میں ایک یہ بھی کہ مضبوط علاقوں کے لوگ مسلمانوں کے سلوک سے متاثر ہو کر اُن کے حامی اور معاون بن جاتے تھے۔

حیرہ کے لواحق علاقے میں دیرنا طغ نام کی ایک بستی تھی جو عیسائیوں کی بستی کہلاتی تھی۔ وہاں بہت بڑا گھر تھا جس کے پادری کا نام صلوبا بن نسطور تھا۔ وہ عیسائیوں کا مذہبی پیشوا ہی نہیں اُن کا عسکری قائد بھی تھا۔ وہ میدان جنگ میں بھی نہیں گیا تھا لیکن جنگ و جدوجہد میں ہمارت رکھتا تھا۔

فارس کے عیسائی لٹکار کو مسلمانوں کے مقابلے میں آتے تھے اور مسلمانوں کی تلواروں اور برچھیوں سے بڑی طرح کٹتے تھے۔ ایسے عیسائیوں کی تعداد خاصی کم ہو گئی تھی جو اپنے کے قابل تھے۔ بوڑھے زندہ رہ گئے تھے یا عورتیں زندہ تھیں۔ صلو با بن سلطان اکثر کہا کرتا تھا کہ مذہب صرف ایک زندہ رہے گا اور یہ عیسائیت ہوگی۔

”نزلت رہے گا نہ مدینہ کا اسلام!۔ اس نے اپنے وعظ میں کئی بار کہا تھا۔“ سب مسٹ جاتیں گے اور زمین پر مسیح کی حکومت ہوگی۔“

چہرہ فتح ہونے تک لڑنے والے ہزار عیسائی مسٹ گئے تھے۔ باقی مسلمانوں کے ڈر سے بھاگ کر ادھر ادھر جا چھپے تھے۔ ان کے سرگردہ افراد نے پادری صلو با بن سلطان کے ساتھ رابطہ رکھا ہوا تھا۔ صلو با نے کوشش کی تھی کہ عیسائیوں کو بچا اور متحد کر کے مسلمانوں پر شب خون مارنے کے لیے تیار کرے لیکن عیسائیوں پر مسلمانوں کی ایسی دہشت بیٹھی تھی کہ وہ شب خون اور چھاپہ مار جنگ کے لیے تیار نہ ہوئے۔

☆

”مقدس باپ!۔ ایک رات ایک نامور جنگجو عیسائی شمشیل بورزانہ نے پادری صلو با بن سلطان سے کہا۔“ کیا تم اس پر یقین رکھتے ہو کہ مجھے کی گھنٹیاں اور مختار سے وعظ اس تباہی کو روک لیں گے جو ہماری طرف تیزی سے بڑھی آ رہی ہے؟“

”نہیں۔“ پادری صلو با نے کہا۔ ”میرے وعظ اور مجھے کے گھنٹے کی آوازیں اب اس تباہی کو نہیں روک سکتیں۔“

”پھر تم ہمیں اجازت کیوں نہیں دیتے کہ ہم مسلمانوں کی فوج پر ہر رات شب خون ماریں؟“ شمشیل بورزانہ نے کہا۔ ”مدینہ کے مسلمان جنت نہیں، بھوت نہیں۔ انسان ہیں۔ ہماری طرح کے انسان ہیں۔“

”شمشیل!۔ پادری صلو با نے کہا۔“ بیشک وہ انسان ہیں لیکن تمہاری طرح نہیں ہیں۔ ان میں کچھ اور ہی بات دیگھی ہے.... وہ فتح کا عزم لے کر آتے ہیں۔ اگر انہوں نے اپنے جسموں کے متعلق بھی روئیہ رکھا تو آخری فتح بھی انہی کی ہوگی۔“

”مقدس باپ!۔ شمشیل نے کہا۔“ میں جسموں والی بات نہیں سمجھا۔“

”سمجھنے کی کوشش کرو۔“ پادری صلو با نے کہا۔ ”یہ لوگ جنہیں کسریٰ اردو شیر عرب کے بدو کہتا رہا ہے، جہاں آسمانوں اور لہڑیوں کو قبول نہیں کرتے۔“

”مقدس باپ کی زبان سے دشمن کی تعریف ابھی نہیں لگتی۔“ شمشیل نے کہا۔

”اگر تم اپنے آپ میں دشمن کے اچھے اوصاف پیدا کرو تو تم شکست سے بچ سکتے ہو۔“ پادری صلو با نے کہا۔ ”کیا تمہارے دوستوں نے مسلمانوں کو جال میں پھانسنے کے لیے پندرہ جہیں لوکیاں نہیں بھیجی تھیں؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اس کا کچھ علم نہیں ہوتا؟ تمہاری تلواروں کی دھار کندہ ہو چکی ہے اس لیے تم لوگوں نے عورتوں کو استعمال

کیا ہے۔ کیا تم انکار کرو گے؟“

”نہیں مقدس باپ!۔ شمشیل نے شرمسار ساہو کے کہا۔“ ہمارے ایک بزرگ نے کہا تھا کہ ایک تلوار ایک دار میں ایک آدمی کو کاٹ سکتی ہے لیکن ایک جہیں عورت کا ایک دار ایک سو آدمیوں کو گھٹال کر دیتا ہے۔ مسلمان سوار گھوڑوں کو جھیل سے پانی پلانے لایا کرتے ہیں۔ وہ چار چار چھ کی ٹولیوں میں آتے ہیں۔ جھیل کے ارد گرد اونچی چٹانیں اور گھنا جنگل ہے۔ ہماری لوکیوں نے مسلمان سواروں کو اپنی طرف کھینچنے کی بہت کوشش کی لیکن ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ہماری بعض لوکیاں نیم برہنہ ہو کر انہیں چٹانوں کے پیچھے چلنے کے اشارے کرتی رہیں لیکن ہوا یہ کہ بعض سوار منہ پھیر لیتے اور بعض ہنس پڑتے تھے۔“

”اور مجھے یہ بھی معلوم ہے شمشیل!۔ پادری صلو با نے کہا۔“ کہ تم لوگوں نے مسلمانوں کے گشتی سفر پلوں کو بھی پھانسنے کی کوشش کی تھی اور تم لوگوں نے یہ بھی سوچا تھا کہ مسلمانوں کے سالاروں کو اور خاندانوں کو قتل کرنے کے لیے لوکیوں کو استعمال کیا جائے۔“

”ہاں مقدس باپ!۔ شمشیل نے کہا۔“ ہم نے ایسا سوچا تھا۔“

”پھر اس سوچ پر عمل کیوں نہ کیا؟“

”اس لیے نہ کیا کہ جس فوج کے سپاہیوں کا کردار اتنا مضبوط ہے، اس کے سالار تو فرشتوں جیسے ہوں گے۔“ شمشیل نے جواب دیا۔ ”اب ہمارے سامنے ہی ایک صورت رہ گئی ہے کہ مسلمان فوج پر شب خون مارنے شروع کر دیں اور انہیں اتنا نقصان پہنچائیں کہ یہ سپانی پر مجبور ہو جائیں۔“

”کیا تم کسریٰ کی فوج سے زیادہ طاقتور ہو؟۔ پادری صلو با نے کہا۔“ وہ جو کہتے

تھے کہ زمین پر کوئی طاقت ان کے مقابلے میں اٹھنے کی جرأت نہیں کر سکتی، اب کہاں ہیں

آگ کو پوجنے والوں کے تمام نامور سالار مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ گئے ہیں۔ ہم نے ان کی

خاطر مسلمانوں سے لڑ کر غلطی کی ہے۔“

”تو کیا مقدس باپ، تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ دشمنی نہ رکھیں؟۔“

شمشیل نے حیران ساہو کے پوچھا۔

”ہاں!۔ پادری صلو با نے جواب دیا۔“ میں ہی کہنا چاہتا ہوں، بلکہ میں مسلمانوں کے

ساتھ دوستی کرنا چاہتا ہوں۔“

”مقدس باپ!۔ شمشیل نے کہا۔“ پھر تم کہو گے کہ تم مسلمانوں کے مذہب کو بھی

قبول کرنا چاہتے ہو۔“

”نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔“ پادری صلو با نے کہا۔ ”جب سے حیرہ پر مسلمانوں کا قبضہ

ہوا ہے، میں ہی دیکھ رہا ہوں کہ ان سے ہمارے مذہب کو کتنا کچھ خطرہ ہے۔ میں نے

دیکھ لیا ہے کہ عیسائیت کو کوئی خطرہ نہیں۔ مسلمان اپنا مذہب قبول کرنے کی دعوت دیتے

ہیں، وہ زبردستی اپنا مذہب مضبوط کرکوں پر نہیں ٹھونکتے.... کیا انہیں معلوم نہیں کہ یہاں

ایک گرجا ہے جس میں مجھ جیسا جہانگیر اور مذہب پر مرٹنے والا پادری موجود ہے؟
انہیں معلوم ہے شیل! میں دوایتوار گرجے میں آنے والے عیسائیوں کے جوم میں دو
اجنبی آدمیوں کو دیکھتا رہوں۔ میں نے ان کے گلوں میں صلیبیں لٹکتی دیکھی تھیں۔ وہ ہر لحاظ
سے عیسائی لگتے تھے لیکن میری دوربین انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ دونوں مسلمان ہیں
اور وہ مدینہ کے نہیں فارس کے رہنے والے ہیں۔ وہ ولید کے بیٹے خالد کے جاسوس
تھے۔ میں اپنے وعظ میں محتاط رہا۔

”مقدس باپ! شیل نے کہا۔ اگر تم مجھے اشارہ کر دیتے تو وہ دونوں زندہ واپس
نہ جاتے۔“

”پھر اس گرجے کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی۔ پادری صلوبا نے کہا۔ عقل
اور جوش میں ہی فرق ہے شیل! تم میں جوش ہے اور میں عقل سے کام لے رہا ہوں
.... میں تم لوگوں کو مسلمانوں پر شب خون مارنے اور لڑنے کی اجازت نہیں دوں گا۔“

✱

دو تین روز بعد پادری صلوبا بن لسطونا گرجے میں تمام عیسائی سرداروں سے کھڑا ہوا تھا۔
”... حقیقت کو دیکھو کبھی کی اتنی زبردست فوج مدینہ کی قلیل سی فوج کے مقابلے میں نہیں
ٹھہر سکی۔ تم نے بھی مسلمانوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لیا ہے۔ اب مسلمانوں سے ٹھکرا کر تم تباہ ہو
جانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ رقت کا ساتھ دو۔ مسلمانوں نے تمہارے مذہب کے لیے
کوئی خطرہ پیدا نہیں کیا۔ انہوں نے ہمیں اور آتش پرستوں کو بھی اپنی اپنی عبادت گاہوں میں عبادت
کی اجازت دے رکھی ہے۔ مسلمانوں نے عدل و انصاف میں جو مساوات قائم کی ہے وہ
تم خود دیکھ رہے ہو۔“

”اور تم یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ تم ان کے خلاف آتش پرستوں کے دوش بدوش لڑے
تھے لیکن مسلمانوں نے تمہارے خلاف کسی قسم کی انتقامی کارروائی نہیں کی۔ انہوں نے کاشٹکالو
کی زمینوں پر قبضہ نہیں کیا۔ ان کے فصلوں میں اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں چھوڑے
بلکہ آتش پرست حاکم ان غریب کسانوں پر جو ظلم و تشدد کرتے اور ان کی کھیتوں کی پیداوار
اٹھا لے جاتے تھے۔ یہ ٹوٹ ٹھوس ختم ہو چکی ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہ کرو کہ مسلمان
رعایا کو پورے حقوق دے رہے ہیں۔“

”تم پر خدا سے یسوع مسیح کی رحمت ہو! ایک سردار نے پادری صلوبا کو لوٹ سکتے
ہوئے کہا۔ کیا تم ہمیں یہ ترغیب دے رہے ہو کہ ہم مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لیں؟
”کیا یہ جاری ہے عزتی نہیں؟ ایک اور سردار نے کہا۔

”مسلمانوں نے تمہاری عزت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ پادری صلوبا نے
کہا۔ کیا تم نے انہیں سچا لے کر گمراہ کرنے کے لیے اپنی لوہکیوں کو نہیں بھیجا تھا؟ کیا
وہ تمہاری لوہکیوں کو اٹھا کر نہیں لے جاسکتے تھے؟ اور مسرت ہو کر کبھی کے حاکموں

نے تمہاری کتنی لوہکیوں کے ساتھ زبردستی شادی کی تھی۔ جسے جو لڑکی ابھی لگی وہ اسے نکال لے
گیا۔ اور یہ بھی سوچو کہ فارس کے وہ سالار اور کھاندار کہاں ہیں جن کے ساتھ مل کر تم مسلمانوں
کے خلاف لڑے تھے؟ کیا انہوں نے تم سے پوچھا ہے کہ تم کس حال میں ہو؟ کیا انہوں
نے آکر دیکھا ہے کہ تم میں سے جو مارے گئے ہیں، ان کی بیویاں کس حال میں ہیں؟
ان کے بچے کس حال میں ہیں؟ اور مسلمان تمہیں سزا تو نہیں دے رہے؟

”بے شک وہ ہیں بھول گئے ہیں۔ ایک بوڑھے سردار نے کہا۔
”تو سچا کہتا ہے مقدس باپ! ایک اور سردار بولا۔ اب بتا ہمیں کیا کرنا چاہیے۔
تو ہمیں کس راستے پر لے جانا چاہتا ہے۔“

”یہ تمہاری سلامتی کا راستہ ہوگا۔ پادری صلوبا نے کہا۔ اس میں تمہارے جان و مال
کی اور تمہارے مذہب کی سلامتی ہے۔ میں مسلمانوں کی اطاعت قبول کر رہا ہوں اور

میں بالفطرت اور لبسا کے علاقے کی تمام قابل کاشت اراضی کا لگان وصول کر کے مسلمانوں کو ادا
کیا کروں گا۔“

✱

تقریباً تمام مونیوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے جن سلوک، عدل و انصاف اور
اسلوب حکومت سے متاثر ہو کر دیرناطٹ کے پادری صلوبا بن لسطونا نے سب سے پہلے
خالد کے سامنے جا کر اطاعت قبول کی اور دس ہزار دینار خالد کو پیش کیے۔ اس رقم کے
ساتھ وہ ہیرے اور بیش قیمت موتی بھی تھے جو کبھی ارد شیر نے پادری صلوبا کو تحفے کے
طور پر دیئے تھے۔ یہ موتی دراصل رشوت تھی جو ارد شیر نے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف
لڑانے کے لیے پادری صلوبا کو دی تھی۔ خالد کے حکم سے ایک معاہدہ لکھا گیا:

”یہ معاہدہ مدینہ کے سالار خالد بن ولید اور صلوبا بن لسطونا کی قوم کے ساتھ طے ہوا اور
تحریر کیا جاتا ہے۔ اس کے مطابق صلوبا بن لسطونا عیسائی قوم کی طرف سے دس ہزار دینار
سالانہ بطور جزیہ ادا کرے گا اور کبھی کے ہیرے اور موتی اس رقم کے علاوہ وصول کیے جائیں
گے۔ جزیہ کی رقم صرف ان عیسائیوں سے ہر سال وصول کی جائے گی جو اس کی استطاعت
اور توفیق رکھتے ہیں اور جو کھانے کے قابل ہوں گے۔ ہر کسی کو جزیہ کا اتنا ہی حصہ دینا پڑے
گا جتنا وہ آسانی سے ادا کر سکے گا۔ اس معاہدے کی رو سے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا
ہے کہ وہ عیسائیوں کی بستیوں، اقلیتوں اور لبسا کو ہر طرح کا تحفظ دیتا کریں۔ پادری صلوبا بن لسطونا
کو اس کی قوم کا نمائندہ تسلیم کیا جاتا ہے جیسا کہ اسے اس کی قوم نے تسلیم کیا ہے۔ اس
معاہدے پر جو خالد بن ولید نے کیا ہے، تمام مسلمان رضا مند ہیں اور اس پر عمل کریں گے۔“
پادری صلوبا اس علاقے کی نامور شخصیت تھی۔ ارد گرد کے بڑے بڑے سرداروں اور گردہ
افراد نے جب دیکھا کہ صلوبا نے خالد کی اطاعت قبول کر لی ہے تو وہ سب حیرہ پہنچے اور خالد
کی اطاعت قبول کرنے لگے۔ انہوں نے جو نقد جزیہ ادا کیا وہ بیس لاکھ درہم تھا۔ مسلمانوں کے

اُس نے شراب پی اور بے ہوش ہو گیا اور ذرا دیر بعد مر گیا۔ اب سات آٹھ آدمیوں اور تین جوان عورتوں کو شہزادے کو شراب میں زہر ملائے کے شبہ میں قتل کیا گیا۔۔۔ سالار اعلیٰ تیسرا شہزادہ تخت پر بیٹھا۔ دوسرے روز وہ محل کے باغ میں ایک بڑی دلکش رقاصہ کے ساتھ بطل رہا تھا کہیں سے بیک وقت دو تیر آئے۔ ایک اُس کی آنکھ میں اور دوسرا اُس کی شہرگ میں اتر گیا لبرکڑ کا تخت پھر خالی ہو گیا۔۔۔

”تخت ابھی تک خالی ہے۔ کسریٰ کے وزیر اور دو سالاروں نے تاجپوشی کا سلسلہ روک دیا ہے۔ انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ جو علاقے فارس کی شہنشاہی میں رہ گئے ہیں، انہیں مسلمانوں سے بچایا جائے۔ انہوں نے دجلہ کے پار اپنی فوج کو اس طرح پھیلا دیا ہے کہ ہم جس طرف سے بھی پیش قدمی کریں، وہیں روک لیا جائے۔“

”اُن کی اس فوج کی نفی کتنی ہوگی؟“ خالد نے پوچھا۔

”ہم سے دشمنی ہوگی۔“ جاسوس نے جواب دیا۔ ”اس سے زیادہ ہوگی کم نہیں ہو سکتی۔“

مدائن دجلہ کے پار ہے۔ آتش پرست ہمیں دریا پار نہیں کرنے دیں گے۔“

”اللہ کے دریا اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کو نہیں روک سکتے۔“ خالد نے کہا۔

”آتش پرست ہمیں روکنے کے قابل نہیں رہے۔ جس قوم کے سرداروں میں جھوٹ بڑھتی ہے اُس قوم کی قسمت میں تباہی کے سوا کچھ نہیں رہتا۔“

✱

”ہم مدائن کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔“ خالد نے اپنے سالاروں سے کہا۔ ”ہم دشمن کو منجھکنے کی ہمت نہیں دیں گے۔“

خالد اپنے سالاروں کو کوچ کے احکام دے رہے تھے کہ انہیں اطلاع دی گئی کہ مدینہ سے خلیفۃ المسلمین کا قاصد آیا ہے۔ خالد نے قاصد کو فوراً اندر بلا لیا۔

”کیا مدینہ کے لوگ ہمیں اچھے نام سے یاد کرتے ہیں؟“ خالد نے قاصد سے پوچھا۔

”خدا کی قسم، مدینہ کی ہوا میں بھی آپ کو یاد کرتی ہیں۔“ قاصد نے کہا۔ ”امیر المؤمنین مسجد میں آپ کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ کئی بار کہہ چکے ہیں۔ کیا مائیں خالد جیسا ایک اور بیٹا جن سکین گی؟“

”لوگ ہر روز آپ کی خبر کا انتظار کرتے ہیں۔“

”پیغام کیا ہے؟“

قاصد نے پیغام خالد کو دے دیا خالد پڑھتے جا رہے تھے اور اُن کے چہرے کا تاثر بدلتا جا رہا تھا۔ وہاں جو سالار موجود تھے، وہ پیغام سننے کو بیاب ہو گئے۔

”امیر المؤمنین کے سوا مجھے کون روک سکتا تھا۔“ خالد نے کہا اور سالاروں سے مخاطب ہو کر بولے۔ ”امیر المؤمنین نے حکم بھیجا ہے کہ عیاض بن غنم دومتہ البجند میں لڑ رہا ہے۔ اللہ اُسے فتح عطا فرمائے۔“

ادھر سے فارغ ہو کر وہ ہمارے پاس آجائے گا۔ امیر المؤمنین نے کہا ہے کہ جب عیاض اپنی فوج لے کر ہمارے پاس آجائے تو ہم آگے بڑھیں۔ اُس کے

شجاعت کی دھاک دور دور تک بٹھ گئی۔ بڑا ہی وسیع علاقہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گیا۔ خالد نے وقت ضائع کیے بغیر اس علاقے میں اسلامی حکومت قائم کر دی اور انہی سرداروں میں اُمّیر منتخب کر کے مختلف علاقوں میں مقرر کر دیئے۔ اس کے ساتھ ہی اپنی فوج کے کچھ دستے اس مقصد کے لیے سارے علاقے میں پھیلا دیئے کہ کہیں سے اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت نہ اٹھ سکے۔

یہ دستے گھوڑسوار تھے اور برق رفتار۔ خالد نے اپنے تین بڑے ہی تیز اور پھر تیلے سالاروں — ضرار بن الازور، قعقاع اور شہابی بن حارثہ — کو ان دستوں کے ساتھ بھیجا تھا۔ ان تینوں کا انداز ایسا جارحانہ تھا کہ جہر جاتے تھے اور ہر لوگ دبا جاتے اور ان کے سردار آگے آکر طاقت قبول کر لیتے تھے۔ اس طرح جنرل ۴۳۳ء (ریج الاضر ۱۲ ہجری) میں دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقے اسلامی سلطنت میں آ گئے۔

✱

تخت و تاج کے ہوس کاروں نے اپنی قوموں کو تاریخ کی تاریکیوں میں گم کیا اور اپنے ملک دشمن کے حوالے کیے ہیں۔ فارس کی شہنشاہی جو ناقابلِ تسخیر سمجھی جاتی تھی اور جس کی فوج زہر پوش تھی، اب زوال پذیر تھی۔ مسلمانوں کی فوج کی نفی فارس کی فوج کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی۔ یہ نفی زہر پوش بھی نہیں تھی اور آتش پرستوں کی فوج کی طرح اتنی زیادہ مسلح بھی نہیں تھی مگر آتش پرست شکست شکست کھاتے چلے گئے اور فارس کے دارالحکومت مدائن کو خطرہ پیدا ہو گیا۔ وہاں اب کسریٰ اُردشیر نہیں تھا۔ وہ صدمے سے مر گیا تھا۔

تاریخ گواہ ہے اور یہ قرآن کا فرمان ہے کہ اللہ جس قوم کو اُس کے اعمال بد کی سزا دینے پر آتا ہے اُس پر نااہل اور خود غرض حکمران مسلط کر دیتا ہے جو اسی قوم کے افراد ہوتے ہیں۔ اللہ کا یہ قہر آتش پرستوں پر گرا، شہزادہ مدائن میں اُردشیر کی موت کے بعد اُس کے خاندان میں تخت و تاج کی جنگ شرمع ہو چکی تھی۔

خالد کے جاسوس مدائن میں ہی نہیں، کسریٰ کے محل میں بھی پہنچ چکے تھے۔ وہ جن خبریں بھیج رہے تھے وہ خالد کے لیے امید افزا تھیں۔

”مدائن کا تخت اب وہ تختہ بیجا ہے جس پر تہمت کو غسل دیا جاتا ہے۔“ ایک جاسوس نے مدائن سے آکر خالد کو بتایا۔ یہ تخت کسریٰ کے تین شہزادوں کی جاہیں لے چکا ہے۔ اُردشیر کی متعدد دیویاں ہیں اور ہر دیوی کے جوان بیٹے ہیں۔ ہر دیوی اپنے بیٹے کے سر پر کسریٰ کا تاج رکھنا چاہتی ہے۔ اُردشیر کے مرنے کے بعد ایک شہزادے کو تخت پر بٹھایا گیا۔ دروز بعد وہ اپنے گھر سے اس حالت میں مُردہ پایا گیا کہ اُس کا سر اُس کے دھڑ سے الگ تھا۔ وہ نہایت خوبصورت اور جوان لڑکیوں کو، دربان کو اور دذپرہ وارد کو جلا دے کے حوالے کر دیا گیا۔ اس شہزادے کے قتل کے شبہ میں ان سب کے سر قلم کر دیئے گئے۔۔۔

”اس کی جگہ اُردشیر کی ایک اور بیوہ کے بیٹے کے سر پر کسریٰ کا تاج رکھا گیا تیسرے دن

☆

”خلیفۃ المسلمین کے اس حکم کو جو تم نے مناجسہ، ذہن سے اُتار دو“ — خالد نے اپنے سالاروں سے کہا۔ ”دل میں خلافتِ مدینہ کا پورا احترام رکھتے ہوئے ان حالات کو دیکھو جو ہم نے آتشِ پستوں کے لیے پیدا کر دیئے ہیں۔ اگر ہر عیاض کے انتظار میں نہیں بیٹھے

خالدؓ کا بھیجا ہوا کماندار واپس آیا تو اُس نے خالدؓ کو بتایا کہ عیاض بن غنم کیسے آئے گا، اُسے تو خود مدد کی ضرورت ہے۔ کماندار نے دو مہینے بعد میں عیاض اور دشمن کی فوجوں کی پوزیشن تفصیل سے بیان کیں۔

”خلیٰ قسم، میں یہاں انتظار میں فارغ نہیں بیٹھ سکتا“۔ خالدؓ نے پرجوش آواز میں کہا۔

”پیشتر اس کے کہ دشمن آگے آجائے، میں آگے بڑھوں گا۔ مدائن کی شہر پناہ مجھے پکار رہی ہے.... کوئٹھ کی تیاری کرو۔“

مشہور مورخوں بطری اور بلاذری نے لکھا ہے کہ خالدؓ کی خود سری اور کسری مشہور تھی۔ وہ عین سے بیٹھنے والے سالار نہیں تھے۔ اس صورت میں کہ دشمن چار کھیتیں کھا چکا تھا اور اُس کا نظام درجہ برہم ہو گیا تھا اور مدائن کے شاہی ایوان میں اتنی ہیسی ہوئی تھی، خالدؓ فارغ بیٹھ ہی نہیں سکتے تھے۔

خالدؓ کا جاسوسی کا نظام بڑا تیز اور ذہین تھا۔ اس میں زیادہ تر وہ مسلمان تھے جو فارس میں غلاموں جیسی زندگی بسر کرتے رہے تھے۔ وہ ان علاقوں سے واقف تھے اور مختلف قبیلوں کی زبانیں سمجھ اور بول سکتے اور ان کا بہروپ دھار سکتے تھے۔ وہ مدائن کے محلات کے اندر کی خبریں لے آتے تھے۔ اب انہوں نے خالدؓ کو خبریں دینی شروع کر دیں کہ فارس کی فوج کہاں کہاں موجود ہے اور کس جگہ کیا کیفیت ہے۔

ان کی اطلاعوں کے مطابق ایرانیوں کی فوج کی زیادہ تر نفری دشمنوں میں تھی۔ ایک تھا عین اہمر اور دوسرا انبار۔ عین اہمر حیرہ کے قریب تھا اور انبار اس سے دُگنے فاصلے پر آگے تھا۔ عین اہمر دریائے فرات سے دُور بہت کراؤ تھا اور انبار فرات کے کنارے پر تھا۔ خالدؓ نے فیصلہ کیا کہ پہلے انبار پر حملہ کیا جائے۔ یہ بھی تجارتی شہر تھا جس میں غلے کے بہت بڑے بڑے ذخیرے تھے۔

جون ۶۳۳ء کے آخر (ربیع الاول ۱۲ھ کے وسط) میں خالدؓ نے حیرہ سے کوچ کیا۔ اُن کے ساتھ اُن کی آدھی فوج یعنی نو ہزار نفری تھی جو حملے کے لیے بہت ہی تھوڑی تھی لیکن خالدؓ کو اللہ پر اور اپنی جنگی فہم و فراست پر بھروسہ تھا۔ وہ مفتوحہ علاقوں کو فوج کے بغیر نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ عیسائی اور دیگر قبیلوں نے اطاعت تو قبول کر لی تھی لیکن مسلمانوں کو بڑے تلخ تجربے ہوتے تھے۔ اطاعت قبول کرنے والے موقع ملتے ہی اطاعت سے منکر اور باغی ہو جاتے تھے۔ حیرہ میں خالدؓ نے عقاب بن عمرو اور اقرع بن حابس کو چھوڑا تھا۔

یہاں ایک غلطی کی وضاحت ضروری ہے۔ دو چار تاریخ دانوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ حیرہ میں سالار عیاض بن غنم کے انتظار میں ایک سال رُکے رہے۔ یہ غلط ہے۔ اُس دور کی تحریروں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ خالدؓ نے حیرہ میں پورا ایک مہینہ بھی انتظار نہیں کیا نہ انہوں نے امیر مسلم بن عقیل کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ اُن کے حکم کے خلاف سالار عیاض کا انتظار کئے بغیر مدائن کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں۔

خالدؓ اپنی نو ہزار سپاہ کے ساتھ فرات کے کنارے کنارے بڑی تیزی سے بڑھتے گئے۔ ان کے جاسوس مختلف بہروپوں میں دریا کے دوسرے کنارے پر آگے آگے جا رہے تھے۔ انبار سے تھوڑی دُور وہ گئے تو خالدؓ نے فرات عبور کیا اور اُس کنارے پر چلے گئے جس پر انبار واقع تھا۔ وہاں انہوں نے مختصر سا قیام کیا اور دو غلط تحریروں کرائے۔ ایک کسری کے نام اور دوسرا مدائن کے حکام اور امراء و عیزہ کے نام۔ کسری کے نام خالدؓ نے لکھوایا، ”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خالدؓ بن ولید کی جانب سے شاہ فارس کے نام۔ میں شکر ادا کرتا ہوں اللہ کا جس نے منہاری بادشاہی کو تہہ و بالا کر ڈالا ہے اور منہاری عیادیل کو کامیابی سے محروم رکھا ہے اور تم آپس میں ہی دست و گریباں ہو رہے ہو۔ اللہ اگر تمہیں مزید مہلت دیتا تو مجھ گھائے میں تم ہی رہتے۔ اب منہاری نجات کا ایک ہی راستہ ہے۔ مدینہ کی اطاعت قبول کرلو۔ اگر یہ منظور ہے تو میں شرائط طے کرنے کے لیے دوستوں کی طرح آؤں گا، پھر ہم تمہارے علاقے سے آگے نکل جائیں گے۔ اگر پس و پیش کر دو گے تو تمہیں ایسی قوم کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑیں گے جسے موت اتنی ہی عزیز ہے جتنا تم زندگی کو عزیز رکھتے ہو۔“

خالدؓ نے مدائن کے حکام اور امراء کے نام لکھوایا:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خالدؓ بن ولید کی جانب سے فارس کے امراء کے نام۔ تمہارے لیے بہتر صورت یہی ہے کہ اسلام قبول کرلو۔ ہم تمہاری سلامتی اور تحفظ کے ذمہ دار ہوں گے۔ اسلام قبول نہ کرو تو جزیہ ادا کرو، ورنہ سوچ لو کہ تمہارا سامنا ایک ایسی قوم سے ہے جو موت کی اتنی ہی شیطانی ہے جتنے فریفتہ تم شراب پر ہو۔“

خالدؓ نے شاہ فارس کے نام خط حیرہ کے رہنے والے ایک آدمی کے ہاتھ بھیجا اور امراء و عیزہ کے نام خط لے جانے والا انبار کا رہنے والا ایک آدمی تھا۔ کبھی بھی مورخ نے ان دونوں آدمیوں کے نام نہیں لکھے۔

☆

انبار جس علاقے میں تھا وہ ساباط کہلاتا تھا۔ ساباط آج کل کے ضلعوں کی طرح تھا اور انبار اس ضلع کا سب سے بڑا شہر تھا۔ ساباط کا حاکم یا امیر شیر زاد تھا جو اُس وقت انبار میں مقیم تھا۔ وہ دانشمند اور عالم تھا۔ اُس میں عسکری صلاحیت ذرا کم تھی، لیکن انبار میں فوج اتنی زیادہ تھی کہ اُسے عسکری سوجھ بوجھ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اپنی فوج کے علاوہ اُس کے ساتھ عیسائیوں کی بے شمار نفری تھی۔

اتنی زیادہ فوج کے علاوہ انبار کی شہر پناہ بڑی مضبوط تھی اور دفاع کا یہ انتظام بھی تھا کہ شہر کے ارد گرد گہری خندق تھی جس میں پانی تھا۔ اس طرح انبار کو ناقابلِ تسخیر شہر بنا دیا گیا تھا۔ خالدؓ کے لیے تو یہ اس لیے بھی ناقابلِ تسخیر تھا کہ اُن کی فوج کی کل نفری نو ہزار تھی۔ انبار کے جاسوسوں نے مسلمانوں کی فوج کو شہر کی طرف آتے دیکھا تو انہوں نے شیر زاد کو جانتا، پھر سارے شہر میں خبر پھیل گئی کہ مدینہ کی فوج آ رہی ہے۔ شیر زاد دوڑا گیا اور دیوار

صبح طلوع ہونے ہی خالہ گھوڑے پر سوار ہوتے اور شہر کے ارد گرد گھومتا اور ڈرانے لگے۔ وہ دیوار اور خندق کا جائزہ لے رہے تھے۔ انہوں نے اپنے سالاروں سے کہا کہ انہیں ایک ہزارا کیسے تیر اندازوں کی ضرورت ہے جنہیں اپنے نشانے پر پورا پورا اعتماد ہو اور جن کے بازوؤں میں آگنی طاقت ہو کہ کانوں کو کھینچیں تو کانیں دوسری ہو جائیں اور عام تیر اندازوں کی نسبت ان کے تیر بہت دیر جاتیں۔

”جلدی“ خالہ نے کہا۔ ”بہت جلدی یہیں شام تک اس شہر میں داخل ہونا ہے۔“ نختوی سی دیر میں ایک ہزار تیر انداز آگئے۔ یہ چنے ہوئے تھے اور سب کے سب جوان اور بڑے مضبوط جسموں والے تھے۔

”تم سب خندق تک اس طرح ٹپکتے ہو تے جاؤ کہ کانیں تمہارے ہاتھوں میں لٹک رہی ہوں۔“ خالہ نے کہا۔ ”ایسا لگے جیسے تم ٹپکتے ٹپکتے خندق کے قریب چلے گئے ہو۔ جول ہی خندق کے قریب جاؤ، نہایت تیزی سے ترکشوں سے تیر نکالو، کانوں میں ڈالو اور دیوار پر کھڑے دشمن کے تیر اندازوں کی آنکھوں کا نشانہ لے کر تیر چلاؤ۔ پیشتر اس کے کہ وہ جان سکیں کہ یہ کیا ہو گیا ہے، ایک ایک، اس کے بعد پھر ایک ایک تیر چلاؤ۔“

مورخ طبری کے مطابق خالہ نے حکم دیا تھا۔ ”صرف آنکھیں.... صرف آنکھیں“ ایک ہزار تیر انداز خالہ کے حکم کے عین مطابق آہستہ آہستہ خندق تک گئے۔ دیوار پر دشمن کے سپاہی ہنس رہے تھے اور بے پروائی سے کھڑے تھے۔ انہیں مسلمانوں کا کوئی ارادہ نظر نہیں آتا تھا کہ وہ خندق کو پھلانگنے کی کوشش کریں گے۔ خندق کے قریب پہنچ کر ان ایک ہزار تیر اندازوں نے اوپر دیکھا، ادھر اُدھر دیکھا، خندق میں دیکھا اور احمقوں کی سی حرکتیں کیں۔ آتش پرستوں کے تیر اندازوں نے ان پر تیر چلانے کی ضرورت محسوس نہ کی حالانکہ مسلمان تیر انداز ان کی زد میں تھے۔

اچانک مسلمان تیر اندازوں نے ترکشوں میں سے ایک ایک تیر نکالا، ایک ایک چھپکنے تیر کانوں میں ڈالے، کانیں آگے بڑھے دشمن کی آنکھوں کے نشانے لیے اور تیر چھوڑ دیئے۔ ایک ہزار تیروں میں سے بیشتر ترکش پرستوں کے تیر اندازوں کی ایک ایک آنکھ میں آتر گئے۔ معاً بعد مسلمان تیر اندازوں نے ایک ہزار تیر چھوڑے، پھر ایک ہزار اور۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کا کوئی بھی تیر خطا نہیں گیا۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ زیادہ تر دشمن کی آنکھوں میں لگے اور شہر میں یہ خبر تیز ہوا کی طرح پھیل گئی۔ ”ہمارے سینکڑوں سپاہیوں کی آنکھیں ضائع ہو گئی ہیں۔“ جب ان سینکڑوں سپاہیوں کو شہر نہاہ سے اتارا گیا تو شہر کے لوگوں نے ہر ایک کی ایک ایک آنکھ میں تیر اترا ہوا اور ان زخمیوں کو کمر ہزاک آہ دہرائی کرتے دیکھا۔

ایک انگریز مبصر سر والٹر نے متعدد متورخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے تین ہزار تیر اتاری تیزی سے چلے کہ آتش پرست اپنے آپ کو چاہی نہ سکے

پر جا بڑھا۔ اُسے جاسوسوں نے مدینہ کی فوج کی نفی دس ہزار بتائی تھی۔ ”نہیں، یہ دھوکہ ہے۔“ دیوار پر کھڑے شیر زاد نے مسلمانوں کی فوج کو دیکھ کر کہا۔ ”جنہوں نے ہماری اتنی زبردست فوج کو یکے بعد دیگرے چار لڑائیوں میں شکست دی ہے وہ اتنے احمق نہیں ہو سکتے کہ اتنے بڑے قلعہ بند شہر پر حملہ کرنے کے لیے اتنی قلیل فوج لائیں۔ یہ ان کی فوج کا ہر دل ہو گا۔ اگر ہر دل نہیں تو اتنی ہی فوج پیچھے آہری ہوگی یا کہ اور سمت سے آہری ہوگی۔“

شہر کے لوگوں میں افواہی پھیل گئی تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کے بڑے دہشت ناک قصے سنے تھے۔ انہوں نے اپنی شکست خوردہ فوج کے زخمیوں کو اور میدان جنگ سے بھاگ کر آنے والوں کو دیکھا تھا۔ ان کا خوف وہراس بھی دیکھا تھا۔ پاپائی میں اپنے آپ کو حق بجانب ظاہر کرنے کے لیے انہوں نے لوگوں کو جنگ کے ایسے واقعات سناتے تھے جیسے مسلمان جن بھوت ہوں۔ اب وہ لمان ان کے اتنے بڑے شہر کو محاصرے میں لینے کے لیے آگئے تھے۔ انہوں نے اپنے زیورات اور زمین اور اپنی جوان لڑکیاں چھپانی شروع کر دیں۔

شہر میں یہ خوف وہراس اور بھگدڑ زیادہ دیر نہ رہی کیونکہ دیوار کے اوپر سے بلند آوازیں سنائی دینے لگی تھیں کہ مسلمانوں کی تعداد اتنی نختوی ہے کہ وہ ساری عمر شہر کی دیوار تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ پھر دیوار کے اوپر قلعے بلند ہونے لگے۔

”مسلمانو! آتش پرست مسلمانوں پر آوازے کس رہے تھے۔ تمہیں موت یہاں تک لے آئی ہے۔“

”زندہ رہنا ہے تو مدینہ کو لوٹ جاؤ۔“

شہر نہاہ پر تیر اندازوں کا ہجوم کھڑا تھا۔ مسلمانوں نے شہر کو محاصرے میں لے لیا تھا اور خندق نے انہیں روک لیا۔ طبری اور یاقوت لکھتے ہیں کہ خندق دیوار کے اتنا قریب تھی کہ اس کے قریب آنے والے اوپر سے چھوڑے ہوتے تیروں کی زوئیں آ جاتے تھے۔ ایسا نہ ہوتا تو بھی خندق کو پھلانگنا ممکن نہیں تھا یہ بہت چوڑی تھی۔ تیر انداز مسلمانوں پر بس رہے تھے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں دیوار پر لوں کھڑے تھے جیسے مسلمانوں کا تماشہ دیکھ رہے ہوں۔ ”خدا کی قسم! خالہ نے بڑی بلند آواز سے کہا۔ ”یہ لوگ نہیں جانتے جنگ کیا ہے اور کس طرح لڑی جاتی ہے۔“

مورخ لکھتے ہیں کہ انہار ہر لحاظ سے ناقابل تسخیر تھا لیکن خالہ کے چہرے پر پریشانی کا ہلکا سا بھی تاثر نہیں تھا۔ وہ بیسوں تھے۔ رات کو انہوں نے اپنے خیمے میں اپنے سالاروں کو یقین دلایا کہ فتح انہی کی ہوگی لیکن قربانی بہت دینی پڑے گی۔ انہیں صرف یہ بات فتح کی امید دلا رہی تھی کہ شہر کی دیوار اتنی اونچی نہیں تھی جتنی قلعوں کی ہوا کرتی تھی۔

اور تیر جن کی آنکھوں میں نہ لگے اُن کے چہروں میں اتر گئے۔ چونکہ فارس کے یہ سپاہی اور اُن کی مدد کو آتے ہوئے عیسائی شہر نہاہ پر گھنے جھوم کی طرح کھڑے تھے اس لیے کوئی تیر ضائع نہ کیا۔ ہر تیر نے ایک ایک آدمی کو زخمی کیا۔ طبری کی تحریر کے مطابق انبار کے محاصرے کو "ذات العیون" یعنی آنکھوں کی تکلیف بھی کہا جاتا رہا ہے۔

مسلمانوں کے اس وار نے شہر کے لوگوں پر ہی نہیں، فارس کی فوج پر بھی خوف طاری کر دیا۔ مسلمانوں نے توجا دو کا کرتب دکھا دیا تھا۔ سباط کا آتش پرست حاکم شیر زاد دالش مند اور دور اندیش آدمی تھا۔ اُس نے بھانپ لیا کہ اُس کی فوج میں لڑنے کا جو جذبہ تھا وہ ماند پڑ گیا ہے۔ اُسے یہ احساس بھی تھا کہ اس کی فوج پہلی شکستوں کی بھی ڈری ہوئی ہے چنانچہ مزید قتل و غارت کو روکنے کے لیے اُس نے خالدؓ سے صلح کر کے فیصلہ کر لیا۔ اُس نے دو امرا کو قلعہ کے باہر بھیجا۔

خندق کے قریب آکر ان دو امیروں نے مسلمانوں سے پوچھا کہ اُن کی سالار اعلیٰ کہاں ہے۔ خالدؓ کو اطلاع ملی تو وہ آگئے۔

"ہمارے امیر شیر زاد نے ہمیں بھیجا ہے۔" شیر زاد کے بھیجے ہوئے دو آدمیوں میں سے ایک نے خالدؓ سے کہا۔ "ہم آپ سے صلح کرنا چاہتے ہیں لیکن ایسی شرط پر جو ہمارے لیے قابل قبول ہوں۔ اگر صلح ہو جائے تو شیر زاد اپنی فوج کو ساتھ لے کر انبار سے چلا جائے گا۔"

"شیر زاد سے کہو کہ شرطیں منوانے کا وقت گزر گیا ہے۔" خالدؓ نے کہا۔ "اب شرطیں ہماری ہوں گی اور تم لوگ ہتھیار ڈالو گے۔"

دونوں آدمی واپس چلے گئے اور شیر زاد کو خالدؓ کا پیغام دیا۔ شیر زاد نے اپنے سالاروں کی طرف دیکھا۔

"ہم اتنی جلدی ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔" ایک سالار نے کہا۔

"ہمارے پاس فوج کی کمی نہیں۔" دوسرے سالار نے کہا۔ "مسلمان خندق سے اگے نہیں آ سکتے۔"

شیر زاد نے سر ہلایا۔ یہ ایسا اشارہ تھا جس سے تیر نہیں چلتا تھا کہ وہ شہر کا دفاع جاری رکھنا یا خالدؓ کے پیغام پر جو کر کے کوئی اور فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔ اُس کے سالاروں نے اُس کے اشارے کو جنگ جاری رکھنے کا حکم سمجھا اور وہ شہر نہاہ پر آگئے۔ ایک ہزار مسلمان تیر انداز جنہوں نے انبار کے دو ہزار سے زائد سپاہیوں کی آنکھیں نکال دی تھیں، پیچھے ہٹ گئے۔

☆

خالدؓ نے شہر کے ارد گرد ایک اور پیر لکایا۔ اب وہ صرف خندق کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے خندق پار کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ ایک جگہ خندق کی چوڑائی کم تھی لیکن اتنی کم نہیں تھی کہ دور

سے گھوڑا دوڑاتے لاتے اور وہ خندق بچھا نہ جاتا۔ خالدؓ کے دماغ میں ایک طریقہ آگیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ اپنی فوج کے ساتھ جھنڈے اونٹ کزور یا بیمار ہو گئے ہیں انہیں آگے لے آؤ۔ ایسے بہت سے اونٹ تھے چوڑا سامان اٹھانے کے قابل نہیں رہے تھے۔ خالدؓ کے حکم سے ان اونٹوں کو ذبح کر کے خندق میں اُس جگہ پھینکے گئے جہاں خندق کم چوڑی تھی۔ اتنے اونٹ ذبح کر کے خندق میں ترتیب سے پھینک دیئے گئے کہ ایک پل بن گیا۔

"اللہ نے تمہارے لیے گوشت اور ہڈیوں کا پل بنا دیا ہے۔" خالدؓ نے بلند آواز سے کہا۔ "اب ہم خندق کے پار جا سکتے ہیں۔"

اونٹوں کا پل ہموار نہیں تھا۔ ان کے ڈھیر پر چلنا خطرناک تھا۔ پاؤں پھسلتے تھے لیکن غزنا بڑی تیزی سے تھا۔ اشارہ ملتے ہی پیادہ مجاہدین کو وہ تے پھلا نکلتے اس عجیب پل سے گزرنے لگے۔ چند ایک مجاہدین پھسلے اور گرے اور وہ پانی میں سے نکل کر اونٹوں کی ٹانگیں گمزدیں وغیرہ پکڑتے اوپر آگئے۔

شہر نہاہ سے دشمن کے تیر اندازوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا۔ ادھر آنکھیں پھوٹنے والے مسلمان تیر اندازوں نے بڑی تیزی اور ہمارت سے تیر اندازی جاری رکھی۔ اب ان کی تعداد ایک ہزار نہیں، خاصی زیادہ تھی۔ اونٹوں کے پل سے گزرنے والوں میں سے کئی مجاہدین تیروں سے زخمی ہو رہے تھے لیکن وہ زکے ہوتے سیلاب کی طرح خندق سے پار جاتے اور پھیلتے رہتے۔ تیروں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا یہ اقدام غیر معمولی طور پر دلیرانہ تھا۔ وہ زخمی تو ہوتے، شہید بھی ہوتے لیکن انبار کی فوج پر اس اقدام کا جوا اثر ہوا وہ اُس کے سپاہیوں کے لڑنے کے جذبے کے لیے ملک ثابت ہو رہا تھا۔ اُن پر مسلمانوں کی دہشت پہلے ہی غالب تھی، اب انہوں نے مسلمانوں کا یہ عجیب طریقہ دیکھا کہ اپنے اونٹ ذبح کر کے پل بنا دیا اور تیروں کی پوچھاڑوں میں اس پل سے گزرنے لگے تو دیوار سے برسنے والے تیروں میں کمی آگئی۔ دشمن کے تیر انداز زخمی ہو کر کم ہو رہے تھے اور اُن میں جگہ کی کیفیت بھی پیدا ہو گئی تھی۔

خندق پھلا نکلتے والا صرف ایک دستہ تھا۔ اس دستے کا جوش و غروش اس وجہ سے بھی زیادہ تھا کہ خود خالدؓ ان کے ساتھ تھے اور سب سے پہلے مرے ہوئے اونٹوں پر سے گزرنے والے خالدؓ تھے تیر اُن کے دایں بائیں سے گزر رہے تھے اور اُن کے قدموں میں زمین میں لگ رہے تھے مگر خالدؓ بول بے پردہ تھے جیسے اُن پر بارش کے قطرے گر رہے ہوں۔ انداکبر کے لہروں کی گرج الگ تھی اور اس گرج میں اللہ کی رحمت اور برکت تھی۔

شہر کے لوگوں کا یہ عالم تھا کہ بھاگتے دوڑتے پھر رہے تھے۔ شہر نہاہ سے اُن کے زخمی سپاہیوں کو اتار تے تھے تو لوگ اُن کی گردنوں میں چہروں میں اور سینوں میں ایک ایک

دود اور تین تین تیرا ترے پورے دیکھتے تھے۔ زمینوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی اور شہر میں خوف و ہراس زیادہ ہوتا جا رہا تھا۔ لوگوں نے چلانا شروع کر دیا۔ ”سمجھو نہ کرلو۔ صلح کر لو۔ دروازے کھول دو“

شیر زاد کے لیے یہ ضرورت حال بڑی ہی تکلیف دہ تھی۔ وہ دانشمندی آدمی تھا۔ اُس نے جب لوگوں کی آہ و زاری سنی اور جب بچوں اور عورتوں کو خوف کی حالت میں پایا ہوں کی تلاش میں بھاگتے دھڑکتے دیکھا تو اُس سے احساس ہوا کہ یہ محضوم بیکناہ مار سے جائیں گے۔ انہیں بچانے کا اُس کے پاس ایک ہی ذریعہ تھا کہ ہتھیار ڈال دے۔ اُس نے اپنے سالار اعلیٰ کو بلا کر کہا کہ وہ مزید خون خرابہ روکنا چاہتا ہے۔

”نہیں۔“ سالار اعلیٰ نے کہا۔ ”ابھی کوئی فیصلہ نہ کریں۔ مجھے ایک کوشش کر لینے دیں“

شیر زاد خاموش رہا۔

☆

سالار اعلیٰ شہر بنیاد کے اوپر اپنی سپاہ کی کیفیت دیکھ رہا تھا جو بڑی تیزی سے مخدوش ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اُس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ مسلمان خندق عبور کرتے ہیں۔ اُس نے ایک جرات مندانہ فیصلہ کیا۔ اس نے ایک دستہ چنے ہوئے سپاہیوں کا تیار کیا اور قلعے کا دروازہ کھول کر اس دستے کو باہر لے آیا۔ اس دستے نے ان مسلمانوں پر پلہ بول دیا جو خندق عبور کرتے تھے۔ خندق کے دوسرے کنارے کھڑے مسلمانوں نے دشمن کے اس دستے پر تیر چلانے شروع کر دیئے۔

اس دستے کا مقابلہ مسلمانوں کے ایسے دستے کے ساتھ تھا جس کے قائد خالد بن ولید تھے۔ مسلمانوں کے تیروں کی بوچھاڑوں سے آتش پرستوں کے دستے کی ترتیب اور یکسوئی ختم ہو گئی۔ خالد نے اس دستے کو اس طرح لیا کہ اپنے دستے کو دیوار کی طرف رکھا تاکہ خندق کی طرف سے مسلمان تیر انداز دشمن پر تیر برسائے رہیں۔ خالد اس دستے کو خندق کی طرف دھکیلنا چاہتے تھے۔

گھمسان کا معرکہ ہوا۔ آتش پرستوں کے کئی سپاہی خندق میں گرے اور باقیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اس دستے کے سالار نے اس ڈر سے دروازہ بند کر دیا کہ مسلمان اندر آ جائیں گے۔ دروازہ بند ہوتے ہوئے دشمن کے اس دستے کے بچے کچھے سپاہی بھاگ کر اندر چلے گئے۔

خالد شہر بنیاد کا جائزہ لینے لگے۔ وہ مجاہدین کو اس دیوار پر چڑھانا چاہتے تھے جو آسمان نظر نہیں آتا تھا۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ دیوار کی دوسری طرف ایرانی فوج اور شہر کے لوگوں کی حالت کیا ہو چکی ہے۔

قلعے کا دروازہ ایک بار کھل گیا۔ اب دروازے میں صرف ایک آدمی نمودار ہوا۔ اُس کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔ اس نے ہاتھ اوپر کر کے بلند آواز سے کہا کہ وہ شہر کا ایچ

ہے اور صلح کی بات کرنے نکلا ہے۔ اس کے ساتھ ہی شہر بنیاد سے تیر برسے بند ہو گئے۔

”اے آگ کے پوجنے والے! جب اُسے خالد کے سامنے لے گئے تو خالد نے اُس سے پوچھا۔ ”اب تو کیا خبر لایا ہے؟ کیا زرتشت نے تم لوگوں سے نظر ہٹا کر نہیں لیں؟ کیا اب بھی تم لوگ اللہ کو نہیں مانو گے؟“

”اے اہل مدینہ! میں کسی اور سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔“ ایچی نے کہا۔ ”میں حاکم سابط شیر زاد کا ایچی بچوں شیر زاد نے کہا ہے کہ تم لوگ اُسے اور اہل فارس کو شہر سے چلے جانے کی اجازت دے دو تو شہر تمہارے حوالے کر دیا جائے گا۔“

طبری اور واقفی لکھتے ہیں کہ خالد یہ شرط بھی ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ انہوں نے ایک بار پھر شہر کی دیوار کی بلندی دیکھی اور سوچا کہ اس پر کس طرح چڑھا جا سکتا ہے لیکن بہت مشکل تھا۔

”حاکم سابط شیر زاد سے کہو کہ خالد بن ولید اُس پر رحم کرتا ہے۔ خالد نے کہا۔ ”اُسے کہو کہ وہ فارس کے فوجیوں کو ساتھ لے کر شہر سے نکل جائے لیکن وہ ان گھوڑوں کے سوا جن پر وہ سوار ہوں گے، اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جا سکیں گے۔ وہ اپنا سب مال اموال پیچھے چھوڑ جائیں گے اور وہ ہماری فوج کے سامنے سے گزریں گے۔“ آخر اسے یہ شرط منظور نہ ہو تو اُسے کہنا کہ تیار ہو جائے اس تباہی کے لیے جو اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔

ایچی واپس چلا گیا۔ خالد نے شہر کے ارد گرد اپنا حکم پہنچا دیا کہ تیر اندازی روک لی جائے۔

☆

کچھ دیر بعد شہر کا دروازہ ایک بار کھل گیا۔ بہت سے سپاہی بڑی موٹی لکڑی کا ایک پانچ چھ گز چوڑا اور بہت لمبا تختہ اٹھائے باہر نکلے۔ تختے کے ساتھ رستے بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے تختہ خندق کے کنارے پر کھڑا کیا اور رستے پر کھڑے ہوئے۔ پھر پیچھے آہستہ آہستہ خندق پر گرنے لگا اور اس کا اوپر والا سر خندق کے باہر والے کنارے پر جا پڑا۔ پہلے تھا جو شیر زاد اور اس کی فوج کے گزرنے کے لیے خندق پر ڈالا گیا تھا۔

سب سے پہلے جو گھوڑا باہر آیا اس کی سچ دھج تھاتی تھی کہ شاہی اسٹبل کا گھوڑا ہے۔ اُس کا سوار بلا شک و شبہ حاکم سابط شیر زاد تھا۔ اُس کے پیچھے اُس کی کچی فوج باہر نکلی پیانے بھی تھے سوار بھی۔ ان میں زخمی بھی تھے جو اپنے ساتھیوں کے سہارے چل رہے تھے۔ وہ اپنے منہ سے جو تے ساتھیوں کی لاشیں جہاں تھیں وہیں چھوڑ گئے تھے۔ شیکست خوردہ فوج نامی جلوس کی طرح جا رہی تھی اور مسلمان خاموشی سے اس جلوس کو دیکھ رہے تھے۔ کسی نے ان کا مذاق نہ اڑایا، پھیبتی نہ کسی، فتح کا نعرہ نہ لگایا۔

خالد گھوڑے پر سوار ایک طرف کھڑے دیکھ رہے تھے۔ وہ تھکے ہوئے نظر

آتے تھے لیکن چہرے پر فتح کی رونق اور زبان پر اللہ کے شکرانے کے کلمات تھے۔
یہ جولائی ۹۳۳ء کا ایک دن تھا۔

جب آغری سپاہی بھی نکل گیا تو خالدؓ مجاہدین کے آگے آگے شہر کے دروازے میں داخل ہوتے۔ آگے شہر کے امراء اور روسا دست بستہ کھڑے تھے۔ شہر کے لوگوں کا شور وغل سنائی دے رہا تھا۔ اس طرح کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ”وہ آگے ہیں... مسلمان آگے ہیں... بھاگو... چھپ جاؤ“

خالدؓ گھوڑے سے اترے۔ انبار کے امراء وغیرہ نے انہیں تحفے پیش کیے۔ ”شہر کے لوگ ہم سے ڈر کیوں رہے ہیں؟“ خالدؓ نے امراء سے کہا۔ ”انہیں کو کہ ان پر کوئی الزام نہیں۔ ہم نے اس شہر کو فتح کیا ہے، شہر کے لوگوں کو نہیں۔ انہیں کو کہ ہم اس اور دوستی لے کر آتے ہیں۔ ہم جزیرہ ضرور لیں گے لیکن بلاوجہ کسی کی جان نہیں لیں گے۔ ہم کسی کی بیٹی پر اپنا حق نہیں جتائیں گے۔ کسی کے مال و دولت کو ہاتھ نہیں لگائیں۔ ہم صرف ان کے مال اموال کو اپنے قبضے میں لیں گے جو ہم سے شکست کھا کر چلے گئے ہیں۔“

خالدؓ نے اپنے لوگوں کو جاری طرف سے اسن اور سکون کا پیغام دو۔ خالدؓ نے اپنی فوج کو ایک حکم تو یہ دیا کہ جو لوگ ان کے خلاف لڑا کر چلے گئے ہیں ان کے گھروں سے قیمتی سامان اٹھا کر ایک جگہ اکٹھا کر لیا جائے اور دوسرا حکم یہ کہ شہر میں گھوم پھر یہاں کے لوگوں کو دوستی اور اسن کا تاثر دیا جائے اور یہ بھی کہ ٹوٹا مار نہیں ہوگی۔ شہر بپناہ پر گدھ اتر رہے تھے۔ انبار پرست سپاہیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ شدید زخمی بہوشی کی حالت میں ادھر ادھر پڑے ہوئے تھے۔ شہر کی فضا میں موت کی بو تھی۔ خالدؓ اس مکان میں گئے جس میں شیر زاد رہتا تھا۔ وہ محل تھا۔ دنیا کی کون سی آسائش اور زیبائش جتنی جو اس محل میں نہیں تھی۔ خالدؓ جو زمین پر سونے کے عادی تھے، حیران ہو رہے تھے کہ ایک انسان نے اپنے آپ کو دوسرے سے برتر سمجھنے کے لیے کتنی دولت خرچ کی ہے۔

خالدؓ نے حکم دیا کہ بیش قیمت اشیاء کو مال غنیمت میں شامل کر لیا جائے اور خزانہ ڈھونڈا جائے۔ خزانہ ملنے دیر نہ لگی۔ اس میں سونے اور ہیرے جواہرات کے انبار لگے ہوئے تھے۔ اور گرد کے قبیلوں کے سردار اطاعت قبول کرنے کے لیے خالدؓ کے پاس آنے لگے۔ خالدؓ نے جزیہ کی رقم مقرر کر کے اس کی وصولی کا حکم دیا۔ اس دوران جاسوسوں نے آکر بتایا کہ فارس کی فوج عین القمر میں اکٹھی ہو گئی ہے اور اب مقابلہ بڑا سخت ہو گا۔

مدائن میں آتش پرست شہنشاہت کا محل اسی طرح کھڑا تھا جس طرح اپنے شہنشاہوں کی زندگی پر کھڑا رہتا تھا۔ یہ کسری کا وہ محل تھا جسے جنگی طاقت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس کے باہر والے دروازے کے دائیں اور بائیں دو بہر شیر بیٹھے رہتے تھے۔ یہ کسری کی ہیبت اور دہشت کی علامت تھے لیکن یہ گوشت پوست کے نہیں، پتھروں کے تراشے ہوئے مجسمے تھے۔ ان مجسموں اور محل کے درمیان ایک مینار کھڑا تھا جو اوپر سے گول اور مینار کی گولائی سے زیادہ بڑا تھا۔ اس جگہ اللہ بڑت و کثرت رہتا تھا جب یہ مینار تعمیر ہوا تھا اس کے اوپر پردہ تلوں نے یہ آگ جلائی تھی۔ کبھی تسلیں پیدا ہوئیں اور اگلی تسلیوں کو جنم دے کر دنیا سے نصبت ہوئیں، یہ اللہ و کثرت رہا۔ اس سے اٹھنا ہوا ڈھواں محل کی فضا میں بول منڈلاتا رہتا تھا جیسے زرتشت نے اس محل کو اپنی پناہ میں لے رکھا ہو۔

اللہ اب بھی دیک رہا تھا۔ اس کا ڈھواں اب بھی کسری کے محل کی فضا میں منڈلاتا رہتا لیکن ایسے لگتا تھا جیسے یہ ڈھواں محل کو پناہ میں لینے کی بجائے خود پناہ ڈھونڈ رہا ہو۔ محل جو کبھی دوسروں کے لیے ہیبت کا نشان تھا، اب خود اس پر ہیبت طاری تھی۔ اس کی شان و شوکت پہلے جیسی ہی لگتی تھی، جاہ و جلال بھی پہلے جیسا تھا مگر اس کے محین اب صاف طور پر محسوس کرنے لگے تھے کہ اس محل پر آئندہ بکا اثر ہو گیا ہے۔ موت کی دہلیز ہنسی کی سس بس دن رات سنائی دیتی تھی۔ ایک غیبی ہاتھ کسری کے زوال کی داستان اس کے خاندان کے خون سے لکھ رہا تھا۔ کہاں ہ وقت کہ اس سخت سے دوسروں کی موت کے بڑا نے جاری ہوتے تھے کہیں یہ وقت کہ اورد شیر کے مرنے کے بعد اس سخت پر چڑھتا تھا وہ پراسرار طور پر قتل ہو جاتا تھا۔ دو چار سالار تھے جو فارس کی لڑائی و لڑائی ہوئی عمارت کو کچھ دیر اور بچا رہے رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ایران کی نوخیز حسدیں اب بھی اس محل میں موجود تھیں مگر قس کی ادائیں نہیں تھیں۔ ساز و سازش تھیں۔ لہجے چپ تھے۔ شراب کی بوتلیں کی طرح موجود تھیں مگر اس میں خون کی بوتلیں بھی تھیں۔ پہلے یہاں عیش و عشرت کے لیے شراب پنی جاتی تھی اب اپنے آپ کو فریب دینے اور فتح خالق سے فرار کی خاطر جام پر جام چڑھاتے جا رہے تھے۔

اب مدائن کا محل تخت و تاج کے حصول کا میدان جنگ بن گیا تھا۔ درپردہ جو ٹوڑھو رہے تھے۔ اسی محل سے خالدؓ اور ان کی سپاہ پرتلنے کے یہیر چلے تھے کہ عرب کے بدوؤں اور لیلوں کو فارس کی شہنشاہی میں قدم رکھنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ وہ کبھی واپس نہ جانے کے لیے آتے ہیں۔ انہیں موت یہاں لے آئی ہے مگر اب فارسوں کو خود اپنی شہنشاہی میں قدم جمانے رکھنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ دوسروں پر دہشت طاری کرنے والے تخت و تاج پر خالدؓ کی اور مدینہ کے مجاہدین کی دہشت طاری ہو گئی تھی۔

”میں یہ نہیں کہوں گا کہ ان کا عقیدہ صحیح ہے۔“ بہمن جاذویہ نے کہا۔ ”لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ ان پر اپنے عقیدے کا نشہ طاری ہے۔ ہم اپنی سپاہ میں یہ ذہنی کیفیت پیدا نہیں کر سکے۔“

”تم بڑے سچے تھے کہ مجھے عین التمر چلے جانا چاہیے تھا۔“ شیرزاد نے کہا۔ ”کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ میں تمہارے ساتھ رہوں اور اپنی سپاہ کو منظم کر لیں پھر مسلمانوں پر جوابی حملے کی تیاری کریں؟“

”اب تمہارا عین التمر جانا ٹھیک بھی نہیں۔“ بہمن جاذویہ نے کہا۔ ”میں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا پڑے گا۔“

عین التمر انبار کے جنوب میں فرات کے مشرقی کنارے سے کئی میل دور ہٹ کر انبار کی طرح ایک بڑا تجارتی مرکز جو اکبر تھا۔ آج صرف ایک چشمہ اُس کی نشانی رہ گئی ہے۔ اُس زمانے میں اس شہر کا تجارتی رابطہ دنیا کے چند ایک دوسرے ملکوں کے ساتھ بھی تھا۔ قلعہ مضبوط اور شاندار تھا۔ دہلی کا حاکم اور قلعہ دار ایک فارسی سالار مہراں بن بہرام چوہین تھا۔

مہراں دیکھ رہا تھا کہ مسلمان فارس کی فوج کو ہر میدان میں شکست دیتے آرہے ہیں اور جو قلعہ اُن کے راستے میں آتا ہے وہ ریت کا کھوڑا بنا ہوتا ہے۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو شکست دے کر فارس کی تاریخ میں نام پیدا کرے گا۔ اُس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ فارس کی فوج مسلمانوں کو روکنے میں نمرض ناکام رہی ہے بلکہ سپاہیوں نے اپنے اوپر مسلمانوں کی دہشت طاری کر لی ہے۔ اس خطرے کو ختم کرنے اور اپنی لغوی بڑھانے کے لیے اُس نے عیسائی اور دیگر عقیدوں کے قبول کو عین التمر میں اکٹھا کر لیا تھا۔

ان میں بنی تغلب، نمر اور ایاد کے قبیلے خاص طور پر قابل ذکر تھے۔ یہ سب عرب کے بڈو تھے۔ ان کے سردار عقربن ابی عنفہ اور ہذیل تھے۔ یہ دونوں اُس وقت کے مانے ہوئے جنگجو تھے۔ یہ قبیلے کسری کی رعایا تھے۔ ایک تو وہ خود اپنے آقاؤں کو خوش کرنا چاہتے تھے، دوسرے یہ کہ مہراں بن بہرام نے انہیں بہت زیادہ انعام اور مراعات دینے کا وعدہ کیا تھا اور فارس سے وفاداری کی تیری وجہ یہ تھی کہ ان قبیلوں کے سرداروں اور دیگر بڑوں کو احساس تھا کہ مسلمان صرف ملک فتح کرنے نہیں آتے بلکہ وہ اُن کے عقیدوں پر حملہ کرنے آتے ہیں اور اُن پر اپنا عقیدہ مسلط کریں گے۔

اُس رات عین التمر میں بہت بڑی ضیافت دی گئی۔ جیٹن کا سماں تھا۔ ایران کی بڑی جہین چاہنے اور گانے والیاں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ یہ ضیافت ان بدوی قبیلوں کے سرداروں اور سرکرہ افراد کے اعزاز میں دی گئی تھی۔ شراب پانی کی طرح بڑی تھی۔ ان بدوؤں نے ایسی ضیافت اور ایسی عیاشی کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ بڑی خوبصورت اور جوان عورتیں انہیں شراب پلا رہی تھیں اور اُن کے ساتھ فحش حرکتیں بھی کر رہی تھیں۔

موتوں نے لکھا ہے کہ اس کیفیت میں جب اُن پر شراب اور عورت کا نشہ طاری تھا، بڑی قبیلوں کے ایک سردار عقربن ابی عنفہ نے مہراں بن بہرام سے کہا کہ وہ اپنی فوج کو پیچھے رکھے اور بڑی قبیلہ آگے جا کر مسلمانوں کو عین التمر سے دور جا کر روکیں گے۔

مذہن میں اب شکست اور سپاہی کے سوا کوئی خبر نہیں آتی تھی۔

جولائی ۶۳۲ء کے ایک روز مدائن میں آتش پرستوں کو اپنی ایک اور شکست کی خبر ملی۔ خبر لانے والا کوئی قاصد نہیں بلکہ حاکم سباط شیرزاد تھا اور اُس کے ساتھ اُس کی شکست خوردہ فوج کے بے شمار سپاہی تھے۔ ان کا استقبال کسری کے نامور سالار بہمن جاذویہ نے کیا۔ ان کی حالت دیکھ کر ہی وہ جان گیا کہ بہت بڑی شکست کھا کر آئے ہیں۔

”شیرزاد!۔“ بہمن جاذویہ نے کہا۔ ”تمہارے پاس ہتھیار بھی نہیں۔ میں تم سے کیا پوچھوں؟“

”میں پوچھنا بھی نہیں چاہتی۔“ شیرزاد نے تھکی باری آواز میں کہا۔ ”تم بھی تو اُن سے لڑے تھے؟“

”کیا تم قلعہ بند نہیں تھے؟“ بہمن جاذویہ نے کہا۔ ”قلعے کے ارد گرد خندق تھی۔ مسلمان اُڑ تو نہیں سکتے۔ اتنی چوڑی خندق انہوں نے کیسے عبور کر لی تھی؟“

شیرزاد نے اُسے تفصیل سے بتایا کہ مسلمانوں نے اُسے کس طرح شکست دی ہے۔

”میرے سالار نامل اور بزدل نکلتے۔“ شیرزاد نے کہا۔ ”اور مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے عیسائیوں پر بھروسہ کیا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ زبردست لڑاکے ہیں لیکن انہیں معلوم ہی نہیں کہ لڑائی ہوتی کیا ہے۔“

”تم شاید یہ نہیں دیکھ رہے کہ تم سپاہیوں کو اپنے پیچھے لارہے ہو۔“ بہمن جاذویہ نے کہا۔ ”اور تمہیں یہ معلوم نہیں کہ مدائن میں کیا ہو رہا ہے۔... شاہی خاندان سخت کی دراشت پر آپس میں لہو لہاں ہو رہا ہے۔ فارس کی آبرو کے محافظ ہم دو چار سالار رہ گئے ہیں۔“

”اور جب سخت سالاروں کی تحویل میں آجائے گا تو وہ شاہی خاندان کی طرح ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔“ شیرزاد نے کہا اور رازداری کے لہجے میں کہنے لگا۔ ”کیا تم ابھی تک محسوس نہیں کر سکتے کہ فارس کی شہنشاہی کا زوال شروع ہو چکا ہے؟ کیا ہمارا سورج ڈوب نہیں رہا؟“

”شیرزاد!۔“ بہمن جاذویہ نے کہا۔ ”اُس حلف کو نہ بھولو جو ہم نے زرتشت کے نام پر اٹھایا تھا کہ ہم فارس کو دشمن سے بچانے کے لیے اپنی جائیں قربان کر دیں گے۔... تم نے غلطی کی ہے جو یہاں چلے آئے ہو۔“

”کہاں جاتا؟“

”عین التمر!۔“ بہمن جاذویہ نے کہا۔ ”عین التمر ابھی محفوظ ہے، بلکہ یہ ہمارا ایک مضبوط اڈہ ہے۔ قلعہ دار مہراں بن بہرام لڑنا اور لڑنا جانتا ہے۔ اطلاع ملی ہے کہ اُس نے چند ایک بڑی قبیلوں کو بھی عین التمر میں اکٹھا کر لیا ہے۔ اگر مسلمانوں نے اُدھر کا رخ کیا تو ایسے ہی ہو گا جیسے وہ پہاڑ سے ٹکرائے ہوں۔ اُن میں سپاہیوں کے بھی بہت نہیں ہوں گی۔ وہ مسلسل لڑتے آرہے ہیں۔ وہ جہات تو نہیں آخر انسان ہیں۔ اُن میں پہلے والا دم ختم نہیں رہا۔“

”لیکن میں نے انہیں تازہ دم پایا ہے۔“ شیرزاد نے کہا۔ ”میں نے ان میں ٹھکان اور کمپنی کے کوئی آثار نہیں دیکھے۔ اور بہمن! مجھے شک ہوتا ہے جیسے وہ لٹے میں بدست تھے ایسی بے جگری سے وہی لڑ سکتا ہے جس نے کوئی نشہ پی رکھا ہو۔“

خالد مجاہدین کے لشکر کو لے کر عین التمر کی طرف جارہے تھے۔ انہوں نے دریا سے فزات عبور کیا اور بڑی تیز رفتار سے دریا کے کنارے پیش قدمی جاری رکھی۔ انہوں نے دیکھ بھال کے لیے جو آدمی آگے بھیج رکھے تھے، وہ اپنی اطلاعات قاصدوں کے ذریعے بھیج رہے تھے۔ انہار میں خالد اپنے ایک نائب سالار زبرقان بن بدر کو چھوڑ آئے تھے۔

عین التمر دس میل دور رہ گیا تھا جب جاسوس اور دیکھ بھال کرنے والے دوسرے آدمی پیچھے آگئے۔ انہوں نے خالد کو اطلاع دی کہ ذرا ہی آگے ایک بہت بڑا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے اور یہ لشکر فارس کا نہیں بلکہ بدوی قبیلوں کا ہے۔ اس لشکر کا سالار اعلیٰ عتہ بن ابی عتہ اور اس کا نائب ذہیل ہے۔

خالد نے اپنے لشکر کو روک لیا اور خود آگے دیکھنے گئے۔ انہوں نے چھپ کر دیکھا۔ انہیں کسریٰ کی فوج کہیں بھی نظر نہ آئی۔ یہ لشکر بدوی قبیلوں کا تھا خالد کا لشکر ابھی فوج کی ترتیب میں تھا جو دراصل ترتیب نہیں تھی۔ منزل ابھی دس میل دور تھی۔ ابھی لشکر قافلے کی صورت چلا آ رہا تھا۔ عین التمر پہنچ کر شہر کو محاصرے میں لینا تھا لیکن راستے میں ایک انسانی دیوار آگئی جو مسلمانوں کے لیے غیر متوقع تھی۔ مورخوں نے ان قبیلوں کی تعداد نہیں لکھی سوائے اس کے کہ وہ تعداد میں مدینہ کے مجاہدین سے خاصے زیادہ تھے۔ عین التمر کی اپنی فوج اس تعداد کے علاوہ تھی۔ اس طرح مسلمانوں کا مقابلہ کم از کم تین گنا طاقتور دشمن سے تھا۔

خالد نے فوراً اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے کی طرح خود قلب میں رہے اور اپنے دونوں تجربہ کار سالاروں عاصم بن عمرو اور عذری بن حاتم کو دائیں اور بائیں پہلوؤں میں رکھا۔ خالد نے تمام سالاروں کو اپنے پاس بلایا۔

”ہماری ترتیب وہی ہے جو آٹھ سائے کے مہرے کے میں ہوا کرتی ہے“۔ خالد نے سالاروں سے کہا۔ ”لیکن لڑنے کا طریقہ مختلف ہوگا۔ اب قلب سے حملہ نہیں ہوگا میرا اشارہ ملے ہی دونوں پہلو دشمن کے پہلوؤں پر حملہ بول دیں اور وہاں دشمن کو پوری طرح اکھالیں۔ تھوڑی دیر بعد اس طرح پیچھے ہٹیں کہ دشمن کو یہ تاثر ملے کہ تم پسپا ہو رہے ہو۔ تھوڑا سا پیچھے آکر پھر آگے بڑھو اور پھر پیچھے ہٹو۔ اس طرح دشمن کے پہلوؤں کو آپس میں اکھاتے رکھنا کہ اپنے قلب کی انہیں ہوش نہ رہے۔ میں سیدھا دشمن کے قلب پر حملہ کر دوں گا لیکن کچھ دیر بعد تم دونوں اس کوشش میں رہنا کہ دشمن کے پہلوؤں سے اس کے قلب کو مدد نہ مل سکے“۔

”ولید کے بیٹے!۔ دشمن کی طرف سے لٹکار سنا دی۔“ آنکھیں کھولیں۔۔۔ دیکھ تیری موت تجھے کس کے سامنے لے آئی ہے۔۔۔ میں حقہ ہوں۔۔۔ حقہ بن ابی عتہ!“

”ولید کا بیٹا دیکھ چکا ہے۔“ خالد نے گھوڑے پر سوار ہو کر اور رکاوٹوں میں کھڑے ہو کر لٹکارا جواب دیا۔ ”تیری محرومہ آواز نے بغیر دیکھ لیا ہے۔ کیا کسریٰ کے سالاروں نے محل میں ناچنا اور گانا شروع کر دیا ہے کہ ان کی لڑائی تم لڑنے آگئے ہو؟“

”ابن ولید!۔ حقہ کی لٹکار بلند ہوئی۔“ کیا تو زندہ واپس جانے کا خواہش مند نہیں؟“

”اگر تم ایسا ہی بہتر سمجھتے ہو تو میں اعتراض نہیں کروں گا۔“ مہراں بن بہرام نے کہا۔ ”لیکن مجھے ڈر ہے کہ تمہارے قبیلے ہماری فوج کے بغیر نہیں لڑ سکیں گے۔“

”ہم عربی ہیں۔“ حقہ نے کہا۔ ”عربوں سے لڑنا صرف ہم جانتے ہیں۔ عرب کے ان مسلمانوں سے ہمیں لڑنے دو۔ فارسوں نے ان کے مقابلے میں آکر دیکھ لیا ہے۔“

مشہور مورخ طبری نے مہراں اور حقہ کی یہ گفتگو ان ہی کے الفاظ میں اپنی تاریخ میں شامل کی ہے۔

”میں تسلیم کرتا ہوں۔“ مہراں بن بہرام نے کہا۔ ”تمہاری بہادری کو میں تسلیم کرتا ہوں حقہ! جس طرح ہم عجیل کے خلاف لڑنے کے ماہر ہیں اسی طرح تم عربوں کے خلاف لڑنے کی مہارت رکھتے ہو۔ تم ان عربی مسلمانوں کو کاٹ پھینکنے کے لیے آگے چلے جاؤ۔ میری فوج تمہارے قریب ہی کہیں موجود ہوگی۔ جوں ہی ضرورت پڑی ہم تمہاری مدد کو پہنچ جائیں گے۔“

رات گزر گئی۔ صبح فارس کی فوج کے دو سالار مہراں بن بہرام کے پاس گئے:

”رات کو ہم نے آپ کی اور حقہ کی بات چیت میں دخل دینا مناسب نہ سمجھا۔“ ایک سالار نے کہا۔ ”ہم نے بولنے کی ضرورت اس لیے بھی نہ سمجھی کہ رات کو یہ بات چیت نئے کی حالت میں ہو رہی تھی۔“

”میں پوری طرح جوش میں تھا۔“ مہراں نے کہا۔ ”گو، کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”آپ نے ان بدوی قبیلوں کو جو اہمیت دی ہے یہ ہمارے لیے اچھی نہیں۔“ سالار نے کہا۔ ”کیوں اچھی نہیں؟“

”اس سے ان قبیلوں کو یہ تاثر ملا ہے کہ ہم مسلمانوں سے ڈرتے ہیں۔“ سالار نے جواب دیا۔ ”یہ کہ ہم کمزور ہیں۔ یہ لوگ اتنی اہمیت کے قابل نہیں۔“

”اگر بدوی قبیلوں نے مسلمانوں کو شکست دے دی۔“ دوسرے سالار نے کہا۔ ”تو کہا جائے گا کہ یہ فتح ان قبیلوں کی ہے اور اگر یہ نہ ہوتے تو ہم ایک اور شکست سے دوچار ہوتے۔“

”میں نے انہیں جو اہمیت دی ہے یہ آخر تمہیں ملے گی۔“ مہراں نے کہا۔ ”کیا تم تسلیم نہیں کرتے کہ ہم پر حملہ کرنے والے وہ شخص آ رہا ہے جس نے ہمارے نامور سالاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور اس (خالد) نے فارس کی شہنشاہی کی بنیادیں ہلا ڈالی ہیں؟ میں اس اعزاز سے

نہیں شرمائوں گا کہ تم خالد کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میں نے کچھ سوچ کر ان بدوی قبیلوں کو آگے جانے کی اجازت دی ہے۔ اگر انہوں نے مسلمانوں کو شکست دے دی تو یہ تمہاری فتح ہوگی۔ یہ بدوی قبیلے ہماری رعایا ہیں۔ اگر یہ مسلمانوں کو شکست نہ دے سکے اور پسپا ہو گئے تو ہم مسلمانوں پر اس حالت میں حملہ کریں گے کہ وہ تھک کر چر رہے ہوں گے اور ہماری فوج تازہ دم ہوگی۔“

دونوں سالاروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ان کے چہروں پر رون آگئی تھی۔ اپنے حاکم کی یہ چال انہیں بہت پسند آئی تھی۔

”میں زندہ واپس جاؤں گا۔“ خالدؓ نے گلا بچھا کر کہا۔ ”خدا کی قسم تیرے سر کو تیرے جسم سے الگ کر کے جاؤں گا۔“

خالدؓ اپنے سالاروں کی طرف متوجہ ہوئے۔

”رب کعبہ کی قسم!“ خالدؓ نے کہا۔ ”میں حق کو زندہ بچڑوں گا پھر اسے زندہ نہیں رہنے دوں گا۔“ تم سب اپنے اپنے دستوں تک پہنچو اور سب کو بتاؤ کہ آج تمہارا مقابلہ دوجوں کے ساتھ ہے۔ ایک یہ فوج ہے جو تمہارے سامنے سیاہ پہاڑ کی مانند کھڑی ہے اور ایک وہ فوج ہے جو شہر کے اندر ہے یا کہیں روپوش ہے اور نہ جانے کس طرف سے تم پر حملہ کر دے گی۔ سب کو بتاؤ کہ آج جس نے بیٹھ دیکھا وہ اللہ کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔“

مورخ لکھتے ہیں کہ مدینہ کے مجاہدین مسلسل لڑ رہے تھے اور کون کر رہے تھے اور ان کی تعداد بڑھ کر تھی۔ عین التمر میں دشمن کو لکھا کہ خالدؓ بظاہر غلطی کر رہے تھے لیکن خالدؓ کے چہرے پر بخند کی ضرورت تھی، پریشانی کی ہلکی سی بھی جھلک نہیں تھی۔ انہیں دشمن لکھا رہا تھا۔

خالدؓ نے اشارہ دے دیا۔ ایک پہلو سے سالار عام بن عمرو اور دوسرے پہلو سے سالار عدی بن حاتم نے بدوی قبیلوں کے لشکر کے پہلوؤں پر حملہ کر دیا۔ حق بن ابی حق اپنے لشکر کے قلب میں تھا اور اس کی نظر مسلمانوں کے قلب پر پڑتی جہاں خالدؓ تھے۔ اُسے توقع تھی کہ دستور کے مطابق سامنے سے قلعے دستے حملہ کریں گے مگر خالدؓ دستور سے ہٹ گئے تھے۔

دونوں فوجوں کے پہلو جب گھم گھماتے تو تھوڑی سی دیر میں اپنی اڑائی ہوئی گرد میں چھپ گئے۔ اس گرد سے گھوڑوں کے منہ نہانے، تلوار اور ڈھالوں کے ٹکرانے کی سبب آوازیں اور زخموں کی کربناک صدا اُٹھ رہی تھیں۔ ایک قیامت تھی جو گرد کے اندر پھیلی۔

پہلوؤں کے دونوں سالاروں نے خالدؓ کی ہدایت کے مطابق اپنے دستے پیچھے ہٹاتے ہوئے قبیلے اس خوش فہمی میں مسلمانوں کے پیچھے آگئے کہ مسلمان سپاہی ہو رہے ہیں۔ وہ جوش و خروش سے نعرے لگا رہے تھے لیکن مسلمان رگ گئے اور انہوں نے دشمن پر ایسا دھاوا ڈالا کہ وہ پیچھے ہٹنے لگا۔ مسلمان ایک بار پھر پیچھے ہٹنے لگے۔ بدوی پھر ان کے پیچھے آگئے۔ اس طرح مسلمانوں نے دشمن کے پہلوؤں کو ایسا بچھایا کہ انہیں اپنے قلب کی ہوش نہ رہی۔ گرد اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ تیرہ ہی نہیں چلتا تھا کہ اس کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ خالدؓ بڑی غور سے دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظر حق پر پڑی جو (مورخ بلاذری اور طبری کے مطابق) یہ دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا کہ مسلمانوں کا قلب قبول آگے نہیں بڑھتا۔ مسلمانوں کے قلعے دستوں کا انداز کچھ ایسا ڈھیل ڈھالا سا تھا جیسے وہ حملہ نہیں کرنا چاہتے۔ حق بن ابی حق نے جب مسلمانوں کے قلب کے دستوں کو اس لالچ کی سی حالت میں دیکھا تو اُس نے مسلمانوں کے پہلوؤں کے دستوں کو کھینچنے کے لیے قلب سے خاصی نفی اپنے پہلوؤں کی مدد کے لیے بھیج دی۔ خالدؓ اسے اسی دھوکے میں لانا چاہتے تھے جس میں وہ لگایا۔ خالدؓ نے اپنے محافظوں کو ساتھ لکھا۔ انہیں وہ بتا چکے تھے کہ حق کو زندہ بچڑنا ہے۔ خالدؓ نے قلب کے دستوں کو دشمن کے قلب پر حملے کا اشارہ دے دیا۔

حق کے لیے یہ حملہ اچانک اور غیر متوقع تھا۔ خالدؓ نے اپنے محافظوں سے عہدہ اور اُس کے محافظوں کو گھیرے میں لیا۔ حق کے محافظ بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ مسلمانوں کو وہ قریب نہیں آنے دے رہے تھے۔ حق ان کے درمیان میں تھا۔ مسلمانوں کے دستوں نے بدوی قبائلوں کے پاؤں اکٹھا کر دیے۔ حق بھاگ بھگنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”سامنے آحق!“ خالدؓ نے اُسے لکھا۔ ”تو مجھے قتل کرنا چاہتا تھا۔“

بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے کنہد بن حذافہ کو بچڑ لیا لیکن مورخوں کی اکثریت کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ حق خالدؓ کی لڑائی پر مقابلے میں آگیا۔ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ حق کو تاریخ نے ماہر جنگ اور بیخ زن قرار دیا ہے۔ مستند یہی ہے کہ خالدؓ اور حق کے درمیان بڑا سخت مقابلہ ہوا۔ خالدؓ کو اللہ کے رسولؐ نے ”اللہ کی تلوار“ کا خطاب عطا کیا تھا۔ انہوں نے حق کا ہر وار بچایا اور موقع کی تلاش میں رہے۔ انہیں جوں ہی موقع ملا حق کو گھوڑے سے گرادیا۔ خالدؓ اپنے گھوڑے سے کود کر اترے۔ حق ابھی سنبھل ہی رہا تھا کہ خالدؓ کی تلوار کی نوک حق کے پہلو کے ساتھ لگ چکی تھی۔ اُس کے ساتھ ہی خالدؓ کے تین چار محافظوں نے برہمچوں کی انیاں حق کے جسم کے ساتھ لگا دیں۔

حق نے ہتھیار ڈال دیئے۔

اُس کے کئی محافظ ہلاک اور زخمی ہو چکے تھے۔ جو بچ گئے وہ بھاگ اُٹھے۔ فوراً پھر تمام بدوی قبائل ہمک پہنچ گئی کہ ان کا سردار اعلیٰ حق ہتھیار ڈال چکا ہے۔ یہ افواہ بھی پھیل گئی کہ حق مارا گیا ہے۔ ادھر مسلمانوں کے سالار عام بن عمرو عین التمر کے پہلوؤں کے دستوں کا بہت نقصان کر چکے تھے۔ اس خبر کے ساتھ ہی کہ حق بچڑا لیا یا مارا گیا ہے، پہلوؤں کے سپاہی سپاہیوں نے لگے۔

تھوڑی دیر تک صورت حال یہ ہو گئی کہ بدوی ایک ایک دود، عین التمر کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔

حق خالدؓ کا قیدی تھا لیکن وہ پریشان نہیں تھا۔ اُسے توقع تھی کہ عین التمر کی فوج اُس کی مدد کے لیے پادریاب ہوگی اور اسی رہی ہوگی۔ وہ مسلمانوں کی حالت دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ مسلمان بھاگ کر بڑھال ہو چکے تھے۔ خالدؓ نے اپنے قاصدوں کو بلا دیا۔

”تمام سالاروں اور کمانداروں کو پیغام دو کہ بدوی لشکر کی سپاہی کو ابھی اپنی فتح نہ سمجھیں۔“ خالدؓ نے قاصدوں سے کہا۔ ”ابھی مال غنیمت کی طرف بھی نہ دیکھیں۔ ایک اور فوج آرہی ہے۔ وہ تازہ دم ہوگی۔ اس کے مقابلے کے لیے تیار ہو۔“

یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ مہرا بن ہرہم کی فوج کس طرف سے آئے گی یا وہ عین التمر میں قلعہ بند ہو کر لڑے گی۔ اس فوج پر نظر رکھنے کے لیے عین التمر پر حارثہ اپنے چچا پیر مار دے کے ساتھ عین التمر تک کے علاقے میں موجود اور متحرک تھا۔ اُس نے خالدؓ کو بار بار یہی ایک پیغام بھیجا تھا کہ آتش پرستوں کی فوج ابھر بھی نظر نہیں آرہی۔ پھر اُس کا یہ پیغام خالدؓ تک پہنچا کہ حق کے قبائلی خوف دہراں کی حالت میں بھاگ بھاگ کر عین التمر میں پناہ لے رہے ہیں۔

لیا کرتا ہے۔

ان کے سالاروں نے جب اپنی فوج کو اس ذہنی کیفیت میں دیکھا تو انہیں شہر کے حاکم اور سالاروں مہراں کے اگلے حکم کی ضرورت نہ پڑی۔ انہیں یہ اطلاع بھی ملی کہ مہراں غزانہ مذاق بھجور رہا ہے اور شہر کے لوگ بھی اپنے اموال چھپا رہے تھے یا ساتھ لے کر شہر سے نکل رہے تھے۔ خالدؓ کے فوجی عرب و ضرب کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے میدان جنگ میں تو دشمن کو شکست دی ہو تھی، دشمن کو انہوں نے نفسیاتی لحاظ سے اتنا کمزور کر دیا تھا کہ اُس کا لڑنے کا جذبہ مجروح ہو گیا تھا۔ آتش پرستوں کی نفسیاتی کیفیت تو یہ ہو گئی تھی کہ خالدؓ کا یا مسلمانوں کا یا مدینہ کا نام سن کر ہی وہ پیچھے دیکھنے لگتے تھے کہ کھمک آ رہی ہے یا نہیں یا پسپائی کا راستہ صاف ہے یا نہیں۔

پھر وہ وقت جلد ہی آ گیا جب میدان جنگ میں لاشیں اور بے ہوش زخمی رہ گئے اور انہیں کھینچنے کے لیے وہ گھوڑے رہ گئے جو سواروں کے بغیر بے لگام دوڑتے پھر رہے تھے۔ بددی قبیلے اپنے سرداروں کے بغیر عین التمر جا پہنچے اور شہر کے دروازے بند کر لیے۔ انہوں نے شہر میں داویلا بپایا کہ مہراں کی فوج وعدے کے مطابق ان کی مدد کو نہیں آئی لیکن وہاں ان کا داویلا سننے والا کوئی نہ تھا خوف و ہراس کے مارے ہوئے شہری تھے جو بھاگ نہیں سکتے تھے۔ مہراں بن ہرام اپنی فوج سمیت شہر سے جا چکا تھا۔ وہ فوج کو ماتن لے جا رہا تھا۔ وہ حقہ اور ذہیل اور دوسرے قبائلی سرداروں کو کوس رہا تھا۔

”دشمن کا تعاقب کرو۔“ خالدؓ نے اپنی سپاہ کو حکم دیا۔ ”زخمیوں کو سنبھالنے کے لیے کچھ آدمی ہیں رہنے دو اور بہت تیزی سے عین التمر کا محاصرہ کرو۔“ عین اُس وقت قتیبن بن حارثہ گھوڑا سرسپٹ دوڑاتا آیا اور خالدؓ کے پاس گھوڑا روک کر اتارا۔ وہ خالدؓ سے نکل گیا۔

”ولید کے بیٹے! ثنی نے کہا۔“ قسم رب العالمین کی! دشمن عین التمر سے بھاگ گیا ہے۔“ ”کیا تیرا مانع اپنی جگہ سے مل تو نہیں گیا؟“ خالدؓ نے پوچھا۔ ”یوں کہہ کہ دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔“

قتیبن حارثہ نے خالدؓ کو بتایا کہ اُس نے جو جاسوس عین التمر کے ارد گرد بھیج رکھے تھے، انہوں نے اطلاع دی ہے کہ فارس کی فوج جو شہر میں تھی، شہر سے نکل گئی ہے۔ ”کیا تو نہیں سمجھ سکتا کہ یہ فوج ہمارے عقب پر اُس وقت حملہ کرے گی جب ہم عین التمر کو محاصرے میں لیے ہوئے ہوں گے؟“ خالدؓ نے کہا۔

”ابن ولید! ثنی نے کہا۔“ مہراں اپنی فوج کے ساتھ جا چکا ہے۔ اگر وہ فوج یہاں کہیں پہنچے ہوئی ہو تو میرے چھاپہ مارا سے یحییٰ سے نہ بیٹھنے دیتے۔ آگے بڑھ اور اپنی آنکھوں سے دیکھ۔ عین التمر تیرے قدموں میں پڑا ہے۔“

یہ خبر جب مجاہدین کے لشکر کو ملی تو ان کے جسم چمکے سے لوٹ رہے تھے تو تازہ ہو گئے۔ انہوں نے فتح و فلاح کے نعروں کی گرج میں عین التمر تک کے دس میل طے کر لیے۔ ثنی کے چوادر

قتیبن حارثہ کے چھاپہ مار بھاگنے والے بددی قبائلیوں کا تعاقب کر کے انہیں مار رہے تھے۔ جب حقہ کے پہلے چند ایک آدمی عین التمر میں داخل ہوئے تو انہیں مہراں کے پاس لے گئے۔ ”تم موت سے بھاگ کر آتے ہو۔“ مہراں نے انہیں کہا۔ ”کیا تم نہیں جانتے تھے کہ یہاں بھی تمہارے لیے موت ہے؟“ اُس نے حکم دیا۔ ”لے جاؤ ان بزدلوں کو اور انہیں قتل کر دو۔“

”کس کس کو قتل کرو گے؟“ ایک بڑی لے پوچھا۔ ”پہلے حقہ کو قتل کرو جس نے ہتھیار ڈال کر سارے لشکر میں بزدلی پھیلانی۔“ دوسرے نے کہا۔ ”مسلمانوں نے جس طرح حملے کیے انہیں ہمارے سردار سمجھ ہی نہ سکے۔“ ایک اور نے کہا۔ ”انہوں نے میدان جنگ کی صورت حال ایسے رنگ میں پیش کی کہ مہراں گھبرا گیا۔ مسلمانوں کے لڑنے کے جذبے اور جوش و خروش کو انہوں نے مبالغے سے بیان کیا اور بتایا کہ اپنا لشکر جو مسلمانوں کے ہاتھوں کٹنے سے بچ گیا ہے، شہر کی طرف بھاگا آ رہا ہے۔“

”تو کیا ہمارے لیے یہ ستر نہیں ہو گا کہ ہم مسلمانوں کو وہاں لے جا کر کاٹیں جہاں ان کا دم ختم ہو چکا ہو؟“ مہراں بن ہرام نے اپنے سالاروں سے کہا۔ ”پھر وہ پسپا ہونے کے بجائے قابل نہیں رہیں گے؟“

”کیا سوچ کر آپ نے یہ بات کہی ہے؟“ ایک سالار نے کہا۔ ”اتنا بڑا شہر چھوڑ کر ہم چلے جائیں گے تو یہ پسپائی ہوگی۔ یہ کہیں کہ آپ پر مسلمانوں کا خوف طاری ہو گیا ہے اور آپ یہاں سے بھاگنا چاہتے ہیں۔“

”جو میں سوچ سکتا ہوں وہ تم نہیں سوچ سکتے۔“ مہراں نے شاہانہ عصبیت کہا۔ ”میں یہاں کا حاکم ہوں۔ جاؤ اور میرے اگلے حکم کا انتظار کرو۔“

سالار خاموشی سے چلے گئے۔ وہ سالار تھے۔ شہر کا دفاع ان کی ذمہ داری تھی۔ وہ مسلمانوں کو شہر پیش کرنے کی بجائے لاکھ مرنا بہتر سمجھتے تھے۔ انہوں نے آپس میں طے کر لیا کہ وہ مہراں کا یہ حکم نہیں مانیں گے لیکن میدان جنگ سے بھاگ کر آنے والے بنی تغلب، نمر اور ایاد کے آدمی ٹولہوں میں شہر کے دروازے میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ دس میل کی مسافت طے کر کے آئے تھے جو انہوں نے خوف اور بھگدڑ کی کیفیت میں طے کی تھی۔ ان میں بعض زخمی تھے۔

”کاٹ دیا۔۔۔ سب کو کاٹ دیا۔“ وہ گھبراہٹ کے عالم میں کہہ رہے تھے۔ ”ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ بڑے زبردست ہیں۔“

”حقہ بن ابی علفہ مارا گیا ہے۔“ وہ شہر پر خوف طاری کر رہے تھے۔ ”ذہیل لا پتہ ہے۔“ ”دروازے بند کر دو۔“ بعض چلا رہے تھے۔ ”وہ آ رہے ہیں۔“

موتوں نے کچھ ہے کہ زبردشت کے بھاریوں پر پہلے ہی مسلمانوں کی دہشت طاری تھی مسلمانوں نے ان کے بڑے نامور سالار مار ڈالے تھے۔ اب عین التمر والے اپنی آنکھوں دیکھ رہے تھے کہ پیچھے کیسے کس حالت میں واپس آ رہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس شہر پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ شہریں جو فوج تھی اُس کی ذہنی حالت اُس کمزور اور بزدل کتے جیسی ہو گئی تھی جو دم کھلی آنکھوں میں دبا

پہلے ہی وہاں موجود تھے، انہوں نے بنیاد کے تمام دروازے بند ہیں۔
 خالدؓ کے حکم سے شہر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ بدوی عیسائی اور ان کے دیگر ساتھی جو شہر میں پناہ لینے آئے تھے، مقابلے پر آمادہ تھے۔ انہوں نے شہر پناہ کے اوپر جا کر مسلمانوں پر تیر برسوں کے شروع کر دیئے۔
 ”حقیر بن ابی عتقہ کو اور تمام جنگی قیدیوں کو آگے لاؤ۔“ خالدؓ نے حکم دیا۔
 فدا کی دیر میں تمام بدوی قیدیوں کو سامنے لے آئے۔ خالدؓ نے عتقہ کو بازو سے پکڑا اور اُسے اتنی آگے لے گئے جہاں وہ شہر پناہ سے آئے والے تیروں کی زد میں تھے۔
 ”یہ ہے تمہارا سردار! خالدؓ نے بڑی بلند آواز سے کہا۔“ تم اُسے بہادر دل کا بہادر سمجھتے تھے۔ اسی نے تمہاری دوستی فدا کر ڈالی تھی۔ کہاں ہیں تمہارے دوست؟“ خالدؓ نے عتقہ کو آگے کر کے کہا۔ ”اُس سے پوچھو ہر اُن اپنی فوج کو سچا کر کہاں لے گیا ہے۔“

پھر ہتھیار قیدیوں کو آگے کر دیا گیا۔
 ”یہ ہیں تمہارے بھائی!“ خالدؓ نے کہا۔ ”چلاؤ تیرا سب ان کے سینوں میں اُتریں گے۔“
 یہ خبر کسی طرح شہر میں پہنچ گئی کہ قلعے کے باہر مسلمان بنی تغلبہ اور دیگر قبیلوں کے قیدیوں کو لائے ہیں۔ ان قیدیوں میں سے کئی ایک کے بیوی بچے اور لواحقین شہر میں تھے۔ ان کی بستیاں تو کہیں اور تھیں لیکن ان کی سلامتی کے لیے انہیں عین التمر میں لے آئے تھے جنم کی صورت میں وہ انہیں اپنی بستیاں میں محفوظ نہیں سمجھتے تھے۔ ان عورتوں اور بچوں کو جب تیر چلا کہ اُن کے قبیلوں کے قیدی باہر آئے ہیں تو مائیں اپنے بچوں کو اٹھا تے شہر کی دیوار پر آگئیں۔ میدان جنگ میں جانے والے میں سے جو واپس نہیں آئے تھے، اُن کی بیویاں، بہنیں، مائیں اور بیٹیاں اس امید پر دیوار پر آئی تھیں کہ اُن کے آدمی قیدیوں میں ہوں گے۔

ان عورتوں نے دیوار کے اوپر ہنگامہ مہیا کر دیا۔ وہ اپنے آدمیوں کو پکار رہی تھیں جنہیں اپنے آدمی قیدیوں میں نظر نہیں آ رہے تھے، وہ آہ و زاری کر رہی تھیں تیر انداز انہیں پیچھے ہٹا رہے تھے مگر عورتیں پیچھے نہیں ہٹ رہی تھیں۔

”ہم نہیں زیادہ مہلت نہیں دیں گے۔“ خالدؓ کے حکم سے اُن کے ایک محافظ نے بلند آواز سے کہا۔ ”تمہارا ڈال دو اور دروازے کھول دو۔ اگر تمہارے مقابلے میں تم ہار گئے اور دروازوں میں ہم خود داخل ہوتے تو تم سب کا انجام بہت بُرا ہوگا۔“

”ہم اپنی دو تین شہر طول پر دروازہ کھولنے پر آمادہ ہیں۔“ دیوار کے اوپر سے آواز آئی۔

”تمہاری کوئی شرط نہیں مانی جائے گی۔“ خالدؓ کی طرف سے جواب گیا۔ ”تمہارا ڈال دو، دروازے کھول دو۔ تمہاری سلامتی اسی میں ہے۔“

بنی تغلبہ اور ان کے اتحادی قبیلے جانتے تھے کہ اُن کی سلامتی اسی میں ہے کہ تمہارا ڈال دیں اور مسلمانوں سے رحم کی درخواست کریں چنانچہ انہوں نے دروازے کھول دیئے اور مسلمان شہر میں داخل ہوئے۔ اُس وقت کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے کسی شہر کی پریشانی نہیں کیا، البتہ مسلمانوں کے خلاف جو بدوی لڑے تھے، اُن سب کو قیدی بنالیا گیا۔ یہ ان قیدیوں کے

لواحقین پر منحصر تھا کہ وہ خالدؓ کا مقدر کیا بنواندہ یہ ادا کر کے اپنے قیدیوں کو رہا کرالیں۔
 تمام شہر کی تلاشی کی گئی۔ شہر میں ایک عبادت گاہ یا درس گاہ تھی جس میں پادری بننے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اُس وقت چالیس نو عمر لڑکے زیر تعلیم تھے۔ ان سب کو پکڑ لیا گیا۔ ان میں سے اکثر نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا اور ان میں سے ایک کو تاریخ اسلام کی ایک نامور شخصیت کا باپ ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اس لڑکے کا نام نصیر تھا۔ اُس نے اسلام قبول کیا اور ایک مسلمان عورت کے ساتھ شادی کی جس نے موسیٰ بن نصیر کو جنم دیا۔ یہ موسیٰ بن نصیر شمالی افریقہ کے امیر مقرر ہوئے۔ انہوں نے ہی طارق بن زیاد کو اندلس فتح کرنے کو بھیجا تھا۔

دو تین متعصب متونہوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے بنی تغلبہ، نمر اور ایاد کے اُن تمام آدمیوں کو قتل کر دیا جو اُن کے خلاف لڑے تھے۔ یہ ایک مفروضہ ہے جو خالدؓ کو بدنام کرنے کے لیے گھڑا گیا تھا۔ متونہوں کی اکثریت نے ایسے قتل عام کا ہلکا سا اشارہ بھی نہیں دیا۔ محمد حنین ہیکل نے متعدد تاریخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ حقیر بن ابی عتقہ کو کھلے میدان میں لا کر خالدؓ نے اپنا عہد پورا کرتے ہوئے اُس کا سر تن سے کاٹ ڈالا۔

خالدؓ نے اعلان کیا تھا کہ بدوی غیر مشروط طور پر تمہارا ڈال دیں تو وہ بڑے بڑے انجام سے محفوظ رہیں گے۔ دشمن نے مسلمانوں کی ستر لفظ پر تمہارا ڈالے تھے۔ اُن کے قتل عام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

عین التمر کی فتح کے بعد خالدؓ نے پہلا کام یہ کیا کہ انبار اور عین التمر کا مال غنیمت اکٹھا کر کے مجاہدین میں تقسیم کیا اور خلافت کا حصہ الگ کر کے ولید بن عقبہ کے سپرد کیا کہ وہ مدینہ امیر المؤمنین کو پیش کریں۔ انہوں نے امیر المؤمنین کے لیے ایک پیغام بھی بھیجا۔

ولید بن عقبہ نے مدینہ پہنچ کر امیر المؤمنین ابوبکرؓ کو انبار اور عین التمر کی لڑائی اور فتح کی تفصیل سنائی، مال غنیمت پیش کیا پھر خالدؓ کا پیغام دیا۔ پہلے سنایا جا چکا ہے کہ خلیفہ المسلمین ابوبکرؓ نے خالدؓ کے لیے حکم بھیجا تھا کہ وہ عیاض بن غنم کے انتظار میں حیرہ میں رُکے رہیں۔ اُس وقت عیاض دو مہینے گزر چکے تھے لیکن لڑائی کی صورت حال عیاض کے لیے اچھی نہ تھی۔ خالدؓ نے خلافت کے حکم کو نظر انداز کر دیا اور حیرہ سے کوچ کر کے انبار کو محاصرے میں لیا، فتح پائی پھر عین التمر کا معرکہ لڑا اور کامیابی حاصل کی۔

خالدؓ نے اپنے پیغام میں کہا تھا کہ وہ حیرہ میں بیٹھے رہتے تو فارس والوں کو اپنی شکستوں سے سنبھلنے کا اور حجابی حملے کی تیاری کا موقع مل جاتا۔ خالدؓ کی کوشش یہ تھی کہ دشمن کو کہیں بھی قدم جانے کا اور حجابی وار کرنے کا وقت نہ مل سکے۔ انہوں نے آتش پرستوں کی فوج کو نفسیاتی محاذ سے کمزور کر کر دیا۔ خالدؓ نے امیر المؤمنین کی حکم عدولی تو کی تھی لیکن عملًا ثابت کر دیا کہ یہ حکم عدولی کتنی ضروری تھی۔ عیاض بن غنم ابھی تک دو مہینے گزر چکے تھے اور اُن کی کامیابی کی توقع بہت کم تھی۔

”خالدؓ نے جو مناسبت سمجھا وہ کیا۔“ خلیفہ ابوبکرؓ نے ولید بن عقبہ سے کہا۔ ”اُس نے جو سوچا تھا وہی ہوا۔ عیاض کی طرف سے جو اطلاعیں آ رہی ہیں وہ امید افزا نہیں۔ دو مہینے گزر چکے۔ اُس کا قبضہ بہت ضروری تھا لیکن اب مجھے عیاض کے متعلق خوشنشین ہونے لگی ہے۔“ ابن عقبہ اہم عین التمر واپس

نہ جاؤ۔ دوسرے ابجد چلے جاؤ اور وہاں کی ضرورت حال دیکھ کر خالدؓ کے پاس جاؤ اور اُسے کو کہہ دو کہ جو اپنے
کی مدد کو پہنچے۔

ولید بن عقبہ روانہ ہو گئے۔ عیاض بن غنم خود بھی پریشان تھے۔ اُن کے ساتھ جو سالار تھے، وہ
انہیں کہہ رہے تھے کہ اس ضرورت حال سے نکلنے کے لیے مدد کی ضرورت ہے ورنہ شکست کا خطرہ
صاف نظر آ رہا تھا۔ آخر مذکورہ طبری اور ابو یوسف کی تحریروں کے مطابق عیاض بن غنم نے خالدؓ کو
ایک تحریری پیغام بھیجا جس میں انہوں نے اپنی محدود ضرورت حال اور اپنی ضرورت لکھی۔

ولید بن عقبہ بھی عیاض کے پاس پہنچ گئے۔ ان کا جلدی پہنچا آسان نہ تھا۔ مدینہ سے دوسرے ابجد
کا فاصلہ تین سو میل سے کچھ کم تھا اور زیادہ تر علاقہ صحرائی تھا۔ پہنچنا جلدی تھا۔ ولید جب عیاض کے پاس
پہنچے تو وہ جیسے ہوش و حواس میں نہیں تھے۔ انہوں نے آرام کی نہ سوجی، عیاض کی صورت حال کچھ
”میں نے خالدؓ کو مدد کے لیے کل ہی پیغام بھیجا ہے۔“ عیاض بن غنم نے ولید بن عقبہ سے کہا۔
”معلوم نہیں وہ خود کس حال میں ہے لیکن میرے لیے اور کوئی چارہ کار نہیں تم دیکھ رہے ہو۔“

”الحمد للہ!۔“ ولید نے کہا۔ ”خالدؓ نے آتش پرستوں کی شہنشاہی اور اُن کی جنگی طاقت کو جڑوں
سے اکھاڑ پھینکا ہے۔ امیر المؤمنین نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ تمہاری ضرورت کا جائزہ لے کر
انہیں بتاؤں لیکن تمہیں فوری مدد کی ضرورت ہے۔ میں مدینہ جانے کی بجائے عین التمر چلا جاتا ہوں خالدؓ
تمہاری مدد کو آئے گا۔“

یہ اُس دور کی فرض شناسی اور جذبہ تھا جس میں شہداء دکھاوے اور کام چوری کا ذرا سا بھی عمل دخل
نہ تھا۔ ولید بن عقبہ نے یہ نہ سوچا کہ وہ واپس مدینہ جائیں اور خلیفہ کے حکم کے مطابق انہیں انچھے
کا کر گزاری بڑھا چڑھا کر سنائیں اور ساتھ یہ کہیں کہ حضور عیاض تو بڑا نالائق سالار ہے۔ اگر اُس کی جگہ
میں ہوتا تو لوں کرتا مگر ولید نے دیکھا کہ ضرورت حال محدود ہے تو وہ اپنے حاکم خود بن گئے اور مدینہ
کی بجائے عین التمر کو گھوڑا دوڑا دیا۔ اُن کے سامنے پورے تین سو میل صحرائی مسافت تھی۔ عراق
اور شام کے صحرائی علاقے میں ملتے اور مسافروں کے لیے جان کا خطرہ بن جاتے تھے۔ ولید نے
اپنے گھوڑے پر، اپنے آپ پر، اپنے چارچا فظوں اور اُن کے گھوڑوں پر ظلم کیا کہ کم سے کم آرام
کے لیے کہیں رُکے۔ وہ موسم گرمی کے عروج کا تھا۔ مہینہ اگست ۶۳۳ء تھا۔

دوسرے ابجد بہت بڑا تجارتی شہر تھا۔ دور دراز ممالک کے تاجر یہاں آیا کرتے تھے۔ تجارت
کے علاوہ تجارت کی بدولت اس شہر کو دولت اور زر و جواہرات کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ رسول اکرمؐ نے
اس شہر اور اس سے ملنے والی شاہراہوں کی جغرافیائی پوزیشن دیکھ کر اس پر فوج کشی کی تھی۔ یہ موسم
غزوہ تبوک کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس وقت دوسرے ابجد کا حاکم ابو قحطہؓ بن عبد الملک
تھا۔ اُس نے مسلمانوں کا مقابلہ بے جگری سے کیا تھا۔ خالدؓ بھی اس معرکہ میں شریک تھے۔ انہوں نے
اکیدر کو غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے زندہ پکڑ لیا تھا اور اُس کی سپاہ نے ہتھیار ڈال دیے
تھے۔ اکیدر بن عبد الملک نے رسول اکرمؐ کی اطاعت قبول کر لی اور وفاداری کا حلف اٹھایا۔ اُس نے

اسلام بھی قبول کر لیا تھا۔ اس طرح یہ اتنا بڑا شہر مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گیا تھا۔
رسول اللہؐ کی وفات کے ساتھ ہی ارتداد کا فتنہ طوفان کی طرح اٹھا تو اکیدر بھی مدینہ سے منحرف
ہو گیا اور اُس نے اطاعت اور وفاداری کے عہدے کو الگ پھینک دیا۔ اُس نے دوسرے ابجد کو ایک ہیأت
بنالیا جس کے باشندے عیسائی بھی تھے اور بُت پرست بھی۔ عیسائیوں کا سبب بڑا اور طاقتور قبیلہ کلب تھا
امیر المؤمنین ابو بکرؓ نے اکیدر بن عبد الملک کی سرکوبی کے لیے اور اُسے اپنی اطاعت میں لانے
کے لیے عیاض بن غنم کو ایک لشکر دے کر بھیجا تھا۔ وہاں جا کر عیاض نے دیکھا کہ ان کا لشکر تو بہت تھوڑا
ہے اور دشمن کئی گنا طاقت ور ہے لیکن مدینہ سے تقریباً تین سو میل دور اگر واپس چل پڑتا تو مناسبت نہ تھا۔
دوسرے ابجد کی دیوار اونچی اور مضبوط تھی۔ پورا شہر بڑا مضبوط قلعہ تھا۔

عیاض نے شہر کا محاصرہ کیا جو مکمل نہ تھا۔ ایک طرف راستہ کھلا تھا۔ اکیدر کی سپاہ کی کچھ نفری خلی طرف
سے باہر آئی اور مسلمانوں پر حملہ کرئی کچھ دیر لڑائی ہوئی اور یہ نفری بھاگ کر قلعے میں چلی جاتی۔ ان حملوں کے
علاوہ قلعے کی دیواروں سے مسلمانوں پر پتھروں کا مینہ برساتا تھا اور اس کے جواب میں مسلمان تیر انداز دیواروں
پر تیر پھینکتے رہتے۔ انہوں نے قلعے کے دروازوں پر پہلے بھی بولے لیکن قلعے کا دفاع توقع سے
زیادہ مضبوط تھا۔

مسلمانوں کے خلاف جنگ کا پانسہ اس طرح پلٹ گیا کہ قبیلہ کلب کے عیسائیوں نے عقیقے آکر
مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔ وہ مسلمانوں پر بڑھ بڑھ کر حملے کرتے تھے اور مسلمان جان کی بازی لگا کر
حملوں کو رد کرتے اور سپاہ کرتے تھے۔ مسلمانوں کی اس بے خونی کوشش کو دیکھ کر عیسائیوں نے حملہ کم کر دیا۔ مگر
مسلمانوں کو گھیرے میں رکھا تاکہ وہ پسپا نہ ہو سکیں اور سرد و غیہ کی کمی سے پریشان ہو کر ہتھیار ڈال دیں۔
عیاض نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ ایک جگہ راستہ کھلا رکھا اور اس کی حفاظت کے لیے آدمی مقرر کر
دیتے تھے۔

یہ ضرورت حال مسلمانوں کے لیے بڑی ہی خطرناک تھی۔ ان کا جانی نقصان خاصا ہو چکا تھا۔ زخمیوں اور
شہیدوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ مسلمان زندہ رہنے کے لیے لڑ رہے تھے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ
شکست انہی کو ہوگی۔ دن بدن گھڑتے جا رہے تھے۔

خالد بن عمروؓ کو اپنے انتظام میں لانے کے کام سے فارغ ہو چکے تھے۔ انہوں نے عمال
مقرر کر دیے تھے۔ دو چار دنوں میں ہی وہاں کے شہریوں کو یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان نہ انہیں زبردستی
مسلمان بنا رہے ہیں نہ ان کے حقوق پامال کر رہے ہیں نہ ان کی عزتوں پر بُری نظر رکھتے ہیں اور ان کے
گھمراہوں کو بھی محفوظ ہیں اس لیے وہ اسلامی حکومت کے وفادار بن گئے تھے۔

خالدؓ کے پاس عیاض بن غنم کا قاصد پہنچا اور اُن کا تحریری پیغام دیا۔ عیاض جس مصیبت میں پھنس
گئے تھے وہ بھی کچھ تفصیل قاصد نے بیان کی۔ دوسرے ہی دن ولید بن عقبہ پہنچ گئے۔ انہوں نے
خالدؓ سے کہا کہ ایک گھڑی جو گزرتی ہے وہ عیاض اور اُس کے مجاہدین کی شکست اور موت کے قریب
دھکیل جاتی ہے۔

”شکست؟“ — خالدؓ نے پرجوش لہجے میں کہا۔ ”خدا کی قسم، اسلام کی تاریخ میں شکست کا لفظ نہیں آنا چاہیے۔۔۔ کیا اکیڈ بن عبداللہؓ مجھے بھول گیا ہے؟ کیا وہ ہمارے رسولؐ کو بھول گیا ہے؟ جنہوں نے اُسے اطاعت پر مجبور کر دیا تھا؟ کیا وہ ہمارے اللہؐ کو بھول گیا ہے جس نے ہمیں اُس پر فتح عطا کی تھی؟“

تاریخ شاہد ہے کہ بدلے ہیں تو انسان بدلے ہیں، اللہ نہیں بدلا۔ اللہ نے فتوحات کو کھنٹوں میں اُس وقت بدلا تھا جب مسلمان بدل گئے تھے اور خدا کے بندوں کے ”خدا“ بن گئے تھے۔ خالدؓ نے عیاض بن غنم کو بنیام کا تحریری جواب دیا۔ اُس دور میں عربوں کی تحریر کا انداز شاعرانہ ہوتا تھا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ کا جواب منظم انداز کا تھا۔ انہوں نے لکھا:

”منجانب خالد بن ولید بنام عیاض بن غنم۔ میں تیرے پاس بہت تیز پہنچ رہا ہوں۔ تیرے پاس اڈا نکال آ رہی ہیں جن پر کالے اور زہریلے ناک سوار ہیں۔ فوج کے دستے ہیں جن کے پیچھے بھی دستے آگے بھی دستے ہیں۔ ذرا صبر کرو۔ گھوڑے ہوا کی رفتار سے آ رہے ہیں۔ ان پر تلواریں لہراتے شیر سوار ہیں۔ دستوں کے پیچھے دستے آ رہے ہیں۔ بنیام کا جواب قاصد کو دے کر خالدؓ نے اُسے کہا کہ وہ چلتی تیز آیا تھا اس سے زیادہ تیز وہ نہ پہنچے اور عیاض کو تسلی دے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے ایک نائب سالار عویم بن کابل السلی کو بلا دیا۔

”ابن کابل السلی!“ — خالدؓ نے کہا۔ ”کیا اُنو جانتا ہے میں تجھے کتنی بڑی ذمہ داری ہو پے لہوں؟“

”اللہ مجھے ہر اُس ذمہ داری کو نبھانے کی ہمت و عقل عطا فرمائے جو مجھے سونپی جائے۔“

عویم نے کہا۔ ”میری ذمہ داری کیا ہوگی ابن ولید؟“

”عین التمر!“ — خالدؓ نے کہا۔ ”اُس کا انتظام اور اس کی حفاظت۔ اندر سے بغاوت ڈھکے“

ہے، باہر سے حملہ ہو سکتا ہے میں تجھے اپنا نائب بنا کر دوسرے ابجدل جا رہا ہوں۔ عیاض بن غنم مشکل میں ہے۔“

”اللہ تجھے سلامتی عطا کرے۔“ عویم نے کہا۔ ”عین التمر کو اللہ کی امان میں سمجھو۔“

خالدؓ کے ساتھ ابتدا میں جو سپاہ تھی وہ جانی نقصان کے علاوہ اس پر سے بھی کم ہو گئی تھی ہر مفتوحہ جگہ ایک دو ستون چھوڑ دیتے گئے تھے۔ عین التمر تک پہنچتے نفری اور کم ہو گئی تھی۔ اُس علاقے کے مسلمان باشندوں سے نفری بڑھانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی کچھ نو مسلم بھی سپاہ میں شامل ہو گئے تھے لیکن ابھی اُن پر پوری طرح اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا۔

خالدؓ نے کچھ دستے عین التمر میں چھوڑے، چچہ نزار سوار اپنے ساتھ لیے اور دوسرے ابجدل کو روانہ ہو گئے۔ فاصلہ تین سو میل تھا۔

سے پہلے دوسرے ابجدل میں اطلاع دے دی کہ مسلمانوں کا ایک لشکر آ رہا ہے بعض مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ دوسرے ابجدل والوں کو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ اس اسلامی لشکر کے سالار اعلیٰ خالدؓ ہیں۔ اُس وقت تک عیسائیوں کے تین بڑے قبیلے۔ بؤکلب، ہونہرا اور بنو غسان۔ جنگ میں شریک تھے۔ اکیڈ بن عبداللہؓ کو اطلاع ملی تو اُس نے بڑی عجلت سے عیسائیوں اور بیت برتوں کے چھوٹے چھوٹے قبیلوں کو بھی جنگ میں شریک ہونے کے لیے بلا دیا۔ خالدؓ کے پیچھے شک ان چھوٹے قبیلوں نے اپنے آدمی بھیجنے شروع کر دیے تھے۔

خالدؓ طوفان کی مانند پہنچے۔ مجاہدین نے خالدؓ کے کہنے پر جوش و خروش سے نعرے لگانے شروع کر دیے۔ عیاض بن غنم کے لشکر نے یہ نعرے سنے تو سارے لشکر نے نعرے لگائے۔ اُن کے ہارے ہوتے حوصلے تروتازہ ہو گئے۔ خالدؓ نے میدان جنگ کا جائزہ لیا پھر قلعے کے ارد گرد گھوڑا دوڑا کر قلعے کی دیواروں کا جائزہ لیا اور قلعے کی دیواروں پر کھڑے دشمن کو دیکھا۔

دشمن کی فوج کے دو حصے تھے۔ ایک کا سالار اعلیٰ اکیڈ اور دوسرے کا جودی بن ربیعہ تھا جو قلعے کے باہر تھا۔ قلعے کے باہر اُن چھوٹے چھوٹے قبیلوں کے آدمی بھی جمع ہو گئے تھے جو اکیڈ کے ہارے پر ابھی ابھی آئے تھے۔ ان کے لیے قلعے کا کوئی دروازہ نہ تھا کیونکہ خالدؓ کی آمد قلعے کے لیے بڑی خطرناک تھی۔

خالدؓ ایک دہشت کا دوسرا نام تھا۔ خالدؓ دشمن پر جو نفسیاتی وار کرتے تھے اُس کا اثر مستقل ہوتا تھا۔ ایسا ہی ایک زخم اکیڈ بن عبداللہؓ پہلے ہی خالدؓ کے ہاتھوں کھا چکا تھا۔ خالدؓ تو سوچ رہے تھے کہ وہ قلعے میں کس طرح داخل ہو سکتے ہیں لیکن اُن کی دہشت قلعے کے اندر پہنچ چکی تھی اکیڈ نے عیسائی سرداروں کو بلا رکھا تھا اور انہیں کہہ رہا تھا کہ وہ خالدؓ سے ٹکر نہ لیں اور صلح کر لیں۔ عیسائی سردار اُس کا مشورہ نہیں مان رہے تھے۔

”میرے دوستو! تقریباً تمام مورخوں نے اُس کے یہ الفاظ لکھے ہیں۔ خالدؓ سے جتنا میں واقف ہوں اتنا تم نہیں ہو۔ میں نہیں بتا سکتا اُس میں کیسی طاقت ہے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ قسمت ہر میدان میں اُس کے ساتھ ہوتی ہے میدان جنگ کا اور قلعوں کی تیسیر کا جو کمال اُس میں ہے وہ کسی اور میں نہیں۔ تم سوچ رہے ہو گے اور وہ تمہارے سر پر کھڑا ہوگا۔ خالدؓ کے مقابلے میں جو قوم آتی ہے، خواہ طاقتور خواہ کمزور، وہ خالدؓ کے ہاتھوں پرٹ جاتی ہے۔ میرا مشورہ تسلیم کرو اور خالدؓ سے صلح کر لو۔“

عیسائیوں نے خالدؓ کے شکستے تیس تیس کھاتی تھیں۔ وہ انتقام لینا چاہتے تھے۔

”تم اُس سے لڑو گے تو ہار جاؤ گے۔“ اکیڈ نے کہا۔ ”پھر وہ تم پر رحم نہیں کرے گا۔ اگر لڑے بغیر صلح کر لو گے تو وہ تمہاری جان، تمہاری عورتوں اور تمہارے اموال کی حفاظت کرے گا مگر تم اُس کا مقابلہ کر رہی نہیں سکتے کیونکہ تم اُس کی چالیں نہیں سمجھتے۔“

”ہم لڑے بغیر شکست تسلیم نہیں کریں گے۔“ عیسائی سرداروں نے متفقہ فیصلہ دے دیا۔

”پھر تم میرے بغیر لڑو گے۔“ اکیڈ نے کہا۔ ”میں اتنا بڑا شہر تباہ نہیں کراؤں گا۔“

عیسائی سردار لڑنے کے ارادے سے چلے گئے۔ انہیں انجیر کے ارادوں کا اس کے سوا کچھ علم نہ تھا کہ وہ نہیں لڑا جاتا۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ خالدؓ کا سالار عاصم بن عمرو قلعے کے اُس طرف گشت پر پھر رہا تھا جدھر قلعہ خالی تھا۔ اُسے چار پانچ آدمی قلعے سے نکل کر اُس کھلے علاقے میں آتے دکھائی دیتے۔ وہ ساتے سے گھٹے تھے۔ عاصم بن عمرو کے ساتھ چند ایک محافظ تھے۔ انہیں عاصم نے کہا کہ ان آدمیوں کو گھیرے میں لے کر رکھ لیں۔

محافظوں کو معلوم تھا کہ کس طرح بھر کر گھیر ڈالا جاتا ہے۔ وہ آدمی خود ہی نکل گئے۔ سالار عاصمؓ تک پہنچے۔

”میں دوستہ ابجدمل کا حاکم انجیر بن عبد الملک ہوں۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔
”اپنے اور اپنے آدمیوں کے ہتھیار میرے آدمیوں کے حوالے کر دو۔“ عاصم نے کہا۔
”مجھے خالدؓ کے پاس لے جاؤ۔“ انجیر نے اپنی تلوار ایک محافظ کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔
”میں نہیں لڑوں گا۔ خالدؓ کے ساتھ صلح کی بات کروں گا۔“

”میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا ابن عبد الملک۔“ خالدؓ نے اپنے خیمے میں اُس کی بات سن کر کہا۔ ”تو میرا محرم نہیں میرے رسول کا مجرم ہے۔ تو نے اللہ کے رسولؐ سے بدعہدی کی تھی۔ تو نے اسلام قبول کیا پھر ارتداد کے سرداروں سے جا ملا۔“

انجیرؓ نے اپنی صفائی میں بہت کچھ کہا۔ بہت کچھ پیش کیا۔ عیسائی قبیلوں سے لا تعلق ہو جانے کا عندیہ کیا۔

”اگر یہ لڑائی میری اور تیری ہوتی، یہ دشمنی میری اور تیری ہوتی تو تجھے بخش دینے سے کوئی شک نہ تھا۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”مگر تو میرے رسولؐ کا، میرے مذہب کا دشمن تھا۔ خدا کی قسم میں تجھے بخش نہیں سکتا، تجھے زندہ رہنے کا حق نہیں دے سکتا۔“ خالدؓ نے حکم دیا۔ ”لے جاؤ اسے۔ کل کا سورج اسے زندہ نہ دیکھے۔“

رات کو ہی انجیر بن عبد الملک کا ستر کم کر دیا گیا۔
صبح طلوع ہونے ہی خالدؓ نے عیاض بن غنم کو بلایا اور اُسے بتایا کہ اب وہ اپنی سپاہ کا خود مختار سالار نہیں۔ اس حکم کے ساتھ خالدؓ نے عیاض کی سپاہ اپنی کمان میں لے لی۔

”اب لڑائی قلعے کے باہر ہوگی۔“ خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا۔ ”اتنے مضبوط قلعے پر بوقت اور طاقت خرچ کرنا محض بیکار ہوگا۔ پہلے اس دشمن کو ختم کرنا ہے جو قلعے کے باہر ہے۔“

خالدؓ نے تمام سپاہ کو ترتیب میں کیا۔ عیاض کی سپاہ میں جو مجاہدین فوجوان اور جوان تھے، انہیں الگ کر کے اُس طرف بھیج دیا جدھر ایک راستہ عرب کی سمت جاتا تھا۔ خالدؓ نے ان جوانوں سے کہا کہ دشمن ادھر سے بھاگنے کی کوشش کرے گا، اُسے زندہ نہ نکلنے دیا جائے۔

خالدؓ نے کچھ دستے اپنی زیر کمان لے کر ایک عیسائی سردار جو دی بن ربیعہ کے مقابل رکھے اور

عیاض کو کچھ دستے دے کر دشمن کے دو سرداروں۔ ابن حدر جان اور الایہم۔ کے دستوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اپنے دونوں سالاروں عاصم بن عمرو اور عدی بن حاتم کو حسب معمول پہلوؤں پر رکھا۔

عیسائی اور بُت پرست سالار قلعے کے اندر سے بھی فوج کی خاصی نفری باہر لے آتے۔ اس طرح اُن کی تعداد مسلمانوں کی نسبت کئی گنا زیادہ ہو گئی۔

خالدؓ نے ایسی چال چلی جس سے دشمن پریشان ہو گیا۔ چال یہ چلی کہ ذرا سی بھی حرکت نہ کی۔ دشمن اس انتظار میں تھا کہ مسلمان حملے میں پہل کریں گے لیکن مسلمان تو جیسے بُت بن گئے تھے۔ عیسائی سردار لڑائی کے لیے بے تاب ہو رہے تھے۔ جب بہت سادقت گزر گیا اور مسلمانوں نے دشمن کی تلکار کا بھی کوئی جواب نہ دیا تو دشمن نے عیاض کے دستوں پر ہلہ بول دیا۔ اس کے ساتھ ہی جو دی نے خالدؓ کے دستوں پر حملہ کر دیا۔

خالدؓ نے اپنے سالاروں کو جو ہدایت دے رکھی تھیں ان کے مطابق مجاہدین کے دستوں میں دشمن کو اپنی طرف آنا دیکھ کر بھی کوئی حرکت نہ ہوئی۔ دشمن اور زیادہ جوش میں آ گیا۔ جب دشمن کے سپاہی مسلمانوں کی صفوں میں آتے تو مسلمانوں نے انہیں راستہ دے دیا۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے گھونسہ کسی کارو اور وہ آگے سے ہٹ جاتے۔

خالدؓ نے اپنے عیسائیوں اور بُت پرستوں کو احساس ہو گیا کہ وہ تو مسلمانوں کے پھندے میں آ گئے ہیں۔ خالدؓ نے اپنے محافظوں کے ساتھ عیسائیوں اور بُت پرستوں کے سب سے بڑے سالار جو دی بن ربیعہ کو گھیرے میں لے لیا۔ اُس کے خاندان کے چند ایک جوان اُس کے ساتھ تھے۔ وہ تو کٹ گئے اور جو دی کو زندہ پکڑ لیا گیا۔

خالدؓ نے اپنے لشکر کو ایسی ترتیب میں رکھا تھا جو دشمن کے لیے پھندہ تھا۔ دشمن کے سپاہی جدھر کو بھاگتے تھے اُدھر مسلمانوں کی تلواں اور برچھیاں ان کا راستہ روکتی تھیں۔ آفرودہ قلعے کی طرف بھاگے مگر دروازہ بند تھا۔ مسلمان اوپر آ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے دروازے کے سامنے عیسائیوں اور بُت پرستوں کی لاشوں کا انبار لگ گیا۔

ایک دروازہ اور بھی تھا۔ اپنے آدمیوں کو پناہ میں لینے کے لیے قلعے والوں نے دروازہ کھول دیا۔ عیسائی اور بُت پرست بھاگ کر دروازے میں داخل ہونے لگے لیکن مسلمان تو جیسے ان کے ساتھ چپکے ہوتے تھے۔ اس طرح صورت یہ پیدا ہو گئی کہ دشمن کا ایک آدمی اندر جاتا تو دو مسلمان اُس کے ساتھ اندر چلے جاتے تھے۔

عیسائیوں اور بُت پرستوں کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ مسلمان قلعے میں داخل ہو گئے تھے۔ اب جو کچھ ہو رہا تھا وہ لڑائی نہیں تھی، وہ عیسائیوں اور بُت پرستوں کا قتل عام تھا۔ خالدؓ چاہتے تھے کہ قتل عام کا یہ سلسلہ جاری رہے۔

یہ اگست ۶۳۳ء کے آخری (جمادی الآخر ۱۲ ہجری کے وسط کے) دن تھے۔ خالدؓ نے جو دی بن ربیعہ اور اُس کے تمام ساتھی سالاروں اور سرداروں کو منرا سے موت دے دی۔ دوستہ ابجدمل مسلمانوں کے زیرِ کمان آ گیا۔

کچھ آرام دینا تھا اور میسر لاکم یہ تھا کہ فوج کو از سر نو منظم کرنا تھا۔

☆

ایک تو یہ مجاہدین تھے جو میدان جنگ میں دشمن کے آسنے سامنے آکر لڑتے تھے دوسرے مجاہدین وہ تھے جو دشمن کے مختلف شہروں میں بہرہ وپ دھار کر خنجر سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ وہ جاسوس تھے۔ وہ ہر لمحہ جان کے خطرے میں رہتے تھے۔ وہ دشمن کی نقل و حرکت اور عزائم معلوم کرتے اور پیچھے اطلاع بھجواتے یا خود اطلاع لے کر آتے تھے۔ تاریخ میں ان میں سے کبھی کا بھی نام نہیں آیا۔ ان میں بعض پکڑے گئے اور دشمن کے جلاوطن کے حوالے ہوئے۔ ان جاسوسوں کی بروقت اطلاعوں پر خالدؓ کئی بار دشمن کے اچانک حملے اور شکست سے بچے۔

خالدؓ جب دومنہ الجندل میں تھے تو مفتوحہ علاقوں کے لیے ایک خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی۔ مدائن پر کسریٰ کی شکست اور زوال کی سیاہ کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ لوگوں پر خوف مبرس طاری تھا۔ کسریٰ کی اس تلوار پر رنگ لگ چکا تھا جس کا خوف بڑی دور تک پہنچا ہوا تھا۔ دوسرا سالہ تھے جو اس فوجی کشتی کو طوفان سے نکال لے جانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

ان حالات میں ایک گھوڑسوار مدائن میں داخل ہوا اور بہمن جاذویہ تک پہنچا۔
 ”اب اور کیا مری خبر رہ گئی تھی جو ٹولا یا ہے؟“ بہمن نے پوچھا۔ ”ہمارے آبا بے لوبہ کیا مسلمانوں کا لشکر مدائن کی طرف آرہا ہے؟“

”ہیں“۔ اس آدمی نے کہا۔ ”مسلمانوں کا لشکر چلا گیا ہے۔“
 ”چلا گیا ہے؟“ بہمن جاذویہ نے طنز سے لہجے میں پوچھا۔ ”تو ان لشکریوں میں سے معلوم ہوتا ہے جنہیں مسلمانوں کی دہشت نے پاگل بن کر نکال دیا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا تیرے جرم کی سزا موت ہے؟“

یہ آدمی گھوڑے سے اتر چکا تھا۔ اس کی اطلاع پر بہمن جاذویہ باہر آگیا تھا۔ اُس نے اس آدمی کو اندر لے جا کر عزت سے بٹھانے کے قابل نہیں سمجھا تھا۔ سزا سے موت کا نام سنتے ہی اس آدمی نے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور تیزی سے آگے ہو کر سالار بہمن جاذویہ کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

”میں عین التمر سے آیا ہوں۔“ اُس نے گھبراتے ہوئے اور مٹی آواز میں کہا۔ ”بے شک میں شکست کھانے والوں میں سے ہوں لیکن میں اُن میں سے بھی ہوں جو شکست کو فتح میں بدلنا چاہتے ہیں۔ پہلے وہ بات نہیں کہیں جوں بتائے آیا ہوں پھر میرا سر کاٹ دینا لیکن میری بات کو ٹالو گے تو یہ نہ بھولنا کہ تم میں سے کبھی کا بھی سر مسلمانوں کے ہاتھوں سلامت نہیں رہے گا۔“

”بول، جلدی بول۔“ بہمن نے کہا۔ ”کیا بات ہے وہ جو تو مجھے اتنی دُور سے منانے آیا ہے؟“
 بہمن جاذویہ کی ایک بیٹی جو جوان تھی، ایک آدمی کو اپنے باپ کے قدموں میں بیٹھا دیکھ کر قریب آ گئی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ جب سے اُس کا باپ شکست کھا کر آیا ہے، وہ غصے سے بھرا رہتا ہے اور سزا سے موت کے سوا کوئی بات نہیں کرتا۔ لڑکی تماشہ دیکھنے آئی تھی کہ اُس کا باپ آج ایک اور سپاہی کو جلا دے کے حوالے کرے گا۔

اسلام دشمن طاقتیں ختم ہونے میں نہیں آتی تھیں۔ ایران کے آتش پرستوں کو جس طرح اسلام کے علمبرداروں نے شکست پر شکست دی اور جینا جانی نقصان انہیں پہنچایا تھا، اتنا کوئی قوم برواشت نہیں کر سکتی لیکن وہاں صرف آتش پرست نہیں تھے۔ تمام غیر مسلم قبیلے جن میں اکثریت عربی عیسائیوں کی تھی اُن کے ساتھ تھے۔ آتش پرستوں نے اب ان قبیلوں کو آگے کرنا شروع کر دیا تھا جیسا ہمارے بن ہرام نے عین التمر میں کیا تھا۔ آتش پرستوں کے سالار میدان جنگ سے بھاگ بھاگ کر مدائن میں اکٹھے ہوتے جا رہے تھے۔

ان کے نامور سالار بہمن جاذویہ نے جب مہراں بن ہرام کو اپنی فوج کے ساتھ واپس آتے دیکھا تھا تو اسے اتنا صدمہ ہوا تھا کہ اُس پر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔

”موت گھر بہمن!۔“ مہراں نے اُسے کہا تھا۔ ”لول چھوٹا نہ کر۔ آخر فوج ہماری ہوگی میرے شکست کھا کر نہیں آیا۔ شکست بدی فیصلوں کو بڑی ہے۔“

”اور تو لڑے بغیر واپس آگیا ہے۔“ سالار بہمن جاذویہ نے کہا تھا۔ ”تو اتنا بڑا شہر اپنے دشمن کی جھولی میں ڈال آیا ہے۔ تو بڑی قسمت ہے کہ یہاں تھے سزا دینے والا کوئی نہیں۔ سزا دینے والے آپس میں لڑ رہے ہیں۔ وہ جانشینی پر ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں۔“

”بہمن!۔“ مہراں نے طنز سے لہجے میں کہا۔ ”کیا تو مجھے سزا دینے کو کہتا ہے؟ کیا تو مسلمانوں سے شکست کھانے والوں میں سے نہیں؟ اگر تو میدان میں ہم جاتا تو آج مدینہ والے یوں ہمارے سر پر نہ آ بیٹھتے۔ شکستوں کی ابتدا تجھ سے ہوئی ہے۔ میری تعریف کر کہ میں اپنے لشکر کو بچا کر لے آیا ہوں۔ میں اسی لشکر سے مسلمانوں کو شکست دل گا۔ مدائن میں اس وقت جو لشکر جمع ہو چکا ہے اسے ہم ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار کریں گے۔“

اُس وقت مدائن میں فارس کے جتنے بھی نامور سالار تھے وہ سب خالدؓ سے شکست کھا کر آئے تھے۔ انہوں نے اسے ذاتی مسئلہ بنا لیا تھا، وردہاں انہیں حکم دینے والا کوئی نہ تھا۔ حکم دینے والے شاہی خاندان کے افراد تھے جو تخت کی وراثت کے لیے جڑ توڑیں لگے ہوئے تھے۔ وہ سالاروں کو بھی اپنی سازشوں میں استعمال کرنا چاہتے تھے لیکن سالار فارس کی شہنشاہی کے تحفظ کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ پیچیدہ ایک سالار ہی تھے جنہوں نے مدائن کا بھرم رکھا ہوا تھا ورنہ کسریٰ کی بنیادیں ہل چکی تھیں اور یہ عمارت زمیں بوس ہو جاتی چاہتی تھی۔

اُس وقت خالدؓ مدائن سے کم و بیش چار سو میل دُور دومنہ الجندل میں تھے۔ آتش پرستوں اور عیسائیوں کو ابھی معلوم نہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ خالدؓ عین التمر میں ہیں۔ خالدؓ کو دراصل حیرہ واپس آنا تھا۔ ایک تو وہ مفتوحہ علاقوں کے انتظامات وغیرہ کو بہتر بنانا چاہتے تھے، دوسرے یہ کہ فوج کو

بہن گھیا پھر مدائن کی ہر میت خوردہ فوج نے سنا اور پھر یہ احکام اور ہدایات کی صورت اختیار کر گیا۔ بہن جاذویہ کی بیٹی نے اپنی تمام سہیلیوں کو اور شاہی محل کی عورتوں کو اور جس کے ساتھ بھی اُس نے بات کی، یہ الفاظ کہے۔ ”میں تمہیں خالدہ کی لاش دکھاؤں گی“

”خالدہ کی لاش؟“ تقریباً ہر لڑکی اور ہر عورت کا رد عمل یہی تھا۔ ”کہتے ہیں خالدہ کو کوئی نہیں مار سکتا۔ وہ انسان نہیں۔ اُسے دیکھ کر فوجیں بھاگ جاتی ہیں“

شاہی اصطبل میں جہاں شاہی خاندان اور سالاروں کے گھوڑے ہوتے تھے، گہما گہمی بڑھ گئی تھی۔ ساتیوں کو کچھ ملتا تھا کہ گھوڑے میں ذرا سا بھی کوئی نقص یا کمزوری دیکھیں تو اُسے ٹھیک کریں یا اُسے الگ کر دیں۔

بہن جاذویہ کی بیٹی اس طرح ہر طرف پھرتی پھر رہی تھی جس طرح عید کا چاند دیکھ کر نئے کپڑوں

”میرے گھوڑے کا بہت سارا خیال رکھنا“ اُس نے اپنے خاندان کے ساتیس سے کہا۔ ایک ادھیڑ عمر ساتیس جو تین چار مہینے پہلے اس اصطبل میں آیا تھا، دوڑ آیا اور لڑکی سے پوچھا کہ اپنی فوج کہیں جا رہی ہے یا مدینہ کے لشکر کے حملے کا خطرہ ہے؟

کی خوشی میں ناچتے کودتے ہیں۔ وہ اصطبل میں گئی۔ وہاں اس کے باپ کے گھوڑے کے ساتھ اُس کا اپنا گھوڑا بھی تھا جو باپ نے اُسے تحفے کے طور پر دیا تھا۔

”اب تم مدینہ والوں کی لاشیں دیکھو گے“ لڑکی نے کہا۔

باقی گھوڑوں کے ساتیس بھی اس کے ارد گرد کھٹے ہو گئے تھے۔ وہ بھی تازہ خبر سننا چاہتے تھے۔ لڑکی نے انہیں بتایا کہ خالدہ تھوڑی سی فوج پیچھے چھوڑ کر زیادہ تر فوج اپنے ساتھ لے گیا ہے اور وہ عراق سے دُور نکل گیا ہے۔ (یہ تمام علاقہ جو خالدہ نے فارس والوں سے چھینا تھا، عراق تھا)۔ لڑکی نے ساتیسوں کو بتایا کہ اب اپنی فوج پہلے عین التمر پر پھر دوسرے شہروں پر حملے کر کے انہیں دوبارہ اپنے قبضے میں لے لے گی۔ اگر خالدہ واپس آیا بھی تو اُسے اپنی شکست اور موت کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔

”کیا اُسے زندہ بچھا جائے گا؟“ ادھیڑ عمر ساتیس نے سرسری سے الجھے میں پوچھا۔

”زندہ یا فردہ؟“ لڑکی نے بیٹی کے جواب دیا۔ ”اُسے مدائن میں لایا جائے گا۔ اگر زندہ ہوا تو تم اُس کا سر قلم ہوتا دیکھو گے“

تین چار روز گزرے تو یہ ادھیڑ عمر ساتیس لاہر ہو گیا۔ اُسے سب عیسائی عرب سمجھتے تھے۔ ہنس کھ اور طنسار آدمی تھا۔ صرف ایک ساتیس نے اُس کے متعلق بتایا کہ وہ کتنا تھا کہ وہ اپنے قبیلے میں واپس جانا چاہتا ہے جہاں وہ قبیلے کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑے گا۔ وہ اپنے خاندان کے اُن مشورین کا انتقام لینا چاہتا تھا جو وہ جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

”خالدہ عراق سے چلا گیا ہے“ عین التمر سے اُسے جوتے آدمی نے کہا۔ ”میں خود نہیں آیا، مجھے ششیر بن قیس نے بھیجا ہے۔ آپ اُسے جانتے ہوں گے۔ مسلمانوں کے سالار خالدہ نے عین التمر قبضہ کر کے وہیں کے سرکردہ افراد کو عمل مقرر کر دیا ہے۔ اُس کا اور باقی سب حملہ آور مسلمانوں کا سلوک مقامی لوگوں کے ساتھ اتنا اچھا ہے کہ سب اُن کے وفادار ہو گئے ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس موقع کی تلاش میں ہیں کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔ میں خود دیکھ رہا تھا کہ مسلمانوں کی فوج اچانک عین التمر سے نکل گئی۔“

”زر نشست کی قسم!۔“ بہن جاذویہ نے کہا۔ ”خالدہ اُن شکاریوں میں سے نہیں جتنوں میں اُسے جوتے شکار کو چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں.... کیا اُس کی ساری فوج ہمارے علاقے سے نکل گئی ہے؟“

”میں پوری خبر لا رہا ہوں سالار!۔“ اس آدمی نے کہا۔ ”عین التمر، حیرہ اور دوسرے شہروں میں جن پر مسلمانوں کا قبضہ ہے، مسلمانوں کی بہت تھوڑی فوج رہ گئی ہے اور ایک ایک سالار ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کا بلاشکر دوسرا سجدل چلا گیا ہے جہاں اُن کی کسی کے ساتھ لڑائی ہو رہی ہے۔ ششیر بن قیس نے مجھے آپ کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا ہے کہ یہ وقت پھر نہیں آئے گا۔ اس وقت اپنے مغزوہ علاقے مسلمانوں سے چھڑانے جاسکتے ہیں“

کچھ اور سوال و جواب کے بعد بہن جاذویہ کو یقین ہو گیا کہ یہ آدمی غلط خبر نہیں لایا۔ بہن کو معلوم تھا کہ دوسرا سجدل کتنی دُور ہے اور وہاں تک پہنچنے اور واپس آنے میں کتنا وقت لگتا ہے۔

”تم واپس چلے جاؤ“ بہن جاذویہ نے اس آدمی سے کہا۔ ”اور ششیر بن قیس سے کہنا کہ اتنا بڑا انعام تمہارے نام لکھ دیا گیا ہے جسے تم تصور میں بھی نہیں لا سکتے۔ ایک آدمی تمہارے پاس تاجر

کے روپ میں آئے گا۔ اُس کے ساتھ تمہاری بات ہوگی۔ وہ تمہارا سائل ہوگا۔ ہم بہت جلد حملے کے لیے آرہے ہیں۔ اندر سے دروازے کھولنا تمہارا کام ہوگا“

”کیا ہو گیا ہے سرسرم باپ؟“ بہن کی بیٹی نے عین التمر کے سوار کے جانے کے بعد بہن سے پوچھا۔ ”مسلمان کہاں چلے گئے ہیں؟“

”ادھ میری پیاری بیٹی!۔“ بہن نے بیٹی کو فریاد سرسرت سے گلے لگالیا اور پرجوش اور پر عزم آواز میں بولا۔ ”مسلمان وہیں چلے گئے ہیں جہاں سے آئے تھے۔ میں نے کہا تھا کہ وہ مدائن تک پہنچنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ انہوں نے جو فوج حاصل کر لی تھی کر چکے ہیں، اب ہماری باری ہے۔ اب میں اپنی بیٹی کو مسلمانوں کی لاشیں دکھاؤں گا“

”کب؟“ بیٹی نے بچوں کے سے استیفاق سے پوچھا۔ ”مجھے خالدہ کی لاش دکھانا محترم پڑا۔ یہاں سب کہتے ہیں کہ وہ انسانوں کے روپ میں آیا ہوا جن ہے۔“

بہن جاذویہ نے بڑی زور سے ہنسنے لگا۔

☆

بہن جاذویہ کا یہ ناخاتمانہ اور طنز یہ مقدمہ پہلے کسریٰ کے محلات میں پہنچا، وہاں سے سالاروں

☆

”مگر لشکر تیار نہیں۔“ بہمن جاذویہ نے کہا جو تجربہ کار سالار تھا شکست تو اس نے بھی کھائی تھی لیکن اس نے کچھ تجربہ حاصل کیا تھا۔
”کیا تم رہے ہو بہمن؟“ کسریٰ کے اس وقت کے جانشین نے کہا۔ ”کیا ہم نے اس لشکر کو اس لیے بلا لیا تھا کہ شکست کھا کر ہمارے پاس بھاگ آئے اور ہم ان سپاہیوں اور کمانداروں کو ساندوں کی طرح پالتے رہیں؟“

”اگر ان سپاہیوں اور کمانداروں کو سنا دینی ہے تو آج ہی کو بیچ کا حکم دے دیں۔“ بہمن جاذویہ نے کہا۔ ”اپنے لشکر کی حالت مجھ سے نہیں۔“

اس نے اپنے لشکر کی جو کیفیت بیان کی وہ، تو رنخوں اور لہجہ کے جنگی مبصروں کے الفاظ پر یوں تھی کہ فارس کی اس جنگی طاقت کے پرانے اور تجربہ کار سپاہیوں کی بیشتر نفری مسلمانوں کے ہاتھوں چارپانچ جھگول میں ماری جا چکی تھی یا جسمانی لحاظ سے معذور بلکہ اپانچ ہو گئی تھی۔ خاصی تعداد جنگی قیدی تھی اور لشکر کے جو سپاہی اور ان کے کمانڈر بچ گئے تھے وہ ذہنی طور پر معذور نظر آتے تھے۔ تین الفاظ مدینہ، خالد بن ولید اور سلمان، ان کے لیے خوف کا باعث بن گئے تھے۔ وہ فوری طور پر میدان جنگ میں جانے اور لڑنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ ان کا جوش اور جذبہ بری طرح مجروح ہوا تھا گھوڑوں کی بھی کمی واقع ہو گئی تھی۔

بہمن جاذویہ نے دربار خاص میں بتایا کہ جو عیسائی قبیلے ان کے اتحادی بن کر لڑے تھے، ان کی بھی یہی کیفیت ہے۔ مہراں بن بہرام نے انہیں عین التمر میں جو دھوکہ دیا تھا، اس کی وجہ سے وہ فارس والوں کے ساتھ ملنے سے انکار کر سکتے تھے۔

”پھر بھی انہیں ساتھ ملا لیا جائے گا۔“ بہمن جاذویہ نے کہا۔ ”لیکن اپنے لشکر کے لیے ہزار ہا جوان آدمیوں کی بھرتی کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنے لشکر میں نیا خون شامل کرنا پڑے گا۔ ان جوانوں کو ہم بتائیں گے کہ مسلمانوں نے ان کی شہنشاہی کو، ان کی غیرت کو اور ان کے مذہب کو لٹکا رہا ہے۔ اگر انہوں نے مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا نہ دیا تو ان پر زرتشت کا قبر نازل ہو گا۔ ان کی جوانی اور کمزاری بہنوں کو مسلمان اپنی لونڈیاں بنالیں گے۔“

”اتنے زیادہ لشکر کی کیا ضرورت ہے؟“ مہراں بن بہرام نے پوچھا۔ ”اطلاع تو یہی ملی ہے کہ ہر جگہ مسلمانوں کی نفری برائے نام ہے۔“

”ہر شہر اور ہر قلعے میں ہمارے اپنے آدمی موجود ہیں۔“ شیرزاد نے کہا۔ ”اس وقت وہ مسلمانوں کی ملازمت میں ہیں لیکن انہیں جب پتہ چلے گا کہ فارس کی فوج نے شہر کا محاصرہ کیا ہے تو۔۔۔“
”تو وہ اندر سے قلعے کے دروازے کھول دیں گے۔“ بہمن جاذویہ نے شیرزاد کی بات پوری کرتے ہوئے کہا۔ ”تم جھوٹی امیدوں کے سہارے لڑائی لڑنا چاہتے ہو؟ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہیں مسلمان اپنے مفتوحہ اور محکوم لوگوں کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی آدمی یونانی نہیں کرتا۔ اگر فوج اپنے مفتوحہ کی جوانی اور حسین بیٹیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے اور اس کی عزت اور اموال کو تحفظ دے تو مفتوحہ ایسے فاتح کے ساتھ کبھی یونانی نہیں کرے گا۔“

جس وقت شاہی اصطبل میں اس سائیس کی غیر حاضری کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں، اس وقت وہ مدائن سے دوڑ نکل گیا تھا۔ مدائن سے وہ شام کو نکلا تھا جب شہر کے دروازے ابھی کھلے تھے۔ اس کے پاس اپنا گھوڑا تھا کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ عیسائی نہیں مسلمان تھا اور وہ اسی علاقے کا رہنے والا تھا جس پر ایران کے آتش پرستوں کا قبضہ رہا تھا۔ وہ ثنی بن حارثہ کا چچا یا مارجاسوس تھا۔ اس نے مدائن میں جا کر شاہی اصطبل کی نوکری حاصل کر لی تھی۔

بہمن جاذویہ کی بیٹی سے اس نے عراق سے خالد اور ان کے لشکر کی روانگی اور مدائن کے سالاروں کے عزائم کی تفصیل سنی تو وہ اسی شام مدائن سے نکل آیا۔ یہ اطلاع بہت قیمتی تھی۔ سورج نے غروب ہو کر جب اس کے اور مدائن کی شہنشاہ کے درمیان سیاہ پردہ ڈال دیا تو اس مسلمان جاسوس نے گھوڑے کو اڑا لگا دی۔ اس کی منزل انبار تھی جہاں تک وہ اڑ کر پہنچنے کی کوشش میں تھا جہاں گھوڑا تھکتا محسوس ہوتا، وہ اس کی رفتار کم کر دیتا۔ صرف ایک جگہ اس نے گھوڑے کو پانی پلایا۔

اگلے روز کا سورج افق سے اٹھ آیا تھا جب وہ انبار میں داخل ہوا اور کچھ دیر بعد وہ سالار زرقان بن بدر کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ہنس رہا تھا۔ اس نے دیکھتے ہوئے سنا کہ مدائن میں کیا ہو رہا ہے۔ ”میں اسی روز آجاتا جس روز مجھے بہمن جاذویہ کی بیٹی سے یہ خبر ملی تھی۔“ اس نے سالار زرقان سے کہا۔ ”لیکن میں وہاں تین دن یہ دیکھنے کے لیے ڈکارا کہ دشمن کیا تیاریاں کر رہا ہے اور وہ سب سے پہلے کہاں حملہ کرے گا۔“

اس جاسوس نے جسے تاریخ نے ”ایک جاسوس“ لکھا ہے، مدینہ کی فوج کے سالار زرقان بن بدر کو تفصیلی رپورٹ دی، وہ تاریخ کا حصہ ہے اور تقریباً ہر تورخ نے بیان کیا ہے۔ خالد جب عین التمر سے سالار حیاض بن غنم کی مدد کے لیے دوستانہ اہمیدل کو روانہ ہوتے تو عین التمر سے ایک عیسائی عرب نے مدائن اطلاع بھیج دی کہ خالد عراق سے چلے گئے ہیں۔ ان کی منزل دوستانہ اہمیدل بتائی گئی۔ اس سے مدائن کے تجربہ کار سالار بہمن جاذویہ نے یہ راستے قائم کی کہ مسلمان تاخت و تاراج اور لوٹ مار کرنے آتے تھے اور اپنے کچھ دستے برائے نام قبضہ برقرار رکھنے کے لیے پیچھے چھوڑ کر چلے گئے اور یہ دستے ذرا سے دباؤ سے بھاگ اٹھیں گے۔

اس زمانے میں اکثر یوں ہوتا تھا کہ کوئی بادشاہ بہت بڑی فوج تیار کر کے طوفان کی مانند یکے بعد دیگرے کئی ملکوں پر چڑھائی کرتا اور قتل عام اور لوٹ مار کرتا اپنے پیچھے کھنڈر اور لاشوں کے انبار چھوڑ جاتا تھا۔ وہ کسی بھی ملک پر مستقل طور پر قبضہ نہیں کرتا تھا۔ مدائن کے محل میں خالد نے کے کوئچ کے متعلق ہی راستے قائم کی گئی لیکن خالد نے عراق میں فارس کے جو مقبوضہ شہر اور بڑے قلعے فتح کیے تھے، وہاں وہ ایک ایک سالار اور کچھ دستے چھوڑ گئے تھے۔ یہ ضرورت حال کسریٰ کے سالاروں کو کچھ پریشان کر رہی تھی۔

”فوج کو مدائن سے نکالو اور حملے پر حملہ کرو۔“ کسریٰ کے دربار سے حکم جاری ہوا۔
”ہم تیار ہیں۔“ شیرزاد نے کہا جو حاکم سباط تھا اور انبار سے مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگا تھا۔
”ہم باطل تیار ہیں۔“ مہراں بن بہرام نے کہا جو عین التمر کا بھگوتا تھا۔

”خالد یہاں نہیں“۔ مہراں بن ہرام نے کہا۔ ”وہ جا چکا ہے“۔
 ”جہاں کہیں بھی ہے“۔ عیسائی سردار نے کہا۔ ”زندہ تو ہے۔ ہم پہلے اُس کے ان دستوں کو ختم کریں گے جو یہاں ہیں، پھر ہم خالد بن ولید کے پیچھے جائیں گے۔ وہ خود آجائے گا۔ وہ قتل کی مدد کو ضرور آئے گا لیکن یہاں موت اُس کی منتظر ہوگی“۔
 یہ مسلمان جاسوس مدائن میں عیسائی بن کر شاہی اصطبل میں نوکری کرتا رہا تھا اس لیے وہ عیسائیوں میں گھل مل گیا تھا۔ اُس نے سالار زبیر بن بدر کو بتایا کہ آتش پستول کی نسبت عیسائی قبیلے خالد کے زیادہ دشمن بنے ہوئے ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے فارس کے سالاروں سے کہا کہ وہ پیچھے رہیں مسلمانوں پر پہلا وار عیسائی قبیلے، بنی تغلب، ہمزاد اور یاد کریں گے۔

☆

سالار زبیر بن بدر نے مدائن کی رپورٹ سنی اور اُسی وقت دو قاصد بلائے۔ انہیں کہا کہ دو بہترین گھوڑے لیں اور آگے ہوتے دو مسند اکبند لے سکیں۔ زبیر بن بدر نے انہیں خالد کے نام زبانی پیغام دیا۔

”... اور سالار اعلیٰ ابن ولید سے یہ بھی کہنا کہ جب تک انہاں میں آخری مسلمان کی سانسیں چل رہی ہوں گی، دشمن شہر کے اندر نہیں آسکے گا“۔ زبیر بن بدر نے قاصدوں سے کہا۔ ”تو آجائے گا تو ہمیں سہولت ہو جائے گی۔ ہمیں اس کو گے تو وہ اللہ ہمارے ساتھ ہے جس کے رسول کا پیغام ہم پر نہیں نیون میں لیے یہاں تک آتے ہیں۔ اور ابن ولید سے کہنا کہ دو مسند اکبند کی صورت حال بھیجے آئے دیتی ہے تو آگے اور وہاں مشکل میں پھنسا ہوا ہے تو ہمیں اللہ کے سپرد کر، ہم اُسی طرح لڑیں گے جس طرح تیری شمشیر کے ساتے تلے لڑتے رہے ہیں“۔

ان قاصدوں کو روانہ کر کے سالار زبیر بن بدر نے چند ایک اور قاصدوں کو بلایا اور ہر ایک کو اُس کی منزل بتائی۔ ان قاصدوں کو اُن شہروں میں جانا اور وہاں کے سالاروں کو بتانا تھا کہ خالد کی غیر فاضل سے آتش پستول نے کیا تاثر لیا ہے اور وہ حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ پیغام میں زبیر بن بدر نے یہ بھی کہا کہ اُس نے دو مسند اکبند کو قاصد بھیج دیا ہے، اگر وہاں سے مدد نہ آئی تو ہم ایک دوسرے کی مدد کو پہنچنے کی کوشش کریں گے۔

مسلمانوں کے لیے بڑی خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ دشمن کے مقابلے میں نفری پہلے ہی مٹھوڑی تھی۔ وہ بھی بکھری ہوئی تھی۔ اس صورت میں کہ دشمن ایک وقت تمام اُن شہروں کو جن پر مسلمانوں کا قبضہ تھا، محاصرے میں لے لیتا تو مسلمان ایک دوسرے کی مدد کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔ دونوں طرف بے پناہ سرگرمی شروع ہو گئی۔ عیسائی قبیلوں کے سرداروں نے اُسی جاکر لوگوں کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ وہ ان چھوٹے چھوٹے قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملا رہے تھے جو عیسائی نہیں تھے۔ وہ بت پرست تھے عیسائیوں کی جوان لڑکیاں بھی غیر مسلم بچوں میں چلی گئیں۔ وہ خورقوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے لگے کہ وہ اپنے مردوں کو، جوان بھائیوں اور بیٹیوں کو باہر لیں ورنہ تمام جوان لڑکیوں کو مسلمان اپنے ساتھ لے جا کر لونڈیاں بنالیں گے۔ ایسے نعرے بھی ان لڑکیوں نے لگاتے

”نہ سہی!۔ شاہی خاندان کے کسی فرد نے کہا۔ ”اتنے زیادہ لشکر کی پھر بھی ضرورت نہیں“۔
 ”یہ ان سالاروں سے پوچھیں جو مسلمانوں سے شکست کھا کر آتے ہیں“۔ بہمن جاذویر نے کہا۔
 ”میں تو کہتا ہوں کہ مسلمان جتنے مٹھوڑے ہوتے ہیں اتنے ہی زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔ میں کوئی خطرہ محسوس نہیں لینا چاہتا۔ یہ بھی خیال رکھیں کہ مسلمان قلعہ بند ہوں گے۔ انہیں زیر کرنے کے لیے ہمارے پاس دس گنا نفری ہونی چاہیے۔ میں اپنی جوانی کا رروائی کو فیصلہ کن بنانا چاہتا ہوں۔ یہ خیال بھی رکھو کہ ہم ایک دن میں مقبوضہ شہر مسلمانوں سے واپس نہیں لے سکتے۔ مسلمان جہاں مقابلے میں ہم گئے وہاں ہمیں مہینوں تک باندھ لیں گے۔ اس عرصے میں خالد اپنے لشکر کے ساتھ واپس آسکتا ہے۔ اُس کے واپس آ جانے سے ضرورت حال بالکل ہی بدل جائے گی۔ اگر ہمارے لشکر کی نفری کم ہوئی تو اس جنگ کا پانسہ ٹپٹ سکتا ہے ہم لشکر تیار کر کے اسے کئی حصوں میں تقسیم کریں گے اور ایک ہی وقت ہر جگہ حملہ کریں گے“۔

”کیا خالد کے خاتمے کا کوئی انتظام نہیں ہو سکتا؟“۔ کسریٰ کے جانشین نے پوچھا۔

”یہ انتظام بھی میرے پیش نظر ہے“۔ بہمن جاذویر نے کہا۔ ”وہیچہ جمال کے لیے یہ تبرخہ گھوڑا سوار ہر طرف پھیلا دوں گا۔ خالد جہدہ سے بھی آئے گا۔ مجھے اطلاع مل جائے گی میں اُسے عراق سے دور روک لوں گا“۔

☆

بہمن جاذویر کو وسیع اختیارات مل گئے۔ اُس نے اپنے لشکر میں اُن سپاہیوں کو زیادہ ترجیح دی جو مسلمانوں سے لڑ چکے تھے۔ اس کے ساتھ ہی نئی بھرتی شروع کر دی۔ نوجوانوں کو ایسا بھڑکایا کہ وہ ہتھیاروں اور گھوڑوں سمیت لشکر میں آئے لگے۔ عیسائیوں کو زیادہ مراعات دے کر فوج میں شامل کیا گیا۔

عیسائی قبیلوں کے سرداروں کو مدائن بلایا گیا اور انہیں بتایا گیا کہ خالد اپنے لشکر کو عراق سے نکال لے گیا ہے اور جو مسلمان فوج پیچھے رہ گئی ہے اسے ہمیں ختم کرنا ہے اور زندہ بچ رہنے والے مسلمانوں کو صحرا میں بھینک بھینک کر مرنے کے لیے چھوڑ دینا ہے۔

”بنی تغلب سے اب یہ توقع نہ رکھو کہ وہ تمہاری لڑائی لڑیں گے“۔ عیسائی قبیلے بنی تغلب کے ایک سالار نے فارس کے سالاروں سے کہا۔ ”ہم ایک بار پھر وہ دھوکہ نہیں کھانا چاہتے جو ایک بار کھا چکے ہیں۔ عین اتر سے مہراں بن ہرام اپنی ساری فوج لے کر بھاگ نہ آتا تو مسلمان وہیں ختم ہو جاتے۔ ہم اپنی لڑائی لڑیں گے جبیں مسلمانوں سے اپنے سردار عتبر بن ابی عتقہ کے خون کا انتقام لینا ہے ہم ساری مدد و تمھارے ساتھ کے بغیر مسلمانوں کو شکست دے سکتے ہیں“۔

”کیا تم اپنی لڑائی الگ لڑو گے؟“۔ بہمن جاذویر نے پوچھا۔ ”کیا ایسا نہیں ہو گا کہ مسلمان ہم دونوں کو الگ الگ شکست دے دیں؟“۔

”لڑیں گے تمھارے دوش بدوش ہی!۔ بنی تغلب کے سردار نے کہا۔ ”میرے عقل میرے قابو میں ہے۔ ہمارا دشمن مشترک ہے۔ ہم تمھارے ساتھ ہوں گے لیکن تم پر بھروسہ نہیں کریں گے۔ ہمیں خالد کا سر چاہیے“۔

”ہم مسلمانوں کی کوئی بے جا ہرجائی نہیں کرتے۔“ اور دوسرا نعرہ چلا دیا۔ ”جی ہاں، یہ سب اللہ کا حکم ہے۔“

اُدھر مدائن میں فارس کے لشکر کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی۔ اب لشکر میں شامل ہونے والوں میں زیادہ تعداد نوجوانوں کی تھی جو جوش سے کھلے جا رہے تھے۔ انہیں میدان جنگ میں لڑنے کی تربیت دی جا رہی تھی۔ گھوڑسواری، تیراندازی، تیغ زنی اور نیزہ بازی تو وہ جانتے تھے، ان میں انہیں مزید طاق کیا جا رہا تھا۔ بہن جاذبہ تو جیسے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ وہ خود لشکر کی تربیت اور مشقوں کی نگرانی کرتا تھا۔ اُس کے ساتھی سالار اُسے کہتے تھے کہ حملہ جلدی ہونا چاہیے لیکن وہ نہیں مانتا تھا۔ کہتا تھا کہ خالدؓ واپس نہیں آئے گا۔ اگر اُسے واپس آنا ہی ہو تو لشکر کے ساتھ اُس وقت یہاں پہنچے گا جب عراق کی زمین پر کھڑا ہونے کے لیے اُسے ایک بالشت بھی زمین نہیں ملے گی۔

مسلمان جن شہروں پر قابض تھے، وہاں کی سرگرمی اپنی نوعیت کی تھی۔ ہر شہر میں مسلمانوں کی تعداد بہت بھڑک رہی تھی۔ انہوں نے کم تعداد سے قلعوں کے دفاع کی مشق شروع کر دی تھیں۔ لاکھوں کے حساب سے تیار اور پھینکے والے برچھے تیار ہو رہے تھے۔ سالاروں نے مجاہدین کا ایک ایک چھاپا مارچش تیار کر لیا تھا۔ انہیں زیادہ وقت قلعوں کے باہر گزارنا اور عام راستوں سے دور رہنا تھا۔ ان کا کام یہ تھا کہ دشمن شہر کا محاصرہ کر لے تو منتخب سے اُس پر ضرب لگاؤ اور جگہ کو کھولنے کے اصول پر چھاپے اور شہر بھر دے دیں۔

خالدؓ کی غیر حاضری میں سالار عام بن کر مدائن کے بھائی قنقاع بن عمروؓ کو مدائن کے علاقوں میں مختلف شہروں میں مقیم دستوں کے سالار تھے۔ اُس کا ہیڈ کوارٹر حیرہ میں تھا۔ اُس کی ذمہ داری صرف حیرہ کے دفاع تک محدود نہیں تھی۔ عراق کے تمام تر مفتوحہ علاقے کا دفاع اُس کی ذمہ داری میں تھا۔ اُس نے اس علاقے میں بکھرے ہوئے تمام سالاروں کو ہدایت بھیج دی تھیں۔ اُس نے سب کو زور دے کر کہا تھا کہ دوستہ ابجدل سے خالدؓ اور اپنے لشکر کے انتظار میں نہ بیٹھے رہیں۔ اپنے اللہ پر بھروسہ رکھیں اور یہ سمجھ کر لڑنے کی تیاری کر لیں کہ اُن کی مدد کو کوئی نہیں آئے گا۔

قنقاع نے ایک کارروائی یہ کہ خالدؓ نے جو دستے دیاتے فرات کے پانچیمہ زن کتے تھے، ان میں سے زیادہ تر نفری کو حیرہ میں بلالیا تاکہ اس شہر کے دفاع کو مضبوط کیا جاسکے۔ قنقاع کا اپنا جاسوسی کا نظام تھا۔ اس کے ذریعے قنقاع کو اطلاع ملی کہ فارس کا لشکر کہاں کہاں جمع ہوگا۔ یہ دو جگہیں تھیں۔ ایک حصد اور دوسری خنافس۔ یہ دونوں مقام انبار اور عین اہتر کے درمیان تھے۔ قنقاع نے اپنے ایک دستے کو حصد اور دوسرے کو خنافس اس ہدایت کے ساتھ بھیج دیا کہ فارس کی فوج وہاں آئے تو اس پر نظر رکھیں اور فوج کی طرف پیش قدمی کرے تو اُس پر چھاپے مدین اور اس پیش قدمی میں رکاوٹ ڈالتے رہیں۔ شہر بھر دے دیں۔

یہ دونوں دستے جب ان مقامات پر پہنچے تو دونوں جگہوں پر فارس کے ہراول کے دستے آئے ہوئے تھے۔ وہ جو نیمے گاڑ رہے تھے، ان سے پتہ چلا تھا کہ یہ نیمے کسی بہت بڑے لشکر کے لیے

گاڑے جا رہے ہیں۔ مسلمان دستوں نے ان کے سامنے اُسی انداز سے نیمے گاڑنے شروع کر دیے جیسے وہ بھی بہت بڑے لشکر کا ہراول ہوں۔

☆

ادھر یہ تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مجاہدین اسلام کو خس و خاشاک کی مانند اڑا دینے کے لیے ہر ایسی نیند طوفانی اُٹھ کھڑا ہوا تھا، اُدھر سالار زبیرؓ بن بدرؓ کے روانہ کئے ہوئے دونوں قاصد دوستہ ابجدل خالدؓ کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے ساڑھے تین سو میل فاصلہ صرف پانچ دنوں میں طے کیا تھا۔ خالدؓ جب دوستہ ابجدل گئے تھے تو انہوں نے تین سو میل فاصلہ دس دنوں میں طے کیا تھا۔ اب دو قاصدوں نے ساڑھے تین سو میل سے زیادہ چھرائی اور دشوار مسافت پانچ دنوں میں طے کی۔ جھوک اور پیاس سے اُن کی زبانیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ اُن کے چروں پر باریک ریت کی تہہ جم گئی تھی۔ اُن کی زبانیں اُڑا گئی تھیں۔ انہوں نے پھر بھی بولنے کی کوشش کی۔

”تم پر اللہ کی رحمت ہو“۔ خالدؓ نے کہا۔ ”لشکر حبشوں سے تم کیسے بول سکو گے؟“

انہیں کھلایا بلایا گیا تو وہ بولنے کے قابل ہوئے۔

”سالار اعلیٰ کو انبار کے سالار زبیرؓ بن بدرؓ کا سلام پہنچے۔“ ایک قاصد نے کہا۔

”وعلیکم السلام!“۔ خالدؓ نے پوچھا۔ ”اور وہ یہ پیام کیا ہے جو لاتے ہو؟“

”مدائن میں بہت بڑا لشکر تیار ہو رہا ہے۔“ قاصد نے کہا۔ ”اور ایک لشکر عیسائی قبیلوں کا تیار ہو رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں ابن ولیدؓ اُن کے علاقوں سے چلا گیا ہے اور وہ تھوڑے سے جو دستے چھوڑ

گیا ہے انہیں ایک ہی حملے میں ختم کر کے اپنے علاقے واپس لیں گے۔“

دونوں قاصدوں نے خالدؓ کو تمام تر تفصیل بتائی اور کہا کہ خالدؓ کو دوستہ ابجدل کے حالات اجازت

ندیں تو نہ آئیں، دستے جو فارس کی شہنشاہی کے علاقے میں ہیں وہ اُسی طرح لڑیں گے جس طرح خالدؓ

کی قیادت میں لڑے تھے۔

خالدؓ دوستہ ابجدل پر قبضہ مکمل کر چکے تھے۔ انہوں نے دماں کا انتظام ایک نائب سالار کے

حوالے کیا اور فوری طور پر کونج کا حکم دے دیا۔

”خدا کی قسم!“۔ موزنوں کے مطابق خالدؓ نے ان انہی میں قسم کھائی۔ ”بنی تغلب پر اس طرح

بھینٹوں گا کہ کچھ بھی وہ اسلام کے خلاف اٹھنے کے قابل نہیں رہیں گے۔“

موزنوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے مجاہدین سے کہا کہ اتنی تیز چلو کہ چوکی جواتیں پیچھے رہ جائیں پسینے

گھوٹوں سے آگے نکل جائیں۔ یہ ایک امتحان ہے جو بڑی سخت ہے۔ یہ ایک دوڑ جیسی آتش پرستوں

اور حق پرستوں کے آتش پرستوں کو اپنے ہی علاقے میں پہنچانا تھا اور یہ مسافت کچھ بھی نہیں تھی۔ حق پرست بڑی دور

چلے تھے۔ اُن کے سامنے سینکڑوں میلوں کی مسافت ہی نہیں تھی، بڑا نظام صحرا تھا میل بہ میل کی وسعت

میں صحرائی شیلے تھے اور باقی سب ریت کا سمندر تھا۔ سب سے بڑا مسئلہ پانی کا اور اس سے بڑا مسئلہ

نقد کا تھا جو کم نہیں کی جاسکتی تھی۔ تاہم کون کونسا مسئلہ تھا۔

چاند اور ستاروں نے انہیں چلتے دیکھا۔ سورج نے انہیں چلتے دیکھا۔ صحرائی آدمی بھی انہیں

ایسی ایک اور رات فارس کے لشکر نے گاتے بجاتے اور پیٹے پلاتے گزار دی صبح ابھی سورج نہیں نکلا تھا اور خضید کی خیمہ گاہ میں مدائن کے لشکر کا ایک حصہ سویا ہوا تھا۔ انہیں جاگنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ مسلمانوں میں ہیں اور تمنا دہیں اتنے تھوڑے کہ وہ باہر آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ انہوں نے دیکھا تھا کہ ان کے کچھ دوسروں نے ان کو جو ڈیرے ڈالے تھے وہ واپس چلے گئے ہیں مسلمان ایک شام پہلے وہاں سے آگئے تھے۔

آتش پرستوں کی خیمہ گاہ کے سنتری جاگ رہے تھے یا چند ایک وہ لوگ بیدار تھے جو گھوڑوں کے آگے چارہ ڈال رہے تھے۔ پہلے سنتریوں نے دوا پلا بکھا پھر گھوڑوں کو چارہ وغیرہ ڈالنے والے چلانے لگے۔ ”ہوشیار... خیردار... مدینہ کی فوج آگئی ہے“۔ خیمہ گاہ میں ہر لوگ بچ بچتی یہاں ہتھیاروں کی طرف پکے۔ سوار اپنے گھوڑوں کی طرف دوڑے لیکن مسلمان صحرائی اندھی کی مانند آ رہے تھے۔ ان کی تعداد آتش پرستوں کے مقابلے میں بہت ہی تھوڑی تھی لیکن یہ غیر متوقع تھا کہ وہ حملہ کریں گے۔

مسلمانوں کی تعداد صرف پانچ ہزار تھی۔ ان کا سالار قنقار بن عمرو تھا۔ گذشتہ شام خالدؓ نے لشکر سمیت پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے آرام کرنے کی بجائے صورت حال معلوم کی۔ انہوں نے شام کو ان مختصر سے دستوں کو خضید اور خنافس سے واپس بلایا تھا۔ اس سے آتش پرستوں کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ وہ یہ سمجھے کہ مسلمان ان کے اتنے بڑے لشکر سے مرعوب ہو کر بھاگ گئے ہیں۔

خالدؓ نے دوسرا اقدام یہ کیا کہ پانچ ہزار نفری ایک اور سالار ابولیلہ کو دی اور اسے مدائن کے اس لشکر پر حملہ کرنے کو روانہ کیا جو خنافس کے مقام پر خیمہ زن تھا۔

”اتم پر اللہ کی رحمت ہو میرے دوست! خالدؓ نے ان دونوں سالاروں سے کہا۔ ”تم دونوں صبح طلوع ہو تے ہی بیک وقت اپنے اپنے ہدف پر حملہ کرو گے۔ خنافس خضید کی نسبت دُور ہے۔ ابولیلہ! تجھے تیرے چلنا پڑے گا کہ کیا تم دونوں سمجھتے ہو کہ دونوں لشکروں پر ایک ہی وقت کیوں حملہ کرنا ہے؟“ اس لیے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کو نہ جا سکیں۔“ قنقار بن عمرو نے جواب دیا۔ ”ابن لیلہ! تیری اس چال کو ہم ناکام نہیں ہونے دیں گے۔“

”فتح اور شکست اللہ کے اختیار میں ہے“ خالدؓ نے کہا۔ ”تمہارے ساتھ صرف پانچ ہزار سوار اور پیادے ہیں دشمن کی تعداد کو دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ یہ لڑائی نہیں ہوگی، یہ چھاپہ ہوگا۔ اتنے بڑے لشکر پر اتنے کم آدمیوں کا حملہ چھاپہ ہی ہوتا ہے۔۔۔ وقت بہت کم ہے میرے رفیقو! جاؤ۔ میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔“

خالدؓ خود عین التمر میں اس خیال سے تیاری کی حالت میں رہے کہ عیسائی قبیلے جو تھی اور ذیل میں اکٹھے ہو رہے تھے وہ فارس کے لشکر کے ساتھ جاٹنے کو چلیں تو انہیں وہیں اُجھا لیا جائے۔ تو رنوں نے لکھا ہے کہ یہ خالدؓ کی جنگی ذہانت کا کام تھا کہ انہوں نے دشمن کی اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی کہ اس کا لشکر ابھی چار حصوں میں بٹا ہوا چار مختلف مقامات پر تھا۔ ان چار حصوں کو یکجا ہونا تھا۔ خالدؓ نے ایسی چال چلی کہ چاروں حصے الگ الگ رہیں اور ایک دوسرے کی مدد کو نہ پہنچ سکیں اور ہر ایک کو الگ الگ شکست دی جائے۔

مزدک کی آمدھی، سورج، بیاس اور بھوک جسموں کو مندور کیا کرتی ہے۔ وہ جو پیٹے صوفیوں میں پیاس مزہلاتے ہیں وہ جسم ہوتے ہیں، اور وہ جو خالدؓ کی قیادت میں دوسرے انجندل سے چلے تھے وہ اپنے جسموں سے دستبردار ہو گئے۔ ان کی قوت ارادی کا اور قوت انہائی کا کرشمہ یہ تھا کہ انہوں نے جسمانی ضروریات سے نگاہیں پھیلیں اور روحانی قوتوں کو بیدار کر لیا تھا۔ ان کی زبان پر اللہ کا نام تھا، دلوں میں ایمان اور یقین ٹھم تھا۔ اپنی ہی آواز ان پر وجد طاری ہو رہی تھی۔

جنگی ترانے گانے والے لشکر کے وسط میں اونٹوں پر سوار تھے۔ ان کی آواز آگے بھی اور پیچھے بھی جاتی تھی۔ لشکر کے قدم دفوں اور نفیروں کی تال پر آٹھتے تھے اور یہ تال بڑی تیز تھی۔ کچھ فاصلے طے کر کے ترانے اور دف خاموش ہو جاتے اور تمام لشکر کلمہ طیبہ کا ورد بلند آواز میں شروع کر دیتا۔ ہزار ہا تپتوں کی آواز ایک ہوجاتی پھر یہ آواز ایک گونج بن جاتی اور یوں لگتا جیسے صحرا اور صحرائی کیلوں پر وجد طاری ہو گیا ہو۔

اسلام کے خدایتوں کا لشکر اپنی ہی آواز سے صحرا ہوتا چلا جا رہا تھا۔

☆

بہن جاذویر نے اپنے تیار کیے ہوئے لشکر کو آخری بار دیکھا اور اسے دھتور میں تقسیم کر کے ایک حصے کو خضید کی طرف اور دوسرے کو خنافس کی طرف روانہ کر دیا۔ اب اُس نے کمان سے سالاروں کو دی تھی خضید والے حصے کا سالار روزبہ تھا اور خنافس والے حصے کا زہرہ۔ ان کے لیے حکم تھا کہ اپنے اپنے مقام پر جا کر خیمہ زن ہو جائیں اور بنی تغلب اور دوسرے عیسائی قبیلوں کے لشکر کا انتظار کریں بقنقار کے جاسوس نے صحیح اطلاع دی تھی کہ مدائن کے لشکر خضید اور خنافس کو اجتماع گاہ بنائیں گے اور اگلی کارروائی یہیں سے کریں گے۔

عیسائیوں کا لشکر ابھی پوری طرح تیار نہیں ہوا تھا تو رنوں نے لکھا ہے کہ ایرانیوں کی طرح عیسائی بھی دھتور میں تیار ہو رہے تھے۔ ایک کارسوار ہندیل بن عمران تھا اور دوسرے کاربیدہ بن بجزیرہ لشکر خضید اور خنافس سے کچھ دُور دو مقامات ٹٹنی اور ذیل پر جمع ہو رہے تھے۔

مدائن کے لشکر کے دھتور اور عیسائیوں کے دھتور کو یکجا ہونا تھا۔ یہ بہت بڑی جنگی طاقت تھی مسلمانوں کی تعداد ہر جنگ میں دشمن کے مقابلے میں بہت تھوڑی رہی ہے لیکن اب مسلمان آٹے میں نمک کے برابر لگتے تھے۔ اسلام کے فدا یوں کا سامنا اتنے بڑے لشکر سے کبھی نہیں ہوا تھا۔

ان چاروں خیمہ گاہوں میں رات کو سپاہی اس طرح ناپختہ اور گاتے تھے جیسے انہوں نے مسلمانوں کو بڑی بڑی شکست دے دی ہو۔ انہیں اپنی فتح صاف نظر آرہی تھی۔ حالات ان کے حق میں تھے، نفری ان کی بے پناہ تھی، ہتھیار ان کے بہتر تھے۔ گھوڑوں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ انعام و اکرام جو انہیں پیش کئے گئے تھے پہلے کبھی نہیں کئے گئے تھے۔ مال غنیمت کے متعلق انہیں بتایا گیا تھا کہ سب ان کا ہوگا۔ ان سے کچھ نہیں لیا جاتے گا۔

ان میں صرف ان پرانے سپاہیوں پر تنجید کی سی چھائی ہوتی تھی جو مسلمانوں کے ہاتھ دیکھ چکے تھے۔ وہ جب کوئی سنجیدہ بات کرتے تھے تو نوجوان سپاہی ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

ایمان کی قوت ہے، نہیں اس کا اجر خدا دے گا.... اب میں تمہیں ایک بڑے ہی کٹھن امتحان میں ڈال رہا ہوں۔

”ابن ولید! — سالار قنقاع بن عمرو نے خالد کو لوگ دیا۔ ”کیا اتنی باتوں کو ضروری سمجھتا ہے؟ رت کعبہ کی قسم، ہم اس اللہ کے حکم سے لڑ رہے ہیں جس نے تجھے ہمارا امیر بنایا ہے، حکم دے کہ ہم آگ میں کود جائیں پھر ہمارے جسموں کو جلتا ہوا دیکھیں۔“

”تجھ پر خدا کی رحمت ابن عمرو! — خالد نے کہا۔ ”میں نے یہ باتیں اس لیے ضروری سمجھی تھیں کہ میں تمہیں آگ میں کودنے کا حکم دینے والا ہوں۔ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی مجاہد یہ نہ کہے کہ ولید کے بیٹے نے بڑا ظالم حکم دے دیا تھا.... میرے رفیقو! میں جان کی بازی لگاتی ہے۔ تمام مجاہدین سے کہو کہ تمہارے صبر اور استقلال کا ایک اور امتحان باقی ہے اور اسے اللہ کا حکم سمجھنا۔“

خالد نے اپنی جو سیکم سب کو بتائی وہ یہ تھی کہ دشمن پر رات کے وقت تین اطراف سے حملہ کرنا ہے اور حملے کے مقام تک اتنی خاموشی سے پہنچنا ہے کہ دشمن کو خبر نہ ہو۔ پاتے خالد نے اپنی تمام فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصے میں تقریباً پانچ ہزار سوار اور پیادے تھے۔ یہ تینوں حصے ایک جگہ نہیں بلکہ ایک دوسرے سے دور مختلف جگہوں پر تھے۔ خضید بن خنافس اور عین التمر — ان سب کو اپنے مقام سے مقررہ راستوں سے مضیق تک پہنچانا تھا۔ خالد نے حملے کی رات بھی مقرر کر دی تھی اور مقام بھی جو مضیق میں دشمن کی اجتماع گاہ سے کچھ دور تھا۔ تینوں حصوں کو رات کے وقت اس مقام پر پہنچنا تھا۔ مضیق میں دشمن کا جو لشکر خمیر زن تھا، اس کی تعداد کے متعلق تو رخنوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دشمن کی تعداد ساٹھ اور ستر ہزار کے درمیان تھی۔ اس پر حملہ کرنے والے مجاہدین کی تعداد پندرہ ہزار تھی۔



اس قسم کی سیکم کو پانچ تیکم تک پہنچانا ناممکن کی حد تک مشکل تھا۔ پانچ ہزار کے لشکر کے لیے سفر کے دوران خاموشی برقرار رکھنا آسان کام نہیں تھا لیکن بڑی سختی سے خاموشی برقرار رکھنی تھی۔ دوسری مشکل خالد کے لیے تھی۔ وہ خود عین التمر میں تھے جہاں ان کی فوج کا صرف ایک حصہ تھا۔ دوسرے دو حصوں کو خضید اور خنافس سے چلنا تھا۔ انہیں قاصدوں کے ذریعے اپنے رابطے میں رکھنا تھا کہ حملے والے مقام پر بروقت پہنچ سکیں۔

جورات مقرر کی گئی تھی وہ نومبر ۶۳۳ء کے پہلے (شعبان ۱۲ ہجری کے چوتھے) ہفتے کی ایک رات تھی۔ خالد کے مجاہدین کے تینوں حصے اپنے مقام سے چل پڑے۔ گھوڑوں کے منہ باندھ دیئے گئے تھے۔ تینوں حصوں نے یہ انتظام کیا تھا کہ چند ایک آدمی لشکر کے آگے اور واپس بائیں جا رہے تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ کوئی بھی آدمی راستے میں مل جائے اسے پکڑ لیں تاکہ وہ دشمن تک خبر نہ پہنچا سکے۔ دشمن کے بیدار ہو جانے کی صورت میں مجاہدین کی کامیابی محدود ہو جاتی اور دشمن گھات بھی لگا سکتا تھا۔

لڑنی تھی۔

اس انتظار میں کہ دشمن حملے میں پہل کرے، خضید سے بھاگے ہوئے سپاہی خنافس کی خبر گاہ میں پہنچنے لگے۔ سب سے پہلے گھوڑا سوار آئے۔ ان میں بہت سے زخمی تھے۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ بلاوجہ نہیں بھاگے، انہوں نے مسلمانوں کے لشکر کی تعداد اور ان کے لڑنے کے قدر غضب کو مبالغے سے بیان کیا اور ایسی وحشت پھیلائی کہ خنافس کے لشکر کا حوصلہ لڑے بغیر ہی ٹوٹ گیا۔ جنگوڑوں نے یہ خبر بھی سنائی کہ خالد اپنے لشکر کے ساتھ آگیا ہے۔

خنافس والے لشکر کی کان اب ایک اور آتش پرست سالار مہوزان کے پاس تھی۔ زیادہ تو رخنوں نے لکھا ہے کہ مہوزان اور دیگر تمام سالاروں کو یہ بتایا گیا تھا کہ مسلمان قلعوں میں بند ہیں اور ان کی نفری بہت تھوڑی ہے اور یہ بھی کہ خالد چاہتا ہے، لہذا قلعوں پر حملے کر کے مسلمانوں کو ختم کر دینا ہے۔ اب صورت حال بالکل ہی بدل گئی تھی۔ مدائن کے سالار مہوزان نے روزہ کے لشکر کی حالت سنی اور اپنے لشکر کی ذہنی حالت دیکھی اور یہ سنا کہ خالد اپنے لشکر کو لے کر آگئے ہیں تو اس نے لڑائی کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا۔

ابولہی نے بغیر لڑے فتح حاصل کر لی۔ اس نے اپنے ایک دو آدمی مہوزان کے لشکر کے پیچھے بھیجے کہ وہ چھپتے چھپاتے جائیں اور دیکھیں کہ یہ لشکر کہاں جاتا ہے۔



خالد عین التمر میں تھے۔ انہیں پہلی اطلاع یہ ملی کہ خضید کا لشکر بھاگ گیا ہے۔ بہت دیر بعد ابولہی کا بھیجا ہوا قاصد خالد کے پاس پہنچا اور یہ خبر سنائی کہ خنافس والا لشکر بغیر لڑے لپکا ہو گیا ہے اور مضیق پہنچ کر عیسائیوں کے ساتھ جا رہا ہے۔ وہاں جو عیسائی قبیلوں کا لشکر جمع تھا، اس کی کمان حذیل بن عمران کے پاس تھی۔

اس طرح مضیق میں دشمن کا بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا تھا۔ خالد سوتح میں پڑ گئے۔ وہ آتش پرستوں کے مرکزی مقام مدائن پر حملہ کر سکتے تھے۔ مدائن فاس کی جنگی طاقت کا دل تھا۔ خالد نے سوچا کہ وہ اگر دل میں خیر تار رکھتے ہیں یا نہیں بشورہ طور پر طبعی لکھتا ہے کہ خالد مدائن پر حملہ کرتے تو فتح کا امکان تھا لیکن ان پر عقب سے یہ لشکر حملہ کر سکتا تھا جو مضیق میں جمع ہو گیا تھا۔ خالد نے اپنے سالاروں سے مشورہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ پہلے مضیق کی اجتماع گاہ کو ختم کیا جائے۔

یہ فیصلہ اور ارادہ کر لیا کہ اس لشکر کو ختم کیا جائے، آسان تھا، عملاً اتنے بڑے لشکر کو اتنے تھوڑی نفری سے ختم کرنا کہاں تک ممکن تھا، یہ یقینی نہیں تھا مگر خالد اسے یقینی بنانے پر تلے ہوئے تھے۔ وہ ناممکن کو ممکن کر دیکھانے والے جرنیل تھے۔ انہوں نے ایسی سیکم بنائی جسے آج کے جنگی مہتر بے مثال کہتے ہیں۔

”میرے رفیقو! — خالد نے اپنے سالاروں، نائب سالاروں اور کمانداروں کو بلا کر کہا — ”خدا کی قسم، تم نے جتنی کامیابیاں چل کی ہیں یہ الائی سطح سے بالا تھیں۔ تم نے پانچ گنا قوی دشمن کو، اس سے بھی زیادہ نفری کو جس طرح کاٹنا اور بچھا دیا ہے، یہ تمہاری مافوق الفطرت طاقت تھی۔ یہ

جہاں عیسائی قاتل کا دوسرا حصہ خیمہ زن تھا۔ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ابھی تیاری ہی کر رہا تھا کہ جس لشکر کا حصہ تھا، اُس کے تین حصے تباہ ہو چکے تھے۔ ذویل والے اس لشکر کا سربراہ رجب بن نجیر تھا۔ مال غنیمت میں مسلمانوں کو جو سب سے زیادہ قیمتی اور کارآمد چیز ملی وہ ہزاروں گھوڑے تھے جو انہیں زینوں سمیت مل گئے تھے۔

اس سے آگے نئی اور ذویل و دو مقامات تھے جہاں بنی تغلب، غمراہ اور ایاد کے عیسائی مسلمانوں کے خلاف خیمہ زن تھے۔ وہ بھی مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے ارادے سے گھر سے نکلے تھے۔ عیسائیوں کے سردار عتق بن ابی عتقہ کا بیٹا بلال بن عتقہ بھی کہیں آگے تھا۔ وہ اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینے کے لیے عیسائی لشکر کے ساتھ آیا تھا۔

”خدا کی قسم! خالد بن ولید نے مضع کی معجزہ نفاذ کے بعد اپنے سالاروں سے کہا۔ ”میں دوسرا انہول سے قسم کھا کر چلا تھا کہ بنی تغلب پر اس طرح بھڑوں گا کہ پھر بھی وہ اسلام کے خلاف اٹھنے کے قابل نہیں رہیں گے۔۔۔ بنی تغلب ابھی آگے ہیں۔ ان پر بھڑکنے کی تیاری کرو۔“

مضع کی بستی پر بھی مسلمانوں نے چھا پر مارا تھا۔ یہ عیسائیوں کی بستی تھی۔ وہاں دو ایسے آدمیوں کو مسلمانوں نے قتل کر دیا جو مسلمان تھے۔ انہوں نے کسی وقت مدینہ میں آکر اسلام قبول کیا اور واپس اپنی بستی میں چلے گئے تھے۔ انہیں مجاہدین نے انجانے میں عیسائی سمجھ کر مار ڈالا۔

خالد نے اتنی بڑی فتح کی کہ خلیفہ المسلمین ابو بکرؓ کو مدینہ بھیجی اور پیغام میں یہ اطلاع بھی دے دی کہ مجاہدین کے ہاتھوں عیسائیوں کی ایک بستی میں دو مسلمان بھی غلطی سے مارے گئے ہیں۔ خلیفہ المسلمین نے فتح کی خبر کے ساتھ ان دو مسلمانوں کے قتل کی خبر بھی سب کو سنا دی۔

”خالد! تو اس کی سزا ملنی چاہیے۔“ عمرؓ نے کہا۔ ”مسلمان کا خون معاف نہیں کیا جاسکتا۔“ جو لوگ کفار کے ساتھ رہتے ہیں وہ اس صورت حال میں جو وہاں پیدا ہو گئی تھی، مارے جا سکتے ہیں۔“ خلیفہ المسلمین نے کہا۔

”اس قتل کا ذمہ دار خالدؓ ہے۔“ عمرؓ نے اصرار کیا۔ ”اُسے سزا ملنی چاہیے۔“

”خلافت مدینہ کی طرف سے دونوں مقتولین کے پس ماندگان کو خون بھادا کیا جائے گا۔“ ابو بکرؓ نے فیصلہ سنایا۔ ”اور یہ خون بھادا اسی قاصد کے ہاتھ بھیج دیا جائے جو فتح کی خبر لایا ہے۔“ عمرؓ نے پھر سزا کی بات کی۔

”عمر! خلیفہ المسلمین نے گرج کر کہا۔ ”خالد واپس نہیں آئے گا میں اُس شمشیر کو نیام میں نہیں ڈال سکتا جسے اللہ نے کفار کے خلاف بے نیام کیا ہے۔“ (بحوالہ طبری، ابن شہام، ابوسعید جعفی، بیکل)

رات کے چلے ہوئے اسی رات نہیں پہنچ سکتے تھے۔ دن کو لشکر کو چھپا کر رکھا گیا۔ دیکھ بھال والے آدمی دور دور پھیلے رہے۔ خالدؓ نے اپنے جاسوس دشمن کی اجتماع گاہ مضع تک بھیج رکھے تھے۔ وہ دشمن کے متعلق اطلاعات دے رہے تھے۔ ان کی آخری اطلاع یہ تھی کہ دشمن نے ابھی تک کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے پتہ چلے کہ وہ کسی طرف حملے کے لیے کوئی حکم کرنے والا ہے۔ تو بخیر لکھتے ہیں کہ دشمن کے سالار اپنے سالار اعلیٰ بہمن جاذویہ کے اگلے حکم کا انتظار کر رہے تھے خالدؓ کے آجائے سے اُن کے لیے صورت حال بدل گئی تھی۔ اس کے مطابق انہوں نے اپنی ساری سکیم بدلتی تھی۔

۷۸

اُس رات بھی مضع کی خیمہ گاہ میں دشمن کا لشکر گہری میند سو رہا تھا جس رات خالدؓ کی فوج کے تینوں حصے بغیر فوجی سکیم کے عین مطابق مضع کے قریب مکمل خاموشی سے پہنچ گئے تھے بعضے تو زخموں نے اسے مضع معجزہ کہا ہے اور کچھ اسے خالدؓ کی دی ہوئی ٹریننگ اور اُن کے پیدا کیے ہوئے ڈسپلن کا کوششہ کہتے ہیں۔

آدھی رات سے ذرا اندھ دشمن پر تھوڑا ٹپا لشکر سویا ہوا تھا۔ مجاہدین نے جگہ جگہ آگ لگادی تھی جس کی روشنی میں اپنے پراسے کی بھان آسان ہو گئی تھی۔ مہان کے اور عیسائی قبیلوں کے اس لشکر کو سنبھلنے اور تیار ہونے کی ہمت ہی نہ ملی مسلمان اُسے لگا رہے تھے۔ زخمیوں کی چیخ و پکار اس ہرشت میں اضافہ کر رہی تھی جو دشمن کے لشکر پر طاری ہو گئی تھی۔

”مدینہ کے مجاہدو! خالدؓ کے حکم سے یہ لشکار بڑی بلند تھی۔“ کسی کو زندہ نہ رہنے دو۔ و بجز کی طرح دشمن کا مہیا کر دو۔“

دشمن کے گھوڑے جہاں بندھے تھے وہیں بندھے رہے۔ ان کے سوار ان تک پہنچنے سے پہلے ہی کٹ رہے تھے۔ مسلمانوں نے رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا لیا تھا۔ اسی اندھیرے سے دشمن نے بھی فائدہ اٹھا لیا۔ آگ کی آتش پرست اور عیسائی زندہ بچ گئے۔ ان کی اجتماع گاہ ڈیڑھ دو میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی حملہ تین اطراف سے کیا گیا تھا۔

صبح کا اجالاصاف ہوا تو دشمن کی اتنی وسیع و عریض خیمہ گاہ میں کوئی بھی لشکر زندہ نہیں تھا۔ زندہ وہی رہے تھے جو مسلمانوں کے اس پھندے سے بچ گئے تھے۔ منظر بڑا ہی ہیبت ناک تھا۔ جہرہ نظر جاتی تھی سوائے لاشوں کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ لاشوں کے اوپر لاشیں پڑی تھیں۔ زخمی تڑپ تڑپ کر بہہ پڑے ہوئے تھے۔ فضا خون اور موت کی بو سے بوجھل تھی۔

سالاروں کے خیمے دیکھے گئے۔ ان میں سامان وغیرہ پڑا تھا۔ شراب کی صراحیاں رکھی تھیں۔ ہر چیز ایسے پڑی تھی جیسے ان شاہانہ خیموں کے مکین ابھی بھی بچل کے گئے ہیں اور ابھی واپس آجائے گئے۔ کوئی سالار نظر نہ آیا وہ زندہ بچ گئے تھے۔ سالار بہودان بھی بچل گیا تھا اور عیسائیوں کا سردار اور سالار صدیل بن عمران بھی زندہ بچ گیا تھا۔

جاسوسوں کی اطلاعات کے مطابق آتش پرستوں اور عیسائیوں کے سردار ذویل چلے گئے تھے

”.... اور اب دیکھو! — سالار قنقار بن عمرو اپنے ماتحتوں اور سپاہیوں سے کہہ رہے تھے۔
”یہ ان کا اسحٰم ہے جنہوں نے اللہ کو نہ مانا، محمد کو اللہ کا رسول نہ مانا۔ انہوں نے اپنے خدا بنا لئے جو تھے
تھے۔ ان کے سردار خداؤں کے ایلی بنے ہوئے تھے۔ فارس کے بادشاہ اللہ کے بندوں کو اپنے
بندے سمجھتے تھے۔ سالار اعلیٰ ابن ولید نے کہا ہے کہ مجاہدین کو بتاؤ کہ تمہیں اللہ کیجیے رہا ہے اور وہی ہے
اجر دینے والا اور اسی نے تمہارے جہول میں اتنی طاقت بھر دی ہے کہ آرام کا ایک بل نہیں ملتا کہ
جسم لڑ رہے ہو تھے ہیں یا کوج کر رہے ہو تھے ہیں اور اگلے روز اگلی لڑائی کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ یہ
طاقت جہانی نہیں، یہ روح کی طاقت ہے اور روح کو ایمان تقویت دیتا ہے۔“
”سالار اعلیٰ نے کہا ہے سب سے کہہ دو کہ تم زمین کی ملکیت پر لڑنے نہیں آتے، تم کفر غلاب۔
آنے کے لیے لڑ رہے ہو! — سالار زرقان اپنے دستوں کے کمانداروں سے کہہ رہے تھے۔
”ابن ولید نے کہا ہے کہ ان جہول کو ایمان سے اور پاک عزم سے خالی کر دو تو ابھی گر پڑو گے اور جسم بول
سے خالی ہو جائیں گے۔ جسم تو دو لڑائیاں لڑ کر ہی ختم ہو گئے تھے، اب تمہاری روحیں لڑ رہی ہیں۔“

۴

سالار عدی بن حاتم بھی اپنے دستوں کو سالار اعلیٰ خالد کا یہی پیغام دے رہے تھے۔ سالار عام
بن عمرو بھی سالار قنقار بن عمرو کے بڑے بھائی تھے، اپنے مجاہدین کے ساتھ یہی باتیں کر رہے تھے۔
خالد نے اپنے تمام سالاروں سے کہا تھا کہ مجاہدین کے جسم لڑنے کے قابل نہیں رہے اور یہ عزم کی
پختگی کا کوشمہ ہے کہ شمل اور چڑچسوں سے بھی ہر میدان میں یہ تازہ دم ہو جاتے ہیں۔ خالد نے سالاروں
سے کہا تھا کہ ان کے حوصلے اور جذبے کو قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔
”دشمن کے ہاؤل اکھڑے ہوئے ہیں“ خالد نے کہا تھا۔ ”اسے سنبھلنے کی مہلت مل گئی تو یہ
ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے.... اور میرے رفیقو! جس طرح اللہ ہیں فتح پر فتح عطا کرتا جیلا جارا
ہے، یہ فتوحات بھی خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں۔ ہمارا لشکر یہ نہ سمجھ لے کہ ہمیں شکست ہو ہی نہیں سکتی۔ انہیں بتاؤ
کہ انہیں دشمن پر ہر میدان میں غالب کرنے والا صرف اللہ ہے۔ اس کی ذات باری کو دل سے نہ نکالیں
اور تکبر سے بچیں۔“

مدینہ کے مجاہدین کا حوصلہ تو جگاتے دشمن کو، میدان جنگ میں اس کے زخمیوں کو زلزلہ دلا لاشوں
کو سرد دھوتا دیکھ کر توتا ہوا جاتا تھا لیکن وہ آخر انسان تھے اور انسان کو تباہی کا تجربہ بھی ہو سکتا ہے، اپنا
سنہرے زرد غرور سے اونچا بھی ہو سکتا ہے۔ خالد اس خطرے کو محسوس کر رہے تھے۔ انہوں نے کفار
پر اپنی دہشت طاری کر کے انہیں نفسیاتی لحاظ سے بہت کمزور کر دیا تھا لیکن ان ترغیبن کے مطابق جو
جنگی امور کو سمجھتے تھے، خالد کو یہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ ان کی سپاہ اس مقام تک نہ پہنچ جائے جہاں یکے بعد دیگرے
کئی فتوحات کے بعد دشمن کے دباؤ سے تھوڑا سا بھی پیچھے ہٹنا پڑے تو سپاہ بالکل ہی پاپا ہو جائے۔
اس خطرے نے انہیں پریشان سا کر دیا تھا۔ انہوں نے یہ سوچا ہی نہیں کہ اپنے لشکر کو آرام کے
لیے کچھ دن دے دیں۔ وہ ایسی جنگ چاہیں سوچ رہے تھے جن سے دشمن کو بے خبری میں دبوچا جاسکے
ایک چال خالد مضع میں آزمایا کچھ تھے۔ یہ کامیاب رہی تھی۔ یہ تھا شب خون۔ پورے لشکر نے دشمن

مضع کے میدان جنگ میں ہڈیاں اور کھوپڑیاں رہ گئی تھیں جو دور دور تک بکھری ہوئی تھیں۔ گدھ
گیدڑ، بھیڑ، تیسے، صحرائی گھوڑاں، گڑگڑ، سانپ اور حشرات الارض ان ہڈیوں سے گوشت کھا گئے تھے۔
یہ آتش پرستوں کی اس جنگی قوت کی ہڈیاں تھیں جس نے عرب، عراق اور شام پر دہشت طاری کر رکھی تھی
ان میں ان عیسائیوں کی ہڈیاں بھی شامل تھیں جو فارس کی جنگی قوت میں اضافہ کرنے آئے تھے۔
یہ عیسائی اپنے سرداروں کے خون کا بدلہ لینے آئے تھے۔ اسے انہوں نے مذہبی جنگ بھی سمجھا تھا۔
وہ اسلام کے راستے میں حائل ہونے آئے تھے۔

ان ہڈیوں میں ان ہاتھوں کی ہڈیاں بھی تھیں جنہوں نے حق پرستوں کو کاٹنے کے لیے نیاموں سے
فلواریں نکالی تھیں۔ ان ہاتھوں میں برچھیاں بھی تھیں۔ ان ہاتھوں میں گھوڑوں کی باگیں بھی تھیں۔ وہ اس
خوش فہمی میں مبتلا ہو کر آئے تھے کہ ارض و سما کی طاقت انہی کے ہاتھوں میں ہے اور وہ سمجھتے تھے کہ
وہ جب گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں تو ان کے نیچے زمین کا پتی ہے سحراب وہ زمین کو بھی کسی انسان
اور اس کے گھوڑے کے بوجھ اور خوف سے نہیں کا پتی، ان کے نیچے سے نکل گئی تھی اور زمین نے ان
کے مرہ جہول کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

زمین تو حق پرستوں کے بوجھ اور رعب سے بھی نہیں کا پتی تھی۔ اللہ کا فرمان قرآن کی صورت میں مکمل
ہو چکا تھا اور اللہ کو وحدہ لا شریک ماننے والے اللہ کے اس فرمان سے آگاہ تھے کہ گردن کو کٹنا ہی اڑا
لے، سر کو جٹنا بھی اونچا کر لے، تو ہاٹوں سے اونچا نہیں ہو سکے گا اور تو کہتے ہی رعب اور دباؤ سے
کیوں نہ چلے۔ زمین کو تو نہیں چھاؤ سکے گا۔

حق پرستوں کو اللہ کا یہ وعدہ بھی یاد تھا کہ تم میں دس ایمان والے جو تھے تو ایک سو کفار پر غالب
آئیں گے۔ یہ ایمان کی ہی قوت تھی کہ دس ایمان والے ایک سو پر اور میں دس سو پر غالب آگئے تھے۔
”سالار اعلیٰ ابن ولید کھٹے نہ کھٹے، کیا تم خود نہیں جانتے؟ — سلیمانوں کے سالار ابولیل اپنے کمانداروں
اور چند ایک سپاہیوں کو جو ان کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے تھے، بکھڑے تھے۔ ”اگر تم سے ایمان لے
لیا جائے تو تمہارے پاس گوشت اور ہڈیوں کے جسم رہ جائیں گے.... کیا اسحاق ہو گا ان جہول کا؟....
وہ دیکھو۔ وہ کھوپڑیاں دیکھو۔ ان کے اوپر کا گوشت کھایا جا چکا ہے۔ ان کے اندر مضر موجود ہیں مگر یہ مغز
سوچنے کے قابل نہیں رہے۔ ان میں کیڑے داخل ہو چکے ہیں اور ان کے مغز کیڑوں کی خوراک بن
رہے ہیں۔“

وہ دراوچی جگہ کھڑے تھے۔ سب اس وسیع میدان کی طرف دیکھا جہاں کسریٰ کی فوج کا اور عیسائیوں
کے لشکر کا کیمپ تھا۔ تین راتیں پہلے یہاں گھاگھی تھی۔ سپاہی ناچ رہے تھے۔ ان کے سالار اور سردار
خیول میں شراب پی رہے تھے۔ مسلمانوں کا شب خون ان پر قیامت بن کر ٹوٹا تھا۔

کی خیمہ گاہ پر حملہ کر دیا تھا لیکن ضروری نہیں تھا کہ یہ چال سربار کا میاب ہوتی۔ کیونکہ پورے لشکر کو کھانسی سے دشمن کی خیمہ گاہ تک پہنچانا آسان کام نہیں تھا۔

اُس وقت دشمن کا لشکر دو مقامات پر جمع تھا۔ ایک ذمیل تھا اور دوسرا تختائی۔ انہی دو مقامات کے متعلق اطلاع ملی تھی کہ آتش پرستوں اور عیسائیوں کے لشکر جمع ہیں۔ اب خیمہ گاہ کا بھگا ہوا لشکر بھی وہیں جا پہنچا تھا اور مضیق سے دشمن کی جو لفری کچھ نکلی تھی، وہ بھی اپنی دو مقامات پر چلی گئی تھی۔

اس شکست خوردہ لفری نے تختائی اور ذمیل میں جا کر دہشت پھیلا دی۔ وہاں سردار اور سالار بھی تھے۔ انہیں بہت مشکل پیش آئی۔ جذبے کے لحاظ سے لشکر لڑنے کے قابل نہیں تھا۔ جمائی لحاظ سے لشکر تازہ دم تھا۔ تختائی میں ان کی عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی تھے۔ عورتوں نے مردوں کو ہزدلی اور غیر لڑنے کے طعنے دے دیے اور انہیں لڑنے کے لیے تیار کیا۔

۵

ان دو مقامات پر جنگ کی تیاریوں کا منظر جنگ جیسا ہی تھا۔ سوار اور پیادے تیغ زنی کی مشق صبح سے شام تک کر رہے تھے۔ سوار دستوں کو حملہ کرنے اور حملہ روکنے کی مشقیں کرائی جاتے تھے۔ اُس وقت تک کسریٰ کے سالار اور ان کے اتحادی عیسائیوں کے سردار خالہ کی جنگی چالیں سمجھ چکے تھے۔ لیکن چالیں سمجھنے سے کیا ہوتا ہے؟ عیسائیوں کے ایک قبیلے کا سردار ربیع بن جبیر کہہ رہا تھا۔ ”وَل كُوْرَا مَضْبُوْرَةً كِيْس تُوَان تَحُوْرُوْے سَے سَمَانُوْل كُوْجُوْلَا كُوْی مَشْكَل نِيْس“۔

اُس کے پاس عیسائیوں کے بڑے سردار عتقہ بن ابی عتقہ کا بیٹا بلال بن عتقہ بیٹھا ہوا تھا۔ عتقہ بن ابی عتقہ سرداروں میں سرکردہ سردار تھا۔ اُس نے لٹکار کر کہا تھا کہ وہ خالہ کا سر کاٹ کر لائے گا مگر عین التمر کے سر کے میں وہ پھڑ گیا۔ اس سے پہلے خالہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ عتقہ کو زندہ پکڑیں گے۔ خالہ کی قسم پوری ہو گئی اور انہوں نے عتقہ کا سر اپنی تلوار سے کاٹا تھا۔ بلال عتقہ کا جوان بیٹا تھا جو اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے آیا تھا۔

”ابن جبیر!“ اس نے اپنے سردار ربیع کی بات سن کر کہا۔ ”میں اپنے باپ کے سر کے بدلے خالہ کا سر لینے آیا ہوں۔“

”ایک نہیں ہم پر ہزاروں سردوں کا قرض چڑھ گیا ہے۔“ ربیع بن جبیر نے کہا۔

وہ کچھ دیر باتیں کرتے رہے پھر بلال بن عتقہ چلا گیا۔ رات کا وقت تھا۔ رات سرد اور تاریک تھی مہینہ نو سربار تھا اور اسی شام رمضان کا چاند نظر آیا تھا۔ بلال باہر جا کر رک گیا۔ وہ اپنے لشکر کے خیموں سے کچھ دُور تھا۔ اُسے ایک طرف سے اپنی طرف کوئی آواز نہ آئی۔ نیا چاند کبھی کا دُوب چکا تھا۔ تاریک رات میں چلتے پھرتے انسان متحرک سامنے لگتے تھے۔ سایہ جو بلال کی طرف آ رہا تھا، قریب آیا تو بلال نے دیکھا کہ وہ کوئی آدمی نہیں عورت ہے۔

”ابن عتقہ!“ عورت نے کہا۔ ”میں صاحبہ ہوں.... صاحبہ بنت ربیع بن جبیر.... ذرا ڈک سکتے ہو میری خاطر؟“

”اوہ! ربیع بن جبیر کی بیٹی!“ بلال بن عتقہ نے سرور سے بلے میں کہا۔ ”کیا میں ابھی ابھی تیرے

گھر سے اچھٹے نہیں آیا؟“

”لیکن بات جو کہنی ہے وہ میں باپ کے سامنے نہیں کہہ سکتی تھی۔“ صاحبہ نے کہا۔

”کیا تو نے مجھے اپنے قابل سمجھا ہے؟“ بلال نے کہا۔ ”بات جو کہنا چاہتی ہے وہ پہلے ہی میرے دل میں ہے۔“

”غلط نہ سمجھ ان عتقہ!“ صاحبہ نے کہا۔ ”پہلے میری بات سن لے!.... مجھے بتا کہ مجھ سے زیادہ خوبصورت لڑکی تو نے کبھی دیکھی ہے؟“

”نہیں بنت ربیع!“

”کبھی مدائن گیا ہے تو؟“ صاحبہ نے کہا۔

”کیا ہو؟“

”منا ہے فارس کی لڑکیاں بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔“ صاحبہ نے کہا۔ ”کیا وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہیں؟“

”کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ تو وہ بات کہہ دے جو تیرے دل میں ہے؟“ بلال نے پوچھا اور کہا۔ ”میں نے تجھ سے زیادہ کسی لڑکی کو کبھی جن نہیں سمجھا۔ میں تجھے تیرے باپ سے مانگتا چاہتا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا تیرے دل میں پہلے ہی میری محبت پیدا ہو چکی ہے۔“

”محبت تو اب بھی پیدا نہیں ہوئی۔“ صاحبہ نے کہا۔ ”میں کسی اور کو چاہتی ہوں۔ آج سے نہیں، اُس دن سے چاہتی ہوں اُسے جس دن میں نے محسوس کیا تھا کہ میں جوان ہونے لگی ہوں اور جوانی ایک ساتھی کا مطالبہ کرتی ہے۔“

”پھر مجھے کیا کہنے آئی ہے تو؟“

”یہ کہ میں نے اُسے اپنے قابل سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔“ صاحبہ نے کہا۔ ”مرو کی طاقت عورت کے جسم کے لیے ہی تو نہیں ہوتی۔ وہ طاقتور اور خوبصورت آدمی ہے۔ وہ جب گھوڑے پر بیٹھا ہے تو مجھے اور زیادہ خوبصورت لگتا ہے۔“

”پھر کیا ہوا؟“

”وہ بزدل نکلا۔“ صاحبہ نے کہا۔ ”وہ لڑائیوں میں سے بھاگ کر آیا ہے۔ دونوں بار اُسے غراش تک نہیں آئی تھی۔ مجھے شک ہے کہ وہ لڑے بغیر بھاگ آتا رہے۔ وہ میرے پاس آیا تھا۔ میں نے اُسے کہہ دیا ہے کہ وہ مجھے بھول جائے۔ میں کسی بزدل کی بیوی نہیں بن سکتی۔ اُس نے میرے باپ کو بتا دیا تو باپ نے مجھے کہا کہ میں تو اُس کی بیوی بننے والی ہوں۔ میں نے باپ سے بھی کہہ دیا ہے کہ میں میدان سے بھاگے ہوئے کسی آدمی کی بیوی نہیں بنوں گی۔ میں نے باپ سے یہ بھی کہا ہے کہ مجھے اس شخص کی پرک بنانا ہے تو میری لاش اُس کے حوالے کر دو۔“

”کیا تم اب میری بہادری آزمانا چاہتی ہو؟“ بلال نے پوچھا۔

”ہاں!“ صاحبہ نے جواب دیا۔ ”اور اس کا انعام دیکھ۔ اتنا حسین جسم تجھے کہاں ملے گا؟“

”کہیں نہیں۔“ بلال نے کہا۔ ”لیکن میں ایک کام کا وعدہ نہیں کروں گا۔ ہمارے سردار اور ہمارے

”ایسی باتیں منہ سے نہ نکالو صاحبہ۔“ بلال نے ہنچھلا کر کہا۔ ”تم بہت بڑے سردار کی بیٹی ہو اپنے مذہب پر ایسا شک نہ کرو کہ اس کی سزا تم سب کو ملے۔“

”میں مجبور بنوں اب عہدہ آ۔“ صاحبہ نے کہا۔ ”میری ذات سے کچھ آوازیں سی اٹھتی ہیں کبھی خیال آتا ہے جیسے میں اپنے قبیلے میں اور اپنے گھر میں اٹھتی ہوں۔ ایسے لگتا ہے جیسے میں کہیں اور کی رہنے والی ہوں۔۔۔۔۔ میں کچھ نہیں سمجھتی بلال! میں جو کہتی ہوں وہ کمرہ چہر میں تمہاری ہوں۔“

”ایسی ہی ہو گا صاحبہ!۔“ بلال نے اُس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ ”میں اگر زندہ واپس آتا تو فاج ہو کر آؤں گا۔ اگر مارا گیا تو واپس آنے والوں سے پوچھ لینا کہ میں نے مرنے سے پہلے کتنے مسلمانوں کو قتل کیا ہے۔“

بلال ٹٹی کی رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔ صاحبہ بنت رہی بن بکیر وہیں کھڑی بلال کو سانسے کی طرح رات کی تاریکی میں ٹھیک ہوتا دیکھتی رہی۔

۹

تین یا چار تہیں ہی گزری تھیں۔ ٹٹی کی خیمہ گاہ اور عیسائیوں کی بستیاں تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ رمضان ۱۲ھ کا تیسرا چوتھا چاند کبھی کافی تین اتر چکا تھا۔ سالوں کا ایک سیلاب ٹٹی کی طرف بڑھا آ رہا تھا۔ یہ مدینہ کے مجاہدین کی فوج تھی جو سیلاب بھلانے کے قابل نہیں تھی کبیر بنو ان کی تعداد پندرہ اور سولہ ہزار کے درمیان تھی اور دشمن کی فوج تین چار تھی۔ خالدؓ نے ٹٹی پر بھی مٹیج دالا اور آزمائے کا فیصلہ کیا تھا۔ انہوں نے اپنے مجاہدین سے کہا تھا کہ دشمن کو لو اپنے آپ کو بھی ہلکت دینا خطرناک ہو گا۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ فوج اور شکست اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہم اُسی کی ذات باری کے نام پر کفر کی آگ میں کودے ہیں۔ خالدؓ نے اور بھی بہت کچھ کہا تھا۔ مجاہدین کے انداز میں جوش و خروش پہلے والا ہی تھا، جہول میں البتہ وہ وضع نہیں رہا تھا لیکن عزم بوز اول کی طرح زندہ و پائندہ تھا۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ پندرہ سولہ ہزار کے لشکر سے دشمن پر شب خون مارنا اس لیے خطرناک ہوتا ہے کہ خاموشی برقرار نہیں رکھی جاسکتی اور دشمن قبل از وقت بیدار ہو جاتا ہے۔ اس میں دشمن کی گھات کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔ خالدؓ نے ان خطروں سے نمٹنے کا یہ اہتمام کر رکھا تھا کہ پہلے شب خون کی طرح اب کے بھی انہوں نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ سالہا بھی وہی تھے جنہیں پہلے شب خون کا تجربہ چل چکا تھا۔

اب جاسوسوں نے انہیں دشمن کے قیام کی حوا اطلاع دی تھیں اُن کے مطابق مدائن کی فوج اور عیسائیوں کا لشکر ایک ہی خیمہ گاہ میں نہیں تھے خیمہ گاہ میں صرف مدائن کی فوج تھی اور عیسائی اپنی بستیوں میں تھے۔ یہی تغلب کی بستی تھیں جاسوسوں نے ان بستیوں کے محل وقوع بتا دیے تھے۔ خالدؓ نے اپنی فوج کے ایک حصے کی کمان سالار قحطاع کو اور دوسرے حصے کی کمان سالار ابولیل کو دی تھی۔ تیسرا حصہ اپنی کمان میں رکھا تھا۔ انہوں نے قحطاع اور ابولیل کو عیسائی قبیلے کی تغلب کی بستیوں پر شب خون مارنے کے لیے بھیجا اور اپنے حصے کو ان کے پیچھے رکھا پیچھے رہنے کی وجہ یہ تھی کہ خالدؓ کو خیمہ گاہ پر شب خون مارنا تھا جو بستیوں کی نسبت ذرا قریب تھی۔ تینوں حصوں کو بیک وقت حملہ کرنا تھا۔

قبیلوں کے جو قبیلے جو ان یہ اعلان کر کے مسلمانوں کے خلاف لڑنے جاتے ہیں کہ مسلمانوں کے سالار خالدؓ بن ولید کا سر کاٹ کر لائیں گے مگر خود کٹ جاتے ہیں یا بھاگ آتے ہیں۔ میں ایسا وعدہ نہیں کروں گا۔ خالدؓ کا سر کون کاٹے گا، اُس تک کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا۔“

”میں ایسا وعدہ نہیں لوں گی۔“ صاحبہ نے کہا۔ ”میں تیرے منہ سے نہیں، دوسروں سے سننا چاہتی ہوں کہ تو نے سب سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کیا ہے اور مسلمانوں کو شکست دینے میں تیرا ہتھ سب سے زیادہ ہے۔ میں یہ بھی وعدہ کرتی ہوں کہ تو مارا گیا تو میں کسی اور کی بیوی نہیں بنوں گی، اپنے آپ کو ختم کر دوں گی۔“

”میں تجھے ایک بات بتا دیتا ہوں صاحبہ!۔“ بلال نے کہا۔ ”میں تیری خاطر میدان میں نہیں اتر رہا۔ میرے اوپر اپنے باپ کے خون کا قرض ہے۔ میں نے یہ قرض چکانا ہے۔ میری روح کو لیکن تب ہی ہو گی کہ میں ابن ولید کا سر اپنی برچھی کی اٹی پر لاؤں اور نئی تغلب کے پیچھے پیچھے دو کھاول لیکن وہ بات کیوں زبان پر لاؤں جو ہاتھ سے کرنے نہ سکوں۔ اُس تک بیچوں گا ضرور۔ راستے میں جو آٹے کا اُسے کا شت جادوں گا میں نے اپنا کھانا تبدیل کر لیا ہے۔ ہوا سے تیز ہے اور بڑا ہی طاقتور۔“

”میں تیری طاقت اور تیری دیناری اور چہرٹی دیکھنا چاہتی ہوں۔“ صاحبہ نے کہا۔ ”اگر ایسا ہو سکے تو مجھے ساتھ لے چل۔ مردوں کی طرح لڑوں گی لیکن تو نے پیٹھ دکھائی تو میری تلوار تیری پیٹھ میں اتر جائے گی۔“

”میں تجھے مال غنیمت میں مسلمانوں کے حوالے نہیں کرنا چاہتا۔“ بلال نے کہا۔ ”اور میری ٹٹی لے صاحبہ! امیرا باپ عہدہ انی عہدہ ہی عہدہ کہہ کے گیا تھا کہ وہ خالدؓ بن ولید کو خون میں نہلا کر آئے گا مگر اُس نے تبصرہ ڈال کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ معلوم نہیں مسلمانوں کو کس نے بتا دیا کہ یہ شخص ابن ولید کا خون بہانے کا عہدہ کر کے آیا تھا۔ ابن ولید نے میرے باپ کو قیدیوں سے الگ کیا اور سب کے سامنے اپنی تلوار سے اُس کا سر کاٹ دیا۔۔۔۔۔ میں تجھے بھی یہی کہتا ہوں کہ وہ بات نہ کہہ جو نہیں کر سکتی۔“

”اور میں تجھے ایک بات کہنا چاہتی ہوں جو تجھے اچھی نہیں لگے گی۔“ صاحبہ نے کہا۔ ”اگر اب میرے قبیلے نے میدان ہار دیا تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دوں گی اور اُن سے کہوں گی کہ میں اُس آدمی کی بیوی بننا چاہتی ہوں جو سب سے زیادہ بہادر ہے۔“

”ہم اس کو شش میں اپنی جانیں لڑا دیں گے کہ مسلمان ہماری عزتوں تک نہ پہنچ سکیں۔“ بلال بن عہدہ نے کہا۔ ”لیکن کوئی نہیں بتا سکتا کیا ہو گا۔ ایک طرف تیرے دل میں مسلمانوں کی دشمنی ہے اور دوسری طرف تم اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کی باتیں کرتی ہو۔“

”میں یہ باتیں اس لیے کرتی ہوں کہ میرے دل میں کچھ شک اور کچھ شبہ پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔“ صاحبہ نے کہا۔ ”مجھے ایسے محسوس ہونے لگا ہے جیسے مذہب مسلمانوں کا ہی سچا ہے۔ اتنی بخورنی تعداد میں وہ فارس کے اور ہمارے تمام قبیلوں کے لشکروں کو ہر میدان میں شکست دیتے چلے آ رہے ہیں تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ انیس کی غیبی طاقت کی مدد حاصل ہے۔ اگر لیوچ مسیح خدا کے بیٹے ہوئے تو کیا خدا اپنے بیٹے کی اہمیت کو اس طرح ذلیل و خوار کرتا ہے مجھے بتانے والا کوئی نہیں کہ مسلمان اس خدا کو اللہ کہتے ہیں یا اللہ کوئی اور ہے۔“

مورخین نے لکھا ہے کہ خالد نے حکم دیا تھا کہ کسی عورت اور کسی بچے پر ہاتھ نہ اٹھا یا جائے۔
کفار کو مصلیح کے مقام پر مسلمانوں کے ایک شب خون کا بڑا ہی بلیغ تجربہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے شہنشاہ کی
خیمہ گاہ کے ارد گرد پہرے کا بڑا سخت انتظام کر رکھا تھا۔ گشتی پہرے کا انتظام بھی تھا۔ چار چار گھوڑسوار
خیمہ گاہ سے دور دراز گشت کرتے تھے۔ مسلمان جاسوسوں نے خالد کو اس انتظام کی بھی اطلاع دے
دی تھی۔ خالد نے اس انتظام کو بیکار کرنے کا بندوبست کر دیا تھا۔

۱۹

شہنشاہ کے کچھ دور خالد کی فوج پہلے سے طے کئے ہوئے منصوبے کے مطابق رک گئی۔ اسے آگے
کی اطلاع کے مطابق آگے بڑھنا تھا۔ چند ایک شترسوار جو شہنشاہ کے آزماتے ہوئے چھاپا رہے تھے
آگے چلے گئے تھے۔ وہاں دشمنوں کے قافلے کی ضرورت میں جا رہے تھے۔ وہ شہنشاہ کی خیمہ گاہ سے ابھی دور
ہی تھے کہ انہیں کسی نے لٹکارا۔ وہ رک گئے اور اپنی طرف آتے ہوئے گھوڑوں کے ٹاپ سننے لگے چا
گھوڑے ان کے پاس آئے۔
”کون ہو تم لوگ؟“ ایک گھوڑسوار نے ان سے پوچھا۔
”مسافر ہیں۔ ایک شترسوار نے ڈر سے ہوئے بلے میں جواب دیا اور کسی لہجے کا نام لے کر کاکڑ مار
جا رہے ہیں۔

شترسوار آٹھ دس تھے۔ ان میں سے ایک تو گھوڑسواروں کو بتا رہا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور
کہاں جا رہے ہیں۔ دوسرے شترسوار اونٹوں کو آہستہ آہستہ حرکت دیتے رہے حتیٰ کہ چار گھوڑسوار ان
کے نرے میں آ گئے۔

”اُترو اونٹوں سے!“ ایک گھوڑسوار نے بڑے رعب سے حکم دیا۔
چار شترسوار اونٹوں سے اس طرح اترے کہ اوپر سے ایک ایک گھوڑسوار پر چھپے۔ ان کے ہاتھوں
میں خیمے جگھوڑسواروں کے جموں میں اتر گئے۔ انہیں گھوڑوں سے گرا کر ختم کر دیا گیا۔ چار مجاہدین چاروں
گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور دشمن کی خیمہ گاہ تک چلے گئے۔ ایک سنتری انہیں اپنی سوار گشت سمجھ کر ان
کے قریب آیا۔ اندھیرے میں دو گھوڑسوار اترے اور اس سنتری کو جیشہ کی نیند سلا دیا۔
”اُنہوں نے کئی اور سنتریوں کو خاموشی سے ختم کیا اور واپس آ گئے۔ خالد بے صبری سے ان کا انتظار
کر رہے تھے۔ وہ جو اونٹوں پر گئے تھے، چار گھوڑے بھی ساتھ لے آئے۔ انہوں نے خالد کو بتایا کہ راستہ
صاف ہے۔

خالد نے سرگوشیوں میں قاصدوں کو دوسرے سالاروں کی طرف اس پیغام کے ساتھ دوڑا دیا کہ
”جہ بول دو۔ اس وقت تک گھوڑوں کے منہ بند نہ ہوئے تھے۔ وہ ہنہنا نہیں سکتے تھے رسواہوں نے
سالاروں کے کہنے پر گھوڑوں کے منہ کھول دیے۔ ان کے ہفت دہن نہیں تھے۔ کچھ دور تک گھوڑے
پیادوں کی رفتار کے ساتھ آہستہ چلائے گئے پھر رفتار تیز کر دی گئی اور پیادوں کو دوڑنا پڑا۔

لبستوں کے قریب جا کر شعلیں جلائی گئیں۔ خالد نے اپنے دستوں کو اتنی تیزی سے آگے نہ بڑھایا۔
انہیں انہوں نے شب خون کی ترتیب میں پھیلایا تھا۔

یہ ایسی پیش قدمی تھی جس میں کوئی غور نہ لگا یا گیا، نہ کسی کو لٹکا یا گیا۔

۲۰

نومبر ۶۳۲ء کے دوسرے اور رمضان المبارک ۱۲ ہجری کے پہلے ہفتے کی وہ رات بہت لمبی تھی۔
بنی تغلب کی بستیوں میں اور فارس کی فوج کی خیمہ گاہ میں جو وسیع وعریض تھی، لوگ گھوم بتردل میں دبکے
ہوئے تھے۔ کوئی نہیں بتا سکتا تھا کہ کون کیا خواب دیکھ رہا تھا۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر ایک کے ذہن پر
مسلمانوں کی فوج اور اس کی دہشت سوار ہو گئی۔ لوگ اسی فوج کی باتیں کرتے سوئے تھے۔

اچانک بستیوں کے گھر وں کے دروازے ٹوٹنے لگے۔ گلیوں میں گھوڑے دوڑنے لگے۔ مجاہدین نے
مکانوں سے چار پاتیاں اور لکڑیاں باہر لا کر جگہ جگہ ان کے ڈھیر لگائے اور آگ لگا دی تاکہ لمبیاں روشن ہو
جائیں۔ عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار نے سردرات کو ہلا کے رکھ دیا۔

”عورتیں! اپنے بچوں کے ساتھ باہر آکر ایک طرف کھڑی ہو جائیں۔“ یہ مجاہدین کی لٹکار تھی جو بار بار
سنائی دیتی تھی۔

بنی تغلب کے آدمی کھٹ رہے تھے۔ خالد کا حکم تھا کہ بڑھوں، عورتوں اور بچوں کے سوا کسی
آدمی کو زندہ نہ رہنے دیا جائے۔

ان لوگوں کو وہ لشکر بھیجا تھا جو تھوڑی ہی دور خیمہ گاہ میں پڑا تھا۔ لمبیتوں کا وایلا لشکر تک پہنچا لیکن
وایلا نیند اور سردی نے سب کو بہوش سا کر رکھا تھا۔ لشکر کو کچا گئے کے لیے کوئی سنتری زندہ نہ تھا۔

آخر خیمہ گاہ میں کچھ لوگ بیدار ہو گئے۔ انہیں ارد گرد کی بستیوں میں روشنی نظر آئی جیسے آگ لگی ہوئی
ہو۔ شور بھی سنائی دیا۔ وہ ابھی سمجھنے بھی نہ پاتے تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے کہ لمبی ہی بڑوٹا خیمہ گاہ کے ایک
گوشے میں پیاہوئی جوا ندھی کی مانند بڑھتی اور پھیلتی گئی۔ کچھ خیموں کو آگ لگ گئی۔ خالد کے دستوں نے
آتش پرستوں کی فوج کو کالنا شروع کر دیا تھا۔ یہ فوج اب کھٹنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

دشمن کے بہت سے سپاہی خیموں میں دبک گئے تھے۔ ان خیموں کی رساں مسلمانوں نے کاٹ
دی۔ خیمے سپاہیوں کے لیے جال اور پھندے بن گئے۔ مسلمانوں نے انہیں برچھپوں سے ختم کر دیا۔ مسلمانوں
کے گھرے اور ان کی لٹکار بڑی دہشت ناک تھی۔

مورخوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو اتنے وسیع پیمانے پر شب خون مارنے کا دوسرا تجربہ ہوا اب
انہوں نے یہ انتظام کر دیا تھا کہ کسی کو بھاگنے نہ دیا جائے۔ لمبیتوں اور خیمہ گاہ کے ارد گرد دشمنی بن حارثہ کے
گھوڑسوار گھوم پھر رہے تھے۔ کوئی آدمی بھاگ کے جانا نظر آتا تو اس کے پیچھے گھوڑا دوڑا دیا جاتا اور بھیجا یا

تھوڑے سے اُسے ختم کر دیا جاتا۔ اگر کوئی عورت بھاگتی نظر آتی تو اُسے پکڑ کر اُس جگہ پہنچا دیتے جہاں عورتوں
اور بچوں کو اکٹھا کیا جاتا تھا۔

جول جول رات گزرتی جا رہی تھی، بنی تغلب کی بستیوں میں اور مدائن کی فوج کی خیمہ گاہ میں شور و غما
واوایلا کہ ہوتا جا رہا تھا اور خیموں کی کمر بٹاک آوازیں بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے
لیے جو نکلے تھے، ان کی لاشیں ٹھنڈی ہو رہی تھیں اور ان کے زخمی پیادے مر رہے تھے۔ اور ان کے
بیٹیاں مسلمانوں کے قبضے میں تھیں۔

عیسائی نے جواب دیا۔

”اب تیار لو کی! — ابوبلی نے صاحبہ سے پوچھا۔

”میں تمہاری قیدی ہوں۔“ صاحبہ نے کہا۔ ”میرے ساتھ لونڈیوں اور باندیوں جیسا سلوک کرے گا تو میں تمہیں روک نہیں سکوں گی۔ سنا ہے مسلمانوں کے دلوں میں رحم ہوتا ہے۔ میری ایک التجا ہے۔۔۔ میں ایک سردار کی بیٹی ہوں۔ کیا میری اس حیثیت کا خیال رکھا جائے گا؟“

”اسلام میں انسانوں کو درجوں میں تقسیم نہیں کیا جاتا۔“ ابوبلی نے کہا۔ ”ہم اُس شخص کو بھی اپنا سردار بنالیا کرتے ہیں جس کے آباء اجداد نے کبھی خواب میں بھی سرداری نہیں دیکھی ہوئی۔ ہم صرف یہ دیکھتے ہیں کہ وہ سرداری کا اہل ہے اور اُس کا اخلاق بہت اودنچا اور پاک ہے اور اُس کو اپنی ذات کا کوئی لالچ نہیں۔۔۔ پریشان نہ ہو لڑکی! تو خوبصورت ہے۔ ایسا نہیں ہو گا کہ تجھے جرحا ہے گا اپنا کھونہ بنا لے گا۔ کوئی بہت والا تجھے خریدے گا اور تیرے ساتھ شادی کر لے گا۔“

”تمہاری قیدی ہو کر میری پسند اور ناپسند ختم ہو گئی ہے۔“ صاحبہ نے کہا۔ ”اگر مجھے پسند کی ذرا سی بھی آزادی دی جاتے تو میں تم سے اُس کی بوی بنا پسند کروں گی جو سب سے زیادہ بہادر ہے جو اپنی قوم اور قبیلے کی عزت اور غیرت پر جان دینے والا ہو، میدان سے بھاگنے والا نہ ہو۔۔۔ عورت کا مذہب وہی ہوتا ہے جو اُس آدمی کا مذہب ہے جس کی ملکیت میں اُسے دے دیا جاتا ہے لیکن عقیدے دلوں میں ہوتے ہیں عورت کے جسم کو ملکیت میں لے سکتے ہو، اُس کے دل کا مالک کوئی نہیں بن سکتا۔۔۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ مجھے کوئی مضبوط دل والا اور قبیلے کی غیرت پر دشمن کا غول بھانے اور اپنا سر کٹوانے والا آدمی

مل جائے تو میں اپنا دل اور اپنے عقیدے اُس پر قربان کر دوں گی۔“

”خدا کی قسم! تو غیرت اور عقل والی لڑکی ہے۔“ ابوبلی نے کہا۔ ”میں وعدہ کرتا ہوں کہ تو نے بلال بن عتقہ سے جو وعدہ کیا تھا وہ میں پورا کر دوں گا، بشرط یہ ہوگی کہ وہ اپنا وعدہ پورا کر دے۔ وہ ہمارے سالار اعلیٰ خالد بن ولید کو اپنے ہاتھوں قتل کر دے لیکن بہت رنجیدہ ایسا نہیں کر سکے گا۔ ابن ولید کے سر پر ہاتھ کاٹا تھا۔ اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تلوار کہا ہے۔۔۔ پھر بھی تم انتظار کر دو۔ ذویل میں بلال کے ساتھ ہماری ملاقات ہوگی۔“

”کیا میں اپنے گھر میں رہ سکتی ہوں؟“

”کیا ہے اُس گھر میں؟“ ابوبلی نے کہا۔ ”وہاں تیرے باپ، بھائیوں اور محافظوں کی لاشوں کے سوا رہی کیا گیا ہے؟ اپنے قبیلے کی عورتوں کے ساتھ رہ۔ کوئی تکلیف نہیں ہوگی تجھے۔ ہمارا کوئی آدمی کسی عورت کے قریب نہیں جاتے گا۔“

صاحبہ بہت بہترین بحیرہ بخیدہ سی چال چلتی ہوئی ایک مجاہد کے ساتھ اُس طرف چلی گئی جہاں عورتوں اور بچوں کو رکھا گیا تھا۔ اس کی رنجیدہ چال میں اور طول چہرے پر شکنت تھی۔ صاف تپہ چلتا تھا کہ وہ عام سے سردار کی لڑکی تھی۔

۹

”ابن حارثہ! — خالد نے فوج کی مسرت سے لبریز لہجے میں ثنی بن حارثہ سے کہا۔ کیا اللہ نے

صبح طلوع ہوئی تو اُجائے نے بڑا ہی جیسا یک اور عرت تک منظر دکھایا۔ لاشوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ لاشیں خون سے سناٹی ہوئی تھیں۔ یہ فتح ایسی تھی جیسے کسری کے بازو کاٹ دیے گئے ہوں خیرگاہ اور بستیوں موت کی بستیوں بن گئی تھیں جن گھوڑوں پر ان کفار کو نہ تھا، وہ گھوڑے وہیں بندھے تھے تھے جہاں گزشتہ شام انہیں باندھا گیا تھا۔

عورتیں الگ بیٹھی رو رہی تھیں۔ بچے بلبلارہے تھے۔ خالد نے حکم دیا کہ سب سے پہلے عورتوں اور بچوں کو کھانا دیا جائے۔

مجاہد بن مال غنیمت والا کہ ایک جگہ جمع کر رہے تھے۔ سالار ابوبلی کے پاس ایک بہت ہی حسین لڑکی کو لایا تھا۔ اُس نے درخواست کی تھی کہ اُسے سالار اعلیٰ یا کسی سالار کے ساتھ بات کرنے کی اجازت دی جائے۔

”یہ ایک سردار کی بیٹی ہے۔“ اُسے لانے والے نے سالار ابوبلی سے کہا۔ ”سردار کا نام ربیعہ بن جبیر بتاتی ہے۔ یہ اپنے باپ کی لاش کے پاس بیٹھی رو رہی تھی؟“

”کیا نام ہے تیرا؟“ ابوبلی نے لڑکی سے پوچھا۔

”صاحبہ! — لڑکی نے جواب دیا۔“ صاحبہ بہت ربیعہ بن جبیر۔۔۔ میرے باپ کو لڑنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔“

”کیا تو یہی بات کہنے کے لیے ہمارے سالار اعلیٰ سے ملنا چاہتی ہے؟“ سالار ابوبلی نے پوچھا۔ ”جنہیں لڑنے کا موقع ملا تھا، کیا تو نے اُن کا انجام نہیں دیکھا؟۔۔۔ اب بتا تو چاہتی کیا ہے؟“

”تم لوگ مجھے اجازت نہیں دو گے کہ میں لاشوں میں ایک آدمی کی لاش ڈھونڈ لوں۔“ صاحبہ نے کہا۔ ”اُس کا نام بلال بن عتقہ ہے۔“

”کیا جلی ہوئی لکڑیوں کے انبار میں کسی ایک خاص درخت کی لکڑی کو ڈھونڈ لے گی؟“ ابوبلی نے پوچھا۔ ”اُسے ڈھونڈ کے کیا کرے گی؟ زندہ ہے تو ہمارا قیدی ہوگا، مر گیا ہے تو تیرے کس کام کا؟“

صاحبہ نے سالار ابوبلی کو وہ گفتگو سنائی جو اُس کے اور بلال بن عتقہ کے درمیان ہوئی تھی اور کہا کہ وہ دیکھنا چاہتی ہے کہ وہ زندہ ہے یا مارا گیا ہے۔

مسلمان سالاروں نے چند عیسائیوں کو اس مقصد کے لیے زندہ پکڑ لیا تھا کہ ان سے اس علاقے اور علاقے کے لوگوں کے متعلق معلومات اور جنگی اہمیت کی معلومات لی جائیں۔ ابوبلی کے حکم سے ایسے دتین آدمیوں کو بلا کر بلال بن عتقہ کے متعلق پوچھا۔

”دو تین روز پہلے تک وہ یہیں تھا۔“ ایک عیسائی نے بتایا۔ ”وہ ذویل چلا گیا ہے۔“

”کیا اُسے وہاں چونا چاہیے تھا یا یہاں؟“ ابوبلی نے پوچھا۔

”وہ قبیلے کے سردار کا بیٹا ہے۔“ عیسائی نے بتایا۔ ”وہ کسی کے حکم کا پابند نہیں۔ وہ حکم دینے والوں سے ہے۔“

”کیا وہ اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے آیا ہے؟“

”اُس نے کئی بار کہا ہے کہ وہ ابن ولید سے اپنے باپ کے خون کا انتقام لے گا۔“ دوسرے

تیری ہر خواہش پوری نہیں کر دی؟

”لاریب، لاریب! — مثنیٰ بن حارثہ نے جو بیٹے لہجے میں کہا — کفار کی آنے والی نسلیں کہیں گی کہ مسلمانوں نے ان کے آباء و اجداد پر بہت ظلم کیا تھا اور جاری نسلیں انہیں اپنے اللہ کا یہ فرمان سنیں گی کہ جس پر ظلم ہوا، وہ اگر ظالم پر ظلم کرے تو اس پر کوئی الزام نہیں.... تو نہیں جانتا دلیر کے بیٹے ان آتش پرستوں نے اور صلہ کے بچاریوں نے جو ظلم ہم پر توڑے ہیں، تو نہیں جانتا۔ تو نے سنے ہیں، ہم نے سنے ہیں۔“

”اب یہ لوگ اللہ کی گرفت میں آ گئے ہیں۔ خالد نے کہا۔ لیکن حارثہ کے بیٹے ابیں ڈرتا ہوں نیکی اور غرور سے.... دل میں بار بار ارادہ آتا ہے ج پر جاؤں۔ میں خانہ کعبہ میں جا کر اللہ کا شکر ادا کروں گا۔ کیا اللہ مجھے موقع دے گا کہ اپنا یہ ارادہ پورا کر سکوں؟“

”تو نے ارادہ کیا ہے تو اللہ تجھے بہت بھی دے گا۔ موقع بھی پیدا کر دے گا۔“ مثنیٰ نے کہا۔ کچھ دیر بعد تمام سالار خالد کے سامنے بیٹھے تھے اور خالد انہیں بتا رہے تھے کہ اگلے ہفتہ ذویل

جاسوس کو ذویل بھیج دیا گیا تھا۔

”پہلے بول ہوتا رہا ہے کہ ایک جگہ ہم حملہ کرتے تھے تو دشمن کے آدمی بھاگ کر کہیں اور اکٹھے ہو جاتے تھے۔“ خالد نے کہا۔ ”اب ہم نے کسی کو بھاگنے نہیں دیا۔ شئی سے شاید ہی کوئی بھاگ کر ذویل پہنچا ہو سکیں ذویل خالی نہیں۔ وہاں بھی دشمن موجود ہے اور وہ بے خبر بھی نہیں ہو گا۔ کل رات ذویل کی طرف کوچ ہو گا اور اگلی رات وہاں اسی قسم کا شہب خون مارا جائے گا۔“

”تاہم میں یہ نہیں سمجھتا کہ مثنیٰ بن خالد نے کس سالار کو چھوڑا۔ سورج غروب ہوتے ہی مسلمانوں کا لشکر ذویل کی سمت کوچ کر گیا۔ ساری رات چلتے گزری۔ دن نشیبی جگہوں میں چھپ کر گزرا اور سورج کا سفر ختم ہوا تو مجاہدین اپنے ہفت کی طرف چل پڑے۔“

ذویل میں بھی دشمن سویا ہوا تھا۔ سنتری بیدار تھے۔ یہاں بھی گشتی سنتریوں اور دیگر سنتریوں کو اسی طریقے سے ختم کیا گیا جو صلیح اور شئی وغیرہ میں آزمایا گیا تھا۔ مسلمانوں کی ترتیب وہی تھی یعنی لہجہ کا لشکر تین حصوں میں تقسیم تھا۔

یہ شہب خون بھی پوری طرح کا سیلاب رہا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ کسی ایک بھی آدمی کو زندہ نہ بچھلنے دیا گیا۔ یہاں بھی حور تول اور بچوں کو الگ کر لیا گیا تھا۔

۹۱

سالار ابولہی نے بلال بن عقیقہ کے متعلق معلوم کیا۔ پتہ چلا کہ وہ ایک روز پہلے یہاں سے نکل گیا تھا۔ یہ بھی پتہ چلا لیا گیا کہ ذویل سے تھوڑی دور رضاب نام کی ایک بستی ہے جس میں عیسائیوں کی خاصی تعداد جمع ہو گئی ہے اور ان کے ساتھ مدائن کی فوج کے ایک دودھ سے بھی ہیں۔

خالد نے دو حکم دیے۔ ایک یہ کہ شئی سے مال غنیمت اور دشمن کی عورتوں اور بچوں کو ذویل لایا جائے دوسرا حکم یہ کہ ذویل پر رضاب پر حملہ کیا جائے۔ آتش پرستوں کا لڑنے کا جذبہ تو جیسے بالکل سرد ہو چکا تھا۔ مسلمان تین اطراف سے رضاب پر حملہ آور ہوئے لیکن یہ گھونٹہ ہوا جس لگا۔ رضاب بالکل خالی

تھا۔ پتہ چلتا تھا کہ یہاں فوج موجود ہی ہے لیکن اب وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ اپنے باپ عقیقہ بن ابی عقیقہ کا بیٹا بلال بھی لاپتہ تھا۔ فوج کا ایک سوار دستہ دور دور تک گھوم آیا۔ دشمن کا کہیں نام و نشان نہیں ملا۔ آخر فوج واپس آ گئی۔

مثنیٰ کی عورتیں ذویل میں لائی جا چکی تھیں۔ مال غنیمت بھی اکٹھا کیا۔ خالد نے خلافت مدینہ کا حصہ الگ کر کے باقی مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ ابولہی نے صاحب کو بلایا۔

”بلال بن عقیقہ یہاں سے بھی بھاگ گیا ہے۔“ ابولہی نے اُسے کہا۔ ”اُس نے اپنے باپ کے خون کا انتقام لینا ہوتا تو یوں بھاگتا نہ پھرتا۔ کیا اب بھی تو اُس کا انتظار کرے گی؟“

”میں اپنی مرضی سے تو کچھ بھی نہیں کر سکتی۔“ صاحبہ نے کہا۔

ابولہی خالد سے بات کر چکے تھے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ اس لڑکی کی خوبصورتی اور جوانی کو دیکھ کر سب کا خیال یہ تھا کہ خالد اُس کے ساتھ شادی کر لیں گے۔ صاحبہ کی یہ خواہش بھی پوری ہو سکتی تھی کہ وہ سب سے زیادہ بہادر اور بے خوف آدمی کی بیوی بننا چاہتی ہے لیکن خالد نے کہا کہ مجھ سے زیادہ بہادر موجود ہیں چنانچہ خالد نے خاص پیغام کے ساتھ مال غنیمت اور عورتیں مدینہ کو روانہ کر دیں۔

جودستہ مال غنیمت کے ساتھ بھیجا گیا اس کے کماندار نعمان بن عوف شیبانی تھے۔ انہوں نے صاحبہ کے متعلق مدینہ میں بتایا کہ یہ لڑکی کون ہے، کیسی ہے اور اس کی خواہش کیا ہے۔ انہوں نے مورخوں کے مطابق صاحبہ کو حضرت علیؑ نے خرید لیا۔ صاحبہ نے بخوشی اسلام قبول کر لیا اور حضرت علیؑ نے اُس کے ساتھ شادی کر لی۔ حضرت علیؑ کے صاحبزادے عمر اور صاحبزادی رقیہ صاحبہ کے لہجے سے پیدا ہوئی تھیں۔

۹۲

مدائن میں کسریٰ کے محل پہلے کی طرح کھڑے تھے۔ ان کے در و دیوار پر غرائش تک نہ آتی تھی۔ ان کا حُسن ابھی جوان تھا لیکن ان پر ایسا تاثر طاری ہو گیا جیسے یہ کھنڈر ہوں۔ ایران کی اب کوئی رفاہ نظر نہیں آتی تھی۔ رقص و نغمہ کی محفلیں اب سو گوار تھیں۔ یہ وہی محل تھا جہاں سے انسانوں کی موت کے پوانے جاری ہو کر آتے تھے۔ یہاں کنواروں کی عصمتیں لٹی تھیں۔ رعایا کی جبین بیٹیوں کو زبردستی بچایا جاتا تھا۔

عرب کے جو مسلمان عراق میں آباد ہو گئے تھے انہیں فارس کے شہنشاہوں نے بیڑ بھر بیاں بنادیا تھا۔ عراق فارس کی سلطنت میں شامل تھا۔ مسلمانوں کو آتش پرستوں نے دجلہ اور فرات کے گھم کے لہجہ علاقے میں رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان کے فصل، ان کی خون پسینے کی کھائی اور ان کے مال و اموال پر ان کا کوئی حق نہ تھا۔ حد یہ کہ مسلمانوں کی بیٹیوں، بہنوں اور بیویوں پر بھی ان کا حق نہیں رہا تھا۔ کسریٰ کا کوئی حاکم کسی بھی مسلمان خاتون کو حجب چاہتا، زبردستی اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔

یہی وہ حالات ہوتے ہیں جو مثنیٰ بن حارثہ جیسے مجاہدین کو جنم دیا کرتے ہیں۔ مثنیٰ بن حارثہ کو بچہ بچہ قتل کر دینے کا حکم انہی محلات میں سے جاری ہوا تھا اور حجب ان محلات میں یہ خبر پہنچی تھی کہ مدینہ کے مسلمانوں کا لشکر فارس کی سرحد میں داخل ہو گیا ہے تو یہاں سے فرعونوں جیسی آواز اٹھتی تھی کہ عرب کے ان بددول کو یہ جرات کیسے ہوئی.... تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ فرعونوں کے ان محلات میں موت کا سا تاثر طاری تھا۔ ان کوئی

سالار مسلمانوں کے سامنے نہیں ٹھہر سکا تھا۔ نامی گرامی سالار مارے گئے تھے اور جو بچ گئے تھے وہ بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔

”مدائن کو بچاؤ۔ اب کسری کے حملات سے بار بار یہی آواز اٹھتی تھی۔“

”مدائن مسلمانوں کا قہرستان بنے گا۔“ یہ آواز مارے ہوئے سالاروں کی تھی۔ ”وہ مدائن بے کی جرات نہیں کریں گے۔“

کیا تم اب بھی اپنے آپ کو دھوکے دے رہے ہو؟۔ کسری کا جانشین کچھ رہتا تھا۔ ایک ماہ کے آنے کی جرات نہیں کریں گے جنہوں نے چند دنوں میں چار میدان اس طرح مار لیے ہیں کہ ہماری کچھ بکرا فوج کو ختم کر ڈالا ہے؟ ہماری فوج میں رہ ہی کیا گیا ہے؟ ڈرے ہوئے شکست خوردہ سالار اور اناڑی فوجوان سپاہی.... کیا کوئی عیسائی زندہ رہ گیا ہے؟.... مدائن کو بچاؤ؟

خالدؓ کی منزل مدائن ہی تھی۔ مدائن فارس کی شناسائی کا دل تھا لیکن مدائن پر شب خون نہیں مارا جا سکتا تھا۔ خالدؓ جانتے تھے کہ مدائن کو بچانے کے لیے کسری ساری جنگی طاقت ڈاڈر لگا دیں گے اور خالدؓ یہ بھی جانتے تھے کہ غیر مسلموں خصوصاً عیسائیوں کے کئی چھوٹے چھوٹے قبیلے ہیں جو کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوتے۔ خطرہ تھا کہ آتش پرست ان قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا لیں گے اور مدائن کے ارد گرد انسانوں کی بڑی مضبوط دیوار کھڑی ہو جائے گی۔ اس خطرے سے نمٹنے کے لیے ضروری تھا کہ ان قبیلوں کو اپنا دھارنا لیا جائے۔ اس مقصد کے لیے خالدؓ نے اپنے اچھی مختلف قبیلوں کے سرداروں سے ملنے کے لیے روانہ کر دیے صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ یہ لوگ سوچتے کیا ہیں اور ان کا رجحان کیا ہے۔

۹۱

”ان قبیلوں پر ہماری دھاک ٹپھی ہوئی ہے۔“ ایک جاسوس نے خالدؓ کو تفصیلی اطلاع دی۔ ”وہ اپنی عورتوں اور اسواں کے لیے پریشان ہیں۔ انہیں کسری پر بھروسہ نہیں رہا۔“ اور وہ نوشیرواں عادل کے دور کو یاد کرتے ہیں۔ ”ایک اچھی نے آکر بتایا۔“ وہ مدائن کی خاطر لڑنے پر آمادہ نہیں۔ انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ نئی غلب، غمز اور یاد جیسے بڑے اور جنگجو قبیلوں کا کیمپ انہماں ہوا ہے۔“

”وہ اطاعت قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔“ ایک اور اچھی نے بتایا۔ ”بشرطیکہ ان کے ساتھ انصاف کیا جائے اور محمولات کے لیے انہیں مفلس اور کھنگال نہ کر دیا جائے۔“

”خدا کی قسم، وہ مانگیں گے ہم انہیں دیں گے۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”کیا کسی نے انہیں بتایا نہیں کہ ہم میں پر قبضہ کرنے اور یہاں کے انسانوں کو غلام بنانے نہیں آتے؟.... بلاؤ، ان سب کے سرداروں کو بلاؤ۔“ ایک دو تہوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے عراق کے طول و عرض میں جگہ جگہ حملے کر کے اور شب خون مار کر تمام قبیلوں کو اپنا طبع بنالیا تھا۔ یہ صحیح نہیں۔ حقیقت یہ ہے جو زیادہ تر تہوں نے یہاں کی ہے کہ خالدؓ نے دو تہی کا ہاتھ بڑھا کر ان قبیلوں کو اپنا اتحادی بنالیا تھا۔ ان کے اطاعت قبول کرنے میں خالدؓ کسے دہشت بھی شامل تھی۔ یہ خبر صحرا کی آمدنی کی طرح تمام تہ قبیلوں تک پہنچ گئی تھی کہ مسلمانوں میں کوئی ایسی طاقت ہے جس کے سامنے دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی فوج بھی ٹھہر سکتی۔

ایرانیوں کے متعلق بھی انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ ہر میدان میں انہوں نے مسلمانوں سے شکست کھائی ہے۔ اور عیسائیوں کو آگے کر کے خود بھاگ آتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ایران کے بادشاہوں اور ان کے حاکموں نے انہیں زرخیز غلام بنائے رکھا اور ان کے حقوق بھی غصب کیے تھے۔

خالدؓ نے ان کے ساتھ دوستی کے معاہدے کر کے ان سے اطاعت بھی قبول کر والی اور انہی میں سے عمال مقرر کر کے محمولات وغیرہ کی فراہمی کا بندوبست کر دیا۔ انہیں مذہبی فرائض کی ادائیگی میں پوری آزادی دی۔ ان لوگوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ مسلمان ان کی آتی خواہشوں اور عورتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ خالدؓ نے ان کے ساتھ معاہدے میں یہ بھی شامل کیا کہ مسلمان ان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔

”ولید کے بیٹے؟“ ایک قبیلے کے بڑے سردار نے خالدؓ سے کہا تھا۔ ”نوشیرواں عادل کے دور میں ایسا ہی انصاف تھا۔ یہیں بڑی لمبی مدت بعد نصیب ہوا ہے۔“

۹۲

خالدؓ نے دریا تے فرات کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ آگے عراق (فارس کے زینگیس) کی سرحد ختم ہوتی اور رومیوں کی سلطنت شروع ہوتی تھی۔ شام پر رومیوں کا قبضہ تھا۔ خالدؓ نے بڑے خطرے ٹول لیے تھے مگر یہ خطرہ جس میں وہ جا رہے تھے، سب سے بڑا تھا اور مسلمانوں کی فتوحات پر پانی پھیر سکتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ بعد دیگرے اتنی زیادہ فتوحات نے خالدؓ کا دماغ غلب کر دیا ہے لیکن ایسا نہیں تھا۔ تہوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ حقائق کا جائزہ لے کر سوچتے تھے۔ ان کا کوئی قدم بلا سوچے نہیں اٹھاتا تھا۔

”خدا کی قسم، ہم نے مدینہ کو زلزلت کے پجاریوں سے محفوظ کر لیا ہے۔“ خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا۔ ”اب ایسا خطرہ نہیں رہا کہ وہ ہماری خلافت کے مرکز پر حملہ کریں گے۔“ ”کیا یہ الشرا کا کام نہیں کہ فاسیوں کو اب اپنے مرکز کا غم لگ گیا ہے؟“ سالار قنقاع بن عمرو نے کہا۔ ”وہ اب عرب کی طرف دیکھنے سے بھی ڈریں گے۔“

”لیکن سانپ ابھی مرا نہیں۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”اگر ہم یہیں سے واپس چلے گئے تو کسری کی فوج پھر اٹھے گی اور یہ علاقے واپس لینے کی کوشش کرے گی جو ہم نے فاسیوں سے چھین لیے ہیں۔ ہمیں ان کے راستے بند کرنے ہیں.... اور میرے بھائیو! کیا تم میں سے کسی نے ابھی سوچا نہیں کہ آتش پرستوں کے پہلو میں رومی ہیں۔ اگر رومیوں میں کچھ عقل ہے تو وہ اس صورت حال سے جو ہم نے عراق میں پیدا کر دی ہے فائدہ اٹھائیں گے۔ وہ آگے بڑھیں گے اور اگر وہ کامیاب ہو گئے تو عرب کے لیے وہی خطرہ پیدا ہو جائے گا جو اس سے پہلے ہیں زلزلت کے پجاریوں سے تھا۔“

خالدؓ نے زمین پر انگلی سے لیکر کھینچ کر اپنے سالاروں کو بتایا کہ وہ کون سا راستہ ہے جس سے رومی آسکتے ہیں اور وہ کون سا مقام ہے جہاں قبضہ کر کے ہم اس راستے کو بند کر سکتے ہیں۔

وہ مقام فراض تھا۔ یہ شہر فرات کے مغربی کنارے پر واقع تھا۔ وہاں سے رومیوں اور فاسیوں کی یعنی شام اور عراق کی سرحدیں ملتی تھیں۔ عراق کے زیادہ تر علاقے پر اب مسلمان قابض ہو گئے تھے۔ یہی علاقے

مداخن کے دربار سے ان تمام عیسائی قبیلوں کے سرداروں کو بلاوا بھیجا گیا۔ یہ دو تین قبیلے، بنی تغلب، نزار، ابادتے جو مسلمانوں سے بہت بڑی شکست کھا چکے تھے۔
 ترزخوں نے لکھا ہے کہ انہیں جوں ہی اطلاع ملی تو وہ فوراً مدائن پہنچے۔ وہ اپنے ہزار ہاتھوں میں کا
 انتقام لینا چاہتے تھے اور وہ اسلام کے پھیلاؤ کو بھی روکنا چاہتے تھے۔ ان قبیلوں میں جوڑا۔ نہ والے
 تھے وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جا چکے تھے۔ جہاں سال آدی بہت کم رہ گئے تھے۔ اب انحریت
 اور صحرانوردوں کی تھی۔

خالد کا فرائض کی طرف کوچ ان کی خود سری کا مظاہرہ تھا۔ امیر المومنین حضرت ابو بکر نے انہیں صرف
 فارس والوں سے لڑنے کی اجازت دی تھی۔ امیر المومنین کو تو یہ بھی توقع نہیں تھی کہ اپنی اتہام فوج فارس
 میں ہی طاقتور فوج کو شکست دے گی لیکن امیر المومنین ایسا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے کہ اتنی لڑائیاں
 لاکھ روپیوں سے بھی ٹھیکری جائے۔ رومیوں کی فوج فارسوں کی فوج سے بہتر تھی۔

یہ خالد کا اپنا فیصلہ تھا کہ فرائض کے مقام پر جا کر رومیوں اور فارسوں کی ناکہ بندی کر لی جائے خالد
 چین سے بیٹھنے والے سالار نہیں تھے۔ اس کے علاوہ وہ رسول اکرم کے جنگی اصولوں کے متبع تھے۔
 مثلاً یہ کہ دشمن کے سر پر سوار رہو۔ اگر دشمن کی طرف سے حملے کا خطرہ ہے تو اس کے حملے کا انتہا۔ بخود۔
 آگے بڑھو اور حملہ کرو۔ خالد نے اپنے آپ پر جہاد کا جہنم طاری کر رکھا تھا۔

۴

جب خالد کے جاسوسوں نے انہیں اطلاع دی کہ شروع کیں تو خالد کے چہرے پر ایسی
 سنجیدگی طاری ہو گئی جو پہلے کم ہی کبھی طاری ہوئی تھی۔ انہیں پتہ چلا کہ وہ دو فوجوں کے درمیان آ
 گئے ہیں۔ ایک طرف رومی دوسری طرف فارسی اور ان کے ساتھ عیسائی قبیلوں کے بھی لوگ تھے۔
 خالد کے ساتھ نفری پہلے سے کم ہو گئی تھی کیونکہ جو علاقے انہوں نے فتح کیے تھے وہیں اپنی کچھ نفری کا
 ہونا لازمی تھا۔ بغاوت کا بھی خطرہ تھا اور آتش پرست فارسوں کے جوابی حملے کا بھی۔

خالد فرائض میں رمضان ۱۲ھ کے آخری (دسمبر ۶۳۳ء کے پہلے) ہفتے میں پہنچے تھے۔ مجاہدین
 روزے سے تھے۔

مسلمانوں کی فوج دریائے فرات کے ایک کنارے پر خیمہ زن تھی۔ دوسرے کنارے پر بالکل
 سامنے رومی ایرانی اور عیسائی پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ دونوں طرف کے سنتری فرات کے کناروں پر
 ہر وقت پہرے پر کھڑے رہتے اور گشتی سنتری گھوڑوں پر سوار دریا کے کناروں پر پھرتے رہتے تھے۔
 خود خالد دریا کے کنارے دور تک چلے جاتے اور دشمن کو دیکھتے تھے۔

ایک شام رومیوں اور ایرانیوں کی خیمہ گاہ میں ہڑ بونگ بج گئی اور وہ لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ وجہ
 یہ ہوئی کہ مسلمانوں کے کیمپ سے ایک شور اٹھا تھا اور دف اور نقارے بجنے لگے تھے۔ تمام فوج اچھل کود
 کر رہی تھی۔ دشمن اسے حملے سے پہلے کا شور سمجھا۔ اس کے سالار وغیرہ فرات کے کنارے پر آ کر
 دیکھنے لگے۔

”ان کے گھوڑے زینوں کے بغیر بندھے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔ دشمن کے کسی آدمی نے چلا کر کہا۔

خطرے میں تھے۔ فرائض سے خشکی کے راستے کے علاوہ رومی یا فارسی دریائی راستہ بھی اختیار کر سکتے
 تھے۔ مشہور یونانی مورخ لین پول اور ہنری ساتھ جو جنگی امور پر زیادہ نظر رکھتا تھا، لکھتے ہیں کہ خالد نہ صرف
 میدان جنگ میں دشمن کو غیر متوقع چالیں مل کر شکست دینے کی اہلیت رکھتے تھے بلکہ جنگی تدبیر بھی ان میں
 موجود تھا اور ان کی نگاہ دور دور تک دیکھ سکتی تھی۔ وہ آسنے والے وقت کے خطوط کو پہلے ہی بھانپ
 لیا کرتے تھے۔

خالد جب فرائض کی طرف کوچ کر رہے تھے اس وقت ایک خطرے سے وہ آگاہ نہیں تھے۔ وہ
 نہیں جانتے تھے کہ وہ دشمن فوجوں کے درمیان آ جائیں گے۔

۵

رومیوں کے دربار میں ایسی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جن میں ضروری پر تھا اور صاف پہنچا
 تھا کہ کوئی ہنگامی صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ تخت شاہی کے سامنے رومی فوج کے جڑے جڑے
 جرنیل بیٹھے تھے۔

”خبر ملی ہے کہ مسلمان فرائض تک پہنچ گئے ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کا ارادہ کیا ہے۔“
 ”وہ کسی اچھے ارادے سے تو نہیں آتے۔۔۔ کیا آپ کو فارسوں کے متعلق کوئی خبر نہیں ملی؟“
 ”ان کے پاس مدائن کے سوا کچھ نہیں رہا۔“

”پھر میں انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ پیشتر اس کے کہ مسلمان ہمارے ملک میں داخل ہو جائیں ہیں ان
 پر حملہ کر دینا چاہیے۔“

”کیا تم سے بڑھ کر کوئی حق ہماری فوج میں ہوگا؟ کیا تم نے سنا نہیں کہ فارس کی فوج کو اور ان کے
 ساتھی نزار، عیسائیوں کو ان مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ ہر جگہ شکست دی ہے بلکہ ان کے نامور جرنیلوں کو
 اور ہزاروں سپاہیوں کو مار ڈالا ہے؟“

”آپ نے ٹھیک کہا ہے۔ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مدینہ والوں کا لڑنے کا طریقہ کیا ہے۔“
 ”بہت ضروری ہے دیکھنا۔ وہ جو اتنی بھڑائی تعداد میں اتنی زیادہ تعداد کو شکست دے کر ختم کر چکے
 ہیں ان کا کوئی خاص طریقہ جنگ ہوگا۔ ہم بھی فارس کی فوج کے خلاف لڑ چکے ہیں۔ یہ صبح ہے کہ ہم نے
 فارسوں کو شکست دی تھی لیکن ہماری فوج کی نفری ان سے زیادہ تھی۔“
 ”اب میرا فیصلہ سن لو۔ ہم فارسوں کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے خلاف لڑیں گے۔“

”فارسوں کو ساتھ ملا کر؟ کیا ہمیں بھول جانا چاہیے کہ فارسوں کے ساتھ ہماری دشمنی ہے؟ ہماری
 آپس میں جنگیں ہو چکی ہیں۔“

”ہاں! ہمیں بھول جانا چاہیے۔ مسلمان ان کے اور ہمارے مشترکہ دشمن ہیں۔ ایسے دشمن کو شکست
 دینے کے لیے اپنے دشمن کو دوست بنالینا دانشمندی ہوتی ہے۔ ہم فارسوں کی طرح شکست نہیں کھانا چاہتے۔
 اگر فارسی ہمارے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر لیتے ہیں تو ان کے ساتھ عیسائی قبیلے بھی آ جائیں گے۔“
 اس فیصلے کے مطابق رومیوں کا اپنی دوستی کا پیغام لے کر مدائن گیا تو آتش پرستوں نے بازو پھیلا
 کر اپنی کا استقبال کیا۔ تحائف کا تبادلہ ہوا اور اپنی کے ساتھ ہی معاہدے کی شرطیں طے ہو گئیں۔ فارس
 والوں کو اپنا تخت التا نظر آ رہا تھا۔ رومیوں کے پیغام کو انہوں نے شہی مدد سمجھا۔

”وہ تیاری کی حالت میں نہیں۔۔۔ کسی اور نے کہا۔

”وہ دیکھو۔۔۔ ایک اور نے کہا۔۔۔“ آسمان کی طرف دیکھو۔ مسلمانوں نے عید کا چاند دیکھ لیا ہے۔ آج رات اور کل سارا دن یہ لوگ خوشیاں منا ئیں گے۔

اگلے روز مسلمانوں نے ہنگامہ خیز طریقے سے عید الفطر کی خوشیاں منائیں۔ اسی خوشی میں فتوحات کی سرستیں بھی شامل تھیں۔ مسلمان جب عید کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو دریا کے کنارے اور کمپ کے ارد گرد سنتریوں میں اضافہ کر دیا گیا تاکہ دشمن نماز کی حالت میں حملہ نہ کر سکے۔ ”مجاہدین اسلام!“ خالدؓ نے نماز کے بعد مجاہدین سے مختصر سا خطاب کیا۔۔۔ ”نماز کے بعد ایسے انداز سے اس تقریب سمیٹ کر خوشیاں مناؤ کہ دشمن یہ تاثر لے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کا اندیشہ نہیں اور انہیں اپنی فتح کا پورا یقین ہے۔ دریا کے کنارے جا کر تاجو کو دو۔ تم نے جس طرح دشمن پر اپنی تلوار کی دھاک بٹھائی ہے اس طرح اس پر اپنی خوشیوں کی دھشت بٹھا دو، لیکن میرے رفیقو! اس حقیقت کو نہ بھولنا کہ تم اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ایک سے ایک کٹھن آزمائش میں پورے اترے ہو، مگر اب تمہارے سامنے سب سے زیادہ کٹھن اور خطرناک آزمائش آگئی ہے۔ تمہارا سامنا اس وقت کی دو طاقتوں سے ہے جنہیں عیسائیوں کی مدد بھی حاصل ہے۔ میں جانتا ہوں تم جسمانی طور پر لڑنے کے قابل نہیں رہے، لیکن اللہ نے تمہیں روح کی جوتو قس بخش دی انہیں کمزور نہ ہونے دینا، کیونکہ تم ان قوتوں کے بل پر دشمن پر غالب آتے چلے جا رہے ہو۔ میں بتا نہیں سکتا کل کیا ہو گا۔ ہر خطرے کے لئے تیار رہو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔“ خالدؓ کے خاموش ہوتے ہی مجاہدین کے نعروں نے آواز دہرایا۔ پھر سب دوڑتے دوڑتے دریا کے کنارے جا پہنچے۔ انہوں نے دریا کے کنارے گھوڑے بھی دوڑائے اور ہر طرح عید کی خوشی منائی۔

۹۷

خالدؓ کے سالاروں کو توقع تھی کہ خالدؓ بن ولید یہاں بھی شب خون کی سوج رہے ہوں گے۔ خالدؓ نے اتنے دن گزار جانے کے بعد بھی سالاروں کو نہیں بتایا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ فوجیں آسنے سامنے بیٹھی تھیں۔ آخر خالدؓ نے اپنے سالاروں کو مشورے، تجاویز اور احکام کے لیے بلایا۔

”میرے رفیقو!۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔“ شاید تم یہ سوچ رہے ہو گے کہ یہاں بھی شب خون مارا جائے گا لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ یہاں صورت حال شب خون والی نہیں۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے ہم ہمیشہ قلیل تعداد میں لڑے ہیں لیکن یہاں ہمارے درمیان دریا جا مل ہے۔ دشمن اس دریا سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ دشمن اتنی زیادہ تعداد کے باوجود ہم پر حملہ نہیں کر رہا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ احتیاط سے کام لے رہا ہے۔ ہمارے لیے بہتر یہ ہے کہ اس کی احتیاط کو ہم اور طول دیں اور جیسے میں پہل نہ کریں میں چاہتا ہوں کہ حملے میں وہ پہل کرے۔ اگر تم کوئی شور نہ دینا چاہو تو میں اس پر غور اور عمل کر دوں گا۔“

تقریباً تمام سالاروں نے متفقہ طور پر کہا کہ ہم پہل نہ کریں اور کوئی ایسی صورت پیدا کریں کہ دشمن دریا عبور کر آئے۔ کچھ دیر سالاروں نے بحث مباحثہ کیا اور ایک تجویز پر متفق ہو گئے اور اسی روز اس پر عمل شروع کر دیا گیا۔ اس کے مطابق کوئی ایک دستہ تیار ہو کر دریا کے ساتھ کسی طے شدہ جگہ پر پہنچا۔ دشمن یہ

شمشیر بے نیام حصہ دوم

سمجھتا کہ مسلمان کوئی نقل و حرکت کر رہے ہیں چنانچہ اسے بھی اس کے مطابق کوئی نقل و حرکت یا پیش بندی کرنی پڑی۔

یہ سلسلہ پندرہ سولہ دن چلتا رہا۔ بعض ترخوں نے لکھا ہے کہ رومی مسلمانوں کی ان حرکات سے تنگ آ گئے۔ وہ پہلے مسلمانوں کے خلاف کسی میدان میں نہیں لڑے تھے۔ ان کے سالاروں کے ذہنوں پر یہ بات آسیب کی طرح سوار ہو گئی تھی کہ جن قلیل فوج نے فارسیوں جیسی طاقتور فوج کو ہٹانے کے قابل نہیں چھوڑا وہ فوج کوئی خاص طاقت ہے جسے ان کے سوا کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ خالدؓ دشمن پر نفسیاتی وار کرنے کی مہارت رکھتے تھے۔ اس صورت حال میں بھی انہوں نے رومیوں کو تذبذب میں مبتلا کر کے ان کے ذہنوں پر ایسا نفسیاتی اثر ڈالا کہ وہ نہ کچھ سمجھنے کے اور نہ کوئی فیصلہ کرنے کے قابل رہے۔

۹۸

۱۱ جنوری ۶۳۴ء (۱۵ ذی قعدہ ۱۲ھ) کے روز دشمن اس قدر تنگ آ گیا کہ اس کے ایک سالار نے دریا کے کنارے کھڑے ہو کر بڑی بلند آواز سے مسلمانوں سے کہا۔ ”کیا تم دریا پار کر کے ادھر آؤ گے یا ہم دریا پار کر کے ادھر آجائیں؟“

”ہم تعدا میں بہت تھوڑے ہیں۔“ خالدؓ بن ولید نے اعلان کر دیا۔ ”ہم سے ڈرنے کیوں ہو؟ تمہاری تعدا ذاتی زیادہ ہے کہ تمہیں ہم سے پوچھے بغیر ادھر آ جانا چاہیے۔“

”پھر سنبھل جاؤ۔“ دشمن کی طرف سے لڑاکا رسائی دی۔ ”ہم آ رہے ہیں۔“ دشمن نے دریا عبور کرنا شروع کر دیا۔ خالدؓ نے اپنے مجاہدین کو دریا کے کنارے سے ہٹا کر کچھ دور لڑائی کی ترتیب میں کر لیا۔ حسب معمول ان کی فوج تین جھنڈوں میں بٹی ہوئی تھی اور خالدؓ خود درمیانی جھنڈے کے ساتھ تھے۔ جنگی مہتمم نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے دشمن کے لیے اتنی زیادہ جگہ خالی کر دی کہ دشمن اور اس کے پیچھے دریا، ان دونوں کے درمیان اتنی جگہ خالی رہے کہ اس کے عقب میں جا پناہ بے توجہ مل جاتے۔ دریا ان کے عقب کی حفاظت کرتا۔

جب دشمن میدان میں آ گیا تو رومی جرنیلوں نے فارسیوں اور عیسائیوں کے لشکر کو ان کے قبیلوں کے مطابق تقسیم کر دیا۔ انہوں نے ایرانی سالاروں سے کہا کہ اس تقسیم سے یہ نتیجہ چل جائے گا کہ کون کس طرح لڑا ہے۔ بجائے والوں کے قبیلے کا بھی علم ہو جائے گا۔

تقسیم اس طرح ہوئی کہ رومی الگ ہو گئے۔ مذاں کی فوج ان سے کچھ دور الگ ہو گئی اور عیسائیوں کے قبیلے مذاں کی فوج سے الگ اور ہر قبیلہ ایک دوسرے سے الگ الگ ہو گیا۔ رومی جرنیلوں نے (مورخوں کے مطابق) یہ تقسیم اس لیے بھی کی تھی کہ مسلمانوں کو بھی اس تقسیم کے مطابق اپنی تقسیم کرنی پڑے گی جس کے نتیجے میں وہ بکھر جائیں گے اور انہیں آسانی سے شکست دی جائے گی۔

”میرے رفیقو!۔۔۔ خالدؓ نے دشمن کو اس طرح تقسیم ہونے دیکھ کر اپنے سالاروں کو بلایا اور ان سے کہا۔ ”خدا کی قسم، دشمن خود احمق ہے یا ہمیں احمق سمجھتا ہے۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ دشمن نے اپنی جمعیت کو کس طرح بکھر دیا ہے؟“

”دشمن نے ہمارے لیے مشکل پیدا کر دی ہے ابن ولید!۔۔۔ سالار قعاق بن عمرو نے کہا۔“ اس کے

مطابق نہیں بھی کھڑا پڑے گا۔ پھر ایک ایک کا مقابلہ دس دس کے ساتھ ہوگا۔
 ”ماغولی کو دشمنی دینے والا اللہ ہے۔“ خالد نے کہا۔ ”ہم آٹھ آٹھ کے لڑائی نہیں لڑیں گے۔
 سوار دستوں کے سالار لیں۔ فوراً سوار دو حصوں میں تقسیم ہو کر دشمن کے دائیں اور بائیں چلے جائیں۔ پیادے
 بھی ان کے ساتھ رہیں اور دائیں بائیں پہنچ کر عقبہ میں جانے کی کوشش کریں۔ میں اپنے دستوں کے
 ساتھ دشمن کے سامنے رہوں گا۔ دشمن پر ہر طرف سے شدید حملہ کر دو۔ دشمن ابھی لڑائی کے لیے تیار نہیں ہوا۔
 چاروں طرف سے دشمن پر ایسا حملہ کر دو کہ اس کی تقسیم درہم درہم ہو جائے۔ اللہ کا نام لو اور کل جاؤ۔“

۱۴

رومی، ایرانی اور عیسائی تقسیم تو ہو گئے تھے لیکن ابھی لڑائی کے لیے تیار نہیں ہوئے تھے۔ خالد
 کے اشارے پر مسلمانوں نے ہر طرف سے دشمن پر حملہ کر دیا۔ دشمن پر جب حملے کے ساتھ ہر طرف سے
 تیر برسے لگے تو اس کے بٹے ہوئے حصے اندر کی طرف ہونے لگے اور ہوتے ہوئے وہ جہوم کی صورت
 میں بچا ہو گئے۔ مسلمان سواروں نے تھوڑی سی تعداد میں ہوتے ہوئے اتنے کثیر دشمن کو گھیرے میں لے
 لیا۔ دشمن کی حالت ایک گھنے جہوم کی سی ہو گئی جس سے گھوڑوں کے گھونسنے پھرنے کے لیے جگہ نہ رہی۔
 ایرانی اور عیسائی پہلے ہی مسلمانوں سے ڈرے ہوئے تھے۔ وہ چھپنے یا بچنے کے لیے انداز سے ڈی دستوں
 کے اندر چلے گئے اور انہیں حرکت کے قابل نہ چھوڑا۔

مسلمان سواروں نے دوڑتے گھوڑوں سے دشمن کے اس جہوم پر تیر برسائے جن سے دشمن کی اتنی بڑی
 تعداد اور زیادہ سمٹ گئی۔ اس کیفیت میں پیادہ مجاہدین نے ہلہ بول دیا۔ عقبہ سے حملہ ایک سوار دستے
 نے کیا۔ خالد نے اپنے تمام دستوں کو ایک ہی بار حملے میں نہ جھونک دیا۔ دستے باری باری حملہ کرتے تھے۔
 خالد نے ایسی چال چلی تھی کہ لڑائی کی صورت لڑائی کی نہ رہی بلکہ یہ روہیوں، آتش پرستوں اور عیسائیوں
 کا قتل عام تھا۔ روہیوں نے دفاعی لڑائی لڑنے کی کوشش کی لیکن میدان اس کے زخمیوں اور اس کی لاشوں سے
 بھر گیا۔ سپاہیوں کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور وہ میدان سے بھاگنے لگے۔

”پیچھے جاؤ۔“ خالد نے حکم دیا۔ ”ان کے پیچھے جاؤ۔ کوئی زندہ بچ کر نہ جائے۔“

مجاہدین نے تعاقب کر کے بھاگنے والوں کو تیروں اور بچھیوں سے ختم کیا اور مہر کہ ختم ہو گیا۔ تقریباً
 تمام توڑخوں نے لکھا ہے کہ اس مہر کے میں ایک لاکھ رومی، ایرانی اور عیسائی مارے گئے۔ ایک بہت
 بڑی اتحادی فوج ختم ہو گئی۔ مسلمانوں کی تعداد پندرہ ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔

خالد دس روز دیں رہے۔ انہوں نے بڑی تیزی سے وہاں کا انتظامی ڈھانچہ مکمل کیا۔ ایک دستہ
 وہاں چھوڑا اور ۳۱ جنوری ۶۳۲ء (۲۵ ذی قعدہ ۱۲ھ) کے روز شکر کو حیرہ کی طرف کوچ کا حکم دیا۔

”کیا تم دیکھ نہیں رہے ابن ولید خبیث سا ہو گیا ہے؟“ ایک سالار اپنے ایک ساتھی سالار
 سے کہہ رہا تھا۔ ”خدا کی قسم، میں نہیں مانوں گا کہ ابن ولید تمک گیا ہے یا سسل معروں سے اٹھا گیا ہے۔“
 ”اور میں یہ بھی نہیں مانوں گا کہ ابن ولید در گیا ہے کہ وہ اپنے مستقر سے آئی دور دشمن ملک کے
 اندر آ گیا ہے۔“ دوسرے سالار نے کہا۔ ”لیکن میں اسے کسی سوچ میں ڈوبا ہوا ضرور دیکھ رہا ہوں۔“
 ”اے، وہ کچھ اور سوچ رہا ہے۔“

”پوچھ نہ لیں؟“

”ہم نہیں پوچھیں گے تو اور کون پوچھنے آئے گا؟“

خالد سوچ میں ڈوب ہی جا کر کہتے تھے۔ یہ ایک مہر کے کی فراغت کے بعد اگلے مہر کے
 کی سوچ ہوئی تھی۔ وہ سوچ سمجھ کر اور تمام شرمائی قوتوں کو برسنے کا لاکر لڑا کرتے تھے۔ دشمن کے
 پاس بے پناہ جنگی قوت تھی۔ وہ گہری سوچ کے بغیر اپنی فوج کی برتری اور افراط کے بل بوتے پر بھی
 لڑ سکتا تھا۔ مسلمان ایسا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ ان کی تعداد کسی بھی مہر کے میں اٹھارہ ہزار سے
 زیادہ نہیں تھی۔ ان کی تعداد پندرہ اور اٹھارہ ہزار کے درمیان رہتی تھی۔ ایک ایک مجاہد کا مقابلہ تین
 سے چھ کفار سے ہوتا تھا۔ لہذا انہیں عقل اور ہوشمندی کی جنگ لڑنی پڑتی تھی۔

ایسی عقل اور ہوشمندی میں خالد کا کوئی ثانی نہ تھا۔ انہی اوصاف کی بدولت رسول اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم نے انہیں اللہ کی تلوار کہا تھا۔ جذبہ تو خالد میں تھا ہی لیکن انہیں دماغ زیادہ لڑانا پڑتا تھا۔ مہر کے
 سے پہلے خالد جاسوسوں سے دشمن کی کیفیت اور اس کی زمین اور فوجی وغیرہ کی تفصیلات معلوم کر کے
 گہری سوچ میں ڈوب جاتے پھر اپنے سالاروں سے صلاح مشورہ کرتے تھے لیکن فرائض کی جنگ کے
 بعد ان پر ایسی خاموشی طاری ہو گئی تھی جو کچھ اور ہی قسم کی تھی۔ ان کی اس خاموشی کو دیکھ کر ان کے سالار کچھ
 پریشان سے ہو رہے تھے۔ یہ فرائض سے حیرہ کی طرف کوچ (۲۵ ذی قعدہ ۱۲ھ) سے دو روز پہلے
 کا واقعہ ہے۔ تین چار سالار خالد کے خیمے میں جا بیٹھے۔

”ابن ولید! سالار قحطاح بن عمرو نے کہا۔ ”خدا کی قسم، جس سوچ میں تو ڈوبا ہوا ہے اس کا
 تعلق کسی لڑائی کے ساتھ نہیں۔ ہم ایک ہی منزل کے مسافر ہیں۔ تجھے اکیلا پریشان نہیں ہونے دیں گے۔“
 خالد نے سب کی طرف دیکھا اور مسکراتے۔

”ابن عمرو ٹھیک کہتا ہے۔“ خالد نے کہا۔ ”میں جس سوچ میں پڑا رہتا ہوں اس کا تعلق کسی لڑائی
 کے ساتھ نہیں۔“

”کچھ نہیں بھی بتا ابن ولید! ایک اور سالار نے کہا۔ ”خدا کی قسم، تو پسند نہیں کرے گا کہ ہم
 سب تجھے دیکھ کر پریشان ہو رہے ہیں۔“

خالدؓ نے انہیں پہلے یہ بتایا کہ وہ کیا کریں پھر وہ راستہ بتایا جس راستے سے انہیں حج کے لیے مکہ جانا اور آنا تھا۔ حج میں صرف چودہ دن باقی تھے اور فرائض سے منہ نہک کی مسافت تیز چلنے سے اڑھائی مہینے سے کچھ زیادہ تھی۔ خالدؓ کو کوئی چھوٹا راستہ دکھانا تھا لیکن کوئی راستہ چھوٹا انہیں تھا۔ خالدؓ تاجر خاندان کے فرد تھے۔ قبول اسلام سے پہلے خالدؓ نے تجارت کے سلسلے میں بڑے لمبے اور کٹن سفر کئے تھے۔ وہ ایسے راستوں سے بھی واقف تھے جو عام راستے نہیں تھے بلکہ وہ راستے کہلاتے ہی نہیں تھے۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں کو ایک ایسا ہی راستہ بتایا۔

”خدا کی قسم ابن ولید! — فثنی بن حارثہ نے کہا۔“ تیرا دماغ خراب نہیں ہوا پھر بھی تو نے ایسی بات کہہ دی ہے جو حقیقت دماغ والے نہیں کہہ سکتے۔ تو جو راستہ بتا رہا ہے وہ کوئی راستہ نہیں، وہ ایک علاقہ ہے اور اس علاقے سے صحرا کی ہوائیں بھی ڈر ڈر کر گزرتی ہیں۔ کیا تو مرنے کا کوئی اور طریقہ نہیں جانتا؟ کیا میں اس علاقے سے واقف نہیں؟

”جس اللہ نے ہیں اتنے زبردست دشمنوں پر غالب کیا ہے وہ مجھے اس علاقے سے بھی گزارے گا۔“ خالدؓ نے ایسی سکراہٹ سے کہا جس میں عزم اور خود اعتمادی تھی۔ ”میں یقین سے کہتا ہوں کہ تم مجھے جانے سے نہیں روک گے اور میرے اس راڈ کو اس نیچے سے باہر نہیں جانے دے گے۔ میں یہ راز امیر المومنین سے بھی چھپا کر رکھوں گا۔“

”اگر امیر المومنین بھی حج پر آگئے تو کیا کرے گا تو؟ — ایک سالار نے پوچھا۔

”میں اُن سے اپنا چہرہ چھپاؤں گا۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”تم سب میرے لیے دعاؤں ضرور کرو گے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس طرح تم سے آملوں گا کہ تم کو گے کہ شخص راستے سے واپس آگیا ہے۔“



زیادہ تر مومنین، خصوصاً طہری نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ خالدؓ نے ۱۲ ہجری کا حج کی طرح کیا۔ ان حالات میں کہ ان کی گھر فارس کی شہنشاہی سے تھی اور انہوں نے دم کی شہنشاہی کے اندر جا کر حملہ کیا تھا۔ یہ خطرہ ہر لمحہ موجود تھا کہ یہ دونوں بادشاہیاں مل کر جوابی حملہ کریں گی۔ اس خطرے کے پیش نظر خالدؓ وہاں سے غیر حاضر نہیں ہو سکتے تھے لیکن حج کا عزم اتنا بڑھا اور خواہش اتنی شدید تھی کہ اسے وہ باہر نہ سکے۔ پہلے سنا یا چا چکا ہے کہ لشکر فرائض سے حیرہ کو کوچ کر رہا تھا۔ خالدؓ نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ ہراول تھا، دوسرا اس کے پیچھے اور تیسرا حصہ عقب میں تھا۔ خالدؓ نے خاص طور پر اعلان کر دیا کہ وہ عقب کے ساتھ ہوں گے۔ لشکر کو حیرہ تک پہنچنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ تیز گزرنے کی صورت میں کیا جاتا تھا جب کہیں حملہ کرنا ہوتا یا جب اطلاع ملتی تھی کہ فلاں جگہ دشمن حملے کی تیاری کر رہا ہے۔ اب ایسی صورت نہیں تھی۔

لشکر کے کوچ کی رفتار تیز نہ کرنے کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ کوہ میدان جنگ کی طرف نہیں بلکہ اپنے مختصر شہر کی طرف ہو رہا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مجاہدین متواتر لڑائیاں لڑتے اور پیش قدمی کرتے رہے تھے۔ اُن کے جسم شل ہو چکے تھے۔ خالدؓ نے کوچ معمولی رفتار سے کرنے کا حکم ایک اور وجہ سے بھی دیا تھا۔ اس وجہ کا تین سالاروں اور خالدؓ کے چند ایک ساتھیوں کے سوا کسی کو علم نہ تھا۔

”نہیں پسند کروں گا۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”تم میں سے کوئی بھی پریشان ہو گا تو یہ مجھے ناپسند ہو گا۔ میں کسی لڑائی کے لیے کبھی پریشان نہیں ہوا۔ تین تین دشمنوں کی فوجیں مل کر ہمارے خلاف آئیں میں پریشان نہیں ہوا۔ میں نے خلیفۃ المسلمین کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے روہوں کو جالاکا رہا میں نے ایک خطرہ مول لیا تھا۔ میں پریشان نہیں ہوا۔ مجھے ہر میدان میں اور ہر شکل میں اللہ نے روشنی دکھائی ہے اور تمہیں اللہ نے جہت دی ہے کہ تم اتنے جری دشمن پر غالب آئے۔“

”اب میری پریشانی یہ ہے کہ میں فریقہ حج ادا کرنا چاہتا ہوں لیکن تم دیکھ رہے ہو میں کہاں ہوں اور میری ذمہ داریاں کیا ہیں۔ کیا میں اس فرض کو چھوڑ کر حج کا فرض ادا کر سکتا ہوں؟ ... نہیں کر سکتا میرے رفیقو! لیکن میرا دل میرے قابو سے باہر ہو گیا ہے۔ خدا کی قسم، یہ میری روح کی آواز ہے کہ ولید کے بیٹے، کیا کچھ یقین ہے کہ تو اگلے حج تک زندہ رہے گا؟ ... مجھے یقین نہیں میرے رفیقو! ہم نے جن دو دشمنوں کو شکستیں دی ہیں، ان کی جنگی طاقت تم نے دیکھ لی ہے اور تم نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ تمام قبیلے فوراً اُن سے جا ملے ہیں۔ ابھی ہیں بڑی خوزر جنگیں لڑنی ہیں۔ فارسی اور رومی تیار ہو کر ہم سے شکستوں کا انتقام لیں گے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ میری زندگی چند روزہ رہ گئی ہے۔“

”اور میرے رفیقو! میں کچھ بھی نہیں۔ تم کچھ بھی نہیں۔ صرف اللہ ہے جو ہمارے سینوں میں ہے وہی سب کچھ ہے، پھر میں کیوں نہ اُس کے حضور اُس کے عظیم گھر میں جا کر سجدہ کروں؟ کیا تم مجھے اجازت دے گے کہ میں اپنی طرف سے، تم سب کی طرف سے اور ہر ایک مجاہد کی طرف سے خاندانہ جا کر اللہ کے حضور شکر ادا کروں؟“

”بے شک، بے شک۔“ ایک سالار نے کہا۔ ”کون رو کر سکتا ہے اس جذبے کو اور اس خواہش کو جو تو نے بیان کی ہے؟“

”لیکن تو حج پر جاتے گا کیسے ابن ولید! — فثنی بن حارثہ نے پوچھا۔“ پیچھے کچھ ہو گیا تو...“ ”میں کسی لڑائی میں مارا جاؤں گا تو خدا کی قسم تم یہ نہیں سوچو گے کہ اب کیا ہو گا۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”کیا میرے نہ ہونے سے تمہارے حوصلے ٹوٹ جائیں گے؟ ... نہیں... نہیں... ایسا نہیں ہو گا۔“ ”تو کعبہ کی قسم، ایسا نہیں ہو گا۔“ قحط بن عمرو نے کہا۔ ”ہم میں سے کوئی ایک بھی زندہ ہو گا تو وہ اسلام کے پرچم کو گھرے نہیں دے گا۔۔۔۔۔ یوں کراہن ولید! آج ہی قاصد کو روانہ کر دے کہ وہ امیر المومنین سے اجازت لے آئے کہ تو حج پر جا سکتا ہے۔“

”جس سوچ نے مجھے پریشان کر رکھا ہے وہی سوچ ہے۔“ خالدؓ نے سکرا کر کہا۔ ”میں جانتا ہوں امیر المومنین اجازت نہیں دیں گے۔ انہیں یہاں کے حالات کا علم ہے۔ اگر وہ اجازت دے بھی دیں تو خطرہ پیدا ہو جائے گا کہ دشمن کو پتہ چل جائے گا کہ ابن ولید چلا گیا ہے۔ میں اپنے لشکر کو بھی نہیں بتانا چاہتا کہ میں ان کے ساتھ نہیں ہوں۔ میں بہت کم وقت میں جا کر واپس آنا چاہتا ہوں۔“

”خدا کی قسم، ولید کے بیٹا! — فثنی بن حارثہ نے کہا۔“ تو نہیں جانتا کہ تو جو کہہ رہا ہے یہ ناممکن ہے۔“ ”اللہ ناممکن کو ممکن بنا دیتا کرتا ہے۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”انسان کو بہت کرنی چاہیے میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کیا کروں گا اور کس راستے سے جاؤں گا۔“

وہ وجہ یہ تھی کہ خالدؓ کو کونج کے دوران لشکر کے عقی جھٹے سے کھسک جانا تھا اور ایک گنہگار سے کھنکھور ہونا تھا۔ لشکر ۳۱ جنوری ۶۳۴ء کے روز چل پڑا۔ تاریخ میں اُس مقام کا پتہ نہیں ملتا جہاں لشکر نے پہلا روکیا تھا۔ قاتل کو جب لشکر گہری نیند سو گیا تو خالدؓ اپنے چند ایک ساتھیوں کے ساتھ خیمہ گاہ سے نکلے اور تپ ہو گئے۔ کسی بھی مورخ نے ان کے ساتھیوں کے نام نہیں لکھے جو ان کے ساتھ حج کو گئے تھے۔

خالدؓ اور ان کے ساتھی اونٹوں پر سوار تھے جس علاقے میں سے انہیں گزرنا تھا، وہاں سے صرف اونٹ گزر سکتا تھا۔ کھوڑا بھی جواب دے جاتا تھا۔ صحراؤں میں بعض علاقے بے حد دشوار گزار ہوتے تھے۔ مسافر ادھر سے گزرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ صحرائی قزاق اور بڑے پیمانے پر رہنمائی کرنے والے انہی علاقوں میں رہتے تھے اور ٹوٹ مار کا مال وہیں رکھتے تھے۔ ان میں کچھ علاقے ایسے خوفناک تھے کہ قزاق اور رہنمائی ان میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ اُس دور میں صحرا کے جس علاقے کو دشوار گزار اور خطرناک کہنا ہوتا تھا تو کہا جاتا تھا کہ وہاں تو ڈاکو اور رہنمائی بھی نہیں جاتے۔

خالدؓ نے نکتہ تک جلدی پہنچنے کا جو راستہ اختیار کیا تھا وہ ایسا ہی تھا جہاں ڈاکو اور رہنمائی بھی نہیں جاتے تھے۔ اتنے خطرناک اور وسیع علاقے سے زندہ گزر جانا ہی ایک کارنامہ تھا لیکن خالدؓ دنوں کی مسافت منلوں میں طے کرنے کی کوشش میں تھے۔ انہیں صرف یہ سہولت حاصل تھی کہ موسم سردیوں کا تھا لیکن سیکڑوں ہیڈوں تک پانی کا نام و نشان نہ تھا۔

اس علاقے میں ایک اور خطرہ ریت اور مٹی کے اُن ٹیلوں کا تھا جن کی نشانیوں عجیب و غریب تھی۔ یہ کبھی مٹی میں وسیع نشیب میں کھڑے تھے۔ بعض پٹانوں کی طرح چوڑے تھے، بعض گول اور بعض ستونوں کی طرح اوپر کو اٹھتے ہوئے تھے۔ ایسے نشیب بھول بھولوں کی طرح تھے۔ ان میں جھٹک جانے کا خطرہ زیادہ تھا۔ گھم بھم کر انسان وہیں کا وہیں رہتا اور جھٹکا تھا کہ وہ بہت سا فاصلہ طے کر آیا ہے، حتیٰ کہ وہ ایک جگہ ہی چلتا اور ٹھٹھا کھنکھن کر چڑھ جاتا تھا۔ پانی پی کر پانی کا ذخیرہ وہیں ختم ہو جاتا تھا۔

اُس دور کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ صحرا کے اُس حصے کی صعوبتیں، دشواریاں اور وہاں کے خطرے ایسے تھے جو دیکھے بغیر انسان کے تصور میں نہیں آ سکتے۔ کبھی بھگول پراونٹ یوں بدگئے جیسے انہوں نے کوئی ایسی چیز دیکھی کہ جو انسانوں کو نظر نہیں آ سکتی تھی۔ اونٹ صحرائی جانور ہونے کی وجہ سے اُس پانی کی بھی بو پا لیتا ہے جو زمین کے نیچے ہوتا ہے۔ کہیں چنہرہ جو نظر نہ آتا ہو، اونٹ اپنے آپ اُس طرف چل پڑتا ہے اور ڈنٹ خنڈوں کو بھی دُور سے سونگھ لیتا ہے۔

خالدؓ کے مختصر سے قافلے کے اونٹ کئی بھگول پر بدگئے۔ ان کے سواروں نے ادھر ادھر اور پیچھے دیکھا مگر انہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ زیادہ خطرہ صحرائی سانپ کا تھا جو بڑا بڑا یا زیادہ سے زیادہ دو باشت کا ہوتا ہے۔ یہ دنیا کے دوسرے ملکوں کے سانپوں کی طرح آگے کو نہیں دیکھتا بلکہ پہلو کی طرف دیکھتا ہے۔ انسان یا جانور کو دس لے تو دو چار منٹوں میں موت واقع ہو جاتی ہے۔ صحرائی بچھو اس سانپ کی طرح زہر لہا ہوتا ہے۔ ایک مورخ یعقوبی نے خالدؓ کے اس سفر کو بیان کرتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا ہے۔ اُس نے اپنے دور کے کسی عالم کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ ایک معجزے وہ تھے جو خدا نے پیغمبروں کو دکھائے اور خالدؓ کا یہ

سفر ان معجزوں میں سے تھا جو انسان اپنی خدا داد قوتوں سے کر دیکھا یا کرتے ہیں۔

✽

خالدؓ اپنے ساتھیوں سمیت بروقت مکہ پہنچ گئے۔ انہیں اس خبر نے پریشان کر دیا کہ خلیفہ المسلمین ابوبکرؓ بھی فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے آئے جو سب سے ہیں۔ خالدؓ نے سنت کے مطابق اپنا سر اُستری سے منڈوا دیا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ اپنے چہرے چھپا کر کہیں تاکہ کوئی انہیں پہچان نہ سکے۔ فریضہ حج ادا کر کے خالدؓ نے بڑی تیزی سے پانی اور دیگر زاد راہ اکٹھا کیا اور واپسی کے سفر کو روانہ ہو گئے۔ یوں کہنا غلط نہ ہو گا کہ وہ ایک بار پھر موت کی دادی میں داخل ہو گئے۔

تمام مورخ متفقہ طور پر لکھتے ہیں کہ خالدؓ اُس وقت حیرہ پہنچے جب فرائض سے پہلا ہوائ کا لشکر حیرہ میں داخل ہو رہا تھا۔ لشکر کا عقی جھٹے جس کے ساتھ خالدؓ کو ہونا چاہیے تھا، وہ ابھی حیرہ سے کچھ دُور تھا۔ خالدؓ خاموشی سے عقی جھٹے سے جا ملے اور حیرہ میں اس انداز سے داخل ہوئے جیسے وہ فرائض سے آگے بڑھ رہے۔

مورخوں نے لکھا ہے کہ لشکر نے جب دیکھا کہ اُن کے سالار اعلیٰ خالدؓ اور چند اور افراد کے سر اُستری سے صاف کیے ہوئے ہیں تو لشکر میں جہمیگہاں ہونے لگیں لیکن سر منڈوانا کوئی عجیب چیز نہیں تھی۔ اگر لشکر کو خالدؓ خود بھی بتاتے کہ وہ حج کو آئے ہیں تو کوئی بھی یقین نہ کرتا۔

مشہور مورخ طبری نے لکھا ہے کہ خالدؓ مسلمان تھے کہ انہیں مکہ میں کسی نے نہیں پہچانا۔ چار فیئینے گزر گئے۔ کسریٰ کے خلاف جنگی کارروائیاں ختم ہو چکی تھیں۔ عراق کا بہت سا علاقہ کسریٰ سے چھین کر سلطنت اسلامیہ میں شامل کر لیا گیا تھا۔ کسریٰ کی جنگی طاقت کا دم ختم توڑ دیا گیا تھا۔ آتش پرست فارسیوں کے دھوکے اور دھاندلی ختم ہو چکی تھی۔ بیخبرہ اگرچہ عیشہ کے لیے نہیں تو بڑی لمبی مدت کے لیے ختم ہو گیا تھا۔ کفار کی جنگی طاقت حملہ کر کے مسلمانوں کو کچل ڈالے گی۔ فارسی آتش پرستوں کے ناسور جبریل قارن، ہرمز، ہرمس جادویہ، اندرز، روزبہ اور زرمہ اور دوسرے جن کی جنگی اہلیت اور دہشت مشہور تھی، خالدؓ اور ان کے مجاہدین کے ہاتھوں مختلف معرکوں میں مارے گئے تھے۔ ان جیسے جبریل پیدا کرنے کے لیے بڑی لمبی مدت درکار تھی۔ اب تو پورے عراق میں اور ماہان کے محلات شمس اندر بھی ان مسلمانوں کی دھاک بٹگی تھی جنہیں انہی محلات میں عرب کے بدادار ڈاکو لکھا گیا تھا۔ سب سے بڑی فتح تو یہ تھی کہ اسلام نے اپنی عظمت کا احساس دلایا تھا۔

خالدؓ نے حیرہ میں چار فیئینے گزار کر اپنے لشکر کو آرام کرنے کی ہمت دی اور اس خیال سے جنگی تربیت بھی جاری رکھی کہ مجاہدین شکر سست نہ ہو جائیں۔ اس کے علاوہ خالدؓ نے مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق اور محسولات کی وصولی کا نظام بھی بہتر بنایا۔

✽

مئی ۶۳۴ء کے آخری ہفتے میں خالدؓ کو امیر المؤمنین ابوبکرؓ کا خط ملا جس کا پہلا فقرہ خالدؓ کے حج کے متعلق تھا جس کے متعلق خالدؓ مطمئن تھے کہ امیر المؤمنین اس سے بے خبر ہیں۔ خط میں خالدؓ کے حج کا اشارہ کر کے صرف اتنا لکھا تھا۔ ”آئندہ ایسا نہ کرنا“۔ باقی خط کا متن یہ تھا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ عقیق بن ابوقحافہ کی طرف سے خالدؓ بن ولید کے نام۔“ (یہ درجہ ہے کہ امیر المؤمنین اہل

ابو بکرؓ کھلاتے تھے لیکن ان کا نام عبداللہ بن ابوقحافہ تھا اور متیق ان کا لقب تھا جو انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا۔ اسلام علیکم۔ تعریف اللہ کے لیے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ درود و سلام محمد الرسول اللہ پر....

”جیو سے کوڑ کرو اور شام (سلطنتِ روم) میں اُس جگہ پہنچو جہاں اسلامی لشکر جمع ہے لشکرِ ابیجی حالت میں نہیں، مشکل میں ہے۔ میں اس تمام لشکر کا جو تم اپنے ساتھ لے جاؤ گے اور اُس لشکر کا جس کی مدد کو تم جا رہے ہو، سپہ سالار مقرر کرتا ہوں۔ رویوں پر حملہ کرو۔ ابوجبیدہ اور اُس کے ساتھ کے تمام سالار تمہارے ماتحت ہوں گے....“

”ابولیمان! (خالد کا دوسرا نام) پختہ عزم لے کر پیش قدمی کرو۔ اللہ کی حمایت اور مدد سے اس ہم کو پورا کرو۔ اپنے لشکر کو جو اس وقت تمہارے پاس ہے، دو جہتوں میں کر دو۔ ایک حصہ ثقی بن حارثہ کے سپہرہ گرد جاؤ۔ عراق (سلطنتِ فارس کے مفتوحہ علاقوں) کا سپہ سالار ثقی بن حارثہ ہر گاہ لشکر کا دوسرا حصہ اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اللہ تمہیں فتح عطا فرمائے۔ اس کے بعد تین واپس آنا اور اس علاقے کے سپہ سالار تم ہو گے....“

”تجربہ کرنا کہ بھگت اور غرور تمہیں دھوکہ دیں گے اور تم اللہ کے راستے سے بھٹک جاؤ گے کو تا ہی نہ ہو۔ رحمت و کرم اللہ کے ہاتھ میں ہے اور نیک اعمال کا صلہ اللہ ہی دیا کرتا ہے۔“

خط پڑھتے ہی خالدا نے اپنے سالار دل کو بلایا اور کچھ کھینچ کر سامنے کے انہیں بتایا کہ ان کے خفیہ جج کا امیر المؤمنین کو پتہ چل گیا ہے۔

”اور میں خوش ہوں اس پر کہ فرغت ختم ہو گئی ہے۔“ خالدا نے کہا۔ ”ہم شام جا رہے ہیں۔“ خالدا تو جیسے میدانِ جنگ کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ نعلے اور شہر میں بیٹھنا انہیں پسند نہ تھا۔ انہوں نے سالار دل کو خط پڑھ کر سنا یا اور تیاری کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے لشکر کو دو جہتوں میں تقسیم کیا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ خالدا نے تمام صحابہ کرام کو اپنے ساتھ رکھا۔ صحابہ کرام کو لشکر میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

”ولید کے بیٹے! ثقی بن حارثہ نے کہا۔“ خدا کی قسم، میں اس تقسیم پر راضی نہیں ہوں جو ٹوٹنے کی ہے۔ فوراً رسول اللہ کے تمام ساتھیوں کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔ صحابہ کرام کو بھی صحیح تقسیم کر دے صحابہ کرام تیرے ساتھ جاؤں گے آدھے میرے ساتھ رہیں گے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ انہی کی بدولت اللہ تمہیں فتح عطا کرتا ہے۔“

خالدا نے مسکرا کر صحابہ کرام کی تقسیم ثقی بن حارثہ کی خواہش کے مطابق کر دی اور اپنے لشکر کے سالاروں کو حکم دیا کہ ثقی بن حارثہ کی مدد کو جا رہے ہیں جو وہاں مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں۔

”اور یہ نہ بھولنا کہ ہم اپنے اُن بھائیوں کی مدد کو جا رہے ہیں جو وہاں مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں۔“ خالدا نے کہا۔ ”ضائع کرنے کے لیے ہمارے پاس ایک سانس جتنا وقت بھی نہیں۔“

مسلمانوں کا وہ لشکر جو شام میں جا کر مشکل میں پھنس گیا تھا، وہ ایک سالار کی جلد بازی کا اور حالات

کو قبل از وقت نہ سمجھ سکنے کا نتیجہ تھا۔ اُس نے شام کے اندر جا کر رویوں پر حملہ کرنے کی اجازت ابولمنین سے اس طرح مانگی کہ جس طرح وہ خود آگے کے احوال و کوائف کو نہیں سمجھ سکا تھا، اسی طرح اُس نے امیر المؤمنین کو بھی مگراہ کیا۔ امیر المؤمنین ابو بکرؓ دانشمند انسان تھے۔ انہوں نے اس سالار کو حملہ کرنے کی کھلی چھٹی نہ دی بلکہ یہ لکھا:

”.... رویوں سے محو لینے کی خواہش میرے دل میں بھی ہے اور یہ ہماری دفاعی ضرورت بھی ہے۔ رویوں کی جنگی طاقت کو اتنا کمزور کر دینا ضروری ہے کہ وہ سلطنتِ اسلامیہ کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کر سکیں لیکن ابھی ہم اُن سے ٹھکر نہیں لے سکتے مگر اُن کے خلاف بڑے پیمانے کی جنگ نہ کرنا۔ محتاط ہو کر آگے بڑھنا کہ خطرہ زیادہ ہو تو پیچھے بھی ہٹ سکو۔ تم یہ جائزہ لینے کے لیے حملہ کر دو کہ رویوں کی فوج کس طرح لڑتی ہے اور اس کے سالار کیسے ہیں۔“

امیر المؤمنین نے صاف الفاظ میں لکھا کہ اپنے لشکر کو ایسی صورت میں نہ ڈال دینا کہ سپاہی اختیار کرو اور تمہیں اپنے علاقے میں آکر بھی پناہ نہ ملے۔

اس سالار کا نام بھی خالد تھا، خالد بن سید لیکن میدانِ جنگ میں وہ خالد بن ولید کی گرد باکھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اُسے جن دستوں کا سالار بنایا گیا تھا وہ سرحدی فرائض سر انجام دینے والے دستے تھے۔ ان میں لڑنے کی اہلیت تھی اور ان میں لڑنے کا جذبہ بھی تھا لیکن انہیں جنگ کا دلہا تجربہ نہ تھا جیسا خالدا کے دستوں نے حاصل کر لیا تھا۔ امیر المؤمنین نے خالد بن سید کو اپنی سرحدوں پر پہرہ دینے کے لیے بھیجا تھا۔ ان دستوں کا ہیڈ کوارٹر تریاکہ کے مقام پر بنایا گیا تھا۔

بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ خالدا کی پہلے پہلے کامیابیاں دیکھ دیکھ کر خالد بن سید کو خیال آیا کہ خالدا نے فارس کو شکست دی ہے تو وہ رویوں کو ایسی ہی شکستیں دے کر خالدا کی طرح نام بیکر سے ابنِ ہام اور ایک پوری مورخ ہماری سمجھ سے یہ بھی لکھا ہے کہ خلیفۃ المسلمین خالد بن سید کی قیادت اور صلاحیتوں سے واقف تھے اسی لیے انہوں نے اس سالار کو بڑی جنگوں سے دور رکھا تھا لیکن وہ اُس کی باتوں میں آگئے۔

خالدا نے بھی فرائض کے مقام پر رویوں سے محو کی تھی لیکن سرحد پر سرحد لڑا تھا۔ انہوں نے آگے جانے کی غلطی نہیں کی تھی۔ خالد بن سید نے امیر المؤمنین کا جواب ملتے ہی اپنے دستوں کو کوچ کا حکم دیا اور شام کی سرحدیں داخل ہو گئے۔ اُس وقت شام میں ہرقل رومی حکمران تھا جسے جنگوں کا بہت تجربہ تھا۔ رویوں کی اپنی جنگی تاریخ اور روایات تھیں۔ وہ اپنی فوج کو انہی کے مطابق ڈھنگ دیتے تھے۔

یہ تقریباً انہی دنوں کا واقعہ ہے جب خالدا فرائض کے مقام پر رویوں، فاسیوں اور عیسائیوں کے متحدہ لشکر کے خلاف لڑے اور انہیں شکست دی تھی۔ اس سے رومی محتاط، مستعد اور چوکس ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنی فوج کو ہر لمحہ تیار رہنے کا حکم دے رکھا تھا۔

خالدا بن سید نے آگے کے احوال و کوائف معلوم نہ کیے، کوئی جاسوس آگے نہ بھیجا اور اندھا دھند بڑھتے گئے۔ آگے رومی فوج کی کچھ نفری خیمہ زن تھی۔ خالد بن سید نے داتیں بائیں دیکھے بغیر اس پر حملہ کر دیا۔

رویوں کا سالار بالان تھا جو جنگی چالوں کے لحاظ سے خالدا کے ہم پلہ تھا۔ خالد بن سید نے سکا کہ رویوں کی جس نفری پر اس نے حملہ کیا ہے، اس کی حیثیت بال میں داتے کی ہے۔ وہ انہی میں اچھا لگا۔

گادرا اپنے مجاہدین کے حوصلے کھٹکتے جاتیں گے۔ اس دوران ہم اپنے لشکر کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے رہیں۔ امیر المؤمنین لشکر میں اضافہ کر کے تم خود جہاد پر روانہ ہو جاؤ اور چاہو تو قیامت کسی اور سردار کو دے دو۔

مردخول نے اس دور کی تحریروں کے حوالے سے لکھا ہے کہ تمام مجلس پر خاموشی طاری ہو گئی۔ عبدالرحمن بن عوف نے بڑی جرأت سے اپنا مشورہ پیش کیا تھا۔ ایسے لکھا تھا جیسے اب کوئی اور بولے گا ہی نہیں۔

”خاموش کیوں ہو گئے ہو تم؟“ امیر المؤمنین نے کہا۔ ”اپنے مشورے دو۔“
”کون شک کر سکتا ہے تمہاری دیانتداری پر؟“ عثمان بن عفان نے کہا۔ ”بے شک تم مسلمانوں کی اور دین کی بھلائی چاہتے ہو۔ پھر کیوں نہیں تم حکم دیتے کہ شام پر حملہ کرو نتیجہ جو بھی ہوگا ہم سب بھگت لیں گے۔“

مجلس کے دوسرے شرکاء نے عثمان بن عفان کی تائید کی اور متفقہ طور پر کہا کہ دین اور رسول اللہ کی اہمیت کے وقار کے لیے منہ خلافت سے جو حکم ملے گا اسے سب قبول کریں گے۔
”تم سب پر اللہ کی رحمت ہو۔“ خلیفہ المسلمین نے آخر میں کہا۔ ”میں کچھ امیر مقرر کرتا ہوں۔ اللہ کی اور اس کے رسول کے بعد اپنے امیروں کی اطاعت کرو۔ اپنی بیویوں اور ارادوں کو صاف رکھو۔ بے شک اللہ انہی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔“

امیر المؤمنین ابوبکر کا مطلب یہ تھا کہ شام پر حملہ ہوگا اور رومیوں کے ساتھ جنگ لڑی جائے گی مجلس پر پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ محمد بن بکیر لکھتا ہے کہ یہ خاموشی ایسی تھی جیسے وہ رومیوں سے ڈر گئے ہوں یا انہیں امیر المؤمنین کا فیصلہ پسند نہ آیا ہو۔ عمرؓ نے سب کی طرف دیکھا اور ان کی آنکھیں جذبات کی شدت سے سرخ ہو گئیں۔

”اے یونین!۔ عمرؓ نے عجز کر کہا۔ ”کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ خلیفہ کی آواز پر لبیک کہیں نہیں کہتے؟ کیا خلیفہ نے اپنی بھلائی کے لیے کوئی حکم دیا ہے؟ کیا خلیفہ کے حکم میں تمہاری بھلائی نہیں؟ اہمیت رسول کی بھلائی نہیں؟..... یو..... لبیک کہو اور آواز اپنے دلوں سے نکالو۔“
مجلس کا سکوت ٹوٹ گیا۔ لبیک لبیک کی آوازیں اٹھیں اور سب نے متفقہ طور پر کہا کہ وہ رومیوں سے لڑیں گے۔

چھ سے دس سال تک خلیفہ المسلمین ابوبکرؓ نے مدینہ میں گھوڑ دوڑ، نیزہ بازی، تیغ زنی، ہیرانہ بازی اور کشتیوں کا مقابلہ منعقد کرایا۔ ارد گرد کے قبیلوں کو بھی اس مقابلے میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی تین دن مدینہ میں انسانوں کے جہم کا یہ عالم رہا کہ گلیوں میں چلنے کو رشتہ نہیں ملتا تھا۔ کوئی جگہ نہیں رہی تھی۔ جہر نظر حوائی تھی۔ گھوڑے اور اونٹ کھڑے نظر آتے تھے۔ دفت اور نظیر بایں جی ہی جی تھی۔ قبیلے اپنے شہسواروں اور پہلوانوں کو جلو سوں کی شکل میں لا رہے تھے۔

تین دن ہر طرح کے مقابلے ہوئے رہے جن قبیلوں کے آدمی حیثیت اعلیٰ وہ قبیلے میدان میں آ

تھوڑی ہی دیر بعد اسے پتہ چلا کہ اس کے اپنے دستے رومیوں کے گھیرے میں آگئے ہیں اور عقب سے ردی ان پر ہلے بولنے کے لیے بڑھے آ رہے ہیں۔ خالد بن سعید کے لیے اپنے دستوں کو پکھانا ناممکن ہو گیا۔ اس نے یہ حرکت کی کہ اپنے محافظوں کو ساتھ لے کر میدان جنگ سے بھاگ گیا اور اپنے دستوں کو رومیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ گیا۔

مسلمانوں کے ان دستوں میں مشہور جنگجو عکرم بن ابی جہل بھی تھے۔ اس ابتر صورت حال میں انہوں نے اپنے ہراساں دستوں کی کان لے لی اور ایسی چالیں چلیں کہ اپنے دستوں کو تباہی سے بچا لائے۔ جانے نقصان تو جہاں اور زخمیوں کی تعداد بھی خاصی تھی۔ خالد بن سعید کے بھاگ جانے سے تمام دستوں کے جنگی قیدی مٹنے کے حالات پیدا ہو گئے تھے۔ عکرمؓ نے مسلمانوں کو اس وقت سے بچالیا۔

مدینہ اطلاع پہنچی تو خلیفہ المسلمین نے خالد بن سعید کو معزول کر کے مدینہ بلالیا خلیفہ المسلمین کے غصے کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے خالد بن سعید کو بھری مغل میں بزدل اور نالائق کہا۔ خالد بن سعید خاموشی کی زندگی گزارنے لگا۔ اس سے زیادہ افسردہ آدمی اور کون ہو سکتا تھا۔ آخر خدا نے اس کی سن لی۔ بہت عرصے بعد جب مسلمانوں نے شام کو میدان جنگ بنالیا تھا، خالد بن سعید کو مل ایک دستے کے ساتھ جانے کی اجازت مل گئی۔ اس نے اپنے نام سے شکست کا داغ یوں دھویا کہ بے جگری سے لڑتا جہاں شہید ہو گیا۔

۱۰۸

امیر المؤمنین ابوبکرؓ نے اپنی مجلس مشاورت کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا۔ اس مجلس میں جو اکابرین شامل تھے۔ ان میں عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابوسعید بن جراح، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

”میرے دوستو!۔“ خلیفہ ابوبکرؓ نے کہا۔ ”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تھا کہ شام کی طرف سے رومیوں کے حملے کا سد باب کیا جائے۔ آپؐ نے جہاد میں سوچیں، ان پر عمل کرنے کی آپ کو مصلحت نہ ملی۔ آپ اتنا اہتمام فرماتے۔ اب تم نے سن لیا ہے کہ ہر قلعہ جی تیاری مکمل کر چکا ہے اور ہمارا ایک سالار شکست کھا چکی آگیا ہے۔ اگر ہم نے رومیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی تو ایک تو اپنے لشکر کے حوصلے کمزور ہوں گے اور وہ رومیوں کو اپنے سے زیادہ بہادر سمجھ لیں گے، دوسرے نقصان یہ ہوگا کہ زدی آگے بڑھ آئیں گے اور ہمارے لیے خطرہ بن جائیں گے۔ اس صورت حال میں تم مجھے کیا مشورہ دو گے؟ یہ بھی یاد رکھنا کہ میں مزید فوج کی ضرورت ہے۔“

امیر المؤمنین!۔ عمرؓ نے کہا۔ ”آپ کے عزم کو کون رد کر سکتا ہے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ شام پر حملے کا اشارہ اللہ کی طرف سے ملا ہے۔ لشکر کے لیے مزید فوجی بھرتی کریں اور جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرنا چاہا تھا، ہم پورا کریں۔“

امیر المؤمنین!۔ عبدالرحمن بن عوف نے کہا۔ ”اللہ کی سلامتی ہو تم پر! غور کر لے، ردی ہم سے طاقتور ہیں۔ خالد بن سعید کا انجام دیکھ۔ ہم رسول اللہ کے ارادوں کو ضرور پورا کریں گے لیکن ہم اس قابل نہیں کہ رومیوں پر بڑے پیمانے کا حملہ کریں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہمارے دستے رومیوں کی سرحد پر چڑھ کر حملے کرتے رہیں اور ہر حملے کے بعد دور پیچھے آجائیں۔ اس طرح رومیوں کا آہستہ آہستہ نقصان ہوتا ہے۔“

کرنا چاہتے تھے اور چلا کر غوثی کا اظہار کرتے تھے۔ اُن کی عورتیں اپنے جینے والے آدمیوں کی طرح میں گیت گاتی تھیں۔ مقابلے میں باہر کا کوئی گھوڑا سوار یا تیغ زن یا کوئی شہر سوار زخمی ہو جاتا تھا تو مدینہ کا ہر باشندہ اُسے اٹھا کر اپنے گھر لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔ مدینہ والوں کی سبزیانی نے قبیلوں کے دل موہ لیے۔

مقابلوں اور میلے کا یہ اہتمام خلیفۃ المسلمین ابو بکرؓ نے کیا تھا۔ مقابلے کے آخری روز مدینہ کا ایک آدمی گھوڑے پر سوار میدان میں آیا۔ میدان کے ارد گرد لوگوں، گھوڑوں اور اونٹوں کا ہجوم جمع تھا۔

”اے رسول اللہ کے اُمیر! — میدان میں اترنے والے سوار نے بڑی بلند سے آواز سے کہا ”خدا کی قسم، کوئی نہیں جو تجھیں نیچا دکھائے۔ تم نے اس میدان میں اپنی طاقت اور اپنے جوہر دکھائیے ہیں۔ کون سا دشمن ہے جو تمہارے سامنے اپنے پاؤں پر کھڑا رہ سکے گا۔ یہ طاقت جو تم نے ایک دوسرے پر آزمائی ہے، اب اسے اُس دشمن پر آزمائے گا وقت آگیا ہے جو تمہاری طرف بڑھا کر رہے۔“

”اے مومنین! اپنی زمین کو دیکھو، اپنے اموال کو دیکھو، اپنی عورتوں کو دیکھو جو تمہارے بچوں کو دودھ پلاتی ہیں، اپنی جوان اور کنواری بیٹیوں کو دیکھو جو تمہارے دامادوں کے انتظام میں بیٹھی ہیں کہ حلال کے بچے پیدا کریں۔ اپنے دین کو دیکھو جو اللہ کا سچا دین ہے۔ خدا کی قسم، تم غیرت والے ہو۔ عورت والے ہو، اللہ نے تمہیں بڑی دی ہے۔ تم پسند نہیں کرو گے کہ کوئی دشمن اُس وقت تم پر آپڑے جب تم سوتے ہو، تم بھوکے اور تمہارے گھوڑے اور تمہارے اونٹ بغیر زینوں کے بندھے ہوئے ہوں گے اور تم نہیں سچا سکو گے اپنے اموال کو، اپنے بچوں کو، اپنی عورتوں کو اور اپنی کنواری بیٹیوں کو اور دشمن تمہیں مجبور کر دے گا کہ سچے دین کو چھوڑ کر دشمن کے دیوتاؤں کی پوجا کرو۔“

”بتائیں وہ دشمن کون ہے؟ — ایک شہر سوار نے چلا کر پوچھا۔ ”کون ہے جو ہماری غیرت کو لٹکا رہا ہے؟“

”رومی!“ — گھوڑا سوار نے اعلان کرنے کے لیے کہا۔ ”وہ جو ملک شام پر قبضہ کئے بیٹھے ہیں اُن کی فوج ہم سے زیادہ ہے۔ بہت زیادہ ہے۔ اُن کے ہتھیار ہم سے اچھے ہیں لیکن وہ تمہارا دار نہیں سہہ سکتے۔ تم نے اس میدان میں اپنی طاقت اور اپنی ہمت دکھی لی ہے، اب اُس میدان میں جو جو سال تمہاری طاقت اور ہمت تمہارا دشمن دیکھے گا۔“

”ہیں اُس میدان میں کون لے جائے گا؟ — ہجوم میں سے کسی نے پوچھا۔

”مدینہ والے تھیں اپنے ساتھ تے جائیں گے۔“ مدینہ کے گھوڑا سوار نے کہا۔ ”دیکھو انہیں جو روم سے محاذ پر لڑ رہے ہیں۔ کھٹ رہے ہیں اور وہیں دفن ہو رہے ہیں۔ انہیں اپنے بچوں کی یاد نہیں رہی۔ انہیں اپنے گھر یاد نہیں رہے۔ وہ بڑی تھوڑی تعداد میں ہیں اور اُس دشمن کی شکست پر شکست دے رہے ہیں جو تعداد میں اُن سے بہت زیادہ ہے۔ وہ راتوں کو بھی جاگتے ہیں، تمہاری عزتوں کے لیے۔۔۔ انہوں نے آتش پرست فارسوں کا سر کھنچ ڈالا ہے۔ اب رومی رہ گئے ہیں مگر ہمارے مجاہدین تک گئے ہیں۔ محاذ ایک دوسرے سے دُور ہیں۔ وہ ہر جگہ فوراً نہیں پہنچ سکتے۔ کیا تم جو غیرت اور عزت والے ہو، طاقت اور ہمت والے ہو، ان کی مدد کو نہیں پہنچو گے؟“

ہجوم جو پہلے ہی بے چین تھا، جوش و خروش سے پھٹنے لگا۔ امیر المومنین کا یہی منشا تھا کہ لوگوں کو لڑاؤ لشکریں شامل کیا جائے قبیلوں کی جو عورتیں مدینہ آئی تھیں، انہوں نے اپنے مردوں کو لشکر میں بھرتی ہونے پر اسکا نام شروع کر دیا۔

اُس روز جو مقابلوں کا آخری روز تھا، مقابلوں میں کچھ اور بھی جوش اور کچھ اور بھی شور تھا۔ مقابلوں میں اُن نے والوں کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ لشکریں اچھی حیثیت حاصل کرنے کے لیے اپنے جوہر دکھا رہے ہوں اس کے بعد ان لوگوں میں سے کئی اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔



یمن میں اسلام مقبول عام مذہب بن چکا تھا۔ ارتداد بھی ختم ہو گیا تھا اور وہاں کا غالب مذہب اسلام تھا۔ خلیفۃ المسلمین نے اہل یمن کے نام ایک خط لکھا جو ایک قاصد لے کر گیا خط میں لکھا تھا:

”اہل یمن! تم پر اللہ کی رحمتیں برسیں۔ تم مومنین ہو اور مومنین پر اُس وقت جہاد فرض ہو جاتا ہے جب ایک طاقتور دشمن کا خطرہ موجود ہو۔ حکم رب العالمین ہے کہ تم تنگ دستی میں ہو یا خوشحالی میں، تمہارے پاس سامان کم ہے یا زیادہ، تم جس حال میں بھی ہو، دشمن کے مقابلے کے لیے نکل پڑو۔ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو، تمہارے جو بھائی مدینہ آئے تھے، انہیں میں نے شام بغیر جہاد جانے کی ترغیب دی تو وہ جوشی تیار ہو گئے اور اسلامی لشکریں شامل ہو گئے ہیں یہی غیب تمہیں دینا ہوں۔ میری آواز تم تک پہنچ گئی ہے۔ اس میں اللہ کا حکم ہے وہ سناؤ اور جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اُس کے حکم کی تعمیل کرو۔“

اُس دور کے رواج کے مطابق مدینہ کے قاصد نے یمن میں تین چار گھول پر لوگوں کو اکٹھا کیا اور امیر المومنین کا یہ پیام سنایا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک سردار ذوالکلاع حمیری نے نہ صرف اپنے قبیلے کے جوان آدمیوں کو تیار کر لیا بلکہ اپنے زیر اثر چند اور قبیلوں کے لڑنے والے آدمیوں کو ساتھ لیا اور مدینہ کو روانہ ہو گیا۔

مدینہ کا قاصد ہر قبیلے میں گیا تھا تین اور قبیلوں کے سرداروں — قبیل بن حبیہ رادی، حذنب بن عمرو الدوسی اور حابس بن سعد طائی — نے اپنے اپنے قبیلے کے جوانوں اور لڑنے کے قابل افراد کو ساتھ لیا اور شام کی جنگی مہم میں شریک ہونے کے لیے عازم مدینہ ہوئے۔

یہ ایک اچھا خاصا لشکر بن گیا۔ ہر فرد گھوڑے یا اونٹ پر سوار اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر آیا۔ یہ لوگ تیروں کا بہت بڑا ذخیرہ بھی ساتھ لے آئے۔ مدینہ میں اس لشکر کا اجتماع مارچ ۶۳۴ء (محرم ۱۳ھ) میں ہوا تھا۔

امیر المومنین ابو بکرؓ نے خود اس اجتماع کے ہر آدمی کو اچھی طرح دیکھا کہ وہ تندرست ہے اور وہ کبھی کے مجبور کرنے پر نہیں بلکہ جہاد کا مطلب اور مقصد سمجھ کر خود آیا ہے۔ پھر اس لشکر کی چھان بین یہ معلوم کرنے کے لیے کی گئی کہ ان میں کئی افراد مُرتدین کے ساتھ رہے اور مسلمانوں نے ارتداد کے خلاف جو جنگ لڑی تھی اس میں وہ مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے۔ انہوں نے اسلام کو قبول کر لیا تھا لیکن ان پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مُرتدین نے یہ عادت بنائی تھی کہ مُرتد بنے رہے۔ جب مسلمانوں کے ہاتھوں میلان چُک

میں پیٹ گئے تو اسلام قبول کر لیا مگر مسلمان الی پر بھروسہ کر کے ان کی بستیوں سے بٹھتے تو ان میں سے کئی ایک اسلام سے منحرف ہو کر پھر مرتد ہو گئے۔

مدینہ میں چھان بین کی گئی تو ان میں سے بعض کو لشکر سے نکال دیا گیا۔ باقی لشکر کو چار حصوں میں بانٹ کر ہر حصے کا سالار مقرر کیا گیا۔ ہر حصے میں سات ہزار آدمی تھے، یعنی لشکر کی تعداد اٹھائیس ہزار تھی زیادہ تر مورخوں نے یہ تعداد تیس ہزار لکھی ہے۔ ایک حصے کے سالار تھے عمرو بن العاص، دوسرے کے یزید بن ابی سفیان، تیسرے کے جابر بن حنفہ اور چوتھے حصے کے سالار ابو عبیدہ بن الجراح تھے۔

ان سالاروں نے چند دن لشکر کو بڑے پیمانے کی جنگ لڑنے کی ٹریننگ دی جس میں ہر حصے کے دوران دستوں کا آپس میں رابطہ اور نظم و نسق قائم رکھنا شامل تھا۔

اپریل ۶۳۴ء (صفر ۱۱ھ) کے پہلے حصے میں اس لشکر کو شام کی طرف کوچ کا حکم ملا۔ ہر حصے کو الگ الگ مقامات پر پہنچا اور ایک دوسرے سے الگ کوچ کرنا تھا۔ عمرو بن العاص کو اپنے دستوں کے ساتھ فلسطین تک جانا تھا۔ یزید بن ابی سفیان کی منزل دمشق تھی۔ انہیں تبوک کے راستے سے جانا تھا۔ جابر بن حنفہ کو اردن کی طرف جانا تھا۔ انہیں کھانگیا تھا کہ یزید بن ابی سفیان کے دستوں کے پیچھے پیچھے جائیں۔ ابو عبیدہ بن الجراح کی منزل حصہ تھی۔ انہیں بھی تبوک کے راستے سے جانا تھا۔

”اللہ تم سب کا حامی و ناصر ہو“۔ خلیفہ المسلمین نے آخری حکم یہ دیا۔ ”سالار اپنے اپنے دستے ایک دوسرے سے الگ رکھیں گے۔ اگر ردیہوں کے ساتھ کہیں ٹکرو ہوگی تو سالار ایک دوسرے کو مدد کے لیے بلا سکتے ہیں۔ اگر لشکر کے چاروں حصوں کو مل کر لڑنا پڑا تو ابو عبیدہ بن الجراح تمام لشکر کے سپہ سالار ہوں گے۔ سب سے پہلے یزید بن ابی سفیان اپنے دستوں کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے۔ مدینہ کی عورتیں اور بچے بھی باہر نکل آئے تھے۔ چھتوں پر عورتیں کھڑی ہاتھ اوپر کر کے مل رہی تھیں۔ بوڑھی عورتوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے کئی بوڑھوں کی آنکھیں اس لیے اشکبار ہو گئی تھیں کہ وہ لڑنے کے قابل نہیں رہے تھے۔

یزید بن ابی سفیان اپنے دستوں کے آگے آگے جا رہے تھے۔ یزید کے ساتھ امیر المؤمنین ابو بکرؓ پیدل جا رہے تھے۔ یزید گھوڑے سے اتر آئے۔ امیر المؤمنین کے اصرار کے باوجود وہ گھوڑے پر سوار نہ ہوئے۔ امیر المؤمنین نہایت تھے پھر بھی وہ دستوں کی رفتار سے چلے جا رہے تھے۔ یزید نے انہیں کئی بار کہا کہ وہ واپس چلے جائیں لیکن ابو بکرؓ نہ مانے۔ مدینہ سے کچھ دور جا کر یزید رک گئے۔

”امیر المؤمنین واپس نہیں جائیں گے تو میں ایک قدم آگے نہیں بڑھوں گا“۔ یزید بن ابی سفیان نے کہا۔ ”خدا کی قسم ابی سفیان!۔ امیر المؤمنین نے کہا۔ ”تو مجھے شہادت رسول اللہ سے روک رہا ہے۔ کیا تجھے یاد نہیں کہ رسول اللہ جہاد کو رخصت ہونے والے ہر لشکر کے ساتھ دُرُتاک جاتے اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کرتے تھے؟ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ پاؤں جو جہاد فی سبیل اللہ کے راستے پر گر داکو دبو جاتے ہیں وہ درخ کی آگ ان سے دُور رہتی ہے۔“

تاریخ کے مطابق امیر المؤمنین لشکر کے اس حصے کے ساتھ مدینہ سے واپس دور تک چلے گئے تھے۔ ”ابی سفیان!۔ امیر المؤمنین نے کہا۔“ اللہ تجھے فتح و نصرت عطا فرمائے۔ کوچ کے دوران اپنے

آپ پر اور اپنے لشکر پر کوئی سختی نہ کرنا۔ فیصلہ اگر خود نہ کر سکو تو اپنے ماتحتوں سے مشورہ لے لینا اور تلخ کلامی نہ کرنا۔۔۔۔۔ عدل و انصاف کا دامن نہ چھوڑنا۔ ظلم سے باز رہنا کہ ظلم اور بے انصافی کرنے والی قوم کو اللہ پسند نہیں کرتا اور ایسی قوم کبھی فتح نہیں ہوتی۔۔۔ میدان جنگ میں پیٹھ نہ دکھانا کہ جنگی ضرورت کے بغیر پیچھے ہٹنے والے پر اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے۔۔۔ اور جب تم اپنے دشمن پر غالب آ جاؤ تو عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر ہاتھ نہ اٹھانا اور جو جانور تم کھانے کے لیے ذبح کرو، ان کے سوا کسی جانور کو نہ مارنا۔“

مؤمنین و ائمہ، ابو بکرؓ، ابن خلدون اور ابن اثیر نے امیر المؤمنین کے یہ الفاظ لکھے ہیں۔ انہی ترغیبات کے مطابق امیر المؤمنین ابو بکرؓ نے یزید بن ابی سفیان سے کہا۔ ”تجھے خالقاً ہیں یا عبادت کا ہیں یا نظر آتیں گی اور ان کے اندر راہب بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ وہ تارک الدنیا ہوں گے۔ انہیں اپنے حال میں رستہ رچنے دینا، نہ خالقاً ہوں اور عبادت کا ہوں کو کوئی نقصان پہنچانا نہ ان کے راہبوں کو پریشان کرنا۔۔۔ انہیں صلیب کو پوجنے والے بھی ملیں گے۔ ان کی نشانی یہ ہوگی کہ ان کے سرل کے اوپر درمیان میں بال ہوتے ہی نہیں منڈا دیتے ہیں۔ ان پر اسی طرح حملہ کرنا جس طرح میدان جنگ میں دشمن پر حملہ کیا جائے۔ انہیں صرف اس صورت میں چھیننا کہ اسلام قبول کر لیں یا جزیہ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔۔۔ اللہ کے نام پر لڑنا، اعتدال سے کام لیا، غداری نہ کرنا اور جو ہتھیار ڈال دے اُسے بلا وجہ قتل نہ کرنا ایسے لوگوں کے اعضاء کاٹنا۔“

یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ رخصت ہونے والے ہر لشکر کے ساتھ کچھ درویش جاتے، سالاروں کو ان کے فرائض یاد دلانے اور لشکر کو دعاؤں سے رخصت کرتے تھے۔ خلیفہ اول ابو بکرؓ نے رسول اکرمؐ کی پیروی کرتے ہوئے چاروں سالاروں کو آپؐ ہی کی طرح رخصت کیا۔ لشکر اور دستے تو مجاذول کو روانہ ہوتے ہی رہتے تھے لیکن یہ لشکر بڑے ہی خطرناک اور طاقتور دشمن سے نہ دراز ہونے جارہا تھا۔ شہنشاہ ہرقل جو حصہ میں تھا، صرف شہنشاہ ہی نہیں تھا، وہ میدان جنگ کا استاد اور جنگی چالوں کا ماہر تھا۔ اس لشکر کو مدینہ سے روانہ کر کے مدینہ والوں پر خاموشی سی طاری ہو گئی تھی اور خاموشی کی زبان میں ہر کسی کے سینے سے دعائیں بھڑکتی رہی تھیں۔

یہ بھی وہ جنگی حکم جس کے لیے امیر المؤمنین نے فیصلہ کیا تھا کہ اس کی کان اور قیادت کے لیے خالدؓ سے ہنز کوئی سالار نہیں۔ مدینہ کا یہ اٹھائیس ہزار کا لشکر نپہرہ دونوں میں شام کی سرحدوں پر اپنے ہتھیاروں سے مقامات پر پہنچ چکا تھا۔

حصہ میں شہنشاہ ہرقل کے محل میں وہی شان و شوکت تھی جو شہنشاہوں کے محلات میں ہوا کرتی تھی۔ ملائ کے محل کی طرح حصہ کے محل میں بھی حسین اور نوجوان لوگیاں ملازم تھیں۔ ناپنے اور گانے والیاں بھی تھیں اور ایک ملکہ بھی تھی اور جس کی وہ ملکہ تھی اُس کی ملکہ ہونے کی دعوت پر ایک ایک اور ملکہ بھی شہنشاہ ہرقل کے دربار میں ایک ملازم پیش تھا۔ اس کا حرم یہ تھا کہ وہ شاہی خاندان سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ اُس کا تعلق اس خاندان کے ساتھ تھا جو شہنشاہ کا نام سن کر ہی سجدے میں گر پڑتا تھا۔ یہ ملازم اُن لوگوں میں سے تھا جو شہنشاہ کو روزی رساں سمجھا کرتے تھے۔

”شہنشاہ ہرقل! — ملزم لٹکار کر بولا۔ ”تو ایک شہزادی کی محبت کا خون کھرا رہا ہے۔“
 اُسے دربار سے گھٹیت کر لے جا رہے تھے اور اُس کی پکار اور لٹکار سنائی دے رہی تھی۔ وہ رحم کی
 بھیک نہیں مانگ رہا تھا۔
 ”تیرا انجام قریب آ رہا ہے ہرقل! — وہ چلاتا جا رہا تھا۔“ اپنے آپ کو دیتا نہ سمجھتا ہرقل! ذاتِ اور
 رسوائی تیری طوف آ رہی ہے۔“
 محبت کے اس مجرم کو ایک رتھ کے پیچھے باندھ دیا گیا اور دو گھوڑوں کی رتھ دوڑ پڑی محل سے شور
 اٹھا۔ ”شہزادی نے اپنے پیٹ میں تلوار اتار لی ہے۔“

یہ خبر شہنشاہ ہرقل بہت پہنچی تو اُس نے کسی روٹیل کا اظہار نہ کیا۔ وہ تخت پر بیٹھا۔ درباریوں پر سناٹا طاری
 تھا۔ کچھ دیر بعد اٹھا اور اپنے خاص کمرے میں چلا گیا۔ وہ سر جھکا کے جوئے کمرے میں بٹل رہا تھا بلکہ کمرے
 میں آئی۔ ہرقل نے اُسے فکر کی نظروں سے دیکھا۔
 ”شگون اچھا نہیں۔“ ملکہ نے رندھی جونی آواز میں کہا۔ ”صبح ہی صبح دو خون بہ گئے ہیں۔“
 ”یہاں سے چلی جاؤ۔“ ہرقل نے کہا۔ ”میں شاہی خاندان کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔“
 ”میں کچھ اور کہنے آئی ہوں۔“ ملکہ نے کہا۔ ”سرحد سے ایک عیسائی آیا ہے۔ اُس نے تمہارا رخسار
 میں گھوڑے کی پیٹھ پر گزاری ہے۔ اُسے کسی نے دربار میں داخل نہیں ہونے دیا۔ مجھے اطلاع ملی تو۔۔۔“
 ”وہ کیوں آیا ہے۔“ ہرقل نے جھنجھلا کر پوچھا۔ ”کیا وہ سرحد سے کوئی خبر لایا ہے؟“
 ”مسلمانوں کی فوجیں آ رہی ہیں۔“ ملکہ نے کہا۔
 ”اندھ بھجواؤ اُسے! — ہرقل نے کہا۔“

ملکہ کے جانے کے بعد ایک ادھیڑ عمر آدمی کمرے میں آیا۔ اُس کے کپڑوں پر ادھر سے پر گرد کی تیر
 جی ہوئی تھی۔ وہ سلام کے لیے جھکا۔
 ”تو نے محل تک آنے کی جرأت کیسے کی؟ — ہرقل نے شانہ جلال سے پوچھا۔ ”کیا تیر
 خبر کسی سالار یا ظلم کو نہیں دے سکتا تھا؟“
 ”یہ جرم ہے تو مجھے بخش دیں۔“ اس آدمی نے کہا۔ ”مجھے ڈرتا تھا کہ اس خبر کو کوئی سچ نہیں مانے گا۔“
 ”تو نے مسلمانوں کا لشکر کہاں دیکھا ہے؟“
 ”حمص سے تین روز کے فاصلے پر! — اُس نے جواب دیا۔“

یہ ایک عیسائی عرب تھا جس نے ابوعبیدہ بن الجراح کے دستوں کو شام کی سرحد سے کچھ دُور دیکھ لیا
 تھا۔ اُسی شام وہ دھندلے آسمانوں سے اطلاعیں آئیں کہ مسلمانوں کی فوج ان جگہوں پر پڑاؤ ڈالے جوئے ہے مسلمانوں
 کے لشکر کے چوتھے حصے کی اطلاع ابھی نہیں آئی تھی۔ رات کو ہرقل نے اپنے جرنیلوں اور مشیروں کو بلوایا۔
 ”کیا تمہیں معلوم ہے۔“ کیا ہوا ہے؟ — ہرقل نے پوچھا۔ ”مدینہ کی فوج تین جگہوں پر اکٹھی
 ہے۔ ابھی کسی سرحدی چوکی نے کوئی اطلاع نہیں دی۔ کیا وہاں سب سوئے رہتے ہیں؟ کیا تم برداشت کر
 سکتے ہو کہ عرب کے چند ایک لٹیروں سے قبیلے تھیں سرحدوں پر اکٹھے لٹکاریں؟ کیا تم اُن کے ایک سالار کو پانی

اس ملزم کا دوسرا جرم یہ تھا کہ شاہی خاندان کی ایک شہزادی اس پر مٹی تھی۔ شہزادی غزال کے شکار کو
 گئی تھی اور جنگ میں کہیں اُسے یہ آدمی مل گیا تھا۔ شہزادی نے ایک غزال کو تیر سے معمولی سا جھجک کر دیا تھا اور اُن
 کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا تھا لیکن غزال معمولی نہ تھا، وہ گھوڑے کی رفتار سے کم از زیادہ تیز چھا رہا تھا۔
 اس ملزم نے دیکھ لیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور اس کے ہاتھ میں برچی تھی۔ اُس نے غزال کے پیچھے گھوڑا
 دوڑا دیا۔ غزال مرنا تھا تو سوار راستہ چھوڑ کر اُس کے قریب پہنچ جاتا تھا۔ وہ غزال کو اُس طرف لے جاتا تھا
 شہزادی کی کھڑکی تھی۔ شہزادی نے تین چار تیر چلائے سب خفا گئے۔ اس جوان اور خوبصورت آدمی نے گھوڑے
 کو ایسا سوار کھڑا کر کے راستے میں آگیا۔ اُس نے برچی تاک کر پھینکی جو غزال کے پہلو میں اتر گئی اور وہ گر پڑا۔
 شہزادی اپنا گھوڑا دال لے آئی تو یہ آدمی اپنے گھوڑے سے کود کر اُترا اور شہزادی کے گھوڑے کے
 قدروں میں سجدہ ریز ہو گیا۔

”میں اگر شہزادی کے شکار کو شکار کرنے کا مجرم ہوں تو مجھے معاف کر دیا جائے۔“ اُس نے ہاتھ
 جوڑ کر کہا۔ ”لیکن میں غزال کو شہزادی کے سامنے لے آیا تھا کہ شہزادی اسے شکار کر دے۔“
 ”تم شہسوار ہو۔“ شہزادی نے سبکرا کر کہا۔ ”ایک کام کرتے ہو؟“
 ”ہر وہ کام کر لیتا ہوں جس سے دو وقت کی روٹی مل جائے۔“ اس آدمی نے کہا۔ ”صرف چوری
 نہیں کرتا اور عوام کی نہیں کھاتا۔“
 ”تمہیں شہنشاہ ہرقل کی فوج میں ہونا چاہیے۔“ شہزادی نے کہا۔ ”میں تجھے محل کے
 محافظوں میں شامل کر دوں گی۔“

رعایا کے اس ناچیز بندے میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ اُنکا کرنا۔ شہزادی اسے ساتھ لے آئی اور محافظوں
 میں رکھوا دیا۔ اسے جب شاہی محافظوں کا لباس ملا اور جب وہ اس لباس میں شاہی اسٹبل کے گھوڑے پر سوار
 ہوا تو اس کی مردانہ وجاہت نکھر آئی۔ وہ شہزادی کا منظور نظر بن گیا شہزادی نے اسے اپنا دیتا بنا لیا۔
 شہزادی کی شادی ہونے والی تھی لیکن اس نے اپنے منیجر کے ساتھ بے رخی برتنی شروع کر دی منیجر
 نے اپنے جھروں سے کہا کہ وہ شہزادی کو دیکھتے رہا کریں کہ وہ کہاں جاتی ہے اور اُس کے پاس کون آتا ہے۔
 ایک رات شہزادی کے منیجر کو اطلاع ملی کہ شہزادی شاہی محل کے باغ میں بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ محل سے
 تھوڑی ہی دور ایک بڑی خوبصورت جگہ تھی۔ وہاں چشمہ تھا اور سبزہ زار تھا۔ درخت تھے اور چھوٹے پودوں کی باڑیاں
 تھیں۔ چاندنی رات تھی۔ شہزادی اور اُس کا منظور نظر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے بیٹھے تھے کہ انہیں بھاری بھر کم
 قدروں کی دھمک سنائی دی۔ وہ شاہی محافظوں کے زعمے میں آ گئے تھے۔

اس محل خفا کو قید میں ڈال دیا گیا۔ شہنشاہ ہرقل کو صبح بتایا گیا اور محاذ کو رنجیروں میں باندھ کر دربار میں پیش کیا
 گیا۔ اُس پر الزام یہ تھا کہ اُس نے ایک شہزادی کی شان جگ سناجی کی ہے۔ یہ الزام دربار میں بلند آواز سے بنایا گیا۔

”شہنشاہ ہرقل کی شہنشاہی ساری دنیا میں پھیلے! — ملزم نے کہا۔“ شہزادی کو دربار میں بلا کر پوچھا
 جاتے کہ میں نے سناجی کی ہے یا محبت کی ہے۔۔۔ اور محبت میں نے نہیں شہزادی نے کی ہے۔“
 ”لے جاؤ اُسے! — شہنشاہ ہرقل نے گرج کر کہا۔“ رتھ کے پیچھے باندھ دو اور رتھ اُس وقت تک
 دوڑتی رہے جب تک اس کا گوشت اس کی ہڈیوں سے الگ نہیں ہو جاتا۔“

طاقت نہیں دکھا چکے، وہ خوش قسمت تھا کہ نکل گیا۔ اب وہ زیادہ تعداد میں آئے ہیں۔ وہ مال غنیمت کے جھوکے ہیں۔ فوراً تیاری شروع کرو۔ ان کا کوئی ایک آدمی اور کوئی گھوڑا اونٹ واپس نہ جائے۔
 ”شہنشاہ ہرقل“ — شام کی فوجوں کے کانڈرنے لگا۔ ”آپ اتنے ناخبرہ کار تو نہیں جیسی آپ نے بات کی ہے۔ اگر یہ معاملہ کچھ اور ہوتا ہے تو ہم آپ کی تائید کرتے لیکن یہ مسئلہ جنگی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ شکست کے بعد کیا ہوتا ہے؟“

”مجھے سبق نہیں شورہ چاہیے“ — ہرقل نے کہا۔ ”وہ کیا ہے جو میں نہیں جانتا؟“
 ”شہنشاہ سب کچھ جانتے ہوئے ایسی بات نہ کریں جس نے فارس کے شہنشاہ اردشیر کی جان لے لی تھی۔“
 ”رومی فوجوں کے کانڈرنے لگا۔ اس کی جنگی طاقت ہماری فوج کی تھی۔ آپ بھی اس فوج سے لڑ چکے ہیں۔ اس کے بعد آپ کو کبھی عراق پر فوج کشی کی جرأت نہیں ہوئی۔ اب فرائض کے میدان میں ہمیں مسلمانوں کے خلاف فارسیوں کا اتحادی بننا پڑا اور ہم نے عیسائی قبیلوں کو ساتھ لے لیا مگر خالد بن ولید ہمیں شکست دے گیا۔“
 ”کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہمیں مسلمانوں سے ڈرنا چاہیے؟“ — ہرقل نے طنز میں پوچھا۔
 ”نہیں شہنشاہ! — کانڈرنے لگا۔“ — اردشیر بھی ملان میں بیٹھا ایسی ہی باتیں کیا کرتا تھا جیسی آپ محض میں بیٹھے کر رہے ہیں۔ میں آپ کو یاد دلانا ہوں کہ فارسیوں کا انجام کبھی۔ مدائن کے محل اب بھی کھڑے ہیں لیکن مقبروں کی طرح، اردشیر نے پہلے پہل مسلمانوں کو عرب کے بڑا داراؤں کا کھانا تھا۔ میں نے فارسیوں کی شکست کی چھان بین پوری تفصیل سے کی ہے۔ اردشیر کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے تھے کچل دو، بھگڑاؤں کا جو بھی جرنیل مسلمانوں کے مقابلے کو گیا وہ کھلا گیا۔ مسلمان ان کے علاقوں پر حملے فتح کرتے آئے ہتی کہ ان کے تیردائی میں گرنے لگے....

”اور شہنشاہ ہرقل! مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسلمان مذہبی جنوں سے لڑتے ہیں، مال غنیمت کے لیے نہیں۔ ہم زمین کے لیے لڑتے ہیں۔ مسلمان جنگ کو ایک عقیدہ سمجھتے ہیں۔ ہم ان کے عقیدے کو بچا کھیر یا نہ بھیں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟.... شہنشاہ کو اس پر بھی غور کرنا پڑے گا کہ مسلمان ہر میدان میں تھوڑی تعداد میں ہوتے ہیں۔ وہ جذبے اور جنگی چالوں کے زور پر لڑتے ہیں۔ فرائض میں ہم نے اپنی، فارسیوں کی اور عیسائیوں کی نفرت کی انتہا زیادہ پھیلا دی تھی کہ مسلمانوں کی تھوڑی سی نفرتی ہمارے پھیلاؤ میں آکر گم ہو جائی لیکن مسلمانوں نے ایسی چال چلی کہ ہمارا پھیلاؤ سکڑ گیا اور ہم بے گھر ہو گئے؟“

دوسرے جرنیلوں نے بھی اسی طرح کے مشورے دیے اور ہرقل خائف ہو گیا کہ مسلمانوں کو طاقتور اور خطرناک دشمن سمجھ کر جنگ کی تیاری کی جائے۔

”لیکن میں اسے اپنی توہین سمجھتا ہوں کہ مسلمان جو کچھ ہی سال پہلے وجود میں آئے ہیں، غلام ملتہ دم کو لاکھاریں۔“ ہرقل نے کہا۔ ہمارے پاس ہماری صندیلوں پرانی تاریخ ہے۔ رومیوں نے ساری دنیا پر دہشت طاری کیے رکھی ہے۔ ہمارا مذہب دیوتاؤں کا مذہب ہے۔ آسمانوں پر اور زمین پر ہمارے دیوتاؤں کی عکرائی ہے۔ اسلام ایک انسان کا بنا ہوا مذہب ہے جس کے پھیل جانے کی کوئی وجہ بھی نہیں آتی یہ صرف یہ حکم دیا کہ اس مذہب کے پیروکاروں کو اس طرح ختم کرو کہ اسلام کا نام لینے والا کوئی زندہ نہ رہے۔“

اگلے ہی روز ہرقل کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کے ساتھ رومی فوج کی بھجوتی ہے اور رومی فوج بڑی بڑی طرح پسپا ہوئی ہے۔

یہ عربوں العاص کے دستے تھے جو تھوڑے سے آگے بڑھے تو رومی فوج کے کچھ دستے ان کے راہ میں حائل ہو گئے۔ یہ شام کے عیسائی عربوں کے دستے تھے جن کے ذمے سرحدوں کی دیکھ بھال کا کام تھا۔ عربوں العاص بڑے ہوشیار سالار تھے۔ انہوں نے ایسی چال چلی کہ اپنے ہراول دستے کو دشمن سے مکر لینے کے لیے آگے بھیجا اور دشمن کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی لیکن شام کے عیسائی عربوں کے دستے ٹھوڑا سا نقصان اٹھا کر پسپا ہو گئے۔

عربوں العاص ایلہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ یزید بن ابی سفیان بھی اپنے دستوں کے ساتھ ان سے آبلے، جنوں ہی مدینہ کے لشکر کے یہ دونوں حصے اکٹھے ہوئے روم کی فوج ان کا راستہ روکنے کے لیے سامنے آگئی۔ مورخوں کے مطابق روم کی اس فوج کی نفرتی تقریباً اتنی ہی تھی جتنی مسلمانوں کی تھی۔ اب مسلمان سالار اکٹھے ہو گئے تھے۔ انہوں نے رومیوں کے ساتھ آسنے سامنے کی لڑائی.... رومیوں نے جہم کو مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن قدم ہمانہ سکے اور پسپا ہو گئے۔

یزید بن ابی سفیان نے ایک سوار دستے کو ان کے تعاقب میں بھیج دیا۔ رومیوں کو کچھ ایسی دہشت طاری ہو گئی تھی کہ وہ سوائے مکمل مکمل کر مرنے کے اور کچھ بھی نہ کر سکے۔

شہنشاہ ہرقل کو جب اپنے دستوں کی اس پسپائی کی اطلاع ملی تو وہ آگ بھولا ہو گیا۔ اس نے اپنے جرنیلوں کو ایک بار پھر بلا دیا اور حکم دیا کہ زیادہ سے زیادہ فوج اکٹھی کر کے شام کی سرحد کے باہر کسی جگہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ لڑی جائے اور انہیں وہیں ختم کیا جائے۔

مسلمان سالاروں نے ان جنگوں سے جہاں وہ ٹراؤ ڈالے ہوئے تھے چند آدمیوں کو اپنے زیر اثر لے لیا اور انہیں بے انداز انعام و اکرام کا لالچ دیا جس کے عوض وہ مسلمانوں کے لیے جاسوسی کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چند دنوں میں ہی وہ مطلوبہ خبریں لے آئے۔ ان کی رپورٹوں کے مطابق رومی فوج اکٹھی کر رہے تھے اس کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ زیادہ تھی۔ اس فوج کا ایک حصہ انجنادین کی طرف کوچ کر رہا تھا جاسوسوں نے یہ اطلاع بھی دی کہ رومی فیصلہ کر چکے تھے کہ لیے تیار ہو کر آ رہے ہیں۔ جاسوسوں نے تیاروں کی پوری تفصیل بیان کی۔

ابو عبیدہ بن الجراح کو امیر المومنین نے حکم دیا تھا کہ لشکر کے چاروں حصوں کو اکٹھے کرنا پڑا تو وہ یعنی ابو عبیدہ پورے لشکر کے سالار ہوں گے۔ صورت ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ لشکر کے چاروں حصوں کو اکٹھا ہونا پڑا۔ ابو عبیدہ نے پورے لشکر کی کمان لے لی لیکن لشکر کو مکمل طور پر ایک جگہ اکٹھا نہ ہونے دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے امیر المومنین کو تیز رفتار قاصد کے ذریعے پیغام بھیجا جس میں مکمل صورت حال لکھی اور یہ بھی کہ رومیوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہوگی۔

یہ تھے وہ حالات جن کے پیش نظر امیر المومنین نے خالد بن ولید کو حکم بھیجا تھا کہ وہ شام کی سرحد پر اس جگہ پہنچ کر جہاں مدینہ کا لشکر تیرہ زن ہے، اس حکم میں یہ بھی لکھا تھا کہ اپنا لشکر کچھ شکلات میں اکٹھا کیا ہے۔

گا گھوڑا بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ پانی تو بل ہی نہیں سکتا اور سب سے بڑی مشکل یہ کہ مہینہ سنی کا تھا جب ریگستان جل رہے ہوتے ہیں۔

”خدا کی قسم ابن ولید! ایک سالار نے کہا۔ ”تو اتنے بڑے لشکر کو اس راستے پر نہیں لے جائے گا جو تباہی کا اور بہت بڑی موت کا راستہ ہوگا۔“

”اور جس کا دامخ صحیح ہو گا وہ اس راستے پر نہیں جائے گا۔“ ایک اور سالار نے کہا۔

”ہم اسی راستے سے جائیں گے۔“ خالدؓ نے ایسی سکراہٹ سے کہا جس میں عجیب سی سنجیدگی تھی۔

”ہم پر فرض ہے کہ تیری اطاعت کریں۔“ رافع بن عمرہ نے کہا۔ ”لیکن ایک بار پھر سوچ لے۔“

”میں وہ حکم دیتا ہوں جو حکم اللہ مجھے دیتا ہے۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”ہم نے وہ ہیں جن کے ارادے کروڑ ہوتے ہیں۔ اللہ کی خوشنودی میں حاصل ہے، اور پھر اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں آئیں گی ہم کیوں نہ انہیں مجھے برداشت کریں؟“

یہ واقعہ اور یہ گفتگو طبری نے ذرا تفصیل سے بیان کی ہے۔ خالدؓ کے سالاروں نے اُن کے عزم کی یہ بھنگی دیکھی تو سنبھلے پرچوس لہجے میں لپیک کہی۔ اُن میں سے کسی نے کہا۔ ”ابن ولید! تجھ پر اللہ کا کرم۔ وہ کوڑہ بہتر سمجھتا ہے۔ ہم تیرے ساتھ ہیں؟“

✽

خالدؓ نے اس سفر پر روانگی سے پہلے ایک حکم یہ دیا کہ لشکر کا ہر فرد اونٹ پر سوار ہوگا۔ گھوڑے سواروں کے بغیر پیچھے پیچھے چلیں گے۔ دوسرا حکم یہ کہ عورتوں اور بچوں کو مدینہ بھیج دیا جائے۔ سالاروں کو خالدؓ نے کہا تھا کہ تمام لشکر کو اچھی طرح بتادیں کہ وہ ایسے راستے پر جا رہے ہیں جس راستے سے پہلے کبھی کوئی لشکر نہیں گزرا۔ ہر کسی کو ذہنی طور پر تیار کیا جاتا ہے۔

مسی کا مہینہ اذھول کی فزاہی میں گزر گیا۔ جون ۶۳۴ء (ربیع الآخر ۱۱۳ھ) کا مہینہ شرمزج ہو گیا۔ اب قحطی جل رہا تھا۔ خالدؓ نے کوئن کا حکم دے دیا۔ ان کے ساتھ نو ہزار مجاہدین تھے جو اس خودکش سفر پر جا رہے تھے۔ قراقمر کا سفر فرمایا تھا جیسا اس لشکر کا ہر سفر ہوا کرتا تھا۔ وہ سفر قراقمر سے شرمزج ہونا تھا جسے سلمان تورخول نے اور یورپی توخول نے بھی تاریخ کا سب سے خطرناک اور عجیبہاںک سفر کہا ہے۔ فتنی ابن حارثہ قراقمر کا خالدؓ کے ساتھ گئے۔ فتنی کو حیرہ واپس آنا تھا۔

قراقمر سے جس قدر پانی ساتھ لے جایا جا سکتا تھا مشکیزوں میں بھر لیا گیا۔ شے بھی اکٹھے کر لیے گئے تھے ان میں بھی پانی بھر لیا گیا۔ اگلی صبح جب شکر روانہ ہوئے لگا تو فتنی بن حارثہ خالدؓ سے اور اُس کے سالاروں سے گلے لگ لگ کر بے یعنیتوں اور این پوست نے لکھا ہے کہ فتنی بن حارثہ پر رقت طاری ہو گئی تھی۔ اُن کے منہ سے کوئی دعا نہ نکلی، آنکھوں سے آنسو گل آئے۔ دعائیں اُن کے دل میں تھیں۔ انہیں یقین نہیں تھا کہ وہ خالدؓ کو اور ان نو ہزار مجاہدین کو بچھری دیکھ سکیں گے۔

خالدؓ اونٹ پر سوار ہوئے لگے تو رافع بن عمرہ دوڑتا آیا۔

”ابن ولید! رافع نے خالدؓ کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔“ اب بھی سترج لے۔ رستہ بدل لے اتنی جانوں کے ساتھ موت کیل!“

اس پیغام نے خالدؓ کو پریشان کر دیا تھا۔ یہ سنایا جا چکا ہے کہ انہوں نے امیر المؤمنین کے حکم کے مطابق اپنے لشکر کو درجنوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ فتنی بن حارثہ کے حوالے کر دیا خالدؓ نے فوری کوئن کا حکم دے دیا انہوں نے جب فاصلے کا اندازہ کیا تو وہ اتنا زیادہ تھا کہ خالدؓ کو وہاں پہنچنے بہت دن لگ جاتے۔ انہیں ڈر تھا کہ اتنے دن صاف ہو گئے تو معلوم نہیں کیا ہو جائے گا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ رومیوں کی فوج فارسیوں کی نسبت زیادہ طاقتور اور برتر ہے۔ خالدؓ ان راستوں سے واقف تھے۔ سیدھا اور آسان راستہ بہت طویل تھا خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں بتایا کہ بہت جلد پہنچنے کے لیے انہیں کوئی راستہ معلوم نہیں۔ سالاروں میں سے کسی کو چھوٹا راستہ معلوم نہیں تھا۔

”اگر کوئی راستہ چھوٹا ہو بھی تو وہ سفر کے قابل نہیں ہوگا۔“ ایک سالار نے کہا۔ ”اگر کسی ایسے راستے سے ایک دوسرا فزگر تہ بھی ہوں تو ضروری نہیں کہ وہ راستہ ایک لشکر کے گزرنے کے قابل ہو۔“

”میں ایک آدمی کو جانتا ہوں۔“ ایک اور سالار بولا۔ ”رافع بن عمرہ... وہ ہمارے قبیلہ کا بڑا بڑا جنگجو ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ خدا نے اُسے کوئی ایسی طاقت دی ہے کہ وہ زمین کے نیچے کے

عید بھی بتا دیتا ہے۔ وہ اس صحرا کا عید ہے۔“

خالدؓ کے حکم سے رافع بن عمرہ کو بلایا گیا اور اُس سے منزل بتا کر پوچھا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹا راستہ کوئی ہے؟

”زمین ہے تو راستے بھی ہیں۔“ رافع نے کہا۔ ”یہ مسافر کی ہمت پر منحصر ہے کہ وہ ہر راستے پر چل سکتا ہے یا نہیں۔ ہم منزل تک کسی بھی راستے سے پہنچ سکتے ہیں لیکن بعض راستے ایسے ہوتے ہیں جن پر سناپ بھی نہیں لگ سکتا۔ میں ایک راستہ بتا سکتا ہوں لیکن یہ نہیں بتا سکتا کہ اس سے لشکر کے کتنے آدمی منزل تک زندہ پہنچیں گے، اور میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ گھوڑا اس صحرائی راستے سے نہیں گزر سکتا۔ گھوڑا اتنی پیاس برداشت نہیں کر سکتا اور گھوڑوں کے لیے پانی ساتھ لے جانا نہیں جا سکتا۔“

خالدؓ نے اپنا بنا ہوا نقشہ اُس کے آگے رکھا اور پوچھا کہ وہ کون سا راستہ بتا رہا ہے۔

یہ قراقمر ہے۔“ رافع بن عمرہ نے نقشے پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ ”یہاں ایک تختان ہے جو اتنا سرسبز اور شاداب ہے کہ مسافروں پر اپنا جاؤ طاری کر دیتا ہے۔ یہاں سے ایک راستہ نکلتا ہے جو سوس کی جاتا ہے۔ سوس میں پانی اتنا زیادہ ہے کہ سارا لشکر اور لشکر کے تمام جانور پانی پی سکتے ہیں لیکن یہ پانی اُسے بے گاجو سوس تک زندہ پہنچ جاتا ہے گا۔ اور سوس کی تپش دیکھو۔ دن کو کتنا جل سکو گے؟ کتنی دھواںک جل سکو گے؟ یہ میں نہیں جانتا۔ اتنے اونٹ لاؤ کہ لشکر کا ہر فرد اونٹ پر سوار ہو... ابن ولید! تم صحرا کے بیٹے ہو مگر اس صحرا سے نہیں گزر سکو گے۔“

رافع بن عمرہ نے جو راستہ بتایا یہ توخول کی تیرہوں کے مطابق ایک سوئیں مل تھا۔ یہ ایک سوئیں مل فاصلہ طے کرنے سے منزل تک کسی دن جلدی پہنچا جا سکتا تھا۔ خالدؓ وہ سالار تھے جو مشکلات کی تفصیلات سن کر نہیں بے مشکلات میں ڈر کر اندازہ کیا کرتے تھے کہ ان کی شدت کتنی کچھ ہے۔ اُن کے دماغ میں صرف یہ سمانی ہوئی تھی کہ مدینہ کا لشکر مشکل میں ہے اور اس کی مدد کو پہنچنا ہے۔ سیدھے راستے سے فاصلہ چھ سے سات سو میل تک تھا۔ رافع کے بتائے ہوئے راستے سے جانے سے فاصلہ آدھا رہ جاتا تھا مگر رافع بتاتا تھا کہ اس خطرناک راستے سے جاؤ تو ہر پانچ چھ دن ایسی دشواریوں سے گزرنا پڑتا ہے جو انسان کیا برداشت کئے

”ابن عمرہ! خالدؓ نے غصے سے کہا۔ ”اللہ تجھے عارت کرے۔ مجھے اللہ کی راہ سے مت روک یا مجھے وہ رستہ بتا جو مجھے مدینہ کے لشکر تک جلدی پہنچا دے۔ تو نہیں جانتا تو ہٹ میرے سامنے سے اور حکم مال جو میں نے دیا ہے۔“

راغب خالدؓ کے آگے سے ہٹ گیا خالدؓ اونٹ پر سوار ہوئے اور لشکر چل پلا سب آگے راغب کا اونٹ تھا۔ اُسے زہری کرنی تھی۔

قتنی کھڑے دیکھتے رہے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”امیر المؤمنین نے ٹھیک کہا تھا کہ اب کوئی مال خالدؓ جیسا بیاد نہیں کرے گی۔“



وہی صحرا جرات کو خنک تھا، سورج نکلنے ہی پہنچنے لگا اور جب سورج اور اوپر آیا تو زمین سے پانی کے رنگ کے شعلے اٹھنے لگے۔ پانی کے رنگ کا جھل کرتا ایک پردہ تھا جو آگے کے چل رہا تھا۔ اس کے آگے کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کیا ہے جون کا سورج جب سر پر آیا تو لشکر کے افراد ایک دوسرے کو پہچان نہیں سکتے تھے۔ ہر کوئی زمین سے اٹھتی ہوئی پیش کے لرزتے پردے میں لڑنا کا پتہ پالنے لگے جو تھے بار بار کچھسے کی طرح لہروں کی طرح ہٹا نظر آتا تھا۔

مجاہدین نے ایک جنگی ترانہ مل کر گانا شروع کر دیا۔ خالدؓ نے انہیں روک دیا کہ بولنے سے پیاس بڑھ جائے گا اسکان تھا۔ اونٹ کئی دنوں تک پیاسا سفر کر سکتا ہے لیکن انسان پیل جا رہا ہوا اونٹ یا گھوڑے پر سوار ہو کر وہ جہنم گھٹوں سے زیادہ پیاس برداشت نہیں کر سکتا۔ پہلی شام جب پڑاؤ ہوا تو تمام لوگ پانی پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے چہرے جل رہے تھے۔ کھانے کی کچھ بھی انہوں نے پانی پی لیا۔

دوسرے دن لشکر کا ہر آدمی محسوس کرنے لگا تھا کہ یہ وہ صحرا نہیں جس میں انہوں نے بیٹھا بارگزر کیا ہے یہ تو جہنم ہے جس میں وہ چلے جا رہے ہیں۔ ایک تو پیش تھی جو جلا رہی تھی، دوسرے ریت کی چمک تھی جو انہیں نہیں کھولنے دیتی تھی۔ ریت کا سمندر تھا بلکہ یہ آگ کا سمندر تھا اور لشکر شعلوں میں تیرتا جا رہا تھا۔

تیسرے روز کا سفر اس طرح ہوا کہ ٹھیک اور اذیت ناک ہو گیا کہ ٹھیل اور نشیب و فراز کا علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ یہ ریت اور مٹی کے شیلے تھے جو آگ کی دیواروں کی مانند تھے۔ پہلے تو لشکر سیدھا جا رہا تھا، اب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مڑنا پڑتا تھا۔ دیواروں جیسے ٹیلے مجاہدین کو جلا رہے تھے۔ یہاں سب زیادہ خطرہ ٹھیک جانے کا تھا بعض دیواروں جیسے ٹیلوں کے درمیان جگہ اتنی تنگ تھی کہ اونٹ دونوں طرف رگڑا کھا کر گزرتے تھے۔ اونٹ بک جاتے تھے کہ ان کے جسموں کے ساتھ گرم لوہا لگا لگا رہا ہے۔

تیسری شام پڑاؤ ہوا تو سب کے منہ کھلے ہوئے تھے اور وہ آپس میں بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان تمام لشکر نے پانی پیاتو یہ ہولناک انکسار ہوا کہ باقی سفر کے لیے پانی نہیں رہا۔ پانی کا ذخیرہ پانچ دنوں کے لیے کافی تھا مگر یہ تیسرے روز ختم ہو گیا۔ راستے میں بھی مجاہدین پانی پیتے تھے۔

جو تھا دن قیامت سے کم نہ تھا۔ پانی کی ایک گوند نہیں تھی۔ پیاس کا اثر جہانی ہوتا ہے اور ایک اثر صحرا کا اپنا ہوتا ہے جو ذہن کو بگاڑ دیتا ہے۔ یہ ہوتی ہے وہ کیفیت جب سراب نظر آتے ہیں۔ پانی اور کھانے کی گنتی دیتے ہیں۔ شہر اور سمندری جہاز نظر آتے ہیں اور مسافر انہیں حقیقت سمجھتے ہیں۔ ریت کی چمک کا اثر بھی بڑا ہی

خوفناک تھا۔

لشکر میں کسی نے چلا کر کہا۔ ”وہ بانی آگیا۔۔۔۔۔ پہلے میں پیوں گا۔“ اور وہ آدمی چلتے اونٹ سے کود کر ایک طرف دوڑ پڑا تین چار مجاہدین اُس کے پیچھے گئے۔

”اُسے اللہ کے سپرد کرو۔“ رافع بن عمرہ نے زور سے کہا۔ ”صحرائے قراباں! وصول کرنی شروع کر دی ہیں۔۔۔۔۔ اُس کے پیچھے موت دوڑو۔ سب مرو گئے۔“

تھوڑی دیر بعد ایک مجاہد بے ہوش ہو کر اونٹ سے گرا۔ وہ اٹھا اور اونٹ کی طرف آنے کی بجائے دوسری طرف چل پڑا۔ کوئی بھی اُس کے پیچھے نہ گیا۔ پیچھے نہ جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سب کی آنکھیں بند تھیں۔ ریت کی چمک اور پیش آنکھیں کھولنے ہی نہیں دیتی تھیں۔



جو تھا دن جو پانی کے بغیر گذر رہا تھا صبح معنوں میں جہنم کے دنوں میں سے ایک تھا۔ ایسے لگنا تھا جیسے سورج اور نیچے آگیا ہو۔ پہلے تو سب خود آنکھیں بند رکھتے تھے کیونکہ چمک اور پیش آنکھوں کو حلائی تھیں، اب آنکھیں کھلتی ہی نہیں تھیں۔ اونٹ تک ہارنے لگے تھے۔ کوئی اونٹ ٹری خوفناک آواز کا لانا، دیکھنے کے لیے اگلی ٹانگیں دوہری کرنا اور ایک پہلو پر لڑھک جانا تھا۔ سوار بھی گزرتا گزرتا اُس میں اٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ لشکر میں ہر کسی کی آنکھیں بند تھیں اور داغ بیکار ہو گئے تھے۔ انہیں محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ ان کا کوئی ساتھی اونٹ سے گر پڑا ہے یا کہ اُس کا اونٹ بھی گر پڑا ہے اور اُسے اٹھا کر اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھالیں۔

سراب کا شکار ہونے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ خود خالدؓ کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ انہیں کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کس میں کیا ہو رہا ہے۔ وہ تو عزم اور ایمان کی قوت تھی جو انہیں زندہ رکھے ہوئے تھی، اور یہ اونٹ تھے جو چلے جا رہے تھے۔ اگر اونٹ رگ جلتے تو لشکر کا کوئی ایک بھی فرد ایک قدم نہ چل سکتا۔

گھوڑوں کے منہ کھل گئے تھے اور زبانی لٹک آئی تھیں۔ مجاہدین کی زبانی سورج گئی تھیں۔ یقین میں کانٹے پیچھے رہے تھے۔ اس وجہ سے ان کے منہ بھی کھل گئے تھے۔ وہ قواب لاشوں کی مانند ہو گئے تھے۔ اونٹوں کی پٹھیلوں پر اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکتے تھے، اسی لیے ان میں سے کوئی نہ کوئی گر پڑتا تھا۔ اب وہ عالم نزع کے قریب پہنچ رہے تھے۔ جسموں کی کئی خشک ہو چکی تھی۔

رات کو لشکر کا تمام رات مجاہدین نے جاگنے گذاری۔ جسموں کے اندر سوسائیں چھیتی تھیں۔ زبانی کی حالت ایسی تھی جیسے منہ میں کسی نے لکڑی کا ٹکڑا رکھ دیا ہو۔

سفر کے آخری دن کا سورج طلوع ہو کر مجاہدین کو موت کا پیغام دینے لگا۔ کئی مجاہدین اونٹوں پر بے ہوش ہو گئے۔ وہ خوش قسمت تھے جو لڑھک کر گرے نہیں۔ یہ لشکر اب ایک لشکر کی طرح نہیں جا رہا تھا۔ اونٹ بکھر گئے تھے۔ بعض بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ کئی داہیں اور بائیں پھیل گئے تھے۔ رفتا خطرناک حد تک مست ہو گئی۔

یہ پانی کے بغیر دس دن تھا اور یہ ایک معجزہ تھا کہ وہ ابھی زندہ تھے۔ کوئی طاقت تھی جو انہیں زندہ رکھے ہوئے تھی؟ وہ اللہ کا وہ پیغام تھا جو رسولؐ کو بلائے تھے اور یہ مجاہدین انسانیت کی نجات کے

یہی اللہ کا یہ پیغام زمین کے گوشے گوشے تک پہنچانے کے لیے مہم آگ میں سے گذر رہے تھے۔ اللہ نے انہیں بڑی ہی اذیت تک آزمائش میں ڈال دیا تھا اور اُسی کی ذات انہیں زندہ رکھے ہوئے تھی۔

عزیز آفتاب سے بہت پہلے خالد اپنے اونٹ کو رافع بن عبیدہ کے اونٹ کے قریب لے گئے ابن عبیدہ! خالد نے بڑی شکل سے یہ الفاظ زبان سے نکالے۔ کیا اب ہیں اُس چشمے پر نہیں ہونا چاہئے تھا جس کا تُو نے ذکر کیا تھا؟ سوئی ایک ہی منزل دور رہ گیا ہوگا۔
"اللہ تجھے سلامت رکھے ولید کے بیٹے! رافع بن عبیدہ نے کہا۔" میں آشوب چشم کامریش تھا۔ اس حیرانے میری آنکھوں کا تُو ختم کر دیا ہے۔ میں اب کیسے دیکھوں؟
"کیا تُو اندھا ہو گیا ہے؟" خالد نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "جو تُو دیکھ سکتا تھا وہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ کیا ہم جنگ گئے ہیں؟"

مُتَوَجِّع وافر طبری نے لکھا ہے کہ رافع بن عبیدہ کی بیٹائی ختم ہو گئی تھی۔ اُس نے ذہن میں کچھ حساب رکھا ہوا تھا۔ ان دونوں مُتَوَجِّع نے اُس کے صحیح الفاظ اپنی خبر بردوں میں نقل کیے ہیں۔
"ابن ولید! رافع نے کہا۔" لشکر میں روک لے۔ اپنے کچھ آدمیوں کو آگے بھیج۔ انہیں کہہ کہ وہ عورت کے پستانوں کی شکل کے دو ٹیلوں کو تلاش کریں۔
خالد نے کچھ آدمیوں کو آگے بھیج دیا۔ یہ آدمی جلدی ہی واپس آگئے اور انہوں نے بنایا کہ وہ دو ٹیلے دیکھ آئے ہیں۔ رافع نے خالد سے کہا کہ اللہ کے کرم سے وہ صحیح راستے پر جا رہے ہیں۔ لشکر کو آگے لے چلو۔

"ابن ولید! رافع بن عبیدہ نے کہا۔" اب اپنے آدمیوں سے کہہ کہ ایک درخت کو ڈھونڈیں جس پر کانٹے ہی کانٹے ہوں گے اور وہ کوئی اونچا درخت نہیں ہوگا، وہ دُور سے اس طرح نظر آئے گا جیسے کوئی آدمی بیٹھا ہوا ہو۔ یہ درخت ان دو ٹیلوں کے درمیان ہوگا۔
آدمی گھوم پھر واپس آگئے اور انہوں نے یہ جانکاہ خبر سنائی کہ انہیں ٹیلوں کے درمیان اور ارد گرد بلکہ دُور دراز تک کوئی ایسا درخت نظر نہیں آیا۔

"اِنَّ اللہَ کَوَاتِبُ رَاجِعُونَ" رافع بن عبیدہ نے کہا۔ "مجھ کو کہ ہم سب ہر گئے۔" اُس نے کچھ سوچ کر اور قدر سے جھنجھلا کر کہا۔ "ایک بار پھر جاؤ۔ درخت مل جانے گا۔ ریت کے اندر ڈھونڈو۔"
آدمی پھر گئے، بر جھیاں اور تلواریں ریت میں مار مار کر سٹکوں پر درخت کو کھوجنے لگے۔ ایک جگہ انہیں ریت کی ڈھیری نظر آئی۔ ریت بٹائی تو وہاں ایک درخت کا ٹنڈا مُٹا سا تناخا ہوا تھا۔ یہ غار وار تھا۔
"اُٹھو دو اس درخت کو۔" رافع نے کہا۔ "اور اس جگہ سے زمین کھودو۔"

زمین اتنی زیادہ نہیں کھودی گئی تھی لیکن پانی اُٹھ پڑا اور ندی کی طرح بہنے لگا۔ اس گڑھے کو کھود کر کھلا کرتے چلے گئے حتیٰ کہ یہ ایک وسیع تالاب بن گیا۔ لشکر کے مجاہدین اس پانی پر ٹوٹ پڑے۔ واقعی کھتا ہے کہ یہ پانی اتنا زیادہ تھا کہ اسنے بڑے لشکر کے پانی پھراؤٹوں اور گھوڑوں نے پیانیت بھی یہ اُٹا نہا۔ مجاہدین نے متنبیر سے بھر لیے تب انہیں خیال آیا کہ معلوم نہیں ان کے کتنے ساتھی پیچھے رہ گئے ہیں۔

اونٹ بھی تازہ ہو چکے تھے اور انسان بھی۔ اپنے ساتھیوں کا خیال آتے ہی کئی مجاہدین اونٹوں پر سوار ہوئے اور واپس چلے گئے۔ وہ منظر پڑا ہولناک تھا۔ جگہ جگہ کوئی نہ کوئی مجاہد اور کوئی اونٹ یا گھوڑا ریت پر بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ مجاہدین نے ان کے منہ میں پانی ڈالا اور انہیں اپنے ساتھ لے آئے۔ بعض مجاہدین شہید ہو چکے تھے۔ انہیں ان کے ساتھیوں نے وہیں دفن کر دیا۔

"ابن عبیدہ! خالد نے رافع بن عبیدہ کو گلے لگا کر کہا۔" تُو نے لشکر کو ہتھیالیا ہے۔"

"اللہ نے ہتھیالیا ہے ابن ولید! رافع نے کہا۔" میں اس چشمے پر صرف ایک بار آیا تھا اور یہ تیس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ میں اُس وقت کمسن لڑکا تھا اور میرا باپ مجھے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس چشمے کو اب ریت نے چھپا لیا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ یہاں چشمہ موجود ہے۔ یہ اللہ کا خاص کرم ہے کہ چشمہ موجود تھا۔

ان مجاہدین کی ہم اس سفر پر ختم ہو گئی تھی۔ یہ تو آزمائش کی ایک کڑی تھی جس میں سے وہ گذر آئے تھے۔ ان کا اصل امتحان ابھی باقی تھا۔ شام کی سرحد تک پہنچنے کے لیے ابھی دو دن بقیں باقی تھے لیکن وہ کھس نہیں تھیں۔ اصل مشکل یہ تھی کہ رومی ان کے مقابلے کے لیے اور انہیں شام کی سرحد سے دور ہی ختم کرنے کے لیے اتنی زیادہ فوج اکٹھی کر رہے تھے جس کے مقابلے میں مسلمانوں کی یہ فوجی کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی تھی۔

مہملان جب شام پر جمعہ کو گئے تو ان کی نظری ۳۴ ہزار تھی۔ اٹھائیس ہزار پہلے وہاں موجود تھی اور نو ہزار خاندان لے کر گئے تھے۔ یہ نو ہزار مجاہدین قومی طور پر لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ جس ملک پر وہ حملہ کرنے گئے تھے وہاں کم و بیش ڈیڑھ لاکھ نفی کی تازہ دم فوج موجود تھی اور مقابلے کے لیے بالکل تیار۔

موتورخ واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خاندان نے ملکی سی زرہ پر ہن رکھی تھی۔ انہوں نے یہ زرہ اس چشتیہ پیر کو پہنی تھی۔ یہ زرہ میل کذاب کی تھی۔ خاندان نے جب اسے شکرستہ دی تھی تو اس کی زرہ ان کو مل کر اپنے پاس رک لی تھی۔ یہ ارتداد و فحش حاصل کرنے کی یادگار تھی۔ اس فحش کی ایک نشانی ادو بھی خاندان کے پاس تھی۔ یہ تلوار تھی۔ یہ بھی میل کذاب کی ہی تھی۔ خاندان نے دی تلوار کمر سے باندھ رکھی تھی۔

ان کو نذرِ مجاہدین میں جہاں صحابہ کرام بھی تھے وہاں خالد کے اپنے فرزند عبدالرحمن بھی تھے جن کی عمر اٹھارہ سال تھی اور ان میں امیر المومنین ابو بکر کے نوجوان فرزند بھی تھے۔ ان کے ساتھ عبدالرحمن بھی تھا۔

خالد کی جانفزا مسکراہٹ نے پورے شکر کی تھکن دور کر دی۔ شکر چلنے کے لیے تیار ہو گیا۔
 ”ولدہ کے بیٹے! اب دیکھ! — اک اک آدمی مجھ کو یہ کہتا اور دو تار مارتا — ” یہ دیکھو ولدہ کے بیٹے!

اللہ نے میری بینائی مجھے نوامی ہے۔ میں دیکھ سکتا ہوں۔ میں سمجھ دیکھ رہا ہوں۔
 ”بے شک اللہ ایمان والوں پر رحم کرتا ہے۔“ کسی نے بلند آواز سے کہا۔

اُس وقت کے ملک شام پر رومی حکمران تھے اور ان کی فوج اُس دور کی مشہور طاقتور اور مضبوط فوج تھی۔ اُس دور میں دو جی شمشادھی فوجیں مشہور تھیں۔ ایک فارس کی فوج دوسری رومیوں کی۔ دُور دُور تک ان دونوں فوجوں کی دھاک مٹیچی جُونی تھی۔ لفری زیادہ ہونے کے علاوہ ان کے ہتھیار برتر تھے۔ رُوم کی فوج کے متعلق تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ جس راستے سے گزرتی تھی اُس راستے کی بستیاں خالی ہوجاتی تھیں۔

آج کے اردن اور جنوبی شام پر غسانوں کی حکمرانی تھی۔ یہ بھی رومیوں کی طرح ایک بادشاہی تھی جس کی فوج منظم اور طاقتور تھی اور اسے ہتھیاروں کے معاملے میں بھی بڑی حامل تھی۔ اس بادشاہی کا پایتخت بصرہ منبعا۔

مسلمان روپیوں اور عثمانیوں کو لٹکار کر بہت بلاخیزہ مول لے رہے تھے جبکہ کایہ دستور ہے کہ حملہ آور فوج کی نفری اُس ملک کی فوج سے تین گنا ہونو گئی ضرور ہونی چاہیے کیونکہ جس فوج پر حملہ کیا جاتا ہے وہ قطعہ نہ رہتی ہے اور وہ نازہ دم بھی ہوتی ہے حملہ آور فوج بلا ہائے شکر کے آتی ہے اس لیے وہ نازہ دم

”اللہ رحیم و کریم ہے۔“ کسی اور نے نعرہ لگایا۔

یہ مختار بن عمیرہ جس نے اس لشکر کی راہنمائی اس خطرناک صحرائیں کی تھی۔ وہ آشوب خیمہ کا رئیس تھا۔ ریت کی چمک اور شمس سے اُس کی بینائی ختم ہوگئی تھی لیکن جسم میں جتنے کا بانی گھا اور انگوٹھوں میں پانی کے چھینٹے پڑے تو رافع کی بینائی واپس آگئی۔ خالدؓ کو اس کی بہت زیادہ خوشی ہوئی جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اُن کے لشکر کا راہنما اور میدان جنگ کا شہسوار ہمیشہ کے لیے اندھا نہیں ہو گیا تھا اور وہ مری وجہ یہ تھی کہ رافع بن عمیرہ خالدؓ کا داماد تھا۔

۱۴

مجاہدین بغیر آرام کیے اپنی اگلی منزل کو جا رہے تھے۔ اب ان کا سفر سہل تھا لیکن اُس دشمن پر فوج سہل نظر نہیں آتی تھی جس سے لڑنے وہ جا رہے تھے۔ وہ دشمن بہت طاقت ور تھا۔ اُس کے دہان قلعے تھے۔ وہ اُس کی زمین اور اُس کا ملک تھا۔ مسلمان کھلے میدان میں تھے اور اپنے مستقر سے سینکڑوں میل دور تھے انہیں اپنے لیے اور اپنے جانوروں کے لیے خوراک کا خود ہی انتظام کرنا تھا، اور ان کے لیے یہ بہت بڑا مسئلہ تھا۔

خالدؓ جب اپنے لشکر کے ساتھ شام کی سرحد کی طرف بڑھ رہے تھے، اُس وقت غسانی بادشاہ جملہ بن الایم اپنے امراء اور سالاروں کو حکم دے چکا تھا کہ مسلمانوں کی فوج سرحدوں پر لگتی ہے اور لمبے سرحدوں پر ہی ختم کر دینا ہے۔ اُس وقت خالدؓ بن سعید کروی فوج شکست دے چکی تھی اور مدینہ کا اٹھائیس ہزار مجاہدین کا لشکر چار حصوں میں شام کی سرحد پر پہنچ چکا تھا۔

”ہم نے رومیوں کو شکستیں دی ہیں۔۔۔ غسانی شاہ جملہ نے اپنے امراء اور سالاروں سے کہا تھا۔۔۔“ رومیوں سے بڑھ کر جابر اور جنگجو کون ہو سکتا ہے۔ ہم نے اس زبردست فوج کو گھٹنوں میں بٹھا کر اس سے یہ علاقہ لے لیا تھا جس پر آج ہماری حکمرانی ہے۔ تمہارے سامنے مسلمانوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ یہ مت سوچو کہ مسلمانوں نے فارسیوں کو شکست دی ہے اور انہیں اٹھنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ فارسی بزدل تھے۔ اپنے آباؤ اجداد کی شجاعت کو یاد کرو۔ اگر تم نے اپنے اوپر مسلمانوں کا خوف طاری کر لیا تو رومی ہی جو آج ہمارے بھائی بنے ہوئے ہیں تم پر چڑھ دوڑیں گئے۔ پھر تم دو دشمنوں کے درمیان دوس جاؤ گے۔ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ وہ زیادہ دن تمہارے سامنے نہیں ٹھہر سکیں گے۔“

”شہنشاہ غسان!۔۔۔ ایک مہینہ سالار نے کہا۔“ اُن کی جملہ ہتھوڑی سے تو کیا وجہ ہے کہ فاس کے تمام نامور سالار اُن کے ہاتھوں مارے گئے ہیں؟ یہ کتنا ٹھیک نہیں کہ فارسی بزدل تھے۔ کیا ہم اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دے رہے؟ کیا مسلمانوں نے فرائض کے میدان میں رومیوں اور فارسیوں کی تھوڑی فوج کو شرمناک شکست نہیں دی؟“

”ضروری ہے۔“ جملہ بن الایم نے کہا۔ ”میں تمہاری بات کر رہا ہوں۔ اگر تم نے مسلمانوں کو اپنی تلواروں کے نیچے لکھ لیا تو رومیوں اور فارسیوں پر تمہاری بھاری کی دہشت بیٹھ جائے گی اور تم جانتے ہو کہ اس کا تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا میرا حکم یہ ہے کہ سرحد کی ہر ایک پستی میں یہ پیغام پہنچا دو کہ مسلمانوں کا لشکر یا ان کا کوئی دستہ کسی بھی طعنے سے گزرے اُس پر حملہ کر دو اور اسے زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی

کوشش کرو۔ ہر وہ شخص جس نے غسانی مال کا دودھ پیا ہے وہ اپنے قبیلے کی اُن پر جان قربان کر دے لیکن تین چار مسلمانوں کی جان ضرور لے۔۔۔ میں اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دے رہا۔ میں ان مسلمانوں کو گھروا نہیں سمجھتا جو اپنے وطن سے اتنی دور آگئے ہیں۔ وہ اپنے عقیدے کے بل بوتے پر آئے ہیں۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ اُن کا مذہب سچا ہے اور وہ خدا کے برتر بندے ہیں اور خدا اُن کی مدد کرتا ہے۔ اگر تم اپنے عقیدے کو مضبوطی سے پکڑ لو تو تم انہیں کچل کر رکھ دو۔ قبیلے کے بچے بچے کو لڑاؤ۔ عورتوں کو بھی لڑاؤ اور ہر کوئی یہ کوشش کرے کہ مسلمانوں کو یہاں سے کھانے کو ایک دانہ نہ ملے۔ پینے کو پانی کی بوند نہ ملے اور انہی کے اونٹ اور گھوڑے اُس گھاس کی ایک پتی بھی نہ کھا سکیں جو تمہاری زمین نے اُگائی ہے۔“

۱۵

خالدؓ کی اگلی منزل سوئی تھی جس کے متعلق انہیں بتایا گیا تھا کہ سرسبز اور شاداب جگہ ہے۔ ان کے راستے میں پہلی پستی آتی تو اس سے کچھ دور کم و بیش چالیس گھوڑ سواروں نے مسلمانوں کے سرواں پر اس طرح حملہ کیا کہ گھوڑے اپنا کھیلوں کے پیچھے سے نکلے، سر پٹ دوڑتے آئے اور برجیوں سے مجاہدین پر قبضہ کر لیا۔ مجاہدین بھی سوار تھے اور اس طرح کی چھاپہ مار لڑائی میں ہمارت رکھتے تھے اس لیے انہیں زیادہ نقصان نہ اٹھانا پڑا۔ کچھ مجاہدین زخمی ہو گئے اور انہوں نے حملہ آور سواروں میں سے تین جا کر گھر لیا۔

یہ غسانی سوار تھے جنہوں نے پہلے تین میں مسلمانوں کو تباہ کیا تھا کہ وہ لڑنا جانتے ہیں اور اُن میں لڑنے اور مرنے کا جذبہ بھی ہے۔ وہ قبضہ کر آگئے نکل گئے اور بکھر گئے تھے۔ دور جا کر وہ پھر واپس آئے۔ اب مسلمان ہری طرح تیار تھے۔ غسانیوں نے ہلہ بولا۔ وہ برجیوں اور تلواروں سے تعلق تھے۔ مسلمانوں نے انہیں گھیرے میں لینے کی کوشش کی لیکن وہ بے جگری سے لڑتے ہوئے نکل گئے۔ ان کا انداز ہم کر لڑنے والا تھا ہی نہیں۔ تقریباً اتنے ہی غسانی سواروں نے مجاہدین کے لشکر کے عقبی حصے پر حملہ کیا۔ یہ بھی چھاپہ مار تھا۔ گھوڑے سر پٹ دوڑتے آئے اور آگے نکل گئے۔ خالدؓ لشکر کے وسط میں تھے۔ انہیں اطلاع ملی تو انہوں نے لشکر کی ترتیب بدل دی لیکن وہ لشکر کو زیادہ پھیلا نہ سکے کیونکہ وہ علاقہ ہموار نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد خالدؓ کے سامنے چند ایک غسانی قیدی لاے گئے۔ انہیں مجاہدین نے گھوڑوں سے جڑا لیا تھا۔ ان سے جب جنگی نوعیت کی معلومات حاصل کی جانے لگیں تو ان سب نے بڑی جرأت سے باتیں کیں۔

”تم جلد جاؤ گے تم پر حملے ہوں گے۔“ ایک قیدی نے کہا۔

”جب آدمی نہیں ہوں گے دہان تم پر عورتیں حملہ کریں گی۔“ ایک اور قیدی نے کہا۔

”تمہیں کس نے بتایا ہے کہ ہم تمہارے دشمن ہیں؟“ خالدؓ نے پوچھا۔

”دشمن نہیں ہو تو یہاں آتے کیوں ہو؟“ ایک قیدی نے جواب دیا۔

ان قیدیوں نے اور تو کچھ نہ بتایا کہ اُن کی فوج کتنی ہے اور کہاں کہاں ہے، ان سے یہ پتہ چل گیا کہ تمام سرحدی بستیوں میں ان کے بادشاہ کا یہ حکم پہنچا تھا کہ مسلمانوں پر حملے کرتے رہیں تاکہ جب مسلمان غنائیوں کی فوج کے مقابلے میں آئیں تو وہ تھکے ہوئے ہوں اور کمزور ہو چکے ہوں۔

”یہاں سے تمہیں اناج کا ایک دانہ نہیں ملے گا۔“ ایک قیدی نے کہا۔ ”پینے کو پانی کا ایک قطرہ نہیں ملے گا۔“

انہوں نے سوچا کہ اس طرح مزاحمت جاری رہی تو انہیں اپنے لشکر کے کھانے پینے کے لیے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

وہ سوئی کے قریب ظہر اور عصر کے درمیان پہنچے تو انہیں بڑا ہی وسیع سبزہ زار نظر آیا۔ اس میں بے شمار بھیلے، بجریاں اور مویشی چر رہے تھے۔ یہ وسیع چراگاہ تھی۔ اس کے قریب سوئی کی بستی تھی۔ خالدؓ نے اس خیال سے کہ پیشتر اس کے کہ ان پر حملہ ہوا انہوں نے حکم دے دیا کہ تمام بھیلے بجریاں اور مویشی پکڑ لیے جائیں اور انہیں کھانے کے لیے اور ان میں جو دودھ دینے والے جانور تھے انہیں دودھ کے لیے استعمال کیا جائے۔

مجاہدین ان جانوروں کو پکڑنے لگے تو بستی والوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ غسانوں کے گھوڑے اچھے تھے اور ان کے ہتھیار بھی اچھے تھے لیکن مسلمانوں کے آگے وہ زیادہ دیر ٹھہر سکے۔ خالدؓ نے چراگاہ پر قبضہ کر لیا۔ جب بستی میں گئے تو وہاں لانے والا کوئی ایک بھی آدمی نہیں تھا۔ وہ بڑے تھے، عورتیں تھیں اور بچے تھے۔ غسانوں کو دیکھ کر وہ بھاگنے لگے عورتیں اپنے بچوں کو اٹھائے چھپ گئیں یا بھاگ اٹھیں۔ خالدؓ کے حکم سے ان سب کو روک کر کہا گیا کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ اگر بستی سے مسلمان شکر کے خلاف کوئی کارروائی ہوئی تو بستی کو اجاڑ دیا جائے گا۔

۱۹

مجنوں نے خالدؓ کو اطلاع دی کہ کچھ دور آگے ایک قلعہ ہے جس میں عیسائی فوج ہے اور اس کا سالار رومی ہے۔ یہ اطلاع بھی جی کہ سوئی کے بھاگے ہوئے غسانی اس قلعے میں چلے گئے ہیں۔

اس قلعے کا نام آرک تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ شام گہری ہو گئی۔ قلعے کے دروازے سورج غروب ہونے ہی بند ہو گئے تھے۔ اس کے بعد قلعے کے منتر یوں کو جو دیوار پر چل رہے تھے گھوڑوں کے ٹاپ سنائی دیتے منتر یوں نے "خبردار، ہوشیار" کی صدا میں لگائی شروع کر دیں۔ گماندار دیوار پر گئے اور نیچے دیکھا۔ بہت سے گھوڑے دوڑے آ رہے تھے۔ وہ قلعے کے بڑے دروازے پر اکڑ کر گئے۔ ابھی اور گھوڑے اور اونٹ آ رہے تھے۔

"کون ہو تم لوگ؟" دروازے کے اوپر ایک برج سے ایک گماندار نے پوچھا۔

"ہم غسانی ہیں" باہر سے ایک سوار نے جواب دیا۔ "مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے۔ ہم نے سوئی میں انہیں روکنے کی کوشش کی تھی لیکن ہم ان کے مقابلے میں جم نہ سکے۔ ہم بستی میں جاتے تو مسلمان ہمیں زندہ نہ چھوڑتے"۔

"کیا تم پناہ لینے آتے ہو؟"

"پناہ بھی لیں گے" ایک غسانی سوار نے جواب دیا۔ "اور مسلمانوں کے خلاف لڑیں گے بھی تمہیں ہماری ضرورت ہوگی"۔

رومی سالار کو بلا گیا۔ اُس نے ان لوگوں سے اپنی تسلی کے لیے کئی سوال کیے اور ان کے لیے قلعے کا دروازہ کھولا دیا۔ انہوں نے رومی سالار کو تفصیل سے بتایا کہ مسلمانوں کی فہری کتنی ہے اور اب وہ کہاں ہیں۔ اگلی صبح طلوع ہوئی تو خالدؓ کا لشکر قلعے تک پہنچ گیا تھا اور قلعے کو محاصرے میں لے رہا تھا۔ عیسائی فوج جو قلعے میں تھی، قلعے کی دیواروں پر چلی گئی اور فوج کا ایک حصہ قلعے کے بڑے دروازے سے کچھ دور کھڑا ہوا۔

"تمہارے اونٹوں اور گھوڑوں کو ہم ہوکھا دیں گے۔ ایک اور قیدی لے لیا۔" ہماری زمین سے یہ گھار کی ایک پتی نہیں کھا سکیں گے۔

"کیا تمہاری موت تمہیں یہاں لے آئی ہے؟" ایک اور قیدی بولا۔

"روئے آتے تھے تو خالدؓ بن ولید کو ساتھ لاتے۔ ایک اور قیدی لے لیا۔"

"وہ آجاتا تو تم کیا کرتے؟" خالدؓ نے پوچھا۔

"میں ہے اُس کے سامنے اُس کا کوئی دشمن پاؤں پر کھڑا نہیں رہ سکتا۔" قیدی نے جواب دیا۔ "اور

منا ہے وہ بڑا ظالم آدمی ہے۔ قیدیوں کو اپنے ماتحتوں قتل کر دیتا ہے۔"

"اگر وہ اتنا ظالم ہوتا تو تم اس وقت اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوتے۔" خالدؓ نے کہا۔ "تمہارے سر تمہارے کندھوں پر نہ ہوتے؟"

"کہاں ہے وہ؟" قیدی نے پوچھا۔

"تمہارے سامنے کھڑا ہے۔" خالدؓ بن ولید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری بہادری کی تعریف کرتا ہوں۔ ایسا حملہ بہادر کیا کرتے ہیں جیسا تم نے کیا ہے۔"

تمام قیدیوں پر خاموشی طاری ہو گئی تھی اور وہ حیرت زدہ تاثر چہرہ پر لیے خالدؓ کو دیکھ رہے تھے۔

"کیا تم مجھ سے ڈر رہے ہو کہ میں تمہیں قتل کر دوں گا؟" خالدؓ نے پوچھا۔

ان میں سے کوئی بھی نہ بولا۔

"نہیں" خالدؓ نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا۔ "تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ تمہارے

ابھی بہت سے بھائی ہماری قیدی ہیں آئیں گے کسی کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ قتل وہی ہو گا جو تمہارے مقابلے میں آئے گا۔ کیا تم غسان کے لشکر کے آدمی ہو؟"

"نہیں" ایک قیدی نے جواب دیا۔ "ہم اُس تہی کے رہنے والے ہیں۔"

"تم میرا نام کس طرح جانتے ہو؟" خالدؓ نے پوچھا۔

"بن ولید! ایک ادھیڑ عمر قیدی نے جواب دیا۔ "تیرا نام غسان کے بچے بچے نے سنا ہے۔ غسان کی فوج تیرے نام سے واقف ہے۔ فارس کی فوج کو شکست دینے والا سالار عام قسم کا انسان نہیں ہو سکتا لیکن بن ولید اب تیرا مقابلہ قبیلہ غسان سے ہے۔"

خالدؓ اس شخص کے ساتھ بحث نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس کے ساتھ اور دوسرے قیدیوں کے ساتھ دوستانہ انداز میں باتیں جاری رکھیں اور ان سے کچھ باتیں معلوم کر لیں۔ سورج واقعہ نے لکھا ہے کہ خالدؓ کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ غسانوں اور درویشوں تک ان کا صرف نام ہی نہیں پہنچا تھا بلکہ ان کے نام کے ساتھ کچھ روایتیں اور حکایتیں بھی پہنچ گئی تھیں۔ بعض لوگ خالدؓ کو با فوق انصاف شخصیت سمجھنے لگے تھے۔

۲۰

خالدؓ آگے بڑھتے گئے۔ غسانوں کے گروہوں نے دو اور گروہوں پر مسلمانوں کے لشکر پر حملہ کیا۔ ایک حملہ جو چھپا ہوا قسم کا تھا، خاص سخت تھا۔ مسلمان چونکہ چوکس اور تیار تھے اس لیے ان کا زیادہ نقصان نہ ہوا۔ حملہ آوروں کا جانی نقصان زیادہ ہوا۔ خالدؓ کو قیدیوں سے معلوم ہو چکا تھا کہ ان پر ان حملوں کا مقصد کیا ہے۔

اور جو مجھے نظر آتا ہے وہ تو نہیں دیکھ سکتا ہے.... اور تو کہتا ہے کہ وہ آسمان کا دیوتا تو نہیں.... بس رومی سالار اور تو بھی مسیحی سر دار! جو اُس صحرائی سے اپنے لشکر کو زندہ گزار لایا ہے جہاں کی ریت پہلے اندھا کرتی چھر حکم کو خشک لکڑی بناتی اور پھر جلادیتی ہے، وہ انسان آسمانوں کے دیوتاؤں کو بھی شکست دے سکتا ہے.... میں اور کچھ نہیں کہتا سوائے اس کے کہ قلعہ اُس کے حوالے کر دو اور اگر لڑنا چاہو تو عقل اور جوش سے کام لینا لیکن عقل تمہارا ساتھ نہیں دے گی۔“

[۴]

اُس وقت جب یہ عالم اور درویش قلعہ دار اور عیسائی سر داروں کو تباہ و تباہی کا وہ خالہ کے مقابلے میں آئیں تو ذرا سوچ لیں، اُس وقت قلعے کے اندر مسلمانوں کی لڑکائی دے رہی تھی۔
”دروازے کھول دو.... ہتھیار ڈال دو.... ہم قلعہ لینے آئے ہیں.... اپنے لشکر کو اپنی عورتوں اور بچوں کو بچاؤ۔“

رومی سالار عیسائی سر داروں کے ساتھ قلعے کی دیوار پر آیا اور ہر طرف جا کر دیکھا۔ اُسے مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ نظر نہیں آ رہی تھی کہ وہ قلعہ سر کر لیتی لیکن وہ مسلمانوں کا پرچم ”عقاب“ دیکھتا تھا وہ اپنے آپ میں دھچکے سا محسوس کرتا تھا۔

”کیا یہی ہے سارا لشکر؟“ رومی سالار نے کسی سے پوچھا۔ ”یہی نہیں ہو سکتا۔“

”یہ لشکر اتنا ہی ہے۔“ اُسے جواب ملا۔

”تیروں کا مینبر برسا دو ان پر!“ اُس نے حکم دیا۔ ”قریب آئیں تو برجھیاں بھینکیو۔“
دیوار سے تیروں کی پوچھائیں آنے لگیں۔

”خدا کی قسم، یہ تیر ہیں نہیں روک سکتے۔“ خالہ نے گلا چھا کر کہا۔ ”ایسے تیر ہم پر بہت برسے ہیں۔ تیر اندازوں کو آگے کرو۔ دروازوں پر قبضہ کر دو.... اور سب کچھ وہ کہہ کر یہ شام کا پہلا قلعہ ہے۔ اگر ہم پہلے قلعے پر مار گئے تو شکست ہمارا مقدر بن جائے گی۔“

خالہ کے قاصدوں نے جب قلعے کے چاروں طرف یہ پیغام پہنچا دیا تو تیر انداز تیروں کی پوچھائیں میں آگے بڑھے اور اندھا دھند نہیں بلکہ ایک ایک آوی کا نشانہ لے کر تیر چلانے لگے۔ سب سے زیادہ تیر انداز قلعے کے بڑے دروازے کے سامنے جمع ہو گئے تھے اور دروازے کے اوپر اور مڑوں میں تیر چمک رہے تھے۔ مجاہدین کی بے خوفی اور شجاعت کا یہ عالم تھا کہ کئی مجاہدین دروازے تک پہنچ گئے اور گھمائیوں سے دروازہ توڑنے لگے۔

دروازہ مضبوط تھا جسے اس حالت میں توڑنا آسان نہیں تھا کہ اوپر سے تیر آ رہے تھے لیکن مجاہدین کی اس جرات نے اور لشکر کے نعروں نے قلعے والوں کا حوصلہ توڑ دیا۔ اُن پر اپنے عالم درویش کی باتوں کا اثر بھی تھا۔

”اب بھی وقت ہے۔“ خالہ کے حکم سے ایک بلند آواز مجاہد نے اعلان کیا۔ ”قلعہ دے دو گے تو فائدہ ہے میں رہو گے قلعہ ہم نے لیا تو ہم سے رحم کی امید نہ رکھنا۔“

تھوڑی ہی دیر بعد قلعے پر سفید جھنڈا اُٹھانے لگا۔ خالہ نے اپنے سالاروں کی طرف قاصد دوڑا دیے کہ رک جاؤ۔

گیا۔ اس حصے کو ایسی صورت حال کے لیے تیار رکھا گیا کہ دروازہ ٹوٹ جائے تو یہ دستہ حملہ آوروں کو اندر نہ آنے دے اور حکم ملنے پر باہر جا کر مسلمانوں پر حملے کرے۔ قلعے کے باہر لڑکے اور فوج گرج رہے تھے۔

”قلعہ ہمارے حوالے کر دو۔“ خالہ کے حکم سے رافع بن عریہ نے بلند آواز سے کہا۔ ”اور نہ ہرجاں قتل ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔ ہتھیار ڈال دو اور کسی کو باہر بھیج دو ہمارے ساتھ صبح کی شمشیریں ملے کر لے۔“
”اے مسلمانو!۔“ اوپر سے ایک کا نڈارنے لگا کر کہا۔ ”یہ قلعہ تمہیں اتنی آسانی سے نہیں ملے گا۔“
واقفی اٹھتا ہے کہ قلعہ میں ایک ضعیف العمر عالم تھا۔ اُس نے رومی سالار کو بلا دیا۔ اس عالم کی قدر و قیمت تھی اور غسانی اُس کا حکم مانتے اور اُس کی ہر بات کو برحق تسلیم کرتے تھے۔

”کیا اس فوج کا پرچم کالے رنگ کا ہے؟“ عالم نے پوچھا۔

”ہاں مقدس باپ!۔“ رومی سالار نے جواب دیا۔ ”اُن کا جھنڈا نظر آ رہا ہے جو سفید اور کالے رنگ کا ہے۔“
”کیا یہ فوج صحرائی سے اُس راستے سے گذر کر آئی ہے جس راستے سے کبھی کوئی نہیں گزرا؟“ عالم نے پوچھا۔

”مورخ واقفی، طبری اور ابن یسوت نے لکھا ہے کہ وہ مجبوروں نے اس عالم کو سب سے پہلے مسلمانوں کی فوج صحرا کے اُس حصے میں سے گزر کر آئی ہے جہاں اونٹ بھی نہیں جاتے اور جہاں سانپ بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔“
”کیا اس فوج کے سالار کا قاتل اچھا ہے؟“ مسمر عالم نے پوچھا۔ ”کیا اُس کا چمک ٹھٹھا ہوا ہے اور اُس کے کندھے چوڑے ہیں؟“

”مقدس باپ!۔“ کسی نے جواب دیا۔ ”قد تو ان سب کے اونچے ہیں اور چم بھی سب کے گٹھے جوتے ہیں لیکن اُس کے کندھے سب سے چوڑے ہیں۔“

”کیا اُس کی داڑھی زیادہ گھنی ہے؟“ عالم نے پوچھا۔ ”اور کیا اُس کے چہرے پر کہیں کہیں چمک کے گھر سے داغ ہیں؟“

”ہاں مقدس درویش!۔“ کسی اور نے جواب دیا۔ ”اُس کی داڑھی دوسروں سے زیادہ گھنی ہے اور یہ داڑھی اُس کے چہرے پر بہت اچھی لگتی ہے اور اُس کے چہرے پر چمک کے کچھ داغ ہیں۔“

اس عالم درویش نے رومی سالار اور عیسائی سر داروں کی طرف دیکھا اور کچھ دیر خاموش رہا پھر اُس نے اپنا سر دایاں بائیں دو بار ہلایا۔

”یہ دایاں شخص ہے جس کا مقابلہ کرنے کی ہمت تم میں سے کسی میں بھی نہیں۔“ اُس نے کہا۔

”اے کہ تو جس کا احترام ہم سب پر لازم ہے، کیا کہہ رہا ہے؟“ رومی سالار نے کہا۔ ”وہ تو ہمارا قیدی ہو گا جس سے تو ہمیں ڈر رہا ہے۔“

”کیا تو نے اُن کا انجام نہیں دیکھا جنہوں نے اُس کا مقابلہ کیا تھا؟“ عالم نے کہا۔

”کیا وہ آسمانوں کا کوئی دیوتا ہے جسے زمین کا کوئی انسان شکست نہیں دے سکتا؟“ ایک عیسائی سردار نے پوچھا۔

”اے عیسائی سردار!۔“ عالم نے کہا۔ ”وہ چوڑے کندھوں اور چمک کے داغوں والا حوصلہ مند ہے۔ اُس کے پاس علم ہے اور میرے پاس علم ہے۔ تیرے پاس علم ہے نہ علم۔ تو رومی نہیں تو غسانی بھی نہیں،

”باہر آکر بات کرو“ مسلمانوں کی طرف سے اعلان ہوا۔

تھکے گا دروازہ کھلا۔ رومی سالار دو تین عیسائی سرداروں کے ساتھ باہر آیا اور مزید کے اُس سالار کے سامنے آن کھڑا ہوا جس کے کندھے چڑھنے، وارھی گھنی اور جس کے چہرے پر چچک کے چند ایک داغ تھے۔

”خدا کی قسم، تو مختل والا ہے۔“ خالد نے رومی سالار سے کہا۔ ”تو نے اپنی آبادی کو اور اپنے لشکر کو قتل عام سے بچا لیا ہے۔ اب تو مجھ سے وہ توقع رکھ سکتا ہے جو دوست دوستوں سے رکھا کرتے ہیں۔“ خالد نے اپنا ہاتھ اُس کی طرف بڑھایا۔ رومی سالار نے مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا۔

”ہاتھ نہیں۔“ خالد نے کہا۔ ”پہلے تلوار۔“

رومی سالار نے اپنے کمر بند سے تلوار مع نیام کھول کر خالد کے حوالے کر دی، پھر عیسائی سرداروں نے اپنی اپنی تلواں اُتار کر خالد کے آگے پھینک دیں۔

”اب تیار اے سالار مدینہ! رومی سالار نے پوچھا۔“ تیری اور شرط کیا ہے؟ کیا ہماری جوان لڑکیاں اور بچے تیرے لشکر سے محفوظ رہیں گے؟

”ہم تمہاری لڑکیاں اٹھانے نہیں آئے اے رومی سالار۔“ خالد نے کہا۔ ”ہم غزلیں گے کوئی اور محصول نہیں لیں گے۔ اگر تو کچھ دیر اور لڑتا اور ہم قلعہ اپنے زور پر لینے تو اُرک کی ایٹھ سے ایٹھ بچ جاتی اور اندر لاشوں کے ڈھیر لگے ہوتے۔ تو امن سے آیا ہے امن سے جا۔ اپنی لڑکیوں کو، بچوں کو اور اُن کی ماؤں کو ساتھ لے جا۔ اور دل میں یہ بات رکھ کہ ہم لوٹ مار کرنے نہیں آئے، ہم کچھ دینے آئے ہیں۔ یہ ہمارا اعتیاد ہے۔ اسلام۔ اس پر غور کرنا۔“

مورخ لکھتے ہیں کہ رومی سالار اور عیسائی سردار خوف زدہ حالت میں آئے تھے۔ خوف یہ تھا کہ خالد انہیں قتل کر دے گا اور قلعہ میں کچھ بھی نہیں چھوڑے گا لیکن خالد نے جزیرہ کے ساکو کی اور شرط عائد نہ کی۔ اب رومی اور عیسائی خوف زدہ نہیں حیرت زدہ تھے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی فاتح مفتوح کے ساتھ اتنی فیاضی سے پیش آ سکتا ہے۔ ان لوگوں پر کرم یہ کیا گیا کہ صرف فوج کو وہاں سے نکالا گیا۔ باقی تمام آبادی امن و امان میں وہاں موجود رہی۔

۵

خالد کو وہاں سے مقامی گائیڈ مل گئے تھے۔ اُرک سے آگے دو مقامات، سخنہ اور قدیمہ تھے۔ خالد نے اُرک پر قبضہ کر لیا تھا لیکن اپنے لشکر کو قلعے کے باہر خمیرہ زن کیا۔ رات کو خالد نے اپنے سالاروں کے ساتھ بڑے جد باقی انداز سے اللہ کا شکر ادا کیا۔ شام کے پہلے ہی قلعہ دار نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

مورخ لکھتے ہیں کہ شام کی سرحد کے قریب پہنچ کر خالد کی چال ڈھال میں تبدیلی آئی تھی۔ وہ سرخ رنگ کا عمامہ سر پر رکھتے تھے۔ مسیہ کتاب کی تلوار ان کے پاس رہتی تھی۔ رسول اکرم کا دیا ہوا مقدس پرچم اُن کے پیچھے لگا رہتا اور خالد کو اکثر دیکھا گیا کہ اس مقدس پرچم پر نظر پڑے گا رُسے ہیں۔ کوئی اور پیشقدمی کے دوران بھی وہ اس پرچم ”عقاب“ کو دیکھتے تو اُن کی نظر پرچم پرچم پر جمی رہتی تھیں۔ انہیں شاید یہ احساس پڑتا تھا کہ یہ تھا کہ وہ وطن سے بہت دور ایک طاقتور ملک کو فتح کرنے آگئے ہیں لیکن اُن کی باتوں اور مسکراہٹوں میں حوصلہ مندی صاف نظر آتی تھی۔

رات کو خالد نے اپنے سالاروں کو بلایا۔

”بیک اللہ غفور الرحیم ہے۔“ خالد نے کہا۔ ”فتح اور شکست اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہم لڑتے ہیں تو اللہ ہی کے نام پر لڑتے ہیں۔ جانیں دیں گے تو اُسی کے نام پر دیں گے۔ میرے دوستو! کیسے غور بجالاؤ گے رپ کریم کا جس نے تمہارے نام کا خوف تمہارے قدم یہاں پڑنے سے پہلے ہی دشمنان اسلام کے دلوں پر طاری کر دیا تھا۔ کیسے احسان بکھاؤ گے اپنے اللہ کا جس نے پہلا ہی قلعہ کسی جانی نقصان کے بغیر تمہاری جھولی میں ڈال دیا ہے۔ تبکرتہ کرنا اور یہ نہ بھولنا کہ ہمارے ساتھ وہ پرچم ہے جو رسول اللہ اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ یہ پرچم نہیں، یہ ہمارے رسول کی روح مقدس ہے جو ہمارے ساتھ ہے۔“

”تم نے صبر اور تحمل کی، ہر آت اور شجاعت کی جو روایت قائم کی ہے یہ ہماری آنے والی نسلوں کو راستہ دکھانے والی روشنی کا کام دے گی۔ ہمیں ابھی اور روایات قائم کرنی ہیں اور یہی روایات اسلام کو زندہ رکھیں گی۔ ایسی کچھ اور باتیں کر کے خالد اپنی اگلی پیشقدمی کے متعلق احکام دینے لگے۔ انہوں نے دوستوں کے سالاروں سے کہا کہ وہ اگلے دو مقامات پر قبضہ کے لیے جائیں گے۔ ایک کو سخنہ اور دوسرے کو قدیمہ جانا تھا۔ خالد نے انہیں کہا کہ انہیں ایک ایک دستے سے ان دونوں بستروں کو لینا ہے۔ جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق یہ دونوں بستیاں چھوٹے چھوٹے قلعوں یا قلعہ نما حیرلوں کا مجموعہ تھیں۔

”اُرک کی فتح دونوں بستیوں کی فتح کو منسلک بنا چکی ہوگی۔“ خالد نے سالاروں سے کہا۔ ”اُرک کے شکست خوردہ آدمی وہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ عیسائی اور رومی اُرک کی شکست کا انتقام فرمادیں گے۔ انہیں بڑے سخت مقابلے کا سامنا ہوگا۔ پسپا نہ ہونا۔ میں تمک تیار رکھوں گا۔ اللہ نے ہمیں یہ اڈہ دے دیا ہے۔ میں تمہاری مدد کو پہنچوں گا۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔“

خالد نے سالار ابو عبیدہ کے نام ایک پیغام بکھوایا اور ایک فائدہ کو دے کر کہا کہ فجر کی نماز کے فوراً بعد وہ روانہ ہو جائے اور یہ پیغام ابو عبیدہ کو دے آئے۔

ابو عبیدہ اُن اٹھائیس ہزار مجاہدین کے ایک حصے کے سالار تھے جو امیر المؤمنین ابو بکرؓ نے مدینہ سے تیار کر کے شام کی فتح کے لیے روانہ کیا تھا۔ اس لشکر کے چار حصے کئے گئے تھے اور ہر حصہ شام کی سرحد پر ایک دوسرے سے دور مختلف جگہوں پر پہنچ گیا تھا۔ سالار ابو عبیدہ جاہلیہ کے علاقے میں تھے۔ خالد نے انہیں پیغام بھیجا کہ وہ جہاں ہیں وہیں رہیں اور جب تک انہیں خالد کی طرف سے کوئی حکم نہ ملے وہ کوئی حرکت نہ کریں۔

”اور میں تدبیر جارہوں۔“ خالد نے اپنے سالاروں کو بتایا۔ ”تدبیر باقاعدہ قلعہ ہے۔ اسے سر کرنا آسان نہیں ہوگا، اس لیے اسے میں نے اپنے فوسے سے لیا ہے۔ میرے رفیقو! معلوم نہیں ہم ایک دوسرے کو زندہ مل سکیں گے یا نہیں، یہ خیال رکھنا کہ ہم اللہ کے حضور اکٹھے ہوں تو اللہ کے آگے شکر مسر ہوں نہ ایک دوسرے کے آگے!“

۶

خالد کے ساتھ مجاہدین کا ہر لشکر تھا اس کی تعداد نو ہزار پوری نہیں تھی۔ اسے بھی خالد نے تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر حصے کو ایک ایک مقام فتح کرنا تھا۔ خالد نے بہت بلاخطہ مول لیا تھا لیکن انہیں اللہ کی ذات پرادر رسول اکرمؐ کے ”عقاب“ پر اتنا بھروسہ تھا کہ انہوں نے اتنا بلاخطہ مول لے لیا۔

صبح ہوتے ہی خالہ تدمر کی طرف کوچ کر گئے اور دو سالار اپنے اپنے دوتول کو لے کر سمنہ اور قدیمہ کو روانہ ہو گئے۔

خالہ نے جتنے ہی تدمر کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اس میں بھی عیسائیوں کی فوج تھی۔ خالہ نے غور دل کے ساتھ قلعے کے دروازوں پر پہلے بولے اور بار بار اعلان کرایا کہ قلعہ ان کے حوالے کر دیا جائے۔ یہ دیکھا گیا کہ قلعے کے دفاع میں لڑنے والوں میں کوئی جوش و خروش نہیں تھا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ قلعے کا دروازہ کھلا اور عیسائی سردار باہر آ گئے۔ انہوں نے خالہ سے پوچھا کہ وہ کن شرطوں پر صلح کرنا چاہتے ہیں۔

”جزیرہ ادا کرو“ خالہ نے کہا۔ ”اور یہ معاہدہ کہ یہاں سے مسلمانوں کا جو بھی لشکر یا دستہ گزرا کرے گا لے کھانے پینے کا سامان تم ہیسا کر دو گے اور قلعہ میں رکنا جزا تو تم اُسے جگہ دو گے۔“

”تمہاری فوج ٹوٹ مار تو نہیں کرے گی؟“ ایک عیسائی سردار نے پوچھا۔

”جزئیے کے عوض تمہاری عزت اور تمہاری جانوں اور تمہارے اموال کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہوگی۔“ خالہ نے کہا۔ ”کسی اور نے تم پر حملہ کیا تو مسلمان تمہاری مدد کو نہیں گئے اور تم رومی اور عسائیوں کا ساتھ نہیں دو گے۔“

”ابن ولید! ایک سردار نے کہا۔“ ہم نے جیسا سنا تھا تجھے ویسا ہی پایا۔ اب تو ہمیں اپنا دوست پائے گا۔“

عیسائیوں کے سب سے بڑے سردار نے اعلیٰ نسل کا ایک گھوڑا خالہ کو تحفہ پیش کیا۔ یہ بڑا قیمتی گھوڑا تھا۔ یہ دوسرا قلعہ تھا جو خالہ کے قدموں میں آن پڑا اور خالہ اللہ کے حضور سجدے میں گر پڑے۔

۱۴

اُدھر سمنہ اور قدیمہ میں ایک جیسا ہی معجزہ ہوا۔ دونوں دوتول کے سالاروں پر عیسائی کیفیت طاری تھی۔ ایک خطرہ یہ تھا کہ وہ دشمن ممالک کے زیادہ اندر لپٹی گہرائی میں جا رہے تھے۔ دوسرا خطرہ یہ کہ ایک سے فوجی چلے گئے تھے۔ ان کا ان قبضوں میں ہونا اور وہاں کے گولوں کو ساتھ ہلا کر مقابلے میں آنا لازمی تھا، اور سب سے بڑا خطرہ تو یہ تھا کہ دونوں سالاروں کے پاس صرف ایک ایک دستہ تھا۔

دونوں دستے تقریباً ایک ہی وقت اپنے اپنے ہدف پر پہنچے۔ دونوں سالاروں نے اپنے اپنے طور پر طے کر لیا تھا کہ ان کا مقابلہ اگر زیادہ تعداد سے ہو گیا تو وہ جہم کر نہیں لڑیں گے بلکہ گھوم پھر کر اور دشمن کو کچھ کر لیں گے۔ انہوں نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ خالہ سے مدد نہیں مانگیں گے کیونکہ خالہ ایک قلعے پر حملہ کرنے گئے تھے۔

ایمان کے جذبے کی یہ انتہا تھی کہ وہ اتنی قلیل تعداد میں کہاں جا پہنچے تھے۔ انہوں نے اپنی جانیں اور اپنے اموال اللہ کے سپرد کر دیئے تھے۔ وہ اپنی بیویوں اور اپنے مال باپ اور اپنے بہن بھائیوں کو فراموش کیے ہوئے تھے۔ ان پر یہ لشد طاری تھا کہ کفر کے فتنے کو ختم کر کے اللہ کے پیغام کو زمین کے دوسرے سرے تک پہنچانا ہے۔ ان کے دلوں میں اللہ کا نام اور رسول کا عشق تھا اور ان کے ذہنوں میں کوئی دہم اور کوئی شک نہ تھا۔ جہاد ان کی عبادت تھی اور وہ اللہ سے ہی مدد مانگتے تھے۔ اور اب وہ

اُن محنت پر اور ایسے حالات میں جا پہنچے تھے کہ اللہ ہی اُن کا حافظ تھا۔

ایک سالار سمنہ کے قریب اور دوسرا قدیمہ کے قریب پہنچا تو دونوں جگہوں پر ایک ہی جیسا منظر دیکھنے میں آیا۔ وہاں کے لوگ باہر نکل آئے اور ان کی تعداد بڑھتی گئی۔ سالاروں نے اپنے اپنے دستے کو پھیلا دیا یا بل کوئی دھوکہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ لوگ مسلح نہیں تھے۔ اُن کی عزتیں اور پیٹے بھی باہر آ گئے اور سب ہاتھ اوپر کر کے ہلار رہے تھے۔

سالاروں نے اپنے اپنے دستے کو محاصرے کی ترتیب میں کر دیا۔ اُن کی نظریں اُن مکانوں پر لگی ہوئی تھیں جو چھوٹے چھوٹے قلعوں کی مانند تھے۔ سالاروں کو خطرہ یہ نظر آ رہا تھا کہ وہ آگے بڑھیں گے تو ان کے مکانوں سے ان پر تیر برسنے لگیں گے۔

وہ رک رک کر آگے بڑھنے لگے۔ دونوں بستیوں کی آبادی عربی عیسائیوں کی تھی۔ ان میں سے چار پانچ معمر سفید ریش آگے بڑھے قریب انہوں نے استقبال کے انداز میں بازو پھیلا دیئے۔

”ہم تمہارا استقبال کرتے ہیں۔“ ایک سفید ریش عیسائی نے کہا۔ ”آؤ..... دوتول کی طرح آؤ۔ ہم اس کے بندے ہیں۔“

”اور اگر ہم پر ایک بھی تیر آیا تو اس بستی کی تباہی کیجہ کو بھی یقین نہیں کرو گے۔“ سالار نے کہا۔

”مکانوں کے دروازے کھلے ہیں۔“ عیسائی بزرگ نے کہا۔ ”آبادی کا ایک بچہ بھی اندر نہیں۔ دیکھ لو کسی کے ہاتھ میں کمان نہیں، برنجی نہیں، تلوار نہیں۔“

”کہاں ہیں وہ چراگ سے یہاں آئے تھے۔“ سالار نے پوچھا۔

”کچھ میں کچھ چلے گئے ہیں۔ ایک معمر عیسائی نے کہا۔“ انہوں نے ہی ہمیں بتایا ہے کہ تمہاری فوج ٹوٹ مار نہیں کرتی، ہتھوں اور بے کسوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتی اور تم ایسی شرطوں پر دوستی قبول کر لیتے ہو جو کسی پر بار نہیں ہوتیں۔“

”اور جو ہماری شرطیں قبول نہ کرے اس کا انجام کچھ اور ہوتا ہے۔“ سالار نے کہا۔

”اے مدینہ کے سالار! عیسائی سردار نے کہا۔“ بتا تیری شرطیں کیا ہیں؟“

”وہی جو تمہاری بیٹھ اٹھا سکے گی اور نہ کوڑے لگے نہیں۔“ سالار نے کہا۔ ”جزیرہ..... ہم خود کھجیر گے کہ جو جزیرہ ادا کرنے کے قابل نہیں اُس سے ہم کچھ بھی نہیں لیں گے۔“

”کچھ اور؟“

”مسلمانوں کا لشکر یا کوئی دستہ یا کوئی فاصد یہاں سے گزرے گا تو یہ اس بستی کی ذمہ داری ہوگی کہ اُس پر حملہ نہ ہو۔“ سالار نے کہا۔ ”اگر وہ یہاں رکنا چاہیں گے تو اُن کے جانور دل کا چارہ بستی کے ذمے ہو گا۔ ان کی کوئی اور ضرورت جو تم پر بار نہیں ہوگی وہ تم پوری کرو گے۔ ہمارے لشکر کا کوئی فرد بستی کے کسی گھر میں داخل نہیں ہوگا۔ تمہاری عزتوں کی اور تمہارے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار ہم ہوں گے۔ رومیوں کی طرف سے، عسائیوں اور فارسیوں کی طرف سے تمہیں کوئی دھمکی ملے گی یا تم پر کوئی حملہ کرے گا تو اس کا جواب ہم دیں گے۔“

دونوں بستیوں میں ایسے ہی ہوا۔ اُس دور میں فوجوں کا یہ رواج تھا کہ بستیوں کو ٹوٹی اور اجاڑتی ملی جاتی

تھیں۔ کوئی عورت ان سے محفوظ نہیں رہتی تھی۔ جو آبادیاں ان کے آگے جھک جاتی تھیں، ان کے ساتھ تو فاتح فوجیں اور زیادہ بڑا سلوک کرتی تھیں لیکن یہ روایت مسلمانوں نے قائم کی کہ جس نے دوستی کا ہاتھ بڑھا یا اسے اپنی بنادیاں لے لیا اور اس کی عزت کی حفاظت کو اپنی ذمہ داری سمجھا۔ اسی کا اثر تھا کہ کفار کی بستیاں ان کے ساتھ دوستی کے معاہدے کرتی جا رہی تھیں۔

خالد کو اطلاع ملی کہ خنہ اور قند سر کی آبادی نے اطاعت قبول کر لی ہے تو انہوں نے وہاں کے لیے عمال مقرر کر کے دونوں دستوں کو اپنے پاس بلایا۔

۵

خالد نے آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ آگے قریبین کا قصبہ تھا جس کی آبادی دوسری بستیوں کی نسبت زیادہ تھی۔ خالد نے اس کے قریب پہنچ کر لشکر کو روک لیا اور اپنے دو نائبین سے کہا کہ وہ بستی میں جا کر صلح اور معاہدے کی بات کریں۔ یہ دونوں ابھی چلے ہی نہیں تھے کہ وہاں کی آبادی نے وہیں اور بائیں سے مسلمانوں کے لشکر پر حملہ کر دیا۔

پہلے اگر غیر متوقع نہیں تو اچانک ضرور تھا خالد نے اپنے لشکر کو جرم کی صورت میں نہیں بلکہ جنگی ترتیب میں رکھا ہوا تھا۔ وہ آخر دشمن ملک میں تھے، انہوں نے ایک دودھ سے پیچھے رکھے ہوئے تھے۔ جوں ہی حملہ ہوا، خالد نے پیچھے والے دستوں کو آگے بڑھا دیا۔

حملہ آوروں میں بھی کئی لوگ زیادہ معلوم ہوئے تھے اور ان میں کچھ تعداد باقاعدہ فوجوں کی بھی تھی لیکن وہ جگہوں مثلاً ارک اور تدر سے آئے ہوئے فوجی تھے۔ یہ سب لوگ تعداد میں تو زیادہ تھے لیکن ان کے لڑنے کا انداز اپنا ہی تھا اور یہ انداز باقاعدہ فوج والا نہیں تھا۔ خالد کی جنگی چالوں کے سامنے توڑے سے تجربہ کار سالار بھی نہیں ٹھہر سکے تھے۔ ٹھوڑے سے وقت میں مجاہدین نے اس جرم کی یہ حالت کر دی کہ ان کے لیے بھاگ نکلنا بھی محال ہو گیا۔

جو حکم یہ لڑائی تھی اور مسلمانوں پر باقاعدہ حملہ ہوا تھا اس لیے خالد نے جنگی اصولوں کے تحت احکام دیئے۔ مسلمانوں نے بستی پر حملہ کیا اور مال غنیمت اکٹھا کیا۔ قیدی بھی پکڑے اور آگے بڑھے۔ اب خالد پہلے سے زیادہ محتاط ہو گئے تھے۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتے جاتے تھے، انہیں دشمن قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا جاتا تھا۔

اس جھڑپ سے فارغ ہو کر آگے گئے تو اٹھ نو میل آگے بے شمار مویشی پھر رہے تھے۔ خالد نے حکم دیا کہ تمام مویشی اپنے قبضے میں لے لیے جائیں۔ یہ حواریں کا علاقہ تھا۔ مجاہدین کو شیش بول کو پکڑ رہے تھے تو ہزاروں آدمیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ یہ سب عیسائی تھے۔ غنائیوں کی خاصی تعداد نہ جانے کہاں سے ان کی مدد کو آئی پہنچی۔ یہ ایک شدید حملہ تھا۔ قہر اور غضب سے لڑ رہے تھے۔ ان کا اکب ہی لغو سنائی دے رہا تھا۔

— انہیں (مسلمانوں کو) کاٹ دو.... انہیں زندہ نہ جانے دو۔

خالد کی حاضری نامی اور مجاہدین کی ہمت اور ان کے استقلال نے انہیں اس میدان میں بھی فتح دی۔ مجاہدین کے جھنڈوں میں اگر کچھ تازگی رہ گئی تھی تو وہ بھی ختم ہو گئی۔

کبھی تاریخ میں مجاہدین کی شہادت اور زخمی ہونے کے اعداد و شمار نہیں ملتے۔ ان پر حملے ہوئے تھے

ان میں یقیناً کتنی مجاہدین شہید ہوئے ہوں گے۔ بعض شدید زخمی ہو کر ماری عمر کے لیے معذور بھی ہوئے ہوں گے۔ شہیدوں کی تعداد دشمن کے مقابلے میں کم ہو سکتی ہے، یہ کہنا کہ کوئی بھی شہید نہیں ہوا، درست نہیں۔ اس طرح مجاہدین کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھی اور کمک کی کوئی امید نہیں تھی، پھر بھی مجاہدین سیلاب کی مانند بڑے جا رہے تھے۔

۶

خالد اب زنجیروں والی خود جس پر دوسرے عہدہ باندھے رکھتے تھے، رات کو ہی اتارتے تھے۔ لشکر کا کہیں قیام ہوتا تھا تو خالد مجاہدین کے درمیان کھوٹے پھر تے رہتے۔ ان کے چہرے پر تازگی اور ہنٹول پر مسکراہٹ ہوتی تھی۔ ان کی مسکراہٹ میں طلسماتی سا اثر تھا جو مجاہدین کے حوصلوں اور جذبے کو زندہ رکھ دیتا تھا۔

حواریں کے لوگوں کو شکست دے کر خالد نے وہاں صرف ایک رات قیام کیا اور صبح دمشق کی سمت کوچ کر گئے۔

شام اور لبنان کے درمیان ایک سلسلہ کوہ ہے۔ اس کی ایک شاخ شام میں چلی جاتی ہے۔ دمشق سے تقریباً بیس میل دور دوزبارف کی بلندی پر ایک درہ ہے جس کا نام ثبیتہ العقاب (درہ عقاب) ہے۔ اسے یہ نام خالد نے دیا تھا۔ دمشق کی طرف کوچ کے دوران خالد کا لشکر تقریباً ایک گھنٹے کے لیے رکا تھا اور خالد نے اپنا چیم "عقاب" یہاں کاڑھا تھا۔

مورخ لکھتے ہیں کہ خالد صحنی دیر وہاں رکا رہے، ایک جگہ کھڑے دمشق کی طرف دیکھتے رہے۔ ان کے سامنے زنجیر سرسبز اور شاداب علاقہ تھا۔ صحراؤں کے یہ مجاہد اتنا سرسبز اور دل نشین خطہ دیکھ کر حیرت کا اظہار کر رہے تھے۔

دمشق سے گیارہ بارہ میل دور مرج راہط نام کا ایک شہر تھا۔ اس کی تمام آبادی خسانوں کی تھی۔ خسانوں کی بادشاہی میں پھل پھلتی تھی۔ ان کے پائے تخت بصرہ میں اطلاع پہنچتی تھی کہ مسلمان بڑی تیزی سے بڑے آرہے ہیں اور عیسائی ان کے آگے ہتھیار ڈالنے چلے جا رہے ہیں۔

خسانوں کا بادشاہ جبیلہ بن الاسیم غصے میں رہنے لگا تھا۔ فارسیوں کی طرح وہ بھی بار بار کہتا تھا کہ ان ذرا جتنے مسلمانوں کو اس کی بادشاہی میں داخل ہونے کی جرأت کیسے ہوئی ہے۔ اس نے اپنے جاسوس بھیج کر معلوم کر لیا تھا کہ مسلمان کس طرف سے آرہے ہیں اور ان کی لغزنی کتنی ہے۔ اسے آخری اطلاع یہ ملی کہ خالد بن ولید دمشق سے کچھ دور دورہ گیا ہے اور وہ مرج راہط کے راستے دمشق تک پہنچے گا۔

"مرج راہط!۔۔۔ جبیلہ خسانی نے کہا اور سوچیں جس پر کیا پھر بھڑک کر بولا۔ "مرج راہط.... کیا ان دنوں وہاں میلہ نہیں لگاؤ؟"

"میلہ شروع ہے۔" اسے جواب ملا۔

جبیلہ نے اسی وقت اپنے سالاروں کو بلا دیا اور انہیں کچھ احکام دیئے اور کہا کہ ان احکام پر فوراً عمل کرو۔ شروع ہو جائے۔ یہ ایک جال تھا جو اس نے خالد کے لشکر کے لیے مرج راہط کے میلے میں بچھا دیا تھا۔

"وہ عیسائی تھے جنہوں نے مسلمانوں کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔" اس نے کہا۔ "مان اس

نوشی کے ساتھ بڑھتے آرہے ہیں کہ ان کے راستے میں جو بھی آئے گا ان کی اطاعت قبول کرے گا۔ میوں کو نچا دکھانے والے غسانی عرب کے بدوؤں کی اطاعت قبول نہیں کریں گے۔ ہم مرج راھط میں ہی ان کا خاتمہ کر دیں گے۔

۱۵

خالدہ مرج راھط کے قریب پہنچ رہے تھے اور انہیں میلہ نظر آرہا تھا۔ بہت بڑا میلہ تھا۔ یہ غسانوں کا کوئی تہوار تھا۔ ہزار ہا لوگ جمع تھے۔ کھیل تماشے ہو رہے تھے۔ گھوڑ دوڑ اور شتر دوڑ بھی ہو رہی تھی۔ کہیں ناچ تھا کہیں گانے تھے۔ ایک وسیع میدان تھا جس میں آدی ہی آدی تھے۔ ان کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ خالدہ کا شکوہ تھا کہ اگر قریب گیا تو تہوار سننے والا یہ جوم دیکھتے ہی دیکھتے فوج کی ضرورت اختیار کر کے جنگی ترتیب میں آگیا۔ گھوڑ سوار باقاعدہ رسالہ بن گئے۔ ہر آدمی تلوار یا برہمی سے مسلح تھا۔ عورتیں اور بچے بھاگ بھگتے ہیں چلے گئے۔ اگر جوم جو فوج کی ضرورت اختیار کر گیا تھا، اس طرح دائیں اور بائیں پھیلنے لگا جیسے مجاہدین کو گھیرے ہیں لینا چاہتا ہو۔

مجاہدین کو اپنے پیچھے سرسٹ دوڑتے گھوڑوں کا قیامت خیز شور سنائی دیا۔ ادھر دیکھا غسانی سواروں کا ایک دستہ تواریں اور بچھال تانے سمندر کی طوفانی لہروں کی طرح چلا آرہا تھا۔ یہ تھا وہ جال جو جلد بن الایم نے خالدہ کے لیے بچھا یا تھا۔

ممکن نظر نہیں آتا تھا کہ خالدہ اپنے لشکر کو اس جال میں سے نکال سکیں گے۔ مجاہدین کی تعداد نو ہزار بھی نہیں رہ گئی تھی اور جس دشمن نے انہیں اپنے جال میں لے لیا تھا اس کی تعداد تین تھی۔ مجاہدین تھکے ہوئے بھی تھے۔ پانچ روزہ صحرائی سفر کے بعد مسلسل پیش قدمی اور معرکہ آرائی کرتے آرہے تھے۔

غسانوں کے بادشاہ جملہ نے ٹھیک سوچا تھا کہ مسلمان کونج کی ترتیب میں آ رہے ہوں گے اور انہیں جنگی ترتیب میں آتے کچھ وقت لگے گا اور ان پر حملہ اس طرح ہوگا کہ انہیں سنبھلنے کا موقع نہیں ملے گا۔ اُس نے سناؤں کی قلیل تعداد کو بھی پیش نظر رکھا تھا اور یہ بھی کہ مسلمان میلہ کے بے ضرر لوگوں کا میلہ ہی سمجھیں گے۔

غسانوں کو معلوم نہیں تھا کہ خالدہ میلے پر نہیں آئے تھے۔ وہ تجربہ کار سالار تھے۔ انہیں اچانک عدوں کا تجربہ ہو چکا تھا۔ انہیں احساس تھا کہ جوں جوں وہ دشمن ملک کے اندر جا رہے ہیں، حملوں اور چھاپوں کا خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔ چنانچہ وہ لشکر کو ایسی ترتیب میں رکھتے تھے کہ اچانک اور غیر متوقع حملے کا فوراً مقابلہ کیا جائے۔ ان کے عقب سے غسانوں کے جو سوار طوفانی موجوں کی طرح آ رہے تھے وہی مسلمانوں کو کھینچنے کے لیے کافی تھے۔ خالدہ کی توجہ اس رسالے پر تھی اور وہ مطمئن تھے۔ مجاہدین ایک مشین کی طرح اس صورت حال سے نمٹنے کی ترتیب میں آ گئے۔ خالدہ نے خود لغزہ بکیر بلند کیا جس کا مجاہدین نے رعد کی ٹونک کی طرح جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے بلند آواز سے کچھ احکام دیئے۔

”خدا کی قسم، ہم انہیں سنبھال لیں گے۔“ خالدہ نے بلند آواز سے کہا۔ ”اللہ کے نام پر، محمد الرسول اللہ کے نام پر!“

غسانوں کا رسالہ بڑی تیزی سے قریب آرہا تھا۔ اس کے پیچھے اور کچھ دائیں سے ایک اور رسالہ نکلا۔ سینکڑوں گھوڑے انتہائی رفتار سے دوڑتے آرہے تھے۔ ان کا رخ غسانی سواروں کی طرف تھا۔

”پیچھے دیکھو۔“ کسی غسانی سوار نے چلا کر کہا۔ ”یہ مسلمان سوار معلوم ہوتے ہیں۔“ پیچھے سے آنے والے سوار مسلمان ہی تھے۔ یہ مجاہدین کے لشکر کا حقیقی حصہ (دبڑ گاڑ) تھا۔ ان سواروں نے غسانی سواروں کو ان لیا غسانی سوار اس حملے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کا ہلہ (ہارج) بے ترتیب ہوتے ہوتے ٹک گیا۔ ادھر سے خالدہ نے اپنے سوار دھننے کو تیز حملے کا حکم دے دیا۔ غسانی سوار گھیرے میں آکر کھڑے ہوئے۔ کچھ لڑنے لڑنے کے بعد ان کے گھوڑوں کو ایک قدم بھی دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہٹنے کی ہرگز نہیں ملنی تھی۔ اس کے ساتھ ہی خالدہ نے شتر سوار تیر اندازوں کو میلے والے لشکر پر تیر ہرسانے کا حکم دے دیا اور دوسرے دستوں کو دشمن کے پہلوؤں پر حملے کے لیے بھیج دیا۔ انہوں نے اپنے دستانے سے سانسے سے حملہ کیا۔ یہ پھل اور جذبے کی لڑائی تھی۔ غسانی باؤں کو اپنے گھوڑ سواروں پر بھر و سہہ تھا جواب مجاہدین کے تلواروں سے کٹ رہے تھے یا مہر کے سے نکل کر بھاگ رہے تھے۔

خالدہ کی کوشش یہ تھی کہ دشمن کے لشکر کے عقب میں چلے جائیں تاکہ دشمن شہر میں نہ جا سکے۔ خالدہ کے حکم سے غسانوں کے خیروں کو آگ لگا دی گئی۔ یہ خیمے میلے کے لیے لگے ہوئے تھے۔ شعلوں نے غسانوں پر خوف طاری کر دیا۔ ان کے حوصلے تو یہی دیکھ کر ٹوٹ گئے تھے کہ انہوں نے جو جال بچھا یا تھا وہ بڑی طرح ناکام ہو گیا تھا۔ غسانوں کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ ان کا جانی نقصان اتنا زیادہ ہو رہا تھا کہ خوں دیکھ کر وہ گھبرا گئے۔ آخر وہ بھاگنے لگے۔ خالدہ بار بار اعلان کر رہے تھے کہ اپنے شہر کو تباہی سے بچانا چاہتے ہو تو ہمارے رہو۔

شام تک خالدہ اس شہر سے بال غنیمت اور بہت سی قیدی اکٹھے کر چکے تھے۔ شہر میں ان عدوؤں کے بین سنائی دے رہے تھے جن کے خاندان، بھائی، باپ اور بیٹے مارے گئے تھے۔

خالدہ نے رات کو الوعدیہ کے نام بیٹام بھیجا کہ وہ خالدہ کو بصرفہ قرب و جوار میں ملیں۔ بعد غسانی حکومت کا یہ سخت تھا غسانی اور ردوی مل کر لڑنے کے دفاع کا انتظام کر رہے تھے۔ مجاہدین کا بڑا ہی سخت امتحان آگیا باقی تھا۔

پھر وہ وقت آگیا جب وہ مسلمانوں پر اپنی فتح کی خبر کا منظر تھا۔ اب تک خبر آجانی چاہیے تھی۔ وہ باغ میں جا بیٹھا تھا۔ ایک حوال سال خادہ طشتری میں شراب کی طرح اور پیالہ رکھے اُس کی طشت جاری تھی۔ اُدھر سے دربان بڑا تیز چلتا اُس تک پہنچا۔

”آیا ہے کوئی؟“ جبکہ نے پیٹاب ہو کر دربان سے پوچھا۔ ”کوئی مرج راہط سے آیا ہے؟“
 ”قاصد آیا ہے۔“ دربان نے دبلے دبلے سے لہجے میں کہا۔ ”رنجی ہے؟“
 ”بھجواؤ“ جبکہ نے جوش سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”وہ فتح کی خبر لایا ہے۔ اُسے جلدی میرے پاس بھیجو۔“

خادہ طشتری اٹھانے اُس کے قریب کھڑی تھی۔ اُدھر سے ایک رنجی چلا رہا تھا۔
 ”وہیں سے کہو کہ تم فتح کی خبر لاتے ہو۔“ جبکہ بن الاہم نے کہا۔
 رنجی قاصد نے کچھ بھی نہ کہا۔ وہ چلتا آیا۔ اُس کے کپڑے اپنے زخموں کے غول سے لال تھے۔ اُس کا سر کپڑے میں لپیٹا ہوا تھا۔

”کیا تم اتنے رنجی ہو کہ بول نہیں سکتے؟“ جبکہ نے بلند آواز سے پوچھا۔
 ”بول سکتا ہوں۔“ قاصد نے کہا۔ ”لیکن جو خبر لایا ہوں وہ اپنی زبان سے سننے کی جرأت نہیں؟“
 ”کیا کہہ رہے ہو؟“ جبکہ کی آواز دب سی گئی۔ ”کیا مسلمان پھندے میں نہیں آئے؟.... آکر نکل گئے ہیں؟“

”ہاں!“ قاصد نے شکرت خوردہ آواز میں کہا۔ ”وہ نکل گئے.... انہوں نے ایسی چال چلی کہ ہم اُن کے پھندے میں آ گئے.... اپنی فوج کٹ گئی ہے۔ مرج راہط کو انہوں نے لوٹ لیا ہے۔“
 جبکہ بن الاہم نے طشتری سے شراب کی صراحی اٹھائی۔ خادہ نے پیالہ اٹھا کر اُس کے آگے کیا۔
 جبکہ نے صراحی بڑی زور سے قاصد پر پھینکی۔ قاصد بہت قریب کھڑا تھا۔ صراحی اُس کے ماتھے پر لگی۔ وہ تورا کو کرکرا کر جبکہ نے خادہ کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر اُس کے منہ پر مارا اور لمبے لمبے دُک بھرنا دال سے چلا گیا۔
 غسانوں کے بادشاہ کا محل مائی فضائیں ڈوب گیا۔ مرج راہط کے چھوڑے غسانی بصرہ میں آ گئے اور بصرہ مائی شہر بن گیا۔ اصل مائے نواں کے ہاں تھا جن کے بیٹے، بھائی، خادہ اور باپ اُس پھندے میں آکر مارے گئے تھے جو انہوں نے خالد کے مجاہدین کے لیے تیار کیا تھا۔

اس مائے کے ساتھ ایک دہشت بھی آئی تھی اور یہ دہشت ہر گھر میں پہنچ گئی تھی۔
 ”اُن کے تیر زہر میں بچے ہوئے ہوتے ہیں۔ کسی کو اس تیر سے عراث آجائے تو بھی وہ مر جاتا ہے۔“
 ”اُن کے گھوڑے پروں والے ہیں۔ کہتے ہیں ہوا سے ہاتھ کرتے ہیں۔“

”ان مسلمانوں کا رسول جادوگر تھا۔ اُس کا جادو چل رہا ہے۔“
 ”اُن کے سامنے لاکھوں کی فوج بھی نہیں ٹھہر سکتی۔“
 ”سنا ہے دل کے بڑے نرم ہیں جو اُن کے آگے ہتھیار ڈال دیتے ہیں، انہیں دو گلے لگالیتے ہیں۔“
 ”جس شہر میں اُن کا مقابلہ ہوتا ہے اُس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں۔“
 ”کسی کو زندہ نہیں چھوڑتے۔ لڑنے والوں کو پیرا کر لے جاتے ہیں۔“

وہ جو محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لڑنے کا بھیجا ہوا رسول نہیں مانتے تھے اور اللہ کو وحدۃ اللہ شریک نہیں سمجھتے تھے، وہ ابھی تک جنگی طاقت کو افراد کی کمی بیشی اور ہتھیاروں کی برتری اور کتری سے باپ تول رہے تھے۔ حیران تو وہ ہوتے تھے کہ مسلمان کس طرح اور کس طاقت کے بل بوتے پر فتح حاصل کرتے آ رہے ہیں لیکن اپنی فوجوں اور گھوڑوں کی افراط اور اپنے ہتھیاروں کی برتری کا اُن کو ایسا گھنڈا تھا کہ وہ سوچتے ہی نہیں تھے کہ انسان میں کوئی اور طاقت بھی ہو سکتی ہے اور یہ طاقت عقیدے اور مذہب کی سچائی ہوتی ہے۔
 غسانوں کا بادشاہ جبکہ بن الاہم بصرہ میں اس خبر کا انتظار بڑی لمبی تابی سے کر رہا تھا کہ مرج راہط میں اُس کا دھوکہ کامیاب رہا ہے اور مسلمانوں کو کاٹ دیا گیا ہے۔ اُس نے فرض کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو شکست دی جا چکی ہے۔ اُسے آخری اطلاع یہ ملی تھی کہ مسلمانوں کے لیے سبیلے کی صورت میں چھندہ اتیار ہو چکا ہے اور مسلمان تیزی سے اس پھندے میں آ رہے ہیں۔

جبکہ کے طور اور انداز ہی بدل گئے تھے۔ گذشتہ رات اُس نے اپنے ہاں جشن کا سماں بنا دیا تھا۔ شراب کے ٹشکے خالی ہو گئے تھے۔ جبکہ بن الاہم شراب میں تیرا اور لٹے میں اُڑنا جوان ہو گیا تھا۔ اُس نے بڑے چالے کا مذاق اڑایا تھا۔ اُس نے یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ اُس کے مرہم کی جوان عورتیں من مانی کمری ہیں اور ان میں سے بعض اُس کی قید و بند سے آزاد ہو کر اپنی پسند کے آدمیوں کے ساتھ محل کے باغیچوں پر غائب ہو چکی ہیں۔

خود جبکہ کی ہستی کا یہ عالم تھا کہ اس جشن سے نوشی میں ایک بڑی حسین اور نوجوان لڑکی اُس کے سامنے سے گزری تو اُس نے پک کر لڑکی کو پھڑپھڑایا اور اسے اپنے بازوؤں میں پکڑ کر مہبودہ حرکتیں کرنے لگا۔ لڑکی اُس کے بازوؤں میں آزاد ہونے کوڑا پٹنے لگی۔

”تیری یہ جرأت؟“ اُس نے لڑکی کو اٹاک کر کے ایک جھٹکے سے اپنے سامنے کھینچا اور بڑے سخت غصے میں بولا۔ ”تو کون ہے نوجو میرے جسم کو ناپسند کر رہی ہے؟“
 ”تیری بھانجی!۔“ لڑکی نے روئے ہوئے چلا کر کہا۔ ”تیرے باپ کی بیٹی کی بیٹی۔“
 جبکہ بن الاہم نے بڑی زور سے ہنسنے لگا۔

”فتح کی خوشی کا لٹہ شراب کے نشے سے تیز ہوتا ہے۔“ جبکہ نے کہا۔ اُس کی آواز کو لڑکھارہی

تھی۔ ”کل جب مجھے خبر ملی کہ مسلمانوں کو کچل دیا گیا ہے اور ان میں سے کوئی بھی بھاگ نہیں سکا تو میری حالت اور زیادہ بڑی ہو جائے گی۔“
 اُس کی بھانجی روتی ہوئی جشن سے نکل گئی۔



”تھک کر بے حال ہو چکا ہوگا۔ آگے دشت ہے، بصرہ ہے، غسانی ہیں، عیسائی اور رومی ہیں۔ کیا یہ منہول نہیں سوچ رہے ہوں گے کہ مسلمان کو آگے آنے دیں اور جب وہ مسلسل کوچ اور لڑائیوں سے شل ہو جائیں اور ان کی نفی کی کم ہو جائے تو انہیں کسی مقام پر کھینچ کر دیا جائے؟“
”رومیوں نے ایسا ضرور سوچا ہوگا۔“ سالار یزید نے کہا۔ ”رومی لڑنے والی قوم ہے اور اس کے سالار عقل والے ہیں۔“

”خدا کی قسم، میں رومیوں کو ایسا موقع نہیں دوں گا۔“ ابو عبیدہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔ ”کیا ہم اتنی دور سے ابن ولید کی کوئی مدد نہیں کر سکتے؟.... بے شک کر سکتے ہیں۔“
”تو نے جو سوچا ہے وہ ہیں بتا ابو عبیدہ!۔“ شریح بن حسنہ نے کہا۔ ”اللہ اس کا مددگار ہے۔“
”ابن ولید کے آگے دشت اور بصرہ دو ایسے مقام ہیں جہاں رومیوں اور غسانیوں نے اپنی فوجیں جمع کر رکھی ہوں گی۔“ ابو عبیدہ نے کہا۔ ”اس سے پہلے کہ سالار اعلیٰ ابن ولید بصرہ پہنچے ہم بصرہ پر حملہ کر دیتے ہیں۔ اس سے یہ ہوگا کہ رومی اور غسانی بھی تازہ دم نہیں رہیں گے.... ابن حسنہ!۔ ابو عبیدہ نے شریح بن حسنہ سے کہا۔
”میں یہ کام نہیں سونپتا ہوں۔ چار ہزار نفی کافی ہوگی۔“
ابو عبیدہ نے سالار شریح بن حسنہ کو ہدایات دیں اور بصرہ کو روانہ کر دیا۔



اس وقت خالد بن مرثد راہط سے فارغ ہو چکے تھے اور انہوں نے ابو عبیدہ کے نام یہ پیغام دے کر قاصد کو روانہ کر دیا تھا کہ ابو عبیدہ اپنے دستوں کے ساتھ انہیں بصرہ کے قریب کہیں ملیں۔ خالد نے مرثد راہط کے قصبے کے باہر دو چار روز قیام کیا تھا۔
شریح بن حسنہ چار ہزار مجاہدین کے ساتھ بصرہ پہنچ گئے۔ رومی بصرہ کے باہر خیمہ زن تھے۔ وہ سمجھے کہ یہ خالد کی فوج ہے۔ ان کے جاسوسوں نے انہیں بتایا کہ اس فوج کا سالار کوئی اور ہے۔
مورخ لکھتے ہیں کہ اس رومی فوج کے سالار یہ سمجھے کہ یہ مسلمانوں کی فوج کا ہر اول ہے اور پوری فوج پیچھے آ رہی ہے۔ وہ انہیں سمجھتے تھے کہ اتنی فوج اتنے بڑے شہر کو محاصرے میں لینے آئی ہوگی۔ رومی فوج جس کی تعداد بارہ ہزار تھی قلعے کے اندر چلی گئی۔ بصرہ قلعہ بند شہر تھا۔
شریح بن حسنہ نے قلعے کے قریب مغرب کی طرف کیمپ کیا اور اپنے لشکر کو کئی دستوں میں تقسیم کر کے قلعے کے ہر طرف متعین کر دیا۔

دو دن گزر گئے۔ رومی اور غسانی قلعے کی دیواروں کے اوپر سے مسلمانوں کو دیکھتے رہے۔ شریح بن حسنہ نے قلعے کے ارد گرد کچھ کچھ حرکت جاری رکھی۔ دشمن قلعے سے دُور دور بھی دیکھتا تھا۔ اُسے تو قلعہ تھی کہ سالار کی پوری فوج آ رہی ہے۔ اُسے اب اپنے جاسوسوں کے ذریعے کوئی خبر نہیں مل سکتی تھی کیونکہ قلعہ محاصرے میں تھا۔

سالار شریح بن حسنہ کے متعلق یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ رسول اکرم کے قریبی صحابی تھے جو صحابہ کرام وحی لکھتے تھے، ان میں شریح بن حسنہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسی حوالے سے انہیں کاتب رسول کہا جاتا تھا۔ شریح بن حسنہ کا زہد و تقویٰ تو مشہور تھا ہی، وہ فن حرب و ضرب اور میدان جنگ میں قیادت کی مہارت رکھتے

دہلی دہلی ایسی آواز بھی سنائی دیتی تھیں۔ ”مذہب ان کا سچا معلوم ہوتا ہے۔ وہ اللہ اور اُس کے رسول کو مانتے ہیں۔ یہی ان کی طاقت ہے۔ جنوں سے لڑتے ہیں۔“
ان کو گول پرجو حیرت اور ذہنت طاری ہو گئی تھی اس میں وہ حق بجانب تھے۔



”معم لوگ بصرہ کو بھی نہیں بچا سکو گے۔“ جبکہ بن الایم قہر بھرے لہجے میں اپنے سالاروں سے کہہ رہا تھا۔ ”تمہاری بزدلی کو دیکھ کر میں نے رومیوں کو مدد کے لیے پکارا ہے۔ اگر تم مسلمانوں کو شکست دے دیتے تو میں رومیوں کے سینے پر کودتا۔ اُن پر میری دھاک بیٹھ جاتی مگر تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا رومی ہمارے پایہ تخت کی حفاظت کرنے آئے ہیں۔“
وہ اپنے سالاروں کو کوس ہی رہا تھا کہ اُسے اطلاع ملی کہ مسلمانوں کی ایک فوج بصرہ کی طرف بڑھ رہی ہے۔

”آئی جلدی؟۔“ اُس نے گھبراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”مرثد راہط سے وہ اتنی جلدی بصرہ تک کس طرح آ گئے ہیں؟ رومی سالار کو اطلاع دو۔“

رومی فوج خالد کی کامیابیوں کی خبریں سن کر جبکہ بن الایم کی مدد کو آئی تھی وہ بصرہ کے باہر خیمہ زن تھی۔ اس کے سالار کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کی فوج آ رہی ہے تو سالار نے فوج کو تیاری کا حکم دے دیا اس فوج میں عرب عیسائی بھی تھے۔

فوج جو بصرہ کی طرف بڑھ رہی تھی وہ خالد کی نہیں تھی۔ یہ ایک مسلمان سالار شریح بن حسنہ کا لشکر تھا جس کی نفی چار ہزار تھی۔ مسلمان لشکر جو شام کی فتح کے لیے بھیجا گیا تھا، یہ اُس کا ایک حصہ تھا خلیفہ المسلمین کے احکام کے مطابق سالار ابو عبیدہ نے لشکر کے دوسرے حصوں کو بھی بکھا کر کے اپنی کمان میں لے لیا تھا۔

بصرہ پر شریح بن حسنہ کے حملے کا پس منظر یہ تھا کہ خلیفہ المسلمین نے ابو عبیدہ کو ایک خط لکھا تھا: ”میں نے خالد بن ولید کو یہ کام سونپا ہے کہ رومیوں پر چڑھائی کرنے سے تم پر اس کی طاقت فرض ہے۔ کوئی کام اُس کے حکم کے خلاف نہ کرنا۔ میں نے اُسے تمہارا امیر مقرر کیا ہے۔ مجھے احساس ہے کہ دین کے معاملات میں تم خالد سے بڑے ہو اور تمہارا رتبہ اونچا ہے لیکن جنگ کی جو مہارت خالد کو ہے وہ تمہیں نہیں۔ اللہ تم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔“

خالد کو اس شک کا سالار اعلیٰ مقرر کیا گیا جس وقت خالد اپنے راستے میں آنے والی تمام رکاوٹوں کو پکھلتے جا رہے تھے، اُس وقت ابو عبیدہ فارغ بیٹھے تھے۔ خالد نے جب مرثد راہط کے مقام پر بھی دشمن کو شکست دے دی تو ابو عبیدہ نے اپنے سالاروں کو بلایا۔ اُس وقت ابو عبیدہ کے دستے دیا تے یہ روک کے شمال مشرق میں ایک مقام حوران میں تھے۔ ان کے ماتحت دو سالار تھے۔ ایک شریح بن حسنہ اور دوسرے یزید بن ابی سفیان۔

”رفیقو!۔ ابو عبیدہ نے دونوں سالاروں سے کہا۔“ ہم کس طرح لشکر ادا کریں اللہ تبارک و تعالیٰ کا جواب ولید کو راستے میں آنے والے ہر دشمن پر جاری کرنا چاہیے۔ کیا تم نے پہلے ہی جو حکم ہم ابن ولید کے کسی کام نہیں کر رہے؟ وہ جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے اُس کی مشکلات نظر نہ آتی رہتی ہیں۔ اُس کا لشکر

اور کہا کرتے تھے کہ انہوں نے یمن خالڈ سے یمامہ کی جنگ میں پھر آتش پرستوں کے خلاف لڑائیوں میں کچھا ہے۔ محاصرہ بصرہ کے وقت ان کی عمر ستر سال سے کچھ ہی کم تھی۔ جذبے اور جوش و خروش کے لحاظ سے وہ جوان تھے اور ان کی شہساری اور تیغ زنی جوانوں جیسی تھی۔



محاصرے کا تیرہ دن تھا۔ رومیوں کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی نفری آتی ہی ہے جس نے محاصرہ کر رکھا ہے۔ اگر مزید فوج نہ آتا ہوتا تو اب تک ابھی ہوتی چنانچہ انہوں نے اپنی بارہ ہزار نفری کی فوج باہر نکال لی۔ نفری کی افراط کے بل پر وہ ایسی دلیرانہ کارروائی کر سکتے تھے مسلمان کل چار ہزار تھے۔ شہر جیل نے بڑی تیزی سے اپنے دستوں کو اکٹھا کر کے جنگی ترتیب میں کر لیا۔ اس طرح دونوں فوجیں آمنے سامنے آ گئیں۔

”اے رومیو! شہر جیل نے آگے آکر بلند آواز سے کہا: خدا کی قسم، ہم بھاگنے کے لیے نہیں آتے۔ اپنی پہلی شکستوں کو یاد کر دو۔ ہم ہر میدان میں ہم سے زیادہ تھے۔ خون فراہم سے تم پچتے کیوں نہیں؟ ہمدانی طہس ٹس لڑاؤ اپنے شہر اور اپنی آبادی کو تباہی سے بچاؤ۔“
”ہم شکست کھانے کے لیے باہر نہیں آتے۔“ رومی سالار نے آگے آکر کہا۔ ”واپس چلے جاؤ اور زندہ رہو۔ وہ کوئی اور تھے جنہوں نے تم سے شکستیں کھائی ہیں۔“
”خدا کی قسم، ہم لڑائی سے منہ نہیں موڑیں گے۔“ شہر جیل نے اعلان کیا۔ ”لیکن تمہیں ایک موقع دیں گے کہ سوچ لو۔ آگے آؤ اور ہماری شرطیں سن لو۔“
مسلمانوں اور لکڑکار کا تبادلہ ہوا اور رومی سالاروں نے شرائط پر بات چیت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کا سپہ سالار آگے گیا۔ دوسرے شہر جیل آگے گئے۔

”بول اسے سلمان سالار! رومی سالار نے کہا۔“ اپنی شرائط بتاؤ۔“
”اسلام قبول کرو۔“ شہر جیل نے کہا۔ ”یہ منظور نہیں تو جہیز ادا کرو۔ یہ بھی منظور نہیں تو لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔“

”ہم اپنا مذہب نہیں چھوڑیں گے۔“ رومی سالار نے کہا۔ ”اور ہم جہیز نہیں دیں گے۔ لڑائی کے لیے ہم تیار ہیں۔ اس کے ساتھ ہی رومی سالار نے مسلمانوں پر حملے کا حکم دے دیا۔
رومیوں کی تعداد تین چھاتی تھی۔ شہر جیل نے اپنے چار ہزار مجاہدین کو جنگی ترتیب میں صف آرا کر رکھا تھا۔ انہیں اپنی نفری کی قلت کا بھی احساس تھا۔ انہوں نے اپنے دونوں پہلوں کو پھیلا دیا تھا تاکہ دشمن گھیرے میں نہ لے سکے۔

رومی جیجے تھے اور ان کے سالار تجربہ کار تھے۔ وہ مسلمانوں کو گھیرے میں لینے کی یہی کوشش کر رہے تھے۔ لڑائی گھسان کی تھی۔ شہر جیل قاصدوں کو دائیں بائیں دوڑا رہے تھے اور مجاہدین کو لکڑکاری رہے تھے۔ مجاہدین اپنی روایت کے مطابق بے جگری سے لڑ رہے تھے لیکن رومی بارہ ہزار تھے۔ ان کے سالار انہیں دائیں بائیں پھیلاتے جا رہے تھے۔

شہر جیل نے اپنے دائیں اور بائیں دیکھا تو انہیں اپنے دستوں کی صورت حال بڑی توفیق شاک دکھائی

دی۔ ایسی صورت حال سپاہی کا مطالبہ کیا کرتی ہے لیکن شہر جیل کی لکڑکار مجاہدین کا جوش اور جذبہ بڑھ گیا۔ وہ سپاہی کے ہم سے ناواقف تھے۔ ان چہ جہیز طاری ہو گئی۔ اور چار پانچ گھنٹے گزر گئے۔



پھر وہ صورت پیدا ہوئی جس سے شہر جیل بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دشمن کے پہلو پھیل کر مسلمانوں کے پہلوؤں سے آگے نکل گئے تھے۔ وہ گھیرے میں آچکے تھے۔

”اندر کی طرف نہیں سڑنا۔“ شہر جیل نے اپنے دونوں پہلوؤں کے کمانداروں کو پیغام بھیجے۔ ”باہر کی طرف ہونے کی کوشش کرو۔“

شہر جیل کی چالیں بیکار ہونے لگیں۔ بے شک مسلمانوں کا جذبہ رومیوں کی نسبت زیادہ تھا لیکن رومی تعداد میں اتنے زیادہ تھے کہ مسلمانوں پر غالب آ سکتے تھے۔

”اللہ کے پرستارو! شہر جیل نے لکڑکار کو کہا۔ ”فتح یا موت.... فتح یا موت.... فتح یا موت....“
اللہ کے مدد مانگو۔ اللہ کی راہ میں جانیں دے دو.... اللہ کی مدد آئے گی۔“

مسلمانوں کے لینے یہ زندگی اور موت کا معرکہ بن گیا تھا۔ شہر جیل کی بیکار اور لکڑکار مجاہدین نے بلند آواز سے کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیا جس سے انہیں تقویت ملی لیکن رومی ان پر حاوی ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کے جوش اور جذبے میں فہر پیدا ہو گیا تھا۔

رومی فوج مسلمانوں کے عقب میں مل گئی۔ اب مسلمانوں کا پھلا جانا یقینی ہو گیا تھا۔ رومی جو مسلمانوں کے عقب میں پنے گئے تھے انہیں اپنے عقب میں گھوڑے سرپٹ دوڑنے کا طوفانی شور سنائی دیا۔ انہوں نے پیچھے دیکھا تو سینکڑوں گھوڑے ان کی طرف دوڑے آ رہے تھے۔ ان کے آگے دوسرا تھے جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ ان میں سے ایک کے سر پر جو عمامہ تھا اس کا رنگ سرخ تھا۔ وہ خالڈ تھے۔

خالڈ اپنے لشکر کے ساتھ بصرہ کی طرف آ رہے تھے۔ ان کے راستے میں دمشق آیا تھا لیکن وہ دمشق سے ہٹ کر گزرتے تھے۔ پہلے وہ بصرہ کو فتح کرنا چاہتے تھے۔ یہ اللہ کے اشار سے پر ہوا تھا۔ اللہ نے کاتب رسول کی پکار اور دعائیں لی تھی۔ خالڈ جب کوچ کرتے تھے تو اپنے جاسوسوں کو بہت آگے بھیج دیا کرتے تھے۔ بصرہ کی طرف آتے وقت بھی انہوں نے جاسوسوں کو بہت آگے بھیج دیا تھا۔ خالڈ بصرہ سے تقریباً ایک میل دور تھے جب ان کا ایک شہسوار جاسوس اونٹ کو بہت تیز دوڑاتا واپس خالڈ کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ مسلمانوں کا کوئی لشکر بصرہ کے باہر رومیوں کے گھیرے میں آ رہا ہے۔ ”کون ہے وہ سالار؟“ خالڈ نے کہا اور سوار دستوں کو اڑ لگائے اور برچھیاں اور تلواریں نکال لینے کا حکم دے دیا۔

خالڈ کے ساتھ جو دوسرا سوار گھوڑا سواروں کے آگے آگے آ رہا تھا وہ خلیفہ المسلمین ابو بکر کا بیٹا عبد الرحمن تھا۔ اُس نے اللہ اکبر کا نعہ لگایا۔

رومیوں نے مقابلے کی نہ سوجھی۔ ان کے سالاروں نے تیزی دکھائی۔ اپنے پہلوؤں کے دستوں کو پیچھے ہٹا لیا اور اپنے تمام دستوں کو قلعے کے اندر لے گئے۔ ان کا مسلمانوں کی تلواروں سے کٹ جانا یقینی تھا۔ قلعے میں داخل ہوتے ہوئے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور کئی رومیوں کو ختم کر دیا۔

نہ تھا کہ مسلمان آرام کرنے کے عادی ہی نہیں۔ انہیں اتنی ہی ہمت کی ضرورت تھی کہ زمینوں کو منہاجل لیں اور شہیدوں کی لاشیں دفن کر لیں۔



اگلے روز کا سورج طلوع ہونے تک رومی فوج قلعے سے باہر آگئی اور دروازے بند ہو گئے خالد نے اپنے لشکر کو جنگی ترتیب میں کر لیا۔ قلعے کے باہر کھلا میدان تھا۔

خالد نے حسب معمول اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ قلب کی کان اپنے پاس رکھی۔ اب چونکہ انہیں شمشیر بے نیام کا چارہزرا بجا دینا تھا ان کے پاس نفی کچھ زیادہ ہو گئی تھی اس لیے انہوں نے قلب کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک دستہ قلب کے آگے رکھا۔ اس دستے کی کان عتیقہ المسلمین کے بیٹے عبدالرحمن بن ابوبکر کے پاس تھی۔

ایک پہلو کے دستوں کے سالار رافع بن عقیل اور دوسرے پہلو کے سالار ضار بن الازد تھے۔ جنگ کا آغاز مسلمانوں کے فخر و جبر سے ہوا۔ رومی سپہ سالار اپنے قلب کے آگے آئے۔ عبدالرحمن بن ابوبکر جہاں تھے۔ خالد نے جوں ہی ان کے دستے کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، عبدالرحمن میدان سے رومی سالار کی طرف گئے۔ رومی سالار نے ان کی نظریں اس رومی سپہ سالار پر پڑی تھیں۔ عبدالرحمن نے گھوڑے کو اڑا لیا اور تلواریں اٹھائیں۔ رومی سالار نے قلب کے قریب گئے تو وہ بڑی پھرتی سے آگے سے ہٹ گیا۔ عبدالرحمن آگے نکل گئے۔ رومی سالار نے گھوڑا موڑا اور عبدالرحمن کے پیچھے گیا۔ عبدالرحمن نے گھوڑا موڑتے موڑتے دیکھا۔ رومی نے وار کر دیا جو عبدالرحمن بچا گئے۔ تلوار کا زنا ٹاٹا ان کے سر کے قریب گزرا۔

اب عبدالرحمن اس کے پیچھے تھے۔ رومی گھوڑا موڑ رہا تھا۔ عبدالرحمن نے تلوار کا زور دار کیا جس سے رومی توجہ گیا لیکن اس کے گھوڑے کی زین کا تنگ کٹ گیا اور ضرب گھوڑے کو بھی لگی۔ گھوڑے کا ٹوٹا پھوٹ آیا اور وہ رومی کے قابو سے نکلنے لگا۔

رومی تیر بار جھگڑا تھا۔ اس نے بڑی ہمارت سے گھوڑے کو قابو میں رکھا اور اس نے وار بھی کیے۔ عبدالرحمن نے ہر وار بچا یا اور جب انہوں نے رکاوٹیں کھڑے ہو کر دار کیے تو رومی گھبرا گیا۔ اس کے آہنی خود اور زہ نے اسے پھینکا لیکن اپنی ایک ٹانگ کو نہ بچا سکا۔ گھٹنے کے اوپر سے اس کی ٹانگ زخمی ہو گئی۔ تاہم زہ دار

نہیں مجبور کرنے لگے کہ وہ بھاگے اور وہ بھاگ اٹھا۔ اسے اپنی جان کا غم تھا یا نہیں، اسے خطرہ نہ نظر آتا تھا کہ وہ گڑھا تو اس کا سارا لشکر بھاگ اٹھے گا۔ یہ سوچ کر وہ اپنے لشکر میں غائب ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ عبدالرحمن اس کے تعاقب سے نہ ہٹا۔ وہ ان کے ہاتھ تو نہ آیا لیکن اپنے لشکر کی نظر دل سے بھی اوجھل ہو گیا۔

خالد نے رومیوں پر اس طرح حملہ کیا کہ سالار رافع بن عقیل اور سالار ضار بن الازد کو حکم دیا کہ وہ باہر کو ہو کر رومیوں پر دلائیں اور باتیں سے تیز اور شدید تلم لیں۔ مجاہدین شدید کا مطلب سمجھتے تھے۔ رومیوں کی تحریروں کے مطابق یہ بڑا تنازعہ اور اتنا سخت تھا جیسے مجاہدین تازہ دم ہوں اور ان کی تعداد دشمن سے دگنی ہو۔ دونوں لادوں کے دستے دیوانگی کے عالم میں حملہ آور ہوئے۔

مورخ وقادعی اور ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ سالار ضار نے جوش میں آکر اپنی زہ اتار چھینکی۔ یہ دیکھ کر رومی بھی لکھنے

قلعے کے دروازے بند ہو گئے۔ خالد غصے میں تھے۔ انہوں نے ایک حکم یہ دیا کہ زمینوں اور لاشوں کو منہجا لیا اور دوسرا حکم یہ کہ تمام لشکر اکٹھا کیا جائے۔ انہوں نے سالار شمشیر بے نیام کو بلایا۔

”ولید کے بیٹے! شمشیر بے نیام آتے ہی خالد سے کہا۔ خدا کی قسم، اللہ کی تلوار ہے۔ تو اللہ کی مدد

بن کر آیا ہے۔“ لیکن تو نے یہ کیا کیا ابن حنہ! خالد نے غصے سے کہا۔ یہ کیا تو نہیں جانتا تھا کہ یہ قصبہ دشمن کا مضبوط قلعہ ہے اور یہاں بے شمار فوج ہوگی؟ کیا اتنی تھوڑی نفری سے تو یہ قلعہ سر کر سکتا تھا؟

”میں نے ابوعبیدہ کے حکم کی تعمیل کی ہے ابن ولید! شمشیر بے نیام نے کہا۔

”آہ ابوعبیدہ! خالد نے آہ لے کر کہا۔ میں اس کا احترام کرتا ہوں۔ وہ تھی اور پرہیزگار ہے لیکن میدان جنگ کو وہ اچھی طرح نہیں سمجھتا۔“

مورخ وقادعی لکھتا ہے کہ ابوعبیدہ کو سب خصوصاً خالد، بزرگ و برتر سمجھتے تھے لیکن جس نوعیت کی لڑائیاں لڑی جا رہی تھیں ان کے لیے ابوعبیدہ موزوں نہیں تھے لیکن جہاں نفری کی کمی تھی وہاں لادوں کی کمی تھی۔ بہر حال، مورخ لکھتے ہیں کہ ابوعبیدہ جذبے اور حوصلہ کی کمی سے پیچھے نہیں تھے اور وہ بڑی تیزی سے تجربہ حاصل کرتے جا رہے تھے۔ بصرہ پر ان کا حملہ جرات مندانہ اقدام تھا۔



خالد قلعے کے باہر اپنی اور شمشیر بے نیام کی نفری کا حساب کر رہے تھے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش بھی کر رہے تھے کہ قلعے کے اندر کتنی نفری ہے۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں چند ایک رومی سپاہی آگئے تھے جو رومی تھے خالد کے لشکر کے آجانے سے مسلمانوں کی نفری تیرہ ہزار کے قریب ہو گئی تھی لیکن رومیوں، غسانوں اور عیالوں کی تعداد گنی سے بھی زیادہ تھی۔

”کیا تم بھی درجہ بھاگ آئے ہو؟“ قلعے کے اندر جہاں بن الازم رومی فوج کے سپہ سالار پرخندہ جبار رہا تھا۔ ”کیا تم نے اس فوج کا جو قلعے کے اندر تھی اور شہر کے لوگوں کا حوصلہ توڑ نہیں دیا؟“

”نہیں! رومی سپہ سالار نے کہا۔“ میں مسلمانوں پر باہر نکل کر حملہ کر رہا ہوں۔ اگر میں ان کے عقب میں گئے ہوتے دستوں کو پیچھے نہ ہٹا لیتا تو ان کے عقب میں مسلمان سالار انہیں بڑی طرح کاٹ دیتے مجھے ان کی نفری کا اندازہ نہیں تھا۔ میں صرف ایک دن انتظار کر رہا تھا۔ جو سکتا ہے ان کی مزید فوج آرہی ہو۔ میں انہیں آرام کرنے کی ہمت نہیں دوں گا۔“

”پھر انہیں قلعے کا محاصرہ کر لینے دو۔ جبہ نے کہا۔“ انہیں قلعے کے ارد گرد پھیل جانے دو، پھر تم قلعے سے آتی تیری سے ٹکنا کہ انہیں اپنے دستے اکٹھے کرنے کی ہمت نہ ملے۔ اور شہر میں اعلان کر دو کہ گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ دشمن کو قلعے کے باہر ہی حکم کر دیا جائے گا۔“

قلعے کے اندر بڑا ٹانگ پانچھی شہریوں میں بیکہ ڈاؤر افرا نفری بھی ہوئی تھی۔ رومی فوج کا باہر جاکر لڑنا اور اندر آنا شہریوں کے لیے دہشت ناک تھا۔ مسلمان فوج کی ڈروائی ڈروائی سی باتیں تو شہر میں پہلے ہی پہنچ چکی تھیں۔

مورخوں کے مطابق رومیوں نے یہ سوچا تھا کہ مسلمانوں کو آرام کی ہمت نہ دی جائے لیکن انہیں معلوم

جولائی کا آغاز تھا اور گرمی عروج پر تھی۔ مزار نے گرمی سے تنگ آکر اور لڑائی میں آسانی پیدا کرنے کے لیے زرہ اتاری تھی۔ انہوں نے اپنے دستوں کو محکمہ دیا۔ ان کا گھوڑا ابھی دشمن کے قریب نہیں پہنچا تھا کہ انہوں نے قمیض بھی اتار چھینکی۔ اس طرح ان کا اوپر کا دھڑا بالکل نکٹا ہو گیا۔

ایسی خونریز لڑائی میں زرہ ضروری تھی اور سر کی حفاظت تو اور زیادہ ضروری تھی لیکن مزار بن الاذر نے اپنی جان تیسری پر رکھ لی تھی۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر ان دستوں میں کوئی اور سی جوش پیدا ہو گیا۔ مزار دشمن کو لگااتے اور ٹوٹ ٹوٹ پڑتے تھے۔ ان کے سامنے جو آبائی کی تلوار سے کھٹ گیا۔ وہ سالار سے سپاہی بن گئے تھے۔ رافع بن عوف نے رومیوں کے دوسرے پہلو پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان کا انداز ایسا غضب ناک تھا کہ دشمن پر خوف طاری ہو گیا۔

خالد نے جب دیکھا کہ مزار اور رافع نے دونوں پہلوؤں سے دلیا ہی ہلہ بولا ہے جیسا وہ چاہتے تھے اور دشمن کے پہلو قلب کی طرف سرگڑ رہے ہیں تو خالد نے سامنے سے ہلہ بول دیا۔

رومی پیچھے ہٹنے لگے لیکن پیچھے قلعے کی دیوار بھی جو دراصل شہر بناہ تھی۔ ان کے لیے پیچھے ہٹنے کو جگہ نہ رہی۔ مجاہدین انہیں دبائے چلے گئے۔

”دروازے کھول دو۔ دیوار کے اوپر سے کوئی چلا یا۔“

قلعے کے اُس طرف کے دروازے کھل گئے اور رومی سپاہی قلعے کے اندر جانے لگے۔ انہیں قلعے میں ہی پناہ مل سکتی تھی مسلمانوں نے دباؤ جاری رکھا اور رومی حرم کو مقابلے کرتے رہے۔ ان میں سے جسے موقع مل جاتا وہ قلعے کے اندر چلا جاتا۔



جوروی قلعے میں پناہ لینے کو جا رہے تھے وہ ان کی تمام نفری نہیں تھی۔ ان کی آدمی نفری بھی نہیں تھی۔ ان کی آدمی نفری خالد کے دستوں سے نبرد آزما تھی۔ خالد نے جب دیکھ لیا تھا کہ ان کے پہلوؤں کے سالاروں نے دیسا ہی حملہ کیا ہے جیسا وہ چاہتے تھے تو انہوں نے دشمن کے قلب پر حملہ کر دیا۔ رومی بڑے اچھے سپاہی تھے۔ وہ سپاہیوں کی نہیں سوج رہے تھے اور خالد انہیں پسپائی کے مقام تک پہنچانے کی سرکوشش کر رہے تھے۔ خالد نے شجاعت کا اور بے خوف قیادت کا یہ مظاہرہ کیا کہ گھوڑے سے اتر آئے اور سپاہیوں کی طرح پیادہ لڑنے لگے۔ اس کا اثر مجاہدین پر ایسا ہوا کہ وہ پکلیوں کی مانند کوندے لگے۔ یہ ان کے ایمان کا اثر تھی رسول کا کرشمہ تھا کہ مسلسل کوچ اور معرکوں کے نیچے ہوئے جسموں میں جان اور تازگی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ سب باعث نہیں کہ وہ روحانی قوت سے لڑ رہے تھے۔

خالد اس کوشش میں تھے کہ رومیوں کو گھیرے میں لے لیں لیکن رومی زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہے تھے۔ وہ اب وار اور تپے روکتے اور پیچھے ہٹتے باقیں بٹھتے جاتے تھے۔ وہ محاصرے سے بچنے کے لیے پھیلے بھی جا رہے تھے۔ آخر وہ بھی جھاک جھاک کر قلعے کے ایک اور کھلے دروازے میں غائب ہونے لگے۔ خالد نے بلند آواز سے حکم دیا۔ ”ان کے پیچھے قلعے میں داخل ہو جاؤ۔“ لیکن دیوار کے اوپر سے تیروں کی ہوجھاڑیں آنے لگیں۔ برج پھیل بھی آئیں۔ مجاہدین کو مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا اور رومی جو بچ گئے وہ قلعے میں چلے گئے اور قلعے کا دروازہ بند ہو گیا۔

باہر رومیوں اور ان کے اتحادی عیسائیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ زخمی تڑپ رہے تھے۔ زخمی گھوڑے پدے کے اور ڈرے ہوئے بے لکھام اور منہ زور ہو کر دوڑتے پھر رہے تھے۔ چند ایک گھوڑے سواروں کے پاؤں رکاوٹ بن چکے ہوئے تھے اور گھوڑے انہیں گھسیٹتے پھر رہے تھے۔ سواروں میں نہائی ہوئی لاشیں بن چکے تھے۔

لڑائی ختم ہو چکی تھی۔ مجاہدین کے فاختہ انداز سے مخرج رہے تھے۔ فتح ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی دشمن کا نقصان تو بہت ہوا تھا لیکن وہ قلعہ بند ہو گیا تھا۔ فتح مکمل کرنے کے لیے قلعہ سرگرم ضروری تھا۔ خالد نے اپنے زخمیوں کو اٹھانے کا حکم دیا اور قاصد سے کہا کہ تمام سالاروں کو بلا لائے۔



خالد نے ایک سوار کو دیکھا جو ان کی طرف آرہا تھا۔ وہ دوسروں سے کچھ الگ تھلک لگتا تھا۔ ایک اس لیے کہ اس کا دلہا تھا اور جسم ڈبلا پتلا تھا۔ عرب ایسے دبیلے پتلے نہیں ہوتے تھے۔ یہ سوار کچھ آگے کو جھکا ہوا بھی تھا۔ اس کی داڑھی کھنی نہیں تھی اور لمبی بھی نہیں تھی۔ اس داڑھی کو اس شخص نے مصنوعی طریقے سے کالا کر رکھا تھا۔

وہ اس لیے بھی الگ تھلک لگتا تھا کہ خالد نے اُسے لڑتے دیکھا تھا اور اس کا انداز کچھ مختلف سا تھا۔ سب کی توجہ اس شخص کی طرف اس وجہ سے بھی جوئی تھی کہ اس کے ہاتھ میں سیلے رنگ کا پرچم تھا۔ یہ وہ پرچم تھا جو خیر کی لڑائی میں رسول اکرم نے اپنے ساتھ رکھا تھا۔

خالد اُسے پہچان نہ سکے۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ اُس نے سر پر کپڑا ڈال رکھا تھا جس سے اُس کا آدھا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ خالد کے قریب آکر وہ شخص سکھایا تو خالد نے دیکھا کہ اس آدمی کے سامنے کے دین دانت ٹوٹے ہوئے ہیں۔

”الو عبیدہ؟“ خالد نے مسرت سے کہا اور اُس کی طرف دوڑے۔

وہ ابو عبیدہ تھے۔ مرنج راہط سے خالد نے انہیں بیجا بھیجا تھا کہ وہ انہیں بصرہ کے باہر ملے۔ ابو عبیدہ حارین کے مقام پر پلاؤ ڈالے ہوئے تھے جہاں سے انہوں نے شتر جن بن حنہ کو چار ہزار مجاہدین دے کر بصرہ پر حملہ کر لیا تھا۔ ان کے پاس خالد کا قاصد بعد میں پہنچا تھا۔ ابو عبیدہ پیغام پر اُس وقت بصرہ پہنچے جب خالد رومیوں کے ساتھ بڑے سخت معرکہ میں لکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے تلوار نکالی اور معرکہ میں شامل ہو گئے۔

ابو عبیدہ کی اس وقت عمر پچیس سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ رسول کریم کے خاص ساتھیوں میں سے تھے۔ ان کے دادا اپنے وقتوں کے مشہور جراح تھے۔ اسی نسبت سے انہوں نے اپنا نام ابو عبیدہ بن الجراح رکھا تھا۔ ان کا نام عام بن عبد اللہ بن الجراح تھا لیکن انہوں نے ابو عبیدہ کے نام سے شہرت حاصل کی۔ ڈبلا پتلا اور کچھ جھکا ہونے کے باوجود ان کے چہرے پر جلال جیسی رونق رہتی تھی۔ وہ دانشمند تھے میدان جنگ میں وہ کوئی مقام پیمانہ نہ کر سکے لیکن ذہانت اور عقلمندی میں ان کا مقام اونچا تھا۔

ابو عبیدہ کے سامنے کے دانت جب تک اُحدیں ٹوٹے تھے۔ اس معرکہ میں رسول اکرم زخمی ہو گئے تھے۔ آپ کے خود کی زخموں کی دو کھال آپ کے رخسار میں ایسی گہری اثری تھیں کہ ہاتھ سے نکلتی نہیں تھیں۔ ابو عبیدہ نے یہ دونوں اچھے دانتوں سے نکالی تھیں اور اس کا میاب کوشش میں ان کے سامنے کے دانتیں

دانت ٹوٹ گئے تھے۔

ابن قتیبہ نے لکھا کہ رسول اللہ ابو عبیدہؓ سے بہت محبت کرتے تھے اور آنحضرتؐ نے ایک بار فرمایا تھا کہ ابو عبیدہؓ میری امت کا امین ہے۔ اس حوالے ابو عبیدہؓ کو لوگ امین الامت کہنے لگے۔

اُس دور کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ خالدؓ نے جب ابو عبیدہؓ کو بصرہ کے میدان میں دیکھا تو انہیں مدشہ محسوس ہوا کہ ابو عبیدہؓ ان کی سپہ سالاری کو قبول نہیں کریں گے۔ خو غلیظہؓ اسلین نے ابو عبیدہؓ کو تحریری حکم بھیجا تھا کہ جب خالدؓ شام کے محاذ پر پہنچ جائیں تو تمام لشکر کے سالار اعلیٰ خالدؓ ہوں گے لیکن خالدؓ کو احساس تھا کہ معاشرے میں جو مقام اور رتبہ ابو عبیدہؓ کو حاصل تھا وہ انہیں حاصل نہیں تھا۔ خالدؓ خود بھی ابو عبیدہؓ کا بہت احترام کرتے تھے۔ یہ احترام ہی تھا کہ بصرہ کے میدان جنگ میں خالدؓ نے انہیں اپنی طرف آنے دیکھا تو خالدؓ دوڑ کر ان تک پہنچے۔ ابو عبیدہؓ گھوڑے سے اترنے لگے۔

”نہیں ابن عبداللہ! — خالدؓ نے ابو عبیدہؓ سے کہا — گھوڑے سے مت اتریں اس قابل نہیں ہوں کہ امین الامت میرے لیے گھوڑے سے اترے۔“

ابو عبیدہؓ گھوڑے پر سوار رہے اور جھک کر دونوں ہاتھ خالدؓ کی طرف بڑھائے۔ خالدؓ نے احترام سے مصافحہ کیا۔

”ابو سلیمان! — ابو عبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا — امیر المومنینؓ کا پیغام مجھے مل گیا تھا جس میں انہوں نے تمہیں ہم سب کا سالار اعلیٰ مقرر کیا ہے میں اس بہت خوش ہوں کوئی شک نہیں کہ جنگ کے معاملہ میں جتنی عقل تھی میں ہے وہ مجھ میں نہیں۔“

”خدا کی قسم ابن عبداللہ! — خالدؓ نے کہا — امیر المومنینؓ کے حکم کی تعمیل مجھ پر فرض ہے ورنہ میں تم پر سپہ سالار کبھی نہ بنتا۔ رتبہ تمہیں حاصل ہے وہ مجھے نہیں۔“

”ایسی بات نہ کر ابو سلیمان! — ابو عبیدہؓ نے کہا — ابو بکرؓ نے بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے میں تیرے ماتحت ہوں۔ تیرے حکم پر آیا ہوں۔ اللہ تمہیں غنائم اور درمیوں پر فتح عطا فرمائے۔“



خالدؓ نے بصرہ کو محاصرے میں لینے کا حکم دیا۔ رومیوں اور عیسائیوں کی لاشیں جہاں پڑی تھیں وہیں پڑی رہیں۔ اوپر گتھوں کے غول اڑ رہے تھے اور درختوں پر اتر رہے تھے۔ مجاہدین اپنے شہیدوں کی لاشیں اٹھا رہے تھے۔ ان کی تعداد ایک سو تیس تھی۔

خالدؓ نے شہر بنیہ کے ارد گرد گھوڑا دوڑا کہ جائزہ لیا کہ دیوار کہیں سے توڑی جا سکتی ہے یا نہیں۔ دیوار کے اوپر سے تیرے آگے تھے لیکن مسلمان ان کی زد سے دور تھے۔

قلعے کے اندر مالوسی چلائی ہوئی تھی جبکہ بن الاہم اور رومی سپہ سالار خاموشی سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔

”کیا تم بہت ہانکل ہی مار بیٹھے ہو؟ — جبکہ بن الاہم نے رومی سالار سے پوچھا۔

”تم نے کہاں کہاں بہت نہیں ہاری؟ — رومی سالار نے شکست کا غصہ جبکہ پر نکالا اور کہا — مسلمانوں کے راستے میں سب سے پہلے تم اور عیسائی آئے تھے اور مسلمانوں کو نہ روک سکے۔ مرج راہط میں بھی

تمہاری فوج ناکام رہی۔ کیا تو مجھے اور میری فوج کو مردانا چاہتا ہے؟ باہر نکل کے دیکھ۔ فوج کی کتنی نفری ہاگتی ہے ہمارے ساتھ؟ کچھ نفری میدان جنگ میں ماری گئی ہے اور مجھے بتایا گیا ہے کہ ہمارے بہت سے سپاہی اور گناہدار اجنادین کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ قلعے میں تھوڑی سی نفری آئی ہے۔ دیوار پر جا کے باہر دیکھ اور لاشوں سے حساب کر کہ ہمارے پاس کیا رہ گیا ہے۔“

باہر سے مسلمانوں کی لکار سنائی دے رہی تھی۔

”رومی سالار باہر آکر صلح کی بات کرے۔“

”رومیو! قلعہ ہمارے حوالے کر دو۔“

”ہم نے خود قلعہ سر کیا تو ہم سے رحم کی امید نہ رکھنا۔“

اس کے ساتھ ہی خالدؓ کے حکم سے مجاہدین دروازہ توڑنے کے لیے آگے جاتے رہے مگر اوپر کے تیروں نے انہیں کامیاب نہ ہونے دیا۔ انہوں نے ایک جگہ سے دیوار توڑنے کی کوشش بھی کی یہ کوشش کامیابی نہ ہوئی۔

شہر کے گوگن پر خوف طاری تھا۔ وہ مسلمانوں کی لکار سن رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ فاتح فوجیں شہر کے گوگن کو کس طرح تباہ کیا کرتی ہیں۔ مسلمان کہہ رہے تھے کہ قلعہ خود دے دو گے تو شہری اور انصاف کے گھر محفوظ رہیں گے۔

جبکہ بن الاہم اور رومی سالار کمرے سے باہر نہیں آتے تھے۔ شہر کے لوگ ایک ایک لمحہ خوف و ہراس میں گزار رہے تھے۔ وہ تنگ آکر جبکہ کے محل کے سامنے اکٹھے ہو گئے۔

”مسلمانوں سے صلح کرو۔“ وہ کہہ رہے تھے۔ ”ہمیں بچاؤ قلعہ انہیں دے دو۔ ہمارا قتل عام نہ کرو۔“ جبکہ بن الاہم نے چار دنوں تک کوئی فیصلہ نہ کیا۔ خالدؓ نے محاصرے کے بہانے اپنے

لشکر کو آرام کی مہلت دے دی انہوں نے شہیدوں کا جنازہ پڑھ کر انہیں دفن کر دیا۔

آخر ایک روز قلعے پر سفید جھنڈا اٹھا۔ قلعے کا دروازہ کھلا اور رومی سالار باہر آیا۔ اس نے صلح کی جھجک

مانگی۔ خالدؓ نے اُن پر یہ شرط عائد کی وہ جزیرہ ادا کریں۔ رومی سالار نے قلعہ خالدؓ کے حوالے کر دیا۔ یہ جولائی ۶۳۴ء (جمادی الاولیٰ) کا وسط تھا۔

رومی اور عیسائی قلعے سے نکلنے لگے۔

شہر جیل بن حسنہ نے دیکھا تھا کہ رومی سپاہی اجنادین کی طرف بھاگ رہے تھے۔ شہر جیل نے اپنا

ایک جاسوس اجنادین بھیج دیا۔ اس جاسوس نے کمر اطلاع دی کہ رومی فوج اجنادین میں جین ہو رہی ہے اور توڑنے ہے کہ وہاں توڑنے ہزار فوج تیار ہو جائیے گی۔

”ہماری اگلی منزل اجنادین ہوگی۔“ خالدؓ نے کہا۔

تھیں۔ ان میں اس قسم کی یکسانیت نہیں ہوتی تھی جیسی فوجوں میں ہوا کرتی ہے۔ اسلامی فوج کا تازخ منظم فوج جیسا نہیں ہوتا تھا۔ یہ فوج غیر منظم قافلے کی مانند چلتی تھی۔ ان کی خوراک اور رسد ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ اکیل، گائیں، دُنبے اور بھیڑ بکریاں جو فوج کی خوراک بنتی تھیں، فوج کے ساتھ ہوتی تھیں۔ رسد کا باقاعدہ انتظام بہت لمبی دیر کیا گیا تھا۔

گھوڑوں اور گھوڑوں کے دفت پیدل چلا کرتے تھے تاکہ گھوڑے سواروں کے وزن سے تھک نہ جائیں۔ سامان اڈوں پر لدا ہوتا تھا۔ عورتیں اور بچے ساتھ ہوتے تھے۔ انہیں اڈوں پر سوار کرایا جاتا تھا۔ اُس وقت کی اسلامی فوج کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ فوج ہے۔ اسے قافلہ سمجھا جاتا تھا لیکن اس فوج کی ایک تنظیم تھی۔ آگے ہر اڈا دستہ ہوتا تھا جسے اپنے خزانے اور ذمہ داریوں کا پورا احاطہ ہوتا تھا۔ اس کے پیچھے فوج کا پڑا حصہ، اس کے پیچھے عورتیں اور بچے اور اس کے پیچھے عقب کی حفاظت کے لیے ایک دستہ ہوتا تھا۔ اسی طرح پہلوؤں کی حفاظت کا بھی انتظام ہوتا تھا۔ یہ فوج عموماً دشوار راستہ اختیار کیا کرتی تھی۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوتا تھا کہ منزل تک کا راستہ چھوٹا ہو جاتا تھا۔ دوسرا فائدہ یہ کہ راستے میں دشمن کے حملے کا خطرہ نہیں رہتا تھا۔ اگر دشمن حملہ کر بھی دیتا تو اسلامی فوج فوراً علاقے کی دشواریوں یعنی نشیب و فراز وغیرہ میں گرد پوش ہو جاتی تھی۔ دشمن ایسے علاقے میں لڑنے کی جرات نہیں کرتا تھا۔



جولائی ۶۳۴ء کے آخری ہفتے میں خالدؓ کی فوج اسی طرح اجنادین کی طرف پیش قدمی کر رہی تھی۔ پہلے سنا یا چکا ہے کہ مدینہ کی فوج کے چار حصے مختلف مقامات پر تھے۔ خالدؓ نے ان کے سالاروں کو پیغام بھیج دیتے تھے کہ سب اجنادین پہنچ جائیں۔

خالدؓ نے بصرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ رومیوں اور غسانوں کے لیے یہ چوٹ معمولی نہیں تھی۔ بصرہ شام کا بڑا اہم شہر تھا۔ مسلمانوں کا اڈہ بن گیا تھا۔ سب سے بڑا نقصان رومیوں کو یہ ہوا تھا کہ لوگوں پر اڈوں کی فوج پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ مسلمانوں نے بصرہ تک سب سے دی تھیں کہیں بھی شکست کھاتی نہیں تھی کہیں ایک سالار کو سپاہ ہونا پڑا تو فوراً دوسرے سالار نے شکست کو فتح میں بدل دیا۔ قیصر روم کی توینیدیں حرام ہو گئی تھیں۔ خالدؓ نے جب بصرہ کو محاصرے میں لے رکھا تھا اور ضرورت حال بتا رہی تھی کہ بصرہ رومیوں کے ہاتھ سے جا رہا ہے تو شہنشاہ ہرقل رومی نے حمص کے حاکم وردان کو ایک پیغام بھیجا تھا۔ ”ایک ماہ شراب میں ڈوب گئے ہو یا تم ان عورتوں جیسی عورت بن گئے ہو جن کے ساتھ تمہاری لڑکیاں لڑتی لڑتی ہیں؟“ — ہرقل نے لکھا تھا — ”اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا دن اُنہیں گھٹنے کرتا ہے۔ کیا ہے ان مسلمانوں کے پاس جو تمہارے پاس نہیں؟ اگر میں کموں کو قیصر روم کی ذلت کے ذمہ دارم جیسے حاکم ہیں تو کیا جواب دو گے؟ تم شاید یہ بھی نہیں سوتے رہے کہ مسلمانوں کی آبی تیر پیش قدمی اور فتح پر فوج حاصل کرتے چلے آئے کو کس طرح روکا جاسکتا ہے۔ کیا تمہاری تلواروں کو زنگ نے کھالیا؟“ — کیا تمہارے گھوڑے مر گئے ہیں؟ کوگوں کو تم بتاتے کیوں نہیں کہ مسلمان تمہارے مال و مال و مال لوٹ لیں گے، تمہاری بیٹیوں کو، تمہاری بیویوں اور تمہاری بہنوں کو اپنے قبضے میں لے لیں۔“ — مجھے

یہ یوں ان جرنیلوں میں سے تھا جنہوں نے اپنے اپنے دور میں تازخ کا پانسہ پلٹا اور مکہ اور ارض کو لایا واپس۔ فرانس کے تازخ ساز جرنیل کمران پولین نے خالدؓ بن ولید کے متعلق کہا تھا — ”اگر مسلمانوں کی فوج کا سپہ سالار کوئی اور ہوتا تو یہ فوج اجنادین کی طرف پیش قدمی ہی نہ کرتی۔“

پولین کا دور خالدؓ کے دور کے تقریباً بارہ سو سال بعد کا تھا۔ تازخ کے اس نامور جرنیل نے تازخ کے معدودے چند جرنیلوں کی جنگی قیادت کا، ان کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا اور ان کی فوجوں کی کیفیت اور کارکردگی کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ جولائی ۶۳۴ء میں بصرہ کی فتح کے بعد خالدؓ نے اپنی فوج کو اجنادین کی طرف پیش قدمی کا جو حکم دیا تھا وہ مسلمانوں کی فوج کی جسمانی کیفیت اور تعداد کے بالکل خلاف تھا۔ انہیں جاسوس نے صحیح رپورٹ دی تھی کہ اجنادین میں رومیوں نے جو فوج مسلمانوں کو چیلنے کے لیے اکٹھی کر رکھی ہے، اس کی تعداد نوے ہزار سے زیادہ ہو سکتی ہے کم نہیں۔ یہ فوج تازہ دم تھی۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تھی اور یہ فوج مسلسل لڑتی چلی جا رہی تھی۔ صرف بصرہ کی لڑائی میں ایک سو تیس مجاہدین شہید اور بہت سے زخمی ہوئے تھے۔

یہاں موزوں محسوس ہوتا ہے کہ اُس دور کی اسلامی فوج کے متعلق کچھ تفصیل پیش کی جائے۔ اسلامی فوج کی کوئی وردی نہیں تھی جس کی جیسے کپڑے میسر آتے تھے وہ پہن لیتا تھا۔ ایسا تو اکثر دیکھنے میں آتا تھا کہ کئی سپاہیوں نے بڑے قیمتی کپڑے پہن رکھے ہیں اور سالار، نائب سالار وغیرہ بالکل معمولی لباس پہنیں۔ وجہ یہ تھی کہ سپاہی مال غنیمت میں بے چوڑے کپڑے پہن لیتے تھے۔

اسلامی فوج کی ایک خوبی یہ تھی کہ سالاروں، کمانداروں یعنی افسروں کا کوئی امتیازی نشان نہ تھا۔ افسری کا یہ تصور تھا ہی نہیں جو آج کل ہے۔ بعض قبیلوں کے سردار سپاہی تھے اور انہی قبیلوں کے بعض ادا سے آدمی کمانڈر تھے۔ عہد سے اور ترقیاں نہیں تھیں۔ آج ایک آدمی جذبے کے تحت فوج میں سپاہی کی حیثیت سے شامل ہوا ہے تو ایک دور درجہ ایک دستے کا کمانڈر بن گیا ہے۔ جذبہ اور جنگی اہلیت دیکھی جاتی تھی۔ ایسے بھی ہوتا تھا کہ ایک معرکہ کا افسر اگلے معرکہ میں سپاہی ہو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق افسری اور ماتحتی کا تصور کچھ اور تھا جس کی کو افسر بنایا جاتا تھا وہ خزانے کی حد تک افسر ہوتا تھا۔ اُس کا کوئی حکم ذاتی نوعیت کا نہیں ہوتا تھا۔ چونکہ افسر کے انتخاب کا معیار

کچھ اور تھا اس لیے اُس وقت کا معاشرہ خوشامد اور سفارش سے آشنای نہیں ہوا تھا۔ اتنی وسیع اسلامی سلطنت کا زوال اُس وقت شروع ہوا تھا جب مسلمان افسر اور ماتحت میں تقسیم ہو گئے تھے اور حاکموں نے مائستوں کو محکم سمجھنا شروع کر دیا تھا اور وہ خوشامد پسند ہو گئے تھے۔

تمہاروں کا بھی کوئی معیار نہ تھا۔ فوج میں شامل ہونے والے اپنے تمہارا خود لاتے تھے۔ بڑے اور خود ہر کسی کے پاس نہیں ہوتی تھی۔ مسلمان سپاہی جو زورہ اور خود پسند تھے وہ دشمن سے چھینی ہوتی تھی۔

بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد بیس ہزار سے ذرا کم یا زیادہ ہے۔ ہم زیادہ سے زیادہ فوج اکٹھی کرو اور اجنادین کے علاقے میں پہنچ جاؤ۔ محاذ کو اتنا چھبلا دو کہ مسلمان اس کے مطابق پھیلیں تو ان کی حالت کچھ دھماکے کی سی ہو جائے۔۔۔ انہیں اپنی تعداد میں جذب کرلو۔ انہیں اپنی تعداد میں کم کر دو۔

رومیوں کی بادشاہی میں ہنگامہ مہیا ہو گیا تھا۔ رومیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہوں میں پادریوں اور پرہتوں نے مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز و عطا شروع کر دیئے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اسلام ان کے مذہبوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گا اور انہیں مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑے گا اور یہ ایسا گناہ ہوگا جس کی سزا بڑی جہانمک ہوگی۔

رومیوں کی فوج ایک منظم لشکر تھا۔ ان کے پاس گھوڑوں کی تعداد زیادہ تھی اور ان کے پاس گلاباں بھی تھیں جو گھوڑے اور بیل کھینچتے تھے۔ رسد کا انتظام بہت اچھا تھا۔ عبادت گاہوں میں لوگوں نے وعظ سنے تو وہ فوج میں شامل ہونے لگے۔ اس طرح فوج کی تعداد بڑھ گئی جس کا حاکم پروان جب فوج کے ساتھ اجنادین کو روانہ ہوا اس وقت فوج کی تعداد نوے ہزار تھی۔

مسلمانوں کے جاسوسوں نے اس لشکر کو اجنادین کے علاقے میں خیمہ زن ہوتے دیکھا تھا۔ اتنے بڑے اور ایسے منظم لشکر کے مقابلے کے لیے جانا ہی بہت بڑی جرأت تھی، مقابلہ کا بعد کا مسئلہ تھا۔



۲۴ جولائی ۶۳۲ء کے روز خالدؓ اپنی فوج کے ساتھ اجنادین پہنچ گئے۔ وہ بیت المقدس کے جنوب میں پہاڑوں میں سے گزر رہے تھے۔ ان پہاڑوں کے ایک طرف میدان تھا۔ خالدؓ نے وہاں قیام کا حکم دیا۔ تقریباً ایک میل دور رومی فوج خیمہ زن تھی۔ اس کا سالار اعلیٰ دردان اور سالار بقتلار بخاؤ کو فوج تو جیسے انسانوں کا سمندر تھا۔ مسلمانوں کی فوج اس کے مقابلے میں چھوٹا سا دریائے جی تھی۔

اسلامی فوج کے جو دستے دوسری جگہوں پر تھے وہ آگے اور مسلمانوں کی تعداد بیس ہزار ہو گئی ایک میل کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا۔ مسلمان اونچی جگہوں پر کھڑے ہو کر رومیوں کی خیمہ گاہ کی طرف دیکھتے تھے۔ انہیں حذر نگاہ تک انسان اور گھوڑے نظر آتے تھے۔ دو تین دنوں بعد خالدؓ کو بتایا گیا کہ فوج میں کچھ گھبراہٹ سی پائی جاتی ہے۔

مورخ لکھتے ہیں کہ ان نو ہزار مجاہدین میں ذرا سی بھی گھبراہٹ نہیں تھی جو خالدؓ کے ساتھ تھے۔ وہ عیسائیوں، غسانوں اور رومیوں کے خلاف لڑتے چلے آ رہے تھے۔ وہ رومیوں کی اتنی زیادہ فوج سے خوفزدہ نہیں تھے۔ دوسرے دستوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے خالدؓ خیمہ گاہ میں گھونٹے پھرنے لگے۔ وہ جہاں نہ سکتے ان کے ارگرد دجاہدین کو جمع لگ جاتا۔ خالدؓ نے سب سے ایک ہی جیسے الفاظ کہے:

”اسلام کے سپاہیو! میں جانتا ہوں تم نے اتنی زیادہ رومی فوج پہلے بھی نہیں دیکھی لیکن تم اتنی بڑی فوج کو پہلے شکست دے چکے ہو۔ خدا کی قسم تم ڈر گئے تو مار جاؤ گے اور اگر تم نے اس لشکر پر فوج پائی تو ہر ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے۔ اپنے اللہ کے نام پر لڑو۔ اسلام کے نام پر لڑو۔ اگر تم نے سپاہی اختیار کیا کی تو دوزخ کی آگ میں جاؤ گے جب لڑائی شروع ہو جائے تو اپنی صفوں میں بدل گئی بیاد نہ ہونے دینا۔ تم جاکر رکھنا۔ جب تک میری طرف سے حکم نہ ملے، نہ پیچھے ہٹنا نہ حملہ کرنا۔۔۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے“

اور اللہ کے رسولؐ کی روح مقدس تمہیں دیکھ رہی ہے۔“

اُدھر رومیوں کا سالار اعلیٰ دردان اپنے کا نڈر دل سے کہ رہا تھا:

”اے رومیو! قیصر روم کو شکست کی ذلت سننے بچنا تمہارا فرض ہے قیصر روم کو تم پر اعتماد ہے اگر تم نے ان عربی مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست نہ دی تو قیصر روم پر ہمیشہ کے لیے غالب آجائیں گے۔ یہ تمہاری بیٹیوں، بہنوں اور بیویوں کو بے آبرو کر دے گا۔ اپنے آپ کو منتشر نہ ہونے دینا۔ صلیب کی مدد مانگو۔ فتح تمہاری ہے۔ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ ایک کے مقابلے میں تین ہیں۔“



دو تین دن مزید گزر گئے۔ خالدؓ دشمن کی صحیح تعداد اور کیفیت معلوم کرنا چاہتے تھے۔ وہ کسی بھی جاسوس کو بھیج سکتے تھے لیکن انہیں جس قسم کی معلومات کی ضرورت تھی، وہ کوئی دہین اور دلیر آدمی چاہیے کہ سچا تھا۔ انہوں نے اپنے سالار دل سے کہا کہ انہیں کوئی آدمی دیا جائے۔

”ابن ولید!۔۔۔ سالار ضرار بن الازد رنے کہا۔ لایا میں یہ کام نہیں کر سوں گا؟ خدا کی قسم، مجھ سے بہتر یہ کام کوئی اور نہیں کر سکے گا۔“

ضرار وہ سالار تھے جنہوں نے بصرہ کے معرکہ میں اپنی نہ صرف زبرد آتا ہو چکی بلکہ فیض بھی اتار کر کر تکمک برہنہ ہو گئے اور ایسے جوش سے لڑے تھے کہ سارے لشکر کے جوش و جذبے میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔

”ابن الازد!۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔ تمہارے سوا یہ کام اور کون کر سکتا ہے؟ تم ہی بہتر جانتے ہو کہ تمہیں وہاں کیا دیکھنا ہے۔“

ضرار نے فیض اتار چسکی اور کر تکمک برہنہ ہو گئے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوئے تو خالدؓ اور دوسرے سالار دل نے قہقہہ لگایا۔

”خدا حافظ میرے رفیق!۔۔۔ ضرار نے ہلکی سی اڑ لگا کر کہا۔

”اللہ تجھے سلامت رکھے ابن الازد!۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔

رومیوں کی خیمہ گاہ کے قریب ایک اونچی ٹیگڑی تھی۔ ضرار نے گھوڑا نیچے چھوڑا اور ٹیگڑی پر چڑھ گئے۔ مسلمانوں اور رومیوں کی خیمہ گاہوں کے درمیان ایک میل علاقہ خالی تھا۔ دونوں فریقین کے گشتی سترے اس علاقے میں گشت کرتے رہتے تھے۔ یہ سترے گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے۔

ضرار کو رومیوں کے گشتی سوار نہیں دیکھ سکے تھے۔ ضرار ٹیگڑی پر چڑھے تو دوسری طرف رومیوں کے سترے موجود تھے۔ انہوں نے ضرار کو دیکھ لیا۔ ضرار تیزی سے نیچے اترے اور کوڈ کر گھوڑے پر سوار ہوئے۔ انہیں بچنے کے لیے رومی سوار ٹیگڑی کے دونوں طرف سے آئے۔ ان کی تعداد (توہنوں کے مطابق) تیس تھی۔ ضرار نے گھوڑے کو اڑ لگائی لیکن گھوڑے کو تیز نہ دوڑایا۔

رومی سواروں نے بھی گھوڑے تیز نہ دوڑائے۔ وہ غالباً سمجھا تھے کہ مسلمان سترے قریب کہیں موجود ہوں گے۔ پھر بھی رومی سواروں نے ضرار کا تعاقب جاری رکھا اور ضرار معمولی رفتار سے چلتے آئے۔ رومی سوار انہیں گھیرے میں لینے کے لیے پھیلنے چلے گئے اور وہ ایک دوسرے سے دوڑنے لگے۔

مزاران کے پھرنے کے ہی منتظر تھے۔ اُن کے پاس برہمچہ تھی۔ ان کی اپنی خیمہ گاہ قریب آگئی تھی۔ اچانک مزار نے گھوڑے کو تیزی سے پیچھے موڑا اور اڑ لگائی۔ ان کا رخ اُس رومی سوار کی طرف متاوجہ ان کے قریب تھا۔ انہوں نے اس رومی برہمچہ کا وار کیا۔ وار بڑا زوردار تھا۔ رومی سنبھل نہ سکا۔ مزار کا حملہ غیر متوقع تھا۔ یہ سوار گھوڑے سے گر پڑا۔

دوسرے رومی سوار ابھی سمجھ بھی نہ پائے تھے کہ یہ کیا ہوا ہے کہ مزار کی برہمچہ ایک اور رومی کے پہلو میں اندر چلی گئی۔ تیسرا سوار مزار کی طرف آیا تو مزار کی برہمچہ میں پرویا گیا۔ مسلمانوں کی خیمہ گاہ قریب ہی تھی۔ پھر بھی رومی مزار کو گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ مزار مانے ہوئے شہسوار تھے۔ وہ رومیوں کے ہاتھ نہیں آ رہے تھے۔ رومیوں کی تعداد اب ستائیس تھی۔ مزار بھاگ نکلنے کی بجائے انہی میں گھوڑا دوڑاتے اور پیر سے بدلتے پھر رہے تھے۔ اُن کی برہمچہ کا کوئی وار خالی نہیں جاتا تھا۔

واقعی اور بطری نے لکھا ہے کہ مزار نے برہمچہ کے ساتھ ساتھ تلوار بھی استعمال کی تھی۔ ان کی تحریروں کے مطابق مزار نے تیس میں سے انیس رومی سواروں کو مار ڈالا تھا۔ مزار کو زخمیں لینے کی کوشش میں رومی مسلمانوں کی خیمہ گاہ کے اور قریب آ گئے تھے۔ بہت سے مسلمان سوار مزار کی مدد کو پہنچنے کے لیے تیار ہوئے۔ رومیوں نے یہ خطہ بروقت بھانپ لیا اور وہ بھاگ گئے۔

مزار جب اپنی خیمہ گاہ میں داخل ہوتے تو مجاہدین نے داد و تحسین کا شور و غوغا مچا کر کہ اُن کا استقبال کیا لیکن خالدؓ کے سامنے گئے تو خالدؓ کے چہرے پر خشکی تھی۔

”کیا میں نے تجھے کسی اور کام کے لیے نہیں بھیجا تھا؟“ خالدؓ نے درشت لہجے میں کہا۔ ”اور تُو نے دشمن سے لڑائی شروع کر دی۔ کیا تُو نے اپنے فرض کے ساتھ بے انصافی نہیں کی؟“

”اے ولید! مزار بن الاندلس نے کہا۔ ”خدا کی قسم تیرے حکم کا اور تیری ناراضگی کا خیال نہ ہوتا تو جو رومی کچ مکمل گئے ہیں وہ بھی نہ جاتے۔ انہوں نے مجھے گھیر لیا تھا۔“

اس کے بعد خالدؓ نے کسی کو رومی خیمہ گاہ کی جاسوسی کے لیے نہ بھیجا۔



تین چار دن اور گزر گئے۔ خالدؓ کے لشکر نے آرام کو لیا لیکن خالدؓ کے اپنے شب و روز جاگتے سوچتے اور خیمے میں بیٹھتے گزرے۔ اپنے سے تین گنا طاقتور دشمن کو شکست دینا تو ذرا دور کی بات ہے اُس کے مقابلے میں اتنا ہی ایک بہادر تھی لیکن خالدؓ فتح کے سوا کچھ سوچ ہی نہیں سکتے تھے۔ وہ ہر شام سالاروں اور کمانداروں کو بلا کر ان سے مشورے لیتے اور ہدایات دیتے تھے۔

رومی کیمپ میں کچھ اور ہی صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ ان کے سالار قبقلار کا حوصلہ جواب دے رہا تھا۔ متعدد دوزخوں نے ہمسوراً واقعی نے یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے۔

”میں بڑی خوش قسمت ہوتا اگر میں مسلمانوں کی فوج سے دور رہتا۔“ قبقلار نے اپنے سالار اعلیٰ وردان سے کہا۔ ”ایسے فکر آ رہے کہ وہ ہم پر غالب آجائیں گے۔“

”اے بے معنی بات میں آج پہلی بار سن رہا ہوں۔“ وردان نے کہا۔ ”کیا ایک آدمی کبھی تین آدمیوں پر غالب آیا ہے؟“

”ایسا کبھی بار ہوا ہے۔“ قبقلار نے کہا۔

”ہاں، ایسا کبھی بار ہوا ہے۔“ وردان نے کہا۔ ”اور وہ تم جیسے تین آدمی تھے جو میدان میں اترنے سے پہلے ہی حوصلہ ہار بیٹھے تھے۔“

”کیا وہ ایک آدمی نہیں تھا جس نے ہمارے تیس میں تیس سواروں کو مار کر لیا ہے؟“ قبقلار نے کہا۔ ”تیس سوار ایک سوار پر غالب نہیں آ سکتے۔“

”وہ سپاہی تھے، بزدل تھے۔“ وردان نے کہا۔ ”تم سالار ہو۔ تم یہ بھی بھول گئے ہو کہ میدان جنگ میں بزدلی کی سزا موت ہے۔۔۔ لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں ہوا کیا ہے؟ کیا تم پر مسلمانوں کا جاو چل گیا ہے؟“

”جب سے ایک مسلمان نے ہمارے تیس آدمیوں کا مقابلہ کیا اور انہیں کو مار گیا ہے، میں سوج ہر پر گیا ہوں کہ اس ایک آدمی میں اتنی طاقت اور اتنی پھرتی کہاں سے آگئی تھی؟“ سالار قبقلار نے کہا۔ ”میں نے ایک عربی عیسائی کو مسلمانوں کے کیمپ میں بھیج رکھا تھا۔ وہ تین چار دن مسلمان بن کر اُن کی خیمہ گاہ میں رہا۔ کل وہ واپس آیا ہے۔ اُس نے جو کچھ بتایا ہے اس سے مجھے پتہ چلا ہے کہ اُن کی طاقت کیا ہے۔“

”اُس نے کیا بتایا ہے؟“ وردان نے پوچھا۔

”میں اُسے ساتھ لایا ہوں۔“ قبقلار نے کہا۔ ”ساری بات اُسی سے سن لیں۔“

جاسوس کو بلا لیا گیا۔ وردان نے اُس سے پوچھا کہ مسلمانوں کی خیمہ گاہ میں اُس نے کیا دیکھا ہے۔

”سالار اعلیٰ کا رتبہ قیصر روم جتنا ہو۔“ جاسوس نے تعظیم سے کہا۔ ”میں نے اُس کی خیمہ گاہ میں عجیب لوگ دیکھے ہیں۔ وہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں، ہم جیسے نہیں۔“

”تم اتنے دن اُن کے درمیان کس طرح رہے؟“ وردان نے پوچھا۔ ”کیا تم پر کسی نے شک نہیں کیا؟“

”میں اُن کی زبان بولتا ہوں۔“ جاسوس نے جواب دیا۔ ”اُن کے طور طریقے جانتا ہوں۔ اُن کے مذہب اور اُن کی عبادت سے واقف ہوں۔ وہ اپنی فوج میں آپ کی طرح کسی کو بھرتی نہیں کرتے جو کوئی اُن کی فوج میں شامل ہونا چاہتا ہے، اپنے ہتھیار اور اپنا گھوڑا ساتھ لے کر شامل ہو جاتا ہے۔ یہ مسلمان بن کر اُن کی فوج میں شامل ہو گیا تھا۔۔۔“

”میں نے ان مسلمانوں میں کچھ نئے اصول دیکھے ہیں۔ رات کو وہ عبادت گزار ہوتے ہیں اور دن کو ایسے جگجگ جیسے وہ لڑنے مرنے کے سوا کچھ جانتے ہی نہ ہوں۔ اپنے عقیدے کے تحفظ اور اس کے فروغ کے لیے لڑنے اور جان دینے کو یہ اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ ان کا ہر ایک سپاہی اس طرح باتیں کرتا ہے جیسے وہ کسی سالار کے حکم سے نہیں بلکہ اپنی ذاتی لڑائی لڑنے آیا ہو۔ وہ سب ایک جیسے ہیں۔ لباس سے سالار اور سپاہی میں فرق معلوم نہیں کیا جاسکتا۔۔۔“

”میں نے ان میں مساوات کے علاوہ انصاف دیکھا ہے۔ اگر ان کے حاکم یا امیر کا بیٹا چوری کرے۔ یہ تو اُس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتے ہیں۔ اگر وہ کسی عورت کے ساتھ بدکاری کرتے پکڑا جاتے تو اسے

کو۔۔۔“

”میں نے ان میں مساوات کے علاوہ انصاف دیکھا ہے۔ اگر ان کے حاکم یا امیر کا بیٹا چوری کرے۔ یہ تو اُس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتے ہیں۔ اگر وہ کسی عورت کے ساتھ بدکاری کرتے پکڑا جاتے تو اسے

کو۔۔۔“

سرمایہ کھڑا کر کے پتھر مار تے ہیں حتیٰ کہ وہ مر جاتا ہے۔ یہ لوگ اتنے مطمئن ہیں کہ انہیں کوئی ٹھکارہ اور کوئی پریشانی نہیں....

”سالار اعلیٰ اگر مجھے معاف کر دیں تو کموں.... ہماری فوج میں وہ وصف نہیں جو میں مسلمانوں میں دیکھ کر آیا ہوں۔ مسلمانوں کا کوئی بادشاہ نہیں۔ ہمارے سپاہی بادشاہ کے حکم سے لڑتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ بادشاہ انہیں دیکھ نہیں رہا تو وہ اپنی جائیں بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مسلمان ایک خدا کو اپنا بادشاہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا ہم جگہ موجود ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔“

مشہور مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ قبائل رول پڑا۔ اُس نے کہا۔ ”میں کہتا ہوں میں اُس زمین کے نیچے چلا جاؤں جس زمین پر اُن سے مقابلہ کرنا پڑے۔ کاش، میں اُن کے قریب نہ جا سکوں۔ نہ خدا اُن کے خلاف میری نہ میرے خلاف اُن کی مدد کرے۔“

وردان نے قبائل سے کہا کہ اُسے لانا پڑے گا، لیکن قبائل کا لڑنے کا جذبہ ماند پڑ گیا تھا۔



۲۶ جمادی الاول ۱۳ ہجری ۲۹ جولائی ۶۴۲ء کی شام خالد نے اپنے سالاروں کو آخری ہدایت دیں اور اپنے لشکر کی تقسیم کر دی۔

۲۸ جمادی الاول ۱۳ ہجری ۳۰ جولائی ۶۴۲ء کو مجاہدین نے روزِ نرہ کی طرح فجر کی نماز جمعہ پڑھی۔ سب نے گونگوا کر بڑے ہی جذباتی انداز میں دعائیں مانگیں۔ بہت سے ایسے تھے جن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ان میں سے نہ جانے کس کس کی یہ آخری نماز تھی۔ نماز کے فوراً بعد انہیں اپنے اپنے دستوں کے ساتھ اُن جگہوں پر چلے جانا تھا جو اُن کے لیے گذشتہ رات مقرر کی گئی تھیں۔

سورج نکلنے سے پہلے پہلے خالد کا لشکر اپنی جگہوں پر پہنچ چکا تھا۔ رومیوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ اپنی اتنی زیادہ تعداد کے بل بوتے پر اپنا پھیل جائیں گے کہ مسلمان اتنا پیچھے تو اُن کی صفوں میں شکست پڑ جائیں گے لیکن خالد نے تعداد کی قلت کے باوجود محاذِ پانچ میل لمبا بنا دیا۔ اس سے یہ خطرہ ختم ہو گیا کہ رومی پہلوؤں میں جا کر پہلوؤں سے عقب میں جا کر حملہ کریں گے۔

خالد نے دوسری دانشمندی یہ کہ اپنے لشکر کا منہ مغرب کی طرف رکھنا کہ سورج اُن کے پیچھے اور رومیوں کے سامنے رہے اور وہ آنکھوں میں سورج کی چمک پڑنے کی وجہ سے آنکھوں کو کھول نہ سکیں۔

حسب معمول خالد نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک پہلو کے دستوں کے سالار سعید بن عامر تھے، دوسرے کے امیر المؤمنین ابو بکر کے بیٹے عبدالرحمن اور قلب کی کمان حاذق بن حبل کے پاس تھی۔ خالد نے دونوں پہلوؤں کے دستوں کی حفاظت کا یا شکر کے وقت اُن کی مدد کو پہنچنے کا یہ اہتمام کیا تھا کہ ان دستوں کے آگے ایک ایک دستہ کھڑا کر دیا تھا۔

چارہزار نفری جس کے سالار زبیر بن ابی سفیان تھے، خالد نے قلب کے عقب میں محفوظہ کے طور پر

رکھ لی۔ وہاں اس نفری کی موجودگی اس لیے بھی ضروری تھی کہ وہاں عورتیں اور بچے تھے۔

خالد نے سالاری کے رُستے کے افراد کو اپنے ساتھ رکھ لیا۔ مقصد یہ تھا کہ جہاں کہیں سالار کی

ضرورت پڑے، ان میں سے ایک کو وہاں بھیج دیا جائے۔ یہ چاروں بڑے قابل اور تجربہ کار سالار تھے۔ یہ تھے، عمر کے بیٹے عبداللہ، عمرو بن العاص، حنظل بن الازد اور مایع بن عمیرہ۔

سورج طلوع ہوا تو رومی سبزیوں نے اپنے سالاروں کو اطلاع دی کہ مسلمان جنگی ترتیب میں تیار ہو گئے ہیں۔ رومیوں کے اجتماع میں ہلڑ لوگ بیچ گئی۔ ان کا یہ خدشہ بجا تھا کہ مسلمان حملہ کر دیں گے۔ رومی سالاروں نے بڑی تیزی سے اپنے لشکر کو تیار کیا اور مسلمانوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان فاصلہ تقریباً چار فرلانگ تھا۔

خالد نے اپنے محاذ کو کم و بیش پانچ میل لمبا کر دیا تھا۔ رومی اپنے لشکر کو اس سے زیادہ پھیل سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنے محاذ کی لمبائی تقریباً اتنی ہی رکھی تھی خالد نے رکھی تھی۔ اس سے خالد کا یہ مسئلہ تو حل ہو گیا کہ رومی مسلمانوں کے پہلوؤں کے لیے خطرہ نہ بن سکے لیکن رومی لشکر کی گہرائی زیادہ بلکہ بہت زیادہ تھی۔ دستوں کے پیچھے دستے اور ان کے پیچھے دستے تھے مسلمانوں کے لیے اُن کی صفیں توڑنا تقریباً ناممکن تھا۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ رومیوں کا لشکر جب اس ترتیب میں آیا تو دیکھنے والوں پر ہیبت طاری ہو رہی تھی۔ بہت سی صفیں جن میں کچھ بڑی اور کچھ ذرا چھوٹی تھیں، اس لشکر میں سے اوپر کو ابھری ہوئی تھیں اور کئی رنگوں کے جھنڈے اوپر کو اٹھتے ہوئے لہرا رہے تھے۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی فوج نہایت معمولی اور بے رعب لگتی تھی۔

رومیوں کا سالار وردان اور سالار قبائل اپنے لشکر کے قلب کے سامنے گھوڑوں پر سوار کھڑے تھے اُن کے ساتھ ان کے محافظوں کا ایک ایک دستہ تھا جو لباس وغیرہ سے بڑی شان اُلٹے لگتے تھے۔



رومیوں کی تعداد اور اُن کے ظاہری جاہ و جلال کو دیکھ کر خالد نے محسوس کیا کہ وہ اُن کے مجاہدین پر رومیوں کا ایسا اثر ہو سکتا ہے کہ ان کا جذبہ ذرا کمزور ہو جائے۔ شاید ایسی لیے خالد نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اگڑے گھوڑے کا رخ اپنی فوج کے ایک سرے کی طرف کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے اپنا محاذ اتنا زیادہ پھیلایا تھا۔ انہوں نے گھوڑا ایک پہلو کے دستے کے سامنے جا رکھا۔

”یاد رکھنا کہ تم اُس اللہ کے نام پر لڑنے آئے ہو جس نے تمہیں زندگی عطا کی ہے۔“ خالد نے

ایک ہاتھ اور اس ہاتھ کی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف کر کے انتہائی بلند آواز میں کہا۔ ”اللہ کسی اور طریقے سے بھی اپنی دی ہوئی زندگی تم سے واپس لے سکتا ہے۔ اللہ نے تمہارے ساتھ ایک شہادت قائم کر

رکھا ہے۔ کیا یہ اچھا نہیں کہ تم اللہ کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دو؟ اللہ اس کا اجر دے گا۔ ایسا پہلے بھی ہو چکا ہے کہ تم تھوڑے تھے اور تمہارا مقابلہ اُس دشمن سے ہوا کہ جو تم سے دو گنا اور تین گنا تھا اور اتنا طاقت ور دشمن تمہاری ضرب سے اس طرح بھاگا جس طرح بھری شہر کو بھڑ بھڑتیے کو دیکھ کر بھاگتی ہے.... رومیوں کی ظاہری شان و شوکت کو نہ دیکھو۔ نشان و شوکت ایمان والوں کی ہوتی ہے۔ جاہ و جلال اُن کا ہے جن کے ساتھ اللہ ہے۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ آج اپنے اللہ پر اور اللہ کے رسول کی رُوح پر ثابت کر دو کہ تم باطل کے پہلوؤں کو ریزہ ریزہ کرنے والے ہو۔“

یہ توجہ دہانی باتیں تھیں جو خالد نے کیں اور ان کا اثر وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا، خالد نے ان باتوں

Scanned By Wagar Azeem Paksitanipoint

رومیوں کی طرف سے ایک آدمی کو ضرار کے مقابلے کے لیے آنا تھا لیکن چار پانچ رومی سوار آگے آگئے۔ ضرار نے پہلے اپنی خود اتاری پھر زہ اتاری پھر فیض بھی اتاری اور گرنے لگا۔ تب ان رومیوں نے انہیں پہچاننا جو لہرو میں انہیں اس حالت میں لڑتے دیکھ چکے تھے اور وہ یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ اس شخص میں جرات جیسی پھرتی اور طاقت ہے حقیقت بھی یہی تھی۔ ضرار ایک سے زیادہ آدمیوں کا مقابلہ کرنے کی خصوصی مہارت رکھتے تھے۔

ضرار کے مقابلے میں جو رومی آئے تھے ان میں دو سالار بھی تھے۔ ایک طبرہ کا اور دوسرا عمان کا حاکم یا امیر تھا۔ باقی بھی کوئی عام سپاہی نہیں تھے۔ وہ کمانڈروں کے رتبے کے تھے۔ انہوں نے ضرار کو گھیرے میں لینے کے لیے گھوڑوں کے رخ موڑے۔ ضرار نے اچانک گھوڑے کو ایڑ لگائی اور جب وہ عمان کے حاکم کے قریب سے گزر گئے تو یہ سالار اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر ہی دوہرا ہو گیا پھر گھوڑے سے لڑھا کہ کوئی بچہ چار ضرار کی تلوار اس کے پہلو سے اس کے جسم میں گہری اتر گئی تھی۔ حیران کن پھرتی سے ضرار کا گھوڑا اڑا اور ایک اور رومی ان کی تلوار سے سخت کرگڑا۔ ضرار ایسی چال چلتے اور ایسا بیڑا باندھتے تھے کہ رومی سواروں کے دو تین گھوڑے آپس میں ٹکراتے یا ایک دوسرے کے آگے آجاتے تھے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ضرار ان میں سے ایک کو تلوار سے کاٹ جاتے تھے۔ کوئی رومی سوار گرتا تھا تو مسلمان بڑے جوش سے نعرے لگاتے تھے۔ ضرار کا یہ عالم تھا جیسے ان میں مافوق الفطرت طاقت آگئی ہو۔ اپنے مقابلے میں آنے والے رومیوں میں سے زیادہ تو کوا انہوں نے گھرا دیا۔ ان میں ایک دوا ایسے بھی تھے جنہیں مہاک زخم نہیں آئے تھے لیکن وہ دوڑتے گھوڑوں کے قدموں تلے پکھلے گئے۔ دو رومی سوار بھاگ کر اپنے لشکر میں چلے گئے۔

ضرار فاتحانہ انداز سے خون پٹکانی تلوار کو لہراتے اور رومیوں کو لٹکا رہے تھے:

”میں سفید چمڑی والوں کا قاتل ہوں.... رومیو! میری تلوار تمہارے خون کی بیاسی ہے“

مورخوں (واقعی، ابن ہشام اور طبری) نے لکھا ہے کہ دس رومی سوار گھوڑے دوڑاتے آگے آئے۔ یہ سب سالاری سے ذرا نیچے کے عہدوں کے رومی تھے۔ خالد نے جب دس سواروں کو آگے آتے دیکھا تو اپنے محافظ دستے میں سے انہوں نے دس سوار منتخب کیے اور انہیں آگے لے گئے۔ رومی سوار ضرار کی طرف سے آئے تھے۔ خالد نے نعرہ لگایا۔ ”خدا کی قسم، ضرار کو اکیلے نہیں چھوڑوں گا“۔ اس کے ساتھ انہوں نے اپنے دس سواروں کو اشارہ کر کے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ دس سوار ان کے ساتھ گئے۔ رومی سواروں کی نظریں ضرار پر لگی بیٹھیں۔ خالد اور ان کے سوار رومی سواروں پر جا بیٹھے۔ ضرار کی تلوار بھی حرکت میں آگئی۔ رومیوں نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن خالد اور ان کے سواروں کی تیزی اور شنڈی نے رومیوں کی ایک نہ چلنے دی اور سب کٹ گئے۔

رومی سالاروں نے اسے اپنی بے عزتی سمجھا اور مزید آدمیوں کو انفرادی مقابلوں کے لیے آگے بھیجے۔ لیکن ضرار نے ان میں سے دو تین کو ہلاک کر دیا۔ مقابلے کے لیے آگے آنے والے ہر رومی کے ساتھ ضرار ہی مقابلہ کرنا چاہتے تھے لیکن خالد نے انہیں پیچھے بلایا اور دوسرے مجاہدین (تاریخوں میں ان کے نام نہیں) کو باری باری آگے بھیجا۔ ہر مقابلے میں مجاہدین فاتح رہے۔ دونوں فوجوں کے درمیان

”مٹھ رہا! جل!“ خالد نے کہا۔ ”جب تک میں نہ کھوں حملہ نہ کرنا۔ سورج سر پر آگے آگے جانے لگے گا تو ہم حملہ کریں گے“

”ابن ولید!“ معاذ بن جبل نے کہا۔ ”کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ ان کی کانیں ہم سے اچھی اور بڑی ہیں جو بہت دور تک یہ پھینک سکتی ہیں؟ وہ ہمارے تیر اندازوں کی زد سے دور ہیں۔ میں ان تیر اندازوں پر حملہ کر کے انہیں بیکار کرنا چاہتا ہوں۔ ان کے فلاخن دیکھو۔ یہ پتھر برسائیں گے“

”رومی ترتیب میں کھڑے ہیں۔“ خالد نے کہا۔ ”ہم نے حملے میں پہل کی تو یہیں پسپا ہونا پڑے گا۔ ان کی ترتیب دبا کر اٹھانے دو۔ ان کا کوئی نہ کوئی کمزور پہلو ہمارے سامنے آجائے گا“

رومیوں نے کچھ دیر انتظار کیا۔ مسلمانوں نے کوئی حرکت نہ کی تو دوران کے حکم پر اس کے تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑیں پھینکنا شروع کر دیں اور فلاخن سے وہ پتھر پھینکنے لگے۔ کئی مسلمان شہید اور زخمی ہو گئے۔ خالد نے یہ نقصان دیکھ کر کبھی حملے کا حکم نہ دیا۔ رومی تیر اندازوں کو تیروں سے تیز جواب نہیں دیا جاسکتا تھا کیونکہ مسلمانوں کی کانیں نسبتاً چھوٹی ہونے کی وجہ سے دور تک تیر نہیں پھینک سکتی تھیں۔

ادھر سے تیر اور پتھر آتے رہے تب مسلمانوں میں ہجوان اور اضطراب نظر آنے لگا۔ وہ حملہ کرنا چاہتے تھے لیکن انہیں حکم نہیں مل رہا تھا۔ سالار ضرار بن الازور دوڑے دوڑے خالد کے پاس گئے۔

”ابن ولید!“ ضرار نے خالد سے کہا۔ ”تو کیا سوچ رہا ہے؟ کیا تو دشمن کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ ہم اس سے ڈر گئے ہیں؟... اگر اللہ ہمارے ساتھ ہے تو موت سورج اٹھنے کا حکم دے“

خالد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ یہ اطمینان اور سکون کی مسکراہٹ تھی۔ ان کے سالار اور سپاہی پسپائی کی بجائے حملے کی اجازت مانگ رہے تھے۔

”ابن الازور!“ خالد نے کہا۔ ”تو آگے جا کر دشمن کو مقابلے کے لیے لٹکا رہا ہے“

ضرار نے زہ اور خود بے رحمی تھی۔ ان کے ایک ہاتھ میں چڑے کی ڈھال اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی۔ انہوں نے پیچھے ایک سر کے میں یہ ڈھال ایک رومی سے چھینی تھی۔ ضرار آگے گئے تو رومی تیر اندازوں نے اپنے سالار کے حکم سے کانیں نیچے کر لیں۔



یہ اس زمانے کا رواج تھا کہ فوجوں کی لڑائی سے پہلے دونوں فوجوں میں سے کسی ایک کا ایک آدمی اپنے دشمن کو انفرادی مقابلے کے لیے لٹکا رہا تھا۔ ادھر سے ایک آدمی آگے آتا اور دونوں نڈر اور موت کا معرکہ لڑتے تھے۔ اس کے بعد جنگ شروع ہوتی تھی۔ مقابلے کے لیے لٹکانے والا اپنے دشمن کو توہین آمیز باتیں کہتا تھا۔

ضرار بن الازور رومیوں کے سامنے گئے اور انہیں لٹکارا:

”میں سفید چمڑی والوں کے لیے موت کا پیغام لایا ہوں

رومیو! میں تمہارا قاتل ہوں

میں خدا کا قہر میں کریم پر گروں گا

میرا نام ضرار بن الازور ہے“

بہت سے رومیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔
مؤرخوں کے مطابق، یہ مقابلے کم و بیش دو گھنٹے جاری رہے اور سورج اُس مقام پر آگیا جس مقام پر
خالد چاہتے تھے کہ آجائے تو حملہ کریں گے۔



مقابلوں کے دوران تیر انداز اور فلاخن سے پتھر پھینکنے والے خاموش کھڑے تھے۔ مقابلہ ابھی جاری
تھا۔ خالد نے حملے کا حکم دے دیا۔ یہ عام قسم کا حملہ تھا جسے ہلکے یا چارج کہا جاتا ہے۔ اس سے پہلے
رومی تیر انداز اور فلاخن بہت بڑی رکاوٹ تھے۔ انہیں خاموش دیکھ کر خالد نے حملہ کیا تھا۔ حملہ تیز و تار
تھا اور مجاہدین میں اتنا قہر بھرا تھا کہ رومی سالار اعلیٰ وردان کو کوئی چال چلنے کی ہمت ہی نہ ملی۔ وہ
اپنے لشکر کے آگے کھڑا مقابلے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے پیچھے کو بھاگ کر اپنی جان بچائی۔



توقع تو یہ تھی کہ وردان اپنی تعداد کی افراط کے بل بوتے پر اپنے پہلوؤں کو آگے بڑھا کر خالد کے
پہلوؤں سے آگے نکلنے اور عقب میں آنے کی کوشش کرے گا لیکن اُسے اتنی ہوش نہیں تھی۔ اُس
نے اپنے لشکر کو پھیلانے کی بجائے اس کی گہرائی زیادہ کر دی تھی یعنی دستوں کے پیچھے دستے رکھے تھے
اُس کی یہ ترتیب بڑی اچھی تھی لیکن خالد کی چال نے اُس کی ترتیب کو اُس کے لیے ایک مسئلہ بنادیا۔
مسلمان دستوں نے سامنے سے حملہ کیا تو رومیوں کے اگلے دستے پیچھے ہٹنے لگے۔ پچھلے دستوں
کو اور پیچھے ہونا پڑا۔ پھر ان کی ترتیب گڈمڈم ہو گئی۔ مسلمانوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچا۔ یہ بڑا ہی شدید معرکہ
تھا اور بڑا ہی خونریز۔

سورج مغرب کی سمت ڈھل گیا تھا۔ خالد نے محسوس کیا کہ مجاہدین ٹھک گئے ہوں گے۔ انہوں
نے مجاہدین کو معرکہ کے سے نکلنے کا حکم دیا۔ ایسے لگا جیسے رومی سالار بھی لپی چاہتے تھے۔ انہوں نے
اپنے دستوں کو پیچھے ہٹانا بہتر سمجھا۔ جب دونوں فوجیں پیچھے نہیں تو پتہ چلا کہ رومی ہزاروں کی تعداد میں مارے
گئے ہیں اور زخمیوں کی تعداد بھی بے شمار ہے۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کا نقصان بہت ہی مختصر رہا تھا۔
سورج غروب ہونے کو تھا اس لیے دونوں میں سے کوئی بھی فوج حملہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس طرح پہلے
روز کی جنگ ختم ہو گئی۔



رات کو دونوں فوجوں کے سالاروں نے اپنے اپنے نائب سالاروں وغیرہ کو بلا دیا اور اپنے اپنے
نقصان کا جائزہ لینے لگے۔ اور اگلی کارروائی کے متعلق سوچنے لگے۔ رومیوں کے سالار اعلیٰ وردان کی کافر ٹر
میں گرما گرمی زیادہ تھی۔ وردان نے صاف کہہ دیا کہ جنگ کی یہ صورت حال رہی جو آج ہو گئی تھی تو نتیجہ ظاہر
ہے کیا ہو گا اور اس نتیجہ کا نتیجہ کیا ہو گا۔

”کیا میں نے پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا؟“ وردان کے سالار بقلا نے کہا۔ ”میں اب بھی کہتا ہوں
کہ اور زیادہ سوچو اور وجہ معلوم کرو کہ ہم میدان میں فتح مسلمانوں کی ہی کیوں ہوتی ہے اور وہی خوبی ہماری فوج
میں کیوں پیدا نہیں ہوتی۔ آج کی لڑائی دیکھ کر مجھے اپنی فتح مشکوک نظر آنے لگی ہے۔“

”کیا تو یہ کہنا چاہتا ہے کہ ہم میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں؟“ وردان نے کہا۔ ”میں تم سب کو کتنا ہول
کہ اپنی اپنی راستے اور مشورہ دو کہ ہم مسلمانوں کو کس طرح شکست دے سکتے ہیں۔“

بقلا کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ آگئی۔ اُس نے کچھ بھی نہ کہا اور دوسرے سالار اپنی آراء اور
مشورے دینے لگے۔ ان سالاروں کے مشورے مختلف تھے لیکن ایک بات مشترک تھی۔ سب کہتے تھے
کہ مسلمانوں کو شکست دینی ہے اور ایسی شکست کہ انہیں سے زندہ وہی رہے جو جنگی قیدی ہو۔

”اگر خالد ان کا سالار نہ ہو تو انہیں شکست دینا آسان ہو جائے۔“ ایک سالار نے کہا۔ ”وہ جہر
جاتا ہے، اُس کی شہرت اور ہمت اُس کے آگے آگے جاتی ہے۔ یہیں تسلیم کرنا چاہیے کہ مسلمانوں کے
اس سالار میں اتنی زیادہ جنگی ہمارت ہے جو بہت کم سالاروں میں ہوتی ہے۔۔۔ میں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔
سب متوجہ ہوتے۔“

”مسلمانوں کو خالد سے محروم کر دیا جائے۔“ اُس نے کہا۔ ”اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے۔۔۔ قتل!“
”کل کی لڑائی میں اسے قتل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔“ وردان نے کہا۔ ”یہ مشورہ
کوئی مشورہ نہیں۔“

”لڑائی میں ابھی تک اُسے کوئی قتل نہیں کر سکا۔“ مشورہ دینے والے سالار نے کہا۔ ”میری
تجویز یہ ہے کہ ہماری طرف سے ایک اچھی خالد کے پاس جائے اور کہے کہ ہم مزید خون غرابہ رو کنا
چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس آؤ اور ہمارے ساتھ بات چیت طے کر لو۔ وہ جب ہمارے سالار اعلیٰ
وردان سے ملنے آ رہا ہو تو کم از کم دس آدمی راستے میں گھات میں بیٹھے ہوئے ہوں۔ وہ خالد کو اس
طرح قتل کریں کہ اُس کے جسم کی بوٹی بوٹی کر دیں۔“

”بہت اچھی تجویز ہے۔“ وردان نے کہا۔ ”میں ابھی اس کا بندوبست کرتا ہوں۔۔۔ داؤد کو بلاؤ۔“
تھوڑی ہی دیر بعد ایک عیسائی جس کا نام بوجول میں نام داؤد لکھا ہے وردان کے سامنے کھڑا تھا۔

”داؤد!۔“ وردان نے اس عیسائی عرب سے کہا۔ ”ابھی مسلمانوں کی خیمہ گاہ میں جادو اور ان کے
سہ سالار خالد بن ولید کو ڈھونڈ کر اُسے تباہ کر دینا رومیوں کے سالار کا اچھی ہوں۔ اُسے میری طرف سے
یہ پیغام دینا کہ ہم اُس کے ساتھ صلح کی بات کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ہمارے پاس کل صبح آئے اور ہمارے
ساتھ بات کرے کہ کن شرائط پر صلح ہو سکتی ہے۔ اُسے یہ بھی کہنا کہ اس بات چیت میں صرف وہ اور میں
اکیلے ہوں گے۔ ہم دونوں کے ساتھ ایک بھی محافظ نہیں ہو گا۔“

داؤد معمولی آدمی نہیں تھا نہ وہ فوجی تھا۔ وہ قیصر روم کا ایک طرح کا نمائندہ تھا اور اُس کا رتبہ وردان
سے ذرا ہی کم تھا۔

”وردان!۔“ داؤد نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ تم قیصر روم کے حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔
کیا شہنشاہ ہرقل نے یہ حکم نہیں بھیجا تھا کہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دو؟ میں سمجھ نہیں سکتا کہ تم صلح اور شرائط
کی بات کس کے حکم سے کر رہے ہو۔۔۔ میں صلح کا پیغام لے کر نہیں جاؤں گا۔“

”پھر تمہیں اپنے راز میں شریک کرنا پڑے گا۔“ وردان نے کہا۔ ”میں مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے
کا ہی منصوبہ بنا رہا ہوں۔ میں خالد بن ولید کو صلح کا دھوکا دے رہا ہوں۔ وہ اگر آگیا تو مجھے تک اُس کی لاش

پہنچ گئی۔ میں نے راستے میں اُس کے قتل کا انتظام کر رکھا ہے۔

”اگر یہ کام کرنا ہے تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔“ داؤد نے کہا۔ ”میں ابھی جاتا ہوں۔“



داؤد مسلمانوں کے کیمپ میں چلا گیا۔ ہر طرف چھوٹی بڑی مشعلیں جل رہی تھیں۔ داؤد نے اپنا تعارف کرایا کہ وہ رومیوں کا اہلچل ہے اور اُن کے سپہ سالار کے لیے پیغام لایا ہے۔ اُسے اُسی وقت خالد کے خیمے تک پہنچا دیا گیا۔ داؤد آداب بجالایا اور اپنا تعارف کرا کے وردان کا پیغام دیا۔

خیمے میں مشعلوں کی روشنی تھی خالد نے داؤد سے اتنا بھی نہ کہا کہ وہ بیٹھ جائے۔ وہ خالد کے سامنے کھڑا رہا۔ خالد آہستہ آہستہ اُٹھے اور اُس کے حقوڑا اور قریب چلے گئے۔ اُن کی نظریں داؤد کی آنکھوں میں گڑ گئی تھیں۔ انہوں نے داؤد سے کچھ بھی نہ کہا اور اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتے رہے۔ خالد درازہ اور قوی پہل تھے۔ اُن کی شخصیت کا پرتو اُن کی آنکھوں کی چمک میں تھا۔ اُس دور کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ خالد کی آنکھوں کا سامنا کوئی مضبوط دل گردے والا ہی کر سکتا تھا۔ یہ ایمان کا جلال تھی اور آنکھوں کی اس چمک میں عتی رسولؐ چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ خالد شام کے علاقے میں خوف و ہراس کا ایک نام بن گیا تھا۔

خالد داؤد کو دیکھنے جا رہے تھے۔ داؤد کا ضمیر مجرم نہ تھا۔ وہ خالد کی نظروں کی تاب نہ لا سکا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ خالد کے چہرے پر ایک یا دو زخموں کے نشان تھے جن سے ان کا چہرہ بگڑا تو نہیں تھا لیکن زخموں کے نشانات کا اپنا ایک تاثر تھا جو داؤد کے لیے غالباً دہشت ناک بن گیا تھا۔

”اے عربی سالار! داؤد کو کھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”میں فوجی نہیں ہوں۔ میں اہلچل ہوں۔“

”بیچ بول داؤد! خالد نے اُس کے اور قریب آکر کہا۔ ”تو ایک جھوٹ بول چکا ہے۔ اب سچ بول اور اپنی جان سلامت لے جا۔“

داؤد خالد کے سامنے کھڑا چھوٹا آدمی لگتا تھا حالانکہ دس کا بھی کچھ کم نہیں تھا۔

”اے عربی سالار! داؤد نے اپنے جھوٹ کو دہرایا۔ ”میں صلح کا پیغام لے کر آیا ہوں اور اس میں کوئی دھوکا نہیں۔“

”اگر تو دھوکا دینے آیا ہے تو میری بات سن لے۔“ خالد نے کہا۔ ”عینی منکاری اور عیاری ہم لوگوں میں ہے اتنی تم میں نہیں۔ بیکرد فریب میں ہیں کوئی مات نہیں دے سکتا۔ اگر تمہارے سپہ سالار وردان نے کوئی فریب کاری سوچی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رومیوں کی تباہی کا عمل اُس سے تیز ہو جائے گا جتنا میں نے سوچا تھا۔ اور اگر اُس نے سچی تبت سے صلح کا پیغام بھیجا ہے تو جاؤ اُسے کہو کہ جزیہ ادا کر دے پھر ہم صلح کر لیں گے۔“

داؤد میں اتنی سی بھی ہمت نہیں تھی کہ وہ کوئی اور بات کرتا۔ وہ آداب بجالا کر چل پڑا خیمے کے دروازے میں جا کر بیٹھ دیکھا خالد کی نظریں ابھی تک اُسے گھور رہی تھیں۔ داؤد نے منہ پھیر لیا لیکن چلا نہیں دیا۔ وہ محسوس کر رہا تھا خالد کی نظریں اُس کی کھر پڑی ہیں سے گزر کر اُس کی آنکھوں میں داخل ہو رہی ہیں۔ وہ خالد کی طرف گھوما اور اچانک اس طرح تیز قدم اٹھائے جیسے خالد نے پھسلنے لگا ہو۔

”ابن ولید! داؤد نے شکست خوردہ آواز میں کہا۔ ”میں تجھے دھوکا دینے آیا تھا۔ اُس نے وردان کی سازش پوری کی پوری بیان کر دی اور یہ بھی بتا دیا کہ کل صبح وردان کے دس آدمی کس جگہ گھات میں ہوں گے۔“

”کیا تو بتا سکتا ہے۔“ خالد نے داؤد سے پوچھا۔ ”کہ تو جاتے جاتے رک کیوں گیا اور تو نے بیچ کیوں بولا؟“

”صبح کا صلہ لینے کے لیے۔“ داؤد نے کہا۔ ”مجھے لگا لگاؤ کی ضرورت نہیں جس فوج کے سالار کی نظریں انسانوں کے جسموں میں برقی کی طرح اتر جانے والی ہوں اُس فوج کو کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔۔۔۔۔ اے عربی سالار! میرا تجربہ اور میری عقل بتاتی ہے کہ فوج تیری ہوگی۔ میں صرف اتنا صلہ لگتا ہوں کہ جب تو ہماری سستیوں پر قبضہ کر لے تو میرے خاندان پر رحم کرنا اور ان کی عزت کا اُن کی جان و مال کا خیال رکھنا۔“ اُس نے بتایا کہ اُس کا خاندان کون سی بستی میں رہتا ہے۔

خالد نے داؤد کو نصیحت کر دیا۔

داؤد نے واپس جا کر وردان کو بتایا کہ وہ خالد کو پیغام دے آیا ہے اور خالد مقررہ وقت پر اکیلے آئیں گے۔

داؤد نے خالد کی شخصیت سے ایسا تاثر لیا تھا کہ اُس نے اپنے آپ کو یقین دلایا تھا کہ رومی نہیں گئے اور فتح مسلمانوں کی ہوگی۔ اُس نے اپنی فوج کے سالار اعلیٰ سے جھوٹ بولا کہ خالد مختصر وقت پر آجائیں گے۔



صبح طلوع ہوئی۔ ابو عبیدہ خالد کے پاس آئے۔ خالد نے انہیں رومی سالار وردان کی سازش سنائی۔

”وہ دس آدمی مجھے قتل کرنے کے لیے گھات میں پہنچ چکے ہوں گے۔“ خالد نے کہا۔ ”میں چاہتا ہوں کہ اکیلا جا کر ان دس آدمیوں کو ختم کر دوں۔ بڑا اچھا شکار ہے۔“

”نہیں ابن ولید! ابو عبیدہ نے کہا۔ ”یہ تیرا کام نہیں۔ دس آدمیوں کے مقابلے میں تو قتل یا زخمی ہو سکتا ہے۔ تو بڑا قیمتی آدمی ہے۔ یوں کر دس آدمی ایسے چرں لے جو بہت ہی بہادر ہوں۔ انہیں ہتھیار بتا کر بھیج دے۔“

خالد نے دس مجاہدین منتخب کیے اور انہیں بتایا کہ کہاں جانا اور کیا کرنا ہے۔ ان میں ضرار بن الازور بھی تھے۔ انہیں ان دس آدمیوں کا کاغذ مقرر کیا گیا۔

مشہور مورخ واقدی نے یہ واقعہ ذرا مختلف بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ طے یہ پایا تھا کہ خالد اور وردان کی ملاقات ہوگی۔ وردان خالد کو دو بوج لے گا اور اُس کی چار پر اُس کے دس آدمی گھات سے نکل کر خالد کو قتل کر دیں گے۔ مین اور دونوں نے بھی یہ واقعہ اسی طرح بیان کیا ہے۔

وردان نے اپنے دس آدمی رات کے آخری پہر کی تاریکی میں گھات لگانے کے لیے بھیج دیئے تھے۔ خالد نے اپنے دس آدمی اُسی وقت کے گھات بھیج دیئے۔ اس کے ساتھ ہی خالد نے اپنے سالاروں سے کہا کہ وہ گزشتہ روز کی ترتیب سے میدان جنگ میں کھڑے ہو جائیں اور حملے کے لیے تیار رہیں۔

وردان نے مسلمانوں کو جنگی ترتیب میں آتے دیکھ کر جنگی ترتیب میں ہرجائے کا حکم دیا اور صبح طلوع ہوتے ہی وہ شاہانہ جنگی لباس میں اُس جگہ چلا گیا جہاں اُس نے خالد کو ملاقات کے لیے بلایا تھا۔ ادھر سے خالد بھی آگئے اور دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

”اوعرب کے ہڑوا۔“ وردان نے خالد سے کہا۔ ”تو اوتیرے لوگ عرب میں مجھ کو مرتے ہیں اور تو قیصر روم کی شاہی فوج کے مقابلے میں لڑتا ہے؟.... اولیٰ سے کیا میں نہیں جانتا کہ تم لوگ دانی شسی کی بدترین زندگی گزارتے ہو؟“

”اور وی لکھتے؟“ خالد نے غضب ناک آواز میں کہا۔ ”میں تجھے آخری بار کہتا ہوں اسلام قبول کر لے یا مجھ پر ادا کر۔“

وردان نے جھپٹ کر خالد کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔

”آؤ، آؤ۔“ وردان نے اپنے دس آدمیوں کو پکارا جو قریب کہیں چھپے ہوئے تھے۔

خالد نے طاقت و زور نہیں تھے لیکن وردان بھی طاقت میں کچھ کم نہ تھا۔ خالد نے بہت زور لگایا کہ وردان سے ذرا سا آرا دو جو جاہل تانکہ لوار نیام سے نکال سکیں لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ انہوں نے دیکھا کہ دس رومی اپنی فوجی وردی میں اُن کی طرف دوڑے آ رہے ہیں۔ خالد کو اپنا آخری وقت نظر آنے لگا۔ انہیں توقع تھی کہ ضرار اور اُس کے نو مجاہدین نے گھات والے دس رومیوں کو ختم کر دیا ہو گا مگر وہ دس کے دس زندہ چلے آ رہے تھے۔ خالد کو خیال آیا کہ ضرار اور ان کے مجاہدین رومیوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں یا بروقت پہنچ نہیں سکے۔

رومی جب قریب آئے تو ایک نے خود، زہرہ اوقیض انا کر چھینک دی اور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ تب خالد نے دیکھا کہ یہ نو ضرار ہے۔ انہوں نے باقی نو کو قریب سے دیکھا تو وہ اُن کے اپنے ہی منتخب کیے ہوئے مجاہدین تھے۔

یہ مذاق ضرار بن الا زور نے کیا تھا۔ انہوں نے گھات میں بیٹھے ہوئے رومیوں کو بڑے اطمینان سے قتل کر دیا تھا پھر اُن کی ڈرویاں انا کر پس لیں۔ انہیں معلوم تھا کہ وردان پیکار سے گا۔ وہ وردان کی بچا پر نکل آئے۔ وردان خوش ہو گیا کہ اُس کی سازش کامیاب ہو گئی ہے۔

”پیچھے ہٹ ابن ولید!۔“ ضرار نے تلوار نکال کر کہا۔ ”میرا شکار ہے۔“ اور وہ وردان کی طرف بڑھنے لگے۔

”قسم ہے تجھے اُس کی جو کوئی بھی تیرا سمجھو ہے۔“ وردان نے خالد سے کہا۔ ”مجھے اپنی تلوار سے ختم کر اور اس شیطان کو مجھ سے ڈور رکھ!“

ضرار نے اپنی ایک ہتھت ناک مثال قائم کر رکھی تھی۔ وردان نے ضرار کو ذاتی مقابلوں میں دوسروں کو کاٹتے دیکھا بھی تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ ضرار اُسے اذیت دے دے کہ ماریں گے۔ اُس کے لیے اب بھاگ نکلنا ناممکن تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُسے جلدی مار دیا جائے۔

خالد نے ضرار کو اشارہ کیا اور ہاتھ اُن کی طشت بڑھایا۔ ضرار نے اپنی تلوار خالد کو دے دی وردان نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ خالد کے ایک ہی وار سے وردان کا سر زمین پر جا پڑا۔



خالد وہاں اُس کے نہیں۔ فوراً اپنی فوج تک پہنچے اور حملے کا حکم دے دیا۔ یہ حملہ بھی گذشتہ روز کی مانند تھا۔ خالد نے غلبہ اور دونوں پہلوؤں کے دشمنوں کو ایک ہی باؤ بولنے کا حکم دیا۔ انہوں نے چار ہزار مجاہدین کا محفوظ حصے کے سالار یزید بن جبیل تھے، پیچھے رکھا۔

مسلمان حملہ کرنے لگے اور پیچھے ہٹ آتے تھے اور پھر حملہ کرتے تھے۔ رومی تعداد میں بہت زیادہ تھے لیکن اُن کا سالار اعلیٰ ال میں نہیں تھا۔ اُس کی جگہ اُن کا سالار قنقلار کمان کر رہا تھا۔ رومی جم کر متاقلہ کر رہے تھے لیکن مسلمانوں کے حملے غضب ناک تھے۔ ان کے سالار سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ خود خالد سالار سے سپاہی بن گئے تھے۔ رومی سالار لڑا نہیں کرتے بلکہ حکم دیا کرتے تھے لیکن اس معرکہ میں وہ مسلمان سالاروں کی دیکھا دیکھی سپاہیوں کی طرح لڑنے لگے۔ جنگ کی شدت اور غریزی برصحتی ملی

گئی۔ دونوں طرف کوئی چال نہیں چلی جا رہی تھی۔ زیادہ نقصان رومیوں کا ہو رہا تھا۔ ان کا شکر تیرہ دہائی تھا۔ خالد نے یہ سوچ کر اتنا شدید حملہ کر لیا تھا کہ دشمن کا سالار اعلیٰ مارا جا چکا ہے اور مجاہدین یہ دیکھ کر تباہ کر ڈر حملہ کرتے تھے کہ رومیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ وہ ایک دوسرے میں پھنس کے رہ گئے ہیں۔

خالد حملے کا ایک اور مرحلہ شروع کرنا چاہتے تھے جس کے لئے وہ موزوں موقع دیکھ رہے تھے چند گھنٹوں بعد انہیں یہ موقع ملا۔ دونوں فوجیں تھک گئی تھیں۔ رومیوں کو پتہ چل گیا تھا کہ اُن کا سالار اعلیٰ اُن میں نہیں، البتہ دوسرے رومی سالار پورے جو شش و غروش سے لڑ رہے تھے اور لڑا بھی رہے تھے۔

خالد نے چار ہزار نفری کے محفوظ حصے کے سالار یزید بن جبیل تھے، دشمن کے قلب پر حملہ کا حکم دیا۔ یہ چار ہزار مجاہدین تانہ دم تھے اور لڑائی میں شریک ہونے کے لیے اتنے بے تاب کہ نعرے لگاتے اور بے قابو ہوئے جاتے تھے۔ حکم ملتے ہی وہ رنکے ہوئے سیلاب کی طرح گئے اور اتنا شدید حملہ کیا کہ رومیوں کی صفوں کے دُور انداز تک چلے گئے۔

مجاہدین کے سالار رومیوں کے سالار قنقلار کو ٹوٹھوٹا رہے تھے۔ مرکزی جھنڈا اُسی کے پاس تھا اور وہ دزدان کا قائم مقام تھا۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اُس نے وردان سے کہہ دیا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح سمجھوتہ کر لیا جائے۔ اُس کی دُور بین نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمان رومیوں پر غالب آجائیں گے۔ وردان نے اُسے ڈانٹ دیا تھا۔

مؤرخ طبری اور ابو سعید نے لکھا ہے کہ مجاہدین کو قنقلار مل گیا۔ اُسے دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ وہ سالار لگتا ہی نہیں تھا۔ وہ تو جنگ سے لائق کھڑا تھا۔ اُس نے اپنے سر پر اس طرح کپڑا لپیٹا ہوا تھا کہ اُس کی آنکھیں بھی ڈھکی ہوئی تھیں۔ اُس کے محافظوں نے بے دلی سے مقابلہ کیا، شاید اس لیے کہ وہ اپنے سپہ سالار کو نیم مرده سمجھ رہے تھے۔ انہی سے پتہ چلا تھا کہ یہ بے قنقلار مجاہدین نے اُسے اُسی حالت میں قتل کر دیا۔ بعض مؤرخوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ قنقلار نے اپنی آنکھوں پر اس لیے کپڑا ڈالا رکھا تھا کہ وہ اپنے لشکر کا قتل عام نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اُس کی قوت برداشت جواب دے گئی تھی۔

رومیوں کا مرکز کی پرچم گر پڑا۔ مجاہدین اب یہ نعرے لگا رہے تھے۔

”فدا کی قسم، ہم نے رومیوں کے دونوں سپہ سالاروں کو قتل کر دیا ہے۔“

”رومیو! تمہارا پرچم کہاں ہے!“
”شہنشاہ ہر قتل کو بلاؤ۔“

”رومیو! تمہاری صلیبیں اور جھنڈے کہاں ہیں!“

مجاہدین اسلام تو اپنے اللہ، رسولؐ اور ایک عقیدے کی خاطر لڑ رہے تھے لیکن رومی جن کے حکم سے لڑ رہے تھے وہ مارے جا چکے تھے۔ مجاہدین کے پاس ایک ان کی قوت بھی جو جاو کی طرح رومیوں پر غالب آگئی۔



رومی بھاگنے لگے۔ ان میں سے کچھ بیت المقدس کی طرف بھاگے جا رہے تھے، کچھ غزہ اور بعض یافا کی طرف۔ رومیوں کی جنگی طاقت کو مکمل طور پر تباہ کرنے کے لیے خالدؓ نے اپنے سوار دستوں کو حکم دیا کہ بھاگتے دشمن کا تعاقب کریں اور کسی کو زندہ نہ چھوڑیں۔

وہ ایک عبرتناک منظر تھا۔ رومی جاہل بچانے کے لیے ابھر اُدھر بھاگ رہے تھے اور مسلمان سوار اُن کے تعاقب میں جا کر انہیں بھجیوں میں پرورہے تھے۔ ان رومیوں نے اپنی تعداد پر بھروسہ کیا تھا بشراب کے نشے کو وہ اپنی طاقت سمجھتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو غریب اور نادار سمجھ کر انہیں ایک ایک دینار پیش کیا تھا۔ خالدؓ نے انہیں کہا تھا کہ تم سے دینار تو ہم ہی لے لیں گے۔ اب اُن رومیوں کو کہیں پتہ نہیں مل رہی تھی۔ ان کا میدان جنگ میں اتنا جانی نقصان نہیں ہوا تھا جتنا میدان جنگ سے بھاگتے وقت ہوا۔ ان میں خوش قسمت وہ تھے جو بیت المقدس پہنچ گئے اور شرمین داخل ہو گئے تھے۔

یہ قتل عام اس وقت لڑا گیا جب سورج غروب ہو گیا اور اندھیرا اتنا کہ سواروں کو اپنے گھوڑوں کے سر نظر نہیں آتے تھے۔ اس وقت خالدؓ اپنے حصے میں تھے۔ انہیں تباہ کیا کہ داؤد نام کا ایک عیسائی عرب اُن سے ملنے آیا ہے۔ خالدؓ نام سننے ہی باہر کو دوڑے۔

”خدا کی قسم داؤد! خالدؓ اُسے گلے لگا کر بولے۔“ تو نے صرف میری جان نہیں بچائی، تو نے میری فتح آسان کر دی ہے۔ کوئی بھی انعام کا فی نہیں ہو سکتا جو میں تجھے دول..... کہاں ہیں تیرے بیوی بچے؟ کسی نے اُن پر ہاتھ تو نہیں اٹھایا؟“

”نہیں ابن دلیسا! داؤد نے کہا۔“ میں کوئی انعام لینے نہیں آیا۔ مجھے انعام مل چکا ہے۔ یہ کچھ نہیں زندہ بچل اور میرا خاندان زندہ ہے۔ اب ایک انعام مجھے یہ دے کہ یہ راز تیرے سینے میں رہے کہ میں نے تیری کچھ مدد کی تھی۔ روم کی شہنشاہی زندہ ہے۔ ابھی تو تو اس شہنشاہی میں داخل ہوا ہے۔“
”تیرا راز قیصر روم تک نہیں پہنچے گا۔“ خالدؓ نے کہا۔ اور خدا کی قسم، تو مال غنیمت کے حصے کا حقدار ہے۔ میں تجھے حصہ دول کا اور تیرے مانگے کا دول گا۔“

چند روز بعد مدینہ میں عید عیسیٰ خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ خالدؓ نے امیر المومنین ابو بکرؓ کو خط لکھا تھا کہ تین لاکھ طاقتور رومیوں پر کس طرح فتح حاصل کی گئی ہے جس میں پچاس ہزار رومی ہلاک ہوئے ہیں اس کے مقابلے میں شہید ہوئے دے مجاہدین کی تعداد چار سو پچاس تھی۔ خالدؓ کا یہ خط پہلے مسجد میں پڑھ کر سنایا گیا پھر مدینہ کی گلیوں میں لوگوں کو اکٹھا کر کے سنایا گیا۔ لوگوں نے تاج تاج شروع کر دیا۔ وہ ایک دوسرے

سے بگل بگل ہونے لگے۔ مدینہ فتح اور مسرت کے نعروں سے گونجنے لگا۔

خالدؓ نے امیر المومنین کو یہ بھی لکھا تھا کہ اب وہ دمشق کو محاصرے میں لیں گے جو شام کا عیسائی روم کی شہنشاہی کا بڑا ہی اہم شہر تھا۔ روم کی شہنشاہی بہت ہی وسیع تھی۔

جب مدینہ اور گرد و نواح کے لوگوں کو یہ خبر ملی کہ خالدؓ رومیوں پر ایک فتح حاصل کر کے دمشق کی طرف بڑھ رہے ہیں تو کئی مسلمان خالدؓ کی فوج میں شامل ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان میں ابو سفیان بھی تھے جو مشہور شخصیت تھے۔ وہ اپنی بیوی ہند کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

ایک ہزار تین سو باون سال پہلے ماہ اگست کے ایک روز جب مدینہ میں مسلمان اجنبی کی فتح پر خوشیاں منا رہے تھے، مدینہ سے دور بہت ہی دور، شمال میں روم کی شہنشاہی کے ایک اہم شہر مصر پر مایوسی اور ماتم کی سیاہ کالی گھٹا چھا گئی تھی۔ رومیوں کے شہنشاہ بزل کے محل میں قہر اور غضب کی آوازیں گرج رہی تھیں، بصرہ کی شکست کی خبر لے جانے والا قاصد اگر وہاں سے کھسک نہ آتا تو ہرقل غصے میں اس کا سر کاٹ دیتا۔

”ہمارے سپہ سالار اور دان کو کیا ہو گیا تھا؟“ شہنشاہ بزل نے غضب ناک آواز میں پوچھا۔
 ”مارا گیا ہے۔“ اُسے کا بیتی ہوئی آواز میں جواب ملا۔
 ”اور وہ بظاہر؟“ وہ کہتا ہے کہ میری تلوار کی ہراسے ہی دشمن کٹ جاتا ہے!
 ”وہ بھی مارا گیا ہے۔“
 ”اور فائوس؟“

”وہ لڑائی سے پہلے ذاتی مقابلے میں مارا گیا تھا۔“

شہنشاہ بزل نے اُن تمام سالاروں کے نام لیے جو اجنبی کی لڑائی میں شامل تھے اور جن کے بہادری اور جنگی قیادت پر اُسے بھروسہ تھا۔ اُسے یہی جواب ملا کہ مارا گیا ہے یا شاید زخمی ہو گیا ہے۔ وہ سب ہلاک یا زخمی نہیں ہوتے تھے۔ ان میں سے بعض بھاگ گئے تھے۔
 ”... اور اب مسلمان ہشت کی طرف بڑھے آ رہے ہیں۔“ شہنشاہ بزل کو بتایا گیا۔

”دشمن کی طرف؟“ اُس نے بڑبڑا کر کہا۔ ”نہیں... نہیں... میں انہیں دشمن تک نہیں پہنچنے دوں گا۔ وہ دشمن ہم سے نہیں لے سکتے۔ وہاں میرا شیر موجود ہے... ٹوٹا... دشمن کا سالار ٹوٹا ہے۔“
 بزل تیز تر قدم اٹھاتا ہوا اپنے شاہِ مذکرے میں چل رہا تھا اور اپنی ایک تھیلی پر دوسرے ہاتھ کے سیکے مارے جا رہا تھا۔ اُس کے خوشامدی درباریوں، خاص خادموں اور اس کی خدمت میں حاضر رہنے والی بڑی حسین لڑکیوں کو معلوم تھا کہ جب شہنشاہ اس طرح پریشانی یا سیت اور غصے کی کیفیت میں ہوتا ہے تو سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی شراب پیش کرتی ہے۔

ایک لڑکی جو ایک ریشمی لباس میں برہنہ تھی، چاندی کے پیالے میں شراب لے کر آئی اور اشتعال انگیز آواز سے بزل کے سامنے گئی۔ بزل بچے ہوئے سانڈ کی طرح پھینکا رہا تھا۔ اُس نے لڑکی کے ہاتھوں میں شیشی دیکھ کر بڑی زور سے طیشی کے نیچے ہاتھ مارا۔ شراب کا پیالہ لڑکی کے منہ پر لگا۔ شیشی چھت تک جا کر واپس آئی۔ بزل نے لڑکی کو دھکا دیا تو وہ دروازے میں جا پڑی۔
 ”شراب... شراب... شراب!“ بزل نے غصے سے کہا۔ ”تم نے شراب اور حین لڑکیوں سے دل ہلانے اور بدست رہنے والوں کا انجام دیکھا نہیں؟ تم دیکھ نہیں رہے وہ سلطانیت روم کو

دلت اور رسوائی میں پھینک رہے ہیں؟... اور جنہوں نے جین شکست دی ہے انہوں نے اپنے اوپر شراب حرام کر رکھی ہے۔“ اُس نے حکم دیا۔ ”گھوڑا تیار کرو۔ میں اٹاکمہ جا رہا ہوں، اور میں اُس وقت وہاں سے واپس آؤں گا جب میں آخری مسلمان کی بھی لاش دیکھ لوں گا۔“

بادشاہ جنگ کے لیے جب کوچ کرتے تھے تو اس کے لیے بہت سے انتظامات کیے جاتے تھے۔ محافظ دستہ اور بادشاہ کی من پسند عورتیں ساتھ جاتی تھیں۔ ایسے انتظامات ہر وقت تیار رہتے تھے مگر اب کے بزل تو جیسے اُدھر اٹاکمہ پہنچنے کی کوشش میں تھا۔ اُس کے کوچ کے انتظامات کرنے والوں پر قیامت ٹوٹ پڑی اور وہ انتظامات میں مصروف ہو گئے۔



خالد بن ولید میں سات روز رہے۔ انہوں نے اپنے سالاروں سے کہا کہ شبنم کو کہیں ستانے اور دم لینے کی ہمت نہ دو۔ اُسے اپنی ہمت نہ دو کہ وہ اپنی بھڑکی ہوئی جمعیت کو اکٹھا کر سکے۔ اس اصول کے تحت دمشق کی طرف اُن کا کوچ بہت تیز تھا۔ انہوں نے اپنے جاسوس پہلے بھیج دیئے تھے۔ اب خالد نے جاسوسی کا نظام مزید بہتر بنادیا تھا۔ وہ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے کہ قیصر روم کی سلطنت بہت وسیع ہے اور اس کے مطابق اس کی فوج زیادہ بھی ہے اور بڑھتی۔ ایسی فوج پر غلبہ پانے کے لیے اس کے احوال و کوائف کا قبل از وقت معلوم کرنا ضروری تھا اور اتنا ہی ضروری اُن علاقوں کے خدوخال کو جاننا تھا جہاں اس فوج کے دستے موجود تھے اُن کی نقل و حرکت کے متعلق قبل از وقت معلومات حاصل کرنا بھی ضروری تھا۔

راستے میں بیت المقدس آتا تھا۔ خالد نے اس اہم شہر کو نظر انداز کر دیا اور اس سے کچھ فاصلے سے آگے چلے گئے۔ لیکن ایک مقام کو نظر انداز نہ کر سکا تھا۔ اس بستی کا نام فعل تھا جو ایک مضبوط قلعہ تھا۔ خالد اُس کے قریب پہنچے تو ایک فحیر۔ نہ بڑا گل لگتا تھا، خالد کا راستہ روک لیا۔ خالد بن ولید نے اُسے اپنے پاس بلایا۔

”کیا خبر لاتے ہو؟“ خالد نے اُس سے پوچھا۔

وہ خالد کا جاسوس تھا۔

”اس بستی کا نام فعل ہے۔“ جاسوس نے جواب دیا۔ ”آپ دیکھ رہے ہیں قلعہ ہے۔ اس کے اندر فوج ہے۔ باہر کچھ بھی نہیں۔ رومیوں سے ہماری جہاں کہیں بھی ٹکرائی ہوگی، اس قلعے سے رومیوں کو نکلے گا اور دیگر مدد ملے گی۔“

خالد نے اُس قلعے کا محاصرہ ضروری نہ سمجھا۔ وہ اپنی نفری کم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دمشق کی تسخیر کوئی معمولی مہم نہیں تھی۔ بلکہ اپنی شکست کے امکانات بڑھتے جا رہے تھے۔ خالد نے اپنے ایک نائب سالار ابوالاعور کو بلا دیا اور اُسے حکم دیا کہ وہ ایک سوار دستہ اپنے ساتھ رکھے اور فعل کے قریب کہیں تیاری کی حالت میں موجود رہے۔ یہاں سے فوج باہر نکلے تو یہاں کی لڑکیاں مارے اور کسی کو باہر نہ نکلنے دے۔

خالد وہاں دس گھنٹے نہیں۔ ابوالاعور نے ایک سوار دستہ وہاں روک لیا اور اس قلعہ بند بستی کے چھنے

دروازے تھے، ان سب کے سامنے سوار متعین لکھ دیتے۔ سواروں کو گھوڑوں سے اترنے کی اور محمد دوسے فاصلے تک گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی گئی۔



خالہ کی فوج جس کی تعداد تیس ہزار سے کم ہو گئی تھی، مظاہرے ترتیب قافلے کی صورت میں دمشق کی جانب جاری تھی، لیکن اس کے ہر دستے کو اپنے فرائض کا علم تھا۔ ان میں ہر اہل کا دستہ بھی تھا اور ان میں ختیب اور پہلوؤں کے حفاظتی دستے بھی تھے اور یہ تمام دستے چمکتے ہوئے چلے جا رہے تھے کسی بھی جگہ اور کسی بھی وقت ان پر حملہ ہو سکتا تھا۔ داؤد عباسی نے خالہ کو خبردار کر دیا تھا کہ وہ تو ابھی روم کی شہنشاہی میں داخل ہوئے ہیں اور اس شہنشاہی کی حدود بہت وسیع ہیں۔

اس وقت تک رومی فوج کے دستے جہاں جہاں تھے وہاں ہر قل کا ہم پہنچ چکا تھا کہ مسلمانوں کی فوج کو روکا جائے۔ اس حکم کے تحت دمشق کی طرف جانے والے راستوں پر رومیوں نے اپنے جاسوس بھیج دیئے تھے۔ دریا سے یرموک کے کنارے واقصہ ایک قصبہ تھا کسی رومی جاسوس نے خالہ کے لشکر کو آتے دیکھ لیا اور پیچھے جا کر اطلاع دی جب خالہ واقصہ کے قریب پہنچے تو رومی فوج کے بہت سے دستے خالہ کا راستہ روکنے کے لیے تیار کھڑے تھے۔

تورخوں نے لکھا ہے کہ اجنادین کی لڑائی سے بھاگے ہوئے کئی رومی فوجی واقصہ پہنچ چکے تھے انہیں بھی ان دستوں میں شامل کر لیا گیا تھا جو مسلمانوں کو روکنے کے لیے جنگی ترتیب میں کھڑے تھے مگر ان میں لڑنے کا جذبہ سرد تھا کیونکہ ان پر مسلمانوں کا خوف طاری تھا جن کا اندازوں اور سپاہیوں نے ابھی مسلمانوں سے جنگ نہیں لڑی تھی۔ وہ اجنادین کے گھوڑوں سے پوچھتے تھے کہ مسلمان لڑنے میں کیسے ہیں۔ ”دیکھ لو!“ انہیں کچھ اس قسم کے جواب ملے۔ ”تیس ہزار نے تو تمہارا کراس طرح شکست دی ہے

کہ سپہ سالار سے چھوٹے سے سالار تک ایک بھی زندہ نہیں.... انہوں نے ہماری آگہی نفری مار ڈالی ہے۔ زخمیوں کا کوئی حساب ہی نہیں.... موت پوچھو دوستو، موت پوچھو میں تو انہیں انسان سمجھتا ہی نہیں۔ ان کے پاس کوئی جادو ہے یا وہ جنات جیسی کوئی مخلوق ہیں.... ان کا ایک ایک آدمی دس دس کا مقابلہ کرتا ہے.... ان کے سامنے کوئی حم کر لایا نہیں سکتا.... پوچھتے کیا ہو، وہ آکر ہے ہیں خود دیکھ لینا۔“ وہ آتے اور انہوں نے دیکھ لیا۔

دیکھ یہ لیا کہ مسلمان جو بے ترتیب قافلے کی طرح آرہے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے جنگی ترتیب میں ہو گئے۔ غوزیں اور بچے پیچھے رہ گئے اور ان کا حفاظتی دستہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔ خالہ اپنے محافظوں وغیرہ کے ساتھ آگے ہو گئے اور دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ خالہ کی جنگی چالوں کا اور مجاہدین کو لڑانے کا انداز ایسا تھا کہ دشمن ہلکا جاتا پھر مسلمانوں کے حملے کی شدت سے دشمن کے سپاہیوں پر خوف طاری ہو جاتا تھا۔ ان میں سے جو پہلی بھاگ، نکلنے تھے وہ جہاں جاتے اس خوف کو اپنے ساتھ لے جاتے اور فوج میں پھیلاتے تھے یہ ثابت کرنے کے لیے وہ بلاوجہ نہیں بھاگے، وہ اس خوف کو مبالغے سے اور ایسے طریقے سے بیان کرتے تھے کہ سننے والے یہ سمجھ لیتے کہ مسلمانوں میں کوئی مافوق الفطرت قوت ہے۔ اس طرح خالہ نے دشمن پر

ایک نفسیاتی اثر ڈال رکھا تھا جو ہر میدان میں ان کے کام آتا تھا۔

یہ قوت مافوق الفطرت ہی تھی جو عقیدے کی سچائی، ایمان کی پختگی اور جذبے کی شدت سے پیدا ہوتی تھی۔ مسلمان اللہ کے حکم سے لڑتے تھے۔ ان کے دلوں میں کوئی ذاتی غرض اور لالچ نہیں تھا۔ واقصہ کے میدان میں جب رومی مسلمانوں کے مقابلے میں آئے تو ان کے انداز میں جوش و خروش تھا اور جارحیت بھی شدید نظر آتی تھی لیکن خالہ نے جب حملہ کیا تو رومیوں میں لڑنے کا جذبہ اتنا شدید نہ تھا جتنا ہونا چاہیے تھا۔ خالہ نے سامنے سے حملہ کیا اور دونوں پہلوؤں کے کچھ دستوں کو پھیلوا کر اس حکم کے ساتھ آگے بڑھایا کہ دشمن کے پہلوؤں کی طرف جا کر حملہ کریں۔

تورخوں کے مطابق، رومی سامنے کے حملے کو روکنے کے لیے ایسی صورت اختیار کر بیٹھے کہ اپنے پہلوؤں کو نہ دیکھ سکے۔ ان پر جب دائیں اور بائیں سے بھی حملہ ہوا اور ان کے دائیں بائیں کے دستے مسلمانوں کے دباؤ سے اندر کو سکڑنے اور سمٹنے لگے تو وہ گھبرا گئے اور ان پر وہ خوف طاری ہو گیا جو خالہ کے نام سے منسوب تھا۔ اس خوف نے رومیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔

ان رومی دستوں کے لیے حکم یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ دلوں تک روک رکھیں۔ وجہ یہ تھی کہ دمشق میں جو رومی فوج تھی، اس میں دوسری جگہوں سے دستے بھیج کر اضافہ کیا جا رہا تھا۔ ہر قل اس کوشش میں تھا کہ اس کے یہ دستے مسلمانوں سے پہلے دمشق پہنچ جائیں۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ لڑائی میں مسلمانوں کی فوج کو روک دیا جاتا اور ایسی لڑائی جاتی جو طول پکڑ جاتی۔ ایسی لڑائی کے طور پر لڑتے محنت ہوتے ہیں۔ خالہ نے رومیوں کو کچھ سوچنے کی ہمت ہی نہ دی۔ رومی پیش قدمیوں اور زخمی میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔

خالہ وہاں اتنا ہی ڈکے کہ اپنے شہیدوں کا جنازہ پڑھ کر دفن کیا، زخمیوں کو ساتھ لیا اور مال غنیمت اکٹھا کیا اور چل پڑے۔

یہ اگست ۶۳۴ء کا تیسرا ہفتہ (جمادی الاولیٰ ۱۳ ہجری) تھا۔



شہنشاہ ہر قل انطاکیہ جا پہنچا اور وہاں اپنا ہیڈ کوارٹر بنالیا۔ محض سے انطاکیہ کو روانہ ہونے سے پہلے اس نے دمشق کی رومی فوج کے سالاروں کو، تو، ماہرین اور عزائیر کو سپینا بھیج دیا تھا کہ وہ فوراً انطاکیہ پہنچیں۔ ہر قل کے پہنچنے ہی میں سالار انطاکیہ پہنچ گئے۔

”کیا تم نے سن لیا ہے کہ تمہارے سالار و دان اور قبائل بھی مارے جا چکے ہیں؟“ شہنشاہ ہر قل نے ان سے پوچھا۔ ”کیا تم بھی قیصر روم کی عظمت کو ذہن سے اتار دو گے؟ کیا تمہاری نظروں میں بھی صلیب کا نقش ختم ہو چکا ہے؟“

”مسلمان ابھی ہمارے سامنے تو آئے ہی نہیں۔“ سالار ٹومانے کہا۔ ”ہمیں ابھی نہ آپ نے آزمایا ہے نہ مسلمانوں نے۔ انہیں آنے دیں۔ میں آپ کی بیٹی کے آگے شرمسار نہیں ہوں گا۔“ تو شہنشاہ ہر قل کا داماد تھا اور وہ دمشق کا سپہ سالار تھا۔ بڑا پکا مذہبی آدمی تھا اور اپنے مذہب عیسائیت کے فروغ اور تحفظ کے لیے سرگرم رہتا تھا۔

”تو اب ہرقل نے اسے کہا۔ ”تم مذہب میں اتنے مگن رہتے ہو کہ دمشق کے دفاع کی طرف پوری توجہ نہیں دے رہے۔“

”میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مذہب نہ رہا تو دمشق بھی نہیں رہے گا۔“ تو نے کہا۔ ”کیا آپ نہیں جانتے کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ بھی مذہب میں شامل ہے؟.... میں یہاں اکیلا تو نہیں جنگی معاملے سالار ہرقل کے پاس ہیں اور سالار عزازیر بھی میرے ساتھ ہے۔ کیا عزازیر فارسیوں کو اور ہرقل کو کسی لڑائی میں شکستیں نہیں دے چکا ہے؟“

”مجھے جتنا بھروسہ عزازیر پر ہے اتنا تم دونوں پر نہیں۔“ ہرقل نے کہا۔ ”عزازیر تجربہ کار سالار ہے۔ تم دونوں کو ابھی ثابت کرنا ہے کہ تم عزازیر کے ہم قدم ہو۔“

عزازیر روٹیوں کا بڑا ہی قابل اور دلیر سالار تھا۔ اس نے بہت سی لڑائیاں لڑیں اور ہر میدان میں فتح حاصل کی تھی۔ عربی زبان پر اسے اتنا جبرجست تھا کہ وہ عربی بولتا تو شک ہوتا تھا کہ عرب کا رہنے والا ہے۔ دمشق کی فوج کا کمانڈر واصل وہی تھا۔

انطاکیہ میں کلوس نام کا ایک رومی سالار تھا۔ اسے ہرقل نے پانچ ہزار نفری کی فوج دے کر دمشق جانے کو کہا۔

”شہنشاہ ہرقل!۔ کلوس نے کہا۔ ”میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میں آپ کے سامنے اس وقت آؤں گا جب میری برہمچی کی اتنی کے ساتھ مدینہ کے سالار خالد بن ولید کا سر ہوگا۔“

”تم مجھے صرف حلف سے خوش نہیں کر سکتے۔“ ہرقل نے کہا۔ ”میں صرف ابن ولید کا سر نہیں تمام مسلمانوں کی لاشیں دیکھنا چاہتا ہوں.... فوراً دمشق پہنچو۔ وہاں تمہارے کی ضرورت ہے۔ سب چلے جاؤ اور دمشق کو بچاؤ۔“

تمام سالار فوراً روانہ ہو گئے۔ ہرقل کا ایک مشیر خاص ہرقل کے پاس موجود رہا۔

”شہنشاہ ہرقل!۔ اس مشیر نے کہا۔ ”سالار کلوس کو دمشق نہ بھیجتے تو اچھا تھا۔ اگر اسے بھیجا ہی تھا تو سالار عزازیر کو دمشق سے نکال لیتے۔“

”کیوں؟“

”کیا شہنشاہ بھول گئے ہیں کہ ان دونوں میں ایسی جھڑپ ہے جو دشمنی کی صورت اختیار کر جا سکتی ہے۔“ مشیر نے کہا۔ ”ان کی آہیں میں بول چال بند ہے.... دھڑل کلوس عزازیر کی اچھی شہرت سے حسد کرتا ہے۔ کوئی اور جھگڑا ہو سکتی ہے۔“

”کیا تم یہ خطرہ محسوس کر رہے ہو کہ وہ لڑائی کے دوران ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے؟۔“ ہرقل نے پوچھا۔

”ہاں شہنشاہ!۔“ مشیر نے کہا۔ ”میں یہی خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔“

”ایسا نہیں ہوگا۔“ ہرقل نے کہا۔ ”انہیں یہ احساس تو ضرور ہوگا کہ وہ مل کر نہ لڑے تو بڑی بڑی شکست کھائیں گے، اور وہ مجھے خوش کرنے اور ایک دوسرے کو میری نظروں میں گرائے کے لیے جوش و خروش سے لڑیں گے.... اور اگر انہوں نے ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو انہیں

یقیناً معلوم ہے کہ ان کی سزا کیا ہوگی۔“

مشیر خاموش ہو گیا لیکن اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار پہلے سے زیادہ ہو گئے۔



حالیہ کے مجاہدین دمشق کی جانب بڑھے جا رہے تھے۔

رومی سالار عزازیر نے دمشق پہنچتے ہی شہر کے دفاع کو مضبوط بنانا شروع کر دیا۔ دمشق کی شہرینہا کے چھ دروازے تھے اور ہر دروازے کا ایک نام تھا۔ عزازیر نے دمشق کو محاصرے سے بچانے کا یہ انتظام کیا کہ زیادہ فوج شہر کے باہر کچی تاکہ مسلمانوں کو شہر تک پہنچنے ہی نہ دیا جائے۔ انہیں شہر سے باہر قہر کر دیا جائے۔ شہر میں خاص طور پر منتخب کیے ہوئے دستے رکھے گئے۔ ان میں ایک محافظ دستہ تھا جسے جانناز دستہ کہا جاتا تھا۔

اس ایک میل سے کچھ زیادہ لمبے اور چار پانچ فرلانگ چوڑے شہر کی آبادی میں اس خبر نے بڑوٹا۔ بیکر دی تھی کہ مسلمان شہر کو محاصرے میں لینے کے لیے آرہے ہیں۔ اس خبر سے پہلے مسلمانوں کے دہشت شہر میں داخل ہو چکی تھی۔ سالار شہریوں کو بھی شہر کے دفاع کے لیے تیار کر رہے تھے لیکن شہریوں سے انہیں تعاون نہیں مل رہا تھا۔ شہری تو اپنا مال و دولت اور اپنی جوان لڑکیوں کو چھپاتے پھر رہے تھے۔ ان میں سے بعض نے اپنے کنبول کو ساتھ لے کر بھاگنے کی بھی کوشش کی لیکن فوج نے انہیں روک دیا۔

مجاہدین کا شکر دمشق سے زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا۔ جاسوس جو آگے گئے ہوتے تھے وہ باری باری پیچھے آتے، رپورٹ دیتے اور پھر آگے چلے جاتے تھے۔ اب مجاہدین کی جذباتی کیفیت ایسی تھی جیسے ان کا کوئی گھر نہ ہو، کوئی وطن نہ ہو، بیوی نہ ہو، بچہ نہ ہو، بس اللہ ہی اللہ ہو جس کے نام کا وہ دروکر تے جاتے یا چند مجاہدین مل کر کوئی جنگی ترانہ گاتے تھے۔ انہوں نے اپنا رشتہ اللہ کے ساتھ اور رسول اللہ کی روح اقدس کے ساتھ جوڑ لیا تھا۔ انہوں نے اپنی جانیں اللہ کی قربان کاہ پر رکھ دی تھی۔ رومیوں کے لیے وہ جہم تھے لیکن اپنے لیے وہ رو میں تھیں اور اپنے جسموں کی تکالیف اور ضروریات سے وہ بے نیاز ہو گئے تھے۔ انہیں تو جیسے یہ احساس بھی نہیں رہا تھا کہ ان کی تعداد بہت کم ہے اور دشمن کی تعداد کئی گنا ہے۔ ان کے سپہ سالار خالد کی جذباتی کیفیت بھی ایسی تھی لیکن تاریخ کے اس عظیم جہیل کی نگاہ حقائق پہنچتی۔ وہ سوچتے رہتے تھے کہ اتنی کم نفری کو اتنی زیادہ نفری کے خلاف کس طرح استعمال کیا جائے کہ مسئلہ بہ نتائج حاصل ہوں۔ انہوں نے رومیوں کو دیکھ لیا اور تسلیم کیا تھا کہ یہ ایک عمدہ فوج ہے۔ انہوں نے یہ بھی پیش نظر رکھا تھا کہ رومی اپنے ملک میں ہیں اور جوسہولتیں انہیں حاصل ہیں وہ ہیں نہیں بل سختیں شکست کی صورت میں مسلمانوں کے لیے وہاں کوئی پناہ نہیں تھی۔ اس صورت میں انہیں قیدی یا قتل ہونا تھا۔ ان احوال و کوائف کے پیش نظر خالد نے اپنی فوج میں کچھ تبدیلیاں کی تھیں۔

ایک تو انہوں نے جاسوسی کے انتظامات اور ذرائع کو پہلے سے بہتر بنا کر انہیں منظم کر دیا چند اور تبدیلیوں میں قابل ذکر یہ ہے کہ خالد نے ایک سوار دستہ بنایا جس میں چار ہزار منتخب گھوڑ سوار رکھے تھے نیز زقار اور متحرک دستہ تھا۔ اسے طلحہ کہتے تھے۔ متحرک سے مراد یہ ہے کہ اس رسالے نے جرم نہیں بلکہ بھاگنے

پہرچی شکر جلدی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس کی رفتار تو پہلے ہی تیز تھی۔ مسلمانوں کا کوچ ہوتا ہی تیز تھا۔



۱۹ اگست ۶۴۲ھ (۱۹ جمادی الثانیہ ۱۲ ہجری) کی صبح طلوع ہوئی۔ فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی خالدؓ نے اپنے سوار دستے کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ رومی بھی تیاری میں آگئے۔ خالدؓ نے رومیوں کی ترتیب دیکھی تو انہیں شک ہوا کہ رومی حملے میں پہل نہیں کرنا چاہتے۔ خالدؓ بھی پہل کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ انہیں اتنا وقت درکار تھا کہ باقی لشکر پہنچ جائے۔

خالدؓ نے رومیوں کا ارادہ معلوم کرنے کے لیے اپنے سوار دستے کے ایک حصے کو حملہ کر کے پیچھے ہٹا دیا۔ بائیں نکل جانے کا حکم دیا۔ تقریباً ایک ہزار گھوڑے سمندری طوفان کی موجوں کی طرح گئے۔ رومیوں نے حملہ روکنے کی بجائے ہر حرکت کی کوشش کی۔ پیچھے ہٹنے لگے۔ مسلمان سوار اس خیال سے آگے نہ گئے کہ دشمن گھیرے میں لے لے گا۔ ویسے بھی انہیں آٹھ سائے کی لڑائی نہیں لڑنی تھی۔ وہ جس رفتار سے گئے تھے اسی رفتار سے گھوڑے موڑتے ہوئے دور کا چکر کاٹ کر آ گئے۔

چند ایک سالہ خالدؓ کے ساتھ تھے۔ سب کو توقع تھی کہ اب رومی حملے کے لیے آئیں گے۔ ان کی فوج تین گنا تھی مگر انہوں نے کوئی جوابی حرکت نہ کی۔

”خدا کی قسم، رومی کچھ اور چاہتے ہیں“۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا۔ ”یہ ہمارے ساتھ کھیلنا چاہتے ہیں اور میں اپنے لشکر کے انتظار میں ہوں۔“

”ان کے ساتھ کھیلو ان کو لیدر۔“ سالار رضار بن الازور نے کہا۔ ”یہ لڑنا نہیں چاہتے۔ ہمارا دستہ روکنا چاہتے ہیں۔“

”اور انہیں شاید معلوم نہیں کہ ہمارا لشکر ابھی دُور ہے۔“ خالدؓ نے کہا۔

”یہ بھی سوچ اڑی دلید۔“ سالار شمر بن لہی نے کہا۔ ”کیا یہ چوکس نہیں کہ ہمارا لشکر شاید کسی اور طرف سے ان پر حملہ کرے گا؟“

”میں ان کا دھیان پھیر دیتا ہوں۔“ خالدؓ نے کہا۔

رومیوں کی توجہ اپنی طرف کرنے کے لیے خالدؓ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ دشمن کو انفرادی مقابلوں کے لیے لکرا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس دُور میں فوجوں کی لڑائی سے پہلے دونوں فوجوں سے ایک ایک آدمی سامنے آتا اور ان میں انفرادی لڑائی ہوتی تھی۔

خالدؓ نے ضرار بن الازور، شمر بن لہی، اور امیر المؤمنین ابو بکرؓ کے بیٹے عبدالرحمن کو مقابلے کے لیے آکے کیا۔



یہ نیپول سالار تھے۔ وہ دونوں فوجوں کے درمیان جا گھوڑے دوڑانے اور دشمن کو لکھانے لگے۔ رومیوں کی صفوں سے تین سوار نکلے۔ وہ بھی سالاری کے زبے کے آدمی تھے۔ رومی جنگجو قوم تھی۔ اس قوم نے تازہ رخ ساز تیغ زن اور سوار پیدا کیے ہیں۔ خالدؓ کے ان تین سالاروں کے مقابلے میں جو رومی نکلے وہ زبردست لڑاکے تھے۔

دوڑتے حملہ کر کے ادھر ادھر ہو جاتے اور دشمن کو گھما پھرا کر لڑاتے جنگ میں شریک رہنا تھا۔ خالدؓ نے اس دستے کی کمان اپنے ہاتھ میں رکھی۔ دشمن کی جانب کوچ کے دوران یہ سوار دستہ مسلمانوں کے لشکر کے ہراول میں تھا۔

کوچ کا چوتھا دن تھا۔ ہراول کا یہ سوار دستہ ایک سستی مزاج الصفر کے قریب پہنچا تو آگے گئے جوئے دو جاسوس آئے۔ خالدؓ اس دستے کے ساتھ تھے۔ جاسوسوں نے انہیں بتایا کہ تھوڑی دُور آگے رومی فوج تیاری کی حالت میں پڑاؤ کیے ہوئے ہے۔ جاسوسوں کے انداز سے کے مطابق، وہ مقام دمشق سے بارہ تیر میل دُور تھا۔

موجودوں نے لکھا ہے کہ اس رومی فوج کی تعداد بارہ ہزار تھی اور اس میں سوار زیادہ تھے۔ اس کے دو سالار تھے۔ ایک عزازیر اور دوسرا کاؤس۔ یہ دہی رومی سالار تھے جن کی آپس میں دشمنی تھی۔ انہیں دمشق کے سپہ سالار رومانے اس منصوبے کے تحت بھیجا تھا کہ مسلمانوں کے لشکر کو دمشق تک نہ پہنچنے دیا جائے۔ اگر اسے تباہ نہ کیا جاسکے تو اس کا زور کم کر دیا جائے کہ واپس چلا جائے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو آخری سی کامیابی ہر قیمت پر حاصل کی جائے کہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ دن دمشق سے دور رکھا جائے تاکہ دمشق کے دفاع کے لیے مزید دستے وہاں پہنچانے کا سبب بنیں اور شمر میں اتنی خوراک پہنچا کر جمع کی جاسکے کہ محاصرہ طول پکڑ جائے تو شمر میں فحاشی صورت پیدا نہ ہو۔

خالدؓ کے لیے یہ سب پیدا ہو گیا کہ ان کے ساتھ ہراول کا صرف یہ سوار دستہ تھا جس کی نفی چار ہزار تھی۔ باقی لشکر ابھی بہت دُور تھا۔ ہراول کی رفتار تیز تھی۔ دشمن کی موجودگی کی اطلاع پر خالدؓ نے رفتار سست کر دی۔ اس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ پورا لشکر آجائے اور دوسرا یہ کہ دشمن کے قریب نہ پہنچیں تاکہ رات کو آرام کیا جاسکے اور علی الصبح لڑائی شروع کی جائے۔

اگر جاسوس آگے گئے جوئے نہ ہوتے تو خالدؓ لاعلمی میں چار ہزار سواروں کے ساتھ دشمن کے سامنے جا پہنچتے۔ یہ صورت حال ان کے حق میں نہ ہوتی۔ رومیوں کے اس بارہ ہزار لشکر نے بڑی اچھی جگہ پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ وہاں ایک وادی تھی جس میں گھنے درخت تھے اور ایک پہاڑی تھی۔ رومی اس پہاڑی کے سامنے اور وادی کے منہ میں تھے۔ انہوں نے لڑائی کے لیے یہ جگہ منتخب کی تھی جو ان کو کسی جنگی فائدے دے سکے تھی۔ مسلمان اس پھندے میں آ سکتے تھے۔

خالدؓ نے اپنی رفتار ایسی کی کہ سورج غروب ہونے سے دُرا پہلے دشمن کے سامنے پہنچے۔ دشمن سے ان کا فاصلہ ایک میل کے گنگ بجاک تھا۔ خالدؓ نے اپنے دستے کو روک لیا اور وہیں پڑاؤ کرنے کو کہا۔ سورج غروب ہو گیا اس لیے یہ منظر نہ رہا کہ دشمن حملہ کر دے گا۔

جمادی الثانیہ ۱۳ ہجری کے چاند کی اشعار ہیں تھی۔ آدھی رات کو چاندنی بڑی صاف تھی۔ خالدؓ پابادہ آگے چلے گئے۔ رومیوں کے سوار گشتی سنتی گشت پر تھے۔ خالدؓ ان سے بچتے پہاڑی تک گئے۔ وہ زمین کے خدو خال کا جائزہ لے رہے تھے۔ رات گزرتے ہی انہیں یہاں لڑنا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے سوار دستے کے لیے بھاگنے دُورنے کی جگہ ہے یا نہیں۔

خالدؓ کے لیے پریشانی یہ تھی کہ ان کا لشکر بہت دُور تھا۔ انہوں نے پیغام تو بھیج دیا تھا کہ رفتار تیز کرنا

میں اللہ کے رسول کا صحابی ہوں

میں خالد بن ولید ہوں

میں اپنی فوج کا سپہ سالار ہوں میرے مقابلے میں سپہ سالار آتے۔

واقعہ اور طبری نے لکھا ہے کہ رومی سالار دل عزازیر اور کلوس کے درمیان حقیقتی جنگی جب خالد نے کہا کہ ان کے مقابلے میں سپہ سالار آتے تو رومی سالار عزازیر نے اپنے ساتھی سالار کلوس کی طرف دیکھا اور کہا کہ کلوس اپنے آپ کو سپہ سالار سمجھتا ہے۔ میں تو اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ کلوس یوں کر خاموش رہا اور مقابلے کے لیے آگے بھی نہ بڑھا۔

”ہمارا سالار کلوس ڈر گیا ہے۔“ عزازیر نے طنز یہ کہا۔

اُس نے کلوس کو کچھ اور طے بھی دینے۔ کلوس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ خالد کے مقابلے میں ہچکچا رہا ہے لیکن عزازیر اُس پر طعنوں کے تیر چلا رہا تھا۔ ان سے تنگ آکر کلوس نے گھوڑا اڑھا یا اور خالد کی طرف گیا۔ چار سو رنوں نے متفقہ طور پر بیان کیا ہے کہ خالد کے ہاتھ میں برہمی تھی۔ کلوس اُن کی طرف آیا تو اُس کا انداز حملے والا نہیں تھا اور اُس نے خالد کو کچھ ایسا اشارہ کیا تھا جیسے کوئی بات کرنا چاہتا ہو۔ خالد نے اُس کے اشارے کی پرواہ نہ کی۔ دشمن کا دوستانہ اشارہ دھوکہ بھی ہو سکتا تھا۔ خالد نے اپنا گھوڑا اُس کی طرف دوڑایا اور اُس پر برہمی کا وار کیا۔ کلوس تجر بہ کا تجربہ تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو اس وار سے صاف بچا لیا۔

خالد نے آگے جا کر گھوڑا موڑا اور کلوس پر دوسرے حملے کے لیے گئے۔ اب کے انہوں نے سنبھل کر کلوس کو برہمی ماری۔ کلوس نے اب پھر اُن کا وار بیکار کر دیا۔ خالد نے برہمی بھینک دی۔ کلوس نے دیکھا کہ اب خالد غالی ہاتھ آ رہے ہیں تو اُس نے تلوار تانی خالد نے گھوڑا اُس کی زد لیا اور گھوڑے کو زیادہ آگے نہ جانے دیا۔ اسے فوراً روک کر موڑا اور کلوس پر آئے۔ کلوس نے گھوڑا اور وہ ہتر پوزیشن میں آکر وار کرنا چاہتا لیکن خالد نے پیچھے سے آکر اسے مضبوطی سے پکڑ لیا اور گھوڑے سے گرا دیا۔ انہوں نے گھوڑے سے کود کر کلوس کو دبوچ لیا۔

کلوس زمین پر پڑا تھا۔ اُس نے اٹھنے کی ذرا سی بھی کوشش نہ کی۔ خالد نے اپنے محافظوں کو پکارا کہ آئیں۔ دو تین محافظ دوڑے گئے۔ خالد نے انہیں کہا کہ کلوس کو قیدی بنالیں۔ اس طرح کلوس مرے سے بچ گیا اور قیدی بن گیا۔



جب کلوس کو قیدی بنا کر خالد کے محافظ لے گئے تو اُسے پیچھے لے جانے کی بجائے سامنے کھڑا کر دیا گیا تاکہ رومی اُسے دیکھتے رہیں۔ خالد پھر گھوڑے پر سوار ہو گئے اور گھوڑا پھر میں دوڑاتے اور دیو کو لٹکارتے تھے اور اُن کا مذاق بھی اڑاتے تھے۔ کلوس کا گھوڑا ایک بجھ رک گیا تھا۔ خالد کے اشارے پر اُن کا ایک محافظ کلوس کا گھوڑا پکڑ لیا۔

خالد کی لٹاکار کے جواب میں اب رومی سالار عزازیر سامنے آیا۔

”او کلوس! سالار عزازیر نے خالد کو لٹاکار لے کی بنائے اپنے ساتھی سالار کلوس کو لٹاکار

کھلے میدان میں مقابلے شروع ہو گئے۔ تینوں جوڑوں کا مقابلہ تھا۔ تینوں جوڑا الگ ہو گئے۔ گھوڑے دوڑ رہے تھے، گھوم رہے تھے اور برہمیوں سے برہمیاں بھرا رہی تھیں۔ دونوں فوجوں سے نعرے گرج رہے تھے۔ گھوڑے اپنی اڑائی ہوئی گرد میں چھینے جا رہے تھے، پھر گرد سے ایک گھوڑا نکلا۔ اس کا سوار ایک طرف لڑاکا گیا تھا۔ گھوڑا بے لنگ ہو کر ادھر ادھر دوڑ رہا تھا۔ وہ ایک رومی سالار تھا جو بڑا گھمراہ تھا۔ کھا کر گھوڑے سے گرد رہا تھا۔ رومیوں کی صفوں سے ایک گھوڑا سر پٹ دوڑتا نکلا اور گرتے ہوئے سوار کے پیچھے گیا۔ اُس نے گھوڑے کے سوار کو گھوڑے کی پیٹھ پر کمر دیا لیکن وہ مریچکا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ایک اور رومی سوار گرا پھر تیسرا بھی گر پڑا۔ تینوں رومی مارے گئے۔ ضرار بن الازہ کا انداز وہی تھا کہ مقابلے میں اترتے ہی انہوں نے خود زہرہ اور فیض آثار کو بھینک دی تھیں۔ مقابلہ ختم ہوا تو تین رومیوں کی لاشیں ایک دوسری سے دُور دُور پڑی تھیں۔ ضرار، شریحین اور عبدالرحمن رومیوں کے اگلی صف کے قریب جا کر گھوڑے دوڑاتے اور انہیں لٹکارتے تھے۔

”رومیو! یہ لاشیں اٹھاؤ۔ آگے آؤ بڑو!“

”ہے کوئی اور موت کا طلبکار!“

”ہم رومیوں کے قاتل ہیں!“

”رومیو! یہ زمین تم پر تنگ ہو گئی ہے!“

ادھر مجاہدین اسلام نے وہ شور مچا کر لٹکارتے آسمان پہنچا لیا تھا۔

ایک اور رومی گھوڑا دوڑاتا میدان میں آیا اور اُس نے تلوار لہر کر گھوڑا پھر میں دوڑایا۔

عبدالرحمن بن ابی بکر اُس کی طرف گئے تو ضرار نے اپنے گھوڑے کو اڑا لگائی اور چلائے۔ ”پیچھے رہی بکر کے بیٹے! اسے میرے لیے چھوڑ دے۔“ وہ عبدالرحمن کے قریب سے گزر گئے۔ رومی نے گھوڑا اُن کی طرف مڑا لیکن ضرار نے اُس کے گھوڑے کو پوری طرح مڑنے بھی نہ دیا۔ انہوں نے تلوار کی نوک رومی کے پہلو میں اتار دی لیکن اتنی نہیں کہ وہ گر پڑتا۔ ضرار نے اُسے مقابلے کا موقع دیا تھا۔ اُس نے مقابلہ کیا لیکن اُس کا دم پہلے زخم سے ہی ختم ہو چکا تھا۔ ضرار اُس کے ساتھ کھینچتے رہے، آخر ایسا بھر پور وار کیا کہ وہ گھوڑے پر ڈھیر ہوا پھر لڑاکا کو نیچے پڑا۔

مدینہ کے ان تین سالاروں کے مقابلے میں جنداد رومی آتے اور مارے گئے۔ ضرار، شریحین اور عبدالرحمن نے صرف یہی نہیں کیا کہ رومیوں کی اگلی صف کے قریب جا کر گھوڑے دوڑاتے اور انہیں لٹکارتے تھے بلکہ کوئی رومی صف سے آگے ہو کر اُن کی طنز یہ لٹاکار کا جواب دیتا تو وہ ان تینوں میں سے جس کے سامنے ہوتا وہ اُسے برہمی یا تلوار سے ختم کر دیتا۔ اس طرح انہوں نے چند ایک رومیوں کو بھی کیا اور قتل بھی۔ خالد پہلے تو تماشہ دیکھتے رہے پھر وہ جوش میں آ گئے۔ انہوں نے گھوڑے کو اڑا لگائی اور آگے چلے گئے۔

”پیچھے آ جاؤ تم تینوں! خالد نے بڑی بلند آواز میں کہا اور میدان میں گھوڑا دوڑانے لگے۔

اُن کے ہاتھ میں برہمی تھی۔ تو رنوں نے اُن کی لٹاکار کے الفاظ کھٹے ہیں:

میں اسلام کا ستون ہوں

یہ بتا کر میرے ہاتھوں قتل ہونے سے بچنے کے لیے تو مجھے کیا دے گا۔ اپنی جان کی قیمت بتا دے۔
 ”تو ہی بتا“۔ عرازیر نے کہا۔ ”کیا دے گا؟“
 ”جزمیر!“۔ خالد نے کہا۔ ”اگر نہیں تو اسلام قبول کر لے۔“
 اب عرازیر بھڑکا۔

”اے عرب کے بد!“۔ عرازیر نے کہا۔ ”اب میرا وار دیکھ، ہم غفلت کی طرف جاتے ہیں، توبہ کی طرف جاتا ہے، آپ کو میرے ہاتھوں قتل ہونے سے بچا۔“



اُس نے تلوار ہوا میں لہرائی اور خالد پر حملہ کرنے کے لیے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ خالد اُس سے بیز بنکے۔ انہوں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ عرازیر ان کے قریب ہی تھا۔ خالد نے تلوار کا وار کیا جو عرازیر نے پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر بے کار کر دیا۔ اس کے بعد خالد نے ہر طرف سے آکر اس رومی سالار پر وار کیے مگر وہ بڑی پھرتی سے ادھر ادھر ہو کر وار بچاتا رہا۔ اُس نے بعض داریاں تلوار پر روکے۔ مورخ واقدی نے اُس دور کی تحریروں کے حوالے سے خالد اور عرازیر کے مقابلے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ عرازیر وار رد کرتا تھا وار کرتا نہیں تھا۔ رومی شکر سے تو داد و ستین کا شور اٹھ چکا رہا تھا، مسلمانوں نے بھی عرازیر کی پھرتی کی داد دی۔ خالد نے اپنا ہاتھ روک لیا۔

”اے عرب کے سالار!“۔ عرازیر نے کہا۔ ”کیا میں تجھے قتل نہیں کر سکتا؟.... میں تجھے زندہ پکڑوں گا اور تجھے یہ شہر طرہ سنواؤں گا کہ تو جلد صحرے آیا ہے، اپنے لشکر کے ساتھ ادھر ہی چلا جاتے۔“
 ”خدا کی قسم، اب تو میرے ہاتھوں زندہ گرفتار ہو گا۔“ خالد نے بھڑک کر کہا اور اُس پر چھینٹے۔
 عرازیر نے گھوڑے کو تیزی سے موڑا اور بھاگ نکلا۔ خالد نے گھوڑا اُس کے پیچھے ڈال دیا۔ عرازیر نے گھوڑا تیز کر دیا اور دونوں فوجوں کے درمیان بچ رہا تھا۔ اب مسلمانوں کا لشکر نعرے لگانے لگا۔ خالد اُس کے تعاقب میں رہے۔ عرازیر اپنا گھوڑا ذرا آہستہ کر لیتا اور جب خالد اُس تک پہنچتے تو وہ گھوڑے کو ایڑ لگاتا۔

اس دوڑ اور تعاقب میں بہت سادقت گزر گئی۔ خالد کا گھوڑا اسست پڑنے لگا اور اس کا پسینہ پھوٹ آیا۔ عرازیر کا گھوڑا خالد کے گھوڑے سے بہتر اور زیادہ طاقتور تھا۔ عرازیر نے دیکھ لیا کہ خالد کا گھوڑا راہ گیا ہے اُس نے اپنا گھوڑا گھمایا اور خالد کے ارد گرد بچ کر کھڑے ہو گیا۔

”اے عرب!“۔ عرازیر نے لڑکا کر کہا۔ ”تو سمجھتا ہے میں تیرے ڈر سے بھاگ اٹھا ہوں میں تجھے کچھ دیا اور زندہ دیکھنا جانتا تھا۔ میں تیری روح نکالنے والا فرشتہ ہوں۔“
 خالد نے دیکھا کہ اُن کا گھوڑا عرازیر کے گھوڑے کا ساتھ نہیں دے سکتا تو وہ اپنے گھوڑے سے کود کر اترے۔ اُن کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ عرازیر نے خالد کو آسان شکار سمجھا اور ان پر گھوڑا دوڑا دیا۔ خالد کھڑے رہے۔ عرازیر قریب آیا تو اُس نے گھوڑے سے چھٹک کر خالد پر دار کیا۔ خالد بچتے نظر نہیں آتے تھے لیکن انہوں نے سر کو نیچے کر کے دار کو بیکار کر دیا۔

عرازیر گھوڑے کو گھما کر آیا۔ خالد پہلے کی طرح کھڑے رہے۔ اب کے پھر عرازیر نے اُن پر دار کیا خالد

طعنہ دیا۔ ”دیکھ لے اپنا انجام بزدل کھینے، اُنو مجھے رسوا کر رہا تھا۔ اب میری تلوار کا کمال دیکھ۔“ اُس نے خالد پر حملہ کرنے کی بجائے گھوڑا عام چال سے خالد کی طرف بڑھایا اور خالد سے طنز پر لہجے میں کہا۔ ”عربی بھائی! میں تجھے سے کچھ پوچھوں گا۔ میرے قریب آجا۔“
 ”اے اللہ کے دشمن!“۔ خالد نے اُس کی طنز کو سمجھتے ہوئے کہا۔ ”میں تیرے قریب گیا تو تیرا سر تیرے جسم کے ساتھ نہیں رہے گا۔ تو ہی آجا۔“
 عرازیر نے تلوار نکالی اور خالد کی طرف آیا لیکن وہ منس رہا تھا جیسے خالد کو کچھ سمجھتا ہی نہ ہو۔ وہ خالد سے کچھ دور رک گیا۔

”عربی بھائی!“۔ اُس نے کہا۔ ”تجھے میرے مقابلے میں آنے کو کس نے کہا ہے؟ کیا تو نے سوچا نہیں کہ تو میرے ہاتھوں مارا جائے گا تو تیرے ساتھی سالار تیرے بغیر کیا کریں گے؟“
 ”اللہ سے دشمنی رکھنے والے رومی!“۔ خالد نے کہا۔ ”کیا تو نے دیکھا نہیں کہ میرے ساتھیوں نے کیا کر دکھایا ہے؟ انہیں اگر میری اجازت ہوتی تو تیرے اس سارے لشکر کو اسی طرح کاٹ دیتے جس طرح تیرے یہ ساتھی کٹے ہوئے مردہ پڑے ہیں۔ میرے ساتھی آخرت سے محبت کرتے ہیں یزید یا وہ یہ زندگی تو ان کے لیے کچھ بھی نہیں.... تو ہے کون؟ میں تجھے نہیں جانتا۔“

”اے بدست عربی!“۔ عرازیر نے خالد کا مذاق اڑانے کے لہجے میں کہا۔ ”میں اس ملک کا جابر سالار ہوں۔ تیرے لیے قہر ہوں۔ میں خارجیوں کا قاتل ہوں، ترکوں کے لشکر کو بارگاہ دلا ہوں۔“
 ”میں تیرا نام پوچھ رہا ہوں۔“ خالد نے کہا۔

”میں موت کا فرشتہ ہوں۔“ عرازیر نے کہا۔ ”میرا نام عرازیر ہے لیکن میں عزا تیل ہوں۔“
 ”خدا کی قسم جس موت کا تو فرشتہ ہے وہ موت تجھے ڈھونڈ رہی ہے۔“ خالد نے کہا۔ ”وہ تجھے جہنم کے سب سے نیچے والے حصے میں پہنچائے گی۔“

عرازیر کو خالد کی اس طنز پر بھڑک اٹھنا چاہیے تھا لیکن اُس نے اپنے آپ کو ٹھنڈا رکھا۔
 ”میرے عربی بھائی!“۔ اُس نے خالد سے کہا۔ ”تو کون کس کے ساتھ کیا سوچ کر رہا ہے جو تیری قید میں ہے؟“

”وہ دیکھ رومی سالار!“۔ خالد نے جواب دیا۔ ”تیرا سالار بندھا ہوا ہے۔“
 عرازیر کا رویہ اور لہجہ اور زیادہ ٹھنڈا ہو گیا۔

”کیا وہ ہے کہ تو نے اسے ابھی تک قتل نہیں کیا؟“۔ عرازیر نے کہا۔ ”تو نہیں جانتا کہ رومیوں میں اگر کوئی سب سے زیادہ عیار اور شیطان ہے تو وہ کون ہے.... تو اُسے قتل کیوں نہیں کرتا؟“
 ”کوئی وجہ نہیں۔“ خالد نے کہا۔ ”صرف یہ ارادہ ہے کہ تم دونوں کو اکٹھا قتل کر دوں گا۔“

ان دونوں رومی سالاروں کی آپس کی دشمنی اتنی زیادہ تھی کہ وہ خالد کی کسی بات پر بھڑکتا ہی نہیں تھا۔
 ”میری ایک بات پر کان دھر کر سالار!“۔ عرازیر نے دوستانہ لہجے میں کہا۔ ”اگر تو کونوں کو میرے سامنے قتل کر دے تو میں تجھے ایک ہزار دینار، دس قباہیں رشیم کی اور اعلیٰ نسل کے پانچ گھوڑے دوں گا۔“
 ”اور دم کے جابر سالار!“۔ خالد نے کہا۔ ”یہ سب تو مجھے کونوں کو قتل کرنے کا لالچہ دے رہا ہے۔“

نے نہ صرف یہ کہ جھگ کرا اپنے آپ کو بچالیا بلکہ دشمن کے گھوڑے کی اگلی ٹانگوں پر ایسی تلوار مار دی کہ گھوڑے کی ایک ٹانگ کٹ گئی اور دوسری گھوڑے کے بوجھ کے نیچے دوہری ہو گئی۔ گھوڑا گرا اور عزازیر گھوڑے کے آگے جا پڑا۔

وہ بڑی تیزی سے اٹھا لیکن خالد نے اسے پوری طرح اٹھنے نہ دیا۔ تلوار پھینک کر اسے دبوچ لیا اور اسے اٹھا کر زمین پر بچ دیا۔ اسے پھر اٹھایا اور پہلے سے زیادہ زور سے اسے پٹخا۔ عزازیر کو اس خوف نے بے جان کر دیا کہ خالد اسے مار ڈالیں گے لیکن خالد نے اسے گھسیٹا اور اسی طرح اپنے لشکر کی طرف لے گئے اور گلوں کے پاس جا کھڑا کیا۔

”یہ ہے! خالد نے اسے کہا۔“ اپنے دوست گلوں سے مل۔“
خالد نے حکم دیا کہ عزازیر کو بھی باندھ لیا جائے۔



ادھر اٹھنے دشمن کے دوسرے سالار سلمانوں کو دے دیتے ادھر شور اٹھا کہ باقی لشکر آگیا ہے خالد اپنے اسی لشکر کے انتظام میں تھے اور وقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس لشکر کے ساتھ تاریخ اسلام کے دو عظیم سالار تھے — عمرو بن العاصؓ اور ابو عبیدہؓ۔

خالد نے ذرا سا بھی وقت ضائع کئے بغیر اپنی فوج کو جنگی ترتیب میں کیا۔ چار ہزار جانناز سواروں کے دستے طلیحہ کو اپنی ٹھکان میں رکھا اور حملے کا حکم دے دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سلمانوں کی تعداد دشمن کے برابر تھی بلکہ کچھ زیادہ ہی تھی۔ رومیوں نے مقابلہ تو کیا لیکن ان کے انداز میں جاہلیت نہیں تھی، وہ دفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔

ان کا حوصلہ اور جذبہ تو اسی ایک وجہ سے ٹوٹ گیا تھا کہ ان کے دوسرے سالار سلمانوں کی قیدیوں تھے اور باقی سالار افراہی مقابلوں میں مارے جا چکے تھے۔ اس رومی فوج میں پہلی جنگوں سے بھاگے ہوئے آدمی بھی تھے۔ ان پر سلمانوں کا خوف طاری تھا۔ انہوں نے سلمانوں کو توہر اور غصہ سے لڑاتے اور اپنے ساتھیوں کو کھینٹتے دیکھا تھا۔ انہوں نے بے دلی سے مقابلہ کیا اور پیچھے ہٹتے گئے۔ انہیں لڑانے والا کوئی تھا ہی نہیں۔

سلمانوں نے انہیں سپاہی سے روکنے کے لیے ان کے عقب میں جانے کی کوشش کی لیکن پیچھے دستوں سے اٹی ہوئی داوی تھی جس میں وہ غائب ہونے جا رہے تھے۔ ان کی پیٹھ کے پیچھے شت تھا جو قلعہ بند شہر تھا۔ فاصلہ بارہ میل تھا۔ یہ رومیوں کے لیے ایک شش تھی۔ پناہ قریب ہی تھی۔ چنانچہ وہ فردا فردا دستوں کے چھٹنوں میں سے گزرتے دشمن کی طرف بھاگ رہے تھے۔

رومی ایسی بڑی طرح سلمانوں کے ہاتھوں ہلاک ہو رہے تھے کہ میدان جنگ ان کی لاشوں اور ڈپتے ہوئے زخمیوں سے اٹ گیا۔ دوڑتے گھوڑے اور پیادے انہیں گھل رہے تھے۔ رومیوں نے اپنے یلموں کے دستوں کو عام سپاہی کے لیے کھرا دیا۔ سلمانوں نے تعاقب نہ کیا کیونکہ خالد اپنی فوج کی بچانا چاہتے تھے۔ وہ بڑے کوچ کے تھکے ہوئے بھی تھے۔

پچھلے رومی دشمن پہنچ گئے اور شہر کے ارد گرد دیوار نے انہیں پناہ میں لے لیا۔

سلمانوں نے بال غنیمت اکٹھا کیا۔ عورتوں نے زخمیوں کو اٹھایا اور انہیں مرحوم ٹی کے لیے پیچھے

لے گئیں۔ شبیدوں کی لاشیں ایک جگہ رکھ کر جنازہ پڑھا گیا اور انہیں الگ الگ قبروں میں دفن کیا گیا۔ خالد نے رات دہیں گزارنے کا حکم دیا اور تمام سالاروں کو اپنے پاس بلایا اور انہیں بتایا کہ دشمن کے محاصرے کو کامیاب کرنے کے لیے ضروری ہو گا کہ دشمن کی طرف آنے والے تمام راستوں کی ناکہ بند کر دی جائے تاکہ دشمن اپنے دشمن کے دستوں کو ٹھک اور رسد نہ پہنچا سکے۔

۲۰ اگست ۶۳۴ء (۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری) خالد نے دشمن پہنچ کر اس شہر کو محاصرے میں لے لیا۔ دشمن کے اندر جرمدی فوج تھی اس کی تعداد سولہ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ خالد کے لشکر میں بیس ہزار مجاہدین تھے۔ شبید اور شند بہ زخمیوں کی وجہ سے تعداد آٹھ گھٹ گئی تھی۔ کچھ دستے مختلف مقامات پر رومیوں کی ٹھکانوں کے لیے بھیج دیئے گئے۔ یہ وجہ تھی کہ مجاہدین کی تعداد بیس ہزار رہ گئی تھی۔ دشمن بڑا شہر تھا۔ اس کے چھ دروازے تھے اور ہر دروازے کا نام تھا۔ باب الشرق۔ باب ثوما۔ باب حابیر۔ باب فزولیس۔ باب کیسان اور باب صغیر۔ خالد نے ہر دروازے کے سامنے دودو تین تین ہزار نفری کے دستے کھڑے کر دیئے۔ ہر دروازے کے لیے ایک سالار مقرر کیا گیا۔ رافع بن حویر، عمرو بن العاص، حشربیل بن حسنہ، ابو عبیدہ، یزید بن ابی سفیان — یزید کی ذمہ داری میں دودروانے دے دیئے گئے۔

ضرار بن الازد کو منتخب سواروں کا دہزار نفری کا دستہ اس مقصد کے لیے دیا گیا کہ وہ قلعے کے ارد گرد گھومتے پھرتے ہیں اور اگر رومی باہر آکر کسی دستے پر حملہ کریں تو ضرار اس کی مدد کو پہنچیں۔ شہر کی دیوار پر رومی کمانیں اور برچھیاں لیے کھڑے تھے۔ ان میں دوسرے سالاروں کے علاوہ دشمن کے دفاع کا ذمہ دار سالار تو بھی تھا جو شمشادہ ہرقل کا داماد بھی تھا۔

خالد نے حکم دیا کہ رومیوں کے دونوں قیدی سالاروں عزازیر اور گلوں کو آگے لایا جائے۔ دونوں بندھے ہوئے لائے گئے۔ انہیں دیوار کے اتنا قریب لایا گیا جہاں سے وہ دیوار پر کھڑے میوں کو نظر آ سکتے تھے۔ ”کیا تم دونوں اسلام قبول کرو گے؟“ خالد نے دونوں سے بلند آواز میں پوچھا۔

”نہیں۔“ دونوں نے اٹکھے جواب دیا۔

خالد نے ضرار بن الازد کو آگے بلا باور کما کہ انہیں ان کے انجام تک پہنچا دو۔

ضرار نے تلوار نکالی اور دونوں کی گردنوں پر ایک ایک وار کیا۔ دونوں کے سر زمین پر جا پڑے۔ ان کے دھڑکے تڑپے اور ساکت ہو گئے دیوار سے تیروں کی پوچھا کہ کیا خالد اور ضرار ان کی زد سے نکل آتے تھے۔

دشمن کا محاصرہ رومیوں کی تاریخ کا بہت بڑا واقعہ بلکہ حادثہ اور المیہ تھا اور سلمانوں کی تاریخ کا بھی یہ بہت بڑا اور بعض تاریخ نویسوں کے لیے حیران کن واقعہ تھا۔ حیران کن تو رومیوں کے لیے یہ تھا کہ کیونکہ روم کی فوج اس دور کی بہترین فوج اور ناقابلِ شکست تسلیم کی جاتی تھی۔ رومی فوج دست اور تباہی کا دوسرا نمونہ تھا۔ اس فوج نے ہر میدان میں فتح پائی تھی۔ کبھی رومی فوج بھی اس سے کم نہ تھی لیکن

انطاکیہ کی فضا ہنسی اور مسکراہٹوں سے محروم ہو گئی تھی۔ اس شہر کو رومی شہنشاہ ہرقل نے اپنا جنگی ہیڈ کوارٹر بنالیا۔ اُسے جنگ کی جو خبریں روز بروز مل رہی تھیں، ان سے اُس کی ذہنی اور جذباتی حالت ویسی ہی ہو گئی تھی جو مدائن میں شہنشاہ اردشیر کی ہوئی تھی اور صرف شکست کی خبریں سن سن کر وہ صدمے سے مر گیا تھا۔

مرج الضفر میں رومیوں کو شکست ہوئی تھی، اس نے تو ہرقل کو باؤ لاکر دیا تھا، پھر اُسے اپنے سالاروں کے مارے جانے کی اطلاعیں ملنے لگیں۔

”عزازیر زندہ ہے۔“ ہرقل نے بڑے جوش سے کہا۔ ”کھوس ہے.... یہ دونوں عرب کے ان بدوؤں کو دمشق تک نہیں پہنچنے دیں گے۔“

”شہنشاہ معظم!“ محاذ سے آتے ہوئے قاصد نے کہا۔ ”دو دونوں زندہ نہیں۔“

”کیا تم مجھ سے پیچھے ٹھنونا چاہتے ہو؟“ ہرقل نے غضب ناک آواز میں کہا۔ ”کیا تم جھوٹ کی سزا سے واقف نہیں؟“

”سب کچھ جانتے ہوئے یہ خبر سارا ہٹوں شہنشاہ معظم!“ قاصد نے کہا۔ ”ان دونوں کو مسلمانوں نے زندہ پکڑ لیا تھا اور دونوں کو انہوں نے دمشق کی شہر پناہ کے قریب لاکر قتل کر دیا ہے۔“

”اور میری بیٹی کے خاوند کی کیا خبر ہے؟“ شہنشاہ ہرقل نے اپنے داماد سالار توما کے بارے میں قاصد سے پوچھا۔

”سالار توما دمشق کے اندر ہیں۔“ قاصد نے جواب دیا۔ ”اور محاصرہ توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“

”مشق کا محاصرہ ہم توڑیں گے۔“ شہنشاہ ہرقل نے کہا۔

ہرقل نے انطاکیہ میں اسی لیے ڈیرے ڈالے تھے کہ فوج تیار کر کے جہاں بھی محکم کی ضرورت ہوگی وہاں فوج بھیجے گا۔ اُس نے پہلے ہی لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ مگر جوں میں پادری صرف اس موضوع پر غلط کرتے تھے کہ لوگوں کا فوج میں بھرتی ہونا کتنا مضہری ہے۔ وہ کہتے تھے کہ عیسائیت کا خاتمہ ہو جائے گا اور وہ اسلام سے لوگوں کو خوفزدہ کرتے تھے۔

خالد حجب دمشق کی فضا بڑھ رہے تھے اُس وقت ہرقل نے اعلان کیا تھا کہ جو فوج تیار ہو گئی ہے وہ اُس کے معائنے اور احکام کے لیے اُسے دکھائی جائے۔ یہ فوج اُس کے سامنے لائی گئی تو اُن نے ایسے جوشیلے اور جذباتی انداز سے فوج سے خطاب کیا کہ سپاہی اگل بگولا ہو گئے۔

”تمہیں کوئی شہنشاہ حکم نہیں دے رہا۔“ شہنشاہ ہرقل نے کہا۔ ”یہ خدا کے بیٹے کا حکم ہے کہ اُس کے دشمنوں کو تباہ کر دو۔ صلیب کی آں پر مڑو۔ میں آج شہنشاہ نہیں تم جیسا سپاہی ہوں۔“

۹ ستمبر ۶۳۴ء (۱۰ رجب ۱۲ھ) کا دن تھا۔ دمشق کے محاصرے کا گیارہواں دن تھا۔ محاصرے کے دس روز یہ سرگرمی رہی کہ دمشق کے کسی نہ کسی دروازے سے رومیوں کے ایک دودھتے باہر آتے اور مسلمانوں پر حملہ کرتے لیکن زیادہ آگے نہ آتے۔ مختصر سی جھڑپ کے بعد قلعے میں واپس چلے جاتے۔

رومی فوج نے اسے بھی شکست دے کر الگ بٹھا دیا تھا لیکن اتنی دُور سے آتے ہوئے اور اتنے تھوڑے مسلمان اسی رومی فوج کو شکست نہ سکتے دیتے چلے جا رہے تھے اور انہوں نے دمشق کو محاصرے میں لے لیا تھا جو رومیوں کا بڑا ہی اہم اور قیمتی شہر تھا۔ قیصر روم نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت اُس کی بہترین اور دہشت ناک فوج کو اس مقام پر لے آئے گی کہ اُس کے لیے رومیوں کی روایات اور وقار کا تحفظ محال ہو جائے گا۔

مسلمانوں کے لیے بھی شام میں فاتحانہ داخلہ اور دمشق کا محاصرہ بہت بڑا واقعہ تھا۔ ایک توفیقی دشمن کے مقابلے میں بہت تھوڑی سی جوتھیں اور شہیدوں کی وجہ سے کم ہی کم ہوئی تھی جاری تھی دوسرے اپنے وطن سے دُوری۔ لپٹائی کی صورت میں ان کے لیے کوئی پناہ نہیں تھی۔ اس صورت میں انہیں کھانے پینے کو کبھی کچھ نہیں مل سکتا تھا۔

مختلف ادوار کے جنگی مبصرین اور واقعہ نگاروں نے لکھا ہے کہ خالد کے لشکر نے جس کی نفی ہمیشہ خط ناک حد تک کم رہی ہے، تاریخ نویسوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اگر جنگی مہارت اور قیادت کی بات کی جائے تو سرفہرست دو فوجیں آتی ہیں۔ ایک قیصر روم کی فوج اور دوسری کبریٰ کی فوج۔ یہ دونوں فوجیں عسکری اہلیت اور قیادت کی وجہ سے مشہور تھیں۔ بیشک خالد کی جنگی قیادت تیز رفتار نقل و حرکت اور میدان جنگ میں چالوں کا مقابلہ کم ہی سالار کر سکتے تھے لیکن عقیدے کی سچائی اور جذبے کی شدت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ گھروں اور اہل و عیال سے اتنی لمبی جدائی پاہیل کے جذبے کو کمزور کر دیا کرتی ہے لیکن مسلمانوں کی فوج میں ایسی کمزوری دیکھنے میں نہیں آتی تھی۔ اس کیفیت کو مبصرین نے عقیدے اور جذبے کا کرشمہ کہا ہے۔

”میرے عزیز رفیقو! خالد نے اپنے سالاروں سے دمشق کے صفات میں کہیں کہا۔ سوچو ہم کہاں تھے اور دیکھو ہم کہاں ہیں۔ کیا اب بھی کفار اللہ کو وحدۃ لا شریک نہیں مانیں گے اور کیا وہ تسلیم نہیں کریں گے کہ اللہ نے ہمارے قبیلے کو رسالت عطا کی ہے جو حق ہے اور کوئی دلیل اسے جھٹلا نہیں سکتی؟... اور تم اللہ کا شکر ادا نہیں کرو گے جس نے تمہیں اتنے طاقتور دشمن پر فتح دی ہے جو کوئی شمار نہیں اُس کی رحمتوں کا لیکن اُن کے لیے جو اُس کی رسی کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں۔“

”بیشک، بیشک۔“ کئی آوازیں سنائی دیں۔

”ادراے برہنہ جیگو! خالد نے ضرار بن الازور سے جو خود، زہرہ اور قیض اتار کر لڑا کرتے تھے، کہا۔ ”خدا کی قسم، تو اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھے گا تو ایک دن تو ہی نہیں ہم سب افسوس کھڑے ہوں گے۔“

”ولید کے بیٹے! ضرار نے کہا۔“ دین اسلام کے دشمن کو دیکھ کر اپنے آپ پر قابو نہیں رہتا لیکن اس میں کوتاہی نہیں محض کا کہ تیرے ہر حکم کی تعمیل مجھ پر فرض ہے۔“

ضرار بن الازور کے بولنے کا انداز اتنا سنگین تھا کہ سب ہنس پڑے۔ خالد کے ہونٹوں پر چالافز مسکراہٹ آگئی۔

تیرے ماتحت ہوگی۔ اپنا نائب خود ہی چن لے۔

”رافع بن عمر یہ آ۔“ حذر بنے کہا۔

”لے جا سے آ۔“ خالد نے کہا۔ ”اور اتنی جلدی دال پہنچ جیسے تُو اڑا گیا ہو۔“

○

حذر بن الازد کو درہ عقاب (منبتہ العقاب) کے قریب پہاڑی علاقے میں پانچ ہزار سواروں کے ساتھ پہنچا تھا۔ وہ جگر دشت سے کم و بیش بیس میل دور تھی۔ حذر نے توجہ اُٹانے کے لئے دال پہنچ گئے۔ انہوں نے دال جو نفری موجود تھی اُسے بھی اپنی کمان میں لے لیا۔

یہ علاقہ پہاڑی ہونے کی وجہ سے گھات کے لیے موزوں تھا۔ رومی فوج ابھی دال تک نہیں پہنچی تھی۔ حذر نے بڑی تیزی سے اپنی تمام نفری کو گھات میں چھپا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اُس روز کا سورج غروب ہو گیا۔ حذر نے سنتری اس ہدایت کے ساتھ مقرر کیے کہ وہ یکویوں اور چٹانوں کے اوپر چلے جائیں، باہر نہ جائیں۔ پوری احتیاط کی جارہی تھی کہ دشمن کو گھات کا پتہ نہ چلے۔

رات گزر گئی۔ صبح طلوع ہوئی اور اس سے تھوڑی ہی دیر بعد دشمن کی فوج آگئی۔ اور یہ صحیح معنوں میں فوج تھی، نفری زیادہ، تنظیم نہایت اچھی۔ دیکھا گیا کہ اس فوج کے ساتھ بے شمار گھوڑا کارڈیاں تھیں جو سامان سے لدی ہوئی تھیں اور اونٹوں کی تعداد بھی بے حساب تھی جن پر بوریال لدی ہوئی تھیں۔ یہ بعد میں پتہ چلتا تھا کہ یہ سامان خود دونوں تھا جو دشت جارہا تھا۔ خالد دشت کے اندر کی اس جگہ پر اس سے بے خبر تھے کہ رومیوں نے دشت کا دفاع توڑا اچھا کیا تھا لیکن شہر میں رسد اور خوراک کی اتنی کمی تھی کہ دس دنوں کے محاصرے میں ہی شہر کی ہر چیز کی قلت محسوس کرنے لگے تھے۔ ہر قتل کو اطلاع مل چکی تھی۔ اُس نے حکم بھیجی اور اس کے ساتھ خوراک کا ذخیرہ بھیج دیا تھا۔

حذر بن الازد کو بتایا گیا کہ رومی فوج کے ساتھ مال اسباب بے حساب آ رہا ہے تو حذر نے جوش میں آکر حسب معمول ذرہ بخود اور فضیلت اتار بیٹھیں۔ نیم برہنہ ہو کر انہوں نے اعلان کیا کہ بہت موٹا شکار آ رہا ہے۔

رومی جب پہاڑیوں میں آئے تو حذر ان کی لکار پر مجاہدین اسلام گھات سے نکل کر رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ توقع تو یہ تھی کہ رومی اچانک حملے سے گھبرا اور بوکھلا کر بھاگ اٹھیں گے لیکن اُن کا رد عمل ایسا باطل نہیں تھا۔ انہوں نے یہ چال چلی کہ پیچھے ہٹنے لگے اور درہ عقاب کے قریب اُس جگہ جاؤ کہ جو ہموار میدان تھا اور یہ پہاڑی کی بلندی تھی۔ انہوں نے سامان کی گاڑیاں پیچھے بھیج دیں اور اُن کے پیچھے کی فوج آگے آگئی۔ ان کی تعداد مسلمانوں سے گئی تھی اور اُن کے انداز سے صاف پتہ چلتا تھا کہ مسلمانوں کا یہ حملہ اُن کے لیے غیر متوقع نہ تھا، وہ اس کے لیے تیار تھے۔ انہوں نے قدم جما لیے۔

○

حذر بن الازد نے دشمن کو اس کیفیت میں دیکھا کہ اُس نے نہ صرف یہ کہ حملہ روک لیا ہے بلکہ وہ سامان سے بھی اور دالیں بائیں سے بھی حملے کر رہا ہے۔ مسلمانوں کا جوش و خروش کچھ کم نہ تھا لیکن رومی جس منظم انداز سے اُتر رہے تھے اس سے یہی ایک خطرہ نظر آنے لگا تھا کہ وہ مسلمانوں کو بھگا کر اور کاٹ کر آگے نکل جائیں گے۔

کی کرتے۔ خالد نے ابھی قلعے پر کسی بھی قسم کا بلہ نہیں بولا تھا۔

خالد نے دیکھ بھال کے لیے ہر طرف جاسوس بھیج رکھے تھے۔ محاصرے کے گیارہویں روز ایک جاسوس اس حالت میں خالد کے پاس آیا کہ اُس کا گھوڑا پسینے میں نہایا ہوا تھا اور جب گھوڑا رکا تو کانپ رہا تھا۔ سوار کی اپنی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ اُس سے اچھی طرح بولا جی نہیں جاتا تھا۔ خالد نے پہلے تو اُسے پانی پلا یا پھر پوچھا کہ وہ کیا خبر لایا ہے۔

”رومیوں کی ایک فوج آ رہی ہے۔“ جاسوس نے کہا۔ ”تعداد دس ہزار سے زیادہ ہوگی کم نہیں۔“

”تم نے اسے کہاں دیکھا ہے؟“ خالد نے پوچھا۔

”حمص سے آگے نکل آئی ہے۔“ جاسوس نے جواب دیا اور ایک جگہ کا نام لے کر اُس نے کہا۔ ”ہمارا ایک دستہ دال موجود ہے۔ رومی فوج کل کسی بھی وقت دال تک پہنچ جائے گی۔ ہمارے دستے کی نفری اُس کے مقابلے میں بہت تھوڑی ہے۔ اسی لیے میں کہیں ایک تانہ یہ بھی نہیں رکھا ہمارا دستہ مارا جائے گا اور رومی دشت تک آجائیں گے۔“

خالد نے جاسوس کو خدمت کھردیا۔ اُن کے لیے یہ خبر حیران کن بھی نہیں تھی، پریشان کن بھی نہیں تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ ہر قتل، الطافہ میں ہے اور دال وہ آرام اور سکون سے نہیں بیٹھا ہوا بلکہ وہ دشت کو چلنے کے انتظامات کر رہا ہے۔ یہ رومی فوج جس کی اطلاع ایک جاسوس لایا تھا، الطافہ سے شہنشاہ قتل نے اپنی دشت والی فوج کے لیے حکم کے طور پر بھیجی تھی۔ تو روموں نے اس کی تعداد بارہ ہزار لکھی ہے۔ خالد نے اسی توقع پر کہ رومیوں کی کمک آئے گی، دشت کی طرف آنے والے راستوں پر پہلے سے ہی تھوڑی تھوڑی نفری کا ایک ایک دستہ بھیج دیا تھا۔ ان کے سپرد یہ کام تھا کہ حکم کھڑکے رکھیں مگر جو فوج آ رہی تھی اس کی نفری بہت زیادہ تھی۔ خالد نے اسی وقت سالاروں کو بلایا اور ان پر بتایا کہ دشمن کی زیادہ نفری آ رہا ہے اور اسے روکنے کے لیے اپنی نفری بہت تھوڑی ہے۔

”رومیوں کی اس کمک کو روکنا ہے۔“ خالد نے کہا۔ ”اور اپنی نفری جو اس کے راستے میں موجود ہے اسے جانی نقصان سے بچانا ہے۔ ہمیں محاصرے کو ذرا کمزور کرنا پڑے گا۔“

”اس کی کوہم اپنے جذبے سے پورا کر لیں گے۔“ سالار شہزید نے کہا۔ ”ابن ولید اُنو جتنی نفری کافی سمجھتا ہے، یہاں سے نکال کر بھیج دے۔“

”پانچ ہزار سوار کافی ہوں گے۔“ خالد نے کہا۔ ”رومیوں کی نفری دس ہزار سے زیادہ ہے۔“

”بہت ہے۔“ حذر بن الازد نے کہا۔ ”اور مجھے یقین ہے ابن ولید کہ توجھے مایوس نہیں کرے گا۔ اُن پانچ ہزار سواروں کا سالار میں ہوں گا۔“

”تیری خبر۔“ رومیوں نے دال کا ابن الازد آ۔ خالد نے کہا۔ ”لیکن احتیاط کا حکم جوڑ میں آکر دشمن کی صفوں میں نہ گھسنے دیا، اگر ایسا ضروری ہو جائے تو تجھے پیچھے نہیں رہنا چاہیے۔۔۔۔ اور یہ بھی سن لے ابن الازد! اگر تُو نے دیکھا کہ تُو دشمن کو نہیں سمجھا سکتے گا تو فوراً اُن تک مانگ لیا میں تجھے دال کا ویاں پہلے اُن کے دستہ موجود ہے، اسے بھی اپنی کمان میں لے لینا۔ یہ ساری نفری

تو دیکھ کر آگے جانے کی کوشش کی لیکن رومیوں کی صفیں مل کر بڑی مضبوط دیوار بن گئی تھی۔ رافع مڑاؤ کر کے کمرانے کی کوشش میں تھے لیکن ان کی کوشش کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔ مسلمان اپنے سالار کو دشمن سے چھڑانے کے لیے جان کی بازی لگانے ہوئے تھے۔

دوپہر سے ذرا بعد کا وقت تھا۔ خالد دشمن کے ارد گرد گھوم پھر کر جائزہ لے رہے تھے کہ دیوار کہیں سے توڑی جاسکتی ہے یا نہیں۔ دوسالار ان کے ساتھ تھے۔

”خدا کی قسم، دشمن ہمارا ہے۔“ خالد نے کہا۔ ”رومیوں کو کمک نہیں مل سکتی۔ مڑاؤ اور رافع ان کی کمک کو جھکا چکے ہوں گے۔“ خالد چپ ہو گئے۔ ایک گھوڑ سوار ان کی طرف بڑا تیز آ رہا تھا۔

”قاصد معلوم ہوتا ہے۔“ خالد نے کہا اور گھوڑے کو اڑا لگا کر اس کی طرف بڑے۔

”سالار عالی!“ گھوڑ سوار نے گھوڑا ان کے قریب روک کر کہا۔ ”رومیوں نے مڑاؤ اور رافع کو پھیلایا ہے۔ ابن عمر نے ان کی جگہ لے لی ہے۔ انہوں نے ابن الازور کو روم کمانے کی بہت کوشش کی ہے لیکن رومیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ہم ناکام ہو گئے ہیں۔ ابن عمر نے مجھے اس پیغام کے ساتھ بھیجا ہے کہ کمک کے بغیر ہم رومیوں کو نہیں روک سکیں گے۔“

”کیا میں نے اُسے منع نہیں کیا تھا کہ اپنے آپ کو قابو میں رکھنا؟“ خالد نے برم ساہو کر کہا۔

”رومی ہمارے اتنی قیمتی سالار کو نہیں لے جاسکتے۔“

خالد نے تمام سالاروں کو بلا یا اور انہیں مڑاؤ کی گرفتاری اور بیت ایسا میں رومیوں کے سامنے مسلمانوں کی محروم حالت کے متعلق بتایا۔

”میں خود ابن عمر کی مدد کے لیے جانا چاہتا ہوں۔“ خالد نے کہا۔ ”لیکن محاصرہ کمزور ہو جائے گا۔ رومی باہر آکر تم پر حملہ کر دیں گے۔ ہماری نفری پہلے ہی کم رہ گئی ہے۔ اگر میں نہیں جاتا اور میں کمک نہیں بھیجتا تو ہمارے پانچ چھ ہزار سوار مارے جاتیں گے اور رومیوں کی کمک سے یہی یہاں آکر قبضہ کر لیں گے۔ بتا سکتے ہو مجھے کیا کرنا چاہیے؟“

”رافع کی مدد کو پہنچنا اور رومیوں کی کمک کو روکنا زیادہ ضروری ہے۔“ ابو عبیدہ نے کہا۔

”ابن ولید! تو سمجھتا ہے کہ تیرا جانا ضروری ہے تو ابھی چلا جا۔ یہیں اور دشمن کے محاصرے کو اللہ پر چھوڑ دو۔ کو باہر آکر حملہ کرنے دے۔ وہ زندہ اندر نہیں جاسکیں گے۔“

دوسرے سالاروں نے ابو عبیدہ کی تائید کر کے خالد کو یقین دلایا کہ ان کی نفری کم ہو گئی تو بھی وہ محاصرے کو دم برم نہیں ہونے دیں گے۔

”اگر مجھے جانا ہی ہے تو میں فوراً نہیں جاؤں گا۔“ خالد نے کہا۔ ”میں ایسے وقت یہاں سے سواروں کو سامنے لے کر نکلوں گا جب دشمن ہمیں دیکھ سکے گا۔۔۔ ابو عبیدہ! امیر کی جگہ لے لے۔ میں آدھی رات کے بعد چار ہزار سوار لے کر نکل جاؤں گا۔ تم سب پر اللہ کی سلامتی ہو۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ چار ہزار سواروں کو تیاری کی حالت میں الگ کر دو اور انہیں بتا دو کہ آدھی رات کے بعد روانہ ہونا ہے۔“

مڑاؤ کو خالد نے جس حرکت سے منع کیا تھا، انہوں نے وہی حرکت کی۔ پہلے تو وہ منظم طور پر رومیوں پر حملے کرائے۔ رہے لیکن دیکھا کہ رومی پیچھے ہٹنے کی بجائے چڑھے آ رہے ہیں تو مڑاؤ جوش میں آگئے اور چند ایک مجاہدین کو ساتھ لے کر رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے اپنی مخصوص حرکت اور شجاعت کا مظاہرہ کیا اور رومی ان کے سامنے آیا وہ ٹوٹ کر مڑاؤ اور اس طرح وہ اندھا دھند بہت آگے نکل گئے۔

”یہ ہے رہنما جھگڑا۔“ کسی رومی نے نعرہ لگایا۔ یہ کوئی سالار ہو سکتا تھا۔ اُس نے لٹکار کر کہا۔

”گھیرے میں لے لو۔ اسے زندہ پکڑو۔“

مڑاؤ نیم پر ہنہ ہو کر لوٹے اور دشمن کو ہر میدان میں حیران کن نقصان پہنچانے میں اتنے مشغور ہو گئے تھے کہ ان کا تیرا تک ان کی شجاعت کے چرچے پہنچ گئے تھے۔ رومیوں نے اس نیم پر ہنہ جھگڑا کو پہچان لیا۔ مڑاؤ کے دائیں بازو میں ایک تیراگ چکا تھا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ مڑاؤ کے سپریم پر دوزخم اور بھی تھے۔ بہر حال ان کے بازو میں تیرا ترے پر سب متفق ہیں۔ مڑاؤ نے تیرا تھنچ کر بازو سے نکال پھینکا۔ تیرا نکالنا بڑا ہی اذیت ناک ہوتا ہے۔ وہاں سے گوشت باہر نکل آتا ہے لیکن مڑاؤ ابن الازور عاشق رسول تھے، وہ تو جیسے اپنے جیم اور اپنی جان سے دست بردار ہو گئے تھے۔ یہ تیرا تر تواریں تو جیسے ان کا کچھ نہیں بچاؤ سکتی تھیں۔ رومیوں کا تیرا کھا کر انہوں نے تیرا نکال پھینکا جیسے ایک کانٹا نکال پھینکا ہو۔ ان کا دایاں ہاتھ تلواریں کو مضبوطی سے تھامے رہا اور رومی کتے اور گرتے رہے۔

رومی انہیں زندہ پکڑنے کا تیرہ کر چکے تھے۔ انہوں نے مڑاؤ کے آدمیوں کو جو ان کے ساتھ آگے نکل گئے تھے، پھیر کر الگ الگ کر دیا اور مڑاؤ کو گھیرے میں لے لیا۔ اس موقع پر انہیں ایک یا دوزخم آئے۔ آخر کئی رومیوں نے مل کر انہیں پکڑ لیا اور انہیں باندھ لیا۔ رومی بلند آواز سے چلانے لگے:

”مسلمانو! تمہارا سالار ہمارا قیدی ہو گیا ہے۔“

”ہم نے تمہارے ننگے سالار کو پکڑ لیا ہے۔“

”ہم شہنشاہ ہرقل کو تحفہ دیں گے۔“

رومیوں کی لٹکار بلند ہوتی جا رہی تھی۔ وہ ٹھیک کہتے تھے۔ شہنشاہ ہرقل کے لیے مڑاؤ سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ اچھا نہیں ہو سکتا تھا۔ رومی انہیں باندھ کر پیچھے لے گئے۔ ان کے زخموں سے خون بڑی تیزی سے بہا جا رہا تھا جس سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ ہرقل تک زندہ نہیں پہنچ سکیں گے۔ رومیوں نے ان کی مرہم پٹی ماری۔

اُس دور کی جنگوں میں فوجیں یوں بھی شکست کھا جاتی تھیں کہ سپہ سالار مارا گیا، ہرچم گر پڑا اور پوری کی پوری فوج بھاگ اٹھی لیکن مسلمانوں کا معاملہ اس کے برعکس تھی۔ مڑاؤ جیسا سالار پکڑا گیا تو دشمن کی یہ لٹکار سن کر کہ اُس نے ان کے سالار کو پکڑ لیا ہے، مسلمانوں نے حملوں کی شدت میں اضافہ کر دیا۔ وہ دیکھتے ہوئے شعلے اور جڑ پٹی جوں جیوں بن گئے۔

رافع بن عمر مڑاؤ کے نائب سالار تھے۔ انہوں نے گرج کر اعلان کیا کہ اب کمان ان کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے سامنے سے رومیوں پر حملے کرائے۔ خود بھی حملوں کی قیادت کی اور دشمن کی صفوں کو

بیت لہیا کم و بیش بیس میل دور تھا سورج غروب ہونے تک وہاں رومیوں اور مسلمانوں میں لڑائی ہوتی رہی۔ رافع بن عمریر نے شام تارک ہوئے کے بعد بھی مجاہدین کو رومیوں کے عقب میں پہاڑوں کے درمیان سے گزرا کر بھیجا مگر برٹلی ناکام واپس آئی۔

”جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے، حذر ابن الازور موت کے قریب ہوتا جا رہا ہے۔“ رافع نے کہتی بارگھا۔ ”اللہ کرے وہ زندہ ہو۔ اللہ اسے زندہ رکھے۔ ہم اسے چٹکلہ کھڑو لائیں گے۔“ رات گزر گئی۔ صبح کا اجالا بھی پوری طرح نہیں بکھرا تھا کہ خالد بن ولیدؓ کے ساتھ رافع کے پاس پہنچ گئے۔ خالدؓ اُدھی رات گزر جانے کے بہت بعد دمشق سے روانہ ہوئے تھے۔ انہوں نے چار ہزار سواروں کو شام کے بعد خاموشی سے محاصرے سے ہٹا کر پیچھے کرنا شروع کر دیا تھا اور سوار پیچھے جا کر اکٹھے ہوتے جا رہے تھے۔ یہ سچہ دمشق سے ذرا دور تھی۔ خالدؓ انہیں ساتھ لے کر روانہ ہوئے تو شہر میں محصور رومیوں کو خبر تک نہ ہوئی۔

خالدؓ اور ان کے سوار دستے کو دیکھ کر رافع اور ان کے سواروں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ خالدؓ نے بیڑی سے دشمن کا اور رافع کے سواروں کا جائزہ لیا اور دونوں دستوں کو ضرورت کے مطابق ترتیب میں کر کے حملے کا حکم دے دیا۔

حملہ بھی شروع نہیں ہوا تھا کہ ایک گھوڑا سوار مسلمانوں کی صفوں سے نکلا اور گھوڑا سر پٹ دوڑا خالدؓ سے بھی آگے نکل گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں برچی تھی خالدؓ کو اس پر غصہ آیا اور انہوں نے چلا کر اس سے پکارا لیکن وہ رومیوں کی اگلی صف تک پہنچ چکا تھا۔ جہنم کے لحاظ سے وہ موٹا تازہ نہیں تھا۔ اس کے سر پر سبز رنگ کا عمامہ تھا اور اس نے اپنا چہرہ ایک کپڑا باندھ کر چھپایا ہوا تھا۔ اس کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔

”یہ خالدؓ ہے۔“ رافع بن عمریر نے کہا۔ ”ایسی جرات خالدؓ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔“ رافع ایک پہلو پر تھے جہاں سے خالدؓ نظر نہیں آتے تھے خالدؓ نے حملہ روک لیا اور وہ رافع کے پاس گئے۔ رافع انہیں دیکھ کر حیران ہوئے۔

”ابن ولید!“۔۔۔ رافع نے خالدؓ سے کہا۔۔۔ ”اگر وہ تو نہیں جو رومیوں پر اکیلا ٹوٹ پڑا ہے تو وہ کون ہے؟“

”میں یہی تھے سو پوچھنے آیا ہوں۔“ خالدؓ نے کہا۔۔۔ ”میں نے ابن الازور کو اسی حرکت سے روکا تھا۔“

”وہ دیکھ ابن ولید!“۔۔۔ رافع نے کہا۔۔۔ ”وہ جو کوئی بھی ہے ذرا دیکھ!“ وہ جو کوئی بھی تھا مسلمانوں کو بھی اور رومیوں کو بھی حیران کر رہا تھا۔ جو روئی اس کے سامنے آتا تھا وہ اس کی برچی یا تلوار کا شکار ہو جاتا تھا۔ یہ سوار کہیں رکنا نہیں تھا۔ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں برچی ہونے کے باوجود اس نے گھوڑے کو اپنے قابو میں رکھا ہوا تھا۔ ایک روئی کو گرا کر وہ دوڑ چلا جاتا کوئی اس کے تعاقب میں جاتا تو یہ سوار یکھٹ گھوڑے کو روک کر یا گھما کر اپنے تعاقب میں آنے والے کو ختم کر دیتا۔ خالدؓ بھی (مخبروں کی تحریروں کے مطابق) دم بخود ہو گئے تھے۔ ایک بار وہ رومیوں کو گرا کر اس نے

گھوڑا ڈور سے موٹا تو خالدؓ کے قریب گذرا۔ خالدؓ نے چلا کر اسے رکنے کو کہا لیکن سوار نہ رکا۔ دیکھنے والوں کو اس کی صرف آنکھیں نظر آتیں۔ ان آنکھوں میں کچھ اور بھی چمک تھی، بلکہ ان آنکھوں میں دل کشی تھی اس کی تلوار اور اس کی برچی کی آبی خون سے سرخ ہو گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر رومیوں کی طرف جا رہا تھا۔

”ابن ولید!“۔۔۔ رافع نے غضب ناک آواز میں کہا۔ ”تو حملے کا حکم کیوں نہیں دیتا؟ خدا کی قسم، یہ جنگ اس اکیلے سوار کی نہیں۔“

مجاہدین اس سوار کی حیرت ناک شجاعت کو دیکھ کر جوش سے بھرت رہے تھے اور وہ بھی حملے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ خالدؓ نے حملے کا حکم دے دیا۔

اب مجاہدین اسلام نے جو حملہ کیا تو یہ ایسے غضب ناک سیلاب کی مانند تھا جو بند توڑ کر آیا ہو اس ایک پراسرار سوار نے مجاہدین کے لشکر میں قہر بھرا تھا۔ مجاہدین نے خالدؓ کی بتائی ہوئی ترتیب سے حملہ کیا لیکن وہ سوار اپنے لشکر سے الگ تھلک اپنی طرز کی لڑائی لڑتا رہا۔ خالدؓ اس تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن وہ تو جیسے پاگل ہو چکا تھا یا وہ خود کشی کے انداز سے لڑ رہا تھا۔ ایک بار پھر وہ خالدؓ کے قریب گزرا۔

”رک جا اسے جان پر کھیلنے والے!۔۔۔ خالدؓ چلائے۔“ کون ہے تو؟“ سوار نے گھوڑا ڈارو کا۔ خالدؓ کی طرف دیکھا۔ کپڑے کے نقاب اس کی چھپتی ہوئی آنکھیں نظر آتیں اور اس نے گھوڑے کو اڑا لگا دی۔ خالدؓ نے اپنے دو محافظوں سے کہا کہ اس سوار کو گھیر کر لے آئیں ورنہ یہ مارا جائے گا۔ دیکھو، یہ تھک بھی گیا ہے۔ دونوں محافظوں نے گھوڑے دوڑا دیئے اور اسے جالیا۔ ”کیا تو نے سننا نہیں سالار اعلیٰ نے تجھے بار بار پکارا ہے؟“ ایک محافظ نے اسے کہا۔ سوار محافظوں کو چپ چاپ دیکھتا رہا۔

”سالار اعلیٰ تجھ سے مخاف نہیں۔“ دوسرے محافظ نے کہا۔ ”اور اس سے خارج تحین وصول کر۔“ سوار نے ایک بار پھر گھوڑے کا رخ دشمن کی طرف کر دیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اڑ لگتا، ایک محافظ نے اپنا گھوڑا اس کے آگے کر دیا اور دوسرے نے اس کی نگام پکڑ لی عجیب بات تھی کہ سوار نے کوئی بات نہ کی اور نقاب سے اس کی صرف آنکھیں نظر آتی رہیں۔ یہ عام سی آنکھیں نہیں تھیں۔

محافظ اسے اپنے ساتھ لے گئے اور خالدؓ کے سامنے جا کھڑا کیا۔ اس نے برچی اور تلوار سے اتنے زیادہ رومیوں کو ہلاک کیا تھا کہ دونوں ہتھیار پورے کے پورے لال ہو گئے تھے اور ان سے خون بہہ رہا تھا اس سوار کے ہاتھوں تک چلا گیا تھا اور کپڑوں پر بھی چھینٹے پڑے تھے۔ خالدؓ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو اس نے نظریں جھکا لیں۔

”آنکھوں سے تو نور لڑکا لگتا ہے۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”تو نے اپنی شجاعت کا سبک میرے دل پر بٹھایا ہے۔ تیری قدر میرے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔ خدا کی قسم، میں تیرا چہرہ دیکھوں گا اور تو بہت کدڑ ہے کون؟“

علائے میں آکر آباد ہوئے تھے۔ خالد کے دو چار سوار چھوٹی سی ایک بستی کے قریب گزرتے دیکھ گئے۔ وہ پانی بیٹا چاہتے تھے۔ بستی کے لوگ اس خیال سے خوفزدہ ہو گئے کہ یہ فاتح فوج کے آدمی ہیں اس لیے یہ لوٹ مار کریں گے اور حجان لڑکیوں پر ہاتھ ڈالیں گے۔ آبادی میں بڑا لوٹکاسی ہو گئی۔ دو آدمی مسلمان سواروں کے پاس آئے۔

”ہم بھی عرب کے باشندے ہیں۔“ انہوں نے سواروں سے کہا۔ ”ہم مسلمان تو نہیں مگر بھی عرب کی مٹی کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ ہماری خاطر اس بستی پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔“

”تم نہ کہتے تو سچی ہم اس بستی کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے۔“ ایک مسلمان سوار نے کہا۔ ”ان لوگوں سے کہو کہ ہم سے نہ ڈریں۔ ہم تم سب کے محافظ ہیں۔ ہم پانی پی کر چلے جائیں گے۔“

دونوں عربوں نے بستی کے لوگوں سے کہا کہ وہ ڈریں نہیں اور اپنے گھروں میں رہیں۔ ان عربوں نے سواروں کو اور ان کے گھوڑوں کو پانی پلا یا اور اس دوران وہ سواروں کے ساتھ تھیں بھی کرتے رہے۔ باؤل باتوں میں ان عربوں نے سواروں کو بتایا کہ ایک گھوڑے پر دو میوں نے ایک آدمی کو باندھ رکھا تھا۔ اُس کا سر نکٹا تھا اور اُس کی تھیں بھی نہیں تھیں اور اُس کے ایک بازو پر پٹیاں باندھی ہوئی تھیں۔

”اُسے انہوں نے یہاں پانی پلانے کے لیے روک رکھا تھا۔“ ایک عرب نے بتایا۔ ”وہ تمہارا ساتھی حاتم ہوتا تھا۔“

مسلمان سواروں کو شک نہ رہا۔ یہ حضرات تھے سواروں نے ان عربوں سے مزید معلومات لیں۔ حضرات کے ساتھ تقریباً ایک سو آدمی تھے۔ وہ روٹی شکر کی لپٹائی سے بہت پیٹے وہاں سے گزرے تھے اور وہ جس کی طرف جا رہے تھے۔

مسلمان سواروں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ وہ پیچھے جا کر سپہ سالار کو حضرات ابن الازد کے متعلق یہ اطلاع دے۔

”الحمد للہ!۔“ خالد نے بیخبر سن کر کہا۔ ”حضرات زندہ ہے اور وہ زندہ رہے گا۔ انہوں نے اسے قتل کرنا ہوتا تو کچھ ہوتے۔ وہ اُسے اپنے بادشاہ کے پاس لے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔ ان عمو کو بلاؤ۔“ رافع ابن حمیرہ آئے تو خالد نے انہیں حضرات کے متعلق جو اطلاع ملی تھی، پوری سن کر کہا کہ وہ ایک سو سوار جن میں جو جان پر کھیلنے والے شہسوار ہوں۔ انہیں ساتھ لے کر محض کی طرف ایسا راستہ اختیار کریں جو راستہ نہ ہو مطلب یہ تھا کہ راستہ چھوٹا کر کے جس کی طرف جائیں اور ان ایک سو آدمیوں کو روکیں اور ابن الازد کو رہا کر دیں۔

رافع جب سواروں کا انتخاب کر رہے تھے تو حضرات کی بہن کو پتہ چل گیا کہ رافع حضرات کو آزاد کرانے کے لیے جا رہے ہیں۔ وہ رافع کے پاس دوڑی گئیں اور کہنے لگیں کہ وہ جی ان کے ساتھ جائیں گی۔ ”انہیں بنت الازد!۔“ رافع نے کہا۔ ”خدا کی قسم جو کام ہمارا ہے وہ ہم ایک عورت سے نہیں کرائیں گے۔ تجھے تیرا بھائی چاہیے۔ وہ تھیں مل جائے گا۔ نہیں ملے گا تو ہم بھی واپس نہیں آئیں گے۔“

”میں اگر سپہ سالار سے اجازت لے لوں!“

”تو میرا امیر ہے اور میرا سالار ہے۔“ سوار نے کہا۔ ”اور تو میرے لیے غیر مرد ہے۔ میں تیرے سامنے اپنا چہرہ دیکھنے کے قابل کروں۔ جسے تو میری شجاعت کہتا ہے یہ ایسا اشتعال اور غصہ ہے جو میرے اختیار سے باہر ہے۔“

”تجھ پر اشد کی رحمت ہو۔“ خالد نے اس سوار کی بات سن کر کہا۔ ”کس کی بیٹی ہے تو؟ کس کی بہن ہے تو؟“

”میں الازد کی بیٹی خولہ ہوں۔“ اُس نے جواب دیا۔

”حضرات ابن الازد کی بہن!۔“ خالد نے کہا۔

”خدا کی قسم!۔“ خولہ بنت الازد نے کہا۔ ”میں اپنے بھائی کو رہوں کی قید سے چھڑا کر دم لوں گی۔“ خوش نصیب ہے الازد جس کے گھر میں حضرات جیسے بیٹے اور خولہ جیسی بیٹی کے جنم لیا ہے۔ خالد نے کہا۔ ”یہ لڑائی صرف تیری نہیں بنت الازد ہمارے ساتھ رہ اور دیکھ کہ ہم تیرے بھائی کو کس طرح رہا کر آتے ہیں۔“

اُس دو دن میں عورتیں بھی اپنے خاندانوں اور بھائیوں کے ساتھ میراں جنگ میں جایا کرتی تھیں۔ خولہ اپنے بھائی حضرات کے ساتھ آتی تھیں۔ انہیں پتہ چلا کہ ان کے بھائی کو رہوں نے قید کر لیا ہے تو انہوں نے اسے ذاتی جنگ سمجھ لیا۔ سپہ سالار خالد کی بھی پرواہ نہ کی اور وہیں پر ٹوٹ پڑیں۔ عورتیں اور بچے و مشن کے مضامین میں تھے۔ خولہ وہاں سے خالد کے چار ہزار سواروں کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھیں۔ جوں ہی رومی اور مسلمان آمنے سامنے آئے خولہ نے گھوڑے کو اڑنے لگا دی اور وہیں پر ٹوٹ پڑیں۔

خولہ نے ایسی مثال قائم کر دی جس نے مجاہدین اسلام کو نیا حوصلہ اور نیا دلولہ دیا۔

اب مسلمانوں کی نفی بھی زیادہ ہو گئی تھی اور قیادت خالد کی تھی۔ خالد کے ساتھ چار ہزار سوار گئے تھے وہ تازہ دم تھے۔ اس کے علاوہ پورا لشکر حضرات کے قیدی ہو جانے پر گم ہوا تھا۔ وہیں کے لیے اس حملے کو برداشت کرنا ناممکن ہو گیا۔ انہوں نے جم کر لڑنے کی کوشش کی لیکن خالد کی چالوں اور ان کے لشکر کے غیظ و غضب کے سامنے رومی ٹھہر نہ سکے۔ وہیں کی فوج چونکہ ایک منظم اور تربیت یافتہ فوج تھی اس لیے اس کی پستی بھی منظم تھی۔ اسے پسپا کرنے میں خالد کو بہت زور لگانا پڑا۔ وہیں کی پستی سے یہ مقصد پورا ہو گیا کہ مشن کے دفاعی و ستے ٹھک اور رسد سے محروم رہے۔ وہیں کا یہ کمال تھا کہ وہ جو بہت ساتھ لائے تھے وہ اپنے ساتھ ہی لے جا رہے تھے۔

اب دوسرا مقصد سامنے تھا اور وہ تھا حضرات کی رہائی۔ اس مقصد کے لیے خالد نے وہیں کا تعاقب جاری رکھا۔ رومی اور تین بی سے پسپا ہونے لگے۔ خالد نے ہر داؤ کھیلنا مگر وہیں نے کوئی داؤ کا سیانہ نہ بونے دیا۔ خالد نے تعاقب کی رفتار کم نہ کی۔ ان کی کوششیں بھی رومی نہیں دیکھنے نہ پائیں۔ خالد خود پیچھے رہ گئے۔

یہ سن کا انیہار تھا جو اللہ نے قبول کیا اور یہ حضرات کا عین رسول تھا جو اللہ کو اچھا لگا۔ حضرات کی سرخروشی کو اللہ نے نظر انداز نہ کیا۔ پتہ چلا کہ حضرات وہیں کی قیدیوں زندہ ہیں۔ یہ خبر دینے والے دو عرب تھے جو ان

”ابن ولید تجھے اجازت نہیں دے گا الازور کی بیٹی! — رافع نے کہا۔
خولہ ماؤس ہو گئیں۔

رافع چنے ہوئے ایک سو سواروں کے ساتھ بڑی عجلت سے روانہ ہو گئے۔ انہوں نے حمص کی طرف جانے والے راستے کا اندازہ کر لیا تھا۔ وہ اس راستے سے دُور دُور تیز رفتار سے گھوڑے دوڑاتے گئے۔ وہ زیادہ دُور نہیں گئے ہوں گے کہ ایک طرف سے ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا آ رہا تھا۔ وہ رومی نہیں ہو سکتا تھا۔ رومی ہوتا تو اکیللا نہ ہوتا۔ وہ خالد کا قاصد ہو سکتا تھا۔ کوئی نیا حکم لایا ہو گا۔ وہ قریب آیا تو اس کا سبب نما اور چہرے پر کڑے کا نقاب نظر آیا۔

”ابن عمیرہ! — سوار نے لگا کر کہا۔“ اپنے بھائی کو آواز کرنے کے لیے میں آگئی ہوں۔“

”کیا سپہ سالار نے تجھے اجازت دے دی ہے؟ — رافع نے پوچھا۔

”اپنے بھائی کو قید سے چھڑانے کے لیے مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔“ خولہ بنت الازور نے کہا۔ ”اگر تو مجھے اپنے سواروں میں شامل ہونے دے گا تو میں اکیلی آگے جاؤں گی۔“

”خدا کی قسم بنت الازور! — رافع نے کہا۔“ میں تجھے اکیللا نہیں چھوڑوں گا۔ آج ہمارے ساتھ چل۔“ یہ جوں سال عورت ساتھ چل پڑی۔

ایک سو رومی سوار خزانہ الازور کو گھوڑے پر اس حالت میں اٹھائے جا رہے تھے کہ ان کے ہاتھ رومیوں سے بندھے ہوئے تھے اور پاؤں اس طرح بندھے تھے کہ گھوڑے کے پیٹ کے نیچے سے رسی گرا کر دونوں ٹخنوں سے بندھی ہوئی تھی۔ رومی ان پر کھبتیاں کتے اور ان کا مذاق اڑاتے جا رہے تھے اور خزانہ چپ چاپ سنتے جا رہے تھے۔

ایک جگہ راستہ نشیب میں چلا جاتا تھا۔ اس کے دائیں بائیں علاقہ کھڈوں کا تھا۔ جب رومی اس نشیب میں سے گزر رہے تھے تو اچانک داییں، بائیں، آگے اور پیچھے سے رافع کے سواروں نے ان پر ہتھ بول دیا۔ رومیوں کے لیے حملہ غیر متوقع تھا۔ وہ اس طرح جا رہے تھے جیسے میوے پر جا رہے ہوں۔ طرّاؤ کی بہن خولہ نے اپنے بھائی کو دیکھا تو اس نے رومیوں پر اسی طرح حملہ شروع کر دیا جس طرح وہ پوری رومی فوج پر کرچکی تھی۔ رافع بھی ایسے ہی جوش میں تھے۔ ان کے سوار ہزاروں میں سے چنے ہوئے تھے۔ انہوں نے رومیوں کا ایسا برا حال کر دیا کہ ان میں سے جو مرے نہیں یا زخمی نہیں ہوئے تھے، بھاگ اُٹھے۔

خطرہ یہ تھا کہ رومی خزانہ کو قتل کر دیں گے۔ ان کی بہن تلوار اور جھجھی چلاتی خزانہ تک پہنچ گئی۔ رومیوں نے ان کی یہ کوشش کا سیاق نہ ہونے دی کہیں رافع نے ایسا بلہ بولا کہ رومی سوار بکھر گئے پھر وہ اُفروا بھاگ اُٹھے۔ سب سے پہلے خزانہ نے رافع سے اُٹھ ملایا اور جب بہن بھائی ملے تو وہ منظر رقت انگیز بھی تھا اور دلورہ انگیز بھی۔ بہن اپنے بھائی کے زخم دیکھنے کو بیتاب تھی۔

بعض تونوں نے خولہ کے یہ الفاظ لکھے ہیں۔ امیر سے عزیز بھائی امیر سے دل کی پیش دیکھ کس طرح تیرے فراق میں جل رہا ہے۔“

”اپنے زخم دکھاؤ ضرار! — بہن نے بیانی سے کہا۔

”مست دیکھو خولہ! — خزانہ نے بہن سے کہا۔“ اور یہ زخم مجھے بھی نہ دیکھنے دو۔ یہ زخم دیکھنے کا وقت نہیں۔“ — خزانہ نے رافع اور ان کے سواروں سے کہا۔ ”چلو دو تنہا رومی کہاں ہیں؟ دُشمن کے محاصرے کا کیا بنا؟

رومی لڑکھی رہے تھے اور پابھی ہو رہے تھے۔ یہ ان کی تنظیم بھی تھی اور جرات بھی کہ وہ بھاگ نہیں رہے تھے۔ ایک ایسی جگہ آگئی جس کے دونوں طرف چٹانیں اور کچھ بلند ٹیکریاں تھیں۔ رومی لشکر کو سکوٹا پڑا خالڈ نے اپنے دونوں پہلوؤں کے سالاروں سے کہا کہ وہ چٹانوں کی دوسری اطراف میں نکل جائیں اور سرپٹ رفتار سے رومیوں کے عقب میں چلے جائیں۔

رومی نہ دیکھ سکے کہ چٹانوں کے پیچھے سے ان پر کیا آفت ٹوٹنے والی ہے۔ خالد نے تعاقب کی نفی کم کر دی۔ رومی سمجھے ہوں گے کہ مسلمان تنہا گئے ہیں۔ انہوں نے پسپائی روک لی۔ خالد نے اپنے دستوں کو روک لیا۔

اچانک عقب سے رومیوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ سامنے سے خالد نے شدید حملہ کر دیا۔ رومیوں کی حالت یہ ہو گئی کہ وہ گھوڑوں کو چٹانوں اور ٹیکریوں پر چڑھالے گئے اور دوسری طرف اُتر کر بھاگنے لگے۔ توقع تھی کہ رومی رسد وغیرہ کا جو ذخیرہ ساتھ لا رہے تھے وہ مسلمانوں کے ہاتھ آجائے گا لیکن رومیوں نے گڑھا کڑاؤں اور اونٹوں کو پہلے ہی حمص کو روانہ کر دیا تھا۔

حمص کی طرف تشر جانے والی رگدڑ پر رومیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ زخمی تڑپ اور کراہ رہے تھے۔ ان کے گھوڑے ادھر ادھر آوارہ پھر رہے تھے۔ مجاہدین نے حکم ملتے ہی اپنے ساتھیوں کو لاشیں اور زخمیوں کو اٹھانا، زخمی اور مرے ہوئے رومیوں کے ہتھیاروں کو اکٹھا اور ان کے گھوڑوں کو پکڑنا شروع کر دیا۔

”اکاش! امیر سے پیچھے وُشَق نہ ہوتا۔“ خالد نے کہا۔ ”میں دشمن کے ایک آدمی کو بھی حمص تک نہ پہنچنے دیتا۔“

خالد نے ”تا قیام ترک کر دیا لیکن اس خطرے کے پیش نظر کہ رومی کہیں اکٹھے یا حمص سے ٹک کر منگوا کر واپس نہ آجائیں، اپنے ایک سالار سمط بن الاسود کو بلایا۔

”ایک ہزار سوار اپنے ساتھ لو اور رومیوں کے پیچھے جاؤ۔“ خالد نے کہا۔ ”انہیں کہیں اکٹھے نہ ہونے دینا۔ جنگی قیدی نہیں لینے جو سامنے آئے اُسے ختم کر دو۔ فوراً روانہ ہو جاؤ۔“

”ولید کے بیٹے! — خالد کو کسی کی بیکار سنا دی۔

”وہ آج میرا رنگا جینجو! — خالد نے طرّاؤ کو آتے دیکھ کر لعرہ لگایا۔

طرّاؤ کو اپنے زخموں کی پرواہ ہی نہیں تھی۔ وہ گھوڑے سے کود کر اُترے۔ خالد بھی گھوڑے سے اُترے اور تاریخ اسلام کے وہ عظیم مجاہد ایک دوسرے کے بازوؤں میں جڑے گئے۔ خولہ گھوڑے پر سوار تھی۔ اُس کا چہرہ نقاب میں تھا۔ صرف آنکھیں نظر آتی تھیں جن کی چمک اور زیادہ روشن ہو گئی تھی۔

”خدا کی قسم ابن الاود! — خالد نے کہا۔“ تیری بہن نے تیری خاطر میرا بھی منہ بھیر دیا تھا۔“

ہے، وہ اس شہر میں بھی داخل ہو جائے گی پھر گھر ہمارے ٹوٹے جائیں گے، بچے ہمارے بچے جائیں گے اور لوگیاں ہماری اٹھائی جائیں گی۔

”ہم یہاں تک نوبت نہیں آنے دیں گے۔ سالار توما نے کہا۔

”سالار معظم“ ایک اور شہری نے کہا۔ ”آپ کو یقیناً معلوم ہو گا کہ نوبت کہاں تک پہنچ چکی ہے۔ شہر میں خوراک اتنی کم رہ گئی ہے کہ لوگوں نے دوسرے وقت کا کھانا چھوڑ دیا ہے۔ دو تین دنوں بعد صرف پانی رہ جائے گا۔ غور کریں۔ لوگ فاقہ نشی سے تنگ آ کر بغاوت بھی کر سکتے ہیں۔ یہ صورت سلطنتِ ہند کے لیے اچھی نہیں ہوگی۔“

”کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ بغاوت کی سزا کیا ہے؟“ توما نے شاہی عصب سے کہا۔

”ہم جانتے ہیں سالار عالی!“ وفد کے ایک آدمی نے کہا۔ ”ہم آپ کو قحط اور اس سے پیدا ہونے والی بغاوت کے نتائج بتانے آئے ہیں۔ کیا اس تباہی سے اور لوگوں کو بھوکا مارنے سے بہتر نہ ہو گا کہ آپ مسلمانوں سے صلح کر لیں؟“

”دشمن سے صلح کا مطلب ہوتا ہے ہتھیار ڈالنا۔“ توما نے کہا۔ ”میں اس سے بغیر کوئی ایسا فیصلہ نہیں کروں گا جو دم کی عظیم سلطنت کی توہین کا باعث ہو۔ ہم اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں اور تم لوگ ایک وقت کی بھوک برداشت نہیں کر سکتے۔۔۔۔۔ جاؤ، کل تک انتظار کرو۔“

۶۶۴ء کے تیسرے ہفتے کی ایک صبح تھی۔ رومی سالار توما نے شہر کے ہر دروازے کی حفاظت کے لیے جو دستے متعین کیے ہوئے تھے، ان سب میں سے زیادہ سے زیادہ فوجی نکال کر اکٹھی کی اور وہ دروازہ کھلوا دیا جو اس کے اپنے نام سے موسوم تھا۔ باب توما۔ اور اپنی قیادت میں مسلمانوں کے اس دستے پر حملہ کر دیا جو اس دروازے کے سامنے متعین تھا۔

یہ پانچ ہزار مسلمان سواروں کا دستہ تھا جس کے سالار شریل بن حسنہ تھے۔ توما کے حملہ کا انداز آج کے دور کی جنگ کا سا تھا۔ اس نے دیوار اور برجوں سے مسلمانوں پر تیروں کی بوچھاڑیں مارنی شروع کیں اور اس کے ساتھ فلاخنوں سے سنگ باری کی تیروں اور پتھروں کے ساتھ اس نے اپنی فوج کو تیز حملے کے لیے آگے بڑھایا تھا۔ یہ طریقہ کار گرجا۔ مسلمان پیچھے ہٹنے پر مجبور نظر آنے لگے تھے اور ان کا دھیان تیروں اور پتھروں سے بچنے پر لگا گیا تھا۔

”کوئی پیچھے نہیں ہٹے گا۔“ سالار شریل نے چلا کر کہا۔ ”تمام تیر انداز آگے ہو جاؤ۔“

مسلمان تیر اندازوں نے جوابی تیر اندازی شروع کر دی۔ رومیوں کے پتھر اور تیر چوکھ اور سے آ رہے تھے اور زیادہ بھی تھے اس لیے مسلمانوں کا نقصان زیادہ ہو رہا تھا۔ پہلی بوچھاڑوں میں کئی مسلمان شہید ہو گئے ان کے تیروں نے رومیوں کا کچھ نقصان کیا لیکن یہ مسلمانوں کے مقابلے میں کم تھا۔

مورخ داؤدی، طبری اور ابو سعید نے ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ رومی تیروں سے شہید ہونے والوں میں ایک مجاہد ابان بن سعید بھی تھے جن کا پورا نام ابان بن سعید بن العاص تھا۔ فوراً ہی ابان کی شہادت کی خبر پیچھے ان خیموں تک پہنچ گئی جن میں مسلمانوں کی خواتین اور بچے تھے۔

”اس بہن پرائیڈ کی رحمت ہو۔“ ضرار نے کہا۔ ”تو مجھے بتا میں کیا کروں؟“

”کیا تو عکس نہیں کر رہا کہ تجھے ابھی آرام کرنا چاہیے؟“ خالد نے کہا۔ ”پہلے جراح کے پاس جا اور اس سے اپنے زخم دکھا۔“

ضرار بن الازد جراح کے پاس چلے تو گئے لیکن بیٹیاں بندھا کر آ گئے۔

سالارِ مسطین الاسود رومیوں کے تعاقب میں گئے۔ رومی بُری طرح بھاگے جا رہے تھے ان کی آدھی فوج تیر لڑائی اور سپاہی میں ختم ہو گئی تھی اور باقی نصف بچھ لگتی تھی۔ مسط جب حص کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ رومی حص کے قلعے میں داخل ہوئے جا رہے ہیں۔ اس دور میں حص ایک قلعہ بند قصبہ ہوا کرتا تھا۔

مسط وہاں جا کر ٹک گئے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ قلعے کے اندر کتنی فوج ہے، پھر بھی انہوں نے اپنے ہزار سواروں کو قلعے کے ارد گرد اس انداز سے دوڑایا جیسے وہ محاصرہ کرنا یا قلعے پر حملہ کرنا چاہتے ہوں۔

قلعے کا دروازہ کھلا اور تین چار آدمی جو فوجی نہیں تھے، باہر آئے۔ وہ رومی نہیں متحافی باشندے تھے۔ سالارِ مسطین الاسود نے انہیں اپنے پاس بلایا۔

”کیوں آتے ہو؟“ مسط نے پوچھا۔

”اسن اور دوستی کا پیغام لے کر آئے ہیں۔“ ایک نے کہا۔ ”رومی مزید لڑائی نہیں چاہتے۔“

”کیا تمہارا شہنشاہ ہرقل بھی مزید لڑائی نہیں چاہتا؟“ مسط نے پوچھا۔

”ہم شہنشاہ روم کی ترجیحی نہیں کر سکتے۔“ حص کے ایک شہری نے کہا۔ ”ہم یہ پیغام لائے ہیں کہ حص والے نہیں لڑنا چاہتے۔ آپ جس قدر سامان خور و نوش چاہتے ہیں ہم سے لے لیں۔ آپ جتنے دہن بھی یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں کریں۔ آپ کی فوج اور گھوڑوں کو خوراک ہم ہٹا کر دیں گے۔“ کسی بھی تاریخ میں نہیں سمجھا کہ سالارِ مسط نے حص میں رومیوں سے صلح کی کیا شرائط منوائی تھیں۔ وہ واپس آ گئے۔ خالد اپنے لشکر کے ساتھ دمشق جا چکے تھے۔

مورخ لکھتے ہیں کہ خالد جب دمشق پہنچے تو شہر کے اندر مایوسی اور خوف دہرا س کی لہر دوڑ گئی۔

شہر والوں کو پہلے یہ اطلاع ملی تھی کہ انطاکیہ سے ٹک اور رسد آ رہی ہے۔ اب انہیں اطلاع ملی کہ لوگ کو مسلمانوں نے راستے میں ختم کر دیا ہے۔ دمشق میں رومی سالار توما تھا جو شہنشاہ ہرقل کا داماد تھا۔ چند ایک شہری وفد کی صورت میں توما کے پاس گئے۔

”کیا آپ کو کسی نے بتایا ہے کہ شہر میں لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں؟“ ایک شہری نے کہا۔

”کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ یہ بُری بات ہے؟“ توما نے کہا۔ ”ہم نے ابھی محاصرہ توڑنے کے کارروائی کی ہی نہیں۔ کیا تم لوگ مجھے یہ مشورہ دینے آئے ہو کہ میں مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دوں؟“

”ہم سالارِ معظم کو شہر کی صورت حال بتانے آئے ہیں۔“ وفد کے ایک آدمی نے کہا۔

ابان بن سعید کی بیوی بھی وہیں تھی۔ ان کی شادی ہوئے چند ہی دن گزرے تھے۔ یہ خاتون لشکر کے ساتھ زخمیوں کی دیکھ بھال اور پانی پلانے کے فرائض کے لیے آتی تھیں اور محافظ ہی اسے ابان شہید نے اپنے عقد میں لے لیا۔ یہی مورخ نے اس خاتون کا نام نہیں لکھا۔ اُسے پتہ چلا کہ اُس کا خاندان شہید ہو گیا ہے تو وہ اٹھ دوڑی اور شہر جیل کے دستے میں جا پہنچی۔

”کہاں ہے میرے خاندان کی لاش؟“ وہ چلانے لگی۔ ”کہاں ہے سعید کے بیٹے کی لاش؟“ پانچ ہزار گھوڑ سواروں میں جن پر تیر اور پتھر برس رہے تھے، ابان بن سعید شہید کی بیوہ دوڑی اور شہید کی لاش کا پوچھتی پھر تہی کسی نے اُسے پیچھے جانے کو کہا اور یہ بھی کہ اُس کے خاندان کی لاش اُن کے پاس بھیج دی جائے گی لیکن وہ تو صدمے سے جیسے دماغی توازن کھو بیٹھی تھی۔

کسی نے اُسے وہ کچھ دکھادی جہاں ابان کی لاش پڑی تھی۔ ابھی لاشیں نہیں اٹھائی جاسکتی تھیں۔ ابان تیر انداز تھے۔ اُن کے جسم میں تین تیر اُترے ہوئے تھے اور وہ گھوڑے سے گر پڑے تھے۔ اُن کی کمان لاش کے قریب پڑی ہوئی اور ترش میں ابھی تیر موجود تھے۔ ان کی بیوی نے کمان اور ترش اٹھائی اور دو ترک تیر اندازوں کی صف میں جا پہنچی۔

سامنے دیوار پر ایک پادری کھڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں بڑے سائز کی صلیب تھی جو اُس نے اُوپر کر رکھی تھی۔ یہ اُس دور کا رواج تھا کہ صلیب فوج کے ساتھ رکھتے تھے تاکہ فوج کا یہ احساس زندہ رہے کہ وہ صلیب کی ناموس کی خاطر لڑ رہے ہیں۔

ابان شہید کی بیوہ اپنے تیر اندازوں سے آگے نکل گئی۔ اُس کے قریب تیر گرنے اور زمین میں اُترنے لگے۔ اپنے تیر اندازوں نے اُسے پیچھے آنے کو کہا لیکن وہ کسی کی سن ہی نہیں رہی تھی۔ اُس کی بے خونی خولہ بنت الانور جیسی تھی۔ وہ جوں جوں آگے کو سرکتی جا رہی تھی، اُس کے قریب رومیوں کے آئے ہوئے تیر زمین پر کھڑے ہوتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ایک تیر اُس کے پیلوں کی پٹروں میں لگا دوڑیں لٹک گیا۔ یہ تیر بھی اُسے آگے بڑھنے سے روک نہ سکا۔

آخر وہ رک گئی اور اُس نے کمان میں تیر ڈالا اور کمان سامنے کر کے شہت باز تھکے دیر لگائی۔ اُس نے کمان اتنی زیادہ کھینچ لی تھی ایک تندرست مرد کھینچ سکتا ہے اور اس نے تیر چھوڑ دیا۔ اُس کا تیر وہی تیروں کی پوچھاڑوں کو چیرتا ہوا اُس پادری کی گردن میں اتر گیا جس نے صلیب کو تمام رکھا تھا۔ پہلے اُس کے ہاتھ سے صلیب گری اور اُدھکتی ہوئی باہر آ پڑی۔ پادری بھی پیچھے ہادیں باتیں کر کے کی بجائے دیوار پر گرا اور صلیب کے پیچھے پیچھے باہر کی طرف آ پڑا۔

ابان شہید کی بیوہ نے نعرہ لگایا اور پیچھے آگئی۔ ”میں نے انتقام لے لیا ہے۔... سہاگ کے بدلے صلیب گرا دی ہے۔“ وہ تیر اندازوں سے آگئی اور تیر چلاتی رہی صلیب، اور پادری کے گرنے کا اثر مسلمانوں پر یہ ہوا کہ ان کا حوصلہ بڑھ گیا اور اُن کا حوصلہ اُس لیے بھی بڑھا کہ یہ تیر ایک عورت نے چلایا تھا۔ صلیب کے گرنے کا اثر جو رومیوں پر ہوا وہ اُن کے لڑنے کے جذبے کے لیے اچھا نہ تھا۔

دروازہ۔۔۔ باب تو ما کھل چکا تھا۔ تو مانے دیکھ لیا تھا کہ اُس کی تیر اندازی اور سنگ باری نے

مسلمانوں کی حالت کو رد کر دی ہے۔ اُس نے حملے کا حکم دے دیا عجیب بات یہ ہے کہ اُس نے سواہل کے مقابلے میں سوار نہ نکالے۔ اُس نے پیادوں سے حملہ کر لیا اور کمان خود باہر آ کر کی۔ وہ سپاہیوں کی طرح لڑا رہا تھا۔ مورخ واقی اور بلاذری نے لکھا ہے کہ تو ما کی آواز ایسی تھی جیسے اوٹل بدستی کی حالت میں بڑی بلند اور غصیلی آوازیں نکالتا ہے۔

شہر جیل نے بڑی تیزی سے اپنے سواروں کو آسنے سانسے کی لڑائی کی ترتیب میں کھلایا۔ تو مانے یہ چال چلی کہ اپنے دستوں کو کھینچ لیا۔ اس کی فوج کی تعداد مسلمانوں کی نسبت زیادہ تھی۔ اُس کے پیادے سواروں کا مقابلہ بڑی بے جگری اور ہمت سے کر رہے تھے۔ شہر کے دوسرے دروازوں کے سامنے مسلمانوں کے جو دستے متعین تھے وہ اس وجہ سے شہر جیل کی مدد کو نہیں آ رہے تھے کہ ایسا ہی حملہ دوسرے دروازوں سے بھی ہو سکتا تھا۔

تو مانہ اور دروازہ ہٹا۔ اُسے مسلمانوں کا چرم نظر آ گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کا سالار وہاں ہے۔ وہ سیدھا اُدھر آیا۔ شہر جیل نے اُسے دیکھ لیا اور تلوار سنوت کر اُس کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو مارا۔ اُن میں دس بارہ قدم فاصلہ رہ گیا ہو گا کہ ایک تیر تو ما کی داتیں آنکھ میں اُتر گیا۔ اُس نے ہاتھ اُس آنکھ پر رکھ لیے اور وہ بیٹھ گیا۔ شہر جیل نے آگے بڑھ کر اُس پر حملہ نہ کیا۔ تو ما کے محافظوں نے اُس کے گرد حصار بنالیا پھر اسے اٹھا کر لے گئے۔

موتروں نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ یہ تیر ابان بن سعید شہید کی بیوہ نے چلایا تھا۔ اپنے سالار کے گرنے سے رومیوں کا حوصلہ بھی گر پڑا اور وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ شہر جیل کے سپاہیوں والے تیر اندازوں نے تیروں کی پوچھاڑیں ماری شروع کر دیں۔ رومی تیزی سے پیچھے ہٹے اور قلعے کے دروازے میں غائب ہونے چلے گئے اور پیچھے جولا شیں چھوڑ گئے ان کا کوئی حساب نہ تھا۔ ”رومیوں کا سپہ سالار مارا گیا ہے۔“ مسلمانوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ ”ہم رومیوں کے قاتل ہیں۔۔۔ رومی سالار کو ایک عورت نے مار ڈالا ہے۔۔۔ تو ما رومی کو اندھا کر کے مارا ہے۔۔۔ باہر آؤ رومیو اپنی صلیب اور پادری کو اٹھالے جاؤ۔“

دیوار پر کھڑے رومی یہ نعرے سن رہے تھے اور یہ نعرے شہر کے اند بھی سنائی دے رہے تھے۔ یہ نعرے رومی فوج اور دمشق کے شہریوں کے حوصلے اور جذبے کے لیے تیروں کی طرح اٹھاتے تھے۔ مسلمانوں کا جانی نقصان بھی کچھ کم نہیں تھا۔ بہت سے مجاہدین رومیوں کے تیروں اور پتھروں سے شہید اور زخمی ہو گئے، پھر اتنی تعداد لڑائی میں شہید ہوئی کہ شہر جیل پریشان سے ہو گئے اور خالہ کے پاس گئے۔

شہر جیل بن حسنہ نے خالہ کو لڑائی کی ساری روئیدار سنائی اور یہ بھی بتایا کہ رومی سپہ سالار تو ما اگر مارا نہیں تو وہ لڑائی کے لیے ناکارہ ہو گیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اُن کی کتنی نفری شہید اور کتنی زخمی ہو گئی ہے۔

”اگر رومیوں نے ایسا ہی ایک اور حملہ کیا تو شاید ہم نہ روک سکیں۔“ شہر جیل نے اُلٹے سے کہا۔ ”مجھے کمک کی ضرورت ہے۔“

”حسنہ کے بیٹے! — خالد نے کہا۔“ ایسا حکم کسی اور دروازے سے ہم میں سے کسی اور پر بھی ہو سکتا ہے کسی بھی دستے کی نفی کم نہیں کی جاسکتی۔۔۔ ابن حسنہ! خدا کی قسم، تو بہت لمبے دالوں میں سے نہیں تھا۔ کیا اپنے اتنے زیادہ سلاخیوں کے خون نے تیرا حوصلہ کمزور کر دیا ہے؟“

”نہیں ابن ولید! — شمر جیل نے کہا۔“ اگر مجبوری ہے تو میں ایک آدمی کی بھی کمک نہیں مانگوں گا۔“

”میں تجھے تمنا نہیں چھڑوں گا۔“ خالد نے کہا۔ ”تجھ پر حملہ ہوا تو ہم دیکھتے رہیں گے۔ اگر حملہ تیسری برداشت سے باہر ہوا تو ضرور تیری مدد کو پہنچے گا۔“

”چھری ضرورت پڑی تو میں بھی آ جاؤں گا۔۔۔ تیرے پاس جتنی بھی نفی روگنی ہے اسے تیار رکھ۔“ رومیوں کے سالار کو اگر آکھ میں تیر لگا ہے تو ایک دو دن رومی باہر آکر حملہ نہیں کریں گے۔“

خالد کی رائے صحیح نہیں تھی۔ تو مانے ایک معجزہ کر دکھایا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں جنگجو تھا۔ چونکہ وہ شاہی خاندان کا فرد تھا اس لیے سلطنت روم کی جو محبت اس کے دل میں تھی وہ قدرتی تھی۔ بعد میں یہ پہلے چلا تھا کہ اس کی آنکھ میں تیر لگا تو اسے اٹھا کر اندر لے گئے جراح نے دیکھا کہ تیر اتنا زیادہ نہیں اڑا کہ تو ماکہ بھارت کا باعث بن جائے۔ کیونکہ یہی بڑی کوتاہی نے مجروح نہیں کیا تھا۔ یہ صرف آنکھ میں اڑا لیکن نکالا نہیں جاسکتا تھا۔

”کاٹ دو اسے! — تو مانے جراح سے کہا۔“ باقی اندر ہی رہنے دو اور اس آکھ پر پٹی باندھ دو۔“

دوسری آنکھ پر پٹی نہ آئے۔ میں آج رات ایک اور حملہ کر دوں گا۔“

”سالار عالی! — جراح نے کہا۔“ کیا کبڑ ہے ہیں آپ ہاں لڑائی کے قابل نہیں۔“

”اس ایک آنکھ کے بدلے مسلمانوں کی ایک ہزار آنکھیں ضائع کر دوں گا۔“ تو مانے کہا۔ ”میں نہیں صرف شکست نہیں دوں گا میں ان کے وطن عرب تک ان کا تعاقب کر دوں گا میں اپنے کام کو اس وقت مکمل سمجھوں گا جب ان کے مکہ کو اس قابل رہنے دوں گا کہ وہاں صرف جانور رہ جائیں گے۔“

تو مانے یہ الفاظ متعدد دہرائیوں نے لکھے ہیں اور واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے لہذا یہی یورپی تاریخ دان ہنری سٹیتھ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ان سب کی تحریروں کے مطابق تو مانے حکم سے جراح نے تیر آکھ کے قریب کاٹ دیا اور اوپر پٹی کس کر باندھ دی۔ یہ جلد بے اور عزم کی نیکی کا کوشش تھا کہ تو مانے اتنے شدید زخم کو برداشت کر لیا اور حکم دیا کہ آج ہی رات باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ کیا جائے گا۔

”اتنی ہی فوج باب تو مانے کے سامنے آکھی کی جاتے تھے میں دن کے حملے میں لے گیا تھا۔“ تو مانے حکم دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

چلتے چلتے اس نے شراب پی اور ہتھیار بند ہو کر باہر نکل گیا۔

ان راتوں کو چاند پورا ہوتا تھا۔ ضنا صاف رہتی تھی اس لیے چاند فی شفاف ہوتی تھی۔ تو مانے بڑا اچھا طریقہ اختیار کیا۔ اس نے اپنے تمام دستوں کے گاہکوں کو حکم دیا کہ تین اور دروازوں — باب صغیر، باب شرق اور باب جابہ — سے باہر جا کر مسلمانوں پر اس طرح حملے کریں کہ اپنے آپ کو لڑائی میں زیادہ نہ لگجائیں بلکہ انہیں اپنے ساتھ لڑائی میں مصروف رکھیں۔ وہ خود بڑا حملہ باب تو مانے سے کر رہا تھا۔ دوسرے دروازوں سے حملے کرانے سے اس کا مطلب یہ تھا کہ شمر جیل کو کسی طرف سے

مدد نہ مل سکے۔

”تھخا دشمن اس وقت حملے کی توقع نہیں رکھتا ہوگا۔“ تو مانے اپنے نائب سالاروں سے کہا۔ ”تم انہیں سوتے میں دبوچ لو گے۔“

تو ان کی فوج چار دروازوں سے باہر نکل۔ وقت آدھی رات کا تھا۔ چاندنی اتنی صاف تھی کہ اپنے پر لے کر کوچہ بجا جاسکتا تھا۔ مسلمانوں پر چار گھوڑوں سے حملے ہوئے۔ ایک دروازے کے سامنے سالار ابو عبیدہ تھے دوسرے کے سامنے یزید بن ابوسفیان تھے۔ ابو عبیدہ نے رومیوں کو جلدی مجکھا دیا اور رومی قلعے میں واپس چلے گئے۔

یزید بن ابوسفیان کی حالت کمزور سی ہو گئی۔ رومیوں نے ان پر بڑی شدید بولا تھا۔ یزید نے مقابلہ کر لیا لیکن رومی ان پر حادی ہوتے جارہے تھے۔ قمر بن الازرد مدد دینے کے کام پر مامور تھے۔ انہیں پہنچا کر یزید کو مدد کی ضرورت ہے تو وہ دو ہزار سوار اور بیادہ مجاہدین کے ساتھ یزید کے پاس پہنچ گئے۔ قمر بن الازرد کی جانی حالت لرزے کے قابل نہیں تھی۔ ان کے بازو میں تیر لگا تھا اور جسم پر دو تین اور گہرے زخم تھے۔ پھر بھی وہ میدان جنگ میں موجود تھے اور ان کی برہمی پورا کام کر رہی تھی۔

قمر نے اپنی اور یزید کی فوج کو ملا کر حملے کا حکم دیا۔ یہ بڑا ہی شدید حملہ تھا۔ رومیوں پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ قلعے میں واپس چلے گئے۔ ان کی لاشیں اور زخمی پیچھے رہ گئے۔

تیسرے دروازے کے سامنے رافع بن عجمہ کے دستے تھے۔ ان پر بھی رومیوں نے شدید حملہ کیا اور رافع کے پاؤں اکھاڑ دیئے مسلمان بڑی بے غوثی سے لڑ رہے تھے لیکن رومیوں کا دباؤ بڑا سخت تھا۔ اتفاق سے خالد نے دیکھ لیا اور وہ چار سو سواروں کو ساتھ لے کر رافع کے پاس پہنچے۔

”میں فارس جیل ہوں۔“ خالد نے نعرہ لگایا۔ ”میں خالد ابن ولید ہوں۔“

خالد نے رومیوں پر صرف چار سو سواروں سے حملہ کر دیا۔ رومی جو رافع کے دستوں پر غلبہ پا رہے تھے، پیچھے کو دوڑ پڑے اور دروازے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

اصل لڑائی تو باب تو مانے کے سامنے ہو رہی تھی۔ تو مانے خود وہاں حملہ کیا تھا۔ شمر جیل کی نفی تھوڑی تھی۔ مجاہدین کی تعداد کم رہ گئی تھی اور وہ دن کی لڑائی کے تھکے ہوئے تھے۔ شمر جیل نے اب بھی ہونڈ کے تیر اندازوں کو استعمال کیا۔ رومی تیر کھانکھ کر گرتے تھے لیکن حملے کے لیے بڑھے اگر جسے شمر جیل نے دن کے حملے میں تو مانے کی گھڑا آواز سن لی تھی۔ انہوں نے رات کو بھی اسی آواز کی لٹکانی سن لی تو وہ حیران رہ گئے کہ تو مانے کی قیادت کر رہا ہے یہی وجہ تھی کہ رومی تیروں کی بوچھاڑوں میں بھی بڑھے آ رہے تھے۔ چاندنی رات میں دونوں فوجوں کی بڑی سخت ٹکرائی تھی۔ شمر جیل کے مجاہدین نے حملہ روک لیا اور بڑی خونریز لڑائی ہوئی رہی مرنے والوں نے لکھا ہے کہ یہ لڑائی کم و بیش دو گھنٹے جاری رہی اور دونوں فوجوں کے آدمی مگرتے رہے شمر جیل کو کسی طرف سے بھی مدد ملنے کی توقع نہیں تھی۔

لڑائی شدت اختیار کرتی گئی۔ شمر جیل کو ٹوٹا مکی آواز حیران کر رہی تھی اور تو مانے شمر جیل کو ٹوٹھو بندھا تھا۔ اس کی دلیری غیر معمولی تھی۔ اسے چاندنی میں مسلمانوں کا چہرہ نظر آ گیا اور وہ شمر جیل کو لٹکا کر ان کی طرف

شہنشاہی کو مزید نقصان پہنچے۔ ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح کی بات کی جائے۔
 ”شہر لوں میں جو بے چینی اور بد امنی پھیل چکی ہے اسے آپ نہیں دیکھ رہے۔ ایک اور نئے کما۔
 ”فوج جو نقصان اٹھا چکی ہے وہ آپ کے سامنے ہے اور آپ خود بھی رنجی ہیں۔ خطروں پر ہے کہ شہری جواب
 نیم فائدہ نشی تک پہنچ گئے ہیں اپنی ہی فوج کے لیے نقصان کا باعث بن جائیں گے۔“
 تو ماجا جرم کا سالار تھا۔ اُس کی دلیری اور عزم کی نیکی میں کوئی شک نہیں تھا لیکن اُس کی حالت یہ ہو
 گئی تھی کہ جو شہری اُس کے ساتھ بات کرتا تھا وہ اس شہری کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔ یہ وہ تو تھا جو کسی کی بات
 برداشت نہیں کرتا تھا۔ اُس کے چہرے کے تاثرات میں شکست صاف نظر آتی تھی۔ اُس نے اپنی اُس آنکھ پر ہاتھ
 رکھ لیا جس کے اندر تیر کا ایک ٹکڑا موج دھکا اور اوپر ٹی بندھی ہوئی تھی صاف تیر چلتا تھا کہ اسے یہ خیم پریشان کر رہے
 ”مجھے سوچنے دو۔“ اُس نے ہاری ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں صلح کر لوں گا لیکن کوئی ایسی شرط نہیں لائوں
 گا جو روم کی شہنشاہی کی تدبیر کا باعث بنے۔“

دراصل تو ماہرینی طور پر شکست تسلیم کر چکا تھا۔ اُس کے سامنے اب یہی ایک سندرہ لگا تھا کہ کوئی ایسی
 صورت پیدا ہو کہ مسلمانوں کے ساتھ باعزت سمجھوتہ ہو جائے۔ مونیوں کے بیانات کے مطابق اُسے کسی نے یہ بتایا
 تھا کہ مسلمانوں کے نائب سالار ابو عبیدہ زم زمی اور صلح جو انسان ہیں۔ اگر ان تک سنا ہی ہو جائے تو باعزت سمجھوتہ ہو
 سکتا ہے۔ خالد کے متعلق وہ جانتا تھا کہ وہ مکمل شکست اور ہتھیار ڈالنے سے کم بات نہیں کہتے۔ تو اُس نے اپنے منہ میں کوئی لایا۔
 باہر مسلمانوں کی کیفیت یہ تھی کہ اُن کے حوصلے ٹرہ گئے تھے اور وہ لگا رہے تھے کہ رومیوں شہر ہمارے
 حوالے کر دو لیکن شہر میں داخل ہونے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا تھا۔ خالد نے فیصلہ کر لیا کہ مجاہدین کو ایک دو
 دن آرام کے لیے دے کر شہر کے دروازے کو ٹوٹنے کی یاد دلاؤ اور میں سرنگ لگانے کی کوشش کریں گے۔
 صبح طلوع ہوئی تو اللہ نے ایک غیر مسلم کو خالد کے سامنے کھڑا کر دیا۔ یہ ایک یونانی تھا جس کا نام
 یونس ابن قرض تھا۔ وہ رات کے وقت جب رومی اندر بیٹھے اپنے زخم چاٹ رہے تھے، شہر کی دیوار سے
 ایک رسے کے ذریعے اتر آقا۔ اُس نے کہا کہ وہ ایک لڑکی کو حامل کرنے کے لیے اپنی جان کا خطرہ مول لے
 کر آیا ہے۔ یہ لڑکی بھی یونانی تھی اور یہ ۱۸ ستمبر ۶۳۴ء (۱۹ رجب ۱۲ھ) کا واقعہ ہے۔

بڑھا۔ شہر جیل اُس کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔
 ”ایک آنکھ کے بدلے ایک ہزار آنکھیں لوں گا۔“ تو اُس نے کہا۔
 ”خدا کی قسم، تو دوسری آنکھ بھی دینے آیا ہے۔“ شہر جیل نے کہا۔
 دونوں آنے سے سامنے آگئے اور دونوں گھوڑوں سے اتر آئے۔ دونوں کے ہاتھوں میں تلواریں اور
 ڈھالیں تھیں اور دونوں تیغ زنی کے ماہر تھے۔ شہر جیل کو توقع تھی کہ تو ما کی ایک ہی آنکھ ہے اور اُس کی
 دوسری آنکھ رنجی ہے اس لیے وہ لڑ نہیں سکے گا لیکن وہ پوری مہارت سے لڑ رہا تھا۔ شہر جیل کو یہ تو
 معلوم ہی نہیں تھا کہ تیر ابھی تک تو ما کی آنکھ میں ہے۔

شہر جیل کا ہر وار تو ما بچا جاتا تھا اور تو ما کا ہر وار شہر جیل بچا رہے تھے۔ شہر جیل نے ایک وار پٹا
 ہی زوردار کیا۔ اُن کی تلوار پہلے تو ما کے آہنی خود پلنگی اور وہاں سے پھسل کر کندھے پر لگی جہاں آہنی زنجی۔
 اتنا زوردار لوبے پر پڑا تو تلوار ٹوٹ گئی۔ تو ما نے لگا کر دار کیا جو شہر جیل نے ڈھال پر لیا۔ وہ اب تلوار
 کے بغیر تھے، وار صرف روک سکتے تھے۔ تو ما بڑھ بڑھ کر دار کر رہا تھا۔
 شہر جیل کے دو مجاہد اُسے دیکھ لیا کہ شہر جیل تلوار کے بغیر خطرے میں ہیں تو وہ شہر جیل اور تو ما کے
 درمیان آگئے۔ شہر جیل نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ کسی کی تلوار دھوڑ رہے تھے۔ کچھ دور انہیں اپنے ایک شہید
 مجاہد کی لاش کے قریب اُس کی تلوار پڑی نظر آئی۔ انہوں نے دوڑ کر تلوار اٹھا لی اور واپس آئے لیکن تو ما وہاں
 نہیں تھا۔ شہر جیل نے اپنے دونوں مجاہدوں سے پوچھا کہ رومی سالار کہاں ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ پیچھے ہٹتے
 ہٹتے لڑائی کے ہنگامے میں گم ہو گیا ہے۔ انہوں نے اُسے گھوڑے پر سوار ہونے دیکھا تھا۔
 شہر جیل کے اعصاب پر طر آشکیت وہ دباؤ تھا۔ انہیں پوری طرح یقین نہیں تھا کہ وہ رومیوں کی شکست
 دے سکیں گے۔ لڑنے میں شہر جیل اور اُن کے دستے نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ انہوں نے چند سو ادا
 کو الگ کر کے پہلو سے رومیوں پر ایک زوردار ہتھ بولا۔ کچھ تو اس پلے نے کام کیا، کچھ رومی مالوں ہو گئے اور
 وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ رومیوں میں بیرونی تھی کہ وہ بے ترتیب ہو کر نہیں بھاگتے تھے بلکہ ترتیب اور تنظیم
 سے پیچھے ہٹتے تھے۔

شہر جیل نے انہیں پیچھے ہٹتے دیکھا تو اُن کے پیچھے نہ گئے۔ کیونکہ مسلمانوں کی فطری تھوڑی رہ گئی تھی۔
 خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ پیچھے جانے کی بجائے انہوں نے تیر اندازوں کو آگے کر کے پیچھے ہٹنے ہونے
 رومیوں پر تیروں کا مینہ برسا دیا۔ رومی اپنی لاشوں اور زخمیوں کو دیکھتے چھوڑنے اور دروازے میں جا کر غائب ہو گئے۔

رومی جس دروازے سے بھی باہر آئے تھے وہ لاشیں اور زخمی چھینک کر اُسی دروازے سے اندر چلے
 گئے۔ رے بڑا حملہ تو اُس نے کیا تھا وہ بھی ناکارہ۔ اگر بات ناکامی تک ہوتی تو رومی ایسے حملے بھی کر سکتے
 تھے لیکن انہیں جو جانی نقصان اٹھانا پڑا وہ اُن کی برداشت سے باہر تھا۔ اُن کی فطری پہلے ہی کچھ اتنی زیادہ نہیں
 تھی اور اب تو آدمی رہ گئی تھی۔ تو ما کے لیے ایک اور دشواری یہ پیدا ہو گئی کہ جب شہر نہا کے دروازے
 بند ہو گئے اور تو ما شہر میں آکر رکھا تو کئی شہر لوں نے اُسے گھیر لیا۔

”سالار معظم! ایک آدمی نے کہا۔“ ہم سلطنت روم کے وفادار ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ روم کے

۱۸ ستمبر ۱۳۴۴ء کی رات تھی۔ خالدؓ کو بتایا گیا کہ قلعے کے اندر سے ایک آدمی آیا ہے جو اپنا نام یونس ابن مرقس بتاتا ہے۔

”وہ قلعے سے نہیں آیا۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”اگر قلعے کے اندر سے ہی آیا ہے تو صاف نیت سے نہیں آیا۔ اگر باہر سے آیا ہے تو بھی اُس کی نیت ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ وہ رومیوں کا جاسوس ہو گا۔۔۔ اُسے میرے پاس بھیج دو۔“

وہ ایک حوال سال آدمی تھا۔ غور و ادھر پھر تھلا تھا۔ خالدؓ کے دو محافظوں نے اُس کی تلاشی لی۔ اُس نے کمر بند میں ایک خنجر اڑسا جو اٹھا جو اُس نے چھپا کر نہیں رکھا تھا۔ یہ اُس سے لے کر اُسے خالدؓ کے خیمے میں بھیج دیا گیا۔ خالدؓ نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا پھر اُس پر نظریں جمادیں۔ ”سالار اعلیٰ مجھے شک کی نگاہوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ اس حوال سال آدمی نے کہا۔ ”میں آپ کے دشمن کے قلعے سے آیا ہوں۔ آپ کو مجھ پر شک کرنا چاہیے۔۔۔ میرا نام یونس ابن مرقس ہے اور میں یونانی ہوں۔ آپ کی اور رومیوں کی جنگ کے ساتھ مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔“

”یونان کے حوال! خالدؓ نے کہا۔ ”کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ اپنے آئے کا مقصد فوراً بتا دو؟“ ”مقصد میرا ذاتی ہے۔“ یونس ابن مرقس نے کہا۔ ”اگر آپ یہ پورا کر دیں تو میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔“

”تو میری کیا مدد کر سکتا ہے؟“

”میں آپ کو قلعے کے اندر پہنچا سکتا ہوں۔“ یونس ابن مرقس نے کہا۔ ”پھر دشمن آپ کا ہو گا۔“

”تو قلعے سے نکلا کیسے؟“ خالدؓ نے کہا۔ ”میں کیسے یقین کروں کہ تو جھوٹ نہیں بول رہا؟“ ”میں باب الشرق کے قریب فیصل سے رستہ لٹکا کرتا ہوں۔“ یونس ابن مرقس نے کہا۔

”میرے آئے کا مقصد بھی سن لیں سالار اعلیٰ! دشمن میں یونانیوں کے تین چار خاندان آباد ہیں۔ ایک یونانی لڑکی کے ساتھ میری محبت ہے۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو کس طرح چاہتے ہیں۔ آپ کی فوج نے دشمن کا محاصرہ کیا تو اس سے تھوڑی ہی دیر پہلے اس لڑکی کے ساتھ میری شادی ہو گئی۔ اتنے میں شہر میں شور مچا کہ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ لڑکی کے والدین نے لڑکی کو میرے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ کہتے ہیں کہ محاصرہ ٹوٹ جانے کے بعد لڑکی کو میرے حوالے کریں گے۔۔۔“

”سالار اعلیٰ! میں محبت کے ہاتھوں اُنسا مجبور ہوں کہ انتظار نہیں کر سکتا۔ دراصل لڑکی کی ماں کی نیت ٹھیک نہیں۔ وہ اپنی بیٹی کی شادی ایک بڑے ہی مالدار تاجر کے ساتھ کرنا چاہتی تھی لیکن

اُس کی بیٹی نے میری محبت کی خاطر اُسے مجبور کر دیا کہ اُس کی شادی میرے ساتھ کر دے۔ آپ کی فوج نے شہر کو محاصرے میں لے لیا تو اُسے ہمارے مل گیا۔ اُس نے کہا کہ ہر کوئی شہر کے دفاع پر لگا ہوا ہے، اچھا نہیں لگتا کہ ہم دونوں شادی کی تقریب مناؤ۔“

”لیکن میں کیا کر سکتا ہوں؟“ خالدؓ نے کہا۔ ”کیا میں یہاں محبت کی داستانیں سننے آیا ہوں؟ تو وہ بات فوراً کیوں نہیں کہہ دیتا جو کہنے آیا ہے؟ اگر تو کسی اور نیت سے آیا ہے تو تو یہاں سے زندہ کس طرح جائے گا؟“

”آہ ابن دلید!۔“ یونس ابن مرقس نے آہ لے کر کہا۔ ”کون ہے جو تیرے خیمے میں بُری نیت سے آنے کی جرأت کر سکتا ہے! جس نے سلطنت روم جیسی عظیم اور جابر سلطنت کو بنیادوں تک ہلا ڈالا ہے اُسے مجھ جیسے معمولی آدمی سے نہیں ڈرنا چاہیے۔۔۔ اور یہ بھی سوچ کہ میں رومی نہیں یونانی ہوں۔ مجھے صرف اپنی بیوی چاہیے اور تجھے دشمن چاہیے۔۔۔ راز کی بات یہ ہے کہ میں ہمارے دن لڑائی نہیں ہو گی۔“

”کہوں نہیں ہو گی؟“

”دشمن کا سالار تو مار چکی ہے۔“ یونس ابن مرقس نے جواب دیا۔ ”لیکن لڑائی نہ ہونے کی صرف یہ وجہ نہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شہر کے لوگ سالار روم کے پیچھے بڑے ہوئے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ بندی اور صلح کی بات کرے شہر میں اناج کی قلت فحط کی حد تک پہنچ گئی ہے اور سب بڑی وجہ لڑائی نہ ہونے کی یہ ہے کہ کل رات دشمن کے گولوں کا ایک جتن ہے جس میں روم کی فوج بھی شریک ہو گی۔ کبھی کو کسی کی ہوش نہیں ہو گی۔ میں آپ کی یہ مدد کروں گا کہ فیصل پر کھنکھینچنے کی موزوں جگہ بتا دوں گا۔ آپ کے چند ایک آدمی فیصل پر چڑھ آئیں اور اندر سے ایک دروازہ کھول دیں پھر آپ کی فوج شہر میں داخل ہو جائے۔“

بعض ترخوں نے لکھا ہے کہ اہل دشمن اپنا کوئی سالانہ جشن منارہے تھے۔ ایسے جشن ہیں وہ اتنی زیادہ شراب پیٹتے اور رنگ رلیوں میں ایسے مگن ہوتے تھے کہ انہیں اپنے پرانے کی ہوش نہیں رہتی تھی اور فوج بھی اس میں شریک ہوتی تھی لیکن اب ایسے محاصرے کی حالت میں دشمن والوں کا ایسا جشن منانا کہ وہ اپنے ہوش و حواس بھی کھو بیٹھیں قابل یقین نہیں لگتا تھا۔ دشمن کے اندر کی حالت بیان کی جا چکی ہے۔ وہاں تو قحط اور خوف و ہراس کی کیفیت تھی۔ روم کی فوج کی بے شمار نفری ماری جا چکی تھی۔ لاشیں باہر گل سٹر رہی تھیں اور زخمی اندر کمرہ رہے تھے۔ ان حالات میں جشن کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

ایک یورپی مورخ ہنری سمتھ نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے وہ حقیقی لگتا ہے۔ اُس نے شام سے رومیوں کی پسپائی کے بیان میں لکھا ہے کہ دشمن کے محاصرے میں رومیوں کی حالت اتنی بُری ہو گئی تھی کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر آمادہ تھے۔ اُن کے مذہبی پیشواؤں نے رومی سالار روم سے کہا تھا کہ ان سے خدا ناراض ہے۔ خدا کو راضی کرنے کے لیے مذہبی قسم کے جشن کا اہتمام کیا گیا تھا۔ دشمن میں دوسرے عقیدوں کے لوگ بھی تھے جو اپنے انداز سے مذہبی تقریب منعقد کر رہے

تھے۔ چونکہ یہ مذہب کا اور فوج کے لیے دعا کا معاملہ تھا اس لیے اس میں ہر کسی کی شرکت لازمی تھی۔ فوج کو بھی اس میں شامل ہونا تھا۔

اس یورپی مورخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ مسلمان قلعے پر چڑھائی کر دیں گے یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مسلمانوں کی اپنی حالت ایسی مضبوط نہیں رہی تھی کہ وہ قلعہ بول دیتے۔ یہ تو خالدؓ کا عزم تھا اور انہیں اپنے تمام سالاروں کا بھرپور تعاون حاصل تھا کہ دشمن کو چند دنوں میں سر کرنا ہے۔

یونس ابن مرقس کے متعلق تمام مورخ متفق ہیں۔ اُس نے خالدؓ کو قابلِ کرہ لکھا کہ وہ انہیں قلعے میں داخل کر دے گا اور اس کے عوض وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کی بیوی اُسے دلا دی جائے۔ خالدؓ نے اس یونانی پر اعتبار کر لیا اور اُسے سب سے پہلے اسلامی دعوت دی۔

”میں نے اسلام کے متعلق بہت کچھ سنا ہے“۔ یونس ابن مرقس نے کہا۔ ”لیکن مجھے کوئی تپانے والا نہ تھا اور میرا ہتھ تھامنے والا کوئی نہ تھا۔ مجھے اپنے پاس رکھیں۔ میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ کیا مجھے اپنا نام بدلنا پڑے گا؟“

”نہیں!“۔ خالدؓ نے کہا۔ ”تھا رانا! پہلے ہی اسلامی ہے۔“ خالدؓ نے اُسے مسلمان کر لیا اور اُس سے پوچھنے لگے کہ تمہارا کمال اور کس طرح لگائی جائے اور اندر کی طرف دروازے کی حفاظت کا کیا انتظام ہے۔ یونس ابن مرقس نے انہیں پوری تفصیل سے سب کچھ بتایا۔

یونس ابن مرقس کو اتنا ہی معلوم تھا کہ دو تین دن لڑائی نہیں ہوگی اور کل رات لوگ ایک تقریب یا جشن منائیں گے۔ اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ دومی سالار تو ماہمت ڈر چکا ہے اور وہ کوئی اور چال چل رہا ہے۔ یہ چال تو ماہمت اور اُس کے مشیروں نے مل کر سوچی تھی جس طرح مسلمانوں کے پاس اُسی علاقے کے جاسوس موجود تھے۔ اسی طرح رومیوں کے پاس ایسے جاسوس موجود تھے جو خالدؓ اور اُس کے تمام سالاروں کے کردار اور عادات کے متعلق پوری واقفیت رکھتے تھے۔ یہ عرب کے عیسائی تھے اور مکہ، مدینہ اور انہی علاقوں کے رہنے والے یہودی بھی تھے۔ یہ سب صرف جاسوس ہی نہیں تھے بلکہ ان میں سے دو چار تو ماہمت بھی بنے ہوئے تھے۔

تو ماہمت نے باہر نکل کر مسلمانوں پر حملے کیے تھے، پورا در لگا لیا تھا مگر سوائے جانی نقصان کے اُسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ شہر یوں نے اُسے الگ پریشان کر رکھا تھا۔ شہر میں خوراک ختم تھی اور اُس کی اپنی حالت یہ تھی کہ ایک تیر کا کلا حصہ اُس کی آنکھ میں اُترا ہوا تھا اور اُڑی بستی ہوئی تھی۔ ”پھر کبھی میں شہر کو تباہی اور لوٹ مار سے اور لوگوں کو قتل عام سے بچانا چاہتا ہوں۔“ تو ماہمت نے اپنے سالاروں اور مشیروں کو بلا کر انہیں اپنی صورت حال بتائی اور کہا۔ ”ہم اب لو نہیں سکتے مسلمان آسانی سے اندر نہیں آ سکتے لیکن انا حج اور رسد کا جھال ہے وہ تم سب جانتے ہو۔ مسلمانوں نے صرف مجھ پر ہی جاری رکھا تو لوگ مجھ کو سے مرنے لگیں گے۔“

”اور وہ بغاوت بھی کر سکتے ہیں۔“ ایک مشیر نے کہا۔

”بغاوت کریں یا نہ کریں۔“ تو ماہمت نے کہا۔ ”یہ میرا فرض ہے کہ انہیں ہر تکلیف سے بچاتے رکھوں۔ مجھے تمہارے مشورہ کی ضرورت ہے۔ کیا کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ ہم شہر خالی کرنا چاہیں تو مسلمان ہیں اجازت دے دیں اور ہمیں کوئی نقصان نہ اٹھانا پڑے؟“

”خالدؓ ابن ولیدؓ بڑا جاہل سالار ہے۔“ ایک یہودی مشیر نے کہا۔ ”وہ ہمیں فراموش طریقے سے نہیں سمجھنے دے گا۔ اُس کی فوج کا جو نقصان ہو چکا ہے وہ کبھی نہیں سمجھنے گا کہ اسلام قبول کر دے۔“

”یہ میں کبھی نہیں کر دوں گا۔“ تو ماہمت نے کہا۔ ”اگر آپ نہیں کریں گے تو وہ آپ سے اتنا تاوان مانگے گا جو آپ اپنے خزانے کے علاوہ گولہ کے گھروں سے اٹھا کریں تو بھی مشکل سے پورا ہوگا۔“ یہودی مشیر نے کہا۔

تو ماہمتی سوچ میں پڑ گیا۔ ”ان میں کوئی سالار ایسا ہے جو نرم مزاج ہو؟“ اُس نے پوچھا۔ ”ابو عبیدہؓ!“۔ یہودی نے جواب دیا۔ ”بڑا ہی قابل، بڑا ہی دلیر سالار ہے مگر رحم دل ہے۔“

”اپنی فوج میں اُس کی حیثیت کیا ہے؟“ ”ابن ولیدؓ کے بعد حیثیت ابو عبیدہؓ کی ہے۔“ دوسرے یہودی نے کہا۔ ”ان کی خلافت میں جو قدر و منزلت ابو عبیدہؓ کی ہے وہ ابن ولیدؓ کی نہیں۔ ابن ولیدؓ کا درجہ اس کے بعد کا ہے۔ تمام مسلمان، خود خلیفہ اور ابن ولیدؓ ابو عبیدہؓ کا احترام کرتے ہیں۔“

یہاں سے تو ماہمت کے دماغ میں ایک فریب کاری آگئی۔ یہودی اور عیسائی عرب مشیروں اور دانشوروں نے اُس کی راہنمائی اور مدد کی اور ایک منصوبہ تیار ہو گیا جو مختصر اُس طرح تھا کہ تو ماہمت ابو عبیدہؓ کے آگے اس شرط پر ہتھیار ڈالے گا کہ اُسے اُس کی فوج اور شہر کے ہر اُس باشندے کو جو شہر چھوڑ کر جانا چاہے اُسے اُس کے مال و اسباب، عورتوں اور بچوں سمیت نکل جانے دیا جائے۔ شہر میں لوٹ مار نہ ہو۔ تو ماہمت یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ جزیرہ ادا کرے گا۔ یہ بھی طے پایا کہ خالدؓ کو قبل از وقت پتہ نہ چلے۔

یہ منصوبہ اس بنیاد پر بنایا گیا تھا کہ ابو عبیدہؓ شہر کے اُس دروازے (بابِ جالبیہ) کے سامنے اپنے دستوں کے ساتھ تھے جو اُس دروازے (بابِ شرقی) کے بالمقابل تھا۔ دونوں دروازوں کے درمیان پورا شہر تھا۔ خالدؓ اور فاصلہ ایک میل سے کچھ زیادہ تھا۔ تو ماہمت اُس سے اپنے اہلچلنی ابو عبیدہؓ کے پاس بھیج سکتا تھا۔

تو ماہمت نے یہ کافر اُس رات سے دو تین راتیں پہلے منہد کی تھی جس رات یونس ابن مرقس خالدؓ کے پاس آیا تھا۔

اگلی رات کا واقعہ ہے۔ خالدؓ، قنعاہ اور ایک بڑے بہادر مجاہد مذہب غور بن عدی شہر پناہ کے دروازے بابِ شرقی سے کچھ دُور کھڑے تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں رستے تھے۔ دیوار کے ساتھ لگے ایک منجانبین کھڑے تھے۔ یہ سارے لشکر میں سے چنے ہوئے بڑا در ذہین مجاہدین تھے۔

سپاہیوں نے زخمی ہوتے ہی بڑی ادبھی آوازوں میں شور مچا لیا کہ مسلمان قلعے میں داخل ہو گئے ہیں۔

”اب دروازہ فوراً کھلنا چاہیے“۔ خالد نے کہا۔ ”رومی فوج کو آنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا.... میرے پیچھے آؤ“

جہاں دروازہ تھا وہاں ڈیڑھ سیڑھی تھی۔ خالد اپنے جانباڑوں سے آگے تھے۔ وہ دوڑتے ہوئے دروازے والی ڈیڑھ سیڑھی میں گئے۔ وہاں صرف دو روئی سپاہی تھے جن کے ہاتھوں میں پھجیاں تھیں۔ وہ شورش مچے تھے اس لیے مقابلے کے لیے تیار تھے لیکن خالد نے انہیں مقابلے کی زیادہ اہمیت نہ دی۔ ایک کو خالد نے اور دوسرے کو قلعہ دار نے مار ڈالا۔

”دروازہ کھولو“۔ خالد نے حکم دیا۔ ”اور زیادہ آدمی باہر تیار رہو۔ رومی آرہے ہیں“۔ دروازے کے اندر کی طرف بڑے دھڑکنے لگے جو تے تھے اور بڑی زنجیریں باندھ کر دروازے کو مستحکم کیا ہوا تھا بڑی شکل سے تالے توڑے گئے اور زنجیریں بھی اتار دی گئیں خالد دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ ان کے باقی بچاس جانباڑ باہر کھڑے تھے۔ خالد نے انہیں اندر بلا دیا اور کہا کہ وہ دروازے کے باہر پھیل کر مقابلے کے لیے تیار رہیں۔ رومی فوج آ رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس دروازے کے سامنے جو دستے تھے انہیں خالد تیار کر کے حکم دے آتے تھے۔ اور یہ حکم بھی کہ دروازہ کھلتے ہی طوفان کی طرح دروازے میں داخل ہو جائیں۔

دروازہ کھلتے ہی یہ دستے طوفان کی طرح دروازے میں داخل ہونے لگے چاند اباد اور پور آگیا تھا۔ اپنے پرانے کی پہچان میں سہولت پیدا ہو گئی تھی۔ اُدھر سے رومی فوج کا ایک دستہ باب مشرق کی طرف آ رہا تھا۔ یہ مسلمانوں کی طوفانی لپیٹ میں آگیا اور ذرا سی دیر میں یہ دستہ لاشوں میں تبدیل ہو گیا۔

دشمن کی تمام تر رومی فوج فیصل کی طرف دوڑی اور جن دستوں کو جن دروازوں کی ذمہ داری دی گئی تھی وہ تقسیم ہو کر ان دروازوں کے سامنے چلے گئے۔ سارے شہر میں جھکناڑ بچ گئی شہری پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے۔ وہ بھاگ نہیں سکتے تھے۔ دروازے بند تھے۔ وہ اپنی قیمتی چیزیں ادھر ادھر چھپا رہے تھے۔ عورتوں کا یہ عالم تھا کہ چنیتی چلاؤ تھیں۔

”ہمارے آدمی بے غیرت ہیں“۔ عورتوں کی چیخ غا آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ”ہمارے آدمی ہمیں مسلمانوں سے نہیں بچا سکتے.... ہمارے آدمی بزدل ہیں۔ اپنی جانیں بچاتے پھر رہے ہیں“۔ عورتوں کی اس طعنہ زنی نے دشمن کے جانوں کو کھرا دیا۔ وہ تلواریں اور برچھیاں لے کر نکل آئے۔ اس طرح رومی فوج کو سہارا مل گیا لیکن خالد کے دستے رومیوں پر حاوی ہو چکے تھے۔ مسلمان محاصرے سے تنگ آتے ہوئے تھے۔ وہ دشمن کو فتح کرنے کے لیے قہراً غضب لڑ رہے تھے۔

تقریباً تمام تر عورتوں نے لکھا ہے کہ خالد نے ایسا دانتہ طور پر کیا تھا یا ان کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ انہیں دوسرے دروازوں پر چار سالہ متعین کیے تھے انہیں نہ بتایا کہ آج رات وہ کیا کرنے والے ہیں۔ خالد نے ابو عبیدہ تک کو اطلاع نہ دی کہ وہ بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں۔ کسی عجیب تاریخ

یونس ابن مرقس خالد کے ساتھ تھا۔ اسی نے خالد کو یہ جگہ بتائی تھی۔ وہ رستے کے ذریعے ہیں سے اُترا تھا۔

خالد اپنی زندگی کا بہت بڑا خطرہ مول لے رہے تھے۔ وہ سپہ سالار تھے۔ انہیں اُدب نہیں جانا چاہیے تھا۔ بچڑے جانے کا امکان تھا۔ مارے جانے کا خطرہ تھا لیکن اس خطرے میں وہ کسی اور کو نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ انہیں اعتماد تھا کہ ان کے نہ ہونے سے مجاہدین میں بدولی نہیں پھیلے گی اور ابو عبیدہ ان کی جگہ لے لیں گے۔ یہ فیصلہ پہلے ہی ہو چکا تھا کہ خالد کی غیر حاضری میں سالار اعلیٰ ابو عبیدہ ہوں گے۔

خالد نے اپنے ہاتھ سے کندہ اور پھینکی۔ دیوار کی بلندی تیرہ چوہ گز تھی کمند دیوار کے اوپر انک گئی۔ انہوں نے کچھ دیر انتظار کیا۔ دیوار پر کوئی حرکت نہ ہوئی جس کا مطلب یہ تھا کہ اوپر کوئی نہیں۔ اگر کوئی تھا بھی تو اُسے پتہ نہیں چلا تھا کہ دیوار پر کمند پھینکی گئی ہے۔

خالد نے اپنے آپ کو مزید خطرے میں لول ڈالا کہ سب سے پہلے خود کند کے ذریعے اوپر گئے۔ ان کے پیچھے قلعہ دار اور مذکور اوپر گئے۔ اوپر کوئی بھی نہیں تھا۔ دیوار کا یہ حصہ شہر سے کچھ دور تھا شہر کی آوازوں سے پتہ چلتا تھا کہ لوگ جاگ رہے ہیں اور کسی تقریب میں مصروف ہیں۔ خالد کو یقین آگیا کہ یونس ابن مرقس انہیں دھوکہ نہیں دے رہا۔ انہوں نے دیوار یعنی شہر کی فیصل کے ساتھ وہ تین چار رستے باندھ کر نیچے لٹکا دیتے جو وہ اسی مقصد کے لیے ساتھ لے گئے تھے۔

ان کے ایک سوجا بہرین میں سے بچاس ال رستوں سے اوپر چلے گئے۔ یونس ابن مرقس بھی ان کے ساتھ گیا۔ وہ خالد کا ساتھ تھا۔ خالد نے ان جانباڑوں میں سے کچھ کو اس کام کے لیے دیوار پر بٹھا دیا کہ رومی فوج کے آدمی اگر اوپر آجائیں تو انہیں ختم کر دیں لیکن خاموشی سے تاکہ شہر میں کسی کو پتہ نہ چلے۔ ہر کام خاموشی سے کرنا تھا۔

خالد نے قلعہ دار مذکور کو اپنے ساتھ رکھا اور بچاس جانباڑوں میں سے باقی کو اپنے ساتھ فیصل سے اتار کر لے گئے۔ جل ہی وہ دیوار سے اُترے انہیں کسی کی باتیں سنائی دیں۔

”رومی سپاہی!“۔ یونس ابن مرقس نے خالد کے کان میں سرگوشی کی۔ ”میں ان کی بات سمجھتا ہوں۔“ انہیں ان کی زبان میں عجبے کو کہہ جلدی چلا۔ خالد نے یونس ابن مرقس سے کہا اور اپنے جانباڑوں سے کہا۔ ”تلواریں نکال لو اور اتنی تیزی سے دائرہ کرنے ہیں کہ رومیوں کو منہ سے کوئی آواز نہکلنے کی اہمیت نہ ملے“

یونس ابن مرقس نے فوجی افسر کی طرح بڑے عجبے رومی سپاہیوں کو بلایا۔ ان کے آنے تک خالد کے جانباڑ گھیرے کی ترتیب میں ہو گئے۔ رومی سپاہی کم و بیش چالیس تھے۔ وہ دوڑے آئے۔ رات کا وقت تھا۔ چاند آدھی رات کے لگ بھگ آفتی سے اٹھتا تھا جب رومی سپاہی آرہے تھے اُس وقت چاند شہر کی فیصل سے اوپر آگیا تھا۔ رومی سپاہی خالد کے جانباڑوں کو اپنے آدمی سمجھے ہوں گے۔ وہ قریب آتے تو مسلمان جانباڑ تلواروں سے ان پر ٹوٹ پڑے۔ ان میں سے سات آٹھ تلواریں نکالیں اور مقابلے کی کوشش کی لیکن مارے گئے مگر خاموشی ٹوٹ گیا۔ دو تین رومی

ہیں اس سوال کا جواب نہیں ملتا کہ خالدؓ نے ایسی غلطی کیوں کی تھی۔

ابو عبیدہ وہاں سے بہت دور تھے۔ انہوں نے شہر میں شور مارتا تو کہنے لگے کہ رومیوں نے کسی دروازے سے باہر جا کر اُس دروازے والے مسلمان دستوں پر حملہ کیا ہے۔ رومی ایسے حملے پہلے بھی کر چکے تھے۔ دوسرے دروازوں والے مسلمان سالار بھی غلط فہمی میں رہے۔ خالدؓ شہر کے اندر اتنے الجھ گئے تھے کہ دوسرے سالاروں کو اندر نہ بلا سکے۔ انہوں نے شاید یہ بھی سوچا ہوگا کہ دوسرے سالار دروازوں کے باہر اپنے دستوں کو تیار رکھیں تاکہ رومی فوج کسی دروازے سے بھاگ نہ سکے۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ مسلمان دستے شہر کی تفصیل اور دروازوں کے قریب نہیں تھے۔ وہ فیصل سے کم از کم ایک ایک میل دور تھے۔ قریب ہو کر وہ تیروں کی زد میں آتے تھے۔ اتنی دور سے وہ شہر کے اندر کا شور اچھی طرح نہیں سن سکتے تھے۔

تو ما کو جب اطلاع ملی کہ مسلمان شہر میں داخل ہو گئے ہیں تو اُس نے اپنے مشیروں کو بلایا۔

”کون کون سے دروازے سے مسلمان اندر آئے ہیں؟“ — تو ما نے پوچھا۔

”صرف ایک دروازے سے! — اُسے کسی نے جواب دیا۔“ — شرقی دروازے سے۔

باقی سب دروازے بند ہیں۔“

”کیا کسی نے تفصیل پر جا کر دیکھا ہے؟“ — تو ما نے پوچھا۔ ”کیا مسلمانوں کی باقی فوج بھی قریب آگئی ہے؟“

”دیکھا ہے۔“ — اُسے جواب ملا۔ ”اُن کے باقی دستے جہاں پہلے تھے وہیں ہیں۔“

”باب جابہ کو دیکھا ہے؟“ — تو ما نے پوچھا۔ ”کیا ابو عبیدہ کے دستے بھی آگے

نہیں آئے؟“

”نہیں۔“ — اُسے بتایا گیا۔ ”وہ دستے بھی آگے نہیں آتے.... یہ صرف ان کے سپہ سالار

خالد ابن ولید کے دستے ہیں۔“

تو ما کے مشیر اور سالار آگئے۔

”ہم شہر کو نہیں بچا سکیں گے۔“ تو ما نے ان سے کہا۔ ”مجھے ابھی تک کسی نے نہیں بتایا کہ مسلمانوں

نے دروازہ کھول کس طرح لیا ہے۔ انہیں اندر سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔“

”کیا فائدہ یہ سوچنے کا کہ مسلمان شہر میں کس طرح داخل ہو گئے ہیں۔“ ایک مشیر نے کہا۔

”وہ اندر آ گئے ہیں۔ اب یہ سوچنا ہے کہ کیا کیا جاتے۔“

”اُسی منصوبے پر عمل کیا جائے جو ہم نے پہلے سوچا تھا۔“ ایک اور مشیر نے کہا۔ ”ابو عبیدہ کو

صلح کا پیغام بھیجیں۔“

اس مسئلے پر کچھ تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ آخر طے پایا کہ ابو عبیدہ کی طرف ایک ایچی بھیجا جائے۔

”اد میں نے جو دستے محفوظ رکھے ہوئے ہیں انہیں اُدھر بھیج دیا جائے جو صدر مسلمان اندر آگئے ہیں۔“

تو ما نے حکم دیا۔ ”انہیں میرا پیغام دیا جائے کہ دمشق شہر کی نہیں بلکہ سلطنت روم کی آبرو اور اُن

اُن کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جانیں قربان کر دیں اور مسلمانوں کے سالار ابن ولید کو زندہ یا مردہ میرے

پاس لے کے آئیں۔“

ہنری سمتھ، ابوسعید، واقدی اور طبری نے لکھا ہے کہ تو ما ذہنی طور پر ہتھیار ڈال چکا تھا وہ اپنے محفوظہ کے دستوں کو اس لیے شہر کی لڑائی میں جھونک رہا تھا کہ خالدؓ کو اپنے قریب کا رائے منصوبے کی کامیابی تک روکا جاسکے۔ اُس کے یہودی اور عیسائی مشیر معمولی دامغوں کے آدی نہیں تھے۔

رات گزرتی جا رہی تھی اور شہر کے اندر کی لڑائی بڑھتی جا رہی تھی۔ اب گلیوں میں لڑائی ہو رہی تھی۔ پلے خالہ کے دستوں کا بھاری تھا۔ رومیوں کے محفوظہ کے دستوں نے خالدؓ کے لیے شکل پیدا کر دی لیکن خالدؓ ہمت ہارنے والے نہیں تھے۔ اُن کے آگے بڑھنے کی رفتار کم ہو گئی تھی۔ اُدھر ابو عبیدہؓ فخر کی نماز پڑھ چکے تو انہیں بتایا گیا کہ رومی سپہ سالار کے دو ایچی آتے ہیں ابو عبیدہؓ نے انہیں بلایا۔

”کیا مختار سے سالار کے ابھی ہوش ٹھکانے نہیں آئے؟“ — ابو عبیدہؓ نے ایچیوں سے کہا۔ ”کہو، تم کیوں آتے ہو؟“

”سپہ سالار تو ما کا پیغام لاتے ہیں۔“ ایک ایچی نے کہا۔

”جب تک ہتھیار نہیں ڈالو گے میں صلح کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔“ ابو عبیدہؓ نے کہا۔

”اے عرب کے رحم دل سالار! — دوسرے ایچی نے کہا۔ ”ہم لڑائی اور غزیر بنی ختم کرنے آتے ہیں۔ سپہ سالار تو ما نے ہمیں پیغام دیا ہے کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر رضامند ہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں شہر سے نکل جانے دیا جائے، شہر میں لوٹ مار نہ ہو، کسی کو قتل نہ کیا جائے، ہر شہری اور فوجی اپنے ساتھ اپنا جواں داماں لے جاسکتا ہے۔ لے جانے کی اجازت دی جائے۔“

”ہم ناحق خون بہانے نہیں آتے۔ اے رومیو! — ابو عبیدہؓ نے کہا۔ ”خدا کی قسم، میں اپنے اُن ساتھیوں کا خون نہیں معاف نہیں کر سکتا جو تم نے بہایا ہے۔“

”شہنشاہ ہرقل کے داماد سپہ سالار تو ما نے کہا ہے کہ ہم تادان ادا کریں گے۔“ ایک ایچی نے کہا۔ ”آپ اسے شاید جزیہ کہتے ہیں یا جو کچھ بھی کہتے ہیں۔“

”ہمارا شہنشاہ اللہ ہے۔“ ابو عبیدہؓ نے کہا۔ ”تم نے ہرقل کو اس طرح شہنشاہ کہا ہے جیسے وہ ہمارا بھی شہنشاہ ہو اور وہ ہیں خیرات دے رہا ہو۔“

”ہرقل ہتھیار ڈال دے گا تو بھی ہم اُسے شہنشاہ ہی کہیں گے۔“ ایچی نے کہا۔ ”ہم اُس کے نوکر ہیں اور اُس کا حکم بجالاتے ہیں.... کیا آپ ہم پر اور دشمن کی عورتوں اور بچوں پر رحم نہیں کریں گے؟“

”اے سالار مدینہ! — دوسرے ایچی نے کہا۔ ”دشمن کے شہری تو لڑنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ وہ تو بہت پہلے سے سپہ سالار تو ما کو کچھ رہے تھے کہ مدینہ والوں کے ساتھ صلح کر لو۔ اگر اسلام کے متعلق ہم نے جو سنا ہے وہ درست ہے تو آپ کو زیادہ نہیں سوچنا چاہیے۔“

”خدا کی قسم! — ابو عبیدہؓ نے کہا۔ ”تم میرے سپہ سالار خالد ابن ولید کے پاس جاتے تو وہ بھی وہی کہتا جو میں کہوں گا۔ ہمارے آگے جو ٹھکانا ہے اور ہم سے بچنے کی جھبک مانگتا ہے اُسے ہم بخش دیتے ہیں کہ اسلام کا حکم یہی ہے۔ اگر کوئی آخر دم تک لڑے اور ہم بڑے مشیر اُس سے

تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ خالدؓ لڑتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں۔ محافظوں کے پاس رچھیا تھیں جن کی انتیاں جیسے خون میں سے نکالی گئی تھیں۔

خالدؓ اور ابو عبیدہؓ ایک دوسرے کو حیرت زدگی کے عالم میں دیکھتے رہے۔
 ”ابو سلیمان!“ — ابو عبیدہؓ نے آخر سکوت توڑا اور خالدؓ سے کہا — ”کیا تو اللہ کا شکر ادا نہیں کرے گا کہ اس کی ذات باری نے یہ شہر ہمیں عطا کر دیا ہے؟ اللہ نے صلح منظور کرنے کی سعادت مجھے عطا فرمائی ہے۔ ان لوگوں نے بغیر لڑے میرے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں پھر تو کیوں خون ٹپکانی تلوار اپنے ہاتھ میں لیے پھرتا ہے! میں نے انہیں شہر سے اپنے مال اموال لے جانے کی اجازت دے دی ہے۔“

”ابو عبیدہؓ!“ — خالدؓ نے کہا — ”کون سی صلح کی بات کرتے ہو؟ کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ میں نے لڑ کر یہ شہر حاصل کیا ہے؟ خدا کی قسم، رومیوں نے مجھے اس صلح کا پیغام دے کر اندر نہیں بلایا میرے لیے انہوں نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔ میں خود شہر میں داخل ہوا ہوں۔ میں نے خون بہایا ہے اور میرے آدمیوں کا خون بہایا گیا ہے۔ میں رومیوں کو یہ حق نہیں دے سکتا کہ بغیر عافیت سے شہر سے نکل جائیں۔ ان کے شہر کا خزانہ اور جو کچھ بھی شہر میں ہے وہ ہمارا مال غنیمت ہے۔ اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ صلح کس نے کی اور کیوں کی ہے؟“

”ابو سلیمان!“ — ابو عبیدہؓ نے کہا — ”میں اور میرے دستے پراس طریقے سے شہر میں داخل ہوئے ہیں دیکھ، شہر کے دروازے کھل گئے ہیں۔ اگر تو میرے فیصلے کو رد کرنا چاہے تو خود نے لیکن یہ سوتج کہ میں دشمن کے ہتھیار ڈالنے پر اسے بخشش کا وعدہ دے چکا ہوں۔ اگر یہ وعدہ پورا نہ ہوا تو رومیوں کے لیے کہ مسلمانوں کے وعدوں کے کچھ ہیں۔ اس کی زوال اسلام پر بھی پڑے گی۔“

خالدؓ کی حالت یہ تھی کہ غصے سے ان کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ سالار اعلیٰ وہ ہوں اور صلح کے معاہدے کوئی اور کرتا پھرے۔ ابو عبیدہؓ اپنی بات پر اس طرح اڑے ہوئے تھے کہ انہیں پرواہ ہی نہیں تھی کہ خالدؓ غلیفہ کی طرف سے سالار اعلیٰ مقرر کیے گئے ہیں تو، اس کا نائب سالار ہرئس، پادری اور شیر وغیرہ الگ کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ انہیں اپنی چال کامیاب ہونی نظر آرہی تھی، بلکہ چال ضرورت سے زیادہ کامیاب ہو رہی تھی۔ وہ اس طرح کہ مسلمانوں کا سپہ سالار اور اس کا قائم مقام سالار آپس میں لڑنے پر آگئے تھے۔

ابو عبیدہؓ کی جھجھ کوئی اور سالار ہوتا تو خالدؓ اسے سالاری سے معزول کر کے سپاہی بنا دیتے یا اسے واپس مدینہ بھیج دیتے لیکن وہ ابو عبیدہؓ تھے جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امین الائمہ کا خطاب دیا تھا۔ انہیں الائمہ بھی کہتے تھے کیونکہ ان کے سامنے کے دانت احد کی جنگ میں شہید ہوئے تھے۔ مشہور مورخ ابن قتیبہ اور واقعہ دی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ کو ابو عبیدہؓ سے خاص محبت تھی۔ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ ابو عبیدہؓ بغیر دانتوں کے دانتوں والوں سے زیادہ خور ہو گئے تھے۔ ان کا زہر اور تھوہی ضرب اٹھل تھا۔ غلیفہ المسلمین ابو بکرؓ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ اور مجاہدین ان کے اشارے پر جانیں قربان کرنے کو تیار رہتے تھے خالدؓ کے دل میں ابو عبیدہؓ کا اسنا احترام تھا کہ

ہتھیار ڈالوائیں تو پھر ہم اسے رحم کے قابل نہیں سمجھتے۔“
 اس وقت خالدؓ شہر کے مشرقی حصے میں لڑ رہے تھے اور وہ رومی فوجوں کا اور ان شہری جوانوں کا جو اپنی فوج کے دوش بدوش لڑ رہے تھے، صفایا کرتے چلے جا رہے تھے۔ رومیوں کی فوج دوسرے دروازوں کے آگے بھی چلی گئی تھی۔ اس طرح یہ فوج تقسیم ہو کر مرکز درہم گئی تھی۔ اس سے خالدؓ نے بہت فائدہ اٹھایا۔

ادھر باب جابہ کھل گیا اور ابو عبیدہؓ اپنے دستوں کے ساتھ تو ما کے انچیر کی رہنمائی میں شہر میں داخل ہوئے۔ تو مانے تین اور دروازے کھول کر اعلان کرادیا کہ صلح ہو گئی ہے اور رومی دشمن سے جا رہے ہیں معاہدہ ہو گیا ہے کہ لوٹ مار نہیں ہوگی۔ مسلمان کسی شہری کو قتل نہیں کریں گے اور کسی عورت کو مسلمان اپنے قبضے میں نہیں لیں گے۔

غروب آفتاب میں کچھ وقت ابھی باقی تھا جب ابو عبیدہؓ شہر میں داخل ہوئے تھے خود تو مانے آگے بڑھ کر ابو عبیدہؓ کا استقبال کیا۔ تو مانے ساتھ اس کا ایک سالار ہرئس بھی تھا۔ دشمن کا بڑا پادری بھی تھا۔

”اے رومیو!“ — ابو عبیدہؓ نے تو مانا اور ہرئس سے کہا — ”تم خوش قسمت ہو کہ تم نے خود ہی شہر ہمارے حوالے کر دیا ہے۔ اس سے تم نے اپنے آپ کو، اپنی فوج اور شہریوں کو بہت بڑی دلت سے بچالیا ہے، اور تم نے اپنے مال و اموال کو بھی بچالیا ہے۔ اور یہ شہر کیسا ہے؟ کیا کہیں لڑائی ہو رہی ہے؟“
 ”لوگ صلح کی خوشی میں شور مچا رہے ہیں۔“ تو مانا نے جھوٹ بولا۔ ”وہ دیکھیں۔ میری فوج دیوار کے ساتھ کھڑی ہے۔ سب کے ہتھیار زمین پر پڑے ہیں۔“

اس وقت خالدؓ شہر کے اُس حصے پر غالب آچکے تھے جس میں رومی فوج کے دو تین دستوں نے ان کا مقابلہ کیا تھا۔ اب خالدؓ بچ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ حیران تھے کہ شہر کی باقی فوج ان کے مقابلے کے لیے کیوں نہیں آ رہی؟ اسے خالدؓ چندہ سمجھ رہے تھے، اسی خطرے کے پیش نظر وہ محتاط ہو کر آگے بڑھ رہے تھے۔ باہر سے ان کا رابطہ ٹوٹ گیا تھا۔ انہیں ایسی توقع نہیں تھی کہ دروازے کھل جائیں گے اور ان کی باقی فوج بھی اندر آجائے گی، خالدؓ اپنے آپ کو بڑی ہی خطرناک صورت حال میں پھنسا ہوا محسوس کر رہے تھے۔

دشمن کے وسطی حصے میں شہر کا بڑا گرجا تھا جو کلیسا سے مرعہ کھاتا تھا۔ ابو عبیدہؓ کو وہاں لے جا باجرا تھا۔ وہ گرجے کے قریب پہنچے ہی تھے کہ خالدؓ اپنے محافظوں کے ساتھ ادھر آئے۔ انہوں نے ابو عبیدہؓ کو ایسے پراس انداز سے تو مانا وغیرہ کے ساتھ دیکھا کہ ان کی تلواریں نیاموں میں تھیں تو خالدؓ بن ولید پریشان ہو گئے۔

ابو عبیدہؓ نے خالدؓ اور ان کے محافظوں کو دیکھا۔ خالدؓ کے ہاتھ میں تلوار اور ڈھال تھی۔ تلوار خون سے لال تھی۔ دستے تک خون لگی ہوا تھا۔ خالدؓ پسینے میں نہاتے ہوئے تھے اور ان کے کپڑوں پر خون کے بے شمار چھینٹے اور دھبے تھے۔ ان کا سانس چھو لاجرا تھا۔ خالدؓ کے محافظوں کی بھی حالت ویسی ہی

میدان جنگ میں دونوں کی پہلی ملاقات، جوئی تو خالدؓ گھوڑے پر سوار نہیں تھے۔ ابو عبیدہؓ گھوڑے پر سوار تھے۔ خالدؓ چونکہ سالارِ اعلیٰ تھے اس لیے ابو عبیدہؓ نے اتر کر خالدؓ سے ملنا چاہا لیکن خالدؓ نے انہیں روک دیا اور کہا کہ میرے دل میں اپنے احترام کو قائم رکھیں۔

وہ ابو عبیدہؓ اب خالدؓ سے پوچھے بغیر دشمن کے متعلق بڑا اہم فیصلہ کر بیٹھے اور اسے بدلنے پر آمادہ نہیں ہو رہے تھے۔ ابو عبیدہؓ عشرہ مبشرہ میں سے بھی تھے۔ ابو عبیدہؓ کی تمام خوبیوں اور اسلامی معاشرے میں ان کی قدر و منزلت کو تسلیم کرتے ہوئے اس دور کے وقائع نگار اور مورخ لکھتے ہیں کہ جنگی امور کی جو سوجھ بوجھ خالدؓ میں تھی وہ ابو عبیدہؓ میں نہیں تھی۔ وہ بائیکوئل کو نہیں سمجھتے تھے۔ البتہ عرب و ضرب میں ہمارت رکھتے تھے۔

”میں تجھے امیر مانا ہوں ابوسلیمان“۔ ابو عبیدہؓ نے کہا۔ ”لیکن یہ سوچ کہ میں اپنے دستوں کے ساتھ پُر امن طریقے سے شہر میں لایا گیا ہوں“۔

”ابن ابی جراح“۔ خالدؓ نے کہا۔ ”آج تجھے دکھاؤں کہ میں کس طرح شہر میں داخل ہوا ہوں اور رات سے اب تک مجھے کیسی لڑائی لڑنی پڑی ہے۔ ان ردیوں نے دیکھا کہ یہ لڑائیں کتنے اور میں شہر کے اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا تو یہ تیرے پاس جا بیٹھے ہیں انہیں معاف نہیں کر دوں گا“۔

”ابوسلیمان“۔ ابو عبیدہؓ نے دہلے سے کہا۔ ”کیا تو ان سے نہیں ڈرتا؟ میں نے انہیں اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ ان سے حفاظت کا وعدہ کر چکا ہوں“۔

لیکن خالدؓ ابو عبیدہؓ کی بات ماننے پر آمادہ نہیں تھے۔

”آؤ ابوسلیمان“۔ ابو عبیدہؓ نے افسوس کے لہجے میں کہا۔ ”میں نے جب ان کی شرطیں من کر انہیں حفاظت کا وعدہ دیا تھا، اس وقت مجھے گمان تک نہ ہوا تھا کہ تو میرے فیصلے پر اعتراض کرے گا۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ تو لڑا رہا ہے۔ میں نے اپنے اللہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق اور انہی کے نام پر رویوں کو نبش دیا ہے۔۔۔ سمجھ لے ابوسلیمان، میری بات سمجھ لے۔ مجھے بدعہدی کا الزام نہ مکنے دے“۔

دونوں کے درمیان بحث خلتی رہی خالدؓ کے محافظوں کو بھی غصہ آگیا۔ وہ تلواریں سونت کر ٹوٹا اور اس کے ساتھیوں پر جھپٹے۔ وہ انہیں قتل کر دینا چاہتے تھے۔ انہیں کسی طرح شک ہو گیا تھا کہ یہ رویوں کی چال ہے جو دو سالاروں کو لڑا رہی ہے۔ محافظوں نے ٹوٹا وغیرہ پر قبضہ کر لیا تو ابو عبیدہؓ دوڑ کر ان کے آگے ہو گئے۔

”خبردار!“۔ ابو عبیدہؓ نے کہا۔ ”پہلے کچھ فیصلہ ہونے دو۔ یہ ابھی میری پناہ میں ہیں، اور تمہیں جب تک حکم نہیں ملتا تم کوئی حرکت نہیں کر سکتے“۔

خالدؓ نے ابو عبیدہؓ کے اس حکم کو بھی برداشت کیا۔ خالدؓ کی موجودگی میں ابو عبیدہؓ کوئی حکم نہیں دے سکتے تھے۔ یہ صورت حال مسلمانوں کے لیے اچھی نہیں تھی۔ ایک غلطی تو خالدؓ سے ہوئی تھی کہ محمدؐ پھینک کر شہر میں داخل ہونے جیسا خطرناک کام کر رہے تھے مگر ابو عبیدہؓ کو اطلاع نہ دی، حالانکہ وہ خالدؓ کے قاتل نام سالار تھے۔ خالدؓ نے تو ان سالاروں میں سے بھی کسی کو نہ بتایا جو شہر کے دوسرے دروازوں کے سامنے اپنے دستوں کے ساتھ موجود تھے۔ اس کے علاوہ غلطی ابو عبیدہؓ کی تھی جنہوں نے

وہ فیصلہ کیا جو صرف سالارِ اعلیٰ کو کرنا چاہیے تھا۔

خالدؓ اور ابو عبیدہؓ کے درمیان یہ جھگڑا ان کی انا کا مسئلہ بن کر کوئی ناگوار صورت اختیار کر سکتا تھا لیکن یہ اس دور کا واقعہ ہے جب مسلمان آپس کے کسی جھگڑے کو ذاتی مسئلہ نہیں بنایا کرتے تھے اور ان کے حاکم اپنے آپ کو آج کل کے حاکموں کی طرح نہیں سمجھا کرتے تھے۔ خالدؓ نے دوسرے سالاروں کو بلایا۔ اس وقت تک دوسرے دستے بھی شہر میں آچکے تھے۔ سالار جب خالدؓ کے پاس آئے تو خالدؓ نے اپنا اور ابو عبیدہؓ کا جھگڑا ان کے آگے رکھ دیا۔

”ابن ولید!“۔ سالاروں نے آپس میں بحث مباحثہ کر کے خالدؓ سے کہا۔ ”ابو عبیدہؓ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن وہ جو فیصلہ کر چکے ہیں اس پر عمل کرنا چاہیے، ورنہ یہ خود در در تک پھیل جائے گی کہ مسلمان دھوکہ باز ہیں، صبح اور عام معافی کا وعدہ کرتے ہیں پھر لوٹ مار اور قتل عام کرتے ہیں“۔

”ابن ولید!“۔ سالار شریک بن حسنہ نے کہا۔ ”ہم نے پہلے دیکھا ہے کہ بعض شہر میں رحمت کے بغیر مل گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان شہروں میں ہماری ذہال آمد سے آگے آگے یہ خبر مشہور ہو گئی تھی کہ مسلمانوں کی شرطیں سخت نہیں ہوتیں اور اپنی شرطوں پر قائم رہتے ہیں اور رحمتی سے ہر کسی سے پیش آتے ہیں۔۔۔ ابن ولید! آپس اس روایت کو برقرار رکھنا چاہیے ورنہ پھر کوئی شہر ہمیں آسانی سے نہیں ملے گا“۔

”خدا کی قسم!“۔ خالدؓ نے غصے کو دباتے ہوئے کہا۔ ”تم سب مجھے مجبور کر دیا ہے“۔

رومی سالار ٹوٹا اور ہرگز ذرا ڈر کھڑے اپنی قسمت کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔ خالدؓ نے ان کی طرف دیکھا تو غصہ بھرتیز ہو گیا۔

”میں تم سب کا فیصلہ قبول کرتا ہوں“۔ خالدؓ نے کہا۔ ”لیکن ان دونوں رومی سالاروں کو نہیں چھوڑ دوں گا۔ میں انہیں زندہ رہنے کا حق نہیں دے سکتا“۔

”تجھ پر اللہ کی رحمت ہو ولید کے بیٹے!“۔ ابو عبیدہؓ نے کہا۔ ”انہی دونوں کے ساتھ تو میرا معاہدہ ہوا ہے اور انہی کو میں نے حفاظت کی ضمانت دی ہے۔ میرے فیصلے کو تو نے قبول کر ہی لیا ہے تو ان دونوں کو بھی جانے دے“۔

”میرے عہد نے انہیں میرے ہاتھ سے بچالیا ہے“۔ خالدؓ نے غصہ بک کر آواز میں کہا۔

”لیکن یہ دونوں اللہ کی لعنت سے نہیں بچ سکیں گے“۔

ایک اور مورخ بلاذری نے لکھا ہے کہ ٹوٹا اور ہرگز کے پاس ایک آدمی کھڑا تھا جو عربی زبان سمجھتا اور بولتا تھا۔ وہ مسلمان سالاروں کی باتیں سن کر ٹوٹا اور ہرگز کو رومی زبان میں سنانا جاتا تھا۔ آخر انہیں عام معافی کے فیصلے سے آگاہ کیا گیا۔

”آپ سب ہم پر احسان کیا ہے“۔ ٹوٹا نے خالدؓ اور ابو عبیدہؓ کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ ”میں اجازت دی جانے کے لیے اپنی منزل تک ہم اپنی پسند کے راستے سے جا سکیں“۔

ابو عبیدہؓ نے خالدؓ کی طرف دیکھا کہ وہ جواب دیں گے لیکن خالدؓ نے منہ پھیر لیا۔

”تمہیں اجازت ہے“۔ ابو عبیدہؓ نے ٹوٹا کو جواب دیا۔ ”جس راستے پر چاہو جا سکتے ہو“۔

لیکن یہ بھی سن کر۔ تم جہاں روکے جاہاں قیام کرو گے، اگر ہم نے اس پر قبضہ کر لیا تو ہم سے اپنی

حفاظت کی توقع نہ رکھنا۔ تمہارے ساتھ جو معاہدہ کیا جا رہا ہے یہ صرف اُس مقام تک ہے جہاں تم جا رہے ہو۔ یہ دوستی کا معاہدہ نہیں۔“

”اگر معاہدہ عارضی ہے تو میری ایک درخواست اور ہے۔“ تو مانے کہا۔ ”ہیں تین دنوں کی اہلیت دی جائے کہ ہم اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔ تین دنوں بعد ہم معاہدے کو ختم سمجھیں گے۔“

پھر ہم تمہارے ساتھ جو سلوک کرنا چاہیں گے کریں گے۔ خالدؓ کو جرح کر لو۔

”آپ ہمیں قتل کر سکتے ہیں۔“ تو مانے کہا۔ ”ہیں پھر پورا اپنا غلام بنا سکتے ہیں۔“

”یہ بھی منظور ہے۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”تین دنوں میں ہی کہیں غائب ہو جانا۔ دال تک چلے جانے کی کوشش کرنا جہاں تک میں نہ پہنچ سکوں.... اب ایک شرط میری بھی سن لو.... ہم اپنے ساتھ چند دنوں کے کھانے کے پینے کا سامان لے جا سکو گے۔ اس سے زیادہ تم کچھ نہیں لے جا سکو گے۔ کوئی آدمی ہتھیار لے کر نہیں جائے گا۔“

”نہیں ابوسلمان!۔“ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا۔ ”تیری یہ شرطیں اُس معاہدے کے خلاف ہیں جو میں نے ان کے ساتھ کیا ہے۔ یہ اپنا مال و اسباب اور کچھ یہ لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ میں انہیں یہ حق دے چکا ہوں۔“

خالدؓ نے گزشتہ رات کو اپنے آپ کو زندگی کے سب سے بڑے خطرے میں ڈالا تھا کہ دیوار پر کماندہ بیک کر اوپر چلے گئے تھے۔ اب ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو ایک اور خطرے ہی سخت امتحان میں ڈال دیا تھا۔ خالدؓ رسولؐ پر اپنی کوئی نہ کوئی شرط عائد کرنا چاہتے تھے مگر ابوعبیدہؓ ان کی ہر شرط کو یہ کہہ کر رد کر دیتے تھے کہ تو مانے کے ساتھ وہ کچھ اور معاہدہ کر چکے ہیں۔ خالدؓ کو بار بار اپنے غصے کو دباننا پڑتا تھا۔ یہ کام بہت مشکل تھا۔

”لے جائیں۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”جو کچھ اٹھا سکتے ہیں لے جائیں لیکن ان میں کوئی بھی کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لے جائے گا۔“

”ہم پر یہ ظلم نہ کریں۔“ تو مانے کہا۔ ”ہم لمبے سفر پر جا رہے ہیں۔ راستے میں کوئی اور دشمن ہم پر حملہ کر سکتا ہے۔ ہمیں ہنست دیکھ کر ڈاکو ہی نہیں ٹوٹ لیں گے۔ اگر آپ ہمیں منست یہاں سے نکالنا چاہتے ہیں تو ہمیں یہیں رہنے دیں اور ہمارے ساتھ جیسا سلوک چاہیں کریں۔ ایک طرف آپ کی نیکیاں اتنی ہیں کہ ان کا شمار نہیں مگر آپ کا یہ حکم ہمارے قتل کے برابر ہے کہ ہم ہنستے جائیں۔“

خالدؓ کچھ دیر تو مانے کے منہ کی طرف دیکھتے رہے۔ ان کا چہرہ تباہ تھا کہ وہ اپنے اوپر جبر کر رہے ہیں۔

”اے رومی سالار!۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”تو خوش قسمت ہے کہ حج کے لیے تو میرے پائلیر

آگیا تھا.... میں تجھے ہتھیار اپنے ساتھ لے جانے کی بھی اجازت دے دیتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ ہر شخص جس میں تو بھی شامل ہے صرف ایک ہتھیار لے جا سکتا ہے۔ ایک تلوار یا ایک برہمی یا ایک

کمان اور ایک ترکش یا ایک برہمی یا ایک خنجر۔ اس کے بعد معاہدہ لکھا گیا جس کے الفاظ یہ تھے:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سالار اعلیٰ عساکر مدینہ خالد بن ولید کی طرف سے دمشق کے باشندگان کے ساتھ یہ معاہدہ ہوا ہے۔ مسلمان شہر دمشق میں داخل ہوں گے وہ اس کے ذمہ دار ہوں گے کہ شہر کے لوگوں کے جان و مال کا، ان کی املاک کا، ان کی عزت و آبرو کا تحفظ کریں۔ اس میں ان کی عبادت گاہوں اور شہر کی فہیل کا تحفظ بھی شامل ہے۔ انہیں اللہ اور رسولؐ اور تمام مومنین و مومنات کی طرف سے ضمانت دی جاتی ہے۔ ان کے ساتھ مسلمان رحمدلی اور ہمدردی کا سلوک اُس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک اہل دمشق جزیہ دیتے رہیں گے۔“

جزیرہ کی رقم ایک دینار فی کس مقرر ہوئی اور کچھ مقدار اناج وغیرہ کی مقرر ہوئی جو اہل دمشق نے مسلمانوں کو دینی تھی۔



وہ منظر مجاہدین کے لیے بڑا ہی تکلیف دہ تھا جب رومی فوج دمشق سے روانہ ہوئی جو شہری دمشق میں نہیں رہنا چاہتے تھے وہ فوج کے ساتھ جا رہے تھے۔ ان کی فوج نے شہر لوٹ کر اپنے حصا میں لے رکھا تھا جیسے مسلمان ان پر لوٹ پڑیں گے۔ رومی سپہ سالار تو ما بھی جا رہا تھا۔ اُس کی اُس آنکھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی جس میں تیر کا ٹکڑا ابھی تک موجود تھا۔ اُس کے ساتھ اُس کی بیوی بھی جو شہنشاہ روم ہرقل کی بیٹی تھی۔ اُس وقت کی وہ بہت ہی حسین اور جوان عورت تھی۔ شاہی مال و اسباب بے شمار گھوڑا گاڑیوں میں جا رہا تھا۔ ظاہر ہے ان گاڑیوں میں خزانہ بھی جا رہا تھا۔

دمشق کے وہ باشندے جنہوں نے دمشق میں رہنا پسند نہیں کیا تھا وہ اپنا مال و متاع گھوڑا گاڑیوں اور دیریلوں پر لے جا رہے تھے جنہیں پھر بھیج رہے تھے۔ ان میں منڈی کا مال اور تجارتی مال بھی جا رہا تھا۔ مورخ بلاذری اور واقدی لکھتے ہیں کہ سونے چاندی کے بعد جو بیش قیمت سامان جا رہا تھا وہ بڑے عمدہ زلفیت کی تین سو سے کچھ زائد کانٹھیں تھیں۔ ایک مورخ نے لکھا ہے کہ یہ ہرقل کی تھیں اور بعض نے لکھا ہے کہ یہ منڈی کا مال تھا۔ لوگ دودھ والے مولشی بھی ساتھ لے جا رہے تھے مختصر یہ کہ دمشق سے تمام مال و دولت جا رہا تھا۔

خالدؓ کے مجاہدین دیکھ رہے تھے۔ یہ ان کا مال غنیمت تھا جو ان کا جائز حق تھا۔ زیادہ افسوس ان دستور کے مجاہدین کو ہو رہا تھا جنہوں نے شہر کے اندر جا کر بڑی محنت لڑائی لڑی تھی۔ اس سے بھی زیادہ افسوس ان ایک سو جاننا زول کو تھا جن میں سے بچاں کمنہ دل سے دیوار پر گئے تھے اور باقی بچاں دروازہ کھلتے ہی سب سے پہلے اندر گئے تھے۔ ان سب سے لڑکر شہر لیا تھا۔

خالدؓ کا اپنا یہ حال تھا کہ دمشق سے جانے والے مال و اسباب کو دیکھ کر غصے سے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ انہوں نے اپنے مجاہدین کو دیکھا۔ ان کے چہروں پر افسردگی اور غصے کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے بعض کے تاثرات تو ایسے تھے جیسے وہ دمشق سے جانے والوں پر ہلہ بول دیں گے اور اپنا حق وصول کر لیں گے۔

مورخ واقدی اور ابن قتیبہؒ نے لکھا ہے کہ خالدؓ کے لیے اپنے غصے پر قابو پانا محال ہو رہا تھا آخر انہوں نے دونوں ہاتھ آگے اور کچھ اوپر کر کے آسمان کی طرف دیکھا اور ذرا اونچی آواز میں کہا۔

مترشح بلاذری نے لکھا ہے کہ یونس ابن مرقس عقل اور ذہانت کے لحاظ سے کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ خالد اس سے متاثر تھے اور خالد اس کے احسان مند بھی تھے۔ وہ مشق کی فتح اس یونانی جرنال کے لئے اصرار نہیں کرتے تھے۔ خالد کو یہ شخص اس لیے بھی اچھا لگتا تھا کہ اس نے

سے زائد گانٹھیں جو بڑے بڑے بندلوں کی مانند تھیں، ہر طرف پکھری پڑی تھیں۔ بعض گانٹھیں کھل گئیں اور کپڑا کھل کر کھج گیا تھا۔

زرافت کا کپڑا اتنا زیادہ بکھرا کہ اس جگہ کا نام مرجع الدیبا ج، یعنی رشیم کا خیابان پڑ گیا۔ یہاں جو معرکہ لڑا گیا اسے تمام مورخوں نے معرکہ مرجع الدیبا ج لکھا ہے۔

یہ گھوڑ سوار جنہوں نے رومیوں اور دشمن والوں کے قافلے پر حملہ کیا تھا، ان کی تعداد ایک ہزار تھی اور یہ خالدؓ کے بھیجے ہوئے سوار تھے۔ اس حملے کی تفصیلات یوں ہیں کہ یونس ابن مرقس نے جب خالدؓ کو بتایا کہ وہ انہیں ایک چھوٹے راستے سے رومیوں تک پہنچا سکتا ہے تو خالدؓ کو روشو نظر آئی۔ یونس ابن مرقس خالدؓ کو اس لیے تعاقب اور حملے پر اکسارہا تھا کہ وہ اپنی بری کو پکڑ کر اپنے ساتھ لانا چاہتا تھا لیکن خالدؓ کچھ اور سوچ رہے تھے۔ انہوں نے اپنی فوج کی مایوسی دیکھی تھی۔ دشمن مال غنیمت اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔

خالدؓ پر پابندی یہ عائد ہو گئی تھی کہ رومیوں کو تین دنوں کی مسرت دی گئی تھی۔ اس دوران مسلمان ان پر حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ تین دنوں میں رومیوں کو کسی نہ کسی پناہ میں پہنچ جانا تھا لیکن یونس ابن مرقس کہتا تھا کہ قافلہ الطاقیہ جا رہا ہے اور یونس اسے راستے میں پکڑوا سکتا ہے۔ خالدؓ کو غصہ اور تاسف پریشان کر رہا تھا۔ دشمن مال غنیمت کے ابو عبیدہؓ کی غلطی یا غلط فہمی سے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ یونس کی یقین دہانی پر خالدؓ نے حملے کا پلان تیار کر لیا۔

اس پلان کے مطابق خالدؓ نے وہ سوار دستہ ساتھ لیا جو انہوں نے گھوم پھر کر لڑنے کے لیے تیار کیا تھا۔ اسے طریقہ کہتے ہیں۔ یہ چار ہزار منتخب سواروں کا دستہ تھا۔ ہر سبب شہسوار اور جانباز تھے۔ اس دستے کا گائیڈ یونس ابن مرقس تھا۔ وہ خوش تھا کہ خالدؓ اُس کی بیوی اُسے دلائے کے لیے اتنا بڑا جنگی اہتمام کر رہے ہیں لیکن خالدؓ کے سامنے کچھ اور مسئلہ تھا جو اوجہ بیان کیا گیا ہے۔

خالدؓ نے اس دستے کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور روانہ ہو گئے۔ ان کی رفتار بہت تیز تھی۔ خالدؓ نے ہر حصے کے سالار کو اور سواروں کو بھی بتا دیا تھا کہ جس قافلے پر حملہ کرنے جا رہے ہیں اسے صرف قافلہ نہ سمجھیں۔ وہ سب ستم ہیں، اُن کے پاس گھوڑے بھی ہیں اور وہ رومی جو جان کی بازی لگا کر لڑنا جانتے ہیں اور وہ سپاہی ہیں جن کو منظم طریقے سے پیچھے ہٹتے ہیں، بھاگتے نہیں۔



جو تھے دن رومی فوج اور دشمن کے پاشندوں کا یہ قافلہ الطاقیہ سے ابھی کچھ دور تھا کہ سواروں کا بارش نے اسے بکھیر دیا۔ جمل ہی بارش ختم ہوئی، ایک ہزار گھوڑ سواروں نے ان پر حملہ کر دیا۔ رومی ٹیکہ کھو جہاں رہ گئے کہ ان سواروں کے آگے آگے ضرار ان الا زور تھے جنہوں نے حسب معمول سر پر خود بھی نہیں رکھی تھی اور فیش بھی اتاری ہوئی تھی۔ وہ کمر تک برہنہ تھے۔

مورخ لکھتے ہیں کہ رومی سالار تو ما اور ہر میں پہلے تو اس پر حیران ہوئے کہ مسلمان کدھر سے آئے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ انہیں دشمن کا ہی ایک گائیڈ مل گیا تھا جو انہیں ایک چھوٹے راستے سے لے گیا۔

”ہر میں؟“ — تو مانے کہا۔ ”سب کو مقابلے کے لیے تیار کرو۔ مسلمانوں نے ہمیں تین دنوں کی ضحانت دی تھی۔ یہ تین دن ختم ہو گئے ہیں۔“

”جسم کو مقابلہ کرو۔“ ہر میں نے لکھار کو کہا۔ ”یہ بہت تھوڑے ہیں۔ کٹا دو انہیں۔“ رومی فوج حملہ روکنے کی ترتیب میں ہو گئی۔ دشمن کے جو شہری لڑ سکتے تھے وہ بھی مسلمانوں کے مقابلے میں آگئے۔ رومی سپاہی اور اہل دشمن بارش سے بھیجے ہوئے تھے اور اُن کا سامان بکھرا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی عورتوں کو بچوں کو پیچھے کر دیا اور اُن کے ڈیڑھ دو سو آدمی تلواریں اور پرچھیاں لے کر عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے کھڑے ہو گئے۔

رومی لکھار اور نعرے لگا لگا کر لڑ رہے تھے۔ ضرار جو برہنہ جنگجو کے نام سے مشہور ہو گئے تھے اپنی روایت کے مطابق لڑ رہے تھے بلکہ جو سامنے آیا اسے کاٹتے جا رہے تھے لیکن رومی جیل بگڑی سے لڑ رہے تھے اس سے ہی نظر آ رہا تھا کہ وہ مسلمان سواروں کا صفایا کر دیں گے۔

تقریباً نصف گھنٹہ گزرا ہو گا کہ ایک طرف سے خالدؓ کے دستے کے ایک ہزار مزید سوار گھوڑے سرسپٹ دوڑتے آ رہے تھے۔ ان کے سالار رافع تھے۔ رومی سالاروں نے دیکھا تو انہوں نے اپنی ترتیب بدل ڈالی اور چیل چلا کر کہنے لگے کہ وہ ان سواروں کو بھی ختم کر دیں گے۔ اُن کے لڑنے کا انداز ہی ایسا تھا کہ وہ اپنے دعوے کو صحیح ثابت کر سکتے تھے۔ معرکہ اور زیادہ غوریز ہو گیا۔

نصف گھنٹہ اور گزرا ہو گا کہ مزید ایک ہزار سوار شمال کی طرف سے آئے۔ ان کے سالار خلیفۃ المسلمین کے بیٹے عبدالرحمن تھے۔ اب رومیوں کے حوصلے مجروح ہونے لگے۔ یہ ایک ہزار سوار جھڑپ سے آئے تھے۔ یہ رومیوں کی پسپائی کا راستہ تھا۔ اُدھر الطاقیہ تھا۔ مسلمانوں نے یہ راستہ روک لیا تھا۔

اب تین ہزار مسلمان سوار رومیوں پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے تھے لیکن رومی اور اہل دشمن پہلے سے زیادہ شدت سے لڑنے لگے۔ یہ معرکہ اُن کے لیے زندگی اور موت کا معرکہ بن گیا تھا۔ اُن کا ٹاٹا ہی قیمتی مال و متاع، اُن کے بچے اور بڑی خوبصورت اور جوان بیٹیاں انہیں اور بیویاں اُن کے ساتھ تھیں۔ وہ بھاگ نہیں سکتے تھے۔ اُن کے لڑنے میں شدت پیدا ہو گئی۔

تقریباً ایک گھنٹہ تک رومیوں نے مسلمانوں کا ٹاک میں دم کیے رکھا۔ اُن کا سالار تو ما جس کی آنکھ میں تیرا ترا ہوا تھا، سپاہیوں کی طرح لڑ رہا تھا۔ اچانک ایک ہزار مزید گھوڑ سوار ایک اور سمت سے آئے۔ ان کا سالار تلوار بند کیے نعرے لگا رہا تھا:

آنا فارس الضدیہ

آنا خالد بن ولید

رومی اس نعرے سے بخوبی واقف تھے۔ ان ایک ہزار سواروں کے قائمہ خالدؓ خود تھے۔ یہ تھا خالدؓ کا پلان۔ وہ ایک ایک ہزار سوار بھیجتے رہے اور آخر میں خود ایک ہزار سواروں کے ساتھ آئے۔ خالدؓ تو ما اور ہر میں کو ڈھونڈ رہے تھے۔

”کہاں ہے ایک آنکھ والا رومی؟“ خالدؓ لکھار رہے تھے۔ ”کہاں ہے وہ جس کی ایک آنکھ

مسلمان سواروں نے اپنے شہیدوں کی لاشوں کو اور زخمیوں کو اٹھایا، مال غنیمت رومیوں کی گھوڑا گاڑیوں پر لاد کر عورتوں اور بچوں کو مرے ہوئے رومیوں کے گھوڑوں پر بٹھایا اور دمشق کو چل پڑے۔ یہ اگلی صبح تھی۔

جب مال غنیمت وغیرہ اکٹھا کیا جا رہا تھا اس وقت خالد بن ولید عورتوں کے قریب جا کر احکام دے رہے تھے۔ انہیں یونس ابن مرقس اپنی طرف آنا دکھائی دیا۔ اُس سے پوچھا کہ اُسے اپنی بیوی ملی ہے یا نہیں۔ ”مل گئی ہے“۔ یونس نے روتے ہوئے جواب دیا۔ ”لیکن زندہ نہیں۔ اُس نے اپنے بچے سے اپنے آپ کو مار دیا ہے۔“

”عم نہ کر ابن مرقس! خالد نے کہا۔ تو اس سے زیادہ قیمتی انعام کا حقدار ہے۔ آ، میں تجھے اُس سے زیادہ خوبصورت بیوی دوں گا۔“

خالد نے اُسے ایک رومی عورت دکھائی جو جوان تھی اور جس کا سن لاجواب تھا۔ اُس کا لباس ریشم کا تھا اور اُس کے گلے میں بڑا قیمتی ہار تھا۔

”یہ تیرا مال غنیمت ہے“۔ خالد نے اُسے حُن کا یہ پیکر دکھا کر کہا۔ ”میں اس کے ساتھ تیری شادی کر دوں گا۔“

”نہیں سالار محترم! یونس ابن مرقس نے گھبراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ میں اس کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا۔ آپ شاید نہیں جانتے۔ یہ شہنشاہ ہرقل کی بیٹی ہے۔ یہ ان کے سالار تو ماکا بیوی تھی۔“

”اب یہ کئی شہنشاہ کی بیٹی نہیں“ خالد نے کہا۔ ”اب یہ تیری بیوی ہوگی۔“

”یہ مجھے واپس کرنی پڑے گی“۔ یونس ابن مرقس نے کہا۔ ”ہرقل اپنی بیٹی کو واپس لینے کے لیے اپنی تمام تر سلطنت کی فوج اکٹھی کر کے دمشق پر حملہ کر دے گا۔ ایسا نہیں کرے گا تو فدیہ ادا کر کے اسے آپ سے واپس لے لے گا۔“

خالد غاموس ہو گئے۔



اگلی صبح خالد واپس روانہ ہوئے۔ وہ بہت خوش تھے۔ انہوں نے معاہدہ نہیں توڑا تھا اور اپنا مقصد بھی پورا کر لیا تھا۔

دمشق تک جانے والا راستہ آدھا طے ہوا تھا کہ الناکہ کی طرف سے بارہ چودہ گھوڑا سوار آئے۔ وہ رومی تھے۔ ان میں ایک اونچی حیثیت کا معلوم ہوتا تھا۔ وہ خالد سے ملنا چاہتا تھا۔ اُسے خالد تک پہنچا دیا گیا۔

”میں شہنشاہ ہرقل کا اچھی ہوں“۔ اُس نے کہا۔ ”اور یہ میرے محافظ ہیں۔ میں اس سے آیا ہوں۔ اس امید کے ساتھ کہ آپ بھی مجھے امن اور دوستی ملے گی۔“

”کیا پیغام لاتے ہو؟“ خالد نے پوچھا۔

”شہنشاہ ہرقل کو اطلاع مل گئی ہے کہ آپ نے ہماری فوج اور دمشق سے ہجرت کرنے والوں پر حملہ کیا ہے۔ ہرقل کے انہی نے کہا۔“ شہنشاہ نے آپ کے حملے کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ انہوں

میں مومن کا تیرا بھڑا ہے۔“

رومی سالاروں کی تلاش میں خالد دشمن کے دور اندر چلے گئے۔ وہ اکیلے تھے۔ اُن کے محافظوں کو بھی پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں غائب ہو گئے ہیں۔

”ابن ابی بکر! خالد کا ایک محافظ سالار عبدالرحمن کو دیکھ کر اُن تک پہنچا اور لڑائی کے شور و غل پر چلا کر بولا۔“ سالار اعلیٰ کا کچھ پتہ نہیں۔ اکیلے آگے چلے گئے ہیں۔“

”نہیں نہیں۔“ عبدالرحمن نے گھبرا کر کہا۔ ”ابن ولید لا پتہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی تلوار گر نہیں سکتی۔“

عبدالرحمن نے کچھ سواروں کو ساتھ لیا، بے طرح اور بے خطر اُس فسطح گئے جدھر خالد چلے گئے تھے۔ لڑائی ایسی تھی جیسے سوار ختم کر رہے ہوں۔ عبدالرحمن ان میں راستہ بناتے خالد کو ڈھونڈنے لگے۔ دیکھا کہ خالد دشمن کے قلعہ میں پہنچے ہوئے تھے اور وہ تو ماکا اور دوسرے رومی سالاروں کو ہلاک کر چکے تھے اور اب رومیوں کے زخم سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اُن کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہو

سکتی تھی کیونکہ رومی زیادہ تھے۔ یہ خالد تھے جو ابھی تک ہر وار بچا رہے تھے۔ رومیوں کے ہاتھوں اُن کی شہادت یقینی تھی۔ عبدالرحمن اپنے سواروں کے ساتھ پہنچ گئے اور رومیوں پر ایسا زور وار حملہ کیا کہ ان میں سے کئی ایک کو ہلاک کر دیا اور خالد کو ڈال سے زندہ بچال لائے۔

اس معرکے کی صورت ایسی بن گئی تھی کہ کوئی ترتیب نہیں رہی تھی۔ کچھ لڑائی تھی جو لڑنے والے اپنے اپنے انداز سے انفرادی طور پر لڑ رہے تھے۔ مسلمان سواروں کی کمزوری یہ تھی کہ ان کی تعداد کم تھی اس لیے وہ رومیوں اور مال دشمن کی اتنی زیادہ نفری کو گھیرے میں نہیں لے سکتے تھے۔ اس سے یہ ہوا کہ رومی اپنے سالاروں کی ہلاکت کے بعد ایک ایک دوسرے کے میں سے نکلنے لگے۔ وہ علاقہ پہاڑی تھا اور کھٹانا لے بھی تھے۔ رومی وہیں کہیں غائب ہوئے گئے اور الناکہ کی طرف نکل گئے۔ اس طرح معرکہ آہستہ آہستہ ختم ہو گیا۔



خالد کے حکم سے عورتوں کو گھیرے میں لے لیا گیا۔ کچھ عورتیں بھاگ گئی تھیں عورتوں کے ساتھ کئی آدمیوں کو بھی قیدی بنالیا گیا۔ اس قافلے کے ساتھ جہاں اسواں، غزانہ اور دیگر قیمتی سامان جا رہا تھا وہ سب وہیں رہ گیا۔ یہ مجاہدین کا مال غنیمت تھا۔

ڈال ایک حادثہ یوں ہوا کہ یونس ابن مرقس اپنی بیوی کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ وہ اُسے نظر نہ آئی۔ وہ اُس کی فسطح دوڑا۔ لڑکی بھاگ نکلی لیکن وہ کہیں جا نہیں سکتی تھی کیونکہ سب عورتیں مسلمان سواروں کے گھیرے میں تھیں۔ لڑکی نے جب دیکھا کہ کوئی راہ فرار نہیں اور یونس جو مسلمان ہو چکا تھا، اُسے پکڑنے کا تو اُنس نے اپنے پکڑوں کے اندر ہڈ ڈالا اور خنجر نکال لیا۔ یونس کے پہنچنے تک لڑکی نے خنجر اپنے سینے میں گھونپ لیا۔ وہ مری اور یونس اُسے اٹھائے لگا۔

”جا ابن مرقس! لڑکی نے کہا۔“ میرا خاوند مسلمان نہیں ہو سکتا۔“ اور وہ مری۔

یونس ابن مرقس دھڑلے مار مار کر زور لگا۔ اس لڑکی کی خاطر اُس نے دمشق مسلمانوں کو دلوایا تھا۔ پھر یہ خونریز معرکہ لڑا تھا مگر لڑکی نے اپنا خون بہا کر اُس کی محبت کا خون کر دیا۔

نے اپنی بیٹی والیں مانگی تھیں اور کہا ہے کہ آپ جس قدر فدیہ طلب کریں گے، ادا کیا جائے گا شہنشاہ نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ فیاض اور کشادہ ظرف ہیں۔ اگر آپ فدیہ نہ لینا چاہیں تو میری بیٹی مجھے بخش دیں۔ ہرقل نے خالد کو فیاض اور کشادہ ظرف کہہ کر ان کی خوشامد میں کی تھی۔ وہی خالد جو میدان جنگ میں دشمن کے لیے قہر تھے، میدان کے باہر اتنے ہی حلیم اور فیاض تھے۔

”اگر تمہارے شہنشاہ نے بخشش مانگی ہے تو اس کی بیٹی کو بخشش کے طور پر لے جاؤ۔“ خالد نے ابھی سے کہا اور رکابوں پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے حکم دیا۔ ”رومیوں کے شہنشاہ ہرقل کی بیٹی کو اس کے بیٹی کے حوالے کر دو خدا کی قسم، میں نے تم سب کی طرف اسے بخشش کے طور پر چھوڑ دیا ہے۔“

ہیں ہرقل کی سلطنت چاہیے اس کی بیٹی نہیں؟ ہرقل کی بیٹی اس کے سفیر کے ساتھ چلی گئی۔ یونس ابن مرث نے ٹھیک کہا تھا کہ ہرقل ہر قیمت پر اپنی بیٹی والیں لے لے گا۔ یونس کو خالد نے اپنے حصے کے مال غنیمت میں سے بے انداز انعام دینا چاہا لیکن اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ وہ باقی عمر شادی نہیں کرے گا۔ بعد میں اس نے اپنی زندگی اسلام اور جہاد کے لیے وقف کر دی تھی لیکن اس کی باقی زندگی صرف دو سال تھی۔ وہ جنگ یرموک میں شہید ہو گیا تھا۔

خالد نے جب مال غنیمت کے ساتھ دمشق میں داخل ہوئے تو ان کی فوج نے دیوانہ وار ان کا استقبال کیا۔ وہ کامیاب لوٹے تھے۔ خالد نے پہلا کام یہ کیا کہ امیر المومنین ابو بکرؓ کے نام بڑا سلامین لکھوایا جس میں انہیں دمشق کی فتح کی خوشخبری سنائی۔ یہ بھی لکھا کہ وہ دمشق میں کس طرح داخل ہوئے تھے اور ابو عبیدہؓ نے کیا غلطی کی تھی۔ انہوں نے تفصیل سے لکھا کہ وہ کس طرح رومیوں کے پیچھے گئے اور ان کے سالار کو تباہ و برباد کیا پھر ہرقل کی بیٹی کس طرح والیں کی۔ مال غنیمت کے متعلق لکھا کہ اس کا پانچواں حصہ خلافت کے لیے جلدی بھیج دیا جائے گا۔

خالد نے یہ پیغام اکتوبر ۶۳۴ء کی پہلی تاریخ (۲ شعبان ۱۳ ہجری) کے روز بھیجا تھا۔ قاصد روانہ ہو گیا۔ کئی گھنٹے گزر گئے تو ابو عبیدہؓ خالد کے خیبر میں آئے۔ ابو عبیدہؓ مغرم تھے خالد نے پوچھا کہ ان کا چہرہ ملول کیوں ہے؟

”ابن ولید! ابو عبیدہؓ نے بوجھل آواز میں کہا۔“ خلیفہ ابو بکرؓ فوت ہو گئے ہیں اور اب عمر خلیفہ ہیں۔“

خالد سن کر رہ گئے اور کچھ دیر ابو عبیدہؓ کے منہ پر نظریں جماتے رہے۔

”محب فوت ہوئے ہیں؟“ خالد نے سرگوشی میں یوں پوچھا جیسے سسکیاں لے رہے ہوں۔

”۲۲ جمادی الآخر کے روز! ابو عبیدہؓ نے جواب دیا۔

یہ تاریخ ۲۲ اگست ۶۳۴ء تھی حضرت ابو بکرؓ کو فوت ہوئے ایک مہینہ اور آٹھ دن ہو گئے تھے۔

”اطلاع انہی دیر سے کیوں آئی؟“

”اطلاع جلدی آگئی تھی۔ ابو عبیدہؓ نے جواب دیا۔“ مدینہ سے قاصد آیا تو اس نے دیکھا کہ ہم

نے دمشق کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ اس نے سوچا کہ محاصرے کے دوران یہ اطلاع دی تو اپنے لشکر میں کہرام مچا ہو جائے گا اور اس کا محاصرے پر بہت برا اثر پڑے گا۔ اس نے صرف یہ بتایا کہ مدینہ میں خیریت ہے اور گم آہی ہے۔ ایک دو دنوں بعد اس نے پیغام مجھے دے دیا اور چلا گیا۔ میں نے پڑھا اور یہی بہتر سمجھا کہ دمشق کا فیصلہ ہو جائے تو مجھے اور لشکر کو اطلاع دوں۔ ابو عبیدہؓ نے نئے غلینہ کا خطابہ ابو عبیدہؓ کے نام لکھا تھا، خالد کو دے کر کہا۔ ”اور یہ دہخبر ہے جو میں تجھے لڑائی ختم ہونے تک نہیں دینا چاہتا تھا۔“

خالد خط پڑھنے لگے۔ یہ غلینہ عمرؓ نے ابو عبیدہؓ کو لکھا تھا:

”خلیفہ المسلمین عمرؓ کی طرف سے ابو عبیدہؓ کے نام!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں تجھے اللہ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ لا زوال ہے جو ہمیں مگر اسی سے بچاتا ہے اور اندھیرے میں روشنی دکھاتا ہے۔ میں تمہیں خالد بن الولیدؓ کی جگہ و ماں کے تمام لشکر کا سپہ سالار مقرر کرتا ہوں۔ فوراً اپنی جگہ کو ذاتی مفاد کے لیے مومنین کو کسی مشکل میں نہ ڈالنا۔ نہیہر اس بڑا آپریشن طہرانا جس کے متعلق تو نے پہلے دیکھ بھال نہ کر لی ہو کسی لڑائی کے لیے دستوں کو اس وقت بھیجنا جب وہ فوری طرح منظم ہوں اور کوئی ایسا فیصلہ نہ کرنا جس سے مومنین کا جانی نقصان ہو۔ اللہ نے تجھے میری آزمائش کا اور مجھے تیری آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے دنیاوی لالچوں سے بچے رہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح تجھ سے پہلے تباہ ہوئے ہیں تو طمع سے تباہ ہو جائے۔ تو جانتا ہے وہ اپنے رتبے سے کس طرح گرے ہیں؟

اس خط کا مطلب یہ تھا کہ خلیفہ المسلمین عمرؓ نے خالدؓ کو سپہ سالاری سے معزول کر دیا تھا اب ابو عبیدہؓ سپہ سالار تھے بلکہ وہ ایک مہینہ آٹھ دن پہلے سے سپہ سالار تھے۔

”اللہ کی رحمت ہو ابو بکرؓ پر! خالدؓ نے خط ابو عبیدہؓ کو دے کر کہا۔“ وہ زندہ ہوتے تو میرا یہ انجام نہ ہوتا؟

مورخ یعقوبی اور داقدی لکھتے ہیں کہ اللہ کی توار جھمک گئی تھی۔ اس رات خالدؓ سو نہ سکے۔ ابو بکرؓ کو یاد کرتے اور روتے رہے۔

دیا۔ مجاہدین نے کسریٰ کی طاقت کو کچل کر اُس کے بے شمار علاقے کو اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا پھر قیصر رومی فوج پر دہشت بن کر چھا گئے اور اس کے کئی علاقے اسلامی سلطنت میں آ گئے۔ کسریٰ بھی اور قیصر بھی اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے مسلمانوں نے خلیفہ اول کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے، ان دونوں دشمنانِ اسلام کا گھونٹ توڑ دیا اور اسلامی فوج کو ایک طاقت بنا دیا۔ انہی جنگوں میں مجاہدین کو فوج کی صورت میں منظم کیا گیا تھا۔

ابوبکرؓ کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ اسلام ایک مذہب کی صورت میں ہی عرب و عراق اور شام میں نہ پھیلا بلکہ اس سے اسلامی تمدن اور اسلامی تہذیب بھی پھیلی بلکہ یوں کہنا درست ہوگا کہ ایک نئے کلچر نے جنم لیا جسے لوگوں نے اسلامی کہا اور اسے اپنایا۔ اس سے پہلے تو لوگ فارس اور روم کے کلچر کو ہی تہذیب و تمدن سمجھتے اور اسے فوراً قبول کر لیتے تھے۔

✱

خلیفہ اول جیسے تھک سے گئے تھے اور پوری طرح مطمئن تھے کہ وہ خالقِ حقیقی کے حضور جا رہے ہیں اور سرِ فرج ہوا ہے ہیں۔ اُس دور کی تحریروں سے اور تہذیبوں کی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ ابوبکرؓ کو ایک سنگ پریشان کر رہا تھا۔ یہ تھا اُن کی جانشینی کا مسئلہ۔ انہوں نے اپنے اہل خانہ سے اس مسئلے کا ذکر کیا تھا۔

”میرے اللہ کے رسول کو موت نے اتنی مہلت نہیں دی تھی کہ کسی کو خود خلیفہ مقرر کرتے۔“ ابوبکرؓ نے کہا تھا۔ ”اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین اور انصار کے درمیان اختلاف پر فتنہ اور فساد پیدا ہو گیا تھا۔ یہ تو اللہ کو منظور نہ تھا کہ اُس کے رسول کی امت جس کی تعداد ابھی بہت تھوڑی ہے آپس میں لڑ کر ختم ہو جائے۔ اللہ نے امت کا اتحاد میرے ہاتھ پر قائم رکھا۔ خدائی قسم میں رسول اللہ کی امت کو اس فساد میں نہیں ڈال کر مرنے والا کہ میرے بعد خلیفہ کون ہو۔ میں خلیفہ خود مقرر کر کے جان اللہ کے سپرد کر دوں گا۔“

عظیم تھے خلیفہ اول کہ انہوں نے یہ بات سوجھ لی تھی۔ اُس دور کے تھوڑا عرصہ بعد کے وقائع نگار اور مبصر لکھتے ہیں کہ خلیفہ اول نے سوجھ لیا تھا قبیلوں یا طبقوں یا افراد میں جب اقتدار کی ہوس

پیدا ہو جاتی ہے تو قوم کا اتحاد پھٹے ہوئے دامن کی مانند ہو جاتا ہے۔ فوجوں کی پیش قدمی پسپائی میں بدل جاتی ہے پیچھے ہٹتا ہوا دشمن آگے بڑھنے لگتا ہے، پھر فوج بھی اقتدار کی جنگ کا ہتھیار بن جاتی ہے اور سالارِ سلطانی کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔

مسلمانوں کا وہ دور فتوحات سے مالا مال ہو رہا تھا۔ درختال روایات جنم لے رہی تھیں اور یہی تاریخ اسلام کی بنیاد بن گئی تھیں۔ ابوبکرؓ کی دور میں نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ قیصر و کسریٰ جو پسپائی اور زوال کے عمل سے گزر رہے ہیں اور نیست و نابود ہو جانے تک پہنچ گئے ہیں وہ مسلمانوں کے لُٹاق سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور غریب بن کر اسلام کو کھل جائیں گے۔

”ایسا عجز کو لوگ قبول کر لیں گے؟“ ابوبکرؓ نے اپنے اہل خانہ سے کہا۔ ”شاید نہ کریں۔“ عمرؓ مزاج کا بہت سخت ہے۔۔۔۔۔ ایسے احباب سے مشورہ لے لیتا ہوں۔

رات جو خالدؓ نے مدینہ سے دُور دمشق میں خلیفہ اول، ابوبکرؓ کی حلت پر رونے گزار دی تھی، اُس رات سے دُور حدودِ مدینہ پہلے مدینہ پر ماتم کے بادل چھانے لگے تھے۔ امیر المؤمنین ابوبکرؓ ایسی حالت میں ٹھنڈے پانی سے نہنا بیٹھے جب اُن کا جسم گرم اور پسینے سے شرابور تھا۔ فوراً انہیں سہارا ہو گیا۔ علاج ہوتا رہا لیکن سہارا جبر کو کھاتا رہا۔ اگر امیر المؤمنین آرام کرتے تو شاید سہارا کا درجہ حرارت گر جاتا مگر بیماری کی حالت میں بھی انہوں نے اپنے آپ کو امورِ سلطنت میں مصروف رکھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابوبکرؓ نے علاج کرایا ہی نہیں تھا۔ انہیں ایک روز تیار داروں نے کہا کہ طبیب کو بلا کر علاج کرائیں۔

”میں نے طبیب کو بلا دیا تھا۔“ امیر المؤمنین نے کہا۔ ”اُس نے کہا تھا کہ علاج اور آرام کی ضرورت ہے۔ میں نے اُسے کہا تھا کہ میں جو چاہوں گا لوگوں کا میں نے اسے اپس بھیج دیا تھا۔“

”علاج کیوں نہیں کرایا امیر المؤمنین؟“

”آخری منزل پر آن پہنچا ہوں میرے رفیق!۔“ خلیفہ المسلمین ابوبکرؓ نے کہا۔ ”اللہ نے جو کام میرے سپرد دیکھے تھے، وہ اگر سب کے سب پورے نہیں ہوئے تو میرے لیے یہ اطمینان کیا کم ہے کہ میں نے کواہی نہیں کی۔۔۔۔۔ میں اللہ کے محبوب کے پاس جا رہا ہوں۔“

تاریخ گواہ ہے کہ ابوبکرؓ نے اپنے دو سال اور تین ماہ کے دورِ خلافت میں مجروحہ نمائے کیجے تھے۔ رسول کریمؐ کی وفات کے فوراً بعد ارتداد کا جو فتنہ تمام تر سرزمینِ عرب میں پھیل گیا تھا وہ ایک جنگی طاقت تھی جسے ختم کرنے کے لیے اس سے زیادہ جنگی طاقت کی ضرورت تھی لیکن ابوبکرؓ نے تدریج سے اور جنگی فتنہ اور اُس کی جنگی طاقت کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اس کے نتیجے میں اُن تمام قبیلوں نے جو ارتداد کی لپیٹ میں آ گئے تھے، اسلام قبول کر لیا۔

ابوبکرؓ نے آنے والے مسلمان حکمرانوں، اُمراء اور وزراء کے لیے یہ سبق درختے میں چھوڑا کہ ان میں بے لوث جذبہ ہو، اقتدار کی ہوس اور کوئی ذاتی مفاد نہ ہو تو پوری قوم مجاہدین کا لشکر بن جاتی ہے اور قوم کی تعداد اتنی ہی کم کیوں نہ ہو وہ کفر کی چٹانوں کے دل چاک کر دیا کرتی ہے۔ یہ سربراہِ سلطنت پر منحصر ہے کہ قوم فتح و کامرانی کی فیتوں تک جاتی ہے یا ذلت و رسوائی کی اندھیری کھائیوں میں۔

ارتداد کے علاوہ بھی کہیں بغاوت اور کہیں شورش تھی خلیفہ اول ابوبکرؓ نے ہر سواں واماں ختم کر دیا تھا۔ فتنہ و فساد نہ رہا، بغاوت اور شورش نہ رہی تو ابوبکرؓ نے انتہائی برأت مندانہ فیصلہ کیا۔ انہوں نے مجاہدین کو فارسی حبشی شہنشاہی کے خلاف اور پھر اسی حبشی دوسری بڑی جنگی طاقت کے خلاف بھیج

ابوبکرؓ نے عبدالرحمنؓ بن عوف کو بلا یا اور تنہائی میں بلایا۔

”ابن عوف! — ابوبکرؓ نے کہا — ”کیا تو مجھے کچھ دل سے بتا سکتا ہے کہ عمرؓ بن خطاب کیسا آدمی ہے؟ تو اُسے کیسا سمجھتا ہے؟“

”خدا کی قسم خلیفہ رسولؐ! — عبدالرحمنؓ بن عوف نے کہا — ”جو میں جانتا ہوں وہ اُس سے بہتر نہیں جو جانتا ہے۔“

”جو کچھ بھی تو جانتا ہے کہہ دے۔“ ابوبکرؓ نے کہا۔

”خلیفہ رسولؐ! — عبدالرحمنؓ بن عوف نے کہا — ”ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں جو عمرؓ بن خطاب سے بہتر ہو لیکن اُس کی طبیعت میں جو سختی ہے وہ بھی ہم میں سے کسی میں نہیں۔“

”راے میری بھی یہی ہے ابن عوف! — ابوبکرؓ نے کہا — ”تم سب کو عمرؓ کی سختی اس لیے زیادہ محسوس ہوتی ہے کہ میرے مزاج میں بہت نرمی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو گا کہ اپنے بعد خلافت کا بوجھ اُس کے کندھوں پر ڈال دوں تو اُس کی سختی کم ہو جائے؟.... ایسے ہی ہو گا کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ میں کسی بستی کرتا ہوں تو عمرؓ اُس کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے؟ اور میں کسی کی کوتاہی یا غلطی پر اپنا روئے نرم رکھتا ہوں تو عمرؓ اُس بستی کرتا ہے؟ وہ سمجھتا ہے کہ سختی اور کدب نرمی کی ضرورت ہے۔“

”بے شک ایسا ہی ہے۔“ عبدالرحمنؓ نے کہا۔ ”خلیفہ رسولؐ! بے شک ایسا ہی ہے۔“

”اس بات کا خیال رکھنا ابو محمد! (عبدالرحمنؓ بن عوفؓ) — ابوبکرؓ نے کہا — ”میرے تیرے درمیان جو باتیں ہوئی ہیں یہ کسی اور تک نہ پہنچیں۔“

عبدالرحمنؓ بن عوف چلے گئے تو امیر المؤمنینؓ نے اپنے ایک اور رفیق اور مشیر عثمانؓ بن عفان کو بلا یا:

”ابو عبداللہ! — ابوبکرؓ نے عثمانؓ بن عفان سے کہا — ”تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ کیا تو بتا سکتا ہے کہ عمرؓ بن خطاب کیسا آدمی ہے؟“

”امیر المؤمنینؓ! — عثمانؓ بن عفان نے جواب دیا — ”خدا کی قسم، ابن خطاب کو تو مجھ سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہے پھر تو مجھ سے کیوں پوچھتا ہے؟“

”اس لیے کہ میں اپنی رائے رسولؐ اللہ کی اُمت پر نہیں ٹھوسنا چاہتا۔“ ابوبکرؓ نے کہا۔ ”میں تیری رائے ضرور لوں گا۔“

”امیر المؤمنینؓ! — عثمانؓ بن عفان نے کہا — ”عمرؓ کا باطن اُس کے ظاہر سے اچھا ہے اور جو علم و دانش اُس کے پاس ہے وہ ہم میں سے کسی میں نہیں۔“

”ایک اور سوال کا جواب دے دے ابو عبداللہ! — ابوبکرؓ نے عثمانؓ بن عفان سے کہا۔ ”اگر میں اپنے بعد خلافت عمرؓ کے سپرد کر جاؤں تو تیرا کیا خیال ہے کہ وہ تم سب پر سختی کرے گا؟“

”ابن خطاب جو کچھ بھی کرے گا ہم اُس کی اطاعت میں فرق نہیں آنے دیں گے۔“ عثمانؓ بن عفان نے کہا۔

”ابو عبداللہ! اللہ تجھ پر رحم و کرم کرے۔“ ابوبکرؓ نے کہا۔ ”میں نے جو تجھے کہا اور تو نے جو مجھے کہا، یہ کسی اور کے کانوں تک نہ پہنچے۔“

✱

ابوبکرؓ نے کئی اور صحابہ کرام سے عمرؓ کے متعلق رائے لی۔ ان میں مہاجرین بھی تھے انصار بھی۔ ابوبکرؓ نے ہر ایک سے کہا تھا کہ وہ کسی اور سے اس گفتگو کا ذکر نہ کرے لیکن یہ معاملہ اتنا اہم تھا کہ انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ بات کی۔ یہ آئندہ خلافت کا معاملہ تھا اور صحابہ کرامؓ کے لیے مسئلہ یہ تھا کہ ابوبکرؓ عمرؓ کو خلیفہ مقرر کر رہے تھے۔ عمرؓ سخت طبیعت کے مالک تھے۔ ان کے فیصلے بڑے سخت ہوتے اور وہ بڑی سختی سے ان پر عمل کراتے تھے۔

ان سب سے ایک وفد اس مقصد کے لیے بنایا کہ ابوبکرؓ کو قائل کریں کہ عمرؓ بن خطاب کو خلیفہ مقرر نہ کریں جب یہ وفد خلیفہ اول کے پاس گیا تو وہ فیصلے ہوئے تھے۔ سبجاری نے انہیں اتنا کمزور کر دیا تھا کہ اپنے زور سے اٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔

”امیر المؤمنینؓ! — وفد کے قائد نے کہا — ”خدا کی قسم، عمرؓ خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اگر تو نے اُس کو خلیفہ مقرر کر دیا تو اللہ کی باز پرس کا تیرے پاس کوئی جواب نہ ہو گا۔ عمرؓ تیری خلافت میں سب پر رعب اور غصہ بھارتا ہے وہ خود خلیفہ بن گیا تو اُس کا رویہ ظالموں جیسا ہو جائے گا۔“

ابوبکرؓ کو غصہ آگیا۔ انہوں نے اُٹھنے کی کوشش لیکن اُٹھ نہ سکے۔

”مجھے بچاؤ۔“ انہوں نے غصیلی آواز میں کہا۔

انہیں سہارا دے کر بٹھا دیا گیا۔

”کیا تم سب مجھے اللہ کی باز پرس سے اور اُس کے غضب سے ڈرانے آئے ہو؟ — ابوبکرؓ نے غصے اور تفاہوت سے کانپتی آواز میں کہا۔“ میں اللہ کے حضور جا کر کہوں گا، میرے رب! میں نے تیرے بندوں میں سے بہترین بندے کو خلافت کی ذمہ داری سونپی ہے۔.... اور میں نے جو کہا ہے وہ تمام لوگوں کو سنا دو۔ میں نے عمرؓ بن خطاب کو خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔“

وہ سب جو ابوبکرؓ کو ان کے فیصلے کے خلاف قائل کرنے آئے تھے، خاموش ہو گئے اور سرسار بھی ہوئے کہ انہوں نے امیر المؤمنینؓ کو بیماری کی حالت میں پریشان کیا ہے۔ وہ سب اُٹھ کر چلے گئے۔

اس سے اگلے روز ابوبکرؓ نے عثمانؓ بن عفان کو بلا یا۔ عثمانؓ خلیفہ کے کاتب تھے۔

”ابو عبداللہ! — ابوبکرؓ نے عثمانؓ بن عفان سے کہا — ”لکھ جو میں بولتا ہوں۔“ انہوں نے لکھوایا:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وصیت ہے جو ابوبکرؓ بن ابو قحافہؓ نے اُس وقت لکھوائی ہے جب وہ دنیا سے رخصت ہو کر موت کے بعد کی زندگی میں داخل ہو رہا تھا۔ ایسے وقت پکا کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور جس نے کبھی سچ نہ بولا ہو وہ بھی سچ بولنے لگتا ہے۔ میں اپنے بعد عمرؓ بن خطاب کو تختہ خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تم سب پر اُس کی اطاعت فرض ہے۔ میں نے تمہاری بھلائی اور بہتری میں کوئی کسر نہیں رہنے دی۔ اگر عمرؓ نے تم پر زیادتی کی اور عدل و انصاف نہ کیا تو وہ ہر انسان کی طرح اللہ کے حضور جواب دہ ہو گا۔ مجھے امید ہے کہ عمرؓ عدل و انصاف کا دامن نہیں چھوڑے گا۔“

میں نے جو فیصلہ کیا ہے اس میں تمہاری بھلائی اور بڑائی کے سوا اور کچھ نہیں سوجھا۔“

وصیت لکھواتے لکھواتے ابوبکرؓ پر غشی طاری ہو گئی تھی۔ انہوں نے یہاں تک۔ ”واہ! میں اپنے بعد عمرؓ بن خطاب کو... اور وہ غشی میں چلے گئے۔ عثمانؓ بن عفان نے غصہ و فخر سے مل لکھ دیا۔“

خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تم سب پر اس کی اطاعت فرض ہے۔ میں نے تمہاری بھلائی اور بہتری میں کوئی کسر نہیں رہنے دی۔

ابوبکر ہوش میں آگئے۔

”ابوبکرؓ نے کہا۔ ”پڑھ جو میں نے لکھوایا ہے۔“

عثمان بن عفان نے پڑھ کر سنایا۔

”اللہ اکبر!۔ ابوبکرؓ نے کہا۔ ”خدا کی قسم، تو نے جو سوچ کر لکھا ہے وہ سوچ غلط نہیں تھی۔ تو نے یہ سوچ کر عبارت پوری کر دی کہ میں غشی کی حالت میں ہی دنیا سے رخصت ہو گیا تو مکمل وصیت خلافت کے لیے جھگڑے کا باعث بن جائے گی۔“

تبے شک امیر المومنین!۔ عثمان بن عفان نے کہا۔ ”میں نے یہی سوچ کر عبارت مکمل کر دی ہے۔“

”اللہ تجھے اس کی جزا دے۔“ ابوبکرؓ نے کہا۔ انہوں نے عثمان بن عفان کے الفاظ نہ بدلے اور وصیت مکمل لکھوا دی۔

”مجھے اٹھا کر مسجد کے دروازے تک لے چلو۔“ امیر المومنین نے کہا۔

اُن کے مکان کا ایک دروازہ مسجد میں کھلتا تھا۔ وہ دروازہ کھولا گیا۔ نماز کا وقت تھا۔ بہت سے لوگ مسجد میں آچکے تھے۔ ابوبکرؓ کی زوجہ اسماء بنت عیسٰی انہیں دونوں ہاتھوں سے سہارا دے کر مسجد والے دروازے تک لے گئیں۔ نمازیوں نے انہیں دیکھا تو متوجہ ہوئے۔

”میرے بھائیو!۔ ابوبکرؓ نے قناعت کے باوجود بلند آواز سے بولنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”کیا تم اس شخص پر راضی ہو گے جسے میں خلیفہ مقرر کروں؟ میں نے اس میں تمہاری بھلائی سوچی ہے اور اپنے کسی رشتہ دار کو خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ میرے بعد حرمین خطاب خلیفہ ہوگا۔ کیا تم سب اس کی اطاعت کرو گے؟“

”ہاں امیر المومنین!۔ بہت سی آوازیں سنائی دیں۔ ”ہم اس فیصلہ کو قبول کرتے ہیں۔ ہم ابن خطاب کی اطاعت قبول کریں گے۔“

اس کے بعد ابوبکرؓ نے وصیت پر اپنی مہر ثبت کر دی۔

✽

ابوبکرؓ کا پیشہ ستھارت تھا لیکن خلافت کا بوجھ نہ دھون پر آپڑا تو تجارت کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ گزراوقات تو کوئی ہی تھی۔ انہوں نے اپنے کنبے کے لیے بیت المال سے کچھ الاؤ منظور کرایا تھا۔ اب جب انہوں نے محسوس کر لیا کہ وہ زندہ نہیں رہ سکیں گے تو انہوں نے اپنے اہل خانہ سے کہا کہ ان کی جو تھوڑی سی زمین ہے وہ ان کی وفات کے بعد بیچ کر یہ تمام رقم جوہر مارے کے لیے بیت المال سے لیتے رہیں، بیت المال میں جمع کروادیں۔

”سب میرے قریب آجاؤ۔“ ابوبکرؓ نے ہضری وقت اہل خانہ کو ٹھاکر کہا۔ ”مجھے صرف دو کپڑوں کا کفن مینا کروں کرنا تم دیکھتے رہے ہو کہ میں ایک ہی کپڑا پہنا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک

کپڑا اور بلینا۔ ان کپڑوں کو پہلے دھو لینا۔“

”ہم تین نئے کپڑے لے سکتے ہیں۔“ عائشہؓ نے کہا۔ ”کفن تین کپڑوں کا ہوتا ہے۔“

”میں عزیز بیٹی!۔ ابوبکرؓ نے کہا۔ ”کفن تو اس لیے ہوتا ہے کہ جسم سے کوئی مواد اور نئی نکلے تو اسے کفن چوس لے۔ کفن پرانے کپڑوں کا ہوا تو کیا اسے کپڑے پہننے کا حق زندہ لوگوں کا ہے.... مجھے غل اسما بنت عیسٰی (زوجہ) دے گی۔ اگر اکیلے غل نہ دے سکے تو اپنے بیٹے کو ساتھ لے لے۔“

اتنے میں اندر اطلاع دی گئی کہ عراق کے محاذ سے ثنی بن حارثہ آئے ہیں۔ کھر کے کسی فرد نے کہا کہ امیر المومنین اس وقت بات کرنے کے قابل نہیں۔

”نہیں۔“ امیر المومنین نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔ ”اُسے آنے دو۔ وہ بہت دُور سے آیا ہے۔ جب تک میرا سانس حل رہا ہے میں اپنے فرائض سے کوتاہی نہیں کر سکتا۔“

ثنی کو اندر بلا لیا گیا۔ انہوں نے جب ابوبکرؓ کی حالت دیکھی تو پشیمان ہو گئے اور بات کرنے سے جھجھکنے لگے۔

”مجھے گناہگار نہ کرنا ابن حارثہ!۔ ابوبکرؓ نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے تو مدد لینے آیا ہو۔ میں اگر تیرے لیے کچھ نہ کر سکا تو اللہ کی باز پرس پر کیا جواب دوں گا؟“

”یا امیر المومنین!۔ ثنی بن حارثہ نے کہا۔ ”محاذ ہمارے قابو میں ہے۔ حالات ہمارے حق میں ہیں لیکن تعداد کی کمی پریشان کرتی ہے۔ مسلمان اب اتنے نہیں رہے کہ انہیں فوج میں شامل کر کے محاذوں پر بھیجا جائے۔ جو جہاد کے قابل تھے وہ پہلے ہی محاذوں پر نہیں۔ امیر المومنین کے حکم سے اُن کو گول کو مجاہدین کی صفوں میں کھڑا نہیں کیا جاسکتا جو مرتد ہو گئے تھے۔ میں یہ درخواست لے کر آیا ہوں کہ ان میں بہت سے ایسے ہیں جو سچے دل سے اسلام قبول کر چکے ہیں اور محاذوں پر چانا چاہتے ہیں۔ کیا امیر المومنین انہیں فوج میں شامل ہونے کی اجازت دیں گے؟“

”ابن خطاب کو بلاؤ۔“ امیر المومنین نے کہا۔

عمرؓ دُور نہیں تھے، جلد ہی آگئے۔

”ابن خطاب!۔ امیر المومنین نے عمرؓ سے کہا۔ ”ابن حارثہ مدد مانگنے آیا ہے۔ یہ جو کہتا ہے ایسا ہی کر اور اسے فوراً مدد دے کہ محاذ کو روکا نہ کر.... اور اگر میں اس دوران فوت ہو جاؤں تو اس کام میں رکاوٹ نہ ہو۔“

✽

عربوں میں رواج تھا کہ باتیں شاعرانہ الفاظ اور انداز سے کیا کرتے تھے خلیفہؓ اول ابوبکرؓ کی نزع کے وقت کی چند باتیں تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اُن کی بیٹی عائشہؓ اُن کے ساتھ گئی، طبیعتیں انہوں نے باپ کو نزع کے عالم میں دیکھ کر اُس وقت کے ایک شاعر حاتم کا ایک شعر پڑھا:

”نزع کا عالم طاری ہوتا ہے۔ سانس نہ آنے سے سینہ ٹھٹھٹھاتا ہے تو دولت انسان کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔“

”نہیں بیٹی!۔ ابوبکرؓ نے نچیت آواز میں کہا۔ ”ہمیں دولت سے کیا کام! اس شعر کی بجائے تو نے قرآن کی یہ آیت کیوں نہ پڑھی.... تجھ پر نزع کا عالم طاری ہو گیا ہے۔ یہی ہے وہ وقت جس سے

تو اکارتا تھا۔“

ابوبکرؓ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے تو انہیں آخری بجی آئی۔ انہوں نے سرگوشی میں یہ دعا کی۔ ”اللہ اللہ! مجھے مسلمان کی حیثیت میں دنیا سے اٹھانا اور بعد از مرگ مجھے صحابین میں شامل کرنا۔“ یہ خلیفہ اول ابوبکرؓ کے آخری الفاظ تھے۔ دن سووار تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ تاریخ ۱۲ اگست ۶۳۴ء (مطابق ۱۲ جمادی الاول ۱۳ ہجری) تھی۔

اسی رات دفن کر دینے کا فیصلہ ہوا۔ ابوبکرؓ کی وصیت کے مطابق ان کی زوجہ اسما بنت عیسٰی نے غسل دیا۔ میت پر پانی اُن کے بیٹے عبدالرحمنؓ ڈالتے جاتے اور عبدالرحمنؓ کی والدہ غسل دیتی جاتی تھیں۔ غسل کے بعد وہ چار پانی لائی گئی جس پر رسول کریمؐ کا جسد مبارک قبہ تک پہنچا گیا تھا۔ اس چار پانی پر خلیفہ رسولؐ کا جنازہ اٹھا اور جنازہ مسجد نبویؐ میں رسول اللہؐ کے مزار اور منبر کے درمیان رکھا گیا نماز جنازہ کی امامت عمرؓ نے کی۔

مدینہ کی وہ رات سو گوار تھی۔ گلیوں میں بچیاں اور سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ رات بھی رو رہی تھی۔ وہ عظیم ہستی دنیا سے اٹھ گئی تھی جس نے اسلامی سلطنت کی نہ صرف بنیادیں مضبوط بنائی تھیں بلکہ ان پر مضبوط عمارت کھڑی کر دی تھی۔

ابوبکرؓ کو رسول کریمؐ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ قبر اس طرح کھودی گئی کہ ابوبکرؓ کا سر رسولؐ کو رم کے کندھوں کے ساتھ تھا۔ اس طرح رسول کریمؐ اور خلیفہ رسول کریمؐ کی وہ رفاقت جو انہوں نے زندگی میں قائم رکھی تھی، وفات کے بعد بھی قائم رہی۔ ابوبکرؓ سب سے پہلے آدمی تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔

✱

ابن خلیفہ المسلمین عمرؓ بن خطاب تھے۔ انہوں نے اپنی خلافت کے پہلے روز ہی جو پہلا حکم نامہ جاری کیا وہ خالدؓ کی معزولی کا تھا۔ انہوں نے تحریری حکم نامہ ابوعبیدہؓ کے نام قاصد کے ہاتھ بھیج دیا۔ خالدؓ اب سالار اعلیٰ نہیں بلکہ عام سالار بنا دیئے گئے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اب کسی فتوحہ علاقے کے امیر نہیں بن سکتے تھے۔

مدینہ میں عمرؓ نے اپنی خلافت کے دوسرے دن مسجد نبویؐ میں نماز کی امامت کی اور خلیفہ کی حیثیت سے پہلا خطبہ دیا۔ انہوں نے سب سے پہلے یہ بات کہی۔ ”قوم! اس اونٹ کی مانند ہے جو اپنے مالک کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ اُسے جہاں بٹھا دیا جاتا ہے وہ اسی جگہ بیٹھا اپنے مالک کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ ریت کعبہ کی قسم، میں تمہیں صراطِ مستقیم پر چلاؤں گا۔“ انہوں نے خلیفے میں ادب بھی بہت کچھ کہا اور آخر میں کہا۔ ”میں نے خالدؓ بن الولیدؓ کو اُس کے عہدے سے معزول کر دیا ہے اور اب ابوعبیدہؓ افواج کے سالار اعلیٰ اور شام کے مفتوحہ علاقوں کے امیر ہیں۔“

مسجد میں جتنے مسلمان موجود تھے اُن کے چہروں کے رنگ بدل گئے بعض کے چہروں پر حیرت اور بعض کے چہروں پر غصہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے خالدؓ کی فتوحات تھوڑی او معمولی نہیں تھیں۔ ابوبکرؓ ان کی ہر فتح اور ہر کارنامہ مسجد میں بیان کیا کرتے اور یہ خبر تمام تر عرب میں پھیل جاتی تھی۔ خالدؓ کی زیادہ تر فتوحات مجبورہ تھیں۔ اس طرح خالدؓ سب کے لیے قابلِ احترام شخصیت بن گئے تھے مگر عمرؓ نے خلیفہ بننے ہی خالدؓ کو معزول کر دیا۔

ہر کوئی عمرؓ سے پوچھنا چاہتا تھا کہ خالدؓ نے کیا جرم کیا ہے جس کی اُسے اتنی سخت سزا دی گئی ہے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو پوچھے بغیر عمرؓ کے فیصلے کی مخالفت کرنا چاہتے تھے لیکن کسی میں بھی اتنی جرأت نہیں تھی کہ عمرؓ سے باز پرس کرتا۔ سب جانتے تھے کہ عمرؓ ابوبکرؓ جیسے نرم مزاج نہیں اور ان کی طبیعت میں اتنی دشتی ہے جو بعض اوقات برداشت سے باہر جاتی ہے۔ ایک نوجوان جو خالدؓ کے قبیلہ بنی مخزوم سے تعلق رکھتا تھا، پھٹ پڑا۔ تاریخ میں اُس کا نام نہیں آیا۔ اتنا ہی لکھا ہے کہ ابھی اُس کی سیس بھینگی تھیں۔

”امیر المؤمنین!“ اس نوجوان نے انتہائی ملنڈ آواز میں کہا۔ ”کیا تو اس سالار کو معزول کر سکتا ہے جو اسلام کی شمشیر بے نیام ہے؟ کیا ابنِ ولید کو رسول اللہؐ نے سیف اللہ نہیں کہا تھا؟ تو اس تلوار کو برہمنی نیام میں ڈال رہا ہے جسے اللہ نے اسلام کی سر بلندی کے لیے بے نیام کیا ہے۔ کیوں؟ تو نے ایسا حکم کیوں دیا ہے؟“

کیا عمرؓ سے بول جواب طلبی کی جرأت کوئی کر سکتا تھا؟ عمرؓ سے تو ہر کوئی بگڑتا تھا۔ اب تو وہ خلیفہ تھے۔ اس کم عمر جوان نے جس تمنی سے بات کی تھی یہ عمرؓ کے لیے قابلِ برداشت نہیں تھی۔ مسجد میں سناٹا مٹا رہا ہو گیا۔ سب کی نظریں عمرؓ کے چہرے پر جم گئیں۔ عمرؓ کے چہرے پر غصے یا خفگی کا ہلکا سا تاثر بھی نہیں تھا۔

”یہ لو کا مجھ سے مخاہور رہا ہے۔“ عمرؓ نے ایسے لہجے میں کہا جس میں ہلکی سی دشتی بھی نہیں تھی، طنز بھی نہیں تھی۔ کہنے لگے۔ ”میں اسے جانتا ہوں۔ ابنِ ولید اس کا چچا زاد بھائی ہے۔“ اتنا ہی کہہ کر عمرؓ مسجد سے نکل گئے۔

اگر عمرؓ خلیفہ نہ ہوتے تو ان کا ردِ عمل مختلف ہوتا، لیکن وہ جانتے تھے کہ اسلام نے قوم کے ہر فرد کو عہدہ اُس کی حیثیت کچھ بھی نہ ہو، خلیفہ اور اُس کے کسی بھی امیر سے باز پرس کی اجازت دے رکھی ہے۔

✱

اس سے اگلے روز عمرؓ نے نماز کی امامت کی اور پھر خطبہ دینے لگے۔ وہ خالدؓ کی معزولی کی وجہ بیان کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

”میں اللہ کے سامنے اور قوم کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دہ ہوں۔“ عمرؓ نے کہا۔

”ابن الولیدؓ کو میں نے کسی ذاتی رنجش یا کسی بے بنیاد الزام پر معزول نہیں کیا۔ وہ امیر خاندان کا فرد ہے۔ اُس نے امیری میں پرورش پائی ہے اس لیے ابھی تک اُس کی عادتیں امیرؓ جیسی ہیں۔ وہ شاعر اور کوثر سے بڑے انعام دیتا ہے۔ رئیس ضائع کرتا ہے۔ یہ رفیق بیت المال میں آتی جا تھیں یا مادہ کے طلب گار گھروں میں جاتی جا تھیں۔ وہ پہلوؤں، شہسواروں اور تیغ زلوں کو بھی انعام دیتا ہے۔۔۔“

”مجھے ابوبکرؓ کی خلافت کے وقت بتایا گیا تھا کہ ابن الولیدؓ نے اشعث بن قیسؓ کو دس ہزار درہم انعام میں دیے ہیں۔ اگر اُس نے یہ رقم مالِ غنیمت میں سے دی ہے تو یہ مجرمانہ خیانت ہے اور اگر اُس نے اپنے جتنے میں سے یہ انعام دیا ہے تو یہ مجرمانہ اسراف ہے۔ اسلام اس عیاشی اور فضول خرچی کی اجازت نہیں دیتا۔۔۔ میں خلیفہ اولؓ کو جو مشورے دیا کرتا تھا ان پر میں خود عمل کیوں نہ کروں؟“

لوگ خاموش تو ہو گئے لیکن ان میں بیشتر ایسے تھے جو خالدؓ کی معزولی کو بہت زیادہ سزا اور بے انصافی سمجھتے تھے۔

مزعج یہاں تک تو متفق ہیں کہ خلیفہ دوم عمر بن خطابؓ نے خالدؓ کو ان کی فضول خرچی کی وجہ سے معزول کیا تھا لیکن مورخوں میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں بعض نے کچھ اور وجوہات بھی بیان کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خالدؓ کے طور طریقے شانہ تھے۔ وہ مفتوحہ علاقوں کے امیر تھے لیکن ان کی عاتق میں خود غنا و ثروت کا جو خیال تھا۔ جسے چاہتے انعام و اکرام سے مالا مال کر دیتے اور کسی حقدار اور نادار کا خیال نہیں رکھتے تھے۔

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ عمرؓ کو خدشہ تھا کہ خالدؓ کا ہاتھ نہ روکا تو مفتوحہ علاقوں کے لوگ کسی وقت مدینہ کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔ اس صورت میں رومی ان کی مدد کو آجائیں گے۔

صحیح الزام وہی معلوم ہوتا ہے جو عمرؓ نے خطبے میں بتا دیا تھا یعنی خالدؓ نے اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم انعام دیا تھا اور یہ بھی صحیح تھا کہ خالدؓ اخراجات کے معاملے میں محتاط نہیں تھے لیکن ان کے خلاف بددیواری اور خیانت کا الزام صحیح نہیں تھا۔ وہ اپنے حصے کے مال غنیمت میں سے خرچ کیا کرتے تھے۔

خلیفہ دوم عمرؓ نے سالاروں اور دیگر اعلیٰ حکام میں ڈسپلن پیدا کرنے کے لیے بڑی جرات مندانہ فیصلہ کیا تھا لیکن اس فیصلے میں بہت بڑا خطرہ تھا جو انہوں نے مول لیا۔ خطرہ یہ تھا کہ خالدؓ کی قیادت قابلیت اور پلے پلے فتوحات کی وجہ سے انہیں لوگوں میں اور فوج میں غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی۔ ان کی معزولی پر لوگوں میں اضطراب پھیل گیا تھا اور وہ احتجاجی باتیں کر رہے تھے۔

ابوعبیدہؓ اور خالدؓ جس مجاہد تھے، وہاں کی تمام فوج کو اکٹھا کر کے ابوعبیدہؓ نے اعلان کیا کہ اگر ابوعبیدہؓ اور خالدؓ فوت ہو گئے ہیں اور اب عمر بن خطابؓ خلیفہ ہیں۔ فوج کو دوسری خبر یہ سنائی گئی کہ خالدؓ کو سپہ سالاری سے معزول کر کے عام سالار بنا دیا گیا ہے اور اب ابوعبیدہؓ سالار اعلیٰ ہیں۔

ابوبکرؓ کی وفات کی خبر پر تمام لشکر سے گونج اٹھی۔ "اللہ وانا لہ راجعون" پھر شکر سے کھڑے ہوئے اور سرگوشیاں سنائی دینے لگیں لیکن خالدؓ کی معزولی کی خبر نے سب پر سناسطاری کر دیا۔ یوں لگتا تھا جیسے ابوبکرؓ کی وفات کو فوج نے وہاں سے اتار دیا ہے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ فوج کے نیموں سے بڑی فوج اور غصیلی باتیں اٹھنے لگیں۔

"یہ خلیفہ خالدؓ کی مقبولیت سے ڈر گیا ہے۔"

"ابن خطابؓ غصیل آدی ہے۔ وہ ابن الولید کو دبا کر رکھنا چاہتا ہے؟"

"کیوں معزول کر دیا ہے؟ ابن الولید کمال سے پسپا ہوا ہے؟ کس میدان میں شکست کھائی ہے؟"

"خلیفہ کو ڈر ہے کہ خالدؓ بن الولید خود مختار حکمران بن جائیں گے؟"

اور جو سجدہ وہاں کے لوگ تھے وہ بوجھ رہے تھے کہ خالدؓ کا رد عمل اور رویہ کیا ہوگا۔ یہ ایک تاریخی اہمیت کا سوال تھا۔ خالدؓ کے بغیر اسلامی فوج کی مزید فتوحات محدود رہیں۔ مورخوں نے اور جنگی مشغول نے لکھا ہے کہ جو اہمیت اور جاذبیت خالدؓ میں تھی۔ اور کسی سالار میں نہیں تھی۔ ابوعبیدہؓ زیادہ اور پرہیزگار

تھے اور انہیں امین الائمہ سمجھا جاتا تھا اور وہ بڑے ہی دلیر نہا ہی تھے لیکن ان میں خالدؓ کی قیادت کے جوہر نہیں تھے۔

اس سوال کا جواب اگلی کارروائی دے سکتی تھی۔

✽

اگلا معرکہ ایک ہی ہفتے بعد لڑا گیا۔ ابوعبیدہؓ کو فوج کی کمان لیے ابھی ایک ہی ہفتہ گزر رہا تھا۔ انہیں اطلاع دی گئی کہ ایک اجنبی ان سے ملنے آیا ہے۔ اپنے آپ کو عربی ظاہر کرتا ہے لیکن عیسائی ہے ابوعبیدہؓ نے اسے بلالیا۔ اجنبی تنہائی میں بات کرنا چاہتا تھا۔ ابوعبیدہؓ نے سب کو باہر نکال دیا۔

"کیا مسلمان سالار اعلیٰ ایک عیسائی عرب پر اہتمام کرے گا؟" اس عیسائی نے کہا۔ "اگر مال غنیمت کی ضرورت ہے تو ایک جگہ بتانا ہوں حملہ کریں اور مالا مال ہو جائیں۔"

"پہلے یہ بتاؤ کہ تم پر اپنی مہربانی کرنے کیوں آیا ہے؟" ابوعبیدہؓ نے پوچھا۔ "رومی تیرے ہم مذہب ہیں۔ تو انہیں قبول نقصان پہنچا رہا ہے؟"

"اپنے وطن کی محبت کی خاطر۔" عیسائی نے جواب دیا۔ "رومی میرے ہم مذہب تو ہیں لیکن زندہ عیسائیوں کو شیروں کے آگے رو میوں نے ہی ڈالا تھا اور علیؓ کو مصلوب کرنے والے رومی ہی تھے۔ میں ان کی شنشہا ہی دیکھ رہا ہوں۔ یہ رعایا کو انسان نہیں سمجھتے۔ میں نے مفتوحہ علاقوں میں آپ کی حکومت بھی دیکھی ہے۔ آپ رعایا کو انسانیت کا درجہ دیتے ہیں۔ میں رومیوں کے ظلم و ستم کا شکار ہوں۔ میرے دل میں صرف اپنا نہیں پوری انسانیت کا درد ہے۔ میں مسلمان نہیں لیکن میں یہ تو فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ میں عربی ہوں اور عرب کے لوگ اچھے ہوتے ہیں۔"

اس عیسائی عرب نے ابوعبیدہؓ کو متاثر کر لیا۔ ابوعبیدہؓ نے اس سے پوچھا کہ وہ کون سی جگہ بتا رہا ہے جہاں حملہ کرنا ہے۔

"ابوالقدس؟" عیسائی عرب نے جواب دیا اور یہ بتا کر کہ یہ مقام ابوالقدس کہلاتی دور اور کھال ہے، ابوعبیدہؓ کو بتایا۔ "دو تین دنوں بعد وہاں ایک میلہ شروع ہونے والا ہے۔ اس میں دور دور کے تاجر بیچنے کے لیے مال لاتے گے۔ بڑی قیمتی اشیاء کی دکانیں لگیں گی۔ بڑے دولت مند خریداریں گے۔ اگر آپ کو مال غنیمت چاہیے تو چھوٹا سا ایک دستہ بھیج کر سارے میلے کا مال سمیٹ لیں۔" کیا اس میلے کی حفاظت کے لیے رومی فوج کا کوئی دستہ وہاں ہے؟ ابوعبیدہؓ نے پوچھا۔

"نہیں ہوگا۔" عیسائی عرب نے جواب دیا۔ "میں یہ جانتا ہوں کہ بحیرہ روم کے ساحلی شہر ملکہ میں رومی فوج موجود ہے۔ وہاں سے فوج آتی جلدی ابوالقدس نہیں پہنچ سکتی۔ آپ کے لیے میدان صاف ہے۔" وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا۔ "مجھے زیادہ دیر بیان نہیں رکھنا چاہیے" وہ چلا گیا۔

✽

ابوعبیدہؓ نے اس میلے کو ٹھٹھا اور آسان شکار سمجھا۔ انہوں نے اپنے مشیر سالاروں کو بلا لیا جن پر خالدؓ بھی شامل تھے۔ ابوعبیدہؓ نے انہیں تفصیل سے بتایا کہ عیسائی عرب کیا کیا تھا گیا ہے۔

پہلے انہیں ایک دو جاسوس بہ دیکھنے کے لیے بھیجنے چاہئیں تھے کہ رومی فوج کا کوئی دستہ قریب کیسے موجود ہے یا نہیں اور میلے میں جو لگ آئے ہوتے ہیں وہ بہرہ واپس رومی فوجی تو نہیں۔ اُس نے دہاں جاتے ہی حملے کا حکم دے دیا۔

پانچ سو مسلمان سوار میلے کے ارد گرد گھیر ڈالنے لگے اور اچانک کم دہش پانچ ہزار رومی سوار جانے کہاں سے نکل آئے اور وہ میلے اور مسلمان سواروں کو نرغے میں لینے لگے۔ پانچ سو کا مقابلہ پانچ ہزار سے تھا اور موت بہ پیدا ہو گئی تھی کہ مسلمان سوار گھیرے میں آ گئے تھے۔ اُن کی تباہی لازمی تھی۔ یہ پانچ ہزار رومی سوار میلے کی حفاظت کے لیے دہاں قریب ہی موجود تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ مسلمان بہت تیز پیش قدمی کیا کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان فوج اچانک آجائے اور میلے کو لوٹ لے۔

مسلمان سوار رومی سواروں کے گھیرے سے نکلنے کے لیے گھوڑے دوڑا رہے تھے لیکن کہاں پانچ سو اور کہاں پانچ ہزار مسلمان جدھر جاتے تھے، اُدھر سے روک لیے جاتے تھے۔ میلے میں جبکہ بڑا جھجکھی۔ لوگوں کی چیخ و پکار تھی۔ دکاندار اپنا مال سمیٹ رہے تھے اور جن کے پاس قمیص تھیں وہ بھاگ رہے تھے کئی ایک گھوڑوں تلے کچلے گئے۔

مسلمان ہر میدان میں قلیل تعداد میں لڑے ہیں۔ اس سے انہیں اپنے سے کئی گنا زیادہ لشکر سے لڑنے اور فتح یاب ہونے کا تجربہ تھا۔ انہوں نے پانچ سو کی تعداد میں پانچ ہزار کا گھیر توڑنے کی کوشش کی لیکن کامیابی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ انہوں نے کسی کی ہدایت کے بغیر ہی اپنے آپ کو گول ترتیب میں کر لیا اور رومیوں کا مقابلہ کرنے لگے۔ عبداللہ لڑ سکتا تھا، اس خطرناک صورت حال میں اپنے سواروں کی قیادت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سپاہیوں کی طرح بے جگری سے لڑتا تھا۔ ابوذر غفاری بھی جان کھیل کر لڑ رہے تھے۔ تمام سوار آگے بڑھ کر رومیوں پر حملے کر رہے تھے اور رومیوں کے حملے روکنے بھی تھے۔ اُن کی گول ترتیب اس طرح تھی کہ سب سے منہ باہر کی طرف تھے یعنی اُن کا عقب تھا ہی نہیں جس پر دشمن کے حملے کا خطرہ ہوتا۔

رومیوں نے جب مسلمانوں کو اس انوکھی ترتیب میں دیکھا تو وہ سہلے ہٹائے اور آگے بڑھنے میں محتاط ہو گئے۔ لیکن اُن کی تعداد دس گنا تھی اور وہ لڑنا جانتے تھے۔ اُن کے محتاط ہونے سے صرف یہ فرق پڑا تھا کہ مسلمانوں کی تباہی تھوڑی سی دیر کے لیے ملتوی ہو گئی تھی۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ پانچ سو سوار پانچ ہزار سواروں کے نرغے سے زندہ نکل آتے۔

یہ پانچ سو مجاہدین اپنے سالارِ اعلیٰ کی ایک خطرناک لغزش کی سزا جگت رہے تھے۔ ابو عبیدہ امین الامت تھے۔ زہد اور تقویٰ میں بے مثال تھے۔ صحابہ کرام میں اُن کا مقام سب سے بلند تھا لیکن محنت کرنے کے لیے اور فوج کی قیادت کے لیے اور جنگی امور اور کارروائیوں میں فیصلہ کرنے کے لیے صرف ان اوصاف کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ یہ اوصاف بعض حالات میں قوم اور فوج کو بے ڈگتے ہیں۔

ابو عبیدہ کی سادگی کا یہ اثر کہ انہوں نے ایک عیسائی پراعتماد کیا اور محض مال غنیمت کی خاطر پانچ سو سواروں کو ایک بچے کی قیادت میں یہ معلوم کیے بغیر بھیج دیا کہ وہاں دشمن کی فوج موجود ہے یا نہیں۔

”یہ مال غنیمت امانت سے جانا نہیں چاہیے۔“ ابو عبیدہ نے کہا۔ ”ابوالقدس دشمن کا علاقہ ہے اور اس دشمن کے ساتھ ہماری جنگ ہے۔ جنگ کی صورت میں میلے پر ہمارا چھاپہ جائز ہے۔ اس سے رومیوں پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی۔“ ابو عبیدہ نے باری باری سب کو دیکھا اور کہنے لگے۔ ”مجموع میں کون اس چھاپہ مار کارروائی کے لیے جانا چاہتا ہے۔“ ابو عبیدہ کی نظریں خالد کے چہرے پر پڑھ رہی تھیں۔

نظریں خالد پر چا لینے کا مطلب یہی تھا کہ خالد اپنے آپ کو اس چھاپے کے لیے پیش کریں گے لیکن خالد اس طرح خاموش بیٹھے رہے جیسے اس کام کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ ظاہر ہے ابو عبیدہ کو خالد کی خاموشی اور بے زبانی سے بہت مایوسی ہوئی ہوگی۔ انہیں یہ خیال بھی آیا ہو گا کہ خالد کا یہ رویہ اُن کی معزوری کا رد عمل ہے۔

وہاں ایک نوجوان بھی موجود تھا۔ اُس کے چہرے پر واڑھی ابھی ابھی آئی تھی۔ ”میں جاؤں گا۔“ یہ نوجوان بول اٹھا۔ ”یہ فیصلہ سالارِ اعلیٰ کریں گے کہ میرے ساتھ کتنی نفری ہوگی۔“ ”کیا تو ابھی کسمن نہیں ابن جعفر؟“ ابو عبیدہ نے کہا اور ایک بار پھر خالد کی طرف دیکھا مگر خالد راتعلق بیٹھے تھے۔

”امین الامت!۔“ نوجوان نے جواب دیا۔ ”میں مدینہ سے آیا ہوں کیوں ہوں؟ میں کچھ کر کے دکھانا چاہتا ہوں۔ کیا میرے بزرگ بھول گئے ہیں کہ میرے سر پر اپنے شہید باپ کا قرض ہے؟۔۔۔۔۔ امین الامت! میں کس ضرر دہوں لیکن اناؤں نہیں ہوں، بزدل نہیں ہوں کچھ سیکھ کر آیا ہوں کیا میرے بزرگ میری حوصلہ شکنی کریں گے؟

”خدا کی قسم، ابن جعفر!۔“ ابو عبیدہ نے کہا۔ ”تیری حوصلہ شکنی نہیں ہوگی۔ پانچ سو سواروں کا دستہ لے لے۔ تو اس دستے کا سالار ہوگا۔“

ابو عبیدہ نے ایک کسمن لڑا کے کو پانچ سو سواروں کا سالار غالباً یہ سوتج کو بنا دیا تھا کہ یہ چھاپہ نہایت آسان تھا۔ وہاں کوئی فوج نہیں تھی جو ان سواروں کے مقابلے میں آتی۔

یہ نوجوان کوئی عام سالار کا نہیں تھا۔ اُس کا نام عبداللہ تھا اور وہ رسول کریم کے چچا زاد بھائی جعفرؓ کا بیٹا تھا۔ جعفرؓ موت کی لڑائی میں شہید ہو گئے تھے۔

✽

اُس رات چاند پورا تھا۔ شعبان کی پندرہ تاریخ تھی عیسوی سن کے مطابق یہ ۱۴ اکتوبر ۶۳۴ء کی رات تھی۔ نوجوان عبداللہ پانچ سو سواروں کو ساتھ لے کر رات کو روانہ ہوئے۔ اُن کے ساتھ عائشہؓ رسول اور نامور مجاہد ابوذر غفاریؓ بھی تھے۔ یہ دستہ اُس وقت روانہ کیا گیا تھا جب میلہ شروع ہو چکا تھا۔

عبداللہ کا دستہ صبح طلوع ہو چکی تھی جب وہاں پہنچا۔ میلہ کیا تھا، وہ تو خیموں، شامیانوں اور قوافل کا ایک گول آباد تھا اور یہ گاؤں بہت ہی خوبصورت تھا۔ دکانوں پر بڑا ہی قیمتی مال سجا ہوا تھا۔ میلے کی رونق جاگ اٹھی تھی۔

عبداللہ نوجوان تھا۔ وہ اسے سب کو اناری بندھتا تھا لیکن اناری بن کا ہی مظاہرہ کیا۔ سب سے

ابو عبیدہ اپنے سالاروں کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ دشمن فتح ہو چکا تھا۔ اگلی پیش قدمی کا منصوبہ تیار ہو رہا تھا اور فوج آگام کر رہی تھی۔ ایک گھوڑا سوار گھوڑا سرسٹ دوڑاتا ابو عبیدہ کے خیمے کے سامنے آؤگا۔ سوار کو روکنا اور دوڑنا ہوا خیمے میں داخل ہو گیا۔ وہ ہانپ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر گرد کی تہجمی ہوئی تھی۔ سب اُس کی طرف متوجہ ہوئے۔

”سالار اعلیٰ!“ اُس نے ابو عبیدہ سے کہا۔ ”وہ سب مارے جا چکے ہوں گے۔ وہ گھیرے میں آتے ہوئے ہیں۔“

”کون؟“ ابو عبیدہ نے گھبراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ”کس کی بات کر رہے ہو؟ کون کس کے گھیرے میں آیا ہوا ہے؟“

”الوالہدس!“ سوار نے کہا۔ ”الوالہدس کے پانچ سو سواروں کی بات کر رہا ہوں.... اُن کی مدد کو جلدی پہنچیں۔ ایک بھی زندہ نہیں رہے گا۔“

جن توختوں نے یہ واقعہ کھا ہے ان سب نے لکھا ہے کہ یہ واحد سوار تھا جو میے میں جھگڑا کر جانے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رومیوں کے گھیرے سے نکل آیا تھا۔ ابھی گھیرا مکمل نہیں ہوا تھا۔ اس مجاہد نے اندازہ کر لیا تھا کہ اُس کے ساتھیوں کا انجام کیا ہوگا۔ اُس نے انتہائی تیز رفتار سے گھوڑا دوڑایا اور دشمن پہنچا تھا۔

اُس نے بڑی تیزی سے بولتے ہوئے تفصیل سے بتایا کہ الوالہدس کے میے میں کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے۔ ابو عبیدہ کا رنگ زرد ہو گیا۔ انہوں نے خالدؓ کی طرف دیکھا۔ خالدؓ کے چہرے پر پریشانی کا گہرا اثر تھا۔

”ایسلمان!“ ابو عبیدہ نے خالدؓ سے التجا کے لہجے میں کہا۔ ”اللہ کے نام پر ایسلمان تیرے سوا انھیں گھیرے سے کوئی نہیں نکال سکتا۔ جاؤ، فوراً جاؤ۔“

”اللہ کی مدد سے میں ہی انہیں گھیرے سے نکالوں گا۔“ خالدؓ نے جوش سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ”میں تیرے حکم کے انتظار میں تھا۔ امین اللہ!“

”مجھے معاف کر دینا ایسلمان!“ ابو عبیدہ نے کہا۔ ”میں نے تیری نیت پر شک کیا تھا اس لیے حکم نہ دیا۔ میرا خیال تھا کہ معزولی نے تجھ پر بہت برا اثر کیا ہے۔“

خالدؓ کی قسم، مجھ پر ایک بچے کو سالار اعلیٰ مقرر کر دیا جائے گا تو میں اُس کا بھی مطیع رہوں گا۔

خالدؓ نے کہا۔ ”مجھے تو رسول اللہ کے امین اللہ امت نے کہا ہے۔ کیا میں ایسے گناہ کی جرأت کر سکتا ہوں کہ تیرے حکم نہ مانوں؟“

لوتیرے قدموں کی خاک کی بھی برابری نہیں کر سکتا.... اور تباد سے سب کو کہ ایسلمان ابن الولید نے اپنی زندگی اسلام کے لیے وقف کر دی ہے۔“

تورخ قادسی اور طبری لکھتے ہیں کہ ابو عبیدہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ کچھ دیر ابن الولید کو دیکھتے رہے۔

”تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔“ ابو عبیدہ نے کہا۔ ”جا ایسلمان! اپنے بھائیوں کی جانیں بچا۔“

تاریخوں میں ایسی تفصیلات نہیں ملتی کہ خالدؓ اپنے ساتھ کتنے سوار کتنے ہزار سوار لے کر گئے تھے۔ باقی حالات مختلف تاریخوں میں بیان کئے گئے ہیں خالدؓ نے ”ہر ہنہ مجاہد“ حذر بن الازد کو ساتھ لیا تھا اور ان دونوں کے پیچھے مسلمان رسالہ سرسٹ گھوڑے دوڑاتا جا رہا تھا۔

خالدؓ اور حذر آؤ گھیرے ہوئے مجاہدین کی مدد کو چلے گئے۔ پیچھے ابو عبیدہ کی حالت بگڑ گئی۔

”اللہ، اللہ، اللہ!“ وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر گڑگڑانے لگے۔ ”خلیفہ! مسلمان عہد نے مجھے لکھا تھا کہ مال غنیمت کے لالچ میں مجاہدین کو ایسی مشکل میں نہ ڈالنا کہ اُن کی جانیں ضائع ہو جائیں۔ عہد نے لکھا تھا کہ فیصلہ کرنے سے پہلے دیکھ بھال کر لینا.... مجھے معاف کر دینا اللہ! یہ مجھ سے کیا فیصلہ ہوا ہے۔ میں نے ایک عیسائی کی بات کو سچ مانا اور میں نے ایک کس لڑکے کو پانچ سو سواروں کی کمان دے دی اور اُسے اتنا بھی نہ کہا کہ وہ اپنے دستے کو دور روک کر ہت کی دیکھ بھال ضرور کرے۔“

ابو عبیدہ کے رفیق سالار انہیں تسلیاں دیتے رہے لیکن ابو عبیدہ نے جو پانچ سو قیدی سواروں کو اپنی لغزش کی جھٹی میں جھونک دیا تھا اس پر وہ مطمئن نہیں تھے۔

خالدؓ اور حذر اپنے سواروں کے ساتھ انتہائی رفتار سے الوالہدس پہنچ گئے۔ وہاں مجاہدین کسے حالت بہت بُری تھی خالدؓ کے حکم سے ان کے سواروں نے بحیر کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ ان نعروں سے ان کا مقصد یہ تھا کہ گھیرے میں آتے ہوئے مسلمان سواروں کی حوصلہ افزائی ہو اور رومیوں پر دہشت طاری ہو۔

اس کے بعد خالدؓ نے اپنا نعرہ بلند کیا:

انا فارس الضدید

انا خالد بن الولید

رومیوں نے پہلے مسکول میں یہ نعرہ سنا تھا۔ اس نعرے کے ساتھ ہی مسلمانوں نے انھیں جس حالت میں کاٹا اور جھگایا تھا، اسے تو وہ باقی عمر نہیں بھول سکتے تھے۔

رومی سوار اپنے زخمیوں میں لینے ہوئے مسلمانوں کو تو بھول ہی گئے۔ خالدؓ نے اپنے سواروں کو پھیل کر برقی رفتار حملہ کر لیا تاکہ رومیوں کو آسنے سامنے کی لڑائی کی ترتیب میں آنے کی ہمت ہی نہ رہے۔ خالدؓ کو اپنی ایک کمزوری کا احساس تھا۔ وہ دشمن سے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے الوالہدس تک پہنچے تھے۔ گھوڑے تھک گئے تھے۔ ان کے جسموں سے سپینہ ٹپک رہا تھا۔ خالدؓ کی کوشش یہ تھی کہ رومیوں کو جلدی بھیج دیا جائے اور نہ گھوڑے جواب دے جائیں گے۔

حذر بن الازد نے اپنا دہی کمال دکھایا جس پر وہ رومیوں میں مشہور ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنی خود زبرد اور اپنی فیتن بھی اتار چکیں اور رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ رومی سوار اتنی آسانی سے پیچھے ہٹنے والے نہیں تھے۔ وہ اپنے زخمیوں میں لینے ہوئے مسلمان سواروں میں سے کئی ایک کو شہید اور زیادہ تر زخمی کر دیے۔

زخمی کر چکے تھے۔ ان میں جو بچ گئے تھے، انہیں خالدؓ کے آجائے سے نیا حوصلہ ملا۔ رومی خالدؓ اور
مزارؓ کے سواروں کے مقابلے کے لیے مڑے تو پیچھے سے اُن بچے کچھ سواروں نے اُن پر قبضہ کر لیا
جو کچھ دیر پہلے تک اُن کے زخم میں آتے جوتے تھے۔

محرکہ غوریز اور تیز تھا۔ اب رومی گھیرے میں آ گئے تھے۔ اُن کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ سگڑتے
تھے تو اُن کے گھوڑوں کو قتل کر حرکت کرنے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔ مسلمان سواروں نے انہیں بُری طرح
کاٹا اور زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ رومی سوار محرکہ سے نکل نکل کر بھاگنے لگے۔ آخر وہ اپنی بہت سی
لاشوں اور شدید زخمیوں کو پیچھے چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اُن مسلمان سواروں کا جانی نقصان کچھ کم نہ تھا جو رومیوں کے گھیرے میں لڑتے رہے تھے۔ خالدؓ
نے حکم دیا کہ میلے کا سامان اکٹھا کیا جائے۔ انہوں نے بہت سے مجاہدین کو زخمیوں اور لاشوں کو اکٹھا
پر لگا دیا۔ خالدؓ کی اپنی یہ حالت تھی کہ اُن کے جسم پر کئی زخم آئے تھے اور اُن کے کپڑے خون سے
سرخ ہو گئے تھے۔ انہیں ان زخموں کی جیسے پرواہ ہی نہیں تھی۔ زخم خالدؓ کے لیے کوئی شے چیز نہیں تھی۔
اُن کے جسم پر اُس وقت تک اسے زخم آچکے تھے کہ مزید زخموں کی جگہ ہی نہیں تھی۔
خالدؓ واپس دمشق آئے۔ وہ جو مال غنیمت لائے تھے وہ بہت زیادہ اور قیمتی تھا۔ زخمی ہو کر گرنے
اور مرنے والے رومیوں کے سینکڑوں گھوڑے بھی اُن کے ساتھ تھے مگر اس مال غنیمت کے
لیے بڑی قیمتی جانوں کی قیمت دی گئی تھی۔

ابوعبیدہؓ کو اس جانی نقصان کا بہت اسوس تھا، البتہ انہیں یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ خالدؓ نے
اپنے خلاف یہ شیک ڈوکر دیا تھا کہ معزولی کی وجہ سے اُن میں پہلے والی دلچسپی اور جوش و خروش نہیں
رہا۔ خالدؓ نے اپنا جسم زخمی کرانے ثابت کر دیا تھا کہ معزولی کا اُن پر ذرا سا بھی اثر نہیں ہوا۔
ابوعبیدہؓ نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ خلافت کے لیے مدینہ بھیجا اور اس کے ساتھ مگر کوپوری
تفصیل لکھی کہ انہوں نے کیا کارروائی کی تھی، اس سے کیا صورت حال پیدا ہوئی اور خالدؓ نے کیا کارنامہ
کیا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کی بے تحاشہ تعریف لکھی۔

ہرمخاز سے اور ہرمیدان سے رومی پسپا ہو رہے تھے۔ رومیوں کا شہنشاہ ہرقل انطاکیہ میں تھا
اُس کے ہاں جو بھی قاصد آتا تھا، وہ ایک ہی جیسی خبر سناتا تھا،

”اُس قلعے پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔“

”فلاں میدان سے بھی اپنی فوج پسپا ہو گئی ہے۔“

”مسلمان فلاں طرف پیش قدمی کر گئے ہیں۔“

”ہمارے فلاں شہر کے لوگوں نے مسلمانوں کو جزیہ دینا قبول کر لیا ہے۔“

ہرقل کے کانوں میں اب کوئی اور بات پڑتی ہی نہیں تھی۔ زندیں بھی وہ یہی خبریں سناتا ہرگا۔
اُس کے وزیر بشیر اور سالار وغیرہ اب اُس کے سامنے شکست کا کوئی پیغام لے کر جانے سے
ڈرتے تھے، لیکن انہیں اُس کے سامنے جانا پڑتا تھا اور اُس کے ساتھ شکست کی باتیں کرنی اور
شننی پڑتی تھیں۔

وہ انطاکیہ کی ایک شام تھی۔ انطاکیہ کی شاہیں حسین ہوا کرتی تھیں۔ یہ شہر سلطنت روم کا ایک
اہم اور بار لوق شہر تھا۔ روم کے اعلیٰ حکام، امراء اور وزراء یہاں رہتے تھے۔ اب تو کچھ عرصے سے
شہنشاہ روم ہرقل نے اسے عاجزی دار الحکومت اور فوجی ہیڈ کوارٹر بنا لیا تھا۔ رومی جنگجو تھے۔
اُس دور میں اُن کی سلطنت دنیا کی سب سے وسیع اور مستحکم سلطنت تھی۔ استکام کی وجہ یہ تھی کہ روم کی
فوج مستحکم تھی۔ اسلحہ کی برتری اور فوج کی انفرادی کمالات سے یہ فوج اپنے دشمنوں کے لیے دہشتناک تھی۔
اس فوج نے اور اس کے سالاروں اور دیگر اعلیٰ حکام نے انطاکیہ کو پر رونق شہر بنا رکھا تھا۔
عیش و عشرت کا ہر سامان موجود تھا۔ وہاں قریہ خانے تھے۔ قصور اور نئے تھے اور وہاں نسوانی شہن کی
چلتی پھرتی فائش لگی رہتی تھی۔ وہاں شاہیں مسکراتی اور راتیں جاگتی تھیں لیکن اب انطاکیہ کی شاہیں
اداس ہو گئی تھیں۔

فوجی یہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ جب کوئی نیا دستہ آتا تھا تو قریہ خانوں کی رونق ٹھہ جاتی
تھی اور چلتی پھرتی طوائفوں میں اضافہ ہو جاتا تھا، مگر انطاکیہ میں باہر سے جو فوجی آتے تھے وہ بڑی
ہوتے تھے، اور جو زخمی نہیں ہوتے تھے، اُن کے چہروں پر مُردنی چھائی ہوئی ہوتی تھی۔ ہر فوجی شکست

کی تصویر بنا ہوتا تھا۔ اُن کی چال میں اور اُن کے چہروں پر شکست صاف نظر آتی تھی۔ غوریز اُن
کے قریب کھول آتیں، اُن کی اپنی بیویاں انہیں اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتی تھیں، ان رومی فوجیوں
نے روم کی جنگی روایات کو توڑ دیا تھا۔ قیصر روم کی عظمت کو پا مال کر دیا تھا۔

انطاکیہ میں جو رومی عورتیں تھیں، انہوں نے ہرقل کو بھی نہیں بخشا تھا۔ وہ شام انطاکیہ کی اندر
شاموں میں سے ایک شام تھی۔ ہرقل شاہی کبھی پرکسین سے آ رہا تھا۔ اُس کے آگے آٹھ گھوڑے شاندار

چال چلتے آ رہے تھے۔ ان کے سوار ہرقل کے محافظ تھے۔ ان سواروں کی شان زلالی تھی۔ ان کے ہاتھوں میں برصیاں تھیں جن کی آتیاں اُپر کھینچیں اور ہر بچہ کی آتی سے ذرا نیچے ریشمی کپڑے کی ایک ایک جھنڈی لٹکی کے پیچھے بھی آٹھ دس گھوڑ سوار تھے۔

ایک شور اٹھا۔ ”شہنشاہ کی سواری آ رہی ہے“

لوگ اپنے شہنشاہ کو دیکھنے کے لیے راستے کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں جو عورتیں عموماً اپنے دروازوں کے سامنے یا منڈیروں پر کھڑی ہو کر اپنے شہنشاہ کو گدڑا دیکھا کرتی تھیں لیکن اس شام چند ایک عورتیں ہرقل کے راستے میں آگئیں۔ اگلے دو سوار محافظوں نے گھوڑے ڈٹائے اور عورتوں کو راستے سے ہٹانے لگے لیکن عورتیں غل چالنے لگیں کہ وہ اپنے شہنشاہ سے ملنا چاہتی ہیں۔ دو اور سوار آگے بڑھے کیونکہ عورتیں پیچھے نہیں ہٹ رہی تھیں۔ ہرقل کی بگھی ان تک پہنچ گئی۔ وہ عورتوں کو دیکھ رہا تھا۔ اُس نے بگھی کو الٹا اور اُترایا۔

”چھوڑ دو انہیں“ ہرقل نے گرج جیسی آواز میں کہا۔ ”انہیں مجھ تک آتے دو“

وہ آگے گیا اور عورتوں نے اُسے گھیر لیا۔ وہ سب بول رہی تھیں۔

”میں کچھ نہیں سمجھ رہا“ ہرقل نے بند آواز سے کہا۔ ”کوئی ایک برو۔ میں مضمون گا“

”شہنشاہ روم!“ ایک عورت بولی۔ ”تو کچھ نہیں سمجھے گا“

”جس نے سلطنت روم کی تباہی برداشت کر لی ہے وہ غیرت والی عورت کی بات نہیں سمجھے گا۔“ ایک اور عورت نے کہا۔ ”ہم سب رومی ہیں۔ ہم مقامی نہیں۔ یہاں کی عورتیں تیرے راستے میں نہیں آئیں گی۔ رومی چلے جائیں، عرب کے مسلمان آجائیں، انہیں کیا! بے عزتی تو ہماری ہو رہی ہے۔ بے عزتی روم کی ہو رہی ہے۔“

”اب آگے برو“ ہرقل نے کہا۔ ”جو کتنا ہے وہ کہو“

”کیا تُو نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تُو نے ہمیں مسلمانوں کے حوالے کرنا ہے؟“ ایک عورت نے کہا۔ ”اس کے سوا کوئی اور بات کان میں نہیں پڑتی کہ فلاں شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور وہاں کی رومی عورتیں مسلمانوں کی لونڈیاں بن گئی ہیں۔“

”ہماری فوج لڑنے کے قابل نہیں رہی تو ہمیں آگے جانے دے۔“ ایک اور عورت نے کہا۔

”گھوڑے، برصیاں اور تلواریں ہمیں دے“

”جس فوج سے فارسی بھی ڈرتے تھے۔“ ایک اور بولی۔ ”وہ فوج اب ڈرے ہوئے، زخمی اور

بھگوڑے سپاہیوں کا جھوم بن گئی ہے۔“

”یہاں اب روم کا جو فوجی آتا ہے کسی نہ کسی قلعے یا میدان سے بھاگا ہوا آتا ہے۔“ ایک اور

عورت نے کہا۔

ہرقل کے محافظ ڈر رہے تھے کہ شہنشاہ روم کا عتاب اُن پر گرے گا کہ وہ چند ایک عورتوں کو اُس کے راستے سے نہیں ہٹا سکے۔ تماشائی اس انتظار میں تھے کہ ہرقل ان تمام عورتوں کو گھوڑوں سے نکل دینے کا حکم دے گا لیکن ہرقل خاموشی سے، تحمل اور بردباری سے عورتوں کے طعنے سن رہا تھا، شاید

اس لیے کہ وہ مقامی نہیں رومی عورتیں تھیں۔

”ہماری فوج بزدل ثابت ہوئی ہے۔ ہرقل نے کہا۔ ”میں بزدل نہیں ہو گیا۔ شکست کھا کر جو بھاگ آئے ہیں وہ بھڑکیں گے۔ میں نے شکست کو قبول نہیں کیا۔“

”پھر ہمارا شہنشاہ کیا سوچ رہا ہے؟“ ایک عورت نے پوچھا۔

”تم جلد ہی سن لو گی۔“ ہرقل نے کہا۔ ”میں زندہ ہوں۔ میں جو سوچ رہا ہوں وہ کر کے دکھاؤ گا۔ فتح اور شکست ہوتی ہی رہتی ہے۔ وہ قوم ہمیشہ دوسروں کی غلام رہتی ہے جو شکست کو تسلیم کر لیتی ہے۔ میں تمہیں کسی کا غلام نہیں بننے دوں گا۔ مسلمانوں نے جہاں تک آنا تھا آچکے ہیں۔

اب میری باری ہے۔ وہ میرے بھندے میں آگئے ہیں۔ اب وہ زندہ واپس نہیں جائیں گے۔ اُنہوں نے جو لیا ہے اس سے کُنی کُنا زیادہ دیں گے۔ میرے لیے دُعا کرتی رہو۔ تم بہت جلدی خوشخبری سنو گی۔۔۔ اور تم اپنے خاندانوں کے اپنے بھائیوں کے اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں کے دھلے بڑھائی ہو۔“

”ہم اُن پر اپنے گھروں کے دروازے بند کر دیں گی۔“ ایک عورت نے کہا۔

”تم انہیں گلے لگا دو گی،“ ہرقل نے کہا۔ ”اب وہ فاتح بن کر تمہارے سامنے آئیں گے۔“

عورتوں نے اپنے شہنشاہ کو راستہ دے دیا۔

➔

ہرقل نے ان عورتوں کی محض دل جوئی نہیں کی تھی۔ مورخ لکھتے ہیں کہ وہ شکست تسلیم کرنے والا جنگجو تھا۔ یہاں نہیں اور شہنشاہ بعد میں اور سپاہی پہلے تھا اور اپنے دور کا منجھا، مجاہد اور جرنیل تھا۔ یہ کتنا غلط نہیں کہ وہ خالد بن ولید کی طرح جرنیل تھا اور جنگی چالوں میں اُس کی مہارت کا اندازا پانا ہی تھا۔

اگر وہ صرف شہنشاہ ہوتا تو اپنی سواری کے راستے میں ان عورتوں کی رکاوٹ کو برداشت نہ کرتا۔

انہیں سزا دیتا لیکن اُس نے ان عورتوں سے حوصلہ لیا اور ان کا حوصلہ بڑھایا۔

اُس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ کسی طرف سے شکست کی اور اُس کی فوج کی پسپائی کی اطلاع آتی تھی

تو اُس کے حکام اُس کے سامنے آنے سے گریز کرتے تھے۔ ایسا ہی ایک موقع تھا کہ اُس کا ایک

سالار جو مشیر کی حیثیت سے اُس کے ساتھ رہتا تھا، اُس کے سامنے گیا۔ اس سالار کے پیروں پر

مالیسی کا جوتا تھا وہ ہرقل نے بھانپ لیا۔

”کیا ہے؟“ ہرقل نے پوچھا۔

”مَرج الدنیاج سے قاصد آیا ہے۔“ سالار نے کہا۔

”تو کہتے کیوں نہیں کہ وہ ایک اور پسپائی کی خبر لایا ہے۔“ ہرقل نے خوشیلے لہجے میں کہا۔

”اپنے دلوں سے میرا خوف نکالتے کیوں نہیں؟ شکست اور پسپائی کے نام سے گھبراتے کیوں ہو؟

.... بولو!“

”ہاں شہنشاہ!“ سالار نے کہا۔ ”قاصد پسپائی کی خبر لایا ہے۔۔۔ اور وہاں سے بھاگے

ہوئے سپاہی یہاں آنا شروع ہو گئے ہیں۔“

”آنے دو انہیں!“ ہرقل نے ایسے لہجے میں کہا جس میں غصہ نہیں تھا اور اُس کے لہجے میں

شاہ جلال بھی نہیں تھا۔ اُن کا حوصلہ بڑھاؤ کوئی انہیں شکست اور سپاہی کا طعنہ نہ دے یہی سپاہی شکست کو فتح میں بدلیں گے۔
 ”سپاہیوں کا حوصلہ تو بجا ہوا جائے گا۔“ سالار نے کہا۔ ”لیکن لوگوں کا حوصلہ ڈھٹا جا رہا ہے۔ لوگ مسلمانوں کو جقات اور مجبوت سمجھنے لگے ہیں۔ اسی افواہیں پھیل رہی ہیں جو لوگوں کو بزدل بنا رہی ہیں۔“

”جانتے ہو یہ افواہیں کون پھیلا رہا ہے؟“ ہرقل نے کہا۔ ”ہمارے اپنے سالار، کم انداز اور سپاہی۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ تو بے جگری سے لڑتے تھے لیکن اُن کا مقابلہ جنت سے ہو گیا۔“
 ”دشمن شاہ روم۔“ سالار نے کہا۔ ”مسلمانوں کی کامیابی کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ ہمارے جس شرکے لوگ اُن سے صلح کا معاہدہ کر لیتے اور جزیہ ادا کر دیتے ہیں، اُن کے ساتھ مسلمان ہمت اچھا سلوک کرتے ہیں۔ اُن کی عورتوں اور اُن کی جوان لڑکیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ اُن کے جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اُن کے مذہب کا بھی احترام کرتے ہیں۔ یہ خبریں سارے علاقے میں پھیل جاتی ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دوسری جگہوں کے لوگ بھی فوج کا ساتھ چھوڑ دیتے اور اسے صلح پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اس کا کوئی علاج ہرنا چاہئے۔“
 ”اس کا علاج صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دے کر ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔“ ہرقل نے کہا۔ ”اور اس کا بندوبست ہو رہا ہے۔“

الوالدیس میں ہرقل کو جو ٹپڑی تھی، اس نے اُسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ اُسے اس معرکے کی تفصیلی اطلاع ملی تھی۔ ابوعبیدہ ایک غلطی کر بیٹھے تھے۔ رومی خوش تھے کہ مسلمانوں کا ایک دستہ تو جھینڈے میں آیا لیکن خالد بن ولید اور رضار نے بد وقت پہنچ کر نہ صرف رومیوں کا جھینڈہ توڑ ڈالا تھا بلکہ انہیں بے شمار جانی نقصان پہنچا کر مال غنیمت سے مالا مال ہو کر لوٹے تھے۔

ہرقل کو مسلمانوں کی برقی رفتار سے پریشان کر دیا تھا۔ اُس نے دیکھا تھا کہ مسلمانوں کی فوج ایک سے دوسری جگہ حیران کن تیزی سے پہنچتی تھی اور میدان جنگ میں سالاروں کی جگی چالوں پر اُن کے دستے بہت ہی تیزی سے جگہ بدلتے اور چالوں کو کامیاب کرتے تھے۔

اس کے بعد ہرقل نے حسبے راتوں کو سونا بھی چھوڑ دیا تھا۔ اُس نے اُسی روز اپنی سلطنت کے دُور دراز گوشوں تک قاصد دوڑا دیے تھے۔ اُس نے حکم یہ بھیجا تھا کہ زیادہ سے زیادہ فوجی دستے انطاکیہ بھیج دیے جائیں۔ وہ سلطنت کی تمام تر فوج تو اکٹھی نہیں کر سکتا تھا، ہر جگہ فوج کی ضرورت تھی۔ اُس نے اتنے دستے مانگے تھے جن کے آجائے کسی بھی جگہ کا دفاع کمزور نہیں ہوتا تھا۔

جن علاقوں سے دستے آئے ان میں شمالی شام، یورپ کے چند شہر اور جزیرہ شامل تھے۔ ہرقل نے اپنے حکم میں کہا تھا کہ دستے بہت تیزی سے آئیں۔ جب یہ آئے لگے تو ان میں سے بعض کو انطاکیہ میں رکھا گیا اور دوسروں کو دریائے اُردن کے مغربی کنارے سے ذرا ہی دُور ایک مقام میں ان بھیج دیا گیا۔ ہرقل نے اپنے مشیروں اور سالاروں کو بلایا۔ ان میں مستقار، شنس اور تھیوڈورس خاص طور پر قابل

ذکر تھے۔ ان تینوں کو نمازوں سے بلایا گیا تھا۔ ہرقل نے ان سب کو بتایا کہ مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دینے کے لیے اُس نے کیا بندوبست کیا ہے اور سالاروں نے کیا کرنا ہے۔

”تم نے دیکھ لیا ہے کہ مسلمان کس طرح لڑتے ہیں۔“ اُس نے کہا۔ ”شکست اور سپاہیوں سے تمہیں بدل نہیں ہونا چاہئے۔ ان سے تمہیں تجربہ حاصل ہوا ہے۔ اگر تم نے کچھ نہیں سیکھا تو تمہارے لیے یہی ایک راستہ ہے۔ جاؤ اور مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لو۔ قیصر روم کی نعمت کو مسلمانوں کے قدموں میں ڈال دو اور صلیب کو مجبورہ روم میں پھینک کر مسلمانوں کے مذہب میں داخل ہو جاؤ۔ تمہیں اپنی جانیں، اپنی بیویاں اور اپنے مال و اموال زیادہ عزیز ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عرب کے لیڈروں کا ایک گروہ تمہیں شکست پرست بنا چلا جا رہا ہے۔“

سب پرستانا طاری ہو گیا۔ ہرقل کی نگاہیں ہر ایک پر گھوم گئیں۔
 ”دشمن شاہ روم۔“ اُس کے سالار تھیوڈورس نے سکوت توڑا۔ ”ہم پیچھے ہی نہیں ہٹتے آئیں گے۔ میں اپنے متعلقہ کر سکتا ہوں کہ میں آپ کے پاس زندہ آیا تو شکست کھا کر نہیں آؤں گا۔ اگر میں نے شکست کھائی تو میری لاش بھی یہاں نہیں آئے گی۔“

اس ایک سالار کے بولنے سے نہ صرف سناٹا ٹوٹا بلکہ سب میں جو تناؤ پیدا ہو گیا تھا وہ بھی ٹوٹ گیا۔ سب نے ہرقل کو یقین دلایا کہ انہیں سلطنت روم سے زیادہ اور کوئی چیز عزیز نہیں۔
 ”میں نے مسلمانوں کو یقین پر ختم کرنے کے لیے جو بندوبست کیا ہے وہ ناکام نہیں ہو سکتا۔“ ہرقل نے کہا۔ ”اب تک ہماری فوج مختلف جگہوں پر ٹپڑ کر لاتی رہی ہے۔ ایک جگہ سے ہمارے سپاہی بھاگے تو انہوں نے دوسری جگہ جا کر وہاں کے دستوں میں بدلی پھیلائی اور اپنے آپ کو شکست کے الزام سے بچانے کے لیے ایسی باتیں کہیں جن سے وہاں کے دستوں پر مسلمانوں کی دہشت بیٹھ گئی۔ اب میں فوج کو کھینچ کر لڑاؤں گا۔۔۔۔۔“

”تم نے دیکھا ہے کہ میں نے کہاں کہاں سے دستے منگوائے ہیں اور کس قدر شکر جمع ہو گیا ہے۔ میری فوج دمشق پر ہے لیکن ہم دمشق پر حملہ نہیں کریں گے۔ اس کا محاصرہ کریں گے۔ ہم دمشق سے دُور چھوٹی چھوٹی لڑائیاں زیادہ لغزی کے دستوں سے لڑا کر مسلمانوں کے رد کے وہ راستے بند کریں گے جو عرب سے دمشق کو جاتے ہیں۔ ہم دمشق یا اس کے گرد و نواح میں کوئی لڑائی نہیں لڑیں گے بلکہ مسلمان تنگ آکر لڑنا چاہیں گے تو بھی ہم انہیں نظر انداز کریں گے۔ ہم اُن کے لیے ایسے حالات پیدا کریں گے کہ وہ لڑنے کے قابل نہ ہی نہیں جائیں گے۔ انہیں نہ کہیں سے رسد پہنچ سکے گی نہ تک۔ ستر کے لوگ ہی قحط سے تنگ آکر انہیں دمشق چھوڑنے پر مجبور کریں گے۔ اگر وہ دمشق سے نکل گئے تو ہم کہیں بھی اُن کے قدم جمنے نہ دیں گے۔ یہ بھی خیال رکھو کہ ہماری فوجوں کا اجتماع ایسے خفیہ طریقے سے ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کو اس کی خبر تک نہیں ہوگی۔“

ہرقل کا تو یہ خیال تھا کہ اُس کے لشکر کا اجتماع خفیہ رکھا گیا ہے لیکن مسلمانوں کے سالار ابوعبیدہؓ کے ساتھ خالدؓ تھے۔ خالدؓ نے نہایت مضبوط اور تیز جاسوسی نظام ترتیب دیا تھا۔ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ

ولید کو سوار دستے کا سالار بنا رکھا تھا اور اس کے ساتھ ہی انہیں اپنا مشیر بھی سمجھتے تھے۔ مرنوں کے مطابق ابوعبیدہ سالاری کی مہارت رکھتے تھے اور جنگی امور کو بھی پوری طرح سمجھتے تھے لیکن ان میں تو فرائض نہیں تھے جو خالد بن ولید نے نبیؐ کو اپنے فیصلوں میں بڑے خوفناک قسم کے خطرے بھی مول لے لیا کرتے تھے۔ اس کے برعکس ابوعبیدہ احتیاط کے قائل تھے۔ اپنی اس عادت کو سمجھتے ہوئے انہوں نے خالد کو ہر لمحہ اپنے ساتھ رکھا۔ وہ کوئی بھی منصوبہ نہاتے یا فیصلہ کرتے تھے تو اس میں خالد کے مشوروں کو خاص طور پر خیال کرتے تھے۔

خالد بن جاسوسی اور دیکھ بھال کے نظام پر زیادہ توجہ دیا کرتے تھے۔ اب یہ ان کی ذمہ داری نہیں رہی تھی کیونکہ یہ ذمہ داری سالار اعلیٰ کی تھی اور خالد دوسرے سالاروں کی طرح عام قسم کے سالار تھے، لیکن اپنی معزولی کے باوجود وہ اپنے فرائض سے بے انصافی گوارا نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے جاسوسی کے نظام پر پہلے کی طرح توجہ دیے رکھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان جاسوس رومیوں کی سلطنت کے دور اندر تک چلے گئے تھے۔

ایک روز ایک جاسوس آیا۔ وہ بہت دور سے آیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ رومیوں کا ایک لشکر بحروم کے راستے کشتیوں پر آیا ہے۔ اس جاسوس نے اپنے اُن جاسوسوں سے رابطہ کیا جو اور آگے تک گئے ہوئے تھے۔ وہ اُن سب کی اطلاع لے کر بڑی ہی تیز رفتار سے دمشق پہنچا اور یہ اطلاع دی کہ رومیوں نے کم و بیش ایک لاکھ نفری لشکر دریائے اردن کے مغرب میں جمع کر لیا ہے۔

تاریخ کے مطابق میان کے مقام پر دسمبر ۶۳۴ء کے آخری اور دلیقعد ۱۲ ہجری کے پہلے ہفتے میں رومیوں کی فوج کا یہ اجتماع ہوا تھا۔ جاسوس نے اپنے اندازے کے مطابق اس لشکر کی تعداد ایک لاکھ بتائی تھی اصل میں رومی فوج کی تعداد اتنی ہزار تھی۔

اتنی بڑی تعداد اکٹھی کرنے کا مطلب یہی لیا جاسکتا تھا کہ رومی بہت بڑی جنگی کارروائی کرنا چاہتے ہیں۔ سالار اعلیٰ ابوعبیدہ نے اپنے سالاروں کو بلایا۔

”میرے عزیز ساتھیو!۔“ ابوعبیدہ نے سالاروں سے کہا۔ ”تم پر اللہ کی رحمت ہو شکر ادا کرو اللہ کی ذات باری کا جس نے ہمیں ہر میدان میں فتح عطا کی.... میں تیس احساس دلانا چاہتا ہوں کہ ہم اتنی ڈرگن آئے ہیں جہاں سے ہماری واپسی ناممکن ہو گئی ہے۔ اللہ نے ہمیں بڑے نعمت امتحان میں ڈالا ہے۔ اگر ہم اس امتحان میں پُر سے اُترے، تو یہ ایک روایت بن جائے گی جو ہماری آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ بنے گی۔ رمت جھوٹا کہ ہم نہ مالی غنیمت کے لیے لڑ رہے ہیں نہ ہمارا مقصد شہر کشائی ہے۔ اللہ اور اُس کے رسولؐ نے ہمیں بنی فوج انسان کو ظلمت اور غلامی سے نجات دلانے کا فرض سونپا ہے۔ اب دشمن نے ہمارے سامنے دو دروازے کھڑے کر دی ہیں....

”رومی کم و بیش ایک لاکھ لاکھ لشکر لے کر آئے ہیں۔ اس سے اُن کے عزائم کا پتہ چلتا ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، اور یہی ہو سکتا ہے کہ رومی دمشق پر حملہ کریں گے۔ اگر دشمن ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تو پھر کمین قدم جانا ہمارے لیے مشکل ہو جائے گا۔ دشمن نے بحیرہ روم سے اٹھا کر، بیدرت اور ایک دواور بندرگاہوں پر یورپ سے فوج لا کر اتاری ہے۔ ہمیں سب سے پہلے دمشق کے دفاع کو مضبوط کرنا ہے۔

لیکن ہم ایک ہی جگہ پر جمع نہیں ہو جائیں گے۔“
”ہمدی تعداد اس وقت کتنی ہوگی؟۔“ ایک سالار نے پوچھا۔

ابوعبیدہ نے خالد کی طرف دیکھا۔

”ہماری تعداد پہلے سے کچھ زیادہ ہو سکتی ہے۔“ خالد نے کہا۔ ”بچھلی لڑائیوں میں جو عہدین زخمی ہوئے تھے وہ الحمد للہ صحت یاب ہو کر واپس آچکے ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق ہماری نفری تیس ہزار تک ہو جائے گی۔ ہمیں ایک سہولت اور صل ہو گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مجاہدین نے کافی آرام کر لیا ہے۔“
ابوعبیدہ اور خالد نے مل کر منصوبہ تیار کیا کہ رومیوں کے اس لشکر کا مقابلہ کس طرح کیا جائے گا۔ مزید عرض کرنے کا خیال نہ ہونے والے سالاروں پر یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ کسی بڑی جنگ کا منصوبہ بنا کر اُن سے منظور کرایا جائے۔ عمر بن عمر معمولی قسم و ذراست کے مالک تھے۔ بعض جگہوں کی بلانگ وہ خود مدینہ میں بیٹھ کر کرتے اور یہی دیکھ بیٹھتے تھے۔ ابوعبیدہ نے اس پابندی کے مطابق ایک تیز رفتار قاعدہ مدینہ کو روانہ کر دیا۔

نئے جو پیغام دیا گیا اس میں نئی صورت حال لکھی گئی تھی اور مجوزہ منصوبہ بھی تحریر تھا۔
وقت بہت تھوڑا تھا۔ دشمن بے تحاشہ نفری لے کر آیا تھا۔ کچھ کم نہیں جاسکتا تھا کہ کس لمحے وہ کیا کارروائی شروع کر دے لیکن مسلمانوں نے پیغام رسائی کا نظام اتنا تیز اور محفوظ بنا رکھا تھا کہ تھوڑے سے وقت میں دُور کے فاصلے پر پیغام پہنچ جاتا تھا۔

امیر المؤمنین نے صورت حال اور منصوبے کا جائزہ لیا۔ اس میں کچھ رد و بدل کیا اور منصوبے کی منظوری دے دی۔ یزید بن ابیسفیان دمشق میں تھے۔ وہ سالار بھی تھے اور دمشق کے حاکم بھی۔ انہیں پیغام بھیجا گیا کہ دشمن کی صورت حال پیدا کر رہا ہے اور وہ بدستور دمشق میں رہیں۔ انہیں یہ ہدایت بھی دی گئی کہ دمشق کے شمال مغرب پر جاسوسوں اور دیکھ بھال کرنے والے آدمیوں کے ذریعہ نظر رکھیں کیونکہ توقع یہ ہے کہ رومی اُدھر سے حملہ کر سکیں گے۔

سالار شرجیل بن حسنہ اپنے دستوں کے ساتھ اس علاقے میں تھے جس میں میان اور فحل واقع تھے۔ غنیمہ عمر نے خاص طور پر لکھا تھا کہ سالار شرجیل کو اس جنگ کے لیے سالار مقرر کیا جائے جس کی رومی تیار کر کے آئے ہیں۔ خالد کو اس فوج کے ہراول دستے کی سالاری سونپی گئی تھی۔ جنوری ۶۳۵ء کے دوسرے ہفتے میں ان دستوں نے جن کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی کو چکرایا۔ انہیں میان سے کچھ دور فحل کے مقام تک پہنچنا تھا۔ یہ دستے جب فحل پہنچے تو دیکھا کہ وہاں رومی فوج نہیں تھی۔ وہاں روم کی پوری فوج کو نہیں ہونا چاہئے تھا۔ خبر ملی تھی کہ خیز ایک دستے وہاں موجود ہیں لیکن یہ دستے جا چکے تھے۔ وہاں کے مقامی لوگوں نے بتایا کہ رومیوں کے دستے میان چلے گئے ہیں جہاں اُن کے پورے لشکر کا اجتماع ہے۔

مسلمان آگے بڑھنا چاہتے تھے لیکن دریا کے دونوں طرف دُور و دُور تک دلدل تھی جس میں گزرتا ممکن نہیں تھا۔ بعض مرنوں نے لکھا ہے کہ یہ دلدل دریا کے دونوں کناروں سے لے کر ایک ایک میل دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ علاقہ سطح سمندر سے کئی سو فٹ نیچے ہے اور وہاں اُس دُوریں نشیبیہ تھیں۔ دیکھا گیا کہ وہاں دریا کے کنارے لڑے ہوئے نہیں تھے پھر یہ پانی کہاں سے آگیا تھا جس نے

اس نشیبی علاقے کو دلدل بنا ڈالا تھا؟

”مجھ دور اور جا کر دیکھیں۔“ ایک مقامی آدمی نے بتایا ”محل میں رومی فوج کے دستے رہتے تھے۔ وہ یہاں سے چلے گئے۔ اوپر کی طرف جا کر انہوں نے دریا میں پتھروں کا بند باندھا اور دونوں کنارے توڑ دیے۔ اس طرح اوپر سے یہ پانی یہاں آکر جمع ہو گیا اور پھیلتا چلا گیا۔“
رومیوں نے مسلمانوں کو روکنے کا بڑا سخت انتقام کیا تھا۔ رومیوں نے غالباً یہ سوچا تھا کہ مسلمان صحرا میں مایہ دانی میں چلنے اور لڑنے کے عادی ہیں اور وہ دلدل میں سے نہیں گزر سکیں گے۔

اگر انہوں نے یہ سوچا تھا تو ٹھیک سوچا تھا۔ دلدل مسلمانوں کے لیے بالکل نئی چیز تھی۔ ان کے لیے تو چٹانیں اور پہاڑیاں بھی نئی چیزیں تھیں لیکن انہوں نے پہاڑی علاقوں میں بھی لڑائیاں لڑی تھیں اور دشمن کو شکست دی تھی۔ وہ دلدل میں سے بھی گزر جاتے لیکن ان کے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔

سالار شرجیل نے دلدل سے کچھ دور ہٹ کر اپنے دستوں کو ایک ترتیب میں کر دیا۔ دایں اور بائیں پہلوؤں پر ابوجب میدہ اور عمر بن العاص تھے۔ سوار و ستنے کی کمان ضرثر ابن الازور کو دی گئی۔ خالد کو وہ دستے دیتے گئے جنہیں میدان کی طرف جانا تھا۔

خالد پہاڑوں میں تھے۔ کچھ آگے گئے تو دلدل نے ان کے پاؤں جکڑ لیے۔ خالد اپنی عادت کے مطابق دلدل میں سے گزرنے کی کوشش کرنے لگے لیکن دلدل زیادہ ہی زیادہ ہوتی گئی اور وہ مقام اکیچا جہاں دلدل میں سے پاؤں نکالنا بھی ناممکن ہو گیا۔ چنانچہ وہ دلدل میں سے نکلنے لگے۔ نکلنا بھی دشوار ہو گیا۔ بڑی کوشش کے بعد خالد اپنے دستوں کے ساتھ دلدل سے بھٹکے اور واپس چل آ گئے۔

رومی سالار سقلا تجربہ کار سالار تھا۔ وہ جنگ کے لیے بالکل تیار تھا۔ سورخ لکھتے ہیں کہ وہ اپنے اس دھوکے کو کامیاب سمجھتا تھا کہ مسلمان دلدل میں سے نہیں نکل سکیں گے۔ اسی دلدل علاقے میں ایسی جگہ بھی تھی جہاں پانی کے نیچے زمین بہت سخت تھی اور وہاں کچھ نہیں تھا۔ وہاں سے آسانی سے گزرا جاسکتا تھا۔ اس قسم کے راستے کا علم صرف رومیوں کو تھا۔ سقلا نے اپنے لشکر سے کچھ دستے الگ کیے اور انہیں ایک جگہ اکٹھا کیا۔

”عظمت روم کے پاس ہوا۔“ اس نے اپنے لشکر سے کہا۔ ”آج تمہارا دشمن پھندے میں آگیا ہے۔ مسلمان دلدل میں سے نہیں گزر سکے۔ انہوں نے دلدل سے پرے محل کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا ہے۔ ہم اسی دلدل میں سے جہاں سے مسلمان نہیں گزر سکے انہیں گزر کر دکھائیں گے۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ ان کے آگے دلدل ہے جو انہیں ہم سے محفوظ رکھے گی۔ ہم رات کو حملہ کریں گے۔ اس وقت وہ اپنے پڑاؤ میں گہری نیند سو رہے ہوں گے۔“

”اے رومیو! یہ رات کی لڑائی ہوگی جو آسان نہیں ہوتی لیکن آج تمہیں اپنے ان ساتھیوں کے خون کا بدلہ لینا ہے جو اب تک مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ تمہیں اپنا لشکر سوا ہوا ملے گا۔ کوئی ایک بھی زندہ نکل کر نہ جائے۔ ان کے گھوڑے، ان کے ہتھیار اور ان کے پاس ہمارا لٹا ہوا جو مال ہے، یہ سب تمہارا ہے۔ اگر تم ان سب کو ختم کر دو گے تو سمجھو تم نے اسلام کو ختم کر دیا اور یہی ہمارا مقصد ہے۔ منشا یہ ہے کہ یہ دہم دور کر دو کہ ہم مسلمانوں کو شکست دے ہی نہیں سکتے۔“

رومی سپاہی یس کر کہ وہ اپنے دشمن کو بے خبری میں چالیں گے، جوش سے پھٹنے لگے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو پہلی لڑائیوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں زخمی ہوئے تھے، کئی بھاگے بھی تھے۔ وہ دانت پیس رہے تھے۔ وہ انتقام کی آگ میں جل رہے تھے اور وہ مسلمانوں کو اپنی تلواروں سے کٹتا اور بچھیلوں سے چھلپتی ہوتا دیکھ رہے تھے۔

۲۳ جنوری ۶۳۵ء بمطابق ۲۷ ذی قعد ۱۲ھ کا سورج غروب ہو گیا تو رومیوں کے سالار سقلا نے اپنی فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ شام بڑی تیزی سے تاریک ہوتی گئی۔ سقلا نے پیش قدمی کا حکم دے دیا۔ اُسے دلدل میں سے گزرنے کا راستہ معلوم تھا۔ اپنے دستوں کو اُس نے اس راستے سے گزارا۔ جب تمام دستے گزر آئے تو سقلا نے انہیں اُس ترتیب میں کر لیا جس ترتیب میں حملہ کرنا تھا۔ یہ حملہ نہیں شب خون تھا اور یہ ایک طرفہ کارروائی تھی۔

اس ترتیب میں سقلا نے اپنے دستوں کو محل کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ وہ خود سب آگے تھا۔ اُس نے پیش قدمی کی رفتار تیز رکھی تاکہ مسلمانوں کو ان کے آنے کی خبر ہو بھی جائے تو انہیں سنبھلنے کی ہمت نہ دی جائے۔

رومی اُس جگہ پہنچ گئے جہاں مسلمانوں کا پڑاؤ تھا لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ سقلا جاسوسوں کو کوسنے لگا جنہوں نے اُسے بتایا تھا کہ پڑاؤ خالی جگہ ہے۔

اُسے اللہ اکبر کے نعرے کی گرج سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی مشعلیں جل اٹھیں۔ سقلا نے دیکھا کہ مسلمان نہ صرف بیدار ہیں بلکہ لڑنے کی ترتیب میں کھڑے ہیں۔

سالار شرجیل محتاط سالار تھے۔ انہیں یہاں آکر جب معلوم ہوا تھا کہ یہ دلدل کہاں سے آگئی ہے تو انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ رومیوں نے اُن کا صرف راستہ ہی نہیں روکا بلکہ وہ کچھ اور بھی کریں گے۔ رومی ہی کر سکتے تھے کہ حملہ کر دیں۔ چنانچہ شرجیل نے شام کے بعد اپنی فوج کو سونے کی بجائے لڑائی کے لیے تیار کر لیا تھا۔

اس کے علاوہ انہوں نے اپنے جاسوس دلدل کے ارد گرد پھیلا دیے تھے۔ رومی جب دلدل میں سے گزر رہے تھے، ایک جاسوس نے شرجیل کو اطلاع دے دی کہ دشمن آ رہا ہے۔ شرجیل نے اپنے دستوں کو ایک وزوں جیکر جو انہوں نے دن کو دیکھ لی تھی، جنگی ترتیب میں کھڑا کر دیا۔

”مدینہ والو! سقلا نے بلند آواز سے مسلمانوں کو لکھا۔“ آگے آؤ۔ اپنا اور اپنی فوج کا انجام دیکھو۔“ حملہ کرنے تم آتے ہو۔ شرجیل نے لکھا کہ جواب لکھا۔“ آگے تم آؤ۔ تم اُس دلدل سے نکل آتے ہو، اب ہماری دلدل سے نکل کر دیکھو۔“ رومیوں اگل صبح کا سورج نہیں دیکھ سکو گے۔

لکھا کہ تباہی ہو رہا۔ آخر سقلا نے اپنے ایک دستے کو حملہ کا حکم دے دیا۔ اُس نے یہاں چلی تھی کہ اُس کا دستہ حملہ کر کے پیچھے ہٹ آئے گا تو مسلمان بھی اُس کے ساتھ آجھکے ہوئے آگے آجائیں گے لیکن شرجیل نے پہلے ہی حکم دے رکھا تھا کہ دفاعی لڑائی لڑنی ہے۔ اس کے مطابق مسلمان جہاں تھے وہیں رہے۔ رومی ہرجوں کی صورت میں اُن پر حملہ کرتے تھے اور مسلمان حملہ رد کرتے تھے۔ اپنی

شرعیہ جیل کے دائیں پہلو کے ایک دہشتے نے باہر کی طرف ہتھکڑیاں لگا کر اس سے رو میوں کے اس طرف کا پہلو پھیلنے پر مجبور ہو گیا۔ شرعیہ جیل نے فوراً ہی رو میوں کے دوسرے پہلو پر بھی ایسا ہی عمل کر لیا اور اس پہلو کو بھی قلعے سے الگ کر دیا۔ رو میوں کے پہلو دور دور ہٹ گئے تو شرعیہ جیل نے قلب کے دستوں کو اپنی قیادت میں بڑے شدید حملے کے لیے آگے بڑھایا۔

رومی رات کے تھکے ہوئے تھے اور ان کا سالار بھی مارا گیا تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ ان میں لڑنے کا جذبہ ماند پڑ چکا ہے۔ مسلمانوں کے پہلوؤں کے دہشتے دشمن کے پہلوؤں کو اور زیادہ پھیلاتے چلے گئے۔ وہ اب اپنے قلب کے دستوں کی مدد کو نہیں آ سکتے تھے۔

مسلمانوں کے پہلوؤں کے دستوں کے سالار معمولی سالار نہیں تھے۔ وہ تازہ ساز سالار ابو عبد اللہ اور عمر بن العاص تھے اور قلب کے چند ایک دستوں کے سالار خالد تھے۔ رو میوں کے لیے خالد دہشت کا دوسرا نام بن گیا تھا۔

گھوڑ سوار دستوں کے سالار رضوان الا زور تھے جو سلطنت روم کی فوج میں اس لیے مشہور ہو گئے تھے کہ وہ میدان میں آ کر خود افریقیوں کو تار کر کے اور برہنہ ہو جاتے اور لڑتے تھے۔ افریقی مکرہ ہوتا یا وہ دہشتے کی کمان کر رہے ہوتے، وہ اس قدر تیزی سے پیڑیا بدلتے تھے کہ دشمن دیکھتا رہ جاتا اور ان کی ہتھیاریں میں پروں جاتا یا تلوار سے کٹ جاتا تھا۔

مسلمانوں کی فوری بہت کم تھی۔ اس کمی کو ان سالاروں نے ذاتی شجاعت، جارحانہ قیادت اور عسکری فہم و فراست سے پورا کیا اور سورج غروب ہونے میں کچھ دیر باقی تھی جب رومی فوری کے افراط کے باوجود منہ موڑنے لگے۔ رو میوں میں یہ خوبی تھی کہ وہ تیز رفتور ہو کر ہٹا کر نہیں کرتے تھے۔ ان کی پس پانی تنظیم ہوتی تھی لیکن غل کے معرکے سے وہ بے طرح بھاگنے لگے۔ ان کی مرکزی قیادت ختم ہو چکی تھی اور ان کا جانی نقصان اتنا ہوا تھا کہ نہ صرف یہ کہ ان کی فوری کم ہو گئی تھی بلکہ اتنا زیادہ خون دیکھ کر ان پر خوف طاری ہو گیا تھا۔

ان کی ایسی بے ترتیب پس پانی کی وجہ اور بھی تھی۔ ان کا سالار ستلار انہیں دلدل میں سے نکال لیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کہاں سے زمین سخت ہے جہاں پاؤں کھپڑیں نہیں چسپیں گے مگر اب ان کے ساتھ وہ سالار نہیں تھا۔ اس کی لاش میدان جنگ میں پڑی تھی۔ سپاہیوں نے اس لیے جگانا شروع کر دیا کہ وہ جلدی دلدل میں وہ راستہ دیکھ کر نکل جائیں۔

سالار شرعیہ نے دشمن کو یوں بھاگتے دیکھا تو انہیں دلدل کا خیال آ گیا۔ انہوں نے دشمن کے تعاقب کا حکم دے دیا۔ مسلمان پیادے اور سوار فوج لگاتے ان کے پیچھے گئے تو رومی اور تیز رفتور لیکن دلدل نے ان کا راستہ روک لیا۔ ہڑ بنگ اور افریقی میں انہیں یاد ہی نہ رہا کہ دلدل میں سے وہ کہاں سے گزرائے تھے۔ ان کے پیچھے بھی موت تھی آگے بھی موت۔ وہ دلدل میں داخل ہو گئے اور اس میں دھنسنے لگے۔ مسلمان بھی دلدل میں چلے گئے اور انہیں بڑی طرح کا نا جو رومی دلدل میں اور آگے چلے گئے تھے، انہیں بہرہ ور کا نشانہ بنایا گیا۔

ترتیب نہیں توڑتے تھے۔ سالار شرعیہ رات کے وقت کوئی چال چلنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ ان کی فوری رو میوں کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی۔ اسے وہ کارگزارانہ سے دن کی روشنی میں ہی استعمال کر سکتے تھے۔ ستلار غالباً اس دھوکے میں آ گیا تھا کہ مسلمانوں میں لڑنے کی تاب نہیں رہی۔ اس خیال سے اس نے سورج درموج حملوں میں اضافہ کر دیا لیکن مسلمانوں نے اپنی صفوں کو ٹوٹنے نہ دیا۔ وہ آگے بڑھ کر حملہ روکتے پھر اپنی جگہ پر آ جاتے۔ رومی ہر حملے میں اپنے زخمی چھوڑ کر پیچھے ہٹ جاتے۔ ایک حملے کی قیادت ستلار نے خود کی۔ وہ اپنے دہشتے کو لٹکارتا ہوا بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر کی روشنی میں مسلمانوں نے رو میوں کا پرچم دیکھ لیا۔ چند ایک مجاہدین رو میوں میں کس گئے اور ستلار کو گھیر لیا۔ اس کے محافظوں نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

محافظ بے جگرگی سے لڑے اور اس دوران ستلار نکلنے کی کوشش کرتا رہا لیکن وہ اپنے محافظوں کے حصار سے جدھر بھی نکلتا تھا، مسلمان اسے روک لیتے تھے۔ ایک مجاہد اس معرکے سے نکل گیا اور اس نے سالار شرعیہ کو بتایا کہ آگے رو میوں کو اتنی جلدی پیچھے نہ جانے دینا تو کچھ مجاہدین نے رو میوں کے سالار کو زخمی میں لے رکھا ہے۔

شرعیہ نے اس اطلاع پر اپنے چند ایک منتخب جاننا ز رو میوں کے قلب میں گھس جانے کے لیے بھیج دیے۔ تھوڑی ہی دیر بعد مجاہدین کے فوجی سانی دینے لگے:

”خدا کی قسم، ہم نے رومی سالار کو مار ڈالا ہے!“

”رومیو! اپنا پرچم اٹھاؤ!“

”اپنے سالار کی لاش لے جاؤ رو میو!“

رو میوں نے دیکھا۔ ان کا پرچم انہیں نظر نہیں آ رہا تھا اور انہیں اپنے سالار کی لٹکائی ہوئی نائی دے رہی تھی۔ ان میں بدلی پھیلنے لگی لیکن کسی نائب سالار نے پرچم اٹھالیا اور لڑائی جاری رکھی۔

سورج طلوع ہوا لیکن میدان جنگ کے گرد و خوار میں اسے کوئی دیکھ ہی نہ سکا۔ مسلمان بھی شہید ہوئے تھے لیکن رو میوں کی اموات زیادہ تھیں۔ میدان میں ان کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں اور ان کے زخمی جواٹھنے کے قابل نہیں تھے، رینگ رینگ کر گھوڑوں سے پیچھے جانے سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میدان رو میوں کے خون سے لال ہو گیا تھا۔

”اسلام کے علمبردارو! سالار شرعیہ کی لٹکار اٹھی۔ تم نے رو میوں کو انہی کے خون میں نہلا دیا ہے۔ تم نے ساری رات ان کے حملے روکے ہیں اب ہماری باری ہے۔“

اللہ اکبر! کالعدم ہند ہوا۔

شرعیہ نے اپنے دائیں پہلو کے ایک دہشتے کو آگے بڑھایا۔ رومی حملہ روکنے کے لیے تیار تھے لیکن رات وہ حملہ کرنے اور پیچھے ہٹتے رہے تھے۔ ان کے جسم ٹھکن سے بھر جو پیچھے تھے شرعیہ نے اپنی فوج کی جسمانی طاقت کو ضائع نہیں ہونے دیا تھا۔ اسی لیے وہ دفاعی لڑائی لڑتے رہے تھے۔

”ان کی تعداد ہم سے بہت کم ہوتی ہے۔“ ایک اور سپاہی نے کہا۔ ”لیکن لڑائی شروع ہوتی ہے تو ان کی تعداد ہم سے زیادہ نظر آنے لگتی ہے۔“

اگلے ہی روز قلعے کے تمام دروازے کھل گئے اور ہر دروازے سے رومی فوج کے ہوتے سیلاب کی طرح نکلی۔ اس میں زیادہ تر سوار دستے تھے۔ انہوں نے طوفان کی مانند مسلمانوں پر پہاڑ بول دیا۔ مسلمانوں کے لیے یہ صورت حال غیر متوقع تھی۔ اُن کی فہمی بھی دشمن کے مقابلے میں کم تھی۔

”نہیں۔ سپاہی نے جواب دیا۔ ”انہوں نے کاٹ دیا۔... کچھ لے کر مرادیا۔“
 اس کے ساتھ کچھ اور سپاہی بھی تھے۔ ان کے جہازانی اور ذہنی حالت بھی اسی سپاہی جیسی تھی۔ انہوں
 نے بھی ایسی ہی باتیں سنائیں جن میں مالوکی اور بدشت تھی۔ ان کی یہ باتیں اس رومی فوج میں پھیل گئیں جو
 ہان میں مقیم تھی۔ اس فوج میں ایسے سپاہی بھی تھے جو کسی نہ کسی معرکے میں مسلمانوں سے لڑ چکے تھے۔

پہلے تو ایسے لگتا تھا جیسے رومی مسلمانوں پر چھانگتے ہیں اور مسلمان سنبھل نہیں سکیں گے۔ لیکن سالار شہر جیل خانہ عام سی قسم کے سالار نہیں تھے۔ انہوں نے دماغ کو حاضر رکھا اور قاصدوں کو دوڑا دوڑا کر اور خود بھی دوڑ دوڑ کر اپنے دستوں کو پیچھے بٹھنے کو کہا۔

مسلمانوں نے اس حکم پر فوری عمل کیا اور پیچھے بٹھنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی شہر جیل خانہ سے مجاہدین کو قلعے کے دروازوں کے قریب بھیج دیا۔ ان میں زیادہ تر تیر انداز تھے۔ ان کے لیے یہ حکم تھا کہ رومی واپس دروازوں کی طرف آئیں تو ان پر اتنی تیزی سے تیر بھیجے جائیں کہ وہ دروازوں سے دور رہیں۔

شہر جیل خانہ اور ان کے کمانداروں نے اپنے دستوں کو محاصرے کی ترتیب سے میلان کی لڑائی کی ترتیب پر لیا۔ وہ اتنا پیچھے ہٹ آئے تھے کہ رومی قلعے سے دور آ گئے۔ اب شہر جیل خانہ نے اپنے انداز سے جوابی حملہ کیا۔ رومی اپنے حملے میں اتنے مگن تھے کہ وہ کچھ بے رہے۔ مسلمانوں نے حملہ کیا تو رومی بے ترتیبی کی وجہ سے حملے کا مقابلہ نہ کر سکے۔ وہ قلعے کی طرف دوڑے تو دوسرے مسلمانوں کے تیروں نے انہیں گھرا کر انہیں شہر جیل خانہ کی تیر اندازی بہت تیز اور ہلک تھی۔

رومیوں کا لڑنے کا جذبہ پہلے ہی ٹوٹا ہوا تھا، اب جذبہ بالکل ہی ختم ہو گیا۔ رومیوں کا جانی نقصان اتنا زیادہ تھا جسے وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ آخر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور شہر جیل خانہ کی طرف سے ماننے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ انہوں نے جزیہ اور کچھ اور محصولات ادا کرنے کی شرط بھی قبول کر لی اور قلعہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

فروری ۶۳۵ء (ذی الحجہ ۱۳ھ) کے آخری ہفتے میں میان مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ اس وقت ابو عبیدہؓ اور خالدؓ غل کے شمالی علاقے میں پیش قدمی کر رہے تھے۔

انطاکیہ کے بڑے مگر بے گھنٹہ بچ رہا تھا۔ یہ بہت بڑا گھنٹہ تھا۔ اس کی آواز سارے شہر میں سنائی دیتی تھی۔ نوڑ کے تڑکے کی خاموشی میں اس کی ”ڈن ڈن“ اور زیادہ اونچی سنائی دے رہی تھی۔ یہ ۶۳۵ء (۱۴ ہجری) کے مارتح کا مہینہ تھا۔ مگر بے گھنٹہ تو بجایا کرتا تھا اور لوگ اس کی آواز میں تقدس محسوس کرتے تھے۔ ان پر ایسا تاثر طاری ہو جاتا تھا جو ان کی روحوں کو سرشار کر دیتا تھا، مگر مارتح ۶۳۵ء کی ایک صبح اس گھنٹے کی مترنم آواز میں کچھ اور ہی تاثر تھا۔ اس تاثر میں مایوسی بھی تھی اور خوف بھی۔

اس گھنٹے کی آواز میں شہنشاہ ہرقل کے محل میں بھی سنائی دے رہی تھیں ہرقل سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ تو جاگنے کا وقت تھا لیکن وہ ساری رات نہیں سو رہا تھا۔ مجاہد کی خبریں اُسے سونے نہیں دیتی تھیں۔ اُس نے مسلمانوں کی پیش قدمی کو روکنے اور انہیں ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے جو منصوبے بناتے تھے وہ بیکار ثابت ہو رہے تھے۔ مسلمان بڑے چلے آ رہے تھے ہرقل اتوار کو جاگتا اور نئے سے نئے منصوبے بناتا تھا لیکن اُس کا ہر ارادہ اور ہر منصوبہ مسلمانوں کے گھوڑوں کے شمول تلے روندنا جاتا تھا۔

ایک نہایت حسین اور جوان عورت اُس کے کمرے میں آئی۔ وہ اُس کی نئی بیوی زاران تھی۔ ”شہنشاہ آج رات بھی نہیں سوئے۔“ زاران نے کہا۔ ”کیوں نہیں آپ ان سالاروں اور سپاہیوں کو سب کے سامنے تہ تیغ کر دیتے جو شکست کھا کر واپس آتے ہیں؟ وہ اپنی جانیں بچا کر بھاگ آتے ہیں اور دوسرے سپاہیوں میں بددلی پھیلاتے ہیں۔“ شہنشاہ ہرقل ٹپک پٹپٹا ہوا تھا۔ زاران اُس کے پاس بیٹھ گئی۔ ہرقل اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے میں ٹپکنے لگا۔

”زاران! اُس نے کُک کر کہا۔“ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں تم کہتی ہو کہ بچ کر آنے والوں کو قتل کر دوں۔ میں ان کا خدا نہیں یہی ہیں جنہوں نے فارسیوں کو میرے قدروں میں بٹھا دیا تھا۔ فارسی ایسے کمزور تو نہیں تھے۔ ہماری ٹکڑی قوم ہے۔ مسلمانوں نے انہیں بھی ہر میلان میں شکست دی ہے۔ اب وہ ہمیں بھی شکست دیتے چلے آ رہے ہیں۔ میں مسلمانوں کی قدر کرتا ہوں۔ اگر ہمارے سالاروں نے ہتھیار ڈالے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کمزور ہیں، بلکہ مسلمان زیادہ طاقتور ہیں۔ ان کے سالاروں میں قتل زیادہ ہے۔“

”تو کیا شہنشاہ مایوس ہو گئے ہیں؟“ زاران نے پوچھا۔ ”نہیں! ہرقل نے کہا۔“ یہ مایوسی نہیں۔ ایک جنگجو ایک جنگجو کی تعریف کر رہا ہے۔ مسلمان اچھے دشمن نہیں۔ اگر وہ مجھ سے ہتھیار ڈالو الیں گے تو تم میرے پاس ہی رہو گی۔ وہ

ان عیسائیوں پر اُسے کلی طور پر پھر وسوسہ نہیں تھا۔ ان کے متعلق ہر قتل کی رائے یہ تھی کہ یہ لوگ اہل غنیمت کے لیے لڑتے ہیں اور جہاں دشمن کا دباؤ زیادہ ہو جاتا ہے یہ بھاگ اُٹھتے ہیں۔ مسلمانوں کو وہ عرب کے بدو کہتا تھا۔ اُس نے مسلمانوں کو طیغے بھی کہا تھا لیکن اُس نے جلدی ہی تسلیم کر لیا تھا کہ اب اُس کا مقابلہ ایسے دشمن کے ساتھ ہے جو اُس سے زیادہ عسکری فہم و فراست کا مالک ہے اور اُس کے سامنے ایک مقصد ہے۔ ہر قتل مسلمانوں کے مقصد کو قبول نہیں کر سکتا تھا۔ یہ مذہب کا معاملہ تھا لیکن وہ جان گیا تھا کہ مسلمان زمین کی خاطر اور اپنی شہنشاہی کے قیام اور وسعت کی خاطر گھروں سے نہیں نکلے بلکہ وہ ایک عقیدے پر جانیں قربان کر رہے ہیں۔

”میں اپنی فوج میں وہ جذبہ پیدا نہیں کر سکتا جو مسلمانوں میں ہے۔“ اُسی روز اُس نے اپنے اُن سالاروں کو جو اٹلیا کیہ میں موجود تھے، بلا کر کہا۔ ”اپنے سپاہیوں سے کہو کہ اپنے اپنے عقیدے کی خاطر لڑیں۔ انہیں بتا دو کہ جن جگہوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے، وہاں کے لوگ اپنا مذہب ترک کر کے اسلام قبول کرتے جا رہے ہیں۔ انہیں کہو کہ اگر کچھ نہیں تو اپنے ذاتی وقار کی خاطر لڑو۔ اپنی جوان بلیوں اور بہنوں کو مسلمانوں سے بچانے کے لیے لڑو۔“ اُس نے اپنے سالاروں کو محاذ کی تازہ ضرورتاں سے آگاہ کیا۔ ”تو کیا اب تم محسوس نہیں کرتے کہ ہمیں اپنا منصوبہ بدلنا پڑے گا؟“ اُس نے اپنے سالاروں سے پوچھا۔

”ہمیں مسلمانوں پر زیادہ سے زیادہ طاقت سے حملہ کرنا چاہیے۔“ ایک سالار نے کہا۔ ”وہ تو میں کرنا ہی چاہتا ہوں۔“ ہر قتل نے کہا۔ ”میں اتنی زیادہ اور ہر لحاظ سے اتنی طاقتور فوج تیار کر رہا ہوں جسے دیکھ کر بہار بھی کانپیں گے ہم جو علاقے کھو چکے ہیں، ان کا ہمیں غم نہیں ہونا چاہیے۔ یہ سب واپس آجائیں گے۔ میں تم میں سے کسی کے چہرے پر مایوسی نہیں دیکھنا چاہتا میں نے بیس سال مسلسل لڑ کر سلطنت روم کی عظمت کو بحال کیا تھا۔ اب بھی تحریروں کا لیکن تم مسلمانوں سے مرعوب ہو گئے تو میری ناکامی یقینی ہے۔“

سالاروں نے باری باری اُسے جوشیلے الفاظ میں یقین دلایا کہ وہ اپنی جائیں قربان کر دیں گے۔ ”جوش تاؤں میں نہیں میدان جنگ میں دکھایا جاتا ہے۔“ ہر قتل نے کہا۔ ”یہ میں جانتا ہوں کہ تم جائیں قربان کر دو گے لیکن تاریخ یہ دیکھے گی کہ تمھاری جائیں کس کام آئیں اور تم دشمن کو مار کر مرے تختے یا لڑائی میں مارے جانے والے سپاہیوں کی طرح صرف مارے گئے تھے۔۔۔۔“

”اب تو میں کیا کرنا ہے۔ میں نے دمشق پر حملہ نہیں کرنا تھا لیکن اب میں دمشق کو محاصرے میں لے کر اس شہر پر قبضہ کرنا ہے۔ وہاں سے جو اعلان آئی ہیں، ان سے تیرے چلائے کہ دمشق کا دفاع کمزور ہے۔ وہاں مسلمانوں کی لفری بہت تھوڑی ہے۔ یہ ہمارا فوجی مرکز تھا جسے مسلمانوں نے اپنا مرکز بنالیا ہے۔ یہیں واپس لے لینا چاہیے۔“ اُس نے ایک سالار شمس سے کہا کہ وہ حصے سے اپنے دستانے لے کر دمشق پہنچے۔

”تجھیں مجھ سے نہیں چھینیں گے۔“ زارار اُس کا دل بہلانے آئی تھی۔ اُس کے کچھے تنے اعصاب کو سہلانے آئی تھی۔ وہ ہر قتل کی چہیتی بیوی تھی۔ وہ ہر قتل کو بہلانا جانتی تھی لیکن ہر قتل نے اُسے زیادہ توجہ نہ دی۔ مگر جسے کا گھنٹہ بج رہا تھا۔

”لوگ مگر جسے کو جارہے ہیں۔“ زارار نے کہا۔ ”سب آپ کی فتح کے لیے دعائیں کریں گے۔“

ہر قتل نے زارار کو لنگھیں دیکھا جیسے اس عورت نے اُس پر طنز کی ہو۔ ہر قتل نے زارار کی بات کو بھونڈا سا مذاق سمجھ کر غلط انداز کر دیا۔

”صرف دعائیں شجرت کو فتح میں نہیں بدل سکتیں زارار!۔“ ہر قتل نے کہا۔ ”جاؤ، مجھے کچھ سوچنے دو۔ ابھی مجھے تمھاری ضرورت نہیں۔“

شہنشاہ ہر قتل کو اطلاع مل چکی تھی کہ اُس کے سالار ستھلار نے مسلمانوں کا راستہ روکنے اور انہیں پھنسانے کے لیے جو دلدل بھیلایا تھی اُسی دلدل میں اُس کے اپنے سپاہیوں کی لاشیں پڑی ہیں اور قتل کے مقام پر ستھلار مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا اور میان پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ ہر قتل کا یہ تصور بہت ناگوار تھا کہ وہ دمشق پر حملہ نہیں کرے گا نہ اس کا محاصرہ کرے گا بلکہ اپنی فوج کو دمشق سے دور رکھ کر دمشق کو جانے والے راستے بند کر دے گا پھر مسلمانوں کو کچھیر کر لائے گا مگر مسلمانوں نے اُس کے منصوبے کی پہلی کڑی کو ہی قتل کے مقام پر ٹوٹ دیا تھا۔

روم کا شہنشاہ ہر قتل بہت ہارنے والا آدمی نہیں تھا۔ اُس کی زندگی جنگ و جدل میں گزری تھی۔ خدانے اسے عقل ایسی دی تھی جس سے اُس نے بڑے خطرناک حالات کا رُخ اپنے حق میں موڑ لیا تھا۔ اُسے روم کی شہنشاہی ۹۱۰ ع میں ملی تھی۔ اُس وقت روم کی سلطنت میں شمالی افریقہ کا کچھ حصہ، یونان اور کچھ حصہ ترکی کا شامل تھا۔ روم کی شہنشاہی تو اس سے کہیں زیادہ وسیع و عریض تھی لیکن ہر قتل کو جب اس کا تخت و تاج ملا اُس وقت یہ شہنشاہی سکون چکی تھی اور زوال پذیر تھی۔

ہر قتل نے اپنے دو بچہ موت کے بیس سال دشمنوں کے خلاف لڑتے اور علاقے سازشوں کو دبانے کو ہار دیتے تھے۔ اُس کی شہنشاہی کے دشمن معمولی سی قوتیں نہیں تھیں۔ ایک طرف فارس کی شہنشاہی تھی، دوسری طرف بربر تھے جو طے ظالم اور جابر جنگجو تھے۔ ان کے علاوہ ترک تھے جن کی جنگی طاقت اور مہارت سب سے تھی۔ یہ ہر قتل کی غیر معمولی انتظامی فہم و فراست اور عسکری قیادت کی مہارت تھی کہ اُس نے ان تینوں دشمنوں کو شکست دے کر روم کی شہنشاہی کو شام اور فلسطین تک پھیلایا اور مستحکم کیا تھا۔

اسنے طاقتور دشمنوں کے خلاف متوازن معرکہ آرا رہنے سے ہر قتل کی فوج تجربہ کار اور منظم ہو گئی تھی۔ منظم بھی ایسی کہ سپاہیوں نے وقت بوقت تنظیم کو برقرار رکھتی تھی۔ ہر قتل کی فوج میں صرف رومی ہی نہیں تھے، کچھ اور اقوام کے لوگ اس فوج میں شامل تھے۔ شام اور فلسطین کے عیسائی بھی تھے

”... اور بھٹیو ڈورس! — اُس نے اپنے ایک اور سالار سے کہا۔ ”تم اپنے ساتھ زیادہ نفری لے کر دمشق کو روانہ ہو جاؤ۔ کوثر بہت تیز ہوتا کہ مسلمانوں کا کوئی امدادی دستہ تم سے پہلے دمشق پہنچ جائے۔ شمس بخاری مدد کے لیے بخاری قریب رہے گا۔ دمشق پر قبضہ کر کے ہم آکر کوادہ بنالیں گے۔... اب دیکھو بھول جاؤ۔ اپنی بیویوں اور اپنی داشتادوں کو بھول جاؤ۔ جسے ایک باز نہکت ہو جائے اُسے کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں رہنا چاہیے۔“ برقل نے تاریخی اہمیت کے الفاظ کہے۔ ”جو قوم اپنی شکست کو بھول جاتی ہے، اُسے زمانہ بھول جاتا ہے اور جو قوم اپنے دشمن سے نظریں پھیرتی ہے وہ ایک روز اسی دشمن کی غلام ہو جاتی ہے۔... بخاری عظمت سلطنت کی عظمت کے ساتھ وابستہ ہے سلطنت کی عظمت کا دفاع نہیں کرو گے تو بے وقار زندگی بسر کرو گے اور گم نام مرو گے۔“

متورخ لکھتے ہیں کہ برقل کے بولنے کے انداز میں بارعب اور پرمعظم ٹھہراؤ تھا۔ اُس کا انداز تنبیہ نہیں تھا لیکن اُس کے الفاظ اُس کے سالاروں پر وہی تاثر پیدا کر رہے تھے جو وہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔

سالار بھٹیو ڈورس اور سالار شمس اُسی وقت نئے احکام اور ہدایات کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ اُس وقت ابو عبیدہؓ اور خالدؓ فحل کے شمال کی طرف جا رہے تھے۔ مسلمانوں کی فوج اب پہلے والی فوج نہیں رہی تھی۔ خالدؓ جب اس کے سالار اعلیٰ تھے تو انہوں نے اسے منظم کر دیا تھا۔ مجاہدین تو پہلے ہی منظم ہی تھے۔ اُن کا خدا ایک رسول ایک، قرآن ایک، عقیدہ اور نظریہ ایک تھا اور سالار سے سپاہی تک جنگ کے مقصد سے آگاہ تھے۔ کچھ بھی اسے فارس اور روم کی فوجوں کی طرح منظم کرنا ضروری تھا۔ وہ خالدؓ نے کر دیا تھا۔ جاسوسی اور دیکھ بھال کو بھی باقاعدہ اور توڑ بنادیا تھا۔ اس کے علاوہ خالدؓ نے ایک سوار دستہ تیار کیا تھا جو متحرک رہتا اور انتہائی رفتار سے وہاں پہنچ جاتا جہاں مدد کی ضرورت ہوتی تھی مگر ان کی تعداد مختصر ہی تھی اور روز بروز مختصر ہی ہوتی جا رہی تھی اور وہ اپنے وطن سے دور رہی دور بٹھتے جا رہے تھے۔

وہ اسلام کا تاریخ ساز دور تھا۔ اللہ نے انہیں یہ فرض سونپا تھا کہ وہ روایات تخلیق کریں اور اُس راستے کا تعین کریں جو آئے والے ہر دور میں مسلمانوں کی روایات اور فوج اسلام کا راستہ بن جائے۔ شمع رسالت مسلمانوں کے لہو سے ہی فروزاں رہ سکتی تھی اور مسلمانوں کو ہر دور اور ہر جگہ میں قلیل تعداد میں رہنا تھا۔

وہ جو ۶۳۵ء کے اوائل میں شام اور فلسطین میں آگے ہی آگے بڑھے جا رہے تھے، انہوں نے اپنا آپ اور اپنا سب کچھ اسلام کی قربان گاہ میں رکھ دیا تھا۔ وہ ایک مقدس لگن سے سشار تھے۔ تلواروں کی جھنکار اور تیرہوں کے زنائے اور زنجیروں کی کربناک آوازیں اُن کے لیے دھڑک رہی تھیں۔ ان کے رکوع و سجود بھی تلواروں کی چھاؤں میں ہوتے تھے۔ وہ اب گوشت پوست کے جسم نہیں، دین و ایمان اور جذبہ انبار کے پیکر بن گئے تھے جو روح کی قوتوں سے حرکت کرتے تھے اور یہ حرکت بہت ہی تیز تھی۔

ابو عبیدہؓ اور خالدؓ اپنے دستوں کے ساتھ محض کی جانب جا رہے تھے۔ وہ فحل سے چلے گئے جہاں سے محض تقریباً اسی میل دور تھا۔ اُن کے راستے میں دمشق پر تھا جو کم بیش تیس میل دور تھا لیکن ان سالاروں نے دمشق سے کچھ دور سے گزر جانا تھا۔

دمشق اور فحل کے درمیان ایک سرسبز علاقہ تھا جو بہت خوبصورت اور روح پرور تھا۔ اس سرسبز زار کا نام مرجع الروم تھا۔ مسلمان دستوں کو وہاں کچھ دیر کے لیے رکنا تھا۔ وہ اس سے بخوشی ہی دور رہ گئے تھے کہ ایک گھوڑا سوار جو فوجی معلوم نہیں ہوتا تھا، راستے میں کھڑا ہلا۔ وہ کوئی شکار کا معلوم ہوتا تھا جب دونوں سالار اُس کے سامنے سے گزرے تو اُس نے اپنا گھوڑا اُن کے پہلو میں کر لیا اور اُن کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

”کیا خبر ہے؟“ ابو عبیدہؓ نے اُس سے پوچھا۔

”رومی ہمارے منظر ہیں۔ گھوڑا سوار نے جواب دیا۔ تعداد ہم سے زیادہ ہے۔ محض کی طرف دشمن کا ایک لشکر آ رہا ہے۔“

یہ گھوڑا سوار کوئی شکاری اور ارجنہ نہیں تھا۔ یہ ایک مسلمان جاسوس تھا جو شکاریوں کے بہرہ پر میں بہت آگے نکل گیا تھا۔ وہ اکیللا نہیں تھا۔ اُس کے چند اور ساتھی بھی آگے گئے ہوتے تھے جاسوس اتنا آسان کام نہیں تھا کہ دشمن کی نقل و حرکت دیکھی اور واپس آکر اپنے سالاروں کو اطلاع دے دی۔ دشمن کے جاسوس بھی آگے آئے ہوئے ہوتے تھے۔ وہ جاسوسی کے علاوہ بھی دیکھتے تھے کہ دوسرے طرف کا کوئی جاسوس ان کے علاقے میں نہ آیا ہو یا جو۔ پتہ چل جانے کی صورت میں جاسوس پکڑا یا مارا جاتا تھا۔

اس جاسوس نے سرسبز زار میں جس رومی فوج کی موجودگی کی اطلاع دی تھی، متورخوں کے مطابق وہ رومی سالار بھٹیو ڈورس کے دستے تھے اور جو رومی فوج آ رہی تھی اُس کا سالار شمس تھا۔

”ابو سلیمان! — ابو عبیدہؓ نے خالدؓ سے پوچھا۔ ”کیا تو یہ تو نہیں سوچ رہا کہ ہم ان رومیوں کو نظر انداز کر کے آگے نکل جائیں؟ ہماری منزل محض ہے۔“

”نہیں! — خالدؓ نے جواب دیا۔ ”ان دو فوجوں کے ادھر آنے کا مقصد اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ دمشق کے راستوں کی ناکہ بندی کر رہے ہیں۔ مجھے دمشق خطرے میں نظر آ رہا ہے۔“

”اگر رومی دو حصوں میں آ رہے ہیں تو کیوں نہ ہم بھی دو حصوں میں ہو جائیں؟ — ابو عبیدہؓ نے پوچھا۔ ”دو حصوں میں ہی ہونا پڑے گا۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ ہماری راہنمائی اللہ کرے گا۔“

”تجھے اللہ سلامت رکھے! — ابو عبیدہؓ نے کہا۔ ”کیا یہ مناسب نہیں ہو گا کہ مجاہدین کو بتادیں؟“

خالدؓ رکابوں میں کھڑے ہو گئے اور اپنی فوج کو رکنے کا اشارہ کیا۔

”مجاہدین اسلام! — ابو عبیدہؓ نے بڑی ہی بلند آواز میں اپنی فوج سے کہا۔ ”دشمن نے ہمارا راستہ روک لیا ہے۔ کیا تم نے کفر کے پہاڑوں کے سینے چاک نہیں کیے؟ کیا شکر اور ارتداد کی چٹانوں کو تم نے پہلے روندنا نہیں؟ یہ رومی شکر جو ہمارے راستے میں کھڑا ہے، تعداد میں

زیادہ ہے لیکن اس میں ایمان کی وہ طاقت نہیں جو تم میں ہے۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے، باطل کے ان بچاریوں کے ساتھ نہیں۔ اللہ کی خوشنودی کو اپنے دل میں رکھو اور اپنے آپ کو ایک آدمی کے لیے تیار کر لو۔

”ہم تیار ہیں۔“ مجاہدین کے فخر سے گرجنے لگے۔ ”ہم تیار ہیں.... لبیک ابو عبیدہ.... لبیک ابوسلمانی!“

ایسا جوش و خروش جس میں گھوڑے بھی بے چینی میں کھڑے ہوئے۔ لگے بول اور ایسے گرجے کہ آسمان سے جیسے مجاہدین کا یہ لشکر تازہ ہوا اور پہلی بار کوچ کر رہا ہو۔ یہ ایمان کی تازگی اور روح کا جوش تھا۔

بعض متونوں نے مرج الزروم کی لڑائی کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ اس کی جنگی تفصیلات دو یورپی متونوں نے لکھی ہیں جن میں ہنری سمتھ قابل ذکر ہے۔ اُس نے اسے جنگی ہنر کی نگاہوں سے دیکھا اور لکھا ہے۔ ان تحریروں کے مطابق ابو عبیدہ اور خالد نے اپنے دستوں کو الگ کر کے نہیں اس طرح تقسیم کر لیا کہ دونوں سالار ایک دوسرے کی مدد بھی پہنچ سکیں۔

دونوں حصوں کا ہر اول مشترک تھا اور ہر اول سے آگے دیکھ بھال کا بھی انتظام تھا۔ دونوں سالار اس زمین پر اچھی تھے۔ دانتیں اور باتیں سے بھی حملہ ہو سکتا تھا۔ دو مسلمان جاسوسوں کو جو بہت آگے چلے گئے تھے، ایک شتر سوار ملا اور رک گیا۔

”میرے دوستو!۔“ اُس نے مسلمان جاسوسوں سے کہا۔ ”تم اُدھر سے آ رہے ہو اور میں اُدھر جا رہا ہوں۔ سنا ہے اُدھر سے مسلمان لشکر آ رہا ہے۔ اگر تم نے اس لشکر کو دیکھا ہو تو بتا دو۔ میں راستہ بدل دوں گا کیوں ایسا نہ ہو کہ وہ میرا اوٹ مجھ سے چھین لیں۔“

”اور تو یہ بتا کہ آگے کہیں روٹی لشکر موجود ہے؟۔“ مسلمان جاسوس نے پوچھا اور کہنے لگا۔ ”میں بھی وہی ڈر ہے جو تم ہے۔ روٹی ہم سے گھوڑے چھین لیں گے۔“

”روٹی لشکر کا تو کہیں نام و نشان نہیں۔“ شتر سوار نے جواب دیا۔ ”کس نے بتایا ہے تمیں؟“

”مرج الزروم سے آنے والوں نے!“ ایک مسلمان جاسوس نے جواب دیا۔

”کسی نے غلط بتایا ہے۔“ شتر سوار نے کہا۔ ”میں اُدھر سے ہی آ رہا ہوں۔“

دونوں مسلمان جاسوس کسی بہرہ میں گھوڑوں پر سوار تھے۔ ایک نے شتر سوار کی ٹانگ پر پڑ کر اتنی زور سے کھینچی کہ وہ اونٹ کی پیٹھ سے زمین پر جا پڑا۔ دونوں مسلمان بڑی تیزی سے گھوڑوں سے کودے اور شتر سوار کو سنبھالنے کا موقع نہ دیا۔ تلواریں نکال کر ان کی شہرہ پر رکھ دیں۔

”تم عیسائی عرب ہو۔“ ایک جاسوس نے اُسے کہا۔ ”اور وہیوں کے جاسوس ہو.... انکار کرو۔ ہم تمہارے دونوں بازوؤں سے کاٹ دیں گے.... مرج الزروم کی پوری خبر سناؤ۔“

اُس نے جال بخشی کے وعدے پر تسلیم کیا کہ وہ وہیوں کا جاسوس ہے اور اس نے یہ بھی بتا دیا کہ روٹی سالار بھٹیو ڈورس اپنے دستوں کے ساتھ پہلے ہی مرج الزروم میں موجود تھا اور دوسرا۔

سالار شنس بھی کچھ دیر پہلے پہنچ گیا ہے۔

اس روٹی جاسوس کو پکڑ کر پیچھے لے گئے اور اُسے سالار ابو عبیدہ اور سالار خالد کے حوالے کر دیا گیا۔

۱

جب مجاہدین کا لشکر مرج الزروم کے سبزہ زار کے قریب گیا تو روٹی لشکر دو بڑے حصوں میں لڑائی کے لیے تیار کھڑا تھا۔

ابو عبیدہ نے اپنے دستوں کو اُس جگہ روٹی لشکر کے سامنے روکا جہاں روٹی سالار بھٹیو ڈورس کے دستے تھے اور خالد نے اپنے دستوں کو روٹی سالار شنس کے دستوں کے سامنے صف آرا کیا۔ وہیوں نے کوئی حرکت نہ کی۔ وہ شاید مسلمانوں کو حملے کی پہل کا موقع دینا چاہتے تھے لیکن خالد نے پہل نہ کی۔ ابو عبیدہ کو بھی انہوں نے حملہ نہ کرنے دیا۔ دونوں مسلمان سالار حیران تھے کہ روٹی آگے بڑھ کر حملہ کیوں نہیں کرتے، حالانکہ ان کی تعداد مسلمانوں سے بہت زیادہ تھی۔ مسلمان اسے ایک چال سمجھ کر آگے نہ بڑھے۔

سورج غروب ہو گیا۔ دونوں طرف کی فوجیں پیچھے ہٹ گئیں اور سپاہیوں کو کچھ دیر کے لیے سونے کی اجازت دے دی گئی۔

متونوں نے لکھا ہے کہ خالد دشمن پر ٹوٹ پڑنے کے عادی تھے لیکن سالار اعلیٰ ابو عبیدہ تھے اس لیے خالد ان کی موجودگی میں کوئی آزادانہ فیصلہ نہیں کر سکتے تھے لیکن اُن کی فطرت میں جو جنگجو سپاہی تھا وہ انہیں سونے نہیں دے رہا تھا۔ خالد نے چینی سے کھڑکیں بدلنے رہے۔ دشمن اُن کے سامنے موجود تھا اور لڑائی نہیں ہوتی تھی۔ ایک تو یہ وجہ تھی کہ انہیں نیند نہیں آ رہی تھی اور ایک وجہ اور بھی تھی جو انہیں بے قرار کرتی جا رہی تھی۔ یہ شاید اُن کی چھٹی حس تھی۔ انہوں نے روٹی کے پڑاؤ کی طرف سے ہلکی ہلکی آوازیں بھی سنی تھیں۔

انہیں شک ہونے لگا کہ دشمن سو یا نہیں اور کسی نہ کسی سرگرمی میں مصروف ہے۔ آدھی رات کے بہت بعد کا وقت تھا جب خالد اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے پڑاؤ میں غراماں غراماں چلتے پڑاؤ سے نکل گئے۔ وہاں سبزہ ہی سبزہ تھا اور درخت بہت تھے۔ خالد جھاڑیوں اور درختوں کی اوٹ میں دشمن کے پڑاؤ کی طرف چلے گئے۔

وہ اُس جگہ پہنچ گئے جہاں روٹی سالار بھٹیو ڈورس کے دستوں کو ہونا چاہیے تھا لیکن وہاں روٹی فوج کا ایک بھی سپاہی نہیں تھا۔ کوئی سنتری نہ تھا جو انہیں روکتا۔ شام کے وقت انہوں نے روٹی دستوں کو اس جگہ پڑاؤ ڈالتے دیکھا تھا۔ رات ہی رات وہ کہاں چلے گئے؟ کچھ اور آگے جا کر انہیں ایسی نشانیاں ملیں جن سے صاف پتہ چلتا تھا کہ فوج نے یہاں قیام کیا تھا۔

خالد اُس طرف چلے گئے جہرہ روٹیوں کی فوج کے دوسرے حصے کا پڑاؤ تھا۔ خالد کو ڈورس نے ہی پتہ چل گیا کہ وہاں فوج موجود ہے۔ وہ چھپتے چھپاتے اور آگے چلے گئے۔ سنتری گھوم بھرم رہے تھے۔ خالد دشمن کے پڑاؤ کے ارد گرد بڑھتے گئے۔ پابندی میں انھیں شنس کا کیپ دکھائی دے رہا تھا۔

خالہ کو یقین ہو گیا کہ رومیوں کی آدمی فوج کیس جلی گئی ہے۔ خالہ بڑی تیزی سے چلتے البصیڑہ کے پاس چلے گئے اور انہیں بتایا کہ رومیوں کی آدمی فوج لاپتہ ہو گئی ہے۔

”کہاں جلی گئی ہوگی؟“ البصیڑہ نے پوچھا۔

”جہاں بھی گئی ہے۔“ خالہ نے کہا۔ ”اسے وہیں پہنچانے کے لیے دن کو رومیوں نے لڑائی سے گریز کیا تھا۔“

کچھ دیر دونوں سالار اسی پر تبادلہ خیالات کرتے رہے کہ رومیوں کی فوج کا ایک حصہ کہاں غائب ہو گیا ہے۔ مورخوں کے مطابق یہ سالار تھوڈورس کے دستے تھے جو چلے گئے تھے بیچھے سالار شنس رہ گیا تھا۔ اُس کے دستوں کی تعداد بھی خاصی زیادہ تھی۔

I

صبح طلوع ہونے ہی رومی لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ البصیڑہ پہلے ہی تیار تھے۔ انہوں نے رومیوں پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے اپنے دستوں کو حسب معمول تین حصوں میں تقسیم کر لیا تھا اور حملہ دشمن کے پہلوؤں پر کیا تھا۔ خود انہوں نے دشمن کے قلب پر نظر رکھی ہوئی تھی جہاں انہیں سالار شنس کا پرچم دکھائی دے رہا تھا۔

مجاہدین نے دشمن کے پہلوؤں پر حملہ کیا اور البصیڑہ آگے بڑھے اور شنس کو مقابلے کے لیے لاکار۔ شنس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آگے آگیا۔ البصیڑہ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُس کی طرف گئے۔ دونوں سالاروں نے ایک دوسرے پر وار کیا اور دونوں کی تلواریں بکھراؤ میں شنس نے ذرا دُور جا کر گھوڑا موڑا لیکن البصیڑہ نے اپنے گھوڑے کو زیادہ آگے نہ جانے دیا۔ فوراً ہی موڑ کر پھر ایڑ لگائی۔ شنس ابھی سیدھا بھی نہیں ہوا تھا کہ البصیڑہ کی تلوار اُس کے کندھے پر پڑی لیکن اُس کی زہر نے اُسے بچالیا۔

دونوں کے گھوڑے پھر دوڑتے ایک دوسرے کی طرف آتے تو شنس نے وار کرنے کے لیے تلوار اوپر کی۔ البصیڑہ نے برجی کی طرح وار کر کے تلوار اُس کی گھل میں اتار دی۔ ذرا ہی آگے جا کر گھوڑے کو موڑا۔ شنس کو زخم پریشان کر رہا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کو بروقت نہ موڑ سکا البصیڑہ نے اُس کی ایک ٹانگ پر پھر پور وار کیا اور ٹانگ کا ٹڈالی۔ شنس گر رہا تھا جب البصیڑہ پھر واپس آئے اور شنس کے سر کو دھکا ہوا دیکھ کر گردن پر وار کیا۔ شنس کا سر ٹوڑا تو نہ لکھا لیکن الگ ہو کر لٹنے لگا۔ پھر اُس کی لاش گھوڑے سے اس طرح گری کہ ایک پاؤں رکاب میں پھنس گیا۔ البصیڑہ نے شنس کے گھوڑے کو تلوار کی نوک چھوئی۔ گھوڑا بدک کر دوڑ پڑا اور اپنے سوار کی لاش کھینچا پھرا۔

اس کے ساتھ ہی البصیڑہ نے اپنے قلب کے دستوں کو دشمن کے قلب پر حملے کا حکم دے دیا جہاں کھلبلی مچا رہی تھی کیونکہ ان کا سالار مارا گیا تھا۔ رومی پیچھے ہٹنے لگے لیکن مجاہدین نے ان کے عقب میں جانکمان کے لیے بھاگ بھگا کر دیا، پھر بھی بہت سے رومی بچ گئے اور جس کا رخ کر لیا۔

یہ معرکہ مارچ ۳۵ء (محرم الحرام ۱۲۱ھ) میں لڑا گیا تھا۔

اسی صبح دمشق کے باہر بھی خونریزی ہو رہی تھی۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ دمشق مسلمانوں کے قبضے میں تھا لیکن وہاں مسلمان فوج کی تعداد بہت کم تھی۔ دمشق میں حاکم شہر اور سالار یزید بن ابی سفیان تھے۔ شمشاہہ ہرقل کا منصوبہ یہ تھا کہ دمشق میں مسلمان فوج کی تعداد کم ہے اس لیے اسے آسانی سے ختم کیا جاسکے گا۔ اُس نے یہ کام اپنے ایک تجربہ کار سالار تھوڈورس کو سونپا تھا۔

دمشق کے دفاع کا ایک انتظام یہ بھی تھا کہ دیکھ بھال کے لیے چند آدمی شہر سے دُور دُور گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ اُس صبح یزید بن ابی سفیان کو اطلاع ملی کہ رومی فوج آ رہی ہے۔ دمشق پر لہجہ حملے کی توقع رہتی تھی۔ رومی کوئی ایسے گئے گزرے تو نہیں تھے کہ اپنی شمشاہی کا کھویا ہوا اتنا بڑا شہر واپس لینے کی کوشش نہ کرتے۔ یزید بن ابی سفیان ہر وقت تیاری کی حالت میں رہتے تھے۔ انہوں نے رومی فوج کے آنے کی اطلاع ملتے ہی اپنے دستے کو شہر سے باہر صفت آ کر ہونے کا حکم دیا۔

مورخوں نے لکھا ہے کہ مسلمان محاصرے میں لڑنے کے عادی نہیں تھے۔ انہیں محاصرہ کرنے کا تجربہ تھا، محصور ہو کر لڑنے کا انہیں کوئی تجربہ بھی نہیں تھا اور انہیں محصور ہونا پسند بھی نہیں تھا۔ وہ میدان میں اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمن سے بھی لڑ جاتے تھے۔

رومی چونکہ جنوب مغرب کی طرف سے آ رہے تھے اس لیے یزید نے اپنے دستے کو اُکڑ سمت جنگی ترتیب میں کھڑا کر دیا۔ رومی فوج سامنے آئی تو پہلے جلا کہ اس کی تعداد کئی گنا زیادہ ہے۔ ان رومی دستوں کا سالار تھوڈورس تھا۔ وہ الطاکیر سے بیروت کے راستے دمشق کو فتح کر رہے آ رہا تھا جب مرج الزوم پہنچا تو البصیڑہ اور خالہ کی زیر قیادت مجاہدین کی فوج آگئی۔ اُسے دشمنے پہنچا تھا۔ وہ وقت ضائع نہیں کر سکتا تھا۔

مورخ واقدی، ابن ہشام اور البصیڑہ لکھتے ہیں کہ اُس نے بڑی کارگر ترکیب سوچ لی۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کے سامنے مرج الزوم میں صفت آ کر لڑا لیکن لڑائی سے گریز نہ کرتا۔ رات ہو گئی تو نہایت خاموشی سے اپنے دستوں کو دمشق لے گیا۔ رومی سالار شنس پیچھے رہ گیا۔ اُس کے ذمے یہ کام تھا کہ البصیڑہ اور خالہ کے دستوں کو یہیں روکے رکھے۔ اس مقام سے دمشق میں مل بھی نہیں تھا تھوڈورس صبح کے وقت دمشق کے مضافات تک پہنچ گیا۔

وہ جب دمشق کے قریب گیا تو مسلمانوں کو قلعے کے باہر نظر پایا۔ یہ دمشق کے دفاعی دستے تھے جن کے سالار یزید بن ابی سفیان تھے۔ تھوڈورس کو معلوم تھا کہ دمشق کے دفاع میں مسلمانوں کی ہی نفرتی ہے جو باہر کھڑی ہے۔ اُس نے اپنے دستوں کو لاکار کہہ کر کہا کہ عرب کے ان بدوؤں کو بچل ڈالو۔ دمشق تمہارا ہے۔

”مجاہدو! یزید بن ابی سفیان نے اپنے دستوں سے بڑی ہی بلند آواز سے کہا۔ ”دشمنے تمہاری آکر رہے۔ دشمن شہر کی دیوار کے ساتھ تک بھی نہ پہنچے۔ کفر کے طوفان کو شہر سے باہر روک لو۔“

ہے جو صلے بلند رکھو۔

حقیقت یہ تھی کہ یزید کو معلوم ہی نہیں تھا کہ رومیوں کے عقب میں کیا ہو رہا ہے۔ انہوں نے رومیوں پر حملے کا حکم دے دیا۔ رومیوں کو حملہ روکنے کا بھی ہوش نہ رہا۔ یزید بن ابی سفیان پہلوی طرف نکل گئے۔ محافظ اُن کے ساتھ تھے۔ وہ رومیوں کے عقب میں جا رہے تھے۔ شور و غوغا کر قدر زیادہ تھا کہ اپنی آواز بھی نہیں سنا دیتی تھی۔ صرف یہ پہنچتا تھا کہ رومیوں میں جھگڑا درافراٹھری ہا ہو گئی ہے۔

کچھ اور آگے گئے تو یزید کے کالوں میں آواز پڑی:

انفا ریس الصدید

انا خالدة بن الوليد

”دشمن کے می فظو!۔۔۔ یزید بن ابی سفیان گلا بھاڑ بھاڑ کر اعلان کرتے پیچھے آتے۔“ خدا کی قسم! ان ولید آگیا ہے۔۔۔ ابولیمان پہنچ گیا ہے۔۔۔ اللہ کی مدد پہنچ گئی ہے۔۔۔ اللہ کو بھارنے والو! اللہ نے ہماری سُن لی ہے۔۔۔ خدا کی قسم رومی اپنی قبروں پر لڑ رہے ہیں۔۔۔ فتح حق پرستوں کی ہوگی۔“ اُس دور کی تحریری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یزید پر دیوانگی طاری ہو گئی تھی اور ایسی ہی دیوانہ اُن کے دتے پڑھ رہی ہوگی۔ اور اس کے ساتھ ہی رومیوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔

۳

یزید بن ابی سفیان کے لیے خالدة کا آجائا ایک معجزہ تھا لیکن خالدة اتنی جلدی آ کیسے گئے؟ ہم پھر گزشتہ رات مرج الزوم چلے چلتے ہیں جہاں خالدة چھپ چھپ کر رومیوں کے کیمپ دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ رومیوں کی فوج کا وہ حصہ جو دن کے وقت اُن کے سامنے صف آرا تھا، وہاں نہیں ہے۔ خالدة کو یقین ہو گیا کہ یہ حصہ کہیں چلا گیا ہے تو انہوں نے سالار اعلیٰ البوعبیدہ سے بات کی۔ خالدة دور اندیش تھے۔ انہیں شک ہوا کہ رومیوں کی فوج کا یہ حصہ دشمن کی جانب گیا ہے اور رومیوں کا مقصد صرف یہ ہو سکتا ہے کہ دشمن پر قبضہ کر لیا جائے۔

”ہرقل معمولی دامخ کا آدمی نہیں۔“ خالدة نے البوعبیدہ سے کہا۔ ”اُسے معلوم ہو گا کہ شتر میں ہماری نفی بہت تھوڑی ہے۔۔۔ میں اس کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ دشمن خطرے میں ہے۔ اگر تو مجھے اجازت دے تو میں دشمن پہنچ جاؤں۔“

”پتھر اللہ کی سلامتی ہو ابولیمان!“ البوعبیدہ نے کہا۔ ”میں تجھے اجازت دیتا ہوں اور تجھے اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔۔۔ یہ جو رومی پیچھے رہ گئے ہیں ان میں میں سنبھال لوں گا۔“

خالدة نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ اپنے سوار دستے کو تیار کر کے دشمن کو روانہ ہو گئے۔ راستے میں کئی نشانیاں اور کئی آثار انہیں یقین دلاتے رہے کہ اس راستے پر ایک فوج گزری ہے۔ بخیر و خوش آدھی رات سے پہلے مرج الزوم سے روانہ ہو گیا۔ خالدة رات کے آخری پہر روانہ ہوئے اور دشمن اُس وقت پہنچے جب مسلمان باری ہوتی جنگ لڑ رہے تھے اور انہیں جنگ کی داسی بھی توقع نہیں تھی۔

یہ جوش جذبات کی لگاکار تھی جس نے مجاہدین کو گرما دیا لیکن حقیقت بڑی تلخ تھی۔ دشمن کی تعداد کئی گنا زیادہ اور جنگ کی کوئی صورت نہیں تھی۔ نہ صرف یہ کہ دشمن ہاتھ سے جا رہا تھا بلکہ مجاہدین میں سے کسی کا بھی زندہ رہنا ممکن نہیں تھا۔ مجاہدین جہاں بھی لڑے کم تعداد میں لڑے لیکن کسی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ رومیوں کی نفی اتنی زیادہ تھی کہ وہ یزید کے دستوں کو آسانی سے گھیرے میں لے سکتے تھے۔ ہرقل نے یہی کچھ سوچ کر وہاں زیادہ نفی بھیجی تھی اور تھوڑے دس اُس کا آزمودہ سالار تھا۔

تھوڑے دس نے مسلمانوں کو دیکھ کر اپنے دستوں کو روکا نہیں۔ اُس نے حملے کا حکم دے دیا۔ حملہ دونوں پہلوؤں کی طرف سے ہوا تھا۔ یزید بن ابی سفیان سمجھ گئے کہ رومی انہیں اند کی طرف سکڑانے پر مجبور کر رہے ہیں۔ یزید بن ابی سفیان نے اپنے دتے کو اور زیادہ پھیلادیا اور سوار دستے سے کہا کہ وہ دشمن کے پہلوؤں پر جانے کی کوشش کریں لیکن رومی تو سیلاب کی مانند تھے۔ مسلمان جذبے سے حملہ روک رہے تھے اور وہ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ دفاعی لڑائی لڑنے پر مجبور تھے۔ جہاں حملہ نہیں کر سکتے تھے۔

رومی شہر کی طرف جانے کی بھی کوشش کر رہے تھے۔ یزید نے اس کا انتظام پہلے ہی کر رکھا تھا۔ انہوں نے شہر کے ہر دروازے کے سامنے اور کچھ دور تیر انداز کھڑے کر رکھے تھے اور ان کے ساتھ تھوڑی تھوڑی تعداد میں گھوڑ سوار بھی تھے۔

سورج سر کے اوپر آگیا۔ آدھا دن گزر گیا تھا۔ مجاہدین ابھی تک رومیوں کے موج دور موج حملے روک رہے تھے اور اُن کے نعروں اور لگاکار میں ابھی جان موجود تھی۔ اُس وقت تک زخمیوں اور شہیدوں کی وجہ سے اُن کی تعداد مزید کم ہو گئی تھی۔ رومی نفی کی افراط کے باوجود مسلمانوں پر غالب نہیں آ سکتے تھے لیکن مسلمانوں کے جسم اب جواب دینے لگے تھے۔ گھوڑے بھی تھک گئے تھے۔ دوپہر کے بعد مجاہدین کو صاف طور پر محسوس ہونے لگا کہ شکست ان کے بہت قریب آ گئی ہے۔ وہ پسپائی کے عادی نہیں تھے۔ انہوں نے کل طیبہ کا بلند و در شمع کر دیا اور اس کوشش میں اولمان ہونے لگے کہ حملہ روک کر حملہ کریں بھی۔ اُن کی تنظیم ٹوٹ گئی تھی اور وہ اب انفرادی طور پر لڑ رہے تھے۔ سالار یزید بن ابی سفیان سپاہی بن چکے تھے۔ وہ اپنے علمبردار اور محافظوں سے کہتے تھے کہ کل نہ مرنے دینا۔

بڑی جلدی وہ وقت آگیا جب مجاہدین کو یقین ہو گیا کہ ایک رات دشمن کی فیر اور دوسری طرف موت ہے۔ وہ جیتے جی یہ نہیں سنا چاہتے تھے کہ دشمن دشمن پر قابض ہو گیا ہے۔

عین اُس وقت جب مجاہدین نے زندگی کا آخری معرکہ لڑنے کے لیے جانوں کی بازی لگا دی تھی، رومیوں کے عقب میں شور اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے رومیوں میں جھگڑا مچ گئی۔ دشمن کے دفاع میں لڑنے والوں کو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ پیچھے کیا ہو رہا ہے اور رومیوں پر کیا آفت لوٹی ہے ان کی تنظیم درجہ درجہ ہو گئی اور ان کے حملے بھی ختم ہو گئے۔

”اسلام کچے جاں نثارو!۔۔۔ یزید بن ابی سفیان نے بلند آواز سے کہا۔“ اللہ کی یہ دلا آگئی

خالدؓ کو وہاں وہی نظر آیا جو انہوں نے سوچا تھا۔ انہوں نے عقب سے رومیوں پر ہل بول دیا۔ خالدؓ کو رومیوں کا پرچم نظر آیا تو اپنے محافظوں کے ساتھ وہاں جا پہنچے۔ انہیں تھوڑے دوسرے بولکھلا ہٹ کے عالم میں دکھائی دیا۔ اسے دشمن اپنے قدموں میں پڑا نظر آ رہا تھا۔ وہ اس کے ماتھے سے نکل گیا تھا اور اس کی فوج فتح کے قریب پہنچ کر کھٹے لگی تھی۔

”میں رومیوں کا قاتل ہوں“ خالدؓ نے تھوڑے دوسرے کو لہکارا۔ ”میں وہیں سے آیا ہوں جہاں سے رات کو تو آیا تھا۔“

تھوڑے دوسرے نے تلوار نکال لی۔ دونوں سالاروں کے محافظ اکٹھا ہٹ گئے۔ خالدؓ نے تھوڑے دوسرے کے دو تین وار بیکار کر دیئے اور اس کے ارد گرد گھٹوڑا دوڑاتے رہے۔ تھوڑے دوسرے کو بھرپور وار کرنے کے لیے موزوں پوزیشن نہیں مل رہی تھی۔ وہ خالدؓ کے رحم و کرم پر تھا۔ وہ مانا ہوا جنگجو سالار تھا لیکن اس کا مقابلہ ایسے سالار کے ساتھ آڑا تھا جو ہر لمحہ شکار کی تلاش میں رہتا تھا۔ آخر اس نے بڑے غصے میں خالدؓ تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن خالدؓ نے ایک پیڑ ابدل کر اپنے آپ کو تھوڑے دوسرے کی زد سے دور کر لیا اور دوسرے پیڑ سے اسے ختم کر دیا۔

اب رومیوں کے کرنے کا ایک ہی کام رہ گیا تھا کہ بھاگیں اور اپنی جانیں بچائیں۔ وہ رومی خوش قسمت تھے جو زندہ بچ گئے۔ مال غنیمت میں نذرہ بخود، ہتھیار اور گھوڑے خاص طور پر قابل ذکر تھے۔

ادھر ابو عبیدہؓ نے دوسرے رومی سالار شنس کو ختم کر دیا تھا۔

ابو عبیدہؓ نے خالدؓ کو اس حکم کے ساتھ روانہ کر دیا کہ وہ حصہ پہنچ کر وہاں کا محاصرہ کر لیں ابو عبیدہؓ خود ایک اور اہم مقام لبیک کی طرف روانہ ہو گئے۔ توقع یہ بھی تھی کہ ان دونوں جنگجوں کا محاصرہ طویل پکڑے گا اور مقابلہ طویل ہو گا لیکن (مورخوں کے مطابق) مسلمانوں کی تلوار کی دہشت وہ کام نہیں کر سکتی تھی جو ان کے حسن اخلاق نے کیا۔ مسلمان جدھر جاتے تھے وہاں کے لوگوں میں پہلے ہی مشہور ہو چکا ہوتا تھا کہ مسلمان کسی پر کوئی زیادتی نہیں کرتے اور وہ انہی شرطوں کے پابند رہتے ہیں جو وہ پیش کرتے ہیں۔

اس دور کی فاتح فوجیں سب سے پہلے مفتوحہ شہر کی خوبصورت عورتوں پر ہل بولتی تھیں، پھر لوگوں کے گھر لوٹ لیتی اور گھر کے لوگ لگا جیتی تھیں۔ یہ اس زمانے کا رواج تھا اور اسے فلاح قبول کا حق سمجھا جاتا تھا لیکن مسلمانوں نے اس رواج کو اپنا بلکہ ہتے لوگوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کی۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ ابو عبیدہؓ لبیک پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا تو وہاں جو رومی دستہ تھا، اس نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔

خالدؓ نے حصہ کا محاصرہ کیا تو رومی سالار رومیوں کا ہر گھرا اور اس کے سمجھوتے کی پیش کش کی۔

قبائلوں کا مطالبہ کیا گیا جو رومی سالار نے قبول کر لیا۔ معاہدہ یہ ہوا کہ مسلمان ایک سال تک حصہ پر حملہ نہیں کریں گے اور اگر اس دوران روم کی فوج نے اس علاقے میں مسلمانوں کے خلاف کوئی معمولی سی جی جیگی کارروائی کی تو مسلمان صلح کے معاہدے کو منسوخ سمجھ کر جانی کارروائی کریں گے۔

اس معاہدے پر دستخط ہوتے ہی شہر کے دروازے کھل گئے اور مسلمان فوج داخل ہوئی۔ ابو عبیدہؓ ابن اشیر لکھتا ہے کہ حصہ کے لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ مسلمان دکانوں میں جاتے اور چیزیں لیتے۔ اس کی قیمت ادا کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے مجاہدین کو تحفے پیش کیے تو مجاہدین نے ان کی قیمت ادا کی۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمان تحفے کو مال غنیمت سمجھتے ہیں اور کوئی مسلمان اپنے طور پر کوئی مال غنیمت اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ اس کے علاوہ صلح کے معاہدے کے بعد اسلام مال غنیمت کو جائز نہیں سمجھتا۔

ایسے مقامات بھی آئے جہاں کے لوگوں نے مسلمان فوج کا باقاعدہ استقبال کیا۔ مثلاً نومبر ۶۳۵ء (رمضان ۱۲ھ) مسلمان فوج حصہ سے جاگتی تو شہری باہر آگئے اور مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ معرۃ النعمان کے شہریوں نے مسلمانوں کا استقبال اس طرح کیا کہ پہلے سازندے ساز بجاتے اور غشی کے غیت گاتے باہر آئے۔ ان کے پیچھے معززین آئے اور جزیہ پیش کر کے شہر ابو عبیدہؓ کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد ان قصبوں اور شہروں کے کئی لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

۱

”مسلمان ہمارے جال میں آگئے ہیں“ شہنشاہ ہرقل اپنے سالاروں کے گرد بٹھا۔

”میں سردیوں کے انتظار میں تھا۔ عرب کے یہ مسلمان اونٹ کا گوشت کھاتے اور اونٹنی کا تودہ پیتے ہیں۔ ریگستان کے ان باشندوں نے کبھی اتنی سردی نہیں دیکھی۔ یہ سردی برداشت نہیں کر سکتے اس ملک کی سردی ان کے جوش اور جذبے کو منجمد کر دے گی پھر موسم سرما ختم ہونے تک مسلمان ختم ہو جائیں گے۔ ہم انہیں بڑی آسانی سے شکست دیں گے۔ ان کے نیچے انہیں سردی سے نہیں بچا سکیں گے۔“

ہرقل نے حکم دیا کہ حصہ سے مسلمانوں کو بے دخل کر دیا جائے۔

کچھ دنوں بعد ابو عبیدہؓ کو اطلاع ملی کہ رومیوں کی کمک حصہ پہنچ گئی ہے۔ رومیوں کی اس کارروائی کے بعد حصہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا تھا۔ ابو عبیدہؓ اور خالدؓ کہیں اور تھے۔ اطلاع ملنے ہی وہ اپنے دستوں کو ساتھ لے کر حصہ جا پہنچے۔ خالدؓ پہلے پہنچے تھے۔ وہ حصہ کے قریب گئے تو باہر رومی فوج لڑانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

خالدؓ نے اس فوج پر حملہ کر دیا۔ رومی پیچھے ہٹنے لگے اور قلعے میں داخل ہو کر انہوں نے روم بند کر دیئے۔ اس کے فوراً بعد ابو عبیدہؓ بھی اپنے دستوں کے ساتھ آگے پہنچے۔

”ابو یلمان! ابو عبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا۔ ”یہ محاصرہ تیرا ہے اور تو اس کا سالار ہے۔“

یہ ایک بہت بڑا حراز تھا جو ابو عبیدہؓ نے خالدؓ کو دیا۔ خلیفۃ المسیحؑ کے احکام کے مطابق

”نہیں البوعبیدہ! — خالدؓ نے کہا۔“ کل صبح ہم محاصرہ اٹھالیں گے۔“

دوسرے سالاروں نے حیرت سے خالدؓ کی طرف دیکھا۔

”ہاں میرے دوستو! خالدؓ نے کہا۔“ کل ہم یہاں نہیں ہوں گے.... اور میری تجویز غور سے سن لو۔“

خالدؓ نے انہیں محاصرہ اٹھانے کے متعلق کچھ ہدایات دیں۔

اکلی صبح شہر کی دیوار کے اوپر سے آوازیں آنے لگیں۔ ”وہ جارہے ہیں.... محاصرہ اٹھ گیا ہے.... وہ دیکھو، مسلمان جارہے ہیں۔“

سالار ہرئس کو اطلاع ملی تو وہ دوڑتا ہوا دیوار پر آیا۔ اُس کے ساتھ بڑا پادری تھا۔

”سُڑی نے اپنا کام کر دیا ہے۔“ ہرئس نے کہا۔ ”ان میں لڑنے کی ہمت نہیں رہی۔“

میں انہیں زندہ نہیں جانے دوں گا۔ ان کے تعاقب میں جاؤں گا۔ انہیں ختم کر کے آؤں گا۔“

”محترم سالار! پادری نے کہا۔“ مجھے یہ مسلمانوں کی چال لگتی ہے۔ یہ منہ موڑنے والی قوم نہیں۔ وہ دیکھو۔ وہ اپنی بیویوں اور بچوں کو نہیں چھوڑ گئے ہیں۔“

”میں دیکھ رہا ہوں۔“ ہرئس نے کہا۔ ”اپنی بیویوں اور بچوں کو وہ ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں۔“

ان کی حفاظت کے لیے انہوں نے بہت کم سپاہی پیچھے چھوڑے ہیں۔ وہ سامان باندھ رہے ہیں لیکن انہیں ہم جانے نہیں دیں گے۔ میں پہلے اُن کے تعاقب میں جاؤں گا جو حوصلہ ہار کر چلے گئے ہیں۔“

ہرئس نے فوراً پانچ ہزار سوار تیار کیے اور البوعبیدہؓ اور خالدؓ کے دستوں کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ انہوں نے دواڑھائی میل فاصلہ طے کر لیا تھا جب رومی اُن تک پہنچ گئے۔

جنوبی ہرئس اپنے دستے کے ساتھ مسلمانوں کے قریب پہنچا، مسلمان اچانک دھتوں میں بٹ گئے۔ خالدؓ نے گزشتہ روز سالاروں کو یہی بتایا تھا کہ رومی اُن کے تعاقب میں ضرور آئیں گے اور انہیں گھیرے میں لے کر ختم کرنا ہے۔ اس کے مطابق مسلمان چلتے پلتے دھتوں میں بٹ گئے۔ ایک حصہ دائیں کو ہرئس کی پیچھے کوٹھڑا اور دوسرا بائیں طرف ہو کر گھوم گیا۔

رومی ایسی صورت حال کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ بوکھلا گئے۔ مسلمانوں نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ اپنے بیوی بچوں اور اُن کی حفاظت کے لیے کچھ مجاہدین کو پیچھے چھوڑ کر انہیں اسی دھوکے کا ایک جھوٹا رومی پیچھے کو بھاگے تو یہ مجاہدین جو عورتوں اور بچوں کے ساتھ تھے۔

رومیوں پر لوٹ پڑے پھر انہوں نے رومیوں کی پس پانی کا راستہ روک لیا۔

ایک اور سالار سعاد بن جبل خالدؓ کی پہلے سے دی ہوئی ہدایات کے مطابق پانچ سو سوار ساتھ لے کر محض کے راستے میں آ گئے تاکہ کوئی رومی شہر کی طرف نہ آ سکے۔

رومی اتنی جلدی بھاگنے والے نہیں تھے لیکن وہ مجاہدین کے پھندے میں آ گئے تھے۔ وہ تازہ دم تھے۔ کچھ اپنی روایات کے مطابق اور کچھ اپنی جائیں بچانے کے لیے وہ بے چہری سے لڑ رہے تھے۔

سالار اعلیٰ البوعبیدہؓ ہی تھے۔

یہ دوسرا کاہنہ تھا۔ سُڑی کا عروج شروع ہو چکا تھا۔ مسلمان اتنی زیادہ سُڑی کے عادی نہیں تھے۔ اُن پر سُڑی بڑا برا اثر کر رہی تھی۔ یہ سب سے بڑی وجہ تھی کہ محاصرہ طول پکڑنا گیا۔ اس دوران خلیفہ المسلمین کا حکم آ گیا۔ اس کے تحت کچھ دستے عراق کو بھیجنے تھے۔

یہ دستے چلے گئے تو رومی سمجھے کہ مسلمان محاصرہ اٹھا رہے ہیں لیکن ایسا نہ ہوا۔ رومی ہی توقع لیے قلعے میں بیٹھے رہے کہ مسلمان محاصرہ اٹھا لیں گے۔

ماہِ ذی الحجہ ۶۳۶ء کا مہینہ آ گیا۔ سُڑی کی شدت ختم ہو چکی تھی۔ رومی سالار ہرئس روم کے شاہی خاندان کا آدمی تھا۔ اُسے کسی کے حکم کی ضرورت نہیں تھی۔ اُس نے اپنے نائب سالاروں اور

کمانداروں سے کہا کہ سُڑی کا موسم گزر گیا ہے۔ بیشتر اس کے کہ مسلمانوں کو تکمل جاتے اور یہ سُڑی سے بھی سنبھل جائیں، ان پر حملہ کر دیا جاتے۔

چنانچہ ایک روز شہر کا ایک دروازہ کھلا اور پانچ ہزار نفری کی رومی فوج نے باہر کر مسلمانوں کے اُس دستے پر حملہ کر دیا جو اس دروازے کے سامنے موجود تھا۔ حملہ بڑا تیز اور شدید تھا۔ مسلمان اس جھمکے کے لیے پوری طرح تیار نہیں تھے۔ اس کے علاوہ اُن پر سُڑی کا بھی اثر تھا، اس لیے وہ مقابلے میں جہم نہ سکے۔ پیچھے ہٹ کر وہ منظم ہوئے اور اُس کے بڑھے لیکن رومیوں کے دوسرے حملے نے انہیں پھر گھیر دیا۔

”الوسلمان! — البوعبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا۔“ کیا تو دیکھتا رہے گا کہ رومی فتح یاب ہو کر واپس قلعے میں چلے جائیں؟“

خالدؓ تاشدہ دیکھنے والوں میں سے نہیں تھے لیکن وہ اُس دروازے کے سامنے سے ہٹ نہیں سکتے تھے جس کے سامنے وہ موجود تھے۔ پھر بھی انہوں نے اپنا سوار دستہ ساتھ لیا اور رومیوں پر حملہ کر دیا۔ رومیوں نے حکم کے مقابلہ کیا اور سورج غروب ہو گیا۔ رومی قلعے میں چلے گئے۔ اُن کی بہت سی لاشیں اور شدہ بزدلی پیچھے رہ گئی۔

دوسرے دن البوعبیدہؓ نے سالاروں کو بلا لیا۔

”کیا تم نے جو محسوس نہیں کیا کہ کل رومیوں نے باہر کر حملہ کیا تو ہمارے آدمی بے دلی سے لڑے؟“

البوعبیدہؓ نے شکایت کے لہجے میں کہا۔ ”کیا تم میں ایمان کی حرارت کم ہو گئی ہے؟ سُڑی سے صرف جسم ٹھنڈا ہوا ہے۔“

”سالار اعلیٰ! — خالدؓ نے کہا۔“ ہمارے آدمی بے دلی سے نہیں لڑے، دراصل جن رومیوں نے حملہ کیا تھا وہ اُن رومیوں سے زیادہ جرأت اور ہمت والے تھے جن سے ہم اس تک لڑتے رہے ہیں۔“

”پھر تو ہی بتا البوسلمان! — البوعبیدہؓ نے پوچھا۔“ ہمیں اتنے لمبے محاصرے میں نہیں بیٹھنے دینا چاہیے؟“

خالد ان کے سالار میر میں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ ان کی تلوار سے خون پھسک رہا تھا۔ ان کے راستے میں جو آتا تھا کٹ جاتا تھا۔ آخر وہ نہیں نظر آ گیا۔
”میں ہوں ابن الولید! — خالد نے لٹکا کر کہا۔“ فارسیوں کا قاتل ابن الولید.... رومیوں کا قاتل ابن الولید!

برہمیں نامی گرامی جھجھکتا۔ وہ خالد کے مقابلے کے لیے بڑھا لیکن گھوڑے سے اتر آیا۔ خالد بھی گھوڑے سے اترے اور اس کی طرف بڑھے لیکن ایک رومی دونوں کے درمیان آ گیا۔ تین چار ترخوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے لیکن اس رومی کا نام نہیں لکھا۔ اتنا ہی لکھا ہے کہ اس کا جسم پہلوئوں جیسا تھا اور وہ شیر کی طرح گرج کر لڑا کرتا تھا۔ رومی زبان میں وہ شیر کی مانند دھاڑنے والا کے نام سے مشہور تھا۔

تاریخوں میں یہ واقعہ اس طرح آیا ہے کہ یہ رومی اپنے سالار میر میں کو پیچھے ہٹا کر خالد کے مقابلے میں آیا۔ دو تین فٹ سے دونوں نے بدلے اور خالد نے تلوار کا مار کیا۔ تلوار رومی کی آگنی خود پر پڑی۔ خود آگنی مضبوط اور دار اتنا زوردار تھا کہ خالد کی تلوار ٹوٹ گئی۔ ان کے ہاتھ صرف دستہ رہ گیا۔ اب خالد خالی ہاتھ تھے اور رومی پہلوئوں کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ خالد اپنے محافظوں کی طرف جانے کی کوشش کرتے تھے کہ ان سے تلوار لے لیں مگر رومی درندوں کی طرح غراتا، دھاڑتا اور خالد کے آگے بڑھتا تھا کہ وہ دوسری تلوار نہ لے سکیں۔

ایک محافظ نے خالد کی طرف تلوار پھینکی لیکن خالد سے پہلے رومی تلوار تک پہنچ گیا اور تلوار پر بے پھینک دی۔ خالد کا بچنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ رومی نے ان پر تار تار وار کرنے شروع کر دیئے خالد ادھر ادھر ہو کر دار بچا رہا۔ رومی نے ایک دار وائیں سے بائیں کو کیا جیسے خالد کی گردن یا اس سے ذرا نیچے پڑنا چاہیے تھا لیکن خالد بڑی پھرتی سے پیڑ گئے۔

رومی کا یہ زوردار وار خالی گیا تو اپنے ہی زور سے وہ گھوم گیا۔ خالد اچھل کر اس پر چھپے۔ رومی ہلاک جھپکے پھر گھوم گیا اور خالد کے بازوؤں کے شیعے میں آ گیا۔ اب صورت یہ تھی کہ دونوں کے سینے ملے ہوئے تھے اور رومی خالد کے بازوؤں میں تھا۔

خالد نے بازوؤں کو دبانا اور کچھ سخت کرنا شروع کر دیا۔ رومی خالد کی محرقت سے بچنے کے لیے زور لگا رہا تھا لیکن خالد کی محرقت ہوتی جا رہی تھی اور وہ اس قدر زور لگا رہا ہے تھے کہ خون ان کے چہرے میں آگیا اور چہرہ گہرا لال ہو گیا۔

رومی پہلوئوں کی آنکھیں باہر کو آنے لگیں۔ اس کی سانسیں رکنے لگیں اور چہرے پر تکلیف کا ایسا اثر تھا کہ اس کے دانت بچنے لگے۔ مورخ واقدی نے لکھا ہے کہ رومی پہلوئوں کی لیلیاں ٹوٹنے لگیں۔ رومی اور زیادہ ترسینے لگا۔ خالد اور زیادہ زور سے اپنے بازوؤں کے شیعے کو تنگ کرتے گئے۔ رومی کی لیلیاں ٹوٹتی گئیں اور اس کا تڑپنا ختم ہو گیا حتیٰ کہ اس کا جسم بے جان ہو گیا۔ خالد نے اسے چھوڑا تو وہ گر پڑا۔ وہ مر چکا تھا۔ خالد نے اس رومی کی تلوار اٹھائی اور میر میں کو لٹکا کر لیکن میر میں اپنے پہلوئوں کا انجام دیکھ کر دلاں سے کھسک گیا تھا۔ خالد نے گھوڑے پر سوار ہو کر رومی پہلوئوں کی تلوار بلند کر کے لہرائی اور نعرہ لگایا۔

اس مقابلے کے دوران رومیوں کا قتل عام جاری رہا۔ ابو عبیدہ کو پتہ چلا کہ خالد نے رومیوں کو کس طرح ہلاک کیا ہے تو وہ دوڑے آئے۔

”خدا کی قسم ابو سلیمان! — ابو عبیدہ نے بڑے مسرور لہجے میں کہا۔“ تو نے جو کہا تھا کر دکھایا ہے۔ تو نے ان کی کمر توڑ دی ہے۔“

یہ بات اس طرح ہوئی تھی کہ خالد نے جب گذشتہ روز محاصرہ اٹھا کر واپس جانے کی تجویز پیش کی تھی تو ابو عبیدہ اور دوسرے سالاروں نے اس تجویز کو پسند نہیں کیا تھا۔ خالد نے انہیں بتایا کہ انہوں نے کیا سوچا ہے۔ پھر بھی ابو عبیدہ محاصرہ اٹھانے کے حق میں نہیں تھے۔ تب خالد نے کہا تھا۔ ”میری تجویز عمل کریں۔ میں ان کی ہڈیاں توڑ دوں گا۔ ان کی کمر توڑ دوں گا۔“

خالد نے صرف ایک پہلوئوں کی نہیں بلکہ رومی فوج کی ہڈیاں توڑ دی تھیں۔

مارچ ۶۳۶ء (صفر ۱۵ھ) مسلمان فاتح کی حیثیت سے حصص میں داخل ہوئے۔

ابو عبیدہؓ کے حکم سے حصص کے لوگوں سے صرف ایک دینار فی کس جزیہ لیا گیا اور مسلمانوں کی طرف سے اعلان ہوا کہ کوئی شخص شہر چھوڑ کر نہ جائے۔ رشتہ کے لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے ذمہ دار مسلمان ہوں گے۔

اس اعلان نے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ بعض اسے مسلمانوں کی ایک چال سمجھے۔ وہ رات بھر اس خوف سے جاگتے رہے کہ مسلمان رات کو ان کے گھر دل پر ٹوٹ پڑیں گے لیکن رات گزرتی اور کچھ بھی نہ ہوا۔

۵

رومی شہنشاہ ہرقل حصص سے تقریباً اسی سال دور اطالکیہ میں تھا۔ اُسے جب خبر ملی کہ حصص بھی ہاتھ سے نکل گیا ہے تو اُس کے ہونٹوں پر ہلکا سا ہنسنے لگا جیسے وہ اسی خبر کا منتظر تھا۔ اُس کے سالار بشیر اور شاہی خاندان کے افراد جانتے تھے کہ ہرقل کا یہ ہنسنے کی مسکراہٹ ہے اور اس تبسم میں قہر بھرا ہوا ہے۔

”کیا تم بتا سکتے ہو عرب کے ان مسلمانوں نے حصص کس طرح لیا ہے؟“ ہرقل نے خبر لانے والے سے پوچھا۔ ”تم سالار تو نہیں، کماندار ہو جنگ کو سمجھتے ہو گے... تمہارا نام کیا ہے؟“ ”سب سمجھتا ہوں قیصر روم!“ خبر لانے والے نے کہا۔ ”میرا نام سازیرس ہے۔ ایک حبش کا کماندار ہوں... حصص ایک دھوکے نے ہم سے چھینا ہے۔ ہمارے سالار دل کو توقع تھی کہ مسلمان اتنی سڑی برداشت نہیں کر سکیں گے اور محاصرہ اٹھا کر چلے جائیں گے۔ انہوں نے سڑی کی شدت محاصرے میں گزار دی اور محاصرہ اُس وقت اٹھا کر چلے گئے جب سڑی کی شدت گزرتی تھی اور درختوں کی کھوپڑیاں پھوٹنے لگی تھیں۔“

”اور ہمارے سالار اُس وقت قلعے میں بیٹھے رہے جب دشمن باہر سڑی سے ٹھٹھہر رہا تھا۔“ ہرقل نے کہا۔ ”ہمارے سالار دشمن پر اُس وقت نہ جھپٹے جب سڑی نے اُس کی رگوں میں خون منجھ کر دیا تھا... پھر کیا ہوا؟“

”قیصر روم!“ سازیرس نے کہا۔ ”وہ جب کوچ کر گئے تو سالار ہمزب نے پانچ ہزار سواروں کے ایک دستے کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے تعاقب میں جاؤ اور ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ رہے... ہم اُن کے تعاقب میں گئے جب اُن کے قریب پہنچے تو انہوں نے پلٹ کر ہمیں گھیرے میں لے لیا۔“ سازیرس نے ہرقل کو تفصیل سے بتایا کہ مسلمانوں نے انہیں کس طرح گھیرے میں لیا اور ان کے سواروں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔

”ہمارا سالار ہمزب کہاں ہے؟“ ہرقل نے پوچھا۔ ”کیا وہ...“

”وہ زندہ ہیں!“ سازیرس نے کہا۔ ”وہ اُس وقت دال سے نکل گئے تھے جب مسلمانوں کے سالار خالد بن الولید نے ہمارے پہلوان کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا تھا اور پہلوان کی آنکھیں باہر آ گئی تھیں۔“

حصص پر جو خوف و ہراس طاری تھا وہ اُس وقت بجھ کر اور نفسی کی صورت اختیار کر گیا جب مسلمان حصص میں داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے سنا تو یہی تھا کہ مسلمان شہر لوں کو پریشان نہیں کرتے لیکن جس شہر کی فوج ہتھیار نہ ڈالے اور مسلمان بروز ششیر شہر کو فتح کریں تو وہ ہر گھر سے مال و اموال اٹھا لیتے ہیں اور عورتوں کو لوٹ لیا بنا لیتے ہیں۔

مسلمانوں نے حصص تو بڑی ہی شکل سے فتح کیا تھا۔ رومیوں نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے بلکہ مسلمانوں نے محاصرہ اٹھا تو پانچ ہزار سوار رومی سوار اُن کے تعاقب میں گئے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ محاصرہ اطالمان مسلمانوں کی چال تھی لیکن رومیوں نے اسے اُن کی کمزوری سمجھ کر اُن پر حملہ کیا تھا۔ اس ہجر کے میں رومیوں کے صرف ایک سو سوار زندہ بچے تھے اور مسلمان جو شہید ہوئے اُن کسے تعداد ۲۳ تھی۔

اتنی غریزہ لڑائی لڑ کر مسلمانوں نے حصص فتح کیا تھا۔ حصص والوں نے جب دیکھا تھا کہ اُن کے جو پانچ ہزار سوار مسلمانوں کے تعاقب میں گئے تھے، ان میں سے بہت بھڑے بھاگتے ہوئے آئے تھے۔ جس تو اُن پر خوف و ہراس طاری ہو گیا تھا اور جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا ایک سوار دستہ رومیوں اور حصص کے دروازوں کے درمیان آ گیا ہے اور رومی سوار نہ بھاگ سکتے ہیں نہ شہر میں داخل ہو سکتے ہیں تو وہ اور زیادہ غمخوار ہو گئے شہر میں اسی فوج نہیں رہ گئی تھی جو اُن کی مدد کو پہنچتی۔ یہ سوار مسلمان سواروں کی نگاہوں اور ہتھیاروں سے کٹ گئے۔

ابو عبیدہؓ اور خالدؓ جب حصص میں داخل ہوئے تو چند ایک شہری اُن کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ دونوں مسلمان سالاروں کو دیکھ کر وہ سجدہ میں گر پڑے۔ دونوں سالاروں نے گھوڑے روک لیے۔

”اٹھو!“ ابو عبیدہؓ نے گرجا کر آواز میں کہا۔ ”کھڑے ہو جاؤ۔“

وہ سب سجدے سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اُن کے چہروں پر وہ خوف و ہراس اور رحم طلبی کا لہر تار تھا۔

”بولو!“ ابو عبیدہؓ نے پوچھا۔ ”اگر تمہاری فوج ہمارے کھنے پر پہلے ہی ہتھیار ڈال دیتی تو ہمزب

ہمارے آگے سجدے میں گرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔“

”ہم رحم کے طلب گار ہیں!“ ایک نے التجائی۔ ”وہ رومی فوج تھی جو آپ لڑی ہے ہم ہم دُ

نہیں۔ ہم آپ کا ہر مطالبہ پورا کریں گے۔“

”ہم صرف یہ بتانے آئے ہیں کہ سجدہ صرف اللہ کے آگے کیا جاتا ہے۔ ابو عبیدہؓ نے کہا۔

”مہر کی کو اپنا غلام بنانے نہیں آئے۔“

”ہم اس کے ساتھ بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے لیکن اپنے سالاروں سے جو بیچتا ہے وہ آپ کو بتاتے ہیں۔۔۔۔۔ ہرقل کی کمرانی محمد بنیں کہ چند ایک شکستوں سے ٹوٹ جائے۔ اس نے اپنا دماغ اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ اسے فتح حاصل ہوتی ہے تو وہ اپنے اوپر اس کا نشانہ طاری نہیں کیا کرتا اور شکست سے وہ مایوس نہیں ہوا کرتا۔ وہ حسین ترین اور نوجوان لوگوں اور شراب کا ریا ہے، اب شراب تو پینا ہو گا لیکن اپنی پسندیدہ لوگوں کو بھی اپنے سامنے نہیں آنے دیتا“

”وہ تو راتوں کو شاید سوتا بھی نہیں ہو گا“۔ دوسرے نے کہا۔ ”اس پر ایک جنرل سوار ہے فوج اکٹھی کر دو۔ اس کے آدمی جتنی جاکر لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ مسلمان طوفان کی طرح آرہے ہیں اور وہ مختار سے مذہب کو اور مختاری عورتوں کو اپنے ساتھ اڑا لے جائیں گے۔۔۔۔۔ تو کتبیلہ قبیلہ مذہب کے نام پر اور اپنی عورتوں کو مسلمانوں سے بچانے کی خاطر انطاکیہ میں آ رہے ہیں۔۔۔۔۔ آپ نے آگے جانا ہے تو زیادہ فوج لے کر آئیں ورنہ ڈرک جائیں۔۔۔۔۔ اب شہنشاہ ہرقل زیادہ دقت نئی فوج کے تنظیم اور تربیت میں گزارتا ہے اور کہتا ہے کہ مسلمانوں کو آگے آنے دو۔ انہیں اور آگے آنے دو“

”اس نے یہ بھی کہا ہے۔“ ایک اور بولا۔ ”اب اپنی فوج کی ہر سپاہی میرے دل کو مضبوط کرتی ہے میری فوج کی ہر سپاہی عرب کے ان مسلمانوں کو میرے جال میں لارہی ہے“

۵

اس قافلے سے جو صوبہ شمال البعیدہ اور خاندانہ کو معلوم ہوئی وہ غلط نہیں تھی۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ہرقل روایتی شہنشاہ نہیں تھا، وہ اپنے وقت کا فن عرب و ضرب کا مہر جو تھا اور وہ میدان جنگ کا شاعر عربی تھا۔

ابو جہشیدہ اور خاندانہ کو ان اطلاعات نے جو انہیں اس قافلے سے ملیں، وہیں رکنے پر مجبور کر دیا۔ ”خاندانہ کی قسم امین الامت“ خاندانہ نے ابو جہشیدہ سے کہا۔ ”ہم یہاں بیٹھے نہیں رہیں گے، اور ہم ہرقل کو اتنی ہمت نہیں دیں گے کہ وہ اپنی تیاریاں مکمل کر لے“

”آج رات تک اپنے کسی آدمی کو آجانا چاہیے“۔ ابو جہشیدہ نے کہا۔ ”ابو سلیمان! جب تک آگے کی ہمت قدر صورت حال معلوم نہیں ہو جاتی ہم آگے نہیں جائیں گے“

اپنے کسی آدمی سے مراد وہ جاسوس تھے جو انطاکیہ تک پہنچے ہوئے تھے۔ خاندانہ نے اپنی سپاہیوں کے دور میں جاسوسی کے نظام کو باقاعدہ اور منظم کر دیا تھا اور جاسوسوں کو ڈر و ڈر تک پھیلایا تھا۔ مسلمان جاسوس جان کی بازی لگا کر بڑی قیمتی معلومات لے آتے تھے۔

موزوں کے مطابق، ہرقل نے اپنی فوج کی پلے پلے شکستوں کی خبریں سن سن کر اس حقیقت کو قبول کر لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو کچھری ہوئی لڑائیوں میں شکست نہیں دے سکتا۔ ایک شکست تو وہ تھیں جو رومی فوج کو خاندانہ پھر ابو جہشیدہ نے دی تھیں اور دوسری وہ تھیں جو دوسرے سالار شام کے دوسرے علاقوں میں رومیوں کو دیتے چلے جا رہے تھے۔

مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دینے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ انہیں کسی ایک میدان میں اکٹھا ہونے پر مجبور کیا جائے اور ان کے خلاف ان سے کئی گنا زیادہ فوج میدان میں اتاری جائے چنانچہ اس نے نئی اور بہت بڑی فوج تیار کرنی شروع کر دی تھی۔ مسلمانوں نے جب حمص پر قبضہ کیا اس وقت تک اس کی تھی

”کیا ہمارے پہلوان کو خاندانہ ابن الولید نے مار ڈالا ہے؟“۔ ہرقل نے پوچھا۔

سائیرس کچھ دیر ہرقل کے منہ کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے دائیں بائیں آہستہ آہستہ سر ہلایا۔

”مسلمان سالار نے ہمارے پہلوان کو بازوؤں میں دبوچ کر اس کی پسلیاں توڑ ڈالی تھیں“۔

سائیرس نے کہا۔ ”اور وہ مر گیا“

”آخرین!۔۔۔۔۔ ہرقل کے ہونٹوں سے سرگوشی پھیل گئی۔ یہ طاقت جسم کی نہیں“۔ وہ اچانک جیسے بیدار ہو گیا ہو۔ اس نے جاندار آواز میں کہا۔ ”میں انہیں کچل دوں گا۔۔۔۔۔ انہیں آگے آنے دو“۔ اس کی آواز اور زیادہ بلند ہو گئی۔ ”انہیں اور آگے آنے دو۔۔۔۔۔ اور آگے جہاں سے وہ بھاگ نہیں سکیں گے“

۵

سالار اعلیٰ ابو جہشیدہ اور خاندانہ اور آگے چلے گئے تھے۔ انہوں نے حمص کے انتظامات کیلئے کچھ نفری دال چھوڑ دی تھی۔ حمص سے وہ اپنے دوستوں کے ساتھ حمص سے آگے چلا پھر اس سے آگے شیراز تک جا پہنچے تھے۔ دال سے انطاکیہ کا فاصلہ سترتیس چالیس میل کے درمیان تھا۔ انطاکیہ اہم ترین مقام تھا کیونکہ اسے ہرقل نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنالیا تھا اور وہیں رومیوں کی فوج کا اجتماع اور فوج کی تقسیم ہوتی تھی۔

مسلمانوں نے شیراز سے کوچ کیا۔ تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ رومیوں کا ایک قافلہ آتا نظر آیا۔ اس کی حفاظت کے لیے رومی فوجیوں کا چھوٹا سا ایک دستہ تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ لوٹوں اور گاڑیوں کے اس قافلے میں فوجی سامان جا رہا ہے۔ خاندانہ کے اشارے پر مجاہدین نے قافلے کو گھیرے میں لے لیا۔ رومی فوجیوں نے مقابلہ کرنے کی حماقت نہ کی۔ انہوں نے بتایا کہ یہ فوج کے کمانے پینے کا سامان ہے۔ اس میں تھپا بھی تھے۔ ان سب کو پکڑ لیا گیا اور انہیں تاثر دیا گیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

”ہم نے آپ کا مقابلہ نہیں کیا“۔ اس رومی فوجی قافلے کے کماندار نے جان بخشی کی التجا کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم رومی نہیں، ہم تو ان کی رعایا ہیں۔ ہماری آپ کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں“

”پھر دوستی کا ثبوت دو“۔ انہیں کہا گیا۔ ”یہ تباہی دہک انطاکیہ میں کیا ہو رہا ہے“

”آپ کی تباہی کا سامان تیار ہو رہا ہے۔“ قافلے کے کماندار نے جواب دیا۔ ”دال بہت بڑی فوج اکٹھی کی جا رہی ہے۔ دور دور سے عیسائی قبیلے آپ کے خلاف لڑنے کے لیے جمع ہو رہے ہیں اور انہیں میدان جنگ میں لڑنے کے ڈھنگ سکھائے جا رہے ہیں“

”آپ نے ہماری جانیں پس واپس کر دی ہیں تو ہم آپ کی جانیں بچاتے ہیں۔“ قافلے کے ایک آدمی نے کہا۔ ”آپ آگے نہ جائیں۔ آپ کی نفری بہت تھوڑی ہے اور انطاکیہ میں شہنشاہ ہرقل جو فوج اکٹھی کر چکا ہے وہ اتنی زیادہ ہے کہ آپ کا ایک بھی آدمی زندہ نہیں رہے گا“

”کیا اتنی زیادہ شکستوں نے اس کی کمر کجی توڑی نہیں؟“۔ مسلمانوں کے ایک سالار نے پوچھا۔

”ہم اتنے بڑے لوگ نہیں کہ شہنشاہ تک رسائی حاصل کر سکیں۔“ رومیوں کے کماندار نے کہا

فوج کی نفی ڈیڑھ لاکھ ہو چکی تھی۔

الطاکبیر سے چالیس میل دور ابو جحش پہنچا اور خالدؓ اپنے دستوں کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ اس سے دور وزیر جب انہوں نے رومیوں کا قافلہ پکڑا تھا، سلمان مغرب کی نماز کی تیاری کر رہے تھے کہ ایک گھوڑا سوار پٹاؤ کی طرف آنا دکھائی دیا۔ اتنی دور سے تیر نہیں چلتا تھا کہ وہ رومیوں کا کوئی فوجی سوار ہے یا کوئی مسافر ہے۔ پٹاؤ سے کچھ دور اُس نے گھوڑا موڑ لیا اور پٹاؤ کے ارد گرد گھوڑا دوڑانے لگا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کا لباس مسلمانوں جیسا نہیں تھا۔

”پکڑ لاؤ اسے!“ کسی کماندار نے اپنے سواروں کو حکم دیا۔

سوار بھی گھوڑوں پر نہیں ڈال رہے تھے کہ اُس اجنبی سوار نے گھوڑا پٹاؤ کی طرف موڑ دیا۔

”الطاکبیر!“ اُس نے نعرہ لگایا اور قریب آکر اُس نے بڑی طباہانہ آواز میں کہا۔ ”میں اپنے پرچم کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔“

”ابن احدی!“ کسی نے کہا اور چند ایک مجاہدین اُس کا ہدف دوڑے۔ ایک نے کہا۔ ”خدا کی قسم، ہم اب بھی تجھے رومی فوجی سمجھ رہے ہیں۔“

”کیا یہ لباس اُس رومی کا ہے جسے تو نے قتل کیا ہوگا؟“ ایک نے پوچھا۔

ابن احدی کسی کو بتا نہیں سکتا تھا کہ وہ جاسوس ہے اور الطاکبیر سے آیا ہے۔ وہ البعیدہ کے خیمے میں چلا گیا۔ وہ ان تین چار جاسوسوں میں سے تھا جو ڈیڑھ دو مہینوں سے الطاکبیر گئے ہوئے تھے۔

۱۵

”تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو ابن احدی!“ البعیدہ نے اُسے گلے لگا کر کہا۔ ”ہم الطاکبیر کی خبر کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔“

ابن احدی نے خالدؓ کے ساتھ مصافحہ کیا، خالدؓ نے بھی اُسے گلے لگالیا۔

”کیا خبر لائے ہو؟“ خالدؓ نے پوچھا۔

”سیاہ کالی گھٹا ہے جو الطاکبیر کے افق سے اُٹھ رہی ہے۔“ ابن احدی نے عربوں کے مخصوص شاعرانہ انداز میں کہا۔ ”اس گھٹا سے جو مینہ برسے گا وہ زمین پر سیلاب بن کر چٹانوں کو بھی بہا لے جائے گا۔ امین اللہ امت اور ابن الولید! اللہ نے تجھیں اشارہ دیا ہے کہ آگے نہ جانا۔“

”ہمیں یہ اشارہ دشمن کے ایک قافلے نے دیا ہے۔“ البعیدہ نے کہا۔ ”یہ رومیوں کا فوجی قافلہ ہے جسے ہم نے پکڑ لیا ہے۔“

”اسے اللہ کا بھیجا ہوا قافلہ سمجھ امین اللہ امت!“ ابن احدی نے کہا۔ ”اب بڑی بات مجھ سے سن۔ الطاکبیر کے اندر اور باہر شکر کے سپاہیوں اور گھوڑوں کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ الطاکبیر کے گرد و نواح میں دور دور تک خیموں کا جنگل ہے جو بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ ہر قتل جو منصوبہ بنایا ہے وہ ہمت خطرناک ہے۔“

”کیا تیری خبر صدقہ ہوگئی ہے؟“ خالدؓ نے پوچھا۔

”میں ہر قتل کی فوج کے ایک ٹوٹے کا کماندار ہوں ابو سلیمان!“ ابن احدی نے مسکراتے ہوئے

کہا۔ ”رومیوں کی اس وقت یہ حالت ہے کہ جو کوئی الطاکبیر کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو تو اس کے لیے شہر کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں۔“

ابن احدی جس طرح الطاکبیر کی فوج میں شامل ہوا تھا، اس کی اُس نے تفصیلات سنائیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ عیسائی عرب بن کر الطاکبیر گیا تھا، انہیں اُسی وقت فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ کئی روز گھوڑا دوڑ کے میدان میں شکاری، تیغ زنی اور دوڑتے گھوڑے سے تیر نشانے پر چلانے کے مقابلے ہو رہے تھے۔ ان میں ہر کوئی شامل ہو سکتا تھا۔ ابن احدی اپنی فوج کا مشہور شہسوار تھا اور پڑا ہی خالص ہوت

جوان۔ وہ مقابلے میں اس طرح شریک ہوا کہ میدان میں جا کر گھوڑا چکر میں دوڑایا اور تلوار نکال کر تیغ زن سواروں کو مقابلے کے لیے لٹکارا۔ ایک سوار اُس کے مقابلے میں اترا۔ وہ رومی تھا۔

”اگر تجھے اپنے بازوؤں اور اپنے گھوڑے پر پورا بھروسہ ہے تو میرے مقابلے میں آئے اجنبی سوار!“ ابن احدی نے اُسے کہا۔ ”میری تلوار تیرے خون کی پیانی نہیں لیکن اس کے سامنے تیری تلوار آئے گی تو۔۔۔“

”تیری تلوار کے مقابلے میں میری برچی آئے گی اسے جہنم آجینی!“ دوسرے سوار نے کہا۔ ”اگر تجھے زندگی عزیز نہیں تو آجا۔“

ابن احدی نے گھوڑا اُس کے ارد گرد دوڑایا اور اُسے لٹکارا۔ رومی سوار گھوڑے کو کچھ دور لے گیا اور گھوڑا موڑ کر اپنا ٹانگی اُس نے برچی نیزہ بازی کے انداز سے آگے کر لی تھی۔ ابن احدی اُس کی طرف منہ کر کے کھڑا رہا۔ رومی کی رفتار اور تیز ہو گئی جب اُس کی برچی کی انی ابن احدی کے سینے سے ٹھوڑی ہی دور رہ گئی تو وہ اس قدر پھرتی سے گھوڑے کی دوسری طرف جھک گیا جیسے وہ گھوڑے پر بٹھایا نہیں۔

رومی کی برچی ہوا کو کاٹتی آگے بھٹکتی گئی۔ ابن احدی گھوڑے پر سیدھا چڑھا اور اپنے گھوڑے کے لگاؤ کو جھٹکا دیا۔ اُس کا گھوڑا دوڑا اور فوراً ہی مڑ کر رومی کے پیچھے چلا گیا۔ رومی اپنا گھوڑا موڑ رہا تھا کہ ابن احدی اُس کے ہمک جا پہنچا اور تلوار سے اُس کی برچی توڑ دی۔ رومی نے گھوڑا موڑ کر تلوار نکال لی لیکن وہ ابن احدی پر صرف ایک وار کر سکا جو ابن احدی نے بچالیا اور فوراً ہی اس مسلمان شہسوار کی تلوار رومی سوار کے سپرد میں آ کر گئی۔ وہ اُس پہلو کی طرف لڑھک گیا۔

اُسے گمراہ کچھ کر ایک رومی سوار ابن احدی کے مقابلے میں آیا۔ وہ آہٹا نظر آیا اور تماشائیوں نے اُسے گھوڑے سے گرتے دیکھا۔ ایک اور سوار میدان میں آیا۔

”ک جاؤ۔“ ہر قتل کی گرجہ دار آواز سنائی دی۔ ”ادھر آ شہسوار!“

ابن احدی نے گھوڑا ہر قتل کے سامنے چار دکان پر قتل اونچی جگہ بیٹھا ہوا تھا۔

”کیا تجھے بتانا نہیں گیا تھا کہ یہ مقابلے ہیں لڑائی نہیں۔“ ہر قتل نے کہا۔ ”تم ان دونوں کو زخمی کر سکتے تھے جان سے نہیں مارنا تھا۔۔۔ پھر بھی ہم تمہاری قدر کرتے ہیں۔ کہاں سے آیا ہے تو؟“

”مست پوچھ شہنشاہ، کہاں سے آیا ہوں۔“ ابن احدی نے کہا۔ ”یہ میرے دشمن نہیں تھے۔ لیکن میرے ہاتھ میں جب تلوار ہوتی ہے اور جب کوئی مجھے مقابلے کے لیے لٹکارتا ہے تو مجھے تعین ہو جاتا ہے کہ یہ شخص مسلمان ہے۔ میں جب اُسے قتل کر چکا ہوں تو مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے

کہ یہ مسلمان نہیں تھا۔ میرا دماغ میرے قابو میں نہیں رہتا۔۔۔ میں عیسائی عرب ہوں شہنشاہ بہت غور سے آیا ہوں!

”کیا تیرے دل میں مسلمانوں کی اتنی دشمنی ہے کہ تُو امدھا ہو جاتا ہے؟“ ہرقل نے پوچھا۔
 ”اس سے بھی زیادہ، جتنی شہنشاہ سمجھے ہیں۔“ ابن احدی نے کہا۔ ”کیا شہنشاہ مجھے آگے نہیں بھیج گئے؟ میں مسلمانوں سے لڑنے آیا ہوں!“
 ”ہم تجھے آگے بھیجیں گے۔“ ہرقل نے کہا۔ ”تُو نے دوشیر دل کو مارا ہے اور تُو معمولی سے خاندان کا فرد نہیں لگتا۔“

۵

”امین الامرت!“ ابن احدی نے ابو عبیدہ اور خالد سے کہا۔ ”میرا خیال تھا کہ وہ مجھے سپاہی کی حیثیت میں فوج میں رکھ لیں گے لیکن انہوں نے مجھے ایک سرسپاہیوں کا کماندار بنادیا۔ اس طرح سیری رسانی سالاروں تک ہو گئی میرے دوسرے ساتھی بھی کسی نہ کسی ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے انہیں جتنی خیریں مل سکتی ہیں۔ ہم سب عیسائی عرب بنے رہے اور آپس میں ملتے رہے۔ کچھ بائیں مجھے انہوں نے بتائی ہیں، باقی حالات میں نے خود دیکھے ہیں۔۔۔“
 ”حمص پر اپنے دوستوں کے قبضے کی اطلاع الطاکبکہ پہنچی تو میرے ساتھی مجھے ملے یہیں معلوم تھا کہ تم حمص میں زیادہ دن نہیں روکو گے اور الطاکبکہ کی طرف پیش قدمی کرو گے۔ ہم تمہیں حمص میں ہی روکنا چاہتے تھے۔ تمہیں آگے کے خطر سے خبردار کرنا ضروری تھا۔ الطاکبکہ کے ارد گرد کے علاقے میں اپنے لشکر کی تباہی کے سوا کچھ نہ تھا۔“

ابن احدی نے آگے کے جو حالات بتائے وہ اس طرح تھے کہ ہرقل نے بہت بڑی فوج تیار کرنے کی ہم ایسے طریقے سے چلائی تھی کہ عیسائیوں کے تمام قبیلے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے اپنے گھوڑوں، اونٹوں اور تھیلوں کے ساتھ الطاکبکہ میں جمع ہو گئے تھے۔ تورخ لکھتے ہیں کہ ان قبیلوں کے علاوہ یورپی ملکوں کے لوگ بھی آگئے تھے۔ روم، یونان اور آرمینیا کے رہنے والے بھی بہت بڑی تعداد میں آئے تھے۔ ان سب کو اس فوج کے ساتھ بلا کر جو پیدے موجود تھے، ہرقل کی فوج کی تعداد ڈیڑھ لاکھ ہو گئی تھی۔ اس اتنے بڑے لشکر کو تیس تیس ہزار کے پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ہر حصے کا جو سالار مقرر کیا گیا تھا وہ تجربہ کار اور منتخب تھا۔ ان پانچ سالاروں میں ایک کا نام مالان تھا جو آرمینیا کا بادشاہ اور اپنے وقتوں کا ناماں جو مابریسپہ سالار تھا۔ دوسرا عثمان کا حکمران جبیل بن الایم تھا جو اپنی فوج ساتھ لایا تھا اور اسی کا وہ سالار تھا۔ تیسرا روس کا ایک شہزادہ فطاطی تھا۔ چوتھے کا نام کریمجری اور پانچویں کا دیوجان تھا۔ یہ سب عیسائی تھے اور انہوں نے اسے صلیب اور ہلال کی جنگ بنا یا تھا۔ ڈیڑھ لاکھ کے اس لشکر کا سالار اعلیٰ مالان تھا۔

ہرقل نے اس لشکر کو اپنے بہتر و تجربہ کاروں سے مسلح کر دیا اور جب یہ تیار ہو کر پانچ حصوں میں تقسیم ہو گیا تو ہرقل نے اتنے بڑے لشکر کو اکٹھا کیا۔
 ”صلیب کے پاس نوازا۔“ ہرقل نے اپنے بلند جگہ کھڑے ہو کر گلا بچا لڑ کر کہا۔ ”تم جس جنگ کے

لیے اکٹھے ہوئے ہو یہ کسی ملک کو فتح کرنے کے لیے نہیں لڑی جائے گی۔ یہ تمہارے مذہب اور تمہاری عزت کی جنگ ہے۔ ایک نیا مذہب ہمارے مذہب کے خلاف اٹھا ہے۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ اس مذہب کو جو دراصل کوئی مذہب نہیں ختم کر دیں مسلمانوں کی فوج چالیس ہزار سے زیادہ نہیں۔ تم ان کی ہڈیاں بھی پیس ڈالو گے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہماری فوج میں مسلمانوں کی دہشت پھیل گئی ہے۔ یہ سب سنی ساتھی ہیں مسلمانوں نے جہاں بھی ہماری فوج پر حملہ کیا ہے چروں کی طرح کیا ہے اور وہاں ہماری نفری تھوڑی تھی۔۔۔ وہ کوئی جن بھوت نہیں۔ تمہاری طرح انسان ہیں۔ وہ لٹیروں کے ہیں جو تمہارے گھر میں گھس آتے ہیں لیکن وہ تمہارا صرف مال و اموال نہیں لوٹتے، وہ تمہارا مذہب اور تمہاری عزت لوٹتے آتے ہیں۔“

تورخ وادقی، بلاذری اور ہنری سستہ لکھتے ہیں کہ ہرقل نے پہلے ہی ان لوگوں کو ٹھیکہ کر کر اپنے لشکر میں شامل کیا تھا۔ اب انہیں اور زیادہ ٹھیکہ کر دیا۔ ابن احدی نے ابو عبیدہ اور خالد کو بتایا کہ ہرقل سالار اجتماع سالاروں، نائب سالاروں اور کمانداروں کا کیا۔ پہلے انہیں بھی ٹھیکہ کیا پھر انہیں احکام دیتے اور ہدایات دیں۔ ان کے مطابق ہر سالار کی پیشقدمی اور اس کے ہدف کا تعین کیا گیا تھا۔ یہ ایک دہشت ناک منصوبہ تھا جو اتنے بڑے لشکر سے آسانی سے کا سیاب ہو سکتا تھا۔ ہرقل حمص تھا اور دوسرا دمشق۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کی تمام تر فوج کو جس کی نفری تقریباً چالیس ہزار تھی گھیرے میں لے کر ختم کرنا تھا۔ ہرقل نے گھیراؤ لے کر بڑا اچھا منصوبہ تیار کیا تھا۔ اس کے سالار فطاطی کو اپنے تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ الطاکبکہ سے سمندر کے ساتھ ساتھ میرت تک پہنچا اور وہاں سے دشمن کی طرف بڑھ جانا تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ مسلمان آگے سے سپاہ کو کر دمشق کی طرف آئیں تو فطاطی کا لشکر ان پر حملہ کر دے۔ جبیل بن الایم نے حمص کی طرف جا کر مسلمانوں کی پیشقدمی کو روکنا اور انہیں ختم کرنا تھا۔ تورخوں نے لکھا ہے کہ حمص پر حملہ کرنے والے لشکر میں صرف عرب عیسائی تھے جن کی تعداد تیس ہزار تھی۔ ہرقل نے کہا تھا کہ وہ عربوں کے خلاف عربوں کو لڑانا چاہتا ہے۔

”تو بے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے۔“ یہ ہرقل کے تاریخی الفاظ ہیں۔

حمص کے علاقے میں ہرقل کے ایک اور سالار دیرجان نے بھی جانا تھا۔ اس نے جبیل سے الٹی سمت سے پیش قدمی کر دی تھی تاکہ مسلمان کسی طرف سے بھی نہ نکل سکیں۔
 سالار کریمجری کو ایک اور سمت سے حمص کے علاقے میں پہنچا اور مسلمانوں پر حملہ کرنا تھا۔ اس طرح صرف حمص اور گرد و نواح کے علاقے میں مسلمانوں پر حملہ کرنے والی رومی فوج کی تعداد نوے ہزار تھی۔ مالان جو سالار اعلیٰ تھا، اسے اپنا تیس ہزار کا لشکر کیں قریب رکھنا تھا تاکہ جہاں کہیں اس کی ضرورت پڑے وہ پہنچے۔

۶

”تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو ابن احدی!“ ابو عبیدہ نے ہرقل کا تمام تر منصوبہ سن کر کہا۔ ”مائی فسم! تُو نے اپنا گھر جنت میں بنالیا ہے۔ اگر تُو یہ خبریں لے کر نہ آتا تو خود سوچ کہ، امارا انجام کیا ہوتا۔ ابو سلیمان! ابو عبیدہ نے خالد سے کہا۔ ”کیا تُو نے حمص میں کیا کہ ہم اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں

خالد جو میدان جنگ میں دشمن کے احصاب پر چھا جایا کرتے تھے چپ چاپ ابو عبیدہ کو دیکھ رہے تھے۔

”کیا ہمیں پیچھے نہیں ہٹ جانا چاہیئے؟“ ابو عبیدہ نے پوچھا۔
 ”امین الامت!“ خالد نے آہ بھر کر کہا۔ ”پیچھے ہٹنا ایک ضرورت ہے لیکن پیچھے ہٹنا میری فطرت نہیں۔“

”خدا کی قسم! ابھی تو سوچ سکتا ہے وہ شاید میں نہ سوچ سکوں۔“ ابو عبیدہ نے کہا۔ ”اس وقت اپنی ذات کو نہ دیکھ۔ اپنے ساتھیوں کو اور ان کے انجام کو دیکھ اور بتاؤ تم کیا کریں؟“

”ہاں ابن عبد اللہ! خالد نے ابو عبیدہ کو دوسرے نام سے پکارتے ہوئے کہا۔ ”میں اس حقیقت کو دیکھ کر بات کر دوں گا جو ہمارے سامنے ہے اور یہ طوفان جو آ رہا ہے، اسے روکنا ہمارے بس کی بات نہیں لیکن ہمیں اس ان کو بھی منہ دکھانا ہے جس کے نام پر ہم یہاں تک اپنا اور اپنے دشمن کا خون بہاتے پیچھے ہیں۔ ہماری جانیں اسی کی امانت ہیں۔۔۔۔۔ پہلا کام یہ کر کہ اپنے تمام سالاروں کو جہاں جہاں وہ ہیں، دستوں سمیت ایک جگہ اکٹھا کر لے۔“

”اور ان کچھوں کا کیا بنے گا جو ہمارے قبضے میں ہیں؟“ ابو عبیدہ نے پوچھا۔
 ”امین الامت!“ خالد نے کہا۔ ”تو یقیناً دشمن کے ارادے کو سمجھتا ہے۔ وہ فیصلہ کن جنگ لڑنے آ رہا ہے اور ہر طرف سے آ رہا ہے۔۔۔۔۔ آگے سے، پیچھے سے، دائیں اور بائیں سے۔۔۔۔۔ اور تو نے ابن احدی سے سن لیا ہے کہ ہر قتل نے ہماری پسپائی کے راستے روکنے کا بھی انتظام کر دیا ہے۔۔۔۔۔ ابن عبد اللہ! قصیر روم ہمارے دستوں کو وہیں گھیرے میں لے لیا چاہتا ہے جہاں جہاں وہ ہیں۔ یہ تو اللہ کا احسانِ عظیم ہے کہ ہمیں دشمن کے منصوبے کا پہلے ہی علم ہو گیا ہے۔“

”کیا اس سے بیظا ہر نہیں ہوتا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو ہماری شکست منظور نہیں؟“ ابو عبیدہ نے کہا۔
 ”اللہ ہمارے ساتھ ہے امین الامت!“ خالد نے کہا۔ ”لیکن اللہ ان کی مدد نہیں کیا کرتا جو اپنے آپ کو دشمن اور حالات کے رحم و کرم پر بھینک دیتے ہیں۔۔۔۔۔ ہر قتل ہمیں بکھرا ہوا رکھنا چاہتا ہے۔ ہم سالاروں کو دو پیغام بھیجیں۔ چھوٹی پڑیں گی جو ہمارے قبضے میں ہیں۔ اگر اللہ نے ہمیں فتح عطا کی تو یہ سب جگہیں ہماری ہوں گی۔“

”یہیں کہاں اکٹھے ہونا چاہیئے؟“ ابو عبیدہ نے پوچھا۔
 ”جہاں صحرا ہمارے عقب میں ہو۔“ خالد نے جواب دیا۔ ”جتنی آسانی اور تیزی سے ہم صحرا میں حرکت کر سکتے ہیں اتنی تیزی سے ان علاقوں میں نہیں کر سکتے جہاں ہم اس وقت موجود ہیں۔ صحرا میں ہمارے دشمن نہیں لڑ سکتے۔ ہم صحرا کو اپنے قریب کھینچ لیں گے تو ہمیں پیچھے ہٹنے میں سہولت ہوگی اور جب دشمن ہمارے پیچھے آئے گا تو وہ اپنے علاقے کی سہولتوں سے محروم ہو جائے گا۔“

”تیرے سامنے ایسی کون سی جگہ ہے؟“
 ”جاسیر!“ خالد نے جواب دیا۔ ”وہاں سے تین راستے نکلتے ہیں اور قریب ہی صحرا شروع ہو جاتا ہے۔ دریا تے یہ سب کچھ بالکل قریب ہے۔“

مسلمانوں کے پکھرے ہوئے دستوں کے سالار اعلیٰ ابو عبیدہ تھے لیکن وہ خالد کو اپنی نسبت زیادہ قابل، تجربہ کار اور جارج سالار سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے خالد کو اپنا مشیر خاص اور دست راست بنا کر ساتھ رکھا تھا۔ اب ہر قتل نے ایسی صورت حال پیدا کر دی تھی جس میں انہیں خالد کے مشوروں کی شدید ضرورت تھی۔ خالد تو اس سے بھی زیادہ خطرناک اور خوفناک صورت حال میں نہیں گھبراتے تھے۔ انہوں نے جو مشورے دیئے، ابو عبیدہ نے فوری طور پر اسے پر عمل کیا۔ وہاں زیادہ سوچنے کا وقت تھا ہی نہیں۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔
 ہر قتل کا لشکر انطاکیہ سے کوچ کر چکا تھا۔ محض پر مسلمانوں کے قبضے کا تیسرا مہینہ گزر رہا تھا۔

۵

ہر قتل کے لشکر کا وہ حصہ جو جبل بن الایہم کی زیر نگرانی تھا جون ۶۳۶ء میں محض کے قریب پہنچ گیا۔ ہر قتل کے جاسوسوں نے اسے اطلاع دی تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کی فوج کو شہر کے مقام پر لڑاؤ ڈالے دیکھا ہے لیکن جبل کا لشکر وہاں پہنچا تو وہاں لڑاؤ کے آثار تو ملتے تھے لیکن لشکر کا کوئی ایک بھی آدمی وہاں نہیں تھا۔

جبلہ نے کہا کہ وہ محض میں اکٹھے ہو گئے ہیں۔ اس نے اپنا ہراول دستہ محض کو روانہ کر دیا۔ دیکھا کہ شہر کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ دیواروں پر شہر کے لوگ کھڑے تھے، کوئی فوجی نظر نہیں آتا تھا۔
 ”کہاں ہیں مسلمان؟“ ہراول کے سالار نے پوچھا۔

”یہاں کوئی مسلمان نہیں۔“ اسے اوپر سے جواب ملا۔
 ”کیا تم اپنے مذہب کے دشمن کے ساتھ مل گئے ہو؟“ رومی ہراول کے سالار نے کہا۔

”کیا دروازے کھلے چھوڑ کر ہمیں دھوکہ دینا چاہتے ہو؟“
 ”الغدر اگر دیکھ لو۔“ اوپر سے شہریوں نے اسے بتایا۔
 ”اگر تم بھی اس دھوکے میں شریک ہو تو اپنی سزا سوچ لو۔“ ہراول کے سالار نے کہا۔

اس نے اپنے دستے کو شہر سے باہر رہنے دیا اور اپنے سالار جبلہ کی طرف قاصد دوڑا دیا کہ یہ دھوکہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں کوئی فوج نہیں۔ جبلہ کو پیغام ملا تو وہ داہی تباہی سمجھنے لگا۔

”یہ دھوکہ ہے۔“ جبلہ غصے سے چلا۔ ”مسلمانوں نے ہماری فوج کو جہاں بھی شکست دی ہے دھوکے سے دی ہے۔ وہ شہر میں موجود ہیں اور انہوں نے ہمیں بھانسنے کے لیے شہر کے دروازے کھلے چھوڑ رکھے ہیں۔“
 ”جبلہ نے اپنے تیس ہزار کے لشکر کو پیش قدمی کا حکم اس ہدایت کے ساتھ دیا کہ محض کے دروازوں میں سیلاب کی طرح داخل ہوں اور شہر میں پکھر میں نہیں۔ مسلمان لوگوں کے گھروں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ اسے خطرہ یہ نظر آ رہا تھا کہ اس کا لشکر شہر میں پکھر گیا تو مسلمان اس کے سپاہیوں کو چن چن کر ماریں گے۔“

وہ سیلاب کی ہی مانند شہر میں داخل ہوئے اور مسلمانوں کو لٹکارے لگے کہ وہ باہر آئیں لیکن کوئی بھی مسلمان باہر نہ آیا۔ جبلہ نے غصہ مول لے کر ہر گھر کی تلاشی کا حکم دیا۔ سپاہی لوگوں کے گھروں پر لڑ پڑے۔ تلاشی کے بہانے انہوں نے گھروں میں لوٹ مار کی اور عورتوں پر دست درازی کی۔ شہری بیچھنے چلا گئے۔ باہر آ گئے۔

ایک مورخ ابویوسف نے لکھا ہے کہ حص کے شہری جو پہلے ہی مسلمانوں کے سلوک، انتظام اور عدل و انصاف سے متاثر تھے، جزیرے کی واپسی سے اور زیادہ متاثر ہوئے۔ حدیث کہ حص میں جو یہودی مقیم تھے، ان کے نمائندے نے ابویسیدہ سے کہا کہ حص میں اب یہی حکمران داخل ہو سکے گا جو فوج طاقت کے بل بوتے پر آئے گا ورنہ وہ کسی اور کو اپنے اور حاکم تسلیم نہیں کریں گے۔ ایک یہودی کے منہ سے مسلمانوں کی حمایت کے الفاظ اس وجہ سے حیران کن ہیں کہ یہودی مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے۔

۵۱

رومی فوج کا سالار قناطیر ہر قتل کے منصوبے کے مطابق دمشق پر حملہ کرنے گیا تو وہاں اُسے اسلامی فوج کا کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ مسلمان دمشق سے نکل کر جابہ چلے گئے تھے۔ ابویسیدہ نے اُن تمام سالاروں کو جو مشرقی جگہوں کے حاکم مقرر ہوئے تھے، حکم بھیجا تھا کہ وہاں سے کوچ سے پہلے لوگوں کو جزیرے کی رقم واپس کر دی جائے کیونکہ ہم اُن کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ دمشق کے شہریوں کو بھی جزیرہ واپس کر دیا گیا تھا۔ اس طرح مسلمان اپنے پیچھے بڑا اچھا تاثر چھوڑ کر آئے لیکن وہ اس علاقے سے نکلے نہیں تمام دسے دریائے یرموک سے سات اٹھ میل دور جابہ کے مقام پر اکٹھے ہو گئے۔ ان میں شہر حیل بن حسنہ، حمزہ بن العاص، یزید بن ابی سفیان، ضرار بن الازور جیسے نامی گرامی سالار قابل ذکر ہیں۔ سالار اعلیٰ ابویسیدہ نے سب کو مشاورت کے لیے بلایا۔

”تم سب پر اللہ کی سلامتی ہو۔“ ابویسیدہ نے کہا۔ ”کیا میرے چہرے پر وہی پریشانی نہیں ہے جو تم ایک دوسرے کے چہرے پر دیکھ رہے ہو؟ لیکن یہ پریشانی ہے یا کسی نہیں۔ واپس نہ ہونا اس اللہ کی ذات باری سے جس کے رسول کی اطاعت اور پیروی میں ہم اتنی مدت سے گھر دلوں سے نکلے ہوئے ہیں ہم پر پناہیں ہوئے، پیچھے ہٹے ہیں اور پیچھے اس لیے ہٹے ہیں کہ اکٹھے ہو کر اس دشمن کے مقابلے میں کمرے ہو سکیں جو ہمارے دین کا دشمن ہے۔ کیا تم نے سن لیا ہے کہ ہر قتل کی فوج کی تعداد دو لاکھ کے قریب ہے؟“

”ہاں امین الامت!“ سالاروں کی آوازیں سنائی دیں۔ ”سن لیا ہے۔“

”اور ہم کتنے ہیں؟“ ابویسیدہ نے کہا۔ ”چالیس ہزار۔“ لیکن تم ہر میدان میں قلیل تعداد میں تھے اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا کہ ایمان دالے میں ہوتے تو دوسو کفار پر غالب آتیں گے۔ پھر بھی میں تمہیں امتحان میں نہیں ڈالوں گا۔ حکم نہیں دوں گا۔ مجھے مشورہ دو۔“

”کیا ایسا ٹھیک نہیں ہوگا کہ ہم واپس چلے جائیں؟“ ایک سالار نے کہا۔ ”ہر قتل ہمیشہ اتنی زیادہ فوج نہیں رکھے گا جو مل بھی اطلاع ملے کہ ہر قتل نے فوج کی تعداد کم کر دی ہے ہم پھر آجائیں۔ ہم پہلے سے زیادہ تیار ہو کر آئیں گے۔“

”اس کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ ہمارے مجاہدین نے اتنا خون بہا کر اور قربانیاں دے کر جو علاقے فتح کیے ہیں وہ رومیوں کو واپس کر دیں۔“ ابویسیدہ نے کہا۔ ”اگر ہم نے ایسا کیا تو ہمارے سارے لشکر کا حوصلہ ٹوٹ جائے گا اور دشمن کا حوصلہ مضبوط ہو جائے گا۔ رومی فوج پر ہم نے جو حاکم بٹھائی ہے وہ ختم ہو جائے گی۔“

”تم سے وہ اچھے تھے جو چلے گئے ہیں۔“

”تم نے اپنے مذہب کا بھی احترام نہیں کیا۔“

”ہمارے مذہب کا احترام مسلمانوں نے کیا تھا۔“

”وہ ہم سے لیا جزا جزیرہ واپس کر گئے ہیں۔“

”وہی اچھے تھے۔۔۔۔۔ وہی اچھے تھے۔“

”مسلمان تمہاری طرح لٹیروں سے نہیں تھے۔“

جبلہ بن الہیثم شہر کے مردوں اور عورتوں کی چیخ و پکار اور آہ و بکا سنتا رہا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان چلے گئے ہیں۔ اُس نے جب اپنے ہم مذہب لوگوں کی زبان سے یہ الفاظ سنے کہ مسلمان اچھے تھے اور وہ تمہاری طرح لٹیروں سے نہیں تھے اور یہ کہ انہوں نے جزیرہ واپس کر دیا تھا تو اُس نے اپنے لشکر کو اکٹھا کیا۔

”شکست تمہارے مقتدر میں کچھ دی گئی ہے۔“ جبلہ نے اپنے لشکر سے کہا۔ ”آج پہلی بار مجھے پتہ چلا ہے کہ مسلمانوں کی فتح کا باعث کیا ہے اور کیوں ہر قصبے اور ہر شہر کے لوگ اُن کا استقبال کرتے ہیں۔ یہ اہل صلیب کا شہر ہے۔ مسلمانوں نے ان کی عزت اور آبرو پر ہاتھ نہیں ڈالا۔ تم بھی اہل صلیب ہو مگر تم نے ان کی آبرو بامال کر دی ہے اور ان کے گھروں سے قیمتی سامان اٹھا لے ہو۔ تم لوٹنے نہیں آتے، لوٹ مار کرنے آتے ہو اور کہتے پھر تے ہو کہ مسلمان ہیں کوئی غیبی طاقت ہے تم سے تم نے لوٹے بغیر یہ شہر لے لیا ہے۔ اگر تمہارا ایمان ہوتا تو انہیں نہ لوٹ مار کی ہوش رمتی رقم کسی عورت کی طرف دیکھتے۔۔۔۔۔ جو سامان تم نے لوگوں کے گھروں سے اٹھایا ہے وہ یہاں رکھ دو۔“

جزیرے کی واپسی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ بلا ذری، البسید، ابن ہشام اور طبری نے لکھا ہے کہ خالد کے مشورے پر جب سالار اعلیٰ ابویسیدہ نے مفتوحہ قصبے اور شہر حمزہ و جابہ کے مقام پر تمام دستوں کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا تو انہوں نے حص کے چند ایک سرکردہ افراد کو بلایا اور انہیں بتایا کہ وہ حص سے جا رہے ہیں۔ پہلے تو ان افراد کو یقین نہ آیا جب یقین آیا تو انہوں نے افسوس کا اظہار کیا۔

”ہم نے پہلی بار عدل و انصاف دیکھا تھا۔“ ایک شہری نے کہا۔ ”ہم نے ظلم و جبر اور اے انسانی کاراج دیکھا تھا۔ آپ ہیں عدل و انصاف اور عزت و آبرو سے محروم کر کے پھر ہمیں ظالموں کے حوالے کر کے جا رہے ہیں۔“

”اللہ نے چاہا تو ہم پھر آجائیں گے۔“ ابویسیدہ نے کہا۔ ”میں نے تمہیں وہ جزیرہ واپس دینے کے لیے بلایا ہے جو تم نے تم سے وصول کیا تھا۔“

”نہیں۔“ شہریوں کے نمائندوں نے متفقہ طور پر احتجاج کیا۔ ”ہم اپنا جزیرہ واپس نہیں لیں گے۔“

”یہ جزیرہ ہم پر عزم ہو گیا ہے۔“ ابویسیدہ نے کہا۔ ”ہم نے تم سے اس معاہدے پر جزیرہ لیا تھا کہ تم ہماری حفاظت کے دوسرے وار ہوں گے لیکن تمہیں ان لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر جا رہے ہیں جنہیں تم ظالم اور جابر سمجھتے ہو۔ ہم تمہاری حفاظت اور سلامتی کا معاہدہ پورا نہیں کر سکتے۔ تم اپنا جزیرہ واپس لے جاؤ اور یہ تمام شہریوں کو واپس کر دینا۔“

”ہم فیصلہ کن جنگ لڑیں گے۔“ ایک اور سالار نے کہا۔ ”فتح اور شکست اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“ اس مشورے پر زیادہ تر سالاروں نے لٹیک کہا۔
 ”لوے بغیر واپس گئے تو مدینہ والوں کو کیا منہ دکھائیں گے؟“
 ”پھر پسا پانی بھی ہماری روایت بن جائے گی۔“
 ”اپنے بچوں کو یہ سبق ملے گا کہ دشمن قوی ہو تو بجا بھی جاسکتا ہے۔“
 ابو عبیدہ نے خالد کی طرف دیکھا جو بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ انہوں نے نہ کسی کی بات میں کچھ کہا نہ مخالفت میں۔

”کیوں ابوسلمانی!“ ابو عبیدہ نے خالد سے کہا۔ ”کیا تو کوئی مشورہ نہیں دے گا؟ تیری جرات اور قابلیت کی ضرورت تو اب ہے۔ کیا سوچ رہا ہے تو؟“
 ”ابن عبد اللہ! خالد نے کہا۔ ”جس کسی نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ اپنے خیال کے مطابق ٹھیک۔“
 ”کہا ہے لیکن میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ سب سے بل کر جو فیصلہ کیا، میں اس کا پابند رہوں گا اور تیرا ہر حکم مانوں گا۔“

”تو جو کچھ کہنا چاہتا ہے کہہ دے ابوسلمانی!“ ابو عبیدہ نے کہا۔ ”مجھے تیری رائے کی ضرورت ہے۔“
 ”پہلی بات یہ ہے امین الامت!“ خالد نے کہا۔ ”ہم بڑی خطرناک جگہ اکٹریٹے گئے ہیں۔ یہاں سے تھوڑی ہی دور قیادیر میں روٹیوں کی فوج موجود ہے۔ اس کی نفری چالیس ہزار ہے اور اس کا سالار ہرقل کا ایک بیٹا قسطنطین ہے۔ ہماری تعداد اتنی ہی ہے جتنی ایک نئے قسطنطین کی ہے۔ ہم ایسی جگہ پر ہیں کہ وہ ہم پر حریف آسانی سے حملہ کر سکتا ہے۔ ایسا حملہ وہ اس وقت کرے گا جب سامنے سے ہم پر ہرقل کی فوج حملہ کرے گی۔ ہمیں بروک کے مقام پر چلے جانا چاہیے۔ وہ زمین گھوڑوں اور دستوں کے لڑنے کے لیے بہت اچھی ہے اور ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مدینہ سے گھاگ اور رسد کا راستہ کھلا رہے گا۔“

ابو عبیدہ نے دوسرے سالاروں کی طرف دیکھا۔ سب نے کہا کہ اس سے بہتر اور کوئی تجویز نہیں ہو سکتی۔ ابو عبیدہ نے اسی وقت جابیر سے بروک کی طرف فوج کا حکم دے دیا اور خالد کو فوج کے عقبی کارڈ کے طور پر پیچھے رہنے دیا۔ خالد کو ان چار ہزار سالاروں کے دستے کی کمان دی گئی جو خالد نے تیار کیا تھا۔ یہ سب منتخب شہسوار تھے۔ یہ دستہ جم کر نہیں گھوم پھیر کر لڑتا تھا۔ ہر خالد کی اپنی جاسوسی تھی کہ انہوں نے معلوم کر لیا تھا کہ قیادیر میں ہرقل کی فوج ہے اس کی نفری چالیس ہزار اور اس کا سالار ہرقل کا بیٹا قسطنطین ہے۔

۵۱

معروف مورخ گین لکھتا ہے کہ جنگی اصولوں اور امور کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کو رومی فوج کے مقابلے میں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ صرف چالیس ہزار نفری سے اس فوج کے خلاف لڑنا جس کی نفری ڈیڑھ اور دو لاکھ کے درمیان تھی ممکن نہ تھا۔ روم کا شہنشاہ صحیح معنوں میں سپاہیوں اور گھوڑوں کا ایسا سیلاب لے آیا تھا جس کے آگے کوئی بھی فوج نہیں ٹھہر سکتی تھی لیکن مسلمان اس سیلاب کے آگے بند باندھنے اور اسے پھیل کر ختم کر دینے کا نتیجہ کر چکے تھے۔ ان کے پاس صرف جذبہ تھا۔

مسلمانوں کے جذبے کی شدت اور عدم کی جنگی کی ایک وجہ بھی تھی کہ خالد ان میں موجود تھے اور خالد

سراپا عدم اور محترمہ جذبہ تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ایمان کے آگے ہطل کی کوئی طاقت ٹھہر نہیں سکتی۔ خالد نے ایک مثال دیں قائم کردی۔ وہ اس طرح کہ مسلمانوں کی فوج جابیر سے کوئٹہ کو گئی تو خالد ابو عبیدہ کے حکم کے مطابق ابھی جابیر میں تھے۔

اُدھر ہرقل کے لشکر نے اتنی تیزی سے نقل و حرکت کی تھی کہ اس کے سالاروں کو کچھ علاقوں میں پہنچنے کا حکم ملا تھا، وہ اپنے دستوں کے ساتھ ان علاقوں میں پہنچ گئے تھے۔ شام اور فلسطین میں ہرقل کی فوج چھا گئی تھی۔

خالد جابیر سے روانہ ہونے لگے تو اچانک رومی فوج کا ایک دستہ داتیں پہلو سے آنا نظر آیا۔ یہ رومی فوج کے کسی حصے کا ہر اول تھا اور اس سوار دستے کی تعداد خالد کے دستے سے زیادہ تھی۔ رومی دستے کو اپنی بے پناہ فوج کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اس نے خالد کے دستے پر حملہ کر دیا۔ خالد نے اپنے اس سوار دستے کو خود ترسیت دی تھی۔ انہوں نے ان سواروں کو بھاگ دوڑ کر لڑنے کی ترتیب میں رکھ دیا۔

رومی دستے کے سوار اسی علاقے کے عیسائی تھے۔ وہ جنگ کی ترتیب میں حملہ پر عملہ کرتے تھے مگر خالد کے سواروں کا انداز کچھ اور تھا۔ عیسائیوں کا ہر لہ اس طرح ضائع جاتا تھا جس طرح حریت کو مارا جوا گھونسہ حریت کو لگنے کی بجائے ہوا میں لگے۔ ذرا ہی دیر بعد عیسائی سوار میدان میں بے ترتیب پھرے پھرتے تھے اور مسلمان سوار انہیں کاٹ رہے تھے۔

خالد نے اپنا مخصوص نعرہ۔ ”یہ خالد ابن ولید ہوں۔“ لگایا تو معرکے کی صورت ہی بدل گئی خالد کا لہرہ پہلے ہی رومی فوج میں مشہور تھا اور اس نعرے کے ساتھ ایک دہشت والبت تھی۔ عیسائی سواروں کی تنظیم پہلے ہی بگڑ گئی تھی اور مسلمان سوار ان پر غالب آ گئے تھے۔ خالد کے نعرے نے وہی سہی کس قدر نفی کر دی اور عیسائی سوار افراتفری کے عالم میں بھاگ گئے تھے۔

خالد نے معرکہ ختم ہوتے ہی اپنے لشکر کی طرف روانہ نہ ہوئے بلکہ دو تین دن وہیں موجود رہے۔ انہیں تو جتنی بھی کہ رومی فوج کا یہ حصہ اپنے ہر اول کا انتقام لینے آگے آئے گا۔ خالد رومیوں کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ مسلمان کہیں بھاگ نہیں گئے، ہمیں ہیں اور زندہ ویدار لڑنے کے لیے تیار ہیں۔ رومی آگے نہ آتے اور خالد اپنے لشکر سے جا ملے۔

گین نے لکھا ہے کہ رومی اسی ایک جھڑپ ہی محتاط ہو گئے تھے۔

۵۲

خالد ابو عبیدہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے اس میدان کا جائزہ لیا۔ لڑائی کے لیے یہ ہر لحاظ سے موزوں نظر آیا۔ اس طرح مسلمانوں کو اپنی پسند کے میدان کا فائدہ حاصل ہو گیا۔ رومی ایک تو اسے بہت بڑی کامیابی سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے مسلمانوں سے مفتوحہ علاقے لیے تھے اور وہ اس لیے بھی خوش تھے کہ انہوں نے اس دور کی سب سے بڑی فوج بنالی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔

ابو عبیدہ نے خالد کے مشورے کے مطابق اپنے دستوں کو لڑائی کی ترتیب میں کر دیا اور اسی ترتیب میں ڈیرے ڈال دیے۔ وہ خمیر زن ہونے کی بجائے تیاری کی حالت میں رہے۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں کو محفوظ رکھنے کے لیے پہاڑیوں سے فائدہ اٹھایا۔ مسلمانوں کے محاذ کی لمبائی کم و بیش گیارہ میل تھی اور گہرائی کچھ بھی نہیں تھی۔

رومی اپنے بڑے لشکر کے باوجود محتاط ہو کر بڑھ رہے تھے حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ مسلمانوں کی تعداد چالیس ہزار ہے جو کم ہو سکتی ہے زیادہ نہیں ہو سکتی اور انہیں اتنی جلدی لگ سکتی نہیں مل سکتی۔ رومی لشکر چند دنوں بعد آگے آئیں اس نے حملہ نہ کیا۔ وہ چند میل دور رک گئے اور اپنے دستوں کو جنگ کی ترتیب میں پھیلا دی۔ تورخ لکھتے ہیں کہ رومی فوج کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ صبح سمون میں انسانوں اور گھوڑوں کا سندر لگتی تھی۔ اس فوج کے محاذ کی لمبائی اٹھارہ میل تھی اور گہرائی بھی خاصی زیادہ تھی۔ صفوں کے پیچھے صفیں تھیں۔

رومی لشکر کے سالار اعلیٰ مان نے آگے آ کر مسلمانوں کی فوج کا جائزہ لیا۔ اُسے اپنی جنگی طاقت پر اتنا ناخوش تھا کہ وہ مسلمانوں کی صفوں کے قریب آگیا۔ اُس کے چہرے پر عورت اور ہونٹوں پر طنز میرے گھڑا ہوتی مسلمان اُسے خاموشی سے دیکھتے رہے اور وہ مسلمانوں کو خدات سے دیکھتا آگے بڑھتا گیا۔ اُس کے پیچھے پیچھے بارہ محافظ گھوڑوں پر بڑی شان سے جا رہے تھے۔

۱۵

مان زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اُس کے لشکر کی طرف سے ایک سوار گھوڑا سرپٹ دوڑا آیا۔ مان رک گیا گھوڑا سوار اُس کے قریب آکا اور رومی انداز سے سلام کر کے اُس کے ہاتھ میں کچھ دیا۔ یہ ہرقل کا پیغام تھا جو اُس نے مان کو اُن کا یہ سے بھیجا تھا۔ یہ دراصل بینام نہیں شہنشاہ ہرقل کا فرمان تھا۔ ہرقل نے اُسے لکھا تھا کہ مسلمانوں پر حملہ کرنے سے پہلے انہیں صلح نامے کے لیے راضی کر دینا۔ اگر یہ شرط مان لیں کہ وہ پُر اس طریقے سے واپس چلے جائیں گے اور آئندہ کبھی رومی سلطنت کی سرحد میں داخل نہیں ہوں گے تو انہیں عزت سے اور کچھ رقم دے کر رخصت کرو۔ اپنی طرف سے پوری کوشش کرو کہ وہ صلح پر راضی ہو جائیں۔ اگر وہ تمہاری بات نہ مانیں تو عربی عیسائیوں کو استعمال کرو۔ شاید ان کی بات مان جائیں۔

مان نے یہ پیغام پڑھا تو اُس کے چہرے پر غصے کے آثار آ گئے۔ اُس نے قاصد کو رخصت کر دیا۔ "ان بدوؤں کے آگے گھٹنے ہی ٹیکنے تھے تو اتنا لشکر اکٹھا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" اُس نے غصے سے کہا۔

اُس نے پیچھے دیکھا۔ اُس کا احتجاج سننے والے اُس کے محافظ ہی تھے۔ اُس نے مسلمانوں کے محاذ کی طرف دیکھا اور گھوڑے کا رخ اس طرف کر کے آگے گیا۔ قریب جا کر اُس نے گھوڑا روک لیا اور ایک محافظ کو اپنے پاس بلایا۔

"انہیں کہو کہ اپنے سالار اعلیٰ کو سامنے کریں۔" اُس نے اپنے محافظ سے کہا۔ "اور کہو کہ ہمارے سالار اعلیٰ مان صلح کی بات کرنے آتے ہیں؟"

محافظ نے اُس کے الفاظ بلند آواز سے دہرا کر مسلمانوں کی طرف سے جواب آیا کہ آتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں ہرقل کی آدھی فوج کٹ گئی تھی۔ بے انداز مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا اور مسلمانوں نے سلطنت روم کے بے شمار علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ پھر ہرقل نے انہیں بخش قبول دیا تھا؟ اُس نے ڈیڑھ دو لاکھ فوج اکٹھی کر کے بھی مسلمانوں کے آگے صلح کا ہاتھ بکھیر دیا تھا؟

فری طور پر یہ جواب سامنے آتا ہے کہ اُس کی فوج پر مسلمانوں کی جو ہشت طاری تھی، اس سے وہ غلط محسوس کرتا تھا کہ اُس کی اتنی بڑی فوج بھی شکست کھا جائے گی لیکن اُس وقت کے دفاع نگاروں، مورخوں اور بعد کے تاریخ نویسوں نے مختلف حوالوں سے لکھا ہے کہ ہرقل اوجھا دشمن نہیں تھا۔ وہ جھوٹا اور جنگجو قوم کی قدر کرتا تھا۔ خالد کی قیادت سے وہ متاثر تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ایک جنگجو قوم کی اتنی پر عمر فوج اُس کے لشکر کے ہاتھوں ختم ہو جائے۔ وہ مسلمانوں کو زندہ واپس چلے جانے کا موقع دے رہا تھا۔ توقع تھی کہ مسلمانوں نے جذبہ کے زور پر اُس کے لشکر سے بخوبی تو مسلمانوں کا قتل عام ہو گا۔ ہرقل نے جو کچھ بھی سوچا تھا اس کے متعلق آراء مختلف ہو سکتی ہیں لیکن مسلمانوں کی سوتج مختلف تھی۔ میدان جنگ میں نہ وہ رحم کرتے تھے نہ رحم کے طلب گار ہوتے تھے۔ اپنی نفری کی کمی اور دشمن کی کئی گنا زیادہ طاقت نے انہیں کبھی پریشان نہیں کیا تھا۔

۱۶

رومی سالار مان کی بیکار پراوے عبیدہ آگے گئے۔ اُن کے ساتھ ایک ترجمان تھا۔ "اے سالار!۔ مان نے باعرب لہجے میں پوچھا۔" کیا تو اس دامان سے یہاں سے چلے جانا چاہتا ہے؟

"ہم اس دامان چاہتے ہیں۔" ابو عبیدہ نے کہا۔ "لیکن جانا نہیں چاہتے۔" شہنشاہ ہرقل کے حکم کی تعمیل لازمی ہے۔" مان نے کہا۔ "اسی کے حکم سے میں تیرے پاس آیا ہوں۔"

"لیکن میرے رومی دوست!۔" ابو عبیدہ نے کہا۔ "ہم پر صرف اللہ کے حکم کی تعمیل لازمی ہے۔"

"شہنشاہ ہرقل تمہیں ایک موقع دے رہے ہیں۔ مان نے کہا۔ "اپنی اس نرالی فوج سے میری فوج کے ساتھ ٹکر لینے سے باز آ جاؤ۔ میں اپنے ایک سالار کو صلح کی بات چیت کے لیے بھیج رہا ہوں۔" اور وہ چلا گیا۔

رومی فوج کا جو سالار صلح کی بات چیت کرنے آیا وہ گرگری تھا۔ ابو عبیدہ نے اُس کا استقبال کیا۔ "میں شہنشاہ ہرقل کی طرف سے صلح کی پیش کش لے کر آیا ہوں۔" گرگری نے کہا۔ "اگر تم واپس چلے جاؤ اور کچھ پیچھے ادر نہ آئے گا معاہدہ کرو تو ہمارے شہروں اور قبضوں سے جو مال غنیمت وغیرہ اٹھا یا ہے وہ اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ ہمارا لشکر کچھ لو اور اپنی تعداد دیکھ لو۔"

"اگر یہ ملائی میری ذاتی ہوتی تو میں تمہاری پیش کش قبول کر لیتا۔" ابو عبیدہ نے کہا۔ "میں شہنشاہ نہیں شہنشاہ اللہ جہاں تمہاری کسی کے حکم پر آتے ہیں۔ ہم کوئی پیش کش قبول نہیں کر سکتے۔" گرگری چلا گیا۔ ہرقل نے اپنے فرماں میں لکھا تھا کہ صلح کا ذریعہ استعمال کرو۔ اس حکم کے مطابق مان نے ایک اور سالار جلد بن الایہ کو بھیجا۔

"کیا تمہاری فوج کے تمام سالار باری باری صلح کا پیغام لے کر آئیں گے؟" ابو عبیدہ نے پوچھا۔ "کیا کوئی میرے انکار کو اقرار میں بدل سکتا ہے؟"

"صلح کا پیغام لانے والا میں آخری سالار ہوں۔" جبکہ نے کہا۔ "میں اس لیے آیا ہوں کہ میں بھی

عربی ہوں۔ ہوں تو عیسائی لیکن میرے دل میں اپنے وطن کے لوگوں کی محبت ہے۔ میں تمہیں تباہی سے بچانے آیا ہوں۔ تم واپس چلے جاؤ۔ اگر تمہارا کوئی مطالبہ ہے تو بتا دو۔ میں وہ پورا کر دوں گا۔
 ”ہمارا مطالبہ تم جانتے ہو۔“ ابو عبیدہ نے کہا۔ ”ہم خیرات نہیں چاہیں گے۔“
 ”اے عربی سالار! جبکہ نے حیران ہو کر پوچھا۔ کیا چالیس ہزار کی فوج چار گنا طاقتور لشکر ہے؟
 ابو عبیدہ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف کی اور ان کے ہونٹوں پر مسکایا۔ انہوں نے وہیں کی ہر پیش کش لٹھکادی اور صلح سے انکار کر دیا۔

[۵]

حولائی ۶۳۴ء (جمادی الاولیٰ ۱۱ھ) کا تیسرا ہفتہ شروع ہو چکا تھا۔ جبکہ نے الایہم نے اپنے سالار کو مانا کہ جاکر تباہی کے مسلمان کسی قیمت اور کسی شرط پر صلح کے لیے تیار نہیں۔
 ”ہم شمشادہ ہرقل کے حکم کی تعمیل کر چکے ہیں۔“ مانا نے کہا۔ ”میں نے اپنے ذرائع استعمال کر لیے ہیں۔ جبکہ اب وہ طریقہ اختیار کر دو جو شمشادہ ہرقل کو پسند نہیں تھا۔ ان قیمت اور کم عقل مسلمانوں پر حملہ کر دو اس سے انہیں ہماری طاقت کا اندازہ ہو جائے گا اور ہم یہ دیکھ لیں گے کہ ان میں کتنا دم خم ہے اور ان کے انداز کیا ہیں؟“

رومی لشکر کا پڑاؤ کئی میل دور تھا۔ جبکہ اپنے دستوں کو لے کر مسلمانوں کے سامنے آیا۔ اس کے دستوں کو رومی فوج کے ہتھیار دیئے گئے تھے جو بہتر قسم کے تھے۔ ان دستوں میں عربی عسائی تھے۔ وہ جب آئے تو مسلمان لڑائی کے لیے تیار ہو چکے تھے جبکہ نے آتے ہی حملہ نہ کیا۔ وہ مسلمانوں کے محاذ کو دیکھ کر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

آخر اس نے ہلے ہلے کا حکم دے دیا۔ وہ ابھی مسلمانوں کی اگلی صف تک پہنچا ہی نہ تھا کہ اس کے دستوں کے دونوں پہلوؤں پر حملہ ہو گیا۔ حملہ کرنے والا مسلمان سواروں کا دستہ تھا جس کی گمان خالد نے کر رہے تھے۔ گھوم پھر کر لڑنے والے اس دستے نے اپنا مخصوص انداز اختیار کیا۔ جبکہ کی ترتیب گڑبڑ ہو گئی۔ اس پر سامنے سے بھی حملہ ہوا۔

عیسائی بوکھلا گئے۔ انہیں اپنے پہلوؤں پر حملے کی توقع نہیں تھی۔ مسلمان سواروں نے انہیں بھجھ دیا۔ عیسائی اب بھاگنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ بہت سی لاشیں اور بے انداز زخمی پیچھے چھوڑ کر پناہ ہو گئے۔

مورخ لکھتے ہیں کہ مانا نے مسلمانوں کو لڑتے بھی دیکھا اور جس تیزی سے مسلمان سواروں نے جبکہ کے دستوں پر حملہ کیا تھا، وہ بھی دیکھا اور وہ سمجھ گیا کہ مسلمانوں سے لڑنا بہت مشکل ہے اور اس کے لیے مزید تیاری کی ضرورت ہے۔ مانا نے حملے کے لیے کوئی اور دستہ نہ بھجا۔

مانا کو تو قہ قہ کہ مسلمان جوابی حملہ کریں گے لیکن نفری کی کمی مسلمانوں کی مجبوری تھی۔ وہ جوابی حملہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ اُدھر جبکہ محتاط ہو گیا۔ دن گزرنے لگے۔ دونوں طرف کی فوجوں نے ایک دوسرے پر نظر رکھنے کے لیے اپنے اپنے آدی مقرر کر دیئے۔

یہ دفعہ مسلمانوں کے لیے فائدہ مند رہا۔ انہیں مدینہ سے چھ ہزار افراد کی کمک مل گئی۔ یہ چھ ہزار افراد یمنی تھے اور ستارہ دم۔ ان سے مسلمانوں کے محاذ کو کچھ تقویت مل گئی۔
 مسلمانوں کی فوج کی تفصیل اس طرح تھی کہ اس کی کل تعداد چالیس ہزار تھی۔ ان میں ایک ہزار رسول اللہ کے صحابہ کرام تھے۔ ان ایک ہزار میں ایک سو دو مجاہدین بھی شامل تھے جو بدر کی لڑائی لڑے تھے اس نفری میں رسول کریم کے بھوپتی زاد بھائی زبیر بھی شریک تھے، اور اس نفری میں پہلی جنگوں کی دو مشہور شخصیتیں بھی شامل تھیں۔ ابو سفیان اور ان کی بیوی ہند۔ ہند وہ خاتون تھیں جنہوں نے قبول اسلام سے پہلے غزوہ احد میں عمرہ کی لاش کا کچھہ لٹکوا کر چھوڑا تھا۔ ابو سفیان کے بیٹے یزید پہلے ہی چالیس ہزار کی اس فوج میں شامل تھے اور سالار تھے۔

[۶]

ایک مہینہ گزر گیا تو دشمن نے دیکھا کہ اس کا لشکر لڑنے کے لیے تیار ہو گیا ہے اور مسلمانوں کی نفی میں بھی کوئی اضافہ نہیں ہوا تو اس نے مزید انتظار نہ کیا سب نے سمجھا لیکن اس نے ایک بار پھر صلح کی کوشش کو ضروری سمجھا۔ اس نے اپنا ایک اہلی مسلمانوں کے محاذ کو اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ سالار اعلیٰ بات چیت کے لیے آئیں۔

”ابو سلیمان! ابو عبیدہ نے خالد سے کہا۔ ”کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ اب اس شخص کے ساتھ ٹوٹا کرے؟ وہ ہیں اپنی طاقت سے ڈرا کر صلح کرنا چاہتا ہے۔“

”مجھے ہی جانا چاہیے امین اللہ! خالد نے کہا۔ اس کے ساتھ میں ہی بات کروں گا۔“ خالد گھوڑے پر سوار ہوئے اور اڑ لگا دی۔ مانا نے خالد سے کہا کہ ساتھ چلے آؤ۔ خالد نے اپنے پیچھے سے دیکھا۔ وہ رومیوں کے محاذ تک چلے گئے۔ مانا نے ان کا استقبال کیا اور انہیں اپنے نیچے میں لے گیا۔ نیچے میں محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ میدان جنگ ہے۔ یہ شاد نہ کہہ تھا۔

”میں مانا ہوں۔“ مانا نے اپنا تعارف کرایا۔ ”رومی افواج کا سالار اعلیٰ!“

”میں کچھ بھی نہیں ہوں۔“ خالد نے کہا۔ ”میرا نام خالد بن ولید ہے۔“

”تم سب کچھ ہوا بن ولید! مانا نے کہا۔“ جہاں تک تم نہیں پہنچ سکے وہاں تک تمہارا نام پہنچ گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم جتنے قابل اور جرات مند سالار ہو اس سے دانشمندانہ بھی ہو گے۔ کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری چالیس ہزار فوج میرے اس لشکر کے ہاتھوں ماری جائے جو بڑی دُور و نزدیک پھیلی ہوئی چٹانوں کی مانند ہے؟ دانشمند آدمی چٹانوں سے نہیں ٹکرایا کرتے۔“

”بہت اچھے الفاظ ہیں۔“ خالد نے کہا۔ ”میں ان الفاظ کی قدر کرتا ہوں لیکن ہم وہ دانشمند ہیں جو باطل کی چٹانوں سے ڈرنا نہیں کرتے۔ تم نے مجھے یہاں تک آنے کا موقع اس لیے دیا ہے کہ میں تمہارے لشکر کو دیکھ کر ڈر جاؤں۔“

”ابن ولید! مانا نے کہا۔“ کیا تجھے اپنے سپاہیوں کی بیویوں اور بچوں کا بھی کوئی خیال نہیں جو تمہارے لشکر کے ساتھ ہیں؟ کیا تم نے سوچا نہیں کہ تم سب مارے گئے تو یہ بیویاں اور بچے ہماری ملکیت ہوں گے؟“

”مانا! خالد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہم سب کچھ سوچ چکے ہیں۔ صلح نہیں ہوگی۔“

”ابن ولیدؓ!۔۔۔ ماہان نے کہا۔۔۔ کیا تم یہ بھی نہیں سمجھ رہے کہ میں تم پر رحم کر رہا ہوں....؟ میں تمہیں
تمہارے سارے لشکر کو اور تمہارے خلیفہ کو بھی اتنی رقم پیش کر دوں گا جو تم سب کو حیران کر دے گی“
”رحم کرنے والا صرف اللہ ہے جس کے قبضے میں میری اور تیری جان ہے۔“ خالدؓ نے کہا۔۔۔
”ہم اسی کی عبادت کرتے اور اسی سے مدد اور رحم مانگتے ہیں۔ اگر تو نہیں چاہتا کہ کشت و خون ہو تو اسلام
قبل کر لے جو اللہ کا سچا دین ہے۔“

”نہیں۔“ ماہان نے بڑے عرصے جواب دیا۔

”اگر تجھے، میرے خلیفہ اور میرے لشکر کو انعام دینا ہے تو جزیہ ادا کر دو۔“ خالدؓ نے کہا۔۔۔
”لیکن جزیہ لے کر ہم چلے نہیں جائیں گے بلکہ تجھے اور ہر قتل کی رعایا کی حفاظت، عزت اور ہر ضرورت کے
نومہ دار ہوں گے.... اگر یہ بھی منظور نہیں تو میدان جنگ میں ہماری تلواروں کی ملاقات ہوگی۔“

مورخ وادعی، بلاذری اور ابو یوسف نے لکھا ہے کہ خالدؓ ماہان پر اپنا بڑا اچھا تاثر چھوڑا تے اور
ماہان کا جتنا ثلے کرا تے وہ بھی اچھا تھا۔ اُس نے کوئی اونچی بات نہ کی۔ خالدؓ نے واپس آکر ابو عبیدہؓ کو
ایک توہینہ کیا کہ ماہان کے ساتھ کیا بات ہوئی ہے، دوسرے یہ کہ ماہان کتنا اچھا اور کتنا با وقار سپہ سالار ہے۔
”پھر اُس میں ایک ہی خرابی ہے۔“ ابو عبیدہؓ نے کہا۔ اُس کی عقل و دانش شیطان کے قبضے
میں ہے۔“

خالدؓ ماہان کو آخری فیصلہ سنائے کہ صلح نہیں ہوگی۔

۵

ابو عبیدہؓ نے اپنے تمام سالاروں کو اکٹھا کر کے بتایا کہ دشمن نے صلح کی پیشکش کی تھی جو لشکر ہادی
گئی ہے اور اب لڑائی ناگزیر ہو گئی ہے اور تمام مجاہدین کو یہ بھی بتا دیا جائے کہ یہیں سے اپنے لشکر اور
اپنی جنگی طاقت سے ڈرایا ہے۔

مورخوں کے مطابق، خالدؓ اور ماہان کی بات چیت کی ناکامی کے بعد جب دونوں طرف کی فوجوں
کو بتایا گیا کہ جنگ ہو کر رہے گی اور کل صبح سے دوپہر ایک دوسری کے آگے سامنے آجائیں گی، اُس
وقت سے دونوں فوجوں پر بچائی کیفیت طاری ہو گئی۔ ردی مجاہد پر پادریوں نے لشکر کو صلیبیں دکھا کر مذہب
کے نام پر گرمایا اور انہیں صلیب اور یسوع مسیح کے نام پر ہٹانے کی تلقین کی۔ پادریوں کے الفاظ اور اُن
کا انداز اتنا جوشیلا تھا کہ سپاہیوں نے صلیب کی طشتہ بٹختہ کو کر کے حلف اٹھا لیا کہ وہ فتح حاصل کریں گے
ورنہ مر جائیں گے۔

مسلمانوں نے عبادت اور دعا کے لیے رات کا وقت مقرر کیا۔ انہیں گرمایے اور جوش دلانے
کے لیے دھڑکی طرہ درت نہیں تھی جس مقصد کے لیے وہ گھروں سے نکلے تھے اُس مقصد کی عظمت سے
وہ آگاہ تھے۔ انہوں نے اپنی جائیں اللہ کے سپرد کر دی تھیں۔

”اسی روز دونوں فوجوں نے صف بندی اور دستوں کو سوزوں جھگڑوں پر پہنچانے کا کام شروع کر دیا۔
ماہان نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور انہیں آگے لاکر صف آرا کیا۔ اُس کے محاذ کی لمبائی بارہ میل
تھی اور گہرائی اتنی زیادہ کہ صفوں کے پیچھے صفیں تھیں جو دور پیچھے تک چلی گئی تھیں۔“

ردی افواج کو اس ترتیب سے کھڑا کیا گیا تھا کہ ایک پہلو پر سالار گریگری کے دستے تھے اور دوسرے
پہلو پر سالار قاطر کے دستے قلب میں سالار اعلیٰ ماہان کی آئینی فوج اور سالار دیر جان کے دستے تھے۔
گھوڑ سوار دستوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا اور انہیں ایسی جگہوں پر کھڑا کیا گیا جہاں اُن کے سامنے مسلمانوں
کے پیادہ دستے تھے۔ ردیوں کے پاس سوار دستے اتنے زیادہ تھے کہ انہوں نے سواروں کے پیچھے
بھی سوار کھڑے کر دیے تھے۔ سالار جلیل بن الایہم کے گھوڑ سواروں اور شتر سواروں کو بارہ میل لمبے محاذ کے
آگے کھڑا کیا گیا۔

ماہان نے ایک ہندو بست اور کیا۔ گریگری کے دستے ایک پہلو پر تھے۔ ان میں تیس ہزار پیادے
تھے۔ ان تمام پیادوں کو زنجیروں سے باندھ دیا گیا۔ ایک زنجیر میں دس دس آدمی باندھے گئے۔ زنجیریں اتنی
لمبی تھیں کہ ان سے بندے ہوئے سہا پہا آسانی سے لڑ سکتے تھے۔ زنجیروں کا ایک مقصد یہ تھا کہ باجہ
بھاگ نہیں سکیں گے اور دوسرا مقصد یہ کہ مسلمان حملہ کریں گے تو ان زنجیروں سے اُچھ جائیں گے، گریگری
کے اور صفیں توڑ کر آگے نہیں نکل سکیں گے۔

۶

خالدؓ ردیوں کی صف بندی دیکھ رہے تھے۔ سالار اعلیٰ ابو عبیدہؓ تھے۔ اُن میں ایک قابل سالار کی
ساری خصوصیات موجود تھیں لیکن میدان جنگ میں بڑی احتیاط سے قدم اٹھاتے تھے اور خطرہ مول لینے
سے کچھ گریز کرتے تھے جنگ یرموک میں انہوں نے سپہ سالاری کے فرائض خالدؓ کے حوالے کر دیے
تھے۔ یہ جنگ ایسی تھی جس میں خطرے مول لینے ہی تھے۔ دشمن کی اتنی زیادہ طاقت کے مقابلے میں روتا قصے
طریقوں سے جنگ نہیں لڑی جا سکتی تھی۔ سپہ سالار ابو عبیدہؓ ہی تھے۔ انہوں نے یہ صورت حال خالدؓ کے
سپر رکھ دی تھی۔

خالدؓ نے ابو عبیدہؓ سے کہا کہ وہ تمام سالاروں اور کمانداروں کو اکٹھا کریں۔ خالدؓ انہیں صف آرا کرے
جنگ کے متعلق کچھ بتانا چاہتے تھے جو نہ کہ وہ سپہ سالار نہیں تھے اس لیے سالاروں پر ان کا حکم نہیں چل سکتا
تھا۔ ابو عبیدہؓ نے سب کو بلایا۔

خالدؓ نے انہیں بتایا کہ دشمن کی تعداد کو وہ دیکھ رہے ہیں اور اپنی تعداد بھی اُن کے سامنے ہے اس
لیے یہ زندگی اور موت کی جنگ ہوگی۔ اس کے بعد خالدؓ نے مجاہدین کو اس طرح تقسیم کیا۔ چالیس ہزار تعداد
میں کل دس ہزار گھوڑ سوار تھے۔ تیس ہزار پیادوں کو چھتیس حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصے میں آٹھ سو سب سے نومو
پیادے آئے۔

گھوڑ سواروں کو انہوں نے دودھ سو کے تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک کی کمان قیس بن عبیدہؓ کو دی دوسرے
کی سربراہی مسروق کو اور تیسرے کی کمان عامر بن طفیل کو دی۔

مسلمانوں کے محاذ کی لمبائی گیارہ میل تھی، یعنی دشمن سے ایک میل کم۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی صف آرائی
کی گہرائی تھی ہی نہیں۔ ایک پہلو پر زبیر بن العنسیان کے اور دوسرے پہلو پر عمر بن العاص کے دستے
تھے۔ انہیں دودھ سو کا ایک ایک سوار دستہ بھی دیا گیا تھا۔

ابو عبیدہؓ قلب میں تھے۔ انہوں نے سالار شہر بن حنظلہ کے دستوں کو اپنے ساتھ دائیں طرف رکھا۔

مجاہدین تمام رات عبادت الہی اور تلاوت قرآن میں مصروف رہے۔ اللہ کے سوا کون تھا جو ان کی مدد کو پہنچتا۔ اکثر مجاہدین سورۃ انفال کی تلاوت کرتے رہے۔

رومی محاذ بھی شب بھر بیدار رہا۔ وہاں پادریوں نے سپاہیہوں کو عبادت اور دعائیں مصروف رکھا۔ دونوں طرف مشعلیں بھی جلتی رہیں اور جرجرجکے لکڑیوں کے دھیر دھیر رہتے رہے تاکہ رات کو دشمن حملہ کرنے لگے تو آناظر آجائے۔ دونوں فوجوں پر بھجان اور کھچاؤ کی کیفیت طاری تھی۔

مسلمانوں کے محاذ سے صبح کی اذان کی آواز اٹھی۔ مجاہدین نے دھوا اور زیادہ تر نے تسمیع کر کے باجماعت نماز پڑھی اور اپنی جگہوں پر چلے گئے۔ جبکہ شرمسوع ہونے والی جی جی جس کا شمار تارسیخ کی بہت بڑی جنگوں میں ہوتا ہے۔

سورج افق سے اٹھا تو اُس نے زمین پر ڈرامی ہیبت ناک منظر دکھایا۔ چالیس ہزار کی فوج ڈیڑھ لاکھ لغری کی فوج کے مقابلے میں کھڑی تھی۔ شان توہرقل کے لشکر کی تھی۔ اُس کے جھنڈے لہرا رہے تھے اور بہت سی صلیبیں اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں۔ اس میں ذرا سے شکر کی کبھی گنبا لش نہیں تھی کہ یہ بیشتر اپنے سامنے کھڑی اس چھوٹی سی فوج کو نیست و نابود کر دے گا۔

جرجہ رومی فوج کا ایک سالار تھا جو انفرادی مقابلوں میں بہت شہرت رکھتا تھا۔ اپنے سالار اعلیٰ ماہان کے حکم سے وہ آگے بڑھا۔

”کیا خاندانِ ولید میں اتنی بہت ہے کہ میری تلوار کے سامنے آسکے؟۔“ جرجہ نے لٹکار کر کہا۔
 ”جیس ہوں رسول کا قاتل!۔“ خاندانِ لٹکار تے مٹے آگے بڑھے۔ ”میں ہوں خاندانِ ولید!“
 خاندانِ دونوں فوجوں کے درمیان جاکر ٹک گئے۔ انہوں نے تلوار نکال لی مٹی کی جرجہ نے تلوار نہ

نکالی۔ وہ گھوڑے پر سوار رہتا۔ خالد بن ولید اپنے گھوڑے کو اس کے گھوڑے کے اتنا قریب لے گئے کہ دونوں گھوڑوں کی گردنیں مل گئیں۔ مگر جبے پھر بھی تلوار نہ نکالی۔

طبری، واقدی، اہنری سمیت اور ابویوسفؒ نے یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی قریب ہر کونجی جرحہ نے توارث نہ نکالی۔

”ابن دلیث!۔ جرجہ نے کہا۔ ”جھوٹ نہ بولا کہہ، جھوٹ بولا کرتے۔ دھوکہ بھی نہ دینا کہ اعلیٰ نسل کے لوگ دھوکہ نہیں دیا کرتے۔“

”بوجھ اے دشمن اسلام! — خالد نے کہا — ”جنگجو جھوٹ نہیں بولے گا، دھوکہ نہیں دے گا۔
 جھوٹ کیا بوجھتا ہے“

”کیا میں اسے بیخ سمجھوں کہ تیرے رسول کو خدا نے آسمان سے تلوار بھیجی تھی؟۔۔۔ جب جرنے پوچھا ”اور یہ تلوار تیرے رسول نے کھینچے دے دی تھی؟ اور جب تیرے ہاتھ میں رہے تو ہوتی ہے تو تمہارے“

”یہ سچ نہیں“ — خالد نے کہا۔

”پھر نوسینت البدر کیوں کھلنا ہے؟ — جرحہ نے پوچھا۔“ پھر نوالہ اللہ کی تشریہ کیوں بنا؟

اُن کے ساتھ سالار محمد بن ابوالحسن اور عبدالرحمن بن خالد بھی تھے۔ چار ہزار گھوڑے سواروں کو خالد نے اپنی کمان میں اگلی صفوں کے پیچھے رکھا تھا۔ انہیں ہر اُس جگہ پہنچنا تھا جہاں دُشمن کا دباؤ زیادہ ہوتا تھا اور اُس سواروں نے گھوم پھر کر لڑنا تھا۔

اگلی صفت کے پیادوں کو لمبی برچھیاں دی گئی تھیں جنہیں سے کھلاتی تھیں۔ ان کی انہاں تین دھاری اور چار دھاری تھیں اور بہت تیز۔ ان پیادوں میں تیرا نما خاص طور پر رکھے گئے تھے۔ رومیوں کے حملے کو نيزول اور تيرول کی بوجھاڑوں سے روکنا تھا۔ اس کے بعد تیغ زفوں نے اپنے جوہر دکھانے تھے۔

اُس دور کے عوام کے مطابق بہت سے مجاہدین کے بیوی بچے اور لڑکیاں ان کے ساتھ تھیں۔ ان عورتوں اور بچوں کو فوج کے پیچھے رکھا گیا۔ العجب نہ ہو وہاں گئے۔

”قوم کی سٹیج! اب البعدیہ نے عورتوں سے کہا۔ ”ہم تمہاری حفاظت کریں گے لیکن تمہیں ایک کام کرنا ہے۔ اپنے پاس تھیں جو کچھ چاہو اور خیموں کے ڈنڈے اپنے ہاتھوں میں رکھو۔ اگر کوئی مسلمان جگہ کو پیچھے آئے تو اُسے پیچھا مارو۔ ڈنڈے اُس کے منہ پر مارو۔ جہاں گئے والوں کی بیویوں اور بچوں کو اُن کے سامنے کھڑا کر دو۔“

عورتوں نے اُسی وقت خیموں سے ڈنڈے نکال لیے اور تپڑ اکٹھے کرنے لگیں۔

صفت بندی ہو چکی تو اب عجب شیدہ، خالہؑ اور دوسرے سالار ایک ہسرے سے دوسرے ہسرے تک گئے۔ وہ مجاہدین کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ وہ مہتے اور سکھاتے تھے اور کہیں رک جاتے تو خالہؑ چنڈ الفاظ کہہ کر اُن کے جذبول کو سہارا دیتے تھے۔ اُن کے الفاظ کچھ اس قسم کے تھے کہ اللہ کی طرف سے بڑے سخت امتحان کا وقت آ گیا ہے۔ اللہ کی مدد اُسی کو حاصل ہوتی ہے جو اُسی کی راہ پر ثابت قدم رہتا ہے۔ دنیا میں اور آخرت میں عزت اور تحکیم انہیں ملتی ہے جن کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن ہوتی ہے اور وہ کفر کی تیز دھاتوں اور کا مقابلہ بے خوف ہو کر کرتے ہیں۔

متوخی طبری نے لکھا ہے کہ یہ سال ایک دستے کے سامنے سے گزرے تو ایک بجاہ نے کہا: ”روی کتنے زیادہ اور ہم کتنے تھوڑے ہیں۔“

خالہ نے گھوڑا روک لیا۔

”سیرے رفیق! — خالد نے بڑی بلند آواز میں کہا — ”کہو رومی کتنے تھوڑے اور ہم کتنے زیادہ ہیں۔ طاقت تعداد کی نہیں ہوتی، طاقت اللہ کی مدد سے بنتی ہے۔ تعداد رومیوں کے پاس ہے اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ جس کا ساتھ چھوڑ دے وہ بہت کمزور ہو جاتا ہے۔“

زیادہ تر موشوں نے لکھا ہے کہ سالہا اور کمنا رجب اپنی فوج میں گھوم پھر رہے تھے تو یہ آیت بہ آواز بلند پڑھتے جاتے تھے:

”اگر کتنی ہی بار چھوٹی چھوٹی جماعتیں اللہ کے پاس نہ سے بڑی جماعتوں پر غالب آتی ہیں۔ اللہ صبر و استقامت والوں کا ساتھ دیتا ہے۔“ (قرآن مجید ۲/۲۵۹)

وہ اگست ۶۳۶ء کے تیسرے، رجب ۱۵ ہجری کے دوسرے چہشتے کی ایک رات تھی۔

”سچ یہ ہے اے دشمن اسلام! — خالدؓ نے کہا۔“ رسول اللہؐ نے میری تیغ زنی کے جوہر بیچے تھے تو آپؐ نے بیساختہ کہا، تو اللہ کی تلوار ہے آپؐ نے مجھے اپنی تلوار انعام کے طور پر دی تھی۔ اب نکال اپنی تلوار اور توجہ اس کا ذائقہ چکھ لے۔“

”اگر میں تلوار نہ نکالوں تو؟“

”پھر کہو، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہؐ۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”تسلیم کرو کہ محمد اللہ کے رسولؐ ہیں۔“

”میں ایسا کرنے سے انکار کروں تو تو کیا کرے گا؟“

”پھر تجھ سے جزیہ مانگوں گا۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”اور تجھے اپنی حفاظت میں رکھوں گا۔“

”اگر میں جزیہ دینے سے انکار کروں؟“

”پھر نکال اپنی تلوار! — خالدؓ نے کہا۔“ اور پہلا وار کر لے کہ تجھے انفس نہ رہے کہ وار کرنے کا تجھے موقع نہیں ملا تھا۔“

جرحہ کچھ دیر خاموش رہا اور خالدؓ کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔

”اگر کوئی آج اسلام قبول کرے تو اس کو کیا درجہ دو گے؟ — جرحہ نے پوچھا۔“

”وہی درجہ جو ہر مسلمان کا ہے۔“ خالدؓ نے کہا۔ ”اسلام میں کوئی بڑا اور کوئی چھوٹا نہیں۔“

”میں تیرے مذہب میں آنا چاہتا ہوں۔“ جرحہ نے کہا۔ ”میں اسلام قبول کرتا ہوں۔“

خالدؓ کے چہرے پر حیرت کا بڑا گہرا اثر آ گیا۔

”کیا تو اپنے ہوش و حواس میں ہے اے رومی سالار؟ — خالدؓ نے پوچھا۔“

”اے ابنِ دلیر! — جرحہ نے جواب دیا۔“ مجھے اپنے ساتھ لے چل۔“

خالدؓ نے اپنا گھوڑا موڑا جرحہ نے اپنا گھوڑا خالدؓ کے پہلو میں کر لیا اور وہ مسلمانوں کے محاذ میں آ گیا۔

خالدؓ نے اسے کلہ بڑھایا اور وہ مسلمانوں کے محاذ میں شامل ہو گیا۔

مسلمانوں نے سنجیدگی سے اسے بلند کیے اور رومی لشکر نے بڑی بلند آواز سے جرحہ پر لعن طعن کی

لیکن جرحہ کچھ اثر نہ ہوا۔

طی ای خونریز جنگ شروع ہونے والی تھی اور جرحہ اپنے ہی لشکر کے خلاف لڑنے کے

لیے تیار ہو گیا تھا۔

اگست ۶۳۹ء مسلمانوں کے بڑے ہی سخت امتحان کا مہینہ تھا۔ رومیوں کا ایک سالار اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے پاس آ گیا تھا۔ مسلمانوں نے خوشی کے نعرے تو بہت لگائے تھے لیکن انہیں احساس تھا کہ دشمن کے ایک سالار کے ادھر آ جانے سے رومیوں کے اتنے بڑے لشکر میں ذرا سی بھی کمزوری پیدا نہیں ہوگی اور دشمن کے لڑنے کے جذبے میں بھی کوئی فرق نہیں آئے گا۔

مسلمانوں کو اتنے بڑے اور ایسے منظم لشکر کا سامنا پہلی بار ہوا تھا۔ اسلام کے لیے یہ بڑا ہی خطرناک چیلنج تھا جو اسلام کے شہداء نے قبول کر لیا تھا۔ مسلمان ایک خودکش جنگ کے لیے تیار ہو گئے تھے اور یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان عورتیں بھی مردوں کے دوش بدوش لڑنے کے لیے تیار ہو گئی تھیں۔ انہیں ابو عبیدہؓ نے توبہ کیا تھا کہ خیموں کے ڈنڈے نکال لیں اور پتھر اٹھ کر لیں اور جو مسلمان بھاگ کر پیچھے آئے اس پر پتھر برسائیں اور اس کے منہ پر ڈنڈے ماریں لیکن عورتوں نے اپنے آپ کو جنگ میں کود پڑنے کے لیے بھی تیار کر لیا تھا۔ دونوں فوجوں کی نفی ان کے سامنے تھی۔

ڈال تو ہر مسلمان عورت میں اپنے مردوں جیسا جذبہ تھا لیکن ان میں چند ایک عورتیں غیر معمولی جذبہ والی تھیں۔ ان میں ایک خاتون ہند اور دوسری خولہ بنت الازد و خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہند کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔ وہ ابوسفیان کی بیوی تھی۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے جنگ اُحد میں انہوں نے اپنے قبیلہ کا حوصلہ بڑھانے کے لیے میدان جنگ میں گیت گائے تھے۔ یہ گیت رزمیہ نہیں تھے اور یہ باقاعدہ جنگی ترانے بھی نہیں تھے۔ ان گیتوں میں اپنے آدمیوں کی مردانگی کو ابھارا گیا تھا اور کچھ اس قسم کے الفاظ تھے کہ تم ہار گئے تو تمہاری بیویاں تمہیں اپنے جسموں کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیں گی ہند کا چچا اس لڑائی میں حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا تو ہند نے مشہور جچی باز وحشی کو حمزہؓ کے قتل کے لیے کہا اور اسے انعام پیش کیا تھا۔

وحشی کی بیٹی کی بیوی جچی بھی خطا نہیں گئی تھی۔ اس نے میدان جنگ میں حمزہؓ کو ڈھونڈ نکالا اور تاک کر جچی ماری۔ جچی حمزہؓ کے پیٹ میں اتر گئی اور وہ شہید ہو گئے۔ ہند دوڑی گئی اور وحشی سے کہا کہ حمزہؓ کی لاش کا پیٹ چاک کر دو۔ وحشی نے حکم کی تعمیل کی تو ہند نے حمزہؓ کا کلیہ نکال کر منہ میں ڈالا اور جیبا کر پھینک دیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ابوسفیان اور ہند نے اسلام قبول کر لیا اور اب اس عورت کا وہی جوش و خروش اور جذبہ اسلام کی سر بلندی کی خاطر لڑی جانے والی جنگوں میں کام آ رہا تھا۔ ان کا بیٹا یزید بن ابوسفیان اسلامی لشکر میں سالار تھا۔

دوسری نامور خاتون خولہ بنت الازد تھیں جو صخر بن الازد کی بہن تھیں۔ صخر کا بہنہ بڑا چمکاتے وہ خود، زہر اور قہقہے اتار کر لڑا کرتے تھے۔ اس غیر معمولی دلیری کی وجہ سے صخر بڑا رومیوں پر ناہموار قہر اور غضب لڑنے والے کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ دو سال پہلے صخر ایک معرکہ میں رومیوں کی

رومیوں کو لٹکا رہا۔

رومیوں کی صفوں سے کالے رنگ کا ایک گھوڑا نکلا جس کا قدامتو پنچا نہیں تھا، سر سے دم تک لمبائی عام گھوڑوں سے زیادہ تھی۔ اُس کا چمکتا ہوا جسم کچھا ہوا اور غیر معمولی طور پر موٹا تازہ تھا گھوڑا دوڑتا تو زمین ہلنی محسوس ہوتی تھی۔ وہ اپنے سوار کے قابو میں تھا لیکن اُس کی چال اور متنی ایسی تھی جیسے اپنے سوار کے قابو میں نہ ہو۔ اُس کا سوار گھر سے رنگ کا تھا اور اپنے گھوڑے کی طرح فرہرجم کا تھا۔ وہ پہلوان لگتا تھا۔

”اے بد قسمت جوان!۔ رومی سالار نے لٹکا کر رکھا۔“ کیا تو دم کے بیٹے ایلور کی برچھی کے سامنے کچھ دیر اپنے گھوڑے پر بیٹھا نظر آتا رہے گا؟
”خدا کی قسم!۔“ عبدالرحمن نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لٹکا کر کہا۔ ”روم والے ابھی وہ برچھی نہیں بنائے جسے جہاں ابی بھوکو گھوڑے سے گرا سکے۔“

ایلور کی برچھی کالے گھوڑے کی رفتار سے عبدالرحمن کی طرف آ رہی تھی۔ عبدالرحمن کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ گھوڑے ایک دوسرے کے قریب آتے تو ایلور نے رکابوں میں کھڑے ہو کر عبدالرحمن کو بچی ماری لیکن عبدالرحمن نے اپنے گھوڑے کو دوا ایک طرف مڑ دیا اور خود پہلو کی طرف اٹھا بھاگ نکلتے کہ رومی سالار کی برچھی کا دارغالی گیا۔

عبدالرحمن نے وہیں سے گھوڑا موڑا اور بڑی تیزی سے ایلور کے پیچھے گئے۔ ایلور ابھی گھوڑے کو موڑ رہا تھا۔ عبدالرحمن کی تلوار اُس کی اُس کلائی پر پڑی جس ہاتھ میں اُس نے برچھی پکڑ رکھی تھی۔ ہاتھ صاف کٹ کر بازو سے الگ ہو گیا۔ برچھی اُس ہاتھ سمیت جس نے اُسے پکڑ رکھا تھا، زمین پر جا پڑی۔ یہ زخم معمولی نہیں تھا۔ ایلور بلبل اٹھا۔ عبدالرحمن کا گھوڑا اُس کے ارد گرد دوڑ رہا تھا۔ ایلور نے کٹے ہوئے ہاتھ والا بازو اُپر اٹھایا۔ وہ اس ٹنڈر منڈ بازو سے اہل اہل کمر بہتے ہوئے خون کو دیکھ رہا تھا کہ عبدالرحمن کی تلوار اُس کی لپٹ میں گھری اتر گئی۔ ایلور نے گھوڑے کو اڑ لگائی اور زرخ اپنے لشکر کی طرف کر لیا۔ وہ اپنے لشکر تک پہنچ سکا۔ راستے میں ہی گر پڑا۔ اُس کا کالا گھوڑا اپنے لشکر تک پہنچ گیا۔

عبدالرحمن نے ایک بار پھر رومیوں کو لٹکا کر لیکن خالد نے انہیں پیچھے بلایا۔ ضروری نہیں تھا کہ عبدالرحمن ہر مقابلہ جیت جاتے۔ یکے بعد دیگرے چھ سات سلمان سالار افرادی مقابلوں کے لیے گئے اور ان کے مقابلے میں اترنے والے رومی مارے گئے یا شدید زخمی ہو کر بھاگ گئے۔

عبدالرحمن ایک بار پھر بغیر کسی کی اجازت کے آگے چلے گئے اور رومیوں کو لٹکا رہا۔ ایک رومی سالار اُن کے مقابلے میں آیا اور واپس نہ جاسکا۔ یہ تیسرا رومی سالار تھا جو عبدالرحمن کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس طرح عبدالرحمن نے تین رومی سالاروں کو مار ڈالا۔ خالد نے انہیں سختی سے کہا کہ اب وہ آگے نہ جائیں۔

”اب کوئی آگے نہیں جاتے گا۔“ رومی سالار اعلیٰ ماہان نے حکم دیا اور اپنے سامنے کے سالاروں سے کہا۔ ”اگر یہ مقابلے جاری رہے تو ہمارے پاس کام کا کوئی ایک بھی سالار نہیں رہ جائے گا۔“

صفوں میں اتنی دُور چلے گئے کہ بہت سے رومیوں نے انہیں گھیر لیا اور زندہ پکڑ لیا تھا۔ مزارِ رومیوں کے لیے بہت اہم تھا کہ تھے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رومی انہیں زندہ چھوڑ دیں گے۔

اور یہ بھی کوئی نہیں سوچ سکتا تھا کہ مزارِ رومی بن خولہ انہیں چھڑا لائیں گی۔ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ ایک سر کے میں خولہ چہرے پر نقاب اور سر پر سرسبز عمامہ رکھ کر رومیوں کی صفوں پر ٹوٹ پڑی تھیں۔ وہ خالد کے قریب سے گزر کر آگے گئی تھیں۔ خالد انہیں اپنا کوئی مجاہد سمجھتے رہے تھے۔ انہوں نے آخر انہیں اپنے پاس بلایا تو انہیں پتہ چلا کہ یہ کوئی آدمی نہیں بلکہ عورت ہے اور مزارِ رومیوں کی بہن ہے۔

یہ اطلاع مل گئی کہ رومی مزار کو باجولاں کر کے فلاں طفرے جا رہے ہیں۔ رومیوں کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔ رافع بن عیثہ کو ایک سوسوار دے کر خالد نے مزار کو چھڑا لانے کو بھیجا تو خولہ بھی پیچھے پیچھے چلی گئی تھیں۔ خالد کو اُن کے جانے کا علم نہیں تھا۔ جب وہ رافع بن عیثہ کے سواروں سے جا ملیں تو رافع نے بھی انہیں روکا تھا لیکن خولہ نہیں رکی تھیں۔ انہوں نے اپنے بھائی کو آواز دہانے کے لیے رومیوں پر حملہ کر دیا تو سر دھول کو حیران کر دیا تھا۔ اس طرح جان کی بازی لگا کر مزار کو رومیوں سے چھڑا لیا تھا اور اپنے ساتھ لے آئی تھیں۔ اُن کے وہ الفاظ جہاں انہوں نے مزار کو کھنگلے لٹکا کر کھسکے تھے تاریخ میں محفوظ ہیں۔ ”میرے عزیز بھائی! میرے دل کی پیش و کجی کس طرح تیرے فراق میں جل رہی ہے۔“ اب جب کہ رومی بلند وبالا بہادری کا مندرسا سامنے کھڑے تھے تو ہند اور خولہ اور دوسری تمام مسلمان عورتیں صرف بیویوں اور بہنوں کی حیثیت سے بٹھیں نہیں رہ سکتی تھیں نہ وہ اپنے فرض کو دعاؤں تک محدود رکھ سکتی تھیں۔ ہند اور خولہ عورتوں کے کیسپس مردانہ چال چلتی گھوم پھیر رہی تھیں۔ وہ عورتوں کو لڑائی کے لیے تیار کر رہی تھیں۔ انہوں نے یہاں تک فیصلہ کر لیا تھا کہ بچوں والی عورتیں بچوں کو پیچھے پھینک کر آگے چلی جائیں گی۔

رومی سالار جہ نے خالد کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ ہی افرادی مقابلے پھر شروع ہو گئے۔ رومی اپنے سالار جہ کی کمی کی سخت یوں مٹانے لگے کہ وہ اپنے چنے ہوئے سالاروں کو

افرادِ مقابلوں کے لیے اُتار تے جا رہے تھے۔ عموماً تین چار مقابلے ہوا کرتے تھے لیکن مقابلوں کو ختم نہ ہوا نہیں ہونے دے رہے تھے۔ اور سے کوئی سالار مناسب لایا یا کھانا دے سنا نہ کر دوسروں کو لٹکا تا تو رومی اپنے کسی نامی گھڑا تیغ زان یا پہلوان کو آگے کر دیتے۔ تقریباً ہر مقابلے میں رومی مارا گیا یا بھاگ گیا۔ خلیفہ اول ابو بکر کے بیٹے عبدالرحمن مقابلے کے لیے سامنے آتے۔

”میں ہوں رسول اللہ کے پندے خلیفہ ابو بکر کا بیٹا!۔“ عبدالرحمن نے دونوں فوج کے درمیان گھوڑا ایک چکر میں ڈھراتے ہوئے لٹکا کر کہا۔ ”رومیوں! میری حیثیت کا کوئی سالار آئے مجھ کو۔“ تاریخ میں اُس رومی سالار کا نام نہیں ملتا جو اُن کے مقابلے میں آیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، بڑی جلدی کھٹ کر گر گیا۔

”کیا اتنے بڑے لشکر میں میرے پائے کا کوئی سالار نہیں؟“ عبدالرحمن بن ابو بکر نے

ابو عبیدہ اور خالد بن ولید نے اپنے دماغ حاضر و حاضیہ قائم رکھے۔ صورت حال ایسی ہو گئی تھی کہ مجاز کے جس حصے پر اتنا زور دار حملہ ہوا تھا اُسے گھمٹ سے مزید مضبوط کیا جاتا لیکن خالد اُس سے بھی زیادہ خطرے میں سمجھتا تھا۔ اُنہوں نے مجاز کے کسی اور حصے کو کمزور کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مجاہدین کو معلوم تھا کہ وہ کتنے کچھ ہیں اور اُن کے پاس کیا ہے۔ انہی حالات میں لڑنا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ جنگ فیصلہ کن ہوگی۔ چنانچہ اُنہوں نے گھمٹ اور مدد کی امید دل سے نکال چھین لی تھی۔ مدد کے لیے وہ صرف اللہ کو بھارتے تھے۔

صاف نظر آ رہا تھا کہ رومی سالار احتیاط سے کام لے رہے ہیں۔ رومی سالار اعلیٰ ماہان دیکھ رہا تھا کہ اُس کے حملہ آور پیادے کھٹ رہے ہیں اور وہ مقصد پورا ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا جس مقصد کے لیے اُس نے حملہ کرنا تھا، پھر بھی اُس نے اپنے حملہ آور پیادوں کو پیادہ یا سوار بننے کی گھمٹ نہ دی۔ مورخ لکھتے ہیں کہ ماہان کو یہ توقع تھی کہ مسلمان اس حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے پورے مجاز کو درہم برہم کر دیں گے لیکن اُس کی یہ توقع پوری نہیں ہو رہی تھی۔

گھمٹ نہ ملنے کا اور اپنے اتنے زیادہ نقصان کا اثر رومی حملہ آور پیادوں پر بہت برا ہوا۔ قریب تھا کہ وہ خود ہی پیچھے ہٹ جاتے کہ ان کے سالار نے انہیں پیچھے ہٹایا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سورج غروب ہو رہا تھا۔

وہ منظر جذباتی سا تھا جب مجاہدین جو ابھی جگہ سے آگے چلے گئے تھے، واپس آئے۔ اُن کی عورتیں اُن کی طرف دوڑ پڑیں۔ وہ اپنے خاوندوں کو بچا رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے مردوں کو گلے لگایا اور جو زخمی تھے اُن کی باقاعدہ مرہم پٹی کرنے سے پہلے اپنی اڈھنیاں پھیلا کر ان کے زخم صاف کیے اور ان پر اڈھنیاں کی ٹیپیاں باندھ دیں۔

عورتیں پانی کے مشکیزے اٹھا کر میدان جنگ میں پھیل گئیں۔ وہ اُن زخمیوں کو ڈھونڈتی پھرتی تھیں جو اپنے سہارے اٹھ کر چلنے کے قابل نہیں تھے۔ عورتوں کے انداز میں والسانین اور دیوانگی سی تھی۔ وہ شدید زخمی ہونے والوں کو پانی پلاتیں، اُن کے زخموں پر اپنے کپڑے پھاڑ کر ٹیپیاں باندھتیں اور انہیں اٹھا کر اپنے سہارے پیچھے لارہی تھیں۔

شام گہری ہو گئی تو میدان جنگ میں مشعلیں نظر آنے لگیں۔ عورتوں کے ساتھ مجاہدین بھی اپنے شدید زخمی اور شدید زخمیوں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ اُن کے حوصلے بلند تھے۔ انہوں نے بڑی شدید حملہ بکار کر دیا تھا۔ میدان جنگ میں رومیوں کی لاشیں دیکھ کر اُن کے حوصلے اور جذبے کو مزید تقویت ملی مسلمانوں کے مقابلے میں رومیوں کا نقصان بہت زیادہ تھا۔

بہت سے رومی ایک گروہ یا جیش کی صورت میں مشعلیں اٹھاتے آگے آئے۔ وہ اپنے زخمیوں کو اپنے اپنے ساتھ لاشوں کو اٹھانے آتے تھے۔ وہ ایسی ترتیب اور ایسے انداز سے چلے آ رہے تھے جیسے حملہ کرنے آ رہے ہوں۔ مسلمان جو اپنے زخمیوں کو اٹھا رہے تھے، تلواریں نکال کر اُن پر ٹوٹ پڑے۔ اچھا خاصا معرکہ ہوا۔

یہیں اجتماع نہیں کر لینا چاہیے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا سالار یا کوئی اور آدمی نہیں جو دہرہ مقابلے میں مسلمانوں کو شکست دے سکے؟ اگر ہم اپنے سالاروں کو اسی طرح مردواتے چلے گئے تو اپنے لشکر پر اس کا بہت برا اثر پڑے گا؟

”بہت برا اثر پڑ رہا ہے۔“ ایک تجربہ کار سالار نے کہا۔ ”میدان میں بیکھیں۔ صرف ہمارے سالاروں اور کمانداروں کی لاشیں پڑی ہیں اور مسلمان ہیں طعنے دے رہے ہیں۔ ہم اتنا لشکر کیوں لاتے ہیں؟ ان چند ہزار مسلمانوں کو ہم اپنے گھوڑوں کے قدموں تلے چل دیں گے۔ ان کی لاشیں بچانی نہیں جائیں گی۔“

”ہمیں پورے لشکر سے ایک ہی بار حملہ کر دینا چاہیے۔“ قلعے کے ایک سالار نے کہا۔ ”انہیں۔“ ماہان نے کہا۔ ”مسلمانوں سے اتنی بار شکست کھا کر بھی تم مسلمانوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ مسلمانوں کی نفرت جتنی کم ہوتی ہے یہ اتنے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ میں پہلا حملہ ذرا کم نفرتی سے کر دوں گا اور دیکھوں گا کہ یہ اپنے آپ کو بچانے کے لیے کیا طرہ اختیار کر رہے ہیں۔“

آدھا دن گزر گیا تھا۔ سورج سر پر اچھا تھا۔ آگست کی گرمی اور جس کا عروج شروع ہو چکا تھا، ماہان نے اتنی ہی نفرتی حملے کے لیے آگے بڑھائی تھی مسلمانوں کی تھی۔ یہ اُس کے اپنے لشکر کی نفرتی جتنی تھی، یعنی تقریباً چالیس ہزار۔ یہ تمام نفرتی پیادوں کی تھی جب یہ نفرتی رومیوں کی دلوں کی تال پر آگے بڑھی تو لوگ تنہا جیسے طوفانی سمندر کی موجیں پہلو پہلو بچھری اُٹھتی، عتراتی ہوئی، اپنے ساتھ ہی سب کچھ ہالے جانے لگا رہی ہوں۔

”اسلام کے پاسبان!۔“ کسی مجاہد کی گرجدار لکار بلند ہوئی۔ ”آج کا دن تمہارے امتحان کا دن ہے۔ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

مسلمانوں کی صفوں سے تکبیر کے نعرے مگر جے۔ اگلی صف میں جوسلی برچھیوں والے تھے اور جو تیر انداز تھے وہ تیار ہو گئے۔ ایک ایک تیر کمانوں میں چلا گیا۔ برچھیاں تن گئیں۔ ہر مجاہد کی زبان پر اللہ کا نام تھا۔ بعض کسی نہ کسی آیت کا ورد کر رہے تھے۔

رومی پیادوں کا سیلاب قریب آیا تو اسلام کے نیزہ بازوں نے بڑھ بڑھ کر برچھیوں کے وار شروع کر دیئے۔ آگے والے رومی مگر نہ تھے تو پیچھے والے انہیں روندتے ہوئے آگے بڑھتے۔ نیزہ بازوں کا کام کچھ تو تیر اندازوں نے آسان کر دیا تھا۔ رومی ابھی برچھیوں کی زد سے ڈر رہے تھے کہ اُن پر تیر اندازوں نے نیزہوں کا مینہ برسایا تھا۔ رومیوں نے تیروں کو ڈھالوں پر لینے کی کوشش کی تھی پھر بھی کئی رومی تیروں کا شکار ہو گئے۔ اس سے رومیوں کی پیش قدمی کی رفتار سست ہو گئی۔ آگے آتے تو مسلمانوں کی برچھیوں نے انہیں چھلنی کرنا شروع کر دیا لیکن ان رومیوں کا حملہ مسلمانوں کے سارے مجاز پر نہیں بلکہ گیارہ میل لمبے مجاز کے پھوٹے سے حصے پر تھا۔

اتنے پھوٹے حصے پر اتنی زیادہ نفرتی کا حملہ روکنا آسان نہیں تھا۔ رومی پیادے بڑھے آ رہے تھے، حالانکہ اُن کا نقصان خاصا زیادہ ہو رہا تھا۔ مسلمان تیر اندازوں اور نیزہ بازوں نے جب دیکھا کہ وہ سر پر آگے گئے ہیں تو انہوں نے تلواریں نکال لیں اور معرکے کی خونریزی میں اضافہ ہو گیا۔

”ہم اپنے زخمیوں کو اٹھانے آئے ہیں۔“ رومیوں کی طرف سے آواز بلند ہوئی۔

”تم زخمی ہو کر ہی اپنے زخمیوں کو اٹھا سکو گے۔“ مجاہدین کی طرف سے جواب مگر جا۔

دو تین بجوں پر اسی طرح کی جھڑپیں ہوئیں اور رات گزرتی رہی۔ اُس وقت رومی سالار اعلیٰ ماہان نے سالاروں کو اپنے سامنے بٹھا رکھا تھا۔

”اپنے آپ کو دھوکے میں نہ رکھو۔“ وہ کہہ رہا تھا۔ ”ہم اپنے حملے میں بڑی طرح ناکام ہوئے ہیں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟“

”میرا خیال ہے کہ ہمارے سپاہیوں نے اپنے اوپر مسلمانوں کا خوف طاری کر رکھا ہے۔“ ایک سالار نے کہا۔

”نہیں۔“ ماہان نے کہا۔ ”ہماری صفوں میں اتحاد نہیں۔ مسلمان ایک ہیں۔ وہ بھی مختلف قبیلوں کے ہیں لیکن وہ سب اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو اسلام کے رشتے کا پابند کر لیا ہے۔ اس عقیدے نے انہیں یک جا کر دیا ہے۔ ہم میں یہ اتحاد نہیں کبھی ایک علاقوں اور کبھی ایک قبیلوں کے لوگ ہمارے ساتھ آئے ہیں لیکن ہمارے درمیان کوئی ایسا رشتہ نہیں جو ہم سب کو متحد کر سکے۔“

”ایک رات میں اتحاد پیدا نہیں کیا جاسکتا سالار اعلیٰ!۔“ ایک پرانے سالار نے کہا۔ ”ہمارے درمیان اتحاد نہ ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے۔ ہم اپنی حالات میں لڑنا ہے۔“

”ہاں!۔“ ماہان نے کہا۔ ”ہم اپنی حالات میں لڑنا ہے۔ میں بالوں نہیں۔ ہمیں کوئی طرہ لیت اختیار کرنا پڑے گا۔۔۔ کل صبح ہم اُس وقت مسلمانوں پر حملہ کریں گے جب وہ حملہ روکنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے اور یہ ان کی عبادت کا وقت ہوگا۔“

تقریباً ان تمام ترورخوں نے جنہوں نے جنگ پر موک کو تفصیل سے بیان کیا ہے، ماہان کا اگلے صبح کے حملے کا پلان اس طرح لکھا ہے کہ مسلمانوں کے قلب پر حملہ کیا جائے گا جو دھوکہ ہوگا۔ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ قلب یعنی مسلمانوں کے درمیانی دستوں کو جن میں سرکشی کا بھی تھی، لڑائی میں اُٹھا کر کہیں روک کر رکھا جائے گا۔ اس سے فائدہ یہ اٹھایا جائے گا کہ مسلمانوں کا مرکز اپنے دائیں بائیں کی طرف توجہ نہ دے سکے۔

ماہان کے پلان کے مطابق اصل حملہ مسلمانوں کے پہلوؤں پر کرنا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ پہلوؤں کے دستوں کو کچھ نہ بچ کر ختم کیا جائے اور اگر مسلمان مقابلے میں جرم جاتیں تو ان پر ایسا دباؤ ڈالا جائے کہ وہ اپنے قلب کی طرف اُٹھنے ہو جائیں۔ اس صورت میں ان پر پہلوؤں اور عقب سے حملہ کیا جائے۔ پلان بڑا خطرناک تھا۔ رومیوں کی لٹری اتنی زیادہ تھی کہ اس کے بل بوتے پر اپنے پلان کو کامیاب کر سکتے تھے۔

”جاذ اور اپنے دستوں کو صبح کے حملے کے لیے تیار کرو۔“ ماہان نے کہا۔ ”لیکن تیاری ایسی خاموشی سے ہو کہ پتہ نہ چلے۔ مسلمانوں کے جاسوس ہمارے ارد گرد موجود رہتے ہیں۔“

رات کو ہی ماہان نے اپنا خیمہ اکٹھا کر دیا اور ایک چٹان کی سب سے اونچی چوٹی پر بے جان نصب کر لیا۔ وہاں سے تمام تر محاذ کو وہ دیکھ سکتا تھا۔ اُس نے تیرا رخ گھوڑوں والے فاصلہ اپنے ساتھ رکھ لیے اور اپنا حفاظتی دستہ بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ دستے کی لٹری دوڑا رہی تھی۔

دونوں طرف کی فوجوں کے درمیان ٹوڑھ ایک میل کا فاصلہ تھا۔ خالد نے حسب معمول دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے اور اطلاع دینے کے لیے اپنے آدمی آگے بھیج رکھے تھے لیکن دشمن کے محاذ کی صورت ایسی تھی کہ قریب جا کر کچھ دیکھنا ممکن نہ تھا۔ اپنے آدمی بلند یوں سے دیکھتے رہتے تھے۔ مسلمان فوج کی نماز پڑھ رہے تھے۔ آگے گیا ہوا ایک آدمی دوڑنا آیا اور خالد کو بتایا کہ رومی تیار ہو کر ترتیب میں آ رہے ہیں۔

”ترتیب کیسی ہے؟“ خالد نے پوچھا۔

”ترتیب حملے کی معلوم ہوتی ہے۔“ جاسوس نے جواب دیا۔ ”پہلے دف بجے تھے پھر ان کے دستے بڑی تیزی سے ترتیب میں آ گئے۔ سوار گھوڑوں پر سوار ہو چکے ہیں۔“

”ہو نہیں سکتا کہ رومی کہیں اور جا رہے ہوں۔“ خالد نے کہا۔ ”وہ حملے کے لیے آ رہے ہیں۔“ خالد کچھ پریشان بھی ہوئے لیکن وہ حوصلہ ہارنے والے نہیں تھے۔ تیاری کا وقت نہیں بٹھا کر رومی تیار تھے تو انہوں نے مسلمانوں کو اس حالت میں آدو چنا تھا جب وہ تیاری کر رہے تھے انہوں نے بڑی تیزی سے تمام سالاروں کو اطلاع بخجادی کہ دشمن کا حملہ آ رہا ہے۔

مسلمان جب تیار ہو رہے تھے اُس وقت رومی لشکر اپنے محاذ سے چل پڑا تھا۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ رومی سالاروں کو توقع تھی کہ وہ مسلمانوں کو بے خبری میں جالیں گے لیکن وہ جب قریب آئے تو مسلمان تیار تھے۔ وہ غلاف توقع اتنی جلدی تیار ہو گئے تھے۔ خالد نے انہیں لمبا چڑا کر تیار بھیجا تھا کہ کوئی ہدایت جاری کی تھی، صرف اتنا پیغام دیا تھا کہ دشمن کا حملہ آ رہا ہے، اپنے اپنے محاذ پر تیار رہو۔

صبح کا اجالا سفید ہو رہا تھا۔ رومی سیلاب کی طرح بڑھ آ رہے تھے۔ ان کا رخ مسلمانوں کے قلب کی طرف تھا۔ ان کے بہت سے دستے دائیں اور بائیں پہلوؤں کی طرف بھی آ رہے تھے لیکن معلوم یہی ہوتا تھا کہ وہ حملہ قلب پر کریں گے۔

خالد نے اپنے قلب کے دستوں کو آگے بڑھ کر دشمن کا استقبال کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے دفاع کا طریقہ وہی اختیار کیا کہ برجی بازوں اور تیر اندازوں کو آگے رکھا گیا۔ رومی جو اس امیڈ پر بہت تیزی سے آ رہے تھے کہ مسلمان بے خبر ہوں گے اور یہ بڑی آسان فتح ہوگی، مسلمانوں کو یہ لحاظ سے تیار دیکھ کر ذرا سست ہو گئے اور ان کے قدم ٹکنے لگے۔ انہوں نے گزشتہ روز حملہ کر کے دیکھ لیا تھا۔ مسلمان تیر اندازوں نے اتنی تیزی سے تیر چلانے شروع کر دیئے کہ فضا میں ایک جال تن دیا۔

رومی رک کر پیچھے ہٹے اور تیروں کی زد سے بچ گئے۔ کچھ دیر بعد وہ ڈھالیں آگے کر کے بڑھنے لگے۔ تیر اندازوں نے ایک بار پھر تیروں کا مینہ برسا دیا لیکن ان کے رومی بڑھتے آئے۔ تیر کھانکا کر گرتے ہی رہے۔

عمر بن العاص نے خود کی سواروں نے حملہ بہت تیز اور سخت کیا اور رومیوں کو گچھے پیچھے ہٹا دیا۔ رومیوں نے تازہ دم دستے آگے لاکر ان دو ہزار مسلمان سواروں کا حملہ ناکام کر دیا اور اتنا دباؤ والا کہ مسلمان سوار سنبھل گئے۔ وہ تو جیسے بڑے ہی تیز و تند سیلاب کے بھنوں میں پھنس گئے تھے۔ یہ بھی اُن کی بہادری تھی کہ وہ لڑائی میں سے زندہ نکل آئے اور خیمہ گاہ کی طرف چلے گئے۔ دشمن کو مٹی دیکھانے والوں پر اللہ کی لعنت! — یہ مسلمان عورتوں کی آوازیں تھیں جو خیموں کے ڈنڈے ہاتھوں میں لیے کھڑی تھیں۔

عورتوں نے بھاگ آنے والے مسلمانوں پر لعن طعن اور طنز کے تیر برسائے اور دو تونروں کے مطابق بعض کو عورتوں نے ڈنڈے بھی مارے۔

"خدا کی قسم مسلمان خاندان تنے بے غیرت نہیں ہو سکتے۔" یہ بیویوں کی آوازیں تھیں۔ وہ اپنے خاندانوں سے چلا چلا کر کچر رہی تھیں۔ کیا تم ہمارے خاندان جو جو ہیں غیر مسلموں سے محفوظ نہیں رکھ سکتے؟ اُس دور کے عربی رواج کے مطابق چند ایک مسلمان عورتوں نے دفن اٹھا کر ان کی نال پر گینت کا ناشروع کر دیا۔ یہ کوئی باقاعدہ ترانہ نہیں تھا۔ عورتوں نے خود گینت گھڑ لیا اور گانے لگائے:

ہائے تمہاری غیرت کہاں گئی

اپنی اُن بیویوں کو جو خوبصورت ہیں

نیکی بھی ہیں

حقیر اور قابلِ نفرت کفار کے پاس

چھوڑ کر بھاگ رہے ہو، اس لیے کہ

کفار اُن کو اپنی ملکیت میں لے لیں

اُن کی حصص میں کی بے حرستی کریں

اور اُن کو ذلیل اور خوار کر دیں

مسلمان پسپائی میں تھے۔ سچا سچ ہے۔ اتنی زیادہ نفری کے حملے کو روکنا اُن کے لیے زیادہ دیر ناک

ممکن نہیں تھا لیکن ابوعبیدہ نے اس لیے عورتوں سے کہا تھا کہ وہ بھاگ آنے والوں کو ڈنڈے اور پتھر ماریں کہ وہ تازہ دم اسلام کو پسپائی سے پاک رکھنا چاہتے تھے۔

اُن کا مقصد پورا ہو گیا۔ بھاگ آنے والوں کو عورتوں نے نیا حوصلہ دیا۔ اُن کا خون کھول اٹھا اور وہ واپس چلے گئے۔ عمر بن العاص نے انہیں جلدی جلدی منتظم کیا اور رومیوں پر جوابی حملے کی تیاری کرنے لگے۔

ہائیں پہلو کے سالار یزید بن ابوسفیان تھے۔ اُن کے والد ابوسفیان اُن کے ماتحت لڑا رہے تھے۔ اس پہلو پر بھی رومیوں نے حملہ کیا تھا جو مسلمانوں نے روک کر پکڑ دیا تھا۔ دوسرا حملہ جس رومی دستے نے کیا وہ زنجیروں میں بندھا ہوا تھا۔ دس دس سپاہی ایک ایک زنجیر کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ زنجیریں اتنی لمبی تھیں کہ سپاہی آسانی سے لڑ سکتے تھے۔

چونکہ اس دستے کے سپاہی زنجیروں کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک تھے اس لیے

اور وہ نیزہ بازوں تک اُن پہنچے۔ رومیوں کے پاس مروانے کے لیے بہت نفری تھی۔

نیزہ بازوں نے رومیوں کو روکنے کی بھرپور کوشش کی لیکن رومیوں کی یلغار اتنی شدید تھی کہ لوگ نہ سکی۔ تب قلب کے دستے آگے بڑھے اور مجاہدین نے جان کی بازی لگادی۔ خالد بن ولید کو کچھ جیروں ہوئے کہ رومی پیچھے ہٹنے لگیں مجاہدین اُن کے پیچھے گئے لیکن خالد نے انہیں روک دیا۔

کچھ دیر بعد رومی پھر آگے بڑھے اور مجاہدین نے پہلے کی طرح حملہ روکا۔ خاصی غور زنی ہوئی اور رومی پیچھے ہٹ گئے اور اس کے بعد یہی سلسلہ چلتا رہا۔ مسلمان سالاروں کو معلوم نہیں تھا کہ ماٹا کی پلان ہی یہی ہے کہ مسلمانوں کے قلب اور محفوظہ کو اکٹھا کرے رکھو تاکہ اپنے پہلوؤں سے بے خبر رہیں اور انہیں گم نہ دے سکے۔

خالد اس دھوکے کو سمجھ تو نہ سکے لیکن انہوں نے ہر حملہ اس طرح روکا کہ مرکزیت اور جمعیت کو درجہ بدرجہ نہ ہونے دیا۔ رومیوں نے پیچھے ہٹ کر مسلمان سالاروں کو موقع دیا کہ وہ جوابی حملہ کریں لیکن خالد نے اپنے دستوں کو دفاع میں ہی رکھا۔ اس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ رومیوں کی نفری اور نفری کی جسمانی طاقت زائل ہوتی رہے۔

خالد نے اپنے پہلوؤں کی طرف توجہ نہ دی۔ انہوں نے سالاروں کو بت رکھا تھا کہ گم کی امید نہ رکھیں۔ سالاروں کو بھی اپنی بے یارمگی کا احساس تھا، اور یہ احساس اسلامی لشکر کے ہر ایک فرد کو تھا کہ صورت حال کتنی ہی دیگر گول ہو جائے، مگر صرف اللہ کی طرف سے ملے گی۔

رومیوں کے اصل حملے تو مسلمانوں کے پہلوؤں پر ہو رہے تھے جو ماٹا کے پلان کے مطابق تھے۔ دائیں پہلو پر پول ہوا کہ رومیوں نے وہاں بڑا تیز حملہ کیا۔ اس پہلو کی کمان عمر بن العاص کے پاس تھی۔ مجاہدین نے یہ حملہ نہ صرف روک لیا بلکہ دشمن کو پکڑ دیا۔ دشمن نے یہ حملہ کرنے والے دستوں کو پیچھے کر کے دوسرا حملہ تازہ دم دستوں سے کیا۔ یہ پہلے حملے سے زیادہ شدید تھا۔

مسلمانوں نے اس کا بھی مقابلہ کیا لیکن اُن کے جسم شل ہو گئے۔ انہوں نے رومیوں کو اُس سے کہیں زیادہ نقصان پہنچایا۔ عورتوں نے انہیں پسپا کیا تھا اور انہوں نے اس حملے کا دم ختم توڑ دیا۔ بڑی طرح ناکام ہو کر پیچھے ہٹ گئے لیکن مسلمانوں کی جسمانی حالت ایسی ابتر ہو گئی کہ وہ مزید لڑنے کے قابل نہ رہے۔

رومیوں نے تیسرا حملہ تازہ دم دستوں سے کیا۔ اُن کے حملہ آوروں کی نفری بھی زیادہ تھی۔ مسلمانوں نے جذبے کے زور پر حملہ روکنے کی کوشش کی مگر جسم ہی ساتھ نہ لیا تو جذبہ ایک حد تک ہی کام آ سکتا ہے۔ وہ ختم ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کے پاؤں کھٹکے۔ اُن کی ترتیب اور تنظیم ٹوٹ گئی۔ بیشتر اس طرح پیا پوئے گم ہو گئے کہ انہیں جان بچانے اور جنہوں نے پسپائی کو قبول نہ کیا وہ درمیانی دستوں یعنی قلب کی طرف جانے لگے۔

سالار عمر بن العاص بھاگنے والوں میں سے نہیں تھے۔ ان کے پاس محفوظہ میں دو ہزار سوار تھے جو وہاں موجود رہے۔ عمر بن العاص نے ان دو ہزار سواروں سے رومیوں پر حملہ کر دیا۔ اس کی قیادت

جنگ یرموک میں بھی ہند نے وہی گیت گایا۔

خالہ کی نظر پورے محاذ پر تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ دائیں اور بائیں پہلوؤں پر کیا ہو رہا ہے۔ انہیں احساس تھا کہ پہلوؤں کو مدد کی ضرورت ہے لیکن خالہ نے مدد کو انتہائی مخدوش صورت حال میں استعمال کرنے کی سوتھ رکھی تھی۔ انہیں خبریں مل گئی تھیں کہ دایاں پہلو سپا ہو گیا ہے اور بائیں پہلو بھی بکھر کر پیچھے ہٹ گیا ہے۔ خالہ نے دونوں پہلوؤں کے سالاروں کو سپہا بھیجا تھا کہ وہ جوابی حملہ کریں، نفری کتنی ہی تھوڑی کچل نہ ہو۔

آخر انہیں اطلاع ملی کہ دائیں پہلو کے سالار نے جوابی حملہ کر دیا ہے۔ خالہ نے محفوظ کر کے سوار دستے کے ساتھ متحرک سوار دستے کے پیچھے حصے کو اس حکم کے ساتھ اُدھر بھیج دیا کہ وہ دائیں پہلو پر رومیوں پر دوسری طرف سے حملہ کریں۔

اس وقت دائیں پہلو سے عمر بن العاص نے جوابی حملہ کیا تھا۔ یہ تھکے ہوئے مجاہدین کا حملہ تھا جو نہ جوش اور ولولے سے کیا گیا تھا لیکن نفری بہت کم تھی، پیچھے ہٹ کر دیا گیا۔
”اب زندہ نہ جائیں“ — یہ رومیوں کی لکڑا تھی — ”اب بھاگ کر نہ جائیں“

رومی نفری کی افراط پر ایسا دعویٰ کر سکتے تھے کہ وہ مسلمانوں کی اس قتل نفری کو زندہ نہیں جانے دیں گے لیکن اچانک ان کے پہلو پر طائر تیز حملہ ہو گیا حملہ آور گھڑ سوار تھے۔ وہ نعرے لگاتے اور گرجتے آئے تھے۔
”ابن العاص!“ — سوار دستوں کا سالار لکڑا رہا تھا۔ ”ہم آگئے ہیں جو صلہ تم رکھو؟“

عمر بن العاص کے تھکے ہوئے مجاہدین کے حصول میں بھی اور جہول میں بھی جان پرستی اور اس کے ساتھ ہی رومیوں کے حصول سے جان نکل گئی۔ وہ اب دوطرفہ حملوں کی لپیٹ میں آگئے تھے۔ وہ بکھلا گئے۔ مسلمان سوار تازہ دم تھے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے ساتھیوں کی بڑی حالت دیکھ کر اور زیادہ جوش میں آگئے تھے۔ یہ انتقام کا قہر تھا۔

اگر دونوں طرف نفری برابر ہوتی یا دشمن کی نفری ذرا زیادہ ہی ہوتی تو دشمن کا بے ستم شہ نقصان ہوتا اور وہ میدان چھوڑ جاتا لیکن نفری کے معاملے میں رومی سیلابی دریا تھے۔ مسلمانوں کے حملے کا ان پر اثر پڑا کہ وہ اپنی بہت سی لاشیں اور بے شمار زخمی چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے لیکن بھاگے نہیں بلکہ منظم طریقے سے اپنے محاذ تک واپس چلے گئے۔

ادھر مرکز یعنی قلب میں کیفیت یہ تھی کہ خالہ دشمن کی چال سمجھ چکے تھے۔ رومی ابھی تک مسلمانوں کے قبضے کے سامنے موجود تھے۔ وہ ہلکا سا حملہ کر کے پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ خالہ جان گئے کہ دشمن انہیں صرف رکھنا چاہتا ہے تاکہ وہ اپنے پہلوؤں کی طرف توجہ نہ دے سکیں۔ خالہ کو دائیں بائیں پہلوؤں کی اطلاعات ملیں تو انہوں نے ماہان کا پلان بیکار کرنے کا طریقہ سوچ لیا۔ پہلے تو انہوں نے دائیں پہلو کو مدد بھیجی پھر بائیں طرف توجہ دی جہاں کے سالار بڑ بن بن البوسفیان تھے۔

”ابن الزور!“ — خالہ نے اپنے متحرک سوار دستے کے سالار ضرار بن الزور کو بلا کر کہا۔ ”کیا تو دیکھ

ان کے حملے کی رفتار تیز نہیں تھی مجاہدین نے پہلا حملہ بڑی جانفشانی سے روکا تھا اور رومیوں کو لپکا کر کے لیے انہیں چند گھنٹے لوٹا دیا تھا۔ اس کے فوراً بعد تازہ دم دستوں کا حملہ روکنا ان کے لیے محال ہو گیا۔ حملہ آوروں کی نفری تین گنا سے بھی کچھ زیادہ تھی چنانچہ مسلمانوں کے جہول نے ان کے جذبوں کا ساتھ نہ دیا اور ان کے پاؤں اکٹھے اور وہ پسپا ہونے لگے۔

ان کی عورتوں کے پیچھے ان کے پیچھے محفوظ نا صلی پر تھے۔ بھاگنے والوں میں ان کے سالار کے والد البوسفیان بھی تھے۔ وہ کوئی معمولی شخص نہیں تھے۔ قبیلے کے سرداروں میں سے تھے۔ قبول اسلام سے پہلے انہوں نے مسلمانوں سے کئی لڑائیاں لڑی تھیں اور مسلمانوں کی تباہی اور بربادی میں پیش پیش رہتے تھے۔ قبول اسلام کے بعد بھی وہ اپنے بدلے ہوئے کردار میں اہم حیثیت کے مالک رہے لیکن رومیوں کے سیلاب کے آگے ٹھہر نہ سکے اور عورتوں کے کیمپ کی طرف بھاگ آئے۔
دال بھی عورتوں نے بھاگ آنے والوں کا استقبال ڈنڈوں سے کیا۔ ان میں البوسفیان کی بیوی ہند بھی تھیں۔ وہ ان کی طرف دوڑی آئیں اور ڈنڈہ آگے کر کے انہیں روک لیا۔

”اے ابن عرب!“ — ہند نے البوسفیان سے کہا۔ ”تو کدھر بھاگا آ رہا ہے؟“ — انہوں نے البوسفیان کے گھوڑے کے سر پر ڈنڈا مارا اور کہا۔ ”میں سے لوٹ جا اور ایسی بہادری سے لو کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو کاروائیاں کی تھیں، اللہ وہ بخش دے۔“

البوسفیان اپنی بیوی کو جانتے تھے۔ وہ بڑی زبردست خاتون تھیں۔ البوسفیان نے انہیں اتنا کہنے کی بھی جرأت نہ کی کہ وہ بھاگ آنے پر مجبور تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ہند کے سامنے لوے اور کچھ پروکے رہے تو ہند ڈنڈوں سے مار مار کر انہیں بیہوش کر دیں گی۔

دوسری عورتوں نے یہاں بھی وہی نظر بنادیا جو دائیں پہلو کے مجاہدین کی عورتوں نے بنا دیا تھا۔ بیویوں نے اپنے خاوندوں کو شرمسار کیا اور انہیں ایسا جوش دلایا کہ وہ سب واپس چلے گئے۔ عورتوں نے لکھا ہے کہ عورتیں اپنے مردوں کے ساتھ میدان جنگ تک چلی گئیں۔ ان میں ایک عورت کچھ زیادہ ہی آگے چلی گئی ایک رومی سپاہی اس کے سامنے آگیا۔ وہ اسے ایک عورت ہی سمجھ رہا تھا لیکن اس عورت نے تلوار نکال لی اور اس رومی کو مار ڈالا۔

سالار بن بن البوسفیان ایک جنگ پریشانی کے عالم میں اپنے بکھرے ہوئے مجاہدین کو ڈھونڈنے لگا۔ انہوں نے دیکھا کہ بھاگ جانے والے واپس آگئے ہیں تو ان کے چہرے پر رونق واپس آگئی۔ رومی پیچھے ہٹ گئے تھے۔ بڑبڑانے اپنے دستوں کو بڑی تیزی سے منظم کر لیا اور جوابی حملہ کا حکم دے دیا۔ ہند نے بہت ہی جلد آواز میں وہی گیت گانا شروع کر دیا جو انہوں نے اُن کی جنگ میں اپنے قبیلے کو گروانے کے لیے گایا تھا۔ اس وقت ہند مسلمان نہیں تھیں۔ ان کے گیت کے بعض الفاظ غیر شائستہ تھے گیت کا لُٹ لباب یہ تھا کہ تمھارے لیے راحت اور لطف کا دلیر نہ ہوتی ہیں۔ اگر تم نے دشمن کو سخت دی تو تم تھیں گلے لگا لیں گی اور اگر تم پیچھے ہٹ آئے تو تم تم سے جدا ہو جائیں گی۔

رہا ہے کہ دشمن ہمارے بازوؤں پر غالب آگیا ہے؟
 ”دیکھ رہا ہوں ابن الولید! — طراز نے کہا — میں تیرے حکم کا منتظر ہوں۔ کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ میرا
 گھوڑا کس لیے جھپٹ رہا ہے؟
 ”باتیں پہلو پر جلد جا ابن الازور!“ — خالد نے کہا — ”سوار دستہ اپنے ساتھ لے اور بڑیک کی مدد کو اس
 طرح پہنچ کر جن روہیل کے ساتھ وہ اکٹھا ہوا ہے ان پر پہلو سے حملہ کر دے۔“
 ”کس حال میں ہے بڑیک؟“ — طراز نے پوچھا۔

”حال جو مجھے بتایا گیا ہے وہ میں کیسے بیان کروں!“ — خالد نے کہا — ”ابو سفیان جو کبھی ہمارے
 قبیلہ قریش کی آنکھ کا تارہ تھا، وہ بھی میدان چھوڑ گیا ہے۔۔۔ دوسری اطلاع ملی ہے کہ جھاک آنے والے
 پھر آگے چلے گئے ہیں لیکن ان کو جانتا ہے کہ جو حملہ ایک ضرب کھالے تو دوسری ضرب کھالے کی تاب
 نہیں دیتی۔“

”اللہ ہم سب کو حوصلہ دے گا۔“ — طراز ابن الازور نے کہا۔

طراز تاریکی جھنگتے۔ دل میں اللہ اور رسول کا عشق ازبان پر اللہ اور رسول کا نام اور ان کی تلوار اللہ
 کے نام چلتی تھی۔ وہ تو اپنی جان سے لائق ہو چکے تھے۔ خالد کا حکم ملتے ہی انہوں نے اپنے سوار دستے
 کو ساتھ لیا اور یہ دستہ اپنی ہی اڑائی جوئی گروہ میں غائب ہو گیا۔

وقت بعد دوپہر کا تھا۔ گرمی جھلسا رہی تھی۔ گھوڑے پسینے میں نہا رہے تھے۔ پیاس سے مجاہدین کے
 منہ کھل گئے تھے اور ان کی روہیل پانی کی نہیں دشمن کے خون کی پیاسی تھیں۔

طراز کے دستے نے ان روہیل پر ایک پہلو سے حملہ کیا جنہیں بڑیک نے اپنے حملے میں اکٹھا رکھا تھا۔ یہ
 روہی زخمی نہ تھے۔ انہیں پہلی بار احساس ہوا کہ زخمیں نقصان بھی دے دیا کرتی ہیں۔ پہلے بتایا جا چکا ہے
 کہ دس دس آدمی ایک ہی زخم میں بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے جب حملہ کیا تھا تو ان کی رفتار زخمیوں
 کی وجہ سے ٹھٹھکی تھی۔ اب ان پر طراز نے حملہ کیا تو وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ مسلمانوں کی تلواروں اور بھجیوں سے
 بچنے کے لیے انہیں تیزی سے پیچھے ہٹ جانا چاہیے تھا لیکن زخمیں انہیں تیزی سے پیچھے ہٹنے نہیں
 دے رہی تھیں۔

طراز کے سواروں کا حملہ بڑا ہی تیز اور زوردار تھا۔ طراز بڑے ذہین سالار تھے اور اس کے ساتھ ہی
 وہ اپنے ہی طریقے اور جوش سے لڑنے والے سپاہی بھی تھے۔ ان کی دلیری کا یہ عالم تھا کہ دشمن کسے
 صفوں میں گھس جایا کرتے تھے یہاں بھی انہوں نے ایسی ہی دلیری کا مظاہرہ کیا۔ وہ روہیل کے سالار کو
 ڈھونڈ رہے تھے۔

انہیں وہ سالار نظر آگیا۔ وہ دیر جان تھا۔ اس کے ارد گرد اس کے محافظ سوار کھڑے تھے اور وہاں
 روہی پرچم بھی تھا۔ طراز اگر اسے لٹکارتے تو پہلے انہیں اس کے محافظ کا مقابلہ کرنا پڑتا جو اکیلے آدمی کے
 بس میں نہیں تھا۔ طراز محافظوں کو نظر انداز کر کے ان کے صہار میں چلے گئے اور تلوار کا ایسا وار کیا کہ دیر جان کی
 گردن تقریباً آدھی کٹ گئی۔

بیشتر اس کے کہ دیر جان کے محافظ ڈر کر گھیر لینے، طراز وہاں سے غائب ہو گئے تھے۔ محافظوں میں سے

ہر ٹونگ مچ گئی۔ ان کا سالار گھوڑے سے لڑھک گیا۔ دو محافظوں نے اسے قتل کیا اور گھوڑے سے گرنے
 نہ دیا لیکن اس کی زندگی ختم ہو چکی تھی۔ اسے اب مرنا تھا۔ وہ زخم ہونے والے بھرے کی طرح تڑپ رہا تھا۔
 اسے پیچھے لے جانے لگے تو وہ دم توڑ گیا۔

ادھر طراز ایک تہ کی طرح روہیل پر برس رہے تھے اور خالد نے اسی پہلو کے اس مقام پر حملہ کر
 دیا جہاں روہیل کا سالار گرجی تھا۔ طراز اور خالد کے حملوں نے روہیل کا زور توڑ دیا۔ زیادہ نقصان ان کو
 سپاہیوں کا ہوا جو زنجیروں سے ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ وہ تیزی سے پیچھے نہیں
 ہٹ سکتے تھے۔

اس جوانی حملہ کا یہ اثر ہوا کہ روہی پیچھے ہٹ گئے لیکن یہ پانی نہیں تھی۔ وہ مجاذہ خیمہ کا ڈھک چلے
 گئے۔ ان کا نقصان بہت ہوا تھا لیکن ان کے پاس انفری کی کمی نہیں تھی۔ مسلمان فوج پر یہ اثر ہوا کہ ان کا حوصلہ
 اور لڑنے کا جذبہ بحال ہو گیا اور ان میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ اتنے بڑے لشکر کو پیچھے ہٹایا جا سکتا ہے تو اسے
 شکست بھی دی جا سکتی ہے۔

اس روز مزید لڑائی نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ سورج غروب ہو رہا تھا۔

وہ رات بیداری کی رات تھی۔ مسلمان عورتیں آگے باکھڑ لڑنے کے لیے بیتاب ہوئی جارہی تھیں لیکن
 ان کے لیے دوسرے کام بھی تھے جن میں فوج کے لیے پانی فراہم کرنا اور کھانا پکانا تھا اور اس سے زیادہ اہم
 کام زخمیوں کی مرہم پٹی تھا۔ عورتیں زخمیوں کے زخم صاف کرتی اور ان پر پٹیاں باندھتی تھیں۔ ان کے انداز
 میں جو خلوص تھا اور جتنا پناہیت تھی، اس سے زخمیوں کے حوصلے اور زیادہ مضبوط ہو گئے۔ ان میں جو
 اگلے روز لڑنے کے قابل نہیں تھے وہ بھی لڑنے کو تیار ہو گئے۔

مجاہدین رات کو اپنے ساتھیوں کی لاشیں ڈھونڈتے اور پیچھے لاتے رہے۔ کچھ زخمی بے ہوش
 پڑے تھے۔ انہیں بھی انہوں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اٹھایا اور پیچھے لے آئے۔

ادھر ماہان نے اپنے سالاروں کو اپنے سامنے بٹھا رکھا تھا۔

”میں شمشادہ برقل کو کیا جواب دوں گا؟“ — وہ سخت برہم تھا — ”تم ہی بتاؤ کہ میں شمشادہ کو کیسے
 بتاؤں کہ ان چند ہزار مسلمانوں کو ہم اپنے گھوڑوں کے قدموں سے چل کیوں نہیں سکے؟
 کوئی سالار اسے تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔

”ہمارا ایک سالار بھی مارا گیا ہے۔“ — ماہان نے کہا — ”کیا تم نے ان کے کسی سالار کو قتل کیا ہے؟“
 اس کے تمام سالار خاموش رہے۔

”قورین!“ — اس نے اپنے ایک سالار قورین سے کہا — ”تم سالار دیر جان کے دستے لے لو۔۔۔ اور
 سوچ لو کہ پناہ ہونا ہے تو زندہ میرے سامنے آنا۔ آگے ہی کہیں مارے جانا۔“ اس نے تمام سالاروں
 سے کہا۔ ”کل کے سورج کے ساتھ مسلمانوں کا سورج بھی غروب ہو جائے۔۔۔ ہمیشہ کے لیے۔“

ماہان نے مسلمانوں کو اگلے روز ختم کر دینے کا نیا پلان بنایا اور سالاروں کو سمجھایا۔ اپنے مرے ہوئے
 سالار دیر جان کی جگہ اس نے قورین کو اس کے دستوں کا سالار مقرر کیا۔

مسلمان سالاروں نے بھی رات جاگتے گزار دی۔ زخمیوں کی عیادت کی اور مجاہدین کا حوصلہ بڑھایا۔

”تھک کر چور ہو گیا ہوں“ — مجاہد نے کہا۔

”لے میرا ہاتھ پکڑا“ — عورت نے کہا — ”میں تجھے اٹھاتی ہوں۔ نہیں اٹھنا تو تورا مجھے دے تیری جگہ تیری بہن لڑے گی۔“

مجاہد اٹھ کھڑا ہوا اور میدان جنگ کی طفت حل پڑا۔

”بھائی!“ — عورت نے کہا — ”اگر تجھے فلاح واپس لائے۔“

مسلمانوں کی پسپائی بڑی نہیں تھی۔ وہ تو بہت سے بڑھ کر لڑے تھے۔ ان کا اتنے بڑے لشکر سے لڑنا ہی ایک کارنامہ تھا۔ جہاں تک روہیل کو شکست دینے کا تعلق تھا، یہ ارادہ ناکام کسی خواہش نہ تھا جارہا تھا۔ مسلمانوں کا بار بار سپاہیوں کو اپنا لشکر نہ تھا لیکن خالدؓ شکست کو قبول کرنے والے سالار نہیں تھے۔ باقی تمام سالار بھی عزم کے پختے تھے۔

سالار اپنے ان مجاہدین کو جو پیچھے آگئے تھے، اکٹھا کر کے منظم کر رہے تھے۔ خالدؓ بھی پریشانی کے عالم میں بھاگ دوڑ رہے تھے اور قاصدوں کو گیارہ میل لمبے محاذ پر مختلف سالاروں کو احکام پہنچانے کے لیے دوڑا رہے تھے۔ ایک خاتون ان کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔

”ابن الولید!“ — خاتون نے کہا۔ ”خدا کی قسم! میرے بچے سے بڑھ کر کوئی دیر اور دانشمند آدمی پیدا نہیں کیا۔ کیا تو میری ایک بات پر غور نہیں کرے گا؟ ... سالار آگے آگے ہو تو سپاہی اس کے پیچھے جائیں لڑا دیتے ہیں۔ سالار شکست کھانے پر آمادہ تو اس کے سپاہی بہت جلد شکست کھا جاتے ہیں۔“

”میری بہن!“ — خالدؓ نے کہا — ”ہمارے لیے دعا کر۔ تیرے کالوں میں یہ آواز نہیں پڑے گی کہ اسلام کے سالار روہیل سے شکست کھا گئے ہیں۔“

اس خاتون نے کوئی ایسا مشورہ نہیں دیا تھا جو خالدؓ کے لیے نیا ہوتا۔ وہ تو اپنی فوج کے آگے رہنے والے سالار تھے لیکن اس خاتون کے جذبے سے خالدؓ متاثر ہوتے۔ خواتین کا جذبہ تو ہر لڑائی میں ایسا ہی ہوتا تھا لیکن یہ لوگ کی جنگ میں عورتوں کے جذبوں کی کیفیت کچھ اور ہی تھی۔ وہ مردوں کے دوش بدوش لڑنے کے لیے بیتاب تھیں۔ حقیقت ہے کہ خواتین نے مجاہدین کے جسموں اور جذبوں میں نئی روح پھونک دی تھی۔ اس کے فوراً بعد خالدؓ نے وہ سارے دستہ ساتھ لیا جہاں انہوں نے خاص مقصد کے لیے تیار کیا اور اسے گھوم پھر کر لڑنے کی ٹریننگ دی تھی۔ انہوں نے روہیل کے ایک حصے پر جس کا سالار قاضی تھا حملہ کر دیا۔ انہوں نے

حملہ واپس پھلور کیا تھا۔ خالدؓ کے حکم کے مطابق سالار عربون العاص نے اسی حصے کے بائیں پہلو پر حملہ کیا۔ ان کے ساتھ سالار شرجیلؓ بن حسنہ بھی اپنے دستوں کے ساتھ تھے۔ یہ دستے پیداہ تھے۔

روہیل نے بڑی بے چھری سے یہ دو فوجیں حملہ رد کا۔ وہ اگلے دستوں کو پیچھے کر کے تازہ دم دستے آگے لاتے تھے۔ تھکے ماندے مسلمانوں نے جیسے قسم کھائی تھی کہ پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اس لڑائی میں مسلمانوں نے جانوں کی قربانیاں بے دریغ دیں۔ شہید ہونے والوں کی تعداد کئی سو ہو گئی تھی۔ وہ روہیل کو شکست تو نہ دے سکے، صرف یہ کامیابی حاصل کی کہ روہیل کو ان کے محاذ تک پساکر دیا اور اس کے ساتھ ہی اس دن کا ٹونج میدان جنگ کے خاک و خون میں ڈوب گیا۔

اگلے روز کی لڑائی پہلے سے کہیں زیادہ شدید اور خونریز تھی۔ مسلمانوں کے واپس پھلور سالار عربون العاص کے دستے تھے اور ان کے ساتھ ہی سالار شرجیلؓ بن حسنہ کے دستے تھے۔ روہیل نے اس جنگی حملہ کیا جہاں ان دونوں کے دستے آپس میں جلتے تھے۔ دونوں سالاروں نے مل کر روہیل کا یہ حملہ بے چھری سے لڑ کر پساکر دیا۔

روہیل نے اپنا پہلے والا طریقہ اختیار کیا۔ انہوں نے دوسرا حملہ تازہ دم دستوں سے کیا۔ اس طرح وہ بار بار تازہ دم دستے آگے لگاتے رہے اور مسلمان ہر حملہ رد کرتے رہے۔ انہوں نے اپنی تنظیم اور ترتیب برقرار رکھی مگر جہاں طاقت جواب دینے لگی۔ روہیل کی کوشش ہی یہی تھی کہ مسلمانوں کو اتنا تھکا دیا جاتے کہ حملہ روکنے کے قابل نہ رہیں۔

دوپہر کے وقت جب گرمی اتنا کو پہنچ گئی تو روہیل نے زیادہ فوج سے بلا ہی سخت حملہ کیا۔ اس کے آگے پوری کوشش کے باوجود مسلمان جم نہ سکے۔ عربون العاص کا پورا اور شرجیلؓ بن حسنہ کا تقریباً نصف دستہ پسپا ہو گیا۔ اس روز بھی ایسے ہی چار جیسے گزشتہ روز ہوا تھا۔ بھاگنے والوں کو عورتوں نے روک لیا۔ انہیں ہڈیوں بھی دکھائے، لٹنے بھی دیتے، غیرت کو جوش بھی دلایا اور ان کا حوصلہ بھی بڑھایا۔

کسی مورخ نے ایک خبر لکھی ہے کہ ایک مجاہد بھاگ کر پیچھے آیا اور عورتوں کے قریب آکر گر پڑا۔ اس کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔ منہ کھل گیا تھا۔ ایک عورت دوڑتی اس تک پہنچی اور اس کے پاس بیٹھ گئی۔

”کیا تو زخمی ہے؟“ — عورت نے پوچھا۔

وہ بول نہیں سکتا تھا۔ اس نے سر ہلا کر بتایا کہ وہ زخمی نہیں۔

”پھر تو بھاگ کیوں آیا ہے؟“ — عورت نے پوچھا۔ ”کیا تیرے پاس تلوار نہیں تھی؟“

مجاہد نے نیام سے تلوار نکالی جس پر لوگ سے دستے تک خون جما ہوا تھا۔

”کیا تیرے پاس دل نہ تھا کہ تو بھاگ آیا ہے؟“ — عورت نے پوچھا۔

مجاہد نے اگھڑی جوتی سانس کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا اور بول نہ سکا۔

”کیا تیری بیوی یہاں ہے؟“

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”بہن؟“ — عورت نے پوچھا۔ ”مال؟“

کوئی نہیں! — اس نے بڑی مشکل سے کہا۔

”کیا یہ عورتیں تمہاری مائیں اور بہنیں نہیں؟“ — عورت نے کہا۔ ”کیا تو برداشت کر لے گا کہ ان کو

کٹا رہا اٹھا کر لے جائیں؟“

”نہیں۔“ — مجاہد نے جاندار آواز میں کہا۔

”کیا تو اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان نہیں کرے گا؟“

”مردوں کو لگا۔“ — اس نے جواب دیا۔

”پھر یہاں کیوں آ کر اسے؟“ — عورت نے کہا۔

اُس روز کی جنگ پہلے سے زیادہ شدید، تیز اور خونریز تھی۔ یہ پہلی جنگ تھی جس میں مسلمان صرف ایک دن میں سینکڑوں کے حساب سے شہید ہوئے اور رومیوں کا کوئی حساب نہ تھا۔ تاریخ میں صبح اعداد و شمار نہیں ملتے رومیوں کا جانی نقصان مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ تھا۔

لڑنے کے جذبے اور حوصلے کی کیفیت یہ تھی کہ مسلمانوں میں خود اعتمادی بحال ہو گئی تھی، حالانکہ ان کے تعداد خاصی کم ہو گئی تھی اور انہیں شکم ملنے کی توقع نہیں تھی۔ ان کا حوصلہ اسی کامیابی سے قائم ہو گیا تھا کہ وہ پسپائیں ہوتے تھے بلکہ انہوں نے رومیوں کو لپکا کر دیا تھا۔ رومیوں میں مایوسی پیدا ہو گئی تھی کیونکہ انہیں توقع تھی کہ اتنے بڑے لشکر سے تو پہلے دن ہی مسلمانوں کو ہتھیار کوڑے خنجر پھرنے کے لیے تیار کر دیا جائے گا۔ لیکن تیس دن گزر گیا تھا۔ مسلمان پیچھے ہٹتے اور پھر چکر دیتے تھے۔ ہار مانتے ہی نہیں تھے۔

رومیوں کے سالار اعلیٰ کی ذہنی حالت تو بہت ہی بُری تھی۔ اُس نے آج رات پھر سالار دل کو بلایا اور اُن پر برس پڑا۔ وہ اُن سے پوچھتا تھا کہ وجہ کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو ابھی تک شکست نہیں دے سکے۔ سالاروں نے اپنا اپنا جواز بیان کیا لیکن ماٹان کا غصہ اور تیز ہو گیا۔ آخر رومی سالاروں نے حلف اٹھایا کہ وہ اگلے روز مسلمانوں کو شکست دے کر پیچھے آئیں گے۔

گذشتہ رات کی طرح آج کی رات بھی خالدؓ اور ابو عبیدہؓ تمام تر محاذ پر پھرتے رہے۔ خالدؓ نے حکم دیا کہ جو فوجی چل پھر سکتے ہیں وہ اگلے روز کی لڑائی میں شامل ہوں گے۔

عورتیں رومیوں کی طرح چلی کرتی رہیں۔ رات کے آخری پہر عورتیں اکٹھی ہوتیں۔ ابوسفیانؓ کی بیوی ہند اور صفیہؓ ابن ابی امیہؓ کی بہن خولہؓ سے عورتوں کو بتایا کہ کل کا دن فیصلہ کن دن ہو گا۔

”..... اور اپنے آدمیوں کی جسمانی حالت ہم سب دیکھ رہی ہیں۔ ہند نے کہا۔ ”مجھے اپنی شکست نظر آ رہی ہے اور گمک نہیں آ رہی۔ اب ضرورت یہ ہے کہ تمام عورتیں لڑائی میں شامل ہو جائیں؟“

”کیا ہمارے مرد ہیں اپنی فسطول میں شامل ہونے دیں گے؟“ ایک عورت نے پوچھا۔

”ہم مردوں سے اجازت نہیں لیں گی۔“ ہند نے کہا۔ ”وہ اجازت نہیں دیں گے.... کیا تم سب لڑنے کے لیے تیار ہو؟“

تمام عورتوں نے جوش و خروش سے کہا کہ وہ کل مردوں سے پوچھے بغیر میدان جنگ میں کود پڑیں گی۔ اگلے روز کے لیے رومیوں نے جنگ کی جتاری کی کہ وہ بڑی خوفناک تھی۔ مسلمان غواتیں نے ہتھیار نکال لیے کل انہیں بھی میدان میں اترنا تھا۔

خاک و خون میں ڈوبی ہوئی رات کے لپٹن سے ایک اور صبح طلوع ہوئی۔ یہ تاریخ اسلام کی ایک بھیبھاک اور ہولناک جنگ کے چوتھے روز کی صبح تھی۔ مسلمان فجر کی نماز پڑھ چکے تو خالدؓ اُٹھے۔

”اے جامعہ مومنین! خالدؓ نے مجاہدین سے کہا۔ ”متم نے دن اللہ کی راہ میں لڑتے اور راتیں اللہ کو یاد کرتے گزار دی ہیں۔ اللہ ہمارے حال سے بے خبر نہیں۔ اللہ دیکھ رہا ہے کہ تم لڑنے کے قابل نہیں رہے پھر بھی لڑ رہے ہو۔ اللہ تم سے مایوس نہیں ہوا، تم اُس کے رحم و کرم سے مایوس نہ ہونا۔ ہم اللہ کے لیے لڑ رہے ہیں.... آج کے دن حوصلہ قائم رکھنا۔ آج اسلام کی قسمت کا فیصلہ ہو گا کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اللہ کے سامنے بھی، رسول اللہؐ کی روحِ مقدس کے سامنے بھی اور اپنے اُن بھائیوں کی ردحوں کے سامنے بھی شرمسار ہوں جو ہمارے ساتھ چلے گئے اور ہم نے اُن کے لوہان جہول کو اپنے ہاتھوں دفن کر دیا ہے۔ کیا تم اُن کے بچوں کی خاطر جو تہیم ہو گئے ہیں اور اُن کی بیویوں کی خاطر جو بیوہ ہو گئی ہیں اور اُن کے بہنوں اور اُن کی ماؤں کی عزت کی خاطر نہیں لڑو گے؟“

”بیشک ابن الولید! مجاہدین کی آوازیں اٹھیں۔“ ہم لڑیں گے۔“

”شہیدوں کے خون کے قطرے قطرے کا تہمت م لیں گے۔“

”آج کے دن لڑیں گے۔ کل کے دن اور زندگی کے جتنے دن رہ گئے ہیں وہ کفار کے خلاف لڑتے گزار دیں گے۔“

اس طرح مجاہدین نے خالدؓ کی آواز پر جوش و خروش سے لیکر کہا لیکن اُن کی آواز دل میں وہ جان نہیں تھی جو ہر اکوتی تھی جہاں کا عزم موجود تھا۔ خالدؓ کا یہ پیغام سارے مجاہد تک پہنچایا گیا۔ ہر سالار کی زبان پر یہی الفاظ تھے۔ ”آج کے دن حوصلہ نہ ڈرنا.... آج کے دن!“

آخر رومی لشکر کے سالاروں کو بھی یہی حکم ملا تھا۔ ”آج کے دن مسلمانوں کا خاتمہ کر دو۔“

صبح کا اُجالا صاف ہوتے ہی رومی دستے نمودار ہوئے۔ اُن کا انداز پہلے والا اور پلان بھی پہلے والا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے دایں پہر پر سالار عمرو بن العاصؓ کے دستوں پر حملہ کیا۔ حملہ آور آرمینیا کی فوج تھی جس کا سالار فاطمہ تھا۔ عمرو بن العاصؓ کے پہلو میں سالار شمر بن جہل بن حسہ کے دستے تھے۔ ان پر آرمینیوں نے حملہ کیا اور ان کی مدد کے لیے عیسائی دستے بھی ساتھ تھے۔

عمرو بن العاصؓ کے لیے صورت حال مخدوش ہو گئی۔ انہوں نے بہت دیر مقابلہ کیا لیکن وہ دشمن کے سیلاب کے آگے ٹھہر نہ سکے۔ عمرو بن العاصؓ کے مجاہدین نے تنظیم اور ترتیب توڑ دی اور حملہ آوروں پر بار بار پڑے وہ دراصل پسپا ہو رہے تھے لیکن اب وہ پانی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے چنانچہ انہوں نے اپنی صفیں توڑ کر انفرادی لڑائی شروع کر دی۔ عمرو بن العاصؓ سالار سے سپاہی بن گئے۔ وہ تو لوہا گئے وحشی تھے۔ اکیں انہی کی تلوار نے کئی آرمینیوں کو خون میں نہلا دیا۔ اُن کے دے کا ہر فرد اب اپنی لڑائی لڑ رہا تھا۔ انہوں نے

دشمن کی بھی ترتیب توڑ دی۔
رومیوں کے اتحادی یہ آرمینی اس قسم کی لڑائی کی تاب نہ لاسکے لیکن وہ پسپا نہیں ہو سکتے تھے جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ان کے پیچھے تازہ دم عیسائی دستے موجود تھے۔ وہ آرمینیوں کو پیچھے نہیں آنے دیتے تھے۔ دوسری وجہ یہ کہ ان کے سالار پیچھے ہٹنے کا حکم نہیں دیتے تھے اور تیسری وجہ یہ کہ مسلمان تعدادیں کم ہونے کے باوجود انہیں لڑائی میں سے نکلنے نہیں دے رہے تھے۔

شترسبیل بن حسنہ کے دستوں کی حالت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ انہیں دشمن نے بہت پیچھے ہٹا دیا تھا۔ مجاہدین بے جگری سے لڑ رہے تھے لیکن دشمن کا دباؤ ان کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔

۵

خالد بن ولید نے یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے یہ چال سوچی کہ عمرو بن العاص اور شترسبیل بن حسنہ پر حملہ کرنے والے آرمینیوں پر پہلو سے حملہ کیا جائے لیکن ان کی مدد کو آنے والے دستوں کا راستہ روکنا بھی ضروری تھا۔ انہوں نے قاصد کو بلا دیا۔

ابو عبیدہؓ اور یزید بن ابی مرثدہؓ نے اپنے سامنے والے رومیوں پر حملہ کر دیا۔ خالد بن ولیدؓ نے کہا۔ "اور انہیں کہنا کہ دشمن کے ان دستوں کو روک دے کہ ہمارے دائیں پہلو کی طرف نہ جا سکیں۔۔۔ اور انہیں کہنا کہ اپنے سوار دستے بھی جمع کر رہے ہیں؟"

قاصد نے گھوڑے کو اڑا لیا اور ابو عبیدہؓ اور یزید بن ابی مرثدہؓ کو ابوسفیان تک جا پہنچا۔ پیغام ملتے ہی ان دونوں سالاروں نے اپنے سامنے والے رومی دستوں پر حملہ کر دیا۔

خالد بن ولیدؓ نے اپنے مخصوص رسالے کو دو دستوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصے کی کان قیس بن ہبیرہ کو دی اور دوسرے کو اپنی کان میں رکھا۔ خالد بن ولیدؓ اپنے دائیں پہلو کے پیچھے سے گزر کر آگے نکل گئے اور اس طرف سے آرمینی دستوں پر حملہ کر دیا۔ ان کے حکم کے مطابق قیس بن ہبیرہ کے سوار دستوں نے آرمینیوں پر دوسرے پہلو سے حملہ کر دیا۔ شترسبیلؓ نے اپنے سامنے سے حملہ کر دیا۔

یہ سہ طر فی حملہ تھا جو آرمینیوں کے لیے ایک آفت ثابت ہوا۔ عیسائی دستے ان کی مدد کو آئے لیکن بے شمار لاشیں اڑ پڑے جوڑے زخمی اور بے لگام بھاگے گھوڑے چھوڑ کر پناہ ہو گئے اور اپنے محاذ و فریقہ تک نہک جا پہنچے۔ ابھی دشمن کا ہچکا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خالد بن ولیدؓ بھی دفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ دشمن حملہ کر کے شک ہو جائے۔

ابو عبیدہؓ اور شترسبیلؓ نے آگے بڑھ کر حملہ کیا تھا۔ وہ انہیں منگوا لیا۔ دشمن نے ان دونوں سالاروں کے دستوں پر تیروں کا مینہ برسایا۔ یہ دوسری تیر اندازی نہیں جیسی لڑائیوں میں معمول کے مطابق ہوا کرتی ہے۔ یہ تو صحنہ تیروں میں تیروں کا مینہ تھا۔ رومی اپنے لشکر کے تمام تیر اندازوں کو آگے لے آئے تھے بعض تو زخموں نے لکھا ہے کہ فضا میں اڑتے ہوئے تیروں نے سورج کو چھپا لیا تھا۔

تیر اندازوں کی ہمارت کا یہ عالم تھا کہ سات سو مسلمانوں کی آنکھوں میں تیر لگے اور آنکھیں ضائع ہو گئیں۔ اسی لیے اس دن کو تویم النفرہ کہا جاتا ہے۔ مسلمان تیر اندازوں نے رومی تیر اندازوں پر تیر چلائے لیکن مسلمانوں کے تیر بیکار ثابت ہوئے کیونکہ مسلمانوں کی کانیں چھوٹی تھیں۔ ان سے تیر ڈوب کر نہیں جا سکتا تھا۔ اس کے

علاوہ تیر اندازوں کی تعداد دشمن کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی۔

ابوسفیان کی بھی آنکھ میں تیر لگا اور وہ ایک آنکھ سے معذور ہو گئے۔

اس صورت حال میں مسلمان میدان میں بھنسنے لگے تھے۔ ابو عبیدہؓ اور شترسبیلؓ کو پیچھے ہٹنا پڑا رات سو مسلمان تو وہ تھے جن کی آنکھوں میں تیر لگے تھے۔ ان کے علاوہ زخمیوں کی تعداد کچھ کم نہیں تھی۔

۵

رومی سالار اعلیٰ مانان ایک اونچی چٹان کی چوٹی سے یہ جنگ دیکھ رہا تھا۔

"وہ وقت آگیا ہے۔" مانان نے چلا کر کہا۔ "اب حملے کا وقت آگیا ہے۔۔۔ نہیں پھر سکیں گے۔" اُس نے اپنے دو سالاروں کو پکار کر کہا۔ "لو گرجی۔۔۔ قرین۔۔۔ تیر لہر بول دو فیصلے کا وقت آگیا ہے؟ جنگ کے شور و غوغا میں اور بھراتنی دور سے اُس کی آواز سالاروں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اُس کی پیکار اُس کے قاصد تک سکتے تھے جو ہر وقت اُس کے قریب موجود رہتے تھے۔

"کوئی اور حکم؟" ایک قاصد نے مانان کے آگے ہو کر پوچھا۔

مانان نے اپنا پورا حکم دیا اور قاصد کا گھوڑا بڑی تیزی سے چٹان سے اتر کر میدان جنگ کی قیامت خیزی میں غائب ہو گیا۔

مانان مسلمانوں کو اسی کیفیت میں لانا چاہتا تھا کہ وہ حملہ روکنے کے قابل نہ رہیں۔ وہ کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کی نفی ہزاروں کے حساب سے کم ہو گئی تھی اور جو بچی نہیں تھے وہ جمائی ٹھکن سے چور ہو چکے تھے۔ رومیوں کے لیے وہ فیصلہ کن لمحہ آگیا تھا جس کا حکم مانان نے گدشتہ رات اپنے سالاروں کو دیا تھا۔

مانان کا حکم پہنچتے ہی رومیوں نے تین سالاروں۔ ابو عبیدہؓ، یزید بن ابی مرثدہؓ اور عکرمہؓ کے دستوں پر حملہ کر دیا۔ ابو عبیدہؓ اور شترسبیلؓ کے دستوں پر زیادہ دباؤ لایا کیونکہ ان کے قدم پہلے ہی اکھڑے ہوئے تھے اور وہ پیچھے ہٹ رہے تھے۔ انہیں میدان جنگ سے بھگا دینا رومیوں کے لیے کوئی مشکل نہ تھا۔ وہ پیچھے ہی پیچھے ہٹتے جا رہے تھے۔

رومی جنگ کو فیصلہ کن مرحلے میں لے آئے تھے۔

مسلمانوں کی شکست یقینی تھی اور اس شکست کے نتائج صرف ان مسلمانوں کے لیے ہی تباہ کن نہیں تھے جو لڑ رہے تھے بلکہ یہ اسلام کے لیے بھی کاری ضرب تھی۔ اسی میدان میں یہ فیصلہ ہونا تھا کہ اس خطے میں مسلمان رہیں گے یا رومی، اسلام رہے گا یا عیسائیت۔

میدان عیسائیت کے ہاتھ تھا۔

ابو عبیدہؓ اور یزید بن ابی مرثدہؓ کے دستوں کے ہاتھیں پھوڑے ہوئے تھے۔ ان بھی چھوڑنا تھا لیکن یہ اتنا زوردار نہیں تھا جتنا دوسرے دستوں پر تھا۔ عکرمہؓ نے ابو عبیدہؓ اور یزید بن ابی مرثدہؓ جیسے ہمار سالاروں کو پسپائی کی حالت میں دیکھا تو انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے اپنے دستے بھی نہیں پھرنے لگے۔

"خدا کی قسم! ہم یوں نہیں بھاگیں گے۔" عکرمہؓ نے نعرہ لگایا اور اپنے دستوں میں گھوم پھر کر کہا۔ "جو لڑ کر مرے اور پیچھے نہ ہٹنے کی قسم کھانے کو تیار ہیں الگ ہو جائیں۔۔۔ سوچ کر تم کھانا قسم توڑنے کے

عذاب کو سون لو... فیصلہ کر لیں کیا منظور ہے... شکرست یا موت... وقت اور رسوائی کی زندگی یا باعزت موت!

اگر صورت حال یہ نہ ہوتی اور مسلمان تازہ دم ہوتے تو عکرمہ کے اس اعلان کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن مسلمان جسمانی طور پر جس بڑی حالت کو پہنچ گئے تھے اس کا بہت بُرا اثر ذہنوں پر بھی پڑا تھا۔ یہ دستانے یہ پہلی جنگ تو نہیں لڑ رہے تھے۔ وہ تین تین چار چار برسوں سے گھروں سے نکلے ہوئے تھے اور لڑتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔ یہ جذبہ تھا جو انہیں یہاں تک لے آیا تھا ورنہ عام ذہنی حالت میں یہ ممکن نہیں تھا۔

اس جسمانی اور ذہنی کیفیت میں عکرمہ کے اعلان اور لٹکار پر صرف چار سو جاہلین نے لبیک کہا اور حلف اٹھا کہ ایک قدم پیچھے نہیں ہٹیں گے، لڑتے ہوئے جاہلین دے دیں گے۔ باقی جو تھے وہ لڑنے سے منہ نہیں موڑ رہے تھے لیکن وہ ایسی قسم نہیں کھانا چاہتے تھے جسے وہ پورا نہ کر سکیں۔

ان چار سو جاہلین نے جنہوں نے حلف اٹھا یا تھا، اپنے سالار عکرمہ کی قیادت میں ان رومیوں پر پہلوں دیا جو ابو عبیدہ اور بزرگ کو پیچھے دھکیل رہے تھے۔ یہ لڑکر اننا شدید تھا جسے شیر شکار پر بھیٹ رہے ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ رہا کہ رومیوں کا ہائی نقصان پیشاں ہوا۔ عکرمہ کے دستوں میں سے کوئی ایک آدمی بھی پسپا نہ ہوا لیکن چلے سوجا بنا زول میں ایک بھی صحیح اور سلامت نہ رہا۔ زیادہ تر شہید ہو گئے، باقی شدید زخمی ہوئے اور بعد میں زخموں کی تاب نہ لاکر شہید ہوئے رہے۔ کسی ایک جسمانی طور پر محذور ہو گئے۔

انتہائی شدید زخمی ہونے والوں میں عکرمہ بھی تھے اور ان کے نوجوان بیٹے عکرمہ بھی۔ انہیں یہوشی کسے حالت میں پیچھے لایا گیا تھا۔

۵

ابو عبیدہ اور بزرگ کے دستانے پیچھے ہٹتے گئے۔ رومی انہیں دھکیلنے چلے آ رہے تھے۔ بڑا ہی خود بزمعہ تھا۔ جب یہ دستانے مسلمانوں کی خیر گاہ تک پہنچے گئے تو مسلمان عورتوں نے ڈنڈے سے پیچھا کر لیا اور برچھیاں اٹھالیں اور چادریں پگڑیوں کی طرح اپنے سروں سے لپیٹ کر رومیوں پر ٹوٹ پڑیں۔ ان میں ضرار کی بہن خولہ بھی تھیں جو عورتوں کو لٹکا رہی تھیں۔

متورخ لکھتے ہیں کہ عورتیں اپنے دستوں میں سے گورتی آگے نکل گئیں اور بڑی ہمارت، دلیری اور قہر سے رومیوں پر چھپنے لگیں۔ وہ تازہ دم تھیں۔ انہوں نے رومیوں کے منہ موڑ دیئے۔ ان کی ضربیں کاری تھیں۔ دی زخمی ہو ہو کر گر گئے۔

عورتوں کے یوں آگے آ جانے اور رومیوں پر چھپ پڑنے کا جواثر مجاہدین پر ہوا وہ غضب ناک تھا۔ اپنی عورتوں کو لڑنا دیکھ کر مجاہدین گنگ بگولا ہو گئے۔ انسان میں جو فطرتی قوتیں ہوتی ہیں وہ بیدار ہو گئیں اور وہی مجاہدین جو پسا چوتے جا رہے تھے، رومیوں کے بلے قہر بن گئے۔ انہوں نے ترتیب توڑ دی اور اپنے سالاروں کے احکام سے آزاد ہو کر ذاتی لڑائی شروع کر دی۔ ان کی ضربوں کے آگے رومی بوکھلا گئے اور پیچھے ہٹنے لگے۔ وہ اپنے زخمیوں کو روندتے جا رہے تھے۔

سالانہ سبھا ہی بن گئے اور عورتیں بدستور لڑتی رہیں۔ دن کا پچھلا پہر تھا۔ معرکہ انتہائی خونریز اور تیز ہو

گیا۔ رومیوں کے پاؤں اکٹھے گئے تھے گھسان کے اس معرکہ میں ضرار کی بہن خولہ جو اس وقت تک کسی ایک رومیوں کو زخمی اور ہلاک کر چکی تھیں ایک اور رومی کے سامنے ہوئیں۔ پہلا وار خولہ نے کیا جو رومی نے رک لیا اور اس کے ساتھ ہی اُس نے ایسا زور وار وار کیا کہ اُس کی تلوار نے خولہ کے سر کا کپڑا بھی کاٹ دیا اور سر پر شدید زخم آیا۔ خولہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں پھر انہیں اٹھتے نہ دیکھا گیا۔

اس کے فوراً بعد سورج غروب ہو گیا اور دونوں طرف کے دستانے اپنے اپنے مقام پر پیچھے چلے گئے اور زخمیوں اور لاشوں کو اٹھانے کا کام شروع ہو گیا۔ رومیوں کی لاشوں اور یہوش زخمیوں کا کوئی شمار نہ تھا انھیں مسلمانوں کا بھی کم نہ تھا لیکن رومیوں کی نسبت بہت کم تھا۔

خولہ کو اس نظر نہیں آ رہی تھیں۔ انہیں خیر گاہ میں ڈھونڈا گیا۔ نہ ملیں تو لاشوں اور زخمیوں میں ڈھونڈنے لگے اور وہ بے ہوش پڑی مل گئیں۔ سر میں تلوار کا لمبا زخم تھا۔ بال خون سے جڑ گئے تھے۔

”اس کے بھائی کو اطلاع دو“ کسی نے کہا۔ ”ابن الاذر سے کہو تیری بہن شہید ہو رہی ہے۔“

ضرار بن الاذر بہت دُور تھے۔ بڑی مشکل سے ملے۔ بہن کی اطلاع پر سرسٹ گھوڑا دوڑاتے آئے جب اپنی بہن کے پاس پہنچے تو بہن ہوش میں آ گئیں۔ اُن کی نظر اپنے بھائی پر پڑی تو ہونٹوں پر سکراہٹ آ گئی۔

”خدا کی قسم تو زندہ ہے۔“ ضرار نے جذبات سے مغلوب آواز میں کہا۔ ”تو زندہ رہے گی۔“

ضرار نے خولہ کو اٹھا کر لگے لگایا۔ خولہ کے سر پر تہ در تہ کپڑا تھا جس نے تلوار کی ضرب کو کمزور کر دیا تھا۔ سر پر صرف اوڑھنی ہوتی تو کھوپڑی کٹ جاتی پھر زندہ رہنا ممکن نہ ہوتا۔

جنگ کا بڑا ہی ہولناک دن گزر گیا۔ رومیوں کو اپنے اس عزم میں بہت بُری طرح ناکامی ہوئی کہ آج کے دن جنگ کا فیصلہ کر دیں گے۔ ان کی نفی تو بہت زیادہ تھی لیکن اُس روز ان کی جغرافیہ ماری گئی تھی اس سے اُن کا غیر فخر ٹوٹ گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے کچل ڈالیں گے۔ مسلمانوں نے جس طرح اپنے سالاروں سے آزاد ہو کر اُن پر تلے ہوئے تھے اس سے وہ محتاط ہو گئے تھے۔

رومیوں کے لشکر میں سے زیادہ جو مارے گئے یا شدید زخمی ہوئے وہ عسائی اور آرمینی اور دوسرے قبائل کے آدمی تھے جو رومیوں کے اتحادی بن کر آئے تھے۔ رومی سالار راعلیٰ ماہان نے انہی کو آگے کر دیا اور بار بار انہی سے حملے کروا رہا تھا۔ ان لوگوں کا جذبہ اپنی اتنی زیادہ لاشیں اور زخمی دیکھ کر مجروح ہو گیا تھا۔

۵

اُس روز ایک اور واقعہ ہو گیا۔ خالد بن پریشانی کے عالم میں کچھ ڈھونڈتے پھر رہے تھے جنگ کے متعلق تو اُن کے چہرے پر اضطراب اور حیران رہتا تھا لیکن ایسی پریشانی اُن کے چہرے پر شاید ہی کبھی کھینچے میں آئی ہو۔ اُن سے پریشانی کا باعث پوچھا گیا۔

”میری ٹوپی!“ خالد نے کہا۔ ”سرخ ٹوپی میری کہیں گر پڑی ہے۔ اسے ڈھونڈ رہا ہوں۔“ یہ دن کا واقعہ ہے جب خالد اپنے سواروں سے کو لڑا رہے تھے معرکہ میں کچھ دیر کا غفلت پیدا ہو گیا تھا۔ یہ نہ کہ سبب حیران ہونے کا دشمن سیاہ کٹاؤ کی طرح چڑھا رہا ہے اور فوج کی کوئی امید نہیں اور خالد یسایا دسہ وار سالار معمولی سی ٹوپی کے لیے پریشان ہو رہا ہے۔ خالد نے سبب کہا کہ اُن کی ٹوپی تلاش کریں۔

تلاش بسیار کے بعد اُن کی سرخ ٹوپی مل گئی۔ متورخ لکھتے ہیں کہ خالد کے چہرے پر رونق اور بزموں پر تبسم آ گیا۔

”ان الولید!۔ کسی سالار نے پوچھا۔ کیا تجھے اُن کا غم نہیں جو ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے ہیں؟ تو ایک لڑکی کے لیے اتنا پریشان ہو گیا تھا؟“

”اس لڑکی کی قدر و قیمت صرف میں جانتا ہوں۔“ خالد نے کہا۔ ”مجھے اللہ کا عے کے لیے رسول اکرمؐ نے سر کے بال منڈھوائے تو میں نے کچھ بال اٹھالیے۔ رسول اللہؐ نے پوچھا کہ ان بالوں کو کیا کر دو گے؟ میں نے کہا کہ اپنے پاس رکھوں گا، کفار کے خلاف لڑتے وقت یہ بال میرا حوصلہ مضبوط رکھیں گے رسول اللہؐ

نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ بال تیرے پاس رہیں گے اور میری دعائیں بھی تیرے ساتھ رہیں گی۔ اللہ تجھے ہر میدان میں فتح عطا کرے گا۔ میں نے یہ بال اپنی اس لڑکی میں سی لیے تھے۔ میں اس لڑکی سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اسی کی برکت سے میری طاقت اور میری ہمت قائم ہے۔“

خالد کو لڑپن ہی جانے کی تو بہت غرضی ہوتی تھی لیکن وہ رات اُن کے لیے شبِ غم تھی۔ وہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے ایک زانو پر سالار عکرمؓ کا سر تھا اور دوسرے زانو پر عکرمؓ کے نوجوان بیٹے عمرو کا سر رکھا تھا۔ باپ بیٹا اس روز کی لڑائی میں اتنے زیادہ زخمی ہو گئے تھے کہ ہوش میں نہیں آ رہے تھے۔ جسموں سے خون نکل گیا تھا۔ زخم ایسے تھے کہ ان کی مہم ٹپی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس روز باپ بیٹا قسم کی کر لڑے تھے کہ مر جائیں گے یا جی بچے نہیں نہیں گے۔

عکرمؓ خالد کے پیچھے بھی تھے اور دوست بھی۔ ان کا بڑا پرانا ساتھ تھا۔ دونوں مانے ہوئے شہسوار اور شیراز تھے۔ خالد کو اپنے اتنے عزیز ساتھی کے بچھڑ جانے کا بہت دکھ تھا۔ عکرمؓ کا نوجوان بیٹا بھی دنیا سے رخصت ہو رہا تھا۔ خالد نے پانی اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔ وہ پانی میں اپنا ہاتھ ڈالتے اور انگلیاں جوڑ کر کبھی عکرمؓ کے نیم داہنوں پر رکھتے کبھی اُن کے بیٹے عمرو کے ہونٹوں پر ہنجر قطرہ قطرہ پانی جو باپ بیٹے کے منہ میں جا رہا تھا وہ آپ حیات نہیں تھا۔ اللہ نے اس عظیم باپ اور اُس کے بیٹے کو فراتس سے سبکدوش کر دیا تھا۔

اس طرح عکرمؓ نے اور اس کے فوراً بعد اُن کے بیٹے نے خالدؓ کی گود میں سر رکھے جانیں جانِ آفریں کے سپرد کر دیں۔ خالد کے آنسو نکل آئے۔

”کیا ایں خطِ اب بھی کہتا ہے کوئی مخزوم نے جانیں قربان نہیں کیں؟“ خالد نے کہا۔

خطِ غایتِ المسلمین عرش کی والدہ کا نام تھا۔ خالد اور عکرمؓ بنی مخزوم میں سے تھے۔ خالد کو غالباً وہم تھا کہ عکرمؓ کہتے ہیں کہ بنی مخزوم کی اسلام کے لیے جانی قربانیاں تنہا ہی ہیں۔ عکرمؓ اور اُن کے بیٹے کی شہادت معمولی قربانی نہیں تھی۔

وہ رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی جیسے لمحے لمحے ڈر ڈر کر کانپ کانپ کر گزر رہے ہوں زنجیر کے کڑا ہنسنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کئی شہیدوں کی بیویاں وہیں تھیں لیکن کسی عورت کے رونے کی آواز نہیں آتی تھی۔ فضا خون کی بوسے بوجھل تھی۔ دن کو اڑی ہوئی گودیں پر واپس آ رہی تھی۔

شہیدوں کا جنازہ پڑھ کر انہیں دفن کیا جا رہا تھا۔ ابو عبیدہؓ نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ رات کو کسی ایک سالار کو مقرر کرتے تھے کہ وہ تمام خیر گاہ کے ارد گرد گھوم پھر کر پہرہ داروں کو دیکھے پھر اُن مجاہدین کو جا کر دیکھے جنہیں دشمن کی خیمہ گاہ پر نظر رکھنے کے لیے آگے بھیجا جاتا تھا۔ اُس رات ابو عبیدہؓ نے اس خیال سے

کسی سالار کو اس کام کے لیے نہ کہا کہ سب دن بھر کے تھکے ہوئے ہیں۔ وہ خود اس کام کے لیے چل پڑے لیکن وہ جدھر بھی گئے انہیں کوئی نہ کوئی سالار گشت پر نظر آیا۔ سالار زبیرؓ تو اپنی بیوی کو ساتھ لے کر گشت پر نکلے ہوئے تھے۔ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ اُن کی بیوی بھی دن کو لڑائی تھیں۔

۱۵

یہ رات بھی صبح گئی۔ جنگ بیکم کی پانچویں صبح طلوع ہوئی۔ خالدؓ نے فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی سالاروں کو بلا لیا تھا۔

”میرے رفیق!۔ خالدؓ نے کہا۔ آج کا دن کل سے زیادہ خطرناک ہو گا۔ اپنی تعداد کو بچو جو ہم تنہا رہ گئے ہیں اور جو رہ گئے ہیں اُن کی حالت بھی تمہارے سامنے ہے۔ آج زخمی بھی لڑیں گے۔ دشمن کا بھی بہت نقصان ہو چکا ہے لیکن اُس کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ وہ اتنے زیادہ نقصان کو برداشت کر سکتا ہے۔ تم نے دشمن کے لڑنے کا انداز دیکھ لیا ہے۔ صرف یہ خیال رکھو کہ مرکز بیت قائم رہے۔ اب ہم زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے ہیں۔“

خالدؓ نے سالاروں کو کچھ ہدایات دیں اور رخصت کر دیا۔ بعد ازاں مسلمان دستے اپنی پوزیشنوں پر چلے گئے۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ ہر دستے میں چھانی محاذ سے جتنے بالکل ٹھیک افراد تھے اتنے ہی زخمی بھی تھے۔ زخمیوں میں زیادہ تر ایسے تھے جو کسی حد تک لڑنے کے قابل تھے لیکن ایسے بھی تھے جو لڑنے کے قابل نہیں تھے مگر وہ اپنے ساتھیوں کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ عورتیں آج بھی لڑنے کے لیے تیار تھیں۔ مسلمانوں کی یہ دو گول کیفیت دشمن سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ اُس نے اس سے پورا فائدہ اٹھا لیا تھا۔ مسلمان سالاروں کی محاذ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں موقع بھی تھا کہ آج رومی زیادہ نفری کے دستوں سے حملہ شروع کر دیں گے۔ مسلمان سالاروں کو یہ خطرہ بھی نظر آ رہا تھا کہ رومی اپنے سارے لشکر سے حملہ کر دیں گے۔ صبح سفید ہو چکی تھی لیکن رومی آگے نہ آئے، پھر سورج نکل آیا، رومی آگے نہ آئے۔

روہیوں کا یہ سکوت خطرناک لگتا تھا۔ یہ طوفان سے پہلے کی خاموشی معلوم ہوتی تھی۔ خالدؓ کو خیال گزرا کہ رومی مسلمانوں کو حملے میں پل کرنے کا موقع دے رہے ہیں۔ خالدؓ پل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ کچھ وقت اور دفاع کو ہی بہتر سمجھتے تھے۔

آخر رومیوں کی طرف سے ایک سوار آنا دکھائی دیا۔ رومیوں کے لشکر نے کوئی حرکت نہ کی۔ سوار مسلمانوں کے سامنے آ کر کمر گیا۔ وہ کوئی عیسائی عرب تھا۔ عربی روایت سے بولتا تھا۔

”میں اپنے سالار اعلیٰ ماہان کا بیچا ہوں۔“ اُس نے اعلان کرنے کے انداز سے کہا۔ ”تمہارے سالار اعلیٰ سے ملنے آیا ہوں۔“

سالار اعلیٰ ابو عبیدہؓ تھے۔ یہ تو انہوں نے اپنے طور پر خالدؓ کو سالار اعلیٰ کے اختیارات دے رکھے تھے۔ دو ترم داری بہر حال ابو عبیدہؓ کی تھی اور اہم فیصلہ انہوں نے ہی کرنے تھے۔ وہ آگے چلے گئے۔

خالدؓ وہاں سے ذرا دور تھے۔ اُن کے کان کھڑے ہوئے اور وہ اُن کی طرف چل پڑے۔ ”کھو روم کے بیچا!۔ ابو عبیدہؓ نے پوچھا۔ کیا پناہ لائے ہو؟“

”سالار اعلیٰ ماہان نے کہا ہے کہ چند دنوں کے لیے لڑائی روک دی جائے۔“ بیچا نے کہا۔

تھا، ان میں آدمی تعداد زخمی تھی۔ ایسا خطرہ خالذ ہی مول لے سکتے تھے۔
چھٹے دن کی صبح طلوع ہوئی، رومی شکر آگے آگیا، مسلمان میدان میں نئی ترتیب سے موجود تھے، رومی سالار
گرگیڑی گھوڑے پر سوار آگے بڑھا۔ گرگیڑی اُن دستوں کا سالار تھا جن کے دس دس سپاہی ایک ایک زنجیر سے
بندھے ہوئے تھے، گرگیڑی نے دونوں فوجوں کے درمیان گھوڑا رکھا۔

”کیا تمہارے سالار اعلیٰ میں بہت ہے کہ میرے مقابلے میں آئے؟“ گرگیڑی نے لٹکار کر کہا۔
ابوعبیدہ نے اپنے گھوڑے کو اڑا لگائی اور گرگیڑی کی طرف گئے۔
”رک جا ابن ابجر! خالذ نے ابوعبیدہ کو بھارا اور گھوڑا دوڑا کر اُن کے قریب چلے گئے کہنے
لگے۔ ”تو آگے نہیں جاتے گا۔ مجھے جانے دے۔“

”آہ ابوسلمہ!“ ابوعبیدہ نے کہا۔ ”وہ مجھے لٹکار رہا ہے۔“

”امین اللامت کو روک لو“ متعہ دس سالاروں نے شور مچایا۔ ”اُن الولید کو جانے دو“
مورخ لکھتے ہیں کہ گرگیڑی کو مسلمان سالار ماہر تیغ زن سمجھتے تھے، تیغ زنی میں ابوعبیدہ بھی کم نہ تھے
پھر بھی سب خالذ کو گرگیڑی کی نکر کا آدمی سمجھتے تھے، لیکن ابوعبیدہ نے کسی کی نہ سنی اور گرگیڑی کے مقابلے کے
لیے چلے گئے۔

گرگیڑی نے ابوعبیدہ کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اُس نے گھوڑے کو اڑا لگائی اور اس طرح ایک طرف
لے گیا جیسے وہ پہلو کی طرف سے آکر تلواریں چاہتا ہو۔ ابوعبیدہ نے گھوڑا روک لیا اور گرگیڑی کو کنکھیلوں
دیکھتے رہے۔ گرگیڑی نے اپنے ہی انداز سے گھوڑا لٹکا کر اور دوڑا کر ابوعبیدہ پر وار کیا۔ وار ایسا تھا جو لگتا تھا
روکنا نہیں جاسکے گا لیکن ابوعبیدہ نے وار روک کر گھوڑے کو گھمایا اور بڑی پھرتی سے وار کیا۔ گرگیڑی نے
وار روک لیا۔

اس کے بعد تلواریں ٹکرائی اور گھوڑے اپنے سواروں کے پینتروں کے مطابق گھومتے، مڑتے، دوڑتے
اور رکتے رہے۔ دونوں سالار شمشیر زنی کے استاد معلوم ہوتے تھے۔ دونوں کے وار بڑے ہی تیز تھے اور
ہر وار لگتا تھا کہ حرکت کو کاٹ دے گا۔ دونوں فوجیں اپنے اپنے سالار کو چلا کر داد دے رہی تھیں کبھی فوجوں
فوجیں یوں دم بخود ہو جاتیں جیسے وہاں کوئی انسان موجود ہی نہ ہو۔

گرگیڑی نے ایک وار کیا جو ابوعبیدہ نے روک لیا۔ ابوعبیدہ وار کرنے لگے تو گرگیڑی نے گھوڑا دوڑا دیا اور
ابوعبیدہ کے ارد گرد گھومنے لگا۔ ابوعبیدہ وار کرنے کو بڑھتے تو وہ رک کر وار کرنے کی بجائے گھوڑے کو پر سے
کولیتا۔ ابوعبیدہ نے اُس پر وار کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ وار سے بھاگ رہا تھا۔ ایسے نظر آتا تھا جیسے وہ
مقابلے سے منہ موڑ رہا ہو۔ ابوعبیدہ اُس کے پیچھے ہو گئے۔

آخر اُس نے گھوڑے کا زخ اپنے لشکر کی طرف کر دیا۔ ابوعبیدہ اُس کے پیچھے پیچھے اور اُس کا پیچھا کرتے
رہے۔ اُس نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ ابوعبیدہ نے بھی رفتار بڑھا دی۔ رومی لشکر پر تو خاموشی طاری ہو
گئی لیکن مسلمانوں نے واو تحسین کا شور مچا کر دیا۔ رومی سالار مقابلے سے منہ موڑ کر بھاگ گیا تھا۔

گرگیڑی نے گھوڑے کو ایک طرف موڑا اور رفتار اور تیز کر دی۔ ابوعبیدہ نے گھوڑے کو اڑا لگائی اور اُس
کے قریب چلے گئے۔ گرگیڑی نے گھوڑا فوراً گھما کر ابوعبیدہ کے سامنے کر دیا۔ یہ اُس کی چال تھی۔ وہ بھاگ

”کیا آپ رضا مند ہوں گے؟“

”کیا تمہارے سالار اعلیٰ نے کوئی وجہ نہیں بتائی؟“ ابوعبیدہ نے پوچھا۔

”یہ عارضی صلح ہوگی۔“ ابی نے کہا۔ ”اس دوران یہ فیصلہ ہوگا کہ مستقل صلح کے لیے بات چیت
ہوگی یا نہیں؟“

”ہم عارضی صلح پر رضا مند ہو جاتیں گے۔“ ابوعبیدہ نے کہا۔ ”لیکن بات چیت کا فیصلہ
کون کرے گا؟“

”کیا آپ لڑائی روکنے پر راضی ہیں؟“ ابی نے پوچھا۔

”ہاں!“ ابوعبیدہ نے کہا۔ ”لیکن...“

”نہیں!“ ایک گرجدار آواز سنائی دی۔

دونوں نے دیکھا۔ یہ خالذ کی آواز تھی۔ انہوں نے ابوعبیدہ کی طرف ہاں نہ سنی تھی۔

”ابوسلمہ!“ ابوعبیدہ نے کہا۔ ”اُن کے سالار نے عارضی صلح کے لیے کہا ہے۔“

”امین اللامت!“ خالذ نے ابوعبیدہ کے کان میں کہا۔ ”یہ حملے کی تیاری کے لیے ہمت
چاہتے ہیں۔ اُن کا اتنا نقصان ہو چکا ہے کہ فوری طور پر حملہ نہیں کرنا چاہتے۔ مجھے اجازت دے کہ اُلٹی
کو کورا جواب دے سکوں۔“

”اُسے سلطنت روم کے ابی!“ ابوعبیدہ نے ابی سے کہا۔ ”صلح سمجھو تو کا وقت گزر گیا
ہے۔ اپنے اتنے زیادہ آدمی مردا کر میں یہیں کھلوانا چاہتا کہ میں اپنے اتنے زیادہ مجاہدین کا خون ضائع
کر آیا ہوں... لڑائی جاری رہے گی۔“

ابوعبیدہ نے گھوڑا موڑا اور خالذ کے ساتھ اپنے محاذ کی طرف چل پڑے۔

”ابوسلمہ!“ ابوعبیدہ نے کہا۔ ”اپنے مجاہدین کی حالت دیکھتے ہو تو میں نے سوچا تھا کہ انہیں
آرام مل جائے اور کچھ زخمی ٹھیک ہو جائیں تو کیونکہ یہیں رہا کہ...“

”سب دیکھ رہا ہوں ابن ابجر!“ خالذ نے کہا۔ ”لیکن حالت ہمارے دشمن کی بھی ٹھیک نہیں رہ رہ

وہ صلح کا دھوکہ نہ دیتا۔ رومیوں کے ساتھ بہت سے قیدی آئے تھے۔ رومی سالاروں نے انہی کو سب سے
پہلے مر دیا ہے اور اپنی باقاعدہ فوج کو وہ بہت کم استعمال کر رہے ہیں۔ یہ قیدی باغی ہو گئے ہوں گے یا اُن
کا دم خرم ٹوٹ چکا ہوگا ہم انہیں سنبھالنے کی ہمت نہیں دیں گے۔“

”کیا اُن پر حملے کی سوجھ بوجھ ہے؟“ ابوعبیدہ نے پوچھا۔

”کیا تو سوچتے کے قابل نہیں رہا امین اللامت؟“ خالذ نے کہا۔ ”اے بل کر سوجھیں گے۔“

۱۱

خالذ نے جو سوجا وہ لڑائی پر خط اور دلیہ راہ اقدام تھا۔

وہ دن جو جنگ کا پانچواں دن تھا، بغیر لڑائی کے گزر گیا۔ دستوں کو ایک دن کا تو آرام مل گیا لیکن سالاروں
نے آرام نہ کیا۔ خالذ نے سالاروں کو اپنے ساتھ مصروف رکھا۔ انہوں نے آٹھ ہزار گھوڑوں سوار لاکھ کر کے
ایک دستہ بنالیا۔ سالاروں کو اپنا نیا منصوبہ سمجھایا۔ انہوں نے یہ منصوبہ اپنے جن بیادہ اور سواروں کے لیے بنایا

نکلنے کا دھوکہ دے رہا تھا۔ دھوکہ یہ تھا کہ وہ اچانک گھوم کر ابو عبیدہ پر وار کرے گا اور انہیں مار دے گی کی مہلت نہیں ملے گی۔

مورخ طبری اور بلاذری نے لکھا ہے کہ ابو عبیدہ چونکہ تھے اور گریز کے دھوکے کو سمجھ گئے تھے۔ مگر گریز خرا پیچھے گھوڑا سوار کر داکر نے لگا تو ابو عبیدہ کی تلوار پہلے ہی حرکت میں آچکی تھی مگر گریز کی گردن موزوں زاد بے ہمتی، ابو عبیدہ کا وار سیدھا گردن پر پڑا جس سے گردن کی ہڈیوں کا ایک جوڑ ٹک گیا اور گردن ایک طرف ڈھلک گئی، مگر گریز گھوڑے سے گر پڑا۔

مسلمانوں نے داد تحسین کا غل غپاڑہ بہا کر دیا۔ دستور کے مطابق ابو عبیدہ کو گھوڑے سے اتر کر گریز کی تلوار خود اوزار لینی چاہیے تھی لیکن وہ گھوڑے سے اترے، کچھ دیر گریز کی کوتاہ پتا دیکھتے رہے۔ جب اس کا جسم بے جس ہو گیا تو ابو عبیدہ نے گھوڑے کو اڑ لگائی اور اپنی صفوں میں آ گئے۔

۱۵

ابن ابی لیلیٰ ابو عبیدہ کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے نہ زکے۔ وہ گھوڑا سوار دستے کے پاس چلے گئے جہاں انہوں نے اس روز کی جنگ کے لیے تیار کیا تھا۔ آٹھ ہزار سواروں کے اس دستے کو دائیں پہلو پر عمرو بن العاص کے دستوں کے عقب میں ایسی جگہ کھڑا کیا گیا تھا جہاں سے یہ دشمن کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ خالد نے اپنی تمام فوج کو سامنے کا حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ رومی سالار حیران ہوتے ہوں گے مگر سالاروں کا دماغ جواب دے گیا ہے کہ انہوں نے ایک ہی بار ساری فوج حملے میں جھجھک دی ہے۔ رومیوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ مسلمانوں کے گھوڑا سوار دستے حملے میں شریک نہیں۔ رومیوں کو یہ سب کچھ دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملی تھی کیونکہ خالد کے حکم کے مطابق بہت تیز حملہ کیا جا رہا تھا۔ رومیوں کی بہت سی نفری ہلاک اور شدید زخمی ہو چکی تھی پھر بھی ان کی نفری مسلمانوں کی نسبت سہ گنا تھی مسلمانوں کا جانی نقصان بھی ہوا۔ اتنی کم نفری کا اتنی بڑی تعداد چھلنے خود کشی کے برابر تھا۔

”انہیں آنے دو“۔ رومی سالار ماٹن چلا رہا تھا۔ ”اور آگے آنے دو۔۔۔۔۔ یہ ہمارے ہاتھوں مرنے کے لیے آ رہے ہیں؟“

خالد آٹھ ہزار سواروں کو پیچھے لے جا کر رومیوں کے بائیں پہلو سے پرے لے گئے۔ انہوں نے سالار عمرو بن العاص سے کہا تھا کہ رومیوں کے اس پہلو پر تیز اور زوردار حملہ کریں۔ عمرو بن العاص نے حکم کی تعمیل کی اور بائیں لڑاویں خالد چاہتے تھے کہ دشمن کے پہلو کے دستوں کو سامنے سے ابھالایا جائے۔

عمرو بن العاص نے خالد کا یہ قصد پورا کر دیا۔ خالد نے آٹھ ہزار سواروں میں سے دو ہزار سواروں کا ایک دستہ الگ کر دیا تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ دشمن کے پہلو کے دستے عمرو بن العاص کے دستوں سے اٹھ گئے ہیں تو چھ ہزار سواروں کے ساتھ رومیوں کے پہلو والے دستوں کے خالی پہلو کی طرف سے حملہ کر دیا۔ رومیوں کے لیے یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ عمرو بن العاص نے اپنے حملوں میں شدت پیدا کر دی۔

دشمن کے انہی دستوں پر سامنے سے شریحیل بن حسنے نے بھی حملہ کیا تھا۔ خالد نے جن دو ہزار سواروں کو الگ کیا تھا، انہیں حکم دیا کہ وہ دشمن کے اس سوار دستے پر حملہ کریں جو اپنے پہلو کے دستوں کی مدد کے لیے تیار تھا۔ ان دو ہزار سواروں کے لیے حکم یہ تھا کہ وہ دشمن کے سوار دستے کو روکے دیکھیں یعنی حملہ شدید نہ کریں بلکہ دشمن کو دھوکے میں رکھیں۔

ششیر بے نیام حصہ دوم

بعد میں پتہ چلا تھا کہ رومیوں کا یہ سوار دستہ خاص طور پر تیار کیا گیا تھا۔ اسے ہر اس جگہ مدد کے لیے پہنچنا تھا جہاں مدد کی ضرورت تھی۔ مسلمان سواروں نے اس سوار دستے کو اس طرح ابھایا کہ حملہ کرنے اور پیچھے ہٹنے میں بائیں نکل جاتے۔ پینتر ابل کر پھر آگے بڑھتے اور بائیں سی جھڑپے کر دھڑا دھڑا ہوجاتے۔

۱۶

خالد کی یہ چال کار گزشتہ ثابت ہوئی۔ انہوں نے دشمن کے مقابلے میں اتنی کم تعداد کو ایسی عقل مندی سے استعمال کیا تھا کہ دشمن کے پہلو کے دستوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ان دستوں کو توقع تھی کہ دشمن کے وقت سوار دستے مدد کو آجائیں گے لیکن مدد کو آنے والے سواروں کو خالد کے دو ہزار سواروں نے آٹھ گھنٹی جیسی جھڑپوں میں ابھار رکھا تھا۔

دشمن کے پہلو کے دستے ایک بار پیچھے ہٹے تو خالد نے چھ ہزار سواروں سے حملے میں شدت پیدا کر دی۔ ماٹن نے خود ان کو اپنے دستوں کو حکم کر لوانے کی کوشش کی لیکن اس کا سوار دستہ بڑی طرح بکھرنے اور پیچھے ہٹنے لگا۔ پیادہ دستے سوار دستوں کی مدد کے بغیر نہیں لڑ سکتے تھے۔ وہ بے طرح بکھرے اور بھاگنے لگے۔ بھاگنے والے پیادہ دستے آ رہی تھے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ ان کے بھاگنے کی ایک وجہ تو مسلمانوں کے سوار دستے کا حملہ تھا اور ان پر سامنے سے بھی بہت زیادہ دباؤ پڑ رہا تھا، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ آئیں سالاروں نے محسوس کیا کہ انہیں دانستہ سواروں کی مدد سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ ان کے پیچھے عیسائی عرب تھے جن کا سالار حید بن الایم تھا۔ انہوں نے بھی رسالے کی مدد آنے کو غلط سمجھا اور لڑنے سے منہ موڑ گئے۔

مورخ لکھتے ہیں کہ آرمینیوں اور عیسائیوں کی سپاہی ہنگامہ کی مانند تھی۔ دو توروں نے اسے سیلاب بھی کہا ہے جس کے آگے جو کچھ بھی تھا اسے اپنے ساتھ ہالے جاتا ہے۔ رومیوں کے بائیں پہلو سے بھاگنے والے دستوں کی تعداد چالیس ہزار بتائی گئی ہے۔ چالیس ہزار انسانوں کی ہنگامہ ایلانے کا یہ سیلاب تھا جو اپنے سالاروں کو بھی اپنے ساتھ ہالے گیا، یہاں تک کہ سالار اعلیٰ ماٹن جو ابھی میدان میں چھوڑنا چاہتا تھا، اپنے محافظوں سمیت اس سیلاب کی لپیٹ میں آ گیا اور ہوتا چلا گیا۔

یہ کامیابی خالد کی عسکری دانش کا حاصل تھی۔ انہوں نے دشمن کے پیادوں کو سواروں کی مدد سے محروم کر دیا تھا اور سواروں سے پیادوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ خالد کے آگے بڑھنے کا رخ ماٹن اور اس کے دو ہزار سوار محافظوں کی طرف تھا۔

۱۷

اُدھر ابو عبیدہ اور زبیر بن العوف اپنے سامنے کے دستوں پر اس انداز سے حملے کر رہے تھے کہ کچھ لڑائی بھی نہیں لڑتے تھے اور پیچھے بھی نہیں ہٹتے تھے۔ ابو عبیدہ نے دشمن کے ان دستوں کو روکا ہوا تھا جو زبیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ یہ دستے تیزی سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے تھے۔

خالد دشمن کے اس رسالے کو جس نے سارے محاذ کو مدد دینی تھی، کچھ کرکچھا چکے تھے۔ اس رسالے کو کھنکھار لوانے کا موقع ہی نہیں دیا گیا تھا۔ خالد اب اپنے رسالے (سوار دستے) کے ساتھ رومیوں کے عقب میں چلے گئے تھے۔ انہوں نے عقب سے حملہ کر دیا۔ یہ رومی فوج کا دوسرا حصہ تھا۔ اس پر اپنے بائیں کے دستوں اور سوار دستوں کے بھاگنے کا بہت برا اثر پڑ چکا تھا۔ ماٹن کے غائب ہوجانے کی وجہ سے مرکز بہت بھی

اللہ نے مومنین کی وہ دعائیں قبول کر لی تھیں جو وہ ماتوں کو جاگ جاگ کر مانگتے اور اللہ کے حضور کرکراتے رہے تھے۔ وہ ایک آیت کا درود کرتے رہے تھے:

کتنی ہی بار چھوٹی چھوٹی جماعتیں اللہ کے چاہنے سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔ اللہ صبر و استقامت والوں کا ساتھ دیتا ہے: (قرآن حکیم ۲/۲۴۹)

اب میدان جنگ کی کیفیت ہو گئی تھی کہ رومیوں کی جینیں اٹھتی تھیں جو مسلمانوں کے نعرہوں میں ب جاتی تھیں۔ وادی میں گہری کھائیاں بھی تھیں لیکن رومی ان میں بھی گرے اور بڑی بڑی موت مرنے۔

۵

جنگ یرموک کے چھٹے اور آخری روز کا سورج میدان جنگ کے گرد و غبار میں ڈوب گیا۔ فضا خون کی لہر سے بھجھتی تھی۔ مشعلیں جل اٹھیں اور رومیوں کی لاشوں کے درمیان گھومنے پھرنے لگیں۔ یہ مسلمانوں کی مشعلیں تھیں۔ وہ اپنے شہیدوں اور شہیدہ رزمیوں کو اٹھا رہے تھے اور مال غنیمت بھی اکٹھا کر رہے تھے۔ خیمہ گاہ میں خبر پہنچی تو عورتیں اگئیں۔ وہ کئی میل فاصلہ طے کر کے آئی تھیں۔ وہ اپنے خاندان کو اپنے بھائیوں اور اپنے بیٹوں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

”تو جنتی ہے“ کسی نے کسی عورت کی آواز سنائی دیتی تھی۔ ”تو جنت میں جا رہا ہے“

جنگ ختم ہو چکی تھی لیکن خالد کی جنگ ابھی جاری تھی۔ رات بھر مسلمان شہیدوں، زخمیوں اور مال غنیمت کے ساتھ مصروف رہے لیکن خالد کی مصروفیت کچھ اور تھی۔ ان کے لیے ابھی جنگ ختم نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے جو رومی قیدی پکڑے تھے، ان سے خالد کو معلوم کرتے رہے تھے کہ ان کا سالار اعلیٰ ماہان جو کرمانیہ کا بادشاہ بھی تھا، کس طرف گیا ہے۔ بیشتر قیدیوں کو معلوم تھا۔ آخر تیرہ چل گیا۔ ماہان کو انطاکیہ کی بجائے دمشق کی طرف جاتے دیکھا گیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا محافظ سوار دستہ تھا جس کی تعداد دو ہزار تھی۔

صبح طلوع ہوتے ہی خالد اپنے سوار دستے کو ساتھ لے کر ماہان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ اس وقت ماہان دمشق سے دس بارہ میل دور پہنچ چکا تھا۔ اسے یہ توقع نہیں تھی کہ مسلمان اس کے تعاقب میں پہنچ جائیں گے۔ شاید اسی لیے وہ بڑے اطمینان سے جا رہا تھا، رات اس نے پڑا دیکھا اور صبح دمشق کو روانہ ہوا تھا۔

”شمنشاہ معظم!“ اسے اپنے کسی ساتھی نے کہا۔ ”وہ دیکھیں گرد آٹھ رہی ہے۔ یہ کوئی سوار دستہ لگتا ہے۔“

”اپنا ہی ہوگا۔“ ماہان نے کہا۔ ”ان کی گرد کو نہ دیکھو جو میدان جنگ کی گرد سے بھاگ آئے ہیں۔“

”شکست کھا کر آئے ہیں۔“

ان کے درمیان پھر خاموشی چھا گئی۔ ماہان کی ذہنی کیفیت بہت بُری تھی۔ وہ کسی کے ساتھ بولتا نہیں تھا۔ اس کی آخری لگا باحث صرف یہ نہیں تھا کہ اس نے شکست کھا لی تھی بلکہ یہ کہ اس نے بڑی تھوڑی تعداد کی فوج سے شکست کھا لی تھی۔ اس نے مسلمانوں کو پھل کروا پس آنے کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن اب وہ اظہار جانے کی بجائے دمشق کی طرف جا رہا تھا۔ اظہار میں شمنشاہ روم بھرتل تھا۔ ماہان اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جن سواروں کی گرد نظر آتی تھی اب ان کے گھوڑوں کے قدموں کی ہنگامہ خیز آواز سنائی دینے لگی تھی جو

بڑی تیزی سے قریب آ رہی تھی۔ ماہان پیچھے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ انہیں میدان سے بھاگتے ہوئے سوار سمجھ رہا تھا۔ سوار قریب آئے تو دھواں میں بٹ گئے اور اس کے گرد گھیر ڈالنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی لٹکار سنائی دی:

انا فارس۔ الصندید

انا خالد بن الولید

تب ماہان چونکا۔ اس کے ساتھ اپنے دو ہزار سوار محاصرے میں تھے بلکہ اگر منیہ کی باقاعدہ فوج کی بھی کچھ تعداد تھی اور کچھ عیسائی عرب بھی تھے۔ اس نے ان سب کو لڑنے کی ترتیب دی کر دیا اور خود اپنے چند ایک محافظ ساتھ لے کر الگ ہٹ گیا۔

خالد کو بتایا گیا تھا کہ ماہان کے ساتھ اپنے محافظوں کا سوار دستہ ہے لیکن اس کے ساتھ اس سے دگنی سے بھی کچھ زیادہ تعداد تھی۔ خالد نے گھیرے کی شکل میں حملہ کیا۔ ماہان کی فوج نے جرم مقابلہ کیا لیکن مسلمان تھکے ہوئے ہونے کے باوجود تازہ دم لگتے تھے۔ یہ فوج کی خوشی کا اثر تھا۔

تاریخ میں اس مجاہد کا نام نہیں ملتا۔ لڑائی میں بچتا جاتا ماہان تک جا پہنچا۔ وہ ماہان کے سواروں کا حصار توڑ گیا اور اس نے ماہان کو لٹاکر دیا۔ مجاہد خود بھی زخمی ہوا لیکن ماہان کو لٹاکر کر کے اس نے اپنے ساتھیوں کا کام آسان کر دیا۔ اپنے شمنشاہ اور سالار اعلیٰ کو مرنا دیکھ کر اس کے سوار مہر کے میں سے نکلنے لگے۔

کچھ دیر بعد دشمن کے سوار اور پیادے جدھر کو رخ ہوا اُدھر کو ہی بھاگ نکلے لیکن بہت سی لاشیں اور اچھے بچے گھوڑے پیچھے چھوڑ گئے۔

دمشق دُور نہیں تھا۔ خالد نے دمشق کا رخ کر لیا۔ یہاں کا ایک اور دلیر اُردا تھا۔ دمشق پر مسلمانوں کا قبضہ رہا تھا لیکن رومیوں کے اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر مسلمانوں نے دمشق سے قبضہ اُٹھالیا تھا۔

”خدا کی قسم!“ خالد نے کہا۔ ”دمشق کے دروازے اب بھی ہمارے لیے کھل جائیں گے۔“

تو فتح نہیں تھی کہ ایسا ہوگا۔ یہ وہی نہیں سن سکتا تھا کہ مسلمانوں کے چلے جانے کے بعد بھی رومیوں نے اس ام شہر پر اپنا تسلط نہ چھایا ہو۔

خالد کی قیادت میں جب مسلمان سواروں کا دستہ دمشق پہنچا تو دیوار کے اوپر سے کسی نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو؟

”کیا تم نے نہیں پہچان کر یہ مختار ہے حاکم تھے لیکن حکومت تمہاری تھی؟“ خالد نے کہا۔ ”کیا تم نہ کہتے تھے کہ رومیوں سے مسلمان اچھے ہیں؟.... خدا کی قسم ہم رومیوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر آئے ہیں۔“

”مسلمان آگئے ہیں۔“ یہ ایک نعرہ تھا جو دیوار کے اوپر بلند ہوا پھر یہ نعرہ سارے شہر میں پھیل گیا۔ شہر کا بازار دوبارہ کھل گیا اور شہریوں کا ایک دیرلاہ دیرلاہ گولوں نے بازار پھیل کر مسلمانوں کا استقبال کیا اور خوشی سے ناچتے ہوئے، خالد اور ان کے سوار دستے کو شہر میں لے گئے۔ یہ اس اچھے سلوک، رز بڑاؤ کا اثر تھا جو مسلمانوں نے اہل دمشق سے کیا تھا۔ مسلمانوں نے تو مدار کی بلندی کا یہ مظاہرہ بھی کیا۔ اگر دمشق سے رخصت ہونے سے پہلے شہریوں سے وصول کیا ہوا جزیہ واپس کر دیا تھا۔

خالد دمشق میں نہیں رک سکتے تھے، انہیں یرموک پہنچنا تھا اور فتح کے بعد کے امور اور انتظامات دیکھنے

تھے۔ وہ اسی وقت روانہ ہو گئے۔

شام سے رومی سلطنت کا بوریالین گول ہو گیا۔ چند دنوں بعد شہنشاہ ہرقل انطاکیہ سے رخصت ہوا۔ اُن کا ٹھکانہ اب قسطنطنیہ تھا۔ دو تو رنوں، بلاذری اور طبری نے لکھا ہے کہ شہنشاہ ہرقل جب انطاکیہ سے روانہ ہوا تو اُس نے کچھ دور جا کر رک کر اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔

”اے ارضِ شام! — اُس نے آہ لے کر بوجھل سی آواز میں کہا۔ ”اُس بلصیب کا آخری سلام قبول کر جو تجھ سے جدا ہو رہا ہے۔ اب رومی ادھر آئے بھی تو اُن پر تیرا خوف سوار ہو گا۔۔۔ کتنا خوبصورت ملک دشمن کو دیتے جا رہا ہوں!“

جنگ یرموک پر ہر دور کے جنگی مبصروں نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ اس پر سب متفق ہیں کہ یہ جنگ خالکی عقل سے جیتی گئی تھی اور یہ کامیابی کا اگر چالوں سے حاصل کی گئی تھی۔

اس جنگ میں چار ہزار مسیحی شہید ہوئے اور زخمی تقریباً بھی ہوئے۔ خود خالد زخمی تھے۔ رومیوں کی اموات ایک لاکھ سے زیادہ بتائی گئی ہیں لیکن تو رنوں کی اکثریت ستر ہزار پر متفق ہے۔ سلطنتِ اسلامیہ شام تک پھیل گئی۔

وہ تعداد میں بہت تھوڑے تھے۔ اُن کے ہتھیار دشمن کے مقابلے میں کمتر تھے۔ اُن کے ذرائع یوں محدود تھے کہ اپنے وطن سے بہت دور تھے۔ کمک نہیں مل سکتی تھی۔ اس کا حصول ڈھول تھا۔ دشمن مانند لڑی دل تھا۔ اُس کے ہتھیار بڑے تھے۔ وہ اُس کی اپنی زمین کی، ملک اپنا قلعہ اپنے تھے۔ کمک کی اُس کے ہاں کمی نہیں تھی۔ اپنی بادشاہی میں سے ہزاروں کی تعدادیں لڑنے والے لوگوں کو میدان میں لے آتا تھا، لیکن وہ جو تعدادیں تھوڑے تھے اور جو کئی کئی سالوں سے مسلسل لڑ رہے تھے اُس دشمن کے سینے پر کھڑے تھے جو اُن سے کہیں تین گنا اور کہیں چار گنا زیادہ طاقت درج تھا۔

وہ کون تھے جنہوں نے اُس دور کے سب سے زیادہ طاقت ور دشمن کو فیصلہ کن شکست دی تھی؟ وہ مسلمان تھے۔

وہ نام کے مسلمان نہیں تھے۔

وہ جنگی طاقت کو آدمیوں اور گھوڑوں کی تعداد سے نہیں جذبے اور ایمان سے ناپتے تھے۔

یہ ایمان کی قوت کا کوشمہ تھا کہ شام میں قیصر روم کا پرچم اتر گیا تھا۔ چن قلعوں پر یہ پرچم لہرا کر رہا تھا اُن قلعوں میں اب اذانیں گونج رہی تھیں۔

یرموک کے میدان جنگ میں چار ہزار مجاہدین نے اپنی جانوں کی قربانی دے کر رومیوں کو شام سے بے دخل کر دیا تھا۔ شہنشاہ ہرقل جو ایک جاہل جوگجو تھا اور اپنی فوج کو ایک ناقابلِ تعمیر فوج سمجھتا تھا، اس حالت میں شام کی سرحد سے بھلا تھا کہ اُس نے جو اپنی جملے کی سوچنے کی بجائے ذہنی طور پر شکست تسلیم کر لی تھی۔ اُس کی فوج کے بھاگنے کا انداز کبھی منظم اور طاقتور فوج جیسا نہیں تھا۔ اس فوج کی آدمی نفری ماری گئی، زخمیوں کا کچھ حساب نہ تھا اور جواب بھاگنے کے قابل۔ تھے وہ افراد میں پھر کر بھاگے۔ ان میں سے زیادہ تر نے بیت المقدس میں جا پناہ لی۔ اُس وقت بیت المقدس ایلیا کہلاتا تھا۔ یہ آخری قلعہ تھا جو رومیوں کے ہاتھ میں رہ گیا تھا۔ دو چار اور قلعے بھی تھے جو ابھی رومیوں کے پاس تھے لیکن یہ بیت المقدس جیسے بڑے نہیں تھے۔ ان کے اندر مسلمانوں کی ہشت پہنچ چکی تھی۔

مورخ لکھتے ہیں کہ شہر یوں نے دیکھا کہ رومیوں کا سورج غروب ہو رہا ہے تو انہوں نے قیصر روم کی فوج کو اپنے تعاون سے محروم کر دیا۔ مسلمانوں کے متعلق ان تک یہ رائے پہنچی تھی کہ مسلمان میدانِ جنگ میں سرایا تھ اور مانندِ فلولادیں اور بھکران کی حیثیت میں وہ ریشم جیسے نرم ہیں۔

ان قلعوں کو سر کر لیا گیا۔ کہیں ذرا سی مزاحمت ہوئی جو مسلمانوں کو روک نہ سکی اور باقی قلعوں کے دروازے بغیر مزاحمت کھل گئے۔ شہر یوں نے مسلمانوں کا استقبال کیا اور جزیرہ ادا کر دیا، البتہ بیت المقدس ذرا بڑا شہر تھا اور یہ شہر قلعہ بند تھا۔ قلعہ مضبوط تھا۔ اسے سر کرنا دشوار نظر آ رہا تھا۔

بیت المقدس میں رومی سالار اطربول تھا جس کے متعلق تو رنوں نے لکھا ہے کہ فنِ حرب و ضرب

میں ہرقل کا ہم لہ تھا بعض تو رنوں نے اُسے ہرقل کا ہم تب بھی کہا ہے مسلمانوں کے جاسوس بیت المقدس تک پہنچے ہوئے تھے۔ اُن کی لائی ہوئی اطلاعوں کے مطابق اطرولوں جا رہا رہے خوف سالار تھا اور وہ مرتے دم تک لڑنے والا جنگجو تھا بیت المقدس کے دفاع میں اُسے آخری دم تک لڑنا ہی تھا کیونکہ اس خطے میں روہیوں کا یہ آخری مضبوط قلعہ تھا۔

ایک مقام اور بھی تھا جہاں سالار کا قلعہ بھی مضبوط تھا۔ اس کا قلعہ بھی مضبوط تھا۔ اس وقت مسلمان جاہل کے مقام پر میرے زون تھے۔ ہرقل کی جنگ کے بعد وہ جاہل چلے گئے تھے۔ زمینوں کی تعداد غیر معمولی تھی، اور جو زمینیں تھے وہ لڑنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ وہ تو پہلے ہی ممکن سے چور تھے جنگجو ہرقل نے اُن کے جھول کا دم غم توڑ دیا تھا۔ انہیں آرام کی ضرورت تھی اور زمینیں کی مرہم لٹی اس سے زیادہ ضروری تھی۔ ان کے زخم ٹھیک ہونے کا انتظار کرنا تھا۔

انتظار خطرناک ہو سکتا تھا۔ خطرہ یہ تھا کہ رومی ایک جنگجو قوم تھی شکست و انصاف فیصلہ کن ہوتی تھی لیکن وہ اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے شکست کو تسلیم نہیں کر سکتے تھے۔ زیادہ پریشانی تو بیت المقدس کے متعلق تھی جہاں اطرولوں جیسا جرمی اور قابل سالار موجود تھا لیکن روہیوں کے کچھ دستے بچھڑے ہوئے تھے جاسوس اطلاعیں دے رہے تھے کہ بعض جگہوں پر روہیوں کے سالار موجود تھے۔

ابوعبیدہ اور دیگر مسلمان سالار یہ خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ رومی جوابی حملہ کریں گے۔ ”میرے رفیق!۔۔۔ ابوعبیدہ نے اپنے سالاروں سے کہا۔“ رومی حملہ ضرور کریں گے لیکن ان میں بھی اتنا دم ختم نہیں ہے کہ وہ فوری طور پر حملہ کر سکیں۔ اس کے علاوہ وہ اس طرح دُور و دُور بچھڑ گئے ہیں کہ انہیں اکٹھا ہونے کے لیے بھی وقت چاہیے۔“

حقیقت بھی یہی تھی کہ جس طرح مسلمانوں میں ایک ہلکا سا مہم کے لڑنے کی سکت نہیں رہی تھی اسی طرح روہیوں میں بھی لڑنے کا دم نہیں رہا تھا جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ڈیڑھ لاکھ تیرنہار رومی مارے گئے تھے اور باقی جو بچے تھے ان میں زیادہ تر زخمی تھے جاسوسوں کی اطلاعیں یقین کر دہی کہیں بھی جوابی حملے کے لیے منتظر نہیں ہو رہے لیکن وہ جہاں جہاں بھی ہیں، وہاں دفاعی جنگ لڑنے کے لیے تیار ہیں۔



اکتوبر ۶۳۶ء (شعبان ۱۵ھ) کے ایک دن سالار اعلیٰ ابوعبیدہ نے اپنے سالاروں کو بلایا۔ ”میرے رفیقو!۔۔۔ ابوعبیدہ نے کہا۔“ زیادہ تر زخمی مجاہدین لڑنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ لشکر نے بھی آرام کر لیا ہے۔ ہم اب اس قابل ہیں کہ آگے پیش قدمی کریں۔ دو جگہیں ہیں جن پر قبضہ کا بہت ضروری ہے۔ ایک تو قیساریہ ہے اور دوسری جگہ ہے بیت المقدس۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ ان دونوں جگہوں میں سے کس پر ہم پہلے حملہ کریں؟

اس مسئلے پر جب بحث شروع ہوئی تو سالاروں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض کا خیال تھا کہ یہ دونوں جگہیں دفاع کے لحاظ سے مضبوط ہیں، اس لیے ان پر یکے بعد دیگرے حملہ کیا جائے۔ کچھ یہ کہتے تھے کہ دونوں مقامات کو بیک وقت محاصرے میں لیا جائے۔ ابوعبیدہ ان کے درمیان فیصلہ نہ کر سکے۔

”کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم امیر المومنین سے پوچھیں کہ ہمیں قیساریہ اور بیت المقدس میں سے کس جگہ کو پہلے محاصرے میں لینا چاہیے؟۔۔۔ ابوعبیدہ نے کہا۔“ میں تم سے کہنے کے بدلے اور ایشیا کی قدر کرتا ہوں اس کا اجر یقیناً اللہ دے گا۔ میں کسی کی حوصلہ شکنی اپنی زبان سے نہیں کروں گا۔ اکھلاؤ دشمن اس خطے سے بھاگ رہا ہے لیکن ہمیں اپنی فتح کو مکمل کرنا ہے۔ میں یہی بہتر سمجھتا ہوں کہ ہم قاصد کو مدینہ بھیج کر امیر المومنین کا حکم لیں۔“

تمام سالاروں نے ابوعبیدہ کی تائید کی اور اُسی وقت ایک تیز رفتار قاصد کو مدینہ اس پیغام کے ساتھ روانہ کر دیا گیا:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب کی خدمت میں، سالار اعلیٰ برائے شام ابوعبیدہ بن الجراح کی طرف سے۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور اطاعت اللہ کے رسول محمد کی ہے۔ اللہ نے ہیں جس فتح سے نوازا ہے، وہ ہماری آئندہ نسلوں پر اس کی ذات کا بہت بڑا احسان ہے۔ تمام فتوحات کی اطلاعیں مع مال غنیمت مدینہ بھیجی جاتی رہی ہیں۔ اب ہم جاہل کے مقام پر آرام کی غرض سے رُکے ہوئے ہیں۔ اکھلاؤ زخمی بہت بہتر ہو چکے ہیں۔ اب ضرورت یہ ہے کہ ہم آگے بڑھیں اور روہیوں کو شام کی سرزمین سے ہمیشہ کے لیے بے دخل کریں۔ ہمارے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں کہ ہم قیساریہ اور بیت المقدس میں سے کون سی جگہ کا انتخاب کریں کیا امیر المومنین ہماری رہنمائی کریں گے؟“

وہاں سے مدینہ کا سفر کم و بیش ایک ماہ کا تھا۔ قاصد کے جانے اور آنے میں کم سے کم مہینے دوڑوا کر تھے۔ ان دنوں میں زخمی مجاہدین مزید بہتر ہو گئے اور جو زخمی نہیں تھے انہیں آرام اور تیاری کے لیے مزید وقت مل گیا۔

بیت المقدس کے اندر کے ماحول پر جہاں سحر کی افسردگی، ہشر ساری اور دہشت طاری تھی وہاں جوش و خروش بھی پایا جاتا تھا۔ یہ جوش و خروش رومی سالار اطرولوں کا پیدا کردہ تھا۔ وہ ابھی مسلمانوں کے مقابلے میں نہیں آیا تھا۔ اُس نے سنا تو تھا اور بڑی اچھی طرح سنا تھا کہ رومی فوج کسی بھی میدان میں مسلمانوں کے مقابلے میں جم نہیں سکتی لیکن اطرولوں نے اپنے آپ پر یہ دہم طاری کر لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو بیت المقدس میں شکست دے دے گا۔ اُس نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے پلان بنانے شروع کر دیئے اور اس سلسلے میں ایک روز قیساریہ چلا گیا۔

قیساریہ میں اُس نے وہاں کے سالار اور فوج کو خوفزدگی کے عالم میں دیکھا۔ ”معلوم ہوتا ہے تم نے لڑنے سے پہلے شکست تسلیم کر لی ہے۔ اطرولوں نے قیساریہ کے سالار سے کہا۔“ اور میں نہیں مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے تیار کرنے آیا ہوں۔“ ”اگر ہر قتل بھاگ گیا ہے تو مقابلے میں ہم بھی نہیں ٹھہر سکتے۔“ قیساریہ کے سالار نے کہا۔ ”فوج جو میرے پاس ہے اس پر ان سپاہیوں کا اثر ہو گیا ہے جو یہ کہہ کر سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں۔۔۔۔۔ وہ اب بیک آ رہے ہیں۔ نہ جانے کہاں کہاں بھٹک کر آ رہے ہیں۔ ان کے چہرہ پر، آنکھوں میں اور باتوں میں خوف نمایاں ہوتا ہے۔“

”بزدل!۔۔۔ اطرولوں نے نفرت سے کہا۔“ لڑائیوں سے بھاگے ہوئے سپاہی اور سالار بھی

آگے چل کر بیان کریں گے لیکن چند ایک تاریخ نویسوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امیر المومنین عمرؓ کے دل میں خلافت کے خلاف ذاتی ریش کی بنا پر بغض اور کینہ بھرا ہوا تھا۔ اس سے یہ تاریخ نویس یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عمرؓ کا کردار اتنا عظیم نہیں تھا جتنا بتایا جاتا ہے۔

ہم چونکہ صرف خالد بن ولیدؓ سیف اللہؓ کی زندگی کی کہانی سن رہے ہیں اس لیے ہم ان جنگوں اور دیگر حالات کا زیادہ ذکر نہیں کریں گے جن کا تعلق خالدؓ کے ساتھ نہیں۔

اگر مورخوں اور بعد کے تاریخ نویسوں کی تحریروں کی چھان بین کی جائے تو سوائے ابجھاؤ کے کچھ بھی چل نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک تو یہ بتیہ چلتا ہے کہ سالار اعلیٰ ابو عبیدہؓ نے امیر المومنین عمرؓ سے بذریعہ قاصد پوچھا تھا کہ قیسیاریہ کی طرف توجہ دیں یا بیت المقدس کی طرف، دوسری طرف کچھ ایسے تاریخ نویس ہیں جو دیکھتے ہیں عمرو بن العاصؓ نے امیر المومنین کو پیغام بھیجا تھا کہ بیت المقدس پر چڑھائی کریں یا کیا کریں، اور ایک تاریخ نویس نے یہ بیان کر دیا ہے کہ امیر المومنین بیت المقدس سے تھوڑی ہی دور کسی مقام پر موجود تھے۔ پس منظر کے واقعات کو درست سند مورخوں کی تحریروں کو دیکھا جائے تو امیر المومنین عمرؓ نہیں مدینہ میں موجود نظر آتے ہیں جہاں انہیں ہرمعاد کی رپورٹیں مل رہی ہیں، مال غنیمت کا پانچواں حصہ خلافت کے لیے ہر طرف سے آ رہا ہے، امیر المومنین کے ہاتھوں تقسیم ہو رہا ہے اور وہ سالاروں کو خراج تحسین کے پیغام بھیج رہے ہیں۔

سالار اعلیٰ ابو عبیدہؓ نے جو قاصد مدینہ کو روانہ کیا تھا وہ تیز رفتار تھا۔ قاصدوں کی رفتار اس وجہ سے تیز ہو جاتی تھی کہ راستے میں گھوڑے بدلنے کا انتظام موجود تھا۔ اب تو تمام تر علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ قاصد پندرہ دنوں بعد امیر المومنین کا حکم لے آیا۔

امیر المومنین نے لکھا تھا کہ بیت المقدس سب سے پہلے فتح ہونا چاہیے لیکن اس کا محاصرہ کرنے سے پہلے رومیوں کی کمک کے راستے بند کرنا ضروری ہیں۔ عمرؓ کو یہاں تک معلوم تھا کہ قیسیاریہ میں رومی فوج کثیر تعداد میں موجود ہے جو بیت المقدس کو کمک اور دیگر مدد دے سکتی ہے۔ عمرؓ کو مدینہ میں موجودہ کربھی معلوم تھا کہ قیسیاریہ میں رومیوں کی مزید فوج سمندر کے راستے بھی پہنچ سکتی ہے۔ چنانچہ غلیظہ الملعین عمرؓ نے ابو عبیدہؓ کو حکم بھیجا کہ قیسیاریہ کا اڈہ تمام کرنا ضروری ہے۔

امیر المومنین نے اپنے حکم اور ہدایات میں یہ بھی لکھا کہ انمول نے یزید بن ابی سفیان کو حکم بھیج دیا ہے کہ وہ اپنے بھائی معاویہؓ کو قیسیاریہ کا محاصرہ کرنے اور رومیوں کے اس غلیظہ اور خطرناک قلعے کو نخرنے کے لیے فوج بھیج دے تاکہ بیت المقدس کی رومی فوج کو قیسیاریہ سے اذیت دے اور قیسیاریہ کو سمندر کی طرف سے مدد نہ پہنچ سکے اور اس سے یہ فائدہ بھی ہوگا کہ قیسیاریہ اور بیت المقدس کا رابطہ ٹوٹ جائے گا۔ اس حکم نامے میں یہ بھی لکھا تھا کہ قیسیاریہ کی فتح کے فوراً بعد ابو عبیدہؓ بیت المقدس پر چڑھائی کریں گے۔

مدینہ سے یہ جو احکام مختلف سالاروں کو بھیجے گئے ان کے مطابق معاویہؓ نے قیسیاریہ کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں کے رومی سالار کو توقع تھی کہ اطرلون اُس کی مدد کو آئے گا۔ اس توقع پر اُس نے مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ دستوں کو قلعے سے باہر نکال کر حملہ کرائے۔

ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں۔ وہ اپنے دشمن کی فوج کو چنات اور بدرجوں کی فوج ثابت کرتے ہیں جن کا وہ مقابلہ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ کیا تم مجھے یہ مشورہ دینا چاہتے ہو کہ ہر قتل کی طرح ہم بھی مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دیں؟ تمہاری عقل پر ایسا پردہ پڑ گیا ہے کہ تم یہ سوچنے کے بھی قابل نہیں رہے کہ ہر قتل کی غیر جزا میں میرا حکم چلتا ہے اور تم میرے حکم کے پابند ہو۔ ہم لڑیں گے۔

”ہیں نے آپ کو فوج کی ذہنی حالت بتائی ہے۔“ قیسیاریہ کے سالار نے کہا۔ ”یہ نہیں ہوگا کہ ہم بھاگ جائیں گے۔ آپ حکم دیں۔ فوج منہ موڑ جائے گی تو بھی آپ مجھے میدان جنگ میں ہی لکھیں گے۔“ ”فوج کو لڑنا تمہارا کام ہے۔“ اطرلون نے کہا۔ ”تم نے باقی جو کچھ کہا ہے یہ بڑا ہی سہی۔“ فارسیوں نے بھی ان عربی مسلمانوں کو عرب کے بدو اور صحرائی تفرق کہا تھا۔ ہر قتل اور اُس کے سالار بھی یہی کہتے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے کسی ایک بھی مسلمان کو زندہ واپس نہیں جانے دیں گے۔ یہ حکم یہ ہے اور یہ موجودہ صورت حال کا قافضہ ہے کہ اپنی فوج کو لڑنے کے لیے تیار کرو۔ مسلمان ایلیا (بیت المقدس) پر حملہ کریں گے۔ تمہارا کام یہ ہوگا کہ وہ جب ایلیا کو محاصرے میں لے لیں تو تم آکر انہیں محاصرے میں لے لو۔ تمہارے پاس فوج کی کمی نہیں۔ اگر تم دشمن کو مکمل محاصرے میں نہ لے سکو تو عقب سے اُس کی فوج پر حملہ کرتے رہو۔ میں اپنے دستے شہر کے باہر بیچ کر اتنا سخت تہہ بولوں گا کہ دشمن قدم جانے کے قابل نہیں رہے گا۔ عقب میں تم ہو گے۔ پھر سوتج یہ بدبخت کہ صر سے نکل کر جائیں گے۔“ اُس نے رازداری کے لہجے میں کہا۔ ”مسلمان تنک کو چوہہ ہو چکے ہیں۔ ان کی نفری کم و بیش چھ ہزار کم ہو گئی ہے۔ اب انہیں شکست دینا مشکل نہیں رہا۔“

”اور اگر وہ ایلیا کی بجائے قیسیاریہ میں آگئے تو کیا...“ ”پھر میں تمہاری مدد کو آؤں گا۔“ اطرلون نے کہا۔ ”اور میں تمہاری مدد اسی طرح کروں گا جس طرح میں نے تمہیں کہا ہے کہ میری مدد کو آنا۔“ ان کے درمیان طے ہو گیا کہ دونوں میں سے کسی پر حملہ ہوا تو دوسرا اُس کی مدد کو آئے گا۔ اطرلون نے یقین سے کہا تھا کہ مسلمان بیت المقدس پر آئیں گے۔

اُس دور کے متعلق جب مسلمان شام پر چھا گئے تھے، ہر قتل شام سے نکل گیا تھا اور مسلمان فلسطین پر قابض ہوتے چلے جا رہے تھے، تو مورخوں میں اختلاف پائے جاتے ہیں بعض نے واقعات کو لگا کر ذکر دیا ہے۔ مگر کول کے تسلسل کو بھی آگے پیچھے کر دیا ہے۔ کہیں کہیں اموات میں مبالغہ آرائی ملتی ہے۔ رومیوں اور مسلمانوں کی نفری بھی صحیح نہیں تھی۔

انہوں سے کوئی پڑتا ہے کہ اگر غیر مسلم مورخوں نے صحیح واقعات پیش کیے ہیں اور مسلمانوں کو خراج تحسین بھی پیش کیا ہے لیکن بعض مسلمان مورخوں اور بعد کے تاریخ نویسوں نے اپنے اپنے فرائض کے عقیدوں کے مطابق تعصب کا مظاہرہ کیا ہے اور واقعات کو غلط ملط کر دیا ہے اور حقیقتات آج ان جاندار تاریخ نویسوں کے ذہنوں میں بھرے ہوئے ہیں وہ انمول نے خلفائے راشدین اور مجاہدین کے چہروں پر مل دیتے ہیں مثلاً امیر المومنین عمرؓ نے خالدؓ کو محمول کر کے مدینہ بلایا تھا۔ ہم اس کی وجوہات

ان حملوں کا تسلسل اور انداز ایسا تھا کہ محاصرے کا تو صرف ہم رہ گیا تھا، قلعے کے باہر غریزہ لڑائی شروع ہو گئی۔ رومیوں کے حملوں کا طریقہ یہ تھا کہ قلعے کے دروازے کھلتے، دو تین دستے رُکے ہوئے سیلاب کی مانند باہر آتے اور مسلمانوں پر بڑا شدید لمہ بولتے۔ کچھ دیر لو کہ وہ پیچھے ہٹتے اور قلعے میں چلے جاتے اور دروازے پھر بند ہو جاتے۔

مسلمانوں نے ان حملوں کا مقابلہ اس طرح کیا کہ رومی دستے باہر آتے تو مسلمان اُن کے عقب میں جانے کی کوشش کرتے کہ رومی قلعے میں واپس نہ جا سکیں۔ عقب میں جانا اس وجہ سے خطرناک ہو جاتا تھا کہ قلعے کی دیوار سے اُن پر پتیر آتے تھے۔ مسلمان رومیوں کے پہلوؤں کی طرف ہو جاتے اور تیروں کی بوجھاڑوں سے بہت سے رومیوں کو مار لیتے۔

اس طرح رومیوں نے اتنا نقصان اٹھایا کہ وہ لڑنے کے قابل نہ رہے۔ قیسا یہ کہ رومی سالار نے اطلوں پر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ بزدل نہیں، ایک روز خود دو چار دستوں کو ساتھ لیا اور باہر نکل آیا۔ مسلمانوں پر ایسے حملے کئی بار ہو چکے تھے اس لیے انہیں یہ حملے روکنے کا تجربہ ہو گیا تھا۔ اب رومی سالار خود باہر آیا تو مسلمانوں نے پہلے سے زیادہ شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ کئی مجاہدین رومی سالار کو مارنے کے لیے آگے بڑھنے لگے لیکن اُسے مارا آسمان نظر نہیں آتا تھا۔ وہ محافظوں کے حصار میں تھا۔

آفرودہ شہت اپنا اثر دکھانے لگی جو رومیوں پر طاری ہونے لگی تھی۔ وہ تو ہونی ہی تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں کی لاشوں پر لڑ رہے تھے۔ پہلے حملوں میں جو رومی مارے گئے تھے ان کی لاشیں اٹھائی نہیں گئی تھیں۔ بہت سے دن گزر گئے تھے۔ پہلے دنوں کی لاشیں خراب ہو گئی تھیں اور ان کا ٹھن پھیلنا ہوا تھا۔ رومیوں پر شہت تو پہلے ہی طاری تھی پھر اُن کا سالار اُن کے ساتھ باہر آ گیا تھا اس لیے اُن کے حوصلے میں کچھ جان چڑ گئی لیکن ان کا سالار کسی مجاہد کی بھیجی سے مارا گیا۔ رومیوں میں افراتفری مچ گئی اور وہ قلعے کے دروازوں کی طرف بھاگنے لگے۔ دروازے کھل گئے۔ اس سے مسلمانوں نے یہ فائدہ اٹھایا کہ وہ بھاگتے اور شہت زدہ رومیوں کے ساتھ ہی قلعے میں داخل ہو گئے۔

اب قیسا یہ مسلمانوں کا تھا جس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ سمندر کی طرف سے رومیوں کو گھمب نہیں مل سکتی تھی۔

قیسا یہ کا سالار دل میں یہ افسوس لیے مر گیا کہ اطلوں اُس کی مدد نہ پہنچا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ اطلوں قیسا یہ کے محاصرے کی اطلاع ملتے ہی اپنا لشکر لے کر بیت المقدس سے چل پڑا تھا لیکن مسلمان جانتے تھے قیسا یہ کو پھانسنے کے لیے بیت المقدس سے مدد آئے گی۔ انہوں نے مدد کو دینے کا انتظام کر رکھا تھا۔ عمرو بن العاص نے اپنے دو سالاروں علقمہ بن حکیم اور مسروق بنی کو بیت المقدس کے طرف اس حکم کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ بیت المقدس سے رومی فوج نکلے تو اُسے وہیں روک لیں۔

ایک جاسوس نے اطلاع دی کہ اطلوں اپنی فوج کے ساتھ اجنادین کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ عمرو بن العاص نے سالار علقمہ بن حکیم اور سالار مسروق بنی کو بیت المقدس کی طرف بھیج دیا اور خود اطلوں کے پیچھے گئے لیکن اجنادین تک انہیں کوئی رومی دستہ نظر نہ آیا۔ زمین بتا رہی تھی کہ اجنادین کی طرف فوج گئی ہے شہر

کے باہر کچھ لوگ بے۔ انہوں نے بتایا کہ رومی فوج آئی تھی اور قلعے میں داخل ہو گئی ہے۔ اجنادین دوسرے شہروں کی طرح قلعہ بند نہ تھا۔ اس کے ارد گرد گہری اور بڑی خندق تھی جسے پار

کرنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ عمرو بن العاص نے شہر بنیہ کے ارد گرد گھم پھر کر دیکھا۔ قلعہ سر کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ انہوں نے ایک نائب سالار کو تار بچ میں اُس کا نام نہیں لکھا، اپنی طرف سے ابھی بنا کر صلح کے پیغام کے ساتھ قلعے میں بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

”یہ ضروری نہیں کہ تم صلح کروا کے ہی آؤ۔“ عمرو بن العاص نے ابھی کو ہدایات دے کر آخری بات یہ کہی۔ ”میں تمہیں جاسوسی کے لیے اندر بھیج رہا ہوں۔ ایک تو یہ اندازہ کرنا کہ اندر کتنی فوج ہے۔ اس کے علاوہ کچھ بھی دیکھ کر کوئی کھنا اور جانہ لینا کہ اطلوں کا اپنا حوصلہ کتنا مضبوط ہے۔“

ابھی اپنے محافظوں کے ساتھ قلعے میں چلا گیا۔ وہ واپس آیا اور عمرو بن العاص کو اپنے مشاہدات بتائے۔ عمرو بن العاص مطمئن نہ ہوئے۔

”کیا یہ کام میں خود نہ کروں؟“ عمرو بن العاص نے اپنے سالاروں سے کہا۔ ”جہاں معلوم کرنا چاہتا ہوں وہ صرف میری آنکھیں دیکھ سکتی ہیں۔“

”ابن العاص! ایک سالار نے کہا۔“ کیا خود جا کر تو اپنے آپ کو خطر سے نہیں ڈال رہا؟“ ”خدا کی قسم! ایک اور سالار بولا۔“ اسلام تجھے جیسے سالار کا نقصان برداشت نہیں کر سکے گا۔“

”کیا اطلوں مجھے قید کر لے گا؟“ عمرو بن العاص نے پوچھا۔ ”کیا وہ مجھے قتل کر دے گا؟“ ”مارے ہوئے دھن سے اچھائی کی توقع نہ رکھ ابن العاص!“ ”میں عمرو بن العاص کے روپ میں جاؤں گا۔“ عمرو بن العاص نے کہا۔ ”میں اپنا ابھی بن کر جاؤں گا جیسے قلعہ لینا ہے۔ میں ہر طریقہ آزماؤں گا۔“

عمرو بن العاص نے نہیں بدلا اور یہ اعلان کرا کے کہ مسلمانوں کا ابھی صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے قلعے میں آنا چاہتا ہے، قلعے کا دروازہ کھلوا یا۔ رومیوں نے مضبوط سخت خندق پر چھینک کر انہیں خندق پار کروائی اور قلعے کے اندر اپنے سالار اطلوں کے پاس لے گئے۔

مختلف تہذیبوں نے یہ واقعہ لکھا ہے۔ ان کے مطابق، عمرو بن العاص نے اپنا روپ اور خلیہ تو بدل لیا تھا لیکن ان کے انداز اور بولنے کے سلیقے اور دو چار باتوں سے اطلوں کو شک ہو گیا کہ یہ شخص ابھی نہیں ہو سکتا۔ عمرو بن العاص سالار کی تہذیب اور استدلال کو نہ چھپا سکے۔

اطلوں نے تجربہ کار سالار تھا اور وہ مردم شناس بھی تھا۔ وہ کوئی بہانہ نہ کر کے باہر نکل گیا اور اپنے محافظ دستے کے گماندار کو بلایا۔

”یہ عربی مسلمان جو میرے پاس بیٹھا ہے ابھی واپس جاتے گا۔ اطلوں نے گماندار سے کہا۔“ تاکہ محافظ کو راستے میں ٹھادو۔ میں اس مسلمان کو اسی راستے سے بھیجوں گا۔ یہ زندہ نہ جائے۔ محافظ اسے قتل کر دے۔ یہ شخص مسلمانوں کا سالار عمرو بن العاص ہے۔ اگر سالار نہیں تو یہ عمرو بن العاص کا کوئی خاص مشیر ہے۔“

اور مجھے یقین ہے کہ عمر بن العاص اسی شیر کے مشورہ پر عمل کرتا ہے۔ انہوں نے اسے قتل نہ کیا تو یہ
سلطنتِ روم سے غداری کر دی گا۔

نورجنگھتے ہیں کہ جس طرح اطربوں اٹھ کر باہر نکل گیا تھا، اس سے عمر بن العاص کو اس کی نیت پر شک
ہوا۔ وہ واپس آیا تو عمر بن العاص نے اس کے چہرے پر اور اس کی باتوں میں نمایاں تبدیلی دیکھی۔ وہ بجا نہ گئے
کہ اطربوں کی نیت صاف نہیں۔ انہوں نے پتہ لگا لیا۔

”معزز سالار! — عمر بن العاص نے کہا — ہم دس جنگی مشیر ہیں جو مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ آئے
ہیں۔ میں ان میں سے ایک ہوں۔ میں نے آپ کی شرارتوں کی ہیں۔ میں خود تو فیصلہ نہیں کر سکتا۔ عمر بن العاص
کو مشورہ دوں گا کہ وہ آپ کی شرارت قبول کر لیں۔ مجھے امید ہے کہ میرے مشورے پر عمل ہوگا اور مزید خون
نہیں بہے گا۔“

اطربوں دھوکے میں آ گیا۔ وہ عمر بن العاص کے ساتھ باہر نکلا اور محافظ دستے کے کمانڈر کو اشارہ
کیا کہ اس شخص کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح عمر بن العاص زندہ قلعے سے نکل آئے۔ باہر آکر
انہوں نے لاکھ کر کہا کہ اطربوں، میں عمر بن العاص ہوں۔

اس کے بعد اجنادین کے میدان میں دونوں فوجوں کے درمیان جو محرکہ ہوا وہ جنگ یرموک جیسا خونریز
تھا۔ ہم اس محرکے کی تفصیلات بیان نہیں کر رہے کہ اطربوں نے قلعے سے باہر آکر لڑنے کا فیصلہ کیوں کیا
تھا اور عمر بن العاص نے کسی کیسے چالیں چل کر یرموک کو بے تحاشہ جانی نقصان پہنچا کر کپ پالیا۔
اطربوں اپنے بچے بچے دشمنوں کو ساتھ لے کر بیت المقدس جا پہنچا اور وہاں قلعہ بند ہو گیا۔ اس محرکے
میں مسلمانوں نے بہت جانی نقصان اٹھا یا تھا۔

جب ابوعبیدہ کو اطلاع ملی کہ قیسیار یہ پر اپنا قبضہ ہو گیا ہے تو انہوں نے بیت المقدس کی طرف
پیش قدمی کا حکم دے دیا۔ ہزاروں میں خالد اپنے مخصوص رسالے کے ساتھ جا رہے تھے۔ ابوعبیدہ کو بھی یہ
بتا دیا گیا تھا کہ اطربوں لڑنے کے قابل نہیں رہا۔ پھر بھی احتیاط کی ضرورت ہے۔

بیت المقدس کا اندرونی ماحول گچھ اور ہی تھا۔ وہی اطربوں جس نے قیسیار یہ کے رومی سالار کو بزدل کہا تھا،
وہ اب بیت المقدس کے بڑے پادری اسقف سفربنوس کے پاس شکست خوردگی کے عالم میں بیٹھا تھا۔
”محترم سالار! — سفربنوس نے اسے کہا — میں اس کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں کہ یہ یہ مقدس شہر
مسلمانوں کے حوالے کر دوں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ یہ کام آپ اپنے ہاتھوں کریں؟“

”نہیں محترم باپ! — اطربوں نے کہا — میں یہ نہیں کہلوانا چاہتا کہ اطربوں نے مسلمانوں کے
آگے ہتھیار نہ ڈالے تھے۔“

”کیا آپ اس شہر کے تقدس کو بھول گئے ہیں؟ — سفربنوس نے کہا — یہ وہ زمین ہے جس پر
حضرت عیسیٰ کو مصلوب کیا گیا تھا۔ کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ اس سرزمین کی آبرو کی خاطر ہم اپنی تمام فوج
کو قربان کر دیں؟“

”کیا آپ فوج کی حالت دیکھ نہیں رہے؟ — اطربوں نے کہا — نصرت کے قریب فوج ماری

گئی یا زخمی ہو گئی ہے۔ اس فوج کا حوصلہ اور جذبہ پہلے ہی ٹوٹ چھوٹ چکا تھا۔ اب میں بڑی مشکل سے
ان چند ایک دستوں کو اجنادین سے بچا کر لایا ہوں۔“

”محترم سالار! — اسقف سفربنوس نے کہا — اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کے
فوجی برتری کو تسلیم کر لیا ہے۔ آپ روم کی عظیم جنگی روایات کو مسلمانوں کے قدموں تلے چھینک رہے ہیں۔
آپ کچھ دن مقابلہ کر کے دیکھیں۔ مسلمان آسمان کی مخلوق تو نہیں۔ وہ بے شک بہترین لڑنے والے
ہیں لیکن آخر انسان ہیں۔ وہ یقیناً شکست کھڑے ہو چکے ہیں۔ آپ اپنا حوصلہ قائم رکھیں۔ وہ پہلے محاصرہ
کریں گے جس میں کئی روز گزر جائیں گے۔ اس دوران آپ اپنا اور اپنے دستوں کا حوصلہ مضبوط کریں۔
مسلمان بیت المقدس کی طرف تیز رفتاری سے بڑھے چلے جا رہے تھے اور بیت المقدس میں رومی
سالار اطربوں اپنے آپ کو لڑنے کے لیے تیار کر رہا تھا لیکن وہ اپنی فوج کی حالت دیکھتا تھا تو اس کا لڑنے
کا جذبہ مٹ رہا تھا۔ اس پر اپنے اسقف سفربنوس کی باتوں کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا جب اسقف
نے دیکھا کہ اطربوں ذہنی طور پر شکست قبول کر چکا ہے تو اس نے اطربوں کو جذباتی باتوں سے بھرنا شروع کر دیا۔
اس کا اتنا اثر ہوا کہ اطربوں نے مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اسلامی فوج پہنچ گئی اور بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ دیواروں پر تیر انداز اور برجھیاں پھینکنے والے کشتیہ
میں کھڑے تھے۔ ان کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ مسلمانوں کو قلعے کے قریب نہیں آنے دیں گے۔ مسلمان سالار قلعے
کے ارد گرد گھوم پھر کر دیکھ رہے تھے کہ کہیں سے دیوار پر چڑھا جاسکتا ہے یا کوئی ایسی جگہ ہے جہاں سے
سمرنگ لگا کر اندر جانے کا راستہ بنا جاسکے۔

کسی وجہ سے محاصرہ مکمل نہیں تھا۔ محاصرے میں ایک جگہ شکاف تھا۔ مسلمان سالاروں نے جب
دیکھا کہ شہر نہایت محفوظ ہے اور اس کا دفاع بھی خطرناک ہے تو انہوں نے محاصرے کو طول دینا مناسب سمجھا۔
اس طرح محاصرہ طول پکڑتا گیا اور بہت دن گزر گئے۔ اس دوران مجاہدین نے دروازوں پر پتے بولے، زخمی
ہونے اور جانی بھی قربان کیں لیکن دیوار سے آنے والے تیروں اور برجھیوں نے کسی بھی دروازے
تک پہنچنے نہ دیا۔

آخر ایک روز بڑے دروازے کے اوپر سے ایک بڑی بلند آواز سنائی دی۔
”کیا تم سالار صلیح کے لیے آگے آئے گا؟ — دیوار کے اوپر سے اعلان ہوا — ہم تمہاری
شرطیں مصلحہ کرنا چاہتے ہیں۔“

ابوعبیدہ آگے گئے۔ خالد بھی ان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے کسی سے کہا کہ وہ بلند آواز سے یہ جوتا
دے کہ صلیح کی شرائط طے کرنے کے لیے تمہارا سالار باہر آئے۔

مسلمانوں کی طرف سے یہ اعلان ہوا تو تھوڑی سی دیر بعد اسقف سفربنوس چند ایک محافظوں کے
ساتھ قلعے کے بڑے دروازے سے باہر آیا اس کے ساتھ ایک بڑی صلیب بھی تھی۔

”کیا کوئی سالار موجود نہیں؟ — ابوعبیدہ نے اسقف سے پوچھا۔
”سالار موجود ہے۔“ اسقف نے جواب دیا — ”لیکن بیت المقدس وہ شہر ہے جس کے

اہمیت اور احترام کو اسقف ہی جان سکتا ہے۔ اگر میں نہ چاہتا تو ہماری فوج کا آخری سپاہی بھی مارا جاتا، شہر کی اینٹ سے اینٹ کیوں نہ بچ جاتی۔ یہاں سے صلیب کا پیغام آپ کے کانوں تک نہ پہنچتا میں اس شہر کو انسانی خون کی آلودگی سے پاک رکھنا چاہتا ہوں۔ رومی سالار میرے زیر اثر ہیں۔ میں نے انہیں صلیب کے لیے تیار کر لیا ہے لیکن آپ کی شرطیں سننے سے پہلے میں اپنی صرف ایک شرط پیش کر دل گا۔ اسے آپ قبول کریں تو ہم آپ کی باقی تمام شرائط قبول کر لیں گے۔

”محترم اسقف!۔ ابو عبیدہ نے کہا۔ ”یہ شہر جتنا آپ کے لیے مقدس ہے اتنا ہی ہمارے لیے بھی قابل احترام ہے۔ یہ پیغمبروں اور نبیوں کا شہر ہے۔ ہم آپ کی اس خواہش کا احترام کریں گے کہ اس زمین کے تقدس کو انسانی خون سے پاک رکھا جائے۔ آپ اپنی شرط بتائیں۔“

”سالار محترم!۔ اسقف سفیریوس نے کہا۔ ”یہ جانتے ہوئے کہ صلیب کی شرائط آپ کے ساتھ ہی طے کی جاسکتی ہیں، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے امیر المومنین کو یہاں بلائیں، میں شرائط ان کے ساتھ طے کر دوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ شہر اپنے انھوں ان کے حوالے کروں پیغمبروں کے رشتے سے یہ شہر جتنا آپ کا ہے اتنا ہی ہمارا ہے۔“

اسقف سفیریوس نے بیت المقدس کے متعلق ایسی جذباتی باتیں کہیں کہ مسلمان سالار متاثر ہوئے اور انہوں نے اسقف کی اس شرط کو تسلیم کر لیا کہ امیر المومنین عمرؓ کو بلا دیا جائے۔ اسقف کو بتا دیا گیا کہ امیر المومنین صلیب کی شرائط طے کرنے کے لیے آئیں گے۔

ابو عبیدہ، خالدؓ اور دیگر سالاروں کے لیے یہ ایک مسئلہ بن گیا۔ مدینہ بہت دور تھا، صرف ایک طرف کا سفر کم و بیش ایک مہینے کا تھا۔ رومیوں کی طرف سے صلیب کی پیش کش کا مطلب یہ تھا کہ رومی شہر کا دفاع کھننے کے قابل نہیں رہے اس لیے وہ صلیب کرنا چاہتے ہیں۔ اس صورت میں مسلمان سالاروں کے سامنے سیدھا راستہ تھا کہ وہ قلعے پر تان توڑ حملے کر تے اور قلعہ سر کر لیتے لیکن اسلامی احکام کے مطابق انہوں نے دشمن کو اس اور صلیب کی طرف آنے کا پورا موقع دیا۔ قرآن کا یہ فرمان بڑا صاف ہے کہ دشمن جھک جائے تو اس کے ساتھ شرائط طے کر لی جائے لیکن امیر المومنین کے آنے کے لیے بہت زیادہ وقت درکار تھا سالار اس مسئلے پر غور و خوض کرنے لگے۔

”میں ایک تجویز پیش کرتا ہوں۔“ سالار شرجیل نے کہا۔ ”بیت المقدس والوں نے امیر المومنین کو کبھی نہیں دیکھا، ان کا قد بہت ابن ولید جیسا ہے۔ شکل و صورت میں بھی کچھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ وقت بچانے کی خاطر ہم بول کر کہیں کہ تین چار دنوں بعد ابن ولید کو اپنے ساتھ قلعے میں لے جائیں اور کہیں کہ یہ ہیں ہمارے امیر المومنین عمرؓ کا خطاب۔“

”نہیں!۔ ابو عبیدہ نے کہا۔“ اسقف بیت المقدس نے ابن ولید کو دیکھ لیا ہے۔ بے شک اس کے ساتھ باتیں میں کرتا رہا ہوں اور اُس کی توجہ میری طرف رہی ہے۔ ہو سکتا ہے اُس نے ابن ولید کو اچھی طرح نہ دیکھا ہو لیکن شہر کے اندر ایسے رومی موجود ہوں گے جنہوں نے کسی میدان جنگ میں ابن ولید کو اچھی طرح دیکھا ہو گا۔ اُس وقت کی شرمساری کو سوچ جب کوئی ہیں یہ کہ بیٹھے گا کہ یہ ان کا امیر المومنین نہیں

یہ تو خالدؓ ابن الولید ہے جو میدان جنگ میں نعرہ لگا کر آیا کرتا تھا۔“ انا خالدؓ ابن الولید۔ کیا میرا یہ نقشہ غلط ہے؟

”ایسا ہو سکتا ہے امین الامت!“ خالدؓ نے کہا۔ ”اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسقف یا کوئی رومی سالار کہہ دے کہ مدینہ سے تمھارا امیر المومنین اتنی جلد ہی کسی طرح آگیا ہے؟“

”یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔“ شرجیلؓ بن حسنہ نے کہا۔ ”کہ رومی ہمارے آگے یہ شرط رکھ کر اپنے امیر المومنین کو بلاؤ، ہمارے مقابلے کی تیاری میں لگ جائیں۔ یہ وقت حاصل کر رہے ہوں گے۔“

”ہم یہ خطرہ مول لے سکتے ہیں ابن حسنہ!“ ابو عبیدہ نے کہا۔ ”لیکن ہم دروغ اور فریب کا سہارا نہیں لے سکتے۔ ہماری چال بازی کا دافع اسلام کو لگے گا۔“

دو تہ زخوں نے لکھا ہے کہ شرجیلؓ کے مشورے پر خالدؓ کو بیت المقدس میں لے جا کر حقیقت معجزوں کو بتایا گیا تھا کہ ہمارے امیر المومنین عمرؓ کا خطاب ہیں اور صلیب نامہ عمرؓ کی بجائے خالدؓ نے عمرؓ بن کر کیا تھا، لیکن آگے پیش آنے والے واقعات اس روایت کی تردید کرتے ہیں۔ زیادہ تر مترجموں نے لکھا ہے کہ عمرؓ کو مدینہ سے بلا لیا گیا تھا اور عمرؓ فوری طور پر روانہ ہو گئے تھے۔

ابو عبیدہ نے ایک تیز رفتار قاصد مدینہ کو دوڑا دیا۔ پیغام میں وہی باتیں لکھیں جو اسقف بیت المقدس کے ساتھ ہوئی تھیں۔ پیغام مدینہ پہنچا ہی تھا کہ وہاں مسرتوں کی لہر دوڑ گئی خلیفہ المسلمین عمرؓ کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ انہوں نے خاص طور پر حکم بھیجا تھا کہ بیت المقدس فتح کیا جائے۔ عمرؓ فوج کی خوشخبری کے منظر تھے۔ خلیفہ المسلمین عمرؓ ابو عبیدہ کا پیغام مسجد نبویؐ میں لے گئے اور پڑھ کر سب کو سنا دیا۔

”تم سب مجھے کیا مشورہ دیتے ہو؟“ عمرؓ نے حاضرین سے پوچھا۔ ”کیا میرا جانا بہتر ہے یا نہ جانا بہتر ہے؟“

”نہ جانا بہتر ہے امیر المومنین!“ عثمانؓ بن عفان نے کہا۔ ”تمھارے نہ جانے سے رومی بھیجیں گے کہ تم نے انہیں کوئی اہمیت نہیں دی اور تم اتنے طاقتور ہو کہ صلیب کی ٹھیس پر وہابی نہیں۔ اس کا یہ اثر ہو گا کہ وہ ہمارے مقابلے میں اپنے آپ کو حقیر جانیں گے اور جزیرہ ادا کر کے ہماری اطاعت قبول کر لیں گے۔“

”اللہ تجھے اپنی امان میں رکھے ابن عفان!“ علیؓ نے عثمانؓ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا۔ ”امیر المومنین کا جانا بہتر ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ مجاہدین کب تک گھروں سے بچے ہوئے ہیں؟ کب تک گری، ہزنی، آندھی بارش اور طوفانوں میں کچلے آسمان سے دن گزار رہے ہیں؟ جانیں قربان کر رہے ہیں، زخمی ہو رہے ہیں۔ اگر

امیر المومنین ان کے پاس چلے جائیں گے تو ان کے ہتھے ہوئے حوصلے تازہ ہو جائیں گے۔“

”بے شک، بے شک!۔ چند آوازیں سنائی دیں۔“

”امیر المومنین نہیں جائیں گے تو رومی قلعے کے اندر محفوظ بیٹھے رہیں گے۔“ علیؓ نے کہا۔ ”انہیں کھجک بھی مل جائے گی اور کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ مجاہدین کی فتح جو ان کے سامنے کھڑی ہے وہ اُلٹ کر شکست بن جائے؟“

حاضرین نے بے زور طریقے سے تائید کی۔

”مجھے جانا چاہیے۔“ امیر المومنین نے کہا۔ ”میں ابھی روانہ ہونا چاہتا ہوں۔“

امیر المؤمنین عمر بن الخطاب ایک اوثقی پر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اُن کے ساتھ اپنے نائبین اور مشیر تھے جن کی تعداد اور ناموں کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں ملتا۔ وہ ایک مہینے سے کم عرصے میں جاہلیہ پہنچے البعدیہ نے اُن کے استقبال کا انتظام جاہلیہ میں کیا تھا اور گھوڑوں کا ایک مختصر سادہ امیر المؤمنین کے استقبال کے لیے آگے روانہ کر دیا تھا۔

امیر المؤمنین جاہلیہ پہنچے تو البعدیہ، خالد اور یزید کو وہاں دیکھ کر حیران ہوئے۔

”کیونکر تم نے ایلیا (بیت المقدس) کا محاصرہ اٹھالیا ہے؟“ عمر نے پوچھا۔ ”تم سب یہاں کیوں ہو؟“ امیر المؤمنین!۔ البعدیہ نے کہا۔ ”محاصرہ عمر بن العاص کے سپرد کر آئے ہیں۔ محاصرہ مضبوط ہے۔ ہم تیرے استقبال کے لیے یہاں موجود ہیں۔“

خالد اور یزید بڑی قیمتی اور زلفت کی عبا میں پہنے ہوئے تھے۔ وہ شہزادے لگ رہے تھے۔ خالد قریش کے بڑے امیر خاندان کے فرد تھے اور یزید قبیلے کے سردار البسفیان کے بیٹے تھے۔ اپنے امیر المؤمنین کے استقبال کے لیے بنے ٹھٹھنے ہوئے تھے۔

”خدا کی قسم تم بے شرم ہو مجھے ملنے کے لیے اس شاندار لباس میں آئے ہو؟“ عمر نے اپنے مخصوص غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”دو سال پہلے تک ہمارا کیا حال تھا؟ کیا تم نے مدینہ میں کبھی بیٹھ بکھر کھا کھایا تھا یا لعنت ہے اس مال و دولت جس نے تمہارے دماغ غلاب کر دیتے ہیں۔ کیا تم میدان جنگ میں نہیں ہو؟... خدا کی قسم تم لباس کی شان و شوکت میں پڑ گئے تو حضورؐ کے ہی عرصہ معیار کی بجائے کوئی اور حکمران ہو گا؟“

امیر المؤمنین کی اپنی ہی حالت تھی کہ موٹے کپڑے کا کمرہ پہن رکھا تھا جو اتنا بوسیدہ ہو چکا تھا کہ اُس میں پوند لگے ہوئے تھے۔

خالد اور یزید نے اپنی عبا میں کھول کر امیر المؤمنین کو دکھایا۔ دونوں نے زربیں پہن رکھی تھیں اور تلواریں ساتھ تھیں۔

”امیر المؤمنین! خالد نے کہا۔ ”خوبصورت عبا میں تو پردہ ہے۔ ہم ہتھیاروں کے بغیر نہیں۔“

امیر المؤمنین کے چہرے سے غصے کے آثار صاف ہو گئے۔ وہ مطمئن نظر آنے لگے۔

”ہمیں بہت جلدی بیت المقدس پہنچنا چاہیے۔“ امیر المؤمنین نے کہا۔ ”رومیل کو میں زیادہ انتظار میں نہیں رکھنا چاہتا۔“

امیر المؤمنین نے اتنے لمبے سفر کی پرواہ نہ کی اور بیت المقدس کو چل پڑے۔

امیر المؤمنین جب بیت المقدس کے محاصرے میں پہنچے تو مجاہدین نے دیوانہ وار خوشیاں منائیں۔ امیر المؤمنین کی صرف آمد ہی ان کے لیے حوصلہ افزائی تھی، اب تو وہ اور زیادہ خوشیاں منا سکتے تھے۔ ایلیا (بیت المقدس) کی فتح کوئی معمولی کامیابی نہیں تھی۔ امیر المؤمنین اپنی تمام ترفوج میں گھومے پھرے اور ہر ایک سے مصافحہ کیا۔ بیت المقدس ان کا اپنا شہر تھا۔ اب صرف معاہدہ لکھنا باقی تھا۔

سب سے پہلے ملائے عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اذان دینی تھی جو کوئی بھی دے سکتا تھا، امیر المؤمنین کے ساتھ جو صاحب گئے تھے، ان میں مدینہ کے مشہور مؤذن بلالؓ بھی تھے۔ بلالؓ وہ مؤذن تھے جنہیں اسلام کی تاریخ کا قیامت فراموش نہیں کرے گی۔

”امیر المؤمنین!۔“ کسی نے کہا۔ ”بیت المقدس جیسا مقدس اور اہم شہر ہماری جھولی میں اڑا رہے اس ایک شہر پر فتح کیے ہوئے مسکندوں شہر قربان کیے جاسکتے ہیں۔ ایسی عظیم کامیابی کی خوشی میں آج بلالؓ اذان دیں تو کتنا اچھا ہو، ہم بیت المقدس میں بلالؓ کی اذان کے بعد داخل ہوں گے۔“

خلیفہ المسلمین عمرؓ نے بلالؓ کی طرف دیکھا، بلالؓ خاموش کھڑے تھے۔ اُن کے چہرے پر اسی کا تاثر اور زیادہ گہرا ہو گیا۔ بلالؓ جیسی نسل سے تھے۔ ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کی آواز بلند، سرسری اور پرسوز تھی، انہوں نے پہلی دفعہ اذان دی تو مسلمانوں پر تو اثر ہونا ہی تھا، دوسرے لوگ بھی مسحور ہو کر رہ گئے تھے۔ یہ بلالؓ کی آواز کا جادو تھا۔ اہل قریش نے اس آواز کو بند کرنے کے لیے بلالؓ پر اتنا تشدد کیا تھا کہ وہ بہت دیر تک بیہوش پڑے رہتے تھے۔ جب اُٹھتے تھے تو پہلی آواز جو ان کے منہ سے نکلتی تھی وہ اللہ کا نام ہوتا تھا۔

ان کی اذانیں دشت جبل اور صحراؤں پر دھڑکاری تھیں، لیکن رسول کریمؐ کے وصال کے ساتھ ہی یہ آواز خاموش ہو گئی۔ بلالؓ نے اذان دینی چھوڑ دی۔ ان کے چہرے پر ہر وقت اداسی اور فشرگی کی سیاہ گھٹائیں چھائی رہنے لگیں۔ آخری مدت گزر جانے کے بعد آج پہلی بار بیت المقدس کے دروازے پر امیر المؤمنین عمرؓ کے مصاحبوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ بیت المقدس کی فتح کے اس موقع پر بلالؓ اذان دیں۔ امیر المؤمنین نے ان کی طرف دیکھا تو وہ خاموش رہے۔

”بلالؓ!۔“ امیر المؤمنین نے کہا۔ ”میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو لیکن یہ موقع ایسا ہے کہ میں خود چاہتا ہوں اذان تم ہی دو۔ بیت المقدس کی فتح کے موقع پر کون ایسا ہو گا جو رسول اللہؐ کو یاد نہ کرنا چاہتا ہو گا؟“

بلالؓ کچھ دیر خاموش رہے۔ سب کو توقع یہی تھی کہ بلالؓ اذان نہیں دیں گے لیکن حضورؐ ہی در بعد ان کے چہرے کا تاثر بدل گیا انہوں نے ادھر ادھر دیکھا۔ انہیں ایک جگہ ذرا اونچی نظر آئی یہ تیز قدم اٹھاتے اس جگہ جا کھڑے ہوئے، کانوں پر ہاتھ رکھے اور رسول بعد بیت المقدس کی فضا اُس پرسوز آواز سے تعریف ہوئے لگی جو وصال رسولؐ کے ساتھ ہی خاموش ہو گئی تھی۔ امیر المؤمنین اور ان کے صحابین اور تمام مجاہدین پر سناٹا طاری ہو گیا۔ جب بلالؓ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ ”محمد الرسول اللہؐ“۔ تو کوئی ایک افراد کے دھاریں نکل گئیں۔ اس سے پہلے تو سب کے آئینہ جاری تھے لیکن اپنے رسولؐ کا نام اُن کر سب کے جذبات کے بندلوٹ گئے۔ کسی کو اپنے اوپر ضبط نہ رہا۔

اذان کے بعد امیر المؤمنین عمر بن الخطاب کی امامت میں سب نے نماز عشاء کی۔



اگلے روز امیر المؤمنین کا ایک اہم بیعت المقدس کے اندر یہ پیغام لے کر گیا کہ امیر المؤمنین صلح کا معاہدہ طے کرنے کے لیے مدینہ سے آگئے ہیں۔ اسقف سفر نبویؐ اسی پیغام کا منتظر تھا۔ وہ اپنے ساتھ چند آویں کو لے کر باہر آگیا۔ معاہدے کی شرائط طے ہوئیں اور اسقف نے شہر کی چابی امیر المؤمنین عمر بن الخطاب کے

آسانی سے اپنا مذہب کو تبدیل کرتا ہے۔ جن لوگوں نے ہرقل کا مذہب قبول کر لیا ان کے ناک کان کاٹ دیتے تھے اور ان کے گھر سارے کوڑھ سے لگے تھے۔ انہیں فوج میں جبری طور پر بھرتی کر لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ مجسموں اور مظلوموں جیسی زندگی گزار رہے تھے۔

مسلمانوں سے تو وہ اور زیادہ خوفزدہ تھے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ مسلمان جس شہر کو فتح کرتے ہیں وہاں کے رہنے والوں کو بڑی سختی سے مسلمان بناتے ہیں، گھر لوٹ لیتے اور غلامی و عورتوں کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ بیت المقدس کے باشندوں نے رومی فوج کے سپاہیوں کی زبانی سنا تھا کہ مسلمان بڑے ظالم ہیں۔ یہ سپاہی دراصل میدان جنگ کی باتیں سناتے تھے اور شہری یہ سمجھ کر خوف زدہ تھے کہ مسلمان وحشی اور خونخوار ہیں۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ مسلمان صرف میدان جنگ میں خونخوار ہیں۔

بیت المقدس کے شہریوں نے جب معاہدے کی تحریر پڑھی پھر یہ دیکھا کہ مسلمان فوج نے کسی شہری کی طرف دیکھا کہ نہیں تو وہ خوشیاں منانے لگے۔

امیر المؤمنین نے عظیمین مجاز کو بیت المقدس کا حاکم یا امیر مقرر کیا۔ اس وقت سفر بنو س نے امیر المؤمنین حضرت ابن الخطاب کو شہر کی سیر کرائی۔ انہیں قدیم تہذیبوں اور قوموں کے آثار دکھائے، یہودیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہیں دکھائیں۔ بیت المقدس میں ایسے بے شمار آثار تھے۔ ان میں محراب داود بھی ہے اور صخرہ یعقوب بھی۔ یہ وہ پتھر ہے جس کے متعلق روایت ہے کہ رسول اکرم اس پر کھڑے ہوئے اور معراج کو کئے تھے۔

شہر میں گھومتے پھرتے امیر المؤمنین کلیسا سے قیامت کے سامنے سے گزرے۔ ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا کہ نماز کی کوئی جگہ مل جاتی۔

”خلیفۃ المسلمین! — اس وقت سفر بنو س نے التجائی — ”میرے لیے یہ بات باعث فخر ہوگی کہ آپ کلیسا کے اندر نماز پڑھیں۔“

”نہیں“ — خلیفہ عمرؓ نے کہا — ”میں اس کلیسا کا احترام کرتا ہوں لیکن میں اس میں نماز نہیں پڑھوں گا کہ یہ صبح کے معاہدے کی خلاف ورزی ہوگی۔ اگر میں نے آج آپ کے کہنے پر یہاں نماز پڑھ لی تو میرے بعد مسلمان اس کو رسم بنالیں گے اور کلیسا میں نماز پڑھنے کو ناجائز بنالیں گے۔“

کلیسا سے قیامت وہ جگہ پہنچا جہاں حضرت علیؓ کو مصلوب کیا گیا تھا۔ یہاں بیکلیا تھم گیا تھا۔ اس سے آگے کلیسا تھے قسطنطنیہ تھا۔ اس وقت نے اس کے دروازے میں مصلیٰ بچھا دیا لیکن امیر المؤمنین نے وہاں بھی نماز نہ پڑھی۔ انہوں نے نماز مسجد اقصیٰ میں پڑھی۔

”محترم اسقف! — امیر المؤمنین حضرت ابن الخطاب نے سفر بنو س سے پوچھا — ”رومی آپ کا ساتھ کیوں چھوڑ گئے ہیں؟“ ان کا سالار اطرون کہاں گیا؟“ سنا تھا وہ ہرقل کا ہم قلم ہے!“

”بھلا گیا۔“ سفر بنو س نے جواب دیا۔ ”بھلا گیا۔“ کوئی شک نہیں کہ وہ ہرقل کا ہم قلم تھا۔ اُس نے آپ کو شکست دینے کے برے اچھے منصوبے بنائے تھے۔ اُس نے قیصریہ کے سالار کو آپ کی فوج کے مقابلے کے لیے تیار کیا تھا لیکن آپ کے سالاروں کی چال ان اطرون کے منصوبے تباہ کر دیتے۔ اُس سے پہلے وہ آپ کی فوج کے مقابلے میں آیا تھا۔ ”وہ دیکھ رہا تھا کہ اُس کی فوج میں لڑنے کا جذبہ خیر ہو گیا تھا۔ ہر کوئی اور دوسری جگہوں سے بھاگے ہوئے بہت سے سپاہی یہاں آ گئے تھے۔ انہوں نے یہاں کی فوج کو ایسی باتیں سنائیں جن سے سب کا جذبہ بارود و صلہ بڑی طرح متاثر

حوالے کو دی۔ معاہدہ جو تحریر ہوا، اس کے الفاظ کچھ اس طرح تھے:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اس معاہدے کے تحت جو خلیفۃ المسلمین حضرت ابن الخطاب اور اسقف بیت المقدس سفر بنو س کے درمیان طے پایا خلیفۃ المسلمین نے ایلیا (بیت المقدس) کے باشندوں کو اس معاہدے کی رو سے امن و امان دیا۔ یہ امان ایلیا کے لوگوں کی جان و مال کے لیے ہے، ان کے گرجوں اور ان کے صلیب کے لیے ہے، ہر عمر، ہر مذہب کے فرد کے لیے ہے، تندرست کے لیے، مریض کے لیے بھی ہے۔ کسی گرجے یا کسی دوسرے مذہب کی عبادت گاہ کو فاتحین کی رہائش کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جائے گا نہ انہیں یا ان کے احاطے کے اندر کسی چیز کو نقصان پہنچایا جائے گا نہ انہیں مسمار کیا جائے گا۔۔۔۔۔“

”گرجوں اور دیگر عبادت گاہوں میں سے نہ مال اٹھایا جائے گا نہ کوئی اور چیز غیر مسلموں پر مسلمانوں کی طرف سے مذہب کے معاملے میں کسی قسم کا جبر نہیں کیا جائے گا، نہ ان کے ساتھ گناہوار سلوک کیا جائے گا۔ البتہ ایلیا میں یہودی نہیں رہ سکیں گے۔ یہ فرض ایلیا کے باشندوں پر عائد ہوتا ہے کہ وہ یہودیوں، رومیوں اور ہر قسم پیشہ افراد کو شہر سے نکال دیں۔ ایلیا کے تمام شہری دوسرے شہروں کے لوگوں کی طرح جزیہ ادا کریں گے۔ شہر سے ہمیشہ کے لیے چلے جانے والوں کی جان و مال کا تحفظ ان کی اگلی پناہ گاہ تک کیا جائے گا۔ اور چونکہ ملک کو ذکر آیا ہے، انہیں چھوڑ کر باقی تمام دوسرے ملکوں کے جو لوگ اس شہر میں رہنا چاہتے ہیں وہ رہ سکتے ہیں۔ انہیں بھی جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اگر اس شہر کا کوئی باشندہ شہر سے جانے والے رومیوں کے ساتھ جانا چاہے تو وہ خود یا اپنے خاندان کے ساتھ جاسکتا ہے وہ وہاں جس قدر مال و اموال اپنے ساتھ لے جاسکتا ہے لے جائے۔ ان کی کمیٹیوں میں جو فصل ہے، اس کی حفاظت مسلمانوں کے خلیفہ کی ذمہ داری ہے۔ فصل کے مالک وہی ہیں جنہوں نے بونی تھی۔ شرط یہ ہے کہ وہ جزیہ ادا کریں اور فصل کاٹنے کے لیے آجائیں۔“

اس معاہدے پر امیر المؤمنین عمرؓ نے اپنی مہر لگائی۔ اس وقت سفر بنو س نے اپنے دستخط کیے اور گرجوں کے طور پر خالذ بن ولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن ابی سفیان نے دستخط کیے۔ اس کے فوراً بعد امیر المؤمنین نے ابو عبیدہ اور خالذ کو حکم دیا کہ وہ اپنے دستوں کے ساتھ شام کے شمالی

علاقوں میں چلے جائیں جہاں کچھ گرجوں پر رومی ابھی تک قلعہ بند تھے۔ جاسوسوں نے اطلاع دی تھی کہ شہنشاہ ہرقل شام کی سرحد سے تو نکل گیا ہے لیکن اُس کی جو فوج ابھی شام میں موجود ہے، اس کے لیے ہرقل کمک تیار کر رہا ہے۔



امیر المؤمنین عمرؓ ابن الخطاب، عمرو بن العاص اور شریک بن حسہ کو ساتھ لے کر بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ اس وقت سفر بنو س نے ان کا استقبال کیا۔ ایک روز پہلے صبح نامے پر دستخط ہو چکے تھے اور سفر بنو س نے صبح نامہ شہر کے باشندوں کو پڑھ کر سنایا۔ لوگوں پر اس سے پہلے خوف و ہراس طاری تھا انہوں نے پہلے فاتحین کا ظلم و تشدد دیکھا تھا۔ رومی جب بیت المقدس میں آئے تھے تو شہنشاہ ہرقل کے حکم سے اس شہر کے باشندوں پر قیامت ڈھٹا پڑی تھی۔ لوگوں کو سرکاری مذہب قبول کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ آسانی

ہوا۔ اطرونوں نے اپنی فوج کو تیار کر لیا تھا اُسے جب اطلاع ملی کہ مسلمانوں نے قیساریہ کو محاصرے میں لے لیا ہے تو وہ اپنی فوج کو ساتھ لے کر قیساریہ کا محاصرہ کرنے کے لیے نکلا لیکن اچکے کسی سالار نے اُسے راستے میں روک لیا۔ اس نے پہلی بار مسلمانوں سے ٹکرائی اور اپنی بہت سی فوج مرا کر بُری حالت میں واپس آیا۔۔۔۔۔

”وہ جو اپنے ہارے ہوئے سالاروں کو بزدل کہتا تھا اور جس نے بیت المقدس کے دستوں کو مارنے کے لیے تیار کیا وہ خود بزدل بن گیا اور اُس کا اپنا حوصلہ جواب دے گیا۔ اُس نے یہاں سے خزانہ نکالنا شروع کر دیا اور سمندر کے راستے قسطنطنیہ لے گیا۔ زیادہ تر فوج بھی اُس کے ساتھ چلی گئی۔ یہ فوج ہارے نام تھی جو میں نے قلعے کی دیوار پر کھڑی کر دی تھی۔ میں نے آپ کے ساتھ معاہدہ کرنے کی شرط اس لئے پیش کی تھی کہ جو فیصلہ خلیفہ کر سکتے ہیں وہ سالار نہیں کر سکتے۔ میں اس شہر کو اور اس کے باشندوں کے جان و مال کو بچانا چاہتا تھا۔“

اسقف سفرینوس نے عمر بن الخطاب کو یہ نہ بتایا کہ اطربون اور سفرینوس نے بل کر بیت المقدس سے نہ صرف خزانہ نکالا تھا بلکہ گرجوں کے سونے اور چاندی کے بیش قیمت ظروف بھی نکلوا دیے تھے۔ ان میں صلیبِ اعظم بھی تھی۔ سفرینوس کے امیر المومنین کو مدینہ سے اس لئے بلایا تھا کہ وہ خزانہ، ظروف، رومی فوج اور اس کا مال و اموال نکلوانے کے لئے وقت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جتنے وقت میں امیر المومنین پہنچے تھے اُن وقت میں بیت المقدس سے وہ سب کچھ نکل گیا تھا جو سفرینوس اور اطربون نکالنا چاہتے تھے۔

اپریل ۶۳۷ء (ربیع الاول ۱۶ھ) کے دن تھے جب خلیفہ المسلمین عمر بن الخطاب بیت المقدس میں دس دن قیام کر کے رخصت ہوئے۔ رخصت ہونے سے پہلے انہوں نے تفصیل سے جائزہ لیا تھا کہ رومی کہاں کہاں موجود ہیں۔ مجموعی طور پر رومی شکست کھا چکے تھے۔ ان کا شہنشاہ ہرقل شام سے رخصت ہو چکا تھا۔ رومی فوج کے نامی گرامی سالار مارے جا چکے تھے۔ کچھ اہم مقامات تھے جن پر ابھی رومیوں کا قبضہ تھا۔ وہاں سے رومیوں کو نکالنا ضروری تھا۔ ایسے مقامات میں ایک کا نام قیساریہ تھا جو بحیرہ روم کی بندرگاہ تھی۔ یہاں سے رومیوں کو نکالنا بہت ضروری تھا۔ کیونکہ رومیوں کا بحری بیڑہ ابھی بالکل صحیح حالت میں موجود تھا اور یہ بیڑہ بڑا طاقتور تھا۔ اسے رومی مسلمانوں کے خلاف استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں نے سمندری لڑائی نہیں لڑی تھی۔ البتہ یہ بیڑہ مکہ لانے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ مکہ اتارنے کیلئے قیساریہ کی بندرگاہ استعمال ہوتی تھی۔ امیر المومنین کے حکم کے مطابق قیساریہ سے پہلے بیت المقدس کو محاصرے میں لیا گیا تھا بیت المقدس لے لیا گیا تو امیر المومنین عمر نے یزید بن ابوسفیان کو حکم دیا کہ وہ قیساریہ کو محاصرے میں لے لیں۔ ”ابن ابوسفیان!“۔۔۔ عمر نے انہیں کہا۔۔۔ ”مت سوچنا کہ تُو اس قلعے کو فوراً سر کر لے گا۔ بہت مضبوط قلعہ بند جگہ ہے۔ رومی یہ جگہ اتنی آسانی سے نہیں دیں گے۔ پلے بول بول کر اپنی طاقت ضائع نہ کرتے رہنا۔ قیساریہ میں رومیوں کی تعداد زیادہ ہے اور وہاں رسد کی بھی کمی نہیں۔ دشمن یہی خواہش کرتے گا کہ تُو اُس کے قلعے کی دیواروں سے ٹکراتا رہے اور اتنا کمزور ہو جائے کہ تُو محاصرہ اٹھا لے یا تجھے کمزور پا کر دشمن باہر آجائے اور تیرے دستوں پر ایسا حملہ کر دے کہ تو ہسپا بھی نہ ہو سکے۔“

”تجھ پر اللہ کی رحمت ہو ابوسفیان!“۔۔۔ عمر نے کہا۔۔۔ ”رومیوں کو مکہ مل گئی تو ہمارے لئے بہت بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ محاصرے کو طول دو اور مکہ کو روکے رکھو۔“

عمر بن الخطاب خلیفہ تھے، امیر المومنین تھے لیکن اُن کا یہ دور بادشاہوں جیسا اور آجکل کے سربراہان مملکت جیسا نہیں تھا کہ گئے، کسی کو شاباش دی، کسی کو انعام و اکرام سے نوازا اور آگئے۔ انہوں نے تمام تر علاقے کے احوال و کوائف معلوم کئے۔ انہیں جنگی نقطہ نگاہ سے دیکھا۔ اپنی فوج اور دشمن کے لشکر کی بہت کا جائزہ لیا اور اُس کے مطابق احکام صادر کئے۔ اُن کے مطابق سالار اپنے اپنے مقامات پر پہنچ گئے۔ شام کے شمالی علاقوں میں رومیوں کی کئی قلعہ بند تھیں انہیں اُمید تھی کہ ہرقل جہاں کہیں بھی ہے، مکہ ضرور بھیجے گا۔ مسلمان اس کوشش میں تھے کہ رومیوں کی مکہ نہ آ سکے۔ اس کوشش کی ایک کڑی یہ

تحتی کمزیرینہ اپنے دستوں کو ساتھ لے کر قیساریہ روانہ ہو گئے اور اس شہر کو بندرگاہ بھی بنایا، محاصرے میں لے لیا۔

سالار عمر بن العاص اور شہزاد بن حسنہ فلسطین اور اردن کو روانہ ہو گئے۔ ان کے ذمے یہ کام تھا کہ جن علاقوں سے انہوں نے رومیوں کو سبیل کیا تھا ان علاقوں پر قبضہ کر کے شہری انتظام اور مصولات کے نظام کو بحال اور رواں کیا جائے اور ان جگہوں کے دفاع کو بھی تنظیم کیا جائے۔ رومیوں کی طرف سے جوانی حملے کا امکان موجود تھا۔

سپہ سالار ابو عبیدہ دمشق کو اپنا مرکز بنانے کے لیے چلے گئے۔ ان کے ساتھ مجاہدین کی جو فوج تھی اس کی نفری ستر ہزار تھی۔



تفسیرین ایک قلعہ بند مقام تھا جس میں رومی فوج موجود تھی۔ ابو عبیدہ اس قلعے کو محاصرے میں لے کر وہاں سے رومیوں کو نکلنے جا رہے تھے۔ یہ ایک مضبوط قلعہ تھا جس میں رومیوں کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔ ابن الولید مجاہدین کی فوج کے ہراول میں تھے۔ ان کے ساتھ چار ہزار گھوڑ سواروں کا مخصوص رسالہ تھا جو گھوم پھر کر لڑنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

تفسیرین میں ایک مشہور رومی سالار بنیاس تھا۔ اس نے دیکھ بھال کے لیے دو دروازے اپنے آدمی بھیلار رکھے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی سرپٹ گھوڑا دوڑاتا آیا اور سیدھا بنیاس کے پاس گیا۔ اس نے بنیاس کو بتایا کہ مسلمانوں کا ایک لشکر آ رہا ہے جس کے ہراول میں گھوڑ سوار ہیں۔ اس نے تعداد تین اور چار ہزار کے درمیان بتائی اور یہ بھی بتایا کہ ہراول کتنی دور ہے۔ بنیاس نے بڑی عجلت سے اپنی فوج کو تیار کیا۔

”سلطنت روما کی عظمت کے پاس ناوا!“۔۔۔ اس نے اپنی فوج کے حوصلے میں جان ڈالنے کے لئے جو شیلے انداز میں کہا۔۔۔ ”وہ بزدل تھے جنہوں نے اپنے اوپر عرب کے بتوں کا خوف طاری کر لیا تھا۔ تم میں عیسائی عرب بھی ہیں۔ اگر مسلمان اتنے بہادر ہیں تو تم بھی اتنے ہی بہادر ہو۔ عرب کے مسلمان تم میں سے ہیں۔ تم بھی اسی ریت کی پیداوار ہو۔۔۔ اور رومیوں! اس دن کو یاد کرو جب تم فاتح کی حیثیت سے اس سرزمین پر آئے تھے وہ تمہارے باپ اور دادا تھے۔ تقور میں لاؤ کہ اس وقت ان کے سر کٹنے اور سینے کٹنے چڑے تھے، اور آج سوچو ان کی روجوں کو کتنی شرمساری ہو رہی ہوگی۔“

”مت سوچو کہ شہنشاہ ہرقل بھاگ گیا ہے۔ روم کی عظمت کو، صلیب اعظم کو اور بیت المقدس کی آن کو اپنے سامنے رکھو، پھر سامنے رکھو اپنے سالار اطربون کی بے غیری کو جس نے عیسیٰ کے شہر، یسوع مسیح کے مسکن کو تمہارے مظہر اور تمہارے عقیدوں کے دشمن کے حوالے کر دیا ہے۔۔۔ تقور میں لاؤ اپنی بیٹیوں اور اپنی عورتوں کو جو اب مسلمانوں کے بیچ پیدا کریں گی۔۔۔ اپنے آپ کو دیکھو۔ تم ہار گئے ہو تو باقی عمر کے لئے مسلمانوں کے غلام بن جاؤ گے۔ آج تم کس شان سے، کیسے جاہ و جلال سے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہو تم نے اگر تھیں روال لئے تو تم گھوڑے کی سواری کو بھی ترسو گے۔ تم اصطبل کے ملازم ہو گئے اور گھوڑوں کی غلاظت صاف کیا کرو گے۔“

”مت خون گرما ہمارا اے سالار!۔۔۔ ایک سوار نے بڑی ہی بلند آوازیں کہا۔ یہی تو سمجھتا ہے کہ ہم لڑنے سے منہ موڑ رہے ہیں؟ کیا تجھے ہماری جرأت اور غیرت پر شک ہے؟“

”اے تنہا گھوڑے کے بہادر سوار!“۔ بنیاس نے کہا۔ ”میں شک کیوں نہ کروں! ہمارا کون سا سالار ہے جو میدان سے نہیں بھاگایا مارا نہیں گیا؟ اطربون جو ہرقل کا ہم پلہ تھا، کتنے دعوے کرتا تھا مسلمانوں کو بھیل دینے کے؟ اب وہ کہاں ہے؟ ایک دن بھی نہیں لڑا اور ایسا (بیت المقدس) سے بغیر لڑے بھاگ گیا۔۔۔ کیا اس وقت اس غم سفر بنوں کو تم اپنا مذہبی پیشوا مانو گے جس نے قلعے سے باہر جا کر مسلمانوں کے خلیفہ کا استقبال کیا اور اسے کہا کہ کلیسا کے قیامت میں نماز پڑھو؟ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ اپنی عبادت گاہ اپنے مذہب کے دشمن کے حوالے کر رہا ہے؟ تم نے ثابت کرنا ہے کہ تم اتنے بزدل اور بے غیرت نہیں۔ اگر تم ثابت قدم رہے تو شاید تمک آجائے مگر مجھے شک آئے کہ کوئی امید نہیں نہ میں تمک کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔“

”ہم لڑیں گے سالار!۔۔۔“ پہلے ایک پھر کئی آوازیں بلند ہوئیں۔ ”ہمیں بزدل اور بے غیرت نہ کہہ سالار! آزمائے دیکھ۔۔۔ باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔۔۔ ہم ایک دن میں محاصرہ توڑ دیں گے۔“

”اہم محاصرے تک فوج نہیں آنے دیں گے۔“ سالار بنیاس نے کہا۔ ”ہم دشمن کو قلعے سے دور راستے میں روکیں گے۔ میں تم سے آگے ہوں گا۔“

منورخوں نے لکھا ہے کہ رومی سالار بنیاس جرأت مند سالار تھا جس کی جارحانہ قیادت مشہور تھی اور اس کی دوسری شہرت یہ تھی کہ اپنی فوج میں فلسطین اور ہرولعز پر تھا۔ وہ سپاہیوں سے محبت اور شفقت سے پیش آتا تھا اور سپاہی اس سے محبت کرتے تھے۔ اُسے اتنی جوشیلی اور جذباتی تقریر کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

منورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا سامنا مسلمانوں سے نہیں ہوا۔ وہ سالار تھا۔ جب اُسے خبر ملتی تھی کہ فلاں میدان میں رومیوں کو شکست ہوئی ہے تو وہ شکست کی وجوہات پر غور کرتا تھا۔ اُسے خالد کے مطابق بتایا گیا کہ اس جنگی چالوں کوئی قبل از وقت سمجھ ہی نہیں سکتا اور وہ غیر معمولی طور پر دلیر آدمی ہے۔

”وہ کوئی جن بھوت تو نہیں۔۔۔ بنیاس نے کہا تھا۔۔۔“ اُس نے شکست کھانے والوں نے اُسے مافوق الفطرت بنادیا ہے۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ شکست کھانے والے اسی طرح جھوٹ بولنا کرتے ہیں۔ میں ہرقل کو خالد بن ولید کی لاش دکھاؤں گا۔“



رومی سالار بنیاس کی قیادت میں تفسیرین میں تقیم رومی فوج کے جوئے سیلاب کی مانند باہر نکلی۔ اس کا انداز جوشیلا اور جارحانہ تھا۔ اس کی رفتار تیز تھی۔

اُدھر خالد کے چار ہزار سوار فاسخانہ شان سے چلے آ رہے تھے۔ وہ عام فوج کی ترتیب میں تھے۔ انہوں نے تفسیرین کے قریب جا کر رکنا اور باقی فوج کا انتظار کرنا تھا۔ تفسیرین سے چند میل دور حاضر ایک مقام تھا جو راستے میں آتا تھا۔ خالد کا دستہ جب حاضر کے قریب پہنچا تو دیکھ بھال کے لیے آگے گئے گئے ہوئے مجاہدین میں سے ایک واپس آیا اور خالد کو اطلاع دی کہ رومیوں کا ایک

کثیر تعداد لشکر آ رہا ہے۔

”خدا کی قسم! — خالدؓ نے لٹکار کر کہا —“میں امین الامت کا انتظار نہیں کروں گا۔“

باقی لشکر امین الامت ابو عبیدہؓ کے ساتھ پیچھے آ رہا تھا خالدؓ کو انتظار کرنا چاہیے تھا کیونکہ وہی لشکر کی تعداد زیادہ بتائی گئی تھی لیکن خالدؓ کی سرکش طبیعت انتظار پر آمادہ نہ ہوئی۔ انہوں نے اپنے دہشتہ کو نہایت سرعت سے جنگی ترتیب میں کر لیا۔ اس سوار دستے کو چمک چھپکتے ایک ترتیب سے دوسری ترتیب میں آجھانے کی ٹریننگ دی گئی تھی۔

دونوں فوجیں حاضر کے مقام پر آ سنے سامنے آئیں۔ رومی سالار نیاس کو توقع تھی کہ مسلمان جنگ سے پہلے کے رسم و رواج کا مظاہرہ کریں گے۔ مثلاً ان کا سالار ذاتی مقابلے کے لیے وہی سالار کو لٹکارے گا۔ ایسے چند ایک مقابلے ہوں گے، پھر دستوں کو ترتیب میں کیا جائے گا لیکن مسلمان سواروں کے بغیر ایسی ترتیب میں ہو گئے جسے نیاس سمجھ ہی نہ سکا۔ اتنے میں اُس پر حملہ ہو چکا تھا۔

نیاس اپنی فوج کا حوصلہ بڑھانے کے لیے آگے بڑھا۔ اُس کے گرد محافظوں کا حصار تھا جو خاصا مضبوط تھا۔ چند ایک مسلمان سوار اس حصار پر حملہ آور ہوئے۔ محافظوں نے بڑا ہی سخت مقابلہ کیا۔ رومیوں کی تعداد زیادہ تھی، اس کے علاوہ انہیں اپنے سالار نیاس کے ساتھ دلی محبت تھی اس لیے وہ جھمک لڑے اور بڑی اچھی ترتیب میں تاثر توڑ حملے کرتے رہے لیکن اُن کا ہر حملہ یوں بیکار جانا جیسا ہوا میں گھونسہ مارا ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کا مقابلہ ایسے سواروں کے ساتھ تھا جو جھمک نہیں لڑتے تھے۔ ان کا انداز ٹھیکہ اور تھا۔

حملہ رومی کر رہے تھے اور نقصان بھی انہی کا ہو رہا تھا۔ خالدؓ خود بھی سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ انہیں اپنے سواروں کو چالیں بتانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ ایسی ضرورت نیاس کو تھی وہ دیکھ رہا تھا کہ اُس کی فوج کی ترتیب کچھ رہی ہے۔ اُس نے کسی ایسے مقام پر پہنچنے کی خوشش کی جہاں سے وہ اپنی فوج کو دیکھ کر کوئی چال چل سکتا مگر مسلمان سواروں نے اُس کے محافظوں کا حصار توڑ کر اُسے قتل کر دیا۔

میدان جنگ میں یوں ہوتا تھا کہ سالار مارا جاتا اور پرچم گر پڑتا تو فوج میں بدولی پھیل جاتی اور سپاہی شروع ہو جاتی۔ اسی لیے سپہ سالار کی موت پر پردہ ڈال دیا جاتا تھا لیکن نیاس مارا گیا تو محافظوں نے اعلان کر دیا کہ سالار نیاس مارا گیا ہے۔

مسلمان خوش ہوئے کہ رومیوں میں جھگڑا مچ جانے کی لیکن رومی غضب ناک ہو گئے۔ انہوں نے انتقام انتقام... نیاس کے خون کا انتقام لو“ کے نعرے لگانے شروع کر دیئے اور اُن کے حملوں میں شدت پیدا ہو گئی۔ وہ قہر بن گئے۔ ایک بار تو انہوں نے مسلمان سواروں کے پاؤں اکھاڑ دیئے لیکن یہ غضب ناک انداز ان کے اپنے لیے نقصان دہ ثابت ہوا۔ انہیں صحیح طور پر لیتے سے لڑانے والا مارا گیا تھا۔ وہ اب غصے میں آتے ہوئے ہجوم کی صورت اختیار کر گئے تھے۔

خالدؓ نے رومیوں کو اس کیفیت میں دیکھا تو اپنے سواروں کو نئی ہدایات دیں۔ اس کے بعد رومیوں کا جیسے قتل عام شروع ہو گیا ہو۔ اس کے باوجود وہ ہسپا نہیں ہو رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی ایک

بھی رومی میدان سے نہ بھاگا اور کوئی ایک بھی رومی زندہ نہ رہا۔ زیادہ تر مورخ متفقہ طور پر کہتے ہیں کہ نیاس کی فوج کا ایک بھی سپاہی زندہ نہیں رہا تھا اور بھاگا بھی کوئی نہیں۔ مسلمانوں کا جانی نقصان بہت ہی کم تھا۔



معمر بن مخنفؓ جو اتو حاضر کے لوگ جو سب کے سب عیسائی تھے، باہر نکل آئے اور خالدؓ سے ملے۔ آپ کے خلاف چل رہے ہیں وہ اپنے انجام کو پہنچ گئے ہیں — ایک عیسائی بزرگ نے شہر کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا — ”ہم بھی عیسائی ہیں لیکن ہم آپ سے لڑنے کا ارادہ نہ پہلے رکھتے تھے نہ اب ایسا کوئی ارادہ ہے۔ ہم آپ کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔“

”جس نے ہم سے لڑے بغیر اطاعت قبول کر لی وہ ہماری پناہ میں آ گیا۔“ خالدؓ نے کہا — ”نہ تم پر جبر واجب ہے نہ ہم تمہیں اسلام قبول کر لینے کو کہتے ہیں۔ تمہاری عبادت گاہیں محفوظ رہیں گی۔ ابھی ابو عبیدہؓ کے دستے نہیں پہنچے تھے۔ انہیں محاصرے کے لیے جانا تھا اس لیے انہیں کوئی جلدی نہیں تھی۔ انہوں نے ایک پڑاؤ بھی کیا تھا۔ خالدؓ نے وہاں انتظار نہ کیا کیونکہ انہیں قفسرین کو محاصرے میں لینا تھا۔ یہ کچھ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔“

قفسرین کے اندر رومیوں کی کچھ فوج موجود تھی۔ خالدؓ نے محاصرہ کیا تو رومیوں نے شہر کی دیوار پر آ کر تیر اندازی شروع کر دی۔ خالدؓ کو اندازہ تھا کہ اندر فوج اتنی زیادہ نہیں ہوگی۔ اگر ہوئی بھی تو خالدؓ بہت نہارتے۔ انہوں نے اپنے ایک ایچی کو یہ پیغام دے کر قلعے کے دروازے پر بھیجا۔

”اے رومیو! تم اگر آسمان پر چھائے ہوئے بادلوں میں ہوتے تو بھی ہمارا اللہ تمہیں تم تک یا تمہیں ہم تک پہنچا دیتا۔ ہم تمہیں موقع دیتے ہیں کہ بہت بڑے انجام تک پہنچنے سے پہلے قلعے کے دروازے کھول دو۔ اگر دروازے ہم نے کھولے تو پھر صبح کی شمس تمہاری عمر توڑ دیں گی تمہارا سالار حاضر کے باہر اڑا رہا ہے اور جو فوج وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا اُس کا کوئی ایک بھی سپاہی زندہ نہیں۔ ہم نے تمہیں بہت بڑے انجام سے آگاہ کر دیا ہے۔“

اس پیغام کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ قلعے کے دروازے کھل گئے۔ مسلمان فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوئے۔ جزیرہ کی رقم اور دیگر شرائط طے ہوئیں جن میں حسب معمول ایک شرط یہ بھی تھی کہ قفسرین شہر اور اس کے شہر یوں کی عزت اور جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور جو شہری شہر چھوڑ کر جانا چاہتا ہو وہ اپنے خاندان کے افراد اور اپنے مال و اسوال کو اپنے ساتھ لے جاسکتا ہے۔

جب خالدؓ قفسرین کو پوری طرح بے چھکے تھے اُس وقت ابو عبیدہؓ پہنچے۔

”ابو عبیدہ! — ابو عبیدہؓ نے خالدؓ کو گلے لگاتے ہوئے کہا — ”تجھ پر اللہ کی رحمت ہو میں حاضر کے باہر رومیوں کی لاشیں دیکھ آیا ہوں۔“

ابو عبیدہؓ نے اُسی روز مدینہ خلیفۃ المسلمین کو یہ پیغام بھیجا۔ انہوں نے خالدؓ کی اتنی بڑی کامیابی کی تفصیلات سمجھیں۔ یہ کامیابی اس لحاظ سے بہت بڑی تھی کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ایک اور مکمل گاڑ دی گئی تھی۔

تقریباً تمام مورخوں نے لکھا ہے کہ امیر المومنین عمر بن الخطاب نے یہ پیام پڑھ کر کہا تھا۔۔۔۔۔ ”اللہ نے خالدؓ کو سپہ گری اور سالاری پیدا کر کے ساتھ ہی عطا فرمائی تھی۔ ابوبکرؓ پر اللہ کی رحمت ہو۔ وہ مجھ سے بہتر مردم شناس تھے۔“



تفسیر سے آگے حلب ایک اور مشہور شہر تھا جہاں رومیوں کی خاصی بڑی تعداد قلعہ بند تھی۔ رومی سالار جو وہاں کا قلعہ دار تھا اُس کا نام یوسف تھا۔ یہ بھی تجربہ کار سالار تھا جس نے بے شمار لڑائیاں لڑیں اور ہر لڑائی میں فتح حاصل کی تھی۔ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ حلب کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ رومی سالار یوسف کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے۔

رومی سالاروں نے کچھ عرصے سے یہ سلسلہ شروع کر دیا تھا کہ وہ جب سنتے تھے کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے، وہ اپنے دستوں کو اکٹھا کر کے جوشیلی تقریر کرتے اور قلعے سے باہر آ کر لڑتے تھے۔ یہ ایک دلیرانہ اقدام تھا۔ وہ شاید یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ وہ مسلمانوں سے نہیں ڈرتے۔ یوسف نے بھی ایسے ہی کیا۔ وہ حلب سے اپنے دستے نکال کر قلعے سے چھ میل دُور آ گیا۔

مسلمانوں کی فوج کے ہراول میں اب بھی خالدؓ اپنے سواروں کے ساتھ تھے۔ یوسف نے اپنے ساتھی سالار نیاس کی طرح مسلمانوں کے ہراول سے ٹکھ لینے کا طریقہ اختیار کیا۔ یوسف کو یقین تھا کہ وہ مسلمانوں کو قلعے سے دُور دھکی دے گا۔ اُسے بھی نیاس کی طرح توقع ہو گئی کہ آئندے سامنے آکر مسلمان رُک جائیں گے اور جنگی ترتیب میں آکر لڑیں گے۔

اب بھی خالدؓ نے ویسے ہی کیا کہ اطلاع ملے ہی کہ آگے رومی لشکر آ رہا ہے، اپنے دستے کو جنگی ترتیب میں کر لیا۔ رومیوں کو کچھ کہ خالدؓ نے اپنے دستوں کو روکا نہیں۔ انہیں تین حصوں میں تقسیم کر کے پہلوؤں سے حملہ کر دیا۔ سوار اس طرح گھوم پھر کر لڑے کہ رومی درمیان میں اکٹھے ہو گئے۔ خالدؓ نے سامنے سے بھی حملہ کر دیا۔

خالدؓ کا یہ جارحانہ انداز یوسف کے لئے غیر متوقع تھا۔ اُس نے جو سوچا تھا اُس کے الٹ ہوا اور اُس کے دستوں کے قدم اُٹھ گئے۔ اس معرکے میں بھی رومیوں کی تعداد مسلمانوں کی نسبت زیادہ تھی۔ یوسف کے دستے حوصلہ ہار بیٹھے۔ اُس نے پسپائی تیار کی اور قلعے میں چلا گیا۔ یہ قلعہ پہاڑی کے اوپر تھا اس لئے اُسے سر کرنا بہت مشکل تھا۔ مسلمانوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ یوسف نے متعدد بار اپنے دستوں کو باہر نکال کر مسلمانوں پر حملے کروائے لیکن جانی نقصان کے سوا اسے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔

یوسف کو اُمید تھی کہ شہنشاہ ہرقل کمک اور مدد بھیجے گا۔ اسے شاید معلوم نہ تھا کہ تمام تر شام میں مسلمان جھیل گئے ہیں اور اب اسے کہیں سے بھی کمک نہیں مل سکتی۔ اُس نے دستوں کو باہر نکال کر حملوں کا سلسلہ روک دیا اور قلعے میں دُک کر بیٹھ گیا۔ مسلمان کسی نہ کسی طرح قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کرتے رہے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

چار مہینے حاصرے میں گزر گئے قلعے کے اندر رومی ایسے پریشان اور خوفزدہ ہوئے کہ یوسف نے ایک روز اپنا اپنی باہر اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر تیار ہے۔ یوسف کو اُمید نہیں تھی کہ خالدؓ

اُس کی شرط کو تسلیم کر لیں گے۔ اُس کی شرط یہ بھی کہ اُسے اور اُس کی فوج کو قلعے سے چلے جانے دیا جائے۔

اُس کے اچھی نے جب واپس جا کر اُسے بتایا کہ مسلمانوں نے اُس کی شرط مان لی ہے تو وہ حیران ہو گیا۔ ”نہیں!“ اُس نے کہا۔ ”ایسا ہو نہیں سکتا کہ فاتح اُس فوج کو بخش دے جس نے اُس کے آگے ہتھیار ڈالے ہوں۔۔۔۔۔ میں جانتا ہوں کیا ہوگا جب منتے سپاہی باہر نہ نکلا خالدؓ قلعے میں گئے تو یوسف قتل کر دیں گے۔“

آخر وہ وقت آیا جب یوسف کے دستے بغیر ہتھیاروں کے باہر نکلے اور مسلمانوں کی فوج کے درمیان سے گزر گئے۔ یوسف کو سب سے پہلے بھلا چاہیے تھا لیکن وہ آخر میں بھی باہر نہ نکلا خالدؓ قلعے میں گئے تو یوسف نے اُن کا استقبال کیا۔

”اے رومی سالار!“ خالدؓ نے کہا۔ ”تو جا سکتا ہے۔“

”ابن ولید!“ یوسف نے کہا۔ ”میں نہیں جاؤں گا۔ اگر میں تمہارے ساتھ رہنا چاہوں تو مجھے کیا شرط پوری کرنی پڑے گی؟“

”اسلام قبول کر لے!“ خالدؓ نے کہا۔ ”بھرتیری حیثیت سی رہے گی جواب ہے۔“

”بے شک یہی میری خواہش تھی۔“ یوسف نے کہا۔

اُس نے خالدؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا اور اگلے ہی معرکے میں اُس نے ثابت کر دیا کہ بلالؓ کا فدا دار سالار ہے۔



الطاحیہ شام کا ایک بڑا شہر تھا۔ اس کی اہمیت یہ بھی کہ شہنشاہ ہرقل نے اسے اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا تھا۔ یہیں سے وہ احکام، کمک اور مدد وغیرہ اپنی فوج کو بھیجنا تھا۔ ہرقل اب وہاں نہیں تھا۔ وہ شام کی سرحد سے جا چکا تھا اور غالباً قسطنطنیہ میں تھا لیکن الطاحیہ میں رومی فوج اور ہیڈ کوارٹر موجود تھا۔ وہاں سے رومیوں کو نکالنا لازمی تھا۔ اس سے شام کی فتح مکمل ہو جاتی تھی۔

ابوعبیدہؓ نے الطاحیہ کی طرف پیش قدمی کا حکم دے دیا۔ حسب معمول خالدؓ اپنے گھوڑ سوار دستے کے ساتھ ہراول میں جا رہے تھے۔

الطاحیہ چونکہ رومیوں کا آخری بڑا قلعہ اور اہم مقام رہ گیا تھا اور وہ رومی فوج کا مرکز بھی تھا اس لیے توقع تھی کہ وہاں ہر کوئی جیسا خونریز معرکہ ہوگا۔ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ نے اپنے مجاہدین کو اکٹھا کر دیا تھا کہ اگر گئے کیا خطرہ ہے۔ سب بڑا خطرہ تو یہ تھا کہ مجاہدین کی اس فوج کو مدینہ سے نکلے چار سال ہو چکے تھے اور وہ مسلسل لڑ رہے تھے۔ جہاں تک جہوں کا تعلق تھا، وہ ختم ہو چکے تھے اب تو یہ روح کی قوت تھی جو انہیں انسانی سطح سے بہت اوپر لے گئی تھی۔ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے سپر کر دیا تھا۔

انہیں آرام نہیں ملتا تھا۔ دن تلواریں کی جھنکار، تیروں کے زناٹوں، برہمچویں کے وار روکنے اور داکر نے میں گزر جانا اور راتیں اپنے زخمی ساتھیوں کی کربناک آوازوں میں گزرتی تھیں۔ وہ باطل کی ایک چٹان کو توڑتے تو ایک اور چٹان سامنے آ کر کھڑی ہوتی تھی۔

کے محافظوں کا حصار توڑ کر اُسے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

رومیوں کا پرچم گرے ہی اُن میں افراتفری مچ گئی اور وہ سپاہوں نے لگے کچھ دریا میں کود گئے باقی پُل کے ذریعے دریا کے پار گئے۔ کئی دیر میں مسلمان اُن تک پہنچتے تھے وہ الطاکیر کے قلعے کے اندر جا چکے تھے۔

ابو عبیدہ اور خالد نے جا کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ رومیوں کا لڑنے کا انداز میدان میں ہی ختم ہو گیا تھا۔ قلعے میں اُنہوں نے پناہ لی تھی۔ خالد نے کئی بار اعلان کر دیا کہ قلعے کے دروازے کھول دیتے جائیں ورنہ کسی جان بخشی نہیں ہوگی اور کوئی شرط قبول نہیں کی جائے گی۔

رومیوں کا لشکر جواب پہلے حیا طاقت درمیں رہ گیا تھا بغیر سالار کے تھا۔ اندر سے ایک اچھی باہر آیا جس نے ہتھیار ڈال دیئے اور یہ شرط پیش کی کہ لشکر کو آزادی سے چلے جانے دیا جائے۔ مسلمان سالاروں نے یہ شرط مان لی۔ روم کی تمام تفرج جو قلعے کے اندر تھی قلعے سے نکل گئی اور مسلمان الطاکیر میں داخل ہو گئے۔ یہ ۳۰ اکتوبر ۶۳۷ء (۵ شوال ۱۶ ہجری) کا دن تھا۔

رومیوں کا آخری اور سب سے بڑا شہر بھی مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ اس کے بعد چھوٹی چھوٹی دو چار جگہیں رہ گئی تھیں جہاں رومی موجود تھے لیکن وہ لڑنے کے لیے موجود نہیں تھے بلکہ انھیں جگہ جگہ کا کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا۔ ۶۳۷ء کے آخری مہینے تک شام پر مسلمانوں کا قبضہ مکمل ہو گیا اور وہاں رومیوں کا عمل دخل بالکل ختم ہو گیا۔



قسطنطنیہ میں ہرقل عیسائیوں کے ایک وفد کے سامنے اپنے محل میں بیٹھا تھا۔ یہ وہی شہنشاہ ہرقل تھا جس کی آنکھوں کی لمبی سی جنبش سے کئی انسانوں کو جلا کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ یہی ہرقل تھا جس نے ابتداء میں مسلمانوں کو بیعت کے لیے ختم کر دینے کا حکم دیا تھا۔ یہی ہرقل تھا جس نے ہجرت کا اظہار کیا تھا کہ عرب کے ان بدوؤں کو یہ جرات کیونکر ہوئی کہ اُنہوں نے سلطنت روم کی سرحد کے اندر قدم رکھا ہے۔ اب تھوڑے ہی عرصے بعد وہی ہرقل اپنی اُدھی سلطنت مسلمانوں کے حوالے کر کے شکست خوردگی کے عالم میں اپنے دار الحکومت قسطنطنیہ میں بیٹھا تھا جیسے کبھی نہ مارنے والا جاری بازی ہار گیا ہو اور اُس کے پاس چھوٹی کوڑی بھی نہ رہی ہو۔

”تم لوگ مجھے کس طرح یقین دلا سکتے ہو کہ مسلمانوں کو ان علاقوں سے باہر نکال دو گے جو اُنہوں نے فتح کر لیے ہیں؟“ ہرقل ان عیسائیوں سے کہہ رہا تھا۔ ”اگر تم میں اتنی جان ہو تو آج میں تمہارے درمیان اس طرح نہ بیٹھا ہوا ہوتا“

”شہنشاہ روم“ عیسائیوں کے وفد کے لیڈر نے کہا۔ اب یہ سوچنا بیچارہ ہے کہ شکست کا ذمہ دار کون ہے۔ ہم یہ مسئلہ نہ کر آتے ہیں وہ ایک بار پھر سُن لیں۔۔۔۔۔ آپ جس خطے کو مسلمانوں کے حوالے کر آتے ہیں وہ نہ آپ کا تھا نہ مسلمانوں کا ہے۔ وہ ہمارا خطہ ہے۔ شکست آپ کی فوج کو ہوئی لیکن ایک غیر قوم کے غلام ہم بن گئے۔ مسلمانوں نے ہمارے ہم سے لیا ہے۔ یہ ہماری بے عزتی ہے۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے خلاف نہیں لڑ سکتے۔ ہم لوگوں کے ہم اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں لیکن آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کمک بھیجئے گا وعدہ کریں تو ہم مسلمانوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیتے ہیں۔

وہ آخر گوشت پوست کے انسان تھے اور یہ گوشت پوست تھکن سے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ دشمن ان کی اس جسمانی کیفیت سے آگاہ تھا اور یہی ایک خطرہ تھا جو سالار محروس کر رہے تھے۔ الطاکیر کا دفاع بہت مضبوط تھا۔ جاسوسوں کی لائی ہوئی اطلاعاتیں سالاروں کو پریشان کر رہی تھیں مگر رکنا اور انتظار کرنا بھی خطرناک تھا۔ رومیوں کی کمک آنے سے پہلے الطاکیر پر قبضہ کرنا ضروری تھا۔

مجاہدین کو خزاں کی یہ آیت بار بار یاد دلائی جا رہی تھی کہ لڑو اُس وقت تک جب تک کفر کا فتنہ ختم نہیں ہو جاتا۔ حکمرانی صرف اللہ اور اللہ کے دین کی رہ جائے۔

الطاکیر کے راستے میں دو تین چھوٹے چھوٹے قلعے تھے۔ انہیں سر کر کے تے ہوئے مجاہدین الطاکیر سے تیرہ چودہ میل کے فاصلے پر پہنچے تو ایک جاسوس آیا۔

”ابو یسلاہ!“ جاسوس نے خالد سے کہا۔ ”تھوڑا ہی آگے ایک دریا ہے جس پر ایک مضبوط پُل ہے۔ اس پُل سے اس طرف رومیوں کا ایک لشکر تیار کھڑا ہے۔ راستہ بدل لیا جائے یا جنگ کی تیاری کر لی جائے“

”تجربہ اللہ کی رحمت ہو“ خالد نے کہا۔ ”اللہ کو منظور ہوا تو یہ لشکر بھی ہمارا راستہ نہیں روک سکے گا۔۔۔۔۔ تعداد کتنی ہوگی؟“

”ہمارے پورے لشکر سے دگنی تو ضرور ہوگی“ اُس نے بتایا۔

”یہ سچے جاوے“ خالد نے کہا۔ ”سپہ سالار سے کہو کہ بہت جلدی لشکر کو آگے بے آئے۔“



ابو عبیدہ جب خالد سے آئے تو پورے لشکر نے جنگی ترتیب میں پیش قدمی کی۔ رومیوں کا لشکر زیادہ دور نہیں تھا۔ یہ مقام جہاں رومی لشکر مسلمانوں کا راستہ روکے کھڑا تھا، الطاکیر سے بارہ میل دور تھا۔ رومی سالار نے یہ دلائل مندی کی تھی کہ دیر کو اپنی پشت پر رکھا تھا۔ اسی مقام پر بڑا مضبوط پُل تھا۔ یہ بھی رومیوں کے عقب میں تھا۔

خالد نے حسب معمول توقف نہ کیا۔ آٹھ منے سا منے آتے ہی اپنے رسالے کو خاص انداز سے حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ اس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ رومیوں کی ترتیب بکھر جائے یا وہ مسکرت جائیں۔ اس خصوصی رسالے کے سوا ضرب لگاؤ اور ادھر ادھر ہوجاؤ کے اصول پر چلے کرتے تھے۔

جب دشمن کی جمعیت بکھرنے لگی ابو عبیدہ نے دشمن کے ایک پہلو پر حملہ کر دیا۔ پیچھے دریا تھا خالد کی کوشش یہ تھی کہ دشمن کو اتنا پیچھے دھکیل دیا جائے کہ وہ دریا اس کے لیے مصیبت بن جائے یا اُسے اتنا آگے لایا جائے کہ اُس کے عقب میں جانے کے لیے گھر سواروں کو جھجھل جائے۔

ابو عبیدہ اور خالد کے حملے اسی نوعیت کے تھے جن سے یہ مقصد چل گیا جاسکتا تھا لیکن رومی لشکر کا سالار بھی تجربہ کار اور جنگی قیادت اور چالوں کا ماہر تھا۔ اُس نے اپنے دستوں کو ترتیب میں منظم رکھا اور سالار پر حملے کی بجائے رومی سالار کو دیکھ لیا اور اپنے چند ایک سواروں سے کہا کہ وہ رومیوں کے عقب میں گھسنے کی کوشش کریں۔ کئی ایک سوار اس کوشش میں جان بچھل گئے۔ آخر کچھ سوار رومی سالار تک جا پہنچے اور اُس

مدینہ تک زندہ بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔
 ”ابن الامت“ — خالدؓ نے کہا۔ ”سوال چار سے زندہ رہنے یا نہ رہنے کا نہیں۔ یہ سب کچھ اسلام کا
 زوال شروع ہو جائے گا۔ تمام فوج شام میں ہے۔“
 ”کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم امیر المؤمنین کو اطلاع دے دیں؟“ ابو عبیدہؓ نے پوچھا۔ اور مدینہ
 سے لگ بھگ بائیس لاکھ تھوڑے تھوڑے ہمارے تعداد وہی کیا گئی ہے۔

”ابن الامت“ — خالدؓ نے کہا۔ ”مدینہ تک پہنچ جاتے اور وہاں سے لگ بھگ آتے بہت وقت
 لگے گا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم ہر جگہ سے فوج ایک مقام پر اکٹھی کر لیں؟ ان جگہوں پر ہم ضرورت کے مطابق
 فوج رہنے دیں۔ خدا کی قسم! میں عیسائیوں کو کھلے میدان میں لاکھ لاکھ مارنا چاہتا ہوں۔“
 یہ باتیں محض میں ہو رہی تھیں۔ وہاں دوسرے سالہ بھی تھے۔ ان سب کی رائے یہ تھی کہ محض کے
 اندر رہیں اور عیسائیوں کو آنے دیں کہ وہ محاصرہ کر لیں۔ ابو عبیدہؓ کو اکثریت کی رائے کے مطابق فیصلہ کرنا پڑا۔
 انہوں نے اپنے ان دوستوں کو بھی محض میں بلایا جو ارادہ رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ابو عبیدہؓ
 نے ایک تیز رفتار قاصد کے ہاتھ خلیفۃ الرسولؐ کو خطاب کو پہنچا دیا جس میں انہوں نے تفصیل سے لکھوایا
 کہ عیسائیوں نے ہرقل کی پشت پناہی میں کیا صورت حال پیدا کر دی ہے۔ ابو عبیدہؓ نے یہ بھی لکھوایا کہ وہ محض
 میں قلعہ بند ہو کر لڑیں گے۔

۶۳۸ء کا سال شروع ہو چکا تھا۔



ڈیڑھ دو مہینے اور گزر گئے تو ایک روز عیسائیوں کا ہم غیر محسوس آن پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمان
 اس کے لیے تیار تھے۔ انہوں نے بڑے لمبے عرصے کے خوراک اور تیل وغیرہ کا ذخیرہ شہر میں جمع کر لیا تھا۔
 عیسائیوں نے مسلمانوں کو قلعہ بند دیکھا تو وہ حیران ہوئے کہ کھلے میدان میں لڑنے والی فوج قلعہ بند ہو کر لڑنے
 پر آگئی ہے۔ اسے عیسائیوں نے مسلمانوں کی کمزوری سمجھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو لکھنا شروع کر دیا۔

”اہل اسلام! اب تمہارا مقابلہ عیسائی عربوں سے ہے۔“

”ہم رومی نہیں مسلمان! بہت کمزور، باہر آکر لڑو۔“

”قلعے کے دروازے کھول دو ورنہ تم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا۔“

”اب ہم جزیہ لیں گے۔“

”اسلام کا سورج ڈوب گیا ہے۔“

”باہر آؤ اور ہم سے رحم مانگو۔“

اور ایسے بے شمار طنزیہ نعرے تھے جو عیسائی لگاتے رہے۔ مسلمانوں کی طرف خاموشی تھی۔ ابو عبیدہؓ
 خالدؓ اور دوسرے سالاروں نے طے کر رکھا تھا کہ وہ باہر نکل کر عیسائیوں پر حملہ کریں گے۔
 حملوں کی نوبت ہی نہ آئی۔ محاصرے کا جو تھا یا پانچواں دن تھا۔ عیسائیوں میں طرہ طرہ کی سی پناہو گئی۔ ان پر
 کوئی مصیبت نازل ہو گئی تھی یا ہو رہی تھی۔ مسلمان جو دیوار پر کھڑے تھے، وہ حیرت دیکھ رہے تھے کہ انہیں
 ہوا کیا ہے۔

ہرقل ان عیسائیوں کی جو شام کے شمالی علاقے کے رہنے والے تھے، یہ باتیں اس طرح سن رہا تھا۔
 جیسے یہ لوگ اس سے جھجک مانگتے آتے ہیں اور اسے ان لوگوں کے اس مسئلے کے ساتھ کوئی دل چسپی نہ
 ہو۔ حقیقت یہ کتنی کہ ہرقل چاہتا ہی یہی تھا کہ شام کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف ایسی جنگ کے لیے
 تیار کرے جو بہت ہی طویل ہو تاکہ مسلمان شام کے علاقے میں ہی الجھے رہیں اور روم کی سلطنت میں مزید
 آگے نہ بڑھیں۔ یہ جنگ شب خون کی طرح ہو سکتی تھی۔

بیشتر متروخوں نے لکھا ہے کہ ہرقل نے درپردہ شام کے قابل اعتماد پادریوں کو اکسا یا تھا کہ وہ عیسائیوں
 کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کریں۔ تارخوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ عیسائی تیار ہو گئے تھے۔ عیسائیوں کا یہ
 وفد جو اس کے پاس پہنچا تھا، اس سے بے خبر تھا کہ جو تجویز وہ پیش کرنے آئے ہیں اس پر ہرقل پہلے ہی کام
 کر رہا ہے۔ اس وفد پر وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ انہیں مدد دے کہ وہ ان پر بہت بڑا احسان کر رہا ہے۔
 آخر میں ہرقل نے انہیں کہہ دیا کہ وہ واپس جا کر اپنے پادریوں سے ملیں اور پادری انہیں بتائیں گے کہ
 اس تجویز پر کس طرح عمل درآمد ہو گا۔ اس نے انہیں یہ بھی بتایا کہ عیسائی جب مسلمانوں پر جھجک جھگڑا شروع کریں
 گے تو ہرقل انہیں کمک کی صورت میں اپنی فوج دے دے گا۔



مسلمانوں نے اپنے جاسوس تمام علاقے میں پھیلا رکھے تھے جن میں ایسے جاسوس بھی تھے جو
 عیسائی بن کر عیسائیوں کے ساتھ رہتے اور پادریوں کے مرید بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض شام
 سے نکل کر جنوبی ترکی تک چلے گئے تھے۔ یہ علاقہ سلطنت روم کا حصہ تھا۔

ایک روز ایک جاسوس نے شمالی شام کے جاسوسوں سے رپورٹیں لے کر ابو عبیدہؓ کو آ کر بتایا کہ
 عیسائی وسیع پیمانے پر جنگی تیاریاں کر رہے ہیں اور ہرقل نے انہیں کمک دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس کے
 بعد دو جاسوس اور آئے جنہوں نے اسی قسم کی رپورٹیں دیں۔ ان سے بڑی خوفناک صورت سامنے
 آئی۔ عیسائیوں کا اجتماع بہت زیادہ تھا۔ ابو عبیدہؓ اور خالدؓ کو احساس تھا کہ عیسائیوں کے خلاف لڑنا بہت
 خطرناک ہوگی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رومی جن علاقوں سے بھاگے تھے وہ ان کے نہیں تھے۔ وہ تو بھاگ
 کر اپنی باقی سلطنت میں چھپنا گزریں ہوئے تھے۔ یہ خطے دراصل عیسائیوں کے تھے۔ مسلمانوں کی
 اطاعت قبول کر کے انہیں کوئی معاشی، معاشرتی یا مذہبی پابندی نہیں تھی لیکن وہ مسلمانوں کی غلامی قبول
 کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ لڑائی کی صورت میں اگر انہیں شکست ہوتی تو ان کے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں
 تھی اس لئے انہوں نے جنگ کی تیاریاں ایسے پیمانے پر کی تھیں جو ان کی فتح کا باعث بن سکتی تھیں۔

جاسوسوں سے پوری رپورٹیں لگی گئی کہ لڑنے والے عیسائیوں کی تعداد کتنی ہوگی۔ ان کے ہتھیار کیسے
 ہوں گے اور ان کی قیادت کیسی ہوگی خیال کیا جاتا تھا کہ قیادت رومی سالار کریں گے کیونکہ عیسائیوں کے
 پاس قیادت کے لیے کوئی سالار نہیں تھا۔ اگر کوئی تھا بھی تو وہ مسلمان سالاروں کی کھوکھلی ہونے کا نتیجہ تھا۔ پھر بھی
 صورت حال جو پیدا ہو گئی تھی وہ مسلمانوں کے لیے بہت بڑے خطرے کا باعث بن سکتی تھی۔

”ابو عبیدہ! — ابو عبیدہؓ نے خالدؓ سے مشورہ لینے کے لیے کہا۔ ”شام میں ہماری حکومت نوزائیدہ ہے
 ہمارے ابھی قدم جمے نہیں۔ اگر ہم نے کوئی خطرہ مول لیا اور حالات ہمارے خلاف ہو گئے تو ہم سپاہیوں کو

دور افق سے گرداٹھنے لگی جو بھلیاتی اور اُد پر ہی اُد پر اُٹھتی گئی۔ یہ کسی قافلے کی اڑائی ہوئی نہ ہو، یہ کسی فوج کی گروہ معلوم ہوتی تھی۔ اگر یہ فوج تھی تو عیسائیوں کی ہی ہو سکتی تھی یا یہ رومیوں کی فوج ہو سکتی تھی۔ عیسائیوں میں جو افراطی تفری پیا ہوئی تھی وہ زیادہ ہو گئی اور وہ لڑنے کی ترتیب میں آنے لگے۔ گروہ ابھی دُور تھی۔ عیسائیوں نے تو محاصرہ اٹھائی دیا اور وہ بڑی تیزی سے ایک سمت کو روانہ ہو گئے۔ مسلمانوں نے قلعے کی دیواروں پر نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

گردیں سے ایک فوج آہستہ آہستہ نمودار ہونے لگی۔ یہ مسلمانوں کی فوج تھی عیسائیوں کو اس کی آمد کو اطلاع پہلے ہی مل گئی تھی۔ تو رخوں نے لکھا ہے کہ عیسائی غیر تربیت یافتہ تھے۔ وہ دال رکھتے تو غور و محاصرے میں آجاتے۔ محاصرے کے دروازے کھل جاتے اور اندر سے بھی مسلمانوں کی فوج باہر آجاتی۔ عیسائیوں کا انجیم بہت بُرا ہوتا۔ انہوں نے بیخطرہ بھی دیکھ لیا تھا کہ وہ اپنی بستیوں میں کوئی فوج نہیں جھپڑاتے تھے۔ لڑائی کی صورت میں مسلمانوں نے انہیں شکست دے کر ان بستیوں پر ٹوٹ پڑنا تھا۔

مسلمانوں کی یہ فوج جو محاصرے میں مصروف فوج کی مدد کو آئی تھی، یہ چار ہزار سوار تھے جو قفقاز بن عمرو کے زیرِ کمان تھے۔ یہ سوار اس طرح آئے تھے کہ خلیفۃ الرسول عَزَّوَالہُ عَلَیْہِ السَّلَام کا پیغام ملا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ یہ عیسائی تربیت یافتہ نہیں بلکہ بی غیر منظم ہجوم ہے جسے ابوعبیدہ اور خالدؓ سنبھال لیں گے لیکن شک ضروری ہے چنانچہ انہوں نے سعد بن ابی وقاص کو جو عراق میں قسیم مسلمانوں کی فوج کے سپہ سالار تھے بھیج دیا کہ تین سالاروں کو عیسائیوں کے علاقے جزیرہ کی طرف بھیج دیں۔

ان سالاروں میں سہیل بن عدی، عبداللہ بن قتبہ اور اباز بن غنم شامل تھے۔ عمر نے حکم نامے میں یہ بھی لکھا تھا کہ سالار قفقاز بن عمرو کو چار ہزار سوار دے کر ابوعبیدہ کی مدد کے لیے محاصرے بھیج دیا جائے۔ اس طرح قفقاز محصور مسلمانوں کی مدد کو پہنچ گئے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ محاصرے عیسائیوں کے محاصرے میں ہے۔ انہیں دیکھ کر ہی عیسائی محاصرہ اٹھا کر چلے گئے۔

امیر المومنین نے ٹھیک کہا تھا کہ یہ عیسائی کوئی منظم فوج نہیں۔ یہ عیسائیوں نے خود ہی ثابت کر دیا اور اس کے ساتھ ہی عیسائیوں نے بھی ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کو عیسائیوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے اور مسلمان ارض شام کی فوج کو اُس وقت تک مکمل نہ بھیجیں جب تک کہ وہ اندرونی خطروں کو بھی ختم نہ کر لیں۔ عیسائیوں کے اس جنگی اقدام سے واضح ہو گیا تھا کہ ہم مذہب ہونے کی وجہ سے یا مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے اُن کی دلچسپیاں اور دُور افراطی رومیوں کے ساتھ ہیں۔

خلیفہ کے حکم کے مطابق جزیرہ کے تمام علاقے کو مسلمانوں نے اپنی عملداری میں لے لیا۔ عیسائیوں کے خلاف کوئی تابعدی کارروائی نہ کی گئی۔ اگر کہیں عیسائیوں نے سوغ مزاحمت کی تو اُن کے خلاف جنگی کارروائی کی گئی۔ شمالی سرحد کو تخریب کاری سے بچانے کے لیے ابوعبیدہ نے سرحد پار جا کر حملے شروع کر دیئے۔ اس سے شام میں امن و امان ہو گیا۔



عزیز ان خطاب نے عدل و انصاف میں شہرت پائی ہے۔ ”عدل فاروقی“ ضرب الشل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اُن کے عدل کی لائٹ سے سب بحال طور پر ابھرتے جاتے تھے۔ اُن کی لائٹ غربت اور امارت، رنگ

اور نسل آقا و خاتم النبیین پہنچا تھی۔ اُس دور میں خالدؓ کی عمر کا کون سا ایسا سالار تھا جس نے اسلام کو ارض شام اردن اور فلسطین تک پھیلایا ہو۔ بیت المقدس کا فاتح ہو کوئی کبھی تھا، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ خالدؓ نہ ہوتے تو بیت المقدس کی فتح اتنی آسان بھی نہ ہوتی۔ عمرؓ ذاتی طور پر جانتے تھے کہ قصہ کسریٰ کے خلاف بعض فتوحات اس لیے ممکن ہو سکی تھیں کہ خالدؓ نے غیر معمولی طور پر ولیہ فیصلہ کیے تھے۔

ابوعبیدہؓ ٹھنڈے مزاج کے سالار تھے۔ اگر خالدؓ ان کے ساتھ نہ ہوتے تو رومیوں کے خلاف اتنی تیزی سے آئی زیادہ کامیابیاں حاصل نہ کی جاسکتیں۔

خود عمرؓ خالدؓ کے معترف تھے لیکن عمرؓ کو جب خالدؓ کے خلاف ایک ایسی بات کا پتہ چلا جو اسلام کی روح کے منافی تھی اور جسے عمرؓ نظر انداز بھی کر سکتے تھے، تو انہوں نے فوری کارروائی کا حکم دے دیا۔ عمرؓ نے سوچا کہ نہیں کہ خالدؓ کی جودہ رقیبت ہے وہ اتنی زیادہ ہے کہ یہ چھ ماہ سا الزام ہضم بھی کیا جاسکتا ہے۔

بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ عمرؓ بن خطابؓ نے مسند خلافت پر بیٹھے ہی تمام دستوں میں ایک ایک دو دو مجر رکھ دیتے تھے جو سالاروں اور دیگر عہدیداروں کی ذاتی سرگرمیوں پر نظر رکھتے تھے جب شام میں اس واماں ہو گیا اور خالدؓ کو قسطنطین کا حکم بنا دیا گیا، عمرؓ کو مدینہ میں اطلاع ملی کہ خالدؓ نے ایک شاعر کو جس کا نام اشعث بن قیس تھا سب ہزار درہم صرف اس لیے انعام کے طور پر دیتے ہیں کہ اُس نے قسطنطین جاکر خالدؓ کی فتوحات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ایک قصیدہ پڑھا تھا۔

اشعث بن قیسؓ کو خراج تحسین کا سرور تھا۔ اُس نے شاعری اور مدح سرائی کو پیشہ بنا لیا تھا۔ وہ اور اُس جیسے چند اور شاعر سالاروں اور حاکموں وغیرہ کے دل جاتے، قصیدے پڑھتے اور تحفے تھامتے اور انعام و اکرام وصول کرتے تھے۔ انہی میں اشعث بن قیسؓ خالدؓ کے دل چاہنے والے تھے۔

خالدؓ امیر باپ کے بیٹے تھے۔ انہوں نے غربت دیکھی ہی نہیں تھی۔ شہزادوں کی طرح پلے بڑھے تھے۔ یہ تو اُن کی عظمت تھی کہ صحیح معنوں میں شہزادہ ہوتے ہوئے انہوں نے اُسی عمر میں اپنی جنگ میں پیش قدمیوں میں، زمین پر سوتے اور گھوڑے کی پیٹ پر گزار دی تھی۔ وہ طبعاً خوش ذوق تھے۔ فیاض تھے۔ بہرین چیز کے دلدادہ تھے۔

انہوں نے اس شاعر کو جو انعام دیا تھا وہ اپنی جیب سے دیا تھا۔ اُس وقت سالار اس سے زیادہ امیر ہوتے تھے جس کی وجہ یہ بھی کہ دشمن کے جس سالار کو وہ ذاتی مبارزت میں شکست دیتے تھے اُس کے ماتم تر مال و دولت کے خود مختار ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ انہیں مال غنیمت میں سے حصہ ملتا تھا۔

خالدؓ نے دشمن کے بے شمار سالاروں کو ذاتی مقابلوں میں قتل کیا تھا۔ اُن کے مال و اسواں خالدؓ کے جھتے میں آتے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ خالدؓ نے اتنا مال و دولت اپنے پاس رکھا ہی نہیں تھا۔ تو رخوں نے لکھا ہے کہ شام کی جنگ ختم ہوئی تو خالدؓ نے اپنے سوار دستے کے سواروں کو اپنی جیب سے نقد انعامات دیتے تھے۔ اُن کے سوار دستے نے جو کارنامے کر رکھے تھے وہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ وہ اس سے بھی بڑے انعام کے حقدار تھے لیکن خلافت مدینہ کی نگاہ میں انعام کا تصور کچھ اور تھا اور وہی اسلام کی مروج کے عین مطابق تھا۔



عزیز خطابؓ نے تاریخ اسلام کے مشہور مؤرخان بلالؓ کے ہاتھ ابوعبیدہؓ کو ایک سحر جری لکھنا مہم بھیجا۔

حسب۔۔۔ خالہؓ بن الولید کو مجاہدین کی جماعت کے درمیان کھڑا کر دیا۔ اُس کے سر سے دستارِ تازہ دیا۔
 سے اُس کے ہاتھ پیٹھ کے پیچھے باندھو۔ ٹوپی بھی اُس کے سر سے اتار دو۔ پھر اُس سے پوچھو
 کہ اُس نے ایک شاعر اشعث بن قیس کو عالم اپنی جیب سے دیا ہے یا مالِ غنیمت سے۔ اگر وہ
 اقبال کرے کہ مالِ غنیمت سے دیا ہے تو اسے خیانت میں پکڑو۔ اگر اُس نے اپنی جیب
 دیا ہے تو اُس پر سرف کا الزام عاید کر دو۔ ان میں سے جس الزام کا بھی وہ اعتراف کرتا ہے اُس
 کی پاداش میں اُسے اُس کے موجودہ عہدے سے معزول کر دو اور اس کی جگہ تم خود کا کر دو۔
 یہ عربوں کا رواج تھا کہ جس پر کوئی الزام ہوتا تھا اُس کے ہاتھ اسی کی پکڑی سے باندھ کر کوئل کے
 سامنے پوچھا جاتا تھا کہ اُس نے یہ جرم کیا ہے یا نہیں۔ ایک عام آدمی کے ساتھ یہی سلوک ہوتا تھا لیکن عمرؓ
 نے خالہؓ جیسے عظیم اور تاریخ ساز سالار کو بھی عام آدمی کی سطح پر کھڑا کر دیا۔
 موزوں نے لکھا ہے کہ ابوعبیدہؓ نے جب یہ حکم پڑھا تو اُن پر سناٹا طاری ہو گیا۔ اگر عمرؓ ابوجہشیدہ
 کو تھوڑی سی بھی اجازت دے دیتے کہ وہ یہ تحقیقات اپنے طور پر کریں تو ابوعبیدہؓ خالہؓ کے ساتھ یہ طریقہ
 اختیار نہ کرتے لیکن وہ جانتے تھے کہ عمرؓ دہلیں اور عدل و انصاف کے معاملے میں کس قدر سخت ہیں۔
 اُس وقت ابوعبیدہؓ عرص میں اور خالہؓ قنسرین میں تھے۔ ابوعبیدہؓ نے قاصد کو بھیجا کہ وہ قنسرین سے
 خالہؓ کو بلا لائے۔

قاصد نے جب خالہؓ کو پیغام دیا تو خالہؓ اچھل کر اُٹھے۔

”خالہؓ! قسم! خالہؓ نے نعرہ لگانے کے انداز میں کہا۔ ”مجھے ایک اور جنگ لڑنے کے لیے
 بلا گیا ہے۔“

خالہؓ اس خوشی کو دل میں لہاتے چمپے کہ روسیوں یا بازنطینیوں کے خلاف کوئی بڑی جنگ لڑی
 جانے والی ہے لیکن وہ جب ابوعبیدہؓ کے سامنے گئے تو ابوعبیدہؓ کے چہرے پر ادا کے آثار دیکھے۔
 ”امین الامت! خالہؓ نے اُن کے پاس ٹیٹھے ہوئے پوچھا۔ کیا وہ غلط ہے جو میں سمجھ کر آیا ہوں؟
 ”ابولیمان! ابوعبیدہؓ نے غم سے بوجھل آواز میں خالہؓ سے کہا۔ ”امیر المؤمنین نے تجھ پر الزام عائد
 کیا ہے کہ تو نے دس ہزار درہم اشعث کو دیے ہیں۔ وہ اگر مالِ غنیمت سے دیے ہیں تو خیانت کا جرم
 ہے اور اگر اپنی جیب سے دیے ہیں تو یہ فضول خرچی ہے جو اسلام کی نگاہ میں ناجائز ہے۔ بلا لائی جا رہی ہے جواب
 لے کر آیا ہے۔“

خالہؓ کا رد عمل یہ تھا کہ اُن پر خاموشی طاری ہو گئی۔ ابوعبیدہؓ نے ایک بار پھر پوچھا لیکن خالہؓ کے منہ سے
 ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ دراصل ابوعبیدہؓ چاہتے تھے کہ خالہؓ کچھ نہ کچھ ضرور کہیں تاکہ وہ طریقہ اختیار نہ کرنا پڑے
 جو امیر المؤمنین نے اختیار کرنے کو لکھا تھا۔ خالہؓ پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے بلا لڑ کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

آخر ابوعبیدہؓ نے بلا لڑ کی طرف دیکھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بلا لڑ عربوں کے رواج کے مطابق خالہؓ سے بیان
 لیں۔ بلا لڑ پورا حکم لے کر آتے تھے۔ انہوں نے کارروائی مکمل کر کے جانا تھا۔ خالہؓ نے تھوڑی سی ہمت
 مانگی جو انہیں دے دی گئی۔ یہ ہمت تو انہیں ملنی ہی تھی کیونکہ دستور کے مطابق تمام فوج کو اکٹھا کرنا تھا جس
 کے سامنے خالہؓ سے اعتراف جرم کرنا تھا۔



خالہؓ کی ایک بہن فاطمہؓ حص میں رہتی تھیں۔ خالہؓ اُن کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ عمرؓ نے اُن پر
 کیا الزام عاید کیا ہے۔ بہن سے مشورہ لینے کی ضرورت یہ پیش آئی تھی کہ عمرؓ خالہؓ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ فاطمہؓ
 نے بڑے دکھ سے عمرؓ کے خلاف ایک بات کہ دی۔ خالہؓ پہلے ہی غم میں تھے اور کسی حد تک شعل بھی نہیں
 اپنی س کا مشورہ اچھا لگا اور وہ واپس ابوعبیدہؓ کے پاس چلے گئے۔

”امین الامت! خالہؓ نے کہا۔ ”میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ میں کوئی بیان نہیں دوں گا۔“
 اس کے بعد زمین و آسمان نے جو منظر دیکھا اسے دیکھ کر بھی کوئی فردیق نہیں کرتا تھا کہ یہ سلوک اُس عظیم
 شخصیت کے ساتھ ہو رہا ہے جو عظمتِ اسلام کا ستون ہے اور جس کے بغیر اسلام اس جگہ تک نہ پہنچتا جہاں
 خالہؓ کے ہاتھ اُن کی پکڑی کے پیچھے اُن کی دستار سے بندھے ہوئے تھے۔ اُن کے سر سے ٹوپی اتاری ہوئی تھی۔
 وہ زمین پر دوڑاؤ بیٹھے ہوئے تھے اور بلا لڑ اُن کے سامنے کھڑے اعتراف جرم کر رہے تھے۔

”اے ابنِ ولید! بلا لڑ پوچھ رہے تھے۔ ”تو نے اشعث کو دس ہزار درہم اپنی جیب سے دیے
 ہیں یا مالِ غنیمت سے؟“

خالہؓ کے چہرے کا رنگ اٹا ہوا تھا۔ وہ خاموش رہے۔ بلا لڑ نے ایک بار پھر پوچھا۔

خالہؓ پھر بھی خاموش رہے۔

”ابنِ ولید! بلا لڑ نے کہا۔ ”میں امیر المؤمنین کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں جواب دے۔ تو نے
 دس ہزار درہم اشعث کو اپنی جیب سے دیے تھے یا مالِ غنیمت سے؟“

”اپنی جیب سے۔“ خالہؓ نے آخر جواب دیا۔

بلا لڑ نے اُن کے ہاتھ کھول دیئے اور اپنے ہاتھوں پکڑی اُن کے سر پر رکھی۔

”ہم سب پر امیر المؤمنین کے حکم کی تعمیل فرض ہے۔“ بلا لڑ نے کہا۔ ”ہم ہر سالہ کی عزت
 کرتے ہیں۔“

وہاں جتنی فوج تھی اُس پر خاموشی طاری تھی۔ اس خاموشی میں اضطراب چھپا ہوا تھا۔ بہر کسی کے چہرے
 پر کلمہ اور شکوہ تھا۔ کم از کم خالہؓ کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن نظم و ضبط کا تقاضا تھا کہ ایک
 جائز کارروائی کے خلاف کوئی نہیں بول سکتا۔ ابوعبیدہؓ اور بلا لڑ کی بھی کیفیت یہ تھی کہ وہ انہیں اوپر کے نہیں
 دیکھتے تھے۔ ان کی نظریں زمین پر لگی ہوئی تھیں۔

خالہؓ اُس خیال سے گھوڑے پر سوار ہوئے اور وہاں سے نکل آئے کہ معاملہ یہیں ختم ہو گیا ہے۔ سات
 آٹھ دن گزر گئے۔ خالہؓ کو کوئی حکم نہ ملا۔ وہ جھٹ گئے اور ابوعبیدہؓ سے ملے۔

”ابولیمان! ابوعبیدہؓ نے امیر المؤمنین کا حکم نامہ خالہؓ کے آگے کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ طریقہ“

یہ وہ حکم نامہ تھا جو امیر المؤمنین نے ابوعبیدہؓ کی طرف بھیجا تھا کہ خالہؓ کو بھی اعتراف کریں۔ انہیں سزا
 کر دیا جائے۔

”تجھ پر اللہ کی رحمت ہو امین الامت! خالہؓ نے ابوعبیدہؓ سے کہا۔ ”امیر المؤمنین کا حکم مجھے اُسی

روز کیوں نہ سنا دیا؟

”خدا کی قسم ابوسلمان! ابوعبیدہ نے کہا۔ ”مجھے اندازہ تھا اُس دکھ کا جو تجھے ہونا تھا میں اپنی زبان سے تجھے دکھ نہیں دے سکتا تھا۔ یہ دکھ میرے لیے بھی کم نہیں کہ تجھے معزول کر دیا گیا ہے۔“

خالفہ خاموشی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور جھس سے نکل آئے۔ تاریخ یہ بتانے سے قاصر ہے کہ اُس وقت خالفہ کیا سوچ رہے تھے۔ اُن کی جذباتی دنیا میں کیسے کیسے زلزلے آرہے تھے۔ اُنہوں نے اپنی جیب سے انعام دیا تھا۔ اسے وہ جرم نہیں سمجھتے تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں جو سزا دی گئی ہے وہ بہت سنگین ہے۔ اُن کی زندگی میں یہ دوسرا موقع تھا کہ وہ سوچوں اور خیالوں کی بھول بھلیوں میں پھنس گئے سفر کر رہے تھے۔ ایک اُس روز جب وہ سخت سے مدینہ کو تھننا جا رہے تھے۔ اُنہوں نے مدینہ جا کر رسول اکرم کے دست مبارک پر اسلام قبول کرنا تھا۔ اور اب وہ جھس سے اپنی معزولی کا حکم سن کر فخر میں کو جا رہے تھے۔ اُن کے ذہن میں اضطراب کا، رنج و الم کا اور نہ جانے کیسی سوچوں کا طوفان اٹھتا تھا اور وہ اس طوفان کے زلزلے سینے جا رہے تھے۔

گھوڑے نے انہیں فخر میں پہنچا دیا۔ شہر کے اندر جاتے ہی اُنہوں نے اپنے اُس گھر سوارو سے کوبلایا اُنہوں نے اپنے ہاتھوں تیار کیا تھا۔ یہ پختے ہوئے سواروں کا دستہ تھا۔ اس دستے نے اپنے سے کبھی کبھار قوی دشمن کے پاؤں اٹھا رکھے تھے۔ اس دستے سے خالفہ کو بہت ہی پیار تھا۔ ابھی کل ہی کی بات تھی کہ اس دستے کے سامنے کھڑے ہو کر خالفہ لڑا کر تھے تھے کہ دشمن پلوٹ پڑو۔ آج وہ اُسی دستے کے سامنے رنج و الم کا موقع اپنے اُس گھوڑے پر بیٹھے تھے۔

خالفہ اپنے اس محبوب دستے سے نہ جانے کیسی باتیں کرنا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے بول چال تو اُن پر قوت سی طاری ہو گئی۔ وہ اس دستے کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اُنہوں نے انتہائی مختصر الفاظ میں سواروں کی کامیابیوں کی، اُن کی برق رفتاریوں کی، جہان بازی اور سرفرشی کی دل کھول کر تعریف کی پھر انہیں بتایا کہ وہ ہمیشہ کے لیے اُن کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔

سواروں کا رد عمل یہ تھا جیسے اُن کی سانسیں رک گئی ہوں۔ دردناک سائیکس کھوت تھا جوان پر طاری ہو گیا تھا۔ اس سکوت کو سواروں کی سسکیوں نے توڑا۔ خالفہ نے گھوڑا موڑا اور وہاں سے ہٹ آئے۔ یہ نظر اُن کی برداشت سے باہر تھا۔

وہاں سے خالفہ گھس گئے۔ تمام مجاہدین سے ملے۔ بوجھل دل سے سب کو خدا حافظ کہا اور مدینہ کو روانہ ہو گئے۔



خالفہ مدینہ میں داخل ہوئے لیکن ایک فاتح سالار کی حیثیت سے نہیں بلکہ لوگ گھروں سے باہر اُٹھان کا استقبال کرتے۔ اُن کی حیثیت ایک سزا یافتہ مجرم کی تھی۔ اتفاق سے عمر انہیں ایک گلی میں آتے بل گئے۔

”ابوسلمان!“ عمر نے خالفہ کے تنگی کارناموں کو ان الفاظ میں سراہا۔ ”تو نے وہ کام کیا ہے جو کوئی اور نہیں کر سکتا تھا مگر ہم کام اللہ کرتا ہے۔“

”اور تو نے جو کام کیا ہے وہ کسی بھی مسلمان کو پسند نہیں آیا۔“ خالفہ نے کہا۔ ”اے ابن خطاب! تو نے میرے ساتھ لے انصاف کی ہے۔“

”کہاں سے آئی یہ دولت کہ تو اسے ناجائز اسراف میں پھینکنا چھڑتا ہے؟“ عمر نے کہا۔ ”ابوسلمان! کیا تو درمیںوں اور فاسقوں جیسا بادشاہ بننا چاہتا ہے؟... خدا کی قسم، تو میرے لیے قابل احترام ہے تو مجھے عزیز ہے۔ اب تجھے مجھ سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ خدا کی قسم میں کسی سالار کسی امیر اور کسی حاکم کو بادشاہوں جیسا نہیں بننے دوں گا کہ جس نے جھوٹی مدح کی اُس کی جھولی انعام سے بھری۔“

خالفہ ایک دو دن مدینہ میں رہ کر فخر میں چلے گئے۔ وہ مدینہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ اللہ کی تعارفیام میں بند ہو گئی۔



اس واقعہ کے متعلق بہت کچھ کہا جاسکتا تھا۔ بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ تاریخ والوں نے اپنی اپنی رائے دی ہے۔ بعض نے عمر کے اس فیصلے کے خلاف لکھا ہے۔ خلفائے راشدین کو سراہنے والوں نے بھی ہے کہ عمر کے دل میں خالفہ کے خلاف ذاتی رنجش تھی جسے اُنہوں نے یوں مثالیہ بنائے تھے جتنے ہی خالفہ کو معزول کر دیا۔ حقیقت کچھ اور تھی۔ اگر ہم آج کے دور کو آج کے بھولوں کو سامنے رکھ کر سوچیں تو عمر کا یہ فیصلہ اچھا نہیں لگتا اور اگر ہم اُس دور کو نصواریں لائیں اور گہرائی میں جائیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ عمر کا یہ فیصلہ صحیح تھا۔

عمر کیجئے۔ عمر نے کہا تھا کہ تم بادشاہ بننا چاہتے ہو۔ بادشاہوں کے انداز ہی ہوتے ہیں کہ جس نے

تعریف میں دو کلمے کہ دیتے تو اسے انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ غور کیجئے۔ عمر بن الخطاب کی نظر آنے والے وقت کے پرے چاک کر کے کتنی دور چلی گئی تھی۔ خلیفہ راشدین کے بعد آنے والے خلفائے انعام و اکرام کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ عباسی دور وراثتی بادشاہ بن گئے تھے۔ اُنہیں کے آخری دور کو دیکھتے۔ دربار لگا ہوا ہے۔ شاعر اور ادیب منظوم اور نثری قصیدے پڑھ رہے ہیں اور انعامات سے جھولیوں بھر رہے ہیں۔ خوشامد ایک فن اور ایک پیشہ بن گیا ہے۔ اور ان انعام خوردوں، مدح سراؤں اور خوشامدیوں نے سلطنتِ اُمس کو متوسط غرناطہ تک پہنچایا۔

اس کے بعد سلطنتِ اسلامیہ بادشاہیوں میں بٹ گئی۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے انعام مشہور ہوئے اور اس سلطنت کو زوال آیا۔

اب پاکستان میں دیکھ لیں۔ انعام و اکرام کا وہی مذموم سلسلہ چل رہا ہے جسے اسلام نے ناجائز اسراف قرار دیا تھا۔ خالفہ بن الولید نے تو اپنی جیب سے انعام دیا اور معزولی کی سزا پائی تھی لیکن ہمارے حکمران کی فرمائے سے انعام دیتے چلے جا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ غیر محالک سے لیے ہوئے قرضوں کی رقم ہے جس پر ہم سودا کر رہے ہیں۔

عمر کی دور بین نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ انعام و اکرام کا سلسلہ چل سکتا تو اس کا نتیجہ زوال کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

عمر نے اس لیے بھی خالفہ کو نہیں بخشا تھا کہ عدل و انصاف، اور سزا میں جھوٹے بڑے کافر نہ رہے۔

انہوں نے سوچا تھا کہ انہوں نے خالد کو معاف کر دیا تو یہ کہ دستور بن جائے گا کہ سالار، امیر، حاکم اور حیثیت والے افراد کو سزا ہی نہیں سکتی۔ اس طرح عدل و انصاف ختم ہو جائے گا اور اسلامی معاشرہ چھوٹے اور بڑے میں بٹ جائے گا۔ عجز احکام سنوائے میں اس قدر سخت تھے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو ایک سو کوٹھل کی سزا دی تھی۔ اسی کوڑے مارے گئے تو ان کا بیٹا مر گیا۔ عجز کو اطلاع دی گئی۔ انہوں نے حکم دیا کہ ایک سو کوڑے پورے کرو۔ باقی بیس کوڑے اُس کی لاش پر مارو۔



مدینہ سے خالد قنسر بن گئے وہاں سے حص چلے گئے اور ان کی عمر کے باقی چار سال وہیں گزرے ایک وقت آیا کہ خالد نگے دست ہو گئے۔ اہل قریش کا شہزادہ، میدان جنگ کا بادشاہ، دل کا سخی اور فیاض، ہزاروں درہم حقداروں میں تقسیم کر دینے والا انسان مستقلی کے چنگل میں آگیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد امیر المومنین عجز نے کچھ مسلمانوں کے لیے وظیفہ مقرر کیا تھا جو تین ہزار درہم سالانہ تھا۔ یہ خالد کو بھی ملنے لگا۔ اس سے وہ حص میں اپنے کہنے کے ساتھ زندگی کے دن پورے کرنے لگے۔

خالد ابہ خالد نہیں رہے تھے جن کی اس لکڑا — انا فارس الضدید۔ انا خالد بن الولید۔ سے دشمن پرورش تھی جو جا بجا کرتی تھی وہ کوششیں ہو گئے۔ ان کی زندہ دلی خوش ذوقی اور شوخی ختم ہو گئی اور وہ چپ اور اداس رہنے لگے۔

جنوری فروری ۶۳۹ء (۸ ہجری) میں انہیں ایک اور صدمہ برداشت کرنا پڑا فلسطین کے ایک قبضے عمواس میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی جو دیکھتے ہی دیکھتے تمام فلسطین اور شام میں پھیل گئی۔ لوگ بڑی تیزی سے موت کا شکار ہونے لگے۔

یہاں ابوعبیدہ کے کردار کا ذکر بے محل نہ ہو گا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ امیر المومنین عجز نے ابوعبیدہ کو بیجا بھیجا کہ وہ مدینہ لائیں۔ ابوعبیدہ نے جواب دیا کہ میرے جن ساتھیوں نے میدان جنگ میں کبھی ساتھ نہیں چھوڑا تھا انہیں میں طاعون کے ڈر سے چھوڑ کر نہیں آؤں گا۔ چنانچہ وہ اپنی فوج کے ساتھ رہے اور طاعون کے حملے سے بچ گئے۔

خالد کے تمام ساتھی سالار جن کے ساتھ انہوں نے بڑی خوشیاں جنگیں لڑی تھیں طاعون سے انتقال کر گئے۔ ان میں ابوجہشیدہ، شمر بن لہث، حنظلہ بن ابیہ، یزید بن ابیہ، البسفیان بھی شامل تھے۔ خالد کے اپنے بہت سے بیٹے طاعون کا شکار ہو گئے۔ ایک باپ کے لیے یہ صدمہ ناقابل برداشت تھا۔ طاعون کی اس وبا میں کچھ نازک مسلمان اللہ کو پیارے ہو گئے۔

خالد پہلے بھی چپ رہتے تھے مگر اب تو جیسے ان کی قوت گویائی ختم ہو گئی ہو۔ مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ چل رہا تھا ابوعبیدہ کے انتقال کے بعد سپہ سالاری عجز بن العاص کو ملی۔ خالد جب بلالوں کی فتح کی خبر سنتے تھے تو ان کے چہرے پر رون آ جاتی تھی مگر کچھ دیر بعد وہ چہرہ کچھ کے رہ جاتے۔ انہیں غالباً یہ خیال آ جاتا تھا کہ وہ اس جنگ میں شریک نہیں تھے۔

۶۴۲ء (۲۱ھ) میں خالد کو ایسی بیماری نے آلیا جو انہیں بڑی تیزی سے کھانے لگی۔ یہ صدمہ دل کا اثر تھا۔ ان کا جسم کھٹا چلا گیا۔ ایک روز ایک دوست انہیں دیکھنے آیا۔

”غور سے دیکھو! — خالد نے اپنی ایک ٹانگ نیکی کر کے دوست کو دکھائی اور پوچھا — کیا تیری ٹانگ پر کوئی جگہ تجھے نظر آتی ہے جہاں تیرا تلوار یا برچی کا زخم نہ ہو؟“
دوست کو ایسی کوئی جگہ نظر نہ آئی جہاں زخم نہ تھا۔ خالد نے دوسری ٹانگ نیکی کر کے دوست کو دکھائی اور یہی سوال پوچھا۔ پھر دونوں بازو باری باری منگے کیے اور یہی سوال پوچھا، پھر سینہ اور پیٹ دکھائی دوست کو ایک بالشت سے زیادہ کوئی جگہ نظر نہ آئی جہاں زخم کا نشان نہ تھا۔
”کیا تو نہیں جانتا میں نے کتنی جنگیں لڑی ہیں؟ — خالد نے بڑی خیمت آواز میں کہا — پھر جس شہید کیوں نہ ہوں؟ میں لڑنے ہوئے کیوں نہ ہوں؟“

”تو میدان جنگ میں نہیں مر سکتا تھا ابوسلمانی؟ — دوست نے کہا —“ تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تلوار کا تھا۔ یہ رسول اکرم کی بیٹی کو تھی کہ تو میدان جنگ میں نہیں مارا جائے گا۔ اگر تو مارا جاتا تو سب کہتے کہ ایک کافر نے اسلام کی تلوار توڑ دی ہے۔ ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔ تو اسلام کی شمشیر بے نیام تھا۔“

انتقال کے وقت خالد کے پاس ان کا ایک ملازم حتم تھا۔ نزع کے عالم میں خالد نے کہا —
”میں ایک اونٹ کی طرح مر رہا ہوں۔ بستر پر مرنا میرے لیے شرمناک ہے۔ اور خالد اُس اندر کے حضور پہنچ گئے جس کی وہ شمشیر تھے۔ خالد بن الولید صلی اللہ علیہ وسلم سے اٹھ گئے۔
خالد کی عمر ۵۵ سال تھی۔

ان کی وفات کی خبر مدینہ پہنچی تو نبی مظلوم کی عورتیں بین کر تیں گلیوں میں نکل آئیں۔ مدینہ کی دوسری عورتیں بھی باہر گئیں اور مدینہ ماتم کدہ بن گیا۔ عورتیں سینہ کو پی اور بین کر رہی تھیں۔ امیر المومنین عجز نے خلافت کی سمن پڑھتے ہی حکم جاری کیا تھا کہ کسی کی وفات پر گریہ و زاری نہیں کی جائے گی۔ ان کے اس حکم پہنچتی سے عمل ہوتا رہا تھا مگر خالد کی وفات پر عورتیں گھروں سے باہر آکر بین کر رہی تھیں۔ عجز نے اپنے گھر میں بیٹھے یہ آوازیں سنیں تو وہ غصے سے اٹھے اور دیوار کے ساتھ لکھنا ہوا ڈرہ لے کر تیزی سے باہر کو چلے لیکن دروازے میں رک گئے۔ کچھ دیر سوچ کر واپس آ گئے اور ڈرہ وہیں لٹکا دیا جہاں سے اٹھا تھا۔

”نبی مظلوم کی عورتوں کو رونے کی اجازت ہے۔ عجز نے اعلان کیا —“ انہیں ابوسلمانی کا ماتم کر لینے دو۔ ان کا رونا دکھا دے گا نہیں۔ رونے والے ابوسلمانی جیروں پر ہی رو یا کرتے ہیں۔“
حصص میں ٹرا حسین ایک بانع ہے۔ بچہ بولوں کے کیار سے ہیں۔ درمیان میں راستے ہیں۔ درخت ہیں۔ اس بانع میں ایک مسجد ہے جو مسجد خالد بن الولید کے نام سے مشہور ہے۔ بہت دل کش مسجد ہے۔ اس مسجد کے ایک کونے میں خالد کی قبر ہے۔ خالد کی داستان شجاعت جاننے والوں کو آج بھی جیسے اس مسجدیں جا کر لکڑا سنا دیتی ہے۔

انا فارس الضدید

انا خالد بن الولید